سلسلۂ نصابات تعلیم جامعۂ عثمانیہ

تاریخ انگلستان

حصۂ دوم

تالیف

کیرل رینسم - ایم - اے

ترجمہ

مولوی سید ہاشمی صاحب، فرید آبادی

سابق رکن شعبۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ

۱۳۵۹ھ م ۱۳۵۰ف م ۱۹۴۱ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن

فہرست مضامین

تاریخ انگلستان حصۂ دوم

(رینیسم)

فہرست شجرہ ہائے شاہان انگلستان

فہرست نقشہ جات

جزو ششم

خاندان ٹیوڈر

شجرۂ خاندان ٹیوڈر

ہنیری ہفتم زوج الزبیتھ (یارکی)
(شہزادہ جان گونٹ کی پوتی مارگریٹ بوفرٹ کا بیٹا) سنہ ۱۴۸۵ تا ۱۵۰۹ء
بنت ایڈورڈ چہارم

آرتھر المتوفی سنہ ۱۵۰۲ء

ہنیری ہشتم
سنہ ۱۵۰۹ء تا ۱۵۴۷ء

مارگریٹ
(زوجہ جیمس شاہ اسکاٹ لینڈ)

میری
۱۔ زوجہ لوئی شاہ فرانس
۲۔ " چارلس برنیڈن شہزادہ سفک۔

میری
سنہ ۱۵۵۳ء تا ۱۵۵۸ء

ایڈورڈ ششم
سنہ ۱۵۴۷ء تا ۱۵۵۳ء

الزبیتھ
سنہ ۱۵۵۸ء تا ۱۶۰۳ء

فرانسیز زوجۂ ہنیری گرے (الزبیتھ ووڈویل کا پوتا، پہلے شوہر سے، الملقب بہ شہزادہ سفک)

لیڈی جین گرے
(زوجۂ گلڈفرڈ ڈولی)

کیتھراین

شجرۂ شاہان اسکاٹ لینڈ (سنہ ۱۴۶۰ تا سنہ ۱۶۰۳)

جیمس سوم
سنہ ۱۴۶۰ تا سنہ ۱۴۸۸

جیمس چہارم زوج مارگریٹ ٹیوڈر زوج ارل آف انگس
سنہ ۱۴۸۸ تا سنہ ۱۵۱۳

مارگریٹ زوج ارل آف لی ناکس

جیمس پنجم
سنہ ۱۵۱۳ تا سنہ ۱۵۴۲

میری ملکہ اسکاٹ لینڈ زوج لارڈ ڈارنلی
مقتول سنہ ۱۵۶۷

چارلس ارل آف لی ناکس

اربلا اسٹیوارٹ

جیمس ششم شاہ اسکاٹ لینڈ
اور اول شاہ انگلستان
سنہ ۱۵۶۷ تا سنہ ۱۶۲۵

شجرۂ شاہان فرانس (۱۴۸۳ء تا ۱۶۰۳ء)

چارلس ہشتم (۱۴۸۳ء تا ۱۴۹۸ء چارلس ششم کا پروتا) کے بعد

لوئی دوازدہم (۱۴۹۸ء تا ۱۵۱۵ء) لوئی ڈیوک آف اورلیان برادر چارلس ششم کا پروتا تخت پر بیٹھا

کلاوڈ زوج فرانسیز اول (۱۵۱۵ء تا ۱۵۴۷ء) لوئی ڈیوک آف اورلیان برادر چارلس ششم کا پروتا

ہنری دوم (۱۵۴۷ء تا ۱۵۵۹ء) زوج کیتھرائن دی مدیسی

فرانسیز دوم (۱۵۵۹ء تا ۱۵۶۰ء) نے میری ملکہ اسکاٹ لینڈ سے شادی کی

چارلس نہم ۱۵۶۰ء تا ۱۵۷۴ء

ہینری سوم ۱۵۷۴ء تا ۱۵۸۹ء زوج ملکہ الزبیتھ

فرانسیز ڈیوک آف الن کن زوج ملکہ الزبیتھ

مارگریٹ نے ہنری چہارم (۱۵۸۹ء تا ۱۶۱۰ء) سے شادی کی سینٹ لوئی کے کے فرزند رابرٹ کے خاندان سے تھی اور تمام درمیانی شاخوں کے ختم ہونے کی وجہ سے تخت فرانس کی وارث تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بابِ اوّل

ہنیری ہفتم ۱۴۸۵ء تا ۱۵۰۹ء

ولادت ۔ ۱۴۵۶ء ۔ ازدواج بالزبتھ دیارکی ۱۴۸۶ء

معاصرین ۔ فرانس .... چارلس ہشتم لوئی دوازدہم

اسکاٹ لینڈ.. ... . جیمس سوم و چہارم

ہسپانیہ فرڈی نینڈ و ازابلا

ہینری ٹیوڈر نے بوس ورتھ کے میدان ہی میں منصب شاہی اختیار کرلیا اور چھوٹی چھوٹی منزلیں کرتا ہوا شاہانہ تزک واحتشام کے ساتھ لندن میں داخل ہوا۔ جنگ کے بعد یہ دوسرے ہفتے کا دن اور ستمبر کی تیسری تاریخ تھی۔ دعاوی کو باضابطہ بیان کرنے میں بعض دقتیں اور قباحتیں واقع ہوتیں لہذا ہینری نے واقعات مسلمہ کی خاموش منطق سے کام لیا اور ۳۰ر اکتوبر کا دن تاجپوشی کے واسطے مقرر کر کے، بہ حیثیت بادشاہ پارلیمنٹ کے ارکان منتخب کرنے کے احکام بھیجدئے۔ پھر ۷ر نومبر کو، پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو ہینری نے

ہینری کی تاجپوشی اور پہلی پارلیمنٹ

مبہم الفاظ میں اعلان کیا کہ وراثت کے جائز حق اور میدانِ جنگ میں خدائی فیصلے نے مجھے تاج شاہی کا مالک بنا دیا ہے اور پارلیمنٹ کے ارکان نے بھی اسی رنگ میں باضابطہ قانون کے ذریعے اعلان کر دیا کہ انگلستان و فرانس کے تاجوں کی وراثت ہمارے نئے ولی نعمت فرماں روا، شاہ ہینری ہفتم اور اس کی اولادِ صلبی کا حق ہے، اُسی کو حاصل ہوا اور اسی کو حاصل رہے گا۔ اسی کے ساتھ رچرڈ ثالث کو غاصب اور جو لوگ اس کی طرف سے بوسورتھ میں لڑے، انھیں غدّار قرار دیا گیا۔ بایں ہمہ قتل و خون کی نوبت نہ آئی کیونکہ ہینری ان خونی سزاؤں کو جو کچھ مدّت سے معمول بن گئی تھیں، روکنا مناسب سمجھتا تھا اور عفو عام نے ملک میں بہت جلد امن و اطمینان بحال کر دیا۔ شروع میں الزبیتھ کی موعود شادی کا، جس پر بادشاہ کے یارکی خیر خواہ بھروسہ کئے ہوئے تھے، کوئی ذکر نہ آیا لیکن اجلاس ختم ہوتے وقت پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے بالاتفاق درخواست کی کہ بادشاہ اس رشتے کو شرفِ قبول بخشے اور ہینری نے اسے بلے تامل منظور کر لیا۔ جنوری ۱۴۸۶ء میں شادی ہوئی اور اسی سال بہت سے بہن بھائیوں میں سب سے بڑا بیٹا، آرتھر پیدا ہوا اور عیّار اُسقف مورٹن کی تدبیر کہ ان دو خاندانوں کو ملا دیا جائے، پوری طرح کامیاب ہو گئی۔ مگر ہینری تُلا ہوا تھا کہ بادشاہی اس کے ذاتی حق پر مبنی رہے گی نہ کہ بیوی کے۔ اور اسی لئے کچھ عرصے تک ملکہ ملکی معاملات میں پسِ پشت رہی اگرچہ خانگی طور پر بادشاہ اس سے محبت آمیز برتاو کرتا رہا۔

ہینری کے انھی کاموں سے اس کی خوخصلت ظاہر ہو گئی۔ وہ مزاج کا ٹھنڈا، محتاط، مستقل۔ اچھا خاصہ سپاہی اور خلقی سیاست داں تھا۔ اس کے علاوہ اس میں اور بھی بعض باتیں ایسی تھیں جو شاہانِ ماسبق سے اسے ممتاز کرتی اور صحیح معنی میں عصرِ جدید کا پہلا انگریز بادشاہ کہلانے کا مستحق بناتی ہیں۔ اس کی شبیہیں دیکھ کر ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بدرجۂ اولیٰ مفکّر اور حجتی آدمی تھا اور یہی خال و خط بتاتے ہیں کہ اس کے چہرے میں جو ”پادری پن“ بیان کیا گیا ہے اس کا کیا مطلب ہے۔ بخلاف اس کے ملکہ خاص یارکی نمونے کی تھی۔ چہرہ بھرا ہوا جذبات نفسانی کا مرقع دکھاتا تھا

جیسا کہ ایڈورڈ چہارم کی بیٹی کو ہونا چاہئیے تھا۔

ہینری کی حکمتِ عملی

اپنے مزاج کے موافق ہینری تمام عہد میں جبر و جور کی بجائے زیادہ تر سیاسی جوڑ توڑ سے کام نکالتا رہا۔ ضرورت کے وقت جنگ کی قابلیت دکھانے میں اس نے کمی نہیں کی لیکن ترجیح اسی کو دی کہ کھلے میدان میں لڑنے کی بجائے دشمن کو اپنی چالوں سے دنگ کر مارے۔ اس کی حکمت عملی کے دو بڑے مقصد تھے: ایک تو یہ کہ تخت سلطنت اپنے اور اپنی اولاد کے لئے محفوظ اور تمام حریفوں کا قلع قمع ہو جائے۔ اور دوسرے یہ کہ اُمرا کی طاقت توڑ کر بادشاہی اقتدار کو مضبوط کیا جائے۔ آخر میں ایک تیسرا مقصد یہ بھی اُس نے بڑھالیا تھا کہ ممالک یورپ کے معاملات میں عملی حصہ لیا جائے اور ازدواجی تعلقات سے اپنی قوت بڑھائی جائے۔ ہینری نے یہی تین بنیادی مقاصد اپنی اولاد میں ورثہ چھوڑے اور اُس زمانے کے حالات ایسے تھے کہ تھوڑے سے تغیّر و تبدل کے ساتھ تمام ٹیوڈر بادشاہوں کی حکمت عملی انھی پر مبنی رہی۔ لیکن واضح رہے کہ ایسی حکمتِ عملی سے صرف ہردلعزیز بادشاہ کام لے سکتے تھے کیونکہ بادشاہ کے پاس مستقل فوج نوکر نہ ہونے کی صورت میں، اگر بغاوت ہو تو قانون پسند رعایا ہی کے حسنِ عقیدت پر بھروسہ ہو سکتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ ہینری اور اس کے جانشینوں نے شرفا اور طبقۂ متوسّط کا دل ہاتھ میں لینے کی غرض سے جان و مال کے حفاظتی قوانین پر سختی سے عمل کرایا۔ انھوں نے ایک طرف تو بڑے امرا کے خدم و حشم کو دبایا کہ انھی کے وجود سے خانہ جنگی برپا ہو سکتی تھی اور دوسری طرف قزاقی اور ظلم کی ہر صورت کا سختی سے سدّباب کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں جان و مال کی حفاظت کا ایسا اطمینان پیدا ہو گیا کہ پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ لوگوں میں اسلحہ باندھنے کا عام رواج موقوف ہو گیا۔ اہل حرفہ کو تجارت کی نئی سہولتوں سے فائدہ پہنچا تو وہ حکومت کے مستقل طور پر ممد و معاون بن گئے۔

اپنے باقاعدہ منصوبے کے مطابق، سب سے پہلی فکر تو ہینری نے یہ کی کہ حریفوں کو قابو میں لایا جائے۔ رچرڈ ثالث نے مختلف موقعوں پر ایڈورڈ (پلان ٹاجینٹ)، جان دی لاپول (امیر لنکن) اور جان دی لاپول (امیر سفک) کو اپنا

جانشین بنانے کا خیال ظاہر کیا تھا۔ ایڈورڈ، شہزادہ کلیرنس کا بڑا بیٹا اور دادی کے بعد امارت وارک کا وارث ہونے والا تھا۔ اسے تو ضلعدار ہٹن نے یارک شہر میں گرفتار کرکے قلعۂ لنڈن کے زنداں میں بھیجدیا اور امیر لنکن کو، جو بادشاہ کی بہن الزبیتھ کا بڑا بیٹا تھا، قبولِ اطاعت اور دربار میں رہنے کی اجازت دیدی گئی۔

بغاوتیں۔ سمنیل کا مفسدہ

مگر ان سب احتیاطوں کے باوجود شورش وفساد بپا ہوے بغیر نہ رہا۔ سنہ ۱۴۸۶ء میں ہینری نے شمالی اضلاع کا دورہ کیا تو یارک شہر اور ورسسٹر شہر میں سخت ہنگامے ہوے اور مقدم الذکر علاقے میں تو وہ شورہ پشتوں کے ہاتھ میں پڑنے سے بال بال بچا۔ اِن یارکی باغیوں کا سرغنہ امیر لوول تھا اسی سال رچرڈ سائمن نامے پادری نے ایک لڑکے مسمی لیمبرٹ سمنیل کو ایڈورڈ (پلان ٹاجینٹ) کا روپ دھارنا سکھایا اور اُس نے آئرستان میں خروج کیا جہاں خاندانِ یارک ہمیشہ سے مقبول عام وخاص تھا۔ چنانچہ یہ مدعی وہاں بلا مزاحمت بادشاہ بن بیٹھا اور اس فریب کو مزید قوت اس لیے پہنچ گئی کہ امیر لنکن دربار سے یکایک فرار ہوکے فلینڈرس چلا گیا اور یہ خبر مشتہر کی کہ خود میں نے ایڈورڈ کو نکل بھاگنے میں مدد دی تھی اور آئرستان جاتے وقت اُس سے ملاقات کرچکا ہوں۔ فلینڈرس میں لوویل بھی اُسے آملا اور چارلس (دلیر) کی بیوہ مارگریٹ نے انھیں بہت کچھ مدد دی۔ اسی کی اعانت سے دو ہزار قواعد داں جرمن سپاہی مارٹن شوارز کی قیادت میں، اُجرت پر رکھے گئے اور یہ فوج مئی سنہ ۱۴۸۷ء میں آئرستان پہنچ گئی۔ پھر سمنیل اور ایک آئرستانی جمعیت کو لیکر لنکن ساحل انگلستان پر بارڈسی ان فرنس میں لنگر انداز اور یارک شہر میں داخل ہوگیا۔ مگر یہاں ان کی زیادہ آو بھگت نہ ہوی اور جنوب کی طرف واپسی میں خود بادشاہ سے نیوآرک کے قریب، اسٹوک (اپان ٹرینٹ) پر مقابلہ ہوگیا۔ یہ لڑائی بوسورتھ سے زیادہ خونریز ہوی۔ لنکن اور شوارز مارے گئے۔ لوول مفقود الخبر ہوگیا۔ سمنیل اور سائمن اسیر کرلئے گئے اور سائمن کو تو پھانسی ملی اور سمنیل شاہی باورچی خانے کے برتن دھونے پر رکھ لیا گیا۔ غرض ساری باغی فوج کا تار وپود بکھر گیا۔ ورنہ، اگر یہ بغاوت کامیاب ہوجاتی تو غالباً لنکن خود بادشاہ بن بیٹھتا۔ بہر حال، اب تو ایسی زبردست فوج کو شکست دینے سے بادشاہ کی شہرت

بڑھ گئی اور یارک کی فریق کو خوش کرنے کی غرض سے اس نے ملکہ کی تاجپوشی کی رسم ادا کرنی بھی مصلحت سمجھی جسے اب تک ٹالتا رہا تھا۔

آیندہ پانچ سال تک یارک کی فریق خاموش رہا۔ مگر ۱۴۹۲ء میں پھر ایک فریبی نے خروج کیا جس کا نام بہت جلد ثابت ہوگیا کہ پرکن اوس بیک یا واربیک تھا مگر اُس نے دعویٰ کیا کہ مَیں رچرڈ (امیر کبیر یارک) ہوں اور اپنے بڑے بھائی کے قتل کے وقت قلعۂ لندن سے نکل بھاگا تھا۔ اس فریب نے بھی آئرستان میں فروغ حاصل کیا بلکہ حق یہ ہے کہ کورک کے لوگوں نے نووارد اور خوش لباس پرکن سے یہ کہہ کر کے وہ ہو نہ ہو کوئی شہزادہ ہے، گویا اُسے یہ بہروپ بھرنے پر مجبور کر دیا۔ پھر، اگرچہ پرکن کی اصلیت بہت کچھ ظاہر ہوگئی تاہم اُس کا فریب ہینری کے حق میں کافی زحمت کا موجب ہوا۔ وہ اصلی شہزادوں کی موت کو ٹھیک طور پر ثابت نہ کر سکا کیونکہ اس سے پہلے عام طور پر لوگوں کو اُن کے مرنے کا یقین ہی نہ تھا۔ آئرستان سے پرکن، ستمبر ۱۴۹۱ء میں فرانس آیا اور وہاں چارلس ہشتم نے، جس کا ہینری سے اختلاف ہوگیا تھا۔ اُس کی خوب آؤ بھگت کی پھر فرانس و انگلستان میں صلح ہوئی اور پرکن کو فلینڈرس جانا پڑا تو وہاں بھی مارگریٹ (یارک) نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور فریب سے بیان کیا کہ یہی میرا اصلی بھانجا ہے۔ تین سال تک وہ مارگریٹ کے پاس رہا لیکن ہینری نے انگریزی اُون کی برآمد بند کر دی جس پر وہاں کے شہریوں کی ساری تجارت مبنی تھی اور ہینری خوب جانتا تھا کہ یہی شہری فلینڈرس کی حکومت کے رہنما ہیں چنانچہ وہاں کے نوجوان والی (فلپ حسین) نے انگلستان سے ایک تجارتی معاہدہ کیا اور پرکن کو نکالنے کے عوض میں بہت سی مراعات حاصل کر لیں جس سے فلینڈرس والوں کی تجارت کو بڑا بھاری فائدہ حاصل ہوا۔ یہ معاہدہ جس سے فلینڈرس کے شہری بہت خوش ہوئے (ارتباط کبیر) کہلاتا ہے پرکن نے فلینڈرس سے نکل کے کینٹ میں اُتر جانے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہ ہوا اور آئرستان واپس آکر اسکاٹ لینڈ چلا گیا جہاں کے بادشاہ نے ہینری پر اپنا رُعب جمانے کے لئے اس کی خاصی خاطرداری کی۔ حتیٰ کہ دو سال تک مہمان رکھا اور اپنی ایک رشتہ دار سے شادی کی بھی اجازت

دے وی)، اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ وہ واقع میں اُس کی شہزادگی کا یقین رکھتا تھا یا نہیں۔ ایک مرتبہ شاہ اسکاٹ لینڈ (جیمس چہارم) اسے اپنے ساتھ لیکر انگلستان کی سرحد میں بھی داخل ہو گیا تھا مگر نارتھمبرلینڈ کے کسانوں کا ستانا پرکن کو خوش نہ آیا اور یہ مہم بہت جلد واپس ہو گئی۔ آخر جیمس اکتا گیا اور پرکن اپنی بیوی سمیت آئرستان واپس آیا۔ اس سفر میں مشہور جہازی اینڈرو اور رویرٹ بارٹن بطور بدرقہ اس کے ساتھ تھے۔ مگر آئرستان میں جہاں ہینری کی دانشمندانہ حکومت سے امن و رفاہ پیدا ہو رہے تھے، پرکن کو زیادہ مدد نہ ملی اور ادھر کورنوال کے واقعات سنکر اسے امید ہوئی کہ شاید وہاں وہ کچھ کر سکے گا۔

لیکن پرکن کے فلینڈرس چھوڑنے سے قبل ہی ہینری نے لوگوں کو یہ دکھا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا کہ غداری اور بے وفائی کا وہ ذرا بھی روادار نہ ہوگا۔ اس امر کی شہادتیں جمع ہو رہی تھیں کہ حاجب شاہی سر ولیم اسٹینلی پھر وہی دورنگی کی حرکتیں کر رہا ہے جیسی رچرڈ ثالث سے کیں اور اسے فریب دیا تھا۔ ہینری نے

اسٹینلی کا قتل

فوراً اسے گرفتار کرا لیا اور عدالتی تحقیقات کے بعد جان سے مروا ڈالا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے اوس ورتھ میں ہینری کو تاج پہنایا تھا۔ اور اس کا یہ حشر دیکھکر سب کو کان ہو گئے کہ بادشاہ کا تقرب بھی کسی کو بیوفائی کی سخت ترین سزا سے نہیں بچا سکتا اور پرکن کو اپنی حمایت میں کوئی جتھا تیار کرنے کی امید تھی بھی تو وہ خاک میں مل گئی۔

۱۴۹۷ء میں اسکوٹوں کی ایک اور یورش روکنے کے لئے، پارلیمنٹ نے ایک لاکھ بیس ہزار پونڈ کی امداد منظور کی اور چالیس ہزار پونڈ کا قرضہ بھی فراہم کیا گیا۔ انھی وصولیوں پر کارنول کے لوگ بگڑے کہ اسکوٹوں کی معمولی اور چند روزہ

کارنول کی شورش

اچھل کود پر ہم سے اتنا روپیہ کھینچا جا رہا ہے۔ اس ناراضی نے ایک قانون پیشہ آدمی، ٹامس فلیمک، اور ایک لہار مائیکل جوزف کی سرگروہی میں باقاعدہ شورش کی صورت اختیار کی اور اہل شورش جمع ہو کر لندن کی طرف روانہ ہوے۔ ویلز میں لارڈ آوڈلے ان میں آملا اور اس کے ماتحت یہ لوگ کینٹ پہنچے۔ وہ ابھی بلیک ہیتھ تک آے تھے کہ خود ہینری نے

سوار و پیادہ اور توپ خانے سے اُن پر حملہ کیا۔ سرداروں کو سزائے قتل دی گئی مگر ان کے ساتھیوں سے اتنی نرمی کا برتاو ہوا کہ لوگ سمجھے ہینری سختی کرنے سے ڈرتا ہے۔ اور پرکن کو بھی یہی پیام پہنچے کہ اگر وہ کارنول آجائے تو بہت سے ساتھی مل جائیں گے۔ چنانچہ پرکن، وھٹسنڈ بے پر لنگر انداز ہوا اور تین ہزار آدمیوں نے اس کی رفاقت کی۔ انھیں لے کر اس نے اگزیٹر پر ناکام حملہ کیا اور پھر ٹانٹن کی طرف بڑھ گیا۔ اس عرصے میں ہینری کے خیر خواہ بھی مسلّح ہو چکے تھے۔ پرکن کو نظر آگیا کہ کسی بڑی بغاوت بپا ہونے کی توقع نہیں رہی لہذا فوج کو چھوڑ کر وہ بولیو کی خانقاہ میں پناہ گزیں ہو گیا اور جان بخشی کے وعدے پر از خود بادشاہی حراست میں آگیا۔ ہینری کو بڑی خوشی ہوئی کہ اُس نے اپنی جعلسازی کا تفصیلی اقبال کیا اور لنڈن کے بازاروں میں تشہیر کرا کے اُسے نگرانی میں رہنے دیا۔ اس کی بیوی کیتھرائن ملکہ کی ملازمت میں لے لی گئی۔ ساتھ والوں نے پرکن کی فراری کے بعد ہی ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ صرف چند کو سولی دی گئی لیکن ہینری نے بہت سے لوگوں پر حسب حیثیت جرمانے ضرور کیے کہ مغربی اضلاع والوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ سزا دینے سے خوف نہیں کرتا۔ پرکن پہلے دربار میں تھا مگر بھاگنے کی بے سود کوشش کی سزا میں قلعۂ لنڈن میں محبوس کر دیا گیا۔ وہاں اُس نے اپنے ساتھی قیدی بد نصیب امیر وارک سے پیام سلام کی راہ نکالی اور ۱۴۹۹ء میں مل کر بھاگ جانے کا منصوبہ گانٹھا لیکن اس کا پتہ چل گیا اور بادشاہ کو وارک کا قصہ چکانے کا یہ موقع ہاتھ آیا کہ غدّاری کے جرم پر اس بد قسمت امیر کا سر قلم کرا دیا جس کی عمر کے ۲۴ میں سے ۱۴ سال قید میں گزرے تھے۔ پرکن کو ٹائی برن میں سولی پر لٹکا دیا گیا۔

وارک کی موت سے یارک کی خاندان کے نرینہ وارثوں کا خاتمہ ہو گیا۔ باوجود اس کے ہینری کو امیر لنکن کے چھوٹے بھائیوں سے خطرہ رہا۔ ان میں ایک

برادران ڈی لاپول

رچرڈ اور دوسرا ایڈمنڈ ڈی لاپول (امیر سفک) تھا، اور یہ دونوں ۱۵۰۱ء میں فرار ہو کر یورپ چلے آئے۔ اسی فراری کے سلسلے میں گینیز کا قلعدار، سر جیمس ٹیرل غدّاری کی علت میں ماخوذ ہوا اور سزائے موت کا مستوجب قرار پایا تو مرنے سے پہلے اُس نے اقبال کیا کہ رچرڈ ثالث کے

عہد میں وہ دونوں چھوٹے شہزادے، جو قلعۂ لنڈن میں محبوس تھے، ہینری کی شرکت سے قتل کرائے گئے۔ اور اسی بیان پر واقعۂ مذکور کی تمام بعد کی روایتیں مبنی ہیں۔ سفک ۱۵۰۶ء تک باہر رہا اور ۱۵۱۳ء میں جان بخشی کے وعدے پر فلیپ والی برگنڈی نے اسے ہینری کے حوالے کر دیا۔ ہینری نے وعدے کی خلاف ورزی نہ کی مگر ہینری ہشتم کے زمانے (۱۵۱۳ء) میں وہ قتل کرادیا گیا اور اس کا بھائی ممالک یورپ ہی میں رہا یہاں تک کہ معرکۂ پیویا (۱۵۲۵ء) میں کام آیا۔ وارک کی ایک ہی بہن (مارگریٹ) تھی جس کی شادی سر رچرڈ پول سے ہوی اور بہت سے بچے ہوے جنھوں نے آئندہ تاریخ میں نمایاں حصہ لیا۔

سمنیل اور پرکن کو آئرستان میں طرفدار ملے تھے۔ اس واقعے نے ہینری کو خواہی نہ خواہی اس ملک کی جانب متوجہ کیا جہاں لوگوں میں بغاوت کا اتنا میلان تھا کہ ہینری نے وہاں کے بعض باشندوں سے کہا کہ آقایان آئرستان، آپ لوگ تو بادشاہوں کی بجائے بندروں کے سر پر تاج رکھنے میں تامّل نہ کریں گے۔

آئرستان

آئرستان کی حالت انگریزوں کی نام نہاد فتح کے وقت سے ہینری کے عہد تک تقریباً یکساں رہی تھی۔ ملک بڑے بڑے رئیسوں میں بٹا ہوا تھا اور ان میں سے اونیل، اوبرائن وغیرہ بعض بڑے بڑے خاندانوں کے سرگروہ تھے۔ اور بعض جیسے کلڈیر کے جیرالڈین، کانا ٹ کے بورگ اور آرمنڈ کے بٹلر بڑے نارمن خاندانوں کے وارث تھے انگریزی حکومت کے عام آئین یہاں بھی جاری کردئے گئے تھے اور آئرستان میں پارلیمنٹ، مجلس شوریٰ، شاہی عدالتیں، میر عدل وغیرہ سب محکمے موجود تھے لیکن ڈبلن شہر یا کلڈیر، ڈبلن، میتھ اور لاؤتھ کے پرگنوں کے باہر ان عہدہ داروں کو کوئی نہ پوچھتا تھا اور مذکورۂ بالا چار پرگنے مجموعی طور پر علاقہ (یعنی انگریزی علاقہ) یا حدود (The Pale) کہلاتے تھے۔ سبب یہ کہ نارمن رئیس اپنے اپنے علاقوں میں موروثی اور خود مختار ہوتے اور آئرستانی خاندانوں میں خود اُن کا مقامی قانون چلتا تھا۔ اس طرح ایک قسم کا جاگیرداری تمدن پیدا ہو گیا تھا جو انگلستان میں کبھی وجود میں نہ آیا اور فرانس و جرمانیہ کے جاگیرداری تمدن سے نسبتہً بہت مماثل تھا۔ حکومت کی بڑی کوشش یہ رہی کہ نارمن آباد کاروں کو آئرستانی باشندوں میں گھل مل جانے اور وحشی نہ بننے دے ورنہ

کہا جاتا تھا کہ وہ آئرستانیوں سے بڑھ کر آئرستانی ہو جائیں گے۔ ملک کے حالات کا اندازہ دو بلونے کے آئین سے ہوتا ہے۔ ایک تو ۱۳۶۶ء میں آئین کل کینی کے نام سے نافذ ہوا اور اس کی رو سے کسی انگریز متوطن کا آئرستان کی رسم و رواج اختیار کرنا، وہاں کی زبان بولنا یا وہاں کی عورت سے شادی کرنا غداری قرار پایا۔ اور دوسرا سو برس بعد ۱۴۶۶ء کا قانون ہے جس میں پارلیمنٹ نے (انگریز) احرار کے لئے کسی چور یا جس پر چور ہونے کا شبہ ہو اسے قتل کرنا اور اس کا سر حکومت کے حوالے کرنا، جائز قرار دیا۔ ایک ایسے ملک میں سیاسی اور تمدنی زندگی کی ابجد بھی لوگ نہ جانتے تھے لہذا ہینری نے قصد کیا کہ اس کا خاطر خواہ بندوبست کیا جائے۔

قوانین پوئی ننگز

اگرچہ چند سال تک وہ ناظم آئرستان ایرل کلڈیر ہی سے نجات نہ پا سکا۔ یہ شخص طرح طرح کی دغابازیوں کے باوجود اتنا طاقتور تھا کہ اُسے عہدے سے ہٹانا غیر ممکن تھا اور لوگ کہا کرتے تھے کہ تمام آئرستان بھی اسے قابو میں نہیں لا سکتا۔ نتیجہ یہ کہ بقول ہینری کے "وہ تمام آئرستان کو قابو میں رکھتا تھا"۔ بالآخر ۱۴۹۴ء میں بادشاہ میں اتنی قوت آگئی کہ اپنے معتمد علیہ سر ایڈورڈ پوئی ننگز کو ناظم آئرستان مقرر کرے جو زمانۂ جلاوطنی میں اس کا رفیق تھا۔ پوئی ننگز نے کلڈیر کو گرفتار کیا اور ڈروک ہڈا میں پارلیمنٹ منعقد کی جس میں بہت سے یادگار قوانین مرتب ہوئے جو پوئی ننگز کے نام سے منسوب ہیں۔ ان کا مختلف مسائل سے تعلق تھا مگر تین سب سے اہم قانون یہ تھے:۔ (۱) آئرستان میں کوئی پارلیمنٹ شاہ انگلستان اور اس کی مجلس شوریٰ کی رضامندی کے بغیر منعقد نہ کی جائے۔ (۲) جب تک انگریزی مجلس مسودۂ قانون کو منظور نہ کرے، وہ آئرستان کی پارلیمنٹ میں پیش نہ ہو۔ اور (۳) انگلستان کی پارلیمنٹ نے جو قوانین زمانۂ قریب میں منظور کئے ہیں وہ سب آئرستان میں بھی واجب العمل ہوں گے۔

اس قانون سازی کا مطلب یہ تھا کہ آئرستان میں گویا از سر نو حکومت شروع کی جائے مگر ان کا منشا بڑے بڑے انگریز آبادکاروں کو قابو میں لانا تھا۔ آئرستان کے اصلی باشندوں پر ان کا بمشکل کوئی اثر پڑا۔ ان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نیابتی حکومت جیسی ہونی چاہئے، اس سے کس قدر دور تھی اگرچہ خود انگلستان کی پارلیمنٹ بھی

آئرستانی پارلیمنٹ سے کچھ زیادہ بہتر حالت میں نہ تھی اور ہینری ہفتم کے زمانے میں یہاں بھی کسی نئے قانون کی تحریک کرنا بادشاہ اور اس کی مجلس ہی کے اختیار میں تھا۔

فریبی مدعیوں سے ہینری کو بڑی زحمت اٹھانی پڑی۔ لیکن اس خلفشار میں بھی وہ اپنے نصب العین یعنی شاہی اقتدار کو مضبوط کرنے کی برابر کوشش کرتا رہا۔ اس کام میں اس کا دست راست جان مورٹن تھا۔

جان مورٹن

یہ شخص پہلے ایلی کا اسقف اور وقائع دار رہا پھر بور شئیے کے مرنے پر صدر اسقف کینٹربری کے عہدے پر سرفراز کیا گیا۔ وہ بہت قابل، تجربہ کار اور اپنے زمانے کے پادری عہدہ داروں کا نمایندہ تھا اور دل وجان سے بادشاہ کی خدمت انجام دینے میں شغف رکھتا تھا۔ اپنی وفات واقعہ ۱۵۰۰ء تک اس کو ہم بادشاہ کا سب سے ممتاز وزیر اور آئینی معاملات میں سب سے معتمد علیہ مشیر کہہ سکتے ہیں۔ ہینری خوب سمجھتا تھا کہ امرا کے خدم کو موقوف کرنا امن کی اصلی ضمانت ہے اور پارلیمنٹ سے وردی یا معاش دینے کو مجرمانہ قرار دلوانے کے بعد اس نے عمل کرانے کی تدبیریں سوچیں تاکہ یہ قانون سابقہ قوانین کی مثل طاق نسیاں پر دھرا نہ رہ جائے بلکہ فی الواقع ملک میں نافذ ہو۔ اس غرض سے اس نے ایک نئی عدالت قائم کی جو عوام کے اثر سے آزاد تھی اور جس میں نہ تو جوری کی ہمدردی ملزم کو بیجا فائدہ پہنچا سکتی تھی اور نہ دولتمند یا مقتدر امیروں کی تہدید و رشوت کا اس پر اثر پڑتا تھا۔ یہ نئی عدالت پارلیمنٹ کے قانون سے مرتب ہوی اس میں چیکار، وزیر خزانہ، شاہی مہر بردار، ایک اسقف، مجلس شاہی کا ایک رکن اور دو میر عدل شامل ہوتے تھے اور ان کا

نئی عدالت

کام اس قسم کے جرایم کی سماعت کرنا تھا جیسے جنگی خدم و معاشداری جوری میں اپنے آدمی بھر دینا، بلوے کا اشتعال دلانا وغیرہ جن کی تحقیقات معمولی عدالتوں میں دشوار ہوتی تھی۔ ان میں سب سے اہم جنگی خدم اور معاشداری کے مقدمات تھے کہ عہد وسطی میں ہر امیر انھی کو اپنے اقتدار و نمود کا ذریعہ سمجھتا تھا اور خدمتگاروں کی

زیادہ سے زیادہ تعداد فراہم کرتا کہ جنگ میں اس کی طرف سے لڑیں اور امن کے زمانے میں اسی کے طرفدار ہوں اور یہ طرفداری بھی اکثر جبر و جدال کی صورت اختیار کرلیتی تھی۔ معاشداری کی خصوصیت یہ تھی کہ بڑے بڑے لوگ اپنے کمزور رفیقوں کی پشت پناہی کرتے، جیسے شہزادہ جان (گونٹ) نے وکلف کی کی اور عدالت میں اپنے جنگی خدم لے کر پہنچ جاتے کہ جوری اور حاکم عدالت کو خوفزدہ کرکے اُن سے اپنے حسبِ مراد فیصلہ حاصل کرلیتے۔ اس طریقے کی خرابیاں ظاہر ہیں۔ بارہا ایسا ہوتا کہ معاشدار اور اُن کے ولی نعمت اس طرح بہت سا ناجائز روپیہ حاصل کرکے اسے آپس میں تقسیم کرلیتے تھے۔ اور چونکہ یہی جنگی خدم اور معاشداری کے طریقے پندرھویں صدی کے جاگیرداروں کے اقتدار کی اصلی بنیاد تھے، لہٰذا ہینری نے تہیہ کرلیا کہ ان کا پورا استیصال کردیا جائے۔ نئی عدالت مقرر کرنے میں بڑی چال یہ تھی کہ یہ عدالت خاطی پر اتنا سخت جرمانہ کرتی کہ وہ پھر ایسا جرم کرنے کے قابل ہی نہ رہتا تھا۔ اس بارے میں ہینری کے بڑے سے بڑے دوستوں کے ساتھ بھی رعایت نہیں کی گئی۔ جس طرح اُس نے سر ولیم اسٹینلی کا سر قلم کرا کے ثابت کردیا تھا کہ گذشتہ خدمات آیندہ غداری کا جواز نہیں ہوسکتیں اسی طرح اپنے پرانے سپہ سالار امیر اکسفرڈ کے معاملے میں اُس نے ایک نظیر قائم کردی کہ جنگی خدم کی آیندہ کسی کو اجازت نہیں مل سکتی۔ ایک دن ہینری اِس

امیر اکسفرڈ

امیر کے مکان پر آیا اور واپس جاتے وقت شرفا اور سپاہیوں کی دو قطاروں سے گزرا جو امیر اکسفرڈ کی وردی پہنے ہوئے تھے۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ کیا یہ تمھارے نوکر ہیں؟ اکسفرڈ نے جواب دیا "نہیں، میرے پاس اتنی دولت کہاں۔ البتہ یہ میرے جلو کے لوگ ہیں جو آپ کے اعزاز میں جمع ہوئے ہیں۔" بادشاہ نے کہا "اس مہمان نوازی کا شکریہ۔ لیکن میں اپنے سامنے اپنے قوانین کی خلاف ورزی گوارا نہیں کرسکتا۔" چنانچہ اکسفرڈ نئی عدالت کے روبرو طلب کیا گیا اور اس پر پندرہ ہزار اشرفی جرمانہ ہوا جسے ہمارے زمانے کے ڈیڑھ لاکھ پونڈ کے برابر سمجھنا چاہیے۔ یہ نظیر بے اثر نہ رہ سکتی تھی اور تھوڑے ہی دن میں شکایتیں سُنی جانے لگیں کہ خدم کے لوگ جو اپنی خدمت سے الگ ہوئے

چوری اور ڈکیتی کرنے لگے ہیں۔

مجلس خاص ہر چند یہ عدالت جو اسی قسم کے جرائم کے واسطے مرتب ہوئی تھی مگر حقیقت میں یہ مجلس خاص کے تعزیری اختیارات کی ایک تجدید تھی۔ ہنری ثالث کے زمانے سے مجلس کے عدالتی فرائض خاص عدالتیں انجام دینے لگی تھیں اور خود وہ محض مشیروں کی جماعت رہ گئی تھی۔ اگرچہ کمزور بادشاہوں کے وقت میں پارلیمنٹ اسی جماعت کو شاہی اختیارات کی روک تھام کا کام سپرد کر دیتی تھی لیکن طاقتور بادشاہوں کے عہد میں اس کا نام بھی بمشکل سننے میں آتا تھا۔ مگر ہنری چہارم اور لینکاسٹری خاندان کے بادشاہوں کے وقت میں مجلس خاص مستقل رتبہ اختیار کرنے لگی اور اس سے مشورے کے علاوہ حاکمانہ خدمات بھی لی جانے لگیں۔ ہنری ششم کی خرد سالی میں اس کی قدر و منزلت شہرت سے بڑھی اور "بادشاہ اور مجلس خاص" کے جملے نے رفتہ رفتہ دلنشیں کرا دیا کہ یہ جماعت بادشاہی اختیارات میں ایک حد تک شریک و سہیم ہے۔ ایڈورڈ چہارم نے دارالعوام کے ارکان شامل کر کے اس کی نیابتی حیثیت کو اور ترقی دی اور خواہ اسے محض پارلیمنٹ کی کمزوری سمجھا جائے۔ یا عمداً کوشش کا نتیجہ ملوک ٹیوڈر نے اسے حکمرانی کا خاص آلہ بنا لیا۔

پارلیمنٹ کی کمزوری پارلیمنٹ کی جس کمزوری کا اوپر اشارہ کیا گیا۔ یہ ایڈورڈ چہارم ہنری ہفتم اور اوائل عہد ہنری ہشتم کی نمایاں خصوصیت ہے۔ اس کے اسباب مختلف تھے۔ جن میں سب سے بڑا سبب اُمرا کے انحطاط کو سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ بادشاہ کے کسی مقرب یا نامقبول محکم کی مخالفت اسی وقت کارگر ہو سکتی تھی جب کہ دارالعوام کو امیروں کی فوجی اعانت میسر آئے۔ دوسرے، آبادی کے جن طبقات پر پارلیمنٹ مشتمل ہوتی، ان کی رائے کے مطابق ملوکِ ٹیوڈر از خود چلتے رہے اور اس نے بھی پارلیمنٹ، کی قوت کو کمزور کیا۔ بہر حال، ایڈورڈ چہارم اور ہنری ہفتم کے عہد میں پارلیمنٹ زیادہ تر یہی کرتی رہی کہ بادشاہ اور مجلس خاص جن تجاویز کو مرتب کرتے اُن کو چپ چاپ منظور کر لیتی اور روپے کی منظوریاں دے دیتی تھی۔

ہینری ہفتم کی ہدایت سے جو اہم قوانین منظور ہوئے، انھی میں ایک کا منشا یہ تھا کہ ایسے عہدہ دار جو کسی مشتبہ حق کے بادشاہ کے وقت میں برسر خدمت رہے ہوں، اُن کے حقوق خدمت محفوظ ہو جائیں۔ یہ قانون ۱۴۹۵ء میں منظور ہوا اور اس کا مفاد یہ تھا کہ "ملک کے کسی بادشاہ اور فرماں روائے وقت کے تحت میں جو شخص وفاداری اور سچائی سے خدمت انجام دے گا، وہ کسی قانون یا پارلیمنٹ کے حکم سے غداری کا مرتکب قرار نہ پائے گا اور نہ اس کے مال کی ضبطی یا اور کوئی سزا دی جائے گی۔ اور اس کے خلاف جو کوئی قانون یا ضابطہ مرتب ہو، وہ باطل و بے اثر ہوگا"۔ اس طرح فرماں روائے اصلی اور فرماں روائے وقتی میں ایک امتیاز قائم ہوا مگر اسی کے ساتھ جو لوگ یارک خاندان کے واسطے محض اس بنا پر سازشیں کرنے پر آمادہ ہوتے تھے کہ کہیں آیندہ مستوجب سزا نہ قرار دے دیے جائیں، ان کے دلوں سے یہ خوف زائل ہو گیا۔

ایک اور اہم قانون جرمانوں کا آئین تھا جو رچرڈ ثالث کے ایک حکم کی تقلید میں نافذ ہوا۔ اس کا مقدم مقصد یہ تھا کہ جاگیروں کی ملکیت کی سہل راہ نکل آئے۔ گذشتہ جنگ کی گڑبڑ میں متعدد قضیئے پیدا ہو گئے اور بہت سی ضبطیاں عمل میں آئیں۔ اسی کو پیش نظر رکھ کر یہ قانون وضع کیا گیا کہ کسی زمین کے مقدمے میں سرکاری عدالت میں جرمانے کا اعلان کر دیا جائے تو پھر خاص خاص صورتوں کے سوا پانچ سال بعد زمین پر کسی قسم کا دعویٰ نہ کیا جا سکے گا۔ اس قانون کے بالواسطہ نتائج ظاہری مقاصد سے کہیں زیادہ وسیع تھے کیونکہ وکیلوں کو اس میں موقوفہ جائدادوں کی تنسیخ کے عجیب عجیب پہلو نظر آئے اور بہت سے قدیم زمیندار جو اسراف یا جنگ کی وجہ سے مفلس رہ گئے تھے، انھیں زمینوں کے بیچنے کا موقع مل گیا چنانچہ بہت سی موقوفہ جائدادیں منڈی میں آئیں اور شہروں کے دولت مند سوداگروں نے انھیں خریدنا شروع کیا جو پہلے ممکن نہ تھا۔

ہینری ہفتم کے زمانے میں پارلیمنٹ نے براہ راست زیادہ محصول عائد نہیں کیے اور یہ بادشاہ خوب جانتا تھا کہ ایسے محاصل کس قدر نامقبول ہوتے ہیں۔ کارنوال کی شورش کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ یارک شہر میں بمقام ٹوپ کلف محاصل کی

وصولی ہی کے سلسلے میں سخت بلوہ ہوگیا۔ اور اسی طرح مواضعِ پرسی میں ہنگامہ ہوا اور اسی میں ایرل نارتھمبرلینڈ کو خود اس کے کاشتکاروں نے قتل کردیا جو بریتانی کی مہم کے لئے مالیت کا مزید ایک عُشر اور اثاث البیت کا ایک سُدس دینا نہ چاہتے تھے۔ نظر براین حالات ہینری نے خزانہ بھرنے کے لئے بالواسطہ محاصل پر حصر کیا۔ انھی میں نذرانوں کی وصولیابی تھی۔ پہلی دفعہ ایسے نذرانے ۱۴۹۱ء میں وصول کئے گئے اور عمائد کی ایک بڑی مجلس نے اسے منظور کیا۔ اس قسم کی مجلسیں ہینری کو بہت پسند تھیں اور وہ پارلیمنٹ کی بجائے کام دیتی تھیں پادری مورٹن نے محصلوں کے نام جو ہدایات تحریر کیں ان میں لکھا کہ "اگر وہ پس انداز کرنے والوں سے ملیں تو کہیں کہ تمھیں نذرانہ دینا چاہئے کیونکہ تمھارے پاس جمع ہے اور اگر مُسرفوں سے ملاقی ہوں تو کہیں تمھاری وضع قطع سے ظاہر ہے کہ خوب خرچ کرتے ہو، پھر نذرانہ دینے میں کیا عُذر ہے" کہا جاتا ہے کہ اسی چالاکی کی بدولت یہ طریقِ تحصیل "مورٹن کی جھاڑو" (Morton's Fork) مشہور ہوگیا تھا۔ بعد میں پارلیمنٹ نے بھی اس کی منظوری دی اور لوگوں کو حکماً باقیات ادا کرنی پڑیں۔

ان وصولیابیوں نے بھی ہینری کو اتنا غیر ہر دلعزیز نہیں بنایا جتنا اُس زرکشی نے جس کے بانی سر رچرڈ امپسن اور سر ایڈمنڈ ڈڈلی سمجھے جاتے تھے۔ یہ مالگزاری کے عہدہ دار قدیم جاگیرداری رسوم وقواعد کو ڈھونڈ ڈھونڈ کے نکالتے جو نئے تمدن میں متروک ہوگئے یا ہوتے جاتے تھے۔ اور پھر جس شخص کی نسبت معلوم ہوتا کہ عمداً یا سہواً کسی شاہی قاعدے کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہے اسے عدالت میں بلا کے سخت ترین جرمانہ کردیتے تھے۔ قانون کے اس بیجا اور جابرانہ استعمال کی بدولت لوگ ایسے ناراض ہوئے اور ان دونوں امیروں کی وہ بدنامی ہوئی کہ آج تک بادشاہ کے فائدے کے لئے جو قانون میں کھینچ تان کرتے ہیں وہ بطور ضرب المثل انھی ناموں سے پکارے جاتے ہیں۔ لیکن لوگوں کی شکوہ شکایت کے باوجود ہینری روپیہ جمع کرتا رہا۔ اپنی ذات پر اُس نے زیادہ خرچ نہیں کیا اور مرا تو بہت کچھ مال متاع چھوڑ گیا جن میں سب سے زیادہ قیمتی زیورات تھے اور ان کی قیمت کا زمانۂ حال کے حساب سے ایک کرور اسّی لاکھ پونڈ تخمینہ کیا گیا ہے۔

معاملات خارجہ

اب ہم کو معاملات خارجہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ ہینری کو خوشی سے نہیں بلکہ ضرورتاً ممالک یورپ کی سیاسیات میں اپنے اسلاف سے کہیں زیادہ حصہ لینا مناسب نظر آیا اور اس اعتبار سے اس کا عہد انگریزی تاریخ میں ایک نئی فصل کا آغاز کرتا ہے۔ ابتدائی عہد میں ہینری کو برٹینی کی جنگ میں الجھنا پڑا۔ یہ فرانس کی وہ ریاست تھی جو سب سے آخر میں بادشاہ فرانس کا مقبوضہ بنی سنہ ۱۴۹۰ء میں جب یہاں کا والی مرا تو اس کی وارث ایک یازدہ سالہ لڑکی این ہوی۔ انگریزوں کو برٹینی کا فرانس میں ضم ہونا، اور اس کی بندرگاہوں اور ملاحوں کا شاہ فرانس کے تحت میں آنا کسی طرح پسند نہ آسکتا تھا۔ خود ہینری متوفی والی برٹینی کا بہت کچھ زیر بار احسان تھا اور اُس نے خردسال والیہ کی حمایت کا بیڑا اٹھایا تو اپنی رعایا کی تائید بھی اُسے حاصل تھی۔ اس حمایت میں اسے فرڈی نینڈ (شاہ اراگون)، اور میکسی می لین (شاہ آسٹریا) سے بھی مدد ملنے کی امید تھی کیونکہ میکسی می لین سے شہزادی این کی شادی کرنے کا خیال تھا۔ لیکن فرڈی نینڈ کو اپنے جھگڑوں سے فرصت نہ ملی اور میکسی می لین کے پاس کافی دولت نہ تھی کہ وطن سے اتنی دور کوئی مدد بھیج سکتا۔ پس ہینری نے جو تھوڑی بہت فوج روانہ کی وہ مستقل طور پر برٹینی کو فرانس کے ہاتھ سے نہ بچا سکتی تھی تاوقتیکہ اتنی زیادہ قربانیاں نہ کی جائیں جن کے لئے ہینری یا اس کی رعایا تیار نہ تھی نتیجہ یہ ہوا کہ فرانسیسیوں نے برٹینی پر حملہ کیا اور این نوجوان شاہ فرانس چارلس ہشتم سے شادی پر رضامند ہوگئی جس کے بعد سے برٹینی کا علاقہ سلطنت فرانس کا جزو بن گیا۔

اس معاملے میں ہینری جس طرح بیوقوف بنا، اُس نے فرانس کے ساتھ جنگ کی نوبت پہنچادی۔ اور فرڈی نینڈ و میکسی می لین سے اتحاد کا عہد نامہ کرکے وہ سنہ ۱۴۹۱ء کے موسم خزاں میں انگریزی فوج لے کر آیا اور بولون کا محاصرہ کرلیا۔ اس مہم کا انجام بھی وہی ہوا جیسا سنہ ۱۴۷۵ء کی مہم کا ہوا تھا۔ چارلس کو اپنے باپ کی طرح بڑی فکر یہ تھی کہ انگریزوں سے لڑے بھڑے بغیر مخلصی حاصل کی جائے چنانچہ فوراً نامہ و پیام کرکے بذریعہ معاہدۂ ایتاپل وہ برٹینی میں انگریزی امدادی فوج پر جو خرچ ہوا تھا اُسے ادا کرنے پر آمادہ ہوگیا اور پکینی کے معاہدے کی رو سے جو سالانہ رقم انگریزوں کو

باب اوّل

ملنی چاہئے تھی، اس کی دو سال باقیات بھی بھر دیں یہ کل رقم کم سے کم تیس اور زیادہ سے زیادہ بیالیس لاکھ پونڈ (درایج الوقت) ہوتی تھی۔ اور قرار پایا کہ ڈیڑھ لاکھ پونڈ سالانہ کی اقساط میں ادا کی جائے۔ یہ صلح بے شبہ دونوں ملکوں کے حق میں بہتر تھی لیکن بہت سے انگریز اُمرا اور شرفا نے اس کی تیاری میں اپنے آپ کو تقریباً تباہ کر لیا تھا لہذا انگلستان میں لوگوں نے اسے سخت ناپسند کیا۔

ہینری کا دوسرا اتحاد ممالک یورپ کی ایک وسیع پیچیدگی کا نتیجہ تھا۔ واضح رہے کہ اتطاع فرانس کی وحدت کا سنگ بنیاد لوی یازدہم نے رکھا اور بریتانی کے الحاق نے اس عمارت کی تکمیل کر دی۔ اسی کے ساتھ فرانس کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوا۔ اس سے پہلے شاہانِ فرانس عموماً اپنے مُلک ہی کے معاملات میں منہمک رہتے تھے۔ اب انھیں حدودِ فرانس کے باہر ہمّت آزمائی کا موقع میسّر آیا اور اہلِ فرانس کی وہ قوتیں جو اب تک خانہ جنگی یا انگریزوں سے لڑنے جھگڑنے میں خرچ ہوتی تھیں، دوسرے ملکوں میں اپنے کرشمے دکھانے کے لئے بیتاب نظر آنے لگیں۔ چارلس ہشتم کو اس اشتیاق سے کام لینے کا موقع یہ ملا کہ آخری امیر آنژو کی وراثت کی بنا پر اس نے نیپلز و صقلیہ کی حکومت کا دعویٰ تازہ کیا۔ اس کی تکمیل کے لئے ایک طرف تو میلان کے صغیر سن والی کا چچا اور ولی سفورزا شاہِ فرانس کا حلیف بن گیا اور دوسری طرف اہلِ جنوا و فلورنس، نیز پاپائے چارلس ہشتم کی تائید کی۔ چنانچہ ۱۴۹۴ء میں وہ فوج لے کر اطالیہ میں داخل ہوا اور معمولی یا بالکل بغیر کسی مزاحمت کے، ریاستِ نیپلز پر قابض ہو گیا۔ لیکن اس کے وہاں آجمنے سے بہت جلد اطالیہ والوں میں قومی جذبات مشتعل ہوئے اور اہلِ وینس کی سرگروہی ایک جتھا تیار کیا گیا کہ چارلس کو جاتے وقت راستے میں روکا جائے۔ لیکن چارلس کے سپاہی اطالیہ والوں سے کہیں بہتر لڑنے والے تھے انھوں نے جتھے کی فوج کو فورنووو کے مقام پر مار بھگایا اور سلامت فرانس پہنچ گئے۔ اطالوی حلیفوں کی تدبیر ناکام رہی، مگر فرانس کی اس فوج کشی نے یورپ کی دوسری طاقتوں میں بڑی پریشانی پھیلا دی۔ خصوصاً میکسی می لین کے دربار میں جو بحیثیت شہنشاہ خود کو اطالیہ کا فرماں روا سمجھتا تھا۔ نیز ازابلا اور فرڈی نینڈ کے

دربار میں جنھوں نے ۱۴۹۲ء میں عربوں سے غرناطہ خالی کرایا اور اب یورپ کے معاملات میں پہلے سے زیادہ حصہ لینے پر آمادہ تھے نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس کو قابو میں رکھنے کی غرض سے ممالک یورپ کی ایک بڑی جمعیت بندی کا منصوبہ بنایا گیا جس کا منشا یہ بیان کیا گیا تھا کہ "وہ باہم ہر ریاست یا ملک کی حفاظت کریں گی تاکہ کوئی قوی تر طاقت، کمزور کو نہ ستائے اور ہر ملک اپنے جائز مقبوضات پر قابض رہے"۔ فرانسیسیوں کے اطالیہ میں دست درازی کو روکنے کی ایک نہایت کارگر صورت یہ تھی کہ انگریز پھر فرانس پر حملہ شروع کریں، لہذا شاہ انگلستان کی اعانت و شرکت کو خاص وقعت حاصل ہو گئی تھی۔ لیکن ہنری مفت میں مدد دینے پر آمادہ نہ تھا اور چونکہ میکسی می لین کچھ مدت سے پرکن کی پشت پناہی کر رہا تھا اس واسطے جب تک اس کا سدِ باب نہ ہو جائے وہ اتحاد میں شرکت پر مطلق تیار نہ ہوا۔ فردی نینڈ اور ازابلا شاہ انگلستان کی مدد کو بہت ضروری سمجھتے تھے اور انھوں نے میکسی می لین پر دباؤ ڈال کر پرکن کو نکلوا دیا۔ ہنری کے بیٹے آرتھر کی ازابلا و فرڈی نینڈ کی تیسری بیٹی کیتھرائن سے شادی کے متعلق بھی نامہ و پیام شروع ہوئے۔ تب ہنری جتھے میں داخل ہوا اور تحکم آمیز لہجے میں چارلس کو خط لکھا کہ ممالک یورپ کے امن میں خلل نہ ڈالے۔ اب فرانس اکیلا رہ گیا تھا اور چارلس نے بھی ۱۴۹۸ء میں وفات پائی لیکن چونکہ اس کا جانشین لوئی دوازدہم، نیپلز کی وراثت کے علاوہ خود اپنا دعوی میلان کی ریاست پر رکھتا تھا، لہذا فرانس کے خلاف ایک بڑے جتھے کی ضرورت عملی حالہ باقی رہی۔

اتحاد دریا تھائے یورپ

جتھے کو زیادہ مضبوط و پائیدار بنانے کی غرض سے باہم کئی رشتے اور پیوند کئے گئے۔ آسٹریہ کے میکسی می لین کی شادی پہلے ہی چارلس (دلیر) کی وارثہ میری (رئیسۂ برگنڈی) سے ہو چکی تھی اور ندرلینڈز کے علاقے شاہان آسٹریا کی عملداری میں آ گئے تھے۔ ازابلا اور فرڈی نینڈ نے پرتگال، و نوار کے سوا، تمام اقطاع ہسپانیہ کو ایک ملک و سلطنت میں ضم کر دیا۔ ۱۴۹۶ء میں ان کی دوسری بیٹی جوآنا دجو آگے چل کے اپنے والدین کے ملک کی

وارث ہوئی) میکسی می لین کے اکلوتے بیٹے فلپ (حسین) کو بیاہی اور اسی سے (سنہ ۱۵۰۰ء میں) یورپ کا مشہور تاجدار چارلس پنجم[1] پیدا ہوا جو ماں کی طرف سے ہسپانیہ کا وارث تھا۔ سنہ ۱۵۰۱ء میں جو آنا کی بہن سے ہینری کے پانزدہ سالہ فرزند آرتھر کی شادی ہوئی لیکن وہ اگلے ہی سال اپریل میں فوت ہوگیا اور ہینری نے فوراً اس کے چھوٹے بھائی ہینری سے جو ۱۴۹۱ء کی پیدائش تھا، شادی کے نامہ وپیام شروع کئے اور اسپین کی خرد سال بیوہ شہزادی، شاہ انگلستان ہی کی زیر تربیت رہی۔ یورپ کا ایک ملک یعنی اسکاٹ لینڈ ابھی تک فرانس کا حلیف تھا لیکن فرڈی نینڈ اور ہینری دونوں نے پوری کوشش کی کہ اُسے اپنے پشتینی اتحاد سے جدا کردیں۔ اور ہینری کی بڑی لڑکی مارگریٹ کا شاہِ اسکاٹ لینڈ جیمس چہارم سے عقد ہوا تو عام طور پر یہ سمجھا گیا کہ مذکورۂ بالا مقصد میں کامیابی ہوگئی ہے۔

ہینری کی وفات

ہینری کی ملکہ کا سنہ ۱۵۰۳ء میں انتقال ہوا اور مختلف تجویزیں کی گئیں کہ یورپ کے اتحادِ کبیر کو تقویت پہنچانے کی غرض سے اُس کی دوسری شادی کسی شاہی خاندان میں کی جائے لیکن کوئی خیال حیز عمل میں نہ آیا اور سنہ ۱۵۰۹ء میں خود ہینری نے مُلک بقا کی راہ لی اور اپنے ملک کو امن وخوش حالی کے علاوہ ممالکِ یورپ میں ایک ایسے رتبے پر چھوڑ گیا کہ ہینری پنجم کے بعد کبھی اُسے حاصل نہ ہوا تھا۔

الطالیہ کی نشاۃ الثانیہ

ہینری ہفتم کا عہد حکومت مختلف اعتبار سے تاریخ انگلستان میں

---

[1] ۔ چارلس کا مختصر شجرہ یہ ہے:۔

فرڈی نینڈ + ازابلا
(شاہِ اراگون) (رئیسۂ کاسٹیل)
کیتھرائن
(زوجۂ آرتھر و ہینری ہشتم)
جوآنا
(زوجۂ فلپ)

میکسی می لین میری
فلپ (حسین)
(زوجِ جوآنا ہسپانوی)
چارلس پنجم
(وارث آسٹریہ، نذر لینڈز، اراگون و کاسٹیل)

ایک عہدِ فاصل کی حیثیت رکھتا ہے اور اُسے پرانے دَور کا خاتمہ چاہیں تو نئے دَور کا سرآغاز کہہ سکتے ہیں ۔ اس کا ایک سبب تو وہ مُلکی اصلاحات ہیں جن کی بدولت ہینری نے انگلستان کو امرا کے خدَم سے نجات دلائی اور امن و قانون کا بلند تر معیار قائم کر کے تمدّن کی بڑی بھاری خدمت انجام دی اور دوسرا سبب وہ عام اور خارجی اثرات ہیں جن سے کم و بیش تمام متمدن (مغربی) دنیا، متاثر ہوی ۔ یہ تحریکِ عظیم جو کبھی نشاۃ الثانیہ یعنی "نئے جنم" کے نام سے یاد کی جاتی ہے اور کبھی بہ تخصیص احیائے علم کے نام سے، اتنی پیچیدہ اور کثیر الفروع تھی کہ یہاں صرف اس کے اہم واقعات پر ایک اجمالی نظر ڈالی جا سکتی ہے ۔ اس کا مولد ملک اطالیہ ہے جہاں مختلف اسباب سے یورپ کے دوسرے ممالک کی نسبت تہذیب و تمدن کا معیار بلند تر ہو سکا تھا۔ نقاشی اور بُت تراشی پر پہلے ہی بہت کچھ توجہ کی گئی تھی ۱۴۵۳ء میں ترکوں نے قسطنطنیہ کو تسخیر کیا تو یونانی زبان کے بہت سے علما یورپ میں منتشر ہو گئے اور عہد قدیم کے ہزاروں بیش بہا مخطوطات جو اب تک بای زنطی خانقاہوں میں پڑے سڑ رہے تھے اور پڑھنے والا نہ ملتا تھا، وہ طلبہ کے ہاتھوں تک پہنچ گئے اور ادبیات عالیہ کے درس و تدریس کا عام رواج ہو گیا۔ خصوصاً اطالیہ کے اہل علم اِن نو یافت علوم کے ایسے گرویدہ ہوے کہ افلاطون و ارسطو کے خیالات کی نئے معتقدوں میں قریب قریب پرستش ہونے لگی۔

اطالیہ سے یہ تحریک دوسرے ملکوں میں پھیلی ٹپ ٹوفٹ (امیر وُرسٹر) لاطینی کا پر جوش عالِم تھا۔ ۱۴۹۲ء میں گروکیں اور کچھ دن بعد لی نیکر اکسفرڈ میں یونانی زبان کی تعلیم دیتے تھے ۔ ۱۴۹۶ء میں جان کولیٹ (جو آگے چل کے سینٹ پال میں صدرِ صومعہ مقرر ہوا) یونانی توراۃ کا اکسفرڈ میں درس دیتا تھا اور آیندہ بھی جدید خیالات کی تعلیم و ترویج میں اپنا اثر صرف کرتا رہا۔ ارازمس کا بھی انگلستان میں کچھ کم اثر نہیں پڑا۔ یہ فلیمنگی عالِم ۱۴۹۸ء میں انگلستان آیا وہاں کے تمام اہل علم سے دوستی پیدا کی اور اپنی ظرافت اور چُبھتے ہوے مطائبات سے اہل انگلستان کے خیالات پر بہت کچھ اثر ڈالا ۔ نقاشی بھی آہستہ آہستہ شمال تک آ گئی اور نئے طور طریق کو انگریزوں میں ہولبین نے روشناس کیا جو ۱۵۲۶ء کے

باب اول

کچھ سال بعد انگلستان میں آ بسا تھا۔
مگر علوم و فنون لطیفہ اس تحریک کا صرف ایک پہلو تھے۔ جغرافی اکتشافات میں حیرت انگیز ترقیاں ہوئیں۔ پندرھویں صدی کے آغاز ہی میں انگلستان کے ہینری چہارم کے بھانجے ہینری (الجہازی) نے پرتگیزوں کو افریقہ کے مغربی سواحل کی دیکھ بھال اور تجارت کے نئے ذرائع تلاش کرنے کے فوائد سمجھائے تھے۔ قسطنطنیہ پر ترکوں کا قبضہ ہوا تو ممالک ترکی اور ایشیا کے درمیان تجارت کے راستے بھی (یورپ والوں کے لئے) بند ہو گئے اور یورپی سوداگروں کو ہندوستان کا کوئی اور راستہ نکالنے کی فکر ہوئی۔ اسی تگ و دَو اور قسمت آزمائی کی بدولت ۱۴۹۲ء میں نئی دنیا کا سراغ ملا اور پرتگیزوں کو مزید سعی و کوشش کا حوصلہ ہوا چنانچہ ۱۴۹۷ء میں واسکوڈی گاما، راس امید کا چکر کھا کے کالی کٹ کی بندرگاہ تک پہنچ گیا۔ اس کوشش میں انگلستان کچھ پیچھے نہ تھا۔ ہینری ہفتم نے تخت نشینی کے پہلے ہی سال برسٹل کے سوداگروں کو اپنی اعانت اور ہمدردی کا یقین دلایا تھا۔ ۱۴۹۷ء میں وہاں کے حوصلہ مند سوداگروں نے خود اپنا جہاز اور انگریز ملاح مہیا کر کے اُسے نئی زمینیں اور راستے دریافت کرنے کی غرض سے روانہ کیا اس کا ناخدا جان کیبوٹ (باشندۂ وینس) اور اس کا بیٹا سباسٹین تھے۔ یہ پہلا یورپی جہاز تھا جو شمالی امریکہ کے اصل براعظم تک پہنچا۔
ان اکتشافات نے جہاں لوگوں کے جغرافی علم میں تغیر پیدا کیا، وہیں مختلف قوموں کی سیاسی اہمیت میں بھی بہت کچھ اضافی فرق ہو گیا۔ پہلے تمدن اور تجارت کی سرگرمیوں میں وہ قومیں پیش پیش تھیں جن کی رسائی بحر رُوم تک تھی لیکن اب کھلے سمندروں کی طرف لوگ متوجہ ہو گئے اور قادِص، لزبن، بورڈو، برسٹل، لندن اور اینٹ ورپ کی بندرگاہیں دُنیا کی تجارتی گہما گہمی کا قدرتی مرکز بن گئیں۔

نئی ایجادیں

ان دریافتوں کے پہلو بہ پہلو، چھاپے اور بارُود کی دو عظیم الشان ایجادیں قابل ذکر ہیں۔ طباعت یا ڈھلے ہوئے حروف سے چھاپنے کا فن گوٹن برگ کی ۱۴۵۰ء کی ایجاد بتایا جاتا ہے۔

علم کی روز افزوں تشنگی نے کتابوں کی مانگ بڑھا دی تھی اور اسی بنا پر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ہاتھ کی نسبت جلد تر کتابوں کے نقل کرنے کی کوئی صورت نکالی جائے اسی کا نتیجہ جدید فن طباعت تھا جس کے وجود میں آنے سے خود علم کی اشاعت کو حیرت انگیز تحریک پہنچی۔ انگلستان طباعت کو ولیم کیکس ٹن نے ۱۴۷۷ء میں روشناس کیا اور سب سے پہلی کتاب جو ۱۴۷۴ء میں چھپ کر نکلی وہ "شطرنج بازی" پر تھی۔ توپ خانے میں باروت کا استعمال جنگ کریسی کے وقت سے شروع ہو گیا تھا لیکن اس کے رواج میں دیر لگی کیونکہ براعظم کی دستی اور انگلستان کی بڑی کمان اتنی کارگر، اور آلات قلعہ شکن اس قدر تباہ کن تھے کہ نئی توپوں اور دستی بندوقوں کو ان پر بازی لے جانے میں کافی مدت درکار ہوئی۔ البتہ جب یہ آتشیں اسلحہ بھی اسی قدر کارگر بننے لگے تو پرانے ہتھیار بہت جلد متروک ہو گئے کہ ان کی مشق و ممارست میں بڑی دیر لگتی تھی۔ دوسرے توپوں کو لانا لے جانا اتنا دشوار نہ تھا جتنا بڑی منجنیقوں، دبابوں وغیرہ کو۔ مگر یاد رکھنے کے قابل بات یہ ہے کہ نئے آلات کا فن جنگ پر اتنا اثر نہ پڑا ہوگا جتنا عام تمدن پر۔ اس لئے کہ ان آتشیں اسلحہ نے پرانے زرہ بکتر کو بیکار کر دیا اور ساتھ ہی زرہ پوش تلوریوں کی وہ جماعت قصۂ ماضی ہو گئی جو ہر جگہ ممتاز نظر آتی تھی اور زرہ بکتر کا رواج اٹھ گیا جس نے جنگ وجدال کو دولتمندوں کے حق میں خاصی بے ضرر تفریح کا سامان بنا رکھا تھا۔ اب دولتمند اور عام سپاہی دونوں کے لئے لڑائی یکساں خطرناک تھی۔ علاوہ ازیں باروت کے رواج نے نئی دنیا کی فتح میں بڑا کام دیا اور اگر اس کی وجہ سے یورپ والے جیت میں نہ ہوتے تو کورٹیز اور پزارو کے کارنامے ممکن نہ تھے اور نہ مٹھی بھر فرنگی جو سمندر پار جا سکے تھے، وسیع ملک کے ملک اس قدر جلد فتح کر سکتے تھے جن میں نیم متمدن لیکن بہادر باشندے آباد تھے۔

مختصر یہ کہ امریکہ کی اور ہندوستان کے بحری راستے کی دریافت، ترکوں کی تسخیر قسطنطنیہ، علوم کا احیا اور طباعت و باروت کی ایجاد وہ عظیم الشان واقعات ہیں جن سے ازمنہ وسطیٰ کا دور ختم ہوا اور یورپ کے دور جدید کی ابتدا ہوئی اور جن کے اثرات ہنیری ہفتم کے زمانے میں ظاہر ہونے لگے تھے۔

مشہور واقعات

معرکہ اسٹوک	۱۴۸۷ء
پرکن کا پہلا خروج	۱۴۹۲ء
غرب الہند کی دریافت	۱۴۹۴ء
چارلس ہشتم کی اطالیہ پر فوج کشی	۱۴۹۴ء
کیبوٹ کا بر اعظم امریکہ کو معلوم کرنا	۱۴۹۷ء
واسکوڈی گاما کا کالی کٹ پہنچنا	۱۴۹۷ء
پرکن کی گرفتاری	۱۴۹۸ء
شہزادہ آرتھر کی وفات	۱۵۰۲ء

باب دوم

ہنری ہشتم سنہ ۱۵۰۹ء تا سنہ ۱۵۴۷ء

ولادت ۔ سنہ ۱۴۹۱ء ۔ ازدواج با کیتھرائن سنہ ۱۵۰۹ء مطلقہ سنہ ۱۵۳۳ء

این بولین سنہ ۱۵۳۲ء مقتولہ سنہ ۱۵۳۶ء

جین سیمور ۱۵۳۶ء متوفیہ سنہ ۱۵۳۷ء

این کلیوزی سنہ ۱۵۳۷ء مطلقہ سنہ ۱۵۴۰ء

کیتھرائن ہاورڈ سنہ ۱۵۴۰ء مقتولہ سنہ ۱۵۴۲ء

کیتھرائن پار سنہ ۱۵۴۳ء،

معاصرین: اسکاٹ لینڈ .... جیمس چہارم و پنجم ۔ میری۔

فرانس .... لوئی دوازدہم ۔ فرانسس اول

ہسپانیہ .... چارلس اول

شہنشاہ .... میکسی ملین ۔ چارلس پنجم

پاپا .... جولیس (ثانی) ۔ لیو (دہم)

کلیمینٹ (ہفتم)

ہینری ہفتم کی وفات سے اس کا ہیجدہ سالہ بیٹا ہینری تخت و تاج کا وارث ہوگیا۔ وہ صورت میں اپنے باپ سے بمشکل کوئی مشابہت رکھتا تھا۔ گویا اس کی ساخت یار کی قالب میں ہوئی تھی اور وہ باپ کے برخلاف بلند قامت، مضبوط دُہرے جسم کا آدمی تھا۔ بھورا رنگ، گول چہرہ اور سُرخی مائل بھورے اور گھنے بال تھے۔ مزاج ظریفانہ اور ہر قسم کے کھیل کود کا شوقین تھا جن میں اس کی جراءت اور پھرتی ہمیشہ اُسے فائق رکھتی تھی۔ مگر ان شوقوں سے یہ سمجھنا درست نہ ہوگا کہ اس کے بادشاہی کاروبار میں خلل پڑتا تھا۔ ابتدائے تخت نشینی سے ہینری نے ثابت کر دیا کہ وہ اپنے باپ کی طرح نہ صرف بادشاہ کہلانے بلکہ حکومت کرنے کا عزمِ مصمم رکھتا ہے۔ سفیروں کے مراسلات براہِ راست اس کے پاس آتے اور وہ روزانہ بہت سا کام کرنے کا وقت نکال لیتا تھا، اور اس کے اپنے لکھے ہوئے اور نیز اس کے نام کے خطوں سے پوری طرح ثابت ہے کہ حکومت کی کسی جزئی شئے کو بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہ سمجھتا تھا۔ باپ کی طرح وہ بہت اچھا مردم شناس تھا اور غالباً عوام کے خیالات کا اندازہ کرنے میں اس سے بھی بڑھ کر ملکہ رکھتا تھا۔ دوسرے برجستہ گوئی اور حُسنِ اخلاق نے شروع سے اُسے اتنا ہر دلعزیز بنا دیا تھا کہ معلوم ہوتا ہے بعد کے کسی فعل نے خواہ وہ کیسا ہی ظالمانہ یا خود رائی کا کیوں نہ ہو، اس ہر دلعزیزی میں کوئی نمایاں کمی نہ آنے دی۔

وزرا

مجلس خاص کے ارکان میں کوئی خاص تغیر نہیں ہوا اور اس کے ممتاز اعضا حسب ذیل ہی رہے:۔ رچرڈ فوکس، استقف ونچسٹر جو بہت جفاکش اور قابل پادری، اور بہت کچھ مورٹن کے رسوخ کا وارث تھا۔ ٹامس ہاورڈ، امیر سرے دخلف شہزادہ نارفک، جو پختہ ارادے اور ہمت کا آدمی تھا اور امرا کے خیالات کی ترجمانی کرتا تھا۔ صدر استقف وارہم جو زیادہ قوت کا آدمی نہ تھا، ان کے علاوہ ایک نوجوان اور لایق پادری، ٹامس وُلزے نامی، فوکس کے دبیر یا معتمد کی خدمت انجام دیتا تھا۔ ان لوگوں کے تحت میں شاہ متوفی کے باقرینہ انتظامات خاموشی سے جاری رہے

اور کوئی رخنہ پڑا تو امپسن اور ڈڈلی کے شرمناک قتل سے، جنھیں نئے بادشاہ نے محض عوام کو رضامند کرنے کی غرض سے بھینٹ چڑھا دیا۔ ان پر قانونی گرفت کرنا آسان نہ تھا کیونکہ ان کے جابرانہ افعال، الفاظِ قانون سے متجاوز نہ تھے اور اس بات کی انھوں نے پوری پوری پابندی کی تھی۔ پس یوں بس نہ چلا تو زبردستی غداری کا یہ الزام اُن پر عائد کیا گیا کہ وہ نوعمر بادشاہ کو اپنے قابو میں رکھنے اور حکومت غصب کرنے کا ساز باز کرتے ہیں۔ اسی الزام پر ڈڈلی کو لندن میں اور امپسن کو نارتھمپٹن میں مجرم قرار دیا اور اس نامنصفانہ فیصلے کی خرابیٔ خون کا فتوی دے کے تکمیل و توثیق کر دی گئی۔ چند سال تک اُن کی جان بچی رہی لیکن آخر ہینری اُن کی زیادہ ستانی کی پیہم شکایتوں سے اتنا تنگ آیا کہ انھیں قتل کرنے کا حکم دیدیا اور جن لوگوں کا خون انھوں نے نچوڑا تھا انھیں کچھ معاوضہ وغیرہ دینے کی بھی کارروائی ہوئی۔

معاملاتِ خارجہ میں بادشاہ نے کیتھرائن سے شادی کر کے ثابت کیا کہ وہ اپنے باپ کے طریق عمل کی اتباع کرے گا۔ اور بعد شادی کے بھی اتنا خوش تھا کہ کہتا تھا کہ اگر دوبارہ انتخاب کا موقع دیا جائے تو بھی میں کیتھرائن ہی کو پسند کروں گا۔ یہ شہزادی اُس وقت چوبیس سال کی تھی اور حسین نہ ہونے کے باوجود دلکشی کی شان رکھتی تھی اور بہت زندہ دل اور فیاضانہ مزاج کی ملکہ بتائی جاتی ہے۔ وہ اچھی موسیقی داں، اور خوب ناچتی تھی۔ نہایت عمدہ انگریزی بولتی اور لکھتی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے شوہر کی دل سے چاہنے والی تھی۔

ہینری ہشتم فرانس کے خلاف جتھے میں شریک تو ہوا لیکن اس نے کوئی عملی حصہ نہیں لیا اور اس معاملے میں زیادہ تر اسپین کا تابع رہا۔ چارلس ہشتم کی وفات کے بعد سے اطالیہ امور سیاسی کا مرکز بن گئی تھی۔ ۱۴۹۹ء میں لوی دوازدہم نے وینس والوں کی مدد سے میلان پر قبضہ کر لیا اور طرفہ تر یہ کہ جتھے کی حکمت عملی کے خلاف خود فرڈیننڈ نے اس سے دوستی کر لی اور نیپلز پر حملہ کیا جہاں فرانسیسیوں کے جانے کے بعد سے دوبارہ خاندان اراگون کی ایک شاخ حاکم ہو گئی تھی۔ مگر دوسرے ہی سال لوی اور فرڈی نینڈ میں مال غنیمت پر جھگڑا ہو گیا اور فرانسیسی دوبارہ نیپلز سے نکالے گئے۔ ۱۵۰۴ء میں انھوں نے باہم پھر مصالحت کر لی

اور اس مرتبہ پاپا جولیس ثانی کی برائے نام سرداری میں اتحادِ کال برے کی بنیاد ڈالی جس کا مقصد یہ تھا کہ وینس کے مقبوضات کی تکا بوٹی کر لی جائے کیونکہ اطالیہ میں لے دے کے یہی ایک ریاست ایسی تھی جو چھوٹی ریاستوں کو ملا کر اہلِ فرانس و اسپین دونوں کو اطالیہ سے باہر رکھ سکتی تھی۔ لیکن جنگ شروع ہوتو فرانسیسیوں نے وینس کا بہت سا بڑی علاقہ چھین لیا اور اس قوت سے کام کیا کہ خود پاپا گھبرا گیا اور اس نے فوراً ایک حزبِ مقدس کی بنیاد رکھی کہ پاپا کی حفاظت کرے اور فرانسیسیوں کو اطالیہ سے نکال دے۔ ۱۵۱۱ء میں ہینری ہشتم سے بھی شرکت کی درخواست کی اور چونکہ اُس کا خسر، فرڈی نینڈ اس نئے جتھے کا ممتاز شریک تھا، لہٰذا ہینری کو کچھ تامل نہ ہوا اور جنوبی فرانس میں معرکہ آرائی کا منصوبہ بنایا گیا جس کے ذریعے امید تھی کہ گیئین کا علاقہ پھر انگلستان کے اور نوار کا اسپین کے ہاتھ آجائے گا۔ گیئین پر حملہ کرنے میں ایک بڑا لالچ یہ تھا کہ وہاں تجارت بہت رونق پر تھی، دوسرے وہ فرانس و اسپین کے درمیان ایک کیلی کی طرح واقع تھی اور اس پر قبضہ ہو جانے سے شاہ انگلستان ان دونوں ملکوں پر اثر ڈال سکتا تھا۔ لیکن جس وقت انگریز سپاہی ایڈورڈ ڈورسیٹ کے تحت میں گیئین پر اُترے تو فرڈی نینڈ کی تیاریاں بالکل نامکمل نظر آئیں اور ۲ ہفتے تک بیکار پڑے رہنے کے بعد انگریز سپہ سالار یہ سمجھ کر کہ فرڈی نینڈ کا منشا اپنے سپاہیوں سے صرف نوار میں کام لینے کا ہے، واپس چلا آیا۔ ہینری کو اس ناکامی کا بہت قلق ہوا اور ۱۵۱۳ء میں اور بھی وسیع پیمانہ پر فوج کشی کی تیاریاں کی گئیں۔ اسی موقع پر ولزے نے بادشاہ کے ساتھ پہلی مرتبہ ناموری حاصل کی۔

ولزے

لین فرانک سے لاڈ تک کلیسائی عہدہ داروں کا جو سلسلہ انگلستان کے اربابِ بست و کشاد میں شامل ہے، اُن میں غالباً ٹامس ولزے کا مرتبہ سب سے فائق ہے۔ وہ ۱۴۷۱ء میں بمقام ایپس وچ پیدا ہوا۔ باپ اچھا دولتمند اور معزز شہری تھا۔ اس نے اپنے ذہین فرزند کو تامقدور بہترین تعلیم دلوائی اور وہ بالکل لڑکپن میں اکسفرڈ آیا، پندرہ سال کی عمر میں بی۔ اے کی ڈگری اور موڈلین کالج کا رفیق و منتظم مقرر ہوا۔ کالج کا خوبصورت

باب دوم

برج اسی زمانے میں تعمیر ہوا ہے گو یہ ثابت نہیں کہ اس میں وُلزے نے بھی کوئی حصہ لیا۔ پھر وہ کالج کے مدرسۂ فوقانیہ کا صدر مدرس ہو گیا اور اسی زمانے میں امیر ڈورسیٹ سے شناسائی ہوئی، جس کے بچے وُلزے کے شاگرد تھے۔ ڈورسیٹ نے اسے لیمنگٹن کی خانقاہ میں شریک کرایا اور اس کے بعد وہ مورٹن کے جانشین ڈین (صدر اسقف کینٹربری) کا خاص امام مقرر ہوا۔ انتظامی زندگی کی واقفیت اسے سر رچرڈ نائب حاکم کالے کی مددگاری میں حاصل ہوی اور اسی کی سفارش سے ہینری ہفتم نے ۱۵۰۶ء کے قریب اسے اپنا امام بنالیا۔ دربارِ شاہی میں وُلزے نے فوکس سے تعلق رکھا اور ممکن ہے اُس کا معتمد رہا ہو۔ خود بادشاہ کی طرف سے بھی کئی موقعوں پر سفارتی کام لئے گئے۔ ہینری ہشتم کی تخت نشینی اُس کی ترقی کے ممد تھی کیونکہ نوجوان وُلزے بڑا جوش اور وہ حوصلے رکھتا تھا جو نوخیز بادشاہ کے مزاج سے، شاہ متوفی کے اہلکاروں کی دقیانوسی روایات اور پھونک پھونک کے قدم رکھنے کے اصولوں کی نسبت زیادہ موافقت رکھتے تھے۔ تاہم کچھ مدت تک اسے اپنی گرمجوشی دکھانے کا موقع نہیں ملا۔ تاآنکہ جنگ فرانس کی تیاریاں شروع ہوئیں اور وُلزے دل وجان سے اس دُھن میں لگ گیا کہ نہایت مستعد فوج مہیا ہو جائے۔ انھی عرقریزیوں نے اسے بادشاہ کا مورد توجہ بنالیا۔

فرانس کی معرکہ آرائی کامیاب ثابت ہوئی۔ امیر البحر ہاورڈ نے کھلی کشتیوں میں فرانس کے بیڑے پر اس شدت سے حملہ کیا کہ گو اُس کی جان گئی اور اس کے سپاہی پسپا کر دئے گئے، تاہم فرانسیسیوں کو یہ ہمت نہ رہی کہ انگریزی بیڑے کا کالے جانا روکتے۔ کالے سے ہینری، تھیروئن کے محاصرے کو بڑھا اور اسی قصبے کے سامنے شہنشاہ میکسی می لین اُس کی فوج میں ایک رضاکار کی حیثیت سے آکر شریک ہو گیا۔ محاصرے کے زمانے میں فرانسیسی امدادی فوج سے جو قلعے میں رسد پہنچانا چاہتی تھی، ایک جھڑپ ہوی جس میں صرف رسالوں نے حصہ لیا اور فرانسیسی اتنی جلد بھاگ کھڑے ہوے کہ مذاقیہ طور پر اسے "جنگ مہمیز" کہنے لگے۔ تھیروئن اور تھوڑے ہی دن بعد تورنے کا اہم قصبہ فتح ہو گئے مگر ہینری نے جو غلبہ حاصل کیا تھا، اُس سے مزید کام نہ لیا بلکہ یہ دیکھکر کہ میکسی می لین اور

باب دوم

فرڈی ننڈ چاہتے ہیں کہ مصیبت تو وہ جھیلے اور فائدہ خود اٹھائیں وطنی ضرورتوں کے عذر پر وہ واپس انگلستان چلا آیا۔ یہاں اُس کی عدم موجودگی میں کئی اہم واقعات پیش آئے۔ مارگریٹ اور شاہ اسکاٹ لینڈ (جیمس چہارم) کی شادی سے جو امیدیں ہوئی تھیں اُن کے خلاف اسکاٹ لینڈ والے اپنے پشتینی حلیف فرانس کا ساتھ دیئے بغیر نہ رہے۔ اور ہینری کے فرانس جانے کے بعد جیمس کی غیرت و شرافت بیوی کی مروت پر غالب آئی اور اس نے بڑی بھاری فوج سے نارتھمبرلینڈ پر حملہ کر دیا۔ ہینری اپنی بیوی کو نائب بنا گیا تھا اور عجب نہیں کہ ہینوول کی فلیپا کی مثال پر اس نے پوری تن دہی سے مدافعت کی تدبیریں کیں۔ مجلس خاص میں برابر موجود رہتی، لڑائی کے جھنڈے خود تیار کرتی اور شمال کی طرف جانے والے سرداروں کا تقریروں سے دل بڑھاتی تھی۔ انگریزی فوج کی سپہ سالاری امیر سرے اور اس کے فرزند ٹامس ہاورڈ کے تفویض ہوی۔ جو اپنے متوفی بھائی کی بجائے امیر البحر مقرر ہوا تھا۔ ان سپہ سالاروں نے نیوکاسل میں فوجیں جمع کیں۔ اور آگے بڑھے تو معلوم ہوا کہ ٹویڈ کی معاون ندی ٹل سے (جو وہاں انگلستان و اسکاٹ لینڈ کی حدِ فاصل تھی) خط مستقیم پر فلوڈن کی پہاڑی واقع ہے اسی کے اوپر جیمس بہت مضبوط مورچے بنائے پڑا ہے۔ اتوار، ۴ ستمبر کو سرے نے آئین سپہ گری کے مطابق جیمس کو دعوت دی کہ آیندہ جمعے کو میدان میں جم کر مقابلہ کرے جیمس نے قبول کیا مگر جب سرے نے تجویز کی کہ وہ اپنے مورچے چھوڑ کر ہموار زمین پر آجائے تو جیمس نے با اخلاق لیکن قطعی انکار میں جواب دے دیا۔

اسکاٹ لینڈ پر حملہ

یہ کیفیت دیکھی تو سرے نے بیٹے کے مشورے پر عمل کیا اور جیمس کی اسکاٹ لینڈ کو مراجعت کا راستہ روکنے کی تدبیر کی۔ ڈولر کے مقام سے ٹل کو عبور کر کے وہ ندی کے متوازی، اتنی دور رہ کر کہ کنارے کے کراڑے فوج کو نظر نہ آنے دیں، ٹل اور ٹویڈ کے سنگم کی طرف بڑھا اور اس شام (شب جمعہ) وہیں مقیم رہا۔ صبح ہوتے ہی وہ پھر ٹل کے پار آ گیا اور سیدھا کولڈ اسٹریم کی جانب بڑھا گویا اسکاٹ لینڈ پر چڑھائی کر رہا ہے یہ داؤں پورا چل گیا اور جیمس نے سرے کو اسکاٹ لینڈ کی طرف جاتے دیکھ کر پڑاؤ

سرے کی تدبیر معرکۂ فلوڈن

اٹھالیا اور خیمے جلاکے تیزی سے تعاقب میں روانہ ہوگیا اب سرے مقابلے کے لئے پلٹا اور جلتے خیمے کے دھوئیں میں ایک دوسرے کی نظر سے اوجھل فریقین بڑھتے بڑھتے برنکیس ٹن مُور پر باہم دوچار ہوگئے۔ اسکوٹوں کو اُس وقت بھی یہ فائدہ حاصل تھا کہ بلند تر زمین پر تھے اور اندازہ کیا گیا ہے کہ ان کی تعداد تیس ہزار تھی۔ ان کی گنجان صفوں میں دائیں طرف پہاڑی دستے دودھاری تیغے اور سپر سے مسلح تھے۔ ان کے عقب میں خود بادشاہ سات ہزار نیزہ برداروں کے غول میں قیادت کر رہا تھا۔ میسرے پر سرحدی سپاہ ہنٹ لی اور ہوم کے زیر علم تھی، اور سترہ توپیں بھی ہمراہ تھیں انگریزوں نے بھی تین حصوں میں فوج جمائی تھی۔ میسرہ سر ایڈورڈ اسٹینلی کی، میمنہ امیر البحر اور سر ایڈمنڈ ہاورڈ کی اور قلب خود سرے کی قیادت میں تھا۔ انگریزی سپاہ شمالی پرگنوں کے جملہ اقطاع سے جمع ہوئی تھی اور اسے سب سے بڑھ کر لمبی کمانوں پر بھروسہ تھا لیکن دست بدست لڑائی میں انھوں نے ایک خوفناک ہتیار یعنی تبر نیزے (دی بِل) سے کام لیا۔ یہ دوسری کہاڑی ہوتی جس کے بیچ میں برچھی کی طرح انی نکلی رہتی اور قریب دو گز کے لمبا اور اچھا موٹا ڈانڈ ہوتا جس سے کہاڑی یا برچھے، دونوں کی طرح کام لے سکتے تھے۔ ان اسلحہ کے علاوہ سرے کے پاس توپ خانہ بھی تھا۔

لڑائی شروع ہوئی تو انگریزی توپوں نے اسکوٹی توپ خانے کو بند کر دیا اور نیزہ برداروں میں وہ تہلکہ ڈالا کہ جیمس کو بھڑ جانے کی جلدی پڑ گئی اور عام حملے کا حکم دیدیا۔ اس کے میسرے پر ہنٹ لی اور ہوم نے ایڈمنڈ کے انگریزی لشکر کو مار ہٹایا لیکن وسط میمنہ ٹامس ہاورڈ کی سرداری میں سخت دباؤ پڑنے کے باوجود جما رہا۔ سرے نے بھی شاہ اسکاٹ لینڈ کا خوب مقابلہ کیا اور اسٹینلی کے لینکا شر والے جوان خونخوار اسکوٹی پہاڑیوں کی نہ صرف یورشیں روکتے رہے اور اپنی صفیں نہ توڑنے دیں بلکہ اپنی نوبت پر خود آگے بڑھے اور ان قبائل کو ہی کو میدان سے دھکیل دیا۔ ٹامس ہاورڈ کو وقت پر کمک مل گئی اور اس عرصے میں وہ بھی اپنے مقابل کی قطاروں پر غالب آگیا اور یہ دونوں انگریز سردار آگے بڑھتے بڑھتے شاہ جیمس کی طرف مڑے اور خامی نیز عقبی حملہ کیا جب کہ وہ اور اس کے نیزہ بردار سامنے والی (سرے کی) انگریزی سپاہ سے اُلجھے ہوئے تھے۔ یہ حرکت فیصلہ کن ثابت ہوی۔ خود جیمس کو

ایک تیر نے چھید دیا اور سر پر انگریزی تبر کی مہلک ضرب لگی۔ پھر اس کے ہموطن لاش کے گرد دیوانہ وار لڑتے رہے اور صرف رات کی تاریکی نے از خود رفتہ حریفوں کو جدا کیا۔ جیمس کی لاش کشتوں کے ڈھیر میں ملی اور پوری طرح پہچان لی گئی۔ اس کا خون آلودہ اونی رومال ملکہ کیتھرائن نے یادگار فتح کے طور پر اپنے شوہر کو بھیجا۔ جیمس کے ساتھ اسکاٹ لینڈ کے چیدہ ترین جوان کھیت رہے تھے۔ صرف مقتول امرا کی تعداد بارہ سے کم نہ تھی اور اسکاٹ لینڈ کے طبقہ اعلیٰ میں بمشکل کوئی خاندان ایسا ہوگا جو اپنے کسی عزیز کی موت پر سوگوار نہ ہوا ہو۔

جنگ کے نتائج

اس معرکے میں جیسے طرفہ کرشمے نظر آئے، اس کے ایسے ہی طرفہ سیاسی نتائج بھی برآمد ہوئے۔ ممالک یورپ نے دیکھ لیا کہ سرحدی حملوں سے انگلستان خوفزدہ نہیں ہوسکتا۔ اور جہاں تک اسکاٹ لینڈ کا تعلق ہے، فلوڈن نے سالہا سال کے لئے اُدھر سے حملے کے خطرے کا ازالہ کر دیا۔ جیمس کا جانشین اس کا مابعد الوفات بیٹا جیمس پنجم ہوا اور نظم و نسق اس کی بیوہ مارگریٹ کے ہاتھ میں آگیا۔ چند ماہ بعد مارگریٹ نے غلطی سے امیر انگس کے ساتھ شادی کر لی۔ اس رشتے نے اسکاٹ لینڈ کے امرا میں نفاق و شقاق کی اور ایک وجہ پیدا کر دی اور ملک کو کمزور تر کر دیا۔

تھیروئن اور فلوڈن کی کامیابیوں کے باوجود ہنری محض میکسی می لین یا فرڈی نینڈ کی اسامی بن کر لڑائی جاری رکھنی نہ چاہتا تھا اور اس ارادے میں وولزے کے عاقلانہ مشورے سے اور قوت پہنچی۔ معلوم ہوتا ہے فرانس سے واپس آنے کے وقت سے وولزے کا اثر سب پر غالب آگیا تھا۔ سیاسی داد و ستد جو فوکس کے مذاق کی شے نہ تھی، وہ اس نے خوشی سے وولزے کے سپرد کر دی جو اس فن میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ ممالک یورپ میں انگلستان کی خاص منزلت قائم ہونے کے بارے میں بھی اس کے خیالات وطن پرستی سے معمور تھے اور ہنری کی طرح وہ اُسے بالکل آزاد و خود مختار طاقت بنانا چاہتا تھا۔ اس غرض سے شاہ و وزیر نے تہیہ کر لیا کہ فرانس کے ساتھ اتحاد کر لیا جائے تاکہ میکسی می لین اور فرڈی نینڈ کو (جن کے منصوبوں کے حق میں یہ اتحاد نہایت خطرناک تھا) معلوم ہو جائے کہ انگلستان

کے ساتھ شایان شان سلوک ہونا چاہیئے۔ بہت خفیہ طور پر پیام سلام شروع ہوئے اور قرار پایا کہ ہینری کی بہن میری جو سترہ سال کی حسین لڑکی تھی، چارلس (والی برگنڈی) سے اپنی نسبت توڑ دے اور لوی دواز دہم سے جو این (والیہ بری تانی) کے مرنے سے رنڈوا رہ گیا تھا، عقد کرلے اگرچہ اس بادشاہ کی عمر اُس وقت باون سال کی تھی۔ وقت کے وقت تو اس پیوند نے وہ سب کام کردیئے جس کی ہینری اور ولزے کو توقع تھی لیکن سوئے اتفاق سے ۱۵۱۵ء میں لوی مرگیا اور اس کے جانشین فرانسس اول نے خود لوی کی بیٹی کلاڈ سے شادی کی جو بری تانی کی وارثہ تھی۔ میری (دختر ہینری) نے بلا تاخیر باپ کے عزیز رفیق چارلس برینڈن سے عقد کرلیا جو سفک کا امیر کبیر بنا دیا گیا۔ انھی کی پوتی لیڈی جین گرے تھی۔

ولزے کی ترقی اور حکمت عملی۔

ہینری ولزے کا بے حد احسان مند تھا فرانس میں اُس نے جو نمایاں خدمات انجام دیں ان کے صلے میں وہ اسقف تورنے، ۱۵۱۴ء میں اُسقف لنکن اور اگلے سال صدر اُسقف یارک کے عہدے پر سرفراز ہوا اور پیشکاری کا عہدہ اس کا ضمیمہ بنا دیا گیا۔ ہینری کی خوشی تھی کہ اسے مشیر پاپا یا "کارڈنیل" کا مرتبہ مل جائے مگر پاپا نے تامل کیا اور ۱۵۱۸ء میں ہینری کو پاپائی سرکار میں اتنا رسوخ حاصل ہوا کہ یہ آرزو پوری ہوی اور ولزے انگلستان میں وکیل پاپا کی خدمت سے مشرف ہوا دنیوی خدمات کے عوض میں کلیسائی عہدے دینا بادشاہ کے لئے تو کفایت کا موجب تھا لیکن کلیسا کے حق میں نہایت مضر ہوا کہ ان برائے نام مذہبی پیشواؤں کے محض عہدہ دار رہ جانے سے کلیسا ہی کی وقعت جاتی رہی اور پیش نظر زمانے میں بہت کم کوئی ممتاز اسقف ایسا ملتا ہے جس میں مذہبیت کی شان یا پابندی پائی جاتی ہو۔

مگر خود ولزے برائے نام اُسقف رہنے پر قانع نہ ہو سکتا تھا اور نہ اتنا تیز بیں اور عملی آدمی کلیسا کی بے شمار بے ربطیوں سے غافل و بے حس رہ سکتا تھا۔ نشاۃ الثانیہ کی بدولت لوگوں کے خیالات میں جو تلاطم پیدا ہوا اس نے

کلیسا کی اصلاح کو خواہ از خود ہو یا خارجی، ضروری کر دیا تھا اور یہ نکتہ وُلزے کی نگاہ سے چھپ نہ سکتا تھا۔ اصلاح طلب امور میں سب سے مقدم خانقاہوں کی درستی تھی۔ تیرھویں صدی کے آغاز میں درویشوں کے گروہ انگلستان آئے۔ اس کے بعد سے انگلستان میں بہت کم خانقاہیں تعمیر ہوئیں تاہم ان کی تعداد کچھ کم نہ تھی اور وہ زمانے کے مذاق سے روز بروز زیادہ مغائر ہوتی جاتی تھیں۔ خانہ جنگیاں بند ہوئیں تو امن جویوں کے خانقاہوں میں پناہ لینے کا سلسلہ بھی رُک گیا۔ مطابع نے ہاتھ کی کتابت کی جگہ لے لی۔ کلیات کے فروغ نے خانقاہوں کا یہ دعویٰ کہ ہمیں تعلیم کا مرکز ہیں، باطل کر دیا حالانکہ ایک زمانے میں ان کی یہ نازش بجا تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ نئے علوم جو طلبہ کو اپنی طرف کھینچتے اور یورپ کے خیالات کو نئی نئی راہیں دکھا رہے تھے، خانقاہوں کی چار دیواری میں ان علوم پر ذرا التفات نہ ہوی۔ ان حالات میں خانقاہوں کی ضرورت بقا پر عام ولائل کا بہم پہنچانا دشوار ہوا جاتا تھا۔ بظاہر وہ صرف ایسے دولتمند جاگیرداروں کی جماعتیں رہ گئی تھیں جو بزرگوں کی کمائی کھاتے تھے اور ہرچند غریب ہمسایوں سے ضرور خیر خیرات کا سلوک کرتے رہتے تھے لیکن ایسے بہت شاذ تھے جو بانیاں خانقاہ کے معیار کے مطابق زندگی بسر کرتے ہوں۔ ادھر بدگوئی کا بیان تھا کہ راہبوں کے متعلق اور بھی کچھ باتیں کہنے کے قابل موجود ہیں۔ ہینری ہفتم کے زمانے میں تحقیقات کی گئی اور پاپائی معاینوں سے بھی ثابت ہوا کہ چھوٹی خانقاہوں کی حالت واقعی سخت اصلاح کی محتاج تھی۔

مگر ولزے نے ان خرابیوں کو دور کرنے کی جو تجویز سوچی وہ فی الواقع نہایت مناسب اور قابل عمل تھی۔ وہ یہ کہ جن خانقاہوں میں بدعنوانی پائی جائے اُسے توڑ کر اُن اوقاف کی آمدنی سے ملک میں جا بجا مدارس بنا دیئے جائیں جیسے ولیم (دوسمی) نے بنائے تھے، اور وہاں کے طلبہ تکمیل کے لئے جامعات میں بھیجے جایا کریں۔ اس کی نظیر میں خود اس نے اجازت لے کر چند چھوٹے اور زبون حال اوقاف کو توڑ دیا اور ان کی مجموعی آمدنی سے اِپس وِچ میں ایک مدرسہ اور آکسفرڈ میں ایک کلیہ قائم کیا جس کا نام کارڈِنل کالج رکھا اور

باب دوم

جو آج کل کرائسٹ چرچ کالج کے نام سے خوب چل رہا ہے یہ بھی معلوم ہے کہ ایک زمانے میں ولزے کو خیال تھا کہ اس کا پاپائی پر انتخاب ہو جائے اور اگر ایسا ہوتا تو عجب نہیں کہ اپنی اصلاحات کو وہ زیادہ وسیع پیمانے پر نافذ کرتا لیکن یہ منصوبہ عمل میں نہ آیا اور سیاسی کاموں میں سخت مصروفیت نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اِس بارے میں مزید غور و توجہ کر سکتا۔

فرانسس اول شاہ فرانس

فرانس میں نئے بادشاہ کی ہوس کشور کشائی اپنے پیشرو سے کم نہ تھی بلکہ اکیس سال کا نوجوان ہونے کے باعث وہ اپنی تدابیر کو زیادہ محنت و مستعدی سے عمل میں لا سکتا تھا۔ اُس کی تخت نشینی کے وقت فرانسیسی اطالیہ سے بالکل نکال دیئے گئے تھے۔ لہٰذا سب سے اوّل اُس نے ریاستِ میلان پر دوبارہ ہاتھ مارا۔ فرڈی نینڈ اور میکسی می لین کو یقین تھا کہ امیر کبیر میلان کے سوئیٹستان اجیر سپاہی فرانسیسیوں کو پسپا کرنے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن ماری نیانو پر ستمبر ۱۵۱۵ء میں مقابلہ ہوا تو فرانسیسی سواروں نے وہ جانبازی دکھائی جسے ازمنۂ وسطیٰ کی مردانگی کی آخری یادگار کہنا غلط نہ ہوگا۔ اسی بہادری نے سوئیٹستانی سپاہ کا شیرازہ بکھیر دیا اور فرانس کو یورپ بھر میں مشہور کر دیا۔ ساتھ ہی ممالکِ یورپ میں ہرکارے دوڑنے لگے کہ اس نئے خطرے کا تدارک کیا جائے اور اس تحریک میں ولزے نے پورا حصّہ لیا۔ مگر ۱۵۱۶ء میں فرڈی نینڈ مر گیا اور اسپین غرب الہند، صقلیہ، نیپلز اور ندرلینڈز (شیبستان) کی حکومت چارلس (والئ برگنڈی) کی واحد وارثت میں آئی مزید برآں ولایت آسٹریہ اور جرمانیہ میں آسٹریہ کے شاہی حقوق کا بھی آیندہ وہی وارث رہ گیا۔ اس تغیر نے بالکل نئی صورتِ حالات پیدا کر دی اور وُلزے کو مسائل یورپ کا بہترین حل اسی میں نظر آیا کہ پھر انگلستان و فرانس میں رشتۂ اتحاد تازہ کیا جائے۔ چنانچہ قرار پایا کہ ہینری کی اکلوتی بیٹی میری شیرخوار ولی عہد فرانس سے منسوب ہو اور تورنے کو انگریز چھ لاکھ کراؤن کے عوض میں واپس کر دیں۔ اسکاٹ لینڈ کو بھی اس اتحاد میں شریک کیا گیا اور جب شاہ اسپین پاپا اور شہنشاہ نے بھی شرکت پر آمادگی ظاہر کی تو

ولزے کو بڑی بھاری کامیابی حاصل ہوی کہ ایک ایسے امن عام کے قیام کا سہرا انگلستان کے سر بندھا جس میں پاپا اور شہنشاہ تک ثانوی حیثیت سے شریک اتحاد ہوے حالانکہ مدت دراز سے یہی لوگ یورپ کے جتھوں کی سرگروہی کیا کرتے تھے۔

اتحاد کا یہ نقشہ تو بہت اچھا تھا مگر پائداری اس کے نصیب میں نہ تھی کیونکہ جنوری ۱۵۱۹ء میں شہنشاہ، میکسی می لین، نے وفات پائی اور اس کے جانشین کے انتخاب کا سوال پیدا ہوا۔ اس منصب کے تین امیدواروں میں سے کوئی بھی کامیاب ہو سکتا تھا۔ پہلا امیدوار تو سیکسنی کا امیر تھا جو اس خیال کا کہ "جرمانیہ، جرمنوں کے لئے ہے" موید تھا مگر ترکوں سے سلطنت کو بچانے کی ضرورت پڑی تو کمزوری کے باعث کوئی فوجی اعانت نہ کر سکا۔ دوسرے چارلس شاہ اسپین، صقلیہ وغیرہ وغیرہ کہ خاندان آسٹریہ کا سردار ہونے اور ترکوں کو روکنے کی قابلیت کی بنا پر شہنشاہی کے معقول حقوق رکھتا تھا لیکن اس کے انتخاب کو پاپا اور فرانسس پسند نہ کرتے تھے۔ تیسرے خود فرانسس جس کا کوئی خاص حق تو نہ تھا مگر اُس نے دلیل پیش کی کہ اگر اقطاعِ جرمانیہ اسپین یا نذرلینڈ کا ضمیمہ بن سکتے ہیں تو کیوں نہ فرانس کے ساتھ ملا دئیے جائیں۔ ان امیدواروں میں ولزے کی خواہش تھی کہ انگلستان بالکل غیر جانبدار رہ کر سب کے فائدے کی صورت نکالے۔ لیکن ہینری کی خودپسندی نے اسے خود امیدوار بننے پر آمادہ کیا حالانکہ اس میں کامیابی کی مطلق امید نہ تھی۔ آخر کار چارلس کا انتخاب ہوا اور وہ چارلس پنجم کے نام سے شہنشاہ مان لیا گیا۔ انتخاب کرنے والے سات اشخاص یہ تھے، منٹس، کولن (کولون) اور تریو کے صدر اسقف، اور بوہمیہ، سیکسنی، برین ڈن برگ اور پلے ٹی نیٹ کے والیان ریاست۔ یہ جسے منتخب کرتے اُسے حق ہو جاتا تھا کہ پاپا سے تاج پوشانی کا مطالبہ کرے اور اس رسم کے ادا ہونے پر وہ رومتہ الکبریٰ مغربی کے قیاصرہ کا جانشین سمجھا جاتا تھا۔

ولزے کو اب تین کی بجائے، دو بادشاہوں یعنی چارلس اور فرانسس سے

معاملہ کرنا تھا اور اس نے فیصلہ کیا کہ دونوں کے ساتھ صرف غیر جانب دارانہ دوستی قائم رکھی جائے۔ اسی غرض سے شاہ انگلستان اور ان دونوں فرماں رواؤں کی ملاقات کا انتظام کیا۔ مئی میں غیر سرکاری طور پر چارلس، ہینری سے ملنے کنٹربری آیا اس کے جانے کے بعد ہینری رودبار اتر کے کیلے گیا اور وہاں فرانسس کے ساتھ ایسے شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ ملاقات کی کہ مقام ملاقات "میدان زرباف" کہلانے لگا۔ انگلستان کو مراجعت کے وقت چارلس نے دوبارہ اس سے کیلے میں ملاقات کی اور بر اعظم کے دو قوی ترین بادشاہوں کو انگلستان کی چشم التفات کے لئے مسابقت کرتے دیکھ کر انگریز بہت خوش ہوئے۔ لیکن اس حالت کو قائم رکھنا ولزے کی ذہانت سے بھی ممکن نہ تھا۔ چارلس و فرانسس کے درمیان جنگ ناگزیر ہوگئی اور پھر انگلستان زیادہ عرصے تک الگ تھلگ نہ رہ سکا۔ ابتدا میں کچھ تو رشتے کا پاس تھا اور کچھ انگلستان اور فلیمنگز کے تجارتی تعلقات کی بنا پر، ہینری، چارلس کی جانب مائل رہا اور ولزے کو بھی چار و ناچار اسی کی خواہش پر عمل کرنا پڑا۔ لیکن دو دفعہ کی ناکام لشکر کشی سے انگریزوں کے ہوش درست ہو گئے اور ولزے کو موقع ملا کہ پھر سیاسی توڑ جوڑ سے کام لے۔ چارلس کے ساتھ اسی اتحاد کے زمانے میں یہ امکان بہت صحیح نظر آنے لگا تھا کہ ولزے پاپائی کے مرتبے پر فائز ہو جائے۔ کئی سال پہلے سے فرانسس اور چارلس دونوں وعدے کرتے تھے کہ مشیرانِ پاپا پر اثر ڈالیں گے۔ مطلب یہ تھا کہ ولزے ان کا شکر گذار اور دوست ہو جائے۔ لیکن وہ ایسا معمولی آدمی نہ تھا کہ ذاتی اغراض کی خاطر اپنے فرائض میں قصور کرتا۔ اس کو سب سے پہلے انگلستان اور ہینری کی خدمت بجا لانے کا خیال تھا اور اگر پاپا بن کر یہ خدمت بہتر طریق پر انجام پا سکے تو وہ اس منصب کے لئے آمادہ تھا مگر یہ سب امور اس نے ہینری کی مرضی پر چھوڑ دیئے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ چارلس کی ہمدردیاں صرف زبانی تھیں۔ غرض سنہ ۱۵۲۳ء کی مہم کے بعد انگلستان جنگ میں عملی حصہ لینے سے الگ ہو گیا اور سنہ ۱۵۲۵ء میں فرانسس کو پاویا کی جنگ میں شکست اور قید نصیب ہوئی تو ولزے کو موقع ملا کہ پھر فرانس کے ساتھ (تیسری بار) اتحاد کی گفتگو کرے کیونکہ وہ اپنے ملک کی سب سے اچھی حکمت عملی اسی اتحاد کو سمجھتا تھا انگلستان کے اغراض سے قطع نظر، یوں بھی اس کے نزدیک

باب دوم

چارلس پنجم جیسے بادشاہ کا یورپ بھر پر چھا جانا، خطرے سے خالی نہ تھا اور آخر میں اس نے ہینری کو بھی بہ وقت اپنا ہم خیال بنا کہ فرانسس سے عہد وپیمان پر رضامند کر لیا ۱۵۲۷ء میں چارلس نے اپنی فوج کو اجازت دے دی کہ بوربون کے ناخلف شہزادے کے زیر علم رومہ پر حملہ کر کے پاپا کو قید کر لے یہ ایسا وحشیانہ فعل تھا کہ یورپ بھر کو صدمہ پہنچا اور ہینری جو ابھی تک کلیسا کا دلی احترام کرتا تھا، نئے اتحاد کے لئے اور بھی پختگی سے تیار ہو گیا۔ بایں ہمہ ولزے خوب جانتا تھا کہ فرانس کے ساتھ دوستی کی حکمت عملی خود اُس کے حق میں بہت مخدوش ہوگی۔ پرانے امیروں کو بادشاہ کے ہر نوخیز مشیر سے نفرت ہو جاتی تھی اور ولزے کو بھی ابتدائے ملازمت سے اس نفرت وحسد سے سابقہ رہا تھا۔ دوسرے فرانس سے پشتینی عداوت کے سب سے بڑے حامی اُمرا تھے، انھیں اس امن واتحاد کی حکمت عملی ناگوار گزری اور یہ بھی نظر آ گیا کہ بادشاہ کے شوقِ جنگ جوئی میں ولزے ہی کی حکمت عملی حائل ہے۔ اخیں دنوں جو مہمیں بھیجی گئیں اُن پر کافی خرچ ہوا اور کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا جس سے عوام بھی ولزے سے ناخوش ہو گئے۔ کیونکہ گو یہ فوج کشی ولزے کی رائے کے سراسر خلاف تھی لیکن قرضے ادا کرنے کی غرض سے محصول اسی کو عائد کرنے پڑے اور ۱۵۲۳ء میں دارالعوام اور لندن کے شہریوں سے محاصل کے بارے میں جیسا تحکم اُس نے برتا، اس سے یہ لوگ سخت نعل در آتش ہوئے۔ مختصر یہ کہ وہ بخوبی واقف تھا کہ جس دن بادشاہ کی نگاہِ التفات پھری اسی دن دشمنوں کا گروہ کثیر اس پر جھپٹ پڑے گا۔

مسئلۂ طلاق اس قسم کے حالات تھے جب کہ ولزے کی قابلیت کی انتہائی آزمائش کا ایک نیا موقع پیدا ہوا ہینری اور کیتھرائن کی شادی کو اٹھارہ سال گزر چکے تھے مگر ان کے سب بچے، سوائے میری کے، شیر خوارگی ہی میں فوت ہو گئے میری کی گذشتہ معاہدے کی رو سے شہزادہ اورلیان سے نسبت کر دی گئی تھی اگرچہ اس لڑکی کی بھی صحت کچھ اچھی نہ تھی۔ بہر حال اب وراثت کے مسئلے میں طرح طرح کی پیچیدگیاں نظر آنے لگیں۔ ہینری کی (بلا اولادِ نرینہ) وفات کی صورت میں تخت کا وارث اول تو مارگریٹ کا بیٹا جیمس شاہ اسکاٹ لینڈ ہوتا تھا

جس کی عمر ۱۳ سال سے زیادہ نہ تھی اور اس کے بعد (امیر انگس سے) اسی مارگریٹ کی بیٹی کو وراثت پہنچتی تھی۔ اور یہ امر مشتبہ تھا کہ انگلستان میں ان دو میں سے کوئی بھی بغیر مزاحمت کے بادشاہ تسلیم کرلیا جائے گا۔ ہینری کی دوسری بہن میری کی اولاد میں سب لڑکیاں تھیں۔ غرض آیندہ جانشینی کے متعلق ہینری بھی اسی قدر متردد ہوگیا جس قدر اس کا باپ تھا۔ ۱۵۱۳ء میں اس نے سفک کے اور ۱۵۲۱ء میں بکنگھم کے شہزادے کو بھی قتل کرادیا جو ٹامس (شہزادہ گلوسٹر) کی شاخ میں ایڈورڈ ثالث کی اولاد سے تھا اور تخت کا دعویٰ کرسکتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے اس نے اپنے شاہی نسب کا ذکر کچھ ایسی بے احتیاطی سے کیا تھا کہ ہینری نے فوراً اسے قید کرکے غدّاری کا مقدمہ چلایا اور قتل کی سزادی ڈی لاپول کی شاخ میں آخری آدمی رچرڈ باقی تھا، وہ پاویا کی لڑائی (۱۵۲۵ء) میں کام آگیا اور اس طرح ٹیوڈر خاندان کے باہر تو ہینری کو کسی حریف کا اندیشہ نہیں رہا لیکن فکر تھی تو یہ کہ کہیں خود اس کی شادی ناجائز قرار پائی تو پھر کیسی دشواری کا سامنا ہوگا۔ شادی کے وقت پاپائی فتوی حاصل کیا گیا تو آیندہ کی سب احتیاطیں بھی کرلی گئی تھیں مگر اب ہینری نے اعتراف کرنا شروع کیا کہ خود میرے دل میں شبہات پیدا ہورہے ہیں۔ ان شبہات کی ایک وجہ تو یقیناً اُس کے بچوں کا فوت ہوجانا، تھی مگر اصلی سبب جس نے ۱۵۲۶ء میں اُسے ابھارا، وہ یہ تھا کہ ایک نوجوان خاتون کی محبت اس کے دل میں گھر کرگئی تھی۔ اس کا نام این بولین تھا اور وہ اُس امیر سرے کی نواسی تھی جس نے فلوڈن میں اسکوٹوں کو شکست دی۔ بادشاہ پہلے اسے داشتہ بنانا چاہتا تھا مگر اُس نے قبول نہ کیا تو بیوی بنانے پر تل گیا اور محرم راز ولزے سے دل کی بات کہی۔ وُلزے کو سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا کہ اپنے آقا کے ولی مقاصد پورے کرنے میں اپنی ساری ہمت و قابلیت صرف کردے۔ (دیکھو صفحہ ۴۲۲)

ان معاملات میں پاپاؤں نے کامل اقتدار حاصل کر رکھا تھا اور گذشتہ سنین میں کئی بادشاہوں کو محض تخت نشینی کے مصالح کی بناپر طلاقیں بھی دلوائی تھیں مثلاً لوی دوازدہم ہی نے چارلس ہشتم کی بیوہ، این (والیہ برٹنی) سے شادی کرنے کے لئے اپنی پہلی منکوحہ کو چھوڑ دیا تھا۔ انگلستان کے شاہی خاندان میں جان کے

باب دوم

اپنی بدنصیب بیوی ڈایوس گلوسٹری کو طلاق دینے کے بعد سے کوئی ایسا معاملہ پیش نہیں آیا اور یہ بات یقینی سی نظر آتی تھی کہ اگر بادشاہ نے طلاق دے کر دوسری شادی کی تو اہل انگلستان کی مذہبی حسیات کو ضرور صدمہ پہنچے گا۔ دوسرے ہر چند معمولی حالات میں پاپا سے طلاق کا فتوی ملنے میں چنداں دشواری نہ ہوتی مگر اس موقع پر بعض اسباب ایسے جمع ہوے کہ پاپا کے لئے ایسا کرنے میں بہت قباحت پیدا ہو گئی پاپائے وقت کلیمینٹ ہفتم، لیو دہم کا بھتیجا تھا اور اسے پاپائی اغراض کے ساتھ خاندانی مصالح کو بھی دیکھنا پڑتا تھا۔ جب سے وُلزے نے سیاسی عہد و پیمان کا آغاز کیا اور ان اتحاد ناموں میں پاپا بجائے صدر کے معمولی ارکان کی حیثیت سے شریک ہوا، اس وقت سے پاپائی اقتدار بہت کچھ کم ہو گیا تھا اور ادھر لوتھر کی تعلیم نے جرمانیہ میں پاپائیت کو بڑی طرح صدمہ پہنچایا اور وہاں کے بعض علاقوں میں علانیہ تفرقہ ہو گیا اور یہ اثر سویڈن و ناروے اور ڈنیمارک میں بھی سرایت کرنے لگا۔ ان حالات میں پاپا کو بہت پھونک پھونک کے چلنے کی ضرورت تھی اور چونکہ کیتھرائن، شہنشاہ چارلس کی خالہ تھی اس لئے اندیشہ تھا کہ کہیں اُس کی تذلیل سے چارلس آپے سے باہر نہ ہو جائے۔ ان سب دقتوں کے باوجود ہینری کو شادی کی لو لگی ہوی تھی اور ان رکاوٹوں سے شعلۂ عشق اور زیادہ بھڑک رہا تھا۔ مزید براں ملکہ سے اس کی کشیدگی فرانسیسی اتحاد کے باعث اَور بڑھی کیونکہ کیتھرائن ہمیشہ سے اپنے بھانجے چارلس کی سرگرم حامی تھی

پاپا کے پاس کئی سفارتیں بھیجی گئیں کہ وہ کسی طرح اس مقدمے کو وکیل پاپا یعنی وُلزے کی عدالت میں طے کرنے کی اجازت اور فیصلے کی پہلے سے منظوری دیدے۔ مگر کلیمینٹ نے اس طرح پابند ہو جانے سے انکار کیا اور ۱۵۲۸ء میں ایک اطالوی کارڈنیال کامپیجیو کو جو دربار انگلستان میں روشناس تھا روانہ کیا کہ اسقف سالسبری کے ساتھ مل کر وُلزے کو شرعی مشورہ دے۔ کامپیجیو آہستہ آہستہ منزلیں طے کرتا ہوا انگلستان آیا اور اسی تاخیر کے باعث جولائی ۱۵۲۹ء میں باقاعدہ عدالت کے اجلاس کی نوبت آئی۔ اور پہلی مرتبہ انگریزوں نے یہ تماشا دیکھا کہ اُن کا بادشاہ اور ملکہ نام بہ نام کارڈنیالی عدالت میں طلب کئے گئے حالانکہ اِن شیروں کو جس

پاپا نے مقرر کیا خود اسی کی مدت سے اُن کے دل میں کوئی وقعت نہ رہی تھی۔ کیتھرائن نے استدعا کی مقدمہ براہ راست رومہ میں سماعت کیا جائے مگر عدالت نے اُسے منظور نہیں کیا اور شہادتیں لینی شروع کی تھیں کہ اتنے میں کامپیجیو نے اعلان کیا کہ رومہ کی عدالتوں کی مثل، یہاں بھی اکتوبر تک اجلاس ملتوی رہے گا۔

وُلزے کا زوال اور خاتمہ

یہ ایسی تاخیر تھی جسے ہینری برداشت نہ کر سکا اور واقع میں اُس کے معنی یہ تھے کہ مقدمے میں غیر معین طوالت ہوگی اُس نے اپنا سارا غصہ وُلزے پر نکالا حالانکہ وہ تاخیر کا ذمہ دار نہ تھا۔

بہر نوع، بادشاہ نے اکتوبر ۱۵۲۹ء میں وکیل سرکار کو حکم دیا کہ وُلزے پر "قانون امتناع" (دیکھو صفحہ ۲۶۸) کے مطابق مقدمہ چلایا جائے کیونکہ اُس نے وکیل پاپا کا عہدہ قبول کر کے قانون مذکور کی خلاف ورزی کی ہے۔ یہ انتہائی ناانصافی کی بات تھی۔ خود ہینری کے بطورِ خاص استدعا کرنے پر وُلزے نے یہ عہدہ حاصل کیا تھا۔ لیکن ہینری پاپا سے لڑنے پر تلا ہوا تھا اور پاپا ئی اقتدار پر پہلی ضرب لگانے کی تدبیر یہی سوچی تھی کہ وکیل پاپا کا تقرر ناجائز قرار دیا جائے۔ وُلزے کو اپنی تباہی سرپر نظر آنے لگی بایں ہمہ وہ اپنے ولی نعمت کی رضاجوئی میں ثابت قدم رہا اور مذکورہ بالا قانون کی خلاف ورزی کے جُرم کا خود تحریری اقبال کر لیا اور صاف لکھدیا کہ میرا تمام اثاث البیت قابلِ ضبطی اور خود میں حبسِ دوام کا مستوجب ہوں۔ یہ اطاعت کیشی دیکھکر ہینری نرم پڑا اور وُلزے کو کہلا بھیجا کہ عنقریب ضرور معافی مل جائے گی۔ وُلزے کے سب سے اچھے ملازم دو تھے۔ ایک اسٹیفن گارڈنر جو پاپا کے پاس پیام لے کے جایا کرتا تھا اور دوسرا ٹامس کروم ویل جس نے معزولی کے وقت سے اُس کی بیش بہا خدمت (اگرچہ وہ بے غرضانہ نہ تھی) انجام دی تھی۔ ان دونوں کو شاہی ملازمت میں منتقل کر لیا گیا۔

معزولی کے بعد وُلزے زیادہ دن زندہ نہ رہا۔ ۱۲ر فروری ۱۵۳۰ء کو بادشاہ کی طرف سے کامل معافی کا پروانہ تو ملا مگر حکم ملا کہ ونچسٹر کی اسقفی اور سینٹ آلبنس کی تولیت سے استعفےٰ داخل کرے اور یارک کی صدر اسقفی کے اندر، دربار شاہی سے الگ، زندگی بسر کرے۔ یہاں چند ماہ تک وہ معمولی

کلیسائی فرائض ادا کرتا اور آیندہ روند کی خاطر تواضع میں مصروف رہا۔ لیکن جس شخص نے دنیا کے معاملات میں اتنا حصہ لیا ہو، اُس سے بالکل خاموش بیٹھا رہنا آسان نہیں ہے۔ فرانسس سے خفیہ خط و کتابت جاری رہی اور یہ خدمت اس کا طبیب ڈاکٹر اوگسٹائن انجام دیتا رہا لیکن اسی نے تمام خط وُلزے کے دشمن امیر نارفک کو دکھاوئے اور نارفک نے بادشاہ کو اطلاع دے دی۔ اس پر ۴ نومبر ۱۵۳۰ء کو وُلزے گرفتار کر لیا گیا اور امیر نارتھمبرلینڈ کی حراست میں لندن لایا جا رہا تھا کہ راستے میں بمقام لیسٹر قضا کی (۳۰ نومبر) لندن پہنچنے تک زندہ رہتا تو اس پر غدّاری کا مقدمہ چلایا جاتا۔

وُلزے کے زوال سے انگلستان میں اہل کلیسا کی حکومت کا زمانہ عملاً ختم ہو گیا۔ ورنہ جب سے پیشکاری یا صدارت عظمیٰ کا عہدہ بنا، اس پر، بہ استثنائے چند، ہمیشہ کوئی اُسقف ہی مامور رہا۔ لیکن ۱۵۲۹ء سے لے کے آج تک صرف پانچ کلیسائی اس خدمت تک پہنچ سکے۔ ہینری ہشتم کے زمانے میں جو تغیر عظیم ہوا، اس کا یہ ایک نہایت ممتاز نتیجہ ہے اور اس سے تجدید دین یا اصلاح کلیسا کے ایک پہلو کا مطلب بخوبی روشن ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ حقیقت میں اس تجدید دین کی تہ میں دنیا داروں کا یہ جذبہ بھی مشتعل تھا کہ مقتدایان دین کو ملکی معاملات میں اتنا زیادہ دخل دینے سے روکا جائے۔

نیا پیشکار ایک غیر کلیسائی آدمی، سر ٹامس مور مقرر ہوا جو اپنے عہد کے لوگوں کا بہت عمدہ نمونہ ہے۔ وہ ایک حاکم عدالت کا بیٹا تھا۔ ۱۴۷۸ء میں پیدا ہوا۔ اکسفرڈ میں کولیٹ اور ارازمس سے شناسائی حاصل کی اور عہد احیا کے ناقدانہ جذبے سے سرشار ہو گیا۔ وہ شائستہ، خوش گفتار، خوش طبع، اپنے زمانے کی خرابیوں سے خوب واقف تھا اور ان پر ادبی انداز میں زجر و توبیخ کرتا۔ زمانۂ حال میں اس کی شہرت کا مدار زیادہ تر اس کی ایک لاطینی تصنیف یوٹوپیا پر ہے جس کے پہلے حصے میں اپنے زمانے کی خرابیاں اور دوسرے میں ایک خیالی سلطنت کا نقشہ دکھایا ہے۔ کتاب سے خود مصنف کی خوبیاں اور کمزوریاں عیاں ہیں۔ پہلے حصے میں ساری خرابیوں کی جڑ رقابت

سر ٹامس مور

واسراف کو قرار دیا ہے۔ دوسرے میں اصلاح کا گُر یہ تجویز کیا ہے کہ ان دونوں کا استیصال کر دیا جائے حالانکہ یہ انسانی فطرت کو بالکل بدلے بغیر ممکن نہیں۔ مگر خود اپنے زمانے میں مور کی ناموری قانون دانی کی بنا پر تھی اور دارالعوام کے صدر کی حیثیت سے اس نے وُلزے کا بڑی دلیری سے مقابلہ کیا تھا۔ عمل سیاسیات میں وہ اتنا کامیاب نہیں نظر آتا افتتاح پارلیمنٹ کے وقت کی ایک تقریر محفوظ ہے جس میں مور نے وُلزے پر حملہ کیا تھا اور یہ اس بات کی دائمی یادگار ہے کہ ایک ادبی آدمی اپنے محاورے کو سیاسی معیار پر لانا چاہتا ہے تو کیسی کیسی ٹھوکریں کھاتا ہے

القصہ اب ہینری کی پاپا سے جنگ ٹھن گئی اگرچہ ابتدا میں اُس کا یہ ہرگز منشا نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک تو یہ چاہتا تھا کہ این بولین سے قانونی طور پر شادی ہو اور دوسرے یہ کہ اس کا باقاعدہ پاپائی فتویٰ حاصل ہو جائے۔ ان دونوں باتوں میں تبائن واقع ہوا تو اسے بڑی حیرانی ہوی اور آخر وہ پہلے مقصد کے حصول کے درپے ہوا خواہ اس میں پاپای قوت سے قطع تعلق کی نوبت کیوں نہ آجائے۔ یہ بڑی جبارت کا کام تھا اور ہینری اس کی مشکل سے جرات کرتا لیکن وُلزے نے یہ خیال اُس کے دلنشین کر دیا تھا کہ انگلستان بھی ایک اول درجے کی طاقت ہے اور اس کی قدر و منزلت شہنشاہی اور پاپائی کے بوسیدہ دعاوی سے تو بہر حال کم نہیں سمجھنی چاہیئے۔ اس سلسلے میں یہ بھی ہینری خوب سمجھتا تھا کہ پاپا سے کامیابی کے ساتھ مقابلہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ قوم پشت پناہی کرے چنانچہ وُلزے کی معزولی کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ امرا اور لندن کے باشندوں کی ایک بڑی مجلس منعقد کی اور طلاق کے بارے میں اپنے طرز عمل کی تصریح کی۔ راے عامہ سے استعانت کی یہ تدبیر کرنے کے بعد ۳ر نومبر ۱۵۲۹ء کو باقاعدہ پارلیمنٹ کا اجلاس مقرر کیا۔

عہد اصلاح کی پارلیمنٹ

یہ پارلیمنٹ کئی اعتبار سے انگلستان میں عہد جدید کی پہلی پارلیمنٹ سمجھی جاتی ہے اور اکثر سابقہ پارلیمنٹوں کی طرح اس کا اجلاس بھی صرف چند ہفتے میں ختم نہیں ہوا بلکہ پے درپے اجلاسوں کی صورت میں

یہ سات سال تک قائم رہی۔ اسی چیز نے مبعوثین میں وحدت کا احساس پیدا کیا اور انھوں نے ایسے جدید قوانین نافذ کرائے جن سے خاصی طرح ایک مذہبی انقلاب واقع ہوگیا۔ رکنیت کی کیفیت یہ تھی کہ شعبۂ اعلیٰ میں چالیس امیر اور اڑتالیس علما یا حکام کلیسا شامل ہوتے تھے۔ مقتدایان مذہبی کی یہ اکثریت بادشاہ کے عین مفید مطلب تھی۔ شعبۂ ادنیٰ یعنی دارالعوام تقریباً تین سو مبعوثین سے مرکب ہوتا جن میں ۷۴ پرگنوں سے اور باقی ماندہ شہروں اور قصبوں سے منتخب ہوکر آتے۔ شہروں میں زیادہ تعداد جنوبی انگلستان کے شہروں کی تھی۔ ویلز چیسٹر اور ڈرہم سے ہنوز کوئی مبعوث منتخب نہ ہوتا تھا۔ مبعوثین میں اکثر متوسط طبقے کے شرفا، شہری اور قانون پیشہ اشخاص ہوتے تھے۔ بے شبہ انتخابات میں پوری باقاعدگی نہ آئی تھی مگر اس میں بھی شک نہیں کہ دونوں شعبے مل کر انگلستان کی ملکی زندگی اور سیاسی معاملات میں حصہ لینے والے طبقات کے خیالات کا اچھا خاصا مرقع پیش کرتے تھے۔ ان لوگوں سے پاپا کے قضئے میں مدد طلب کرتے وقت ہینری بخوبی جانتا تھا کہ مخالفت کا مطلق اندیشہ نہیں ہے۔ عام طور سے اہل انگلستان کو پاپائی اقتدار کی ذرا پروا نہ تھی بلکہ وہ اسے نفرت سے دیکھتے تھے اور یوں بھی موقع ڈھونڈتے تھے کہ مذہبی طبقے کی بدعنوانیوں کا پردہ فاش اور کلیسائی اوقاف میں تخفیف کی جائے جس کی وکلف اور چاسر کے زمانے سے انھیں آرزو تھی۔ اگر بادشاہ اور طبقۂ اعلیٰ کے پادریوں کا اتحاد کلیسا کے آڑے نہ آتا تو کچھ شک نہیں کہ اہل ملک بہت دن پہلے یہ اصلاح کر چکے ہوتے۔

اصلاح کلیسا کی تحریک کا ذکر ہوتے وقت یہ بات بخوبی ذہن نشین، رکھنی چاہیئے کہ اس کے متعدد پہلو تھے اور اسے محدود معنی میں استعمال کرنا مناسب نہیں ہے۔

اصلاح کلیسا یا تجدید دین (ریفارمیشن)

جہاں تک انگلستان کا تعلق ہے اس تحریک نے تین راستے اختیار کیے (۱) کلیسائے انگلستان کا قطع تعلق کلیسائے رومہ سے یہ دراصل ہینری کا معاملہ تھا جو طلاق کے قضئے سے پیدا ہوا اور جس نے لازم کر دیا کہ نئے حالات کے مطابق

کلیسا کی تنظیم کی جائے۔ (۲) کلیسائے انگلستان کی خصوصًا ان خرابیوں کی اصلاح جن کا دنیاداروں پر اثر پڑتا تھا۔ اور جس میں خانقاہوں کا توڑنا بھی شامل تھا (۳) عقائد کی ترمیم جن سے آخر میں کلیسائے انگلستان اور کلیسائے رومہ کے مابین نمایاں فرق ہوگیا۔ ان میں سے پہلے اور دوسرے مسئلے پر قوم کی توجہ ہنیری ہشتم کے زمانے میں مبذول رہی مگر تیسرے پر کچھ غور نہیں ہوا۔ بخلاف اس کے ایڈورڈ چہارم اور الزبیتھ کے عہد حکومت میں سب سے زیادہ محل غور بحث یہی مسئلہ رہا۔

واضح رہے کہ جنوبی انگلستان کا اسی دن سے کلیسائے رومہ سے تعلق ہوگیا تھا جب کہ سینٹ اوگسٹائن نے ۵۹۷ء میں یہاں لنگر ڈالا اور شمالی اضلاع ۶۶۴ء یعنی وہٹ بی کی مجلس کلیسا کے وقت سے پاپائی حلقۂ اقتدار میں داخل ہوئے۔ اس تعلق نے بتدریج باضابطہ شکل اختیار کی۔ اوّل تو پاپا ہر ملک میں کلیسائے مغربی کا جس کی ایک شاخ کلیسائے انگلستان بھی تھا، صدر مان لیا گیا پھر انگلستان کی کلیسائی عدالتوں سے پاپا کی عدالت میں مرافعے جانے کا طریقہ وجود میں آیا۔ مسیحی راہب بڑے مقدمہ باز ہوتے تھے۔ ہرچند کچھ مدت سے ملک کے روپے کا بے سُود باہر جانا لوگوں کو ناپسند ہونے لگا اور ایڈورڈ ثالث اور رچرڈ ثانی کے عہد میں قوانین امتناع سے بھی مذکورہ طریقے کی سخت قدغن کردی گئی پھر بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ تیسری بات یہ کہ پاپا کی طرف سے محاصل کی تحصیل عمل میں آئی ایک آنہ فی کس کی رسم، جسے "پیٹرز پینیس" کہتے تھے، زمانہ قدیم سے جاری تھی۔ ہنیری ثالث کے زمانے میں ہر جدید کلیسائی عہدے یا مشاہرے کی پہلی سال کی آمدنی اور بعد میں سالانہ آمدنی کا عُشر بھی پاپائی خزانے کا حق قرار پایا۔ اگرچہ ۱۲۹۱ء میں اس محصول کی مجموعی مقدار مشخص کردی گئی اور وہ اصلی رقم سے اکثر کم ہوتی تھی۔ چوتھی بات یہ کہ ۱۲۱۵ء سے اُسقفی اور دوسرے عہدوں کے انتظام میں دخل حاصل کرلیا جس سے عام طور پر لوگ ناخوش ہوئے اور اس کے خلاف قانون تقررات بھی نافذ کیا گیا۔ پانچویں، خانقاہی درویشوں کے تمام سلسلے براہ راست پاپا کے تحت میں تھے اور اپنے حلقے کے اسقفوں کے بالکل پابند نہیں سمجھے جاتے تھے۔ چھٹے یہ کہ پاپائی اقتدار کی دلیل ایک وکیل مختار تھا جو کبھی خاص غرض سے بھیجا جاتا

ورنہ عموماً کسی انگریز اُسقف، جیسے مورٹن یا ولزے، کے یہ خدمت تفویض کردی جاتی تھی۔ پاپا سے لڑائی ٹھنی تو ہینری نے ان سب تعلقات کو توڑ کر دھر دیا گو آخر تک اُس کی نیت یہ کبھی نہ تھی کہ کیتھولکی مذہب کے اصول سے ذرا بھی تجاوز ہو۔ ۱۵۲۹ء میں ولزے نے مجبوراً اقبال کر لیا تھا کہ پاپا کے وکیل کی خدمت قبول کرکے ہیں نے قانونِ امتناع کی خلاف ورزی کی ولزے کی وفات کے بعد ہینری نے ارادہ کر لیا کہ دوسرے علمائے دین کو دبا کے اسی قسم کا اقرار کرائے۔ چنانچہ کینٹربری اور یارک کی کلیسائی مجلسوں کو اس نے مجبور کیا کہ وہ نہ صرف مال کی ضبطی بلکہ سزائے قید کے مستوجب ہونے کا اقبال کریں اور پھر واقع میں ایک لاکھ اٹھارہ ہزار اشرفی جرمانہ وصول کیا جو اس زمانے کے دس لاکھ پونڈ سے بھی زیادہ ہے۔ آخر میں، ان مجالس کو پابند بنایا کہ آیندہ "جہاں تک شریعت مسیحی اجازت دیتی ہے"، بادشاہ کو کلیسا اور علما کے حاکم اعلیٰ کے" لقب سے خطاب کیا جائے۔ یہ کام ہو گیا تو ہینری نے کچھ مدت تک قطع تعلق کی کوئی مزید کارروائی نہیں کی بلکہ چند سال تک اور پاپا سے نامہ و پیام جاری رکھے ۔

اصلاحات کلیسا

مگر اس عرصے میں پارلیمنٹ میں برابر کلیسا کی اندرونی اصلاحات اور اُن خرابیاں کو دُور کرتی رہی جن سے عام لوگ تنگ آ گئے تھے۔ ۱۵۲۹ء کے اجلاس میں انھوں نے بادشاہ کے نام ایک عرضی مرتب کی اور مذکورۂ بالا شکایات کی حسبِ ذیل تفصیل پیش کی :- لوگوں کو شرعی قانون کا جبراً پابند بنانا۔ کلیسا کی تکلیف وہ طلبیاں، جن سے غریبوں کو خصوصیت کے ساتھ زحمت پیش آتی تھی۔ وصیتوں کے صداقت نامے حاصل کرنے کے مصارف۔ حد سے زیادہ کلیسائی اُجرتیں اور خرد سالوں کی طرف سے معاش کا طلب کیا جانا چنانچہ پہلے ہی اجلاس میں صداقت ناموں کی اُجرت اور تاوانوں کے مناسب قاعدے مقرر ہوئے۔ یہ رسم کہ پادری مرنے والے کا بہترین برتن اور "سب سے بالائی" کپڑا جو وہ پہنے ہو، لے لیا کرتے تھے۔ موقوف ہوی۔ ایک اور ضابطہ بنایا گیا کہ کوئی پادری چار سے زیادہ روزینے اور وہ بھی کم آمدنی کے، نہ پا سکے گا اور نہ اس قسم کی معاشوں کی نفع کمانے کے لئے بیع و شرٰی کا مجاز ہوگا۔

پھر ۱۵۳۲ء کے اجلاس میں بہتم سے ادنیٰ درجے کے پادریوں کے نذر نذرانے موقوف کئے گئے اور صدر اسقف کی عدالت میں دستاویزوں کے لئے جو رقم بھرنی پڑتی تھی، وہ گھٹادی گئی۔ مرنے والوں کی زینداری سے بیس سال سے زیادہ، دعائے مغفرت کے معاوضے وصول کرنے کا رواج موقوف ہوا۔ پادریوں کو حکم ملا کہ اپنے شرعی قوانین کو کلیسائی اور غیر کلیسائی اہل الرائے کی ایک مخلوط جماعت میں پیش کریں اور بادشاہ کی منظوری کے بغیر کوئی نیا قانون نہ بنائیں۔ ان اصلاحات کو منظور کرنے میں دارالعوام قریب قریب متفق اللسان تھا مگر دارالامرا میں کلیسائی اکثریت نے ان کو بدقت منظور کیا۔

اِن اصلاحات کے زمانے میں سر ٹامس مور پیشکار رہا اور طرفہ تر یہ کہ طالبانِ اصلاح پر جور و تعدّی کرنے میں بھی سب سے پیش پیش تھا۔ یہ امر متنازع فیہ ہے کہ پندرھویں صدی کے لالرڈ اور سولھویں صدی کے پراٹسٹنٹ فرقوں میں کس حد تک تعلق تھا لیکن اجماعی رائے یہی ہے کہ اگر ان میں کوئی تعلق تھا بھی تو بہت خفیف، اور یہ کہ انگلستان میں اصلاح کلیسا کی تحریک جرمانیہ ہی کے اثر سے شروع ہوئی تھی؛ اس تحریک کے سرگروہوں میں سب سے مشہور آدمی ولیم ٹنڈل گزرا ہے

ولیم ٹنڈل

جو ۱۴۸۴ء میں پیدا ہوا اور آکسفرڈ و کیمبرج میں تعلیم پائی انجیل کے ترجمے کا اُسی کو خیال آیا اور لندن کے اُسقف ٹنسٹال کے سامنے یہ تجویز پیش کی۔ لیکن یہاں کچھ تائید نہ ہوئی تو برّاعظم جا کے لوتھر کا شریک ہو گیا اور صحائف اور کتاب مقدس کا ترجمہ کر کے تین ہزار نسخے چھاپے اور انھیں انگلستان روانہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے، لندن میں اسی سال ایک انجمن "برادران مسیح" کی بنی تھی اور اسی نے یہ ترجمہ اور دوسری مذہبی کتابیں ملک میں ہر طرف شائع کیں اور اصلاح کلیسا کی بنیاد ڈالی۔ اُسقف یہ رنگ دیکھ کر بہت پریشان ہوئے۔ انھوں نے ٹنڈل کا ترجمہ ناپسند کیا لیکن جب تک وُلزے برسرِ اقتدار رہا، اُس وقت تک براداران مسیحی کے ساتھ کوئی سختی عمل میں نہیں آئی۔ وُلزے ذاتی طور پر سختی کرنے کے خلاف تھا اور اس کے زمانے میں زیادہ سے زیادہ اتنا ہوا کہ لوگ جلوس بنا کے ایندھن لے گئے اور ملحدانہ کتابوں کو جلوا دیا گیا۔ لیکن اُس کی معزولی کے بعد سر ٹامس مور نے

باب دوم

الحاد کی بیخ کنی کا بیڑا اٹھایا اور عجب نہیں کہ یہ ثابت کرنا چاہا ہو کہ الحاد کا قلع قمع کرنا اصلاحِ کلیسا کی خواہش سے کوئی تضاد نہیں رکھتا۔ یوں بھی مور چینسلر ہونے سے قبل نئے آزاد خیالوں سے مناظرہ کر چکا تھا اور ایک رسالے "دی سپلی کیشن آف بیگرز" نامی کا جس میں دوزخ کے عقیدے کا مضحکہ کیا گیا تھا، اس نے "دی سپلی کیشن آوف سولز" لکھکر جواب دیا اور ٹنڈل وغیرہ بعض پراٹسٹنٹوں سے بحث مباحثے کئے تھے۔ اب اُس نے قانون کی پوری قوت سے اپنے حریفوں کی بیخکنی کرنی چاہی اور اسمتھ فیلڈ میں کثرت سے ملاحدہ جلائے جانے لگے۔ مگر دوسرے ملکی معاملات کا رُخ دیکھ کر مور کچھ خوش نہ تھا، خاصکر بادشاہ کی مجوزہ طلاق اس کی رائے کے خلاف تھی، لہٰذا اسی ۱۵۳۲ء میں وہ عہدے سے مستعفی ہو گیا۔

کرینمر کی تجویز

پارلیمنٹ تو کلیسا کی خرابیاں دور کرنے اور مور ملحدوں کو جلانے میں مصروف تھے، لیکن بادشاہ کے طلاق کے مسئلے میں پاپا سے نامہ و پیام برابر جاری رہے اور وہ ہر طریقے سے کوشش کرتا رہا کہ پاپا سے اپنے حسبِ منشا فیصلہ حاصل کر لے۔ اسی سلسلے میں کیمبرج کے ایک عالم، ٹامس کرینمر نے بھی ایک تدبیر بتائی۔ کرینمر، ناٹنگھم کے ایک شریف خاندان سے تھا اور جیزس کالج میں رفیقِ کلیہ رہا۔ لارڈ روشفرٹ کی امامت اور این بولین کی اتالیقی کی خدمات بھی اس نے انجام دیں ایک دن ونچسٹر کے اسقف، گارڈنر سے، محض بہ سبیل تذکرہ اس نے کہا کہ بادشاہ کو جامعات کی رائے بھی حاصل کرنی چاہیئے۔ ہینری کو خبر ہوی تو کہنے لگا کہ اصلی سور یا کے کان اسی شخص نے پکڑے ہیں۔ ساتھ ہی یورپ کی تمام جامعات میں ناظروں کے ذریعے استفتا بھیجا گیا کہ آیا پاپا کسی شخص کو بھائی کی بیوہ سے شادی کی اجازت دینے کا مجاز بھی ہے۔ اگر جامعات کو ذرا بھی آزادی رائے حاصل ہوتی تو ان کی رائیں کچھ قدر و قیمت کے قابل ہو سکتی تھیں۔ وہاں تو ہر بادشاہ اپنے اپنے ملک کی جامعات سے اپنی مرضی کے مطابق فتوے لینے پر زور ڈالتا تھا۔ لہٰذا یہ رائیں بالکل بے کار تھیں اور ان سے معاملے میں اُلٹی پیچیدگی پیدا ہوی۔ "بادشاہ کا معاملہ" برسوں تک یونہی اُلجھا رہا اور اس کے حل کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ لیکن جب چھ سال گزر گئے تو

ہینری اور اہل انگلستان زیادہ صبر نہ کر سکے۔ ۱۵۳۲ء میں بادشاہ نے پارلیمنٹ کو ایک قانون نافذ کرنے کی اجازت دی جس کا منشا یہ تھا کہ سالانہ اور پیٹرز پینس وغیرہ کے محاصل پاپا کو بھیجنے روک دیئے جائیں اگرچہ ہینری کو اختیار دیا گیا تھا کہ جب

پاپائی محاصل کا التوا

مناسب سمجھے دوبارہ انھیں جاری کر دے۔ قانون کا مطلب یہ تھا کہ پاپا کو انگلستان سے قطع تعلق کے مالی نقصانات کا اندازہ ہو جائے اور کلیسائے رومہ سے قطع تعلق کی یہ پہلی کارروائی تھی جو انگلستان کی پارلیمنٹ کی طرف سے عمل میں آئی۔ اسی سال ہینری، این بولین کو ساتھ لیکر فرانس سے ملنے آیا اور غالباً اسی نے رائے دی کہ این سے شادی کر کے اس قضیئے کا خاتمہ کرے اور پاپا کو جو کچھ وہ کر سکتا ہے کر لینے دے۔ ہینری نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور گو ٹھیک تاریخ کا علم نہیں لیکن یہ یقینی ہے کہ نومبر ۱۵۳۲ء اور جنوری ۱۵۳۳ء کے درمیان کسی تاریخ چپکے سے عقد ہو گیا۔ ہینری کی خوش قسمتی سے اسی سال صدر اسقف وارہم نے وفات پائی اور ہینری نے اس کی جگہ ٹامس کرینمر کو مقرر کر دیا جس کی ارادت مندی پر پورا اعتماد ممکن تھا۔ پھر ۱۵۳۳ء کے اوائل میں پارلیمنٹ نے قانون وضع کیا کہ شادی بیاہ وغیرہ کے مقدمات جو کلیسائی عدالتوں میں پیش ہوتے تھے، اُن کا مرافعہ رومہ میں نہ ہو سکے گا۔ اس قانون نے صدر اُسقف کی عدالت کو سب سے اونچی عدالت بنا دیا اور بلا تاخیر کرینمر کو ہدایت کی گئی کہ بادشاہ کی پہلی شادی کے جواز و عدم جواز کا فیصلہ کرے۔ یہ مقدمہ شروع ۱۵۳۳ء میں ڈنس ٹیبل کی کچہری میں ہوا۔ کیتھرائن نے دلائل پیش کرنے سے انکار کیا اور کرینمر نے جامعات کی رائے کی بنا پر شادی کو ناجائز قرار دے دیا۔ ساتھ ہی این سے بادشاہ کے عقد کا اعلان ہو گیا اور آیندہ وہٹ سنڈے کے دن کمال تزک و احتشام کے ساتھ اُس کی تاجپوشی کی رسم ادا ہوی۔ ملکہ ہونے کے وقت اس کی عمر ۲۶ سال کی تھی۔ اس کی تصویریں آپس میں نہیں ملتیں مگر مجموعی طور پر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مدھم رنگ کی عورت تھی اور اس کی آنکھوں میں بلا کی چمک اور معنویت بھری تھی۔ لمبے لمبے سیاہ بال حد درجہ نرم تھے۔ لیکن سیرت کے اعتبار سے این یقیناً بہت کم شائستہ تھی شادی کے قبل کئی سال تک اس کی حیثیت

ملکہ کے مقابلے میں بہت ہی ناگوار رہی اور کیتھرائن کو چھوڑ کر دوسروں کے ساتھ بھی اُس کے برتاؤ میں ایسی شوخ چشمی نظر آتی ہے جس نے بالآخر بہت لوگوں کو اس کا سخت دشمن بنا دیا۔ تاج پوشی کو اتنے دھوم دھام سے منانے میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ عوام الناس کو نئی ملکہ سے حُسن عقیدت پیدا ہو جائے۔

قانون وراثت

ستمبر میں این بولین کے بیٹی پیدا ہوئی جسے آگے چل کے انگلستان کی نامور ملکہ الزبیتھ ہونا تھا۔ ساتھ ہی ایک قانون وراثت شاہی نافذ ہوا جس نے ہینری اور این کی اولاد کو بادشاہی کا وارث قرار دیا۔ اس کی عبارت میں یہ احتیاط ضرور کی گئی تھی کہ کیتھرائن کے خیرخواہوں کو حتی الامکان صدمہ نہ پہنچے۔ پھر بھی سر ٹامس مور اور اسقف روچسٹر، فشر، نے اس کی پابندی کا حلف اٹھانے سے انکار کیا اور دونوں قلعۂ لندن میں محبوس کروئے گئے۔

قانون افضلیت

این کی تاجپوشی، الزبیتھ کی ولادت اور نئے قانون وراثت نے پاپا کو خواہی نخواہی کارروائی کرنے پر مجبور کیا۔ ہینری کو خارج از ملت کئے جانے کی دھمکی دی گئی اور شہنشاہ اگر خود اپنے جھگڑوں میں پھنسا ہوا نہ ہوتا تو عجب نہیں کہ اپنی خالہ (کیتھرائن) کی حمایت میں انگلستان سے لڑنے مرنے پر کمر بستہ ہو جاتا۔ بہرحال آشتی کی اب کوئی امید نہ تھی اور اگلے ہی سال ہینری نے ایک اور "قانونِ افضلیت" نافذ کرایا جس میں ۱۵۳۲ء کی قرارداد کی شرطیں بھی اُڑا دیں اور بادشاہ آیندہ سے "کلیسائے انگلستان کا خلیفۃ اللہ فی الارض" مخاطب کیا جانے لگا اگرچہ اتنا اضافہ کر دیا گیا تھا کہ اس قانون سے بادشاہ اور پارلیمنٹ کا یہ منشا نہیں ہے کہ مسیحی کلیسا کے معاملات میں مذہب کیتھولک کے ارکان دین، یا دوسرے عقائد سے جن کی کتاب مقدس یا خدائی اقوال نے تعلیم دی ہے اختلاف یا انحراف کیا جائے گا۔

رومہ سے کامل قطع تعلق

اس مشہور قانون افضلیت نے کلیسائے انگلستان کو کلیسائے رومہ سے منقطع کرنے کی کارروائیوں کو مکمل کر دیا۔ وُلزے کی معزولی کے بعد سے "قانون امتناع" پر جس شدت سے عملدرآمد ہوا اس نے پاپا کے کلیسائے انگلستان کے اندرونی معاملات میں

دخل دینے کا سدِ باب کر دیا۔ ۱۵۳۳ء میں روما جو محاصل بھیجے جاتے تھے وہ موقوف ہوئے۔ ۱۵۳۳ء میں مرافعوں کو روک دیا گیا۔ ۱۵۳۴ء کا تازہ قانون اس سلسلے کی گویا تکمیل تھا۔ مگر قطع تعلق کے بعد نئے حالات کے مطابق بعض نئے قاعدے اور ضابطے بنانے ضروری تھے۔ چنانچہ پاپائی اختیارات بادشاہ اور کنٹربری کے صدر اُسقف میں تقسیم کر کے ۱۵۳۵ء میں کرومویل کو صدر ناظمِ کلیسا (Vicar general) بنانے کا اعلان کر دیا گیا۔ نااَلیا نے وغیرہ پادریوں سے بدستورِ سابق وصول کئے جاتے رہے پہلے تو ممکن ہے ان کے دوبارہ پاپا کے پاس بھیجے جانے کا خیال ہو لیکن آگے چل کے یہ بادشاہ کے مداخل کی مستقل مد بن گئے۔ استقفوں کے انتخاب میں بھی پاپا کی رائے کو کوئی دخل نہ رہا۔ جیسا کہ ہم اوپر پڑھ آئے ہیں پندرھویں صدی میں یہ انتخابات بادشاہ اور پاپا دونوں کی متفقہ مرضی سے ہوتے رہے اور ان میں جو زیادہ بااثر ہوتا اسی کی رائے چل جاتی لیکن اب صرف بادشاہی کی مرضی قانون کے مُرادف ہو گئی اور کوئی مجلس کلیسا اس کے خلاف رائے دیتی تو اس کے جملہ شرکا قانونِ امتناع کی سزاؤں کے مستوجب بن جاتے تھے۔ اگرچہ ایسی نوبت ہی کبھی نہ آئی "افضلیت" کا ٹھیک مطلب پوری طرح ذہن نشین کرنے کی غرض سے ہینری نے ۱۵۳۵ء میں تمام استقفوں کو پہلے معطل اور پھر اپنے حکم سے دوبارہ بحال کیا۔

اصلاحِ کلیسا کی تحریک کے ایک پہلو کا سب سے اہم جزو یہی قانونِ افضلیت تھا اور اہلِ ملک نے اس کا جس طرح استقبال کیا وہ بادشاہ کے ساتھ اُن کی وفاداری کا اندازہ دکھاتا تھا۔ جس زمانے میں وہ زیرِ غور و بحث تھا، اس وقت رائے عامہ پر اثر ڈالنے کی بڑے اہتمام سے کوشش کی گئی۔ اساقفہ اور درویشوں کو مجبور کیا گیا کہ یہ خیال لوگوں کے دلنشین کریں کہ ممالکِ غیر کے دوسرے استقفوں کی مثل روما کے اُسقف (یعنی پاپا) کو بھی انگلستان میں کوئی اقتدار حاصل نہیں ہے۔ میرانِ بلد وغیرہ عمّال کو حکم ملا کہ سرکاری جلسوں اور جملہ عام تقریبات میں یہی خیال ظاہر کریں۔ یہاں تک کہ ایک گشتی مراسلہ حکّامِ عدالت کے پاس بھیجا گیا جس میں پادریوں پر یہ نگرانی رکھنے کا حکم تھا کہ وہ رسمی اور یا دل ناخواستہ

طور پر نہیں بلکہ دل سے پاپا کی یاد محو کرنے میں کوشاں ہیں۔ جب قانون مذکور نافذ ہوا تو مجموعی طور پر لوگوں نے اسے پسند کیا بلکہ بظاہر اُس کی مخالفت اتنی کم ہوئی کہ تعجب ہوتا ہے۔ اصل میں عام باشندوں کو تو کچھ اس سے سروکار نہ تھا کہ اہل کلیسا اپنا سرگروہ بادشاہ کو سمجھتے ہیں یا پاپا کو اور عمّال دینی نے بھی عموماً بغیر چون وچرا کے یہ تغیر قبول کر لیا۔

جن لوگوں نے مخالفت کی اُن میں تین صورتیں خاص طور پر حکومت کی توجہ کی مستحق ثابت ہوئیں۔ یعنی "چارٹر ہوس" لندن کے راہب، فشر، اسقف روچسٹر اور سر ٹامس مور کی مخالفت۔ کہ یہ اپنے حلقوں میں خاص امتیاز رکھتے تھے

مخالفین کا حشر

اور ان کے اثر سے دوسروں میں بھی قانون کی مخالفت پھیلنے کا اندیشہ تھا۔ فشر، ہینری ہفتم کی ماں، مارگریٹ کا سامع اقرار تھا اور اسی کی ترغیب سے مارگریٹ نے کیمبرج میں سینٹ جان اور کرائسٹ کالج کی بنیاد رکھی اور علوم دینی کے اساتذہ مقرر کیے تھے خود روما میں فشر نہایت مقبول تھا اور اُس کی گرفتاری کی خبر وہاں پہنچی تو پاپا نے نادانی سے اسے کارڈینال پاپائی منتخب کر لیا جس پر ہینری کو اور غصہ آیا کہنے کو تو فشر کا قصور صرف یہ تھا کہ بادشاہ کی دینی سرداری قبول کرنے میں اس نے تامّل کیا لیکن تحقیق ہوا ہے کہ وہ در پردہ پاپا کو یہ مشورے لکھ رہا تھا کہ انگلستان پر باقاعدہ فوج کشی کی جائے اور یہ قطعی غدّاری کا فعل تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہینری ان سب مخالفین کو خوشی سے معاف کر دیتا لیکن ان کی استقامت میں کوئی فرق نہ آیا اور بالآخر دس راہبوں کو سولی دی گئی۔ فشر ۲۲ جون کو اور مور ۶ جولائی (۱۵۳۵ء) کے دن قتل کرا دئے گئے۔

ٹامس کروم ویل

ان سب کارروائیوں میں، وزیر کا پرانا نوکر کروم ویل ہینری کا دستِ راست رہا۔ یہ انگلستان میں سب سے پہلا نامی معتمدِ مملکت گزرا ہے۔ پٹنی کے ایک معمولی آہن گر کے ہاں، ۱۴۸۵ء کے قریب پیدا ہوا اور مختارکاری اور محاسبی کی تعلیم حاصل کی لیکن ۱۵۰۰ء میں انگلستان کے باہر گیا اور کچھ مدّت تک اطالیہ کی لڑائیوں میں شریک رہا۔

اینٹ ورپ میں کاروبار کرنے کے بعد وہ پھر وطن آیا اور لندن میں مختارکاری کے ساتھ ساہوکاری اور اُون کا لین دین کرنے لگا۔ اسی کاروبار میں وُلزے سے شناسائی ہوئی اور اُس نے یارک کے حلقے میں اسے محصّل مقرر کرا دیا۔ خانقاہوں کے اوقاف توڑ کر کارڈنل کالج میں منتقل کرنے کی خدمت بھی اسی سے لی گئی۔ ۱۵۲۳ء کی پارلیمنٹ میں بھی اُس نے نام پایا۔ وُلزے کی معزولی کے بعد وہ بادشاہ کی ملازمت میں داخل ہوا۔ ہینری نے اس کی لیاقت کی بڑی قدر کی اور آیندہ دس برس تک کلیسائی معاملات میں اتنا صاحب رسوخ کوئی غیر کلیسائی آدمی نہ ہوگا جتنا کروم ویل تھا۔

ہیو لے ٹمر

کروم ویل کے ساتھ ہیو لے ٹمر کا نام آتا ہے وہ لیسٹر کے زمیندار کا بیٹا تھا جو بلیک ہیتھ کی جنگ میں شریک ہوا۔ چودہ سال کی عمر میں لے ٹمر کیمبرج آیا۔ ۱۹ ویں سال کلیرہال کا رفیق کلیہ مقرر ہوا اور ملانک تھن کے خلاف مضمون لکھ کر اپنی جنگجویانہ زندگی کا آغاز کی۔ ۱۵۲۰ء میں کلیسائی خرابیوں پر جیسی اسے نظر آتی تھیں، لکھنا شروع کیا اور وعظ میں اپنی لیاقت و بیخوفی کے باعث بہت جلد مشہور ہونے لگا۔ ایلی کے اُسقف نے اسے چپکا کر دینے کی کوشش کی تھی لیکن ولزے لے ٹمر کی دلیری سے خوش ہوا اور اسے وعظ کہنے کی آزادی دے دی۔ ولزے کی بساط اُلٹی تو خوش قسمتی سے خود بادشاہ لے ٹمر کا مربی بن گیا اور اس کی خوشگوئی اور بیباکی کی یہ قدر کی کہ اپنا امام مقرر کر لیا۔ ۱۵۳۲ء میں اسقفوں نے جُل دے کے اُس سے الحاد کا اقبال کرانا چاہا تھا، اس وقت بھی بادشاہ نے جان بچائی اور ۱۵۳۵ء میں ورسٹر کا اُسقف بنا دیا۔

بادشاہ کی نئی بیویاں

بادشاہ کی دوسری شادی کچھ سازگار نہ ثابت ہوئی۔ آرزو بیٹا ہونے کی تھی لیکن سوے اتفاق سے این کے دو بیٹے مُردہ پیدا ہوے اور تیسرا بھی جنوری ۱۵۳۶ء میں مرگیا۔ ہینری کو بڑی مایوسی ہوئی اور ادھر این کا ایک گروہ مخالف تیار ہوگیا۔ قدیم امرا تو اُس کی نخوت کی بنا پر متنفر تھے اور ہسپانیہ پسند گروہ اُسے اتحاد فرانس کا حامی جانتا تھا پروٹسٹنٹ

باب دوم

فرقے کی طرفداری نے راسخ العقیدہ کیتھولکوں کو اس سے بیزار کر دیا اور جنوری ۱۵۳۶ء میں ملکہ کیتھرائن مری تو شدّومد سے کہا جانے لگا کہ اُسے این نے زہر دلوا دیا ہے۔ مگر اپریل ۱۵۳۶ء میں یکایک افواہ اُڑی کہ ملکہ زنا کی مرتکب ہوی اور اسکے ساتھ پانچ اشخاص گرفتار کئے گئے۔ این کی سماعت اُس کے ہمچشموں نے کی اور دوسرے ملزمین کا مقدمہ جوری میں پیش ہوا لیکن سب مجرم ثابت ہوے اور قتل کی سزا پائی۔ یہ سارا معاملہ کچھ ایسا گومگو بس رہا کہ یہ کہنا محال ہے کہ واقعی وہ اس جرم کبیرہ کی مجرم تھی یا محض دشمنوں کی سازش کا شکار ہوی مگر اس میں کلام نہیں کہ خود ہینری اس کے خلاف شہادت کو صحیح سمجھتا تھا. بہرحال، این کے عبرت آموز خاتمے نے وراثت کے مسئلے کو اور پیچیدہ کر دیا۔ اسی کے ساتھ کیتھرائن، و این کی موت سے یہ موقع ضرور نکل آیا کہ بادشاہ ایک اور شادی کرے جس کے جواز میں کوئی شک شبہ نہ ہو۔ چنانچہ تھوڑے ہی دن میں جین سے مور سے اس نے شادی کی اور ۱۵۳۷ء میں اس کے بطن سے ایڈورڈ پیدا ہوا۔ مگر افسوس ہے یہ ملکہ بھی اس ولادت کے بعد زیادہ نہ جی اور آیندہ دو سال تک ہینری رنڈوا رہا۔

خانقاہیں ہم اوپر پڑھ چکے ہیں کہ ولزے خانقاہوں کی اصلاح ضروری سمجھتا تھا۔ پاپای اقتدار کے دُور ہونے سے یہ خانقاہیں بھی بادشاہ کے تحت انتظام آگئیں اور غالباً سب سے زیادہ انھی کے راہبوں کو یہ تغیر ناگوار گزرا اور مخالفت پر سب سے بڑھ کر کمر بستہ نظر آنے لگے۔ یوں بھی ان کی اصلاح کی ضرورت سالہا سال سے مسلّم تھی اور مورٹن، وارہم اور وُلزے نے جو اپنی اپنی باری معایتے کئے اُن سے بڑی بڑی خرابیوں کا راز فاش ہوا مگر اصلاح کی کوئی کارگر صورت نہ بن پڑی تھی۔ ان سب وجوہ کو پیش نظر رکھکے، ہینری نے ۱۵۳۵ء میں کروم ویل کی معرفت لے، لے ٹن اور اپ رائس کی ایک تحقیقاتی جماعت کو حکم دیا کہ خانقاہوں کا معاینہ کرے اہل معاینہ جوان عمر، مستعد اور بڑے بے جھجک لوگ تھے انھوں نے کار مفوضہ کو پوری پوری طرح انجام دیا اور ۱۵۳۶ء میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو ان کی مرتبہ کیفیت

دارالعوام کی میز پر رکھدی گئی اور "خانقاہوں کا نامۂ سیاہ" (بلیک بک) موسوم ہوئی۔ ملکہ میری کے عہد میں اس کے جتنے نسخے مل سکے سب تلف کر دیئے گئے اس لئے اب اصل تحریر تو محفوظ نہیں ہے لیکن اہلِ تحقیقات کے خطوط سلامت رہ گئے ہیں اور پرانے معاینوں کے حالات کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو ان عبادت خانوں کی اصلی حالت واضح ہو جاتی ہے۔ بظاہر بڑی خانقاہوں کا انتظام فی الجملہ خاصا تھا۔ اگرچہ مالی حالت عموماً خراب تھی۔ لیکن چھوٹی خانقاہوں کی کیفیت ناگفتہ بہ تھی اور وہ شرمناک ترین بدکاریوں کے مسکن بن گئے تھے اہلِ تحقیقات نے خود بھی اصلاح کرنے میں کمی نہیں کی اور ۲۴ سال سے کم عمر کے راہبوں اور ۲۱ سال کم عمر کی کنواریوں کو اجازت دی کہ اگر وہ چاہیں تو خانقاہ چھوڑ کر چلی جائیں اور جو لوگ سکونت گزیں رہے ان کو بھی ہر جگہ تاکید کی کہ خانقاہوں کے اندر ہی رہیں اور اپنے طریقے کے اصول و قواعد کی پوری پابندی کریں۔ بایں ہمہ پارلیمنٹ میں جو مفصل کیفیت پیش ہوئی اور بداخلاقیوں کی ہمہ گیری کا لوگوں کو اندازہ ہوا، تو ارکانِ مجلس نے یہی فیصلہ کیا کہ ان کی اصلاح و بہتری ناممکن ہے اور تیس خانقاہوں کو چھوڑ کر جن پر کوئی الزام نہ تھا، باقی دو سو پونڈ سالانہ سے کم آمدنی کی تمام (یعنی ۳۷۶) خانقاہیں توڑ دی گئیں اور ان کی آمدنی بداخلِ شاہی کا جزو ہو گئی۔ ان میں رہنے والوں کو اجازت مل گئی کہ یا تو کسی بڑی خانقاہ میں ورنہ جہاں جی چاہے چلے جائیں اور حلقے کے معمولی ملا کی آمدنی کے برابر ان کا وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔ اس وقت تک بڑی خانقاہوں کو چھیڑنے کا کوئی ارادہ نہ تھا گو لندن کے اسقف اسٹوکس لی نے اسی زمانے میں کہہ دیا تھا کہ یہ کھوکھلے درخت (=اوک) بھی اب زیادہ دن قائم نہیں رہ سکتے۔ اس چکر میں زیادہ ترین ڈک ٹی، کلیونی اور سسٹرسی فرقوں کی خانقاہیں آئیں اور انھی میں تکئے بھی شامل تھی۔

بادشاہ کی ان کارروائیوں پر مخالفت کا ہونا یقینی بات تھی۔ قدیم ہسپانوی گروہ کو جو کیتھرائن اور شہنشاہی اتحاد کا طرفدار تھا، پہلے ہی بہت صدمہ تھا اور کلیسائی اصلاح نے ادنیٰ درجے کے پادریوں میں ناراضی پھیلا دی تھی۔

باب دوم

خانقاہوں کے توڑنے سے مخالفین کی تعداد میں تازہ اضافہ ہوا اور شہرۂ آفاق دوشیزۂ کینٹ کے معاملے میں علانیہ انحراف کی پہلی کوشش عمل میں آئی یہ لڑکی، الزبیتھ بارٹن نامے، معمولی خادمہ تھی جس پر دورے پڑا کرتے تھے مگر بڑمیں بعض مذہبی باتیں کہنے کی بدولت اُسے لوگوں نے غیبت داں سمجھ کر ایک خانقاہ میں داخل کرا دیا تھا۔ اُس کی پیش گوئیوں کی وُلزے کو خبر دی گئی اور دو چار مرتبہ فِشر و ٹامس مور نے بھی سنجیدگی سے اس کا امتحان کیا تھا۔ آخر میں صاف معلوم ہو گیا کہ بعض پادریوں نے اُسے آلۂ کار بنا رکھا ہے اور بادشاہ کی طلاق اور کلیسائے روما سے قطع تعلق کو برا بھلا کہنا سکھا دیتے ہیں۔ کروم ویل نے بازپرس کی تو اس نے فریب کا اقبال کر لیا اور ۱۵۳۴ء میں اپنے ساتھیوں سمیت قتل کرا دی گئی۔ اگلے برس بھی اوّل سے آخر تک شہنشاہ کے مجوزہ حملۂ انگلستان کے متعلق ہنڈیا پکتی رہی اور کہا جاتا ہے کہ ایک نہ دو، پورے پندرہ انگریز امیر اس سازش میں شرکت پر آمادہ تھے۔ جنوری ۱۵۳۶ء میں کیتھرائن کی وفات سے یہ منصوبہ تو ختم ہو گیا تاہم ہر طرف ناراضی کے جذبات پھیلے رہے اور اس آتش گیر مادّے کے بھڑک اُٹھنے میں صرف چنگاری دکھانے کی کسر نظر آتی تھی۔

دوشیزۂ کینٹ

سب سے بڑھ کر بےچینی انگلستان کے شمالی پرگنوں میں تھی۔ اور یوں بھی ٹرنیٹ کے اوپر کا علاقہ جنوبی اضلاع سے اتنا مختلف تھا کہ یہ دو جداگانہ ملک معلوم ہوتے تھے۔ اہل شمال کو اسکوٹی حملوں اور لڑائیوں کی بربریت نے سخت دل بنا دیا تھا اور بڑے بڑے جاگیرداروں سے اُن کی وابستگی بھی قائم تھی، لہٰذا وہ جنوب کے شہریوں کو نفرت سے دیکھتے اور ان پر حملہ و غارت گری کے لئے ایسے ہی آمادہ رہتے تھے جیسے محاربہ گلابوں والی لڑائی کے زمانے میں تھے۔ علاوہ ازیں ان کی ناراضی کی بعض خاص وجوہ بھی موجود تھیں۔ اول تو خانقاہیں اُن میں زیادہ مقبول اور ان کی دماغی حالت کے بھی زیادہ مناسب تھیں۔ دوسرے اضلاع کی بجائے لنڈن میں مقدمات کی سماعت کا قاعدہ بن جانے سے انھیں بہت زحمت پیش آنے لگی تھی۔ چھوٹے بیٹوں اور بیٹیوں کے لئے

جاگیردار جو نذرانے وغیرہ وصول کیا کرتے تھے، آئین حقوق موروثی کی بدولت اس میں بہت کچھ کمی آگئی۔ پرانے امرا کو کروم ویل جیسے نو دولتے کے قدیم امرا کے ساتھ بٹھائے جانے سے سخت ناگواری پیدا ہوی۔ اور آخری سبب ناراضی کا یہ ہوا کہ اون کی قیمت بڑھ جانے سے زراعت کی بجائے بھیڑیں پالنے کا رواج بڑھ گیا۔ جس نے ایک طرف تو مزدوروں کی مانگ گھٹائی اور دوسری طرف شاملات کی اراضی کی زیادہ سختی سے حد بندیاں ہونے لگیں اور ان دونوں باتوں سے غریبوں کو بہت تکلیف اٹھانی پڑی۔ ان اسباب نے امرا، متوسطین اور عوام سب کو شاکی بنا دیا اور اب صرف یہ دیکھنا رہ گیا کہ حکومت کے خلاف یہ سب متحد بھی ہو سکیں گے یا نہیں؟ اصلی شکایتوں کے علاوہ طرح طرح کی افواہیں الگ لوگوں کو پریشان کرتی رہتی تھیں۔ کروم ویل کی ایک عمدہ تجویز یہ تھی کہ ہر حلقے میں وہاں کے باشندوں کی فہرستیں مرتب کی جائیں مگر لوگوں نے اس کے یہ معنی لگائے کہ شادی بیاہ اور اصطباغ پر محصول لیے جائیں گے اور یہاں تک کہا گیا کہ آئندہ خراج دئیے بغیر کسی کو گوشت کھانا تک نصیب نہ ہوگا۔ ان بدگمانیوں اور بدگوئیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ لنکن شر سے ہنگامہ و فساد کا سلسلہ شروع ہوا اور یارک شر و کمبرلینڈ تک پھیل گیا۔ اکتوبر ۱۵۳۶ء سے فروری ۱۵۳۷ء تک سارے شمالی اضلاع میں خلفشار رہا۔

ہنگامے

لنکن شر میں فتنہ و فساد صرف پادریوں اور عوام تک محدود تھا۔ اس میں کوئی تنظیم و باقاعدگی نہ تھی چنانچہ ہزاروں کی تعداد میں مسلح ہو کر جمع ہونے کے باوجود امیر کبیر سفک کی آمد آمد سنکر سب منتشر ہو گئے۔ لیکن یارک شر میں معاملہ زیادہ سنگین ہو گیا اور فسادیوں نے "مسافرت فی سبیل اللہ"[1] کا نام اختیار کیا۔ اس کے سرغنہ خاندانی لوگ تھے۔ خود امیر کمبرلینڈ کا عمزاد بھائی روبرٹ ایسکے تنظیم میں پیش پیش رہا اور نواب ڈارسی اور سرجان گلونس ٹیبل جیسے لوگ معین و مددگار ہو گئے۔ اول الذکر فن سپاہ گری میں مہارت

---

[1] (Pilgrimage of Grace) جس کا "سفر رحمت" بھی ترجمہ کیا گیا ہے۔ مترجم۔

رکھتا تھا۔ شمال کے اکثر بہترین خاندان اہل شورش کے پشت پناہ بن گئے اور انھوں نے باضابطہ منصوبہ بنا کے پہلے چیدہ فوج سے ڈون کاسٹر پیش قدمی کی۔ اُن کا مطالبہ یہ تھا کہ مذہبی اوقاف واگذاشت کئے جائیں۔ کمین رعیت کی اولاد کو مجلس شاہی میں دخل نہ رہے۔ اور ملحد استقفوں کو برطرف کر کے سزا دی جائے۔ قصبۂ ڈون کاسٹر کی حفاظت کے لئے ان کا شہزادہ نارفک سے مقابلہ ہوا جو ڈون ندی کے کنارے کمتر جمعیت لئے مقیم تھا۔ لیکن ایسکے کثرت دخون سے بچنا چاہتا تھا اور خود بادشاہ نے آشتی میں مصلحت دیکھکر نارفک کو اجازت دی تھی کہ باغیوں کو معافی دے اور یارک میں پارلیمنٹ بنادینے کا وعدہ کرے۔ غرض صلح صفائی ہوگئی اور فوجوں کے ہتیار کُھلوادئے گئے۔ بادشاہ نے متوسطین کو دوبارہ خوش کرنے کی پوری کوشش کی کہ مخالفین کی قوت منقسم ہوجائے۔ اسی اثنا میں کمبرلینڈ اور ویسٹ مورلینڈ میں فساد ہوگیا اور مفسدوں نے کارلائل پر حملہ کیا۔ اسی کے ساتھ یارک شیر میں مشہور ہوگیا کہ بادشاہ نے محض فریب سے کام نکالا تھا۔ لہذا وہاں ازسرنو ہلچل پیدا ہوئی اسی بات کو حیلہ بنا کے ہینری نے ایسکے اور دوسرے سرگروہوں کو گرفتار کرلیا اور عدالت میں ثابت ہوا کہ اُن کے قبضے میں اُس وقت تک توپ خانہ موجود ہے جو دراصل بادشاہ کی ملکیت تھا۔ تب غداری کے جرم پر ایسکے، ڈارسی، کانسٹیبل اور چار سجادہ نشینوں اور کئی اور سرگروہوں کو مروادیا گیا۔ لیکن ان مقامات کے سوا دوسری جگہ باغیوں سے عموماً نرمی برتی گئی۔ بے شبہ یہ بڑا نازک موقع آگیا تھا۔ اور اگر اس وقت باغیوں کو شہنشاہ کی طرف سے مدد مل جاتی یا وہ کسی تخت کے معقول مدعی کو میدان میں لاسکتے تو عجب نہیں کہ نتیجہ کچھ اور ہوتا۔ مذکورۂ بالا حالات میں تو ان کی کوششیں بے سود نکلیں۔ یارک میں پارلیمنٹ کا انعقاد نہیں ہوا، البتہ شمال کے لئے عدالت شاہی کی ایک مستقل ذیلی جماعت مقرر کر دی گئی کہ سال کے چار مہینے میں یارک، ہل، ڈرہم اور نیوکاسل میں اجلاس کرے اور اُن مقدمات کی جو سابقہ قاعدے کے بموجب لندن میں پیش ہوتے، وہیں سماعت کرلے۔ اس عدالت کا صدر نشین، اضلاع شمال میں بادشاہ کا نائب سمجھا جاتا اور وہاں کے نظم و نسق

کی عام نگرانی بھی اس کے تفویض ہوتی تھی۔ حقوق وراثت کا قانون رسمی طور پر نافذ رہا لیکن جاگیرداروں کی طرف سے اولیا پر جو رسوم عائد کی جاتی تھیں انھیں عدالت مال نے عملاً جائز رکھنے کی صورتیں نکال لیں اور اس طرح اصلی شکایت رفع دفع کردی۔

خانقاہوں کا خاتمہ

باغیوں نے اپنی تحریک کا نام مسافرت فی سبیل اللہ رکھا تھا لیکن جہاں تک خانقاہوں کا تعلق ہے، یہ ہنگامے ان کا خاتمہ کرنے میں تاخیر کی بجائے تعجیل کا سبب بن گئے۔ اکثر اہل خانقاہ جن کے دل میں چور تھا، بادشاہ کو رضامند کرنے کی فکر کرنے لگے۔ اہل تحقیقات نے خانقاہ میں رہنے والوں کو جن شرطوں کا پابند کیا تھا، اُن سے وہاں زندگی گزارنی دوبھر معلوم ہونے لگی۔ پھر بہت ممکن ہے کہ اعلیٰ درجے کے راہبوں کے واسطے بادشاہ نے جو فیاضانہ وظائف مرعی رکھے تھے، ان کا بھی کافی اثر پڑا ہے۔ بہر نوع، ۱۵۳۶ء میں ہم بڑی بڑی خانقاہوں کو یکے بعد دیگرے اپنی املاک بطور خود بادشاہ کے حوالے کرتے دیکھتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلی خانقاہ فرنیس کی تھی۔ بعض خانقاہ والے اس بہلاوے میں آگئے کہ رسمی طور پر املاک پیش کریں گے تو وہ پھر واگزاشت ہو جائیں گی۔ بعض اوقاف کو سجادہ نشینوں کی فتنہ پردازی کی بنا پر زبردستی ضبط کر لیا گیا۔ غرض ۱۵۳۹ء سے بھی پہلے یہ سب بادشاہ کی تحویل میں آگئیں۔ راہبوں کے ساتھ بڑی رعایت کی گئی۔ ٹیوکس بری میں صاحب خانقاہ یا متولی کو ڈھائی سو اشرفی سے کچھ زیادہ وظیفہ (۲۰۰ پرائر) کو سولہ اور راہبوں کو ۱۳ سے کوئی پونے سات اشرفی تک سالانہ کے وظیفے مل گئے اور وہ اشرفی ہمارے زمانے کے پونڈ سے تقریباً پندرہ گنی سمجھی جا سکتی ہے۔ خانقاہوں کا اثاث البیت فروخت کر دیا گیا مگر پیسے کے سوائے کچھ زیادہ مال نہ نکلا۔ اراضی بادشاہ کی ملکیت میں داخل ہو گئیں۔

اتنی وسیع املاک (جن کی سالانہ آمدنی ہمارے زمانے کے حساب سے تخمیناً ۶۵ لاکھ پونڈ تھی) ہاتھ آنے سے عمدہ موقع میسر آگیا تھا بعض لوگ کہتے تھے کہ اس روپے سے اسقفوں کی تعداد بڑھادی جائے اور مدارس و کلیات بنائے جائیں۔ بعض کا خیال تھا کہ محاصل میں تخفیف اور ساحلوں پر قلعہ بندی کی جائے۔

لیکن ہینری کو ان کا سب سے اچھا مصرف یہ نظر آیا کہ اُس روپے سے اصلاح کلیسا کی حمایت کے لئے ایک باقاعدہ گروہ تیار کیا جائے۔ چنانچہ اراضی کو ہمسایے کے جاگیرداروں یا اپنے درباری رفیقوں کے ہاتھ کم قیمت پر فروخت کر دیا۔ ویسٹ منسٹر، اکسفرڈ، چیسٹر، گلوسٹر، برسٹل اور پیٹربرو میں ۶ نئی استفنیاں بھی قایم کی گئیں اور ان کے انتخابی حلقے مرتب کرنے کی غرض سے، بن ڈکٹی فرقے کی ۶ خانقاہوں کی تاسیس عمل میں آئی مگر ان کے ارکان کلیسائی علما نہ ہوتے تھے۔ اسی طرح کینٹربری وغیرہ کے کلیساؤں کے ساتھ جو خانقاہیں تھیں، ان کی مذہبی نوعیت کو بدل کر دنیاوی بنا دیا گیا۔ کچھ روپیہ ساحلوں کی قلعہ بندی میں بھی خرچ ہوا۔ مگر مجموعی طور پر زیادہ تر اراضی مختلف افراد کی ملکیت میں منتقل ہو گئیں اور بیس برس بعد بیان کیا جاتا تھا کہ بیس ہزار خاندان، جن کا ان اراضی سے تعلق ہو گیا ہے، چاہتے ہیں کہ وہ انھی کے قبضے میں رہنے دی جائیں۔ ہینری اور اس کے جانشینوں نے بعض بڑے بڑے قطعات خدماتِ شایستہ کے انعام میں خاندانِ رسل، سیمور وغیرہم کو عطا کئے لیکن زیادہ تر یہ اراضی چھوٹے چھوٹے قطعات ہی کی صورت میں لوگوں کے ہاتھ آئی۔ اس حکمت عملی کا اثر یہ ہوا کہ باشندگان ملک کا ایک معقول طبقے کی دنیاوی اغراض اصلاحِ کلیسا کی تحریک سے وابستہ ہو گئیں اور قدیم طور طریق کے بحال کرنے کے راستے میں گویا سدّ سکندری بن گئیں۔ ادھر خود خانقاہوں کے توڑنے سے مختلف اور بہت کچھ نتایج رونما ہوئے۔ اوّل تو سجادہ نشینوں کے ہٹنے سے دارالامرا میں اہل مذہب کی اکثریت قائم نہ رہی اور اسی نسبت سے دار الامرا کی وقعت بڑھ گئی۔ خانقاہی اراضی کی تقسیم سے بہت سی نئے زمینداریاں قایم ہوئیں اور یہ مالکانِ زمین اہل خانقاہ کی نسبت زیادہ محنتی تھے، تو اسی کے ساتھ طماع بھی زیادہ تھے اور چراگاہوں کی اُجرت اور احاطہ بندی کی مصیبت بڑھ گئی۔ مزید براں، بیمار و ساکین جنھیں خانقاہوں سے خیرات ملا کرتی تھی، اس امداد سے محروم ہو گئے اور جو آفت پہلے سے کچھ کم نہ تھی، اس میں اضافہ ہو گیا۔ بایں ہمہ اہل اصلاح کے نزدیک خانقاہوں کا توڑا جانا، رحمتِ کاملہ سے کم نہ تھا چنانچہ اس صدی کا متقشف شاعر اسپنسر کہتا ہے: ع

باب دوم

The Thirsty land drank up his blood his corselay on the strand

یعنی: پیاسے ملک نے اس کا خون پی لیا اور اس کی لاش کنارے پر پڑی رہی۔

شہنشاہ چارلس نے مسافرین فی سبیل اللہ کی کوئی اعانت نہیں کی تاہم ممالکِ نشیب (نِدرلینڈز) کی طرف سے حملے کا اندیشہ موجود تھا۔ اور

خاندانِ پول کی سازش

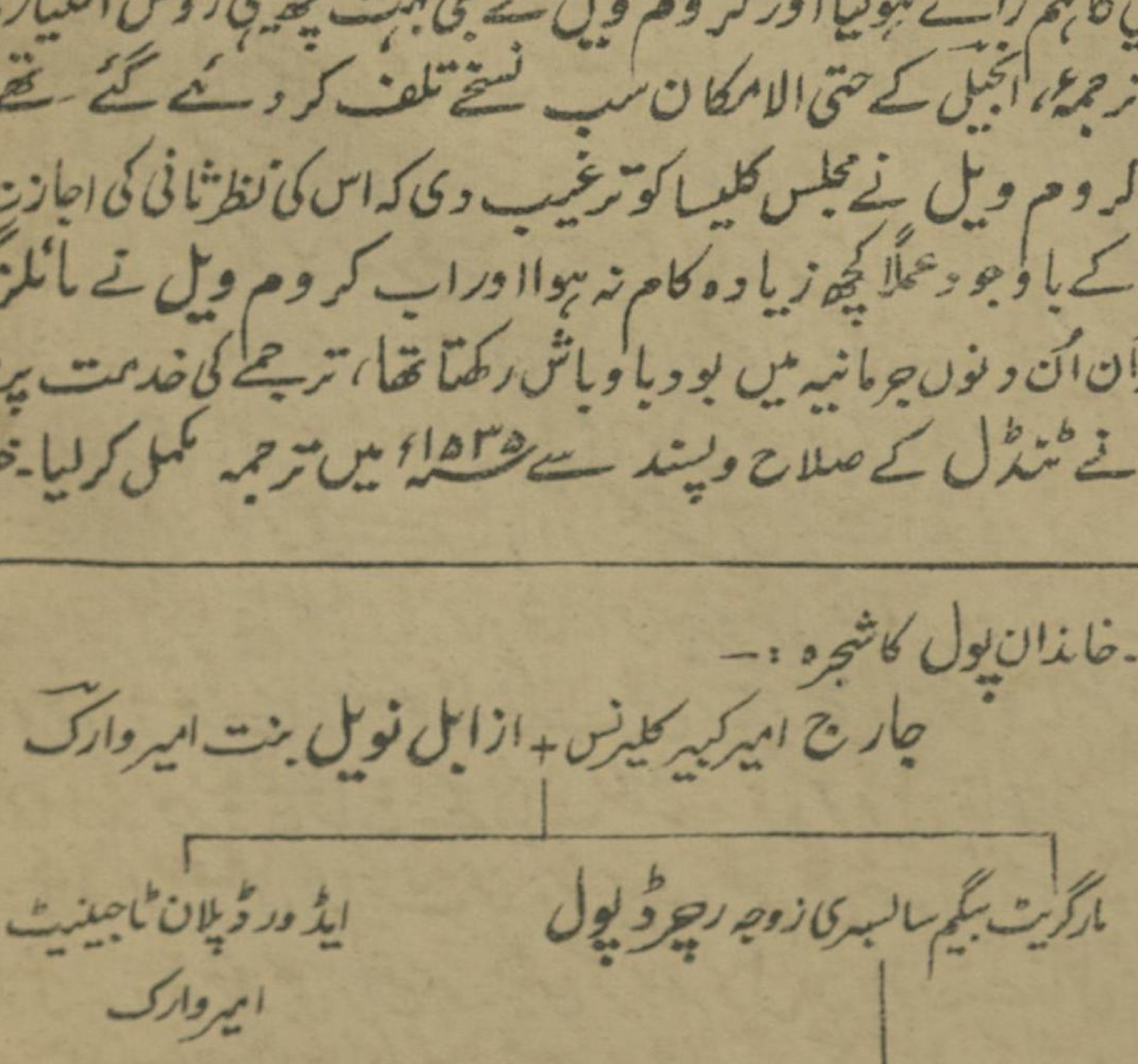
۱۵۳۶ء میں ایک بڑی جدید سازش کا انکشاف ہوا۔ اس تحریک کا مرجع، رجی نالڈ پول، تھا۔ اس کی ماں امیر کبیر کلیرنس کی بیٹی مارگریٹ، بیگم سالبری تھی جس نے بعد میں رچرڈ پول سے شادی کی۔ خود رجی نالڈ پول ہنیری ہشتم کا بڑا منظورِ نظر تھا اور انیس سال کی عمر سے قبل ہی اسے بعض کلیسائی عہدے مرحمت ہوئے تھے۔ ابتدا میں وہ بادشاہ کی طلاق کا موید تھا لیکن بعد میں اس کے خلاف ایک رسالہ لکھا اور ایک کلیسائی اتحاد پر بھی ایک لاطینی مقالہ سپردِ قلم کیا۔ اسی کے صلے میں پاپا نے اُسے کاردینال اور ہنیری نے "خرابیٔ خون" کا مجرم قرار دیا۔ ۱۵۳۶ء میں پاپا نے اُسے ندرلینڈز بھیجا کہ چارلس کو انگلستان پر حملہ کرنے کی دعوت دے۔ ان کارروائیوں نے خواہ مخواہ پول کے عزیزوں کو بھی مشتبہ بنا دیا۔ رجی نالڈ کا بڑا بھائی ہنیری پول (= لارڈ مون ٹیگو) نویل خاندان کے امیر ابرگاوینی سے بیاہا اور کیتھرائن بنت ایڈورڈ چہارم کے ایک بیٹے امیر ایکزیٹر کا بڑا یار غار تھا۔ اس امیر کا مغربی اضلاع میں وہی اثر و اقتدار تھا جو ہوورڈ خاندان کا نارفک میں، یا پرسی خاندان کا نارتھمبرلینڈ میں۔ لہذا ایڈورڈ کی شاخ کے ایک مقتدر فرد کو نویل خاندان سے متحد کرنے کی کوشش نہایت مخدوش پہلو رکھتی تھی خصوصاً ایسی صورت میں کہ کوئی بیرونی حملہ بھی واقع ہو۔ لیکن کروم ویل ان باتوں سے غافل نہ تھا اور رجی نالڈ کا چھوٹا بھائی جیوفری بادشاہ سے مل گیا جس کی شہادت پر ایکزیٹر اور مون ٹیگو غداری کے مجرم ثابت ہوئے اور ۱۵۳۹ء میں

ان کا سر قلم کرا دیا گیا۔ مارگریٹ بیگم سالسبری بھی اسی مقدمے میں شریک سمجھی اور قلعۂ لندن میں محبوس کر دی گئی مگر اس پر مقدمہ دو سال بعد ۱۵۴۱ء میں چلا اور قتل کی سزا ملی علہ

مذہبی فرقہ بندی

اُدھر ملک کے کلیسائی تغیرات و ممالک یورپ کے مذہبی مناقشوں کا قدرتی اثر تھا کہ اہل انگلستان بہت جلد دو فرقوں میں تقسیم ہونے لگے۔ ایک تو وہ جو روما سے بخوشی قطع تعلق کرنے کے باوجود قدیم تقلیدی عقائد کو قائم رکھنے پر تُلے ہوئے تھے اور دوسرے وہ جو اصلاح کے معاملے میں ان سے بھی دو قدم آگے تھے۔ پہلے فرقے کے سرگروہ نارفک، گارڈنر (اسقف ونچسٹر) اور بونر (اسقف لندن) تھے اور دوسرے فرقے کی رہنمائی کرینمر و لے ٹمر کے ہاتھ میں تھی۔ بادشاہ عقائد کی حد تک پہلے فرقے کا ساتھی تھا مگر انجیل کے ترجمے کی تکمیل کے معاملے میں دوسرے فریق کا ہم رائے ہو گیا اور کروم ویل نے بھی بہت کچھ یہی روش اختیار کی۔ ٹنڈل کے ترجمۂ انجیل کے حتی الامکان سب نسخے تلف کر دئیے گئے تھے لیکن ۱۵۳۴ء میں کروم ویل نے مجلس کلیسا کو ترغیب دی کہ اس کی نظر ثانی کی اجازت دی جائے۔ اس کے باوجود عملاً کچھ زیادہ کام نہ ہوا اور اب کروم ویل نے مائلز گورڈیل کو جو اُن دنوں جرمانیہ میں بود و باش رکھتا تھا، ترجمے کی خدمت پر مقرر کیا۔ اس نے ٹنڈل کے صلاح و پسند سے ۱۵۳۵ء میں ترجمہ مکمل کر لیا۔ خود ٹنڈل

علہ۔ خاندان پول کا شجرہ:-



۱۵۳۶ء میں اہل احتساب کے ہاتھ پڑا اور زندہ جلا دیا گیا لیکن ۱۵۳۷ء میں جان روجرز نے ٹنڈل کی تمام تصانیف جمع کیئے جن میں انجیل کا پورا اور تورۃ کی کتاب تخلیق سے یے کے وقائع (جزو ثانی) تک ترجمہ شامل تھا باقی اجزا کی کورڈیل کے ترجمے سے تکمیل کر دی گئی تھی۔ یہ مجموعہ اس نے میتھو کے فرضی نام سے شائع کیا اور کروم ویل نے کہ سن کے بادشاہ سے اجازت دلوادی کرنمیر نے اس پر مقدمہ تحریر کیا اور ۱۵۳۹ء میں یہی ترجمہ کتاب کبیرہ کے نام سے گرجوں میں رکھدیا گیا۔ اسی سال ہینری نے کتاب مقدس کی انفرادی طور پر خریداری کی اجازت دی اور طبع جدید کے نسخے بہت جلد فروخت ہو گئے۔

قانون عقائد ستہ

یہاں تک تو اصلاح طلب فریق کامیاب رہا لیکن عقائد ستہ کے قانون کا بننا اُن کے حریفوں کی فتح کے مُرادف تھا۔ ۱۵۳۹ء میں نئی پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا اور اُس نے بلا تاخیر مذہبی عقائد پر غور و بحث شروع کی عوام الناس کو اس زمانے میں الحاد کے الزام کا بڑا وہم ہو گیا تھا۔ نارفک نے ان کی ترجمانی کی اور کرنمیر کی کچھ مخالفت کے باوجود امرا ایک قانون پر متفق ہو گئے جس میں قوم کو کیتھولکی "عقائدِ ستہ" یا ارکانِ دین کے ماننے اور ان پر عمل کرنے کا پابند بنایا گیا تھا۔ ایوانِ زیرین نے بڑے جوش کے ساتھ اسے منظور کیا۔ قانون میں تھا کہ (۱) معجزۂ لحم و دم ثابت ہے۔ (۲) دونوں قسم کی نمازیں یا فرقہ بندی ضروری نہیں (۳) علمائے دین ازدواجی زندگی بسر نہیں کر سکتے ہیں۔ (۴) دوشیزگی کی مَنّت پر قائم رہنا واجب ہے۔ (۵) بلا وقت نمازیں جاری رہنی چاہئیں۔ اور یہ کہ (٦) سماعی اقرارِ گناہ کا طریقہ برقرار رہنا ضروری ہے۔ رُکن اوّل سے انکار کرنے والے کی سزا موت تھی۔ باقی ارکان سے انحراف پر پہلی دفعہ مال کی ضبطی اور دوسری دفعہ سزائے قتل تجویز کی گئی تھی۔ ہینری نے تحریک کی تھی کہ الحاد کے ہر مقدمے میں ملزم کو اس کے الحاد کی نوعیت لکھکر دی جائے اور کھلی عدالت میں مقدمے کی سماعت ہو۔ مگر یہ ترمیمیں قبول نہیں کی گئیں۔ اس قانون کا نفاذ اصلاح طلب فرقے کے حق میں ضرب شدید کا حکم رکھتا تھا۔ اور ان میں سب سے نڈر شخص، لے ٹمر نے اپنی اُسقفی سے فوراً استعفےٰ دے دیا۔ لیکن اس میں کوئی

باب دوم

شبہ نہیں کہ یہ قانون اہل انگلستان کی عام راے کا آئینہ تھا جو روم سے قطع تعلق چاہتے کے باوجود پرانے عقائد کو بجنسہ قائم رکھنے کے آرزومند تھے۔ ۳۰ جولائی ۱۵۴۰ء کے دن چھ پادریوں کو سزا ملی جو بطور مثال ذکر کے قابل ہے۔ ان میں سے تین تو اس بنا پر غدار قرار پائے کہ بادشاہ کی کلیسائی سیادت سے انکار تھا اور تین پروٹسٹنٹوں کو پارلیمنٹ نے اسی سزا کا مستوجب اس لئے قرار دیا کہ وہ "اس قدر الحاد کے مرتکب تھے، جس کی تکرار محال تھی" انھیں اسمتھ فیلڈ میں دو دو کر کے گھسٹتے ہوئے تختوں پر لایا اور مروا دیا گیا۔

سیاسیات خارجہ

جب سے اصلاح کی تحریک کا چرچا ہوا اسی وقت سے ممالک خارجہ کی سیاسیات میں بھی وہی فرقہ بندی پیدا ہو گئی جو مذہبی معاملات میں تھی۔ چنانچہ زیادہ آزاد طالبان اصلاح تو یہ چاہتے تھے کہ انگلستان کا ممالک یورپ کی اصلاحی تحریک سے تعلق ہو جائے اور ان کے مخالفین بالکل الگ رہنے کے خواہش مند تھے۔ ۱۵۳۰ء میں جرمن مصلحین نے باہمی دفاع کی غرض سے انجمن "شمال کلڈن" قائم کی اور ۱۵۳۹ء میں توقع تھی کہ اس کے شہر کا شاہ فرانسس سے اتحاد کر سکیں گے اور اگر ہینری بھی شریک ہو جائے تو بیرونی حملے کا سارا خوف دُور ہو سکتا تھا۔ کروم ویل نے بڑے زور سے بادشاہ کو یہ مشورہ دیا اور بادشاہ رضامند ہو گیا۔ نیز قرار پایا کہ شہزادہ کلیوز کی بہن، این سے شادی کر کے اس اتحاد کو مزید قوت پہنچائی جائے۔ یہ شہزادہ شمالی رہائن کی نہایت باموقع ریاست کا مالک تھا جو جرمانیہ کی پراٹسٹنٹ ریاستوں کو فرانس اور نِدرلینڈز سے ملاتی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ شادی کی گفتگو تکمیل کو نہ پہنچی تھی کہ عام اتحاد کی تجویز ہی غارت ہو گئی۔ اس پر بھی ہینری نے شادی کی ٹھان لی اور چونکہ اُس سے کہا گیا تھا کہ این خوبصورت لڑکی ہے، لہٰذا شادی کا بہت مشتاق رہا۔ لیکن این انگلستان آئی تو حد درجے معمولی صورت کی نکلی اور گو ہینری نے شادی کی رسم ادا کی مگر بہت جلد طلاق پر آمادہ ہو گیا۔ طلاق کی جو صورت نکالی گئی وہ علمائے دین کے لئے کمال شرم کا موجب تھی مگر معلوم ہوتا ہے خود این وظیفے کے عوض میں خوشی سے شوہر کے

ہاتھ سے جانے پر رضامند ہو گئی اور مدت دراز تک انگلستان میں ہنسی خوشی زندگی بسر کرتی رہی۔

اتحاد کی ناکامی اور بادشاہ کی شادی سے بیزاری نے کروم ویل کا بھی خاتمہ کر دیا۔ کچھ عرصے سے اس کا اقتدار متزلزل نظر آتا تھا۔ پرانے امرا سے وُلزے سے بھی زیادہ نفرت سے دیکھتے تھے اور بادشاہ کی نظر عنایت بدلنے کے آثار نظر آتے ہی اس پر ہر طرف سے حملے ہونے لگے۔ کچھ روز پہلے کروم ویل نے حکام عدالت سے استفسار کیا تھا کہ آیا "خرابیٔ خون" کا قانون ایسے شخص کی نسبت نافذ کرنا جسے صفائی میں کچھ کہنے کا موقع ہی نہ دیا گیا ہو، قانوناً جائز ہو گا۔ اہل عدالت نے اثبات میں جواب دیا تھا اور یہی رائے خود اس کے خلاف کام میں لائی گئی۔ شہزادہ نارفک اور گارڈینر نے حملے کا آغاز کیا۔ غداری کا الزام ثابت کرنا کچھ آسان نہ تھا لیکن کھینچ تان کر کے دکھایا گیا کہ وہ اپنے منصب سے بڑھ کر کام کرتا رہا اور اس نے حقوق شاہی میں دست اندازی کی اور اسی الزام پر "خرابی خون" کا فتویٰ دے کر جولائی ۱۵۴۰ء میں اس کا سر قلم کرا دیا گیا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ کروم ویل نہایت لائق آدمی اور انگلستان کا پہلا غیر کلیسائی مدبر تھا۔ اقتدار کے دس برس تک اسے ہینری کے مزاج میں بڑا رسوخ حاصل رہا اور امرا اسے بجا طور پر اپنا سب سے سخت دشمن سمجھتے رہے۔ کروم ویل کے بعد اس کے بھانجے رچرڈ ولیمز نے یہ نام اختیار کیا اور وہی انگلستان کے مشہور سپہ سالار، محافظ مملکت کروم ویل کا سکڑ دادا تھا۔

کروم ویل کا خاتمہ

دراصل جو اسباب قانون عقائد ستہ کے نافذ ہونے کا موجب ہوئے، کروم ویل کی معزولی کو بھی انھی کا ایک ظہور کہہ سکتے ہیں۔ اسی

رجعت کی دوسری علامت یہ تھی کہ بادشاہ نے نارفک کی بھتیجی اور ایڈمنڈ ہاورڈ کی بیٹی کیتھرائن سے عقد کرلیا جس کا باپ ۱۵۱۳ء میں مارا گیا تھا[1] بدنصیبی سے دو سال کے بعد یہ بات پوری طرح ثابت ہوگئی کہ شادی سے پہلے اور بعد میں بھی اس کا چلن اچھا نہیں رہا۔ چنانچہ قتل کرادی گئی اور پھر زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ بادشاہ نے نواب تے مُر کی بیوہ کیتھرائن پار سے شادی کی وہ بہت اچھی اور محل شناس خاتون تھی اور ہینری کی آخری عمر میں نہایت عمدہ بیوی ثابت ہوئی۔

بادشاہ کی آخری دو شادیاں

ہینری کے عہد میں شاہی علاقوں میں بعض قابل ذکر تبدیلیاں ہوئیں۔ اب تک ویلز اور چیشیر کی ریاست سے پارلیمنٹ میں کوئی مبعوث نہ بھیجا جاتا تھا

[1] ہاورڈ خاندان کا شجرۂ نسب:

- جان ہاورڈ (جو امیر کبیر نارفک بنایا گیا)
  - ٹامس امیر سرے (فاتح فلوڈن۔ جس پر یہ منصب بحال کیا گیا)
    - ٹامس شہزادہ نارفک
      - ہینری امیر سرے (مقتول)
        - ٹامس امیر کبیر نارفک (مقتول)
    - ایڈمنڈ ہاورڈ (مقتول)
      - کیتھرائن ہاورڈ (ہینری کی پانچویں بیوی)
    - ولیم ہاورڈ (امیر افنگہم بنایا گیا)
      - چارلس (منجھلا بیٹا جس نے ہسپانی بیڑے کو شکست دی اور امیر ناٹنگھم بنایا گیا)
    - الزبیتھ ہاورڈ (زوجہ ٹامس بولین)
      - این بولین (ملکہ ہینری ہشتم۔ جو ۱۵۳۶ء میں قتل کرائی گئی)

ویلز اور آئرستان

۱۵۳۶ء میں یہ تفریق دُور کر دی گئی۔ ویلز سے ۲۴، چیشائر سے ۴ اور مونمتھ شر سے تین مبعوث شریک پارلیمنٹ ہوئے۔ ویلز کے پرانے اضلاع وسیع کر دیئے گئے اور پانچ نئے اضلاع ڈین بی، ریڈ نور، منگمری، بریکن اور مون متھ قائم ہوئے۔ شمالی اضلاع کی طرح یہاں بھی ایک مجلس بنائی گئی جس کا مستقر لڈلو تھا۔ اس کا سرکاری صدر نشین مقرر رہا۔ مجلس ویلز کی عدالتوں کے مرافعوں کی سماعت کرتی اور عام انتظام کی نگراں تھی۔ آئرستان میں ایک سے زیادہ ہنگامے اور فساد ہوئے لیکن ۱۵۳۶ء میں جب عام طور پر پکڑ پکڑ کے لوگ قتل کئے گئے تو شورہ پشت فٹز جیرلڈ خاندان کی کمر ٹوٹ گئی اور ۱۵۴۲ء میں ہینری نے والی کی بجائے شاہ آئرستان کا لقب اختیار کیا تو یہ ملک تختِ انگلستان سے ایک قدم اور نزدیک تر آ گیا۔

اسکاٹ لینڈ

انگلستان و اسکاٹ لینڈ میں معرکہ فلوڈن کے بعد سے اب تک (یعنی ۱۵۴۲ء تک) کوئی باقاعدہ جنگ تو نہیں ہوئی لیکن سرحد کے امرا میں برابر کشت و خون کا سلسلہ جاری رہا اور انگریز یہ کوشش بھی کرتے رہے کہ وہاں اندرونی جھگڑے کھڑے کر کے ملک کو کمزور کر دیں۔ امید تھی کہ نوجوان بادشاہ جیمس پنجم اپنے ماموں (ہینری) کا دوستدار ثابت ہوگا لیکن وہ جوان ہوا تو دل و جان سے فرانس کا حلیف بن گیا اور پہلے شاہ فرانس کی بیٹی اور پھر وہیں کے علاقہ گیز کی امیر زادی میری سے شادی کی۔ نتیجہ یہ کہ سرحدی نزاعیں اور شدید ہوگئیں اور ۱۵۴۲ء میں جیمس خود فوج لے کر سرحد کی طرف آیا۔ ادھر سے انگریزی کسانوں کی فوج مقابلے میں پہنچی لیکن اسکاٹ لینڈ کے امرا نے بادشاہ کے مقربوں سے ناراضی ظاہر کرنے کا یہی وقت پسند کیا اور سولوے موس میں انگریزوں کے سامنے آتے ہی اسکوٹی سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ جیمس کا دل ٹوٹ گیا اور اسی غم میں وہ بہت جلد مر گیا اور تخت کی وارث اس کی بیٹی میری ہوئی جو چند ہفتے کی شیر خوار بچہ تھی۔ اس انقلاب سے ہینری نے فوراً فائدہ اٹھایا

اور تجویز کی کہ یہ شیر خوار ملکہ اُس کے فرزند ایڈورڈ سے منسوب کر دی جائے انگلستان کے طرفداروں نے طبعاً اس تجویز کو پسند اور فرانسیسی گروہ نے ناپسند کیا جن کی موروثی حکمت عملی ہی یہ تھی کہ اسکاٹ لینڈ کو انگلستان سے برسرپیکار رکھا جائے۔ اس گروہ کی مخالفت کے باوجود ۱۵۴۳ء میں شادی کا عہد نامہ مرتب ہو گیا تھا لیکن کارونیال بیٹن اور دو حامیان فرانس نے بیوہ ملکۂ میری (دگیزیہ) کے سازباز سے اس میں بہت سی مشکلات پیدا کیں اور بالآخر اُن کی بات چل گئی اور اسکاٹ لینڈ کا فرانس سے اتحاد ہو گیا۔ تب ہینری نے خود جنگ کا اقدام کیا۔ شہنشاہ اس کا حلیف بن گیا تھا اور فرانس پر فوج کشی میں خود ہینری شریک تھا۔ ایک طرف تو انگریزی فوج نے شہر بولون کو تسخیر کر لیا جس کی بہت دن سے طمع تھی اور دوسری طرف سمندر کے راستے ایک فوج اسکاٹ لینڈ میں اتاری گئی جس کے سردار، ہینری کا برادر نسبتی، ایڈورڈ سیمور (امیر ہارٹ فرڈ) اور جان ڈوڈلی تھے۔ ڈوڈلی، لزلی کا نواب اور ہینری ہفتم کے پرانے وزیر کا بیٹا تھا۔ یہ حملہ آور لیتھ پر لنگر انداز ہوئے اور ایڈنبرو کو انھوں نے آگ لگا دی مگر کوئی اور کام نہ کر سکے۔ بارے اس سبق نے فرانسیسی گروہ کا رسوخ زائل کر دیا اور ۱۵۴۶ء میں کارونیال بیٹن ایک خونی کے ہاتھ سے مارا گیا۔

سکے کی کم عیاری

اواخر عہد میں مالی مشکلات نے بادشاہ سے بڑی بھاری غلطی کا ارتکاب کرایا۔ خانقاہوں کی اراضی مُلکی مصالح کی بنا پر عموماً بہت کم قیمت فروخت کر دی گئی تھیں اور ان کا روپیہ فوراً خرچ میں آ گیا تھا۔ جنوبی سواحل پر حملے کی طویل تیاریوں نے اور پھر فرانس و اسکاٹ لینڈ کی فوج کشی نے ملک کے مداخل پر بڑا بار ڈالا اور ان دشواریوں میں حکومت نے سکے کا عیار کم کر دینے کی وقتی مگر نقصان رساں تدابیر اختیار کی۔ مدت دراز سے انگریزی سکے کی ساکھ قائم تھی۔ ہینری ثانی و ثالث اور ایڈورڈ اوّل و ثالث کے عہدوں میں اس کا عیار بدلا گیا اور ایڈورڈ ثالث کے زمانے سے اسے برابر قائم رکھا گیا تھا۔ دارالضرب کا قاعدہ یہ تھا کہ بارہ آونس (=۳۰ تولہ)

چاندی میں کوئی نو تولہ بھرت کی آمیزش کی جائے کہ سکّہ کافی پائے دار ہوسکے۔ برخلاف اس کے ۱۵۴۳ء میں آمیزش کی مقدار پانچ تولے اور ۱۵۴۶ء میں ۳۰ تولے چاندی میں ۲۰ تولے تک کر دی گئی۔ اس طرح سرکار کے قرض خواہوں کو تو ہینری نے دھوکا دے کے اپنی جان چھڑائی لیکن ملک کی تجارت پر اس کا نہایت مضر اثر پڑا۔ دُور کے خریداروں سے لین دین غیر ممکن ہوگیا کیونکہ سکّے کی اصلی قیمت کا کوئی اعتبار نہ تھا۔ کھرے سکّے لوگوں نے چھُپا چھُپا کے جمع کرنے شروع کئے یا ملک سے باہر بھیج دیئے اور صرف ناقص سکّے رہ گئے۔ عام معاشرت پر سکّے کی خرابی کا جو اثر پڑا وہ تجارت کے نقصانات کی نسبت کم سنگین نہ تھا۔ اجناس کی قیمتیں بہت چڑھ گئیں اور جیسا کہ عام قاعدہ ہے، مزدوری کی شرح اتنی تیز نہ بڑھی بلکہ قریب قریب وہی رہی جو پہلے تھی اور اس سے مزدوری پانے والوں کو بڑی مصیبت پیش آئی قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ شہروں میں فاقہ کشی اور دیہات میں قزّاقی اور گداگری کی نوبت آئی۔

تحریک اصلاح کلیسا

ہینری ہشتم کے آخری زمانے میں مذہبی معاملات کا رنگ یہ رہا کہ اصلاحِ کلیسا کے حامی اور مخالف برابر کشمکش کرتے رہے اور کبھی ایک فریق غالب آجاتا تھا، کبھی دوسرا۔ گارڈنر کا گروہ عقائدِ ستّہ کے قانون سے ملاحدہ کے خلاف کام لینے میں کامیاب رہا اور ۱۵۴۶ء میں خود ملکہ ایک سہیلی اور مشہور خاتون این ایس کیو زندہ جلائی گئی۔ ۱۵۴۳ء میں انھوں نے انجیل کا کسانوں، کاریگروں اور پھیری والوں، نیز غالی خاندان عورتوں کے سوا عام عورتوں کو سنایا جانا بھی حکماً رکوا دیا۔ دوسری طرف دیکھئے تو حامیانِ اصلاح کو ایک بڑی کامیابی مذہبی احکام و رسوم کو انگریزی میں مرتّب کرنے کے سلسلے میں حاصل ہوئی۔ عہدِ اصلاح تک ملک بھر میں نماز وغیرہ کے احکام کی کوئی کتاب یا دستور العمل نہ تھا۔ مختلف علاقوں میں مختلف طریقے رائج تھے اور زیادہ تر سارم، لنکن، بنگور۔ اور ہیریفرڈ کے دستور العمل کی پیروی

کی جاتی تھی۔ لیکن ۱۵۳۶ء ہی میں، بعض ارکانِ ایمان کے ساتھ شرعِ دعائے خداوندی، اور احکامِ عشرہ انگلستان میں شائع کر دئے گئے۔ اور کچھ عرصے تک جمود کے بعد ۱۵۴۴ء میں خود بادشاہ نے جلوس کے موقعوں کی دعائیں جو اب تک مروج ہیں، تیار کیں اور عجب نہیں کہ خود ہی ان کا ترجمہ کیا ہو۔ آئندہ سنہ میں صبح، شام اور تدفین موتی کی دعائیں شائع ہوئیں کہ کلیسائی اوراد کی بجائے ان سے کام لیا جائے۔ ۱۵۴۵ء میں ہینری کی صحت جلد جلد بگڑنے لگی اور ہر فریق ریشہ دوانی کرنے لگا کہ ایڈورڈ کی صغرسنی کے زمانے میں اقتدار ہمارے ہاتھ میں آجائے۔ خود ہینری کو فکر تھی کہ ہاورڈ خاندان کے لوگ مسلط ہو جائیں کیونکہ وہ قدیم امرا اور اصلاح کلیسا کے مخالفوں کے سرگروہ تھے اور اندیشہ تھا کہ ان کا بس چلے گا تو ہینری کا کیا دھرا بہت کچھ غارت کر دیں گے۔ امیر کبیر نارفک کی دیرینہ تجربہ کاری اور نمک حلالی سے تو یہ امید نہ تھی کہ وہ کسی سازش میں شریک ہوگا لیکن اس کا بیٹا ہینری (امیر سرے) جو عمدہ شاعر ہونے کے ساتھ بہت بے قابو، آتش مزاج آدمی تھا، اپنے خاندان کو برسرِ عروج لانے کا یقیناً ساز باز کر رہا تھا۔ شاہ ایڈورڈ (تائب) کی توقیع استعمال کرنے کا اُسے قانوناً حق تھا مگر جب یہ نشان اس نے اپنی ڈھال پر ایسی جگہ بنوایا، جس سے ثابت ہو کہ وہ براہ راست بادشاہ کی اولاد میں ہے، تو اس وقت شبہات پیدا ہوئے اور وہ اور اس کا باپ گرفتار کر لئے گئے اور معقول شہادت کی بنا پر ان کے لئے خرابیٔ خون کا فیصلہ صادر ہوا۔ سرے کا تو اسی وقت سر قلم کرا دیا گیا مگر یہ ٹھیک معلوم نہیں کہ اگر خود ہینری فوت نہ ہو جاتا (۱۵۴۷ء) تو نارفک کا کیا حشر ہوتا۔

ہینری کی سیرت

ہنری ہشتم کی سیرت ہمیشہ سے اہلِ تاریخ کا بہت دلکش موضوع رہی ہے بعض مبصر تو اسے نفسانی خواہشوں کا غلام اور اول درجے کا شریر النفس بتاتے ہیں اور بعض کے نزدیک وہ ایک نازک زمانے میں وطن کا لائق رہنما تھا۔ اس کی بادشاہی سیرت کا سب سے قوی وصف یہی ہے کہ ہر موقع پر اس کے خیالات عام اہلِ وطن کی حد نظر کا

سچا مظہر تھے اور انگریز قوم کے جملہ کامیاب سرداروں کی یہی خصوصیت رہی ہے۔ کلیسائی ضوابط کی اصلاح، رومہ سے قطع تعلق اور خانقاہوں کی موقوفی کے معاملے میں یقیناً وہ اپنے زمانے کی آرزوؤں سے آگے بڑھا ہوا نہ تھا۔ اس نے انجیل کے ترجمے کی اجازت دی تو درحقیقت یہ ایک ایسی طلب کو پورا کرنا تھا، جو مذہبی سختی اور تشدد سے بہ مشکل دب سکتی تھی۔ بہ خلاف اس کے جب الحاد پھیلنے کے خوف سے وہ عقائد ستہ کے قانون یا انجیل کی عام سماعت کو روکنے کا موید ہوگیا تو اس وقت بھی وہ انگریز قوم کے اس وصف کے مطابق چل رہا تھا کہ پرانے راستوں کو بے سوچے سمجھے نہ چھوڑا جائے۔ غرض اپنی خوبیوں اور کمزوریوں، دونوں کے لحاظ سے وہ سرتاپا انگریز آدمی تھا اور اصلاح کلیسا کی تحریک یہاں وہ افراط وتفریط پیدا نہ ہونے پائی جیسی جرمانیہ، فرانس اور اسکاٹ لینڈ میں ہوی تھی، تو اس کا سبب لازماً یہی قرار دینا پڑے گا کہ انگلستان پر ہنیری ہشتم کی حکمرانی تھی جو اس تحریک کو ان راستوں پر لے چلا جو غیر کلیسائی طبقے کے معتدل افراد کی رائے کے موافق تھے

مشہور واقعات

معرکہ فلوڈن	۱۳ ۱۵ء
مسئلہ طلاق کی ابتدا۔	۲۷ ۱۵ء
قانون سیادت کا نفاذ۔	۳۴ ۱۵ء
چھوٹی خانقاہوں کا توڑا جانا۔	۳۶ ۱۵ء
ویلز کا انضمام۔	۳۶ ۱۵ء
دسفر رحمت (یا) مسافرین فی سبیل اللہ۔	۳۶ ۱۵ء
بڑی خانقاہوں کی تحویل۔	۳۹ ۱۵ء
قانون عقائد ستہ۔	۳۹ ۱۵ء
کرومویل کا خاتمہ۔	۴۰ ۱۵ء
سکے کی کم عیاری۔	۴۳ ۱۵ء

باب سوّم

ایڈورڈ ششم ۱۵۴۷ء تا ۱۵۵۳ء

ولادت: ۱۵۳۷ء

معاصرین:-

شہنشاہ .... چارلس پنجم

اسکاٹ لینڈ .... میری

فرانس ہینری ثانی

ہینری ہشتم نے وصیت کی تھی کہ سلطنت کا وارث اس کا بیٹا ایڈورڈ ہو جو جین سیمور کے بطن سے تھا۔ اور اس کے لاولد فوت ہو جانے کی صورت میں بیٹیاں، میری اور ایلزبتھ (علی الترتیب) وارث سمجھی جائیں۔ اگر ان سے بھی سلسلہ نہ چلے تو بہن، میری بیگم سفک، کی اولاد میں تاج و تخت منتقل ہو جائیں۔ مگر دوسری بہن، مارگریٹ، ملکہ اسکاٹ لینڈ، کی اولاد کو

وراثت سے محروم کر دیا تھا جب ہینری مرا تو ایڈورڈ صرف نو برس کا تھا اور سنِ رُشد کو پہنچنے کے لئے سولہ سال کی عمر درکار تھی۔ اس وقت تک ملک کا انتظام کرنے کے لئے وصیت میں اوصیا کی ایک جماعت کے نام بھی تحریر تھے جنھیں ہینری نے بہت غور و احتیاط سے منتخب کیا تھا وراس کے نزدیک جو لوگ سخت اور بے قابو مزاج کے تھے اُنھیں شامل کیا تھا نیز نئے اور پرانے دونوں عقائد کے اشخاص جمع کئے تھے تاکہ بیٹے کے زمام سلطنت ہاتھ میں لینے تک خود ہینری کی معتدل حکمت عملی قائم رہے۔ مجلس اوصیا کے قابلِ ذکر

مجلس اوصیا

افراد یہ تھے۔ ہارٹ فرڈ لزلی، کرینمر اور پیجٹ، جو نئے خیالات کے وکیل تھے۔ صدر اعظم، ریوتھس لی، سر اینٹینی براؤن اور ٹنس ٹل (اسقف ڈرہم) جو مراسم قدیم کے دلدادہ تھے مجلس کے شرکا میں سے کسی کو بھی دوسروں پر تقدیم و فضیلت حاصل نہ تھی تاکہ مجلس کے افعال کی ذمہ داری سب پر عائد ہو۔ تاہم ہینری کو زیادہ اعتماد ہارٹ فرڈ اور پیجٹ پر تھا اور زندگی کے آخری دو دن میں سارا وقت اس نے انھی کو جوش و شوق کے ساتھ نظم و نسق کے متعلق اپنے خیالات سمجھانے میں صرف کیا۔

لیکن ہینری کی آنکھ بند ہوئے دیر نہ ہوئی تھی کہ ہارٹ فرڈ اور

ہارٹ فرڈ، نگراں مقرر ہوتا ہے

پیجٹ ہی نے شاہ متوفی کا انتظام الٹ پلٹ کر دینے کی کوشش شروع کی۔ صدر اعظم مخالفت کرتا ہی رہا۔ انھوں نے دوسرے اوصیا کو رضامند کر لیا کہ مُلک کی بہتری اسی میں ہے کہ انتظام شخصِ واحد کے ہاتھ میں رہے اور ہارٹ فرڈ، نگران یا امیر سلطنت اور بادشاہ کا اتالیق مقرر کر دیا گیا۔ پھر اوصیا نے اعلان کیا کہ شاہ متوفی ان میں سے اکثر اشخاص کو رتبۂ امارت اور کلیسای اراضی کی معافیاں عطا کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ہارٹ فرڈ، سمرسٹ کا امیر کبیر، اس کا بھائی ٹامس، نواب سیمور۔ نواب لزلی امیر وارک۔ اور ریوتھس لی۔ امیر ساوتھیمٹن بنایا گیا۔ دو مہینے بعد ریوتھس لی ایک غلطی کی پاداش میں عہدے سے معزول ہو تو ہارٹ فرڈ

نے خردسال بادشاہ سے کہ کر خود اس کی جانب سے بھی محافظِ سلطنت کا مرتبہ حاصل کرلیا۔

ہارٹ فرڈ اپنے زمانے کی سب سے ممتاز ہستیوں میں داخل ہے سپہ گری کی تھوڑی بہت قابلیت کے ساتھ وہ نہایت جری اور فیاض مزاج آدمی تھا۔ غریبوں کے ساتھ ہمدردی اور بڑے بڑے کام کرنے کا حوصلہ رکھتا تھا۔ لیکن جو مرتبۂ بلند اس نے حاصل کیا، اس کے مطابق تدبر و عاقبت اندیشی نہ تھی اور وہ ارباب سیاست کے اس گروہ میں داخل تھا جن کی نسبت فریڈرک اعظم نے لکھا ہے کہ وہ ہمیشہ پہلے قدم کی بجائے اول دوسرا قدم اٹھایا کرتے ہیں۔

مذہبی حکمت عملی

ہارٹ فرڈ کی یہ کمزوری مذہبی معاملات ہی کے حل کرنے میں ظاہر ہوگئی۔ ہنری ہشتم نے ہمیشہ یہ مسلک اختیار کرنے کی کوشش کی کہ دونوں مخالف فریقوں کے وسط میں رہے اور اسے امید تھی کہ ایڈورڈ کے سن بلوغ کو پہنچنے تک اس کے اوصیا بھی اسی اصول پر کاربند رہیں گے۔ بہ خلاف اس کے، نئے نگران سلطنت نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ ملک تغیر کے لئے تیار ہے اور اس کا کوئی اندازہ نہ کیا کہ جو بات لندن اور بندرگاہوں میں مقبول عوام ہے بہت ممکن ہے کہ اضلاع و دیہات کے بطی الذہن لوگوں کو بالکل پسند نہ آئے۔ اور اسی غلط فہمی کی بنا پر انتظام ہاتھ میں لئے دیر نہ ہوی تھی کہ عمال کی ایک جماعتِ خاص روانہ کی کہ تمام گرجوں کی مورتیں توڑ ڈالے اور دیواروں کی تصویروں پر سفیدی پھروا دی جائے۔ دعاخوانی کا طریقہ بھی مسدود کر دیا گیا اور حکم ہوا کہ نمازیں انگریزی زبان میں پڑھائی جائیں۔ لندن میں تو ان عمال کی خاصی آؤ بھگت ہوی لیکن دیہات میں دوسرا رنگ تھا۔ اور ان عمال کے نوکروں نے جیسی سخت بے ادبی سے احکام کی تعمیل کی، اس نے معاملہ اور بھی خراب کر دیا۔ وہ مذہبی لباس پہنے دیہات میں گشت لگاتے نظر آتے تھے اور ان مورتوں اور تصویروں کو جو نسل ہا نسل سے اس حلقے میں کمال عقیدت کے ساتھ

پوجی جاتی رہی تھیں، گھسیٹ گھسیٹ کے لاتے اور بیہودہ سوانگ بنا بنا کے آگ میں جلا ڈالتے تھے۔ یہ حد درجے نادانی کی حرکتیں تھیں۔ دیہات میں ابھی تک اصلاح کلیسا کی تحریک خفیف ردّ و بدل کے مرادف تھی لیکن تبرکات اور بتوں کا برباد ہونا، اور لاطینی مناجات سرائی (جس کے لئے انگلستان مشہور تھا) کی بجائے انگریزی میں نماز خوانی سے دیہاتیوں کو معلوم ہوا کہ کتنا بڑا فرق پیدا کیا جا رہا ہے اور وہ بہت مشتعل ہو گئے۔

صنعتی انجمنوں کی ضبطی

ادھر حکومت نے حماقت سے اسی زمانے میں شہروں کے اہل حرفہ کو آزار پہنچایا۔ شرح اس کی یہ ہے کہ شہروں میں صنعتی انجمنیں نہایت باوقعت جماعتیں تھیں ان کی ابتدا نارمن فتوحات سے بھی پہلے ہوی اور اب یہ انگلستان کے تمدن کا جزو لاینفک نظر آتی تھیں۔ ان کی قسمیں مختلف تھیں بعض ممتاز تاجروں کی باقاعدہ انجمنیں تھیں۔ بعض کی نوعیت محض ہم پیشہ لوگوں کے گروہ کی تھی جیسے جلاہوں یا رنگریزوں کی انجمن، اگرچہ ان میں مزدور اور کارخانہ دار دونوں شامل ہوتے تھے۔ بعض مشترک اغراض کی بنا پر مرتب ہوی تھیں، جیسے راگ سکھانے کی انجمن۔ تجارتی تنظیم کے علاوہ یہ انجمنیں اور بھی مفید کام انجام دیتی تھیں۔ اس زمانے کی بیمہ یا امداد کرنے والی جماعتوں کی مثل وہ اپنے بیمار شرکا کی مدد کرتیں، بچّوں کو تعلیم دلواتیں، مزدوروں کی جو اتفاقی حادثات سے مصیبت میں آجائیں دستگیری کرتیں، بیوگان کو وظیفے دیتیں، موتیٰ کے کفن دفن کا انتظام، اور مُردوں کے لئے دعائے مغفرت وغیرہ کے مصارف ادا کرتیں اور یوں بھی لوگوں کے میل جول شادی بیاہ میں بہت کچھ حصّہ لیتی تھیں۔ ہر انجمن کے تیر تہوار پر اہل انجمن تفریح و تفنن کے لئے جمع ہوتے اور یارک وغیرہ اکثر مقامات میں ان موقعوں پر سانگ تماشے جلوس وغیرہ نکالے جاتے تھے نارفک ہی میں نوسو نو اور بوڈمن کی چھوٹی سی بستی میں اڑتالیس انجمنیں تھیں۔ ان انجمنوں نے رفتہ رفتہ کافی سرمایہ بہم پہنچا لیا تھا اور دعا کے مصارف اسی سے ادا ہوتے تھے۔ نئے نگران ملک نے پارلیمنٹ سے مبعوثین کو جو یقیناً خود کسی انجمن سے وابستہ نہ ہوں گے،

ترغیب دی کہ انجمنوں کی مال متاع ضبط کرنے کا قانون نافذ کریں۔ لیڈن کی تجارتی شرکتیں اتنی با اقتدار تھیں، کہ ان میں دست اندازی کی جرات دشوار تھی، لہذا ان کو مستثنی کر دیا گیا۔

اسکاٹ لینڈ

اسکاٹ لینڈ کے متعلق بھی ہارٹ فرڈ نے ایسی ہی ناعاقبت اندیشی سے کام لیا۔ ہینری خوب جانتا تھا کہ ایڈورڈ اور میری کا مجوزہ پیوند جس قدر اہمیت رکھتا ہے اسی قدر احتیاط سے کام کرنے کا متقاضی ہے اور دوسرے یہ کہ اسکاٹ لینڈ کے انگریزی گروہ کو ہر ممکن طریق سے تقویت پہنچانا ضروری ہے۔ ہارٹ فرڈ نے ان دونوں اصولوں سے اعراض کیا۔ اوّل تو اس نے کلیسائی جماعت کو فرانسیسی مدد سے قلعہ سینٹ اینڈروز فتح کر لینے دیا، جہاں کارڈینال بیٹن کے قاتل مقابلہ کئے جاتے تھے، اور اس کے بعد مُلک پر فوج کشی کر کے تمام لوگوں کو سخت ناراض کر دیا۔ وہ اگست میں اسکاٹ لینڈ کی سرحد میں داخل ہوا اور اعلان کیا کہ ۱۵۴۳ء کے معاہدے پر جبراً عمل کرانا مقصود ہے۔ پھر بیڑے کی مدد لیئے ہوئے ساحل ساحل ایڈن برو پر بڑھا۔ اس کی فوج چودہ ہزار پیادہ، ۴ ہزار سوار اور پندرہ توپوں پر مشتمل تھی، اسک ندی کے پار (ایڈن برو کی طرف) مسل برو کے قریب اسکوٹی فوج مورچہ بند ملی جس میں ۲۵ ہزار سپاہی تھے۔ اس مقام پر ندی زاویۂ قائمہ بنا کر کھاڑی میں جا گری ہے اور گو وہ پایاب تھی، تاہم کنارے اتنے پھسلوان

معرکۂ پنکی

اور ناہموار تھے کہ سوار و توپ خانہ پُل پر سے آنے کے سوا، ندی کو عبور نہ کر سکتے تھے اور یہ پل دہانے سے صرف چوتھائی میل کے فاصلے پر بنا ہوا تھا۔ انگریز سپہ سالار نے پل سے تقریباً دو میل دُور پڑاؤ ڈالا اور اسکوٹوں کے مقابلے میں ندی عبور کرنے کی دشواریوں پر غور کر رہا تھا کہ حریف نے اس کا ٹھیر جانا خوف زدہ ہو جانے پر محمول کیا اور دوسرے دن خود بڑھ کر حملہ کرنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی اسکوٹی سپاہ پُل اتر کے سیدھی طرف مُڑی کہ انگریزی توپوں کی زد میں نہ آئے اور دلدلی اور مزروعہ اراضی سے گزر کر فاسائڈ برے کا رُخ کیا جو سمندر سے دو میل کے فاصلے پر ایک بلند ٹیکری تھی۔

مگر انگریز ان کا مطلب تاڑ گئے اور پہلے سے ٹیکری پر پہنچ کر توپیں جمادیں۔ اسی کے ساتھ لارڈ گرے نے سوار فوج سے اسکوٹی میمنے پر یورش کی۔ اسکوٹی نیزوں کی ناقابل گزر دیوار نے انگریز سواروں کو پریشانی میں ڈال دیا اور خود گرے مجروح ہوا لیکن اس فتح کی خوشی میں اسکوٹی صفیں بے ترتیب ہوگئیں اور اسی حالت میں انگریز پیادوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ اسکوٹوں کو کامل شکست نصیب ہوئی اور کہا جاتا ہے کہ اُن کے مقتولوں کی تعداد تیرہ ہزار سے کم نہ تھی۔ پنکی کی اس لڑائی نے کچھ مدت کے لئے اسکاٹ لینڈ کی جنگی قوت توڑ دی لیکن سیاسی اعتبار سے وہ اُلٹی مضر ثابت ہوئی۔ خود وہ لوگ جو پہلے انگریز بادشاہ سے میری کی شادی کے خلاف نہ تھے، اس ظالمانہ فوج کشی کی بنا پر بیزار ہوگئے۔ ایبر ہنٹ لی نے کہا کہ شادی مجھے ناپسند نہ تھی مگر ڈور سے ڈالنے کے اس طریقے سے نفرت ہوگئی، اور یہ قول اہل ملک کے عام جذبات کا آئینہ تھا۔ اہل اسکاٹ لینڈ کو انگریزی لشکر کشی نے فرانس کی آغوش میں دھکیل دیا۔ شیر خوار ملکہ فوراً سمندر پار پہنچادی گئی اور وہاں ولی عہد فرانس کی منگیتر بن کر تعلیم و تربیت پانے لگی۔ سال آئندہ ہارٹ فرڈ نے فوج بھیج کر ہیڈنگ ٹن پر قبضہ کر لیا اور یہ کئی سال تک انگریزوں کے ہاتھ میں رہا۔

۱۵۴۹ء کے میقات پارلیمنٹ کا قابل ذکر واقعہ وہ بحث ہے جو نئی کتاب ادعیہ کے متعلق ہوئی۔ اسے "ایڈورڈ چہارم کی پہلی کتاب ادعیہ" کہتے تھے اور علما کی ایک جماعت نے جس میں کرینمر و نکولاس ریڈلی اسقف روچیسٹر شامل تھے، اسے ونڈزر میں ملکر مرتب کیا تھا۔ مجلس کلیسا نے پسند کر لیا تو یہ پارلیمنٹ میں پیش کی گئی اور دونوں ایوانوں میں منظوری کے بعد "قانون یکسانی" نافذ ہوا کہ پرانے دستور العمل وغیرہ متروک اور ان کی جگہ یہ کتاب معمولی بنالی جائے یہ کتاب قدیم اوراد و ادعیہ ہی پر مبنی تھی اور زیادہ تر صدر اسقف کرینمر نے اس کا ترجمہ کیا تھا۔ یہ مسئلہ کہ اصول لحم و خون کی مذہب مسیحی میں کیا اہمیت ہے بہت دن تک زیر بحث رہا اور بالآخر ایک بین بین راہ نکل آئی جس میں اختلاف رائے کی کافی گنجائش

ایڈورڈ چہارم کی پہلی کتاب ادعیہ

رکھی گئی تھی اور نہ بالکل قدیم کیتھولکی عقیدے کی پیروی کی تھی نہ جنیوا کے کالوین کے خیالات کی اس نماز کی کتاب کی ۱۶۶۲ء تک چار دفعہ نظر ثانی کی گئی۔ ابتدا میں قدیم رسم و عادت کے خلاف یہ نئی چیز کچھ زیادہ مقبول نہ ہو سکی تھی لیکن اس کی زبان کی لطافت اور سچی عقیدت کی شان نے ایک مدت ہوی کہ اسے کلیسائے انگلستان کے پیروؤں میں نہایت محبوب بنا دیا ہے۔

سیمور کی غداری

پارلیمنٹ کے اسی اجلاسات میں سیمور (امیر سیوڈلی) کی غداری کا مقدمہ طے ہوا۔ اس شخص کی بد اعمالیاں مشہور تھیں اور یوں بھی اپنے بھائی سے وہ ہر طرح کمتر درجے کا آدمی تھا۔ لیکن جاہ طلبی اور سازش میں کسی سے کم نہ ہوگا۔ اوّل تو اس نے شہزادی الزبیتھ سے شادی کی ہوس پکائی اور پھر ہینری کی بیوہ کیتھرائن پار سے چھپ کر شادی کر لی۔ وہ ۱۵۴۸ء میں فوت ہوی تو اس نے دوبارہ وہی منصوبہ باندھا اور الزبیتھ کی نوکروں کو رشوت دی کہ شہزادی کو اس کی جانب مائل کریں۔ علاوہ ازیں امارت بحر کے عہدے سے یہ فائدہ اٹھایا کہ رودبار انگلستان کے بحری قزاقوں سے دوستی قائم کی۔ برسٹل میں اپنے لئے سکہ ڈھلوایا۔ دو توپ سازی کے کارخانے بنوائے۔ ۲۸ توپیں اور تیرہ ٹن گولہ تیار کیا اور ہولٹ کیسل کے دمدمے بنوا کر سامان رسد جمع کیا۔ یہ سب باتیں ظاہر ہوئیں تو ان کی غدارانہ نوعیت میں کوئی شک نہ رہا اور خرابی خون کے فتوے پر سیمور کو موت کی سزا دی گئی۔ لے ٹمر کا قول ہے کہ وہ شریر آدمی تھا اور بہت اچھا ہوا کہ ملک نے اس سے نجات پائی۔

مغرب کے فساد

اس کے بعد مغرب میں فساد بپا ہوا۔ ۱۵۴۹ء کے وہٹ سنڈے کے روز پہلی مرتبہ نئی کتاب ادعیہ کی قرأت ہوی جس سے مخالفت کا طوفان بپا ہو گیا۔ کم سے کم ایک گاؤں میں تو نمازیوں نے جبراً امام سے وہی پرانی دعا پڑھوائی۔ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ شورہ پشت مسلح گروہ کی صورت میں سامنے آئے اور سر پیٹر کیریو کی فتنہ فرو کرنے کی ناکام کوشش نے آگ کو اور بھی بھڑکا دیا۔ انھوں نے دس ہزار کی تعداد میں

اکزیٹر پر چڑھائی۔ پومری اور ارنڈیل اُن کے سرخیل تھے اور مطالبہ یہ تھا کہ ہنیری ہشتم کے شرعی قوائین ورسوم خصوصاً قانون ارکانِ ستہ پھر نافذ کئے جائیں انجیل کا انگریزی ترجمہ ممنوع ہو اور کارڈینال پول واپس بلا لیا جائے۔ یہ لوگ سیدھے لنڈن پر چڑھ دوڑتے تو معاملہ واقعی بہت نازک ہو جاتا کیونکہ اکسفرڈ شر اور برک شر وغیرہ پرگنوں میں بھی ہنگامے بپا ہو گئے تھے۔ لیکن انھوں نے اکزیٹر کے بے سُود محاصرے میں بہت سا وقت کھو دیا اور اگست میں امیر رسل وگرے ڈی ولٹن نے جرمن سپاہیوں کی مدد سے اکزیٹر سے چار میل دُور سنیٹ میری کلِسٹ کے گاؤں میں ان پر حملہ کیا۔ باغی انتہائی پامردی سے لڑے اور گرے نے جو بنکی کے معرکے میں سوار فوج کا سردار تھا، اعتراف کیا کہ ایسی استقامت کبھی نہ دیکھی تھی لیکن آخر میں جرمن گولیاں انگریز کسانوں کی دلاوری پر غالب آگئیں سیمپ فرڈ کورٹنے میں ایک اور معرکے کے بعد ڈیون شر کی بغاوت فرو ہوئی۔ باغیوں کا کل نقصان چار ہزار ہوا۔ مذکورۂ بالا جرمن سپاہیوں کو فوج مستقل کی حیثیت سے حکومت نے ملازم رکھ لیا تھا۔ ارنڈیل اور تین دوسرے باغی سرداروں کو ٹائی برن میں سولی دی گئی۔ رسل کو مغربی اضلاع کی ان خدمات کے صلے میں امیر بیڈ فرڈ بنا دیا گیا۔

مغرب میں یہ کشت وخون ہو ہی رہا تھا کہ مشرقی اضلاع میں ایک تازہ بغاوت پھوٹی۔ نارفک اُن دنوں انگلستان میں ڈیون شر کی گویا ضد سمجھا جاتا تھا۔ وہ غالباً سب سے دولت مند پرگنہ تھا۔ وہاں صنعتی کارخانوں کی سب سے بڑی تعداد تھی اور وہاں کے باشندے اصلاحِ کلیسا کے اتنے حامی تھے کہ انگلستان میں کسی دیہی علاقے کے نہ ہوں گے۔ بخلاف اس کے ڈیون شر زمانے کی نئی زندگی اور چل پل سے بہت دُور ہٹا ہوا تھا اور اپنے پرانے رسم ورواج کا گرویدہ تھا۔ لیکن نارفک میں عوام کو دوسری شکایتیں تھیں۔ بھیڑ پالنے کی ترقی، اور اس کی بدولت کاشتکاروں کی بے دخلی، شاملات کی احاطہ بندی اور زرعی مزدوروں کی مانگ میں کمی سے کوئی پرگنہ اتنے نقصان میں نہ رہا ہو گا جس قدر نارفک۔ اودھر سکّے کی کم عیاری نے

تخفیف شدہ مزدوری کو اور بھی کم قیمت بنا دیا اور انجمنوں کے مال کی ضبطی نے اسباب ناراضی میں اضافہ کر دیا۔ الغرض ۶ر جولائی کو نارج کے قریب لوگوں نے جو اتفاقی طور پر جمع ہو گئے تھے، احاطوں پر ل کر حملہ کیا۔ روبرٹ اور ولیم کیٹ ان کے سرگروہ تھے کیٹ خاندان کے لوگ خاصے خوشحال دبّاغ تھے اور ان کی سرداری میں کسانوں نے ماوس ہولڈ پہاڑی پر باقاعدہ پڑاؤ تیار کیا۔ جنوب میں قصبۂ ناروج اس پہاڑی کے نیچے واقع ہے۔ یہاں انھوں نے کڑیاں ڈال کے جھونپڑے بنائے اور آس پاس کے زمینداروں سے سامان رسد حاصل کیا بلکہ خود ان زمینداروں کو بلا کر بازپرس شروع کی۔ ان کی کارروائی بہت باقاعدہ تھی۔ کشت وخون کی نوبت نہیں آئی۔ صبح شام روزآنہ نمازیں پڑھی جاتیں اور "بلوطِ اصلاح" سے وعظ کہے جاتے تھے۔ پہاڑی پر صرف یہی ایک درخت تھا اور واعظوں میں میتھو پارکر کا بھی نام آتا ہے۔ سلطنت کے نگراں ہارٹ فرڈ دیا امیر کبیر سمرسٹ) کو ایک وقت یہ پیش آئی کہ وہ خود احاطہ بندی کے خلاف رائے ظاہر کر چکا تھا اور ایک تحقیقاتی جماعت بھی مقرر کی تھی کہ اس مسئلے کی چھان بین کرے۔ لہٰذا جبر وتشدد کرنے میں اسے تامل ہوا اور اس نے باغیوں کو سمجھا بجھا کر اپنے گھروں کو روانہ کر دینا چاہا۔ اس کی نیت اچھی تھی مگر کوشش کامیاب نہ ہوئی اور لڑائی چھڑ گئی۔ مجلس اوصیا نے معاملہ اپنے ہاتھ میں لیا اور امیر وارک کو جو اسکاٹ لینڈ کے راستے میں تھا، حکم بھیجا کہ پہلے اس بغاوت کا سدباب کرے۔ اس نے ہدایت پر عمل کیا اور کسان حماقت سے اونچی جگہ چھوڑ کر ڈفن ڈیل کی وادی میں اتر آئے اور بے موقع گھر کر تین ہزار کے نقصان سے بری طرح فرار ہوئے۔ یہ ۲۷ر اگست کا واقعہ ہے۔ کہتے ہیں ایک لغو پیشین گوئی کی بنا پر وہ اس تباہی میں مبتلا ہوئے جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ڈفن ڈیل میں کشتوں کے پشتے لگا دیں گے سرغنوں نے سولی پائی مگر دوسروں کے ساتھ سختی نہیں کی گئی۔

ماوس ہولڈ پہاڑی کی لڑائی۔

دوسرے مشرقی پرگنوں میں بھی چھوٹے موٹے فساد برپا ہوئے اور یہ عام نعرہ کہ

"مار میاں کی گردن" ظاہر کرتا ہے کہ زمینداروں کے خلاف کس قدر خطرناک فریقانہ عداوت پیدا ہوگئی تھی۔

اس تمام ہلچل اور فساد کا الزام زمینداروں اور امیروں نے وارٹ فرڈ کے سر تھوپا اور اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ اس کا نظم و نسق بالکل ناکام رہا۔ فرانس میں وہاں کے بادشاہ آہستہ آہستہ بولون کے مضافات پر قابض ہوگئے اور کوئی روک تھام نہیں کی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس بندرگاہ پر قبضہ رکھنا بہت دشوار و خرچ طلب بن گیا۔ شہنشاہ سے رشتۂ اتحاد مخدوش ہوچکا تھا حالانکہ اب، جب کہ فرانس سے جنگ ٹلی نظر آتی تھی یہ بہت مفید مطلب ہوتا۔ ادھر خود مُلک کی مالی حالت بالکل ابتر تھی۔ اوپر سے نیچے تک سارے سرکاری عمّال غبن میں مبتلا تھے ہینری کے تمام طویل عہد حکومت میں اتنے فساد اور ہنگامے نہ ہوے تھے جتنے ان چھ مہینے میں ہوگئے۔ غرض نگران سلطنت کے زمانے میں جس چیز کو دیکھئے اسی میں خرابی نظر آتی تھی۔ اسی پر دوسرے اوصیا نے ارادہ کرلیا کہ ہینری کی وصیت پر بلفظہٖ عمل کیا جاسے اور امیر کبیر سمرسٹ کو اس کے منصب سے ہٹا دیا جائے۔

سمرسٹ کی معزولی

اس ارادے پر عمل ہونا کچھ سہل نہ تھا۔ اہل مجلس وارک کی سرگروہی میں۔ لندن میں جمع ہوے اور شکایت نامہ مرتب کیا لیکن سمرسٹ بادشاہ کو لیکر ہیمپٹن کورٹ جاچکا تھا اور جب اسے حریفوں کے ارادے معلوم ہوے تو اُس نے ایک اعلان شائع کیا اور عامۃ الناس کو اپنی مدد کے لئے بلایا اور دوسری طرف رسل کو بلوا بھیجا کہ نارفک سے آسے اور بادشاہ کی حفاظت کرے بایں ہمہ اہل مجلس ارادے پر جمے رہے اور ملک بھر میں خط بھیج بھیج کر انھوں نے اصل حالات کی اطلاع دی۔ غالباً یہی استقلال دیکھکر سمرسٹ کی ہمت پست ہوی اور ۱۵۵۰ء میں آدھی رات کو وہ بادشاہ کو گھوڑا دوڑاتا ہوا ونڈزر لے آیا اور وہاں پہنچکر کامل اطاعت قبول کرلی ہم اسے قلعۂ لندن میں لائے اور اُس کی حکمت عملی سے جو خرابیاں پیدا ہوی تھیں، اُن کو لکھ کر اُسی کے قصور کا دستخطی اقبال کرایا۔ پھر اُس کے ساتھ رعایت کی گئی اور دوسرے سال اپریل میں مجلس اوصیا میں لے لیا گیا لیکن اس کی معزولی کے بعد کوئی محافظ نہیں مقرر کیا گیا اگرچہ مجلس میں سب سے زیادہ اقتدار جان ڈڈلی،

باب سوم

امیر وارک کے ہاتھ میں آگیا جو ہینری ہفتم کے پرانے وزیر کا بیٹا تھا۔ ہینری ہشتم کے عہد میں اس سے اکثر خدمات لی گئیں اور سفارت و سپہ سالاری دونوں کاموں میں اُس نے امتیاز حاصل کیا۔ ۱۵۴۲ء میں اسے امارت کا مرتبہ عنایت ہوا اور ۱۵۴۴ء – ۱۵۴۷ء میں اسکاٹ لینڈ میں وہی سمرسٹ کا نائب سپہ سالار رہا اور اپنی مستعدی و کارگزاری میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ نارفک کے باغیوں پر اسکی تازہ فتح اور حکومت میں اس تیز دستی سے تبدیلی کرا دینے کی بدولت وہ ملک بھر میں سب سے ممتاز ہو گیا۔ وہ نپولین کی وضع کے ایسے لوگوں میں تھا جو ہمیشہ عہد انقلاب میں سب سے اوپر آجاتے ہیں۔ وہ لائق، جاہ طلب، بے اصول، لامذہب، نہایت ٹھنڈا اور دور اندیش آدمی تھا اور پوری توجہ سے اپنی اور اپنے خاندان کی بہتری میں سرگرم کار ہو گیا[1]

مجلس اوصیا کو سب سے پہلے سمرسٹ کی بدنظمیاں دور کرنے کی فکر تھی مگر یہ لوگ خود ہی شخصی اغراض میں مبتلا اور ملک سے غافل تھے۔ پچھلے قرضے چکانے کے لئے انھوں نے اور زیادہ روپیہ قرض لیا اور کثیر تعداد میں کم عیار سکے ضرب کرائے یہ فصل کم ہوئی اور قیمتوں میں گرانی پیدا ہوئی تو انھوں نے سرکاری طور پر نرخ معین کر کے

---

[1] ڈڈلی اور سڈنی خاندان کا شجرہ:-

ایڈمنڈ ڈڈلی (وزیر ہینری ہفتم)
جان ڈڈلی
(امیر وارک۔ شہزادہ نارتھمبرلینڈ)

- امیر وارک
- روبرٹ ڈڈلی (امیر لیسٹر بنایا گیا)
- گلڈ فرڈ ڈڈلی (زوج جین گرے)
- میری (زوجہ سر ہینری سڈنی نائب آئرستان)
  - سر فلپ سڈنی
  - روبرٹ سڈنی (امیر لیسٹر)

گرانی کا سدِباب کرنا چاہا مگر اس تدبیر سے کاشتکاروں میں ایسی ناراضی پھیلی کہ بغاوت کے خوف سے بہت جلد یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔ فرانس سے صلح کر لینے میں انھوں نے زیادہ عقل کا ثبوت دیا لیکن یہ صلح بوتون دیکر حاصل ہوئی۔

مذہب

مذہبی معاملات میں سمرسٹ کی معزولی سے اصلاح کلیسا کی تحریک میں ایک نیا دور شروع ہوا۔ غالباً وارک جانتا تھا کہ ہنیری ہشتم کی حکمت عملی کی طرف رجوع کرنا زیادہ مقبول عوام ہوگا لیکن اس کام میں بغیر امیر نارفک اور کارڈونر کی رہائی کے ہاتھ ڈالنا مشکل تھا۔ اور اس خاندانی امیر کے آزاد کرنے سے قدیم امرا کو جو قوت پہنچتی وہ خود اُس کے حق میں سخت مخدوش نظر آتی تھی، لہذا اس نے اصلاح کلیسا کی حمایت کا بیڑا اٹھایا اور بونر وغیرہ قدیم عقائد کے استقفوں کی جگہ ایڈلی (اسقفِ لندن)۔ ہوپر (اسقف گلوسٹر) اور کورڈیل (اسقف اکزیٹر) کو مقرر کیا۔ یہ تینوں پکے (غیر مقلدیا) پراٹسٹنٹ تھے حتیٰ کہ ہوپر تو اس پر بھی مشکل سے آمادہ ہوا کہ کلیسائی جُبہ زیب تن کرے۔ اسی کے ساتھ ملاحدہ کی دار و گیر میں کمی نہیں آئی۔ یہ لوگ عقائد کی آزادی میں حکام سے کئی قدم آگے تھے۔ سنہ ۱۵۵۰ء میں جون بوشے، حلول کے خلاف عقائد رکھنے کی بنا پر زندہ جلایا گیا اور اگلے سال ایک ہولنڈیزی آنابیپٹسٹ (= لااصطباغی) مسمی جارج فان پیرس کا یہی حشر ہوا۔ ان شدید سزاؤں کی ذمہ داری کرینمر پر ہے جس نے ایڈورڈ کو مشکل سے قتل کی منظوری دینے پر آمادہ کیا۔ ادھر مجلس حیران تھی کہ شہزادی میری کے معاملے میں کیا تدبیر کرے جو ابھی تک قدیم نماز و مناجات کی پابندی تھی۔ اسے روکا گیا مگر وہ اڑی رہی اور چونکہ شہنشاہ چارلس بھی اس کی پشت پناہی کر رہا تھا۔ لہذا مجلس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ بادشاہ انگلستان کے خلاف فرانس سے کوئی اتحاد نہ کرے اور انھوں نے شہزادی کے محل کو امتناعی احکام سے مستثنیٰ کر دیا۔

اس عرصے میں امیر کبیر سمرسٹ دوبارہ رسوخ حاصل کرتا جاتا تھا۔ اوصاف ذاتی میں وہ اپنے حریف سے کہیں بہتر آدمی تھا اور اصلاحی عقائد سے

اُس کی دلی گرویدگی نے نئے فرقے کے سچّے پیرووں کو اُس کا شیفتہ و موئّید بنا دیا تھا۔ ۱۵۵۱ء کے سرما میں اس بات کا قرینہ پیدا ہوگیا کہ سمرسٹ کے حامی وارک کو مسندِ اقتدار سے نیچے گھسیٹ لیں گے اور کوئی شبہ نہیں کہ دونو امیر ایک دوسرے کے خلاف سازباز میں مصروف تھے۔ لیکن وارک زیادہ عیّار تھا۔ حریف کے منصوبوں کی اطلاعیں اس کے ہاتھ آئیں تو یکایک سمرسٹ کو غدّاری کے جرم میں گرفتار کرا لیا۔ آخر میں غدّاری کا الزام تو چھوڑ دیا گیا لیکن اس پر حریف کی جان لینے کی سازش صحیح ثابت ہوی اور اسی کی پاداش میں جنوری ۱۵۵۲ء میں سر قلم کرا دیا گیا۔ قتل کے موقع پر جو منظر دیکھنے میں آیا اسی سے سمرسٹ کی غیر معمولی ہر دلعزیزی ثابت تھی۔ جو لوگ جلّادی چبوترے کے قریب تھے انھوں نے دستیاں خون میں تر کر لیں کہ تبرّک کے طور پر محفوظ رکھی جائیں۔ لیکن ایڈورڈ نے اپنے روزنامچے میں سرد مہری سے صرف یہ یادداشت لکھی ہے کہ امیر کبیر سمرسٹ کا صبح آٹھ اور نو کے درمیان ٹاور ہل پر سر قلم کر دیا گیا۔ اسی دن سے وارک جو چند روز قبل امیر کبیر نارتھمبرلینڈ بنایا گیا تھا، عناد و نفرت کا مرجع ہوگیا۔

۱۵۵۲ء میں پارلیمنٹ کا ایک اہم اجلاس ہوا اور اس میں کتاب ادعیہ کی نظرِ ثانی کی منظوری دی گئی۔ نئے نسخے میں جو "ایڈورڈ ششم کی دوسری کتاب ادعیہ" کہلاتی ہے بہت سی اصولی تبدیلیاں کر دی گئی تھیں اور چونکہ یہ پراٹس ٹنٹی عقائد کے مطابق تھیں، لہذا جو لوگ تناسخ جسمی کے قایل تھے، انھیں نئی انجیل کے پڑھنے پڑھانے میں بہت دقت پیش آئی۔ جدید کتاب ادعیہ کے ساتھ ۴۲ ضروری مسائل، بچوں کے یاد کرنے کے سوال و جواب اور روزمرّہ کے احکام شایع ہوئے۔ اور بعض قدیم رسوم ترک کرنے کی ہدایت کی گئی۔ غدّاری کے مقدمات کے متعلق ایک قانون منظور کیا گیا کہ آیندہ کم سے کم دو گواہوں کی شہادت کے بغیر کسی کو سزا نہ دی جائے۔ چند قوانین اُس زمانے کی معاشی مشکلات کے متعلق نافذ ہوئے۔ کمین کسانوں کا جب سے رواج مسدود ہوا اور مزدوروں کی اراضی سے عملاً علیحدگی عمل میں آئی، اس وقت سے مزدوروں کا ایک طبقہ ایسا پیدا ہوگیا جس کی معاش کا انحصار تمام تر محنت کی اجرت پر تھا۔ اگر محنت کا

بے روزگاری

اجرت مل سکے تو پھر اُن کا اور کوئی سہارا نہ تھا اور ہر چند فرض کر لیا گیا تھا کہ ہر شخص کے واسطے جو محنت کرنا چاہے کام مل جاتا ہے لیکن تجربے سے ثابت ہوا کہ یہ مفروضہ صحیح نہ تھا۔ چنانچہ سولھویں صدی کے ارباب لبست و کشاد ہی پہلی مرتبہ "بے روزگاری" کے مسئلے سے دوچار ہوئے۔ انھوں نے اس کا حل یہ تجویز کیا کہ ایک "قانونِ مساکین" کے ذریعے ہر حلقے میں باقاعدہ چندہ کرایا اور ایک تحقیقاتی جماعت مقرر کی کہ زراعت کے احیا کی تدابیر بتائے۔ مگر اسی زمانے میں ایک عملی تجویز پیش کی گئی جس سے رنگسازی انگلستان کی ایک بڑی صنعت بن سکتی تھی تو اس پر انھوں نے اعتنا نہ کی اور ساتھ ہی سود در سود کے قدیم امتناعی قوانین کی تجدید کی اور ایسی سود خواری کو مذموم اور قابل نفرت قرار دیا۔

تحریک اصلاح سے رجعت

اصلاح کلیسا کی تحریک سے رجعت و مخالفت پیدا کرنے کے لئے امیر کبیر نارتھمبرلینڈ اور اس کے ہواخواہوں کا طرز عمل بہت کافی تھا کیونکہ نئے نظم ونسق میں ہر شے بد سے بدتر ہوئی جاتی تھی۔ زمانۂ سابق میں اہل کلیسا کی بداخلاقیاں وجہ شکایت تھیں لیکن اصلاح کلیسا کی تحریک نے محض عقائد پر اتنا زور دیا کہ حسب دستور لوگ عمل کی طرف سے غافل ہو گئے اور اخلاق و آداب میں عام سستی کی شکایت پیدا ہوئی۔ اہل حرفہ اور تاجروں کی انجمنوں کا سرمایہ ضبط کرنے سے قبل بعض تدابیر کی گئی تھیں کہ مال کی نوعیت میں خرابی نہ آنے پائے لیکن اب ہر طرف آمیزش اور ناقص کاریگری کا شکوہ تھا اور ملک کی اس سے بڑھ کر رسوائی کیا ہوگی کہ انگلستان کا مال، اینٹ ورپ اور وینس میں دکھایا گیا کہ کھوٹا بنا کے دھوکے سے بیچا گیا ہے۔ خانقاہوں کے اوقاف ضبط ہونے سے پہلے مالکانِ زمین کی زیادہ ستانیوں اور بے رحمیوں کا بھی اس قدر چرچا سننے میں نہ آتا تھا لیکن اب تو نئے زمیندار آدمی کی جان کو بھی بھیڑ کے برابر قیمتی نہ سمجھتے تھے۔ زمانۂ سابق میں حکومت اپنی آمدنی کے مطابق خرچ رکھتی تھی مگر اب تو گرجوں کا کثیر اثاثہ ضبط کرنے اور گھنٹے، چھتوں کا سیسہ حتیٰ کہ پادریوں کے جُبّے تک بیچ ڈالنے کے باوجود اس کی پوری نہ پڑتی تھی اور ملک قرضوں سے زیربار ہوتا چلا جاتا تھا۔

ان سب باتوں کی ہر پھر کے تحریک اصلاح کلیسا پر زد پڑتی تھی اور لوگ رنج وحسرت سے ہینری ہشتم کا زمانہ یاد کرتے تھے کہ گو اپنے مخالفوں کے ساتھ وہ سخت و داشت تھا لیکن عام رعایا سے ہمیشہ کمال ہمدردی کرتا رہا۔

نوعمر ایڈورڈ کی بادشاہی سے بہت کچھ امیدیں وابستہ تھیں۔ نازک اندام ہونے کے باوجود وہ عمر سے کہیں بڑھ کر ہوشیار لڑکا تھا اور اس کی بعض تحریریں دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ اسے اصلی حالات سے کیسی حیرت انگیز اور تہ تک کی واقفیت تھی۔ اب اس کی عمر پندرہ سال کی تھی ایک سال میں بلوغ کو پہنچنے والا تھا اور توقع تھی کہ نظم ونسق کی باگ اس کے ہاتھ میں آئی تو بہت کچھ اصلاح وبہتری ہو جائے گی۔ اسی حالت میں بھی اُس نے شاہی محلسرا کے مصارف کم کرنے کی کافی کوشش کی اور بتدریج قرضوں کے اتار دینے کی تجویز بھی بنائی تھی لیکن افسوس ہے کہ اسی موسم بہار (۱۵۵۲ء) میں اس کی صحت بگڑنے کے آثار نمایاں ہو گئے۔ ۱۵۵۱ء کے جاڑوں میں جب کے ونڈزر سے رات کو سوار ہو کے وہ لندن لایا گیا، اسی وقت سے اُسے کھانسی کی تکلیف رہنے لگی تھی جو کسی طرح دُور نہ ہوی اور اس کی حالت اور خراب ہوتی گئی۔ یہ علالت دیکھکر نارتھمبرلینڈ بہت گھبرایا کہ اگر ایڈورڈ نہ رہا تو ہینری کی وصیت کی رو سے جس کی پارلیمنٹ تصدیق کر چکی تھی، شہزادی میری وارث سلطنت ہو گی اور اس صورت میں نارتھمبرلینڈ کی قطعی خیر نہ تھی۔ پس اُس نے وراثت کا یہ انتظام درہم برہم کرنے کی ایک عجیب تدبیر سوچی۔ واضح رہے کہ میری اور الزبیتھ کے بعد بیگم سفک اور اس کی بیٹیاں جین وکیتھرائن گرے، بادشاہی کی وارث قرار دی گئی تھیں۔ انھی میں سے جین گرے کے ساتھ تو نارتھمبرلینڈ نے اپنے بیٹے گلڈفرڈ ڈولی کی اور کیتھرائن گرے سے اپنے دوست ایرپیم برک کے بڑے بیٹے ایر ہربرٹ کی شادی کی۔ شہزادی ایڈورڈ خود پکا پراٹسٹنٹ رہا اور اس کے دو امام یعنی جان ناکس (جو بعد میں کینٹربری کا مشہور صدر اسقف ہوا) اور گرن ڈل بھی اسی فرقے کے ممتاز حامی تھے۔ انھی کو نارتھمبرلینڈ نے سمجھا بجھا کے رضامند کیا کہ ناجائز ولادت کے عذر پر میری کی وراثت کو کالعدم

کر دیں کہ کہیں اصلاحی مذہب معرضِ خطر میں نہ پڑ جاے۔ اسی اعتراض کی زد میں الزبیتھ بھی آ گئی اور پھر اُس نے بغیر پارلیمنٹ کی رضامندی کے ایڈورڈ کو ایک ناجائز وصیت نامہ لکھنے کی ترغیب دی جس کی رو سے تخت شاہی جین اُس کے ورثا، اور پھر اس کی بہن اور آخر میں مارگریٹ ٹیوڈر کی بیٹی مارگریٹ (زوجہ ایر لنکن) کے نام منتقل ہوتا تھا۔ حکام عدالت نے نوعمر بادشاہ سے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کا یہ وصیت لکھنا جائز نہیں ہے لیکن ایڈورڈ نے ضد کی اور بہت سے اعیان و عمائد کو مجبوراً وصیت مان لینی پڑی اس کے بعد ایڈورڈ کی حالت جلد جلد بگڑتی گئی اور عمر کے سولھویں سال، ۶ جولای ۱۵۵۳ء کے دن اس نے عالم بقاء کی راہ لی۔

باب چہارم

میری: ۱۵۵۳ء تا ۱۵۵۸ء

ولادت۔ ۱۵۱۶ء۔ شادی ۱۵۵۴ء (با فلپ شاہ اسپین)

معاصرین: اسکاٹ لینڈ .... میری

فرانس .... ہینری ثانی

اسپین .... چارلس اول و فلپ ثانی

شہنشاہ .... چارلس پنجم

نارتھمبر لینڈ نے پوری کوشش کی کہ ایڈورڈ کی موت کی خبر اس وقت تک کہ میری گرفتار کر لی جائے، ظاہر نہ ہونے پائے۔ لیکن ایک ہوا خواہ نے ہنزڈن (ہارٹفورڈشر) میں جہاں وہ مقیم تھی، فوراً خبر پہنچا دی۔ ایڈورڈ، ۶ر جولائی کے دن ۸ اور ۹ بجے کے درمیان فوت ہوا اور دوسری صبح سے پہلے میری (نارفک میں) خاندان ہاورڈ کے قلعۂ کیننگ ہال کی طرف روانہ ہو گئی۔ بزرگِ خاندان امیر کبیر نارفک، تو اس وقت قلعۂ لندن میں نظر بند تھا لیکن خاندان کے

دوسرے افراد بھی میری کے سرگرم طرفدار تھے دوسرے یہ علاقہ مقابلہ کرنے اور اگر ضرورت پیش آئے تو یورپ کو فرار ہو جانے کے لئے نہایت مناسب تھا۔ راستے میں ہر جگہ میری نے اپنی بادشاہی کا اعلان کیا اور تمام وفادار اہل انگلستان سے مدد کی درخواست کی۔ ادھر نارتھمبرلینڈ نے اپنے بیٹے روبرٹ ڈڈلی کو (جو آگے چل کے لیسٹر کا مشہور امیر ہوا) ہنٹنگڈن بھیجا کہ میری کو حراست میں لیا جائے لیکن اس کے پہنچتے پہنچتے چڑیا اُڑ گئی تھی اور اس وقت اندازہ ہوا کہ اُسے پہلے سے گرفتار نہ کر لینا کتنی بڑی غلطی تھی۔

جین گرے کی بادشاہی کا اعلان

جب خبر نہ چھپ سکی تو نارتھمبرلینڈ نے مجلس کا انعقاد کیا ایڈورڈ کی وفات کی اطلاع دی اور جین گرے کی تاجپوشی کی تیاریاں کیں۔ ۹ر تاریخ اُسے طرفدار امیروں نے ملکہ تسلیم کیا اور ۱۰ر جولائی سے وہ محلسرائے شاہی میں اُٹھ آئی اسی روز شہر میں بادشاہی کا اعلان ہوا جسے لوگوں نے ادب سے سنا مگر کوئی خوشی ظاہر نہ کی بلکہ ایک لڑکے (گلبرٹ پاٹر) نے چلّا کے کہا کہ ”میری کا زیادہ حقدار ہے“۔ خود جین اس منصب جلیل کے پانے سے زیادہ خوش نہ تھی۔ اس کے حالات جو ہم تک پہنچے نیز خود اس کے خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی عمر سے بڑھ کر علمی استعداد، فراست اور خدا ترسی کا سچا جذبہ اور مجموعی طور پر بہترین سیرت رکھتی تھی۔ اسی کے ساتھ جب اُس نے تاجپوشی میں اپنے شوہر گلڈ فرڈ ڈڈلی کو شریک کرنے سے انکار کیا تو نارتھمبرلینڈ پر ظاہر ہو گیا کہ وہ محض گڑیا بنکر رہنے والی نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ ”یہ صورت صرف پارلیمنٹ کی تحریک سے ہو سکتی ہے۔“

اضلاع سے نارتھمبرلینڈ کو بُری بُری خبریں مل رہی تھیں۔ اُس کے بیٹوں نے میری کی فوج رکاب کو جالیا تھا لیکن انہی کے ساتھ والوں نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ امرا اور اشراف ہر طرف سے جُوق جُوق نارفک میں جمع ہونے لگے اور کہا جاتا تھا کہ امیر ڈاربی نے بیس ہزار چشیر کے باشندوں کو فراہم کر لیا کہ ملکۂ جائز کے واسطے جنگ کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ چند اشخاص کی سازشی جماعت کے سوا سبھی کی نظر میں میری کا حق وراثت مسلّم تھا۔ اسے باپ کی وصیت اور

پارلیمنٹ کے باضابطہ قانون نے وارث صحیح بنایا تھا اور یہ قانون کسی نے منسوخ نہیں کیا۔ اس کی ذاتی سیرت میں کوئی عیب نہ تھا۔ اپنے مذہب کے لئے وہ جس طرح ثابت قدم رہی، اس نے سبب سے خراج احترام وصول کیا اور اتنی مدت تک جو بدسلوکیاں ساتھ ہوتی رہیں، ان سے لوگ اس کے طبعاً ہمدرد ہوگئے تھے۔ اس کی تخت نشینی سے توقع تھی کہ ہینری ہشتم کا زمانہ عود کر آئے گا اور اس قسم کا مذہبی انتظام ہو سکے گا جو ہینری کی حکمت عملی کے مطابق ہو۔ یعنی روما سے تعلق قطع کر لیا جائے لیکن کیتھولک عقائد میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔ اور کوئی شک نہیں کہ انگلستان کی اکثریت اسی کی خواہش مند تھی۔ بخلاف اس کے جین کی کامیابی کے معنی یہ تھے کہ نارتھمبرلینڈ اور اس کے آور دوں کا عمل دخل قائم رہے جنھیں عوام الناس گذشتہ عہد کی ساری غلطیوں اور خرابیوں کا باعث گردانتے تھے۔ غرض یہ کہ ملک میں جین کے کامیاب ہونے کا کوئی قرینہ نہ تھا۔

نارتھمبرلینڈ کے منصوبوں کا ٹوٹ جانا

نارتھمبرلینڈ کی کامیابی کی اب اگر کوئی صورت تھی تو یہ کہ میری کو گرفتار اور اس کے گرد جمع ہونے والی فوجوں کا قلع قمع کر دیا جائے۔ چنانچہ تنخواہ کے بڑے بڑے وعدوں پر اس نے اجیر سپاہی فراہم کئے اور نارفک کی طرف کوچ کیا اور دوسری طرف سے بیڑے کو حکم دیا کہ چکر کھا کے یارمتھ پہنچ جائے۔ لیکن فوج میں تو جان بوجھ کر ایسے لوگ آبھرے جو نارتھمبرلینڈ کے سخت ترین اعدا کے فرستادہ یا ملازم اور موقع پاتے ہی خود اس پر پلٹ پڑنے کے لئے تیار تھے اور ادھر بیڑے کے سپاہیوں نے یارمتھ پہنچتے ہی ملکہ میری کی طرف ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ طرفہ تر یہ کہ لندن سے نارتھمبرلینڈ کو روانہ ہوئے دیر نہ ہوئی تھی کہ اُسی کے گروہ کے امرا کی ایک جماعت نے جن کا سرگروہ گتھبرا ین گرے کا خسر امیر، ہیم برُک تھا، میری کی بادشاہی قبول کر لی نارتھمبرلینڈ کیمبرج سے چند میل آگے بڑھا تھا کہ یہ خبر ملی اور وہ سمجھ گیا کہ بازی ہر گئی۔ چنانچہ کیمبرج واپس آکر خود بھی میری کی بادشاہی کی منادی کی (۲۰ جولائی) لیکن میری کے حکم سے

دوسرے ہی دن گرفتار ہوا اور اپنے بیٹے وارک اور چند ہمراہیوں کے ساتھ قلعۂ لنڈن میں بھیجدیا گیا۔ ۳ اگست کو میری لنڈن میں داخل ہوئی شہزادی الزبیتھ دوش بدوش گھوڑے پر سوار تھی۔ نئی ملکہ نے پہلا کام یہ کیا کہ نارفک، گارڈنر اور ایڈ ورڈ کورٹنی کو قلعۂ لنڈن کی قید سے نجات دلائی۔ نارتھمبرلینڈ کو کسی رحم کی امید نہ ہوسکتی تھی۔ وہ بلا تاخیر مروادیا گیا اور اصلاح کلیسا کو مرتے مرتے یہ اعلان کر کے نقصان پہنچا گیا کہ میرا پراٹسٹنٹی عقیدہ اختیار کئے رہنا محض بناوٹ تھا۔ جین گرے، اور اس کا شوہر بھی محبوس کردیے گئے اور غداری کے جرم کے مرتکب قرار پائے لیکن میری ان کے خلاف فیصلوں کو ابھی عمل میں لانے کی نیت نہ رکھتی تھی۔

میری کی بادشاہی تخت نشینی کے وقت میری عمر ۳۶ سال کی تھی چہرے پر درشتی کے ساتھ، حالت جوش میں خوبصورتی کے آثار بھی ضرور تھے۔ تصویروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی پردادی مارگریٹ بوفرٹ سے نہایت مشابہت رکھتی تھی اور عجب نہیں کہ اسی سے مذہبی راسخ الاعتقادی ورثے میں پائی ہو۔ بہرحال اب جو لوگوں کو دلی جذبات ظاہر کرنے کی آزادی ملی تو صاف ظاہر ہوگیا کہ سوائے قلیل التعداد حامی اصلاح جماعت کے عوام دل سے اُس کی بادشاہی کے موید تھے لیکن تخت جہانبانی تک پہنچنا ہی اس کے حق میں خطرناک ہوا۔ لوگوں کو میری کی خوخصلت کا کوئی علم نہ تھا اور تھا بھی تو صرف اچھے پہلو کا۔ اُن کی تائید کا اصلی سبب یہ تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کے حسب منشا ایک خاص قسم کے نظم و نسق قائم ہونے کی بہترین صورت یہی ہوگی کہ میری حکمران ہوجائے۔ باہر اپنی شادی کرتا یا روما سے از سر نو مذہبی تعلق پیدا کرنا صریحی لوگوں کی ناخوشی کا موجب ہوتا اور اس لئے ادھر کسی کا خیال بھی نہ گیا تھا حالانکہ یہی وہ امور تھے جن کے بارے میں ملکہ قطعی فیصلہ کر چکی تھی اور جس چیز کو وہ دینی اغراض کے لئے ضروری سمجھتی تھی پھر اسے عمل میں لانے سے کوئی مصلحت اسے باز نہ رکھ سکتی تھی۔

ملکہ کی مجلس میں سب سے اچھا مشیر ولزے کا پرانا شاگرد گارڈنر، اسقف ونچسٹر

تھا جو پیشکار مقرر ہوا۔ وہ سراپا انگلستان کا ہوا خواہ تھا اور گو ہینری ہشتم کی حکمت عملی کو تازہ کرنا چاہتا تھا، تاہم پاپا کا اقتدار بحال کرنے کی مطلق خواہش نہ تھی۔ مگر میری نے اس کا مشورہ ماننے کی بجائے اپنے آپ کو بالکل رینارڈ کی رائے پر چھوڑ دیا جو شہنشاہ کا سفیر اور صرف اپنے آقا کی بہتری چاہتا تھا۔ میری نے پاپا اور اپنے بنی عم پول (مشیر پاپا) سے خفیہ خط کتابت بھی شروع کر دی تھی پول انگلستان میں پاپا کا وکیل مختار مقرر ہوا اور وطن آنے کے لئے بیقرار تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انگلستان کے لوگوں کو نہ میری نے سمجھا نہ رینارڈ نے، نہ پول نے اور نتیجہ یہ ہوا کہ شروع ہی سے ہر دلعزیزی میں فرق آنے لگا۔

شادی کا مسئلہ پہلا مسئلہ تو ملکہ کی شادی کا پیدا ہوا۔ گارڈنر اور قریب قریب تمام اہل ملک چاہتے تھے کہ وہ ایڈورڈ کورٹنی سے شادی کرے جو یارک کی خاندان کی آخری یادگار تھا اور اسی زمانے میں امیر ڈیون بنایا گیا۔ اس کے ساتھ عقد ہو جانے سے کسی بیرونی ملک سے کوئی واسطہ اور پیچیدگی نہ پیدا ہوتی اور خود خاندانِ شاہی کے حق کو قوت پہنچتی۔ مگر میری نے شہنشاہ کے فرزند اکبر فلپ سے شادی کرنے کی ٹھان لی تھی اور اسی کی ترغیب و تحریص رینارڈ دلاتا رہا۔ اس نے میری کو الزبتھ کا دشمن بنا دینے کی بھی پوری کوشش کی اور جین گرے اور اس کے شوہر کو قتل کرا دینے پر اُکسایا۔ میری اس خبط میں ایسی مبتلا ہوئی کہ خیال ہی خیال میں فلپ کے عشق کا دم بھرنے لگی جسے کبھی دیکھا تک نہ تھا۔ خود ملک میں اس سے بڑھ کر نامقبول رشتہ ہو نہ سکتا تھا۔ اِس کی حمایت میں صرف یہ کہا جا سکتا تھا کہ اسکاٹ لینڈ کی میری، ولی عہد فرانس سے منسوب ہوئی تو انگلستان کو اسپین سے رشتہ جوڑ کر قوت بہم پہنچانی چاہئے۔ لیکن یہ دلیل اِس خطرے کے مقابلے میں کہ کہیں انگلستان بھی نیپلز اور نیدرلینڈز کی طرح سلطنت ہسپانیہ کا ماتحت نہ بن جائے، کوئی وقعت نہ رکھتی تھی اور اکثر انگریز اندیشہ مند تھے کہ ایسا ہی ہو جائے گا۔ مگر کیتھولک اور پراٹسٹنٹ اس بارے میں متفق ہو کر

مخالفت نہ کرسکے اور نتیجہ یہ ہوا کہ میری نے ایک بہ یک یہ سوال پیش کرکے مجلس سے اپنے موافق رائے حاصل کرلی۔ بایں ہمہ خود شہنشاہ نے شادی کی شرطیں مرتب کرتے وقت انگریزوں کے احساسات کا پورا لحاظ رکھا اور انگلستان کے نظم و نسق اور مالگزاری کا کامل اختیار میری کے ہاتھ میں رہنے دیا۔ ملک اسپین تو فلپ کی پہلی بیوی کے فرزند ڈون کارلوس کے ورثے میں جانے والا تھا، لیکن شہنشاہ نے وعدہ کیا کہ برگنڈی اور ندرلینڈز کی وارث میری کی اولاد ہوگی۔ مجلس نے یہ بھی طے کرلیا کہ انگلستان کی فوج یا بیڑے کی سپہ سالاری کسی پردیسی کو نہ دی جائے گی اور شہنشاہ کی فرانس سے لڑائی ہو تو انگلستان اس میں بالواسطہ یا بلاواسطہ شریک نہ کیا جائے گا۔ سال ختم ہونے سے پہلے یہ شرطیں طے ہوگئیں اور قرار پایا کہ آیندہ موسم بہار سے قبل شادی ہوجائے۔ لیکن انگلستان میں ایک تازہ فساد بپا ہوجانے سے اسے ملتوی کرنا پڑا۔

فساد کے سرغنہ امیر کبیر سفک کورٹنی ٹامس وائٹ وغیرہم نارتھمبرلینڈ کے دوست تھے۔ کہنے کو تو انھوں نے ملکہ کے ہسپانوی رشتے کے خلاف ہتیار اٹھائے تھے، لیکن اگر انھیں کامیابی ہوجاتی تو اغلب یہ ہے کہ میری کو معزول کرکے الزبتھ فرماں روا بنادی جاتی۔ مگر بغاوت ناکام رہی کورٹنی سے مجلس کے روبرو جرح ہوئی اور قید کردیا گیا۔ ایک سرغنہ کیریو، ڈیون شر میں گرفتار کرلیا گیا۔ سفک کا نارتھمبرلینڈ کے رشتہ دار ہونے کی بنا پر، وسطی اضلاع والوں نے بغاوت میں ساتھ نہ دیا۔ صرف ٹامس وائٹ کو کینٹ میں کافی ساتھی مل گئے اور نارفک جن لندنی سپاہیوں کو مقابلے میں لایا تھا، وہ بھی وائٹ سے جاملے اور وہ ان سب کو لئے ہوے سفک کی طرف روانہ ہوا۔ اگر وہ لندن کے پل کو عبور کرسکتا تو بے شبہ معاملہ نازک ہوجاتا کیونکہ پائے تخت میں میری کی حکومت سب جگہ سے بڑھ کر نامقبول تھی لیکن ملکہ نے مردانہ ہمّت دکھائی اور گھوڑے پر چڑھ کر گلڈہال آئی اور وعدہ کیا کہ جب تک پارلیمنٹ منظوری نہ دے گی میں شادی نہ کروں گی اس وعدے نے اہل شہر کا سوء ظن دور کردیا اور لندن کے پل کی ایسی حفاظت کی گئی کہ وائٹ کو اسے چھوڑ کر کنگسٹن کے پل سے ندی کو عبور کئے بغیر چارہ نہ رہا۔ اسی کے راستے میں بہت سے ہمراہی غائب ہوگئے۔ خود وائٹ کو شہری سپاہیوں نے

وائٹ کی بغاوت

قتل کرنے میں تامل کیا اور وہ شہر کے اندر داخل ہوگیا مگر اندر گرفتار کر لیا گیا۔

یہ احمقانہ اور بے ڈھنگی بغاوت ایک طرف تو شادی کی مخالفت کے حق میں نہایت مضر تھی اور دوسرے جو لوگ اس میں شریک تھے ان کے احباب واعزہ کے لئے مہلک ثابت ہوئی۔ ریناڑڈ نے موقع پاکے بے گناہ جین کے قتل کی منظوری لے لی اور وہ شوہر سمیت ۱۲ فروری کو مروادی گئی۔ گارڈنر نے اس سے بھی بڑھکر اوپر ہاتھ مارا اور الزبیتھ کو مشتبہ ٹھیرا کے قلعۂ لندن میں بھجوادیا۔ اس کے خلاف شہادت بہم پہنچانے میں ان لوگوں سے جو بغاوت کے مجرم قرار پاچکے تھے۔ ترغیب اور تہدید سے کام لیا گیا مگر حسن اتفاق سے کوئی کامیابی نہ ہوئی اور وائٹ نے تختۂ صلیب پر چڑھ کر بھی اعلان کیا کہ اسے بغاوت سے مطلق سروکار نہ تھا سفک کا سر قلم کرا دیا گیا۔ کورٹنی کچھ عرصے قید میں رہ کر بالآخر چھوڑ دیا گیا۔ اور ۱۵۶۶ء میں وینس میں وفات پائی اور تمام عمر شادی نہ کی۔ دوسرے باغیوں کو بیسیوں کی تعداد میں سولی دی گئی۔ ۱۹ مئی تک قلعۂ لندن میں رہ کر پھر الزبیتھ کو وڈاسٹاک بھیج دیا گیا۔ اب شادی کی تیاریوں میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔ اپریل میں پارلیمنٹ منعقد ہوئی اور اس نے شادی کے معاہدے پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ جولائی میں فلپ آیا اور ۲۵ ویں تاریخ شادی ہوگئی۔ شادی کے وقت

فلپ سے شادی

فلپ کی عمر ۲۷ سال کی تھی۔ وہ پستہ قامت لیکن متناسب الاعضا آدمی تھا۔ پیشانی چوڑی، آنکھیں بھوری، گھنی اور نکیلی ڈاڑھی تھی جس نے چہرے کی قدرتی طوالت کو اور لمبا کر دیا تھا۔ وہ بے مہر سا، بہت معمولی لیاقت کا آدمی تھا۔ عقائد میں متعصب کیتھولک تھا لیکن عقائد کو سیاسی منصوبوں یا ذاتی عادات میں دخل دینے کے لئے تیار نہ تھا۔ یہ شادی خالص سیاسی ضرورت سمجھ کر اور گویا ولی عہد فرانس اور اسکاٹ لینڈ کی میری کی شادی کے توڑ پر کی تھی۔ اگر حکومت و اقتدار ملے تو انگلستان میں ٹھیرنے پر آمادہ ورنہ جلد سے جلد وہ وطن واپس جانا چاہتا تھا۔

مذہبی معاملات اصلاحی قوانین کی منسوخی۔ جوروتشدد

مناسب ہوگا کہ اب مذہبی معاملات کی طرف توجہ کی جائے۔ میری کی تخت نشینی پر مذہبی رجعت کا ہونا تو اتنا یقینی تھا کہ

پر وسیی اور بہت سے ملکی علما جنھوں نے گذشتہ عہد میں تحریکِ اصلاح میں نمایاں حصہ لیا تھا، فوراً ملک چھوڑ کر چل دیے۔ انھی میں پیٹر مارٹائر اور جان ناکس بھی تھے کرنیمر، لے ٹمر، ریڈلی وغیرہم بعض اپنے اپنے عہدوں پر رہے بلکہ کرنیمر نے دلیری سے ایک خط بھی شایع کیا اور نئے عقائد پر اپنی استقامت ظاہر کی۔ لیکن یہ بات بہت جلد معلوم ہو گئی کہ ایڈورڈ ششم کے قوانین دراصل رائے عامّہ سے کہیں آگے بڑھے ہوئے تھے اور میری کی تخت نشینی کے بعد کسی حکم احکام کی بھی ضرورت نہ ہوئی بلکہ ہر جگہ لوگوں نے از خود وہی پرانی دعائیں نمازوں میں پڑھنی شروع کر دیں۔ اکتوبر میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو سرکاری طور پر عہد ایڈورڈ کے مذہبی قوانین منسوخ کر دیے گئے اور "وہی نمازیں اور انجیل خوانی، جیسی ہینری ہشتم کے عہد کے آخری سال، انگلستان میں سب سے زیادہ مروّج تھی" دوبارہ رائج کر دی گئی۔ ادھر اصلاح پسند اسقفوں کو ہٹا کر ان کے عہدے دوبارہ پرانے اسقفوں (جیسے گارڈنر، اسقف ونچسٹر، بونر، اسقف لندن) کے تفویض ہوئے یا نئے لوگ جن پر حکومت کو اعتماد تھا، مقرر کیے گئے۔ اس طرح دارالامرا میں قوّت پا کر، گارڈنر نے تجاویز پیش کیں کہ عقائد ستّہ کے قانون اور کلیسائی اختیارات نیز لالرڈ فرقے کے خلاف قوانین کی تجدید کی جائے۔ لیکن ہینری ہشتم کے دیرینہ سال و معتمد علیہ وزیر لارڈ پیجٹ نے مخالفت کی اور یہ تجویزیں رہ گئیں۔ آیندہ اکتوبر میں پارلیمنٹ کے نئے انتخابات ہوئے اور سرکاری کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ دارالعوام میں میری کے موّید اتنی کثرت سے منتخب ہوئے کہ کسی پارلیمنٹ میں نہ ہوئے تھے۔ اسی زمانے میں ملکہ نے پول کو وکیل پاپائی حیثیت سے بلانے کی جراٴت کی اور وہ نومبر میں انگلستان پہنچ گیا۔ مگر کمال ارادت مندی کے باوجود پارلیمنٹ نے پاپائی وکیل مختار سے خاصی سخت شرطیں لکھوائیں اور اصرار کیا کہ انھیں قانون کی صورت میں قلم بند کیا جائے۔ انھوں نے روما سے قطع تعلق کرنے کے گناہ کا اقبال اور ہینری ہشتم کے بہت سے کلیسائی قوانین کو منسوخ کیا۔ پاپا سے التجا کی کہ دوبارہ انگلستان پر عنایت کی نظر فرمائے لیکن اسی کے ساتھ اصرار کیا کہ پاپا کلیسا و خانقاہ کی اراضی کو انھیں کے قبضے میں رہنے کی

ضمانت دے جواب قابض تھے۔ اسی طرح ہینری ششم کے لالرڈ قوانین اور کلیسائی عدالتوں کو بحال کرنے کی منظوری تو دی لیکن اس کے عوض میں پادریوں سے اعلان کرایا کہ ان کی جو اراضی ضبط کی گئیں ہم اُن پر کوئی مالکانہ حق نہیں رکھتے۔ مزید برآں قانون امتناع اور ۱۵۲۹ء سے پہلے کے خلاف پاپا قوانین بھی بجنسہ نافذ رہنے دئیے۔ ہینری ہشتم کے قوانین کی تنسیخ کرتے وقت یہ بھی احتیاط سے تصریح کردی کہ ان کا وہ حصہ منسوخ کیا جاتا ہے جن کا پاپائی اقتدار سے تعلق ہے۔ مطلب یہ تھا کہ وراثت کے اُن قوانین پر زد نہ آئے جن پر الزبتھ کی آیندہ وراثت مبنی تھی۔ غرض اس طرح، باضابطہ مصالحت عمل میں آگئی اور پول نے پاپا کی طرف سے انگلستان کے خارج از ملت ہونے کا فتوی مسترد کردیا۔

سال کے ختم پر اعلان ہوا کہ ملکہ کے ولادت ہونے والی ہے۔ اسی سلسلے میں انتظام کیا گیا کہ اگر وہ فوت ہوجائے تو فلپ آیندہ وارث کی صغر سنی کے زمانے میں اتالیق سلطنت کی خدمت انجام دے لیکن شادی کے وقت جو شرطیں ہوی تھیں، وہ اُس کی اتالیقی میں بھی بجنسہ واجب العمل رہیں۔ انگلستان اور اسپین کے شاہی درباروں میں میری کے بچہ ہونے کی بڑی خوشیاں کی جارہی تھیں اور چونکہ واثق امید تھی کہ بیٹا ہوگا لہذا اس مبارک تقریب پر بہت کچھ دھوم دھام کے جشن منانے کا انتظام ہو رہا تھا۔

پارلیمنٹ کی میقات ۱۶ر جنوری کو ختم کردی گئی اور اس کے دو ہفتے بعد سے پراٹسٹنٹ فرقے والے زندہ جلائے جانے لگے۔ اس تشدد کی ابتدا گارڈنر نے کی اور غالباً وہ سمجھتا تھا کہ آگ سے ڈر کے لوگ اسی طرح اپنے عقائد سے پھر جائیں گے، جیسے امیر کبیر نارتھمبرلینڈ پھر گیا تھا اور اس سے مذہب نو کی بڑی ذلت ہوگی۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ تشدد کی اصلی محرک خود ملکہ میری اور پھر وکیل پاپا پول تھے۔ سب سے پہلے جن لوگوں پر وار ہوا، انھیں بہت احتیاط سے انتخاب کیا گیا تھا۔ یہ ہوپر و روجر تھے جنھیں اوائل فروری میں جلوا دیا گیا۔ پہلا گلوسٹر کا اسقف اور اپنے ریاضت و تقوی میں ممتاز تھا۔ دوسرا، سینٹ پال کا پادری اور انجیل کا مترجم تھا۔ مارچ میں سینٹ ڈیوڈ کا

نیک نیت اسقف فیرار اور تیرہ اور کمتر درجے کے لوگ آگ کی نذر ہوئے۔ سترہ مجرموں میں سے صرف ایک شخص نے توبہ کی۔ باقی سب کی استقامت دیکھ کر حاضرین بھی اش اش کرنے لگے اور بہت جلد بے لاگ مبصروں کو (جیسے رینارڈ تھا) نظر آگیا کہ حکومت ان حرکتوں سے خود اپنے مقاصد کو نقصان پہنچا رہی ہے۔

میری کی یاس انگیز بیماری

میری کے مئی میں وضع حمل ہونے والا تھا لیکن زمانہ گزر گیا اور کچھ نہ ہوا۔ سخت رنج کی حالت میں ملکہ نے اساقفہ کو خط بھیجا کہ جور و تشدد میں مزید سرگرمی دکھائی جائے کہ شاید اسی سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اولاد حاصل ہو چنانچہ آیندہ تین ماہ میں پچاس اور بے گناہوں کی جان لی گئی لیکن گرمیوں کے ختم سے پہلے ہی سب کو معلوم ہو گیا کہ بدبخت ملکہ کو دراصل ایک ناقابل علاج مرض کے باعث حمل کا دھوکا ہو گیا اور یہ کہ اولاد ہونا تو درکنار اب وہ زیادہ عرصے تک زندگی بھی نہ رہ سکے گی۔ اگست میں ایک اور مصیبت اُس پہ یہ آئی کہ چارلس پنجم نے جو مدت سے تخت سے دست بردار ہونے کی فکر میں تھا، فلپ کو اپنے پاس بُلایا اور وہ اس حیلے سے خوشی خوشی انگلستان چھوڑ کر چلا گیا چلتے وقت اس نے میری کو بہ تاکید مشورہ دیا کہ الزبیتھ کے ساتھ اچھا سلوک کرے جس کی تخت نشینی اب یقینی ہو گئی تھی۔ نومبر میں میری کا سب سے بہتر انگریز مشیر گارڈنر فوت ہوا اور وہ وُلزے کے تربیت یافتہ وزیروں میں سب سے آخری شخص تھا۔ اس کے بعد بظاہر ملکہ صرف پول کے مشورے پر عمل کرتی رہی۔

اب تک صرف دو اُسقف، ہوپر و فیرار موت کے گھاٹ اتارے گئے شاہ ڈین مارک کی سفارش پر کورڈیل کی جاں بخشی ہو گئی۔ اکثر معزول اساقفہ اگرچہ قدیم عقائد کے خلاف شادی کر چکے تھے، لیکن الحاد میں کچھ زیادہ سرگرم نہ سمجھے جاتے تھے۔ البتہ کرینمر، ریڈلی اور لے ٹمر باقی تھے اور ستمبر ۱۵۵۵ء میں انھیں اکسفورڈ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ سب سے بڑھ کر جس نزاعی مسئلے پر زور دیا گیا وہ لحم و دم کا عقیدہ تھا اور اسی پر یہ تینوں ملحد قرار پائے کرینمر، صدر اسقف

تھا لہذا اس کا فیصلہ ۔ پاپا پر چھوڑا گیا اور ریڈلی و لے ٹمر اکسفرڈ میں (بتاریخ ۱۶ اکتوبر) زندہ جلا دئیے گئے ۔ دونوں کو ایک ہی تختے پر موت آئی اور لے ٹمر کے آخری الفاظ اپنے ساتھی سے یہ تھے "بھائی ریڈلی، مرد بنے رہو خدا کے فضل سے آج کے دن ہم انگلستان میں وہ شمع روشن کریں گے جو یقین ہے کہ کبھی نہ بجھے گی ۔ فروری میں کرینمر کے لئے بھی رومہ سے اجازت آگئی اور اسی ماہ کی ۱۴ ویں تاریخ اس کا کلیسائی ملبوس اُتار لیا گیا ۔ کرینمر نے مجلس کلیسا سے مرافعہ کیا اور جو لوگ اس کو زندہ چھوڑنے کے خواہاں تھے انھیں امید ہوی کہ وہ اس موقع پر نئے مذہب سے توبہ کرے گا ۔ چنانچہ جان کا واسطہ دے دے کر جس کی اسے طبعاً محبت تھی؛ اسے بہت سی باتیں قبول کرنے پر آمادہ کر لیا گیا اور آخر میں وہ بے کرامت نے تحریری اقبال کر لیا کہ ان تمام خرابیوں کا میں ہی ذمہ دار ہوں ۔ میری اور پول تلے ہوئے تھے کہ وہ زندہ نہ رہنے پائے لیکن یہ سمجھکر کہ اگر وہ علانیہ رجوع کرے گا تو نارتھمبرلینڈ کے رجوع سے بھی بڑھ کر پراٹسٹنٹ مذہب کی فضیحت ہوگی، انھوں نے انتظام کیا کہ اکسفرڈ کے کلیسائے سینٹ میری میں کرینمر اپنے عقائد کا اظہار کرے ۔ مگر جس وقت تقریر کا موقع آیا تو صدر اسقف کا دل مضبوط ہو گیا اور اس نے اپنے رجوعی کلمات کی تردید کی اور صاف کہدیا کہ میں پراٹسٹنٹ مرونگا ۔ اس نے کہا "رہا پاپا تو میں اس کی جھوٹی دلائل اور خود اسے مذہب کا دشمن اور دجال مسیح سمجھکر (مقتدا) ماننے سے قطعی انکار کرتا ہوں اور اناجیل کے بارے میں میرا عقیدہ وہی ہے جو میں نے اسقف ونچسٹر کے رو میں اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے" ۔ یہ سنکر دشمن غصے سے آگ ہو گئے اور اسے فوراً پکڑ کر چتا پر پہنچایا ۔ مگر اب کرینمر کو آخر تک راہ استقامت سے لغزش نہ ہوی اور اُس نے بھڑکتے شعلوں میں پہلے اپنا سیدھا ہاتھ ڈال دیا کہ یہی وہ ناشدنی ہاتھ ہے جس نے رجوع کی تحریر پر دستخط کئے تھے ۔ اس کے بعد پول بلا تاخیر صدر اسقف بنا دیا گیا اور معمولی درجے کے لوگوں کے جلانے اور مارنے کا سلسلہ بھی جاری رہا مگر یہ بات تعجب سے خالی نہیں کہ غیر کلیسائی لوگوں میں جو بے گناہ اس مذہبی سفاکی کا شکار ہوئے ان میں سے کوئی بھی عالی رتبہ

آدمی نہ تھا۔ حتیٰ کہ ۲۷۷ مقتولین میں بارہ سے زیادہ ایسے اشخاص بھی نہ تھے جنھیں با نام و نشان کہا جا سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل تعدی نے مقتدر لوگوں کے الحاد سے آنکھیں بند کر لی تھیں اور زیادہ تر بے یار و مددگار اشخاص پر ہی ہاتھ صاف کیا۔ ایک اور بات قابل لحاظ یہ ہے کہ لنڈن کے حلقے میں اسقف بونر نے سو کو، کینٹربری میں، پول نے ۵۵، نارج میں ہوپ ٹن نے ۴۶ ملاحدہ زندہ جلوائے بجالیکہ اور سب اسقفی علاقوں میں کل ملا کر مشکل سے پچاس آدمی مجرم قرار پائے۔ گارڈنر نے تو یہ دیکھکر کہ تشدد سے لوگ مذہب نہیں چھوڑتے، اپنا ہاتھ روک لیا اور غالباً سمجھ لیا تھا کہ ان تدابیر سے تشدد کا اصلی مقصد فوت ہو رہا ہے اور میری اور اس کے مشیر یہ ثابت کر رہے ہیں کہ پراٹسٹنٹ مذہب ایسا دین ہے جس کے لئے لوگ جان دینے کی پروا نہیں کرتے اور یہ اس مذہب کی بیخکنی نہیں بلکہ بہترین خدمت ہے۔

یہ خیال کرنا نہ چاہئے کہ جمہور اہل ملک میری کی ان حرکتوں سے سخت بیزار نہیں ہوئے۔ مگر مزاحمت کرنا سخت دشوار تھا۔ اگر ممالک یورپ کی سیاسیات کا الجھاؤ نہ ہوتا تو یہ یقینی بات ہے کہ انگلستان کے باشندے میری کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے اور اُسے نکال کر الزبیتھ کو تخت پر بٹھا دیتے۔ لیکن یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ فلپ ہسپانوی سپاہ انگلستان میں اتار دینے کا حیلہ ڈھونڈ رہا ہے۔ ایسی صورت میں فرانس کی مدد ناگزیر ہوتی اور کوئی دانشمند انگریز یہ دیکھنا پسند نہ کر سکتا تھا کہ فرانسیسی فوج انگلستان کی سرزمین پر آئے اور میری کی طرفدار ہسپانوی سپاہ سے مقابلہ کرے۔ اسی لئے ارباب عقل نے فیصلہ کیا کہ ابھی خموشی سے مناسب موقع کا انتظار کیا جائے کیونکہ میری زیادہ عرصے زندہ رہنے والی نہ تھی اور اس کے بعد تخت سلطنت از خود الزبیتھ کو پہنچنے والا تھا پھر بھی بعض نوجوان انگریزوں نے اس عاقلانہ ارادے کی پیروی نہ کی اور ۱۵۵۶ء میں فرانسیسی فوج کو جزیرۂ وائٹ میں لا اتارنے کا منصوبہ باندھا۔ ٹامس اسٹےفرڈ، متوفی امیر کبیر بکنگھم کا پوتا، فرانس سے چلا اور اپریل ۱۵۵۷ء میں قلعۂ اسکاربرو پر قابض ہو گیا لیکن بہت جلد گرفتار کر کے قتل کرا دیا گیا۔

فرانس سے جنگ

ان ناعاقبت اندیشیوں سے زیادہ نقصان اس لئے پہنچا کہ اسی حیلے سے فلپ نے میری کو فرانس کے خلاف اعلان جنگ کرنے کی ترغیب دی۔ ۱۵۵۷ء کی گرمیوں میں وہ خود چند روز کے لئے انگلستان آیا اور میری کو لڑائی کے لئے ابھارتا رہا۔ مگر ملک جنگ کے واسطے مطلق تیار نہ تھا۔ میری بادشاہی آمدنی کو خانقاہیں اور کلیسا دوبارہ آباد کرانے میں خرچ کرتی رہی تھی اور جہاز اور قلعے بے مرمّت، ویران پڑے تھے۔ حکومت سے عام ناراضی پھیلی ہوئی تھی اور ایسی حالت میں صرف جبری قرضوں یا ناجائز محاصلِ راہداری کے ذریعے روپیہ فراہم ہو سکتا تھا۔ مجلس شاہی کے چند مشیر جو ابھی تک شریک مشورہ ہوتے تھے، بیشتر ایسے ہی نااہل و کٹھ مُلّا خیال کے تھے جیسے خود ملکہ۔ لڑائی کا نتیجہ بجز مصیبت و نقصان کے کچھ ہونے والا نہ تھا۔ لیکن شروع میں کامیابی کی ایک جھلک یہ نظر آئی کہ انگریزی فوج جو نِدرلینڈز بھیجی گئی تھی، اگرچہ وہ اتنی دیر میں پہنچی کہ فلپ کی سینٹ کوئنتین کی زبردست فتح میں شریک نہ ہو سکی تاہم خود قلعے پر یورش اور غارتگری میں حصہ دار بن گئی۔ فلپ اپنے تذبذب کے باعث فتح سے زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکا فرانسیسیوں نے شہزادہ گیز کو اطالیہ سے واپس بلا کر کالے پر جوابی حملے کی تیاریاں کر لیں اور یہ بار انگریزوں کو اٹھانا پڑا۔

سقوط کالے

اس وقت کالے کی انگریزی حدود میں دو قصبے گین اور کالے واقع تھے جنھیں ہام کا قلعہ ایک دوسرے سے ملاتا تھا۔ دونوں قلعوں کی مدافعت کا معقول انتظام تھا۔ کالے کا عامل لارڈ وینٹ ورتھ اور گین کا قلعہ دار ہیدان نیکی کا شورما، لارڈ گرے تھا اور دونوں اعلیٰ درجے کے سپاہی تھے۔ انھیں مدت سے معلوم تھا کہ کالے پر حملہ ہوا چاہتا ہے اور حکومت کو خبردار کر چکے تھے کہ فوج ناکافی ہے لیکن حکومت نے کوئی اعتنا نہ کی سامان رسد گھٹ گھٹا کر چند ہفتے کا ذخیرہ رہ گیا تھا اور وہ بند جن پر کالے کی بذریعہ آب مدافعت کا انحصار تھا، بے مرمّت پڑے تھے۔ دسمبر کے مہینے میں وینٹ ورتھ بار بار لکھتا رہا کہ

باب چہارم

کمک بھیجنی ضروری ہے اور ۲۹ ہر تاریخ کے مراسلے میں اطلاع دی کہ عنقریب فرانسیسی پہنچا چاہتے ہیں لیکن کوئی اثر نہ ہوا بلکہ ۳۱ ہر تاریخ کو ملکہ نے لکھا کہ ہمیں خبر ملی ہے کہ کالے کے خلاف کسی لشکر کشی کی امید نہیں۔ کمکی سپاہ کے احکام بھی منسوخ کر دیئے گئے مگر دوسری ہی صبح کو فرانسیسی قلعے کے سامنے صفیں تیار کر رہے تھے۔ ان کے ۲۵ ہزار کے مقابلے میں وینٹ ورتھ کے سپاہیوں کی تعداد صرف پانچ سو تھی تاہم وہ انھیں کسی نہ کسی طرح ۶ ہر تاریخ تک روکے رہا اور اس کے بعد ہتیار ڈال دیئے۔ ان چار دن کو بھی حکومت انگلستان نے رائگاں کھویا اور سمندر کے صاف ہونے کے باوجود کوئی کمک نہ بھیجی گئی۔ پھر ۱۱ ہر جنوری کو سپاہی اور جہاز تیار ہوئے تو جنوب مشرقی آندھی نے رسد کی کشتیوں کو منتشر کر دیا۔ اور ۲۰ ہر ویں تاریخ گرنسے نے بھی مجبوراً اطاعت قبول کرلی۔ کالے کے سقوط کی خبر ملک میں بجلی کے گرنے سے کم صدمہ انگیز نہ تھی اور اس نے حکومت سے، جو اس نقصان عظیم کی واحد ذمہ دار تھی، لوگوں کو پوری طرح برگشتہ کر دیا۔ اب اُلٹا فرانسیسی حملے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ ہرچند گرمیوں سے پہلے ملک نے ہمت باندھ کر بیڑا تیار کر لیا اور گراولین کے قریب فرانسیسی وہسپانوی سپاہ کی ساحلی جنگ میں، قابل قدر حصہ لیا لیکن سقوط کالے سے ملک کی خودداری کو بے شبہ سخت صدمہ پہنچا۔

مگر اس نقصان کا رنج سب سے زیادہ خود ملکہ کو ہوا۔ اب اُسے صاف نظر آتا تھا کہ مہلک مرض اس کا خاتمہ کر کے چند مہینے میں اس کی بہن کو تخت شاہی پر لے آئے گا۔ الزبیتھ کی محض خوبصورتی دیکھ دیکھ کر میری جلی مرتی تھی اور جانتی تھی کہ وہ میری ساری حکمت عملی کو اُلٹ پلٹ کر دے گی۔ شوہر بھی اسے چھوڑ کر چل دیا تھا اور واپس آنے کی کچھ زیادہ امید نہ تھی۔ پاپا نے میری کے سب سے اچھے ہوا خواہ پول کو منصب وکالت سے معزول کر دیا اور وہ الحاد کے الزام سے پیچ وتاب کھا رہا تھا۔ یہ بھی میری کو علم تھا کہ رعایا اس سے نفرت کرتی ہے اور الزبیتھ کی جانشینی کے دن گن رہی ہے۔ بایں ہمہ وہ اپنے پرانے طریق پر قایم رہی۔

میری کا آخری زمانہ

لوگ برابر جلائے جاتے رہے۔ خانقاہیں برابر از سرِ نو بنتی رہیں۔ جب آخری وقت آیا تو میری پر کوئی اضطراب نہ طاری ہوا۔ اُس نے الزبیتھ کو اپنا جانشین تسلیم کیا اور ۱۷ نومبر ۱۵۵۸ء کے دن، جان جان آفریں کو سپرد کی اسی تاریخ پول فوت ہوا۔ میری کی سیرت کے متعلق بڑی سے بڑی رعایت یہ کی جاسکتی ہے کہ اُسے فاتر العقل سمجھا جائے اور یہ تاویل کی جائے کہ تختِ نشینی سے جو بار دماغ پر پڑا اُس نے میری کے حواس مختل کر دئے۔ فلپ کے ساتھ اس کے تعلقات میں وحشت اور کبھی کبھی دیوانگی کی شان نظر آتی ہے اور پراٹسٹنٹوں پر جس شدت سے وہ ظلم توڑتی رہی، وہ بھی خیال کو اسی تشخیص کی طرف لے جاتا ہے۔

مشہور واقعات

جین گرے کا قتل ۱۵۵۴ء
میری کا عقد فلپ سے ۱۵۵۴ء
لے ٹمر وریڈلی کا زندہ جلایا جانا ۱۵۵۵ء
کرینمر " ۱۵۵۶ء
سقوط کالے ۱۵۵۸ء

باب پنجم

الزبیتھ، سنہ ۱۵۵۶ء تا سنہ ۱۶۰۳ء

ولادت.............................. سنہ ۱۵۳۳ء

معاصرین:۔ اسکاٹ لینڈ.............. میری (معزول)
جیمس ششم

فرانس.............. ہینری دوم۔ فرانسس دوم
چارلس نہم۔ ہینری سوم و چہارم

اسپین.............. فلپ دوم و سوم

الزبیتھ کو ہر فرقے کے انگریزوں نے جوش و خروش کے ساتھ منصب بادشاہی کی دعوت دی تو اس وقت وہ عمر کے ۲۶ ویں سال میں تھی۔ اس کا کوئی قابل اندیشہ حریف ہو سکتا تھا تو وہ اسکاٹ لینڈ کی ملکہ میری تھی، جو الزبیتھ کے ناجائز ہونے کے مفروضے پر، بادشاہی کی زیادہ حقدار سمجھی جا سکتی تھی۔ مگر اس کے مقابلے میں، الزبیتھ کی وراثت کا حق پارلیمنٹ کے

الزبتھ کی بادشاہی اور خصائل

قانون پر مبنی تھا اور دوسری بڑی جیت یہ تھی کہ میری اسکاٹ لینڈ کی ملکہ اور ولی عہد فرانس کی بیوی تھی جسے انگلستان والے پسند نہ کرسکتے تھے۔ بہن کے عہد حکومت کے آخری ایام میں الزبتھ ہیٹ فلیڈ میں عزلت گزیں رہی۔ اس نے پیش آنے والے مسائل سے بڑے اہتمام کے ساتھ واقفیت بہم پہنچائی اور تخت نشینی ہوی تو اپنی حکمت عملی کے (خواہ بیرونی سیاسیات سے متعلق ہو خواہ ملکی) عام اصول طے کر چکی تھی۔ جزئیات کے بارے میں اسے زیادہ خلش نہ تھی جس کا سبب ممکن ہے یہ ہو کہ عورت ہونے کی وجہ سے عملی کام کا زیادہ تجربہ نہ تھا اور انھیں اس نے اپنے وزرا کے تفویض کر دیا تھا۔ اس کا مزاج مختلف اوصاف کا مجموعہ نظر آتا ہے اور اس میں ماں اور باپ دونوں کے نقوش نمایاں ہیں۔ باپ سے تو اسے مردانہ قوّت ارادی، سیاسی وجدان اور بے دھڑک صاف گوئی ورثے میں ملی تھی اور اپنے مدح خوانوں کی معمول سے بڑھ کر تلاش اور ان کے ساتھ تعلقات میں اتنی آزادی جو فضیحت کے پہلو سے بہ مشکل خالی تھی، ماں کی جانب سے متوارث ہوی تھی۔ وراثت بادشاہی کے متعلق یہ بات بھی یاد رہنی چاہئے کہ ہینری ہشتم کی وصیت کی رو سے الزبتھ کے بعد تخت نشینی کا حق جین گرے کی چھوٹی بہن کیتھرائن گرے کو پہنچتا تھا۔

سیسل وپارکر

تخت نشین ہوتے ہی الزبتھ نے ولیم سیسل کی دوبارہ معتمد اور اپنا راز دار بنا لیا۔ وہ ۱۵۲۰ء میں بورن (علاقہ لنکن شہر) میں پیدا ہوا اور کیمبرج میں تعلیم پائی۔ باپ دربار شاہی کے سلسلے میں فوجی سردار تھا لہذا سیسل کو بلا تاخیر ہینری ہشتم کی ملازمت مل گئی اور جب وہ مرا تو پہلے امیر کبیر سمرسٹ کا اور پھر وارک کے زمانۂ اقتدار میں بادشاہ کا معتمد مقرر رہا۔ وہ جین کی تخت نشینی کا موّید تھا لیکن آگے چل کے کسی طرح میری سے مصالحت کی راہ نکال لی اور اس کے عہد میں چپ چاپ اور پرانے مذہب کی ظاہرا پابندی بھی کرتا رہا حالانکہ حقیقت میں پراٹسٹنٹ تھا۔ ممکن ہے اس زمانے میں خود الزبتھ نے جس حزم واحتیاط سے زندگی گزاری، اس میں بھی

سیسل ہی کے مشورے کو دخل ہو۔ حسن اتفاق سے پول کے مرنے سے کینٹربری کی صدر اسقفی خالی ہوگئی تھی، اس پر الزبیتھ نے میتھیو پارکر کو نامزد کیا، جو نوروچ کے سوداگر کا بیٹا، ۱۵۰۴ء کی پیدائش اور کیمبرج کا تعلیم یافتہ تھا۔ این بولین کی سرکار میں امام اور اس کی وفات کے بعد سے کورپس کرسٹی کالج کا استاد اور دارالعلوم کیمبرج ہی میں سکونت گزین ہوگیا تھا۔ سیسل اس سے خوب واقف تھا اور اسی نے ملکہ سے سفارش کی تھی۔ یوں بھی یہ دونوں معتدل پراٹس ٹنٹ گروہ میں شریک تھے۔ سیسل کا برادر نسبتی اور مشہورتر فرانسس بیکن کا باپ نکولاس بیکن مہر بردار مقرر کیا گیا۔

مذہبی مسئلہ

الزبیتھ سے پہلے انگلستان مذہبی معاملات میں افراط و تفریط کے تماشے دیکھ چکا تھا۔ ایڈورڈ ششم کے وقت میں اسے انتہا پسند پراٹس ٹنٹ فرقے سے سابقہ رہا اور میری کے عہد میں اشد کیتھولکوں کے اقتدار کا نمونہ دیکھنا پڑا جس کے جور و تشدد نے عوام کے دلوں پر گہرا نقش چھوڑا تھا۔ پس اکثر لوگوں کی خوشی یہی تھی کہ ہینری ہشتم کے طرز عمل کی طرف عود کیا جائے مگر اس میں جبر و تشدد سے کام نہ لیا جائے قطعی غیر جانب داری تو ممکن نہ تھی اور الزبیتھ اور اس کے مشیر بخوبی آگاہ تھے کہ انھیں یا کیتھولکی گروہ کی مدد لینی پڑے گی یا پراٹس ٹنٹ فرقے کی جو تعداد میں تو کم تھے لیکن زیادہ مستعد اور ترقی پذیر، نیز الزبیتھ کے تخت پر متمکن رہنے کے سب سے زیادہ مؤید تھے۔ ذاتی طور پر ملکہ تعصب ایک طرف، مذہبی اعتقاد ہی بہت کم رکھتی تھی اور اسے فکر تھی تو یہ کہ اپنے عقائد لوگوں پر جبراً عائد کرنے کی بجائے مصالحت کی ایسی صورت نکالی جائے جس کی کم سے کم مخالفت ہو۔ چنانچہ پہلا ہی کام تو اس نے یہ کیا کہ ایک اعلان کے ذریعے رسائل و اناجیل و احکام عشرہ دعائے خداوندی اور شرع مسیحی کے ساتھ انگریزی زبان میں پڑھنے کی اجازت دی اور جب تک پارلیمنٹ کوئی فیصلہ کرے، نزاعی مسائل پر وعظ ہی کرنا، رکوادیا۔ اسی کے ساتھ پارکر، گرنڈل وغیرہ مقرر ہوئے کہ کتاب الصلوٰۃ کی نظر ثانی کریں۔ اوائل ۱۵۵۹ء میں پارلیمنٹ منعقد ہوئی اور ماہ مئی تک مذہبی

مسئلے کا ایک دیرپا تصفیہ ہوگیا۔
اوّل تو ۱۵۵۵ء کا بڑا قانون منسوخ ہوا اور پاپا کے اختیارات پھر محو کردئے گئے۔ ہینری ہشتم کے کلیسائی قوانین دوبارہ نافذ ہوئے۔ دوسرے ایک قانونِ افضلیت منظور کیا گیا جس میں کلیسا کی اعلیٰ سردار کہنے کی بجائے ملکہ کو ممالک محروسہ میں، کلیسائی وغیر کلیسائی جملہ اشخاص سے "افضل" قرار دیا گیا۔ اور اُسے اختیار ملا کہ ناظروں کے ذریعے اپنا اقتدار سے کام لے۔ تیسرے قانون یکسانی نافذ ہوا جس نے چند ضروری ترمیمات کے ساتھ ایڈورڈ ششم کی دوسری کتابِ صلواۃ کو واجب العمل کر دیا۔ ترمیمات اس نظر سے کی گئی تھیں کہ کتاب کیتھولک فرقے کے لئے زیادہ قابلِ قبول ہو جائے اور نیز خود الزبتھ جیسے پراٹسٹنٹ خیال کے وہ افراد بھی جو حضرت مسیح کے حقیقی وجود کا کسی نہ کسی شکل میں اعتقاد ضروری سمجھتے تھے، اسے بہ آسانی تسلیم کرسکیں۔ عبارت میں ردّ و بدل کی ایک مثال یہ ہے کہ "اسقف رومہ کے استبداد اور قابل نفرت بدعنوانیوں" کا تذکرہ بالکل حذف کر دیا گیا اور ایڈورڈ ششم کی پہلی اور دوسری کتاب کے ایسے متضاد فقرے جن میں سے ایک میں عشائے ربّانی کے پیش کرتے وقت حضرت مسیح کے وجود جسمی کا اقرار اور دوسرے میں انکار نکلتا تھا، دونوں جمع کر دئے گئے۔ پادریوں کے ملبوسات اور گرجوں کے زیورات وغیرہ کے متعلق حکم ہوا کہ اس قسم کے جو اشیا ایڈورڈ ششم کی دوسرے سنہ جلوس میں پارلیمنٹ کی اجازت سے کلیسائے انگلستان میں رہنے دئے گئے تھے، اُن کے رکھنے اور کام لینے کی اجازت ہے۔ ان تدابیر سے ملکہ اور اس کے مشیروں کو امید تھی کہ ہر فرقے کے اعتدال پسند ان شعائر و عقائد کو پسند کریں گے۔ معمولی (غیر کلیسائی) اشخاص سے کسی قسم کا اقرار باللسان ضروری نہ رہا اور اس کا گرجا میں آنا عیسائی ہونے کی کافی دلیل مان لیا گیا۔ لیکن کلیسائی عمّال سے "افضلیت" کا حلف لیا گیا اور کہدیا گیا کہ جو اس پر آمادہ نہ ہوں، وہ عہدوں سے برطرف کر دئے جائیں۔ گرجا میں نہ آنے کا جرمانہ فی کس ایک شلنگ تھا اور آیندہ ایک مہینے اور پورے

گھر والوں کے لئے ۲۰ شلنگ قرار پایا اور وہ لوگ جنھوں نے اپنے اعتقاد کی بنا پر گرجا کی حاضری سے انکار کیا، منکر بالعمد (ری کیوسنٹ) کہلائے ایڈورڈ ششم کے عہد کے ۴۲ ارکان ایمان کو گھٹا کے ۳۹ کر دیا گیا۔ یہ انتظام عوام نے بغیر شوق ذوق کے قبول کیا مگر کوئی مخالفت مزاحمت بھی نہ کی غالباً زیادہ تعداد اُن کی تھی جو قدیم نمازوں اور رسم کو تا امکان جاری رکھنا پسند کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۵۷۱ء تک پارکر کے بقول یہ حال تھا کہ عشائے ربانی میں معمولی روٹی کا تقسیم کیا جانا، علیا حضرت کی رعایا کے اکثر افراد کو ناپسند تھا۔ لیکن اب کوئی جبر یا تشدد نہ کیا جاتا تھا لہذا مخالفت کرنے میں نہ کوئی بہادری تھی نہ ناموری۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گو انگلستان کے اکثر دیہی مکانات (خصوصاً شمالی علاقوں) میں لاطینی انجیل کا سلسلہ یقیناً جاری رہا اور مرتے وقت پُرانے خیال کے لوگ بیشتر کفن دفن کے لئے کیتھولکی پادری بلانے ہی کی وصیت کر دیتے تھے، لیکن عوام الناس اپنے اپنے حلقے کے گرجوں میں حاضر ہونے لگے اور بتدریج نئی نمازوں نے ان کے دل میں جگہ پیدا کر لی۔ پادری، خاصکر کلیسائی عمال نے البتہ زیادہ مقابلہ کیا اور ایک کے سوائے تمام اُسقف جن کو میری نے مقرر کیا تھا، اور دو سو کے قریب دوسرے عہدہ دار (ایسے عہدہ داروں کی مجموعی تعداد نو ہزار تھی) مستعفی ہو گئے۔ مگر اس میں الزبیتھ کے لئے اور بھی آسانی ہو گئی کہ خالی شدہ عہدوں پر یا تو کورڈیل، بارلو وغیرہ اسقف جو ملک سے باہر نکل گئے تھے، بلا کر مقرر کئے گئے یا پُرانے ضوابط "اجازت انتخاب" کے مطابق جن کا پارلیمنٹ نے دوبارہ نفاذ کیا تھا، پراٹس ٹنٹ عقائد کے نئے اشخاص کا تقرر ہوا۔ یہی صورتیں تھیں جن کی وجہ سے کلیسائے انگلستان کے اعلیٰ عمال ہمیشہ ایسے لوگ مقرر ہوتے رہے جو حکومت وقت کے ہمنوا تھے اور چونکہ شخصی سرپرستی بھی زیادہ تر غیر کلیسائی لوگ کیا کرتے تھے، لہذا حکام کلیسا کے خیالات پر عام دنیا داروں کا اثر انگلستان میں دوسرے ممالک کی نسبت ہمیشہ بہت زیادہ رہا۔ ملکہ کو اپنے اختیارات دوسروں کے تفویض کرنے کی گنجائش ملی تو ایک عدالت نظارتِ اعلیٰ کے نام سے قائم کی گئی جس میں پہلے تو عارضی انتظام

باب سوم

کردیا جاتا تھا لیکن ۱۵۸۳ء سے یہ عدالت مستقل ہوگئی۔ اس میں ۱۱۲ اسقفوں سمیت چالیس ارکان تھے اور انھیں کلیسائی نظام کے خلاف جملہ جرائم کی تحقیقات کا اختیار تھا۔ عدالت گرجوں میں حاضر نہ ہونے والوں کو سزا دے سکتی تھی۔ ہر قسم کی غلطی، الحاد اور تفرقہ پردازی کی قوانین ملک کے مطابق اصلاح و درستی کرتی تھی۔ جو تنخواہ دار پادری ارکان دین کے خلاف عقیدہ رکھتے ہوں، انھیں موقوف کرسکتی تھی۔ ازدواجی تعلقات کی بدعنوانیوں اور بداخلاقیوں وغیرہ پر جو شرعاً قابل تعزیر ہوں، سزا دے سکتی تھی۔ الزبتھ نے جو تصفیہ کیا، وہ بین بین تھا اور اسی لئے ہر فرقے کے انتہا پسند اس کے خلاف ہوگئے اور رفتہ رفتہ ملک میں تین مختلف جماعتیں بن گئیں۔ اوّل تو قوم کے عامۃ الناس جو ہر سال اس تصفیئے کے زیادہ تعداد میں گرویدہ ہوتے گئے دوسرے کیتھولکی، جو قدیم نماز کے قائل اور پاپائی اقتدار کو اس حد تک تسلیم کرتے تھے کہ اگر وہ چاہے تو الزبتھ کو بادشاہی سے معزول کرسکتا ہے۔ اور تیسرے وہ غیر مقلد (پیوریٹن) جنھیں انگلستان میں اصلاح کلیسا کا عمل بہت ناکافی نظر آتا تھا اور وہ چند قدم اور آگے جانا چاہتے تھے ان میں سے بہت ایسے تھے جو میری کے عہد میں وطن سے باہر رہے اور جنیوی مُصلح کالوین کی تعلیم سے سرشار ہوکر آئے۔ اطمینان نہ ہونے کے باوجود انھوں نے کلیسائے انگلستان سے علیحدگی اختیار نہ کی لیکن خاص خاص رسموں کی پابندی نہ کرنے کے باعث انھیں "نان کن فورمسٹ" (یا غیر مقلد) کا لقب ملا بعض جوشیلے ان سے بھی آگے نکل گئے اور کالوین کے مشورے کے خلاف انھوں نے اپنی نمازیں الگ پڑھنی شروع کیں اسی لئے انھیں "سیکٹری" (یا افتراقی) کا خطاب ملا۔ ان مذہبی قضیوں کی مصروفیت میں بھی ملکہ

معاملات خارجہ

کو معاملات خارجہ پر کافی توجہ کرنی پڑی۔ اس کی تخت نشینی کے وقت انگلستان، فرانس و اسپین سے کہیں کم قوت سلطنت رہ گیا تھا۔ اس کی کوئی مستقل فوج و قلاع نہ تھے۔ اہل انگلستان کی بہادری بلکہ تہور میں کوئی شک نہیں اور اسکاٹیوں سے مقابلہ کرنے کے لائق انھیں فن حرب میں بھی مہارت حاصل تھی لیکن وہ فرانس یا اسپین کی تربیت یافتہ و آراستہ

باقاعدہ" فوج کے برابر (جس کی تجربہ کار سردار قیادت کرتے اور جو جدید ترین اسلحہ سے مسلّح تھی) تجربہ و تربیت نہ رکھتے تھے۔ البتہ کہہ سکتے ہیں کہ وُلزے نے یہ سبق ضرور سکھا دیا تھا کہ اسپین و فرانس کی باہمی رقابت کے باعث انگلستان اپنی قوت سے بڑھ کر اثر پیدا کر سکتا ہے۔ اور اسے الزبیتھ کی خوش نصیبی سمجھئے کہ وہ حالات جن میں وُلزے کو کامیابی ہوئی، ابھی تک موجود تھے فرانس و اسپین کی باہمی جنگ جاری تھی اور دونوں کے الگ الگ منصوبے میں انگلستان شامل تھا۔ ایک طرف تو ہینری ثانی شاہِ فرانس اس امید میں تھا کہ انگلستان، اسکاٹ لینڈ اور فرانس کے تاج اس کی بیٹی اور بیٹے کے سروں پر ہوں گے اور ہسپانی مقبوضات کو دو ٹکڑوں میں توڑ دیا جائے گا اور دوسری طرف فلپ کو اس منصوبے کو مٹانے کی بہترین شکل یہی نظر آتی تھی کہ جس طرح ہو الزبیتھ کی وراثت بادشاہی کی تائید کرتا رہے واضح رہے کہ باپ کی دست برداری کے بعد سے وہی اسپین، نیدرلینڈز اور اطالیہ کے بڑے حصے کا فرماں روا ہو گیا تھا۔ بہرحال، اسی کی تائید کا الزبیتھ کو اس درجہ یقین تھا کہ مذکورۂ بالا مذہبی تصفیہ کرنے کی جرأت کر گزری حالانکہ خوب جانتی تھی کہ عقائد کے اعتبار سے یہ تصفیہ فلپ کو نہایت ہی ناگوار ہوا ہو گا۔

اوّل اوّل تو فلپ کا خیال یہ تھا کہ الزبیتھ سے خود شادی کر لے اور اس مضمون کا اُس نے ایک خط بھی ملکہ کو تحریر کیا جس میں یہ تصریح کر دی تھی کہ میں انگلستان میں زیادہ قیام نہ کر سکوں گا لیکن جس قدر زیادہ ممکن ہوا بار بار آتا رہوں گا۔ مگر الزبیتھ کو شادی پر خوشی سے آمادہ ہونے نہ ہونے کے علاوہ ایک بڑی دقت یہ حائل نظر آتی تھی کہ فلپ متوفیہ بیوی (میری) کی بہن سے پاپا کی اجازت خاص کے بغیر عقد نہ کر سکتا تھا اور اگر پاپا کا یہ اختیار مان لیا جائے تو پھر یہ بھی گویہ مسلّم ہو جاتا کہ پاپا کسی بیوہ کو بھی متوفی شوہر کے بھائی سے شادی کی اجازت دے سکتا ہے۔ حالانکہ اس صورت میں ہینری ہشتم کی پہلی شادی جائز و درست اور دوسری بالکل ناجائز قرار پاتی اور خود الزبیتھ ناجائز اولاد بن جاتی۔ پس الزبیتھ نے فلپ سے دوستانہ تعلقات تو قائم رکھے لیکن شادی کی تجویز کا کوئی جواب نہ دیا۔

باب پنجم

اصل یہ ہے کہ فلپ کیا، کسی سے بھی اُس کا شادی کرنا طرح طرح کی مشکلات کا باعث ہو جاتا۔ اگر کسی باہر والے سے شادی کرتی تو انگلستان کی رعایا کو برا معلوم ہوتا۔ انگلستان ہی کے کسی امیر کو منتخب کرتی تو دوسرے امرا کو حسد پیدا ہوتا۔ کیتھولک مذہب والے سے شادی ہوتی تو پراٹسٹنٹوں کی موافقت میں جو تصفیہ کیا تھا، وہ کمزور ہو جاتا اور کسی پراٹسٹنٹ سے عقد کرتی تو کیتھولک عقیدے کے انگریز میری (اسکوٹیہ) کے حامی و مددگار بن جاتے۔ غرض ان اسباب نے شادی ہی کو خطرناک بنا دیا تھا اگرچہ وطن اور بیرون وطن میں لوگ مدت تک پورا یقین رکھتے تھے کہ وہ آخر میں کسی نہ کسی سے شادی ضرور کرے گی۔ اسی لئے اتنے معزز رشتے کے بہت لوگ آرزو مند رہے اور اس سے الزبیتھ نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ بہت دن تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ روبرٹ ڈڈلی سے جو آگے چل کے امیر لیسٹر بنایا گیا، شادی کرے گی۔ لیکن اس میں بہت کچھ شبہات ہیں۔ وہ لیسٹر کو پسند ضرور کرتی تھی اور اسے یقین تھا کہ اُسے محبت لیسٹر کو وفادار خادم بنائے رکھے گی لیکن قرائن کہتے ہیں کہ خود اسے عمر بھر صحیح معنی میں کسی سے محبت پیدا نہیں ہوی۔

مارچ ۱۵۵۹ء میں فرانس و اسپین کی جنگ عہد نامہ کاتوں کاں برسیی کے ذریعے ختم ہوی۔ اس یادگار صلح نے ملک ثانی کی اس طویل کشاکش کا جسے چارلس ہشتم کی اطالیہ پر فوج کشی نے شروع کیا تھا، خاتمہ کر دیا اور تاریخ یورپ کے (صلح نامہ ویسٹ فالیہ، ۱۶۴۸ء) ایک نئے دَور کا آغاز ہوا جس میں دول یورپ کے باہمی تعلقات کی بنا زیادہ تر مذہبی ہم خیالی تھی۔ اسی صلح کی خوشی میں جو رَاگ رَنگ کے جلسے ہوے ان میں سپاہیانہ فنون کی نمائش میں شاہ فرانس اتفاقیہ زخمی ہو گیا اور جولائی میں وفات پائی۔ اور تخت پر اس کا بیٹا فرانسس ثانی، اور اسکاٹلینڈ کی ملکہ میری متمکن ہوے۔ لیکن خود فرانسس ۱۵۶۱ء میں مر گیا اور چونکہ میری سے اس کی اولاد نہ تھی، لہذا فرانس و اسکاٹ لینڈ کا اتحاد بھی باقی نہ رہا اور تھوڑے ہی

اسکاٹ لینڈ میں تحریک اصلاح کا اثر	دن بعد میری اپنے وطن چلی آئی اس عرصے میں اسکاٹ لینڈ کی حالت بہت کچھ بدل چکی تھی ۱۵۶۰ء یعنی میری کے جانے کے بعد سے اصلاح کلیسا کی تحریک جاری

ملک میں پھیل گئی اور کامل انقلاب پیدا کر دیا۔ اسکوٹی کلیسا بہت دولت مند اور سراسر خرابیوں میں مبتلا تھا۔ لیکن مدت سے وہاں کے بادشاہ، ہیمل ٹن آرجائل وغیرہ خاندانوں کے خلاف (جو ابھی تک پرانے جاگیرداری حقوق رکھے اور جانباز کاشتکاروں کی تھوڑی بہت فوج بھی میدان میں لاسکتے تھے) اسقفوں کی مدد لیتے رہے تھے اور یہی سبب تھا کہ اصلاح کلیسا کی تحریک شروع ہوئی تو ان امیروں کو بادشاہ اور کلیسا دونوں کی قوت توڑنے کی سب سے اچھی صورت یہ نظر آئی کہ طالبانِ اصلاح کے ساتھ ہو گئے۔ پادریوں نے پراٹس ٹنٹ خیالات کو روکنے کی بہت دن تک جان توڑ کوشش کی اور بہتوں کو موت کے گھاٹ اتارا جن میں مشہور و معروف جارج واشرٹ بھی شامل ہے لیکن انگلستان میں الزبیتھ کا دور آیا تو پراٹس ٹنٹ فرقے کو اپنے مذہب کا اعلان کرنے کی جرات ہو گئی اور امیروں کے ایک گروہ نے "امرائے جماعت" کے نام سے ایک قرارداد پر دستخط کر دیئے اور مطالبہ کیا کہ انگلستان کی کتاب نماز کو اسکاٹ لینڈ میں بھی مروج کیا جائے۔ پھر بھی جان نوکس کی ۱۵۵۹ء میں واپسی تک زیادہ ترقی نہ ہو سکی تھی۔ البتہ اس کے آنے سے رنگ بدل گیا۔ اس وقت نوکس کی عمر ۵۴ سال کی تھی سینٹ انڈروز کاسل کی تسخیر کے وقت وہ قید ہوا اور فرانسیسی جہازوں پر (بطور غلام کے) بھیجدیا گیا تھا۔ مگر بچ کر بھاگ نکلا اور ایڈورڈ ششم کا امام مقرر ہوا۔ وہاں سے نکل کر وہ کالوین کے پاس جنیوا پہنچا اور اس کے عقائد اختیار کر لئے۔ میری ملکۂ انگلستان کے خلاف "وی مونسٹرس رجمینٹ آف وی مین" نام کی کتاب لکھکر کافی بدنامی کمائی۔ اسکاٹ لینڈ پہنچتے ہی اس نے بت پرستی کے خلاف وعظ شروع کیا اور اس کی جوش انگیز فصاحت نے لوگوں میں عجیب ہیجان پیدا کر دیا۔ پرتھ میں ایک وعظ کے بعد سامعین کا یہ حال ہوا کہ اٹھ کر گرجا کی ساری تصویریں، مورتیں، منقش شیشے توڑ ڈالے اور تمام ملک میں اسی قسم کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اس ہمہ ہمی کی بدولت امرائے جماعت اور میری میں علانیہ جنگ کی نوبت پہنچی۔ اس نے فرانس کو مدد کے لئے پکارا اور امیروں نے انگلستان سے التجا کی۔

ان کی تجویز یہ تھی کہ الزبتھ ہیملٹن خاندان کے سرگروہ شہزادہ شاتل ہیرول کے فرزندِ اکبر، امیر ایران سے شادی کرے جو شاخِ اسٹواٹ میں میری کے بعد وارث خاندان تھا اور اگر الزبتھ یہ رشتہ منظور کرلیتی تو میری کو معزول کرکے ایران کی بادشاہی کے لئے کوشش کی جاسکتی تھی۔ مگر ملکہ انگلستان کو یہ منصوبہ بہت مخدوش نظر آیا۔ دوسرے ایران سے خود ملی تو اسے جسم و دماغ دونوں اعتبار سے کمزور دیکھکر اُس نے بالکل انکار کردیا۔ تاہم وہ اسکوئی امیروں کو فرانسیسی سپاہ کے خلاف مدد دینے پر آمادہ ہوگئی بشرطیکہ یہ اُمرا ملکہ کے وفادار رہیں۔ اسی کے مطابق عمل ہوا۔ نتیجہ اس تمام خلفشار کا یہ نکلا کہ اسکاٹ لینڈ کے تقریباً سب باشندے اشد خیال کے پراٹسٹنٹ ہوگئے اور کیتھولکی مذہب امرا کے چند خاندانوں یا پہاڑی باشندوں میں باقی رہ گیا۔ تمام خانقاہیں مسدود اور ان کی اراضی امرائے جماعت کے قبضے میں آگئیں۔ بڑے کلیسا اور حلقوں کے گرجا تک جگہ جگہ سے توڑ پھوڑ دیئے گئے۔

میریِ ملکۂ اسکوتیاں میری بیوہ ہوکر اسکاٹ لینڈ آئی تو انیس سال کی تھی۔ اس کی تصویروں میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن معاصرین اُس کے حسین ہونے پر متفق ہیں۔ وہ اعلیٰ درجے کی قابلیتیں رکھتی تھی اور جن لوگوں سے سابقہ پڑا، ان سے سیاسی معاملت کرنے میں کچھ کم ہوشیار ثابت نہ ہوی۔ کئی سال تک یہ سوال طے نہ ہوا کہ میری اور الزبتھ کے باہمی تعلقات کیا ہوں گے۔ کوئی بہت خاص وجہ ان کی دوستی میں مانع نہ تھی۔ خود شادی نہ کرنے کے باوجود الزبتھ اپنی رشتے کی بھانجی[1] سے شادی کرنے کی تاکید کرتی رہی اور اس کے لئے لیسٹر کا نام خود پیش کیا۔ میری نے بظاہر تو اس پر غور کرنے کا وعدہ کیا لیکن حقیقت میں طے کرلیا کہ اپنی سوتیلی بھیجی مارگریٹ داور امیر لناکس) کے بیٹے ہینری ڈارن لی سے عقد کرے گی۔ چنانچہ ۱۵۶۵ء میں یہ ارادہ حیز عمل میں آگیا۔ ڈارنلی، باپ کی جلاوطنی کے زمانے میں

[1] شجرے کی رُو سے میری، الزبتھ کی بھیجی کی پوتی تھی۔ مترجم

انگلستان میں پیدا ہوا اور الزبیتھ اُسے خوب جانتی تھی۔ شادی سے ٹیوڈر خاندان کی دو شاخیں باہم مل گئیں (دیکھو صفحہ ۴۷۳) اور میری کے دعاوی وراثت گویا قوی تر ہو گئے۔ مگر میری کی کم نصیبی کہ ڈارنلی کے ذاتی اوصاف بہت ادنیٰ قسم کے ثابت ہوے۔ وہ بلند قامت اور خاصا خوبصورت تھا لیکن خصائل ناقص اور طینت بہت بُری پائی تھی مطلق امور ملک داری کی صلاحیت نہ تھی اور اسی لیے میری کو ملک کے انتظامات پہلے کی طرح اب بھی خود کرنے پڑے اور اس نے ایک اطالوی مُطرب ڈیوڈ رزیو کو اپنا مدبر بنا لیا جو ابتداءً سیوواے کے سفیر کے ہمراہ اسکاٹ لینڈ آیا تھا۔ وہ ممالکِ غیر کی زبانوں سے واقف تھا اسی لئے میری کو بہت کار آمد معلوم ہوا اور پھر تھوڑے ہی دن میں اس کا معتمد علیہ بن گیا۔ بخلاف اس کے ڈارنلی کو اُس نے تخت نشینی میں بھی شریک نہ کیا اور یہ احمق نوجوان بیوی سے بگڑ کر پراٹسٹنٹ فرقے میں جا ملا۔ اسی فرقے سے مل کر اُس نے رزیو کو مار کر خود انتظاماتِ ملک حاصل کرنے کی سازش کی اور اس کا پہلا حصّہ کامیاب ہو گیا کہ قاتل، رزیو کو ملکہ کے دسترخوان پر سے گھسیٹ لائے اور برابر کے کمرے میں ہلاک کر دیا۔ مگر اہلِ سازش کی دوسری غرض پوری نہ ہوی۔ ڈارنلی اپنی تاجدار بیوی کے ہاتھوں میں موم کی گڑیا تھا اور اس نے امیر بوتھ ویل کی مدد سے اہلِ سازش کو ایسی زک دی کہ انھیں جان بچا کے بھاگتے ہی بن پڑی۔

۱۹ جون ۱۵۶۶ء کو میری کا بیٹا جیمس پیدا ہوا اور چونکہ کیتھرائن گرے کے دعاوی اسی زمانے میں مردود ہو گئے تھے، لہٰذا بیٹا ہو جانے سے میری کے دعوی کو اور قوّت پہنچی۔ کیتھرائن کا قصّہ یہ ہے کہ ۱۵۵۳ء میں لارڈ ہربرٹ سے عقد کیا تھا جو منسوخ ہو گیا اور ۱۵۶۱ء میں اُس نے امیر کبیر سمرسٹ کے بیٹے ہارٹ فرڈ سے خفیہ شادی کر لی۔ اسی سے ایک بیٹا پیدا ہوا تھا مگر صدر اسقف پارکر نے واقعات کی تحقیقات کر کے اس شادی ہی کو ناجائز قرار دیا اسی بنا پر کیتھرائن اور اس کا بیٹا دونوں کے حقوق ساقط ہو گئے، اور اہلِ انگلستان بھی میری کے دعاوی کو زیادہ موافقت کی نظر سے دیکھنے لگے کیونکہ اُس نے اسکاٹ لینڈ کے پراٹسٹنٹوں سے بھی کچھ بیجا برتاؤ نہیں کیا تھا۔

مگر عین اس وقت، کہ میری کو دوبارہ عمدہ موقع اور خیر خواہوں کا معقول گروہ مل گیا تھا، ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس نے ان سب امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اور یہ حضرتِ دل کی کارستانی تھی۔

میری اور بوتھ ویل

ڈارنلی تو توقع کے بالکل خلاف بیکار آدمی ثابت ہوا۔ پس میری ایک ایسے شوہر کی آرزو مند ہوگئی جس پر وہ بھروسہ کر سکے اور اس کے تمام ضروری اوصاف اُسے سرحدی شمشیر زن امیر بوتھ ویل میں نظر آئے اور وہ اس پر دل وجان سے عاشق ہوگئی۔ بوتھ ویل کی بیوی موجود تھی اور وہ اُسے دل سے چاہتا تھا لہٰذا میری کے اقدام کا اُس نے بظاہر اُسی جوش خروش کے ساتھ جواب نہیں دیا۔ تاہم تقدیر کی سازگاری سے پورا فائدہ اٹھانے پر تیار ہو گیا اور میری کو ڈارنلی کے قتل کرا دینے کی ترغیب دی۔ بیٹا ہونے کے بعد سے اس غریب کو کوئی پوچھتا تک نہ تھا۔ دسمبر ۱۵۶۶ء میں گلاسگو میں اُس کے چیچک نکل آئی مگر کچھ روز میں صحت ہوگئی اور میری خود اسے ایک الگ تھلگ سے مکان "کرک او فیلڈ" میں لے آئی جو پرانے اڈن برو کے جنوب میں ہولی رُڈ محل کے قریب واقع تھا اور اس محل کی ہوا تازگی میں مشہور تھی۔ بہرحال، مذکورہ بالا مکان میں میری کبھی کبھی ڈارنلی سے جا کر مل آتی تھی۔ ۱۰ فروری کی رات کو ایک زور کا دھما کا لوگوں نے سنا اور تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ "کرک او فیلڈ" سرنگ لگا کے اڑا دیا گیا۔ طرفہ تر یہ کہ ڈارنلی اور اس کے نوکر دونوں کی لاشیں باغ میں اس طرح پائی گئیں جیسے گلا گھوٹ کے مارے گئے ہوں اور آگ سے انھیں کوئی ضرر نہ پہنچا تھا عام طور پر بوتھ ویل کو اس خون کا مجرم سمجھا جاتا تھا اور ڈارنلی کے باپ نے باقاعدہ مقدمہ چلانے کی درخواست کی۔ عدالت نے ۱۲ اپریل کی تاریخ سماعت مقرر کی تھی مگر اس دن اڈن برو میں بوتھ ویل کے سپاہی آبھرے۔ مستغیث نے اپنی جان کے خوف سے مقدمہ چلانے سے انکار کیا اور بوتھ ویل رہا کر دیا گیا۔ اسی کے چند روز بعد میری اپنے بچے کو دیکھ کر آ رہی تھی کہ راستے میں بوتھ ویل نے اسے پکڑ لیا اور قلعہ ڈن بر میں بھگا لایا۔ اپنی بیوی کو طلاق دینے کی اجازت

حاصل کی اور پھر میری سے عقد کرلیا۔ (۱۵ مئی)

یہی شادی میری کی خانہ بربادی تھی۔ بہت کم لوگ ہوں گے جنھیں اب اس بات میں شبہ رہ گیا ہو کہ ڈارنلی کے قتل میں ضرور اس کا ہاتھ تھا۔ اُدھر بوتھ ویل کے غرور سے لوگ سخت نفرت کرتے تھے اور ملکہ نے اُسے شوہر بنا کے اسکاٹ لینڈ کے سارے اُمرا کو اپنا دشمن بنا لیا۔ اس متفقہ اور عام مخالفت کو بوتھ ویل نے دبانے کی کوشش کی مگر کچھ نہ چل سکی۔ اپنے زمینداروں کو جمع کرکے وہ میری سمیت ایڈن برو پہنچنا چاہتا تھا کہ شہر سے پانچ میل شرق میں، کاربری پہاڑی پر اُمرا کی فوج نے آگھیرا (۱۵ جون) بوتھ ویل کے سپاہی یہ رنگ دیکھ کے کھسکنے لگے اور آخر وہ خود مایوس ہو کر فرار ہو گیا۔ اُنھی کے بچ کر نکل جانے کی خاطر خود ملکہ نے اپنے تئیں حریفوں کے حوالہ کر دیا۔ لیکن پہلے ڈن بار پھرا اور کئی وغیرہ مقامات پر کچھ مدت آوارہ پھرنے کے بعد وہ ڈین مارک والوں کے ہاتھ پڑا اور انھوں نے بحری قزاق سمجھ کر قید میں ڈال دیا۔ بوتھ ویل نے اسی قید میں (۱۵۷۶ء میں) زندگی ختم کی۔ اور اُدھر میری فضیحت کی تصویر بنی ہوئی جلوس کے ساتھ ایڈن برو میں لائی گئی جہاں لعنت ملامت کے آوازوں سے اس کا خیر مقدم ہوا اور جھنڈیاں اڑائی گئیں جن پر اس کے شیر خوار بچے کی تصویر تھی کہ اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لینے کی فریاد کر رہا ہے۔ شہر میں پہنچ کر بھی میری کے ساتھ کوئی درگزر نہ کی گئی۔ اُمرا نے جن کا سرغنہ جیمس ڈگلسی (ایرل مورٹن) تھا اسے لوک لیون قلعے میں بند کر دیا اور دھمکا کر اپنے شیر خوار بچے کے حق میں تخت سے دست برداری لکھوائی اور شیر خوار بادشاہ کا اتالیق ملکہ کے رضاعی بھائی ایرل مرے کو تجویز کیا۔ لیکن میری قید میں بھی سازباز کرتی رہی اور آخر بھاگ کر خاندان ہیملٹن کے لوگوں کے پاس جا پہنچی جن سے بھروسہ تھا کہ کیتھولک فرقے کو اُس کی حمایت پر کمر بستہ کر دیں گے۔ اس کے پاس خاصی فوج جمع ہو گئی جن میں معزول اساقفہ اور علما و مشائخ کا جوق کا جوق شامل تھا۔ اسے امید تھی کہ ڈمبارٹن کا مضبوط قلعہ ہاتھ آجائے گا لیکن ۱۳ مئی ۱۵۶۸ء کو، گلیس گو کے قریب، لینگ سائڈ پر اتالیقِ شاہ نے ایک مختصر

جمعیت سے اس کا مقابلہ کیا اور میری کی فوج کو جس میں بھانت بھانت کے سپاہی بھرے تھے، کامل شکست دی۔ خود ملکہ کو مسلسل ساٹھ میل گھوڑے پر چلنا پڑا تب کہیں سول وے فرتھ پہنچ کر اپنی سلامتی کا اطمینان ہوا۔ یہاں اُس نے فیصلہ کیا کہ انگلستان سے دستگیری کی التجا کرے اور اس بات کی ہمت یوں ہوی کہ اُمرا سے گذشتہ کشمکش کے موقع پر الزبیتھ نے کچھ زبانی تائید کر دی تھی۔ غرض ۱۶ مئی کو میری تھوڑے سے ساتھیوں کے ہمراہ جہاز میں بیٹھکر ساحلِ کمبرلینڈ تک آئی اور ورکنگ ٹن کے مقام پر اُتر کر کارلائل روانہ ہوی۔

میری انگلستان میں

میری کا انگلستان آنا، الزبیتھ کے لئے کچھ کم گھبراہٹ کا موجب نہ تھا وہ کوئی مایوس اور پریشان حال پناہ گزین بن کر نہیں آئی بلکہ ایک برابر کے تاجدار کی حیثیت سے، جو دوسرے تاجدار سے اپنی باغی رعایا کے مقابلے میں مدد کا متمنی ہو، آئی تھی۔ اور کامل توقع رکھتی تھی کہ الزبیتھ بے تامل اس کی پشت پناہی کرے گی۔ مگر خود الزبیتھ مشکل میں تھی کہ کیا کرے۔ غالباً سب سے اچھی صورت تو یہ ہوتی کہ میری کو اسکاٹ لینڈ کے اتالیقِ شاہ کے حوالے کر دیا جاتا اور وہ اسے محفوظ مقام پر قید کر دیتا۔ لیکن الزبیتھ یہ کہوانا کہ وہ باغیوں سے اتحاد رکھتی ہے، پسند نہ کرتی تھی۔ چنانچہ کچھ اور وقت گزار نے کی غرض سے اُس نے اصرار کیا کہ پہلے ڈارنلی کے قتل کے متعلق تحقیقات ہونی چاہئے کہ آیا میری کی اس میں کوئی شرکت ثابت ہوتی ہے؟ پھر اس تحقیقات کا انتظام ہونے تک اس نے حکم دیا کہ میری، یارک شہر کے قلعہ بولٹن میں رکھی جائے جہاں سے کارلائل کی نسبت، اس کے بھاگنے یا بھگا لئے جانے کا اندیشہ کم تھا۔ اکتوبر میں اسکاٹ لینڈ کی طرف سے مرے، مورٹن وغیرہما انگلستان کے وکلا سے جن کا سرخیل شہزادہ نارفک ٹامس ہاورڈ تھا، یارک میں ملاقی ہوئے تحقیقات میں اسکاٹ لینڈ والوں نے سب سے اہم شہادت یہ پیش کی کہ چند خطوط دکھائے جو اُن کے بیان کے مطابق میری نے بوتھ ویل کو لکھے اور ایک چاندی کی صندوقچی میں پائے گئے جسے بوتھ ویل، ایڈن برو

کے قلعے میں بھولے سے چھوڑ گیا تھا۔ اب یہ کہنا دشوار ہے کہ یہ خطوط جعلی تھے یا اصلی۔ مگر جب پیش ہوئے تو ملک بھر میں سناٹا سا پیدا ہو گیا۔ بہرحال، الزبیتھ کی در اصل یہ غرض ہی نہ تھی کہ میری قتل کی مجرم ثابت ہو یا بے گناہ۔ اور چونکہ اسے معلوم ہوا کہ ابھی سے نارفاک، میری سے خود شادی کے توڑ جوڑ کر رہا ہے، لہٰذا کسی تدبیر سے اس پنچائت کو برخاست کرا دیا اور جنوری ۱۵۶۹ء میں مرے اپنے وطن واپس چلا گیا اور میری، ٹٹبری میں نظر بند کر دی گئی۔

الزبیتھ کے اسباب تقویت

الزبیتھ کو بادشاہ ہوئے دس سال گزرے تھے اور اس مدت میں اُس کی قوت ملک میں اور باہر برابر بڑھتی رہی۔ ملک کے اندر تو اُس کی پُرامن اور کفایت پسند حکومت نے گذشتہ حکومتوں کے نقصانات کی تلافی کرنے کا موقع بہم پہنچایا۔ سکے کا عیار درست کر دیا گیا اور سرکاری خزانے کی ساکھ پھر جم گئی۔ جنگی جہازوں کی مرمت اور قلعوں کے پہرے چوکی کا انتظام ہوا۔ مزید برآں ملکہ نے کیتھولک عقیدے کے امرا سے آشتی کا جو برتاؤ کیا اور حتی المقدور کوشش کی کہ کوئی فرقہ بالکل ہی آزردہ ہونے نہ پائے اِس حکمت عملی نے ایک مستقل گروہ ایسے اشخاص کا مرتب کر دیا جو اپنے فرقے کی بجائے وطن کی اغراض کو مقدم جانتے تھے۔ ممالک خارجہ میں الزبیتھ کی یہ حکمت عملی کہ فرانس و اسپین کی باہمی رقابت سے فائدہ اٹھاکر خود ان کے حملے سے بچی رہے، آیندہ واقعات سے بالکل مناسب و صحیح ثابت ہو رہی تھی۔ دوسرے مذکورۂ بالا رقابت کے علاوہ بعض اور اسباب کام کر رہے تھے جنھوں نے ان یورپی سلطنتوں کی اصلی قوّت کو کم کر دیا اور اس طرح انگلستان مقابلۃً قوی تر ہو گیا۔

ان اسباب میں سب سے اوّل تو فرانس کی مذہبی جنگ و جدال تھی کہ وہاں پر اٖلش ٹنٹ فرقہ عوام الناس میں کبھی مقبول نہ ہو سکا اور لوآر کے جنوب کے اضلاع میں امرا اور متوسط طبقے کے افراد اس کے حامی بن گئے۔ اس علاقے کا صدر مقام روشیل ہے مگر اس سے بھی بڑھ کر گعیں کنی اور اس کے

نواحی اقطاع میں نئے عقیدے نے فروغ پایا اور غالباً اس کے پیرووں کی تعداد کیتھولکوں سے بھی بڑھ گئی حالانکہ فرانس کے دوسرے اقطاع میں وہ اکّا دکّا کہیں نظر آتے تھے۔ ہنیری ثانی شاہ فرانس کے تین بیٹوں کی حکومت کے زمانے میں اصلی اقتدار اُن کی ماں کیتھرائن ومیدیچی کے ہاتھ میں رہا اور چونکہ طاقتور خاندان گیز کا سرگروہ شہزادۂ فرانسس (فاتح کالے) اس کا حریف بن گیا تھا لہذا خود کیتھولک ہونے کے باوجود یہ ملکہ نئے عقیدے والوں سے باربار اتحاد کرنے پر مجبور ہوتی تھی۔ فرانس میں فرقۂ جدید ہیوگینو کہلاتا تھا اور ان کے سرخیل شاہ نوار کا بھائی شہزادہ کوندے اور امیر البحر کولینی تھے۔ ۱۵۶۲ء میں کیتھراین نے چاہا کہ ہیوگینو فرقے کو قانونی جواز حاصل ہو جائے۔ اس پر علانیہ جنگ کی نوبت آئی کوندے شکست کھا کے پکڑا گیا۔ گیز خونی کا شکار ہوا اور اس طرح جو لڑائی چھڑی وہ سخت عناد کے ساتھ برابر جاری رہی۔ ملکۂ انگلستان کے لئے اب خدشے کی صورت یہ ہو سکتی تھی کہ اگر خاندان گیز فتحمند ہوا تو ممکن تھا کہ وہ اسکاٹ لینڈ کی میری سے الزبیتھ کے خلاف کام لے۔ نظر براین الزبیتھ نے احتیاط کے ساتھ ہیوگینو فریق کو مدد دی اور کفالت میں قصبۂ ہاور قبول کر لیا۔ مگر کیتھراین نے آپس میں صلح صفائی کر لی جس سے انگریزوں کو بھی ہاور کا تخلیہ اور اور صلح قبول کرنی پڑی۔ اس وقت سے الزبیتھ نے اپنی حکمت عملی کا بنیادی اصول ہی یہ قرار دیا کہ حکومت فرانس کے ساتھ صلح قائم رکھی جائے۔

اسی زمانے میں ندرلینڈز کی پیچیدگیوں سے اسپین کی قوت کم ہو گئی۔ اس علاقے میں سترہ اضلاع تھے جن پر خاندان برگنڈی مختلف خطابات کے ساتھ قابض رہا اور اب وہ سب فلپ ثانی کے ورثے میں آئے دو جداگانہ خطوں میں، جن کی سرحدی حد فاصل شیلٹ کی کھاڑی کو سمجھنا چاہئے، شمالی باشندے ہولنڈیری نسل سے، مذہب کے پراٹسٹنٹ اور مفلوک الحال تھے۔ برخلاف اس کے جنوب میں فلیمنگی خون اور دولتمندی زیادہ تھی مگر اصلاحی عقائد کو اتنا فروغ نہ ہوا تھا شمال میں کوئی معقول شہر ہی اس وقت نہ تھا لیکن جنوب میں بروسل، بروژ، اینٹ ورپ اور گان یورپ کے سب سے دولتمند

شہروں میں شمار ہوتے تھے۔ ان شہر والوں نے جس کشادہ دلی سے اپنے حاکموں کو روپیہ دیا، اس کے عوض میں یہ حکام ان سے بڑی عزت کا برتاو کرتے رہے اور چارلس بھی اس کا بہت پاس کرتا تھا۔ لیکن فلپ باپ کی طرح گشت لگاتا نہیں پھرا بلکہ زیادہ تر اسپین ہی میں مقیم رہا اور اپنی آنکھوں ملک کے حالات دیکھنے کی بجائے مقامی عہدہ داروں کی اطلاعوں پر اعتماد کرتا تھا۔ اسی لئے وہ ٹھیک اندازہ نہ کرسکا کہ ندرلینڈز والے کس درجہ آزادی یافتہ ہیں، اور نزاع و اختلاف سے بڑھتے بڑھتے یہ نوبت پہنچی کہ وہاں کے لوگ ہتیار لے کے اپنے بادشاہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوے۔ اس بغاوت نے الزبیتھ کو دہرا فائدہ پہنچایا۔ اور وہ یہ کہ اول تو فلپ کی قوت اُسی حصۂ سلطنت میں کمزور ہوی جہاں سے وہ انگلستان پر بہ آسانی حملہ کرسکتا تھا۔ دوسرے فلپ کے سپہ سالار آلوا نے سخت مظالم کئے تو پورے تیس ہزار پراٹس ٹنٹ جلا ہے وطن چھوڑکر انگلستان کے شمال مشرقی اضلاع خصوصاً نارفک اور سفک میں آبسے اور اپنی دستکاری کی مہارت ساتھ لائے۔ آیندہ سے اہل انگلستان کو اپنا اون ندرلینڈز بھیجنے کی ضرورت نہ رہی بلکہ ملک ہی میں اون بُنا جانے لگا اور نئی صنعت نے زراعت، چرائی اور صناعی کے درمیان توازن قائم کرنے میں بڑی مدد دی جو سابقہ سنین میں وسیع احاطہ بندی کے باعث بگڑ گیا تھا۔

۱۵۶۹ء کی بغاوت

باایں ہمہ اسکاٹ لینڈ کی میری کی موجودگی الزبیتھ کو کافی پریشان کرتی رہی۔ یارک کی پنچائت ہی میں یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ اس کی نارفک سے شادی ہو جانی چاہیئے۔ چونکہ یہ امیر کیبر کیتھولک فرقے کا سرغنہ تھا، لہذا یہ شادی انگلستان بھر میں پسندیدہ سمجھی جاتی البتہ پراٹس ٹنٹ فرقہ سخت ناراض ہوتا اور اسی بنا پر الزبیتھ نے سختی سے روک دیا کہ آیندہ یہ بات زبان پر بھی نہ لائی جائے۔ اس قدغن کا نتیجہ یہ ہوا کہ نارفکی گروہ کے بڑے بڑے امیر بہت بگڑے اور بغاوت کے منصوبے بنانے لگے جس میں آلوا سے بھی فوجی مدد ملنے کی توقع تھی۔ آلوا نے شرط لگائی کہ اگر انگریز کیتھولک، سیسل کو گرفتار کرے تو مدد دی جائے گی۔ مگر یہ کام

نارفک سے نہ بن پڑا اور الزبیتھ نے نارفک کو تو بجا طور پر نامخدوش سمجھکر آزاد رہنے دیا مگر ٹامس پرسی (امیر نارتھمبرلینڈ) اور چارلس نویل (امیر ویسٹ مورلینڈ) کی گرفتاری کا حکم دیا کہ دونوں سرحد کے جنگلی کاشتکاروں کی جمعیتیں رکھتے تھے اور آئے دن کی لڑائیوں نے انھیں جنوبی امیروں کی نسبت زیادہ جنگجو اور مضبوط بنا دیا تھا۔ قید کا حکم سنتے ہی دونوں امیروں نے ہتیار سنبھالے ڈرہم پر جبراً قبضہ کیا اور اس کے پرُشکوہ کلیسا میں (آخری دفعہ) لاطینی مناجات گوائی۔ پھر میری کو لینے جنوب کی طرف چلے کیونکہ وہ ٹٹ بری قلعے میں رہا کرتی تھی۔ لیکن الزبیتھ اُن سے بڑھ کر تیز تھی۔ اُس نے امیر سسیکس (ٹامس ریٹ کلف) کو تو فوراً مقابلے کے لئے روانہ کیا اور میری کو عقب میں کوونیٹری بھجدیا کہ اُس کے خیر خواہ بادشاہی فوج سے لڑے بغیر اُس تک نہ پہنچ سکیں سسیکس خود کیتھولک عقائد کا امیر تھا لیکن الزبیتھ اُس پر پورا بھروسہ رکھتی تھی۔ اُدھر باغی امیروں کا منصوبہ ناکام ہوا تو انھوں نے لڑائی کی نوبت آنے سے پہلے فوج منتشر کر دی۔ اُن کی پیش قدمی کے زمانے میں پرُانے اور نئے عقائد کی حدِ فاصل بھی عیاں ہوگئی کہ یارک شر میں دیہاتیوں نے تو بلا استثنا باغی امیروں کی تائید کی اور قصبات جہاں کہیں پارچہ بافی کی صنعت رائج ہوگئی تھی، ملکہ کی وفاداری میں ثابت قدم رہے۔ چنانچہ لیڈز برج باغیوں کے مقابلے میں اَڑ گیا اور ہیلی فیکس نے اُن کے خلاف فوجی دستہ تیار کر کے سسیکس کو بھیجا۔ بہرحال اپنے عہد کی یہ پہلی اور آخری بغاوت دیکھکر الزبیتھ نے سخت تدابیر اختیار کرنی ضروری سمجھیں۔ شمال میں احکام بھیجے گئے کہ وہارف اور ٹائن کے درمیان ہر پنٹھ کے قصبے اور بڑے گاؤں میں گرفتار شدہ باغیوں کو جوق درجوق سولیوں پر لٹکا دیا جائے اور اس ظالمانہ سیاست کی بہت سی یادگاریں اب تک باقی ہیں مقتولوں کی مجموعی تعداد ۳۱۴ تخمینہ کی گئی ہے۔ دونوں امیر بھاگ کر اسکاٹ لینڈ پہنچ گئے تھے مگر نارتھمبرلینڈ کو وہاں کے اتالیق شاہ نے پکڑ کر الزبیتھ کے حوالے کر دیا اور ۱۵۷۲ء میں سزائے موت پائی ویسٹ مورلینڈ اسکاٹ لینڈ کے سرحدی مقامات میں کچھ مدت چھپا رہا پھر ندرلینڈز بھاگ گیا

اور وہیں وفات پائی۔

یہ تشویش انگیز فتنہ مشکل سے فرو ہوا تھا کہ ایک اور سازش کا انکشاف ہوا۔ اس وقت پاپاؤں نے مختلف وجوہ سے الزبیتھ کی تکفیر نہیں کی تھی لیکن ۱۵۷۰ء میں پائیس پنجم نے ایک فتویٰ شائع کیا جس میں ملکۂ انگلستان خارج از ملت اور اس کی رعایا اطاعت کے فرض سے آزاد قرار دی گئی تھی۔ اس فتوے نے خواہی نخواہی تازہ سازش کا دروازہ کھولدیا اور نارفک اور بعض امرائے جنوب اسپین کے ساتھ غدارانہ خط کتابت کرتے رہے۔ ان کا کارندہ لندن کا ایک اطالوی نژاد ساہوکار رِڈولفی تھا جو اپنے بیوپار کے سلسلے میں بے تکلف اسپین، اطالیہ وغیرہ ممالک میں آجا سکتا تھا۔ لیکن سیسل کو ان سب کارروائیوں کی خبر تھی اور بالآخر اسپین سے فوج بلانے کی سازش کا پورا ثبوت ہاتھ آگیا جس میں دوسرے اشخاص کے منجملہ نارفک، ارنڈیل اور خود میری پوری طرح شریک پائی گئی۔ دوبارہ الزبیتھ کو سختی کرنی ضروری معلوم ہوئی اور ۱۵۷۲ء میں امیر کبیر نارفک کا سر قلم کرا دیا گیا۔ امرا کی بے وفائی اور

پارلیمنٹ کی وفاداری۔

کج ادائی سے الزبیتھ کو کافی تکلیف پہنچی لیکن دارالعوام کی روز افزوں وفا کیشی نے اس کا پورا بدل کر دیا۔ بلکہ یہاں مبعوثین کی افراطِ عقیدت سے وہ پریشان ہوی۔ جب سے عہدہ داروں پر افضلیت کا حلف واجب ہوا، پارلیمنٹ میں کسی راسخ العقیدہ کیتھولک کی گویا گنجائش نہ رہی۔ دوسرے دارالعوام میں اکثریت جنوب کے نمایندوں کی تھی جہاں پراٹسٹنٹی عقائد کا زور تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ایوان مجموعی طور پر پکے غیر مقلد خیال کے لوگوں کی مجلس بن گیا۔ اس سے ملکہ کو بڑی قوت پہنچی اور جب کبھی وہ اپنے امرا یا بیرونی دول کو یہ بتانا چاہتی کہ قوم اُس کی حامی ہے، تو اس کی سیدھی تدبیر یہ تھی کہ پارلیمنٹ کا جلسہ منعقد کر دیا جاتا۔ چنانچہ ۱۵۷۲ء کی پارلیمنٹ نے بھی نہ صرف نارفک کی قتل کی تحریک پیش کی بلکہ میری کے خلاف غداری (خوابیٔ خون) کا فتویٰ صادر کیا اور اپنی طرف سے تو یہی تحریک کی کہ وہ بھی فوراً قتل کرا دی جائے لیکن الزبیتھ نے اس فیصلے کا

اخلاقی اثر کافی تصور کیا اور اسے منظوری نہیں دی ۔ صرف ایک مسئلہ شادی کا ایسا تھا جس میں الزبیتھ اور اس کی پارلیمنٹ مختلف الرّاے تھے ۔ اشد خیال کے پیورٹن ٹنٹ چاہتے تھے کہ ملکہ شادی کرے اور انھی کے خیالات کا اثر پارلیمنٹ کی تجاویز میں نمایاں تھا جس نے بار بار عریضہ پیش کیا کہ الزبیتھ شادی کرے تا اُس کی اولاد میری ملکہ اسکاٹ لینڈ کی وراثت کی نوبت نہ آنے دے ۔ مگر الزبیتھ اپنی مصلحتیں خود ہی خوب سمجھتی تھی اور اُس نے اُن سے صاف کہ دیا کہ بس اپنے کام سے کام رکھیں ۔

فرانسیسی رشتے کی تجویز

اصل یہ ہے کہ وہ اسی زمانے میں اپنی شادی کا لالچ دے کے ایک بڑی سیاسی کامیابی حاصل کرنے کی فکر میں تھی ۔ یہ صاف نظر آنے لگا تھا کہ انگلستان کا اصلی دشمن اسپین ہے اور اسی سے نوبت جنگ آجانے کی توقع تھی ، لہٰذا فرانس کے ساتھ عہد و پیمان کر لینا بہت ضروری ہوگیا جس میں فرانس کو دوست بنائے رکھنے کے علاوہ بڑی مصلحت یہ تھی کہ اسکاٹ لینڈ کی طرف سے پیچیدگی پیدا نہ ہونے پائے نظر براین الزبیتھ نے فرانس کے ہینری شہزادہ انژو سے رشتے پر غور کرنے کی آمادگی ظاہر کی ۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فی الواقع شادی کرنے کا کوئی پختہ ارادہ نہ رکھتی تھی تاہم محض آمادگی نے دربار فرانس کے ساتھ انگلستان کے تعلّقات کو دوستانہ بنا دیا ساتھ ہی یہ عہد نامہ مرتب ہوگیا کہ اہل معاہدہ میں سے کسی پر ، کسی وجہ سے بھی کوئی حملہ ہو ، تو دوسرا چھ ہزار سپاہیوں سے مدد کرے گا ۔ اسکاٹ لینڈ بھی عہد نامے میں شریک کیا گیا اور یہ شرط بڑھا دی گئی کہ نہ فرانس و انگلستان کو اسکاٹ لینڈ کے اندرونی معاملات میں دخل دینا چاہیئے اور نہ کسی دوسرے ملک کو اجازت دی جائے گی کہ وہ اسکاٹ لینڈ میں مداخلت کرے ۔

آنژو کے رشتے میں فیصلے کا وقت آیا تو مشکلات نکل آئیں اور تجویز یہ ہوی کہ اُس کے چھوٹے بھائی فرانسس کے ساتھ قرارداد ہوجائے تو پھر کوئی دشواری نہ ہوگی ۔ فرانسس کی عمر سترہ سال کی تھی اور اس کا الزبیتھ سے کچھ بھی جوڑ نہ ہوسکتا تھا ۔ پھر بھی گیارہ سال تک اس معاملے میں غور ہوتا رہا اور کئی بار

فرانسس انگلستان آیا۔ وہ بدصورت، پستہ قامت، بڑے سے سر اور مکروہ ناک کا نوجوان تھا۔ الزبیتھ ہنسی سے اسے "میرے مینڈک" کہ کر پکارتی تھی لیکن بناوٹ سے اس کی عاشقی کا دم بھرنے لگی تھی۔ اس کی خارجہ حکمت عملی کا سارا مدار ہی فرانس کے اتحاد پر تھا اور کئی صدمے پہنچنے کے باوجود وہ اسے نباہے گئی۔ ان صدمات میں بارتھول میو کا قتل عام واقعہ ۱۵۷۲ء سب سے سخت تھا۔ ایسی حکومت کے ساتھ دوستی قائم رکھنی جس نے ایسے سفاکانہ جرم کا ارتکاب کیا، گویا اہل انگلستان کے محسوسات کی سخت آزمائش تھی، لیکن الزبیتھ جانتی تھی کہ مخالفت کی گئی تو دربار فرانس اسپین سے دوستی کرنے پر مجبور ہو جائے گا، لہٰذا اس خطرے کے زائل ہونے تک وہ اپنی حکمت عملی پر برابر جمی رہی۔

اتحادِ فرانس کو جس طرح ممکن ہو استوار رکھنا، اس لئے ضروری تھا کہ اسپین کی طرف سے انگلستان کو خطرہ تھا۔ ولندیزوں کا قلع قمع کرنے کی غرض سے شہنشاہ فلپ فوج پر فوج ندرلینڈز میں بھیج رہا تھا۔ اُس کے بہترین سپہ سالار فوجوں کے ہمراہ تھے اور ان کی موجودگی سے انگلستان کو حملے کا ہر وقت اندیشہ رہنا بجا تھا۔ ولندیز باغیوں کی آزادی کو علانیہ تسلیم کرنا تو الزبیتھ کو پسند نہ تھا، تاہم فلپ کی دشواریاں بڑھانے کی غرض سے اُس نے اپنی رعایا کو ولندیزی فوج میں داخلے کی اجازت دے دی۔ اور وقتاً فوقتاً روپے سے بھی باغیوں کی مدد کرتی رہی۔ ان سب باتوں کے باوجود ۱۵۷۶ء میں آسٹریہ کے شہزادے ڈان جان نے ۱۵۷۱ء میں ہنگامی طور پر جنگ رکوادی یپانٹو پر ترکوں کو شکست دینے کے باعث ڈان جان تمام (عیسائی) دنیا میں نامور ہو گیا تھا۔ اب اُس نے بلا تاخیر انگلستان پر فوج کشی کی تیاری کی جہاں اسکاٹلینڈ کی میری سے خود شادی کر کے وہ الزبیتھ کو نکال باہر کرنے کی امید میں تھا۔ مگر شہنشاہ کو اپنے سوتیلے بھائی کا اتنا حسد تھا کہ اس منصوبے پر عمل کرنے کی اجازت نہ دی۔ ڈان جان کے وکیل متعینہ اسپین دستی اِس کو ویڈوم کو خونیوں نے موت کے گھاٹ اتارا

اور پھر ۱۵۷۸ء میں خود جان ختم ہو گیا۔ یہ شبہ ضرور کیا جاتا تھا کہ اسے زہر دیا گیا ندرلینڈز میں امیر کبیر پارما اس کا جانشین ہوا اور غالباً وہ اپنے عہد کا سب سے بہتر سپہ سالار تھا ندرلینڈز کے جنوبی علاقے کو اس نے آناً فاناً اطاعت پر مجبور کیا اور معلوم ہوتا تھا کہ ولندیزوں کو بھی اب سر اطاعت خم کر دینا پڑے گا۔

ادھر انگلستان کے اندرونی معاملات میں بھی تبدیلی واقع ہو رہی تھی۔ پہلے دس برس میں الزبتھ نے مذہبی معاملات میں ایسا بے لاگ طریقہ اختیار کیا کہ اسے ملک کی تائید حاصل ہو گئی لیکن دوسرے دہے میں اس حکمت عملی پر قائم رہنا دشوار ہو گیا جس کا بڑا سبب یہ تھا کہ خود کیتھولک مذہب میں کافی تبدیلیاں

انگلستان کا کیتھولک فرقہ

رونما ہوئیں۔ پراٹسٹنٹ تحریک یہ تھی کہ مذہب کو زیادہ روحانی چیز بنایا جائے۔ اور روما سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ اس کے بعد ہی خود رومی کلیسا میں ایک تحریک پیدا ہوئی جسے اصلاح کلیسا کی جوابی تحریک یا اصلاح جوابی کہتے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سی خرابیاں جن کے باعث یہ مذہب صدی کے آغاز میں بدنام تھا، دور ہو گئیں اور الگزنڈر ششم اور لیو دہم جیسے پاپاؤں کی بجائے پیئس پنجم وغیرہ جیسے لوگ اس منصب پر فائز ہوئے جن کا دینی جوش مسلّم اور اسی کے ساتھ ذاتی اعمال بے داغ تھے۔ اصلاح جوابی کی تحریک پھیلانے کی غرض سے ایک نیا فرقہ جیزوئٹ نامی مرتّب ہوا کہ پراٹسٹنٹ ممالک میں جدید مذہب کی تکذیب کرے اور مذکورۂ بالا پاپاؤں نے اس فرقے سے خوب کام لیا۔ جدید پاپائی تبلیغ کا انگلستان میں بڑا وکیل ولیم ایلن آکسفرڈ کا ایک پرانا آدمی تھا جس نے ندرلینڈز میں بمقام ڈوا ایک درسگاہ قائم کی کہ یہاں سے دنیا دار پادریوں کو تعلیم دے دے کے انگلستان بھیجا جائے۔ فلپ ہی کے علاقے میں ایک اور مدرسہ سینٹ اومر کے مقام پر انگریز جیفرائٹوں کے واسطے بنایا گیا۔ انگلستان میں از روے قانون لاطینی نماز خوانی اور بادشاہ کی افضلیت کے خلاف کچھ کہنا، بغاوت میں داخل تھا۔ لیکن یہ قانون ڈرانے کے واسطے تھا، اس پر عمل کرنا مقصود نہ تھا۔ تاہم ۱۵۸۱ء میں، کیم پیون جو انگریز

جیزوئٹ میں سب سے پرجوش و مخلص آدمی تھا، انگلستان میں طویل قیام کے بعد، گرفتار کر لیا گیا۔ حکومت شائل قائم کرنے پر تلی ہوئی تھی اور کیمپ پیون کو اس بنا پر غداری کا مجرم قرار دے کے سزائے موت دی گئی کہ اُس نے پاپا کے اس حق کو کہ وہ بادشاہوں کو معزول کر سکتا ہے، ناجائز ماننے سے انکار کیا۔ اس واقعے کے بعد سے کیتھولک پادری جان جوکھوں میں ڈال کر ہی اپنے فرائض دینی ادا کر سکتے تھے اور چارلس اول کے زمانے کی خانہ جنگی شروع ہونے تک بہت سے اشخاص کے سزائے موت پانے کا حال مذکور ہے۔ مذکورۂ بالا تشدد کے ساتھ گرجا میں نہ آنے والے منکرین پر جرمانے کی مقدار بڑھا کر بیس پونڈ کر دی گئی۔ ان واقعات نے ان دونوں مذہبی فرقوں میں عناد و مخاصمت بڑھا دی اور الزبیتھ کی پہلی حکمت عملی کی بدولت جو کیتھولک فرقے کی تعداد رفتہ رفتہ زائل ہو رہی تھی، وہ عمل بھی رُک گیا۔

کیمپ پیون کو سزائے قتل

الزبیتھ کا تصفیہ اہل کلیسا کی اکثریت نے بظاہر تسلیم کر لیا تھا تاہم صدر اسقف کو ہر جگہ یکسانی قائم کرنے میں کافی دشواری پیش آئی۔ اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ وہ اسقف جو خود جدید طریقوں کو پوری طرح صحیح نہ جانتے تھے، اپنے ماتحتوں سے تاکید کرنے میں تامل کرتے۔ دوسرے تعلیم یافتہ واعظ کافی تعداد میں بہم پہنچانا آسان نہ تھا۔ بایں ہمہ الزبیتھ کو اصرار تھا یکسانی ضرور ہونی چاہئے اور ۱۵۶۶ء میں پارکر نے لندن کے پادریوں کو بلا کے ہدایت کی کہ قانون یکسانی کی پوری پابندی کی جائے۔ تیس سے زیادہ نے انکار کیا اور اُن کی معاش موقوف کر دی گئی۔ نوروچ کے اُسقف نے یکسانی پیدا کرنے کی مطلق کوشش نہیں کی بجائے ڈرہم کے اُسقف پل کنگ ٹن نے

بڑے کلیسا میں بھی بالکل غیر مقلدانہ اصول پر نمازیں پڑھوانی شروع کر دیں۔ ان مشکلات میں پارکر سرکار کے مقررہ طریقے کا پابند بنانے میں پوری کامیابی حاصل نہ کر سکا اور اُن لوگوں کی تعداد برابر بڑھتی گئی جو گرجا میں داخل رہنے کے باوجود اس کی جدید مراسم کی پابندی نہ کرتے تھے۔ ۱۵۷۵ء میں پارکر فوت ہوا۔ گرنڈل، صدر اُسقف یارک نے اس کی جگہ لی مگر بہت جلد ملکہ سے مناظرے کے مسئلے پر اس کا جھگڑا ہو گیا۔ اُس زمانے میں شرعی مسائل پر بحث و گفتگو کی غرض سے جلسے ہوا کرتے تھے جن میں عالم و غیر عالم دونوں شریک ہوتے اور کلیسائی حکام بھی یہ سمجھ کر کہ ان سے علما کی معلومات میں اضافہ اور غور و فکر کی عادت پیدا ہو گی، ایسے جلسوں کی ترغیب دیتے تھے ملکہ کو بظاہر یہ خیال ہوا کہ یہ محض بے علم لوگوں کے مناظرے ہوتے ہیں۔ اور اس نے گرنڈل کو ان کے روک دینے کا حکم دیا۔ گرنڈل غیر کلیسائی اشخاص کو روکنے پر خوشی سے تیار ہو جاتا مگر علما کا یہ حق قائم رکھنے کا خواہشمند تھا۔ اس نے ملکہ کی بات نہ مانی اور اسی بنا پر عہدے سے معطل کر دیا گیا۔ مناظرے شاہی فرمان سے ممنوع قرار پائے ۱۵۸۳ء میں گرنڈل نے وفات پائی اور جان وہٹ گفٹ (اُسقف ورسسٹر) اس کا جانشین ہوا جو خاص ملکہ کے گوں کا آدمی تھا۔ اُس کے نزدیک ضابطہ قائم رکھنا بجائے خود ایک اہم مقصد تھا اور وہ تلا ہوا تھا کہ اسے جبراً نافذ کرے۔

مذہبی فرقے

لیکن اب یہ کام سخت دشوار ہو گیا تھا۔ اصل میں تو اساقفہ اور غیر مقلد پادریوں کا مذہبی رسوم پر تھا مگر اب اس کلیسائی نظم و نسق کا مسئلہ بھی داخل ہو گیا۔ غیر مقلدوں کے بھی اب دو فرقے بن گئے۔ ایک تو افتراقی یعنی وہ جنھوں نے علانیہ گرجا کو چھوڑ دیا اور دوسرے وہ جو گرجا میں داخل رہے لیکن اس کے طریقوں کو بدلوانے کی پوری کوشش

باب پنجم

کرتے تھے۔ افتراقیوں میں سب سے باوقعت گروہ رابرٹ براؤن کے متبعین کا تھا۔ براؤن کا قول تھا کہ ہر مسیحی جماعت اپنے انتظامات کی مختار ہونی چاہئے اسی لئے اس کے ہم خیالوں کو اختیار پسند (Independents) بھی کہتے تھے۔ عقائد میں وہ کالوِن کا متبع تھا۔ ایک اور گروہ اصطباغیین یا لااصطباغیین (Anabaptists) کا بھی پیدا ہو گیا تھا۔

کلیسا کے اندر رہنے والوں میں سب سے ممتاز شخص ٹامس کارٹ رائٹ گزرا ہے۔ اسے کیمبرج میں الٰہیات کی استادی کے عہدے سے اپنی آزادخیالی کی بنا پر علیحدہ کیا گیا۔ یہ خیالات اس نے "کتاب انضباط" کی شکل میں مرتب کئے جس میں پادریوں کو مشورہ دیا تھا کہ اپنا انتظام خود کرنے کی غرض سے چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منقسم ہو جائیں اور جہاں تک ممکن ہو اسقفوں کی حکومت کو نظرانداز کریں۔ یہ خیالات بہت مقبول ہوئے اور اسی زمانے سے کلیسائے انگلستان کے اندر ایک گروہ ایسے لوگوں کا قائم ہو گیا جو اصولاً پرسبی ٹیرین تھے۔ ان آزادی پسندوں کی امیدیں دارالعوام سے وابستہ تھیں اور جنوب مشرقی اضلاع میں انکا سب سے زیادہ زور تھا۔ ان کی بڑی کمزوری یہ تھی کہ اس گروہ کے بعض افراد بہت ہی اشد تھے اور انھی نے "مارپری لیٹ" رسائل کا ایک سلسلہ شائع کیا جس میں اسقفوں کے خلاف سخت زبان درازی کی گئی تھی۔ ان بے اعتدالیوں نے بعض قوی حامیوں کو بھی بیگانہ بنا دیا اور ۱۵۹۳ء میں پارلیمنٹ نے فتنہ انگیز تحریروں کے خلاف ایک سخت قانون نافذ کیا جس کے باعث مناظرے آیندہ حد سے گزرنے نہ پائے۔ کلیسا کی طرف سے سب سے مشہور لکھنے والا رچرڈ ہوکر تھا اور اُس کی کتاب "ایک کلیزِمیس ٹکل پولی ٹی" "سیاست دینی" کا منشا یہ ثابت کرنا تھا کہ کلیسای حکومت نہ صرف مذہبی اعتبار سے لائق احترام ہے بلکہ افادۂ عام کی بنا پر قائم رہنی چاہئے۔

الزبیتھ سے عقیدت مندی

الزبیتھ کو حکمرانی کرتے اب ربع صدی ہو چکی تھی۔ انگریزوں کی نوخیز نسل کو اپنا بنانے میں اُس نے نسوانی دلربائیوں سے بھی کام لیا اور بہت سے نوجوانوں کی نظر میں اپنی کنواری ملکہ کی

باب پنجم

عقیدت و وفاداری زندگی کا اصل اصول بن گئی جن کا نمونہ سر فلپ سڈنی، اسپینسر شاعر اور سر والٹر ریلے وغیرہم تھے اور یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ملکہ کیلئے تن من دھن قربان کرنے میں مطلق باک نہ کریں گے۔ تمام عہد حکومت میں الزبیتھ کو ہمیشہ دو قسم کے درباریوں سے سابقہ رہا۔ ایک تو سیسل اور بیکن جیسے لوگ جو مجلس وزارت کے رُکن رہے اور جن سے ملکہ ایک برابر کے مدبّر کی حیثیت سے ملکی معاملات پر بحث و گفتگو کرتی تھی۔ اور دوسرے اس کا قدیم دوست امیر لیسسٹر تھا کہ اُس کی نوعمری سے اور ذات سے محبّت رکھتا تھا اور گو وہ اعلیٰ درجے کی قابلیت کا آدمی نہ تھا لیکن نازک موقع پر ملکہ اُس کی کامل وفاداری پر بھروسہ کر سکتی تھی۔ اس کے علاوہ زندہ دل سر کرسٹوفر ہیٹن اور ریلے وغیرہ نوجوان درباریوں کا غول کا غول الزبیتھ کو گھیرے رہتا تھا۔ کرسٹوفر کی نسبت کہا جاتا ہے کہ فقط ناچنے میں کمال دکھانے کی بدولت پیشکاری کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ اسپینسر شاعر جیسے لوگوں کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جو فقط دور سے درباری زندگی کی جھلک دیکھ سکتا تھا لیکن ملکہ کی اجازت سے محبت و عقیدت پھیلانے کے معاملے میں یہ سب گروہ برابر کا حصہ لیتے تھے۔ عجیب بات یہ

فلپ اور الزبیتھ

ہے کہ بہت دن تک فلپ اور الزبیتھ کی حکمت عملی ایک دوسرے کے ساتھ یکساں رہی۔ یعنی دونوں لڑائی سے بچنا چاہتے تھے مگر دونوں اسے آیندہ کسی وقت میں ناگزیر سمجھتے تھے، اسی کے ساتھ علانیہ جنگ کی نوبت لائے بغیر دونوں ایک دوسرے کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی فکر میں تھے۔ الزبیتھ اپنی رعایا کی پیٹھ ٹھپکتی تھی کہ ندرلینڈز والوں کی مدد کریں۔ فلپ اسپین والوں کو بھیجتا تھا کہ آئرستان کے بغاوت پسندوں کا ساتھ دیں۔ بایں ہمہ دونوں نے اپنے اپنے سفیر حریف کے دربار میں برابر رہنے دیئے اور سرکاری خط و کتابت میں حفظ مراتب کا پورا لحاظ رکھا۔

ولوبی۔ ڈیوس۔ ہاکنس۔ ڈریک۔

در پردہ اسپین سے دشمنی کرنے میں ملکہ کو سب سے اچھے کارندے ڈیون شر کے جہازیوں میں ہاتھ آئے اس علاقے کی

باب پنجم

بندرگاہوں میں اب تک ٹھیک اسی نمونے کے ملّاح آباد تھے، جن کا چاسر نے مرقع دکھایا ہے۔ وہ بحری قزّاقی اور تجارت دونوں کے لئے یکساں مستعد اور فن جہازرانی میں اپنا مثل نہ رکھتے تھے۔ منتظم حکومتوں کے قیام نے یورپ کے سمندروں میں قزاقی کو بہت خطرناک بیوپار بنا دیا تھا لہذا نئی دنیا کی دریافت ان لوگوں کے حق میں ایک از غیبی مدد ثابت ہوی۔ پاپای اقتدار سے انحراف کی تحریک پیدا ہونے سے قبل تو معلوم ہوتا ہے انگریز نئی دنیا کے معاملات میں زیادہ دخل نہ دیتے تھے کیونکہ پاپا نے ان ممالک کو اسپین و پرتگال میں بانٹ دیا تھا۔ لیکن پاپا سے رشتۂ انقیاد قطع ہوا تو ان کے ہاتھ کھل گئے اور یکے بعد دیگرے بہت سے جیوٹ ملّاح میدان میں اتر آئے جن میں سے بعض نئے ممالک یا باقاعدہ تجارت کے مواقع کی تلاش میں نکلے اور بعض کا مقصد بحری قزاقی سے کچھ ہی مختلف ہوگا۔ یہ منچلے انگلستان و اسپین کے سیاسی تعلقات کی زیادہ پروانہ کرتے تھے اور اپنی دراز دستیوں کو ضابطے میں لانے کی غرض سے انھوں نے یہ مقولہ تصنیف کیا تھا کہ "حد کے باہر، صلح ختم"۔ ان میں سے نئی زمینوں کی تلاش کرنے والوں میں سب سے مشہور سر ہیو ولوبی گزرا ہے جو ۱۵۵۴ء میں شمالی ایشیا کے راستے چین پہنچنے کی کوشش میں ہلاک ہوا۔ مارٹن فروبشر نے نئی بستیاں بسانے کی دھن میں لیب رے ڈور اور نیو فاونڈ لینڈ کے ملک ڈھونڈ نکالے۔ جان ڈیونس پہلا انگریز تھا جس نے شمالی مغربی راستے کی کوشش کی نگران میں زیادہ شہرت بہادر سر جان ہاکنس کو حاصل ہوی جس نے سب سے اوّل افریقہ سے حبشی غلاموں کو امریکہ کی ہسپانوی آبادیوں میں لے جا کے فروخت کرنا شروع کیا۔ یہ تجارت اُن دنوں بالکل مباح اور دین عیسوی کے حبشیوں میں اشاعت کے اعتبار سے قابل تعریف چیز سمجھی جاتی تھی۔ لیکن عوام الناس میں عہد الزبیتھ کا سب سے بڑا انگریز جہازراں سر فرانسس ڈریک مانا جاتا ہے جو ایک معزز خاندان میں (۱۵۳۹ء میں) پیدا ہوا اور قریب قریب ساری عمر سمندر ہی پہ گزاری۔ ساحلی تجارت

باب پنجم

کی مشق کرتے کرتے وہ بڑے بڑے بحری سفر کرنے لگا اور نہایت عمدہ جہاز راں بن گیا۔ ۱۵۶۷ء میں ہاکنس نے جو اس کا رشتہ دار بیان کیا جاتا ہے اسے غرب الہند کو غلام لے جانے کے کام میں شریک کیا تھا مگر یہ سفر سازگار ثابت نہ ہوا کیونکہ ہاکنس جوش دلاوری میں ایک قوی تر ہسپانوی فوج سے اُلجھ پڑا تھا۔ ۱۵۷۲ء ۱۵۷۳ء میں ہم ڈریک کو پھر غرب الہند میں ہسپانوی کشتیوں پر حملہ کرتے اور ساحلی بستیوں میں لوٹ مار مچاتے دیکھتے ہیں خاکنائے پناما پر لنگر ڈال کے اُس نے بحر الکاہل کا معائنہ کیا اور یہ خیال سوچا کہ جنوبی امریکہ کے گرد گھوم کر اسپین والوں پر اُدھر سے حملہ کرے جدھر وہ اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ نومبر ۱۵۷۷ء میں پانچ کشتیاں اور ۱۶۳ ملاحوں کے ساتھ پلی متھ سے جنوبی امریکہ روانہ ہوا اور آبنائے ماگل ہین سے گزر کر ناگہاں بحر الکاہل میں داخل ہو گیا۔ اس کی سب سے بڑی کشتی کا وزن ۱۰۰ ٹن سے زیادہ نہ تھا مگر اسی مختصر مہم نے پہلے چلی کے صدر مقام وال پریزو پر دھاوا کیا اور پھر شمال کی طرف اسپین والوں کی جتنی ساحلی بستیاں تھیں سب جگہ ٹھیر ٹھیر کر سونا چاندی جو یورپ بھیجنے کے لئے وہاں جمع تھا، دل بھر کر لوٹا اور کسی نے ان کی مزاحمت نہ کی۔ پھر کیلی فورنیا کے عرض بلد تک بڑھ کر، شمال میں انتہا تک جانے کا ارادہ چھوڑ کر ڈریک جاوا کی طرف مڑا اور راس امید ہوتا ہوا ستمبر ۱۵۸۰ء میں واپس پلی متھ پہنچ گیا اور دولت کثیر کے علاوہ جس کا اندازہ آٹھ لاکھ اشرفی کرتے ہیں، یہ لافانی شہرت کمائی کہ کرۂ ارض کا پورا چکر لگایا جو اس سے پہلے انگلستان کے کسی جہاز راں کو میسر نہ ہوا تھا۔ ۱۵۸۵ء میں وہ فروشر کے ساتھ غرب الہند میں دوبارہ اہل اسپین پر حملے کرتا رہا اور وطن واپس آتے میں ایک نوآبادی کے پس ماندوں کو بچا کر ساتھ لے آیا جو اسی سال شمالی امریکہ میں بسی اور پھر اجڑ گئی تھی۔

سیاسی حالت

۱۵۸۴ء سے ملکہ الزبیتھ کے عہد کا نیا باب شروع ہوا۔ اب تک وہ مجموعی طور پر صلح کی حکمت عملی کو نباہتی اور ایسی کارروائی کرنے سے

باب پنجم

بچتی رہی جس سے قطعی طور پر کسی غیر حکومت کی مخالفت متصور ہو۔ لیکن سنہ مذکور میں پے در پے ایسے واقعات پیش آئے کہ یہ حکمت عملی قائم رکھنی غیر ممکن ہو گئی۔ اوّل تو ماہ جُون میں شہزادہ آنژو نے وفات پائی جسے الزبیتھ نے ابھی تک بناوٹ سے اپنا منگیتر بنا رکھا تھا۔ وہ ہینری ثالث شاہ فرانس کا بھائی تھا اور چونکہ شاہ مذکور کے اولاد نہ تھی لہٰذا تخت فرانس کی آیندہ وراثت خاندانِ بوربون کے ہینری شاہ نوار کو پہنچتی جو فرانس کے فرقہ ہیوژینو کا سرگروہ تھا اس امکان نے وہاں کے کیتھولک گروہ اور خصوصاً پیرس والوں کو سخت پریشان کیا اور امیران گیز کی قیادت میں ایک جتھا مرتب ہوا کہ شاہ نوار کو تخت فرانس تک نہ پہنچنے دے۔ ہینری ثالث نے اوّل اول شاہ نوار کو آیندہ وارث مان لیا تھا مگر وہ بھی مجبور رہا کہ گیزوں کا طرفدار ہو جائے۔ اس کے ساتھ ہی فرانس میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور ملکہ انگلستان کو معلوم ہوا کہ اب وہ فرانس کے اتحاد پر بھروسہ نہیں رکھ سکتی اور نہ بیرونی حملے کی صورت میں اسے موعودہ فوجی امداد فرانس سے مل سکتی ہے۔

شہزادہ آنژو کو مرے ہوئے ایک مہینہ گزرا تھا کہ ولیم امیر اورینج جیرارڈ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ ولندیزوں نے شاہ فرانس سے اعانت کی درخواست کی مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا اور انھیں یہی مشورہ قابل عمل نظر آیا کہ الزبیتھ کو اپنا مربی بنائیں۔ ملکہ انگلستان یہ درخواست قبول نہ کر سکتی تھی کیونکہ اول تو اس کے معنی یہ تھے کہ دوسرے بادشاہ کی رعایا کو اس کی اجازت کے بغیر دوسرے کی اطاعت اختیار کرنے کی اجازت دی جائے۔ اور ثانیاً اس لئے بھی کہ اس نے پراٹسٹنٹ فرقے کے جتھے کی سرداری قبول کرنے کا کبھی ارادہ نہ کیا تھا۔ ان سب دقتوں کے باوجود فرانسیسی حلیف کا ساتھ چھوٹ جانے کے باعث وہ ولندیزوں سے غیر رسمی عہد و پیمان کرنے پر مجبور ہوی اور سنہ ۱۵۸۵ء میں اس نے ایک انگریزی فوج بھی ان ریاستوں کی مدد کے واسطے روانہ کر دی۔ امیر کبیر لیسٹر اس فوج کا سپہ سالار تھا مگر اس نے ملکہ کے حکم کے خلاف وہاں کے والی کا خطاب اور اختیارات قبول کر لئے اور یہ وہ پیرایہ تھا

باب پنجم

جس کے ذریعے ولندیز الزبیتھ کو خواہی نخواہی اپنا مربی بنانا چاہتے تھے۔
اس حرکت سے ملکہ بہت ہی ناخوش ہوئی اور لیسٹر کو حکم دیا کہ عہدے سے
استعفا دے دے اور اس طرح یہ ثابت کیا کہ وہ نیدر لینڈز والوں کی صرف
خیر خواہ ہے اور ولندیزوں کی ناگواری کی بھی پروانہ کی۔ اُدھر حربی معاملات میں لیسٹر
امیر کبیر پارما کا مدِ مقابل ثابت نہ ہوا۔ لڑائیوں میں سب سے بڑا معرکہ
زوٹ فن میں پڑا اور یہیں سر فلپ سڈنی کی جان گئی۔ "آرکیڈیا" کا یہ
مصنف صرف ۳۲ سال کا تھا لیکن معاصرین اُسے انگریزی شرافت کا بہترین
نمونہ جانتے تھے اور قابلیت کے اعتبار سے بھی وہ نہایت ممتاز سفیر، درباری،
فوجی اور مصنّف تھا۔ زوٹ فن کے معرکے کے بعد لڑائی سست ہو گئی۔
لیسٹر ۱۵۸۷ء میں وطن چلا آیا اور پارما کی مستعدی دوسری جانب منتقل ہو گئی۔
۱۵۸۶ء میں اسکاٹ لینڈ کی میری کی زندگی میں بھی بڑا تغیر پیش آیا۔
اب تک وہ قیدی کی بجائے ایک مہمان کی مثل رکھی جاتی تھی۔ اور اسے

میری کی ریشہ دوانیاں اور قتل

کافی آزادی حاصل تھی۔ پارلیمنٹ کی دانست میں اتنی رعایت
بالکل نامناسب تھی اور ۱۵۷۲ء ہی میں دار العوام نے اس کے
قتل کیے جانے کی عرضی پیش کی تھی۔ ۱۵۸۴ء میں ایک تازہ
سازش کا انکشاف ہوا جس میں چیشر کا ایک شخص تھراگ مورٹن اور سفیر اسپین
شریک تھے اور اس کا مقصد ملکہ الزبیتھ کو قتل کرا دینا تھا۔ اس میں کوئی شبہ
نظر نہ آتا تھا کہ میری کی زندگی سے خواہی نخواہی الزبیتھ کو قتل کرنے کی طمع پیدا
ہوتی تھی۔ دوسرے الزبیتھ کی زندگی ختم ہو جانے کی صورت میں پراٹسٹنٹ
فرقہ میری کی جانشینی کو کسی طرح نہ روک سکتا تھا کیونکہ کوئی دوسرا امیدوار موجود
نہ تھا اور نہ خود یہ فرقہ اچھی طرح منظم اور قوی تھا۔ نظر بریں پارلیمنٹ نے دوبارہ
ادھر توجہ کی اور ایک قانون منظور کیا جس کا منشا یہ تھا کہ اگر ملک پر کوئی حملہ ہو، یا بلکہ
قتل یا اس کی سازش کی جائے تو اس میں کسی ایسے شخص کی شرکت جو خود بھی سلطنت کا دعویدار ہو
اسے ملزم بنانے کے لئے کافی ہوگی اور اس کی تحقیقات ایک شاہی عدالت خاص کے ذریعے انجام
پائے گی۔ دوسرے ملکہ کے قتل کیے جانے کی صورت میں امرائے مجلس خاص

باب پنجم

اور دوسرے عمائد ایسے مدعی سلطنت کو قتل کراویں گے۔ قانون کے علاوہ ایک انجمن بھی قائم کی گئی کہ اگر ملکہ قتل کردی جائے تو اُس کے قاتل یا جس شخص کے لئے قتل عمل میں آیا ہو، اسے زندہ نہ چھوڑے۔

زیادہ زمانہ گزرا نہ تھا کہ بہت سی شہادتوں سے میری کا اس قانون کی زد میں آنا ثابت ہوگیا۔ الزبیتھ اپنی خدمات کے متعلق کسی قسم کی مذہبی تفریق نہ کرتی تھی اور بہت سے کیتھولک بھی دربار شاہی سے علاقہ رکھتے تھے۔ انھی میں سے چند نوجوانوں اور اینتھنی بیبنگ ٹن نے ملکر ملکہ کو قتل کرنے کا منصوبہ سوچا اور ادھر فرانسس وال سنگ ہم نے ایک خاص تدبیر سے میری کی خط کتابت کا احتساب کیا اور چند ہی روز میں اس کے دو خط بیبنگ ٹن کے نام پکڑ لئے جن میں سازش کی تحریص موجود تھی۔ تب اہل سازش کو گرفتار کرکے بذریعہ عدالت سزائے قتل دی گئی اور اکتوبر ۱۵۸۶ء میں ایک خاص جماعت تحقیقات نے، جیسا کہ مذکورہ بالا قانون میں قرار پایا تھا، میری کی سماعت کی اور اسے سازش میں شرکت کا مجرم پایا۔ چند ہی روز بعد پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا اور اس نے بھی درخواست کی کہ عدالت کے فیصلے کے مطابق عمل کیا جائے۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ پارلیمنٹ کی یہ درخواست قوم کی متفقہ رائے کا آئینہ تھی۔ بایں ہمہ خود الزبیتھ قتل سے حد درجے اِبا کرتی تھی اور غالباً اس کا خیال تھا کہ جیسے ۱۵۶۶ء میں ہوا، اسی طرح اب بھی سازش کا طشت ازبام کردیا جانا، میری کے انفعال کے لئے کافی ہے۔ لیکن وزیروں نے اصرار کیا تو بالآخر اُس نے قتل نامے پر دستخط کردئے۔ ممکن ہے وہ یہ سمجھتی ہو کہ اس کے معتمد قتل کی کارروائی اس طرح کرینگے کہ آئندہ ساری ذمہ داری انھی پر رہے اور انھیں حسب موقع سزا دی جاسکے۔ لیکن ان دونوں معتمدوں نے مجلس خاص کے جس قدر ارکان قریب موجود تھے، اُن سب کو جمع کیا اور ان دس نے امیرانِ کینٹ و شروز بری کے نام متفقہ دستخطوں سے حکم جاری کیا کہ مجرمہ کو سزائے موت دی جائے۔ چنانچہ ۸ فروری ۱۵۸۷ء کے دن فودرنگے کے قلعے میں اس پر عمل درآمد ہوا اور چونکہ تمام کارروائی ضابطے کے مطابق ہوئی تھی اس لیے کسی وزیر یا معتمد پر کوئی الزام نہ آسکا۔ تاہم وال سنگ ہم کے ساتھ کا معتمد ڈیوی سن نے قتل نامے پر

باب پنجم

ملکہ سے دستخط لئے تھے، طویلے کی بلا اس کے سر گئی وہ عہدے سے برطرف اور اس پر جرمانہ ہوا۔ عام طور پر ملک میں قتل کی خبر سے لوگوں کو اطمینان ہوا بلکہ چراغاں اور گھنٹے بجا بجا کے، جیسے کسی جنگی فتح کی صورت میں ہوتا تھا، خوشیاں منائی گئیں کیونکہ لوگ خیال کرتے تھے کہ اب اگر اسپین کے حملہ آور آئے بھی تو خود ملک میں کوئی کیتھولک گروہ ان کی حمایت پر کمربستہ نہ ہوگا۔

اسپین سے جنگ

مرتے وقت، میری نے اپنی وراثت کا حق بیٹے کے نام منتقل نہیں کیا جو سخت پراٹسٹنٹ بن گیا تھا۔ بلکہ فلپ کی تیسری بیوی سے ایک لڑکی کے نام اس کی وصیت کی جو جان دگونٹ کی نسل میں تھی۔ فلپ نے بھی یہ ترکہ منظور کر لیا اور فوراً انگلستان پر پورے اہتمام سے حملے کی تیاریاں کیں۔ اعلان جنگ تو نہیں ہوا لیکن اسی وقت سے انگلستان و اسپین ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ ڈریک کو فی الفور ساحل اسپین کی طرف روانہ کیا گیا اور وہ صرف چوبیس جہازوں کے ساتھ ایک دن قادص کی بندرگاہ میں گھسا اور باوجود اسباب دفاع کے جو اسپین کے جنگی جہازوں اور قلعوں کی شکل میں اس بارگاہ میں موجود تھے اس نے سو کشتیاں اور سامان حرب کی مقدار کثیر جو انگلستان پر حملے کے لئے فلپ نے جمع کی تھی، تباہ کر دی۔ (اپریل)۔ یہ ایسی دلیری تھی جسے سن کر سارا یورپ دنگ رہ گیا۔ اس نے واپسی میں ٹیگس کے دہانے میں گھس کر اسی قسم کی کارروائی کرنی چاہی تھی کہ وہاں بھی حربی ذخایر جمع تھے، مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ تاہم ان کارناموں کی بدولت ایک سال تک حملہ نہ ہو سکا اور اس سے بڑا نقصان فلپ کو یہ ہوا کہ امیر کبیر پارما کی سرداری میں جو تیس ہزار سپاہی انگلستان پر حملے کے لئے نذرلینڈز میں مہیا تھے، وہ سردیاں گزرنے کے بعد جب کہ فی الواقع ہسپانوی بیڑے نے حرکت کی، گھٹ کر ستر ہزار رہ گئے۔ ڈریک ان کارناموں کو شاہ اسپین کی ڈاڑھی جلانے سے تعبیر کرتا تھا۔

آرماڈا کی روانگی

۱۵۸۸ء کی گرمیوں میں سب تیاریاں مکمل ہو گئیں تو بالآخر اسپین کے جنگی بیڑے نے (جسے آرماڈا کہتے ہیں) امیر کبیر مدنیہ سدونیہ کی قیادت میں اپنی بندرگاہوں سے حرکت کی۔ اسے حکم تھا کہ

باب پنجم

رود بار انگلستان میں پہنچ کر پہلے ساحل فرانس کے قریب رہے اور امیر کبیر پارما کی فوج کو ڈنکرک سے اُتھلی کشتیوں میں جو اسی غرض کے لئے بنوائی گئی تھیں، لے جا کے ٹیمس کے دہانے میں داخل ہو جائے۔ ادھر انگریز بھی غافل نہیں رہے تھے۔ شاہی بیڑے کے چونتیس جہاز جو الزبیتھ ہی نے بنوائے تھے، اور ۱۶۴ تجارت کے جہاز مسلح کر کے، انھیں دو حصّوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک کے سردار افنگھم کا لارڈ ہاورڈ، سر فرانسس ڈریک، سر جان ہاکنس اور مارٹن فروبشر تھے اور یہ پلی متھ میں مقیم تھا۔ دوسرے بیڑے کی سرداری ہینری سیمور کے تفویض ہوی تھی کہ وہ نِدرلینڈز کی بندرگاہوں کی ناکہ بندی کرے۔ لندن میں تہتّر ہزار آدمی، جن میں سے اکثر کے پاس بندوقیں تھیں جمع کئے گئے اور ان کی سرداری فرانس وغیرہ ممالک کے جنگ آزمودہ لوگوں کے سپرد ہوی۔ سالار لشکر امیر لیسٹر مقرر کیا گیا۔ یہ بھی انتظام تھا کہ اسپین کا زبردست بیڑا آئے تو آتش بازی کے ذریعے ہر جگہ خبر کر دی جائے اور خبر ہوتے ہی پرگنے کی بے قاعدہ فوج طلب کر لی جائے اور اسپین والوں کے مقابلے میں مُلک بھر کے قابل جنگ مرد فراہم کر لئے جائیں۔

رود بار کی بحری لڑائیاں

احکام کے خلاف اسپین کا امیر البحر اپنے بیڑے کو پلی متھ کے قریب لے آیا اور ۲۰ جولائی کو اس کے سامنے سے گزرا تو انگریزی بیڑا بھی پیچھے پیچھے روانہ ہوا کیونکہ گو ہسپانوی جہاز وزن میں دگنے اور توپوں کی چوگنی تعداد سے مسلح تھے اور ان میں سپاہیوں کا شمار بھی فی جہاز زیادہ تھا، تاہم انگریز سرداروں کو اپنے ملاحوں کی کاردانی پر اعتماد تھا اور چونکہ ہوا جنوب مغربی چل رہی تھی اس لئے وہ جب چاہتے پیچھے رہ جاتے اور جب چاہتے تیز بڑھ کر دشمن کے جہازوں تک پہنچ سکتے تھے بخلافیکہ اسپین والوں کے لئے یہ ممکن نہ تھا۔ غرض اس طرح دونوں بیڑے آہستہ آہستہ رود بار میں روانہ ہوئے اور ہفتہ بھر کے بعد آرماڈا نے کالے کے سامنے لنگر ڈال دیا۔ آتے میں فریقین کافی شرر باری کرتے آئے تھے حتیٰ کہ انگریزوں کا توگولہ باروت ہی ختم ہو چلا تھا۔ لیکن آدمیوں کا نقصان زیادہ تر اسپین والوں نے اٹھایا کہ ان کے

باب پنجم

جہازوں پر سپاہیوں کا جمگھٹ رہتا تھا بخلاف اس کے انگریزوں کی چھوٹی کشتیاں خود اُن کی توپوں کی زد میں نہ آتی تھیں۔

کالے پہنچ کر امیر البحر کو امید تھی کہ پارما فوج لئے ڈنکرک پر تیار مل جائے گا۔ لیکن معلوم ہوا کہ وہ ہنوز بروژ میں ہے اور کوئی تیاری نہیں کر سکا۔ ادھر انگریز تُلے ہوئے تھے کہ موافق مراد ہوا کا رُخ بدل جانے سے پہلے دو دو ہاتھ کر لئے جائیں ورنہ ہوا کا رُخ بدلنے پر ممکن ہے معاملہ دگرگوں ہو جائے۔ لہٰذا انھوں نے آتش باز جہاز جن میں آتش گیر مسالا بھرا ہوا تھا، آرماڈا کے بیچ میں پہنچا دیئے۔ دشمن کے ملاح ان سے گھبرا اٹھے اور لنگر کاٹ کاٹ کے سخت ابتری میں مبتلا ہو گئے۔ صبح ہوتے انگریزی بیڑے نے پھر حملہ کیا اور دن بھر کی لڑائی میں فتح خاصی طرح اسی کے پہلو پر رہی۔ رات ہوئی تو شمالی مشرقی آندھی نے اسپین کے جہازوں کو فلینڈرس کے کنکریلے ساحل پر دھکیل دیا اور یہ سلسلہ جاری رہتا تو ان کے سارے بیڑے کا خاتمہ ہی ہو جاتا۔ بارے ہوا پھر جنوب مغربی چلنے لگی اور وہ کھُلے سمندر میں باہر آ سکے۔ لیکن رودبار کے راستے واپسی ناممکن تھی اور سوائے اس کے چارۂ کار باقی نہ تھا کہ پورے جزیرۂ برطانیہ کا چکر لگا کے وطن جائیں۔ اب آسمان نے ان کے ساتھ دشمنی کی کہ طوفانی ہواؤں نے بعض جہازوں کو ناروے اور بعض کو سکاٹ لینڈ اور آئرستان کے پہاڑی ساحلوں پر پھینک دیا۔ صرف خلیج سلی گو کی ریتی پر ان کی جو لاشیں ملیں وہ دو ہزار سے کم نہ تھیں۔ اور آخر میں صرف ترپن جہاز تھے جو واپس اسپین جا سکے۔ فلپ نے ان مصائب پر جیسا صبر دکھایا وہ اس سے بہتر آدمی کے لئے بھی قابل ستائش ہوتا۔ اس نے اپنے جہازیوں سے کہا کہ "مَیں نے تم کو آدمیوں سے لڑنے بھیجا تھا نہ کہ عناصر سے۔" مگر اس کا کہنا غلط تھا۔ کیونکہ ڈنکرک تک عناصر نے برابر اسپین والوں کا ساتھ دیا اور وہاں کی شمال مشرقی آندھی پہلی آسمانی آفت تھی، جو اُن پر آئی۔ ان کی مصائب کا اصلی سبب ایک تو انگریزوں کی اعلیٰ جہازرانی کو سمجھنا چاہیئے اور دوسرے پارما کے وقت پر تیار نہ ملنے کو ورنہ پارما، انگلستان میں جا اترتا تو غالباً لڑائی وہی جیت لیتا۔ اگرچہ سارے ملک کی فتح یا وہاں

باب پنجم

بہت عرصے تک قیام کرنا قرین قیاس نہ تھا۔ اور وہ خود ان مشکلات کا ٹھیک اندازہ رکھتا تھا۔

دوسرے اعتبارات سے بھی آرماڈا کی ہزیمت عہد الزبیتھ میں نئے باب کا آغاز کرتی ہے ۱۵۸۸ء ختم ہونے سے قبل لیسٹر آئندہ سال وال سنگ ہم ۱۵۹۱ء میں ہیٹن نے وفات پائی۔ نکولس بیکن ۱۵۷۹ء میں مر چکا تھا۔ اور اس کے معنی یہ ہوئے کہ تخت نشینی کے وقت جو اعیان واکابر سلطنت موجود تھے ان میں سے بجز سن رسیدہ برلے کے اور کوئی باقی نہ رہا اور نئے لوگوں نے پرانوں کی جگہ لی۔ ان میں سب سے مشہور روبرٹ سیسل، والٹر ریلے اور امیر اسیکس ہیں۔ پہلا شخص تو برلے کا بیٹا تھا اور اس نے شروع ہی سے اپنے جانشین فرزند کی تعلیم وتربیت خود کی تھی۔ اسے بہت سے اوصاف باپ سے ورثے میں ملے تھے اور ہر چند اتنا عمدہ سیّاس نہ تھا، پھر بھی عام امور سے واقفیت اور باپ کے رموز مملکت سے آگہی نے اسے بہت کارآمد وزیر بنا دیا۔

ریلے اور امیر اسکس

والٹر ریلے، سیسل سے دس سال پہلے ۱۵۵۲ء بمقام ڈیون شر پیدا ہوا اور بالکل دوسری حیثیت کا آدمی تھا۔ دربار میں رسائی پا لینے کے بعد اس کی خوش رُوی اور حاضر جوابی نے ملکہ کو بھی جلد متوجہ کر لیا اور زر وزمین کی صورت میں بہت کچھ انعام اکرام اسے حاصل ہوئے۔ فوج رکاب کا سردار بھی بنایا گیا لیکن مجلس وزرا کی رکنیت یا سیاسی معاملات میں ملکہ کا یہ منظور نظر زیادہ دخل نہ پا سکا۔ دراصل وہ کام کرنے والا آدمی تھا لیکن برابر والوں یا بالا دستوں سے نباہنے کی قابلیت نہ تھی۔ اسے زندگی میں بہت کچھ تجربے حاصل ہوئے۔ فرانس، غرب الہند، اور آئرستان کے معرکوں میں شریک رہا اور ایک خاص ذہانت رکھتا تھا جس نے اپنے زمانے سے بڑھ کر بعد کے زمانے میں اسے بڑی شہرت بخشی۔

امیر اسیکس (روبرٹ ڈیویرو) ۱۵۶۶ء کی پیدائش اور آرماڈا کے حملے کے وقت بیس برس کا تھا۔ ریلے سے اس کی عمر پندرہ سال کم تھی لیکن وہ اسیکس کو ملکہ کی لطف وعنایت میں اپنا نوجوان حریف سمجھتا تھا۔ بخلاف ریلے کے، اسے معاصرین میں بہت کچھ شہرت حاصل ہوئی جس کا وہ حقیقت میں

باب پنجم

مستحق نہ تھا اور بظاہر محض دکھاوے کا آدمی تھا۔ اس کی شہرت طلبی پر ایک مرتبہ برلے نے کسی نوجوان کو نصیحت کرتے وقت کہا تھا کہ نہ تو ایسے شہرت طلب بنو جیسے اسیکس اور نہ اس سے ایسی غفلت برتو جیسے ریلے۔

اسپین سے لڑائیاں

آرماڈا کے دس سال بعد تک الزبیتھ اور فلپ میں پوری طرح جنگ ٹھنی رہی۔ ۱۵۸۹ء میں ہینری ثالث ایک خونی کے ہاتھ سے مارا گیا تو ہینری شاہ نوار اس کا وارث جائز ہوا جس کی امرائے گیز نے اسپین کی مدد سے مخالفت کی۔ الزبیتھ نے پوری قوت سے شاہ نوار کا ساتھ دیا اور تقریباً ۲۰ ہزار انگریز سپاہی ہینری کی فوج میں لڑائی ختم ہونے تک موجود رہے۔ ان کی قیادت عموماً امیر اسیکس کرتا رہا۔ اس کے علاوہ خود اسپین کے خلاف کئی مہمیں روانہ کی گئیں۔ ۱۵۸۹ء میں سر فرانسس ڈریک اور سر جان نورس جنگی بیڑا لیکر گئے کہ پرتگال کے دعویٰ دار سلطنت، شہزادہ ڈان انٹونیو، کی مدد کریں حالانکہ ۱۵۸۰ء سے اس ملک میں بیوی کے حق سے فلپ حکمران ہو گیا تھا۔ انگریزی فوج نے کورنا پر قبضہ کیا اور بے نیش سے لزبن تک بڑھی لیکن پرتگیزوں نے اس کی کوئی مدد نہ کی اور اسے کچھ کئے بغیر واپس آنا پڑا۔ ۱۵۹۰ء میں ٹامس ہاورڈ اور رچرڈ گرین ویل سات جنگی جہاز لیکر گئے کہ جزائر ازوریز کے سامنے پلیٹ کے بیڑے کو راستے میں جالیں۔ مگر وہاں اسپین کے پچاس جہازوں نے ان پر حملہ کیا۔ ٹامس چھ جہازوں کو لیکر نکل آیا لیکن رچرڈ گرین ویل کا جہاز "ری وینج" کچھ بیماروں کو لانے کی غرض سے ٹھیر گیا تھا۔ اس پر دشمن کا پورا بیڑا آپڑا اور سر فروشی سے جد و جہد کرنے کے بعد انگریز سردار نے مجبوراً ہتیار ڈال دیئے۔ ۱۵۹۲ء میں ایک اور مہم مارٹن فروبشر کی سرداری میں بھیجی گئی۔ ۱۵۹۴ء میں ڈریک وہاکنس غرب الہند روانہ ہوئے لیکن یہ مہم کچھ سازگار ثابت ہوی۔ اسپین والے پہلے سے تیار تھے۔ دونوں انگریزی سردار بیماری سے سمندر میں فوت ہو گئے۔ اسی زمانے میں ایک اور آرماڈا کے قادص میں تیار کیئے جانے کی افواہ اڑی اور اسی کو سن کر ۱۵۹۶ء میں ہاورڈ امیر افنگھم امیر اسیکس اور ریلے نے دوبارہ وہی کام کر دکھایا جو ۱۵۸۷ء میں ڈریک نے کیا تھا کہ

باب پنجم

بندرگاہ میں گھس کر اسپین کے جہازوں کو ان کی گودیوں میں توڑ پھوڑ ڈالا اور ایک فوج نے ایسکس کے تحت میں بستی پر حملہ کر کے مورچے وغیرہ منہدم کر دیے اور بہت سا مال لوٹ لائی۔ اس کارنمایاں پر تمام یورپ میں واہ واہ ہوئی۔

نوآبادیاں

اسپین کی لڑائی سے انگریزوں کو خواہ مخواہ نوآبادیاں بسانے کی تحریک ہوئی۔ ریلے کے سوتیلے بھائی ہمفری گلبرٹ نے جسے انگریزوں کی استعماری سلطنت کا اصلی بانی سمجھنا چاہیے۔ ۱۵۷۹ء ہی میں ملکہ سے اجازت نامہ حاصل کر لیا تھا کہ غیر آباد قطعات میں بستیاں بسائے۔ چنانچہ ۱۵۸۳ء میں اس نے نیوفاؤنڈلینڈ میں نوآبادی بسانی چاہی اور آبادکاروں کو وہاں ٹھیرا کر جنوب کی طرف نئی زمینوں کی تلاش میں روانہ ہوا۔ افسوس ہے وطن کے راستے میں اس کی دس ٹن کی چھوٹی سی کشتی جس میں وہ بحراوقیانوس کو عبور کر رہا تھا، ازوریز کے قریب غرق ہو گئی اور اسی میں وہ اور اس کے سب ساتھی ڈوب گئے۔ اس کی سند ریلے کے پاس منتقل ہو گئی اور اُس نے کسی بہتر مقام کی جستجو میں ایک مہم روانہ کی (۱۵۸۴ء) جس نے فلورڈا کے شمال کے ساحل کی دیکھ بھال کی اور آب و ہوا کی ایسی تعریف بیان کی کہ ریلے نے وہیں اپنی نوآبادی بسانے کا فیصلہ کیا اور ملکہ نے بھی اسے ورجنیا کا نام رکھنے کی اجازت کا شرف بخشا۔ ۱۵۸۵ء میں رچرڈ گرین ویل کی سرگروہی میں آبادکاروں کی ایک جماعت لے کر روانہ بھی ہوا لیکن گرین ویل دوسری مرتبہ اور لوگوں کو لینے آیا تو معلوم ہوا کہ پہلے آبادکار دس مہینے نئی دنیا کی ہوا کھانے کے بعد اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ آبادکاروں کا یہ دوسرا گروہ بھی ہلاک ہو گیا جس کی کوئی وجہ بیان نہیں کی گئی مگر عجب نہیں کہ یہ لوگ سونے کے لالچ میں دور تک اندرون ملک میں جا کے بھٹک گئے ہوں اور یا فصل پہ کافی توجہ نہ کرنے کے باعث بھوکے مر گئے ہوں۔ ۱۵۸۷ء میں جو تازہ جماعت گئی تھی اس کا بھی ایسا ہی حشر ہوا۔

غرض ریلے کی کوشش ناکام رہی اور چالیس ہزار اشرفی اس شوق کی نذر کر کے، اُس نے آخر میں اپنے حقوق سوداگروں کی ایک شرکت کے ہاتھ فروخت کر دیے۔ الزبتھ کے باقی سنین حکومت میں ورجنیا کی آبادکاری کی اور کوئی صورت

باب پنجم

نہ نکلی۔ لیکن اس اثنا میں ریلے کی عرقریزی کے لئے ایک اور میدان نکل آیا یعنی گی آنا میں سیم وزر کی افراط سن کر اس نے ۱۵۹۴ء میں ایک مہم وہاں کے سواحل کی دیکھ بھال کے واسطے روانہ کی اور اگلے سال خود ادھر آیا اور اوری نیکو دریا کے دہانے سے کشتیوں میں دُور تک اندر چلا گیا۔ دیسی باشندوں نے اس کی خاطر تواضع کی اور ان کے رئیس اور ملکۂ انگلستان کے مابین ریلے نے ایک موہوم سا عہد نامہ بھی مرتب کر لیا۔ وہاں سے وہ یہ یقین لیکر واپس پلٹا کہ علاقہ بہت دولت مند ہے اور آگے بڑھ کر اندرون ملک میں ضرور سونے کی کوئی کان موجود ہے جس تک وہ خود پہنچ نہ سکا تھا۔ مگر آیندہ ایسی مجبوریاں پیش آئیں کہ خود ریلے دوبارہ گی آنا نہ آسکا۔ البتہ اپنے دوست کپتان لارینس کیمیس کو دوبارہ اُس نے یہاں روانہ کیا۔

تجارت

نوآبادیاں قایم کرنے کی ان کوششوں کے علاوہ الزبیتھ کے آخر زمانے میں انگلستان کی تجارت نے بہت کچھ فروغ حاصل کیا۔ ڈریک، ریلے وغیرہ کا یہ طریقہ کہ بارہا ذاتی خرچ سے ایسے بحری سفروں کا انتظام کرتے رہے، اسی نے انگریزی قوم کو اُس کی سب سے نمایاں قومی عادت یہ سکھائی کہ ایسے کام جو دوسرے ملکوں میں محض حکومت کے بل بوتے پر ہوتے ہیں، وہاں شخصی اولوالعزمی سے انجام پانے لگے۔ دُور کے ممالک سے تجارت کرنا اُن دنوں کچھ کم خطرناک و خرچ طلب کام نہ تھا اور اس غرض کے لئے اسی طرح کمپنیاں یا تجارتی شرکتیں بنانی ضروری ہوتی تھیں، جیسے آج کل ریلوں وغیرہ کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ ان کو حکومت سے باقاعدہ سند یا منشور اور بعض مراعاتِ خاص عطا ہوتی تھیں۔ چنانچہ ملکہ الزبیتھ نے بھی متعدد سندیں عطا کیں۔

شرکہ شرق الہند

ان میں سب سے مشہور شرکہ شرق الہند (دی ایسٹ انڈیا کمپنی) تھی جو ۱۶۰۰ء میں مرتب ہوی۔ بہت دن تک ایشیا سے پرتگیز ایسے اخفا کے ساتھ تجارت کرتے رہے کہ اس کی قدر و قیمت کا پتہ صرف اسی وقت چلا جب قاوص سے واپسی میں ڈریک ایک شرق الہند کا پرتگیزی جہاز پکڑ لایا۔ لیکن اس کے بعد سے انگریز اور ہولنڈیز پرتگیزوں کی اجارہ واری توڑنے کے پیچھے پڑ گئے۔ ۱۶۰۱ء میں انگریزوں کا پہلا جہاز شرق الہند

روانہ ہوا اور ایک تجارتی مرکز یا کوٹھی کالی کٹ میں کھول دی گئی۔ تاجروں کی دوسری جماعتیں بھی قائم ہوئیں جو ترکی و روس سے تجارت کرتی تھیں اور تاجرانہ شوق کو ایسی تحریک پہنچی جو آئندہ برابر جاری رہی۔

فرانس

۱۵۹۲ء میں اسپین سے جنگ کی چنگاریاں رفتہ رفتہ بجھ گئیں۔ فلپ نے ہینری شاہ نوار کو تخت فرانس تک نہ پہنچنے دینے میں جتنے جتن کئے سب ناکام رہے۔ ۱۵۹۰ء میں ہینری نے ایوری کے میدان میں اسپین اور اس کے سارے جتھے کی فوجوں کو شکست دی۔ ۱۵۹۲ء میں فلپ کا بہترین سپہ سالار پارما کہ روآن کا محاصرہ اٹھانے کی کوشش میں تھا فوت ہوگیا۔ اگلے سال ہینری باضابطہ کیتھولک کلیسا میں شامل ہوا جس سے کامیابی کو اور پختگی حاصل ہوگئی اس کارروائی کی تاویل میں اس کا یہ قول مشہور ہے کہ ملک فرانس کیتھولکی جماعت صلواۃ کی قیمت ضرور رکھتا ہے۔ حقیقت میں کیتھولک ہونے سے وہ نہ صرف کسی خاص فرقے بلکہ پوری قوم کا بادشاہ ہوگیا اور اسی وقت سے بتدریج مخالفت زائل ہوگئی۔ ۱۵۹۸ء میں اس نے "نانت کا حکمنامہ" شائع کیا جس میں ہیوگنیو فرقے کو مذہبی آزادی دی گئی اور ملک کے مذہبی معاملات پوری طرح ضابطے میں آگئے۔ اسی سال ویروین کے صلح نامے سے اسپین کی طولانی جنگ ختم ہوئی۔ دو مہینے بعد خود فلپ نے وفات پائی اور اس کا امن پسند فرزند فلپ ثالث تخت نشین ہوا۔

آئرستان

اب ہمیں آئرستان کی طرف توجہ کرنی چاہیئے جہاں اس جزیرے کو پوری طرح انگلستان کے زیر حکومت لانے کی حکمت عملی کو ہینری ہفتم نے شروع کیا اور ملوک ٹیوڈر برابر اسی پر چلتے رہے۔ اس کی تکمیل میں رکاوٹیں ضرور پیش آئیں تاہم بہت کچھ ترقی ہو چکی تھی ہینری ہفتم اور اس کے پیش رو کے وقت میں سب سے قوی مزاحمت سرکش کلڈیر کے امیروں کی طرف سے ہوئی اور ہینری کا پاپائے رومہ سے جھگڑا شروع ہوا تو ان شورہ پشت امیروں نے موقع پاکے پاپا کے ساتھ ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ ملک میں پہلے ہی کچھ کم آفتیں برپا نہ تھیں کہ اب ایک مذہبی جنگ آ ورٹھن گئی۔ یہ خطرہ بہت سنگین تھا اور اسی لئے حکومت کو پوری تن دہی سے قیام امن کی کوشش کرنی پڑی۔ لڑنے والوں میں جو سرگروہ ہینری کے ہاتھ پڑا، اسے سُولی دے دی گئی۔ اور آخر میں کلڈیر کے

باب پنجم

خاندانِ جرال ڈین کا صرف ایک لڑکا باقی رہ گیا ورنہ سب موت کے گھاٹ چڑھے۔

آئرستان میں اصلاح کلیسا کی تحریک انگلستان سے بالکل مختلف صورت میں تھی پہلے کلیسا کا حال وہاں بہت ہی بے قاعدہ سا تھا اور اٹھارہ اسقفوں کا جو اپنی اپنی جگہ حکومت کرتے تھے، کوئی سرخیل یا صدر نہ تھا۔ پھر ان اسقفوں میں بھی خاص خاص کاموں کی تقسیم نہیں کی گئی تھی بلکہ مختلف، خانقاہوں سے



وابستہ کردئے گئے تھے۔ اور جب یہ خانقاہیں مسدود کی گئیں تو کلیسا کا سارا نظام ہی

باب پنجم

درہم برہم ہوگیا۔ ۱۵۳۶ء میں آئرستان کی مجلس نے افضلیت شاہی کا قانون نافذ کیا اور امیروں نے بھی اسے تسلیم کر لیا۔ انگریزی کتاب صلواۃ کے آئری زبان میں ترجمے کے بھی احکام جاری ہوئے گو ان پر غالباً عمل درآمد نہیں ہوا۔ تاہم واقعہ یہ ہے کہ اصلاح کلیسا کا روحانی پہلو اہل آئرستان کی طبائع سے مطلق مناسبت نہ رکھتا تھا۔ لوگ اپنے پرانے عقیدوں پر جمے رہے اور دورہ کرنے والے فقرا کے وعظ و پند اسی طرح سنتے رہے جیسے پہلے ہوتا تھا۔ انھی فقرا کی تلقین سے آئرستان کے کیتھولک مذہب کی وہ مقبول قوم صورت بنی جو آج تک اسے دوسرے ملکوں سے متمیز کرتی ہے۔ اسی کے ساتھ یہ خیال کرنا ہرگز درست نہ ہوگا کہ آئرستان کے رؤسا کی حکومت انگلستان کے خلاف جو روش تھی اس کا اصلی سبب مذہبی محرکات تھے۔ ملکہ میری نے کیتھولک مذہب کو دوبارہ رائج کر دیا تھا باوجود اس کے وہاں کے رئیس میری کی حکومت سے برسرپیکار رہے۔ آج تک "کوئنز کاونٹی" "میری برو" "کنگز کاونٹی" اور "فلپس ٹاون" کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے زمانے میں انگریزی حکومت کس حد تک ترقی کر سکی تھی۔

آئرستان کا زمینداری طریقہ

آئرستانی رؤسا کی اراضی چھین کر انگریزی اضلاع کے طرز پر ان کی تنظیم کی گئی تو حکومت کو ایک تازہ اور سخت دشواری سے سابقہ پڑ گیا۔ ملکیت اراضی کی تاریخ میں تمدن کے چار مدارج یہ ہیں: قوم کی ملکیت۔ قبیلے کی ملکیت۔ خاندان یا برادری کی ملکیت اور آخر میں انفرادی ملکیت۔ انگریز برطانیہ میں آنے سے قبل انفرادی ملکیت کے درجے تک ترقی کر چکے تھے لیکن قلطی قوم قبیلے اور خاندان کی ملکیت کے بین بین تھی اور اس کی زمینداری کے طریقے سولھویں صدی کے انگریزوں کو بالکل بدویانہ نظر آتے تھے۔ آئرستان کے تمام باشندے چند گروہوں میں منقسم تھے۔ ہر گروہ کسی ایک رئیس یا سردار کی حکومت تسلیم کرتا تھا اور ان رئیسوں کی ذاتی اراضی یا جاگیر کے علاوہ آمدنی کا ایک ذریعہ یہ تھا کہ اس گروہ کے تمام افراد اُسے حصۂ رسد نذرانہ ادا کرتے تھے۔ اس کے ماتحت ثانوی درجے کے گروہ **سیپٹ** (عشیرہ) کہلاتے اور ان سب کے ناموں کا خاندانی جزو مشترک ہوتا اور ان کے چودھری (ٹینسٹ) بھی

اسی طرح ذاتی اراضی کے علاوہ رسوم اور نذرانے وصول کرتے تھے۔ رئیس یا چودھری کی وفات پر اس کی پوری زمین تنہا وارث کے حصے میں آجاتی تھی لیکن عوام کی اراضی سب بچوں میں حتیٰ کہ اولاد ناجائز میں بھی، برحصہ مساوی تقسیم ہوا کرتی تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ ان چھوٹی چھتیوں کی تقسیم ہوتے ہوتے ذرا ذرا سے کھیت کنبے والوں کے حصّے میں رہ گئے تھے اور ہر شخص اسی چند جریب کی زمین پر وراثت و ملکیت کی شیخیاں ہانکتا تھا۔ لیکن روسا کی جاگیروں کو اہل آئرستان قوم یا گروہ کی مشترکہ ملک سمجھتے تھے اور اسی لئے ان جاگیروں کی ضبطی کو اپنے مال کی قزاقی کے مرادف خیال کرتے تھے۔ اس قسم کے عجیب زمینداری نظام کے باوجود انگریزوں نے اپنے اصول آئرستان میں جاری کرنے کی کوشش کی اور بڑے سرداروں کو "ارل" یا امیر اور نذرانوں کو باقاعدہ لگان یا مالیہ قرار دیا۔ اسی کے ساتھ اگر کوئی امیر غداری کا مرتکب ہو تو انگلستان کی طرح اس کی املاک ضبط کر لی جاتیں اور غالباً چودھریوں کے حقوق کی پروا کئے بغیر انھیں تازہ وارد انگریزوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ جس کا اثر یہ ہوتا کہ ایک بغاوت کے انسداد سے دوسری بغاوت کا مادّہ پیدا ہو جاتا تھا۔

روسائے آئرستان کی بغاوتیں

الزبتھ کے ابتدائی عہد حکومت میں ٹائرون کے امیر شان اونیل نے سرکشی کی۔ آئرستان کے دوسرے سرداروں کی طرح شان بھی دربار انگلستان میں بہت اچھا نقش چھوڑ آیا تھا۔ لیکن وطن پہنچتے ہی اس نے ہنگامہ برپا کر دیا اور جیتے جی کم و بیش خود مختار رہا۔ حتیٰ کہ ۱۵۶۷ء کے ایک بلوے میں کسی نے اسے مار ڈالا۔ اس کے بعد اورمنڈ اور ڈیس مونڈ خاندانوں میں جھگڑا ہوا جس نے حکومت کے خلاف بغاوت کی شکل اختیار کر لی اگرچہ اس کی خطرناک نوعیت اُس وقت ہوئی جب کہ ۱۵۷۹ء میں ہسپانوی فوج کی مدد سے منسٹر کے ڈیس مونڈ علانیہ باغی ہو گئے۔ لیکن انگریزوں کو جب غصّہ آیا اور وہ سرکوبی کے لئے چلے تو حسب معمول اہل آئرستان ان کے مقابلے کے لئے کمزور ثابت ہوئے۔ ڈیس مونڈ میدان سے بھاگ نکلے ہسپانوی اور اطالوی سپاہی جنھیں پاپائے نے بھجوایا تھا، امان مانگنے پر مجبور ہوئے مگر امان دینے کے بعد انھیں سمروک میں کمال بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔

باب پنجم

لیکن سب سے زبردست بغاوت آرماڈا کے حملے کے بعد برپا ہوئی ڈیس مونڈوں کی شکست کے بعد ان کی ساری اراضی انگریزی آبادکاروں میں بانٹ دی گئی تھیں اور انھی میں کل کول من کاسل، اسپنسر شاعر کے ہاتھ آیا کہ وہ انگریز نائب السلطنت کا معتمد تھا اور اسی کی کتاب "آئرستان کی موجودہ حالت (View of the present State of Ireland) اس زمانے کی حالت کا بیش بہا ذریعۂ معلومات ہے۔ اسی تقسیم کے سلسلے میں سر والٹر ریلے کو بھی بہت بڑا حصہ ملا تھا۔ اسپنسر اپنی نئی جاگیر میں خود جا کے رہا اور والٹر ریلے نے بھی پوری کوشش کی کہ انگریز کسان ان اراضی میں آباد ہوں مگر دوسرے انگریز جاگیر پانے والوں نے عموماً ان کو بانٹنے یا قبضہ لینے میں غفلت کی اور مقامی چودھری جنھیں نئی تنظیم سے بے حد غصہ آیا تھا، بڑی بھاری بغاوت برپا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اسپنسر بمشکل جان بچا کے بھاگا۔ باقی منسٹر کے انگریز آبادکار بالکل صاف کر دیئے گئے۔ بغاوت میں اصلی پائداری اور قوت، شان اونیل کے رشتہ دار ہیو اونیل امیر ٹائی رون کی شرکت و سرگروہی سے پیدا ہوئی اور غالباً آئرستان میں اُس سے بہتر سپہ سالار اس وقت تک پیدا نہ ہوا تھا۔ بے قاعدہ لڑائی لڑنے میں وہ جواب نہ رکھتا تھا اور اپنے سپاہیوں کو قزاقانہ اصول سکھانے کے ساتھ اتنے قواعد و ضوابط بھی سکھا سکتا تھا کہ ایک باقاعدہ فوج کے مقابلے میں تھم سکے۔ خلاصہ یہ کہ وہ حکومت کا سب سے بے ڈھب دشمن ثابت ہوا اور سر جان نورس جو بہترین انگریز سرداروں میں تھا، تعقب کرتے کرتے ہار گیا۔ اس کا جانشین سر ہینری بیگ نل دھوکا کھا کے ساتھ کے اکثر سپاہیوں سمیت (بلیک واٹر کے قریب مارا گیا۔ اور ان حالات کو دیکھ کر مجلس خاص نے فیصلہ کیا کیا کہ بغاوت فرو کرنے کی خدمت امیر ایکس کے تفویض کی جائے۔

ایکس بہت سی لڑائیاں لڑ چکا تھا اور اس سے بڑے بڑے کاموں کی توقع تھی۔ اس اعتبار سے تو وہ بہترین سپہ سالار تھا لیکن دربار میں سیسل اس کا دشمن، ریلے اور کوب ہم اس کے رقیب تھے لہٰذا ان کی دلی خواہش یہ تھی کہ وہ ناکام رہے۔ خواہ اس میں خود حکومت کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ دربار میں بعض لوگ ایکس کے مؤید بھی موجود تھے اور فرانسس بیکن ہی نے اسے ایک خط میں بہت مفید

صلاح مشورے لکھے تھے۔ مگر آئرستان پہنچ کر ایکس نے جس منصوبے کا انگلستان میں اعلان کیا تھا، اسے چھوڑ دیا یا اس پر عمل نہ کر سکا اور ٹائی رون پر حملہ کرنے کی بجائے جنوب کے ویران علاقوں کی لڑائیوں میں اُلجھ گیا جہاں معقول فائدہ حاصل کئے بغیر آدھی فوج ضائع ہو گئی اور بالآخر ٹائی رون کے سامنے پہنچا تو اتنی قوت نہ پائی کہ اس باغی امیر کا کامیابی سے مقابلہ کر سکے۔ تب اُس نے ان شرطوں پر صلح کر لی کہ آئرستان میں کسی بڑے امیر کو نائب السلطنت بنا کے بھیجا جائے اور صرف اہل آئرستان دوسرے عہدوں پر مقرر ہوا کریں۔ لیکن ایکس بخوبی جانتا ہوگا کہ ایسے معاہدے کو ملکہ الزبیتھ ہرگز قبول نہ کرے گی اسی لئے کبھی تو وہ یہ سوچتا تھا کہ پوری فوج لیکر واپس وطن جائے اور بزور ملکہ سے معاہدے پر دستخط کرائے اور کبھی کچھ اور۔ آخر کچھ روز کے تامل و تذبذب کے بعد سپہ سالاری لارڈ مونٹ جوے کے حوالے کر کے بلا اجازت لندن پہنچا اور سفر کے میلے کچیلے کپڑے اتارے بغیر سیدھا ملکہ کے ایوان میں گھس کر ملاقات کا طالب ہوا۔ الزبیتھ نے غصے سے اُسے نکلوا دیا اور ہر چند بچ کے طور پر

ایکس کی غداری اور موت

ملاقات کی مگر مجلس شاہی کو حکم دیا کہ اس کے طرزِ عمل کی تنقیح کرے۔ ارکان مجلس ایکس کے برے ارادوں سے ناواقف تھے اور انھوں نے اسے اپنے گھر کے اندر رہنے کی جو قید لگائی تھی وہ بھی کچھ روز میں منسوخ کر دی۔ تاہم دربار میں آنے کی اجازت نہ ملی اُس کی ذلت پر جو خود اُس کی حماقت کا نتیجہ تھی، دشمنوں کو خوشی ہوی اور امیر ایکس نے اسی غصے میں اسکاٹ لینڈ کے بادشاہ سے غدارانہ قسم کی خط کتابت شروع کی۔ ساتھ ہی سپاہی اور کیٹس بی جیسے خوفناک بدمعاشوں کو (جنھوں نے بعد میں "بارود والی سازش" میں حصہ لیا) گرد و پیش جمع کرنا شروع کیا۔ اس کی پُشت پر ساوتھمپٹن وغیرہ بعض امرا بھی تھے اور ایک مرتبہ روا روی میں یہ بات کہدینے سے کہ مجھے اقتدار ملا تو کسی شخص کو مذہبی عقائد کی بنا پر نہیں ستایا جائے گا" کیتھولک اور اشد غیر مقلدوں کی بھی کسی قدر تائید اسے حاصل ہو گئی تھی۔ اس قسم کی سازش ظاہر ہے کہ حکومت کے لئے نہایت خطرناک ہو سکتی تھی۔ ملکہ اور اس کے وزیروں کو

باب پنجم

ایسکس کے منصوبے تفصیل سے تو معلوم نہ تھے مگر اُن کا منشا بخوبی سمجھ میں آتا تھا۔ نظر بر ایں گرفتاری کا حکم دیا گیا۔ ایسکس چالاکی سے اِدھر اُدھر چھپتا پھرا۔ لندن والوں کو اس نے اپنی مدد پر اُبھارنا چاہا تھا مگر کامیابی نہیں ہوی تو اپنے مکان کو مورچہ بند کرکے شاہی فوج کا مقابلہ کیا۔ اس طرز عمل کو برداشت کرنا ممکن نہ تھا۔ وہ غداری کے جرم کا آپ سے آپ مجرم قرار پایا اور ۱۶۰۱ء میں اس کا سر قلم کرا دیا گیا۔ اس کی موت نے سیسل کے اقتدار کو محفوظ و محکم بنا دیا۔

اجارے

الزبیتھ کے عہد کا آخری اور پارلیمنٹ سے متعلق واقعہ اجاروں کا قضیہ تھا۔ شروع کے تیس سال میں صرف آٹھ مرتبہ شاہی اخراجات کے لئے زائد محصول طلب کرنے کی ضرورت ہوی تھی لیکن یہ مفید اور قابل تعریف کفایت شعاری اسپین سے جنگ چھڑنے کے بعد نہ چل سکی۔ الزبیتھ کو پندرہ مرتبہ روپیہ وصول کرنا پڑا اور شاہی اراضی فروخت کرکے اتنی رقم الگ جمع کی گئی جو دو دفعہ کی وصولیابیوں کے برابر تھی۔ اس پر بھی اسے سخت مالی مشکلات پیش آئیں۔ ابتدائی عہد حکومت میں تو اس نے اپنے باپ اور بہن دونوں کے قرض ادا کئے تھے مگر اب معمولی ضروریات کے لئے قرض فراہم کرنا دشوار ہو گیا۔ اسپین سے جنگ اور فرانس اور ہولنڈیزوں کو حسب معاہدہ مدد دینے میں جو غیر معمولی مصارف ہوئے وہ مزید برآں تھے۔ روپیہ وصول کرنے کی غرض سے اس نے اجارہ دینے کے شاہی اختیار سے بارہا کام لیا جس میں سے کچھ رقم سالانہ حکومت کے خزانے میں دی جاتی تھی۔ ان اجاروں نے لوگوں میں بہت بے اطمینانی پھیلائی اور ۱۶۰۱ء کی پارلیمنٹ میں یہ سوال اُٹھایا گیا تو ملکہ نظر ثانی پر رضامند ہو گئی۔ مجموعی طور پر الزبیتھ اور اس کی پارلیمنٹوں کے تعلقات نہایت دوستانہ رہے اور کوئی وقت پیش آئی بھی تو وہ یہ کہ پارلیمنٹ ملکہ سے دو قدم آگے جانا چاہتی تھی۔ بعض موقعوں پر اراکین کا طریق عمل ایسا تھا کہ ملکہ نے انھیں حوالات میں لینے کا حکم دیا بایں ہمہ اُس وقت بظاہر کسی نے اس کارروائی پر اعتراض نہیں کیا۔

معاشرت کے تغیرات

عہد الزبیتھ میں ملک کے لیے اقتصادی حالات میں

باب پنجم

نمایاں تغیر ہوا صنعتی انجمنوں کا توڑا جانا بھیڑوں کے گلّوں کی کثرت اور خانقاہوں کے خاتمے سے شہر و دیہات ہر جگہ کی معاشرت پر برا اثر پڑا اور پرانے طور طریق قایم نہ رہ سکے۔ قدیم معاشرت میں ہر شخص کسی مسلّمہ برادری یا حلقے کا (جیسے کہ صنعتی انجمنیں یا زمینداری مقطعے تھے) دائمی شریک ہوتا تھا لیکن اب آجر و اجیر کے تعلقات کی بنیاد محض مزدوری رہ گئی۔ اس تغیر کا ہونا یقیناً ناگزیر تھا مگر اس میں بعض اسقام بھی تھے اوّل تو ایک مستقل تعلق اور معاش کی بجائے اب ایک عارضی تعلق اور غیر یقینی آمدنی کی صورت ہو گئی۔ دوسرے بے روزگاری کا مسئلہ پیدا ہونے لگا۔ ارباب حکومت نے ان خرابیوں کا سدباب یہ کیا کہ مزدوری کی شرح قانوناً مقرر کر دی۔ یہ قانون ۱۵۶۳ء میں نافذ ہوا اور عام طور سے "ملکہ الزبیتھ کا پنجم، باب چہارم" موسوم ہے۔ اس نے اوّل تو کاریگری کی تعریف میں یہ لازم قرار دیا کہ جس پیشے میں مزدور کام کرتا ہے، اسی میں سات برس سے کام کر رہا ہو۔ اور دوسرے حکام عدالت کو مجاز کر دیا کہ سہ ماہی اجلاس کے وقت، اپنے اپنے حلقے یا ضلعے کی مزدوری کی شرح معین کر دیں۔ علاوہ ازیں مزدوروں پر قیود عائد کیں کہ گراں تر شرح کی تلاش میں ایک علاقہ چھوڑ کر دوسرے میں نہ جائیں۔

دوسرا بڑا قانون مساکین کے واسطے مرتب ہوا ایڈورڈ ششم کے زمانے میں پادریوں سے کہا گیا تھا کہ اپنے اپنے حلقے میں لوگوں کو ترغیب دیں کہ فیاضی سے مقامی محتاجوں کی بسر بُرد کا انتظام کریں مگر یہ ہدایت کافی ثابت نہ ہوی اور سرکاری عمّال مقرر کئے گئے کہ ہر حلقے کے باشندوں کی آمدنی وغیرہ کا حال معلوم کریں اور وہ اپنے غربا کی مدد کرنے سے انکار کریں تو منصفوں سے ان کی شکایت کی جاے۔ پھر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوی تو آخر میں ۱۶۰۱ء کا "قانون مساکین" مرتب ہوا جس میں جملہ پہلوؤں کو پیش نظر رکھکر حکم دیا گیا کہ ناظران امن ہر کلیسائی حلقے کے آیین اور دو سے چار تک مقامی باشندوں کو غربا کی خبرگیری کے لیے نامزد کریں، اور انھیں زمینداروں سے باضابطہ امدادی رقم وصول کرنے کا اختیار دیا جاے اور یہ روپیہ مفلس بچوں اور بے روزگاروں کو کام پہ لگانے میں اور ان کی دستگیری

باب پنجم

میں خرچ کیا جائے جو کام کرنے سے معذور ہیں اور کوئی قریبی رشتہ دار نہیں رکھتے جو اُن کا خبرگیراں ہو۔ روپیہ کا تیسرا مصرف یہ تھا کہ آوارہ گردوں کی اصلاح کے لئے محتاج خانے تعمیر کئے جائیں اور غریب بچوں کو مختلف پیشوں کی تعلیم دلائی جائے۔ یہی مشہور قانون آیندہ ۱۵۳۴ء کے قانون کی بنیاد تھا۔

عہد الزبیتھ کا خاتمہ

ملکہ الزبیتھ کی زندگی کے آخری دو سال میں کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ اسپین سے جنگ رسمی طور پر جاری تھی مگر محض لوٹ مار کی صورت میں۔ آئرستان میں مئونٹ جوے نے ٹائی رون کو شکست دے کر ناموری پائی خود ٹائی رون کو معافی مل گئی۔ دربار میں امیروں وزیروں کی کوشش زیادہ تر یہ رہی کہ الزبیتھ کے وارث کے زمانے میں بھی ان کا جاہ واقتدار سلامت رہے۔ اب یہ بات مسلّم ہو گئی تھی کہ الزبیتھ کا جانشین جیمس شاہ اسکاٹ لینڈ ہوگا۔ خاندان سفک کے حقوق فراموش ہو چکے تھے اور انگلستان واسکاٹ لینڈ کی بادشاہیوں کے متحد ہو جانے کے فوائد سب پر عیاں تھے۔ سنہ ۱۶۰۲ء تک الزبیتھ کی صحت بالکل درست رہی مگر آیندہ موسم خزاں سے اس میں سرعت سے تنزل آنے لگا اور مارچ سنہ ۱۶۰۳ء میں اس کے طویل وکامیاب عہد حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ کسی بادشاہ کے حسن و قبح بیان کرنے میں دشواری یہ پیش آتی ہے کہ خود اسے اپنے کاموں کا کس حد تک ذمہ دار سمجھا جائے اور وزیروں کو کتنا؟ لیکن الزبیتھ کے معاملے میں یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ جب کبھی اسے اپنے وزیروں سے اختلاف ہوا، آیندہ واقعات نے بلا استثنا یہی ثابت کیا کہ ملکہ کی رائے صائب تھی۔ اور اس سے بھی بڑھ کر جو بات قابل ذکر ہے وہ یہ کہ یہ ملکہ اپنی سیرت کی کمزوریوں سے بھی ایسا کام لینے کی تدبیریں کرتی رہی کہ ان سے وہ مقاصد حاصل ہوں جنھیں وہ اپنی قوم کے حق میں مفید سمجھتی تھی۔

مشہور سنین

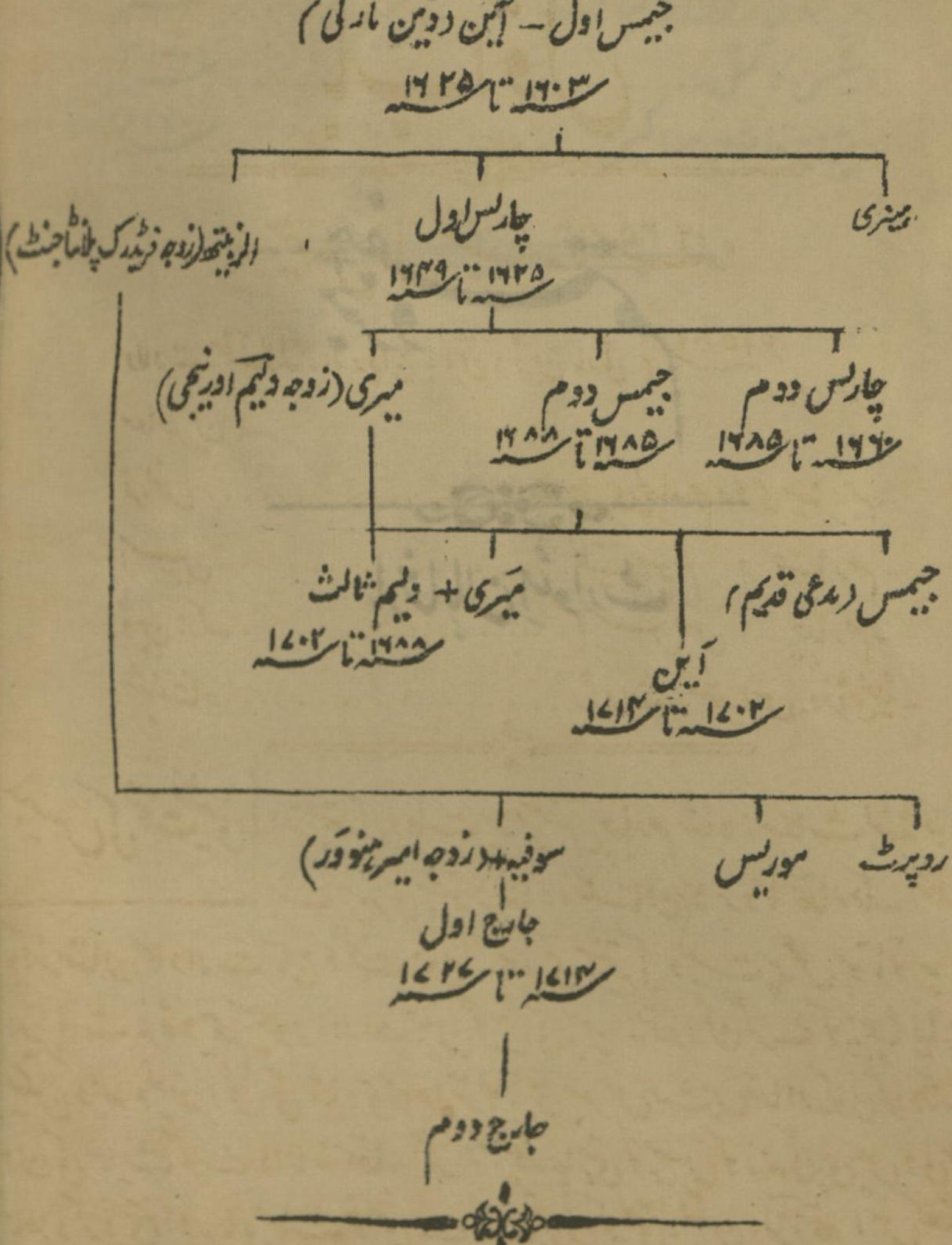
اسکاٹ لینڈ کی میری انگلستان آتی ہے............ سنہ ۱۵۶۸ء

شمالی مفسدے	۱۵۶۹ء
کیمپیون جیفریٹ کا قتل	۱۵۸۱ء
ہائی کمیشن کورٹ عدالت نظارت العالیہ کا استقلال	۱۵۸۳ء
ہیری کا قتل	۱۵۸۶ء
آرماڈا کی ہزیمت	۱۵۸۸ء
ایرٹائی رون کی بغاوت	۱۵۹۹ء
ایکس کا قتل	۱۶۰۱ء
(بڑا) قانونِ مساکین	۱۶۰۱ء

جزوِ ہفتم

بادشاہان اِسٹوارٹ

شجرۂ خاندان اسٹوارٹ



باب اوّل

جیمس اول - ۱۶۰۳ء تا ۱۶۲۵ء

ولادت - ۱۵۶۶ء - ازدواج با این آف ڈین مارک) ۱۵۸۹ء

معاصرین :-

فرانس .... ہنیری چہارم و لُوئی سیزدہم -

اسپین .... فلپ سوم و چہارم -

ڈین مارک .... کرسچن چہارم -

شہنشاہ .... رڈولف - متھیاس - وفرڈی نینڈ -

جیمس کی تخت نشینی

الزبیتھ کی وفات پر جیمس چہارم شاہ اسکاٹ لینڈ جو مارگریٹ بنت ہنیری ہفتم (شاہ انگلستان) کا پر وتا تھا، ملک انگلستان و آئرستان کا وارث تاج و تخت ہو گیا۔ ہنیری ہشتم کی وصیت پر عمل ہوتا تو یہ ورثہ ایبر ہارٹ فرڈ ولیم سیمور اور اور جین گرے کی بہن کیتھرائن گرے کو پہنچنا چاہئے تھا لیکن ولیم و کیتھرائن کی شادی کا جائز ہونا ہی معرض بحث میں تھا اور کوئی گروہ ملک میں ان کی حمایت کرنے والا نہ تھا۔ اگر الزبیتھ چاہتی تو جیمس کو زندگی ہی میں ولیعہد نامزد کر دیتی اور پارلیمنٹ خوشی سے اسے قبول کر لیتی۔ لیکن الزبیتھ اس گفتگو ہی کو ناپسند کرتی تھی البتہ اپنے مرض الموت میں اس نے پہلی دفعہ یہ اشارہ کیا کہ میرا

باب اول

اسکاٹ لینڈ والا بھائی، وارث تاج و تخت ہو۔

خصائل

انگلستان کی بادشاہی حاصل ہونے کے وقت جیمس کی عمر ۳۷ سال کی تھی مگر اسکاٹ لینڈ میں وہ شیر خوارگی سے بادشاہ تسلیم کر لیا گیا تھا اور شاہی حقوق و مراتب کے متعلق بہت کچھ ہوا سر میں سمائی ہوئی تھی۔ ٹیوڈر خاندان کے بادشاہ لوگوں سے اپنی بڑی عزت کراتے رہے اور مطلق العنانی میں بھی کسی سے کم نہ تھے، تاہم اصولِ حکومت کے بارے میں وہ کبھی حیص بیص نہ کرتے تھے۔ انھیں خود مختار فرماں روا ہونے کا دعویٰ تھا جس کے معنی یہ تھے کہ وہ پاپا، شہنشاہ یا اور کسی خارجی طاقت کے زیر اثر نہیں ہیں۔ لیکن یہ نظریہ انھوں نے کبھی پیش نہیں کیا کہ بادشاہ قانون سے ماورا ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے جیمس میں ذاتی ادب کرانے کی خصلتیں مفقود تھیں اور اسی لئے اُس کے بہت سے عمدہ اوصاف کی بھی، جو بلا شبہ اس میں موجود تھے، خاطر خواہ قدر و منزلت نہ ہوئی۔ وہ زندہ دل اور نیک نہاد آدمی تھا۔ پُر اثر فیصلہ کُن تقریر کا مادہ رکھتا تھا اپنے ذی علم اُستاد جارج بیوکینن کے طفیل، تاریخ اور مذہبی مناقشوں کی تعلیم اور ممالک خارجہ کی معلومات میں اپنے اکثر امیروں وزیروں سے فضیلت رکھتا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ جتنا علم تھا، اتنی عقل نہ تھی اور علمی فضیلت کے غرور نے بھی اس سے ایسی ایسی غلطیاں کرائیں کہ کمتر علم و فہم کا آدمی غالباً ان کی جسارت نہ کرتا۔ جیمس کے اسی بے سُود علم و فضل کی بنا پر شاہ فرانس نے اسے "دنیائے مسیحیت کے سب سے دانشمند احمق" کا خطاب دیا تھا۔ لیکن اتنا ایزاد کر دینا قرین انصاف ہوگا کہ جس ماحول میں اُس نے بسر کی وہ بھی ایسا تھا کہ جیمس کے اوصاف پر پردہ پڑا رہے اور اُس کی خامیاں زیادہ نمایاں ہو جائیں۔

جیمس سے بنیادی غلطی تو یہ ہوئی کہ انگلستان و اسکاٹ لینڈ کی سیاسیات کے، اصولی فرق کا امتیاز نہ کر سکا۔ وہ انگلستان کے اساقفہ کو بھی اسکاٹ لینڈ کی مثل، اتنا بارسوخ سمجھا کہ اُمرا کے مقابلے میں لا کے اُن سے کام لینے کی کوشش کی اس میں دو دو غلطیاں تھیں کہ انگلستان میں اول تو امرا ہی محض اپنی مرتبے کی وجہ سے کوئی خاص اقتدار نہیں رکھتے تھے اور دوسرے پراٹسٹنٹ

باب اول

فرقے کی تبلیغ نے متوسط طبقے میں اسقفوں کی آرا کو خاصا مشکوک و مشتبہ بنا دیا تھا۔ علاوہ ازیں اسکاٹ لینڈ میں انگلستان کے دار العوام کے برابر آزاد و با اثر کوئی جماعت نہ تھی اور یہ دار العوام ملکہ الزبیتھ ہی کے زمانے سے ہاتھ پاؤں نکالنے لگا تھا حالانکہ یہ ملکہ بہت ہر دلعزیز اور اس کی حکمت عملی نہایت عاقلانہ رہی۔ دوسری طرف نئے بادشاہ سے یہ امید کس طرح رکھی جا سکتی تھی کہ وہ بے تکلف قدیم حقوق شاہی سے دست بردار ہو جائے گا۔ اور ان اسباب سے بادشاہ اور پارلیمنٹ میں کشاکش ناگزیر ہو گئی تھی، اسکاٹ لینڈ سے انگلستان آتے وقت ہی جیمس نے ایک جیب کترے کو جو چوری کرتا ہوا پکڑا گیا تھا، مقدمے کی رسم پوری کئے بغیر ہی سولی دلوا دی یہ فعل آئین کے اساسی اصول کے صریحاً خلاف تھا اور اس مثال سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کس طرح اپنی نئی مملکت کے قوانین و رسم و رواج سے منصب شاہی کو بالاتر تصور کرتا تھا۔

ممتاز امرا کے پاس ٹھیرتا ہوا، جیمس اطمینان سے مئی میں لندن پہنچا۔ سب سے اہم مسئلہ اُس وقت یہ تھا کہ اسپین سے لڑائی جاری رہے یا صلح کر لی جائے۔ حامیان صلح کا سرگروہ شاہی معتمد روبرٹ سیسل تھا اور مقابل گروہ کا سرخیل سر والٹر "ریلے"، جو اب اکاون سال کی عمر میں عہد الزبیتھ کے بہن چلوں کا آخری نمونہ رہ گیا تھا۔ ازمنۂ مابعد میں اسے فکر و عمل دونوں اعتبار سے بڑا شخص اور انگریزوں کی استعماری سلطنت کے بانیوں میں شمار کیا گیا لیکن اسپینسر شاعر وغیرہ چند معاصرین کے سوا جو اس کی قابلیتوں کے نہایت معترف تھے، عام اہل وطن کے نزدیک وہ محض مغرور اور سازشی آدمی تھا اور ملکہ الزبیتھ نے فوج رکاب کا سردار مقرر کرنے کے علاوہ مجلس وزرا میں اسے بار نہ دیا۔ جنگ کے حامیوں میں ہونے کی وجہ سے بھی اس کی چنداں پرسش نہ ہوئی لیکن اب اُسے امید تھی کہ نئے دور میں عہدہ و اقتدار حاصل کر سکے گا۔ اُس کے برخلاف سیسل میں کوئی خاص جودت تو نہ تھی لیکن محنتی، باقاعدہ اور قابل اطمینان شخص تھا۔ وہ عہد الزبیتھ کے آخری ایام کی صلح جوئی کا حامی، اپنے باپ کی شہرت کا وارث اور اغراض ذاتی سے مبرا تھا اور بڑی خوبی یہ تھی کہ اعتدال و مصالحت کی روش رکھتا تھا۔ جیمس نے

باب اول

اسکاٹ لینڈ ہی میں اس کے اوصاف سُن لئے تھے اور چونکہ خود جنگ سے نفرت تھی، اس واسطے وہ رالے کی طرف مطلق مائل نہ ہوا بلکہ اسے عہدے سے برطرف کرکے اسکاٹ لینڈ کے ایک سردار سر ٹامس ارسکن کو مقرر کر دیا اور سیسل بدستور معتمدی کی خدمت پر سرفراز رہا۔ رالے کو بھی غالباً یہ امید واثق تو کبھی نہ ہوئی تھی کہ سیسل کی جگہ مل جائے گی مگر برطرفی نے اسے اور اس کے دوست لارڈ کوب ہم کو سخت آزردہ کیا اور انھوں نے حالت غضب میں سیسل کے جبراً نکال باہر کرنے کی تدبیر سوچی۔ کوب ہم خود جیمس

سازشیں

کو بھی معزول کر کے ڈارنلی کی بھتیجی، ارابیلا اسٹوارٹ کو بادشاہ بنا دینے کی فکر میں تھا۔ کہتے ہیں اسپین سے مدد لینے کے بھی واہی تباہی منصوبے سوچے گئے تھے، مگر یہ کچھ قرین قیاس نہیں ہے۔ بہرحال مذکورہ سازش کو اہل تاریخ "مین پلاٹ" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

انھی دنوں کیتھولک فرقے کے لوگوں میں بھی ناراضی پیدا ہوئی جنھیں شکوہ تھا کہ جیمس نے فوراً ان کی شکایتیں دور نہیں کیں۔ شکایتوں کے بجا ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ لاطینی میں نماز خوانی نہ صرف قانوناً ممنوع کردی گئی بلکہ امام اور مقتدی سب بدترین سزاوں کے مستوجب بنا دئے گئے تھے۔ مانا کہ عام لوگوں کے معاملے میں اس قانون کی پوری پابندی نہ ہوتی تھی تاہم نہ آنے والوں سے مقررہ جرمانے بڑی سختی سے وصول کئے جاتے تھے۔ جیمس نے اسکاٹ لینڈ میں اس قسم کی باتیں کیں جن سے کیتھلک سمجھے کہ یہ جرمانے معاف کر دئے جائیں گے لیکن آمدنی کی یہ معقول مد مسدود ہونے سے جو مالی دشواری پیش آتی اس سے مجلس شاہی دو چار ہونے پر بالکل تیار نہ تھی اور سب کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ جرمانوں کا سلسلہ بدستور جاری رہے گا۔ اس پر چند من چلوں میں یہ تجویز ہوئی کہ بادشاہ کو پکڑ کر جبراً رواداری کا عہد لیا جائے۔ ان لوگوں کے نام یہ تھے:۔ ولیم واٹسن پادری، جو اڈن بروین جیمس سے جا کے ملا تھا۔ جارج برُوگ، رالے کے دوست لارڈ کوب ہم کا بھائی۔ لارڈ گرے ڈی ولٹن، جو امیر اسیکس اور کیتھولک فرقے کی سازش میں ملوث ہوا تھا۔ ان لوگوں کا منصوبہ "بائی" کہلاتا ہے۔ مگر سیسل کو ان دونوں سازشوں کی خبر ہو گئی اور اس نے جملہ اہل سازش کو گرفتار کر کے ایک ہی جگہ مقدمہ دائر کرا دیا گویا دونوں سازشیں

ایک تھیں۔ اور اس حد تک ضرور صحیح ہے کہ بروک کا دونوں سازشوں سے تعلق تھا۔ قیدیوں کے خلاف، خصوصاً رالے کے خلاف، شہادت بھی بالکل ناکافی تھی مگر بغاوت و انقلاب سے ملک نہایت خوف زدہ تھا اور چونکہ غداری کی تعریف میں، بقول سکسپیر، ہر شخص داخل تھا جو اپنے ملک کی نقصان رسانی میں کوشاں ہو، لہذا عوام الناس بالکل تیار تھے کہ رالے بھی مجرم قرار پائے۔ چنانچہ تمام ملزموں پر جرم ثابت ہوا۔ بروک اور واٹسن کو سُولی ملی لیکن رالے، کوب ہم اور گرے کی جاں بخشی کر کے قلعۂ لندن میں محبوس کر دیا گیا۔ اس تمام مقدمے میں عوام الناس بالکل سیسل کے ہمنوا رہے اور جب رالے قید خانے کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو راستے میں اہل بازار اُسے گالیاں دیتے تھے۔ حقیقت میں اگر بادشاہ کا سبب نہ ہوتا تو وہ اور اس کے ساتھی زندہ نہ بچ سکتے۔

کیتھولک اور پیوریٹن جیمس کی چشم عنایت کی توقع رکھتے تھے۔ کیونکہ اُس کا اُستاد نو آخر الذکر فرقے کا آدمی تھا اور ماں ایک کیتھولک تھی۔ لیکن دونوں کو مایوسی نصیب ہوئی اور جیمس نے کچھ تو مصالح وقت اور کچھ ذاتی میلان سے الزبتھ کا تصفیہ بجنسہ رہنے دیا۔

مذہبی مباحث

پیوریٹن فرقے کے لوگوں نے اپنے خیالات بذریعہ تحریر پیش کیے تھے جو "ہزاری محضر" (Millenary Petition) سے موسوم ہوئی کیونکہ اس پر ایک ہزار پادریوں کے دستخط لئے جانے والے تھے۔ فرقۂ مذکور کے جو مطالبات الزبتھ کے زمانے میں تھے، ان میں بے شبہ کمی کر دی گئی تھی اور مار پری لیٹ رسائل یا کارٹ رائٹ کی تصانیف میں جو کلیسائی نظام کو بالکل درہم برہم کر دینے کی وکالت کی گئی تھی، اس مسئلے کو چھوڑ کر اب صرف عقائد و رسوم میں تبدیلی کی درخواست تھی۔ بایں ہمہ محضر گزار صرف مذہبی رواداری کے حامی نہ تھے بلکہ چاہتے تھے کہ ان کی اکثر مجوزہ اصلاحات جبراً نافذ کر دی جائیں۔ ان اصلاحات میں قابل ذکر یہ تھیں کہ بپتسمے میں صلیب کی اجازت نہ ہو۔ رسم نکاح میں سے شادی کا چھلا پہنانے کی رسم لازمی نہ رہے۔ "پادری" اور "نجات" کی اصطلاحات میں "تصحیح" کی جائے۔ انھیں بہتر سے بہتر واعظین کے مقرر کرنے اور یوم السبت

کو زیادہ پابندی سے منانے پر بھی اصرار تھا۔ کلیسا نے اس محضر کی بیانگ دہل تکذیب کی مگر بادشاہ اسے سننے پر آمادہ ہوگیا۔ ۱۶۰۴ء کے موسم بہار میں ہیمپٹن کورٹ میں اساقفہ اور چار چیدہ محضر گزاروں کی ملاقات اور باہمی گفتگو کا انتظام کیا گیا۔ ان میں بھی کلیسا کی طرف سے بین کروفٹ (اسقف لندن) اور محضر گزاروں میں رینلڈس کو ریس کرسٹی کالج آکسفرڈ کا صدر نشین اور چے ڈرٹن امانیول کالج کیمبرج کا ایک معلم سب سے پیش پیش تھے۔ رینلڈس کا پہلا ہی مطالبہ یہ تھا کہ ۳۹ ارکان ایمان میں لیمبتھ کے مجوزہ دفعات بھی شامل کردی جائیں جن میں کالونی اصول کی جھلک تھی، جیمس نے اسے قبول نہیں کیا مگر دوسری تجویز کہ انجیل کا نیا ترجمہ کیا جائے، مان لی۔ تیسرا مسئلہ یہ پیش ہوا کہ پادریوں کو مناظرے کی اجازت دی جائے جس کے روکنے میں الزبیتھ نے بڑی شدت کی تھی دوران گفتگو میں کسی کی زبان سے "پرس بی ٹری" کا لفظ نکلا جیمس سمجھا کہ محضر گزار انگلستان میں بھی اسکاٹ لینڈ کا کلیسائی نظام (پرس بی ٹرین) رائج کرنا چاہتے ہیں لہٰذا یہ لفظ سنتے ہی بگڑ گیا اور محضر گزاروں کو خوب صلواتیں سنائیں۔ اسے اپنا یہ گر بہت پسند تھا کہ "جہاں اسقف نہیں، وہاں بادشاہ نہیں"۔ اسی خیال کے مطابق اُس نے جلسہ برخاست کردیا اور کہنے لگا کہ اگر ان لوگوں کے سارے طومار کا مطلب یہ ہے تو میں انھیں ملک میں ٹکنے نہ دوں گا یا اور بھی بری طرح پیش آؤں گا،، بادشاہ کے اس طرز عمل سے اساقفہ اور پیورٹن کے درمیان گویا لڑائی کی بنیاد پڑ گئی۔ اسی سال بین کروفٹ صدر اسقف کینٹربری مقرر ہوا اور مجلس کلیسا نے چند نئے ضوابط اُس کی نگرانی میں مرتب کئے۔ انھیں تین سو سے زیادہ پادریوں نے قبول نہ کیا اور اپنے وظیفوں سے محروم اور گویا مجبور کر دئے گئے کہ پیورٹن فرقے میں جا ملیں غنیمت ہے کہ ان اختلافات سے انجیل کے مل کر ترجمہ کرنے کے کام میں رکاوٹ نہ پیدا ہوئی اور دونوں فرقوں کے ۴۷ علما جو بلا رو رعایت منتخب کئے گئے تھے، نظر ثانی وغیرہ میں شریک رہے۔ ان میں، اینڈ روز (اسقف ونچسٹر)، سر ہینری سیویل: ناظر مرٹن کالج اکسفرڈ، اور چے ڈرٹن زیادہ مشہور ہیں ۱۶۱۱ء میں نیا ترجمہ مکمل اور "مسلم الثبوت ترجمے" کے نام سے شائع

باب اول

کر دیا گیا۔ یہ سابقہ ترجموں کی بہترین عبارت پر مبنی تھا اور اُس عہد کے بہترین علما نے اس کی تصحیح کی تھی، لہذا انشاپردازی اور صحت، دونوں اعتبار سے اُس زمانے کا بہترین بلکہ ایسا علمی کارنامہ تھا کہ غالباً اس سے بہتر انگریزی زبان میں تیار کرنا ہی ممکن نہیں ہے۔

کیتھولک فرقے سے جیمس کو دلی ہمدردی تھی مگر اسے عمل میں لانا آسان نہ ہوا۔ گرجا سے غائب رہنے والوں کو جو جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا، وہ آمدنی کی معقول مد بن گیا تھا اور یوں بھی پارلیمنٹ میں کیتھولک فرقے کی مخالفت اس قانون کو بدلنے کی سازگار نہ تھی۔ لیکن جیمس کو بہت کچھ امید یہ رہی کہ بادشاہی افضلیت کی قسم کے الفاظ ایسے قرار پا جائیں گے جن میں کیتھولکوں کو کوئی مذہبی دشواری نہ رہے اور حکومت بھی ان کی وفاداری کی طرف سے مطمئن ہو جائے۔ اس بارے میں بادشاہ نے کافی دماغ کاوی اور جدت طرازی سے کام لیا، پھر بھی کوئی کامیابی نہ ہوئی اور ادھر بعض اشد کیتھولکوں کی بے اعتدالی نے معاملہ اور زیادہ خراب کر دیا۔

پارلیمنٹ

جیمس کی پہلی پارلیمنٹ مارچ سنہ ۱۶۰۴ء میں منعقد ہوئی۔ انتخاب کے حکمنامے جاری کرتے وقت بادشاہ نے معمول کے خلاف انتخاب کرنے والوں کو صلاح مشورے بھی دئے اور تنبیہ کی کہ ایسے بیرون از قانون مجرم یا بے عقل اشخاص کو مبعوث نہ بنائیں جو افراط یا تفریط میں مشہور ہوں یا فتنہ انگیز مزاج کے عادی سمجھے جاتے ہوں۔" یہاں تک تو یہ خلاف آئین مشورہ اصولاً مناسب تھا مگر سب سے زیادہ خلش اعلان شاہی کے آخری فقرات سے پیدا ہوئی جن میں ہدایت کی گئی تھی کہ نتائج انتخابات مالگزاری کی کچہری میں پیش کئے جائیں اور کوئی انتخاب اعلان کے خلاف پایا گیا تو اسے "خلاف قانون اور نادرست سمجھ کر منسوخ کر دیا جائے گا۔"

مبعوثین کے نام محکمہ مالگزاری میں پیش ہوئے تو بکنگھم کا مبعوث سر فرانسس گاڈون مجرم پایا گیا جسے محکمہ مذکور نے خارج کر کے نئے انتخاب کا حکم دیا اور سر جان فورٹس کیو منتخب ہو گیا باوجود اس کے پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو گاڈون نے اپنی جگہ کا مطالبہ اور دارالعوام نے اسے تسلیم کر لیا۔ بادشاہ سے نزاع کی نوبت پہنچی اور اسی ضمن میں جیمس نے یہ عجیب و غریب دعوی کیا کہ "تمام رعایات ہماری منظوری سے حاصل ہو سکتی ہیں۔" آخر میں دارالعوام نے خود یہ قانون منظور کیا کہ قانونی مجرموں کو آئندہ پارلیمنٹ میں نشست کی

باب اول

اجازت نہ ہوگی مگر اپنے حق پر اڑے رہے اور برور دعویٰ کیا کہ انتخابات کے متعلق جملہ اختلافات کا فیصلہ صرف پارلیمنٹ کر سکتی ہے۔ آخر جیمس دب گیا۔ دونوں امیدوار ہٹا لئے گئے اور ایک تیسرا آدمی منتخب ہوا مگر ظاہر ہے کہ اس میں دار العوام ہی کی رہا اور سچ یہ ہے کہ بادشاہ جیت جاتا تو آئندہ وہ جسے چاہتا نامزد کر دیا کرتا اور انتخاب محض کھیل رہ جاتا۔ اس جھگڑے میں دار العوام کی رہنمائی سر فرانسس بیکن کے مشوروں سے ہوئی۔ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ دار العوام کو ایک اور فتح سر ٹامس شرلے کے معاملے میں ہوئی جسے انتخاب ہونے کے بعد قرض ادا نہ ہوسکنے کے باعث قید کر دیا گیا تھا۔ پارلیمنٹ نے دعویٰ کیا کہ غداری، خیانت مجرمانہ یا نقضِ امن کے علاوہ اور کسی وجہ سے کوئی ممبر اجلاس پارلیمنٹ کے زمانے میں قید نہیں کیا جا سکتا۔ ان دونوں کامیابیوں کے باوجود جیمس کی رعایات وامتیازات کے بارے میں مذکورہ بالا رائے سے مبعوثین بہت پریشان تھے اور انھوں نے میقات ختم ہوتے وقت یہ رائے بھی قلمبند کی کہ "اس الوان کے امتیازات اور ضمناً تمام ملک کی آزادی اور استحکام پر یہ ایسی ہمہ گیر و خطرناک ضرب صادر کی گئی ہے کہ ہم سمجھتے ہیں پارلیمنٹ کے آغاز سے اب تک کبھی نہ لگائی گئی ہوگی"۔ انھوں نے یہ بھی لکھا کہ بادشاہوں کے امتیازات برابر زیادہ ہوتے جاتے ہیں لیکن اگر رعایا کے حقوق میں کوئی کمی آئی تو سخت خلفشار کے بغیر اس کی تلافی نہ ہو سکے گی"۔

قانون قبل تولد سیاسی مسائل میں بھی پارلیمنٹ جیمس کی ہمنوا نہ رہی۔ اگرچہ اس باب میں بادشاہ مبعوثین سے زیادہ دور اندیش پایا جاتا ہے چنانچہ اس نے اصرار کیا کہ انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کو متحد کر دیا جائے اور اس غرض سے ایک مجلس نظارت بھی قائم کرا دی جس نے ۱۶۰۶ء میں کیفیت ورائے پیش کی۔ اس زمانے کے لحاظ سے ارکان نظارت کی تجاویز نہایت معقول تھیں کہ ایک دوسرے کی مخالفت میں جو سرحدی قوانین بنائے گئے تھے انھیں منسوخ کر دیا جائے۔ اور ایک ملک کے مجرم دوسرے ملک میں پناہ نہ پا سکیں۔ انگلستان سے اون اور اسکاٹ لینڈ سے اِدھر مویشی کی درآمد تو بند کر دی جائے لیکن دوسری اشیا میں تجارت کی کامل آزادی ہو اور انگلستان کے باشندے اسکاٹ لینڈ میں اور وہاں کے باشندے یہاں تجارت کرنے کے مجاز ہوں۔ اسکاٹی باشندوں کے انگلستان

باب اول

میں شہری حقوق پانے کا مسئلہ ذرا دشوار تھا۔ اس بارے میں مجلس نظارت کی کی رائے یہ تھی کہ الزبتھ کے زمانے میں جو لوگ پیدا ہوئے انھیں خاص "قانون کے کے ذریعے اور جیمس کے عہد کے پیدا ہونے والوں کو از خود انگلستان کا باشندہ تسلیم کر لیا جائے۔ لیکن اس تجویز سے امتیازات شاہی کے مسائل پیدا ہونے کے علاوہ، سوداگروں کو تجارت میں اور ملازمین کو سرکاری خدمات میں اسکوٹی حریفوں کے بازی لے جانے کا اندیشہ ہوا اور چونکہ بادشاہ کے سوا بہت کم لوگ اتحاد کے بے شمار فوائد کا اندازہ رکھتے تھے، لہذا یہ تجویز ناکام رہ گئی۔ مخالفانہ قوانین کی منسوخی کے علاوہ اور پارلیمنٹ نے کچھ نہ کیا۔ البتہ عدالتوں نے عہد جیمس کے پیدا ہونے والوں کو انگلستان کی متوطن رعایا قرار دیا۔ اسی سلسلے میں یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ ایک مبعوث نے اسکاٹ لینڈ والوں کو "غدار، باغی، بھک منگے" کے الفاظ سے یاد کیا اور پارلیمنٹ کو اسے سزا دینے پر توجہ دلائی گئی تو دارالعوام نے اُسے پارلیمنٹ سے خارج کر کے قلعۂ لندن میں بھجوا دیا لیکن اسی کے ساتھ اعلان کیا کہ دارالعوام کے مبعوث سے بجز دارالعوام کے اور کہیں (عدالت وغیرہ میں) باز پُرس نہیں کی جا سکتی۔

پیوریٹن مذہب

مذہبی مسائل میں بھی بادشاہ اور پارلیمنٹ میں اختلاف رہا۔ دارالعوام کی اکثریت پیوریٹن علما کی بعض تجاویز کو قانون بنانے کی خواہشمند تھی۔ بعض ارکان دین کے ماننے نہ ماننے کا اختیار دینے، وعظ کے لئے خاص خاص شرائط مقرر کرنے، اماموں کے تعدد اور عدم قیام کو روکنے اور جُبّے یا صلیب کے استعمال سے انکار کرنے والوں کو سزا سے مستثنیٰ کر دینے کے قوانین بھی مرتب کئے گئے تھے لیکن دارالامرا نے انھیں نامنظور کر دیا۔ اگرچہ ان مسودوں سے یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ جیمس اور بین کرہ وقت کی روش سے عام اہل ملک کو کس قدر اختلاف تھا۔ اسی طرح کیتھولک فرقے سے کسی قسم کی نرمی درعایت کرنے کی پارلیمنٹ نے پہلے ہی جلسے میں سخت مخالفت کی۔

اسی علانیہ مخالفت کو دیکھ کر کیتھولک فرقے میں سخت انتشار پھیلا اور ان میں زیادہ جوشیلے اشخاص ہر قسم کی انتہائی کارروائی کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

باب اول

باروت والی سازش

اس گروہ کا سرخیل روبرٹ کیٹس بی تھا۔ کہتے ہیں اس میں سرداری کی قدرتی صلاحیت تھی وارک شر کے ایک زمیندار خاندان میں پیدا ہوا۔ مذہبی جوش کی وجہ سے سیاسی معاملات میں دخل دینے لگا اور پہلے بھی اسکس کی سازش میں شریک ہوا تھا۔ قرضے میں اس کا بال بال بندھا تھا اور اس وجہ سے بھی ہر کام کر گزرنے پر تیار ہو جاتا تھا۔ چنانچہ اُس نے یہ منصوبہ سوچا کہ پارلیمنٹ کے افتتاح کے وقت جب کہ بادشاہ اور معوثین عوام، دارالامرا میں موجود ہوں، اس پورے ایوان کو اُڑا دیا جائے۔ ایرل نارتھمبرلینڈ کے ایک عزیز ٹامس پرسی کو اُس نے شریک کر لیا اور اسی طرح ٹامس ونٹر اور گای فاکس کو جن میں سے پہلا شخص اسپین سے حملہ کرانے پر مُصر تھا اور دوسرا یارک شر کا باشندہ تھا جو نیدرلینڈز میں اسپین کی طرف سے لڑ رہا تھا۔ سازش کا نقشہ بہت اچھا تیار ہو گیا اور دارالامرا کے نیچے چند حجرے کرائے سے لیکر اہل سازش نے باروت کا ذخیرہ جمع کر لیا۔ مگر پارلیمنٹ کی افتتاح کی تاریخیں بار بار بدلتی رہیں۔ اہل سازش کا سرمایہ ختم ہو گیا اور انھیں بعض دولت مندوں کو شریک راز بنانا پڑا۔ انھی میں ایک شخص فرانسس ٹریشم تھا جس نے سازش کو کامیاب بنانے میں بہت کچھ حصہ لیا لیکن چونکہ امرا میں اس کے بہت سے دوست اور عزیز موجود تھے، اسی لئے یہ راز فاش ہو گیا۔ راز فاش کرنے والے نے ایک گمنام خط ٹریشم کے برادر نسبتی لارڈ مونٹ ایگل کو بھیجا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ نام بھی ظاہر نہ ہو اور خود اہل سازش کو علم ہو جائے کہ راز کھل گیا۔ لیکن وزرا نے ارادہ کر لیا کہ آخر وقت تک خاموش رہیں اور اسی سے سازشی دھوکے میں پڑ گئے۔ ۶ نومبر کو پارلیمنٹ کا افتتاح ہونیوالا تھا اور سازش کا سارا سامان تیار تھا کہ ۴ نومبر کی شام کو فاکس کے حجروں کی تلاشی لی گئی اور باروت وغیرہ سب تیاریاں ظاہر ہو گئیں۔ اہل سازش کا ایک گروہ ڈن چرچ (وارک شر) میں بھی جمع ہو رہا تھا کہ پارلیمنٹ کے اڑتے ہی اہل دیہات کو اشتعال دے اور جیمس کی بڑی بیٹی الزبتھ کو بھی گرفتار کر لے۔ لیکن دوستوں نے فاکس کے پکڑے جانے کی خبر کر دی اور یہ لوگ یہاں سے فرار ہوئے اور ہول بیچ ہاؤس کے مقام پر جان سے ہاتھ دھو کر لڑے۔ اتفاق سے اُن کی

بارود میں آگ لگ گئی اور مدافعت کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ کیٹسبی اور پرسی پہلے ہی گراپ میں مارے گئے۔ ونٹر وغیرہ زخمی ہو کر لندن لائے گئے جہاں فاکس کے ساتھ عدالت میں مقدمہ چلا اور سب کو اُس زمانے کی بدترین عقوبتوں کے ساتھ موت کی سزا ملی۔ کیتھولک فرقے کے حق میں ان پرجوش مگر گمراہ لوگوں کی ناکامی بھی کامیابی کی نسبت بہتر تھی۔ باوجود اس کے بھی ملک میں کیتھولکوں کے خلاف غیظ و غضب برپا ہو گیا اور عوام نے مٹھی بھر مذہبی دیوانوں اور خود اُس مذہب کی امن پسند اکثریت میں امتیاز کی مطلق پروا نہ کی بلکہ پورے کیتھولک فرقے کے خلاف سخت تدابیر اختیار کرنے کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ سابقہ قیود کے علاوہ یہ پابندیاں اور بڑھا دی گئیں کہ کیتھولک فرقے کے لوگ عدالتوں میں حاضر نہ ہو سکیں گے۔ سوائے تجارتی اغراض کے لندن کے باہر سکونت نہ رکھیں گے اور اپنے گھر سے پانچ میل سے زیادہ دُور نہ جا سکیں گے۔ خلاف ورزی کی صورت میں انہیں سزائے قید کا مستوجب قرار دیا گیا تھا۔ وکالت اور مطب کی ممانعت کر دی گئی۔ ان کی سب کتابیں جلوا دی گئیں اور حکم دیا گیا کہ ان کے مکانات کا ہر وقت معائنہ کیا جا سکے گا۔ ان قوانین کی شدت سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں میں کیتھولک فرقے کی طرف سے کیسی دہشت پھیل گئی تھی باوجود اس کے یہ انگریزی قوم کی خاص ضبط کی شان تھی کہ پارلیمنٹ کا اجلاس ٹھیک وقت پر اور ہر کام پوری باقاعدگی کے ساتھ اسی طرح ہوا جیسے کوئی بات خلاف معمول پیش ہی نہیں آئی۔ مذکورۂ بالا قیود پر کتنی سختی سے عملدرآمد ہوتا رہا اور وہ جرمانوں کے علاوہ کس حد تک کیتھولک مذہب والوں کے حق میں سوہانِ روح بن گئیں، اس کا صحیح اندازہ کرنا مشکل ہے۔ نئے قوانین اُس وقت تک کہ کوئی شخص چارہ جوئی کرے عمل میں نہ آسکتے تھے اور ظاہر ہے کہ سیدھے سادے بھلے آدمیوں کو اس کے ہمسائے خواہ مخواہ تنگ نہیں کیا کرتے۔ البتہ یہ سچ ہے کہ بارود والی سازش کے چند سال بعد تک کیتھولکوں سے سخت بدظنی رہی۔ لوگ سمجھتے تھے کہ وہ ہر قسم کے جرم کا خواہ وہ کتنا ہی سخت یا احمقانہ کیوں نہ ہو، ارتکاب کر سکتے ہیں۔ اور اسی لئے اگر کوئی یہ ارادہ کرتا کہ ان قانونی سختیوں میں کچھ نرمی کرا دی جائے تو

باب اول

اس کا ملک میں غیر مقبول ہو جانا یقینی تھا۔

مالیات جیمس کے ابتدائی عہد حکومت سے شاہی مداخل و مخارج کا نمایاں تفاوت فکر و تشویش کا موجب رہا۔ صرفِ خاص کی مالگزاری جاگیری رسوم، عدالتی جرمانے اور نماز میں نہ آنے والوں کے جرمانے شاہی آمدنی کی وہ مدات تھیں جو پارلیمنٹ کی منظوری سے مستثنیٰ تھیں ان کے علاوہ پارلیمنٹ کی طرف سے جھڑتی وغیرہ کے محاصل کی تاحیات منظوری سے الزبتھ کو کل ۳ لاکھ پونڈ کے قریب سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔ مگر کفایت شعاری اور کوئی پونے چار لاکھ کی اراضی فروخت کرلنے کے باوجود اس کے مرتے وقت چار لاکھ کا قرض ہو گیا تھا اور نئے بادشاہ کو اسکاٹ لینڈ سے آنے، ملکہ متوفیہ کی تجہیز تکفین اور تاج پوشی وغیرہ ہی میں ایک لاکھ پونڈ اور خرچ کرنا پڑا۔ اب اگر جیمس حقیقت میں نہایت محتاط حسابی آدمی ہوتا تو بھی آمد خرچ برابر کرلنے میں اسے بڑی دردسری اٹھانی پڑتی۔ بخلاف اس کے وہ ابتداہی سے اس مغالطے میں رہا کہ ایک مفلس ملک چھوڑ کر خوش حال ملک کی بادشاہی مل رہی ہے لہذا وہ ایک دولتمند بادشاہ ہو گیا ہے۔ اس لئے دریا دلی سے انعام و اکرام دینے شروع کئے خانگی مصارف یا سرکاری محکموں کے روز افزوں اخراجات کو روکنے پر توجہ ہی نہ کی اور دوسرے سال، لاکھ ۳۵ ہزار پونڈ کا قرضدار ہو گیا۔ جس میں سے چالیس ہزار صرف تحفے تحائف میں اٹھے تھے۔ جیسا کہ خود لکھتا ہے "اس فضول و غیر معقول" اسراف نے خزانے میں بہت جلد ابتری پیدا کردی اور ۱۶۰۹ء میں خود سیسل کو حسابات اپنے ہاتھ میں لینے پڑے۔

مالگزاری بڑھانے کے دو طریقے نئے وزیر خزانہ کے ذہن میں آئے۔ اول تو یہ کہ "ٹنیج" اور "پونڈیج" کے نام سے جو محصول لئے جاتے تھے، ان میں اضافہ کر دیا جائے اور دوسرے یہ کہ جاگیرداری رسوم و سربراہی کو وقتی اور بے قاعدہ کی بجائے مستقل محصول بنا دیا جائے۔ اول الذکر محصول کو بڑھانے کا حق عدالت کے ایک فیصلے سے بھی حاصل ہوا جس کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۶۰۶ء میں ایک سوداگر بیٹ نامی سے کشمش پر چار ہزار پونڈ کا محصول طلب کیا گیا جو پہلے لی وانٹ کمپنی ادا کیا کرتی تھی۔ بیٹ نے محصول دینے سے انکار کیا اور دارالعوام سے بھی اسی کی

نائید ہوئی۔ جیمس نے تمباکو کشی کو رد کرنے کی غرض سے تمباکو پر جو محصول (۲/۱ ۶ شلنگ) عائد کر دیا تھا اس پر بھی دار العوام کو اعتراض تھا۔ بایں ہمہ مالگزاری کی کچہری میں یہ مقدمہ پیش ہوا تو ارکان عدالت نے میری اور الزبتھ دونوں کے عہد کی نظائر پر فیصلہ کیا کہ بادشاہ کو اموال درآمد و برآمد پر محصول لگانے کا حق حاصل ہے۔ اس فیصلے سے قوت پاکر سیسل نے محاصل کی ایک جدید فہرست شائع کی جس میں بعض محصول گھٹا دیئے اور بعض بڑھا دیئے گئے اور مجموعی طور پر ستر ہزار پونڈ کی توفیر نکالی تھی دار العوام کی طرف سے شور بھی اٹھا اور ایڈورڈ ثالث کے تصدیقی منشور مجریہ سنہ ۱۳۴۰ء کے حوالے دیئے گئے لیکن بیٹ کے فیصلے کی نظیر سنہ ۱۶۴۱ء تک برابر نافذ العمل رہی۔

تعہد کبیر

جاگیر داری رسوم اور سربراہی کا مسئلہ بھی پارلیمنٹ میں زیر بحث تھا۔ خصوصاً سربراہی، یعنی بادشاہ کا مال اسباب کے لئے گاڑیاں پکڑوا بلانا اور بہیر کے لئے سامان رسد طلب کرنا، ایسا حق تھا کہ کم سے کم نارمن فتح کے وقت سے لوگ اس کے شاکی تھے کہنے کو تو ہر چیز کے دام عام نرخ کے مطابق ادا کر دیئے جاتے تھے لیکن حقیقت میں قیمت سرے سے وصول ہی بہ مشکل ہوتی تھی اور سرکاری محصل "ہارپیز" (یعنی "ڈائنوں") کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ گاڑیاں پکڑنے والے خاص کر سخت موذی تھے اور سربراہی لینے والوں کا کسی کا باغ کاٹ کر ایندھن فراہم کرنا معمولی بات تھی۔ اس زحمت کے عوض میں مقررہ محصول کی امرا نے تائید کی مگر عوام رضامند نہ ہوئے اور اسی طرح جاگیر داری رسوم کے متعلق بھی سیسل کو کامیابی نہ ہو سکی۔ واضح رہے کہ جاگیرداری طریق کے زمانے اسے نگرانی کے جو حقوق بادشاہ کو حاصل تھے، وہ اب جب کہ فوجی خدمات کی بھی شرط باقی نہ تھی، نہایت گراں گزرتے تھے اور ہر چند وہ باقاعدہ تین شاہی محاصل جن کی منشور اعظم میں بھی منظوری دی گئی تھی، ہنری ہفتم کے زمانے سے وصول کرنے کی نوبت نہیں آئی تاہم جیمس کا بڑا بیٹا ہنری سن رشد کو پہنچا تو اس وقت یہ نذرانہ وصول کیا گیا اور اس لے یہ سب بھولے ہوئے محاصل یاد دلا دئے۔ دار العوام کے مبعوثین تیار بھی ہو گئے تھے کہ دو لاکھ سالانہ مستقل محصول کے عوض میں اس بے قاعدہ نذرانے سے معافی حاصل کر لی جائے لیکن محض

جزوی امور میں اختلاف پیدا ہو جانے سے یہ تجویز، جسے "تعہد کبیر" کہتے تھے (۱۶۱۱ء تک کے لئے) ملتوی ہو گئی۔

سیاسیات خارجہ

سیاسیات خارجہ میں بھی جیمس کو اپنی رعایا کی ہمنوائی میسر نہ آئی۔ تخت نشینی پر بارن ولٹ ولندیزی" اور ہینری چہارم (شاہ فرانس) کا نامور وزیر روزنی (جو بعد میں امیر سلی بنا دیا گیا) انگلستان آئے کہ جیمس کو الزبتھ کی روش پر چلنے کی ترغیب دیں۔ لیکن اس بادشاہ کو اسپین سے لڑائی کا مطلق ولولہ

اسپین

نہ تھا اور اس نے ٹھان رکھی تھی کہ جس قدر جلد ممکن ہو صلح کر لی جائے۔ زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ وولزی یا الزبتھ کی طرح صلح کی صورت میں بھی انگلستان کے بالکل آزاد رکھنے کا جویا نہ تھا بلکہ اسپین سے اتحاد کر لینا چاہتا تھا اور یہ حکمت عملی سخت نامقبول تھی کیونکہ بہت سے انگریز تو اسپین سے جنگ کرنا ایک مذہبی فرض سمجھتے تھے اور انگریز جہاز رانوں کو اسپین کے قصبات اور زر و جواہر کے جہاز لوٹ لینے میں کافی نفع ہوتا تھا لیکن بادشاہ نے کسی کی نہ سنی اور ۱۶۰۴ء میں صلح نامے پر دستخط ہو گئے۔ لندن میں لوگ یہ سن کر پکار اٹھے کہ "ہمارے ہولینڈ اور زی لینڈ کے ہمسایوں کا اب خدا حافظ!" با ایں ہمہ مجموعی طور پر دیکھئے تو خود عہد نامہ انگلستان کے حق میں مفید تھا۔ ادھر ولندیز اتنے قوی تھے کہ بطور خود مقابلے پر جمے رہے حتیٰ کہ ۱۶۰۹ء میں انھوں نے بھی ہنگامی صلح کر لی۔ جب تک سیسل (جو امیر سالسبری بنا دیا گیا تھا) زندہ رہا، اس وقت تک انگلستان کی روش خاصی طرح آزادانہ رہی اور فرانس اور پراٹسٹنٹ سلطنتوں کے ساتھ دوستانہ روابط قائم رہے۔

جرمانیہ

اسپین اور ہولینڈ کی جنگ ختم ہوئی تو یورپ کی توجہ جرمانیہ پر منعطف ہو گئی۔ اس ملک میں معاہدہ آگزبرگ مرتبہ ۱۵۵۵ء کی رو سے ہر ضلع کا مذہب وہ تھا، جو وہاں کے حاکم کا تھا۔ اسی لئے لوتھری، کیتھولکی اور کالونی ریاستوں کا جال سا بنا ہوا تھا۔ جیسوٹ فرقے کی یاوری اور اسپین و آسٹریہ کی سرپرستی سے کیتھولکی مذہب کی قوت بڑھتی جاتی تھی اور اس کی پراٹسٹنٹوں سے لڑائی بھی سر پر کھڑی نظر آنے لگی تھی۔ ۱۶۰۹ء میں یولیش او کلیوز کی

ریاستوں کی مسند نشینی میں الجھن پیدا ہوئی اور جنگ چھڑنے میں کچھ دیر نہ رہی تھی کہ ہینری چہارم خونی کے ہاتھ سے مارا گیا اور لڑائی تھوڑی مدت کے لئے ملتوی ہوگئی جیمس مجموعی طور پر پراٹسٹنٹوں کی طرف مائل تھا اس کا بڑا بیٹا ہینری بھی اُن کا پرجوش طرفدار تھا۔ ۱۶۱۲ء میں انگلستان کی شہزادی الزبیتھ کی نسبت بھی جرمن پراٹسٹنٹوں کے سرگروہ فریڈرک امیر ریاست رائن سے قرار پاگئی۔ لیکن شادی نہ ہونے پائی تھی کہ سیسل اور شہزادہ ہینری دونوں فوت ہوگئے۔

سیسل اور شہزادہ ہینری کی وفات

سیسل کثرتِ کار سے تھک کر ۱۶۱۲ء میں فوت ہوا۔ وہ الزبیتھ کے وزیروں میں آخری آدمی تھا اور ہرچند اضافہ محاصل نے آخر زمانے میں اسے مطعون کیا، تاہم اس کی موت کا سب کو صدمہ ہوا۔ اسی سال شہزادہ ہینری نے وفات پائی جس سے اہل دربار کو سخت رنج پہنچا۔ اس کی عمر ابھی انیس سال کی تھی لیکن اپنی سرگرمی اور لطف آمیز باتوں سے وہ محبوب خلائق ہوگیا تھا۔ رالے کی نسبت اس کا یہ قول زبان زد خاص وعام ہوگیا تھا کہ میرا باپ ہی یورپ بھر میں ایسا بادشاہ ہے جو ایسے پرند کو پنجرے میں رکھنا پسند کرتا ہے۔" پیورٹین فرقے سے اس کی دوستی دیکھ کر بازاریوں نے یہ گیت بنایا تھا:-

ہینری ہشتم نے ڈھایا راہبان کے حجروں حُجروں کو
ہینری نہم اب دے گا ٹھا اسقف کے گھنٹوں ٹنٹول کو

افسوس ہے کہ میعادی بخار کے دوران میں بدپرہیزی کی بدولت اس کی بیماری بڑھ گئی اور ۱۶۱۲ء کے جاڑوں میں وہ ختم ہوگیا۔ ان دونوں کے مرنے کے بعد جیمس اپنی حکمت عملی مرتب کرنے میں بالکل آزاد ہوگیا اور اسپین سے اور بھی زیادہ دوستانہ روابط قائم کرنے میں ساعی ہوا۔ سالہا سال تک وہ اس فکر میں رہا کہ کسی طرح اُس کا پس ماندہ بیٹا، چارلس، کسی ہسپانوی شہزادی سے منسوب ہوجائے وہ سمجھتا تھا کہ ایسے رشتے سے اسے یہ موقع مل جائے گا کہ جرمانیہ کے پراٹسٹنٹ روسا اور اسپین میں ثالثی کرے اور دوسرے یہ بھی امید تھی کہ اسپین کی شہزادی اتنا جہیز لائے گی کہ وہ اپنے قرضے بھگتا سکے گا۔

باب اول

آیرستان اس عرصے میں ملک کی سرگرمیوں کے لئے نئے نئے میدان نکل آئے تھے۔ امیر اسیکس کی ناکامی کے بعد آیرستان کا نایب لارڈ ماونٹ جوے مقرر ہوا تھا جو سپاہیوں کے خاندان کا آدمی، اور صاحب فکر و مستقل خراج تھا۔ اُس نے اسیکس کی سی غلطی نہیں کی بلکہ اسپنسر شاعر نے اپنی کتاب ”آئرستان کی حالت حاضرہ“ میں جو تدبیر سجھائی تھی اس کے مطابق، بلفاسٹ لو سے خلیج سلی گو تک تمام جنگی مواقع پر قلعوں کا ایک سلسلہ تعمیر کر دیا۔ یہ چھوٹی چھوٹی مگر مستحکم گڑھیاں تھیں جن میں معقول فوج اور کچھ مدت تک قلعہ بند رہ کر لڑنے کا انتظام تھا۔ ان قلعوں سے یہ مقصد کہ اہل السٹر لڑنے کے لئے جمع نہ ہو سکیں، پوری طرح حاصل ہو گیا۔ امیر ٹائی رون نے بہت جلد اطاعت قبول کی اور اوڈونل فوت ہو گیا ماونٹ جوے کا جانشین آرتھر چچسٹر بنایا گیا، جو تجربہ کار سردار اور ماونٹ جوے کا بہترین ماتحت تھا۔ آرماڈا کے خلاف اور قادص میں بھی شریک جنگ رہا۔ خصائل پسندیدہ اور وسیع خیالات رکھتا تھا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ اہل آئرستان کو حکومت انگریزی، ایسی مضبوط اور بے لاگ طاقت نظر آئے جو ضعیفوں اور غریبوں کی حق رسی، اور امیروں یا ان کے سینہ زور ساتھیوں کی طماعی اور قانون شکنی کا سدباب کر سکتی تھی وہ اس مقصد میں بڑی حد تک کامیاب ہوا۔ اہل آئرستان کو پراٹسٹنٹ بنانے کی کوئی خاص کوشش ابھی تک نہیں کی گئی تھی حالانکہ گرجا والوں نے اس کے عقائد کو برائے نام اختیار کر لیا تھا۔ مگر پراٹسٹنٹ اسقف عموماً اپنے عہدوں کے مطلق اہل نہ تھے۔ کیشل کے صدر اسقف کے قبضے میں تین تین اسقفیاں اور ستترا امامتیں تھیں۔ انجیل اور کتاب صلواۃ کا آئرش زبان میں ترجمہ ہی نہ ہوا تھا۔ جو پادری نکال دئے گئے تھے، اگر وہ مذہب کے لئے وقف نہ ہوتے، تو ساری آبادی پھر شرک و بُت پرستی میں مبتلا ہو جاتی۔ چچسٹر نے انجیل وغیرہ کے ترجمہ کرانے کی کوشش کی۔ کلیسا کی اصلاح کا بھی کچھ نہ کچھ کام انجام دیا اور کیتھولک فرقے کے ساتھ عملاً رواداری جائز کر دی، بدقسمتی سے آئرستان کے امیروں کو یہ حکمت عملی ذرا نہ بھائی کیونکہ وہ انگلستان کے باقاعدہ لگان کے طریقے کی بجائے بے قاعدہ نذرانے وصول کرنے کے پرانے رواج کو ترجیح دیتے تھے۔

لیکن جب ٹامی رون کی طرف سے سابقہ طریقے کے مطابق خراج کا مطالبہ ہوا تو اہل قبیلہ نے فوراً حکومت سے فریاد کی ٹامی رون نے اپنے علاقے میں سرکاری عامل کا تقرر بھی منظور نہ کیا اور لڑائی کی تیاریاں کرنے لگا۔ مگر چیسٹر اس سے اتنا زیادہ طاقتور تھا کہ ۱۶۰۷ء میں وہ ملک چھوڑ کر چل دیا۔

اس واقعے سے ملک کے دوامی بندوبست کر دینے کی بہت اچھی شکل نکل آئی اور چیسٹر نے تجویز کی کہ اُمرا کے خدم اور ملازمین کو کافی و وافی اچھی اراضی دینے کے بعد، ضبط کردہ جاگیروں کی باقی زمین چیدہ انگریزوں اور اسکاٹوں میں احتیاط سے تقسیم کر دی جائے جو حکومت کی قابل قدر خدمات انجام دے چکے تھے۔ دونوں ملکوں کی بدقسمتی سے عمل اس تجویز کے بالکل خلاف ہوا۔ یعنی بہترین اراضی تو آباد کاروں کو دی گئیں اور جو ناکارہ بچ رہی تھی وہ قدیم اہل آئرستان کے حصے میں آئی۔ آئرستان کی ہر برادری کا آدمی اپنے آپ کو جاگیروں میں حصہ دار سمجھتا تھا لہذا یہ تقسیم ان لوگوں کو انتہا درجے کی ناانصافی نظر آئی۔ نئے آباد کار بڑے مستعد ثابت ہوئے اور ان کے ہاتھوں میں السٹر جو پہلے سب سے جنگلی علاقہ تھا، آئرستان کا سب سے خوش حال ضلع بن گیا۔ بایں ہمہ اہل ملک کے ساتھ جو بے انصافی کی گئی تھی، وہ کبھی فراموش نہ ہوئی۔

ورجینیا سر والٹر رالے کی قید کے بعد ورجینیا کو آباد کرنے کا نام سوداگروں کی ایک جماعت اور دوسروں نے شرکت ورجینیا کے نام سے اپنے ذمے لیا اور ۱۶۰۶ء میں آباد کاروں کا ایک گروہ امریکہ بھیجا گیا۔ انھی میں ایک شخص جان اسمتھ تھا کہ اس اولوالعزمی کے دور میں بھی اپنے عجیب عجیب تجارب کے باعث ممتاز ہوا۔ وہ لنکن شر کے ایک کسان کا بیٹا تھا لیکن کم عمری ہی میں سمندر تک پہنچ گیا تھا۔ اسپین کے خلاف نیدرلینڈز میں اور ترکوں کے مقابل ہنگری میں لڑائیاں لڑا۔ ساتھ کے فرانسیسی ملاحوں نے ایک بار اسے جہاز سے اٹھا کے بحر روم میں پھینک دیا۔ کچھ مدت ترکوں کی قید میں گزری اور دریائے ڈون کے کوسک (قزاق) قبائل کی غلامی بھی کرنی پڑی۔ آباد کاروں کا جو قافلہ ورجینیا گیا۔ اس کا سردار تو اسمتھ نہ تھا لیکن روح رواں ضرور تھا اور اسے جو کچھ کامیابی ہوئی

باب اول

وہ قریب قریب کلیتہً اسمتھ کے باعث ہوئی۔ یہ لوگ چیسا پیک کے دہانے پر لنگر انداز ہوئے اور شاہی خاندان کے اعزاز میں دھانے کے آگے جو ٹکڑے نکلے ہوئے تھے، انھیں راس ہنیری اور راس چارلس اور اپنی آبادی کے مقام کو جیمس ٹاون موسوم کیا۔ ان کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور سرگروہوں کی نااہلی نے اور بھی وقت پیدا کر دی۔ مگر اسمتھ کی قدرتی ہمت زائل نہ ہوئی تھی۔ وہ امریکہ کے اصلی باشندوں کے ہاتھ پڑ گیا تو پہلے تو اصطرلاب کے عجائبات دکھا کے تھوڑے دن بچا رہا اور پھر وحشی رئیس کی بیٹی پوکاہونٹس کی منت سماجت کی بدولت فوری قتل سے محفوظ رہا۔ آخر اسمتھ نوآبادی کا حاکم بنا دیا گیا اور معاملات خاصی طرح درست ہوتے جاتے تھے کہ نظمائے شرکت نے جنھیں اصلاحِ حال کی خبر نہ تھی، لارڈ ڈلاوار کو صدر بنا کے روانہ کیا۔ اس کے آنے سے قبل اسمتھ اتفاقی چوٹ کھا کے وطن روانہ ہو گیا تھا لیکن اسمتھ کی رہنمائی سے محروم ہو کر نوآبادی کا شیرازہ بکھر گیا کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا۔ آبادکاروں کی وحشیانہ حرکات نے دیسیوں کو آمادہ بہ جنگ کر دیا اور ۶ مہینے میں صرف ساٹھ آبادکار زندہ رہ گئے۔ یہ سب بھی واپس چلنے کی تیاری کر رہے تھے کہ ڈلاوار ضروری سامان لے کے آ پہنچا اور آبادی از سر نو قائم ہوئی۔ اس تاریخ سے نوآبادی کی خوش حالی میں فرق نہ آیا۔

دوسری نوآبادیاں جن دنوں اسمتھ اور اس کے ساتھی براعظم کے اندرونی علاقے میں کشمکش کر رہے تھے، اسی زمانے میں انگریزوں کی ایک اور جماعت نے باربیڈوس میں قدم جمائے اور اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ انگلستان کی استعماری سلطنت کا اصلی آغاز ۱۶۰۷ء میں ہوا کچھ عرصے تک نوآبادیوں کا نظم و نسق لندن سے کرنے کی کوشش کی گئی لیکن جلد ہی حکومتِ مقامی کی ضرورت کا احساس ہو گیا اور ۱۶۱۹ء میں ورجنیا کی پہلی پارلیمنٹ یا مجلس ملکی منعقد ہوئی۔ (ملاحظہ ہو نقشہ صفحہ ۷۸۹) اندرونی علاقے میں نئے آبادکار بھی ان لوگوں سے بہت مختلف تھے، جو مدت تک اپنے آپ کو "ورجنیا" کہتے رہے۔

کینٹربری کے کئی صدر اسقفوں کی یکے بعد دیگرے کوشش رہی کہ عقائد و اعمال میں یکسانی پیدا کی جائے افتراق پسند گروہ میں ان کوششوں سے بڑی ناراضی پھیلی

باب اول

اور بہت پہلے، یعنی ۱۶۰۶ء ہی میں آزادی پسند فرقے کی ایک جماعت گینس برو سے اٹھ کر ہولینڈ چلی گئی۔ ناٹنگھم شر کے مقام اسکروبی والوں نے بھی ۱۶۰۸ء میں ان کی تقلید کی مگر یہ لوگ اول اول ہی لیڈن میں آکے اترے تو وہاں کی شہری زندگی پسند نہ آئی اور انھوں نے شرکت ورجینیا سے ضروری شرطیں طے کر کے مے فلاور نامی جہاز میں امریکہ کا رخ کیا (۱۶۲۰ء) اور بھٹک کر راس کاڈ کے قریب اتر پڑے جہاں اپنی بستی کو انھوں نے "نیو پلمتھ" موسوم کیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑے ہی دن پہلے دیسی باشندوں نے یہاں کے فرنگی آباد کاروں پر سخت ظلم توڑے اور اسی کے بعد ان میں چیچک پھیلی تھی، لہذا یہ دیسی باشندے نووارد انگریزوں کے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آئے اور دیسیوں ہی کی مدد سے انگریز یہاں کے پہلے جاڑے کی سخت تکالیف کو جھیل لے گئے۔

یہ بستی جسے نیو انگلینڈ کہتے تھے، شروع سے ورجینیا سے مختلف تھی جنوب کے آباد کار، شریف لوگ تھے اور امریکہ میں وہی مرنجاں مرنج دیہاتی زندگی پیدا کرنا چاہتے تھے جس کی وطن میں انھیں عادت تھی۔ انھوں نے ملک کو بڑے بڑے قطعات میں تقسیم کیا اور مزدوری کے لئے افریقہ سے حبشی غلام بہم پہنچائے وہ سب سے بڑھ کر تمباکو کی تجارت کرتے تھے اور اس کی ترقی نے بہت جلد نوآبادی کو مستقل طور پر خوش حال بنا دیا۔ بخلاف ان کے، شمالی آباد کار معمولی طبقے کے، کسان، دکاندار، اہل حرفہ وغیرہ تھے جنھیں اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت تھی۔ انھوں نے چھوٹے چھوٹے کھیت بانٹ لئے تھے۔ ان کے مکان بھی گرجا کے گرد کھچ پچ بنے ہوئے تھے اور وہ سیدھی سادی سپاہیانہ معاشرت پر قانع تھے بلکہ مذہبی عقائد کے باعث تہذیب و شائستگی کو کسی قدر نفرت سے دیکھتے تھے۔ غلام فراہم کرنے میں اس وقت تک کوئی اخلاقی تردد تو نہ تھا مگر انھیں غلاموں کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ابتدا سے شمال و جنوب کے ان آباد کاروں میں گہری عداوت کا تخم پڑ گیا تھا بایں ہمہ ان دونوں کے درمیان بہت سا غیر مقبوضہ علاقہ پڑا تھا اور دریائے ہڈسن پر نیو ایمسٹرڈیم کے نام سے ولندیزوں کی ایک نوآبادی بھی حائل تھی

تجارت ملکہ الزبتھ کے عہد میں ہندوستان، افریقہ اور بحر متوسط

باب اول

کی بندرگاہوں سے جو تجارت شروع ہوئی، وہ اس کے جانشین کے زمانے میں سرعت سے ترقی کرتی رہی۔ اُن دنوں انفرادی طور پر بہت کم لوگ اتنی استطاعت رکھتے تھے کہ پورا جہاز مہیا کریں اور بحری قزاقوں یا دشمن کے جنگی جہازوں سے جن کے مل جانے کا احتمال رہتا تھا، اس کی حفاظت کے لئے ضروری اسلحہ وغیرہ بھی خود بہم پہنچا سکیں۔ اسی لئے مشترکہ سرمایے سے تجارتی شرکتیں قائم ہوئیں جو تجارت کے الگ الگ شعبوں میں کام کرتی تھیں۔ ان میں سب سے مشہور یہ ہیں:۔ شرکۂ شرق الہند (ایسٹ انڈیا کمپنی)، شرکۂ سمرنا، شرکۂ ترکی۔ شرکۂ لیوانٹ (= سواحل ترکی)، شرکۂ مسکووی (روس کے لئے)، شرکۂ ہولینڈ، فلینڈرس، جرمانیہ۔ ان شرکتوں کے حقوق کو لوگ اجارہ سمجھ کر رشک کرتے تھے اور اس بات سے بھی خوش نہ تھے کہ ملک کی ساری تجارت شہر لندن میں سمٹ آئی ہے۔ مثال کے طور پر سنہ ۱۶۰۴ء میں لندن کی بندرگاہ کی کروڑگری ایک لاکھ دس ہزار پونڈ اور باقی سارے ملک کی کل ستر ہزار پونڈ تھی۔ تجارت کی اس ترقی سے لندن کا وسیع ہونا دیکھ کر اہل دربار بھی متردد تھے لیکن پارلیمنٹ کو اس ترقی سے تقویت پہنچتی تھی کیونکہ تاجر عموماً حکومت کے نقاد ہوتے تھے۔ دوسرے ارکان دار العوام تو اپنے حلقوں کے فائدے کی خاطر لندن کے تاجروں کی اجارہ داری منسوخ کرنے پر آمادہ بھی تھے مگر دار الامرا کی مخالفت نے انھیں اس پر عملدرآمد نہ کرنے دیا۔

شاہی مقرب

تمام عمر جیمس کو ارباب تدبر کی بجائے نیم خواندہ ہنسنے ہنسانے والے مصاحبوں کی صحبت زیادہ پسند رہی۔ سیسل کے مرنے سے یہ لوگ بادشاہ کے مزاج میں کامل درخور پا گئے اور کوئی ان کی روک تھام یا بات کے دوسرے پہلو پیش کرنے والا ہی باقی نہ رہا۔ سنہ ۱۶۱۲ء میں ایک سکاٹ، رابرٹ کار نامی، سب سے منہ چڑھا مصاحب تھا۔ درباری نیزہ بازی کے مقابلے میں ایک دفعہ اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی جس نے بادشاہ کو اس کی جانب ملتفت کیا اور پھر سیاسیات سے بے بہرہ ہونے کے باوجود وہ بادشاہ کا محرم راز اور امیر روچسٹر بنایا گیا۔ جب لوگوں کو علم ہوا کہ جیمس، کار کی سفارش کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تو پھر اس خوش نصیب مصاحب پر تحائف کی بارش ہونے لگی۔ کچھ مدت بعد کار، ارل آف

باب اول

کے مصاحب امیر اسیکس کی کمسن بیوی پر عاشق ہوگیا۔ اسیکس بہت اچھے چال چلن کا وزنا سخت مزاج آدمی تھا۔ اس کی بیوی نے کار سے شادی رچانے کے شوق میں شوہر پر ایک نہایت شرمناک الزام لگاکر خُلع کی درخواست کی جیمس نے بے وقوفی سے اپنے مصاحب کی اعانت کی اور انھی اثرات سے بیگم اسیکس کی درخواست منظور کر لی گئی۔ خُلع کے بعد اس نے کار سے شادی کی جو اسی زمانے میں امیر سمرسٹ بھی بنا دیا گیا۔ ملکی معاملات میں دخل دینے کا تو کار بہت کم مادہ رکھتا تھا لیکن کفایت شعاری کے حق میں اس کا رسوخ سخت مُضر ثابت ہوا اور سیسل (یا امیر سالسبری) کی وفات سے ایک سال کے اندر اندر جیمس کی مالی حالت پہلے سے بڑھ کر پیچیدہ ہوگئی۔

پارلیمنٹ

آخر کار دوسری پارلیمنٹ کے انعقاد کا چرچا ہونے لگا۔ پارلیمنٹ کے فرائض و وظائف کے بارے میں بھی اس زمانے میں اختلاف تھا۔ بعض لوگ تو اسے محض روپے کی منظوری دینے والی ایسی جماعت سمجھتے تھے جسے شدید ضرورت کے سوا اور کسی وقت طلب کرنا مناسب نہ تھا۔ بخلاف اس کے بیکن وغیرہ بعض اشخاص کی رائے تھی کہ پارلیمنٹ حکومت کا ضروری جُز ہے اور اسی کے ذریعے بادشاہ اپنی رعایا کی ضروریات سے مستند طریق پر آگاہی حاصل کر سکتا۔ اور پھر سب سے اعلیٰ انتظامی عہدہ دار کے فرائض کامیابی سے انجام دے سکتا ہے۔ باقی یہ خیال ہوگیا بھی تو معدودے چند ہی کا ہوگا کہ پارلیمنٹ خود حکمت عملی کی طرح ڈال سکتی ہے۔ وزرا کے انتخاب میں کسی خاص دخل پالنے کا تو ذکر ہی کیا ہے جو صرف لینکیسٹری بادشاہوں کے عہد میں مبہم طور پر قوم کے ذہن میں آنے لگا تھا۔ بہرحال، چونکہ بادشاہ کی ضرورتیں تاخیر کی گنجائش نہ رکھتی تھیں اور بعض خیر خواہوں نے ذمہ لیا کہ وہ حسب دلخواہ مبعوثین کا انتخاب کرا دیں گے، لہٰذا جیمس نے نئے انتخاب کے حکم نامے جاری کر دئے۔ مگر ۱۶۱۴ء میں پارلیمنٹ مجتمع ہوئی تو معلوم ہوا کہ ذمہ لینے والوں سے اُلٹا نقصان پہنچا۔ عوام کے تین سو نئے مبعوثین منتخب ہوئے لیکن پارلیمنٹ کے حقوق و امتیازات کی حمایت میں وہ بھی ایسے ہی سرگرم و مضبوط تھے جیسے اُن کے پیش رو۔ اصلی بحث محاصل کے متعلق پیش آئی اور عوام اس پر جم گئے کہ رقوم کی منظوری، شکایات کو رفع کرنے کی ملزوم ہونی چاہئے۔ ان کے اصرار

سے جیمس جھلا گیا۔ اُن کی صاف گوئی سے درباری گھبرا گئے۔ حامیانِ اسپین کو خوف ہوا کہ بادشاہ اور دارالعوام کی مصالحت ہوگئی تو لامحالہ پراٹسٹنٹ گروہ کو قوت پہنچ جائے گی۔ آخر جیمس کا پیمانۂ صبر چھلک پڑا اور قبل اس کے کہ کوئی قانون منظور ہو سکے اُس نے پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا۔ استہزا کرنے والوں نے اس پارلیمنٹ کا نام "گنجی پارلیمنٹ" رکھا۔

وِلی ارز۔

اسی سال جیمس کی چشمِ عنایت ایک انگریز جارج وِلی ارز کی طرف پھر گئی جو ایک خوش مزاج بست و دو سالہ نوجوان تھا اُس کی ماں نے شاہی مجلس میں امتیاز حاصل کرنے کی غرض سے اُسے آدابِ ظاہری میں طاق کر دیا تھا لیکن دل و دماغ کی تربیت کو ضروری نہ جان کر بے پروائی برتی تھی۔ وِلی ارز کی پشتی ان لوگوں نے بھی لی جو سمرسٹ اور اسکاٹی درباریوں سے بیزار تھے اور بہت جلد اسے سمرسٹ کا حریف بنا دیا۔ بیکن بھی وِلی ارز کو اچھا سمجھتا تھا اور اسے امید تھی کہ وِلی ارز حکومتِ عاملہ کو ایسا مستعد بنا سکے گا جیسی کہ بیکن کو آرزو تھی۔ غرض تھوڑی ہی مدت میں نئے مصاحب کے بہت سے ہوا خواہ پیدا ہو گئے۔ لیکن سمرسٹ کے ساتھ اس کا مقابلہ شدید ہونے نہ پایا تھا کہ بالکل غیر متوقع سمت سے اس کے کاری ضرب لگی۔ بیگم اسیکس کے خُلع کے وقت سر ٹامس اُووَربری سے سمرسٹ کی دوستی تھی۔ یہ وہی شخص ہے جس نے مختلف قسم کے افراد کا ظریفانہ انداز میں خاکہ کھینچا ہے اور اس کی کتاب اب تک مشہور ہے۔ اس نے سمرسٹ (یا روبرٹ کار) کو بیگم اسیکس کے نام (عاشقانہ) خط لکھنے میں مدد دی تھی اور غالباً اتنے راز جانتا تھا کہ بیگم اُس کے قابو میں تھی۔ وہ خُلع کے بھی خلاف تھا۔ بہرحال، بیگم اس کی سخت دشمن ہو گئی اور ادھر جیمس یہ سنکر بہت بگڑا کہ لوگوں میں یہ قول مشہور ہے کہ روچسٹر بادشاہ پر حکومت کرتا ہے اور روچسٹر پر اُووَربری مسلط ہے" اُس نے اُووَربری کو انگلستان کے باہر خدمت پر بھیجنا چاہا اور جب اُووَربری نے انکار کیا تو شاہی زندان میں قید کر دیا۔ وہیں بیگم کے فرستادوں نے زہر دے کے اس کا خاتمہ کیا۔ دو سال تک اس واقعے کی کسی کو خبر نہ ہوئی لیکن آخر راز کھل گیا۔ سمرسٹ، بیگم اور اس کے کارندے عدالت میں پیش اور مجرم ثابت ہوئے۔ اس سلسلے میں جو شرمناک

باب اول

واقعات منظر عام پر آئے اُن سے اہل دربار کی نیک نامی پر سخت حرف آیا اور پیورٹین گروہ بہت کچھ اسی وجہ سے بادشاہ سے بیگانہ ہوگیا۔

"گندی پارلیمنٹ" کو برخاست کر کے جیمس نے حکومت کو اپنے خیالات کے مطابق مرتب کیا۔ شروع ہی میں ایڈورڈ کوک عدالت عالیہ کی صدارت سے الگ کیا گیا۔ قانون عامہ کی جزئیات میں اس شخص کا مثل نہ تھا مگر نہ وہ کوئی مدبر تھا نہ اور کسی مضمون پر وسیع نظر رکھتا تھا۔ البتہ قانون کا وہ دل سے پرستار تھا اور اسی لئے لوگ بہت غنیمت سمجھتے تھے کہ جیمس کے حقوق شاہی کے مفرط دعاوی کی تھوڑی بہت وہی روک تھام کر سکے گا۔ محاصل کے متعلق اس کی آرا بادشاہ کی منشا کے خلاف ثابت ہو چکی تھیں ۱۶۱۵ء میں یہ ثابت کرنے کے واسطے کہ رسمی طور پر نہیں بلکہ حقیقت میں ارکان عدالت محض بادشاہ کی مرضی سے مقرر ہوتے ہیں اسے برطرف کر دیا گیا۔ مشہور مصنف فرانسس بیکن تمام عمر کوک کا حریف رہا اور مزاج کے اعتبار سے بھی بالکل اس کی ضد تھا۔ اگر کوک فنی مصطلحات کا سخت پابند تھا تو بیکن کو ایسی اصطلاحی یا رسمی چیزوں کی مطلق پروا نہ تھی۔ کوک، لفظ پر ایمان رکھتا تھا تو بیکن معنی اور منشا کا جویا تھا۔ عام معاملات میں بھی کوک محض بے خبر آدمی اور بیکن اپنے زمانے کا بہترین مدبر تھا۔ شاہی اقتدار کی نسبت کچہری کے اکثر وکیلوں کی مثل جنھیں رومی قانون کے گُر از بر کرائے جاتے تھے، بیکن بھی بہت کچھ خوش اعتقاد تھا اور اس کے خیال میں بادشاہ کے عمال، دارالعوام کے ناواقف ارکان کی نسبت بہتر سمجھ سکتے تھے کہ کیا کرنا چاہیے۔ بایں ہمہ جیمس کو اپنی رائے پر اتنا اعتماد تھا کہ اس نے بیکن کے صلاح مشورے کی چنداں پروا نہ کی اور خود بیکن درباری تہذیب کا اس قدر پابند تھا کہ بادشاہ کی بے توجہی کے باوجود اپنی رائے پر اصرار کرنا مناسب نہ جانتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے مشوروں پر تو جیمس نے کان نہ دھرا اور ولی ارز جیسے جاہل نوجوانوں یا ابن الوقت خوشامدیوں کی صلاح پر عمل کرتا رہا حالانکہ یہ لوگ بیکن کی عشر عشیر قابلیت بھی نہ رکھتے تھے۔ کوک اور بیکن کے اختلافات کے پرانے قضیئے سے اور بھی بڑھ گئے تھے۔ اور وہ یہ تھا کہ عدالت شاہی اور مالگزاری کی عدالت دونوں کے حکام یہ چاہتے کہ زیادہ مقدمے ان کے پاس رجوع ہوں اور دوسری عدالت

باب اول

ہمارے معاملات میں کوئی دخل نہ دے مثال کے طور پر عام عدالتیں اوصیا کو مجبور نہ کرتی تھیں کہ وصیت کے مطابق عمل کریں۔ اور عدالت نالگزاری اسے لازم سمجھتی تھی غرض ان عدالتوں میں سخت مناقشہ رہتا تھا۔ کوک کی معزولی کو بیکن ہی کی فتح سمجھا گیا اور ۱۶۱۸ء میں بیکن امیر عدلیہ لارڈ چانسلر مقرر ہوا تو یہ کامیابی کمل ہو گئی لیکن اس عہدے سے بیکن کے سیاسی رسوخ میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ بادشاہ اس سے شاذ و نادر مشورہ کرتا تھا البتہ یہ ضرور توقع رکھتا تھا کہ عدالت کے اس اعلی عہدے سے بیکن شاہی اقتدار و امتیاز کو تقویت پہنچانے میں کوتاہی نہ کرے گا۔

رالے

عہد الزبتھ کے ناموروں میں سے آخری شخص سر والٹر رالے قلعۂ لندن میں محبوس تھا۔ وہ دنیا کی تاریخ لکھ کر یا کیمیائی تجربوں میں وقت گزارتا رہا۔ بارے ۱۶۱۶ء میں اسے رہائی ملی کہ گی آنا کو مہم لے کر جائے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، رالے ۱۵۹۵ء میں گی آنا گیا اور وہاں کے دیسیوں کو اپنی عنایتوں سے ایسا خوش کیا کہ انھوں نے اورِی نوکو کے کنارے ایک پہاڑ کا پتہ دیا جس میں کہا جاتا تھا کہ سونے کی قیمتی کانیں موجود ہیں۔ بعد میں قادس وغیرہ کی مہمات کی مصروفیت کے باعث وہ گی آنا نہ جا سکا مگر اب بادشاہ کی سخت زیر باری دیکھ کر اسے خیال آیا کہ سونا لانے کی امید دلا کر قید سے نجات حاصل کرے۔ یہ تدبیر چل گئی لیکن جیمس سونے کے لالچ کے باوجود اسپین سے جنگ مول لینے سے بہت ڈرتا تھا اور اس لئے رالے سے تاکید کر دی کہ اسپین والوں سے ہرگز جھگڑا نہ کیا جائے۔ رالے کو بھی توقع تھی کہ اس کی نوبت نہ آئے گی کیونکہ پہلے سفر کے زمانے تک اسپین کی نو آبادی ساحل اور سونے کے پہاڑ کے درمیان نہ تھی۔ غرض مہم روانہ ہوئی لیکن ادھر پہنچ کر پہلے ہی خرابی تو یہ پیدا ہوئی کہ ملاحوں نے دریا میں آگے جانے سے انکار کیا بجز اس کے کہ خود رالے ان کی واپسی تک ساحل ہی پر ٹھیرا رہے۔ آخر سر والٹر رالے کے پرانے رفیق کپتان کیمیس کی سرکردگی میں سراغ لگانے والے روانہ کئے گئے۔ رالے کا بیٹا نوجوان والٹر رالے ان کے ساتھ گیا۔ راستے میں معلوم ہوا کہ اسپین والوں نے اپنی بستی ادھر بڑھائی ہے اور دریا کا راستہ سان تھومی کے قصبے سے رکا ہوا ہے۔ چکر دے کے نکل جانے کی بجائے کیمیس نے اس قصبے پر حملہ کر دیا اور اسی یورش میں

باب اول

نوجوان والٹر مارا گیا۔ پھر کیمیس کو معلوم ہوا کہ دشمن کی موجودگی میں آگے کے جنگلوں میں داخل ہونا غیر ممکن ہوگا لہذا واپس چلا آیا اور سر والٹر رالے نے برا بھلا کہا تو اس نے خودکشی کر لی۔ اب رالے کو تشویش ہوئی کہ خالی ہاتھ واپس جانا پڑے گا اور سوچا کہ اسپین کے خزانے کے جہاز پر چھاپا مارا جائے۔ اس بات کو رالے کے ناخداؤں نے قبول نہ کیا اور وہ مجبور ہو کر سیدھا انگلستان چلا آیا۔ جہاز سے اُترتے ہی وہ بادشاہ کے حکم سے گرفتار کر لیا گیا کیونکہ اس کی کارروائی نے جیمس کو مشکل میں پھنسا دیا تھا۔ یہ تو معلوم نہیں کہ اس نے اسپین والوں سے لڑائی کی نوبت نہ آنے دینے کی کیا شکل سوچی تھی مگر قرینہ کہتا ہے کہ اُس کا منشا یہ تھا کہ مال ہاتھ آئے تو خود رکھے اور اسپین کو شکایت پیدا ہو تو اس کا الزام رالے کے سر دھرے۔ بہرحال اب رویہ تو کچھ ملا نہیں اور اسپین کے اعلان جنگ کو روکنے کی صورت سوائے اس کے نہ رہی کہ رالے کو سزا دی جائے۔ جیمس اسپین سے امن و آشتی کا اس قدر خواہاں تھا کہ اس نے رالے کو سزا دینا زیادہ پسند کیا اور پہلے تو اُسے اسپین والوں کے حوالے کر دینا چاہا مگر آخر میں انگلستان ہی کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ چونکہ اسے پہلے سزائے موت مل چکی تھی لہذا کسی دوسرے الزام لگانے کی ضرورت نہ ہوئی اور اسی پندرہ برس پہلے کے فیصلے پر اب عمل کیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ رالے کا اسپین والوں پر حملہ کرنا بین الاقوامی قانون کے خلاف تھا لیکن الزبتھ کے ناخداؤں کا اصول یہ تھا کہ "سرحد کے پار کوئی صلح نہیں"۔ رالے کا فعل بالکل اسی قسم کا تھا جس پر ڈریک اور ہاکنس کو انعام دئے گئے تھے لیکن زمانہ بدل گیا تھا اور ایک ایسے کام کی غلطیوں کا جس میں اسے کبھی پڑنا نہ چاہئے تھا اسے جان دے کے خمیازہ بھگتنا پڑا۔ حالانکہ اس فعل کی اصلی ذمہ داری بادشاہ کے سر تھی۔ عقل و عمل دونوں اعتبار سے رالے ایک غیر معمولی شخص تھا مگر اس کی سیرت بے داغ نہ تھی۔ راست گفتاری کی اسے مطلق پروا نہ ہوتی تھی، بایں ہمہ اُس کی غم انگیز موت نے ان سب عیوب پر پردہ ڈال دیا۔

جنگ سی سالہ

رالے کی شرمناک قربانی، دربار شاہی کا اسراف اور دربری کا پر فضیحت واقعہ اور پیورٹین فرقے پر تشدد نے جیمس کی حکومت

باب اول

کو ذلیل اور قابل نفرت بنا دیا تھا کہ ۱۶۲۱ء میں جرمانیہ کے پروٹسٹنٹ فرقے
کی حمایت کر کے اپنی رعایا میں پھر قبول عام پانے کا موقع میسر آیا۔ انگلستان کی شہزادی
الزبتھ کے بیاہ کے بعد سے جرمانیہ میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کا باہمی اختلاف
زیادہ نمایاں ہوتا جاتا تھا اور ان کی دشمنی کے آتش جنگ بن کر بھڑک اٹھنے میں
ایک چنگاری ڈالنے کی دیر تھی۔ یہ چنگاری بوہیمیہ کی طرف سے آئی۔ اس ریاست
میں ہس کے زمانے سے فریق اصلاح کو مستحکم مامن مل گیا تھا اور یہاں مذہب
پروٹسٹنٹ کا غلبہ تھا۔ ایک مدت سے اہل بوہیمیہ شہنشاہ آسٹریا کو اپنا بادشاہ
منتخب کرتے تھے اگرچہ اس کا مذہب کیتھولک تھا۔ لیکن اب شہنشاہ میتھیاس
نے ملکی مجلس کو مجبور کیا کہ بوہیمیہ کی بادشاہی آسٹریہ کے خاندان شاہی
کی مستقلاً میراث تسلیم کر لی جائے اور میتھیاس کے وارث فرڈی نینڈ (شہزادہ
آسٹریا) کے آئندہ وارث تخت ہونے کا اعلان کر دیا جائے۔ حالانکہ فرڈی نینڈ
پروٹسٹنٹ فرقے کو ستانے میں مشہور تھا۔ بایں ہمہ، میتھیاس نے وفات پائی
تو اہل بوہیمیہ اپنے قول سے پھر گئے انھوں نے جیمس کے داماد فریڈرک
الیکٹر پیلے ٹائن) سے بادشاہی قبول کرنے کی استدعا کی اور اس نے یہ
درخواست منظور کر لی۔ فرڈی نینڈ، آسٹریہ کا شہنشاہ منتخب ہو چکا تھا۔ بوہیمیہ
میں اپنے حقوق شاہی کے لئے اُس نے تلوار سنبھالی اور کیتھولک ریاستوں کو مدد پر
بلایا اور ادھر فریڈرک نے پروٹسٹنٹ طاقتوں سے اعانت کی التجا کی۔ لیکن تخت
بوہیمیہ پر اُس کا قبضہ خلاف قانون تھا اور اسی لئے بہت لوگ مدد دینے سے باز
رہے اور کیتھولک فوجوں نے فریڈرک کو نہ صرف بوہیمیہ بلکہ خود اس کی موروثی ریاست
(پیلے ٹی نیٹ) سے نکال باہر کیا۔ اس موقع پر آسٹریہ کی مدد اسپین سے ہوئی اور
چونکہ فریڈرک، جیمس کا داماد تھا لہذا یقین تھا کہ انگلستان فریڈرک کی ضرور
دستگیری کرے گا اور ڈین مارک وغیرہ ممالک بھی اس کے طرفدار ہوں گے۔ انگلستان
میں ان واقعات نے اسپین کی پرانی دشمنی کو تازہ کر دیا تھا اور لوگ مشتاق تھے
کہ اسپین سے اعلان جنگ کر دیا جائے جو فریڈرک کو مدد دینے کی بہترین سبیل ہوتی
انفرادی طور پر صدہا انگریز جرمانیہ پہنچے تھے کہ اپنی عزیز شہزادی "ملکۂ قلوب" کی طرف

باب اول

سے جنگ کریں۔ ان سب باتوں کے باوجود خود جیمس ابھی تک خط وکتابت سے کام لینے کا خواہش مند تھا اور اسپین کے شاہی خاندان میں رشتہ کر کے چاہتا تھا کہ دونوں فریقوں سے تعلقات قائم رکھے۔ تاہم یہ دکھانے کی غرض سے کہ وہ جنگ سے عاری نہیں ہے اس نے ۱۶۲۱ء میں پارلیمنٹ کا انعقاد کیا۔

پارلیمنٹ

پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو اسے خوش کرنے کی غرض سے جیمس نے ۱۶۱۴ء کے انتخاب کرانے والوں کو برا بھلا کہا اور صاف اعلان کیا کہ اگر رسل و رسائل سے کام نہ نکلا تو وہ اپنے داماد کی ریاست اور پروٹسٹنٹ مذہب کی حمایت کے لئے خوں بہانے سے دریغ نہ کرے گا۔ چنانچہ جنگ کے لئے معقول رقم کی منظوری بھی دی گئی لیکن فوری جنگ چھڑنے کی توقع نہ تھی لہذا ارکان مجلس اندرونی شکایات کی طرف متوجہ ہو گئے جن میں کوک نے ان کی سرگروہی کی۔ یہ معزول میر عدل اب وکالت کرنے لگا تھا اور خاص اہل دربار کی نکتہ چینی کی غرض سے پارلیمنٹ کا رکن منتخب کیا گیا تھا۔ دارالعوام کی بڑی شکایت اجارہ داری کی بدعنوانیوں سے متعلق تھی۔ الزبیتھ کے زمانے میں اس کو روکا گیا تھا مگر اب چالیس کے قریب مختلف قسم کے اجارے قائم تھے۔ ان میں بعض مثل زمانہ حال کے "دوپیٹنٹ" کے نئی ایجادوں کے تحفظ کے لئے تھے (جیسے آج کل "دوپیٹنٹ" کی صورت میں مروج ہیں) بعض نئی صنعتوں کی ترقی کے واسطے اور بعض ملک کے فائدے کی غرض سے تھے۔ اس زمانے کے خیالات کی رو سے اجارہ داری کے طریق میں بہت سی خوبیاں گنائی جا سکتی تھیں۔ لیکن جیمس اول جیسے بادشاہ کے عہد میں ہر محکمہ خرابیوں سے مکدر اور ہر طرف جور و رشوت کا دور دورہ تھا۔ دارالعوام نے خاص طور پر جن اجاروں کو اعتراض کے لئے چنا، وہ سرائے قائم کرنے اور سونے چاندی کے تار بنانے کے اجارے تھے۔ جو حقیقت میں خود بادشاہ سلامت کے ہاتھ میں تھے۔ بدعنوانیوں کی کافی شہادتیں موجود تھیں اور چونکہ دیہات کے عدالتی حکام سراؤں کے اجازت ناموں سے بیزار تھے اور دولتمند ساروں کو تار بنانے کی ممانعت کا شکوہ تھا، لہذا دیہات کے مبعوث اور لندن کے تاجر دربار کے خلاف ایک ہو گئے خصوصیت سے سر جائلز موم پیس اور سر فرانسیس مچل

اجارہ داری

باب اول

کے خلاف شہادتیں فراہم ہوئیں اور ان کے مقدمات کو دارالعوام نے دارالامرا میں لطریق مواخذہ بھیج دیا (گویا فرد قرار داد جرم لگا کے دارالامرا میں بھیجدیا)۔

بیکن ان سے بھی بڑھ کر سنگین معاملہ وزیر عدالت بیکن کا تھا۔ اجارہ داری کے سلسلے میں اس کا نام بھی زیر بحث آیا۔ ساتھ ہی عدالت مالگزاری کے اہل مقدمہ نے اس پر رشوت ستانی کے الزام لگائے۔ یہ تو ظاہر نہیں ہوتا کہ اس نے حق و عدل کے خلاف کوئی کارروائی کی مگر مقدمے والوں سے فیصلہ کرنے سے قبل اور نیز بعد میں اس کا سو، تین سو اور نیز سات سو پونڈ لینا ثابت ہوا۔ اس زمانے میں جب کہ تنخواہیں کم اور عدالت کے محصول زیادہ تھے، رائے عامہ اس بارے میں کچھ کم واضح اور قطعی نہ تھی کہ ایک حاکم عدالت کو کتنی رقم لینی جائز ہے اور بیکن جو روپے کے معاملے میں ہمیشہ سے بے پروا اور جزئیات پر کوئی توجہ نہ کرتا تھا اس معاملے میں سخت غفلت برتتا رہا۔ بیکن فیصلوں کی صحت میں کسی کو گفتگو نہ تھی۔ دارالعوام کے الزامات کی امرا نے احتیاط سے تنقیح کی۔ بیکن نے واقعات کی خود تصدیق کر دی۔ امرا نے فیصلہ کیا کہ وہ بادشاہ کی مرضی تک قلعہ لندن میں محبوس رہے، آئندہ کوئی عہدہ نہ پائے نہ عدالت میں آئے اور چالیس ہزار پونڈ جرمانہ ادا کرے۔ اصل سزا کو تو بادشاہ نے جلد معاف کر دیا مگر فیصلے کے ان دو فائدوں پر معافی سے کوئی اثر نہ پڑا۔ کہ اول تو رشوت ستانی کے طریقے پر جو بہت پھیل گیا تھا، کاری ضرب لگی اور دوسرے شاہی وزیروں کی پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہی کا مسئلہ پوری طرح طے ہو گیا۔ یارک اور ٹیوڈر خاندان کے بادشاہوں کے زمانے میں یہ اصول عملاً منظر عام سے غائب رہا اور سنہ ۱۴۵۰ء میں سفک کی سزا دہی کے بعد سے اس کا نفاذ نہ ہوا۔ مگر اب جو اس طریقے کی تجدید ہوئی تو امید تھی کہ آئندہ یہ ساقط نہ ہونے پائے گا۔ اور ایک صدی تک حقیقت میں کوئی پارلیمنٹ ایسی نہ تھی جس میں مواخذہ عاید نہ کیا گیا ہو۔ بیکن و مچل کے مقدموں کے بعد پارلیمنٹ کچھ روز کے لئے برخاست

معاملات خارجہ ہو گئی اور دوبارہ جمع ہوئی تو اس کی ساری توجہ معاملات خارجہ کی طرف مبذول ہوئی۔ مبعوثین زیادہ تر اس بات کے درپے تھے کہ جیمس سے اپنے اعلان کی کہ اگر نامہ و پیام سے کام نہ چلا تو پروٹسٹنٹ فرقے کی خاطر روپیہ

باب اول

اور خون بہادے گا پابندی کرائیں اور اکثر ارکان صاف صاف اشتہار جنگ دینے کے مؤید تھے۔ مگر جیمس کی یہ رائے نہ تھی نہ شہزادہ چارلس اور اسپین کی بڑی شہزادی ("انفنٹا") کی شادی کا آرزومند تھا۔ اس پر اسپین کے سفیر گوندومار کا بہت اثر تھا اور وہ جانتا تھا کہ جب تک کیتھولک فرقے کے ساتھ تحمل و رواداری کا یقین نہ دلایا جائے، مذکورہ بالا رشتہ غیر ممکن ہوگا۔ اس کے مقابلے میں دارالعوام کے خیالات کا اندازہ ان تحریکات سے ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اول تو یہ فیصلہ کیا کہ گرجا میں نہ آنے والے (کیتھولک) دگنا محصول جنگ ادا کریں۔ دوسرے ان منحرفین کے خلاف قوانین پر پوری پابندی سے عملدرآمد کیا جائے اور تیسرے بادشاہ کی خدمت میں عرضی دی کہ شہزادے کی شادی پروٹسٹنٹ خاندان میں کی جائے۔ دارالعوام کو اندیشہ تھا کہ منحرفین کے ساتھ رورعایت کی گئی تو رفتہ رفتہ پھر وہی کیتھولک مذہب قائم ہو جائے گا۔ ایک نوجوان رکن جان پم نے اسی خیال کو ان لفظوں میں ادا کیا کہ اگر پاپائیوں کے ساتھ ایک دفعہ اغماض برتا گیا تو پھر وہ مستقل رواداری پر زور دیں گے اس کے بعد مساوات، پھر اپنی فضیلت، اور آخر میں اپنے تمام مخالف مذاہب کا استیصال کر دینا چاہیں گے۔ گوندومار اور بکنگھم کے اثر سے بادشاہ نے یہ باتیں سن کر دارالعوام کو ہدایت کی کہ "رموز سلطنت" میں دخل نہ دیں اور یہ کہہ کر ان کی آزادی تقریر پر بھی حملہ کیا کہ بادشاہ چاہے تو ارکان کے طریق عمل کی میقات پارلیمنٹ کے اندر یا باہر بازپرس کر سکتا ہے۔ اس تہدید نے معاملے کی صورت نازک کر دی اور دارالعوام نے کوک اور ٹامس وینٹ ورتھ[1] کی رہنمائی سے روداد نامے میں یہ رائے درج کی کہ "پارلیمنٹ کی آزادی، حقوق، مراعات اور حدود و اختیارات، انگلستان کی رعایا کا قدیم اور پیدائشی ورثہ ہیں"... اور یہ کہ "ان امور پر غور و رائے زنی کرنے میں اس ایوان کا ہر رکن تقریر کرنے میں آزاد ہے اور آزاد ہونا چاہیے"۔ دارالعوام نے پہلی بار عرضی بھیجی تو بادشاہ نے حفظ مراتب دکھانے کے لیے حکم دیا تھا کہ "سفرا" (یعنی دارالعوام کے وفد) کے واسطے کرسیاں لگائی جائیں، گویا دارالعوام

[1] یہ شخص یارک شر کا مبعوث تھا اور آگے چل کر مشہور امیر اسٹریفرڈ بنا۔

ایک مستقل حکومت کا مرتبہ رکھتا تھا۔ لیکن دس دن کے سوچ بچار کے بعد اس نے دارالعوام کی روداد طلب کی اور اپنے ہاتھ سے وہ ورق چاک کر دئے جن میں مذکورہ بالا ناگوار احتجاج تحریر تھا۔ پھر پارلیمنٹ بغیر کسی رقمی منظوری کے برخاست کر دی گئی۔ کوک فیلپس اور مے لوری قلعۂ لندن میں بھیج دئے گئے۔ پم کو حکم ملا کہ اپنے گھر سے باہر نہ نکلے۔ گوندومار نے اس فعل کی نسبت کہا کہ یہ "سب کو چھوڑ کر اسپین سے رشتہ جوڑنے کی نیت" کے مرادف ہے۔ اور واقع میں انگلستان کے جرمن پروٹسٹنٹوں کو مدد دینے کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔

ہسپانوی شادی

مگر خود جیمس نامہ و پیام کے ذریعہ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ریاستوں میں ایک عام مصالحت کرا دینے سے مایوس نہیں ہوا تھا اور یہ تجویز، جس کا سب سے اہم اور لازمی جزیہ تھا کہ ولی عہد انگلستان کی شادی اسپین کی بڑی شہزادی میری سے ہو جائے۔ بادشاہ کی نیک نفسی سے خالی نہ تھی۔ بے شبہ پارلیمنٹ کا کیتھولکوں کی دشمنی پر بضد ہونا، شہنشاہ (آسٹریہ) کا فریڈرک کو سزا دینے پر اصرار اور اسپین کا یہ حتمی اصول کہ خاندان آسٹریہ کے خلاف تلوار نہ کھینچی جائے، صلح کے راستے میں افسوس ناک سدراہ تھے، بایں ہمہ شہزادہ چارلس کامیابی کی امید سے سرشار تھا اور بکنگھم اپنی قابلیتوں پر اتنا مفرط اعتماد رکھتا تھا کہ یہ دونوں افسانوں کے شاہ و وزیر کی طرح میڈرڈ کی طرف چل کھڑے ہوئے کہ صلح نامہ اور دلھن لیکر دھوم دھام سے واپس آئیں گے لیکن یہ ان کی ناتجربہ کاری کی حرکت تھی۔ میڈرڈ پہنچ کر چارلس کو اس خوف سے کہ کہیں ناکام گھر جانا پڑے طرح طرح کی شرطیں مانتے ہی بن پڑی۔ حتیٰ کہ آخر میں وہ اپنی اور باپ کی طرف سے یہ حلف اٹھانے پر مجبور ہوا کہ انگلستان کے کیتھولکوں کو پوری آزادی دی جائے گی اور تین سال کے اندر پارلیمنٹ سے اس کی تصدیق کرا دی جائے گی۔ پھر بھی جب معلوم ہوا کہ شہزادی شادی ہو جانے پر بھی رخصت ہو کر اس کے ہمراہ نہ جائے گی تو دوسرے شخص کو رسماً دکیل بنا کے وہ بہ عجلت انگلستان چلا آیا عام لوگ تو یہ سنکر کہ دلھن نہیں آئی بہت خوش ہوے لیکن محتاط اہل الرائے جانتے تھے کہ بات کی اتنی دور تک بڑھ جانے کے بعد بغیر علانیہ جنگ کے اس رشتے کو توڑنا

باب اول

ممکن نہیں ہے۔ یوں بھی چارلس قول دے چکا تھا اور میڈرڈ میں شادی کی بڑی بھاری تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ لیکن عقد سے تین روز قبل برسٹل انگریزی سفیر کو حکم پہنچا کہ بعض جدید مطالبات پیش کر دے اور اس پر شادی غیر معین زمانے تک ملتوی کر دی گئی۔ واقعات کے آئندہ انکشاف سے چارلس کا طریق عمل بہت ناقص ثابت ہوا مگر اس وقت تو عوام بہت خوش ہو گئے اور جیمس نے اپنی کوشش کو ناکام دیکھ کر امور سلطنت سے تقریباً دست کشی کر لی اور چارلس اور بکنگھم کو اجازت دیدی کہ فریڈرک کی ریاست کو لڑ کر واپس لینے کی کوشش کریں۔ چنانچہ اسی زمانے میں جب کہ اسپین کی مخالفت کا جوش عام تھا، نئے انتخابات ہوئے اور ۱۶۲۴ء کی اس پارلیمنٹ میں ایک آواز بھی صلح کی حمایت میں بلند نہ ہوئی۔ بحث طلب امر صرف یہ تھا کہ ریاست لے لی ٹینیٹ پر براہ راست فوج کشی کی جائے یا اسپین پر دباؤ ڈالا جائے۔ آخر لے لی نیٹ پر حملے کا فیصلہ ہوا اور بارہ ہزار انگریز جوان کاونٹ مینس فیلڈ کے سپرد کئے گئے جو فریڈرک کا نائب اور ایک چالاک مگر بے اصول سپاہی تھا جسے قسمت نے اس رتبے تک پہنچایا۔ لیکن مہم میں سخت بدانتظامی ہوئی۔ انگریز سپاہی اسپین کے خلاف تو خوشی سے لڑتے مگر جرمانہ میں ادھر سے ادھر بھاگے پھرنے کے لئے آمادہ نہ تھے۔ جب وہ ہولینڈ پہنچے تو نہ کھانا پیٹ بھر کر ملتا تھا نہ بدن پر ٹھیک کپڑا میسر تھا۔ اسی حالت میں کشتیوں پر سوار کر کے رائن کے راستے روانہ کئے گئے اور صدہا ضائع ہوئے۔ ساری مہم کا نتیجہ اگر کچھ نکلا تو یہ کہ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ چارلس اور بکنگھم انتظامی قابلیت سے عاری ہیں۔

ادھر امیر مڈلسکس، "یا مڈل سکس" سے پارلیمنٹ میں مواخذہ ہوا اور سزا دی گئی۔ یہ شخص لائونل کربن فیلڈ کے نام سے زیادہ مشہور ہے اور ان دنوں ہوشیار و کفایت شعار وزیر خزانہ تھا۔ ظاہراً تو اس پر تغلب کا الزام لگایا گیا لیکن حقیقت میں پارلیمنٹ کی دشمنی کا سبب یہ تھا کہ وہ جنگ کے خلاف تھا۔ اس دار و گیر میں چارلس نے عجیب و غریب حماقت سے خود بھی نمایاں حصہ لیا۔ پارلیمنٹ نے نئی ایجادوں کے علاوہ اور سب اجارے منسوخ کئے اور کیتھولک منحرفین کے خلاف

قوانین کی شدید پابندی پر بادشاہ کو توجہ دلائی۔ حالانکہ اسی زمانے میں جیمس اور چارلس نے لوئی سیز دہم شاہ فرانس کے ساتھ خفیہ قرارداد کر لی تھی کہ اس کی بہن ہنریٹا ماریہ چارلس کے ساتھ بیاہ دی جائے گی اور مذکورہ بالا قوانین معطل کر دئے جائیں گے۔

سیاسی امور سے عملاً دستکش ہونے کے بعد جیمس زیادہ مدت زندہ نہ رہا۔ نقرس اور بخار کے پیہم حملوں نے جسم و دماغ دونوں کو کمزور کر دیا تھا اگرچہ پرانی ذہانت کبھی کبھی عود کر آتی تھی۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ مڈل سکس سے مواخذے کا قضیہ سن کر مرنے سے کچھ ہی روز قبل اس نے چارلس سے کہا کہ وہ کبھی ایسے پیٹ بھر کے مواخذوں تک زندہ رہے گا۔ مارچ ۱۶۲۵ء میں جیمس نے وفات پائی۔

مشہور واقعات

ہیمپٹن کورٹ کی مشاورہ	۱۶۰۴ء
باروت والی سازش	۱۶۰۵ء
روبرٹ سیسل کی وفات	۱۶۱۲ء
"گندی پارلیمنٹ"	۱۶۱۴ء
جنگ سی سالہ کا آغاز	۱۶۱۸ء
بیکن سے قانونی مواخذہ	۱۶۲۱ء
چارلس اور بکنگھم اسپین جاتے ہیں	۱۶۲۳ء
اجاروں کی منسوخی	۱۶۲۴ء

باب دوم

حصۂ اول

چارلس اول سنہ ۱۶۲۵ء تا سنہ ۱۶۴۹ء

ولادت۔ سنہ ۱۶۰۰ء۔ ازدواج با ماریہ (فرانسیسیہ) سنہ ۱۶۲۵ء۔
قتل سنہ ۱۶۴۹ء۔

معاصرین :— فرانس .... لوئی سیزدہم و چہاردہم
اسپین .... فلپ سوم و چہارم
شہنشاہ .... فرڈی نینڈ دوم و سوم

چارلس کی خصائل

تخت نشینی کے وقت چارلس کی عمر پچیس سال کی تھی اور اس کی عادتیں اور مزاج پختہ ہو چکے تھے۔ بادشاہی کے ظاہری لوازم کا جہاں تک تعلق ہے، وہ نہایت قابل تعریف بادشاہ تھا۔ باپ میں تو یہ بات نہ تھی مگر اُس کے چہرے مُہرے سے شاہی وجاہت برستی تھی۔ البتہ جیمس کی نیک نہادی اُس میں نہ پائی جاتی تھی۔ وہ زیادہ تر شرمیلے پن کی وجہ سے الگ الگ رہتا تھا اور اپنی رعایا سے ایسے روابط نہ رکھتا تھا کہ ان کی صحیح رائے معلوم کر سکتا جس طرح کہ الزبتھ و ہینری ہشتم ہمیشہ معلوم کر لیا کرتے تھے افسوس ہے بچپن میں صحت کی خلقی خرابی نے تعلیم کو زیادہ باقاعدہ نہ رہنے دیا اور اسی لئے تاریخ و سیاسیات

باب دوم

یا مذہب کی معلومات میں اُسے باپ کی مثل نمایاں تبحر نصیب نہ ہو سکا۔ پھر یہ کہ جیمس تو عالم بے عمل تھا لیکن چارلس اپنی کم علمی اور محدود نظر ہونے کے باعث جس بات پر اَڑ جاتا اس کا دوسرا پہلو نہ دیکھ سکتا تھا۔ بچپن کے لاڈ پیار نے بھی اسے ہٹ پوری کرنے کی عادت ڈال دی تھی اور فیر فیکس کا قول تھا کہ "وہ بادشاہ طبعاً سخت ہے"۔ یہ عیوب تو قابل تاسف تھے لیکن زیادہ خرابی یہ ہوئی کہ چارلس میں کوئی ذہانت وجدت طرازی نہ تھی کیونکہ وہ عمدہ قوت متخیلہ ہی نہ رکھتا تھا اور اسی لئے یہ بھی نہ سمجھ سکتا تھا کہ اس کے وعدوں کا مطلب کیا ہے یا جن لوگوں سے وعدے کئے جا رہے ہیں، وہ کیا مطلب لیں گے۔ باپ سے کوئی شے ورثے میں ملی تو شاید صرف یہ کہ چارلس بھی شاہی حقوق و اقتدار پر حد سے بڑھ کر یقین و وثوق رکھتا تھا۔ زمانہ بدل جانے کے باوجود، وہ سمجھتا تھا کہ اُسے ٹیوڈر بادشاہوں کے جملہ اختیارات برتنے کا حق حاصل ہے اور اپنے عہد کے لوگوں کی خو خصلت میں جو فرق تھا، اس کی چارلس کو نہ پروا تھی نہ پرکھ۔ بکنگھم دربار میں داخل ہوا تو چارلس کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ جیمس کی حماقت نے ان دونوں نوجوانوں کو یکجا رہنے سہنے کا موقع دیا اور چارلس کے ذہن میں یہ نقش کہ بکنگھم جملہ اوصاف حمیدہ کا مجموعہ اور نمونہ ہے، ایسا پڑا تھا کہ پھر مدت العمر محو نہ ہوا۔ بادشاہ کا یہ ممدوح، جاہل

بکنگھم

مگر اپنی ذات پر بڑا بھروسہ رکھتا تھا۔ یہی نہیں کہ وہ محض دربار میں محبوب تھا، بلکہ درحقیقت اس میں وہ شان و تمکنت پائی جاتی تھی جو معمولی مقربوں کی بجائے اسے بہت کچھ الزبتھ کے امیر لیسٹر کے ہم پلہ بناتی ہے۔ وہ بڑے کام کرنے کا مشتاق اور عہد الزبتھ کی شان و شکوہ تازہ کرنے کا آرزومند تھا اگرچہ ان آرزوؤں کو عمل میں لانے کے کارگر وسائل کی اسے کچھ خبر نہ تھی۔

کیتھولک

چارلس نے بادشاہ ہو کر بسم اللہ ہی غلط کی۔ جب معلوم ہوا کہ فرانسیسی ماریہ کی شادی کی شرطوں میں کیتھولک فرقے کے لئے وہی رعایت چاہتے ہیں جو اسپین کے مطالبے پر قبول کر لی گئی تھیں، تو چارلس اُن قانونی قیود کے تعطل پر رضامند ہو گیا۔ ۱۶۲۴ء کی پارلیمنٹ میں اس نے صراحۃً

باب دوم

اقرار کیا تھا کہ فرانسیسی رشتے کی شرطوں میں کیتھولک فرقے سے رعایت کرنا ہرگز داخل نہ ہوگا، لہذا اب اُس کی رضامندی سے لازم آگیا کہ یا پارلیمنٹ سے جھوٹا بنے یا شاہِ فرانس سے۔ مگر اس قسم کا دغل و فریب چارلس کے طریق عمل کی خصوصیت تھا اور اُس پر جو آیندہ مصیبتیں پڑیں ان کی بہت کچھ وجہ اسی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ بہر حال، غلطی کی اُس نے کچھ پروانہ کی اور اتحاد فرانس کے فوائد کی امید میں، وہاں رشتہ کرکے اسپین سے اعلان جنگ کردیا۔ ساتھ ہی روپے کی منظوری کے لئے انعقاد پارلیمنٹ کے حکم نامے جاری ہو۔

پہلی پارلیمنٹ

پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو دارالعوام میں وہی فیلیس، کوک وغیرہ پیش پیش تھے جنھوں نے جیمس کے زمانے کی پارلیمنٹوں میں پہلے بھی بہت کچھ حصہ لیا تھا۔ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ بادشاہ اور پارلیمنٹ میں اختلاف کے بہت سے آثار نظر آنے لگے۔ چارلس تو فرانس سے کیتھولک فرقے کے خلاف قوانین کا نفاذ ملتوی کرنے کا وعدہ کرچکا تھا اور پارلیمنٹ نے معروضہ پیش کیا کہ ان قوانین پر سختی سے عملدرآمد ہونا چاہیئے۔ چارلس نے بڑے شوق سے جنگ کے لئے رقم کثیر کا مطالبہ کیا تھا اور پارلیمنٹ نے جب تک مصارف کی تفصیل اور مہم کی قیادت کا حال نہ معلوم ہو، ہاتھ روک لیا۔ چارلس مونٹیگیو پادری کو جس نے کالونی عقائد کے خلاف لکھا، ترقی دے رہا تھا اور دارالعوام میں اس پر قانونی مواخذہ کرنے کی تیاریاں تھیں۔ ہنری ششم کے عہد سے قاعدہ ہوگیا تھا کہ محاصل کروڑگیری کی منظوری بادشاہ کی عمر بھر کے لئے دے دی جاتی تھی۔ لیکن اس مرتبہ قباحت یہ ہوئی کہ عوام محاصل کے پورے مسلئے کا تصفیہ کرنے کی فکر میں تھے، انھوں نے صرف سال بھر کی منظوری دی اور چونکہ تھوڑے ہی دن میں طاعون کے باعث پارلیمنٹ برخاست کردی گئی لہذا یہ منظوری بھی دارالامرا کی تصدیق اور تکمیل سے محروم رہ گئی۔

اجلاس آکسفرڈ

چند ہفتے بعد پارلیمنٹ کا اجلاس دوبارہ آکسفرڈ میں جما لیکن اس وقفے میں تازہ تر مشکلات پیدا ہوگئی تھیں۔ اسپین سے جنگ میں حصہ لینے کی غرض سے انگلستان نے فرانس کو ایک جنگی اور سات تجارتی جہاز مستعار دئے تھے لیکن لوگوں نے بھانپ لیا کہ عجب نہیں اسپین کی بجائے ان

باب دوم

جہازوں سے لاروشیل کے ہیوگینو کے خلاف کام لیا جائے کیونکہ فرانس کا وزیر رشیلیو ہیوگینو فرقے کے قلعہ بند شہروں کی نیم خودمختاری سے سخت متوہم ہو گیا تھا اور لوگ سمجھتے تھے کہ وہ گھر کی طرف سے اطمینان حاصل کئے بغیر بیرونی جنگ میں کودنا پسند نہ کرے گا رشیلیو، ہیوگینو فرقے کی آزادی عبادت میں دخل دینے کی ہرگز نیت نہ رکھتا تھا مگر انگلستان والے عام طور پر اسے پروٹسٹنٹ فرقے کا متعصب اور ظالم دشمن سمجھتے تھے۔ غرض انگریز ملاحوں نے اُن جہازوں میں کام کرنے سے انکار کر دیا اور ایک کے سوائے باقی سب گھر چلے آئے۔ ادھر اسی زمانے میں شادی کی شرائط اور معاہدے کی افواہیں آہستہ آہستہ پھیلنی شروع ہوئیں۔ پھر جب معلوم ہوا کہ ہنریٹا ماریہ عبادت کی پوری آزادی سے بہرہ مند ہے اور سزا یافتہ کیتھولک پادریوں کو معافی دے کے چھوڑا جا رہا ہے، تو ملک بھر میں شدید ناراضی پیدا ہو گئی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ پارلیمنٹ میں حکومت پر ایک اور حملہ ہوا۔ بکنگھم آمادہ تھا کہ چارلس کے معاہدے کا سرکاری طور پر انکار کر دیا جائے خواہ فرانس سے جھگڑا ہی کیوں نہ کرنا پڑے اور اُدھر پارلیمنٹ خود اس مختار کل وزیر سے قانونی مواخذے کی فکر میں تھی کہ بادشاہ نے پارلیمنٹ کو برخاست کر کے ساری کارروائی ختم کرا دی۔

قادص کی مہم

مگر مزید روپے کی منظوری ملے بغیر پارلیمنٹ کے برہم ہو جانے سے چارلس بڑی مشکل میں پھنس گیا کیونکہ اس نے پیلٹس فیلڈ اور اپنے ماموں کرسچین شاہ ڈینمارک سے جواب شمالی جرمانیہ کے پروٹسٹنٹوں کی سرگروہی کر رہے تھے، زر نقد بلکہ اپنا بیڑا مرتب کر کے مدد دینے کا وعدہ کیا تھا اور یہ بغیر روپے کے کسی طرح پورا نہ ہو سکتا تھا۔ تب بکنگھم نے جو ہمیشہ نئی امید اور اطمینان کی صورت سوچ لیتا تھا، بادشاہ کے ذہن میں یہ بات جما دی کہ اگر دوسری پارلیمنٹ طلب کرنے سے پہلے قادص کو ایک بحری مہم بھیج دی جائے جو اس بندرگاہ کے لوٹنے اور اسپین کے خزانے کے جہاز پکڑنے میں ۱۵۹۶ء کی مہم کی یاد تازہ کر دے تو اہل ملک بادشاہ کو برسرحق اور سابق پارلیمنٹ کو غلطی پر سمجھنے لگیں گے۔ چنانچہ دربار کے جملہ وسائل ایک بیڑے کی تیاری میں خرچ کئے گئے

باب دوم

لارڈ برلے کے پوتے سر ایڈورڈ سیسل کو اس کی قیادت تفویض ہوئی سیسل ولندیزی فوج میں عرصے تک خدمت کر چکا تھا۔ اسے آئندہ کامیابیوں کی محض توقع پر وائی کاونٹ وِم بلڈن بنا دیا گیا لیکن حقیقت میں آزادانہ سپاہ سالاری کا اسے کوئی تجربہ نہ تھا اور ہوتا بھی تو جہازوں کی بدحالتگی اور سامانِ رسد کی کمی کچھ کرنے دھرنے نہ دیتی۔ اس کا نائب امیر اسیکس مقرر ہوا تھا لیکن خود بے دل سپاہی لڑائی سے جان چرالتے تھے۔ اس فوج و سامان سے کوئی بہت ہی غیر معمولی سپہ سالار کامیابی حاصل کر سکتا تھا، وِم بلڈن تو قطعاً ناکام رہا۔ حملے میں دیر ہو جانے سے اسپین والے اپنے جہازوں کو اندرونی گودیوں میں ہٹا لائے۔ انگریز سپاہی ساحل پر اترے تو کھانے کو کچھ نہ تھا۔ شرابیں پی پی کے بدمست ہو گئے۔ زر و جواہر کی کشتیاں ہاتھ سے بچ کے نکل گئیں مہم اس حال میں واپس ہوئی کہ سپاہی مریض و ماندہ تھے اور مجموعی طور پر مینس فیلڈ کو خشکی پر جیسی ناکامی ہوئی تھی، وِم بلڈن کو بحری مہم میں اسی کا منہ دیکھنا پڑا۔

اس مصیبت نے چارلس اور بکنگھم کی ساری موہوم امیدوں کو خاک میں ملا دیا اور نئی پارلیمنٹ کے سامنے اپنی بے ضابطگیوں کی کوئی تاویل باقی نہ رہی۔ دوسرے کیتھولک فرقے کے متعلق شاہ فرانس سے جو جھوٹے وعدے کر لئے گئے تھے، ان کا پول کھل گیا تو دونوں درباروں میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ ہنریتا ماریہ ذاتی طور پر بھی اپنے شوہر سے خوش نہ رہی۔ ریشیلیو ہیوگینو فرقے کی سرکوبی میں کوشاں تھا اور چونکہ مصالحت کی صورت نہ نکل سکی تھی لہذا لاروشیل کے باقاعدہ محاصرے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ چارلس نے لوئی اور اس کی پروٹسٹنٹ رعایا میں ثالثی کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا لہذا وزیر فرانس کی یہ کارروائیاں اسے اپنی اہانت کے مرادف محسوس ہوئیں اور اسپین کے مقابلے میں اتحاد کی بجائے اب یہ آثار پیدا ہو گئے کہ خود ان اتحادیوں میں باہم جنگ کی نوبت آ جائے گی۔

چارلس ان پیچیدگیوں سے واقف تھا مگر یہ سمجھ کر کہ پہلی پارلیمنٹ سے نزاع کا اصلی سبب چند سر پھرے مبعوث تھے، اس لئے یہ چال کی کہ نئے انتخاب کے حکمنامے جاری کرنے سے پہلے فیلپس، کوک، وینٹ ورتھ اور چند خاص خاص اشخاص کو ان کے پرگنوں میں سرکاری عامل (شیرف) مقرر کر دیا تاکہ وہ

باب دوم

پارلیمنٹ میں رکن ہی نہ منتخب ہوسکیں۔ لیکن ان کی بجائے جو لوگ منتخب ہوئے وہ قابلیت میں کم ہونے کے باوجود بکنگھم کے انتظام سے اتنے ہی ناراض تھے۔ دوسرے، عاملوں کے انتخاب میں ایک شخص کا نام چھوٹ گیا اور وہی چارلس کے حق میں بغلی گھونسا ثابت ہوا۔ یہ سر جان الیئٹ، "کارنول" کا زمیندار تھا اور

اِلیئٹ

اسے مستثنیٰ کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ زمانۂ سابق میں بکنگھم سے اس کی دوستی تھی اور ڈیون شر میں نائب البحر رہا تھا۔ لیکن تجربے نے اسے بخوبی یقین دلا دیا تھا کہ بکنگھم ملک کو تباہ کر رہا تھا اور اب الیئٹ سے بڑھ کر حکومت کا دشمن شاید دوسرا اور کوئی نہ ہوگا۔ مزید برآں وہ رہنما بننے کی قدرتی صلاحیت رکھتا تھا اور جو تقریریں محفوظ ہیں، اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ پارلیمنٹ کے بہترین فصحا میں شمار ہونے کا مستحق ہے۔ غرض پارلیمنٹ

بکنگھم سے مواخذہ۔

منعقد ہوئی تو الیئٹ رہنما اور ہمپڈن، سر ڈڈلی ڈگز اور چند اور افراد اس کے مددگار تھے۔ انھوں نے "دو شکایتوں کی شکایت" بکنگھم کو قرار دے کر اسی پر حملے شروع کیے اور آخر میں اس کے خلاف مواخذہ مرتب کیا۔ اس مواخذے میں بہت سے الزام جھوٹے اور مبالغہ آمیز تھے جیسا کہ ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ بکنگھم سے جو کچھ غلطیاں ہوئی ہوں، اُس نے سلطنت کو اپنے فائدے کے لئے لوٹا نہیں اور نہ انگلستان کی اغراض کو ذاتی اغراض پر قربان کیا۔ چارلس نے الیئٹ اور ڈگز کو فوراً قلعۂ لندن میں بھجوا دیا مگر دارالعوام تلا ہوا تھا کہ یا تو وہ آزاد کئے جائیں یا اجلاس میں کوئی کارروائی ہی نہ ہوگی۔ بادشاہ کو رقمی منظوریوں کی فکر تھی لہذا دبنا پڑا اور یہی معاملہ دارالامرا میں پیش آیا کہ اُمرا نے امیر آرنڈل کی رہائی کا مطالبہ کیا اور چارلس کے ساتھ جیسا دارالعوام میں برتاؤ ہوا تھا وہی سرد مہری اُمرا نے دکھائی۔ قوم کے جذبات سے چارلس کی بے خبری دیکھئے کہ انھی دنوں اس نے اصرار کیا کہ کیمبرج میں بکنگھم کو امیرِ جامعہ منتخب کیا جائے۔ اس کے جواب میں عوام نے ایک عام احتجاج تیار کیا جس میں حکومت کی ساری حکمت عملی پر اعتراض اور بکنگھم پر مقدمہ چلانے کا اصرار تھا۔ یہ فعل انگلستان کی تاریخ میں

باب دوم

یادگار واقعہ ہے کیونکہ اگر دارالعوام کا مطالبہ کہ بکنگھم کو معزول کیا جائے قبول کر لیا جاتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ وزرا بادشاہ کے بجائے پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ الزبیتھ کے عہد میں ایسا نہ تھا اور چارلس مصمم ارادہ رکھتا تھا کہ خود اس کے عہد میں ایسا نہ ہونے پائے گا۔ اُس کی نظر میں پارلیمنٹ کا کام "مشورہ دینا تھا نہ کہ نگرانی کرنا" اور اگر اس کے خلاف عمل ہو تو گویا بادشاہ کی بادشاہی رہ جاتی اور حکومت اس کے ہاتھ سے نکل جاتی۔ اور چارلس کسی طرح یہ اصول قبول کرنے والا نہ تھا۔ چنانچہ اُس نے کارروائی روکنے کے لئے پھر پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا۔

چونکہ پارلیمنٹ سے روپے کی کوئی منظوری نہ ملی تھی لہذا چارلس نے اب ہر پرگنے سے نذرانہ وصول کرنے کی کوشش کی اور یہ خدمت ہر ضلعے کے عامل عدالت کے سپرد ہوئی۔ ایلیٹ وغیرہ جن سے مخالفت کا اندیشہ تھا، عہدوں سے برطرف کر دئے گئے اور شروع میں یہ تدبیر خاصی کامیاب بھی رہی لیکن رفتہ رفتہ مخالفت کا جذبہ پیدا ہوا اور پرگنے پرگنہ نذرانہ دینے سے انکار کرنے لگا۔ یہ خبریں سن کر چارلس نے غصے میں جبراً قرض لینے کی کوشش کی مگر اسے حکام عدالت نے بلا تامل ناجائز قرار دیا اور میر عدل کرُو آزادی رائے کے باعث خدمت سے الگ کر دیا گیا جس طرح پہلے کوک علٰحدہ کیا گیا تھا۔ لیکن حکام عدالت کا فیصلہ گویا عام مخالفت کا اشارہ تھا اور چارلس نے اپنی ناکامی پر برافروختہ ہوکر سرگروہوں کو مجلس شاہی کے روبرو طلب کیا اور زندان شاہی میں ڈلوا دیا۔ اس حرکت نے ایک اور خلفشار پیدا کیا اور لوگ سوال کرنے لگے کہ آیا ہم رتبہ اشخاص کے سامنے مقدمہ کئے بغیر کسی کو قید میں ڈالنے کا بادشاہ کو حق بھی ہے یا نہیں اور "دستور اعظم" کے حوالے دئے جانے لگے۔ آزمائش کی غرض سے پانچ سردار جنھوں نے قرض دینے سے انکار کیا تھا، مل کر عدالت شاہی میں دعویدار ہوئے کہ "پروانۂ آزادی" عطا کیا جائے کیونکہ ہم نے کوئی قانونی جرم نہیں کیا۔ داروغۂ قید خانہ کا جواب یہ تھا کہ وہ بادشاہ کے خاص حکم سے قید کئے گئے اور واقع میں مجلس شاہی کے بلا مقدمہ چلائے لوگوں کو قید میں ڈالنے کی نظیریں بھی موجود تھیں لیکن مستغیثوں کے

باب دوم

وکلا نے قریب زمانے کی نظیروں کے مقابلے میں قدیم آئین کے اصول پیش کیے۔ عدالت اصل مسئلے میں کوئی فیصلہ نہ کرسکی مگر اس نے قیدیوں کو ہدایت کی کہ بادشاہ کی فرد قرارداد جرم کے مرتب ہونے تک وہ انتظار کریں۔ ادنیٰ طبقے کے لوگوں سے چارلس نے اور بھی ظالمانہ برتاؤ کیا۔ بعض کو دھمکیاں دیں کہ جبراً فوج میں بھرتی کیے جائیں گے اور بعض کے گھروں میں اُن سپاہیوں کو جبراً ٹھیروا دیا جنھیں کوئی تنخواہ نہ ملی تھی اور ان بھوکے سپاہیوں نے غریب میزبانوں کو مفلس وقلاش کر دیا کہ وہ گھر چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے۔ غرض ہر طبقے کے افراد نے بادشاہ کی مخالفت میں حصہ لیا تھا اور ہر طبقے پر بادشاہ کا قہر وغضب نازل ہوا۔

فرانس سے جنگ

اس عرصے میں فرانس وانگلستان کے تعلقات کی کشیدگی نے، جیسا کہ مدت سے آثار نظر آتے تھے، باقاعدہ جنگ کی شکل اختیار کرلی۔ کچھ تو ان اسباب سے جو اوپر مذکور ہو چکے ہیں اور کچھ اس لیے کہ انگلستان والوں نے چند فرانسیسی کشتیاں اس عذر پر پکڑ لیں کہ وہ اسپینی ندرلینڈز میں اجناس ممنوعہ لے جا رہی ہیں۔ فرانسیسیوں نے جواب میں انگریزوں کا ایک بیڑا جو محصول ادا کرکے بورڈو کی بندرگاہ سے شراب لے کر چلا تھا، گرفتار کرلیا۔ جنگ ٹھنی تو فرانس کو نقصان پہنچانے کی سب سے صریحی صورت یہ نظر آئی کہ اہل لاروشیل کو مدد دی جائے جن کی ریشلیو نے ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ لاروشیل کی بندرگاہ جزیرۂ رے کی زد میں تھی اسی جزیرۂ رے پر انگریزوں نے فوج کشی کی۔ سپہ سالاری خود بکنگھم نے اپنے ہاتھ میں لی اور بہترین اوصافِ قیادت کا ثبوت دیا بایں ہمہ مہم کی تنظیم اتنی بری ہوئی تھی اور زبردستی بھرتی کیے ہوئے سپاہی اتنے بددل تھے کہ مہم ناکام رہی اور سپاہی ذلیل ورسوا ہوکر انگلستان واپس ہوئے۔ لوگ کہتے تھے کہ "جب سے انگلستان، انگلستان کہلایا، ایسا ذلت آمیز صدمہ نہ پہنچا تھا"۔ ظاہر ہے کہ یہ محض مبالغہ تھا۔ ہر نسل کے لوگ اپنی فتوحات اور تیز شکستیں بڑھا چڑھا کے اسی طرح بیان کیا کرتے ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ لوگوں میں دلی ناراضی

پھیل گئی۔

بایں ہمہ یا تو چارلس ممالکِ یورپ میں اقتدار سے کلیتہً دست بردار ہوجاتا، ورنہ مزید فوج اور روپیہ فراہم کرنا ناگزیر تھا۔ اور مجلس شاہی کی سب تجویزیں ناکام ہوچکیں تو پارلیمنٹ کو طلب کرلینے کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ رہا۔ اظہار آشتی

تیسری پارلیمنٹ

کی غرض سے سیاسی قیدیوں کو رہائی دے دی گئی اور اس مرتبہ انتخابات میں بھی کوئی مداخلت نہ کی گئی۔ چنانچہ تمام پرانے نکتہ چیں منتخب ہوئے اور بادشاہ کے مقابلے میں پہلے سے بھی زیادہ قابل اشخاص جمع ہوگئے۔ اجلاس شروع ہونے سے قبل سرگروہوں نے طے کیا کہ بکنگھم سے مواخذے کی تجدید نہ کی جائے بلکہ گزشتہ پارلیمنٹ کے برخاست کے وقت سے اب تک جو بے ضابطگیاں ہوئی تھیں ان پر پوری توجہ مبذول ہو۔ چنانچہ کوک نے خود رایانہ طریق پر لوگوں کے قید میں ڈالنے پر اعتراض کیا۔ الیٹ نے جبری قرضے پر وینٹ ورتھ نے شاہی کارندوں کی عام بے راہ روی پر۔ سب اعتراضات کا خلاصہ کوک ہی کے اعتراضات میں تھا جس نے یہ تنقیح مرتب کی کہ "آیا بادشاہ اظہار سبب کے بغیر کسی آزاد شخص کو قید کرسکتا ہے؟" وینٹ ورتھ کی رہنمائی سے اور الیٹ، کوک، پم اور فلیپس کی ذیلی جماعت نے قانون کو از سر نو مرتب کرنا چاہا۔ وینٹ ورتھ گزشتہ پر صلوٰۃ بھیجنے کے لیے تیار تھا بشرطیکہ آئندہ کا انتظام ٹھیک ہوجائے۔ لیکن چارلس کو یہ خبر ہوئی تو کہلا بھیجا کہ کیا تم لوگوں کو بادشاہ کے قول و قرار پر اعتماد نہیں ہے؟ اس پر دار العوام نے جدید قانون مرتب کرنے کی بجائے ایک "معروضۂ حق" تحریر کیا۔ مسودۂ قانون

معروضۂ حق

کی صورت میں تو شاہی منظوری میقات کے ختم پر ہوتی اور معروضہ کا جواب فوراً مل سکتا تھا اور اسی پر دار العوام فیصلہ کرتا کہ پانچ رقمی منظوریوں کے متعلق جو زیر غور تھیں، کیا طرز عمل اختیار کیا جائے۔ دوسرے معروضے میں قانون کو جیسا تھا، اسی صورت میں دہرا دیا گیا تھا اور کسی خاص اندیشہ ناک زمانے کے لیے کوئی استثنائی شکل تسلیم نہیں کی تھی۔ دار الامرا نے معروضے کی تائید کی اور سرکاری طور پر اسے بادشاہ کی خدمت میں بڑھا دیا۔ اس

باب دوم

عرضی میں فرمان شاہی ڈی ٹیلاگیونوں کونسیڈنڈو... (دیکھو صفحہ ۲۲۳) اور منشور اعظم کا حوالہ دے کر درخواست کی تھی کہ آئندہ پارلیمنٹ کی متفقہ منظوری کے بغیر کوئی شخص نذرانہ، قرضہ، تحفہ، محصول یا اور کوئی رقم ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جائے... کسی آزاد مرد کو حراست یا قید میں نہ ڈالا جائے اور اعلیٰحضرت براہ کرم ان لوگوں کو جو اس طرح فوج میں داخل کر لئے گئے ہیں، آزاد کر دیں۔ یہ فوجی احکام منسوخ کئے جائیں اور آئندہ اس قسم کی فوجی خدمات تفویض نہ کی جائیں کہ مبادا ملک کے قانون اور حقوق کے خلاف، اعلیٰحضرت کی رعایا کا کوئی فرد، ایسے (جبری) فوجی لشکر کی بدولت ضائع ہو یا قتل کر دیا جائے"

معروضے کے منظور کرنے میں چارلس کو بہت تامل رہا لیکن بالآخر وہ دب گیا اور منظوری کے معاوضے میں پارلیمنٹ نے بھی اسے پانچوں رقمی منظوریاں دے دیں۔ ارکان دارالعوام کو خوشی تھی کہ انھیں کامل فتح نصیب ہوئی۔

مذہب

تاہم انھوں نے حکومت کے طرز عمل پر رائے زنی کا سلسلہ موقوف نہیں کیا اور اسی غرض سے ایک احتجاج نامہ مرتب کیا جس میں حکومت کی خرابیاں بکنگھم سے اور کلیسا کی بدعنوانیاں لاڈ سے منسوب کیں۔ بکنگھم خوشی سے تیار تھا کہ الزام لگانے والوں سے رُو در رُو گفتگو کرے کیونکہ اسے اپنے بے قصور ہونے کا یقین تھا لیکن چارلس نے صاف انکار کر دیا اور یہ راستہ بند ہوا تو دارالعوام نے پھر اپنی توجہ محاصل درآمد برآمد پر منعطف کی۔ وہ اس محکمے کی پوری پوری تنقیح کرنا چاہتے تھے اور چونکہ اس میں دیر ہوتی لہٰذا انھوں نے آئندہ سیقات تک وصولِ محاصل کی اجازت دے دی۔ چارلس اس بات پر بھی رضامند نہ تھا اور جب دارالعوام نے تازہ حجت یہ نکالی کہ مذکورۂ بالا محاصل کا بغیر پارلیمنٹ کی منظوری کے وصول کیا جانا "معروضۂ حق" کے خلاف ہے تو اس کے جواب میں بادشاہ نے فوراً پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا۔

ولیم لاڈ

اس وقفے میں چند اہم واقعات پیش آئے۔ اول یہ کہ لاڈ کو باتھ اور ویلز کی ڈوردست اسقفی سے بدل کر لندن کی اہم اسقفی پر مقرر

باب دوم

کیا گیا۔ وہ ریڈنگ کے ایک لباس فروش کا بیٹا تھا۔ ۱۵۷۳ء میں پیدا ہوا اور آکسفرڈ کے سینٹ جان کالج میں تعلیم پائی۔ آکسفرڈ پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ اس دارالعلوم کے مذہبی خیالات بہت کچھ کالونی ہیں۔ خود اس کے عقائد ارمنی تھے یعنی وہ اُس گروہ میں تھا جو روما کی غلطیوں کی تکذیب میں تو پروٹسٹنٹ تھا مگر کالونی عقیدے کو بھی اس کا تنہا بدل نہیں مانتا تھا۔ بلکہ اس کے جبری عقیدے کے خلاف قدریت یا اختیار پر زور دیتا تھا۔ رسوم دین میں لاڈ کلیسائے انگلستان کے پُرانے طریق پر چلنا چاہتا تھا اور ان کی سند کلیسا کے انھی قدیم علما کی عادات و آرا سے لیتا تھا، جو حواریوں کے بعد کی نسل تھے۔ قدرتی طور پر کیتھولک اور پیوریٹن دونوں فرقوں میں یہ گروہ مطعون بن گیا کیونکہ کیتھولک تو پاپائی اقتدار سے انکار کے باعث اسے گمراہ سمجھتے تھے اور پیا پیوری ٹن اس لیے کہ رسوم دینی میں وہ بہت کچھ اسی پُرانے مذہب کا مقلد تھا۔ بایں ہمہ لاڈ نے آکسفرڈ کو اپنا ہمخیال بنا لیا اور مجلس کلیسا میں اس کے خیالات اس حد تک قابل قبول سمجھے گئے کہ وہ بہت جلد جلد گلوسسٹر کا مہتمم کلیسا، پھر سینٹ ڈیوڈ اور آخر میں باتھ اور ویلز کا اُسقف مقرر کیا گیا۔ جیمس کے عہد میں جو اس کی قابلیتوں کا معترف لیکن اس کی سرگرمیوں سے اندیشہ مند تھا وہ بادشاہ سے دُور ہی کی خدمات پر مامور رہا۔ آخر چارلس نے کم احتیاطی سے لندن کا اسقف اور امور مذہبی میں اپنا مشیر مقرر کیا۔ لاڈ مخلص و متقی آدمی تھا اور یقین رکھتا تھا کہ پیوری ٹن فرقہ سربسر غلط اور خود وہ صحیح راستے پر ہے۔ اسے پیوریٹن فرقے کے مخلص افراد سے ملنے کا اتفاق کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ ان کی صداقت اور جوش خدا پرستی کا اندازہ کر سکتا۔ اسی طرح خود وہ لوگ لاڈ کے اوصاف ذاتی کا صحیح اندازہ نہ رکھتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ فرقۂ مذکور اور درباری علما میں اختلافات پہلے سے زیادہ وسیع ہو گئے۔

شہر لندن، پیوری ٹن گروہ کا خاص مرکز تھا لہٰذا وہاں کے بہت سے پادری بھی نئے اُسقف کے ہمنوا نہ نکلے اور لاڈ کی نسبت عام اہل انگلستان یہ سمجھنے لگے کہ وہ نہایت متعصب جابر ہے۔ بخلاف اس کے چارلس کو اپنے

مشیر پر کامل اعتقاد تھا اور اُس نے یہاں تک حماقت کی کہ لاڈ کی بعض نہایت ہی نامقبول کارروائیوں کے ساتھ اپنا نام شامل کئے جانے کی اجازت دے دی۔ سب سے شدید مناقشہ جن مسئلوں میں پیش آیا وہ عشائے ربانی کی میز یا قربان گاہ اور گشتی واعظوں کے حقوق تھے۔ پہلے مسئلے میں تو نام ہی پر جھگڑا اٹھا۔ دوسرے لاڈ تو میز کو گرجا کے مشرقی سرے پر خاص حرمت کے ساتھ لگانا ضروری سمجھتا تھا اور پیوری ٹن وسط میں منبر کے سامنے بلا کسی خاص احترام کے رکھنا چاہتے تھے۔ کئی سال عام طور پر یہی طریقہ، بعض بڑے کلیساؤں تک میں رائج ہو گیا تھا اسی لئے لاڈ کی اس کوشش سے کہ پادری آئندہ اس کی رائے پر عمل کریں جگہ جگہ سخت جھگڑے پیدا ہوئے۔ گشتی واعظوں کی ضرورت اور فوائد پر پیوری ٹن بہت زور دیتے تھے اور خود اُن کے بعض بہترین علما اسی طرح وعظ و تلقین کرتے پھرتے تھے۔ بخلاف اس کے لاڈ ہر پادری کو اپنے گرجا یا صرف اس مقام پر وعظ کی اجازت دینی چاہتا تھا، جہاں کے واسطے حلقے کے اسقف نے اسے اجازت نامہ دیا ہو۔ بادشاہ لاڈ کی تائید پر تھا بلکہ شاہی سرپرستی اُسی کے ہم خیال اشخاص کو حاصل ہوئی۔ کوزن کو ڈرہم کا، نیل کو ونچسٹر کا، جکسن کو لندن کا اور مون ٹیگو کو چچسٹر کا اسقف مقرر کیا گیا۔ مین ویرنگ کو معقول وظیفہ عطا ہوا۔ اور جو لوگ ان سے اختلاف رکھتے تھے، انھیں کوئی ترقی نہیں ملی۔ شاہی الطاف و اکرام کے عوض میں لاڈ اور اس کے دوست پوری تن دہی سے بادشاہ کے اقتدار و امتیاز پر تقریر و تحریر کرتے تھے اور ادھر ستم رسیدہ کالونی فرقہ اب معترضین کے ساتھ مل گیا تھا۔ اس طرح سیاسی اور کلیسائی ناراضی نے ایک متحد فریق مخالف تیار کر دیا۔

وینٹ ورتھ

جن دنوں لاڈ لندن کا اسقف مقرر ہوا، اُسی زمانے میں وینٹ ورتھ نے دار العوام کے سرگروہوں سے قطع تعلق کر لیا۔ وہ یارک شر کے ایک پرانے خاندان کا آدمی تھا۔ ۱۵۹۳ء میں پیدا ہوا۔ کیمبرج میں تعلیم پائی اور بیرونی ممالک میں سیر و سیاحت کرنے کے بعد ادتھرہیم کے قریب اپنے دیہی مکان "وینٹ ورتھ وڈ ہاوس" میں رہنے سہنے لگا۔ یہاں وہ اپنے دیہاتی کاروبار میں مصروف رہتا یا شکار اور سپاہیانہ کھیلوں میں وقت گزارتا اور

ان سب کھیلوں میں طاق تھا وہ جیمس کے عہد کی کئی پارلیمنٹوں میں مبعوث منتخب ہوا لیکن زیادہ سرگرمی نہ دکھائی۔ حتیٰ کہ بکنگھم کی بدنظمی نے اُسے بھی جوش دلایا۔ وہ شروع سے ایک منظم اور کارروان حکومت کے قیام کا خواہاں تھا اسے پیوریٹن عقائد کی کچھ پروا نہ تھی اور بیکن کی طرح یہ بھی سمجھتا تھا کہ نیم خواندہ دارالعوام کی مداخلت سے ملک کو اتنا فائدہ نہ ہوگا جتنا باخبر وزرا کی عاقلانہ حکومت سے۔ معلوم ہوتا ہے اسے امید تھی کہ "معروضۂ حق" سے بے ضابطگیوں کا آئندہ سدباب ہو جائے گا اور وہ چارلس کو ایک اور موقع دینے پر آمادہ تھا۔ اسی لئے اس عرضی کے منظور ہونے پر وہ شمال میں چلا آیا اور "بیرن وینٹ ورتھ" کا نوابی خطاب قبول کر لیا۔ تھوڑے ہی دن میں اسے شمالی اضلاع کی مجلس کی صدارت دی گئی اور یہاں اس کی اعلیٰ انتظامی قابلیتوں کے جوہر کھلنے کا میدان ملا۔ وینٹ ورتھ، بکنگھم کے ساتھ مل کر کبھی کام نہ کر سکتا تھا کیونکہ اس کی قابلیتوں سے وینٹ ورتھ کو سخت سوئے ظن اور اس کی بیرونی حکمت عملی سے قطعی نفرت تھی۔ لیکن ۱۶۲۹ء میں بکنگھم کو جان فیلٹن نے پورٹس متھ میں مار ڈالا۔

محاصل درآمد برآمد

ادھر بادشاہ محاصل درآمد برآمد کو حسب سابق برابر وصول کر رہا تھا اور یقین رکھتا تھا کہ "معروضۂ حق" کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ ان محاصل کو روک دیا جائے جو اس کی آمدنی کا ایک رُبع تھے۔ لیکن مزاحمت بھی شروع ہو گئی تھی اور آلڈرمین چیمبرس مالگزاری کی کچہری میں لایا گیا تو اس نے جتایا کہ دنیا کے کسی حصے میں سوداگروں کو اس طرح نچوڑا اور چوسا نہیں جاتا، جس طرح انگلستان میں اور ترکی میں ان کے ساتھ انگلستان کی نسبت کہیں بہتر برتاؤ ہوتا ہے۔" یہ کلمات زبان پر لانے کے باعث وہ اسٹار چیمبر کی عدالت میں لایا گیا اور وہاں دو ہزار پاؤنڈ جرمانہ اور اعتراف قصور کرنے تک قید کی سزا ملی۔ مگر آفرین ہے چیمبرس پر کہ اس نے اس قسم کا کوئی اعتراف کرنا قبول نہ کیا۔

۱۶۲۹ء میں پارلیمنٹ کی میقات شروع ہوئی تو ارکان دارالعوام فوراً محاصل درآمد برآمد کے مسئلے پر متوجہ ہو گئے۔ مقررہ منظوری دینے میں سب سے بڑی رکاوٹ وہی اضافے کا پریشان کن قضیہ تھا جو بیس برس سے طے ہونے میں

نہ آتا تھا۔ اگر محاصل درآمد برآمد اپنی جگہ پر رہتے تو مصالحت کی صریحی صورت یہ تھی کہ ان کو علیٰ حالہ منظور کر لیا جاتا۔ مگر زیادہ اچھی شرطوں کے لالچ میں ارکان پارلیمنٹ منظوری دینے پر آمادہ نہ ہوئے اور پھر جلد ہی اسے چھوڑ کر مذہب کے قضیئے پر متوجہ ہو گئے جو محاصل سے بھی زیادہ ضروری نظر آتا تھا اس معاملے میں دارالعوام نے الیئٹ کی سرگروہی میں انتہائی پہلو اختیار کیا گویا اصلاح کلیسا کی پوری تحریک پر کوئی حملہ کیا جا رہا تھا انھوں نے سب سے زیادہ لے دے چارلس کے اس فرمان کی کی جس میں بادشاہ نے نزاعی مسائل پر خاموش رہنے کی ہدایت کی اور حکم دیا تھا کہ ارکان دین کے جو معنی اسقفوں نے بتائیے ہیں وہ بے چوں چرا قبول کر لئے جائیں۔ مگر ظاہری معقولیت کے باوجود حقیقت میں یہ آرمینی فرقے کے ہاتھ میں کھلونا بن جاتا تھا۔ اسی کے خلاف الیئٹ نے سخت احتجاج کیا اور لاڈ وموں ٹیگیو جیسے فرقہ پرستوں کی رائے کو آخری فیصلہ مان لینے کی تجویز پر خوب گرجا برسا۔ لیکن افسوس ہے کہ خود دارالعوام بھی عقائد کے معاملے میں قطعی فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا اور جس طرح اسقفوں کو اپنے مخالفین سے رواداری کرنے کا خیال نہ آتا تھا اسی طرح پیوری ٹن بھی اس جذبے سے عاری تھے۔ جس طرح لاڈ نے کالونی واعظوں کو عدالت تحقیقات میں طلب کر کے خوشیاں منائی تھیں، اسی قسم کا جذبہ دارالعوام کے ارکان میں ساری تھا جنھوں نے "آرمینی اور پاپائی بدعتوں کے بانیوں اور مویدوں" کو سزا دینے اور اُن کے مخالفوں کو کلیسائی عہدے دینے کا مطالبہ کیا، بہرحال چارلس اور عام رعایا کے درمیان جو خلیج تھی، روز بروز اس کی وسعت اور گہرائی ظاہر ہوتی گئی۔

محاصل درآمد و برآمد پر ارکان دارالعوام نے دوبارہ توجہ کی تو براہ راست حملہ کرنے کی بجائے انھوں نے محصول خانے کے عہدہ داروں سے بازپرس کرنی چاہی۔ لیکن یہ تدبیر بالکل نہ چلی کیونکہ چارلس نے اپنے ملازمین کے افعال کی پوری ذمہ داری خود لی اور دارالعوام کو ایک ہفتے کے لئے ملتوی کر دیا اور جب دوبارہ اجلاس شروع ہوا تو بادشاہ نے دوبارہ التوا کا حکم دیا۔ اس بار الیئٹ نے یہ حکم نہ مانا اور دوسرے ارکان بھی اُس کے ہمنوا ہو گئے۔ ہولز اور وے لن ٹائن نے

باب دوم

میر مجلس کو جبراً کرسی پر بٹھائے رکھا اور اصرار کیا کہ ایلیٹ کو بولنے کا حق ہے۔ پھر اس حالت میں کہ بادشاہی قاصد باہر دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا اور اندر عجب طرح کا جوش پھیلا ہوا تھا، تین قراردادیں منظور ہوئیں جن میں دارالعوام کی، اُس وقت کے دونوں اہم مسئلوں پر رائے مندرج تھی۔ ان کے الفاظ یہ تھے:-

۱۔ "جو کوئی مذہب میں نئی بات نکالے گا، یا تائید خاص کے ذریعے پاپائیت یا ارمینیت کی ترویج یا توسیع کرنی چاہے گا، یا اس قسم کی آرا کی جو مذہب حقہ و مسلمہ کے خلاف ہیں، تو وہ اس ملک اور دولتِ عامہ کا پکا دشمن کہلائے گا۔"

۲۔ "جو کوئی ایسے محاصل ور آمد بر آمد کے لگانے یا وصول کرنے کا جن کی پارلیمنٹ نے منظوری نہیں دی، مشورہ یا صلاح دے گا یا اس قسم کی وصولیابی میں شریک یا کارندہ بنے گا، وہ بھی نظم و نسق میں خرابی کا مرتکب اور ملک و دولت عامہ کا پکا دشمن کہلائے گا۔"

۳۔ "اگر کوئی تاجر یا کوئی دوسرا شخص اپنی خوشی سے دبے گا یا مذکورہ محاصل کو جن کی پارلیمنٹ نے منظوری نہیں دی ادا کرے گا، تو وہ بھی انگلستان کی آزادی بیچنے والا اور ملک کا دشمن کہلائے گا۔"

پھر دارالعوام برخاست ہوگیا۔ یہ قراردادیں اس کے بدترین اور بہترین پہلو ظاہر کرتی ہیں۔ اگر پہلی قرارداد پر عملدرآمد ہوتا تو مذہبی آزادی پارلیمنٹ کی حکومت میں بھی ایسی ہی غیر ممکن ہو جاتی جیسے لاڈ کے ماتحت ہوگئی تھی۔ مگر دوسری اور تیسری قرارداد نے خود رایانہ محاصل کی وہ گنجائش باقی نہ چھوڑی جو "معروضۂ حق" میں چھوٹی رہ گئی تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ چارلس تینوں میں سے ایک بات بھی ماننے والا نہ تھا۔ وہ لاڈ کو قربان کرنے پر آمادہ نہ تھا، اُس آمدنی کو جدوجہد کے بغیر چھوڑ سکتا تھا جو شاہانِ ماسبق سے بطریق مسلم اسے پہنچی تھی۔ اس نے پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا اور اپنی رائے کے مطابق ملک کو راستی پر چلانے کی خدمت ہاتھ میں لی۔ پہلا کام تو اس نے یہ کیا کہ ایلیٹ، ہولز، ڈے لن ظائن، اسٹروڈ، سلڈن اور دارالعوام کے پانچ دوسرے ارکان کو گرفتار کرا لیا۔ مجلس شاہی میں ان سے بازپرس ہوئی تو بعض نکر گئے

باب دوم

الیئٹ وغیرہ کی گرفتاری

اور بعض دب گئے۔ لیکن الیئٹ، وے لن ٹائن اور اسٹروڈ کی تائید سے یہ دلیری کی کہ جواب میں کہا کہ "میں جواب دینے سے انکار کرتا ہوں کیونکہ میرے نزدیک پارلیمنٹ میں جو کچھ ہوا ہے اس کے متعلق کچھ کہنا، پارلیمنٹ کی عزت کے خلاف ہے"۔ چارلس بہت بگڑا اور کہا کہ یہ شخص بالکل قانون سے باہر، جان مال سے ہاتھ دھوئے ہوئے ہے"۔ ملزمین کی طرف سے باضابطہ ضمانت پر رہا کئے جانے کی درخواست ہوئی لیکن اس کا فیصلہ لمبی تعطیل تک ملتوی کر دیا گیا اور اس تمام مدت میں یہ لوگ قلعۂ لندن میں محبوس رہے آخر میں عدالت شاہی سے الیئٹ پر دو ہزار پاؤنڈ، ہولز پر ایک ہزار مارک اور وے لن ٹائن پر پانسو پاؤنڈ جرمانہ ہوا۔ بعض ملزمین دب گئے لیکن الیئٹ وے لن ٹائن اور اسٹروڈ اڑے رہے۔ چارلس نے بھی رحم نہ کیا۔ وہ الیئٹ کو سرغنہ سمجھ کر سب سے زیادہ اسی سے ناراض تھا شاہی قیدیوں سے جو رعایتیں کی جاتی تھیں، وہ رفتہ رفتہ موقوف کر دی گئیں۔ اس کی صحت خراب ہونے لگی مگر دیہات میں جا کے رہنے کی درخواست نامنظور ہوئی اور جب وہ مرا تو اس وقت بھی خاص چارلس کے حکم سے اُسے اپنی خاندانی ہڑواٹر کی بجائے قیدخانے کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ اسٹروڈ اور وے لن ٹائن اپنی بات پر اڑے رہے اور وہ قصیر پارلیمنٹ، کے انعقاد کے قریب، کہیں ۱۶۴۰ء میں جا کے رہا کئے گئے۔ ان لوگوں کے استقلال کی اہمیت کا بہت کم معاصرین صحیح اندازہ کرتے تھے لیکن نسل ہا نسل گزرنے کے بعد قوم نے اعتراف کیا کہ الیئٹ حقیقت میں قومی شہید کا مرتبہ رکھتا ہے اور اسٹروڈ وے لن ٹائن پارلیمنٹ کی آزادئ عمل اور آزادئ تقریر کے سچے وکیل تھے۔ چارلس نے اُس وقت پارلیمنٹ کے ساتھ کام کرنے کا خیال ہی چھوڑ دیا تھا اور اب دیکھنا یہ تھا کہ آیا نظم ونسق کی خوبی سے وہ اپنی رعایا کو ایک مطلق العنان حکومت سے رضامند کر لینے کی قابلیت رکھتا ہے یا یہ کہ خود حالات اسے رفتہ رفتہ جبر وجور کی ایسی حکومت قائم کرنے پر مجبور کر دیں گے جس کا ابتداءً میں کوئی تخیل تک اُس کے ذہن میں نہ تھا۔

صلح کی حکمت عملی

الغرض ۱۶۲۹ء کی پارلیمنٹ کے برخاست ہونے کے بعد گیارہ سال تک

باب دوم

مطلق العنان حکومت کا دور دورہ رہا۔ اِس عہد کے ابتدائی حصے میں چارلس کا بڑا مشیر رچرڈ (لارڈ ویسٹن) تھا جس نے آگے چل کے ارل پورٹ لینڈ کا خطاب پایا اور اپنی وفات ۱۶۳۵ء تک وزیر خزانہ رہا۔ اسے بکنگھم نے ترقی دی تھی لیکن وہ اپنے سرپرست کی اولوالعزمانہ تجویزوں کا موئید نہ تھا، بیکس کی طرح وہ صلح کو ترجیح دیتا اور سخت کفایت شعاری سے مالیات کی حالت درست کرنی چاہتا تھا۔ اس کے اخلاق میں درشتی اور خودرائی تھی اور اس کے دوست معدودے چند تھے؛ عقائد کے معاملے میں بادشاہ کا رہ نما لاڈ تھا لیکن جب تک ایبٹ زندہ رہا اسے لنڈن کے اسقفی حلقے کے سوا، اور کوئی سرکاری اقتدار حاصل نہ تھا ونٹ ورتھ زیادہ تر شمالی اضلاع کے کاموں میں مصروف رہتا تھا مگر لارڈ ویسٹن (وزیر خزانہ) اور ونٹ ورتھ ہی کی صلاح سے اپریل ۱۶۳۰ء میں فرانس سے اور اسی نومبر میں اسپین سے صلح کر لی گئی۔ اس کے بعد بھی چارلس اس دُھن میں رہا کہ پیلے ٹی نیٹ کی ریاست فریڈرک کو واپس مل جائے اور کبھی اسپین سے مل کر اور کبھی فرانس کے ساتھ ہو کر ایسا ہو جانے کی امیدیں یکا تار رہا لیکن چونکہ برّاعظم کی لڑائیوں میں اُس نے کوئی خاص حصہ نہیں لیا لہذا مذکورۂ بالا دونوں ملکوں میں اس کی سلسلہ جُنبانی نگاہِ تحقیر سے دیکھی گئی۔

مالی دشواریاں وزیر خزانہ (لارڈ ویسٹن) کی کفایت کے باوجود خزانہ معمور نہ ہو سکا۔ بے شبہ محاصل درآمد و برآمد بھر ادا کئے جانے لگے کیونکہ سوداگروں کو تجارت کے بیٹھ جانے کا اندیشہ ہوا اور پارلیمنٹ کی طرف سے کسی اعانت کی امید باقی نہ رہی۔ صلح ہو جانے سے بھی خرچ میں بہت کچھ کمی ہو گئی۔ بایں ہمہ چارلس کے اسراف میں کمی نہ آئی اور ہنریٹا ماریہ بھی بقول اپنے شوہر کے، "بدانتظام گرہستن" تھی۔ لہذا ہر کام میں نظر اسی پر رہتی تھی کہ روپیہ خزانے میں کھینچا جائے۔ وصولی کی ان کوششوں کو، بہتر ہوگا کہ تین عنوانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ (اول) وہ کوششیں جو محض روپیہ فراہم کرنے کی غرض سے ہوئیں۔ (دوسرے) وہ جن کا ظاہری مقصد لوگوں کو فائدہ پہنچانا تھا اور (تیسرے) وہ جن سے تجارت کو فروغ دینا مقصود تھا۔ پہلے عنوان میں محاصل درآمد و برآمد کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ان کی وصولی کے متعلق شروع میں تو چارلس یہ عُذر کر سکتا تھا کہ میں وہی کر رہا ہوں جو الزبیتھ کی

وفات اور پارلیمنٹ کی باقاعدہ منظوری کے درمیان کے وقفے میں جیمس اول کا عمل تھا لیکن پارلیمنٹ نے آخری انفساخ سے قبل جو قرارداد منظور کی، اُس کے بعد مذکورۂ بالا عُذر کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ دوسری چیز خطاب مبارزی حاصل نہ کرنے کا تاوان تھا بے شبہ قانونِ رائج الوقت کے الفاظ کی رُو سے بادشاہ کو پورا حق تھا کہ ہر مبارز کو جس کی آمدنی چالیس پاؤنڈ سالانہ ہو، مبارزی خطاب (نائٹ ہڈ) قبول کرنے یا جرمانہ ادا کرنے پر مجبور کرے لیکن سو برس سے اس حق سے کام لینے کی نوبت نہیں آئی تھی اور چارلس نے اس پر اصرار کیا تو زمینداروں میں خواہ مخواہ ناراضی پیدا ہوئی۔ وصولِ زر کی غرض سے تیسری کارروائی یہ عمل میں آئی کہ جنگلوں کی از سرِ نو پیمائش کی گئی۔ منشوروں کی تصدیق کے بعد ہی ایڈورڈ اول نے ان کی حدود معین کر دی تھیں مگر چارلس کے قانونی مشیر اڑے ہوئے تھے کہ بہت سے قطعات جو ہنری ثانی کے زمانے میں جنگل تھے، اُس پیمائش میں چھوڑ دئے گئے اور اب جو لوگ ان اراضی پر قابض ہیں، انھیں استقرارِ ملکیت کے لئے تاوان بھرنا چاہئے اس کا اثر جنگل کی تمام اراضی کے زمینداروں پر پڑا اور، مثال کے طور پر، روکنگھم کا جنگل ہی ۶ میل سے بڑھا کے ساٹھ میل قرار دیا گیا۔ یہ سچ ہے کہ تاوان قلیل تھا اور ضبطی وغیرہ کی نوبت نہیں آتی تھی لیکن لوگوں کو بہت ناگواری ضرور پیدا ہوئی اور تاوانِ مبارزی کی طرح اس کارروائی سے نقصان بھی ایسے طبقے کو ہوا جو محاصل درآمد برآمد سے متاثر نہ ہوئی تھی اور جس پر شہر کے پیوریٹن عقائد کا بھی چنداں اثر نہ تھا۔

دوسرے عنوان کے تحت میں جو رقوم وصول کی گئیں ان کی یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ اُس زمانے کے خیالات کے مطابق ان کا مقصد اچھا تھا، اور وصولِ زر محض ایک ثانوی غرض تھی۔ دیہات کی ویرانی اور شہروں میں کثرتِ آبادی کی روک تھام اُس زمانے میں بھی ایسے ہی توجہ طلب مسائل تھے، جیسے آج کل ہیں۔ چارلس کے عہد میں سر انٹونی اوپر وغیرہ اشخاص پر جرمانے کئے گئے کہ انھوں نے دیہی مکان ڈھائے اور نیز قابلِ زراعت اراضی کو بنجر ہو جانے دیا تھا اور دوسری طرف اسٹار چیمبر کی عدالت

باب دوم

نے لندن کے عمارت سازوں اور کرایہ داروں سے بھی خوب ڈنڈ لیا کہ وہ شہر میں مکان بنائے چلے جاتے تھے یا حد سے زیادہ آدمیوں کو مکانوں میں ٹھیرا لیتے تھے۔

تجارت کی تنظیم اُن دنوں حکومت کے فرائض میں تسلیم کی جاتی تھی۔ اہل دربار کو اجاروں کا ملنا اس قدر نامقبول تھا کہ ۱۶۲۴ء میں اس کی ممانعت کر دی گئی لیکن کسی مشترکہ جماعت کو خاص تجارت یا صنعت تفویض کرنا ایسا معیوب نہ تھا۔ لوگ خیال کرتے تھے کہ شخصی مقابلے کی بجائے تجارت کسی مستند جماعت کے ہاتھ میں دے دی جائے تو مال اچھا ملے گا۔ لیکن چونکہ اس قسم کی جماعتیں اجارہ پانی کے عوض روپیہ دینے پر آمادہ رہتی تھیں، لہذا یہ وصولی کی بھی ایک نئی بنائی صورت تھی چنانچہ لندن میں کوئلہ بہم پہنچانے کا حق جہاز سازی کے جس کارخانے کو دیا گیا تھا اس سے اقرار تھا کہ گرمیوں میں سترہ شلنگ اور سردیوں میں انیس شلنگ فی ماتی "کال ڈرن" (= تقریباً ۲۰ من) نرخ سے کوئلہ فروخت کرے گا اور فی ماتی ایک شلنگ شاہی خزانے میں ادا کرے گا۔ صابون سازی کا اجارہ ایک دوسری جماعت کو دیا گیا تھا جو فی ٹن ۸ پونڈ نذرانہ ادا کرتی تھی۔ اسی طرح، نشاستہ، شراب، اینٹ وغیرہ مختلف اشیا کا انتظام کیا گیا تھا۔ مجموعی طور پر ان انتظامات سے فائدے کی نسبت نقصان زیادہ پہنچتا تھا اور تجارت پیشہ طبقوں میں اجاروں سے بہت ناراضی پیدا ہوتی تھی۔

آئرستان ۱۶۳۱-۳۲ء کے جاڑوں میں وینٹ ورتھ آئرستان کا نائب شاہ یا والی مقرر ہوا۔ ۱۶۱۵ء میں چیسٹر اس عہدے سے ہٹا تو سر اولی ورسن جن، اور ہینری کیری (= لارڈ فاک لینڈ) مقرر ہوئے اور انھوں نے چیسٹر کے نظم ونسق کی تقلید کی اور السٹر کی طرح ویکس فرڈ، لانگ فرڈ، ویسٹ میتھ اور لیسٹ رم کے پرگنوں میں انگریز آباد کار بسائے۔ ان والیوں کو بڑی دشواری یہ پیش آئی کہ فوج کے لئے کافی روپیہ وصول نہ ہوتا تھا اور فاک لینڈ کو تین سال کے لئے ۲۰ ہزار پونڈ اضافے کی منظوری بھی بادشاہ سے اسی شرط پر حاصل کرنی پڑی کہ اہل آئرستان کے ساتھ بعض رعایتیں کی جائیں۔ انھیں "مراحم خسروانہ" (= گریسز) موسوم کرتے تھے اور ان میں قابل ذکر یہ تین رعایتیں تھیں کہ (۱) افضلیت کے

باب دوم

حلف کی بجائے صرف حلف اطاعت لیا جائے (۲) گرجا میں حاضر نہ ہونے کا (ایک شلنگ) جرمانہ موقوف ہو اور (۳) ساٹھ سال کا قبضۂ اراضی بادشاہ کے دعاوی پر بھی فائق اور ملکیت کا کافی ثبوت تسلیم کیا جائے۔ یقین تھا کہ ان رعایتوں کی تصدیق پارلیمنٹ سے کرا دی جائے گی لیکن وینٹ ورتھ کے تقرر تک کوئی پارلیمنٹ منعقد نہیں ہوئی ؎

وینٹ ورتھ کا یہ عہدہ قبول کرنے سے منشا یہ ثابت کرنا تھا کہ لائق آدمی کے ہاتھ میں کامل اقتدار ہو تو وہ کیا کچھ کام کر سکتا ہے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ ملک کے فائدے کے لئے شخصی اغراض کو پس پشت ڈال دینا چاہئے۔ ہر شخص کا مطمح نظر یہ ہونا چاہئے کہ بہتر سے بہتر کام کرے اور دولت و جاہ کوئی شے قصورواروں کو سزا سے محفوظ نہ رکھ سکے۔ اس قسم کے نظم و نسق کو وہ "کامل" کہتا تھا گر یہ اصول کسی ملک میں سرکاری عہدہ داروں کی عادت سے شاید اتنا بُعد نہ رکھتے ہونگے جتنا آئرستان میں رکھتے تھے۔ جہاں فاک لینڈ کے جانے کے بعد سے ملک کا انتظام عہدہ داروں کی ایک ذیلی مجلس کے ہاتھ میں تھا اور وہ لوگ بقول وینٹ ورتھ کے "صرف اپنے فائدے سے کام رکھتے تھے۔ ان کا ایک نمونہ روبرٹ بوائل تھا جو ۱۵۸۸ء میں آئرستان کے ساحل پر اترا تو صرف ۲۷ پاؤنڈ جیب میں تھیں لیکن اب سرکاری ملازمت میں آئرستان کا سب سے بڑا زمیندار اور امیر کورک کے لقب سے ملقب ہو گیا تھا۔ ایسے لوگوں کی حکومت میں انتہائی بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ مالیات بالکل ابتری کی حالت میں تھے۔ فوج کا نام ہی نام تھا عمل کچھ نہ تھا اور سرکاری ملازمت ہی "بالائی آمدنی" اور خیانت و رشوت کے مرادف بن گئی تھی۔ وینٹ ورتھ نے سب سے پہلے ان اوزاروں کو درست کیا جن سے وہ آئندہ اپنی حکمت عملی کے مطابق کام لینا چاہتا تھا۔ یہ حکمت عملی اُس زمانے کے سبھی انگریزوں کے نزدیک اس عقیدے پر مبنی تھی کہ آئرستان کی نجات صرف اس طرح ممکن ہے کہ وہاں کی کیتھولک اور قلطی آبادی کو پروٹسٹنٹ انگریزوں کے عقائد و عادات اختیار کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ فرق یہ ہے کہ دوسرے انگریز اس کام کو خود غرضی اور ذاتی نفع کے لالچ میں کیا کرتے تھے اور وینٹ ورتھ نے اس کو ملک کے حق میں بہتر

باب دوم

سمجھ کر اپنی جان لگا دی۔ اس کے عام مقاصد یہ تھے کہ آئرستان کے عوام کو مادی خوش حالی کے راستے دکھا کر خوش حال بنایا جائے۔ اور تعلیم اور پروٹسٹنٹ عقائد کی ترویج سے ان کی اخلاقی اور قومی حالت سنواری جائے۔ وہ امید کرتا تھا کہ اس کی حکومت سے ملک کی حالت چند سال میں ایسی بدل جائے گی کہ پھر کوئی شخص زمانۂ سابق کے حالات کو واپس لانے کی تمنا نہ کرے گا۔

وینٹ ورتھ کی اصلاحات

وینٹ ورتھ نے سب سے اول تو فوج کی از سر نو تنظیم کی۔ ایک ایک سپاہی سے خود ملا۔ باقاعدہ تنخواہ ملنے کا انتظام کیا اور سردار و سپاہی سب کو ضابطے کا پابند بنایا۔ سمندروں میں بحری قزاقوں کی کثرت تھی۔ یہ دیکھ کر وینٹ ورتھ نے اپنی جنگی کشتیاں خود تیار کرائیں اور بہت جلد جہاز رانی کو محفوظ کر دیا **ہالینڈ** سے پٹ سن منگا کے آئرستان میں رائج کیا اور اسی ملک کے جلاہے بلوا کے پٹ سن کے کاتنے اور بننے کی تعلیم دلوائی۔ خود اپنا روپیہ پیشگی دے کے توپ سازی کا کارخانہ بنوایا اسے آرزو تھی کہ آئرستان اور انگلستان اپنی ضروریات میں ایک دوسرے سے ایسے وابستہ ہو جائیں کہ انھیں باہمی تعلق سرسبزی اور خوشحالی کی ضمانت نظر آئے۔ آئرستان، انگلستان کا کپڑا خریدے۔ انگلستان آئرستانی مل مول لے۔ انگلستان کے تاجر اپنے جہازوں کی رسد رسانی آئرستانی گلوں کے گوشت سے کریں جسے چیشر کے نمک سے محفوظ کیا گیا ہو۔ اور آئرستان کے کارخانے والے نمک پر جو محصول ادا کریں وہ شاہی مداخل کی توفیر کا موجب ہو۔

اخلاقی درستی کی غرض سے وینٹ ورتھ اصلاح کلیسا کی طرف متوجہ ہوا۔ جب وہ آیا تو آئرستان کے پروٹسٹنٹ مذہب کی حالت انتہا درجے خراب تھی۔ گرجے شکستہ حالت میں پڑے تھے۔ اُن کی اراضی جو مصارف کی کفیل ہوتیں، امیر کورک جیسے لوگوں کے ہاتھ میں آگئی تھیں اور، مثال کے طور پر، یہی امیر کلیسائے لِسمور ہی کی اراضی سے جس پر اس نے صرف بیس پاؤنڈ دے کے قبضہ حاصل کر لیا تھا) ایک ہزار پاؤنڈ سالانہ وصول کرتا تھا۔ ایک پادری کی حقیر سی تنخواہ کے واسطے کئی کئی معاشول کو ملانا پڑتا تھا اور محصول عشر کی کلیسائی آمدنی کی بادشاہ اور غیر کلیسائیوں نے طرح طرح سے تکابوٹی کر رکھی تھی۔ پادریوں میں بہت کم لوگ آئرستانی زبان بول سکتے تھے اور ایسے،

باب دوم

جنھیں اپنے برائے نام حلقے والوں سے کوئی محبت یا ہمدردی ہو، تعداد میں اور بھی کم تھے۔ ڈبلن کے ایک گرجا میں گھوڑے باندھے جاتے تھے۔ ایک کسی کا خانگی مکان بن گیا تھا اور چند ہی روز پہلے کلیسائے ڈبلن کی بلند قربان گاہ پر امیر کورک نے اپنی بیوی کی ایک لمبی چوڑی یادگار بنوا دی تھی۔ اسقفوں میں صرف بیڈل ملکی زبان بول سکتا تھا۔ اس کے کلیسا میں نماز اسی زبان میں ادا کی جاتی اور اس کے حلقے میں پروٹسٹنٹ عقائد کو بھی فروغ ہو رہا تھا۔ مگر صرف اس حلقے کی اتنی اچھی حالت سے باقی جزیرے کی زبوں حالی اور بھی نمایاں ہو جاتی تھی۔ مدت دراز کی ان خرابیوں کو دور کر دینا ایک شخص کی زندگی میں ممکن نہ تھا۔ تاہم وینٹ ورتھ سے جو ہو سکا، وہ اس نے کیا۔ ڈبلن کے گرجوں کو صاف کرا کے پھر عبادت گاہیں بنایا۔ کلیسا کے حجروں میں تماکو فروشوں نے دکانیں کھول رکھی تھیں، وہ ہٹوائیں۔ امیر کورک کو مجبور کیا کہ اپنی بیوی کی یادگار عمارت کے کسی اور حصے میں منتقل کرائے۔ عشر کی آمدنی جو سرکار کے حصے میں آتی تھی، کلیسا کے حوالے کی۔ بیڈل کی ہمت افزائی کی کہ انجیل کا ترجمہ جس کا آغاز چیسٹر نے کیا تھا، تکمیل کو پہنچائے۔ علمائے کلیسا پر بھی زور دیا کہ مذہب کے عقائد و ارکان زیادہ صاف طور پر پروٹسٹنٹ عقائد کے مطابق بنائیں۔

مجلس ملکی

آئرستان کی ملکی مجلس (یا پارلیمنٹ) سے وینٹ ورتھ کا معاملہ اتنا اچھا نہیں رہا۔ ان دنوں یہ مجلس قوم کی نیابت کا ادعا بھی نہ رکھتی تھی۔ اس کے ارکان صرف طبقۂ اعلیٰ کے وکیل تھے اور اس میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقے بھی سخت اختلاف رکھتے تھے اور یہ فرق گویا پرانے اور نئے آبادکاروں کے اختلاف عقائد کا آئینہ تھا۔ مجلس منعقد ہوئی تو پروٹسٹنٹ فریق کی اکثریت سے وینٹ ورتھ نے سرکار کے واسطے ایک بڑی رقم منظور کرا لی اور پھر اسے اطلاع دی کہ "مراحم خسروی" کی تصدیق آئندہ میقات سے پہلے نہ ہوگی۔ دوسری میقات میں بھی اس نے اعلان کیا کہ انھیں کافی رد و بدل کے بغیر منظور نہیں کیا جا سکتا اور سب سے اہم تبدیلی اس مجوزہ رعایت میں کی جس میں حق ملکیت کا مطالبہ تھا۔ لوگ بگڑتے ہی رہے، وینٹ ورتھ نے کسی کی نہیں سنی، نہیں، نہ سنی اور پروٹسٹنٹوں کی اکثریت سے خود اپنے مرتب کیے ہوئے متعدد قوانین منظور کرا لیے جن سے ملک کے حالات میں

باب دوم

اصلاح و بہتری کی توقع تھی۔

ڈینٹ ورتھ کے حق میں بڑی خرابی یہ ہوئی کہ اس کی کارروائیوں سے کورک جیسے پرانے عہدہ دار بہت جلے اور ادھر آیندہ اس نے جو حرکت کی، اس کی وجہ سے ڈینٹ ورتھ کو نیک نامی بھی حاصل نہ ہو سکی۔ لارڈ مونٹ مورس کے ساتھ یہ برتاؤ کہ عہدے سے علٰحدہ کرنے کی غرض سے، فوجی عدالت نے اس کے لئے سزائے موت تجویز کی، اہل آئرستان میں ڈینٹ ورتھ کی اصلاحی تدابیر کے خلاف طاقتور دشمن پیدا کرنے کا موجب ہوا۔ اب لوگوں کو نظر آگیا کہ حق ملکیت کو تسلیم نہ کرنے سے انگریز والی کا اصلی مطلب یہ تھا کہ کوناٹ میں جہاں بادشاہ کو بہت قدیم حق حاصل تھا، انگریز آبادکار بسائے جائیں۔ بے شبہ، ڈینٹ ورتھ کو یقین تھا کہ اگر اس علاقے میں انگلستان کے لوگ آباد کر دیے جائیں گے اور باقی اراضی لوگوں کی انفرادی ملکیت میں دے دی جائے گی تو مروجہ مشترکہ ملکیت کے طریقے کی بجائے، یہ زیادہ مفید طریقہ ہوگا۔ لیکن اس نے یہ حقیقت ملحوظ نہ رکھی کہ قلطی باشندوں کو مشترکہ ملکیت نہایت عزیز ہے اور یہ لوگ انگریز زمیندار کے معینہ وقت پر مالیہ وصول کرتے رہنے کی نسبت اس بات کو زیادہ گوارا کرتے ہیں کہ اُن کے چودھری بار بار گو بلا تعین وقت کہیں زیادہ رقمیں وصول کر لیا کریں۔ مزید براں کوناٹ میں حقوقِ ملکیت میں مداخلت کرنے سے خود چارلس کے وعدے کی خلاف ورزی تھی اور اس کے معنی یہ تھے کہ پھر کسی مالک زمین کو اپنے حق پر اطمینان نہ ہو سکتا تھا، بایں ہمہ ڈینٹ ورتھ اپنی تجویز پر عمل کئے گیا حتیٰ کہ ۱۶۳۹ء میں اس کی توجہ دوسرے واقعات نے اپنی طرف منعطف کرا لی۔

کوناٹ کی آبادکاری

واضح ہو کہ جن دنوں ڈینٹ ورتھ آئرستان میں یہ "کامل" کے انتظامات کر رہا تھا چارلس اور لاڈ انگلستان میں اپنی حکمت عملی پر عمل پیرا تھے اور مطلق شبہ نہ رکھتے تھے کہ انھیں بالآخر کامیابی نصیب ہوگی۔ ملکی اور مذہبی دونوں قسم کے معاملات میں رائے عامہ کے اظہار کو سختی سے دبایا جاتا تھا اور اس میں بادشاہ کے آلۂ کار اسٹار چیمبر اور صدر نظارت کی عدالتیں تھیں۔ پہلی عدالت کا جس وقت تک سرکش رعایا کے مقدمات یا خانگی تنازعوں سے سابقہ رہا،

عدالت "اسٹار چیمبر"

باب دوم

وہ بہت جلد اور اچھا کام کرتی رہی کیونکہ وہ مجلس شاہی کے دو ارکان اور عدالت شاہی کے اور عدالت عامہ میرانِ عدل پر مشتمل ہوتی تھی اور ان دونوں کی قانونی واقفیت مجلسی ارکان کی عام تجربہ کاری سے مل کر انصاف رسی کی خاطر خواہ کفیل ہوتی تھی چنانچہ بہت لوگ معمولی عدالتوں کی بجائے اس عدالت میں اپنے مقدمات پیش کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ لیکن جس وقت سے اس عدالت میں وہ ملزم پیش ہونے لگے جن پر شاہی وزرا کے خلاف ہنگامہ مچانے کا الزام تھا، تو پھر یہ عدالت بے لاگ دادرسی کی بجائے، صریحی طرفداری کرنے لگی۔ اسی طرح صدر نظارت کی کچہری میں پادریوں کی اخلاقی غلط کاریوں یا ازدواجی بدعنوانیوں کی روک تھام کا کام تو بخوبی انجام پاتا رہا لیکن جب کبھی موریٹن فرقے یا کسی ایسے مصنف کا مقدمہ پیش ہوا جو عدالت کے ارکان اسقفوں کے عقائد کا مخالف تھا، تو پھر عدالت کی نوعیت بھی کچھ اور ہو گئی۔ دوسرے ان عدالتوں کے خاص اختیارات، ملزمین سے جرح کرنے کا حق اور بغیر جیوری کے فیصلہ کرنے کا طریقہ، رفتہ رفتہ جور و استبداد کا ہتھیار بن گیا۔ مگر انصاف شرط ہے، یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس قسم کے مقدمات کی تعداد نسبتہً بہت کم ہوتی تھی اگرچہ یاد وہی زیادہ رہتے تھے، جو اس نوعیت کے ہوتے تھے۔

اس قسم کے مقدموں میں آلڈرمین چیمبرس کا معاملہ پہلے ہماری نظر سے گزر چکا ہے۔ ایک اور مثال ڈاکٹر لے ٹن کی ہے جو اصل میں اسکاٹ لینڈ کا باشندہ اور پرس بی ٹیرین مذہب کا آدمی تھا۔ وہ لندن میں طبابت کرتا اور آباد ہو گیا تھا اور سنہ ۱۶۲۸ء میں اس نے پارلیمنٹ میں ایک عرضی پیش کی تھی کہ کلیسائی حکومت کا بالکل انسداد کر دیا جائے۔ اسی مضمون کو اس نے تفصیل سے ایک کتاب (Zion's plea against prelacy) میں تحریر کیا اور اس میں اسقفوں پر بہت بے اعتدالی سے حملے کئے۔ بکنگھم کو "جالوت" ہنریتا ماریہ کو حطی کنعانی مشرکہ وغیرہ ناموں سے موسوم کیا۔ اس کی حمایت میں صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ آزادی رائے کا بڑا استعمال بھی آگے چل کر آزادی کو روک دینے کی نسبت بہتر ہے۔ مگر یہ اصول چارلس کے زمانے سے کہیں بعد کا ہے، اس وقت تو لے ٹن کو باندھ کے کوڑے مارے گئے اور تشہیر کرا کے کان کٹوا دئے گئے۔ سنہ ۱۶۳۴ء میں ولیم پرین کا معاملہ اسٹار چیمبر کی عدالت

باب دوم

میں پیش ہوا۔ یہ نہایت ذہی علم وکیل مگر ذوق سلیم سے بالکل عاری تھا۔ اس نے "وبائے ناٹک" کے نام سے ایک کتاب چھاپی تھی جس میں بے شبہ اپنے بہت سے ہم خیالوں کی یہ رائے ظاہر کی تھی کہ ایسے سانگ تماشے بالکل مخرب اخلاق ہیں۔ ناٹک کے اخلاقی اثرات پر کئی سال سے بحث مباحثے چل رہے تھے اور اس میں شک نہیں کہ شیکسپیر کے زمانے کے بعد اس فن کی حالت بہت گر گئی تھی۔ لیکن چونکہ بادشاہ اور ملکہ ہمیشہ ناٹک دیکھنے جایا کرتے تھے، اور ہنریٹا نے خود کبھی ایک سانگ میں حصہ لیا تھا، لہذا پرین کا خصوصیت سے تماشا کرنے والی عورتوں کی مذمت کرنا، بڑی ناگواری کا موجب ہوا۔ پرین کو عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ لیکن اُن اور وکالت کے طبقے سے خارج، یونیورسٹی کی سند سے محروم اور سر بازار مشتہر کیا گیا اور دونوں کان کٹوا دئے گئے۔ مگر معلوم ہوتا ہے اس فیصلے سے کچھ زیادہ جوش و خروش پیدا نہیں ہوا کیونکہ پرین کی تحریر حقیقت میں شرمناک تھی۔ اور ملٹن جیسے کٹّے مذہبی نے اپنی "کومس" میں ایک عورت کو حصہ دار بنا کے گویا ثابت کر دیا کہ ڈراما سے اچھے بُرے دونوں قسم کے اخلاق کا سبق دیا جاسکتا ہے۔

۱۶۳۳ء میں لاڈ کینٹربری کا صدر اسقف مقرر ہوا۔ اس ترقی نے اُسے وسیع تر حلقے میں کام کرنے کا موقع بہم پہنچایا اور چونکہ انھی دنوں کسقفی پر اسقفی خالی ہوتی رہی لہذا اس نے اپنے دوستوں کو ان عہدوں پر ترقیاں دیں۔ نیل، یارک کا صدر اسقف، اینن نارج اور کچھ روز بعد ایلی کا اسقف مقرر ہوا۔ اور لاڈ کی جگہ لندن کی اسقفی جکسن کو ملی۔ زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ جیمس اول کے پرانے رفیق ولیمز (لنکن) کے سوا اور کوئی اُسقف جو پیوری ٹن عقائد کی طرف مائل تھا، نہ رہا۔ ان عقائد کے علما اور کلیسائی عمال کو لاڈ نے صدر نظارت کی مدد سے سختی کے ساتھ اپنے طریقے کا پابند بنایا اور اُن لوگوں کی حمایت لی جو اتوار کی سہ پہر کو سیر تفریح میں گزارنے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ جیمس کی کتاب دوبارہ شائع کی جس میں اتوار کی سہ پہر کو تیر اندازی رقص اور دوسری جسمانی ورزشیں کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اور پادریوں کو مجبور کیا کہ وہ ہمخیال ہوں یا نہ ہوں، اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں۔ لاڈ کے اس فعل نے پیوری ٹن فرقے کو بالکل دہشت زدہ کر دیا۔ لیکن اُس کے ذاتی اخلاق یا حسن نیت

باب دوم

کے متعلق حرف رکھنے کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے اگرچہ اُس کے جوش میں ہمدردی یا مصلحت شناسی کا عنصر مطلق موجود نہ تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اسے رتبہ وجاہ کا پاس کرنے کی ضرورت نہ تھی اور بداخلاقی کا جو کوئی امیر ارتکاب کرے، وہ بھی اتنا ہی قابل مذمت تھا، جتنا کوئی دہقانی۔ گرجوں میں تہذیب و باقاعدگی پیدا کرنے کی کوشش بھی قابل اعتراض نہ ہو سکتی تھی لیکن لاڈ یہ نکتہ بھول گیا کہ اس قسم کی سختیاں اُسی وقت چل سکتی ہیں جب کہ رائے عامہ اُن کے ساتھ ہو۔ دوسرے پیوری ٹن فرقے کے علما کو اُس نے بگاڑ لیا جو رسوم ظاہری میں اختلاف کے باوجود اخلاقی اصلاح کا اتنا ہی جوش رکھتے تھے جتنا لاڈ کو تھا۔ مگر اب یہ لوگ بھی دوسری نامطمئن جماعتوں سے جا ملے اور صدر اسقف کے زوال کا راستہ تیار ہونے لگا۔ وہ عقائد کے مسئلے چھوڑ کر صرف اعمال کی درستی کا بیڑا اٹھاتا، یا اعمال کی طرف سے آنکھیں بند کرکے درستی عقائد کو نصب العین بناتا، تو کامیابی ممکن تھی۔ لیکن دونوں قسم کی خرابیوں سے بیک وقت جنگ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاڈ کے انتظامات ہر طرف نامقبول ہو گئے اور ان پر اعتراض کرنے والوں کے مویدین کی تعداد بہت بڑھ گئی۔

لاڈ نے جبر کے جو طریقے اختیار کئے ان میں سے ایک نشر و اشاعت کتب کا احتساب تھا کہ کوئی کتاب جو اس کے خیالات سے مطابقت نہ رکھتی ہو، طبع کی اجازت نہ پا سکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خفیہ مطابع قائم ہونے لگے اور لوگوں نے ہولینڈ بھیج بھیج کر

پرین۔ برٹن اور بیسٹ وک

کتابیں چھپوائیں۔ اس کاغذی جد و جہد کے سرغنہ تین شخص تھے۔ ایک تو پرین، دوسرے لندن کا ایک پادری ہینری برٹن جو دربار کا پیش امام رہ چکا تھا اور تیسرے کولچسٹر کا ایک طبیب بیسٹ وک۔ اور یہ تینوں کلیات کے تعلیم یافتہ تھے ۱۶۳۷ء میں تینوں اسٹار چیمبر عدالت میں پیش ہوئے۔ پرین سے دو کتابوں کے متعلق مواخذہ ہوا۔ ایک تو (A Divine Tragedy lately Acted) تھی جس میں اُن اشخاص کی اتفاقیہ ناگہانی موت کی مثالیں فراہم کی تھیں، جنھوں نے یوم السبت کی حرمت نہیں کی اور بادشاہ کے "کھیل کود کے فرمان" سے ان حادثات کا تعلق دکھایا تھا۔ دوسری کتاب "اخبار اپس وچ" میں اسقفوں پر الزام لگایا تھا کہ وہ دیدہ و دانستہ پاپائیت کے ترویج کر

کار استہ تیار کر رہے ہیں۔ برٹن نے دو وعظ شائع کئے تھے جن میں لاڈ کے خاطرخواہ رسموں پر سخت حملہ تھا۔ اور جان بیسٹ وک نے اپنے اوراد مرتب کئے تھے جن میں یہ مناجات بھی تھی کہ "خدایا ہمیں اسقفوں، پادریوں اور متولیوں سے نجات دے" ان لوگوں سے عدالت برافروختہ ہوئی اور وحشیانہ سزائیں دیں، تو یہ کچھ حیرت کی بات نہ تھی۔ چنانچہ تینوں کے کان کٹوائے گئے (پرین کے پہلی دفعہ کاٹے جانے کے باوجود تھوڑے بہت باقی تھے) کاٹھ میں دے کے کھڑا رکھا گیا، اور جرمانے کے علاوہ کارنارون وغیرہ مقامات پر قید کیا گیا کہ دوست احباب سے دور رہیں پہلی مرتبہ پرین سزایاب ہوا تو کوئی خاص ہمدردی نہیں کی گئی تھی مگر اب تینوں کو قومی فدائی سمجھا گیا اور ہامی گیٹ تک ایک لاکھ آدمیوں نے برٹن کی مشایعت کی۔ بعد قید خانوں میں بھی انھیں دوست مل گئے اور آخر چارلس نے ان قیدیوں کو جزائر رود بار میں بھیجدیا کہ اپنے ہم خیالوں سے اور بھی دور ہو جائیں۔ عامۃ الناس ان لوگوں کے صرف خیالات کے ہمنوا نہ تھے بلکہ حقیقت میں اس حیثیت کے ذی علم اشخاص کا کاٹھ میں دیا جانا اور تشہیر ان گروہوں میں بھی اشتعال کا موجب ہوئی جنھیں پیوریٹن عقائد کی ہوا بھی نہ لگی تھی۔

زر جہازی

ادھر حکومت کی وصول زر کی تدابیر ایسے طبقے کو غصہ دلا رہی تھی جو اُن سے کہیں زیادہ تھے، جنھیں لاڈ کے مذہبی استبداد نے مخالف بنا لیا تھا۔ یہ رواج قدیم سے چلا آتا تھا کہ جنگ کے زمانے میں شاہی بیڑے کی امداد کے لئے بندرگاہوں سے جہاز یا کشتیاں لی جاتی تھیں۔ بری مقامات اصولاً مستثنیٰ ہوتے تھے لیکن الزبتھ نے لیڈز، ہیلی فیکس اور ویک فیلڈ والوں سے بھی چاہا تھا کہ بندرگاہ ہل کے جہاز فراہم کرنے میں اعانت کریں۔ بہر حال، واقعی جنگ کے سوا اور کبھی اس قسم کا مطالبہ نہیں ہوتا تھا لیکن اب سنہ ۱۶۳۴ء میں چارلس اور اس کے مشیروں نے فیصلہ کیا کہ امن کے باوجود جنگی جہازوں کی تعداد بڑھانی چاہیئے۔ اس حد تک تو فیصلہ غالباً واجبی تھا کیونکہ ولندیزی بیڑے کی قوت انگریزی تجارت کے حق میں خطرناک ہوئی جاتی تھی اور بحری قزاقی بھی عام تھی۔ لیکن اس صورت میں بھی آئینی اصول یہ تھا کہ صورت حال کو پارلیمنٹ کے سامنے بیان کیا جائے۔ اس کارروائی

باب دوم

کا مشورہ وکیل شاہی نوے نے دیا تھا جس کی نسبت کلے رنڈن لکھتا ہے کہ وہ "اس قانون کے بنانے پر نازاں تھا حالانکہ اور سب اسے قانون ہی نہ سمجھتے تھے"۔ ان دنوں چارلس کے دل کو لگی ہوئی تھی کہ ولندیزوں کے مقابلے کے لئے اسپین سے اتحاد کر لیا جائے مگر چونکہ اس ارادے کو وہ اپنی شاہی مجلس میں ظاہر کرنے کی جرات نہ رکھتا تھا۔ لہذا اس نے حیلہ یہ بنایا کہ بحری قزاقوں سے حفاظت کے واسطے روپیہ درکار ہے اور واقع میں وہ ساحلوں پر کثرت سے تھے اور انھی دنوں انھوں نے ڈینٹ ورتھ کا اسباب جو چیسٹر سے ڈبلن جا رہا تھا، لوٹ لیا تھا۔ شاہی طلب نامے ساحلی مقامات کے نام جاری ہوئے تھے۔ لندن کے تاجروں نے تھوڑی سی قیل وقال تو کی لیکن روپیہ ادا کر دیا اور انھی کی پیروی دوسرے شہروں نے کی۔ اسی زمانے میں پہلے نوے اور پھر ۱۶۳۵ء کے اوائل میں لارڈ ویسٹن (ایرل پورٹ لینڈ) نے وفات پائی۔ خزانے کا انتظام ایک جماعت کے سپرد ہوا جس میں لاڈ سب سے ممتاز تھا اور تھوڑے دن بعد وزیر خزانہ کی خدمت جکسن کو مل گئی۔ زر جہازی کے پہلے دفعہ ملنے میں کوئی حجت نہ ہوئی تو دوبارہ اسے وصول کرنے کا خیال آیا اور ۱۶۳۵ء میں پھر طلب نامے نہ صرف ساحلی بلکہ بری شہروں کے نام بھی جاری کئے گئے اور عام تیاریوں کے سوائے جن میں ہاتھ بٹانا ہر شخص کا فرض بتایا گیا تھا، وصولی کی اور کوئی خاص وجہ تحریر نہ تھی۔ مطلوبہ رقم زیادہ نہ تھی لیکن اب لوگوں کو نظر آنے لگا کہ یہ نظیر قائم ہوئی تو بادشاہ کو پارلیمنٹ طلب کرنے کی ضرورت نہ رہے گی اور وہ اخراجات بے نگرانی سے اتنا ہی آزاد اور لوگوں کے مال متاع کا اسی طرح مالک ہو جائے گا جس طرح فرانس کا بادشاہ تھا۔

تیسری وصولی

روپیہ تو ادا کر دیا گیا مگر قیل وقال کی آوازیں زیادہ بلند ہونے لگیں اور لوگ چرچا کرنے لگے کہ بادشاہ کا یہ فعل انگلستان کے بنیادی قوانین کی خلاف ورزی ہے۔ اس عرصے میں ایک نئی فہرست شرح شائع ہوئی جس کی رو سے کل محصول میں بقدر دس ہزار پونڈ کے، اضافہ ہو جاتا تھا۔ دوسرے صاف معلوم ہوتا تھا کہ بادشاہ بسرعت رعایا کی جیبوں کا پورا اختیار ہوتا جاتا ہے۔ اگلے سال تیسری بار تازہ طلب نامے جاری ہوئے تو عام ناراضی کا طوفان بھی اور بڑھا۔ امراء، متوسطین اور عوام سب اسی محصول کے خلاف متحد ہو گئے۔ روبرٹ رچ (امیر وارک) نے

باب دوم

لکھا کہ اسیکس کے باشندے "دو آزادیٔ عوام کے اتنے نمایاں معارض" پر بآسانی رضامند نہ ہونگے۔ لارڈ سائے، سیل اور بکنگھم کے ایک نوجوان زمیندار مسمی جان ہیمڈن نے ارادہ کر لیا کہ محصول کے جواز کی قانونی عدالت میں آزمائش کی جائے۔ بایں ہمہ بادشاہ کی آنکھیں سب خطرات کی طرف سے بند تھیں، اور ارکان عدالت کی اس رائے کے بھروسے پر کہ "دو سلطنت خطرے میں ہو تو بادشاہ زرجہازی وصول کر سکتا ہے" وہ روپیہ وصول کرتا رہا اور پے لے ٹی ڈینٹ کو دوبارہ لینے کی تیاریاں کیں۔ اس کی صورت یہ سوچی کہ خود اسپین پر سمندر میں حملہ کرے اور فرانس خشکی کی طرف سے حملہ آور ہو، اس وقت تک وینٹ ورتھ سے بادشاہ نے کوئی مشورہ نہیں لیا اگرچہ والی آئرستان کی لاڈ سے برابر خط کتابت تھی۔ اس کی رائے نہیں طلب کی گئی تاہم جواب میں اس نے زرجہازی وصول کرنے سے اتفاق کیا بلکہ یہاں تک خواہش ظاہر کی کہ چارلس اس طریقے کو وسیع کرے تاکہ فوج بھی فراہم ہو جائے۔ اس جواب کے صاف معنی یہ تھے کہ وہ بھی بادشاہ اور لاڈ کا پوری طرح ہم خیال ہے اور گو اس کا مراسلہ راز میں تھا، تاہم لوگوں نے وجدانی طور پر مذہب و ملک دونوں کی نئی حکمت عملی میں لاڈ اور وینٹ ورتھ دونوں کو شریک سمجھا تو یہ کچھ غلط نہ تھا۔

دسمبر ۱۶۳۷ء میں ہیمڈن کا مقدمہ مالگزاری کی عدالت میں پیش ہوا۔ اس جن اور ہوبرن اس کے وکیل تھے۔ انھوں نے حجت پیش کی کہ گو فوری ضرورت میں بادشاہ کا خود یہ فیصلہ کرنا کہ خطرے کی سنگینی زرجہازی کی متقاضی ہے، بجا ہوگا لیکن اس کی مناسب صورت یہی ہے کہ پارلیمنٹ کے ذریعہ محصول عائد کیا جائے اور موجودہ حالت میں کوئی فوری ضرورت نہیں پائی جاتی کہ کوئی "دوسرا طریقہ" کار اختیار کرنا جائز سمجھا جائے۔ بارہ ارکان میں سے سات نے بادشاہ کے موافق رائے دی۔ کروک، ہٹن اور ڈین ہم اصل معاملے کی بنا پر ہیمڈن کے موید تھے اور باقی دو فنی دلائل سے اس کے ساتھ ہو گئے۔ بہر حال محض قلیل اکثریت کی وجہ سے چارلس مقدمہ جیت گیا۔ گو لوگوں کو یہی محسوس ہوا کہ ہیمڈن کے وکیلوں کی دلائل غالب رہیں۔ فیصلہ کا فیصلہ یہ تھا کہ ایسے "تمام قوانین پارلیمنٹ بھی باطل ہیں جن کے ذریعے سے بادشاہ پر رعایا، اور ان کی جان مال اور میں کہتا ہوں کہ ان کے روپے پر اقتدار رکھنے میں، قیود عائد کی گئی ہوں لارڈ کلے رنڈن

باب دوم

کہتا ہے کہ فنچ کی اس رائے سے زرجہازی سے لوگوں کی نفرت و وحشت اتنی بڑھی کہ شاہی مجلس کے تمام حکمناموں اور عمال کی قرقیوں سے بھی پیدا نہ ہوئی ہوگی اسی طرح برکلے کا قول کہ "قانون کسی ایسی حکمت عملی کو نہیں تسلیم کرتا جو بادشاہ کے اس طرح لگام چڑھا دے۔" بچے بچے کی زبان پر تھا۔ بایں ہمہ چارلس پھولا نہ سمایا۔ کیونکہ اب انعقاد پارلیمنٹ کا کھٹکا نہ تھا لاڈ کی حکمت عملی پر کوئی آفت نہ آسکتی تھی آمدنی میں کمی کا اندیشہ بھی باقی نہ رہا اور بادشاہ نے تاکید کی تمام باقیات فوراً وصول کی جائیں کچھ روز تو حقیقت میں یہ معلوم ہوتا تھا نیابتی حکومت ہی کا خاتمہ ہو گیا۔

نوآبادیاں

پارلیمنٹ کے انفساخ ۱۶۲۹ء کے وقت سے انگلستان میں تو یہ پریشانیاں پھیل رہی تھیں اور ادھر امریکہ کی نوآبادیاں تیز تیز ترقی کر رہی تھیں نیو پلی متھ کے آباد کار ادنی درجے کے لوگ تھے لیکن ۱۶۲۹ء میں اچھے رتبے کے آزاد خیالوں کی ایک جماعت نے ارادہ کیا کہ اپنی بستی الگ بسائیں جہاں مذہب اور اور سیاسیات دونوں میں انگلستان کی نسبت زیادہ آزادی حاصل ہو۔ ان کے سرگروہ ، سفک کا ایک زمیندار جان ون تھروپ اور ایٹن تھے جو ڈینمارک میں شاہ انگلستان کا سفیر رہا تھا۔ اس جماعت نے خلیج مساچسیٹ کے سواحل پر ڈیرے ڈالے اور نیو سیلم کو اپنا صدر مقام بنایا۔ ون تھروپ بہترین اخلاق کا آدمی تھا اور اس کے نام کی شہرت مشرقی پرگنوں کے بہت سے باشندوں کو امریکہ کھینچ لائی۔ واضح رہے کہ گو یہ نوآباد وطن کے استبداد مذہبی سے بھاگ کر آئے تھے لیکن خود وہ اپنے جدید ملک میں کامل آزادی دینے کے روادار نہ تھے۔ چنانچہ دو بھائیوں کو جو کتاب صلوٰۃ عامہ کے مؤید پائے گئے فوراً واپس انگلستان بھیج دیا گیا۔ اور طے پایا کہ جو شخص خود ان کے آزاد خیال فرقے کا پیرو نہ ہوگا، اسے ملکی معاملات میں حصہ لینے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ ایک شخص نے حکام پر نکتہ چینی کی جرات کی تو سزائے تازیانہ پائی، کان کترے اور چالیس پاؤنڈ جرمانہ ہوا، بالکل اسی طرح کہ گویا اسٹار چیمبر کے کٹھ ملاؤں کی ایک شاخ نیو انگلینڈ کی نوآبادی میں بھی قائم ہو گئی ہے۔ لاڈ کو یہ خبریں پہنچیں تو فوراً بادشاہ سے دریافت حال کی

اجازت لی اور نتیجہ یہ ہوا کہ مجلس شاہی سے حکم جاری کردیا گیا کہ کوئی امیر یا شریف باشندہ شاہی اجازت نامے کے بغیر اور کوئی عامی شخص صداقت نامے کے بدوں ملک سے باہر نہ جانے پائے۔ لیکن ساری احتیاطوں کے باوجود صرف ۱۶۳۵ء میں تین ہزار آبادکار امریکہ چلے گئے اور اس اندیشے سے کہ لاڈ بزور کوئی حکم چلانا چاہے گا باقاعدہ مقابلے کی تیاریاں کرنے لگے۔ آبادکاروں کی تقلید جامد کے باوصف نوآبادی میں بھی عبادت اور خیالات کی آزادی کی وکالت میں آوازیں بلند ہوئیں۔ سنہ ۱۶۳۱ء میں روجر ولیمز آبادکاروں سے آملا اور آگے چل کے سلیم کے گرجا کا پادری مقرر ہوا۔ اس کی رائے تھی کہ مذہبی معاملات کو حکومت کے دائرے سے بالکل الگ رکھنا چاہیئے۔ اس عقیدے کی تلقین سے حکام کے ساتھ جھگڑے کی نوبت پہنچی۔ اس کے اخراج کا حکم ہوا اور ولیمز معمولی چھوٹی کشتی میں پانچ ساتھیوں سمیت جزیرہ رہوڈ میں چلا آیا اور اپنی بستی الگ بسائی۔ سنہ ۱۶۳۵ء میں آزادی کا ایک اور حامی، یعنی ہیری وین امریکہ آیا۔ یہ مجلس شاہی کے ایک رکن، سرہیری وین، کا بیٹا تھا۔ امریکہ آیا تو تئیس ۲۳ سال کی عمر تھی لیکن قابلیت اور اصول کی محکم پابندی کافی مشہور کرچکی تھی اور اسی بنا پر سنہ ۱۶۳۶ء میں آبادکاروں نے اسے حاکم منتخب کیا۔ لیکن مذہبی آزادی کے معاملے میں ونتھروپ سے نہ بن سکی۔ اپنی مصلحتوں پر غور وفکر کرکے، وین نے یہ مشہور نظریہ قائم کیا کہ جہاں کہیں مذہبی ناروداری ہوگی، وہاں مذہب کی قوت اور سیاسی زندگی، دونوں کا خاتمہ ہوجائے گا۔ مگر یہ دیکھ کر کہ اس کے خیالات کو لوگ قبول کرنے والے نہیں، اور آیندہ وہ حاکم بھی منتخب نہ ہوگا، وہ واپس انگلستان چلا آیا۔

میری لینڈ

لیکن اس عرصے میں مریستان (Maryland) کی چھوٹی سی نوآبادی نے رواداری کا عملی مسئلہ حل کرلیا۔ اسے کال ورٹ خاندان کے لوگوں نے بسایا تھا جن کا صدر خاندان لارڈ بالٹی مور تھا۔ یہ لوگ کم وبیش علانیہ کلیسائے انگلستان سے منحرف تھے اور چارلس کی عنایت سے انھیں نوآبادی بسانے کا جو منشور ملا، اس میں مذہبی آزادی کی گنجائش چھوڑ دی گئی تھی۔ انھوں نے اپنی بستی کا نام ملکہ کے نام پر مریستان تجویز کیا اور اس نوآبادی میں شروع

باب دوم

سے پروٹسٹنٹ اور کیتھولک، دونوں فرقوں کے لوگ شامل رہے۔ ایک دوسرے کی احتیاج کے باعث اختلافی مسائل کو احتیاط سے علٰحدہ رکھا گیا اور پہلی ہی آزاد مجلس میں قانون کے ذریعے کامل سیاسی اور مذہبی عبادت کی مساوات کا انتظام کردیا گیا۔ اس طرح مریمستان کو ان ممالک جدید میں سب سے اول ہونے کا شرف حاصل ہے جنھوں نے مذہب کے پیچیدہ گتھی کو اس صحیح اصول سے سلجھایا جو قوم کے مذہبی اختلافات میں ہر حکومت کا مابہ العمل ہونا چاہیے۔ اور جو نہ المیٹ کی عقل میں آیا تھا نہ لاڈ کی، نیو انگلینڈ کے نوآبادی کو لڑنے پر آمادہ دیکھ کر لاڈ مداخلت کے ارادے سے باز رہا۔

اسکاٹ لینڈ کا کلیسائی نظم

لیکن اسکاٹ لینڈ میں اس قسم کی کوئی رکاوٹ مقصد میں حائل نہ تھی جیمس کی تخت نشینی کے وقت سے اب تک وہاں کے کلیسائی نظم ونسق میں جو نائس نے قائم کیا تھا، بہت کچھ رد و بدل ہوچکے تھے۔ اس پریس بی ٹیرین نظام کی ابتدائی صورت بالکل جمہوری تھی اور تمام انتظام حلقے، ضلعے اور صوبے کی مجالس مذہبی کے ہاتھ میں تھا جس کی نگرانی چیدہ پادریوں اور غیر پادریوں کی مجلس عامہ کرتی تھی۔ جیمس نے ان سب کے اوپر اپنی طرف سے اُسقف مقرر کئے مگر انھیں کوئی انتظامی اختیار نہ تھا بلکہ گرجا والے ان کے تقرر کی باضابطہ رسم بھی ادا نہ کرتے تھے جیمس نے مجلس عامہ سے ارکان پرتھ بھی برائے نام قبول کرالئے تھے جس میں نماز کے وقت رکوع یا گھٹنوں کے بل جھکنا اور اور عید میلاد وغیرہ مسیحی تہوار منانا فرض قرار دیا گیا تھا۔ مگر عام لوگ ان جدید ضابطوں کو ناپسند کرتے تھے اور اسکوٹی پادری ابھی تک دعا میں وہ کلمات کہتے تھے جو فی الوقت ذہن میں آجائیں اور کیتھولک اور ارمینی عقائد کی بھی کھل کھول کے مذمت کرتے رہتے تھے۔ چارلس اور لاڈ کو جو ۱۶۳۳ء میں بادشاہ کے ساتھ اسکاٹ لینڈ آیا تھا، یہ رنگ پسند نہ آیا اور اسکوٹی اُسقفوں کو حکم دیا گیا کہ انگلستان کے نمونے پر وہاں بھی کتاب الصلوٰۃ مرتب کی جائے۔ لاڈ اور ریق نے اس کی نظر ثانی کی اور پھر اسکاٹ لینڈ کے ہر گرجا کو ہدایت کی گئی کہ اس کتاب کے دو دو نسخے اپنے پاس رکھے۔ اس کارروائی کا لازمی نتیجہ تھا کہ اسکاٹ لینڈ میں سخت برہمی

باب دوم

پھیل گئی۔ لوگوں کو یقین ہوگیا کہ یہ ساری تجویز پاپائیت کو دوبارہ رواج دینے کی تمہید ہے۔ دوسرے کتاب الصلوٰۃ سے اول تو اس بنا پر کہ اسقفوں نے اسے تیار کیا، دوسرے اس لئے کہ وہ انگلستان سے بھیجی گئی، انھیں سخت تعصب ہوگیا۔ حقیقت میں چارلس کی یہ حرکت، گویا اسکاٹ لینڈ کی رعایا کے سب سے نازک قومی اور مذہبی جذبات کو صدمہ پہنچانا تھا۔ مگر وہ خود اس قسم کا کوئی احساس نہ رکھتا تھا۔ اُس کے لئے یہ توجیہ کافی وشافی تھی کہ نیا انتظام پرانے سے زیادہ باقاعدہ ہے چنانچہ ۱۶۳۷ء کی گرمیوں میں جب کہ ہیمڈن اور سارے انگلستان میں زرجہازی کے خلاف مقدمہ تیار کر رہے تھے نئی کتاب الصلوٰۃ پہلی مرتبہ اڈن برو کے کلیسائے سینٹ جائلز میں پڑھی گئی جس سے نمازیوں میں وہ ہنگامہ برپا ہوا کہ پیش خواں کی جان ہی بچ گئی تو اس نے غنیمت جانا۔ مخالفت میں ہر طبقہ برابر کا شریک تھا۔ امرا میں امیر مونٹ روز بڑے حکام میں الکزنڈر ہینڈرسن، قانون والوں میں وارسٹن کا جانسٹن جیسے ممتاز اشخاص عوام کے دوش بدوش اس بدعت کے خلاف ساعی تھے۔ تمام سال عرضیاں اور ان کے جواب لندن واسکاٹ لینڈ میں دوڑتے رہے مگر کوئی فیصلہ نہ ہوسکا۔ مخالفت کرنے والوں نے اپنی طرف سے دس ناظر وکالت ونگرانی کے لئے مقرر کئے جنھیں "ٹیبلز" کہتے تھے اور جو آگے چل کے ایک خود مختار قومی حکومت کی اساسی جماعت ثابت ہوئے۔ گو مخالفت میں شدت آنے کے باوجود صاف ظاہر ہوگیا کہ چارلس کی راج ہٹ کے سامنے کوئی متفقہ کوشش نہ چلے گی تب جانسٹن کے مشورے پر خود اُس نے اور ہینڈرسن نے ایک اقرارنامہ مرتب کیا جس پر دستخط کرنے والے اس بات کے پابند تھے کہ "مذکورہ بالا دیجے (اصلاحی) مذہب کی حمایت کریں گے اور تمام آئینی طریقوں سے جدوجہد کریں گے کہ مذکورہ بالا بدعتوں سے پہلے جو انجیل مروج اور معمول بہا تھی وہی بلا آمیزش وتصرف دوبارہ بحال ہو جائے۔ کیونکہ ان بدعتوں کی خدا کے کلام سے کوئی اجازت نہیں اور یہ صاف طور پر پاپائی مذہب اور استبداد کو پھر قائم کرنے کی ممد ہیں"۔ ملک کے ہر طبقے نے اس دستاویز پر کمال جوش خروش کے ساتھ دستخط کئے اور جو انکار کرنے والے دستخط کرنے والوں کے نزدیک خاصے پاپائی بن جاتے تھے لہٰذا کسی کو انکار کی جرأت بھی بمشکل ہوسکتی تھی۔

باب دوم

چارلس کی کمزوری

اب چارلس کو نظر آگیا کہ اُسے یا دبنا یا لڑنا پڑے گا۔ لڑنا مشکل تھا کیونکہ اسکاٹ لینڈ کے امیر انگلستان کے امیروں کی طرح نہ تھے بلکہ ابھی تک اپنے اپنے کاشتکاروں کے سردار ہوتے تھے اور ان کاشتکاروں کا فرض تھا کہ امیروں کی طرف سے جنگ کریں۔ دوسرے اسکاٹ لینڈ میں الکزنڈر لزلی وغیرہ صدہا لائق فوجی سردار موجود تھے جنھوں نے جرمانیہ اور فلینڈرس میں پروٹسٹنٹ فرقے کی طرف سے لڑائی میں حصہ لیا اور مہارت حاصل کی تھی۔ ان لوگوں کے مقابلے کے لئے چارلس کے پاس مطلق فوج نہ تھی اور اُس کے ناظم اسکاٹ لینڈ، مارکوئیس ہیملٹن نے بھی جتا دیا کہ کم سے کم اِس وقت رعایت کرنا ضروری ہوگا۔ چنانچہ نومبر ۱۶۳۸ء میں اسکوٹی کلیسا کی ایک مجلس کے انعقاد کی اجازت دی گئی اور ہرچند چارلس کا یہ منشا نہ تھا، مگر اس میں بہت سے ارکان غیر کلیسائی شامل کر دیے گئے اور اس نے الکزنڈر ہینڈرسن کو معلم یا صدر نشین اور جانسٹن کو دبیر یا معتمد منتخب کیا جس سے مجلس کے رجحان کا بھی صاف اندازہ ہو گیا۔ اسی مجلس میں اڈن برد کے کلیسائی اہلکاروں نے اسقفوں کے معاملات پیش کئے۔ اسقفوں نے ہرچند کہا سنا کہ یہ مجلس ان کے معاملے میں حکم نہیں بن سکتی، کچھ شنوائی نہ ہوئی اور یہ مجلس اس قدر علانیہ اُن کے خلاف تھی کہ بالآخر ہیملٹن کو شاہی ناظم کی حیثیت سے اپنے اختیار سے کام لے کر اسے برطرف کرنا پڑا۔ مگر اُس کے اعلان کے باوجود، امیر آرجائل کی شہ پاکر، مجلس برابر اجلاس کرتی رہی اور بغیر مزید حجت کے اُس نے کلیسائی حکومت اور کتاب الصلوٰۃ وغیرہ کا خاتمہ کر دیا۔ ظاہر تھا کہ بادشاہ ان تجاویز کو خوشی سے کسی طرح قبول نہیں کرے گا، لہٰذا دونوں طرف لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں مگر اسکاٹ لینڈ میں، نواح ابرڈین کے سوا، اور سب جگہ بادشاہ کے رفیقوں کی تعداد بہت کم تھی اور صاف نظر آتا تھا کہ اسکاٹ لینڈ والوں کو اطاعت پر مجبور کرنے کی صورت صرف یہ ہو سکتی ہے کہ انگلستان میں فوج بھرتی کی جائے۔ مگر ۱۶۳۹ء کی گرمیوں تک چارلس نے اسکاٹ لینڈ کی سرحد پر بیس ہزار کے قریب سپاہی بھی جمع کر دیے جن میں سے کچھ تو شمالی اضلاع سے پکڑ بلائے تھے اور کچھ جاگیرداری آئین کے مطابق اُمرا کی جمعیت تھی۔ مگر یہ محض فوج کا ڈھانچہ تھا۔ سپاہیوں کو نہ جنگی قواعد

باب دوم

میں مہارت تھی نہ باقاعدہ تنخواہ ملتی تھی نہ سردار کارواں تھے اور نہ سپاہی دل سے اس کام میں شریک تھے۔ بخلاف اس کے رود ٹوئیڈ کے اُدھر، یعنی اسکاٹ لینڈ کی جانب لزلی کے تحت بیس سولہ ہزار بہت اچھے اور پوری طرح مسلح لڑنے والے، ایسے سرداروں کے زیر قیادت فراہم تھے، جنھوں نے جرمانیہ اور فلینڈرس میں اس فن میں دستگاہ بہم پہنچائی تھی۔ یہ فوجیں چند ہفتے آمنے سامنے بھی پڑی رہیں مگر چارلس سمجھ گیا کہ آگے چل کے اسے جو کچھ کامیابی بھی ہو، بالفعل تو دبے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔ نظر بریں وہ آمادہ ہو گیا کہ مذکورہ بالا مجلس کی قرار دادیں تو قبول نہ کی جائیں لیکن دوبارہ مجلس کا انعقاد ہو اور اس کے فیصلے اسکاٹ لینڈ کی مجلس مبعوثین میں پیش کردیے جائیں۔ چنانچہ کلیسائی مجلس کا دوبارہ جلسہ ہوا اور اس نے محض پہلی قراردادوں کو دوبارہ منظور کرکے اوپر بڑھا دیا۔ اور چونکہ مجلس مبعوثین سے سرکاری اساقفہ خارج کئے جا چکے تھے، لہٰذا یہاں بھی مجلس کلیسا کے فیصلے بلا دقت منظور ہو جانے والے تھے کہ چارلس نے پھر اس کو جبراً آیندہ سال تک کے لئے ملتوی کر دیا کہ مبادا اُس کی منظوری کے بعد پھر بادشاہ کو بھی تصدیق و توثیق کئے بغیر چارہ کار باقی نہ رہے۔ اسکاٹ لینڈ والے اس فعل کو جنگ کی تجدید سمجھے اور درمیان کے وقفے میں اپنی تیاریاں مکمل کرتے رہے۔ ٹوئیڈ کے کنارے جو مقابلہ ہوا اور اس میں کسی کی نکسیر تک نہ پھوٹی، وہ تاریخ میں "پہلی جنگ اساقفہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

وینٹ ورتھ انگلستان میں

اس عرصے میں، چارلس نے لاڈ کے مشورے سے اپنے بہترین مشیر کو انگلستان بلوایا تھا۔ یعنی ستمبر ۱۶۳۹ء میں وینٹ ورتھ آئرستان سے آیا اور بلا تاخیر بادشاہ کا سب سے ممتاز وزیر بنا لیا گیا۔ اب تک اس نے انگلستان کے معاملات میں بہت ہی کم حصّہ لیا تھا۔ وہ بھی چارلس کی طرح قطعی رائے رکھتا تھا کہ اسکاٹ لینڈ کو جبراً مطیع کیا جائے لیکن اس کام کے لئے غیر معمولی اہتمام کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے بادشاہ کو ترغیب دی کہ پارلیمنٹ طلب کی جائے اور اگر وہ بادشاہ کی تائید کرے، فبہا ورنہ پھر بادشاہ اپنے آپ جیسا کچھ مناسب سمجھے عمل کرے اور اس صورت میں الزام اُس پر نہ رہے گا بلکہ سرکش رعایا کی گردن پر رہے گا۔ یہ ثابت کرنے کی غرض سے

باب دوم

کہ مجلس شاہی کے ارکان دل سے چارلس کے ساتھ ہیں، **وینٹ ورتھ** نے خود بیس ہزار پونڈ نذر کئے اور اسی طرح دوسرے ارکان کی طرف سے رقوم دی گئیں اور اسی طرح کل ڈیڑھ لاکھ پونڈ جمع ہو گئے۔ مگر یہ تجویز کہ اہل لندن بھی اسی کی تقلید کریں، کامیاب نہ ہوئی وینٹ ورتھ پر شاہی اعتماد کے اظہار اور آئرستان میں اس کی کارگزاری کے صلے میں، اسے امیر اسٹرے فرڈ بنایا گیا۔ اسی کے ساتھ ۱۶۲۹ء کے صدر نشین پارلیمنٹ، فنچ کو، جو زر جہازی کا سخت پرجوش مؤید تھا شاہی مُہرداری کی خدمت تفویض ہوئی۔ دوسری طرف تالیف قلوب کی غرض سے اسٹروڈ اور ویلن ٹائن قلعہ لندن سے رہا کر دیے گئے۔

قصیر پارلیمنٹ

اپریل ۱۶۴۰ء میں چارلس کی چوتھی پارلیمنٹ جمع ہوئی جو "قصیر پارلیمنٹ" کہلاتی ہے۔ بادشاہ کو امید تھی کہ انگلستان کے باشندوں کو اسکاٹ لینڈ والوں کے خلاف اکسا کر فائدہ اٹھائے گا۔ پارلیمنٹ میں اسکوٹی حملے کے خطرات بہت کچھ بڑھا چڑھا کر پیش کئے گئے۔ وہاں کی مجلس کلیسا نے شاہ فرانس کے نام ایک خط لکھا تھا۔ اس کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ منعطف کرائی گئی۔ اسی کے ساتھ یقین دلایا گیا کہ پارلیمنٹ محاصل درآمد برآمد اور روپے کی منظوری دے دے گی تو پھر مبعوثین اطمینان سے دوسری شکایات پر غور و بحث کر سکتے ہیں۔ اہل انگلستان کی ناراضی اگر واقع میں ایسی معمولی ہوتی جیسی چارلس اور اسٹرے فرڈ کا خیال تھا، تو یہ تدبیریں چل جاتیں لیکن پارلیمنٹ کے طرز عمل سے بہت جلد ان لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں جو آسانی سے سب کام ہو جانے کی امید میں لگائے بیٹھے تھے۔ اصل یہ ہے کہ جب تک پارلیمنٹ منعقد نہ ہوئی تھی، اس وقت تک ایک پرگنے والے کو دوسرے پرگنے کے حال کی بہت کم خبر تھی۔ ایک حلقے کے پادری، برابر کے حلقے والوں سے کچھ کام نہ رکھتے تھے۔ اسی لئے ملکی پیمانے پر رائے عامہ بھی نہ پائی جاتی تھی مگر جونہی ہر علاقے کے مبعوثین جمع ہوئے، رائے عامہ بھی وجود میں آگئی۔ قوم کو ترجمان و وکلا مل گئے اور گویا ملک کو دوبارہ قوت نطق حاصل ہو گئی۔

قوم کے شکووں کو الفاظ میں ادا کرنے کا کام جان پم کے حصے میں آیا اور ایلیٹ، کوک، فلیپس کے مرنے اور وینٹ ورتھ کے دوسری طرف جا ملنے سے

باب دوم

جان پم

جو جگہ خالی ہوئی تھی، وہ اُس نے معمور کی۔ پم کی عمر اب چھپن سال کی تھی۔ ۱۶۲۱ء سے جتنی پارلیمنٹیں ہوئیں، ان سب میں وہ شریک رہا تھا۔ وہ سمرسٹ کا زمیندار تھا مگر قانون کی تحصیل کی اور مالگزاری میں عہدہ دار بھی رہ چکا تھا۔ اسی بنا پر پیوری ٹن فرقے میں بہت کم لوگ ملکی انتظامات میں ایسی واقفیت رکھتے تھے، جتنی اُسے حاصل ہو گئی تھی۔ پارلیمنٹ میں اسے ارل بڈفرڈ کے اثر سے نشست ملی تھی اور اس طرح دار العوام کے علاوہ پیوری ٹن فرقے کے امرا تک بھی اسے رسائی حاصل تھی۔ ان امرا میں بڈفرڈ، اسٹیکس، سیاے، سیل اور بروک سب سے ممتاز تھے۔ پم کی تقریر لب و لہجے میں معتدل تھی مگر سیاسی صورت حال کو اس نے بالکل صاف اور واضح کر دیا۔ اس نے کہا کہ پارلیمنٹ، ملک میں وہی مرتبہ رکھتی ہے جو انسان کے جسم میں قوائے عقلیہ کو حاصل ہوتا ہے۔" پارلیمنٹ کے نظر انداز کرنے کو کلیسائی اور ملکی سب خرابیوں کی اصلی علت ثابت کیا۔ اور تحریک کی کہ دونوں ایوان مل کر بادشاہ کی خدمت میں اصلاح شکایات کا معروضہ پیش کریں۔" اس پر دوبارہ وہی پرانا قضیہ چھڑ گیا کہ روپے کی منظوری پہلے دی جائے یا پہلے شکایتوں کا سدّباب ہو۔ اور اس بارے میں بادشاہ اور پارلیمنٹ بالکل مختلف الرائے تھے اسٹرے فرڈ کی صلاح سے بادشاہ نے امرا سے استعانت کی اور دار الامرا نے رائے دی کہ رقمی منظوریاں پہلے ملنی چاہئیں لیکن دار العوام اپنی بات پر قائم رہا۔ پھر اسٹرے فرڈ نے بادشاہ کو ترغیب دی کہ زر جہازی کو چھوڑ کر کمتر رقم پر اکتفا کی جائے مگر چارلس کو اصرار تھا کہ بارہ منظوریاں طلب کی جائیں اور دار العوام یہ منظوریاں دینے پر اس وقت تک آمادہ نہ ہوا جب تک کہ بادشاہ یہ اقرار نہ کرے کہ ہر پرگنے کے بھرتی کئے ہوئے سپاہیوں کی "وردی اور خرچ" کا محصول بھی اسی پرگنے سے نہیں لیا جائے گا۔ واضح رہے کہ زر جہازی کا بار تو زیادہ تر جنوبی اضلاع پر پڑا تھا مگر یہ جدید محصول زیادہ تر شمال والوں کے سر پڑا۔ چنانچہ یارک شر سے زر جہازی کی مد میں تو بارہ ہزار پاؤنڈ وصول ہوئے تھے لیکن جدید فوج کے سپاہیوں کے ساز و سامان اور خوراک کے لئے سے ۴۰ ہزار پاؤنڈ دینا پڑا۔ غرض بادشاہ نے مکرر بارہ منظوریاں طلب کیں اور

باب دوم

جواب میں دار العوام نے تجویز کی کہ بادشاہ سے اسکاٹ لینڈ والوں کے ساتھ مصالحت کر لینے کی درخواست کی جائے۔ بادشاہ کی نگاہ میں یہ تجویز اس بات کے مرادف تھی کہ سلطنت کی حکمت عملی قائم کرنا ہی بادشاہ کی بجائے پارلیمنٹ کے ہاتھ میں آ جائے اور قبل اس کے کہ مجوزہ درخواست مرتب ہو اُس نے پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا۔ مجلس کلیسا کا البتہ اجلاس کچھ روز اور جاری رہا اور اس کے ارکان نے اپنی طرف سے معقول روپیہ دینے کے علاوہ کلیسا کے انتظامات کے متعلق بھی ایک جدید دستور العمل تیار کیا۔

اسٹرے فرڈ کی رائے

اب اسٹرے فرڈ کی قابلیت کی آزمائش تھی کہ یہ دیکھا جائے کہ آیا وہ چارلس سے زیادہ کامیابی حاصل کر سکتا ہے یا نہیں۔ مجلس شاہی میں اُس نے اپنی یہ رائے ظاہر کی کہ پارلیمنٹ کام نہ دے سکی لہذا بادشاہ کو خود مختاری کے ساتھ کام کرنا چاہئے۔ ادھوری تدبیروں سے کام نہیں چلا کرتا۔ بادشاہ کی کامیابی کا مدار اسکوٹوں کے معاملے پہ ہے۔ پس یا تو انھیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور یا پوری قوت سے کام کیا جائے اس لئے کہا "جنگ اُسی شد و مد سے ہونی چاہئے جیسا کہ پہلے آپ کا ارادہ تھا کہ اس میں حکومت کے کسی قاعدے قانون کا پاس نہ کیا جائے... آئرستان کی فوج آپ کے قبضے میں ہے اور اس سے آپ یہاں کام لے سکتے اور پورے ملک (اسکاٹ لینڈ) کو تسخیر کر سکتے ہیں"۔ اس رائے میں لاڈ پورا موید تھا مگر اسٹرے فرڈ کو جلد معلوم ہو گیا کہ کہنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ چارلس اور اس کے وزرا کی جبلت ہی ایسی نہ تھی کہ کسی کام کو "کامل" طور پر انجام دینے کی قابلیت رکھتے ہوں۔ لندن والوں نے قرض دینے سے انکار کیا اسٹرے فرڈ نے صاف کہہ دیا کہ جب تک چند آدمیوں کو سولی پر نہ لٹکا دیا جائے گا، ان شہریوں سے کام نہ نکلے گا۔ مگر مجلس شاہی کے باقی ارکان ایسی کارروائی پر آمادہ نہ ہوئے۔ خود چارلس کو باہر والوں سے مدد لینے کی سوجھی۔ ڈین مارک، ہولینڈ۔ اسپین حتیٰ کہ پاپا تک سے مدد کی استدعا کی گئی لیکن خود جم کر کام کرنے کا خیال تک نہ آیا۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہوئی کہ اسٹرے فرڈ بیمار ہو گیا اور اس کی

باب دوم

علالت میں معاملات اور بھی ابتر ہو گئے۔

دوسری جنگ اسا قفہ

اگست میں اسکوٹوں نے لزلی کے ماتحت خود ٹویڈ عبور کر کے تذبذب و تعطل کا خاتمہ کر دیا۔ ان قواعد داں سپاہیوں کے مقابلے میں چارلس کے بد دل اناڑی بے ترتیبی کے ساتھ نیوبرن (لب ٹائن) کی طرف پسپا ہوے۔ اسکوٹوں کا عبور روکنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن فوجی تدابیر ایسی بے ڈھنگی تھیں کہ وہ نہ رکے اور یارک شر میں اُمنڈ آئے معلوم ہوتا ہے مدافعت کا سارا انتظام درہم برہم ہو گیا اور اسٹر یے فرڈ نے صیغہ راز میں اپنے دوست ریڈ کلف سے اقرار کیا کہ ”اس درجہ ابتر معاملہ کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا... ہر شخص پر خوف طاری ہے۔ بادشاہ کی ملازمت سے عام بد دلی پائی جاتی ہے۔ بے عزتی کا کسی کو احساس تک نہیں۔ مختصر یہ کہ ان سب خرابیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے تنہا میں بے یار و مددگار رہ گیا ہوں“۔ چارلس کو بڑی امید یہ تھی کہ اسکوٹوں کی پیش قدمی قومی جذبات کو برانگیختہ کر دے گی لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ اہل انگلستان بیرونی حملہ آوروں کی اپنے ملک میں فتح پانے کو خود اپنی کامیابی سمجھے اور چارلس کی مصیبت سے فائدہ اٹھا کر تازہ پارلیمنٹ منعقد کرنے پر مصر ہوے۔ جواب میں چارلس نے ایڈورڈ اول کی نظیر سے کام لیا اور پارلیمنٹ کی بجائے ”مجلس اکابر“ منعقد کی۔ ان کا جلسہ یارک میں ہوا اور گو روپیہ فراہم کرنے میں ان لوگوں نے اپنی ضمانت پیش کی، تاہم پارلیمنٹ کے مطالبے پر پھر زور دیا اور بادشاہ کو سوائے اس کے کوئی چارہ کار نظر نہ آیا کہ اسکوٹوں کو، ہنگامی صلح کے عوض میں پچیس ہزار ماہانہ ادا کرنے کا اقرار اور ۳ نومبر ۱۶۴۰ء کو نئی پارلیمنٹ طلب کرے۔

انتخاب کے حکمنامے جاری کرنے اور پارلیمنٹ کے انعقاد میں جو وقفہ تھا اس میں انگریز اور اسکوتی ناظر رپن میں جمع ہوئے اور طے پایا کہ کامل معاہدہ ہونے

عہدہ نامہ رپن

تک اسکوٹ، نارتھمبرلینڈ اور ڈرہم پر قابض رہیں اور اخراجات کے لئے ۲۵ ہزار پاونڈ ماہانہ انھیں ادا کیا جائے۔ ایک مہینے کی قسط کا انتظام کر دیا گیا اور دوسری پارلیمنٹ کے انعقاد کے بعد دی جانی قرار پائی۔

باب دوم

جس کے معنی یہ تھے کہ اگر چارلس پارلیمنٹ کو روپیہ بہم پہنچانے پر آمادہ نہ کر سکے تو اسکوٹ بلا تاخیر پیش قدمی شروع کردیں گے گویا اسکوچ لشکر کا وجود اس بات کی ضمانت بن گیا کہ بادشاہ پارلیمنٹ کو برخاست نہ کر سکے گا۔

مشہور سنین

معروضہ حق .... سنہ ۱۶۲۸ء
بکنگھم کا قتل .... سنہ ۱۶۲۹ء
لاڈ صدر اسقف کینٹربری مقرر ہوتا ہے .... سنہ ۱۶۳۳ء
وینٹ ورتھ، آئرستان میں .... سنہ ۱۶۳۳ء
اسکاٹ لینڈ کا قضیہ .... سنہ ۱۶۳۷ء
ہیمڈن کا مقدمہ .... سنہ ۱۶۳۷ء
پہلی جنگ اساقفہ .... سنہ ۱۶۳۹ء
قصیر پارلیمنٹ سنہ ۱۶۴۰ء
دوسری جنگ اساقفہ سنہ ۱۶۴۰ء

باب سوم

چارلس اول (جزو دوم)

طویل پارلیمنٹ

۳ نومبر کو، ویسٹ منسٹر میں چارلس کی پانچویں پارلیمنٹ جو "طویل پارلیمنٹ" مشہور ہے، منعقد ہوئی۔ دار الامرا کے ممتاز ارکان یہ تھے:۔ صدر اسقف لاڈ، اس کے دوست جکسن، رین، ویرنگ، این، مون ٹیگیو۔ اور پرانا حریف ولیمس، اسقف لیکن افتتاح کے وقت اسٹرے فرڈ موجود نہ تھا اور غیر کلیسائی امیروں میں حسب ذیل اشخاص نمایاں تھے:۔ (۱) امیر برسٹل۔ جسے فکر تھا کہ ایک مستقد شخصی بادشاہی کے قیام و بقا کی کوئی صورت نکلے۔ (۲) سابق صدر نشین پارلیمنٹ اور زر جہازی کا حامی، لارڈ فنچ۔ (۳) امیر بڈفرڈ جو پیوری ٹن فرقے کا اعزازی سرگروہ اور پم کا سرپرست تھا۔ اسیکس و وارک اس کے دوست تھے۔ (۴) وای کونٹ سائے اور سیل کہ ریشہ دوانی میں طاق ہونے کی بدولت "پرانی عیاری" کے عرف سے معروف تھا۔ (۶ و ۷) ایڈورڈ مون ٹیگیو الملقب بہ لارڈ کمبولٹن (جو آگے چل کے امیر منچسٹر بنایا گیا) اور رابرٹ گرویل الملقب بہ لارڈ بروک۔ دار العوام کے سرگردہ یہ لوگ تھے:۔ جان پم۔ جان ہیمڈن اور جان سلڈن جو پہلے سے مشہور تھے۔ ڈین زل ہولیس۔ اور ولیم اسٹرود

باب سوم

جنھوں نے ۱۶۲۹ء میں فنچ کو کرسی پر جبراً بٹھائے رکھا تھا۔ زر جہازی کے مقدمے میں ہیمڈن کا وکیل، سن جن۔ سر آرتھر ہیزل رگ۔ اولیور کروم ویل اور سر ہینیری وین جو سب کے سب پکے پیوری ٹن تھے۔ برسٹل کا بڑا بیٹا، لارڈ ڈگبی جو بہت تیز مگر خودنما آدمی تھا۔ باوضع، محنتی اور کلیسا کا محب، ایڈورڈ ہایڈ۔ سب سے گہرے خیال کا آدمی جو نہ لاڈ کے ساتھ تھا نہ "پیوری ٹن" گروہ کے لوسینس کیری (المخاطب بہ وای کونٹ فاک لینڈ) ایڈمنڈ والر، شاعر۔ اور یہ وہ لوگ تھے جو آگے چل کے بادشاہ پسند بن گئے۔ ولیم والر، ریلف ہوپ ٹن، فرڈی نینڈ (لارڈ فیر فیکس)، بھی قابل ذکر ہیں کہ اسیکس وغیرہ کے ساتھ آئندہ جنگ کے قائدین میں شامل تھے۔ نیز سر سائمن ڈیوز جس نے اس مجلسِ عظمیٰ کے روزانہ حالات کو بڑی محنت و عرق ریزی سے تحریر کیا اور انھی روزناچوں سے ہمیں اس کے بہت کچھ واقعات کا علم ہوا۔ مبعوثین میں بیشتر تعداد دیہاتی شرفا اور قانون دانوں کی تھی۔ تجارت پیشہ لوگ معدودے چند تھے۔ اکثر مبعوث جامعات کے تعلیم یافتہ تھے اور انقلاب انگیز اصلاحات کا مطلق میلان نہ رکھتے تھے نہ انھیں ایسے اشخاص کے ساتھ کوئی انس تھا، جو رتبے اور عادات میں خود ان سے اختلاف رکھتے ہوں۔

اُن دنوں باقاعدہ گروہ یا فریق نہ تھے اور مبعوث جہاں چاہتے، ایوان کے مختلف حصوں میں جا بیٹھتے تھے۔ اسی لیے ہر شخص کا رتبہ متعین ہونے میں دیر لگتی تھی۔ تاہم، شروع سے ممتاز ترین آدمی جان پم تھا جس کا بڑا وصف بحث کرنے کی اعلیٰ قابلیت اور کامل موقع شناسی سمجھنا چاہئے اور اسی کے ساتھ یہ وجدانی آگہی بھی اُسے حاصل تھی کہ اس کے گروہ میں اکثر افراد حقیقت میں کیا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے گروہ کی کمزوریوں اور تعصبات سے بری نہ تھا اور اسی وجہ سے ہمیشہ اُن سے متصل رہتا اور کبھی بھی بالکل علیحدہ نہ ہو جاتا تھا۔ مثال کے طور پر، اس کی بھی رائے یہی تھی کہ لاڈ اور اسٹرے فرڈ، ایک باقاعدہ سازش میں مصروف ہیں۔ اور لاڈ تو پروٹسٹنٹ مذہب کی بیخکنی کرنی چاہتا ہے اور اسٹرے فرڈ نیابتی حکومت کے نظام کی تباہی کے درپے ہے۔ اور اس طرزِ عمل کی علت بجز اسکے

باب سوم

کچھ نہیں کہ اسٹرے فرڈ ذاتی اغراض اور جاہ طلبی میں مبتلا ہے۔ اب اس رائے کو واقعیت کے خلاف مانا جاتا ہے لیکن اُس زمانے میں اُس کے طرزِ عمل کا سبب ہی یہ بتایا جاتا تھا اور پم اس بارے میں محض دوسروں کا ہم خیال تھا۔ بہرحال پم کی یہ ہم نگی اثر بڑھانے میں ممد تھی اور وہ تھوڑے ہی دن میں دار العوام میں اتنا قوی ہوگیا کہ دشمن اسے "بے بادشاہ" کے نام سے یاد کرنے لگے۔

اسٹرے فرڈ اور لاڈ

وزرائے شاہی کی خود غرضی اور جاہ طلبی کا تیقن اتنا عام تھا کہ ان کی حکمت عملی کی کوئی تائید پر آمادہ نہ ہوا بلکہ دار العوام نے اسٹرے فرڈ، لاڈ اور ان کے خاص خاص حلیف اساقفہ اور ارکان عدالت پر مقدمہ چلانے کی قرار داد منظور کرلی۔ ایک ذیلی مجلس مرتب کی گئی کہ ان کے نظم و نسق کے نتائج کی تحقیقات کرے اسٹرے فرڈ نے مجلس شاہی میں جو تقریر کی تھی (صفحہ 536) وین (کلاں) نے اس کی یادداشت لکھ لی تھی۔ وہ بھی اسی زمانے میں پم کے ہاتھ لگ گئی اس طرح کہ وین (خرد) نے اپنے باپ کے کاغذات میں سے اُس کی ایک نقل تو پم کو دے دی اور ایک اپنے پاس رکھی۔ اور اب پم نے تیاری کی کہ اسٹرے فرڈ پر غداری کا الزام عائد کیا جائے۔ اسٹرے فرڈ کا سب سے اچھا اور محفوظ عہدہ انگریزی یا آئرستانی لشکر کی سپہ سالاری ہوتا مگر چارلس نے اسے بہ اصرار لندن طلب کیا اور بادشاہی قول دیا کہ "اس کی عزت یا جان و مال پر کوئی آنچ نہ آئے گی" چنانچہ وہ دار السلطنت پہنچ گیا اور بلا تاخیر رائے دی کہ ارکان دار العوام پر جوابی حملہ کیا جائے اور خود اُن کے پیوری ٹن سرگروہوں پر اسکاٹ لینڈ والوں سے غدارانہ خط کتابت کرنے پر مقدمہ چلایا جائے۔ پم کو یہ خبر ہوگئی اور پہلا وار اُسی نے کیا۔ ۱۱ نومبر کو دار العوام کی طرف سے اسٹرے فرڈ پر ملک سے غداری کا الزام لگایا گیا اور یہ اسیر قلعۂ لندن میں بھیجدیا گیا۔

دسمبر میں یہی کارروائی لاڈ کے ساتھ ہوئی اور اُس پر قریب قریب یہ الزام لگایا گیا کہ "وہ قوانین اور ان قواعد سے جو مذہب قائم ہوا ہے، وہ اس کی بیخ کنی کی کوشش کرتا ہے"۔ اپنے معاصرین کی نگاہ میں لاڈ اگر بالکل نہیں تو تقریباً وہی اہمیت رکھتا تھا، جو اسٹرے فرڈ کو حاصل تھی جب سے بکنگھم

باب سوم

مرا، اس وقت سے وہی بادشاہ کا خاص مشیر و محرم راز ہوگیا تھا اور چارلس کی ہر کارروائی میں دل و جان سے شریک و ممد رہا۔ صدر نظارت اور اسٹار چیمبر کی عدالتوں کا مستعد رکن تھا اور کلیسا کے انتظامات میں بڑا اقتدار رکھتا تھا کیونکہ ذاتی اثر کے علاوہ، اساقفہ کے گروہ میں اُس نے سب اپنے دوست بھر دئے تھے۔ اسی لئے پیوری ٹن ارکانِ پارلیمنٹ کے نزدیک لاڈ کے انتظام کو درہم برہم کرنا بہت ہی ضروری ہوگیا تھا۔

دوسری طرف، بہت سے مبعوثین ایسے تھے جو اُسقفی حکومت کے اصول اور ہم عصر اسقفوں کی حالت میں فرق کرتے تھے یعنی اصلاح کی خواہش کے باوجود کلیسائی نظام کو قائم رکھنا چاہتے تھے اور اس کا سبب کچھ تو یہ تھا کہ انھیں کلیسا کی باضابطگی اور حسن انتظام پسند تھا اور کچھ یہ کہ وہ پریس بیٹری یا کلیسائی اہلکاروں کی حکومت سے ڈرتے تھے کہ وہ بھی اُسقفی حکومت سے کچھ کم مستبد نہ ہوگی اُسقفی حکومت کے ان طرفداروں میں ہائڈ، فاک لینڈ، ڈِگبی اور سیلڈن قابل ذکر ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ سیاسی معاملات میں اتحاد کے باوجود کلیسائی مسائل میں دارالعوام کے (موافق و مخالف اسقفیت) دو گروہ ہوئے بغیر نہ رہیں گے۔

لاڈ اور اسٹرے فرڈ کے ساتھ دارالعوام نے مہر مجلس فنچ، برکلی اور شاہی معتمد ونڈبنک پر بھی مقدمہ چلایا۔ فنچ تو زر جہازی کے مقدمے میں یہ کہا تھا کہ "پارلیمنٹ کے قوانین بنانے سے کوئی فرق نہیں واقع ہوتا"، اور برکلی نے کہا تھا کہ "قانون کسی ایسی حکمت عملی کو نہیں تسلیم کرتا جو بادشاہ کے اس طرح لگام چڑھادے"۔ ان ملزموں میں سے فنچ اور ونڈبینک تو جان بچا کے یورپ کے ملکوں میں چل دئے اور دوسروں کے خلاف کارروائی کچھ نہ چلی۔ البتہ پارلیمنٹ نے جہاں چارلس کے وزیروں کو سزا دینے کا تہیہ کیا وہیں اُس کے کشتگانِ جور پر بھی توجہ کی۔ یعنی پرین، بیسٹ وک، برٹن، جیمبرز اور لل برن جنھیں اسٹار چیمبر کی مطعون عدالت نے قید کیا تھا، رہا کر دئے گئے وہ لندن آئے تو ہزاروں آدمیوں نے استقبال کیا اور ان کی تکالیف کی کچھ نہ کچھ تلافی ہوگئی۔

قانون سہ سالہ

یہ یقینی بات تھی کہ چارلس اور اس کے ہوا خواہوں کو اتنی دلیری

باب سوم

زیادہ تر اس لئے ہوتی تھی کہ پارلیمنٹ کی آیندہ بیقات کا دجہاں ان کے افعال کی باز پرس کی جاسکتی، کوئی یقین ہی نہ ہوتا تھا اسی شبہ کو آیندہ دُور کر دینے کی غرض سے قانون سہ سالہ وضع کیا گیا جس کا منشا یہ تھا کہ پارلیمنٹ کو دوبارہ طلب کرنے میں کبھی تین سال سے زیادہ وقفہ نہ ہونے پائے اور اگر بادشاہ حکم نامے نہ جاری کرے تو بھی اس قانون میں یہ انتظام کر دیا گیا تھا کہ مبعوثین کے انتخابات عمل میں آجائیں۔ ایک اور شرط یہ رکھی تھی کہ انفساخ سے پہلے کم سے کم پچاس روز تک پارلیمنٹ لازماً اجلاس کرتی رہے۔ اس قانون کی دوسری خواندگی کی تحریک اولیور کروم ویل نے کی تھی۔

اسٹرے فرڈ کا مقدمہ

سنہ ۱۶۴۰ء اور سنہ ۱۶۴۱ء کے جاڑوں تک پارلیمنٹ مذکورۂ بالا کارروائیاں کرتی رہی اور ان کے بعد مارچ (سنہ ۱۶۴۱ء) میں ایوان ویسٹ منسٹر میں اسٹرے فرڈ کا مقدمہ شروع ہوا اور دارالعوام کی طرف سے اہتمام مقدمہ کی خدمت خود پم نے انجام دی۔ مقدمہ چلانے والوں کو بڑی دشواری یہ ثبوت بہم پہنچانے میں پیش آئی کہ فی الواقع اسٹرے فرڈ نے غداری کا ارتکاب کیا۔ اس کی بہت سی زبردستیاں یا بعض قانون شکنی کی مثالیں بیان کرنا تو سہل تھا مگر اپنی صفائی میں اسٹرے فرڈ کا یہ کہنا کہ ایسی خطائیں تعداد میں کسی قدر کیوں نہ ہوں۔ غداری کا ثبوت نہیں ہو سکتیں، مُسکت جواب تھا، اصل یہ ہے کہ اسٹرے فرڈ پر مقدمہ ملک سے غداری کرنے کا تھا۔ نہ کہ بادشاہ سے۔ اور ایڈورڈ ثالث کے عہد میں غداری کی جو تعریف متعین کی گئی اُس کے اندر ان دو پہلوؤں میں کوئی تفریق و امتیاز نہیں رکھا تھا۔ پم شروع سے یہ خیال کرتا رہا کہ اسٹرے فرڈ نے مجلس شاہی میں جو تقریر کی، اس سے کام لینا سب سے کارگر ہوگا۔ تقریر میں ایک جملہ یہ تھا کہ آپ کی ایک فوج آئرستان میں موجود ہے اور آپ چاہیں تو اس سے یہاں کام لے سکتے اور ملک کو مسخر کر سکتے ہیں۔" اب اگر "ملک" سے مراد انگلستان لیا جائے تو پھر توڑ مروڑ کے یہ معنی نکالے جا سکتے تھے کہ ان الفاظ سے "بادشاہ کے خلاف جنگ" مقصود تھی۔ مگر اول تو وین نے یہ ماننے سے انکار کیا کہ "ملک" سے "انگلستان" مراد ہے دوسرے ارکان مجلس نے بیان دیا کہ انھیں اصلی الفاظ

باب سوم

مطلق یاد نہیں رہے، تقریر میں دوسری دھمکی یہ تھی کہ لنڈن کے اعیان کو سُولی پر لٹکا دیا جائے مگر تحقیقات ہوئی تو اِس میں غداری کا کوئی پہلو ثابت نہ ہو سکا۔ اسٹرے فرڈ کو سپہ سالاری کا حکمنامہ ملا تو اس میں اختیار دیا گیا تھا کہ وہ بغاوت کو فرد کر سکتا ہے۔ اس پر بھی اعتراض اٹھایا گیا تھا مگر جواب میں کہا گیا کہ اس قسم کے الفاظ سپہ سالاروں کے حکمناموں میں عموماً رسمی طور پر تحریر ہوتے ہیں غرض عوام کا استغاثہ کمزور ہوا جاتا تھا اور انھوں نے مزید شہادتیں فراہم کرنے کی مہلت مانگی۔ اسٹرے فرڈ نے بھی اسی قسم کی اجازت طلب کی لہذا مقدمہ ملتوی کر دیا گیا۔

"خرابئ خون" کا فتویٰ

اب پم نے سمجھا کہ وین (کلاں) کی شہادت سے کام لینے کا وقت آگیا ہے اور اسی روز دار العوام میں یہ تحریر اور وین خرد کی یادداشتیں پڑھی گئیں۔ اصل تحریر کے متعلق سوال ہوا تو وین (کلاں) نے جواب دیا کہ وہ تحریر بادشاہ کے حکم سے جلا دی گئی۔ اس پر پیوری ٹن گروہ کی زیادہ شدت پسند جماعت نے اسٹرے فرڈ کے خلاف "خرابئ خون" کی تجویز پیش کی اور وہ بلا تاخیر مسودہ قانون کی صورت میں پہلی مرتبہ پڑھی گئی۔ دوسرے دن دار الامرا میں اسٹرے فرڈ طلب ہوا کہ جو کچھ صفائی پیش کر سکتا ہے۔ بلا تاخیر پیش کر دے۔ اسٹرے فرڈ نے وہی دلیل پیش کی جو پہلے پیش کی تھی کہ جو چیز جزاً غداری نہیں وہ کلاً بھی غداری نہیں ہو سکتی اور جس جرم کا قانون میں ذکر ہی نہیں اس پر سزا دینا سراسر انصاف کے خلاف ہے۔ پم نے کہا کہ مطلق العنان حکومت سے ہمیشہ رعایا ذلیل ہو جاتی ہے اور اگر سرکاری سکے کو خراب کرنا غداری میں داخل ہے تو کیا سرکار کی رعایا کی خودداری بگاڑنا، غداری نہ ہوگا؟" اُدھر انتہا پسند خرابئ خون کے قانون پر زور دے رہے تھے اور ان کی دلیل یہ تھی کہ اسٹرے فرڈ نے انگلستان کے اساسی قوانین کو مٹانے کی کوشش کی، پم اور ہیمڈن مقدمہ چلانا ہی مناسب سمجھتے تھے لیکن آخر کار دونوں ایوانوں میں یہی طے ہوا کہ خرابئ خون کے قانون ہی سے اُس کی قسمت کا فیصلہ کیا جائے۔ دار العوام نے اس قانون کو ۵۹ کے مقابلے میں ۲۰۴ رایوں سے منظور کیا۔ ڈگبی اور سیلڈن استغاثے کے پیروکار تھے لیکن اس موقع پر انھوں نے اکثریت کے خلاف رائے دی۔ یہ خبر سن کر چارلس نے اسٹرے فرڈ

باب سوم

کو دوبارہ خط سے اطمینان دلایا کہ بادشاہ کا قول اس کے ساتھ ہے کہ اُس کی جان مال یا عزت پر کوئی آنچ نہ آنے پائے گی“۔ دارالامرا میں فریقین کی تعداد مساوی تھی اور زیادہ تر بحث اس بات پر رہی کہ اگر اسٹرے فرڈ کو سزائے موت نہ دیجائے تو کیا چارلس کو کسی طرح اس امر سے باز رکھا جا سکے گا کہ اسٹرے فرڈ سے کوئی کام نہ لے؟ اسیکس وغیرہ تو کہتے تھے کہ مرے پیچھے کوئی رفاقت نہیں چل سکتی۔ بڈفرڈ اور برسٹل وغیرہما کی رائے تھی کہ حبس دوام کی سزا کافی ہوگی۔ مگر پم کو ایک اور شافی دلیل بھی مل گئی تھی۔ کچھ دن سے اسے علم تھا کہ چارلس اور ہنریٹا ماریہ دونوں شمالی انگلستان کی فوج سے رسل و رسائل کر رہے ہیں کہ لندن پر چڑھائی کر کے اسٹرے فرڈ کو جبراً قلعے سے چھڑایا جا سکے۔ اور اسی اطلاع سے پم نے مذبذب اُمرا کو ڈرا کر اپنے موافق بنانے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ ۲ مئی کو دارالعوام میں ایک تقریر کی جس میں نہ صرف یہ بتایا کہ ایک فوجی سازش پک رہی ہے بلکہ اشارۃً یہ بھی کہا کہ ایک فرانسیسی فوج پورٹس متھ پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ ہو چکی ہے اور ملکہ وہاں اُس سے جا ملے گی۔ اس بیان سے ہیجان برپا ہو گیا۔ مبعوثین کو ہدایت کی گئی کہ اپنے اپنے حلقوں میں معلوم کریں کہ کتنے ہتیار موجود ہیں۔ شہر کے سدھے ہوے جوق جوق جمع ہو گئے۔ بادشاہ سے درخواست کی گئی کہ درباریوں کو روکے رکھے اور ملکہ کو پورٹس متھ نہ جانے دے۔ لندن میں بیس ہزار آدمیوں کے دستخط سے اسٹرے فرڈ کے قتل کی درخواست تیار ہوی اور جنھوں نے دارالعوام میں اُس کی طرفداری میں رائے دی تھی، اُن کی فہرست ”حامیان اسٹرے فرڈ“ کے نام سے چھاپ کر شائع کی گئی۔ اسی ہل چل میں خرابیٔ خون کا مسودہ قانون دارالامرا میں پیش ہوا، تو امیر برسٹل تک مخالفت سے باز آگیا۔ امیر بڈفرڈ آنا بھی چاہتا تو چیچک کے باعث (جو مرض الموت ثابت ہوی) نہ آسکا۔ اب اسٹرے فرڈ

اسٹرے فرڈ کا قتل

کی تقدیر کا انحصار گویا چارلس پر آٹھیرا اور وہ دو روز تک تذبذب میں رہا کہ کیا کرے۔ ایک طرف اپنے قول کا خیال تھا اور دوسری طرف یہ اندیشہ کہ انکار کیا تو ملکہ اور اولاد پر آفت آئے گی۔ مگر اسٹرے فرڈ اب بھی اپنی اصول پر کہ جو کچھ ہو ”کامل“ ہو قائم رہا

باب سوم

اور لکھ بھیجا کہ اگر میری موت سے آئندہ بہتری کی صورت نکلے تو میں خوشی سے چارلس کو وعدے سے آزاد و معاف کردوں گا اور خود یہی رضامندی مجھے خدا کی نظر میں ایسا بے گناہ بنا دے گی کہ دنیا بھر بھی نہیں بنا سکتی"۔ آخر بادشاہ اپنے تردد سے اکتا گیا۔ اسقف ویلیمز نے بھی ذاتی اور ملکی ضمیر میں فرق بتا کے اس کی تسلی تشفی کی اور چارلس نے مسودہ قانون پر دستخط کردیے۔ ۱۲ مئی کے دن دو لاکھ اشخاص کے سامنے اسٹرےفرڈ کا قلعہ لندن کی پہاڑی پر سر قلم کردیا گیا اور یہ نامور مشخص کردہ خطاؤں کی سزا میں نہیں، بلکہ آیندہ افعال کے اندیشے کی بنا پر مار دیا گیا اور خود اس کا مقولہ کہ سب سے مقدم قانون، ملک کی حفاظت ہے" اس کے خلاف کام میں لایا گیا۔ عوام کے سرگروہ اس کے مرنے سے سمجھے کہ ان کے سب سے بڑے اور خطرناک دشمن کا خاتمہ ہوا۔

پارلیمنٹ کا انفساخ صرف اسی کی رائے سے

جس روز چارلس نے اسٹرےفرڈ کے قتل پر دستخط کیے اسی روز ایک اور قانون کو بھی منظوری دی جس کا منشا یہ تھا کہ پارلیمنٹ خود اپنے ارکان کی رضامندی کے بغیر آئندہ فسخ نہ کی جائے گی اس قانون کی اہمیت کا اس وقت بمشکل لوگوں نے صحیح اندازہ کیا اور اسے محض پارلیمنٹ کی ساکھ بڑھانے کا ذریعہ سمجھے کہ اب سرمایہ دار آسانی سے پارلیمنٹ کو قرض دینے پر آمادہ ہو جائیں گے لیکن حقیقت میں یہ قانون بہت بڑی آئینی منزلت رکھتا ہے اور اسی کی بدولت آئندہ خانہ جنگی میں پارلیمنٹ کا قانونی مرتبہ قائم رہا۔ اس کے ذریعے بادشاہ کا محض خود رائی سے پارلیمنٹ کو فسخ کردینا، (جیسا کہ ۱۶۲۹ء میں ہوا تھا) موقوف ہوا اور مزید برآں اب بادشاہ کو یہ اختیار بھی نہ رہا کہ عام انتخابات کے ذریعہ ملک کی عام رائے معلوم کرسکے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت جو پارلیمنٹ قائم تھی وہ حکومت خواص کی مجلس بن گئی کہ بادشاہ کے تلون اور نیز رائے دہندوں کے جذبات دونوں سے آزاد و مستغنی تھی۔ اور چونکہ قانوناً نہ پارلیمنٹ، بادشاہ سے پیچھا چھڑا سکتی تھی نہ اب بادشاہ پارلیمنٹ سے، لہذا قانون مذکور کا ایک اور نتیجہ یہ مترتب ہوا کہ ان کی باہمی منازعت کی صورت میں صرف تلوار ان میں فیصلہ کرنے والی چیز رہ گئی۔ جب یہ قانون منظور

باب سوم

ہوگیا تو محاصل درآمد و برآمد اور ایک دوسرے خراج کی جو سو پاؤنڈ سے لے کے فی کس نصف شلنگ تک تھا، منظوری دی گئی۔ اگست میں اسکاٹ لینڈ کی فوج سے مصالحت کی شرطیں طے کی گئیں اور اس کے اور شمال کی انگریزی فوج کے ہتیار کھلوا دئے گئے۔

سنہ ۱۶۴۱ کی بہار اور گرمیوں میں پارلیمنٹ کے سب فرقے ملک کو مطلق العنانی کی خرابیوں اور ہتیاروں سے بچانے میں ایک دوسرے سے بڑھ کر سرگرم رہے۔ **صدر نظارت** اور **اسٹار چیمبر** کی عدالتیں، اور انھی کے ساتھ شمالی انگلستان اور ویلز کی مجلسیں توڑ دی گئیں۔ **فاک لینڈ** کی رہبری میں دارالعوام کی طرف سے زر جہازی کو مذموم و غیر آئینی بتایا گیا اور **سیلڈن** نے ایک قانون پیش کرکے اسے بالکل ممنوع قرار دیا۔ اسی مبعوث نے زر خطابات کے خلاف قانون پیش کیا تھا اور نیز جنگلات کی وہی حدود بحال کرائی تھیں جو ہالینڈ کی تحقیقات سے قبل تھیں۔ پھر وہ لوگ جنھوں نے پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر محاصل درآمد و برآمد وصول کئے تھے، خاطی قرار دئے گئے۔ یہ سب تحریکات عملاً اتفاق آرا سے منظور ہوئیں کیونکہ ابھی تک چارلس کا کوئی موید گروہ دارالعوام میں نہ تھا۔ لیکن جب مذہبی مباحث کی نوبت آئی تو ابتدا ہی میں دو مذہبی فرقوں کی باہمی مخالفت نمایاں ہوگئی۔

"جڑ پیڑ والا" معروضہ

یہ اختلاف سب سے پہلے فروری میں ظاہر ہوا جب کہ پندرہ ہزار اہل لندن کے دستخطوں سے ایک عرضی پیش ہوئی کہ اسقفی حکومت کا "جڑ پیڑ سے" خاتمہ کردیا جائے۔ اس کے مقابلے میں سات سو پادریوں نے کلیسائی انتظام میں محض اصلاح کا معروضہ گزرانا۔ مباحثے میں فاک لینڈ، ہائڈ، ڈگبی اور سیلڈن اپنے ساتھ والوں سے الگ ہوگئے۔

بخلاف اس کے، یہ تحریک کہ اساقفہ کو دارالامرا کی رکنیت اور ملکی عہدوں سے خارج کردیا جائے، بلا دقت منظور ہوگئی کیونکہ دارالعوام میں باقی ماندہ اسقفوں کے دوست بہت کم تھے دوسرے یہی مذہبی پیشوا اسکاٹ لینڈ کی لڑائی کے بانی مبانی سمجھے جاتے تھے۔ لیکن جب یہ قرارداد دیں قانون بنائے جانے کی غرض سے دارالامرا میں آئیں تو

امرا نے ان کو نامنظور کیا، اس لئے کہ وہ دارالامرا کی ترکیب میں عوام کی مداخلت کو ناپسند کرتے تھے۔ اسٹرے فرڈ کے مرنے کے بعد اولیور کرومویل۔ وین (خرد) اور ہیزل رگ نے اہل لندن کے معروضہ کے مطابق ایک مسودہ قانون مرتب کردیا جس کا نام ہی "جڑ بیڑ کا مسودہ قانون" تھا اور جس کا منشا یہ تھا کہ اسقفی نظم و نسق کا خاتمہ کیا جائے اور ہر اسقفی حلقے میں علما اور غیر علما کی مخلوط جماعت کلیسا کا انتظام کرے۔ لیکن اسقفی پسندوں نے اس کی شدت سے مخالفت کی۔ ادھر دارالامرا کی طرف سے ایک قومی ذیلی مجلس کا تقرر کیا گیا کہ مذہب کے متعلق کلیسا میں جو بدعات ہونے لگی ہیں، ان سب پر غور کرے۔ مجلس کا صدر ولیمز کو بنایا گیا اور عارضی طور پر مصالحت کی غرض سے اسقفوں کو حکم دیا گیا کہ وہ مسیح کی میز کو گرجا کے مناسب مقام پر اپنی نگرانی میں، قائم کرائیں جہاں وہ گزشتہ ساٹھ سال کے اکثر زمانے میں لگائی جاتی رہی ہے۔" عام اندازہ یہ تھا کہ ولیمز کی ذیلی مجلس لاڈ کی نئی کارروائیوں کے خلاف اور اسقفی اختیارات کو محدود کرنے کی تحریک کرے گی۔

مذکورۂ بالا مناظرہ پارلیمنٹ تک محدود نہ تھا بلکہ دونوں فریق عام رائے سے مدد کے طالب تھے۔ ایکزیٹر کے اسقف ہال نے "عدالت العالیہ پارلیمنٹ کی خدمت میں، کلیسا کے ایک اطاعت گزار فرزند کا احتجاج" شائع کیا۔ دوسری طرف سے پانچ پیوریٹن علما نے مل کر "جواب احتجاج" چھاپا اور پانچوں کے پہلے حروف ملا کر مصنف جواب کا نام سمک ٹی ڈمنوس تحریر کیا۔ ان پانچ کے نام یہ تھے:- اسٹیفن مارشل، ایڈورڈ کیلامی، ٹامس ینگ، میتھو نیوکومن، اور ولیم سپرسٹاو۔ آرمگ کے صدر اسقف نے ایک نئی تجویز یہ پیش کی کہ اسقف کو کلیسائی اہل کاروں کی مجلس کا صدر بنا دیا جائے اور یہ اہلکار اسی کے مشورے سے انتظام کریں۔ آخری، مگر کافی مشہور جان ملٹن کا رسالہ "اصلاح کلیسا، انگلستان کا کلیسائی انضباط اور اس کے موانع" تھا جس میں مصنف بے تحاشا اسقفوں کی مذمت کرتا اور ان کے نظم و نسق کو اصلاح کلیسا کی تحریک میں پوری کامیابی نہ ہونے کا اصلی سبب قرار دیتا ہے یعنی وہ کامیابی

باب سوم

جس کی پر جوش پر وٹس ٹنٹوں کو تمنا تھی۔ اسی رنگ کے اور بھی رسالے ملٹن نے تحریر کیے۔ نتیجہ اس تمام مناقشے کا یہ ہوا کہ عوام کی نظر میں آئینی اصلاحات سے بھی زیادہ اہمیت کلیسائی معاملات کو حاصل ہوگئی اور لوگ کسی فریق میں شامل ہونے کے لئے، سیاسی آرا کی بجائے اس فریق کے مذہب کو زیادہ جانچنے لگے۔

چارلس اسکاٹ لینڈ میں

اگست میں چارلس نے کسی قدر عجلت میں یہ فیصلہ کیا کہ اسے اسکاٹ لینڈ جانا چاہئے۔ وہ دس تاریخ اڈن برو روانہ ہوا اور ادھر اس کے عقب میں پارلیمنٹ نے ایک جماعت روانہ کی جس کا ظاہری منشا تو یہ تھا کہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہے لیکن دراصل اس کی کارروائیوں کی نگرانی منظور تھی کہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کو ان کی اطلاع ملتی رہے۔ اس جماعت کے صدر ہیمڈن اور فینیز تھے۔ خود چارلس کی غرض یہ تھی کہ اہل اسکاٹ لینڈ کو پوری طرح رضامند کر کے پھر انگلستان سے آزادی کے ساتھ بھگت لے اور ممکن ہو تو پارلیمنٹ کے مقابلے میں اسکاٹ لینڈ ہی کو مرکز بنا کر لڑائی لڑے۔ چنانچہ اسکاٹ لینڈ والوں کے جملہ مطالبات کو اس نے قبول کر لیا۔ ہر دلعزیزی حاصل کرنے کی پوری کوشش کی آرجائل، ہنڈرسن اور دوسرے مقبول عام سرگروہوں کے ساتھ خصوصیت سے اخلاق کا برتاؤ کیا۔ مگر انگلستان کی طرح، یہاں بھی اس کا دربار سازشوں کا گھر بنا ہوا تھا اور بعض تیز مزاج امیروں نے جن کا سردار کرافرڈ تھا، عامی اور متوسط درجے والوں کے نئے رسوخ واقتدار سے جل کر یہ بے تکی تجویز سوچی کہ آرجائل اور اسی کے ساتھ ہیملٹن ولینارک کو گرفتار، بلکہ ہو سکے تو قتل کر دیا جائے کہ یہ سب مل کر کام کر رہے تھے۔ اس تجویز کو تاریخ میں "واقعہ" کہتے ہیں اور گو صاف طور پر معلوم نہیں کہ چارلس کا اس میں حصہ کس حد تک تھا، لیکن یہ راز کھلا تو بادشاہ کی ہر دلعزیزی ختم ہوگئی اور آرجائل کو وہ اقتدار حاصل ہوگیا کہ گویا وہی اسکاٹ لینڈ کا بے تاج کا بادشاہ بن گیا۔ بایں ہمہ چارلس برابر اسی امید میں۔ ہا کہ اسکاٹ لینڈ سے اسے مدد ملے گی اور واپس انگلستان جانے سے پہلے اس نے آرجائل کو مارکوئس، لزلی کو ییریون

باب سوم

اور جانسٹن (وارسٹنی) کو سرداری کا خطاب عنایت کیا۔

لاڈن برو کے قیام کے زمانے میں وہ یہ بھی کوشش کرتا رہا کہ پارلیمنٹ کے سرگروہوں اور اسکوٹی حملہ آوروں کے باہمی سازباز کی شہادتیں فراہم کرے۔ اس ذریعے سے وہ پم اور اس کے دوستوں کے مہلک ضرب لگانا چاہتا تھا۔ دوسرے بڑی امیدیہ بندھ گئی تھی کہ اسقفی پسند گروہ اس کے ساتھ ہوجائے گا اور وہ طے کئے ہوئے تھا کہ ان کا سرگروہ بن جائے گا۔ امرا کو اس نے ایک مراسلہ بھی تحریر کیا کہ "میں کلیسائے انگلستان کے انضباط کے اصول پر جسے الزبتھ اور میرے باپ نے قائم کیا تھا، مستقیم رہوں گا اور خدا کے فضل سے آخردم تک اس اصول کو ہاتھ سے نہ جانے دوں گا۔

چارلس کے جانے کے بعد "جڑیٹر" والا قانون تو چھوڑ دیا گیا اور پارلیمنٹ ملک کے عملی انتظامات کی طرف متوجہ ہوئی جسے چارلس نے کچھ مدت سے بالکل چھوڑ رکھا تھا۔ دونوں ایوانوں کے اتفاق رائے سے ایک حکم نامہ مرتب ہوا کہ شمالی فوج کے اسلحہ ہل میں جمع کرادئے جائیں اور قلعۂ لندن کی احتیاط سے پہرہ چوکی کرائی جائے۔ قومی عبادت کے معاملے میں باقاعدگی پیدا کرنے کا مسئلہ ایسی آسانی سے طے نہ ہوسکتا تھا جب تک کہ کوئی قطعی تصفیہ نہ ہو۔ بعض لوگ کتاب الصلوٰۃ میں ترمیم کے خواہاں تھے بعض اس کے خلاف تھے۔ بالآخر نمازیوں سے استدعا شائع کی گئی کہ جب تک مجوزہ اصلاح عمل میں آئے، وہ خاموشی سے جماعت میں شریک ہوں اور خدا کی نماز اور ملک کے امن امان میں کسی ہنگامہ وفساد سے رخنہ نہ ڈالیں۔"

۹ر ستمبر کو دونوں ایوانوں کے اجلاس ۲۰ر اکتوبر تک ملتوی ہوئے مگر پم کی صدارت میں ایک ذیلی مجلس لندن میں مقیم رہی کہ حالات کی نگرانی کرتی رہے۔ غالباً اسی وقفے میں ایک گروہ مرتب ہوا جس کے نزدیک بادشاہ کافی مراعات دے چکا تھا اور اس لئے اب مناسب تھا کہ اسے پھر آزادی سے کام کرنے اور یہ ثابت کرنے کا موقع دیا جائے کہ وہ اسٹرے فرڈ کے وقت کی روش چھوڑ چکا ہے۔ اس گروہ کی تعداد بڑھنے میں سب سے بڑی دقت یہ تھی کہ لوگ

باب سوم

چارلس پر اعتماد نہ کرتے تھے کیونکہ جو لوگ اُس کے مزاج سے سب سے زیادہ واقف تھے انھیں پورا یقین تھا کہ اسے استطاعت ملی تو وہ اسی پرانی روش پر چلنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دے گا۔ تاہم ایک امکان ضرور پیدا ہوگیا کہ اگر چارلس اِن بادشاہ پسندوں اور اسقفی پسندوں میں کسی طرح اتحاد کرا سکے تو پھر اکثریت کی تائید اُسے حاصل ہوسکتی تھی۔ ایسا ہوجانے کی مزید امید اس واسطے بھی پیدا ہوئی کہ بہت سے لوگ جو ذاتی طور پر مذہب سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے محض یہ دیکھ کر کہ جاہل و ناخواندہ اشخاص اپنے سے زیادہ ذی علم اور عالی رتبہ لوگوں کو حکماً اپنے عقائد پر چلانا چاہتے ہیں، اُن سے سخت بیزار ہوگئے تھے۔

اس عرصے میں مذہبی قضیے کا وہ حل، جو آخر میں مقبول ہوا، معرض تحریک میں آگیا۔ اسٹار چیمبر کے ایک سابقہ زخمی، ہینری برٹن، نے اپنی تصنیف Protestation Protested شائع کی جس میں کلیسا کو حکومت کی طرف سے نظم و نسق کی آزادی اور کلیسا کو معترضین سے کامل رواداری برتنے کی مفصل تجویز پیش کی گئی تھی۔ اور لارڈ بروک نے انگلستان کی اسقفی حکومت کی عملی صورت پر ایک مباحثہ تحریر کیا اور عقائد و تقریر کی پوری آزادی دئے جانے کی حمایت کی۔ مگر افسوس ہے کہ ان دونوں کے خیالات کے بہت ہی کم معاصرین ہم آہنگ ہوئے۔

آئرستان کی بغاوت

پارلیمنٹ نے مشکل سے دوبارہ کام شروع کیا تھا کہ آئرستان سے خوفناک خبریں آنے لگیں۔ اہل آئرستان اور بغاوت میں سالہا سال سے کوئی رُکاوٹ بجز اس علم کے باقی نہ تھی کہ انگلستان ہم سے قوی تر ہے۔ لہٰذا اسٹرےفرڈ کے ہٹنے اور بادشاہ اور پارلیمنٹ کی ان بن کا حال معلوم ہونے سے گویا ان لوگوں کی بن آئی۔ اتفاقات نے تھوڑی دیر کے لئے وہاں کے دو گروہوں کو جو مدت سے حریف تھے، متحد کر دیا۔ یہ قدیم انگلستانی نارمن اور وہ قلطی زمیندار تھے جن کی اراضی چھن گئیں اور وہ انھیں واپس لینا چاہتے تھے۔ اور اول الذکر کے آباد کار بیشتر کیتھولک مذہب رکھتے تھے انھیں اپنے

مذہب کے ساتھ روا داری کیے جانے کی خواہش تھی۔ غرض یہ دونوں گروہ آپس میں مل گئے اور ہمہ گیر بغاوت کی تیاریاں ہونے لگیں جس کا علم ۲۳ر اکتوبر کو بلند ہونے والا تھا۔ بغاوت کے سرغنہ یہ لوگ تھے:۔ **روجر مُور**، جو عمدہ اخلاق اور بلند مقاصد رکھتا تھا۔ **سر فیلم اونیل**، السٹر کے اونیل خاندان کے نمائندہ ہونے کا مدعی اور **لارڈ میگوائر**۔ ان کی سازش سے ڈبلن کے حکام ۲۲ر اکتوبر کی شام تک بے خبر تھے۔ اور گویا خاص بغاوت کی رات کو ایک مخبر نے انھیں باغیوں کے منصوبوں کی اطلاع دی اور بہ مشکل اتنا وقت ملا کہ میگوائر کو گرفتار کر کے بالاحصار میں کچھ فوج متعین کر سکیں۔ دوسرے دن تمام شمالی علاقے میں آگ بھڑک اٹھی۔ قتل عام کرنے کی تجویز تو باغیوں نے مسترد کر دی تھی مگر اس میں شک نہیں کہ بے گناہوں کے خون سے جا بہ جا ہاتھ رنگے اور انگریز آباد کاروں کو بالکل عفلت اور سخت سردی میں گھروں سے نکالا اور طرح طرح کی بے رحمیاں کی گئیں۔ کچھ دیر کے لئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا انگریزوں کے اقتدار کا حتمی طور پر خاتمہ ہو گیا اور یہ تو یقینی بات تھی کہ فوری تدارک کے سوا، دوبارہ اقتدار قائم کرنے کی اور کوئی صورت باقی نہ تھی۔

ویسٹ منسٹر میں یہ اطلاع پہنچی تو پم اور اس کے رفیق یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوئے کہ آیا انگلستان میں اپنے حقوق کا پورا اطمینان ہو جانے تک آئرستان کا ہاتھ سے نکل جانا گوارا کریں، یا یہ کہ پہلے آئرستان پر اقتدار جانے کی فکر کریں اور بادشاہ کے واسطے فوج بہم پہنچائیں جس میں یہ جوکھوں موجود تھا کہ شاید وہی فوج آئندہ خود اُن کے خلاف لڑائی جائے۔ آخر طے پایا کہ جو فوج بادشاہ کے سپرد کرنی پڑے، اس میں توازن کی غرض سے ایک معقول حصہ اسکاٹ لینڈ والوں کا شامل ہو چنانچہ دس ہزار انگریز اور دس ہزار اسکوٹی سپاہیوں کا لشکر آئرستان کے واسطے منظور ہوا۔

اسقفی پسند جماعت کی تنظیم، ایک نئے گروہ کا وجود میں آنا جو بادشاہی حقوق پر مزید دست درازی کو شبہ کی نظر سے دیکھتا تھا پھر یہ آئرستان کی بغاوت کا قضیہ اور بادشاہ کی طرف سے تازہ ریشہ دوانیوں کا خطرہ، یہ سب ایسے اسباب تھے کہ پم اور ہیمڈن نے قوم کو بادشاہ کے خلاف پارلیمنٹ کی تائید پر

باب سوم

احتجاج کبیر

آمادہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔ یہ استدعا ایک "احتجاج کبیر" کی شکل میں قلمبند ہوی اور اس مشہور و معروف دستاویز میں ۲۰۶ فقرات تھے۔ شروع میں پاپا پرستوں، بادشاہ کے بدباطن مشیروں اور اسقفوں پر حملہ تھا کہ یہ لوگ ملک کے اساسی قوانین کو توڑ کر پھر پاپائی اقتدار قائم کرنے کی فکر میں رہے۔ اور ان الزامات کے ثبوت میں آغاز حکومت سے چارلس کی سیاسیات و مذہب کے معاملے میں خودرائی اور غلط روی کے جملہ افعال بیان کئے تھے۔ ان کے مقابلے میں پارلیمنٹ کے مفید کاموں کی فہرست تھی اور مذہب و سیاسیات میں آیندہ حکمت عملی کا اظہار تھا۔ جس کی سب سے اہم عملی تجاویز یہ تھیں کہ آیندہ بادشاہ کے مشیر پارلیمنٹ کی مرضی سے مقرر کئے جائیں گے۔ کلیسائی انتظام کے لئے انگلستان اور بیرون انگلستان کے علما کی ایک مجلس بنے گی کہ کلیسا کے امن و انتظام کے متعلق جملہ امور ضروریہ پر غور کرے اور اس کی مرتبہ تجاویز پارلیمنٹ کی منظوری سے قانون عام کی شکل اختیار کرسکیں۔ اس تحریر کی سیاسی تجاویز سے ہائڈ و فاک لینڈ تک اختلاف نہ رکھتے تھے لیکن کلیسائے متعلق فقرات پر سخت مخالفت ہوئی کیونکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ جو لوگ پارلیمنٹ کی اکثریت کے ہم عقیدہ نہ ہوں، اُن پر اسی قسم کی مذہبی بیداد کی جائے جیسی کہ لاڈ انگلستان میں یا ونتھروپ امریکہ میں کرچکے تھے۔ اُسقفی پسند اور شاہی دونوں گروہ مخالفت میں متحد ہوگئے اور یہ فقرے ۱۴۸ کے مقابلے میں صرف ۱۵۹ آرا سے منظور ہوسکے۔ اکثریت نے اپنی فتح کو نمایاں کرنے کی غرض سے فوراً اس تحریر کو چھپوانے کی ہدایت کی اور بادشاہ کے خلاف ملک سے امداد کی درخواست شائع کردی اگرچہ اسی کے ساتھ انھوں نے ایسی حکمت عملی کا اعلان کردیا جو کلیسائی حکومت اور اسقفیت کے حامیوں کے نزدیک صریحاً جور و استبداد کی دھمکی کے مرادف تھی۔

۲۳ نومبر کی صبح چار بجے "احتجاج کبیر" دارالعوام میں منظور ہوا تھا۔ ۲۵ کو چارلس واپس لندن پہنچا اور خود بھی خوش تھا اور استقبال بھی اچھا ہوا جب سے پارلیمنٹ کا اجلاس شروع ہوا، اُس کا معاملہ اتنا امیدافزا کبھی نہ تھا جتنا اب ہوگیا اور جب اس نے شہریوں کو یقین دلایا کہ قوانین کے مطابق

باب سوم

حکومت کروں گا اور یہ پیام دُہرایا کہ پروٹسٹنٹ مذہب کو جیسا کہ اس کے باپ اور الزبتھ کے زمانے میں مروج تھا، قائم رکھوں گا خواہ اس میں جان اور عزیز ترین چیزوں کو نثار کرنا پڑے، تو خاصی طرح یقینی نظر آنے لگا کہ بادشاہ بے یار و مددگار نہ رہے گا۔ شہر لندن تک میں، جہاں تک دولت مند طبقے کا تعلق ہے، لوگوں کے خیالات دوبارہ بادشاہ کی طرف رجوع ہونے لگے جس کا ایک سبب تو وہ بھاری بھاری محصول تھے جو پارلیمنٹ نے اسکوٹوں کو روپیہ دینے کی غرض سے عائد کیے اور دوسرے یہ کہ فرقہ پسندوں کے ہنگاموں سے لوگوں کو بہت نفرت پیدا ہو گئی۔ دوسری طرف، پارلیمنٹ چارلس کی جانب سے اور بھی کھٹک گئی اور جب بادشاہ نے سابقہ پہرے کی بجائے امیر ڈورسٹ کی سرداری میں نیا پہرہ پارلیمنٹ کے ایوانوں کے گرد مقرر کیا تو شبہوں کے اندیشے اور بھی قوی ہونے لگے کیونکہ ڈورسٹ پیوریٹن فرقے کا پرجوش مخالف تھا۔ اس کے پہرے والوں کی چند ہی روز میں پیوریٹن فرقے کے حامیوں سے جو پیلیس یارڈ میں بھرے رہتے تھے، کھٹ پٹ ہو گئی اور محض اتفاق تھا کہ کشت و خون کی نوبت نہ آئی۔ بارے ڈورسٹ کا پہرہ ہٹا لیا گیا اور ویسٹ منسٹر کے عمال نے دوسرا پہرہ مقرر کر دیا۔ دار العوام کی تشویش بے سبب نہ تھی کیونکہ فی الواقع اہل دربار عجیب عجیب منصوبے سوچتے اور پیوریٹن سرگروہوں کو گرفتار کر لینے کی فکر میں تھے۔ حسب معمول ملکہ کی محل سرا رنیشہ دوانیوں کا مرکز تھی ۱۲ دسمبر کو قلعۂ لندن کے قلعہ دار بیلفر کو برطرف کیا گیا۔ وہ بہت معتبر آدمی تھا اور اسٹر سے فرڈ کو نکل بھاگنے کا موقع دینے سے اس نے انکار کر دیا تھا۔ اس کی بجائے ایک اوباش و خطرناک شخص لنس فرڈ مقرر ہوا لیکن اس تقرر پر مخالفت کا ہنگامہ ہوا تو چارلس مقابلہ کرنے سے پھر دم چرا گیا اور ڈورسٹ کی طرح لنس فرڈ بھی جلد برطرف کر دیا گیا۔ ان دونوں کے ہٹا دیے جانے کے باوجود پارلیمنٹ کو پورا اطمینان نہ ہوا وائٹ ہال کے گرد فوجی سردار بھرے رہتے اور اہل حرفہ بھی کثرت سے تماشا دیکھنے آتے ان میں اور سرکاری آدمیوں میں آئے دن مار پیٹ ہوتی اور انھی لڑائی جھگڑوں میں کیویلیر (= سوار) اور راونڈ ہیڈ (= گول سرے) کی مشہور اصطلاحیں

سب سے پہلے سنی گئیں۔

چارلس کے آئینی طور پر اقتدار حاصل کرنے کی ایک اور صورت اب یہ بھی نکل آئی تھی کہ دارالعوام اور دارالامرا کے باہمی اختلاف سے فائدہ اٹھائے کیونکہ امرا کی اکثریت اسقفی پسند تھی اور سیاسی معاملات میں بھی بہت سے ارکان بادشاہی اختیارات کی مزید قطع و برید میں پم کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ تھے۔ مگر یہ ساری امیدیں اسقفوں کی بے موقع حرکت سے برباد ہو گئیں۔ اصل یہ ہے کہ پیوریٹن خیال کے نو آموز کاریگر اسقفوں پر حملہ کرنے میں خاص طور پر بیباک تھے۔ ۲۷ دسمبر کو ولیمز نے جو اسی زمانے میں یارک کا صدر اسقف مقرر ہوا تھا، شور مچانے والوں میں سے ایسے ہی ایک چھوکرے کو اپنے ہاتھ سے گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ تب یہ شریر باتوں کو چھوڑ کر لاتوں پر اتر آئے اور اس زیادتی سے ڈر کر سوائے دو کے اور کوئی اسقف جلسے میں آنے کی ہمت نہ کر سکا۔ دوسرے دن ولیمز کی سرگروہی میں بارہ اسقفوں نے یہ اعتراض لکھ کر بھیجا کہ ان کی عدم موجودگی میں دارالامرا کی کارروائی ہی کالعدم ہے۔ اس پر امرا برا مان گئے اور اسقفوں کے خلاف دارالعوام کے ہمنوا ہو گئے۔ پم نے اصرار کیا کہ (پارلیمنٹ کی توہین کے جرم میں) اسقفوں پر مقدمہ چلایا جائے اور شام ہوتے ہوتے معترض اسقفوں کو حراست میں لے لیا گیا۔ اور پارلیمنٹ کے دونوں ایوان پھر متحد ہو گئے۔

پم وغیرہ پر مقدمہ

اس عرصے میں چارلس تذبذب کی دیرینہ بیماری میں مبتلا رہا۔ یکم جنوری کو اس نے عوام کے سرگروہوں سے مصالحت کا ارادہ کیا اور پم کو بلایا کہ وزارت مالیہ کا عہدہ اس کے سپرد کر دے۔ مگر دو ہی گھنٹے کے بعد کُل پیپر کو دی اور اس نے قبول کر لی فاک لینڈ معتمدی خاص کی خدمت پر سرفراز کر دیا گیا اور ہائڈ کو بھی عہدہ مل جاتا مگر وہ سمجھتا تھا کہ آزاد رہ کر بادشاہ کی زیادہ خدمت کر سکے گا۔ چارلس کی کارروائی مشکل سے تکمیل کو پہنچی ہو گی کہ اسے اطلاع ملی کہ دارالعوام میں ملکہ پر غداری کا مقدمہ چلانے کی ضرورت زیر غور ہے۔ واقع میں اگر پاپا اور آئرستانی باغیوں کے ساتھ ملکہ کی

باب سوم

سازباز، یا فوجی سازشوں ہی میں اس کی شرکت کا صحیح حال معلوم ہوجاتا تو پھر جرم کے ثبوت میں کوئی شبہہ ہی باقی نہ رہتا، لہذا ملکہ اور ڈگبی کے کہنے سے چارلس نے تاامکان اسے بچانے کی غرض سے اسٹرے فرڈ کی اس تجویز پر عمل کیا کہ مخالفوں پر الزام لگا کے خود دشمن کے میدان میں لڑائی چھیڑ دی جائے۔ چنانچہ طے ہوا کہ غداری کا الزام پِم، ہیمڈن، ہولیز، ہیزل رگ، اور اسٹروڈ پر عاید کیا جائے اور آخر میں امیر مینچسٹر کے بڑے بیٹے کمبولٹن کا نام بھی داخل فہرست کرلیا گیا۔ اس فیصلے کے مطابق ۳ جنوری (سنہ ۱۶۴۲ء) کے دن مشیر قانونی سر ایڈورڈ ہربرٹ دارالامرا میں آیا اور بادشاہ کی طرف سے ان چھیوں سرگروہوں کو ذیل کے جرائم کا مجرم قرار دیا:۔ (۱) اساسی قوانین اور حکومت کے استیصال کی کوشش۔ (۲) بیرونی طاقت کو انگلستان پر حملہ کرنے کی دعوت (۳) بادشاہ اور پارلیمنٹ کے خلاف فساد بپا کروانا اور ان کو جائز رکھنا۔ اور (۴) بادشاہ کے خلاف جنگ کرنا۔ بےشبہ ان میں سے ہر الزام غداری کی تعریف میں آتا تھا اور صحیح قانونی لحاظ سے پہلا الزام درست بھی تھا کہ اگر اسٹرے فرڈ نے پارلیمنٹ کی قوت کم کرکے الزبتھی آئین کو بدلنے کی سازش کی تو اسی قسم کی سازش کا (بادشاہ کے اختیارات کو کم کرنے کا) پِم بھی مرتکب ہوا۔ الزامات سنا کے ہربرٹ نے ملزمین کی گرفتاری کی استدعا کی مگر بادشاہ کی اس کارروائی کا اور اُلٹا اثر ہوا۔ اُمرا نے چارلس کا وار یوں خالی دیا کہ ہربرٹ کے طریق عمل پر غور کرنے کے لئے ایک ذیلی مجلس مقرر کی اور اس کی غلطی ڈگبی کو اتنی نمایاں نظر آئی کہ وہ فوراً ایوان سے اُٹھ کر چل دیا۔ اس اثنا میں دارالعوام میں خبر آئی کہ ملزمین کے کمروں پر بادشاہ کے حکم سے قفل ڈال دئے گئے اور اس پر بحث ہو ہی رہی تھی کہ شاہی گرزبردار (سارجنٹ ایٹ آرمز) بادشاہ کے نام سے ملزموں کا مطالبہ کرنے آپہنچا۔ ملزموں کی گرفتاری اُمرا کے حدود اختیار ہی میں داخل تھی عوام نے پارلیمنٹ کے امتیازات کا مطالبہ کیا اور چارلس کا منصوبہ بالکل درہم برہم ہوگیا۔ اگر چارلس میں ایک انقلابی کی جرأت ہوتی تو وہ ان مبعوثوں کو سوتے میں گرفتار کرالیتا مگر اس نے قانون کی عبارت سے تجاوز کرنا نہ چاہا اور دوسرے دن، صبح کو بہت کچھ تردد و تذبذب کے بعد فیصلہ کیا کہ خود ایوان پارلیمنٹ میں جاکر

ملزموں کو گرفتار کرے۔ کہتے ہیں ملکہ کے طعنوں سے جو برابر کہہ رہی تھی کہ ان بدمعاشوں کے کان پکڑ کے کھینچ لاؤ" وہ ایسا کرنے پر آمادہ ہوا تھا۔ بہر حال، تین بجے کے قریب وہ وہائٹ ہال سے، کم سے کم تین سو سواروں کے ساتھ روانہ ہوا۔ مگر اس کے ارادوں کی سب کو خبر تھی اور وہ آہستہ آہستہ جا رہا تھا لہذا عوام کو بادشاہ کے چلتے ہی اطلاع پہنچ گئی اور وہ جس وقت پیلیس یارڈ میں داخل ہوا، اس وقت ملزمین ویسٹ منسٹر کی سیڑھیوں سے کشتیوں میں بیٹھ کر شہر کی طرف چل دیئے۔ بادشاہ نے ساتھیوں کی زیادہ تعداد تو ایوان میں صف بستہ کی اور چند سرداروں کے ساتھ خود مبعوثین کے پیش دالان میں آیا۔ جہاں یہ سردار ٹھیر گئے اور اکیلا چارلس ایوان میں گیا۔ ملزمین کو موجود نہ دیکھا تو اس نے صدر نشیں، لن تھال سے پوچھا کہ وہ کہاں گئے۔ لن تھال نے گھٹنوں کے بل گر کر عرض کیا کہ "میں نہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں نہ اپنی زبان سے بولتا ہوں، بجز اس کے جس کی اہل مجلس ہدایت فرمائیں" چارلس کو دوبارہ ناکامی ہوئی اور وہ خائب و خاسر واپس چلا آیا اور یہ نعرے کہ "پارلیمنٹ کا امتیاز، پارلیمنٹ کا امتیاز!" کانوں میں گونجتے رہے پیش دالان میں فوجی سردار اپنے لبادے اتار کر طینچوں کے گھوڑے چڑھا رہے تھے اور بظاہر تشدد کرنے پر تلے ہوئے تھے، جس کے وبال سے صرف پم وغیرہ کی فراری نے چارلس کو بچا لیا۔ سپاہیوں کو یہ خبر ہوئی تو چلائے کہ وہ تو چل دئے اور ہمارا آنا بے کار ہی رہا۔" دوسرے روز چارلس شہر میں گیا اور بلدیۂ لندن سے مطالبہ کیا کہ ان غداروں کو حوالے کر دیا جائے۔ مگر ارکان بلدیہ بھی دار العوام کی طرح مضبوط رہے اور گلڈ ہال کے اندر باہر بھی وہی "پارلیمنٹ کا امتیاز، پارلیمنٹ کا امتیاز" کی صدائیں بلند ہوتی رہیں۔

ادھر پارلیمنٹ رسمی طور پر ۱۱ تاریخ تک ملتوی کر دی گئی لیکن غیر رسمی جلسے شہر میں روزانہ ہوتے رہے، جن میں صاف کہہ دیا گیا کہ بادشاہ غداری کی بنا پر گرفتار نہیں کر سکتا۔ اور یہ اصول بھی طے ہوا کہ جب تک پارلیمنٹ کو الزام کی صداقت کا اطمینان نہ ہو جائے، کوئی مبعوث گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری طرف، چارلس بھی اپنی بات پر قائم تھا۔ اس نے وہائٹ ہال کے سامنے دار العوام کے پانچوں ملزموں کے غدار ہونے کی منادی کرا دی۔ اس کے جواب میں لندن کے سدھے ہوئے

دستے طلب کئے گئے اور ان کی قیادت فلپ اسکیپن کے تفویض ہوئی جو پکا پیوریٹن اور عملاً سپاہی آدمی تھا۔ ٹیمز کے ملاحوں نے پارلیمنٹ کے ایوانوں کی دریا کی طرف سے حفاظت کرنے کی خدمت از خود انجام دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ غرض چارلس کی کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف پارلیمنٹ کے دونوں شعبے متحد ہو گئے بلکہ پانچوں ملزمین قومی سُورما بن گئے اور صاف نظر آنے لگا کہ وہ ۱۱ ؍ اردیں تاریخ کو فاتحانہ انداز سے پارلیمنٹ میں آئیں گے اور غالباً خود ملکہ کے گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ پس اپنی بیوی کو بچانے اور خود ذلت سے بچنے کے لئے چارلس ۱۰ ؍ جنوری ہی کو وہائٹ ہال سے روانہ ہو گیا اور ایسا رخصت ہوا کہ پھر قتل ہونے ہی کے لئے واپس آیا۔

ملکہ باہر چلی جاتی ہے

لندن سے چل کر بادشاہ و ملکہ ہیمپ ٹن کورٹ اور پھر ونڈزر، کینٹربری اور ڈوور گئے۔ ۲۳ ؍ فروری کو ملکہ اپنی بڑی بیٹی میری کو لے کر ہالینڈ چلی گئی۔ اس شہزادی کا رسمی طور پر عقد گزشتہ مئی میں ولیم (آف اورینج) کے ساتھ ہو چکا تھا۔ ملکہ اپنے ہمراہ بیش بہا شاہی زیورات بھی لے گئی تھی کہ انھیں گروی رکھ کر بیرونی فوج مہیا کی جائے اور وہ انگلستان پر حملہ آور ہو۔ ڈگبی بھی انگلستان سے روانہ ہوا اور ملکہ کو بہت کچھ امید پیدا ہو گئی کہ زبردست لشکر کے ساتھ واپس آئے گی خود چارلس، گرینچ روانہ ہوا اور شہزادہ ولی عہد کو اپنی حفاظت میں لے کر مارچ میں نیو مارکیٹ پہنچ گیا۔ اس عرصے میں پارلیمنٹ اور بادشاہ کے درمیان برابر نامہ و پیام ہوتے رہے۔ اب دونوں ایوان متحد تھے جس کا ایک ثبوت یہ ملا کہ اسقفوں کو دار الامرا سے خارج کرنے کا مسودۂ قانون بلا دقت منظور ہو گیا اور چارلس نے بھی ان علمائے دین کو قربان کرنا گوارا کر کے دستخط ثبت کر دئے۔ پھر پارلیمنٹ آئرستانی جنگ کی طرف متوجہ ہوئی اور ۲۴۰۰ سپاہی وہاں بھیجے گئے۔ پارلیمنٹ کو آئرستان کے قدیم باشندوں سے اسی قدر کم ہمدردی تھی، جتنی اسٹرےفرڈ کو، اور اس نے روپیہ وصول کرنے کی یہ نئی تدبیر نکالی کہ باغیوں کی پچیس لاکھ ایکڑ زمین چھین کر آفاقیوں کی ایک جماعت میں بانٹ دی جائے اور وہ آپس میں چندہ کر کے دس لاکھ پاؤنڈ قیمت ادا کریں اسے بھی

باب سوم

چارلس نے منظور کر لیا اگرچہ غالباً وہ جانتا تھا کہ اس کارروائی سے باغی اور بھی جان توڑ کر لڑیں گے اور انھیں قابو میں لانا اور زیادہ دشوار ہو جائے گا۔

فوج بے قاعدہ

معمول کے مطابق تو آئرستان کی فوج کا سپہ سالار بادشاہ کو ہونا چاہئے تھا لیکن پارلیمنٹ کو چارلس پر اس قدر کم بھروسہ تھا کہ اس نے آئرستانی جنگ کو اپنے زیر انتظام رکھنے کے علاوہ ایک تازہ تجویز ایسی سوچی کہ بادشاہ کا انگلستان کی فوجوں پر جو اقتدار ہے، وہ بھی باقی نہ رہے۔ ایڈورڈ ششم کے عہد سے دیہات کی فوج بے قاعدہ (= ملیشیا) نائب سپہ سالاروں کے ماتحت ہوتی تھی اور اُن کا، نیز جنگی قلعوں کے قلعہ داروں کا تقرر خود بادشاہ کیا کرتا تھا، اب پارلیمنٹ نے ان دونوں قسم کے تقررات کو اپنے قبضے میں لینے کی غرض سے ایک مسودۂ قانون مرتب کیا اور نظیر کے طور پر، سائے کو آکسفرڈ شر میں "نائب سپہ سالار" اور ہل کو قلعہ ہل میں ایک قلعہ دار اپنی طرف سے مقرر بھی کر دیا۔ ۹ مارچ کو بادشاہ سے مجوزہ قانون کی منظوری مانگی گئی۔ چارلس نے منظوری دینے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ "تم اس تجویز میں وہ چیز مجھ سے طلب کرتے ہو جو کبھی کسی بادشاہ سے طلب نہیں کی گئی اور جس کو میں اپنے بیوی بچوں کے حوالے کرنا بھی پسند نہ کروں گا"۔ تب پارلیمنٹ نے قانون کی بجائے اسے "حکمنامۂ پارلیمنٹ" کے پیرائے میں شاہی منظوری کے بغیر نافذ کر دیا اور اپنے مقرر کردہ سرداروں کو ہدایت کی کہ عہدے کا جائزہ لے لیں۔ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی یہ کارروائی بلاشبہ قانون و آئین کے خلاف تھی اور بادشاہ کو موقع مل گیا کہ قانون کا حامی بن کر مقاومت کرے لیکن چونکہ پارلیمنٹ میں کوئی گروہ سیاسی اعتبار سے اس کا ہواخواہ نہ تھا، لہٰذا وہ شروع میں کچھ زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکا اور ۱۹ مارچ کو یارک پہنچا تو لوگوں نے کچھ بہت آؤ بھگت نہ کی۔ البتہ یہی زمانہ ہے جب

شاہ پسندوں کی قوت پذیری

سے ایک سیاسی تغیر کے آثار نمایاں ہوئے۔ پانچ مبعوثین کے گرفتار کرنے کی کوشش کے وقت سے مذہبی مسائل پس پشت رہ گئے تھے، وہ اب دوبارہ اُبھرے اور انھی کے ساتھ بادشاہ کو مدد ملنے کی امیدیں بھی تازہ ہو گئیں۔ اس کا قوی سبب یہ ہوا کہ کینٹ کے شرفا کی طرف سے پارلیمنٹ میں ایک محضر پیش ہوا جو دراصل اسقفی پسند گروہ کے خیالات کا

باب سوم

حائل تھا۔ محضر گزاروں کا مطالبہ تھا کہ (۱) کلیسا کی نماز خوانی بیجا داخلت، تعریض، تذلیل و تہدید اور ایسے لوگوں کے تشدد سے محفوظ کی جائے جو آئے دن اسے بگاڑتے رہتے ہیں اور (۲) اسقفی نظم ونسق برقرار رکھا جائے۔ ان مقاصد سے چارلس پورا ہم آہنگ تھا اور اگر اس گروہ کو یہ یقین دلا دیا جائے کہ آئندہ وہ قدیم روش چھوڑ کر آئینی اصول کی کامل پابندی کرے گا، تو اُسے اپنے مویدین کا بنا بنایا گروہ مل سکتا تھا۔ چنانچہ یہ کام اُس کی طرف ہائیڈ نے انجام دیا۔ وہ ذاتی طور پر چارلس کا پورا پورا ہم خیال تھا۔ اُس نے اسٹرےفرڈ کے قتل کی رائے دی لیکن اسقفی نظام کو توڑنے کے خلاف تھا۔ دیرینہ خرابیوں کے دُور کرنے میں سرگرمی سے حصہ لیتا رہا مگر فوج بے قاعدہ کے جدید و مخدوش مسودۂ قانون کی مخالفت کی غرض اب یہی شخص قانون پروری کی حمایت میں کھڑا ہوا اور چارلس نے اسے آئینی معاملات میں اپنا مشیر بنالیا۔ ادھر پارلیمنٹ نے گویا بادشاہ کو اور تقویت اِس طرح پہنچائی کہ کینٹ کے محضر گزاروں پر مقدمہ چلا کر سابقہ مذہبی تصفیئے سے علانیہ مخالفت کا اظہار کیا۔ اسی وقت سے اہل ملک مجبور ہو گئے کہ یا قطعی طور پر بادشاہ کا ساتھ دیں یا پارلیمنٹ کا، اگرچہ بعض معاملات میں انھیں دونوں سے اختلاف ہو۔ اسقفی انتظام اور کتاب الصلواۃ کے حامیوں کو ان دونوں کی سلامتی اسی میں نظر آنے لگی کہ بادشاہ پارلیمنٹ پر غالب آئے۔ بخلاف اِس کے جو لوگ عبادت کے دوسرے طریقوں کو گرجا کے اہلکاروں کے انتظام کو پسند کرتے تھے، وہ اپنی جگہ پر مجبور ہو گئے کہ پارلیمنٹ کی تائید کریں۔ کیونکہ جملہ مذاہب سے رواداری کے خیال کی تائید کرنے والے ابھی تک وجود میں نہ آئے تھے۔

بایں ہمہ اس گروہ بندی سے ملک میں خانہ جنگی سامنے تلی ہوئی دکھائی دی تو دونوں فریق سوچ میں پڑ گئے اور تھوڑی دیر کے لئے مصالحت کا امکان نکل آیا تھا کہ چارلس کی ایک بے عقلی سے پارلیمنٹ کے شکوک تازہ ہو گئے۔ یہ اس کی ہل میں داخل

چارلس کا ہل میں رد کا جانا

ہونے کی کوشش تھی۔ واضح رہے کہ جب سے بادشاہ لندن سے روانہ ہوا، پارلیمنٹ کی توجہ ہل اور پورٹس منتھ کی طرف مبذول ہو گئی جہاں قلعۂ لندن کی مثل اسلحہ کے بڑے بڑے ذخیرے تھے ہل کو خاص طور پر اہمیت حاصل ہو گئی تھی کیونکہ جب سے شمالی فوج کی تخفیف ہوئی

سولہ ہزار سپاہیوں کا سازوسامان، اسی قلعے میں محفوظ تھا۔ دوسرے ولندیزی یا ڈینمارک کی سپاہ انگلستان آتی، تو اسے سب سے زیادہ سہولت اسی بندرگاہ پر اترنے میں ہوتی۔ غرض، چارلس نے امیر نیوکاسل کو حکم دیا کہ ہل پر قبضہ کر لے تو پارلیمنٹ نے پیش قدمی کی اور سر جان ہوتھم کو وہاں بھیجدیا۔ پھر فوج بے قاعدہ کا حکم نامہ، منظور ہوا تو اس تقرر کی توثیق کر دی اور حکم ملا کہ وہ اس مقام کو کسی کے حوالے نہ کرے "بجز ایسے بادشاہی حکم کے، جو عوام و امرا کی حاضرہ پارلیمنٹ کی طرف سے نافذ کیا گیا ہو"۔ یہ حکم صریحاً خلاف قانون تھا اور ملکہ کے اصرار سے چارلس خود ہل جاکر داخلے کا مطالبہ کرنے پر تیار ہوگیا۔ ۲۳ر اپریل کو وہ شہر کے پھاٹک کے سامنے نمودار ہوا مگر ہوتھم نے امانت کا حق ادا کیا اور بادشاہ اس کے غدار ہونے کی منادی کراکے، ناکام یارک چلا آیا۔ یہ علانیہ اسلحہ حاصل کرنے کی کوشش تھی اور اس سے صلح کے سارے امکانات پر پانی پھر گیا۔ پارلیمنٹ نے اسلحہ کا ذخیرہ ہل سے لندن میں منتقل کرالیا۔ اور اب لڑائی ایسی ناگزیر ہوگئی کہ دونوں فریق پوری توجہ سے ایک دوسرے کی چیرہ دستی ثابت کرنے میں مصروف ہوگئے۔

۲ر جون کو پارلیمنٹ نے ۱۹ تجویزیں بادشاہ کے پاس بھیجیں جن میں اجازت طلب کی گئی تھی کہ شاہی مجلس کے ارکان، شاہی عہدہ دار، قلعہ دار اور حکام عدالت پارلیمنٹ نامزد کرے۔ فوج بے قاعدہ کے متعلق پارلیمنٹ کے حکم نامے کو منظور کر لیا جائے اور پارلیمنٹ کی رائے کے مطابق کلیسا کی اصلاح کی اجازت دی جائے۔ ظاہر ہے کہ چارلس نے انکار کیا اور ۱۵ر جون کو یارک سے ایک جوابی اعلان بھی شائع کیا گیا جس کی عبارت آرائی میں بڑی ہوشیاری سے کام لیا تھا اور بادشاہ کے حامیوں کی طرف سے درج تھا کہ چارلس، پارلیمنٹ سے لڑائی کا خواہاں نہیں ہے اور اس کی ساری کوشش یہ ہے کہ سچا پروٹسٹنٹ مذہب پارلیمنٹ کے واقعی حقوق، رعایا کی آزادی، امن و قانون اور ملک کی سود و بہبود کے مسائل واضح اور محکم طور پر طے ہوجائیں۔ اب تک چارلس کو خیرخواہ ملنے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ وہ برابر اپنے ملک کے خلاف بیرونی مدد بہم پہنچانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ لہذا یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ یہ سب کوششیں ناکام رہیں اور اس نے خود اہل انگلستان

باب سوم

کی وفاداری سے مدد لینے کا تہیہ کر لیا اور اسی ارادے کا پہلا ثمر مذکورۂ بالا اعلان تھا۔ اس کامیابی سے ہمت مضبوط ہوئی تو چارلس نے دوسرے دن "پروانہ ہائے صف بندی" جاری کئے جن میں اپنے خیر خواہوں کو اجازت دی گئی تھی کہ فوج کے لئے قواعد داں دستے مہیا کریں۔ اور اگرچہ جنوب مشرقی اضلاع کے باشندے پارلیمنٹی سپہ سالاروں کے ساتھ رہے لیکن شمال اور مغرب میں پروانہ داروں کی ہدایات پر عمل ہوا۔ بادشاہ کو ایک اور وقت روپے کی پیش آتی رہی تھی مگر اس نازک وقت میں کیتھولک فرقے کا امیر وُرسٹر اور اس کا بیٹا لارڈ ہربرٹ کام آئے اور اپنی ضمانت پر ۹۵ ہزار پاونڈ کی رقم خطیر جمع کر دی۔ ملکہ بھی شاہی زیورات رہن رکھ کر مزید رقم بہم پہنچانے میں کامیاب ہوئی۔

جنگ کی طرف ڈھلکنا

اب فریقین برابر جنگ کی طرف ڈھلک رہے تھے۔ ۴ر جولائی کو ایک مجلسِ تحفظ مقرر ہوئی جس کے سربرآوردہ ارکان یہ تھے: اسیکس۔ سائے۔ سیل (اُمراء سے) اور پِم ہیمڈن فینیز۔ ہولیز۔ اور سر ولیم والر۔ اور چند روز بعد طے ہوا کہ جنگی خدمت کی غرض سے دس ہزار جوان بھرتی کئے جائیں۔ ۱۱ر جولائی کو دار العوام نے اعلان کیا کہ چارلس جنگ کا آغاز کر چکا ہے۔ ۱۲ر کو اسیکس سپہ سالار مقرر ہوا۔ ۱۵ر کے دن سب سے پہلا کشت و خون مینچسٹر کے قریب لارڈ اسٹرینج (جو آگے چل کے امیر ڈاربی ہوا) اور بعض شہر والوں کے مقابلے سے واقع ہوا جب کہ یہ شہری پارلیمنٹ کے حکم نامۂ فوج بے قاعدہ پر عمل کرانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ ۱۷ر جولائی کو چارلس کی موجودگی میں ہل کی فصیلوں کے سامنے لڑائی ہوئی۔ اگست میں پارلیمنٹ نے آئرستانی جنگ کی منظور شدہ رقم میں سے ایک لاکھ پاونڈ قرضہ لیا۔ اسی ماہ کی ۹ر تاریخ بادشاہ کے رفیقوں کو پارلیمنٹ میں غدار قرار دیا اور ۲۲ر کو چارلس نے نوٹنگھم میں شاہی پرچم کھولا۔ یہ کارروائیاں تھیں جن سے اہل انگلستان کو معلوم ہونے لگا کہ وہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ ہر گروہ جنگ کے لئے آمادہ تھا اگرچہ اپنی ناخوشی کا اظہار اور فریق مقابل کو کشت و خون کا اصلی ذمہ دار بناتا تھا۔ چارلس نے لڑائی کا جھنڈا بلند کرنے کے بعد بھی صلح کی دو کوششیں اور کیں اور آخر میں ۴ر ستمبر کو فاک لینڈ کو اجازت

باب سوم

دی کہ پارلیمنٹ کے سرگروہوں سے جا کے زبانی کہہ دے کہ بادشاہ اب بھی ہر معقول تجویز کو سننے کے لئے تیار ہے اور خصوصیت کے ساتھ وہ مذہب کی کامل اصلاح پر رضامند ہوگا"۔ افسوس ہے کہ یہ پیام صیغۂ راز میں بھیجا گیا اور اعلان صرف اس آمادگی کا ہوا کہ اگر غداری کے الزامات کو جو دونوں طرف سے فریق مقابل کے افراد پر لگائے گئے تھے، کالعدم کر دیا جائے، تو بادشاہ جنگ سے رُک جائے گا۔ جواب میں پارلیمنٹ نے مطالبہ کیا کہ تیاریوں میں جو روپیہ خرچ ہوا ہے وہ اُن لوگوں کی اراضی سے وصول کیا جائے جنھیں پارلیمنٹ "درخاطی" قرار دے۔ یہ وہی روش تھی جو آئرستان میں انگریز حکام نے باغیوں کے خلاف اختیار کی تھی اور یہاں بھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دس ہزار لڑنے والے بادشاہ کے علم کے نیچے جمع ہو گئے۔ بلکہ پہلے تو محض وفاداری کے خیالی جذبے یا اسقفیت کی بقا کے لئے لڑنے مرنے میں تذبذب تھا، اور اب جو بہتوں کو اپنی جاگیریں خطرے میں نظر آئیں، تو کوئی تامل باقی نہ رہا اور چارلس کے گرد چندہی روز میں پرجوش سپاہیوں کا لشکر جمع ہو گیا۔

فریقین کا ساتھ دینے والے کسی جغرافی حدود میں محدود نہ تھے۔ ہر پرگنے میں بعض لوگ بادشاہ کے اور بعض پارلیمنٹ کے طرفدار تھے۔ علمائے کلیسا نے بلا استثنیٰ بادشاہ کا ساتھ دیا۔ اور علیٰ ہذا کیتھولک فرقے نے، جو خوب جانتا تھا کہ پیوری ٹن گروہ کی فتح ہوئی تو پھر کیتھولکوں کی خیر نہ ہوگی۔ اہل انحراف اور اسقفیت کے مخالف، ظاہر ہے کہ پارلیمنٹ کی طرف تھے اور پکے پیوری ٹن جو اپنے مذہب کو اصلاح کلیسا کا بہترین ثمرہ سمجھتے تھے ان کے نزدیک بادشاہ سے لڑنا گویا مذہبی جہاد کرنا تھا۔ جن لوگوں کے مذہبی عقائد پختہ نہ تھے وہ دونوں طرف بٹے ہوئے رہے۔ شاہی امتیازات کو کم کرنے کی ضرورت پر زور دینے والے پم کے مؤید تھے اور قدیم وفاداری کے شیفتہ، چارلس کے زیر علم آ گئے۔ اکثر عیش دوست اشخاص کا دل گواہی دیتا تھا کہ پیوری ٹن مذہب کی حکومت ہوئی تو اپنی طرز معاشرت کا نباہ غیر ممکن ہو جائے گا، لہٰذا اس کی مزاحمت کرنا فرض عین ہے یہ بھی بادشاہ کے پیرو ہو گئے۔ لنس فرڈ جیسے شراب خوار تلوریئے بھی اسی طرف آملے جس سے فاک لینڈ وغیرہ عالی خیال حضرات کو پریشانی بھی پیدا ہوئی۔ آبادی کے مختلف طبقات پر نظر ڈالی جائے تو

معلوم ہوگا کہ پارلیمنٹ کی فوج میں بیشتر شہری، خصوصاً لندن والے بھرتی ہوئے اگرچہ ان کے سردار امرا یا زمینداروں کی جماعت سے لیے گئے تھے تاہم متوسط طبقے کے شرفا یا زمینداروں نے عموماً بادشاہ کا پہلو لیا اور خود ادھر آئے تو اپنے کسانوں کو بھی ساتھ لے آئے۔ امیر گھرانوں کے بے غرض افراد دونوں طرف موجود تھے اور ہر چند مہذب صاحبانِ ذوق کو پیوریٹن مذہب کے خشک وسخت اصول دور باش کہتے نظر آتے تھے، پھر بھی پارلیمنٹ کے طرفداروں میں شائستہ اور نفیس مزاج لوگوں کی کمی نہ تھی۔ مثال کے طور پر اسی لشکر میں ایک کرنل ہچنسن ہی تھا جس کی بیوی کا بیان ہے کہ "وہ بہت عمدہ رقص کرسکتا تھا اگرچہ جوانی یا کہولت میں اس کی کوئی مشق اس نے نہیں کی۔ تلوار کھیلنے میں اسے مہارت حاصل تھی جیسی کہ شرفا کو ہونی چاہئے وہ موسیقی کا دلدادہ تھا اور اکثر رباب سے دل بہلاتا جسے بجانے میں اسے کمال حاصل تھا نقاشی، کندہ کاری اور بت تراشی اور جملہ فنون ذوقی میں اس کی نظر بہت اچھی تھی اور طرح طرح کے بیش قیمت نوادر بھی اس نے جمع کئے تھے"۔

مگر تفہیم کی غرض سے اگر ہل سے گلوسٹر ہوتا ہوا الم تک خط کھینچا جائے تو یہ فریقین میں حد فاصل ہوگا کہ اس کے جنوب اور مشرق کے باشندے یا کم سے کم ان کا کارکن گروہ تو عموماً پارلیمنٹ کا مدد و معاون تھا اور شمال و مغرب میں اکثریت بادشاہ کے ساتھ تھی۔ (دیکھو نقشہ آغاز باب ہذا) اس تقسیم میں بعض مستثنیات بھی تھیں۔ مثلاً آکسفرڈ کے دارالعلوم نے بادشاہ کا پہلو لیا۔ یہی روش کیمبرج کی تھی مگر کروم ویل نے اسے بہت جلد مدد دینے کے قابل ہی نہ رہنے دیا۔ یارک شر کے علاقہ ویسٹ رائڈنگ اور نیز سمرسٹ کے پارچہ ساز قصبات پارلیمنٹ کے ہمنوا تھے۔ اندرونی دیہات کی نسبت ساحلی بستیاں عموماً پارلیمنٹی تھیں۔ اس تقسیم میں جنگ نسرین و نسترین کے زمانے کی بھی مماثلت پائی جاتی ہے کہ شہر اور دولت مند اضلاع اس موقع پر پارلیمنٹ کی طرف رہے جیسے انھوں نے پہلے خاندان یارک کا ساتھ دیا تھا اور مفلس و پس ماندہ علاقوں نے بادشاہ کی وفاداری کا حق ادا کیا۔ پارلیمنٹ کے لئے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ امیر وارک کے ماتحت سارا بیڑا اسی کی طرف تھا اور اسی واسطے بادشاہ کو تو باہر سے سامان رسد منگانے میں

کمال دقت پیش آتی رہی اور پارلیمنٹ والے نہ صرف اپنی فوجوں کو سمندر کے راستے اِدھر اُدھر بھیج سکے بلکہ بیڑے کی مدد سے ساحلی شہروں کو چارلس کی بری فوج کا خوب مقابلہ کرنے میں نہایت مفید مدد دے سکے۔ پارلیمنٹ نے جنگ کرنے میں اپنی جان لگا دی تھی۔ سائے آکسفرڈ آیا کہ جامعہ کو مرعوب کرے۔ ولیم والر نے پورٹس متھ

آغاز جنگ

پر چڑھائی کی اور ۷ر ستمبر کو گورنگ نے مجبور ہو کر شہر حوالہ کر دیا۔ نارتھمپٹن (جواب امیر مینچسٹر ہو گیا تھا) ہمپڈن، فیلینز، ہولیز وغیرہم نے اپنے ذاتی خرچ سے فوجیں مرتب کیں۔ لندن والوں نے آٹھ ہزار سپاہی فراہم کیے اور تھوڑی ہی مدت میں بیس ہزار جوان پارلیمنٹی نشان یعنی نارنجی پٹکا باندھے نظر آنے لگے۔ اس اجتماع کے ساتھ ساتھ شاہ پسندوں اور کیتھولکوں کے مکان کے مکانات لوٹ لئے گئے اور پیوریٹن فرقے کے مخالف گرجوں کی آرائش اور ممبروں کے کٹہرے توڑ ڈالے گئے۔ ۹ر ستمبر کو اسیکس باضابطہ پارلیمنٹ کے دونوں شعبوں سے رخصت ہوا۔ اور عزم مصمم کے ثبوت میں تابوت و کفن ساتھ لے کر نارتھمپٹن کی طرف کوچ کیا جہاں سے وہ بلا تاخیر ناٹنگھم پر فوج کشی کا قصد رکھتا تھا۔ لیکن نارتھمپٹن پہنچنے پر معلوم ہوا کہ چارلس ناٹنگھم کو پہلے ہی چھوڑ چکا ہے۔ اصل میں وہاں اسلحہ کی فراہمی دشوار تھی اور اسی لئے جنگی تیاریوں میں رکاوٹ ہوئی تو وہ دانائی سے شہر وزبری میں منتقل ہو گیا جہاں ویلز اور شمال کی فوجیں آسانی سے جمع ہو سکتی تھیں۔ راستے میں اس نے سپاہیوں کو یہ اعلان کر کے دوبارہ مطمئن کیا کہ اس پارلیمنٹ کے جن قوانین کو میں منظوری دے چکا ہوں، وہ برقرار رہیں گے اسی کے ساتھ اپنے آدمیوں کے مذہبی جذبات کو یہ کہہ کہہ کر اُبھارا کہ مقابلے میں جو لوگ آئیں گے وہ دجالی، دہریے، زندیق ہونگے۔ چارلس کی فوج میں سب سے پرجوش جنگجو یقیناً اس کا بھانجا روپرٹ (شہزادہ پیلے ٹی نیٹ) تھا جس کی عمر صرف تیئس سال کی تھی مگر سپاہ گری کی بہترین صلاحیت رکھتا تھا اور تلا ہوا تھا کہ جس طرح ممکن ہو غلبہ حاصل کیا جائے۔ چنانچہ رسد فراہم کرنے میں زبردستیوں کی بدولت پارلیمنٹی فریق نے بطریق سجع اس کا نام "پرنس روبر" (= شہزادہ ڈاکو) رکھ دیا تھا اس شہزادے کو چارلس نے سواروں کا سپہ سالار مقرر کیا اور بھی کئی سپہ سالار نامزد ہوئے لیکن درحقیقت اصلی انتظامات خود بادشاہ کے ہاتھ میں تھے۔

باب سوم

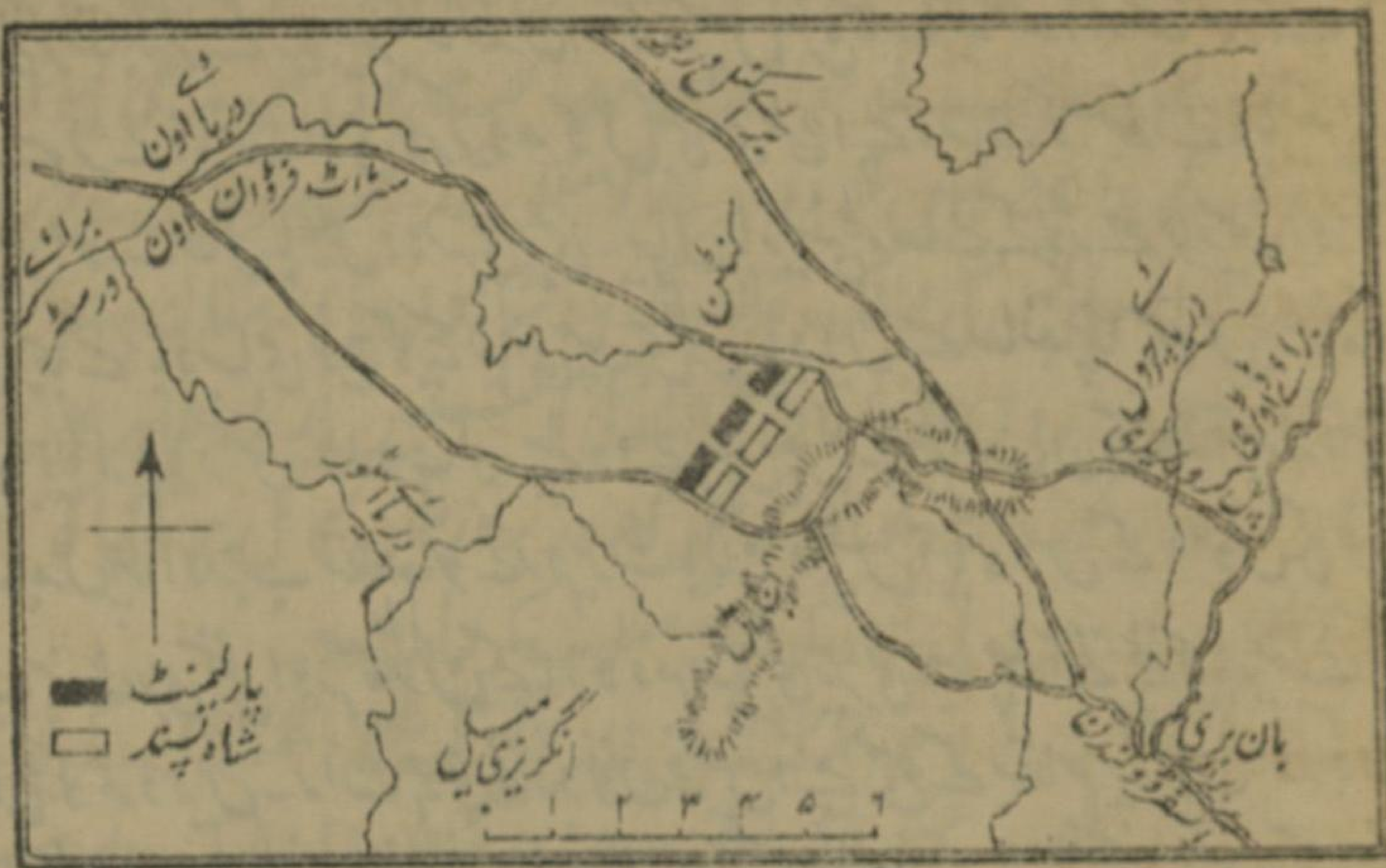
وُرسٹر خانہ جنگی کا پہلا قابل ذکر معرکہ ورسٹر میں پڑا۔ سر جان بائرن آکسفرڈ کے کلیات سے مال متاع لے کر بادشاہ کے پاس آ رہا تھا کہ فینیز کے ایک سوار دستے نے آگھیرا۔ روپرٹ نے بائرن کو عقبی حملے سے بچانے کے سلسلے میں اس دستے کو بھگا دیا اور سامان رسد جس کی بڑی ضرورت تھی دشمن کے ہاتھ سے بچا لایا۔ اس معرکے کا ایک خاص اثر یہ ہوا کہ شاہ پسندوں کی نگاہ میں پیوری ٹن رسالے کی کوئی وقعت نہ رہی۔ خود ایک پارلیمنٹی سردار کروم ویل بھی اس رائے میں ان کا شریک تھا چنانچہ اپنے عم زاد بھائی ہیمڈن سے اس نے اپنی طرف کے سواروں کی مذمت کی اور کہا کہ "تمھارے ساتھی زیادہ تر بڈھے ملازمین یا قالین باف وغیرہ ہیں اور اُن کی فوج اشراف زادوں اور ذی وجاہت لوگوں پر مشتمل ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ایسے رذیل اور ادنیٰ افراد شرفا کا مقابلہ کر سکیں گے۔ جن میں ہمت، استقامت اور شرافت کے جوہر ہیں"۔ ہیمڈن بھی اس بات کو مانتا تھا۔ مگر تردد یہ تھا کہ اس کے علاوہ اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ تاہم کروم ویل اپنی عملی طرز کے مطابق فوراً اپنا الگ رسالہ تیار کرنے میں مصروف ہو گیا جسے وہ بالکل جداگانہ قسم کی فوج بنانا چاہتا تھا۔

چارلس کے شروزبری جانے کے جواب میں ایسکس نے وارک وغیرہ مناسب مقامات میں فوجیں متعین کر دیں اور خود ورسٹر پہنچ گیا۔

چارلس کی پیش قدمی لندن پر ۱۲؍ اکتوبر کو چارلس نے شروزبری سے کوچ کیا اور ہوشیاری سے ان قصبوں کو بچا کے جہاں فوجیں موجود تھیں، سیدھا لندن کا رُخ کیا۔ ایسکس تعاقب میں چلا۔ ۲۲؍ اکتوبر کو چارلس، ایج کوٹ میں اور حریف چند میل کے فاصلے سے کینیٹن میں مقیم تھے اور دونوں کے راستے آگے چل کے بین بری پر مل جاتے تھے۔ چارلس کا لشکر کچھ آگے بڑھا ہوا تھا۔ لیکن ایسکس کے قریب آنے کی خبر سن کر وہ اپنا راستہ چھوڑ کر ایج ہل پر ہٹ آیا اور بہت محفوظ مقام پر خیمے ڈال دئے۔ یہ بلند زمین کا وہ سلسلہ تھا جس کے نیچے آیون کی سطح وادی واقع ہے۔ ایسکس کا راستہ انھی بلندیوں سے گزرتا تھا۔ شاہی فوج کی تعداد چودہ ہزار تھی اور ایسکس کے تحت میں دس ہزار سے زیادہ سپاہی نہ ہونگے تاہم ہیمڈن ایک مختصر لشکر کے ساتھ دو منزل پر موجود تھا۔

معرکۂ ایج ہل مدافعت کے لئے چارلس کا مقام بہت مضبوط تھا لیکن وہ انتظار میں نہ رہ سکتا تھا کیونکہ سامان رسد ختم ہو رہا تھا اور علاقہ ایسے دشمنوں کا تھا کہ وہاں کے لوہاروں نے گھوڑوں کے نعل بنانے تک سے انکار کر دیا اور عقب میں بین بری کا قصبہ انگلستان بھر میں سب سے بڑھ کر

پارلیمنٹ کا طرفدار موجود تھا۔ مزید برآں شاہی لشکر میں بہت کم لوگ ہوں گے جنھیں آسانی سے فتح



جنگ ایج ہل ۲۳ اکتوبر ۱۶۴۲ء

پانے میں کوئی شک ہو۔ لہٰذا دوسرے دن (اتوار) ۲۳ اکتوبر کی سہ پہر کو بادشاہی فوج ٹیکرے سے اُتری اور اسیکس پر حملہ کر دیا۔

اس زمانے کے معمول کے مطابق دونوں لشکروں کے سوار بازوؤں پر اور پیادے وسط میں تھے فریقین کے اسلحہ یکساں تھے یعنی ہر ایک دستۂ فوج قلب میں نیزہ برداروں اور پہلوؤں پر بندوقچیوں سے مرتب تھا۔ صفوں میں آگے پیچھے دس سپاہیوں کی قطار ہوتی تھی کہ سامنے کا بندوقچی بندوق چلا کر پیچھے ہٹ آئے اور نوبت بہ نوبت نو ساتھی بندوق چلا چکیں تو وہ اس وقفے میں دوبارہ بندوق بھر کر تیار ہو جائے اس طرح برابر گولی چلتی رہتی تھی۔ سوار حملہ کرتے تو بندوقچی نیزہ برداروں کی پناہ میں آ جاتے اور وہ برچھے جھکا کے حملہ آوروں کے سامنے آ کھڑے ہوتے تھے۔ حملے کا عام طریقہ یہ تھا کہ پیادہ و سوار اکھٹے بڑھتے اور قریب پہنچ کر سوار یورش کرتے اور پیادے ایک دوسرے پر گولیاں چلاتے حتیٰ کہ ایک فریق پیچھا دکھائے ورنہ بھڑ کر دست بدست لڑائی کی کوشش بھی کی جاتی تھی۔ القصہ ۳ بجے کے قریب معرکہ شروع ہوا کہ شام ہونے میں دو گھنٹے سے کچھ ہی زیادہ وقت باقی ہوگا۔ چند سال سے رسالے کے سوار صرف طپنچے چلاتے رہتے اور شاذونادر دشمن کی صفوں تک پہنچتے تھے لیکن روپرٹ اپنے سواروں سمیت عین دشمن کی صفوں پر جا پڑا اور اس نئی تدبیر سے حریف کو پامال کرتا چلا گیا چنانچہ میمنے کی طرف تو اس کے سواروں نے دشمن کو کنیٹن تک بھگا دیا اور پھر مال اسباب پر ٹوٹ پڑے اور

باب سوم

بالکل قابو سے باہر ہو گئے اور بائیں طرف بھی ول مٹ کو ایسی ہی کامیابی ہوئی کہ صرف بیلفر کے دو رسالے جم کر مقابلہ کر سکے۔ یہ بیلفر قلعۂ لندن اور اسٹیپل ٹن کا سابقہ قلعہ دار تھا اور اب پارلیمنٹ کی طرف سے لڑنے آیا تھا۔ اولی ور کروم ویل بھی کسی طرح اپنے رسالے کو سنبھالے رہا لیکن پیادوں کی جنگ میں صورت حال بالکل دوسری رہی۔ یہاں پارلیمنٹی رسالے کے بوڑھے ملازمین اور قایلین بانوں کی بجائے، بادشاہی فوج کو پکے مذہبی میوری ٹن پیادوں سے سابقہ پڑا جنھوں نے جم کر جنگ کی اور بتا دیا کہ وہ دشمن سے دب کر رہنے والے نہیں ہیں۔ پہلے گھمسان کے بعد آہستہ آہستہ لڑائی کا رنگ بدل چلا اور جب شام ہوتے روپرٹ بالآخر واپس آیا تو اس کے ماموں کی فوج ٹیکرے کی طرف ہٹ رہی تھی اور ہیمڈن کے تازہ دم سپاہی تیزی سے چلے آتے تھے کہ پارلیمنٹ کی تھکی ہوئی فوج کو مدد دیں۔ رات ہوئی تو دونوں فوجیں اپنے صبح کے مقام پر آ گئیں اور دوسرے دن بھی کوئی فریق پھر لڑنے کا خواہش مند نہ تھا اسیکس کا بڑا مقصد یہ تھا کہ چارلس کے پہنچنے سے قبل خود لندن پہنچ جائے لہذا وہ نارتھمپٹن کی طرف چکر دے کے روانہ ہو گیا اور چارلس نے سیدھی آکسفرڈ کی راہ لی۔

ٹرن ہم گرین

آکسفرڈ سے لندن پر پیش قدمی جاری رہی لیکن بادشاہ کی آہستہ روی کی بدولت اسیکس کو موقع مل گیا کہ چکر کھا کے چارلس سے پہلے آ جائے اور شاہی فوج کنگسٹن پہنچی تو ایج ہل کے حریف پھر ان کا راستہ روکے پڑے تھے۔ اسیکس کو کمک بھی کافی پہنچ گئی تھی۔ کیونکہ لندن کو خطرے میں سن کر اور خصوصاً روپرٹ کے سواروں کی غارتگری کی خبروں نے شہر والوں کو خوف زدہ کرنے کی بجائے اور زیادہ مقابلے پر تیار کر دیا۔ مرد، عورت اور لڑکے تک دھس بنانے میں دن رات ایک کئے دیتے تھے اور یہ گلی فصیل جلدی میں شہر کے سامنے تیار کی گئی تھی اسی طرح سدھے ہوئے جوق، اسکی پن کی سرگروہی میں آناً فاناً جمع ہو گئے کہ اپنے ناموس اور دین کی حفاظت کریں۔ کنگسٹن سے چارلس کا لشکر برنیٹ فرڈ پر بڑھا اور شدید جنگ کے بعد اس مقام پر قابض ہو گیا مگر ٹرن ہم گرین پر شہری سپاہ کے دل بادل جمے ہوئے دیکھ کر شاہی سوار ٹھٹک گئے اور بے کار گولہ باری کرنے کے بعد چارلس واپس آکسفرڈ چلا آیا۔

تلوار سے فیصلے میں تاخیر ہوئی تو خواہی نخواہی نامہ و پیام جاری ہوئے لیکن

مصالحت کی یہ اور بعد کی کوششیں کچھ تو اس لئے ناکام رہیں کہ بادشاہ ایسے حریف سے صلح کرنی نہ چاہتا تھا جو اس کی دانست میں جلد بزور شمشیر مغلوب ہونے والا تھا اور کچھ اس لئے کہ مذہب کے معاملے میں مصالحت ہونی ممکن نہ تھی کیونکہ ہر فریق اپنی آزادی کے واسطے نہیں بلکہ دوسرے کو مغلوب کرنے کی غرض سے لڑ رہا تھا۔ اور ایک سبب یہ ہوا کہ چارلس کی ممالکِ خارجہ کے بادشاہوں یا آئرستان سے امداد طلبی اور یا پارلیمنٹ کے طرفداروں میں نفاق ڈالنے کی کوششیں بار بار ظاہر ہوتی رہیں جس سے مصمم ارادہ رکھنے والے محبانِ وطن کو روز بروز یقین کامل ہوتا گیا کہ مستقل امن و صلح کی شکل ہی یہ ہے کہ بادشاہ کو کلیتہً مغلوب کر لیا جائے۔

۱۶۴۳ء کی لڑائیاں

سالِ نو یعنی ۱۶۴۳ء میں خانہ جنگی کے شعلے انگلستان کے ہر حصے میں پھیل گئے۔ آکسفرڈ سے لندن آنے والی سڑک پر تو اسیکس اور چارلس کا لشکر ایک دوسرے کے مقابل خیمہ زن تھا۔ مغرب میں سر ربلف ہوپ ٹن کارنول کے جوانوں کو لیکر سمرسٹ شر کی پارچہ باف بستیوں کے پارلیمنٹی گروہ پر بڑھا جو امیر اسٹیمفرڈ کے ماتحت تھا۔ سیورن کی وادی میں سر ولیم والر نے ویلز سے بادشاہ کی کمک آنے کا راستہ روکا۔ مل ڈرم اور کروم ویل مشرقی پرگنوں کو قابو میں لاچکے تھے اور اب نیوارک پر حملہ کر رہے تھے کہ شمالی سڑک ان کی زد میں آجائے۔ شمال میں لارڈ فیرفیکس، اس کا فرزند اور فرڈی نینڈ وغیرہم نے پارلیمنٹ کی طرف سے اپنے کاشتکاروں اور جلاہوں کے ساتھ نیوکاسل پر پیش قدمی کی جہاں شمالی اضلاع سے اکثر کیتھولک بھرتی ہوئے اور یارک شر کو بادشاہ کا مطیع بنالینے کی کوشش میں تھے۔ موسم بہار میں پارلیمنٹ والوں کا پلہ بھاری رہا۔ خصوصاً ولیم والر نے وہ کارنمایاں دکھائے کہ ولیم فاتح کے نام سے مشہور ہوگیا۔ اسی طرح ٹامس فیرفیکس نے لیڈز پر کامیاب یورش کی اور کروم ویل نے گرین تھم کے قریب پہلی مرتبہ شاہی رسالے کو مار بھگایا۔ لیکن گرمیوں میں تقدیر بادشاہ کی مساعد ہوگئی۔ ۱۸ جون کو آکسفرڈ کی ایک جمعیت شہزادہ روپرٹ کے ماتحت چھاپہ مارنے چلی۔ شریف النفس ہیمڈن نے اسے میدان چیل گرووپر کاٹ دینے کی کوشش کی تھی مگر خود مہلک زخم کھایا۔ امیر اسٹیمفرڈ کو کارنول میں شاہی سرداروں کے مقابلے میں

باب سوم

سخت شکست نصیب ہوئی اور ولیم والر انھیں بڑھنے سے روکنے کے لئے سامنے آیا تو پہلے باتھ کے قریب لینس ڈاون میں زک ہوی اور پھر ۱۰ر جولائی کو ڈی وائزیس کے قریب راونڈ وے ڈاون میں سخت شکست کھاکر بھاگا۔ البتہ پہلے معرکے میں شاہی سردار گرین ول مارا گیا۔ مذکورۂ بالا شکست کے دو ہفتے بعد ہی شہزادہ روپرٹ نے فینیز سے برسٹل میں ہتیار رکھوا لئے اور یہ شہر پارلیمنٹ کے ہاتھ سے چھن گیا۔ لیکن اس لڑائی میں روپرٹ کے پانچ سو بے نظیر پیادے مارے گئے اور یہاں پارلیمنٹ کے طرفداروں کو جس بے دردی سے لوٹا گیا، اُس نے دوسری جگہ کے باشندوں کو اور زیادہ مایوسانہ مزاحمت پر آمادہ کردیا۔ شمال میں، پارلیمنٹی بیڑے کی کوشش کے باوجود، ملکہ ماریہ مقام برڈلنگ ٹن پر لنگر انداز ہوی جس سے امیر نیوکاسل کو اور زیادہ جانفشانی دکھانے کی تحریک ہوی اور اڈورٹن مور[۱] کے میدان میں فیرفیکسوں کو بتاریخ ۳۰ر جولائی شکست کھاکر ہل میں پناہ لینی پڑی۔ یہ شہر بھی ہوتھموں کی غداری سے شاہ پسندوں کے ہاتھ پڑنے والا تھا مگر شہر والوں کی ہوشیاری نے اسے بچالیا۔ غرض مشرقی اضلاع کے سوا اور کہیں پارلیمنٹ والوں کو کامیابی نہ ہوی۔ البتہ مشرقی علاقے میں وہ ہر جگہ غالب رہے اور گینز برو کی ۲۸ جولائی کی فتح سے کروم ول کی فوج کی کارکردگی کا مزید ثبوت بہم پہنچا۔

اگر یہ عام قسم کی جنگ ہوتی تو شاہ پسندوں کی شمال اور مغرب میں فتوحات کے ساتھ ہی لندن پر فوجیں بڑھنے لگتیں۔ لیکن دونوں علاقوں میں مقامی جذبات اتنے قوی تھے کہ لوگ ان پرگنوں سے باہر جانے پر آمادہ نہ ہوتے تھے اور نہ انھیں یہ خیال تھا کہ اپنے علاقے کی مدافعت پر پورے فریق کی کامیابی کو مقدم سمجھنا چاہئے۔ چارلس کے حق میں ایک اور دشواری یہ تھی کہ بہت سے قلعہ بند شہر ہنوز پارلیمنٹوں کے قبضے میں تھے اور ان سے آس پاس کے شاہ پسندوں کے دیہات کو ہر وقت کا خطرہ رہتا تھا۔ یہی وجوہ تھیں کہ جب چارلس نے عام پیش قدمی کا ارادہ کیا تو یارک شر والوں نے جب تک ہل فتح نہ ہوجائے، آگے چلنے سے انکار کیا اسی طرح

[۱] اس لفظ کے ہجے یوں کئے جاتے ہیں۔ Adwalton Moor

باب سوم

کارن وال اور ڈیون کے باشندوں نے پہلے ایکزیٹر و پلی متھ کو فتح کرنے کی خواہش کی اور گلوسٹر کے نامفتوح رہنے تک اہل ویلز نے سیورآن کو عبور کرنا پسند نہ کیا۔ ناچار چارلس کو کئی کئی محاصرے کرنے پڑے۔ خود گلوسٹر کا محاصرہ کیا۔ نیوکاسل کو ہل بھیجا اور روپرٹ کے بھائی شہزادہ مورنیس، ایکزیٹر اور پلی متھ کی طرف روانہ ہوا کہ اسی شہزادے کو چارلس نے مغربی اضلاع کا سپہ سالار مقرر کر دیا تھا۔ پارلیمنٹ والوں کو بھی اسی قسم کی مشکلات پیش آئیں مگر انھوں نے مشترکہ پرگنوں کی تدبیر سے ان کا حل کر لیا وارک شر اور اسٹے فرڈ شر سب سے پہلے متحد ہوئے۔ افسوس ہے کہ ان کا سرگروہ لارڈ بروک لچ فیلڈ کے محاصرے میں فوت ہوا جس سے پارلیمنٹ کے فریق کو ایک لائق سردار اور انگلستان کو نہایت بردبار و بلند خیال شہری کا نقصان اٹھانا پڑا۔ مذکورہ علاقوں کی دیکھا دیکھی دلدلی علاقے کے پرگنے بھی مل گئے اور ایک اعلیٰ درجے کی پیادہ فوج مرتب کر لی جس کا سپہ سالار تو امیر مینچسٹر لیکن روح رواں اولیور کرومویل تھا۔ پارلیمنٹ کے لئے بہت غنیمت یہ ہوا کہ لندن کے قواعد داں دستے ہر جگہ جانے اور لڑنے کے واسطے آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ پم نے گلوسٹر کو محاصرے سے چھڑانے کی غرض سے لندن ہی کی فوج سے کام لیا۔ ادھر ایک واضح مقصد نظر کے سامنے آگیا تو لوگوں کی سہل انگاری بھی غائب ہو گئی جس کی اسیکس کو شکایت تھی۔ اور اب وہ ایسے پندرہ ہزار شہری سپاہیوں کو لے کر گلوسٹر چلا، جو کیل کانٹے سے پورے لیس تھے اور پختہ عقیدہ رکھتے تھے کہ انھیں خدائے تعالےٰ کا کام لینے کے لئے طلب کیا ہے۔ روپرٹ کا رسالہ اسیکس کو راستے میں نہ روک سکا اور وہ عین وقت پر جب کہ شہر میں صرف تین پیپے باروت کے رہ گئے تھے، قریب آپہنچا اور چارلس نے ایسی لڑائی لڑنی پسند نہ کی جس میں غیر مسخر شہر عقب سے حملہ کر سکے، لہٰذا محاصرہ چھوڑ دیا اور اسیکس کو بلا مزاحمت گلوسٹر میں داخل ہو جانے دیا۔ اس کی آمد امداد غیب سمجھی گئی۔ دیندار شہریوں نے ایک پھاٹک پر یہ الفاظ کندہ کرائے "ایک شہر جس پر آدمی نے حملہ کیا اور خدا نے اسے بچایا۔"

معرکۂ نیوبری

اب چارلس کا مقصد یہ ہو گیا کہ اسیکس کے واپس لندن جاتے وقت راستہ روکے اور اب کے نیوبری میں بھی اس نے وہی جنگی تدبیر اختیار کی

باب سوم

جو ایج ہل میں کی تھی۔ لیکن یہاں اُس نے اسیکس کو حملہ کرنے پر مجبور کیا۔ بہت سخت جنگ واقع ہوئی اور پارلیمنٹی سپاہی جو حلقے باندھ کر لڑے تھے، قطعًا جمے رہے اور شاہی سواروں خصوصًا سرداروں کا اتنا نقصان ہوا کہ چارلس کو دوبارہ لڑائی جاری رکھنے کی جرأت نہ ہوئی اور ہٹ کر آکسفرڈ چلا آیا اور اسیکس کی لندن کی واپسی کا راستہ چھوڑ دیا۔

فاک لینڈ نیوبری کے معرکے میں لارڈ فاک لینڈ کام آیا۔ غالبًا اپنے معاصرین میں اس سے بڑھ کر منصف مزاج اور رواداری پسند آدمی دوسرا نہ ہوگا۔ مذہب سے محبت وخلوص کی بدولت اس نے اپنی خدمات بادشاہ کے روبرو پیش کیں مگر شاہی لشکر کے چند ہی روز کے تجربے سے اسے یقین ہوگیا کہ وہاں کے اوباش مزاج سپاہیوں اور خودغرض عیش پرستوں کے ساتھ نباہ نہ ہوسکے گا۔ سخت مزاج اور تنگ نظر پیوری ٹن فرقہ بھی، جو فریق مقابل میں اکثریت رکھتا تھا، اسے بھی فاک لینڈ کی طبیعت سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ انھی خیالات کی بنا پر موت کو وجہ اطمینان وتشفی سمجھ کر وہ ایسی کھلی جگہ میں گھوڑا بڑھا لایا جہاں سب سے زیادہ گولیاں برس رہی تھیں اور اس طرح جان دی۔ اگر وہ الزبیتھ کے عہد میں ہوتا تو بڑی خوشی اور آزادی کی زندگی گزارتا۔ عہد انقلاب کے ارباب سیاست میں اس کی سیرت نہایت سبق آموز شے ہوتی لیکن تقدیر نے جس زمانے میں اسے پیدا کیا، وہاں اس کا کوئی اثر، کوئی قدر ومنزلت نہ ہوئی۔ اور وہ ایسے خلاف مزاج ماحول میں رہا کہ جلد سے جلد چھٹکارا پانے کے سوا اسے راحت کی اور کوئی شکل نظر نہ آئی۔

نیوبری کی لڑائی ۲۰ ستمبر کو ہوئی اور اسی نے جنگ کا رُخ پھیر دیا۔ ایکزیٹر چند روز قبل شاہ پسندوں کے ہاتھ مفتوح ہوگیا تھا لیکن پلی متھ پیڑے کی مدد سے ناقابل تسخیر ثابت ہوا۔ اور جبر وغداری دونوں اسے مسخر کرنے میں ناکام رہے۔ ۱۱ اکتوبر کو کرومویل نے ونس بی پر دوبارہ شاہی رسالے کو شکست دی اور جس وقت شاہ پسند لنکن شر کی جھاڑیوں میں بھگائے لئے جا رہے تھے، اسی وقت شہر ہل سے توپوں کی دنادن سنائی دی جو اصل میں محصور شہر والوں کے نکل کر حملہ کرنے کی تمہید میں چلی تھیں

باب سوم

اسی حملے کا نتیجہ تھا کہ دوسرے دن نیو کاسل محاصرہ چھوڑ کر ہٹ گیا۔ غرض سال ختم ہوا تو نشیب و فراز پیش آنے کے باوجود مجموعی طور پر پارلیمنٹی فریق کا پلہ خاصی طرح جھکا ہوا تھا۔ سنہ ۱۶۴۳ کے معرکوں سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ قطعی غلبہ کسی فریق کو بھی حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا ختم سال سے قبل ہی چارلس تو اہل آئرستان سے اور پارلیمنٹ اسکاٹ لینڈ والوں سے مدد کے لیے نامہ و پیام کرنے لگے۔

آئرستان کی بغاوت

آئرستان کی جس بغاوت کا سنہ ۱۶۴۱ میں آغاز ہوا وہ انگلستان کی خانہ جنگی کے زمانے میں عام ملکی تحریک بن گئی کہ تاریخ میں پہلی مرتبہ قدیم قلطی باشندوں کے ساتھ انگلستانی نارمن آبادکاروں کی اولاد بھی انگریزوں کے خلاف شریک بغاوت ہوئی "اور حلیفوں" کے نام سے ان کے متحدہ گروہ نے انگریز سپہ سالار اورمنڈ کا مقابلہ کیا جس کے ساتھ منرو کی سرداری میں ایک اسکوٹی امدادی دستہ بھی موجود تھا۔ مجموعی طور پر لڑائی میں غلبہ باغیوں کو حاصل ہوا اور آئندہ دو سال میں وہ بتدریج سارے آئرستان پر قابض ہو گئے بجز ڈبلن کے قریب یا بیلفاسٹ لو کی تنگ ساحلی پٹیوں کی جو آخر تک انگریزوں کے قبضے میں رہیں۔ بغاوت کے آغاز سے چارلس آئرستانی حلیفوں سے مخفی نامہ و پیام کرتا رہا تھا اور اب اس نے اورمنڈ کو حکم بھیجا کہ ایک قرارداد کے ذریعے جسے "متارکہ" کہتے ہیں لڑائی روک دے۔ مطلب یہ تھا کہ اورمنڈ کے سپاہی انگلستان میں کام دے سکیں اور حلیفوں کی دس ہزار امدادی فوج کے بھی مل جانے کی امید تھی۔ چنانچہ اورمنڈ کے جوان ڈیون شر و ویلز میں لنگر انداز ہوئے اور ہوپ ٹن کے لشکر میں یا ایک نئی فوج میں شامل ہو گئے جو سر جان) لارڈ بائرن کے ماتحت ویلز کی سرحد پر مرتب کی گئی تھی۔

پارلیمنٹ اور اسکوٹی امداد

اسکاٹ لینڈ والوں سے نامہ و پیام کے لئے پارلیمنٹ نے ایک ذیلی مجلس بنائی جس کا سب سے سرگرم رکن سر ہیری وین تھا۔ اسکاٹ لینڈ والے پارلیمنٹ کو مدد دینے پر تیار تھے مگر شرائط اتحاد میں یہ شرط بھی لکھوانی چاہتے تھے کہ کلیسائے انگلستان بھی اسکاٹ لینڈ کا پریس بی ٹری طریقہ اختیار کرے گا۔ مگر وین اس فرقے کی تنگ دلی سے گھبراتا تھا، وہ ایسی شرط

کرنے پر رضامند نہ ہوا اور آخر میں صرف یہ قرار پایا کہ کلیسائے انگلستان کی بہترین اصلاح یافتہ کلیساؤں کے طرز پر درستی کی جائے گی اور "کلام الٰہی کے مطابق"، جس کی تعبیر کر لینے میں بہت کچھ گنجائش تھی۔ اسکوٹوں نے بیس ہزار سپاہی فراہم کر لینے کا اقرار کیا، جن کے مصارف پارلیمنٹ کے ذمے رکھے گئے۔ اس معاہدے کو "عہد واثق" اور اقرار نامہ کہتے ہیں مگر اسے خود اسکاٹ لینڈ والوں کے اقرار نامے سے جس کا گذشتہ باب میں ذکر آیا، مخلوط نہ کرنا چاہئے۔ اس پر ۲۔ ستمبر ۱۶۴۳ء کو دستخط ہوئے اور پارلیمنٹ کے ہر رکن نے قسم کھا کر اس کی تصدیق کی۔

پِم کی وفات

یہ معاہدہ پم کی حکمت عملی کا آخری کارنامہ تھا۔ ۸۔ دسمبر ۱۶۴۳ء کے دن وہ فوت ہو گیا۔ اس کا بڑا کام یہ تھا کہ اہل وطن کو مذہب کی اہمیت پر متوجہ کر دیا خود مذہب کی خاطر نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ سیاسیات کا جزو تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے کہا کہ "ہماری سب سے بڑی آزادی، ہمارا مذہب ہے"۔ ملکی آئین کے متعلق اس کا تخیل یہ تھا کہ بادشاہ اور پارلیمنٹ مل کر کام کریں اور یہ جملہ کہ "احکام شاہی، جن کی تعبیر پارلیمنٹ کے دونوں ایوان کریں"، پم کے منشا کی صحیح تفسیر ہے۔ اس کے مرنے کے بعد جانشینوں میں سے کسی کو دارالعوام میں اتنا اقتدار میسر نہ ہوا جتنا پم کو حاصل تھا۔ ملکی معاملات میں غالباً سب سے ممتاز مبعوث ہولیز اور سر ہیبری وین تھے اور عسکریوں میں دالرو کروم ویل کو اولیت حاصل تھی۔ ان میں بھی ہولیز تو اس گروہ کا رہنما تھا جو نامہ و پیام سے جنگ ختم کرنا چاہتے تھے اور وین، اُن لوگوں کا جن کے نزدیک میدان میں کامل فتح پائے بغیر دیرپا صلح نہ ہو سکتی تھی۔ اسی اختلاف آرا کے باعث اب جنگ کے انتظامات ایک مشترکہ جماعت کے ہاتھ میں دے دئے گئے، جن میں انگریزوں کے ممتاز ارکان، مذکورۂ بالا چار کے علاوہ اسیکس اور مینچسٹر تھے اور اسکاٹ لینڈ والوں میں میٹ لینڈ اور جانسٹن قابل ذکر ہیں۔ یہ میٹ لینڈ وہی شخص ہے جو آگے چل کے امیر لاڈر ڈیل کے نام سے کافی بدنام ہوا۔

اگلے جاڑوں میں چارلس نے ہائڈ کے مشورے سے اپنے طرفدار امرا اور عوام کا آکسفرڈ میں جلسہ منعقد کیا (جنوری ۱۶۴۴ء)۔ اسے آکسفرڈ پارلیمنٹ کہتے ہیں

باب سوم

اور اس میں امرائے سلطنت کی بڑی اکثریت کے علاوہ دارالعوام کے بھی ایک تہائی کے قریب ارکان شریک تھے۔ لیکن ان کا کوئی صدر نشین (اسپیکر)، یا رسمی ساز و سامان مہیا نہ تھا اور بادشاہ پسند بھی اسے بہ شکل باضابطہ پارلیمنٹ سمجھتے ہونگے۔ اسے کوئی اہمیت حاصل ہوئی تو وہ اس قرارداد کرنے کی بنا پر کہ اسکوٹوں کو ملک میں بلانا سراسر نامناسب تھا۔ نیز اہل جلسہ کو جو اعتراضات تھے کہ بادشاہ نے کیتھولک فرقے کے لوگوں کو نوکر رکھا ہے، ان کا بھی اس پارلیمنٹ میں اظہار ہوا۔

پارلیمنٹ کے حق میں ۱۶۴۴ء کا آغاز خاصی طرح سازگار ہوا کہ جنوری میں ٹامس فیرفیکس نے لنکن شر سے بہ سرعت بڑھ کر بائرن کو نینٹ وچ میں شکست دی اور اس کے اکثر سپاہیوں کو ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کیا طرفہ تر یہ کہ ان میں سے بہت سے آئرستانی سپاہی خود فاتح کی نوکری قبول کرلینے پر تیار ہوگئے۔ اپریل میں ہوپٹن کو بھی چری ٹن کے مقام پر والر کے ہاتھوں ایسی ہی سخت شکست نصیب ہوئی۔ پارلیمنٹ کے فوجی سرداروں میں اب والر سب سے اچھا "مقام شناس" سمجھا جانے لگا تھا اور اس کی اور فیرفیکس کی ان کامیابیوں نے چارلس کی ساری امیدیں جو اورمنڈ کے لشکر سے وابستہ تھیں، برباد کردیں اور وہ پھر کل کینی کے آئرستانی "حلیفوں" ہی سے مدد کے لئے خط کتابت کرنے پر مجبور ہوا۔

اسکوٹوں کی آمد

بیرونی امداد کے معاملے میں بھی پارلیمنٹ زیادہ کامیاب رہی۔ ۱۹ر جنوری کو لیون ہیلی اور ڈیوڈ لزلی کے ماتحت اسکاٹ لینڈ کی فوج ٹوئیڈ کے پار اتر آئی اور نیوکاسل یارک میں سلبی کو پہرے پر چھوڑ کر خود مقابلے کے لئے بڑھا۔ لیکن اپریل میں فیرفیکس نے سلبی پر حملہ کردیا جس کی وجہ سے نیوکاسل کو واپس یارک آنا پڑا اور اب اسکوٹی فوج اس کے عقب میں بڑھنے لگی۔ مینچسٹر و کروم ویل بھی اپنے دستے لے کر یارک شر پہنچ گئے اور اپریل کے اخیر تک تین پارلیمنٹی فوجوں نے شہر یارک کو باقاعدہ گھیر لیا۔ چارلس جانتا تھا کہ اسے بچانا ضروری ہے لہذا روپرٹ کو حکم دیا کہ اس کا محاصرہ اٹھالنے کی غرض سے فوج فراہم کرے۔ ادھر خود چارلس کو بھی آکسفرڈ میں گھر جانے کا اندیشہ ہوگیا تھا کیونکہ اسیکس اپنا لشکر اور والر لندن اور وطنی پرگنوں کی تازہ جمعیت لے کر آکسفرڈ پر بڑھ رہے تھے۔ لیکن چارلس چالاکی

باب سوم

سے ان دونوں کے بیچ میں سے نکل کے ورسٹر شر پہنچ گیا اور پارلیمنٹی سرداروں کو یہ خبر ہوئی تو انھوں نے فیصلہ کیا کہ والر تو آکسفرڈ کا محاصرہ کرے اور اسیکس مغربی پرگنوں میں جاکے قلعۂ لیم کو نجات دلائے، پلی متھ پر قبضہ کرے اور ممکن ہو تو شہزادہ موریس کو شکست دے۔

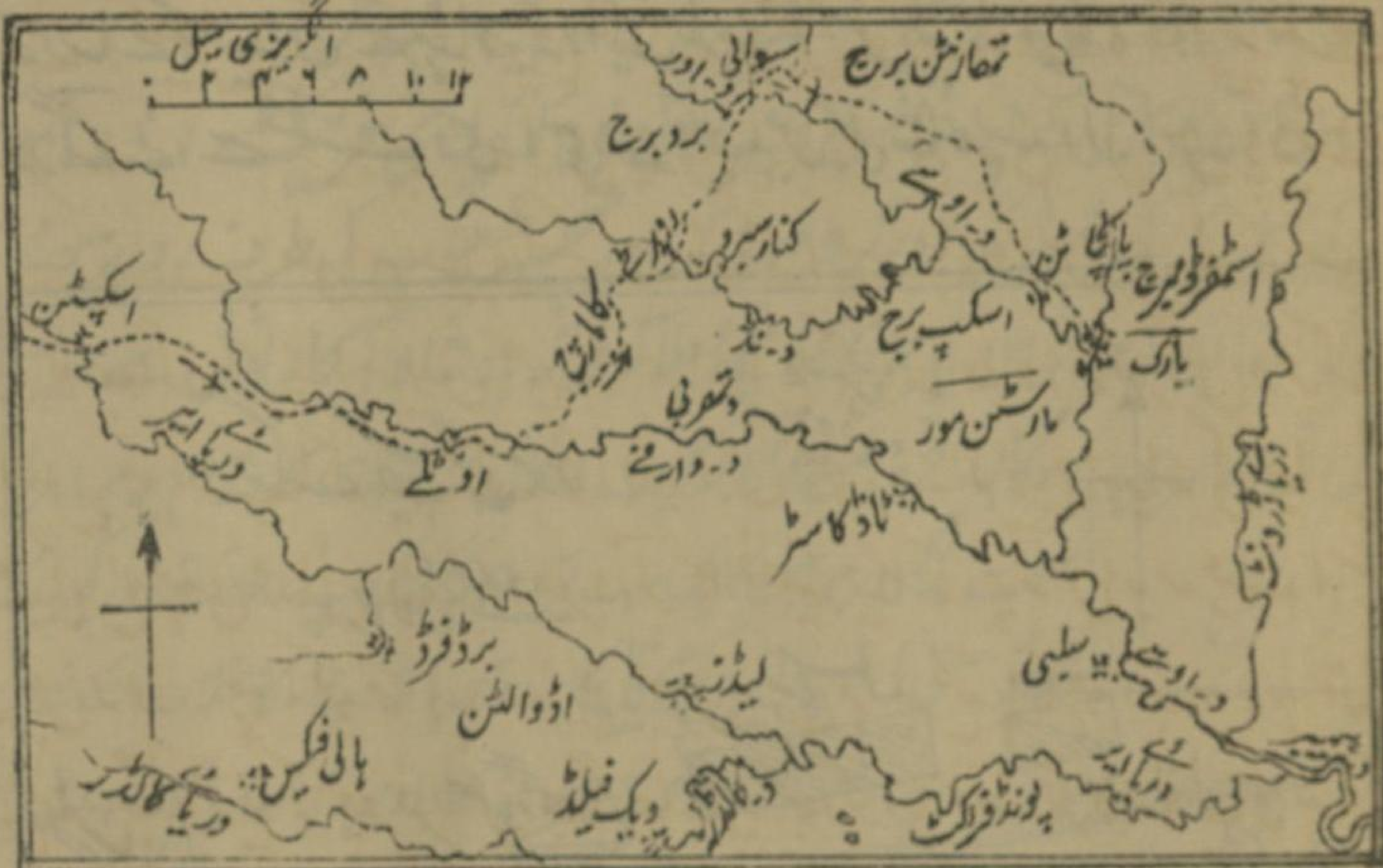
کروپرے ڈی برج اور لوسٹ وتھیل کے معرکے۔

مگر پارلیمنٹی افواج کی اس تقسیم سے چارلس کو علاحدہ علاحدہ ان کے ہر گروہ پر صریحی غلبہ حاصل ہوگیا اور وہ والر پر پلٹ پڑا۔ کروپرے ڈی برج پر جو لڑائی ہوئی اس میں پارلیمنٹ کے شہری سپاہی شکست کھاکر ایسے بے حواس ہوئے کہ سیدھے اپنے گھروں کو بھاگ آئے اور یوں بھی شاہی افواج کی باقاعدہ اور تیز نقل و حرکت دیکھ کر والر کو یقین ہوگیا کہ جب تک قواعد داں تنخواہ دار فوج مہیا نہ کی جائے گی، پارلیمنٹ کی فتح ہونی محال ہے۔ ادھر والر کا قضیہ چکا کے چارلس بہ سرعت اسیکس کے تعاقب میں روانہ ہوا کیونکہ وہ مغربی اضلاع میں برابر فتح پاتا ہوا بڑھ رہا تھا اور اس نے ملکۂ ہنریتا ماریہ کو پھر فرانس بھاگ جانے پر مجبور کردیا تھا۔ مگر کارنول کی مدد کے دھوکے میں اسیکس اتنی دور تک بڑھ گیا کہ واپسی محال ہوگئی اور چارلس نے ستمبر میں بمقام لوسٹ وتھیل اتنی بڑی فوج سے اسے آگھیرا کہ پیادوں نے تو ہتیار ڈال دئے سوار بمشکل لڑتے بھڑتے بھاگ کر پلی متھ پہنچے اور خود اسیکس سمندر کی راہ سے جان بچاکر لندن آگیا۔ اس طرح کچھ روز تو ایسا معلوم ہوا کہ مغرب میں پارلیمنٹ کے طرفداروں کا بالکل خاتمہ ہوگیا۔ لیکن پلی متھ اور (روبرٹ بلیک کے تحت میں) ٹانٹن اڑے رہے اور امید تھی کہ جب تک یہ مسخر نہ ہوں، شاہ پسندوں کو مغرب میں رکا رہنا پڑے گا۔

مگر جنوب کی اس شاہی کامیابی کا بدل شمال کی مصیبت سے ہوگیا۔ آکسفرڈ سے روانہ ہونے کے بعد چارلس روپرٹ کو قطعی احکام دے آیا تھا کہ یارک کو محاصرے سے نجات دلائی جائے۔ پھر ایک خط بھی بھیجا جس کی عبارت مبہم تھی مگر روپرٹ نے اس کے یہی معنی سمجھے کہ اسکوٹوں سے جنگ کی جائے۔ چنانچہ نیوارک میں امدادی کمک چھوڑ کر روپرٹ لینکاشر میں داخل ہوگیا اور لیتھم ہاؤس کو جہاں ڈاربی کی بیگم بادشاہ کی طرف برابر ڈٹی رہی تھی، محاصرے سے چھڑا لیا۔ پھر پہاڑیاں اتر کے اسکپٹن اور

باب سوم

وہارف کی ندیوں سے گزرتا ہوا وہ ۳۰ جون کو نیرس برو پہنچ گیا جو نڈ ندی پر واقع تھا اتحادیوں کو روپرٹ کے آنے کی خبر ملی تو یارک کا محاصرہ چھوڑ کر وہ مارسٹن مور پر مقابلہ کرنے آگئے اور یہ مقام نڈ کے اس پل (اسکپ برج) کے مقابل تھا جس پر سے نیرس برو کا عام راستہ یارک آتا ہے لیکن روپرٹ بھلاوادے کے شمال میں بڑھا اور یور ندی کی برو برج اور سوئیل کو



مارسٹن مور ۲ جولائی ۱۶۴۴ء

تھارنٹن برج پر عبور آؤز ندی کے بائیں کنارے پر آنکلا اور اس طرح یارک کو محاصرے سے چھڑا لیا۔ اب اتحادی جنوب میں ہٹے کہ روپرٹ کی واپسی کا راستہ وہارف کے خط پر روک دیں۔ امیر نیوکاسل چاہتا تھا کہ تازہ کمک آنے تک لڑائی نہ لڑی جائے مگر روپرٹ، چارلس کے خط کی بنا پر مُصر ہوا چنانچہ نیوکاسل کے آدمی یارک سے باہر بھیجے گئے اور روپرٹ کی فوج آؤز کو کشتیوں کے پل سے اُتر کے مارسٹن مُور میں اُن سے آملی۔ یہ کیفیت سن کر اتحادی اور بھی پیچھے ہٹے اور لونگ مارسٹن اور ٹوک وتھ نام کے، دو گانوؤں کے درمیان، ایک اونچی جگہ اپنی صفیں باندھیں جو اس دلدلی علاقے کا جنوبی کنارہ تھی۔ لزلی اور کرومویل، اسکوٹ اور اتحادی رسالے کے ساتھ میسرے پر تھے۔ لیون، مینچسٹر، لارڈ فیرفیکس پیادوں کے ساتھ قلب میں اور باقی سواروں کو ٹامس فیرفیکس میمنے پر لئے کھڑا تھا

مارسٹن مور کی لڑائی

اُدھر شہزادہ روپرٹ کو امید تھی کہ اتحادیوں کی صف بندی سے پہلے ان پر جا پڑے گا اور اسی لئے وہ ایک نالی تک جس کے آگے دلدل کا بلند کنارہ شروع ہوتا تھا، اپنے لشکر کو اتحادیوں کے بالکل قریب تک لے آیا۔ مگر اتحادی تو بہت جلد تیار ہو گئے اور اس کی فوج کو جمنے

میں شام کے سات بج گئے۔ اس میں خود روپرٹ میمنے پر گورنگ قلب میں اور نیوکاسل میسرے کا سردار تھا۔ شام ہونے کی وجہ سے شاہ پسندوں نے حملہ دوسرے دن پر ملتوی کیا اور بیٹھ کر کچھ کھانے پینے لگے۔ اتحادیوں کو یہ خداداد موقع ملا اور ڈھلان کی مدد سے وہ اور بھی تیز دوڑ کر پوری جمعیت سے شاہی لشکر کے بے خبر سپاہیوں پر آپڑے۔ اپنے بائیں پر سخت کشمکش کے بعد انھوں نے روپرٹ اور اس کے رسالے کو میدان سے ہٹا دیا۔ دائیں طرف ٹامس فیرفیکس کو دشوار گزار زمین طے کرنی پڑی اور گورنگ نے اسے شکست دی۔ اسی طرح قلب میں بھی شاہ پسندوں کی بن آئی اور بہت



جلد اسکوٹی فوج بھاگ نکلی۔ حسن اتفاق سے ٹامس فیرفیکس کا دستہ بے خبری میں دوسری طرف آنکلا اور کروم ویل کے جوانوں کو ہاتھ میں دیکھ کر اُن سمیت شاہ پسندوں کے عقب پر حملہ آور ہوا اور گورنگ کو پلٹتے میں شکست دی۔ پھر اتحادی رسالے نے پیادہ فوج کے ساتھ مل کر دشمن کے قلب پر باقاعدہ حملہ کیا۔ نیوکاسل کے سپاہی بے سہارا رہ گئے تھے۔ پھر بھی کمال جواں مردی سے لڑے اور بعض دستوں کا ایک آدمی بھی زندہ نہ بچا۔ لیکن کوئی سعی کارگر نہ ہوسکتی تھی اور جب تاریکی ہوئی تو اتحادی پوری طرح فتحمند ہوگئے۔ ساتھ ہی شہر یارک مسخر ہوگیا۔ نیوکاسل بھاگ کر

ممالک یورپ میں چلا گیا۔ روپرٹ رسالہ لے کر جکر کھاتا ہوا وادیٔ سیورن میں ہٹ آیا۔ حالانکہ اگر اس لڑائی کا نتیجہ وہ ہوتا جو روپرٹ نے بجا طور پر سوچا تھا، تو پارلیمنٹی فریق کو شمال اور جنوب میں ایسا صدمہ پہنچ جاتا جس کی بظاہر کوئی تلافی نہ ہو سکتی تھی۔ بخلاف ان امیدوں کے اب بادشاہ کے اقتدار پر شمال میں کاری ضرب لگی اور وادیٔ سیورن، ویلز جنوب مغربی پرگنوں یا آکسفرڈ کے مغرب کے وسطی پرگنوں کے سوا عملاً سارا ملک اس کے ہاتھ سے نکل گیا

اس فتح کامل کے بعد فیرفیکس اور اسکوٹی فوج کو تو پونٹی فریکٹ اور نیوکاسل (لیب ٹائن) کی تسخیر کے لیے چھوڑا گیا اور کروم ویل اور مینچسٹر جنوب کی طرف روانہ ہوئے ایسکس علیل ہو گیا تھا لہٰذا والر ان کی مدد کے لئے چلا کہ مل کر بادشاہ کی کارنول سے واپسی کا راستہ روکا جائے

نیوبری کی دوسری لڑائی

فریقین کا مقابلہ کینیٹ کے شمالی جانب نیوبری کے مقام پر ہوا۔ لڑائی میں سخت بدنظمی رہی جس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ کئی کئی سپہ سالار تھے اور کچھ یہ کہ مینچسٹر نے حملے میں سستی کی اور والر و کروم ویل کا بروقت ہاتھ نہ بٹا سکا بخلاف اسکے شاہ پسندوں کی نقل و حرکت بہت خوبی سے ہوئی اور چارلس تھوڑی فوج ہونے کے باوجود آکسفرڈ کا راستہ پا گیا۔

اس ناکامی نے پارلیمنٹی فریق کے زیادہ گرم جوش افراد کی بددلی نمایاں کر دی ان کا سرگروہ اولیور کروم ویل تھا۔ یہ نامور شخص اب سرعت سے پیش پیش ہوتا جاتا تھا۔ اس نے ابتدا سے جان لیا تھا کہ شاہ پسندوں کی وفاداری اور شرافت کے جذبات کا جواب صرف مذہبی جوش سے ہو سکتا ہے۔ دوسرے گو پارلیمنٹ نے پیادہ فوج تو حریف کے مثل فراہم کر لی تھی، لیکن اسکا رسالہ شاہ پسندوں سے بہت ادنیٰ درجے کا تھا اور ان دنوں سواری ہی فوج کا نسبتہً سب سے کارگر جزو ہوتے تھے۔ کروم ویل نے اس نقص کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور مشرقی پرگنوں میں اسے کسان اور چھوٹے زمیندار بھی ایسے مل گئے جو اپنے مذہب کا انتہائی جوش رکھتے تھے اور شرفا کی طرح سواری بھی بخوبی کر سکتے تھے۔ انھی سے کروم ویل نے ایک مخلوط رسالہ مرتب کیا اور اسے ایسا قواعد داں بنایا کہ اس وقت تک دنیا نے جو بہترین رسالے دیکھے تھے اس کا ان میں شمار کیا جا سکتا تھا۱؎ خود کروم ویل رسالے کا بہت عمدہ سردار تھا اور مارسٹن کے میدان میں اس کی قوت دیکھ کر شہزادہ روپرٹ نے اس پر "فولادی پہلو" کی پھبتی کہی تھی جو بعد میں اس کے سارے دستے کا لقب ہو گیا کروم ویل کے رسالے کا جب کبھی شاہ پسندوں سے مقابلہ ہوا کامیابی اسی نے پائی اور اسکے کوادیہ سمجھنے لگے کہ کروم ویل کی قیادت میں وہ جنگ کا بہت جلد فاتحانہ اختتام کر سکتے ہیں، ذی ہوش مبصروں کی رائے یہ تھی کہ پارلیمنٹ کی پیادہ فوج اگرچہ بہت اچھی نکلی

۱؎۔ فاضل مصنف کی دنیا بہت محدود معلوم ہوتی ہے۔ "مترجم"

باب سوم

تاہم جب تک پارلیمنٹ کے پاس باقاعدہ سپاہی نہ ہونگے جنھیں مستقل طور پر کام پر لگایا جاسکے اور جو اپنے پرگنوں سے باہر جانے میں نہ گھبرائیں اور نہ ایک لڑائی لڑتے ہی اپنی دکانوں پر جانے کی جلدی کریں اس وقت تک بادشاہ کو صحیح معنی میں شکست دینا ممکن نہ ہوگا۔ سب سے پہلے والر نے یہ بات سمجھائی تھی اور کروم ویل جسے آرزو تھی کہ شخصی اغراض اور مقامی مصالح فائدۂ عام کے تحت میں رکھے جائیں، اس رائے میں دل سے مؤید تھا، بخلاف اس کے اسیکس لڑائی کو زور شور سے جاری رکھنے کی ضرورت میں تو کوئی شک شبہ نہ رکھتا تھا لیکن اسے کامیاب بنانے کی کوئی خاص قابلیت اس میں نہ تھی۔ اور منچسٹر طبعاً سست و سہولت پسند تھا۔ وہ نہ صرف چارلس کے ساتھ صلح کی گفتگو کا خواہاں تھا بلکہ یہ رنگ دیکھ کر بھی جل رہا تھا کہ جنگ قدیم امرا کو پس پشت ڈالے دیتی ہے اور متوسط درجے کے لوگ پیش پیش ہوئے جاتے ہیں۔ ہولیز اور صلح پسند فرقہ منچسٹر کے بہت کچھ ہم آہنگ تھے اور ان لوگوں کی تائید جنگ جاری رکھنے کے لئے اسی وقت حاصل ہوسکتی تھی جب کہ صلح کے نامہ وپیام کا بیکار ہونا قطعی ثابت ہو جائے۔ یہی اسباب تھے کہ نیوبری کی لڑائی کے بعد ایک طرف تو فوج کی تنظیم جدید کا بیڑا اٹھایا گیا اور دوسری طرف بادشاہ سے پھر صلح کے نامہ پیام شروع ہوئے۔

فوجی تنظیم کا سب سے قوی محرک یہ تھا کہ وین اور کروم ویل قطعی یقین رکھتے تھے کہ اگر جنگ میں جلدی کامیابی نہ ہوئی تو رائے عامہ کے دباؤ سے پارلیمنٹ کو ذلت آمیز صلح کرنی پڑے گی۔ انھیں یہ بھی علم تھا کہ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پارلیمنٹی سردار و سپہ سالار محض اپنے عہدوں پر زیادہ دن رہنے کی غرض سے جنگ کو طول دے رہے ہیں۔ کروم ویل کی نظر میں ایسا خیال تک سخت قابل نفرت تھا اور اس لئے فائدہ عام کی خاطر ایثار کرنے کی صاف صاف وکالت کی اور اسی لحاظ

حکم نامہ ایثار

سے ایک "حکم نامہ ایثار" پارلیمنٹ میں پیش ہوا جس میں دونوں ایوانوں کے ارکان کو زمانۂ جنگ میں فوجی یا دیوانی عہدے اختیار کرنے سے باز رکھا گیا تھا۔ اس پر امرا بہت جھلائے۔ تحریک نامنظور ہوئی مگر آخر میں ایک دوسرا حکم نامہ منظور ہوا کہ موجودہ عہدہ دار چالیس دن کے اندر مستعفی ہو جائیں گے اگرچہ انھیں دوبارہ مقرر کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہوگا۔ چنانچہ منچسٹر، وارک، اسیکس اور والر اسی وقت عہدے سے دستکش ہوگئے اور ان کی خدمات کا شکریہ ادا کیا گیا۔ ایک اور حکم نامے کے ذریعے پارلیمنٹ نے چودہ[۱۴] ہزار پیادہ، ایک ہزار گھڑ چڑھے اور ۶ ہزار سوار کی فوج مرتب کی۔ ان میں سے ساڑھے بارہ ہزار تو اسیکس، منچسٹر اور والر کے لشکروں سے لئے گئے اور باقی زور دے کے بھرتی کئے گئے ابتدا میں نئے جوان قدرے سست تھے مگر

نمونۂ جدید زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ دیرینہ سال سپاہیوں کی مستعدی ان میں بھی سرایت کر گئی اور "افواج نمونۂ جدید"، جیسا کہ انھیں عام طور پر کہا جانے لگا تھا، کارگزاری اور مستعدی میں ہر طرح قابل ستائش سمجھی جانے لگیں۔ سر ٹامس فیرفیکس حملہ کرنے میں جیسا باہمت اور تیز دست ثابت ہوا تھا، ویسا ہی مدافعت میں ضابطہ دمستقل مزاج تھا۔ اسے نئی فوج کا سپہ سالار اور اسکی پن کو نائب سالار (میجر جنرل) بنایا گیا۔ معین سالار کا عہدہ، جس سے رسالے کی قیادت متعلق تھی، خالی رہنے دیا چالیس دن گزر لنے پر کروم ویل جزیرۂ ایلی چلا آیا جس کی مدافعت اس کے تفویض ہوئی تھی۔ بیڑے کا امیر لیے ٹن مقرر ہوا جو ۱۶۴۲ء سے وارک کے ماتحت نائب امیر البحر تھا۔ مذہب کے اعتبار سے نمونۂ جدید میں ہر عقیدے کے آدمی شامل تھے اور سپاہیوں سے پارلیمنٹ کی مذہبی قرارداد یا میثاق پر بھی کوئی دستخط نہیں لئے گئے تھے۔ فوج کے سردار عموماً آزاد خیال اور وسیع مشرب پیوری ٹن تھے جنھیں جنگ کے عملی تجربے نے کم سے کم یہ سبق ضرور دے دیا تھا کہ سپاہی کی مذہبی پختگی اور خاندانی نسب سے بڑھ کر کارکردگی قابل قدر ہے۔ چنانچہ کروم ویل کا قول تھا کہ میں تو ایسے سردار کو جو جنگ کا مقصد سمجھتا ہے اور جتنا کچھ جانتا ہے، اسی کا دلدادہ ہے، خواہ گاڑھے گزی کے لباس میں ہو، ایسے شریف زادے پر ترجیح دونگا، جس کے پاس نسب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ البتہ جو صحیح معنی میں شریف ہے۔ اس کی میں دل سے عزت کروں گا۔"

نئی فوج کے تیار ہونے تک، یہ بھی اچھی طرح ظاہر ہو گیا کہ صلح کے نامہ و پیام سے کچھ کام نہ چلے گا۔ غالباً کروم ویل اور وین تو نامہ و پیام پر آمادہ ہی اس لئے ہوئے تھے کہ اسکوٹی حلیفوں کو اس کا بے سود ہونا معلوم ہو جائے۔ صلح کی گفتگو میں بھی جو شاہی سفرا سے اکس برج میں ۳۰ جنوری کو ہوئی، زیادہ حصہ ہنڈرسن اور لاڈر ڈیل، نامی اسکوٹی نمایندوں ہی نے لیا۔ تین خاص مسئلوں، یعنی مذہب، فوج بے قاعدہ اور آئرستان، پر گفتگو کے لئے تین ہفتے مقرر ہوئے تھے۔ بادشاہ کی طرف سے ہائڈ نے وکالت کی اور چونکہ وہ اسقفیت کا کھلا ہوا حامی تھا اور اسکوٹی نمایندے پرس بی ٹیری اصول کے، لہذا شروع ہی سے کسی تصفیے کی امید نہ تھی۔ بادشاہ کی حمایت میں سب سے قوی پہلو یہ تھا کہ وہ اسقفیت کے قیام کے ساتھ دوسرے فرقوں کی آزادی کی تجویز بھی پیش کرتا تھا۔ لیکن اول تو یہ بات پرس بی ٹیری عقائد کے خلاف تھی، دوسرے بادشاہ کی صداقت پر سخت شبہات تھے لہذا اس وقت کسی نے اس پر کان نہ دھرا باایں ہمہ یہ عام رواداری کی یہ پہلی باضابطہ تحریک تھی اور اس لئے انگلستان کی مذہبی تاریخ

باب سوم

میں ایک نئے باب کا آغاز سمجھی جا سکتی ہے۔

تجدید جنگ القصہ جب تین ہفتے کی گفت و شنید ختم ہوئی، تو پارلیمنٹ نے فیر فیکس کو حکم دیا کہ فوج کے دو حصے کر دے۔ ایک سے آکسفرڈ کا محاصرہ کرے، اور دوسرے کو ٹاؤن ٹن کے چھڑانے کی غرض سے بھیجے۔ جواب میں چارلس نے گورنگ کو مغرب کی طرف بھیجا اور خود شمال میں اسکوٹوں سے لڑنے کے خیال سے چلا تھا۔ مگر پھر ارادہ بدل کے مشرقی پرگنوں پر حملہ کرنے تک طے کرتا ہوا چلا اور لیسٹر کو یورش کر کے چھین لیا۔ تب فیر فیکس کو شمال کی طرف جانے اور لڑائی پر مجبور کرنے کا حکم ملا۔ لڑائی بالکل سر پر آ پہنچی تو سپاہی اور سردار سب کو احساس ہوا کہ ایسے موقع پر کرومویل کا سواروں کی قیادت پر مقرر نہ کیا جانا، سراسر بے عقلی ہے لہٰذا سرداروں کی طرف سے ایک عرضی پارلیمنٹ میں پیش ہوئی دارالعوام نے اسے منظور کر لیا اور اُمرا کی تصدیق آنے سے قبل ہی وہ بہ عجلت فیر فیکس سے ڈیون ٹری میں جا ملا۔ بعد میں اس کی خدمت کی وقتاً فوقتاً تصدیق ہوتی رہی اور چونکہ دوسرے سردار بھی یا پارلیمنٹ کے مبعوث تھے یا اس میں شریک تھے، لہٰذا فوج اور پارلیمنٹ کے درمیان تعلق کبھی پوری طرح منقطع ہونے کی نوبت نہ آئی۔

معرکۂ نیزبی کرومویل ۱۳ ر جون کو فیر فیکس کے پاس پہنچا اور دوسرے دن نیزبی (علاقہ نارتھمپٹن شر) کی فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ فیر فیکس کی فوج کا شمار چودہ ہزار تھا اور چارلس و روپرٹ کے سپاہیوں کی مجموعی تعداد صرف ساڑھے سات ہزار تھی۔ اس کمی تعداد کے باوجود حملے کا آغاز خود روپرٹ نے کیا اور پارلیمنٹ کے میسرے کو جس کا سردار آئرٹن تھا، شکست بھی دی مگر دائیں طرف کرومویل اپنے مدمقابل سر مارماڈیوک لینگ ڈیل کے مقابلے میں فاتحانہ بڑھتا چلا گیا اور پھر فیر فیکس کے ساتھ مل کر چارلس کی کم تعداد پیادہ سپاہ کے قلب کو مغلوب کرنے میں بھی کچھ دقت پیش نہ آئی۔ فوجی ہزیمت سے بڑھ کر بادشاہ کی شہرت کو سخت نقصان اس لیے پہنچا کہ لڑائی میں اُس کا ایک صندوق پکڑا گیا جس میں ملکہ کے نام کے خطوط اور مسودے تھے۔ ان سے صاف معلوم ہو گیا کہ چارلس اپنی من مانی

باب سوم

شرطوں پر صلح کرنے کے سوا اور کسی امن و آشتی کی نیت نہیں رکھتا۔ اور بناوٹ سے نامہ و پیام کرنے کے زمانے میں بھی برابر ممالک غیر یا آئرستانی کیتھولک فریق سے مدد کے لیے ریشہ دوانیاں کر رہا ہے۔ نیز یہ کہ اُسے اپنی انگلستانی رعایا کو قابو میں لانے کے لیے ہر قسم کی امداد خواہ وہ رائے عامہ کے کسی قدر خلاف کیوں نہ ہو، منظور ہے۔ چند ماہ کے بعد ڈگبی کی خط کتابت پکڑی گئی اور چارلس کے آئرستانی حلیفوں کے ساتھ معاہدے کی نقل بھی پارلیمنٹ کے ہاتھ آ گئی تو ان سب باتوں کی تصدیق مزید ہو گئی۔ اس دو طرفہ ضرب سے وہ علاقے بھی جہاں بادشاہ کا سب سے بڑھ کر اثر تھا، جیسے جنوبی ویلز وغیرہ، اس کے خلاف یا اپنی وفاداری میں سست ہو گئے اور دوسرے روپرٹ جیسے زبردست سپاہیوں کو بھی کامل یقین ہو گیا کہ صلح کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔

معرکۂ نیزبی کے بعد شاہ پسندوں کی منتشر افواج اور قلعوں کو مفتوح کرنے میں صرف وقت کا سوال رہ گیا تھا۔ لیکن اسکاٹ لینڈ میں انھی دنوں ایک سپہ سالار ایسا نمودار ہوا کہ شمال میں بادشاہ کی سیادت کے دوبارہ جم جانے کی امید تازہ ہو گئی۔

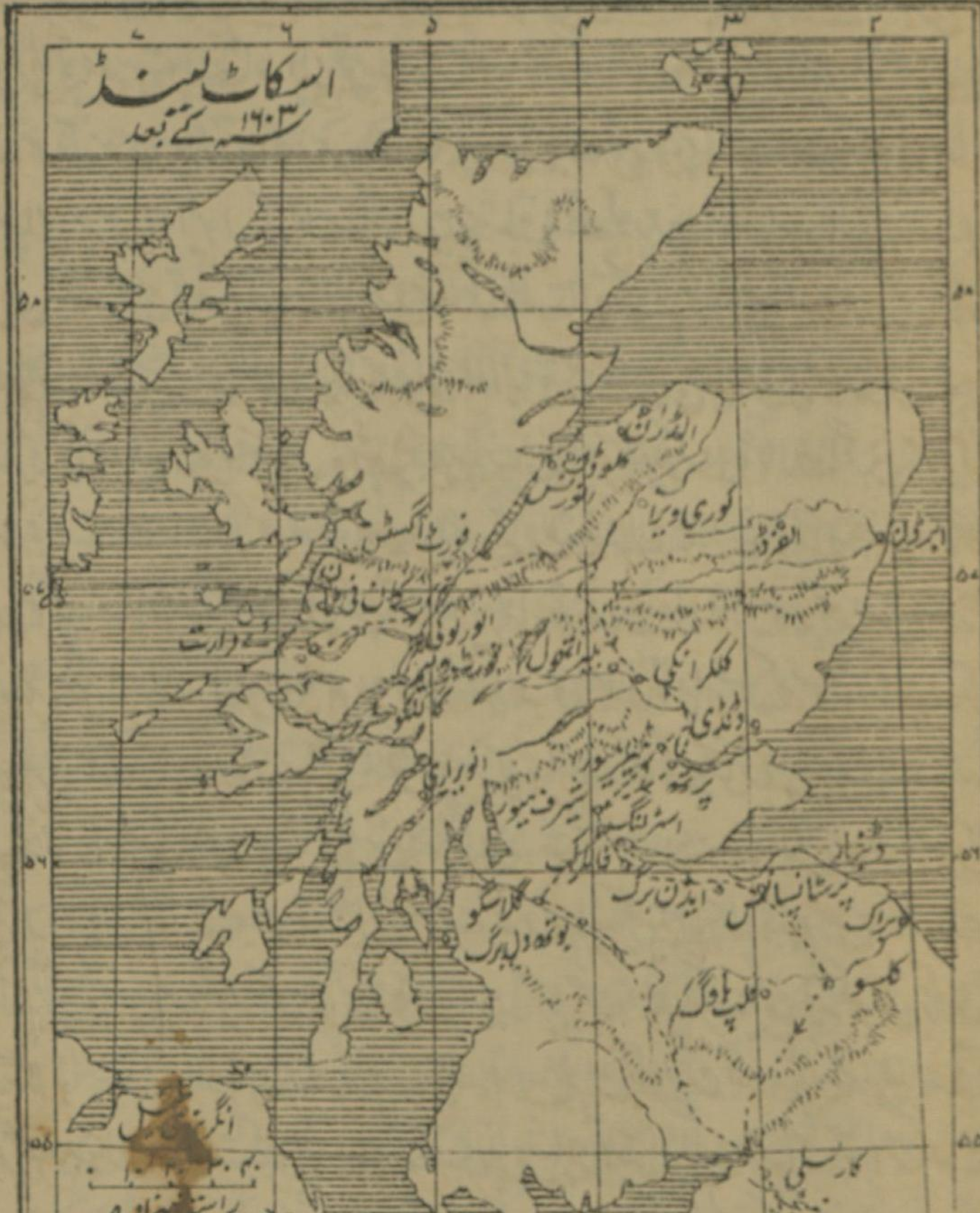
مونٹ روز

یہ مارکوئس مونٹ روز تھا جس نے بہت منت سماجت کے بعد اسکاٹ لینڈ کی نظامت قبول کی اور اسے پورا اختیار دیا گیا کہ اسکاٹ لینڈ کے میثاقیوں (Convenanters) کے خلاف جو چاہے تدبیر عمل میں لائے اور جو فوجیں انگلستان بھیجی گئی تھیں انھیں واپس آنے پر مجبور کرے۔ اس امیر کی بے غرض وفاداری، اسے اپنے عہد کی شرافت کے بہترین نمونوں میں ممتاز کرتی ہے۔ بتیس برس کی عمر تھی اور نہایت باہمت اور مستعد تھا۔ اور جس کام کا بیڑا اٹھایا تھا، اس کے بجا لانے میں دل و جان سے منہمک ہو گیا۔ سیاسیات میں محض خیالی ہونے کے باوجود، جنگی معاملات میں کافی صائب الرائے تھا اور اپنے وسائل کے مطابق

باب سوم

تدابیر میں رد و بدل کی ایسی قابلیت رکھتا تھا جو ماہرین سپہ گری کی خصوصیت ہوتی ہے۔ اسے اپنی کامیابی کی بہت کچھ امید ابرڈین اور پہاڑی علاقوں کے قبائل کے باہمی نفاق میں نظر آتی تھی کہ حوالئی ابرڈین میں تو قبیلۂ گورڈن کی شہر کے بیناقیوں سے ان بن تھی اور پہاڑی قبائل میں خاندان کیمپ بیل کی سب سے خصوصاً میکڈانلڈ برادری سے لڑائی ٹھنی رہتی تھی۔ مارسٹن موار کی لڑائی کے بعد مونٹ روز یارک سے سائیس کے بھیس میں روانہ ہوا۔ نشیبی اقطاع طے کر کے بلیر انتھول میں وہ میک ڈانلڈ برادری کی ایک آئرستانی جماعت کا سرگروہ بنکر آگے بڑھا۔ یہ جماعت السٹر میک ڈانلڈ کی سرداری میں آئرستان سے آئی تھی کہ اپنی اسکوٹی برادری کی مدد کرے اور کیمپ بیلوں سے لڑنے کی بڑی آرزو مند تھی۔ اب مونٹ روز کا مقابلہ کرنے کی غرض سے الچو، آرجائل اور برلی کے بیلفر کے ماتحت تین جمعیتیں تیار ہوئیں مگر اس کی نقل و حرکت کی سرعت حریفوں کو بدحواس کئے دیتی تھی اور اس کی عمدہ تدابیر کے آگے میدان جنگ میں کسی کی پیش نہ جاتی تھی۔ یکم ستمبر کو اس نے الچو کو ٹپر میور میں اور بیلفر کو ابرڈین کے میدان میں شکست دی۔ ان کامیابیوں سے مشرقی پہاڑیوں کا علاقہ صاف ہو گیا اور گورڈن قبیلے کی مدد حاصل ہو گئی۔ پھر کلاں تر سپاہ کے ساتھ وہ آرجائل کے خلاف بڑھا۔ اوائل فروری میں ان ورلوحی پر کیمپ بیلوں کو سخت شکست دی اور آرجائل جس کی ذاتی شجاعت بہت کچھ مشتبہ تھی۔ ایک کشتی میں محفوظ بیٹھا اپنے قبیلہ والوں کا کشت و خون دیکھتا رہا۔ اس ہزیمت نے اسکوٹوں کو مجبور کیا کہ اپنی انگلستانی فوج سے بیلی اور ہری دو بہترین سرداروں کو بلائیں لیکن دیر تک کاوے دینے کے بعد مونٹ روز نے ہری کو آلڈرن کے مقام پر (بتاریخ ۹ مئی) اور بیلی کو ایلفرڈ پر (بتاریخ ۲ جولائی) شکست دی اور اس کی تکمیل کل سیتھ کے خوف ناک میدان میں ہوئی جہاں بیلی کی سپاہ کے رہے سہے جوان کام آئے۔ ان فتوحات نے نشیبی اقطاع کا راستہ صاف کر دیا تھا جہاں مونٹ روز کی تمنا تھی کہ چارلس اس سے آملے۔ مگر جیسا کہ پہاڑیوں کی جنگ کا دستور تھا، اس کے رفیق مُصر ہوئے کہ انھیں اموال غنیمت کے ساتھ گھر جانے کی اجازت دی جائے اور ستمبر میں مونٹ روز کے پاس صرف مٹھی بھر سپاہی باقی رہ گئے۔ اسی حالت میں اس پر ڈیوڈ لزلی نے فلپ ہا کے مقام پر حملہ کیا

جو انگلستان سے ایک زبردست لشکر لے کر پار آگیا تھا، اور فلپ ہاکے اسی معرکے نے شاہ پسندوں کے سب سے منچلے شہ سوار کی قوت خاک میں ملا دی۔ چند ماہ کے بعد مونٹ روز بھیس بدل کے براعظم کی طرف نکل گیا۔



دوسرے ٹھکانوں سے چارلس نے مدد لینے کی جو کوششیں کیں، ان کا بھی نتیجہ ایسا ہی خلاف مراد برآمد ہوا۔ اورمنڈ کو دو میدانوں میں شکست ہوئی۔ اس پر بھی چارلس آئرستانی حلیفوں سے، کبھی اپنے باضابطہ والی اورمنڈ کے ذریعے اور کبھی ایک کیتھولک ایڈورڈ امیر سمرسٹ نامی کی وساطت سے (جو آگے چل کے ورسٹر کا مارکوئیس بنایا گیا) اور ایک بار اسی امیر کو اورمنڈ کی اطلاع کے بغیر اس نے دس ہزار آئرستانی فلطیوں کا سپہ سالار بھی مقرر کر دیا تھا جن کے انگلستان میں آنے کی توقع تھی۔ مگر

نامہ و پیام میں بہت دیر لگی۔ اور منڈ بہت کاہل، اور پکا پروٹسٹنٹ ہونے کی وجہ سے ایسے کام میں دل سے شرکت کرنے میں متامل تھا، جس سے آئرستان میں پھر کیتھولک مذہب قائم ہو جائے۔ اس لئے آئرستان کو عملاً خودمختار بنا دیا۔ ادھر سمرسٹ پرجوش ہونے کے ساتھ ناعاقبت اندیش بھی تھا اور ایک مرتبہ لینکاشر کے ساحل پر اس کا جہاز ٹوٹا تو وہ بہت دن تک ان تجویزوں میں حصہ لینے کے قابل نہ رہا۔ اسی طرح براعظم میں چارلس کو ناکامی ہوئی۔ اس کی بیوی امیر لورین کو دس ہزار سپاہیوں سمیت اُجرت پر انگلستان بھیجنے کی ساز باز کرتی رہی اور یہ سپاہی جرمن لڑائیوں کی جملہ سفاکیوں میں مشاق تھے۔ لورین بے حساب مال غنیمت اور لوٹ مار کی طمع میں انگلستان آنے پر آمادہ بھی ہو گیا تھا مگر انگلستان کی خوش نصیبی کہ اس کے سپاہیوں کو سمندر پار لانے میں دقت پیش آئی۔ ملکہ ہنریتا کا خیال تھا کہ شہزادہ اورینج کی بیٹی کی نسبت ولی عہد انگلستان سے کر دی گئی تو اس کے عوض میں یہ شہزادہ جہازوں کا انتظام کر دے گا اور اگر یہ نہ ہوا تو مازاین بندرگاہ ڈیپ سے جانے کی اجازت دے دیگا۔ مگر ولندیزوں نے اپنے جہاز دینے سے انکار کر دیا اور مازارین انگریزی پارلیمنٹ کو ناخوش کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ غرض یہ سارا منصوبہ ہی درہم برہم ہو گیا۔

پہلی خانہ جنگی کا خاتمہ

باہر کی امداد سے مایوسی ہوئی تو چارلس کو سوائے اس کے چارہ نہ رہا کہ اپنے انگریز رفیقوں ہی کے بل جہاں تک ممکن ہو لڑائی جاری رکھے مگر یہ کوشش زیادہ نہ چلی اور معرکہ نیزبی کے ایک ماہ بعد ہی گورنگ اور اس کی مغربی سپاہ کو فیرفکس نے لینگ پورٹ پر شکست دی۔ ۱۰ ستمبر کو برسل پر جبراً قبضہ کر لیا گیا ۲۴ ہویں تاریخ چارلس نے چیسٹر کی فصیل سے وہ نقل و حرکت خود معائنہ کی جس کا انجام یہ ہوا کہ رہی سہی بادشاہی فوج راؤٹن ہیتھ پر پراگندہ کر دی گئی۔ موسم بہار میں ہوپٹن کو ٹورنگٹن پر شکست ہوئی۔ ایسٹلی نے اسٹو (لب ؤولڈ) پر ہتھیار ڈال دئے ۲۴ جون کے دن آکسفرڈ نے اطاعت قبول کر لی۔ چند قلعے کچھ روز اور مدافعت کرتے رہے مگر آخری بادشاہی قلعہ ہارلگ مارچ سنہ ۱۶۴۷ء تک مفتوح ہو گیا۔

میدان میں ہر طرف شکست و ناکامی نصیب ہوئی تو چارلس کو اپنے دشمنوں کی باہمی نااتفاقی سے فائدہ اٹھانے کی سوجھی اگرچہ ابھی تک فرانس یا آئرستان سے بھی مدد مل جانے کی امید باقی تھی۔ دشمنوں کو ایک دوسرے سے لڑانے کا موقع یہ پیدا ہوا کہ پارلیمنٹی فریق اسقفیت کو توڑنے میں متفق مگر اس بارے میں مختلف الرائے تھا کہ اس کی بجائے کیا انتظام کیا جائے۔ اسکوٹی گروہ چاہتا تھا کہ اُن کے ملک کا سا پرسبی ٹری نظام قائم کیا جائے جس میں اصلی قوت مقامی پادریوں کے ہاتھ میں رہے۔ مگر اسی عقیدے کے انگریز، میثاقی ہونے کے باوجود اس حد تک رد و بدل کے حامی تھے کہ پادریوں کی بجائے انتظامی معاملات میں غلبہ غیر کلیسائیوں

کو حاصل رہے۔ "آزاد" جماعت کی رائے تھی کہ کسی یکساں انتظام کی ضرورت نہیں بلکہ ہر جگہ کے مصلی اپنے اپنے گرجا کا بطور خود انتظام کرلیا کریں۔ اس بات میں سب متفق تھے کہ اسقفیت پسندوں یا کیتھولکوں کو کلیسا میں ہرگز (انگلستان یا آئرستان میں) گھسنے نہ دیا جائے۔ اور پرس بی ٹری فرقے والے تو آزاد خیالوں پر جبر و تشدد لاگو کرنا چاہتے تھے۔ "آزاد" گروہ کی، بقول ملٹن، رائے یہ تھی کہ یہ پرس بی ٹری بھی وہی پرانے پیر پادری ہیں اسی بنا پر وہ ان کا اقتدار دیکھنے کی بجائے ترجیح دینے لگے تھے کہ اسقفیت کو مناسب ترمیم کے ساتھ قائم رہنے دیا جائے۔

لاڈ کا قتل

بہر حال چارلس کے صدر اسقف لاڈ کے نظام کو توڑنے کی ضرورت پر سب فریق ہمرائے تھے اور لاڈ کی زندگی سے تو کوئی واقعی خطرہ نہ تھا، بلکہ اس کے نظام کلیسا سے شدید نفرت ہی کی بنا پر ۱۶۴۵ء کی سردیوں میں پرین کی ترغیب اور دونوں مذہبی فرقوں کی تائید سے صدر اسقف لاڈ پر "خرابی خون" کا قانون نافذ کیا گیا۔ غداری وغیرہ کا کوئی الزام اس پر عائد نہ ہو سکتا تھا اور اسے مارنا حقیقت میں قتل ناحق سے کم نہ تھا۔ باایں ہمہ اس سن رسیدہ پیشوائے مذہب کا جنوری ۱۶۴۵ء میں سر قلم کر دیا گیا۔ اس کارروائی کا مطلب یہ تھا کہ ایسی اسقفیت کے ساتھ، جیسی چارلس کے نزدیک ضروری تھی، کوئی مصالحت نہیں ہو سکتی۔ جولائی ۱۶۴۳ء سے ایک ذیلی مجلس کلیسا کے لئے نئے آئین پر غور کر رہی تھی اور اسے ویسٹ منسٹر میں قومی مذہب کا مسئلہ طے کرلینے کی غرض سے منعقد کیا گیا تھا۔ اس میں ایک سو بیس کلیسائی اور تیس پارلیمنٹ کے مبعوث شامل تھے اور پرس بی ٹری فرقے والوں کی اتنی اکثریت تھی کہ "آزاد" گروہ کے صرف پانچ حامی تھے جن میں فلپ نائی اور جان گوڈون سربر آوردہ تھے۔ انھیں "اختلافی بھائیوں" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا انھوں نے اصلاحات کا ایک نقشہ بھی پیش کیا جس میں لاڈ کے نظام کی بجائے اسقفوں کی ایک جدید مجلس بنانے کی تجویز تھی اور دلی اختلاف رکھنے والوں کے ساتھ رواداری کی سفارش کی گئی تھی۔ مگر اسے کوئی وقعت نہ دی گئی۔ انگلستانی وضع کا پرس بی ٹری نظام اصولاً قبول کر لیا گیا اور عملاً بھی کسی حد تک اس کے مطابق کام ہونے لگا۔ الزبتھ کے عہد میں گرجا کی عبادات وغیرہ کے متعلق کارٹ رائٹ اور ٹرے ورس نے ایک دستور العمل (ڈائرکٹری) لکھی تھی، اب اسی کو اختیار کیا گیا اور نئی کتاب الصلوٰۃ کے استعمال کی ممانعت کر دی۔ پارلیمنٹ میں بھی جہاں پرس بی ٹری عنصر برابر بڑھتا چلا جاتا تھا، ان تجاویز کی توثیق ہو گئی لیکن ملک میں اس پر کافی قیل و قال ہوئی۔ عساکر نمونۂ جدید میں اب تک رواداری کا رواج تھا۔ ان جدید اصلاحات سے سپاہیوں میں سخت اور دلی ناراضی کے جذبات پیدا ہوئے۔

چارلس، اسکوٹی لشکر میں

چارلس نے ارادہ کیا کہ پارلیمنٹ کے ان اختلافات سے پورا فائدہ اٹھائے۔ اسے امید تھی کہ اہل اختلاف باہمی نفاق کی وجہ سے شاہ پسندوں کی تائید پر تیار ہو جائیں گے اور اسی خیال سے اس نے پرسبی ٹری، "آزاد"، اسکوٹی اور فوجی ہر فریق کے سرگروہوں سے خفیہ خط کتابت شروع کی۔ مگر سب پر اچھی طرح روشن تھا جب تک بادشاہ صاف صاف شرطیں نہ کرے، اس کے عہد سے پھر جانے میں کوئی شئے مانع نہیں آسکتی۔ اور اُدھر چارلس تلا ہوا تھا کہ جو کچھ ہو، وہ اسقفیت کے دوبارہ قائم کرنے کی امید کو ہاتھ سے نہ دے گا۔ لہٰذا اس نامہ و پیام کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور آخر یہ سمجھ کر کہ بہترین صورت اسکوٹی اور انگلستانی باشندوں کے باہمی رشک سے فائدہ اٹھانا ہوگی، وہ مئی ۱۶۴۶ء میں اسکوٹی لشکر میں چلا آیا اور پوری امید رکھتا تھا کہ چندہی روز میں اسکوٹی اور شاہ پسندوں کی سپاہ اس کے حکم سے پارلیمنٹ کے خلاف جنگ کرتی نظر آئے گی؛ مگر چند ہی روز گزرے تھے کہ اسے معلوم ہو گیا کہ جب تک وہ پرسبی ٹری نظام کو انگلستان میں قائم کرنے کا قطعی وعدہ نہ کرے اسے اسکوٹوں سے کوئی مدد نہ مل سکے گی اور یہ کہ اب وہ مہمان بھی نہیں بلکہ عملاً ان کے ہاتھ میں قیدی بن گیا ہے۔ بایں ہمہ اسے انگلستان بھیجدینے سے پہلے اسکوٹی فوج نے ایک اور موقع دیا کہ چارلس انگلستان کی پارلیمنٹ سے صلح کر لے اور اسی غرض سے نیوکاسل لے کر آئے جہاں پارلیمنٹ کے بعض نمایندوں سے گفتگو شروع ہوئی۔ چارلس سے جو مطالبات کئے گئے ان میں قابل ذکر یہ ہیں:- (۱) اسقفیت کا خاتمہ اور پرسبی ٹری اصول کے مطابق کلیسا کی اصلاح (۲) کیتھولک فرقے کے خلاف مزید تعزیری قوانین۔ اور (۳) آئندہ بیس سال تک فوج بے قاعدہ اور بیڑے پر پارلیمنٹ کی نگرانی۔ دوسری طرف اسکوٹوں نے اقرار کیا کہ اگر چارلس اکس برج کی پیش کردہ شرطیں ماننے کا وعدہ کر لے تو اس کے بحال کرانے کے لئے جنگ کریں گے۔ لیکن ملکہ اور اپنے تمام خیر خواہوں کی صلاح کے باوجود بادشاہ نہ پارلیمنٹ سے صلح پر آمادہ ہوا نہ اسکوٹوں کو رفیق بنانے کی غرض سے بعض عقائد سے دست بردار ہوا۔ اصل میں وہ اسے لازمۂ عزت سمجھتا تھا کہ منصب شاہی کے امتیازات میں فرق گوارا کئے بغیر انھیں اپنے وارثوں تک بجنسہٖ پہنچادے اور اسی طرح اسقفیت کو قائم رکھنا ایمان کا جزو جانتا تھا۔ اس بارے میں چارلس کی رائے بالکل صاف اور قطعی تھی مگر دوسروں کو یہ بدگمانی ہوئی کہ وہ حیلے حوالے کر رہا ہے اور اسکاٹ لینڈ والے اس کی بیجا ضد پر جھنجھلا گئے اور ارادہ کر لیا کہ ان جھگڑوں میں کوئی دخل نہ دیں اور چارلس کو انگریز قائم مقاموں کے حوالے کر کے اپنے گھر کا راستہ لیں۔ اس تجویز کو پارلیمنٹ نے خوشی سے قبول کیا اور اسکوٹوں کی مراجعت میں سہولت پیدا کرنے کی ہر ممکن

کوشش کی۔ ان کے مصارف کا تخمینہ چار لاکھ پاونڈ ہوا تھا۔ پارلیمنٹ نے دو لاکھ کی پہلی قسط اسی وقت منظور کر دی۔ چارلس کے ساتھ بھی نئے پہرہ داروں کا سلوک بہت اعزاز کا رہا اور وہ ابتدا میں پارلیمنٹ کے حکم سے ہولم بی ہاوس نارتھمپٹن شر میں رکھا گیا۔

فوج کا مسئلہ اسکوٹوں کی رخصت کے ساتھ لامحالہ انگریزی فوج کے متعلق سوال پیدا ہوا کہ وہ آئندہ کیا کرے گی اور کس حال میں رکھی جائے گی۔ پارلیمنٹ اسے فسخ کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اول تو پرسبی ٹری اکثریت کو اہل فوج کی آزاد خیالی پسند نہ تھی دوسرے محاصل کا ادا کرنا لوگوں کو اتنا ناگوار تھا کہ کئی ضلعے محض اسی وجہ سے شاہ پسندوں کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ ادھر خود فوج کے لوگ ڈرتے تھے کہ اگر فوج فسخ ہو گئی تو پرسبی ٹری اکثریت بالکل مطلق العنان ہو جائیگی اور مذہبی مسائل کا تصفیہ ایسے انداز میں ہوگا کہ اہل اختلاف یا آزاد فرقے کی کلیسا میں گنجائش ہی نہ رہے حالانکہ اکثر سپاہی انھی فرقوں کے پیرو تھے۔ جب تک پارلیمنٹ کی توجہ جنگ کے انتظام پر مرکوز رہی، اس وقت تک آزاد فرقے والے پیش پیش رہے اور انھیں غلبۂ آرا کا بھی یقین رہا۔ لیکن لڑائی کے ختم ہوتے ہی پرسبی ٹری کو پھر غلبہ حاصل ہو گیا اور اس نے فوج کی برطرفی پر غور و بحث شروع کی۔ تجویز پیش ہوئی کہ انگلستان میں پیادہ فوج مطلق نہ رکھی جائے بلکہ ۶۶۰۰ سوار، اور آئرستان میں ۴۲۰۰ سوار اور ۸۴۰۰ پیادے رہنے دیئے جائیں فیرفیکس کے جوانوں کے واسطے جو نوکری کرنی چاہیں یا انھیں جگہ مل سکتی ہو، انھی افواج میں داخل کرنے کی قرار داد ہوئی اور اس طرح صرف ۶ ہزار پیادوں کی برطرفی کی ضرورت رہ گئی۔ برطرفی کے علاوہ تنخواہ کا مسئلہ بھی چکانا تھا کہ پیادوں کی آٹھ ہفتے کی اور سواروں کی ۴۳ ہفتے کی بقایا چڑھی ہوئی تھی۔ یہ کل حساب تقریباً تین لاکھ پاونڈ کا ہوتا تھا اور اتنی بڑی رقم کا مہیا کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ سوئے اتفاق سے پرسبی ٹری اکثریت نے بڑی نادانی یہ کی کہ سپاہیوں کو ان کے مواجب میں سے صرف ایک سدس ادا کرنے کی منظوری دی اور اس حرکت سے مذہبی آزادی اور تنخواہ دونوں کے طلبگار متفق ہو گئے۔ سپاہیوں نے مل کر جمع رہنے کا ارادہ کیا اور ہر جمعیت سے وکیل یا نمایندے منتخب کئے کہ سرداران فوج کی مجلس کے ساتھ مل کر فوج کے مفاد کے کام میں شریک رہیں۔ سب سے بڑی غرض یہ تھی کہ پارلیمنٹ

بقایا تنخواہ ادا کرے اور جنگ کے زمانے میں جو بدعنوانیاں ہوئی ہوں، ان کی معافی کا حکمنامہ جاری کردے۔ فیرفیکس اور کروم ویل دونوں اپنے سپاہیوں کے جائز مطالبات کے دل سے موید تھے اور چونکہ کروم ویل خوب سمجھتا تھا کہ اگر فوج ایک دفعہ پارلیمنٹ پر غلبہ پاگئی تو پھر طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوں گی، لہذا فوجی سردار اور پارلیمنٹ کے رکن ہونے کی حیثیت سے وہ پوری کوشش کرتا رہا کہ صلح و آشتی کے ساتھ معاملہ طے ہو جائے۔ مگر یہ کوشش ناکام ہوئی اور اب وہ پوری قوت سے اپنے سپاہیوں کا طرفدار ہو گیا۔ اس نازک موقع پر سپاہیوں کو طبعًا اندیشہ ہوا کہ کہیں چارلس کسی نئی پرسبٹی ٹیرین سپاہ کا سرخیل نہ بن جائے یا اُسے بھاگ جانے کا موقع نہ دے دیا جائے۔ لہذا کروم ویل نے کورنیٹ جوئس کو حکم دیا کہ ہولمبی جاکے چارلس کو اپنی حراست میں لے لے۔ جوئس نے اس پر عمل کیا اور مخالفوں کے چھڑا لے جانے کے خوف سے اسے نیو مارکیٹ میں منتقل کر دیا جہاں سے فوج کا پڑاؤ قریب تھا۔

فوج کا اعلان اور دوسری خانہ جنگی

بادشاہ قبضے میں آگیا تو فوج والے ٹرپ لو ہیتھ میں جمع ہوئے اور ایک اعلان کی صورت میں اپنے مطالبات مرتب کئے جن میں یہ جدید اضافہ کر لیا گیا کہ موجودہ پارلیمنٹ کے تکلیف دہ ارکان خارج کر دئے جائیں اور آئندہ پارلیمنٹ صرف دو سال کے واسطے منتخب ہوا کرے۔ ان مطالبات کو منوانے کی غرض سے پوری فوج آہستہ آہستہ منزل بہ منزل لندن روانہ ہوئی۔ بادشاہ کو اپنے ساتھ رکھا اور آخر میں ہیمپٹن کورٹ میں ٹھیرا دیا۔ اس جنگی مظاہرے کو دیکھ کر پارلیمنٹ دب گئی اور گیارہ پرسبٹی ٹیرین ارکان جن میں ہولیز اور ولیم والر سب سے ممتاز تھے، ملک چھوڑ کر براعظم چلے گئے۔ اسی وقت سے کہنا چاہئے کہ معاملات کی اصلی باگ فوج کے قبضے میں آگئی۔ ساتھ ہی فوج نے جو دراصل پارلیمنٹ سے بڑھ کر ملک کی سچی نائب و ترجمان ہونے کی مدعی تھی، بادشاہ سے نامہ و پیام شروع کئے۔ اس کی تجاویز پارلیمنٹ کی بہ نسبت زیادہ فیاضانہ تھیں کیونکہ کروم ویل اور اس کا داماد آئرٹن اسقفیت کی بحالی پر بھی رضامند تھے بشرطیکہ دوسرے فرقوں کے لئے کامل رواداری برتی جائے اور یہ دونوں سردار فوج کے سیاسی خیالات کی فیرفیکس سے بھی بہتر نیابت کرتے تھے۔ اپنی صداقت کے ثبوت میں انھوں نے چارلس

باب سوم

کو خود اپنے اماموں سے کلیسائے انگلستان کے مطابق نماز پڑھانے کی بھی اجازت دیدی حالانکہ اسکاٹ لینڈ یا پارلیمنٹ والوں نے اسے مطلق جائز نہ رکھا تھا۔ فوجی تجاویز آئرٹن نے قلمبند کی تھیں اور ان میں اصلاح پارلیمنٹ، دو سالہ انتخابات، جنگ و صلح کا فیصلہ اور فوج بے قاعدہ کا انتظام کرنے کی غرض سے ایک شاہی مجلس کے قیام کا مطالبہ تھا۔ پانچ سربرآوردہ شاہ پسندوں کو سزا دینے کی بھی شرط تھی۔ مجموعی طور پر یہ "مدات تجاویز" اسی مذہبی تصفیے کا خاکہ تھیں جو آئندہ سنہ ۱۶۸۹ء میں اختیار کیا گیا اور نیز اسی قسم کی پارلیمنٹی حکومت کا جو بہت کچھ زمانہ حال میں زیر عمل ہے لیکن چارلس سے انھیں منظور کرانا غیر ممکن تھا کیونکہ اسے اب پورا یقین ہوگیا تھا کہ پریس بی ٹری اور آزاد فرقے بِن تلوار چلے بغیر نہ رہے گی اور ایک نہ ایک فریق لامحالہ شاہ پسندوں سے امداد خریدنی چاہے گا۔ نظر بر ایں اُس نے ارادہ کر لیا کہ بھاگ کر جزیرۂ وائٹ میں چلا جائے۔ بدنصیبی سے وہاں کا پارلیمنٹی حاکم، ہیمنڈ، اُس کے وہاں آنے پر تو رضامند ہو گیا لیکن اپنے مقرر کرنے والوں کی وفاداری میں اس بات کی پوری نگرانی رکھی کہ بادشاہ وہاں قصر کیرسس بروک سے نکلنے نہ پائے۔ چارلس فوج سے گفت و شنید منقطع ہو جانے کو فال نیک سمجھتا تھا حالانکہ اسی سے فوج والوں کی یہ رائے ہو گئی کہ بادشاہ سے نامہ و پیام کرنا بیکار ہے اور بہ حیثیت بادشاہ بھی وہ اعتماد کے لائق آدمی نہیں ہے۔ البتہ چارلس کا یہ خیال صحیح نکلا کہ سنہ ۱۶۴۸ء میں دوبارہ خانہ جنگی برپا ہو گئی۔ لندن اور جنوب مشرقی پرگنوں میں سپاہیوں کی تنخواہ کا بار اٹھاتے اٹھاتے سخت بددلی پیدا ہو گئی تھی۔ اہل اختلاف کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہوئی تو پریس بی ٹری عقائد کے لوگ بگڑے اور زیادہ تر انھی وجوہ اسباب نے اہل ملک کو پارلیمنٹ سے بدعقیدہ اور بادشاہی کی طرف دوبارہ مائل کر دیا۔ جنوب میں شاہ پسندوں کے خروج کے ساتھ چارلس کو ہارکوئس ہیملٹن کے حملہ کر دینے کی بھی توقع تھی۔ جو کچھ مدت کے لئے آرجائل کے رسوخ و اثر پر غالب آگیا اور بادشاہ سے "معقول قرار" کرنے میں لاڈر ڈیل کا شریک ہو گیا تھا۔ اس قول و قرار کا منشا یہ تھا کہ چارلس تین سال تک پریس بی ٹری انتظام قائم کر دے گا اور غیر اصطباغی (انابیپ ٹسٹ) انقطاعی (سے پے ریٹسٹ) آزاد اور ملاحدہ وغیرہ ہم تمام دوسرے فرقوں کا بالکل قلع قمع کر دے گا۔ اس کے عوض میں اسکاٹ لینڈ والے آمادہ تھے کہ انگلستان پر فوج

باب سوم

سے حملہ کریں اور موجودہ پارلیمنٹ کا خاتمہ کر کے ایک بڑی اور آزاد پارلیمنٹ کی مدد سے دیرپا صلح کرا دیں۔ مگر ہیملٹن اور اس کے دوستوں کو ان انتظامات میں دیر لگی اور اس عرصے میں کینٹ اور جنوبی ویلز کے شاہ پسندوں نے جنگ کا علم بلند کر دیا۔ اس سرکشی کے مقابلے میں پارلیمنٹ اور فوج والے متفق ہو گئے اور پارلیمنٹ تو بدل و دل لندن والوں کو خوش کرنے کی کوشش کرنے لگی اور فیرفیکس و کروم ویل نے میدان جنگ میں شاہ پسندوں کا قضیہ چکا دیا۔ یعنی چالاکی سے کینٹ والوں اور ان کے لندنی ہمدردوں کے بیچ میں آ کر فیرفیکس نے سرکشوں کی بڑی جمعیت کو تو ۲ جولائی کے دن میڈاسٹون

معرکۂ میڈاسٹون

میں شکست دی اور جو باقی بچے انھیں ٹیمز کے پار بھاگنے پر مجبور کیا یہ کول چیسٹر پہنچ کر قلعہ بند ہو گئے تھے کہ اسکاٹ لینڈ کی فوج یا براعظم کی کوئی مدد انھیں محاصرے سے نجات دلانے پہنچ جائے گی لیکن فیرفیکس نے انتہائی قوت سے کام لیا اور لارڈ ہالینڈ کی جس کی مدد نوجوان امیر کبیر بکنگھم بھی کر رہا تھا، یہ کوشش نہ چل سکی کہ ایک اور بغاوت پارلیمنٹ کے خلاف برپا ہو جائے۔ ان کی جمعیت منتشر کر دی گئی۔ ہالینڈ گرفتار ہوا اور اگست کے ختم ہونے سے قبل کول چیسٹر کو جانبازانہ مدافعت کے بعد ہتھیار ڈال دینے پڑے۔ قوانین جنگ سے بڑی درشتی کے ساتھ کام لیا گیا کہ دو شاہ پسند سردار، سر چارلس لیوکس اور سر جارج لزلی، جنگی مجلس میں مجرم قرار پائے اور گولی سے اڑا دیئے گئے۔ دو اور سردار، یعنی لارڈ کپیل اور امیر ناریچ جو شاہی سپہ سالار گورنگ کا باپ تھا، آئندہ فیصلے کے لئے قید میں رکھے گئے۔

پرسٹن کی لڑائیاں

اس عرصے میں ہارٹن نے ویلزیوں کو سینٹ فیگن میں شکست دی کروم ویل نے پیمبروک اور ٹین بی کے قلعے فتح کر لئے اور جولائی تک اسکوٹوں کے مقابلے کے لئے فارغ ہو گیا۔ اور اچھا ہی ہوا کہ عین وقت پر اسے فرصت مل گئی کیونکہ ہیملٹن اپنے اعتدال پسند پریسبی ٹیریوں کو لے کر سرحد عبور کر چکا تھا اور پارلیمنٹی سردار لیمبرٹ اسے روکنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ اسکوٹی سردار کینڈل و ہارن بی کے راستے پرسٹن تک بڑھ آیا۔ اس کے لشکر میں ساڑھے تین ہزار سے زیادہ انگریز شاہ پسند تھے جن کا قائد سر مارماڈیوک لینگ ڈیل تھا اور کم سے کم دو ہزار اسکوٹی سپاہی تھے لیکن یہ اچھے قاعدہ دان نہ تھے اور نہ ساز و سامان اچھا تھا

باب سوم

دوسرے خود ہیملٹن شجاعتِ ذاتی کے باوصف جنگی قابلیت سے معرا تھا، معلوم ہوتا ہے کروم ویل نے یہ سمجھ کر اپنا منصوبہ بنایا تھا کہ ہیملٹن، پونٹے فریکٹ جائے گا جو اسی زمانے میں شاہ پسندوں کے ہاتھ آگیا تھا۔ اسی خیال سے وہ ۸ ہزار سپاہی لے کر وادی ربل میں لڑنے کے ارادے سے داخل ہوا اور حسن اتفاق سے، ۱۷ اگست کو اس کی پرسٹن کے حملہ آوروں سے مڈ بھیڑ ہوگئی۔ اسکوٹی لشکر نے اسی وقت ندی کو عبور کیا تھا اور لینگ ڈیل کی انگریزی فوج ابھی شمالی کنارے پر تھی کہ کروم ویل نے اُسے آدبایا۔ شاہ پسند بڑی دلیری سے لڑے لیکن آخر کار مغلوب کر لئے گئے اور پھر کروم ویل اسکوٹوں کی طرف پلٹ پڑا۔ اس نے رات ہوتے ہوتے ربل اور ڈارون کے پلوں پر جبراً قبضہ کر لیا جس سے اسکوٹوں کو واپسی کی بھی امید باقی نہ رہی اور دوسرے دن اس نے اطمینان سے دشمن کا تعقب کیا۔ موسم خراب اور اسکوٹوں کے پاس گولہ باروت کی کمی تھی نیز سردار اچھے نہ ملے لہذا ان کی ترتیب بالکل بگڑ گئی اور وگن اور وِنِک میں کامل شکست ہوی۔ صرف بیلی نے کچھ ہنر اور استقامت دکھائی لیکن نمونۂ جدید کے سپاہیوں کی بہادری اور قواعد دانی کے سامنے کچھ پیش نہ جا سکی پیادوں نے وارنگٹن میں اور سواروں نے اٹک زیٹر میں ہتیار ڈال دئے۔ پھر ہیملٹن کی خبر لینے کے لئے لیمبرٹ کو چھوڑ کر خود کروم ویل اسکاٹ لینڈ میں داخل ہوا اور اکتوبر تک وہیں رہا۔ کچھ مدت میں ہیملٹن اور لینگ ڈیل بھی پکڑ لئے گئے اور لیمبرٹ دوبارہ کروم ویل سے آملا۔

نازک موقع اکول چسٹر اور پرسٹن کی کامیابیوں سے ایک ایسے نازک موقع کا خاتمہ ہوا کہ چارلس کے مڈن ہم کریں سے پسپا ہونے کے بعد سے پارلیمنٹ کو پیش نہ آیا تھا۔ حقیقت میں اگر فیرفیکس، ہیڈ اسٹون میں یا کروم ویل پرسٹن میں غالب نہ آتا تو بلا تاخیر ملک میں بادشاہ کی طرفداری کا ہنگامہ پیدا ہو جاتا۔ پھر، کینٹ اور ایسکس کی ان بغاوتوں سے بھی بڑھ کر خطرناک بات یہ تھی کہ بیڑا جواب تک بیرونی امداد کے آنے میں مانع رہا اور سمندر کا پہرا دے کر پارلیمنٹ کی قابل ستائش خدمت انجام دیتا رہا، اب اس کے تیور بدل گئے بلکہ نو جہاز تو ولی عہد انگلستان کے پاس ہالینڈ چلے گئے اور اگر ہوا مخالف نہ ہو جاتی تو بکنگھم کے سامنے پارلیمنٹی جہازوں سے ۲۹ اگست کو

ان کی لڑائی ہو جاتی۔ اور چونکہ ملاح، سپاہیوں سے بھی بڑھ کر پریس بی ٹری خیال کے تھے، اس لئے امید نہ تھی کہ وہ دل سے پارلیمنٹ کی طرف سے لڑائی کریں گے۔ آخر میں ولی عہد کے جہاز ہالینڈ واپس ہوئے اور شہزادہ روپرٹ کے ماتحت کر دئے گئے بہر حال فوج والوں کو یقین تھا کہ یہ سب خطرناک صورتیں محض چارلس کی ضد کا نتیجہ ہیں اور اسی واسطے جب وہ شاہ پسندوں سے لڑنے چلے تو اعلان کیا کہ اگر خدا نے دوبارہ امن سے بہرہ مند کیا تو ہمارا فرض ہوگا کہ اس خونی آدمی سے، جسے چارلس اسٹوارٹ کہتے ہیں، خونریزی اور ان غریب قوموں نیز خدائی مقصد کے خلاف فتنہ انگیزی کرنے کا مواخذہ کیا جائے۔ اسی قسم کے جذبات تھے جن کی وجہ سے فیرفیکس کا دل سخت ہوا اور کول چیسٹر کے قتل عمل میں آئے۔

پارلیمنٹ کی کارگزاریاں

فوج تو مصروفِ جنگ تھی اور ادھر پریس بی ٹری پارلیمنٹ میں من مانی کارروائیاں کر رہے تھے۔ اپنے غلبۂ آرا کے زور پر انھوں نے ایک حکم نامہ جاری کرایا کہ جو لوگ مسیحؑ کی الوہیت، اور قبر سے زندہ اٹھنے کے اور اسی طرح خاص خاص مسیحی عقائد کے منکر تھے، وہ سزائے موت کے مستوجب اور اسی طرح جو لوگ بچوں کے اصطباغ، دوزخ کے وجود وغیرہ عقیدوں کو مانتے تھے یا سبت کی فرضیت بیں پیوری ٹن فرقے سے قیل وقال کرتے تھے، وہ سزائے قید کے قابل ہونگے۔ ایسا حکم نامہ سپاہیوں کی کثیر جماعتوں میں سراسر نامطبوع تھا اور پارلیمنٹ نے بادشاہ سے جو گفتگو شروع کی اسے بھی فوجی ناپسند کرتے تھے۔

معاہدۂ نیوپورٹ

بایں ہمہ نیوپورٹ میں بادشاہ نے اصالتًا اور پارلیمنٹ کی طرف سے چند وکلا نے جن میں سای، ہولیز اور وین سربرآوردہ تھے، ایک قرار داد طے کرنی چاہی جسے اُس وقت "معاہدے" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ لیکن چارلس نے دل سے گفتگو نہیں کی کیونکہ ابھی تک بیرونی امداد کی بہت کچھ امیدیں تھیں کہ یا تو بر اعظم سے کمک آئے گی جہاں سی سالہ جنگ اسی زمانے میں ختم ہو رہی تھی، اور یا آئرستان سے جہاں اورمنڈ پھر ایک شاہ پسند جمعیت مرتب کر رہا تھا۔ اگر ان میں سے کچھ نہ ہو تو بھی بادشاہ بھاگ کر نکل جانے کا یقین رکھتا تھا۔ غرض اور تو سب شرطیں وہ قریب قریب پوری طرح ماننے کے واسطے آمادہ ہوا لیکن

باب سوم

اسقفیت کو کسی نہ کسی شکل میں قائم رکھنے پر جا رہا اور اس بات کو عوام نے قبول نہ کیا۔ لہذا یہ سب گفتگو رائیگاں ثابت ہوئی۔

اس عرصے میں اسکاٹ لینڈ کا سیاسی اقتدار بھی آرجائل کے ہاتھ میں آگیا اور مغربی میدانوں کے بیچے پرس بی ٹری اور کیمبل برادری کے لوگ اس کے مددگار تھے۔ پھر بھی پارلیمنٹ کے حکم سے کروم ویل اڈن برو گیا اگرچہ آرجائل سے صلاح مشورہ کرنے کے سوا اور کسی کام کی ضرورت نہ پیش آئی۔ پھر لیمبرٹ اور تھوڑے سے سپاہیوں کو اس غرض سے وہاں چھوڑ دیا کہ چارلس کے حمائتیوں ("Engagers" یا اقرار نامہ کرنے والوں) کے مقابلے میں نئی حکومت کی پشت پناہی کریں۔ واپسی میں کچھ وقت اسکاربرو اور پونٹے فریکٹ کے محاصرے کی دیکھ بھال میں صرف ہوا اور وہ ۶؍ دسمبر سے قبل لندن واپس نہ پہنچ سکا۔

اہلِ فوج کا احتجاج

کروم ویل کی غیر حاضری میں اس کے داماد ہینری آئرٹن کا جو اس کے ساتھ یک جان و دو قالب بن گیا تھا، رسوخ واثر بہت رہا۔ کیونکہ گو فوجی مجلس میں صدارت کی کرسی پر ہمیشہ فیرفیکس اجلاس کرتا تھا لیکن سیاسی معاملات میں وہ کوئی سوجھ بوجھ نہ رکھتا تھا۔ سپاہیوں کے جذبات کا آئرٹن نے ایک تحریر میں اظہار کیا جو "احتجاج اہل فوج" کہلائی۔ اس میں چارلس کو دوسری جنگ کرانے کا ذمہ دار اور اس کے ساتھ مزید ربط ضبط رکھنا مذموم قرار دیا تھا کیونکہ وہ اپنے وعدوں کا ایفا کرنا ہی لازم نہیں سمجھتا تھا اور آخر میں استدعا کی تھی کہ اس پر مقدمہ چلایا جائے۔ باایں ہمہ فیرفیکس وغیرہ بہت سے سردار اتنی دور تک جانے پر آمادہ نہ ہوئے اور چاہا کہ ایک بار صلح کی کوشش اور کر لی جائے۔ چنانچہ فوجی مجلس کی طرف سے دریافت کیا گیا کہ آیا بادشاہ اس بات پر تیار ہے کہ (۱) موجودہ پارلیمنٹ کو جلد برطرف کر دے اور اس کے بعد دو سالہ انتخابات منظور کرے۔ (۲) فوج بے قاعدہ کا انتظام ایک مجلس کے سپرد کر دے جسے پہلے دس سال تک پارلیمنٹ بلاواسطہ اور پھر بالواسطہ مقرر کیا کرے گی (۳) ملک کے بڑے بڑے عہدہ داروں کا تقرر بھی اسی طرح ہوا کرے۔ اس مطالبے کا منشا یہ تھا کہ آئندہ چارلس پارلیمنٹ کی رائے کے مطابق چلے جیسا کہ عملاً زمانۂ حاضرہ میں دستور ہے اور وہ پرانا عقیدہ کہ آخری حکم ہمیشہ بادشاہ کا ہونا چاہیے، جس پر اب تک وہ جما ہوا تھا، اسے ترک کر دے۔

باب سوم

یہ تجویز ۱۷ نومبر کو چارلس کے روبرو پیش ہوئی اور جیسی کہ امید تھی، اس نے اسے نامنظور کر دیا۔ دوسرے دن سرداروں نے بالاتفاق آئرٹن کے "احتجاج" کو منظور کیا اور اسے ۲۰ نومبر کو پارلیمنٹ میں پیش کیا۔ پارلیمنٹ کو فوج کی یہ دخل در معقولات پسند نہ آئی لہذا ایک ہفتے کے لئے اس پر غور کرنا ملتوی کر دیا اور بطور خود بادشاہ سے نامہ و پیام جاری رکھا۔ اس پر فوجی سردار بہت جلے اور ان کی مجلس نے فوراً بادشاہ کو اپنی حراست میں لینے کی تدبیر کی اور اس امر پر بھی بحث ہونے لگی کہ آیا پارلیمنٹ کو جبراً توڑ دینا بہتر ہوگا یا صرف ان ارکان کو نکال دیا جائے جو فوج سے اتفاق نہیں کرتے۔

پرائیڈ کی صفائی

یکم دسمبر کو فیرفیکس کے حکم سے چارلس کو ساحل ہیمپ شر کے قلعے ہرسٹ کاسل میں منتقل کر دیا گیا جو ایک سنسان مقام میں تھا اور جس کی آسانی سے محافظت ہو سکتی تھی۔ اور دوسری تاریخ فوج لندن میں داخل ہوئی۔ پھر جب معلوم ہوا کہ پارلیمنٹ اب بھی بادشاہ سے گفت و شنید کئے جاتی ہے اور ادھر وین وغیرہ بعض ارکان کی بھی تائید حاصل ہوئی تو آئرٹن اور چند سرداروں نے ولیسٹ منسٹر کے فوجی پہرے کے سردار کرنل پرائڈ کو حکم دیا کہ سربرآوردہ پریس بی ٹری ارکان کو خارج کر دے۔ اسی طرح ایک سو تینتالیس مبعوث، جن میں ہولیز اور فینیز بھی شامل تھے نکالے گئے۔ اس اخراج کے بعد، جسے "پرائیڈ کی صفائی" کہتے ہیں، جو جماعت باقی رہ گئی وہ ازرہِ حقارت پارلیمنٹ کی دُم کہلائی اور فوج کے ہاتھ میں محض کٹھ پتلی بن گئی اور اسے ملک کی نیابت کا دعویٰ کرنے کا کوئی حق نہیں رہا۔ اصلی اختیارات فوج کے قبضے میں آ گئے۔ اسی روز اولیور کروم ویل کی سواری لندن پہنچ گئی۔

کروموَیل کے خیالات

اس تاریخ تک قرینہ کہتا ہے کہ کروم ویل نے بادشاہ سے معاملہ کرنے کی امیدیں ہاتھ سے نہ دی تھیں اور عجب نہیں وہ یہ سمجھتا ہو کہ چارلس کو عدالت میں لانے کی اطلاع ہوگی تو وہ مصالحت پر زیادہ آمادہ ہو جائے گا۔ لیکن یہ کروم ویل کی سخت غلطی تھی کیونکہ چارلس ایک ایسے مقصد کے لئے جان دینے پر بالکل آمادہ تھا، جسے وہ نہ صرف بدامنی کے مقابلے میں عمدہ حکومت کی بنیاد بلکہ خدا کے سچے مذہب کا منشا سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس تجویز پر کہ وہ پارلیمنٹ کے قوانین کو نامنظور کرنے کا بادشاہی حق چھوڑ دے، چارلس مطلق متوجہ نہ ہوا

باب سوم

اور یہ گفتگو ناکام رہی تو کروم ویل نے بھی فیصلہ کر لیا کہ اب اس معاملے میں کچھ نہیں ہو سکتا۔ پھر، جیسا کہ اس کا طرز تھا، وہ دل و جان سے ان لوگوں کا ہمنوا ہو گیا جو نہ صرف بادشاہ کی معزولی بلکہ اسے سزائے قتل دینے کے طلبگار تھے۔

کروم ویل کی تائید پا کر پارلیمنٹ کے آزاد جماعت کے ارکان دلیرانہ آگے بڑھے اور امرا کی مخالفت کے باوجود صرف عوام کی رائے سے ۶ جنوری سنہ ۱۶۴۹ء کو ایک عدالت عالیہ

بادشاہ کا مقدمہ اور موت

قائم کی گئی جس میں ۱۳۵ ناظر یا ارکان شامل تھے۔ ان میں سب سے ممتاز اشخاص یہ تھے:۔ **فیرفیکس**۔ کروم ویل۔ ہنری مارٹن آئرٹن۔ ہیریسن لارڈ گرے اور کرنل ہیچنسن ایک وکیل قانونی **جان بریڈشا** صدر عدالت منتخب ہوا۔ اس عدالت نے ۸ جنوری سے اجلاس شروع کیا مگر ارکان میں سے اکثر لوگ شریک نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ فیرفیکس پہلے اجلاس کے بعد نہ آیا۔ وہیں دیہات میں چلا گیا۔ ۲۰ تاریخ کو بادشاہ ایوان **ویسٹ منسٹر** میں لایا گیا اور ۶۸ ارکان کے روبرو مقدمہ شروع ہوا۔ جب اس سے صفائی پیش کرنے کے لیے کہا گیا تو اس نے جواب میں سوال کیا کہ مجھے کس کے حکم سے عدالت میں لایا گیا ہے؟ بریڈشا نے کہا "انگریز قوم کے حکم سے" مگر چارلس اپنی بات پر قائم رہا اور بار بار عدالت میں لائے جانے کے باوجود اور کچھ کہنے سننے سے انکار کرتا رہا کیونکہ وہ اپنا صرف یہی فرض سمجھتا تھا کہ ایک خلافِ آئین عدالت کا حکم تسلیم نہ کرے۔ اس نے کہا "یہ صرف میرا معاملہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ انگلستان کے باشندوں کی آزادی اور حقوق شہری کا سوال ہے۔ اس لیے کہ اگر خلاف قانون قوت کے زور سے قانون بننے لگے اور ملک کے اساسی قوانین میں تغیر جائز رکھا گیا تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ انگلستان میں کون شخص اپنی جان مال یا کسی چیز کا بھی اطمینان رکھ سکے گا کہ اس کی ہے" زیادہ سے زیادہ اتنی بات ماننے پر وہ آمادہ تھا کہ امرا اور عوام کے مشترکہ اجلاس میں جو رنگ محل = (Painted chamber) میں منعقد ہو، اپنا مقدمہ پیش کر دے۔ اس پر عدالت کے بعض ارکان چاہتے تھے کہ تحقیر عدالت کی بنا پر اسے فوراً سزا دے دی جائے مگر آخر میں قرار پایا کہ شہادت کی سماعت کی جائے۔ اور جب یہ ثابت ہوا کہ چارلس نے پارلیمنٹ کے خلاف فوجیں فراہم کیں، اور خانہ جنگی میں بذات خود حصہ لیا تو عدالت نے فیصلہ کیا کہ وہ "جابر، غدار، قاتل اور اس قوم کے اچھے

باب سوم

آدمیوں کا مسلمہ دشمن ہے" اور بدن سے سر قطع کر کے اسے موت کی سزا دی جائے۔ قتل کے حکم نامے پر ۵۹ ارکان کے دستخط تھے اور اس طرح ان کی تعداد عدالت کے کل ارکان کی آدھی بھی نہ تھی اور خود عدالت، محض پارلیمنٹ کی اقلیت کی مقرر کردہ تھی۔ مقدمہ چلنے کے زمانے میں بھی علانیہ قرائن پائے گئے کہ اس کارروائی کو لنڈن کے عوام الناس تک پسند نہیں کرتے، ملک کے جمہور کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ مگر صاحبان لشکر کے سامنے دبلیں چھانٹنا بیکار ہوتا ہے۔ فوج نہایت منظم، قواعد داں اور قوی تھی۔ شاہ پسند کمزور، منتشر، اور غیر منظم تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس گروہ کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ فیرفیکس اور وین بادشاہ کے قتل کو ناپسند کرتے تھے لیکن فوج کے مقابلے میں سامنے آنے کا کوئی ارادہ ان سے ظاہر نہیں ہوا۔

قتل کا فیصلہ ۲۷ جنوری، ہفتے کے دن سنایا گیا اور ۳۰ ویں تاریخ وائٹ ہال کے سامنے عین بازار میں چوبی چبوترہ بنا کے اس پر چارلس کا سر قلم کر دیا گیا۔ اس نے مرتے وقت پر سکون وقار اور رضا برضائے الہی کی ایسی شان دکھائی اور ایوان عدالت میں نیز موت کے چبوترے پر اس کی وضع اور صورت ایسی رہی کہ اپنی سابقہ سازشوں سے لوگوں میں جو بدظنی پیدا کی تھی، وہ بہت کچھ دور ہو گئی۔ چند ہی روز بعد ایک کتاب "ایکن بےسی لائک" (یعنی شاہی شبیہ) شائع ہوی جس میں ادعا کیا گیا تھا کہ وہ خود چارلس کی تصنیف ہے اور اس کے خیالات، نیز زمانۂ قید میں اس کی دینداری، صبر و شکر وغیرہ کو بہترین پیرائے میں پیش کیا گیا تھا۔ اس کتاب سے بھی بادشاہ کی طرفداری کے میلان میں ترقی ہوئی اور اس کی شہرت دیکھ کر "آزاد گروہ" نے بطور خاص ملٹن کو جواب لکھنے پر مقرر کیا چنانچہ اس نے "ایکن اوکلاسٹ" (یعنی بت شکن) تحریر کی اس میں اپنی فصاحت اور سلیقۂ تحریر سے پورا کام لیا اور مقتول بادشاہ کے معائب دکھانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ باوجود اس کے یہ کہنا مشکل ہے کہ ملٹن کی کتاب اصل کتاب سے جو اثر پیدا ہوا تھا، اسے زائل کرنے میں پوری طرح کامیاب ہوئی۔

تین امیر ہے ملٹن، ہالینڈ، اور کیپل، دوسری خانہ جنگی کے ذمہ دار ہونے کے جرم میں اپنے آقا کے ساتھ ساتھ تلوار کے گھاٹ

باب سوم

اتارے گئے۔

مشہور واقعات

اسٹرے فرڈ کا قتل .... سنہ ۱۶۴۱ء

ارکان پارلیمنٹ کو پکڑنے کی کوشش .... سنہ ۱۶۴۲ء

پہلی خانہ جنگی .... سنہ ۱۶۴۲ تا سنہ ۴۶ء

دوسری " .... سنہ ۱۶۴۸ء

چارلس کا قتل .... ۳۰ جنوری سنہ ۱۶۴۹ء

باب چہارم

دولت عامہ اور عہد محافظت

ممتاز معاصرین:- ...... فرانس............ ... لوئی چہاردہم
اسپین............ فلپ چہارم

چارلس کے قتل کے اثرات

"عدالت عالیہ" کو چارلس کے مجرم قرار دینے اور قتل کرانے کا اخلاقی حق حاصل ہو یا نہ ہو، اس میں تو کوئی شک نہیں کہ سیاسی اعتبار سے یہ فعل "آزاد" فرقے کی بہت بڑی غلطی تھی۔ بادشاہی اور زمانۂ قید میں چارلس نے اپنے آپ کو پوری طرح رسوا کر لیا تھا۔ لیکن اس کے سفاکانہ قتل اور مقدمے کے زمانے میں اس کے طرز عمل سے عام ہمدردی کا اثر یہ ہوا کہ موروثی بادشاہی کے اصول کی حمایت کرنے میں جملہ معتدل خیال کے اشخاص متحد ہو گئے اور کلیسائی تھے یا پرسبی ٹری، سب کا اس معاملے میں مل جانا ممکن ہو گیا اور اتحاد کے راستے میں جو بڑی رکاوٹ تھی، وہ مذکورۂ بالا واقعات کی بدولت دور ہو گئی۔ ایڈورڈ اول کے وقت سے ہر موروثی بادشاہ اپنے عہد حکومت کا آغاز پیش رو کی وفات کی تاریخ سے کرتا تھا بے شبہ پارلیمنٹ نے ایک قانون منظور کیا کہ کسی نئے بادشاہ کی بادشاہی کا اعلان نہ کیا جائے گا لیکن

چونکہ آئینی اعتبار سے خود یہ قانون ساقط الاعتبار تھا۔ لہٰذا چارلس کے مرتے ہی شہزادہ ولی عہد قانوناً بادشاہ ہوگیا۔ پارلیمنٹ سے پرس یا نی ٹڑی ارکان کے اخراج (دسمبر ۱۶۴۸ء) نے اس پورے فرقے کو پارلیمنٹ کا مخالف بنا دیا تھا لہٰذا "آزاد" اور اہل اختلاف گروہ جن کے ہاتھ میں اقتدار آیا، وہ قوم کی اکثریت کی نیابت کا کوئی دعویٰ نہ کر سکتے تھے البتہ جب تک فوج متحد تھی اس وقت تک حکومتِ وقت کی کوئی علانیہ مخالفت ممکن نہ تھی۔

بادشاہ کے قتل کے بعد ہی دارالعوام نے دارالامرا کو "بے کار، مخدوش اور قابل شکست" قرار دیا اور یہ اس دعوے کا منطقی نتیجہ تھا کہ "قوت جائز کا اصلی سرچشمہ خدا کے عام بندے ہیں"۔ ہینری مارٹن کی تحریک تھی کہ "مخدوش" کا لفظ نکال دیا جائے لیکن متفقہ رائے یہی ہوئی کہ اہانت بغیر کسی طعن کے کافی ہونی چاہیے۔ قرارداد اصلی عبارت میں منظور کر لی گئی پھر قرارداد ہوئی کہ بادشاہ یا شخص واحد کی حکومت "غیر ضروری، تکلیف دہ، خطرناک اور واجب الترک ہے" اور ایک قانون نافذ ہوا جس میں انگلستان کے "دولت عامہ یا آزاد مملکت" ہونے کا اعلان تھا۔

نئی حکومت پرانی بساط کو اس طرح اُلٹ چکنے کے بعد کہ ایک مسخ شدہ دارالعوام کے سوا اور کوئی یادگار عہد قدیم کی باقی نہیں رہی، پارلیمنٹ نئے انتظام کی طرف متوجہ ہوئی۔ اسکوٹوں سے ان بن ہونے کے بعد دونوں ملکوں کی متحدہ ذیلی مجلس کی بجائے ڈربی ہاوس کمیٹی کے نام سے ایک انتظامی جماعت پہلے سے قائم تھی، جو اب قریب قریب مجلس شوریٰ کا کام دینے لگی۔ اس کا صدر بریڈشا اور چالیس ارکان میں تمام آزاد خیال اُمرا فیرفیکس، کروم ویل، وین، وہائٹ لوک، سن جن، مارٹن، ہیزل رگ، اسکپن اور اسکوٹ شامل تھے مگر آئرٹن کو نہیں لیا گیا تھا۔ مجلس کے عام معاملات کی معتمدی تھریو کو دی گئی تھی لیکن غیر السنہ کے واسطے جان ملٹن معتمد بنایا گیا۔ مہر خاص وہائٹ لوک اور دو اور اشخاص کے سپرد ہوئی وزارت بحری کا صدر وین اور بیڑے کے امرائے بحر بلیک، ڈین اور پاپ ہم مقرر کئے گئے۔ فیرفیکس سپہ سالار اعلیٰ اور کروم ویل بدستور سابق نائب سپہ سالار رہے۔ مذکورہ بالا اشخاص میں وہائٹ لوک، وین، فیرفیکس اور بلیک، سب کے سب بادشاہ کے قتل کے خلاف تھے لیکن بادشاہی کی بجائے جو نئی حکومت قائم کی گئی اس میں شرکت پر بخوشی آمادہ ہو گئے۔ عدالت عالیہ کے چھ ارکان نے نئی حکومت کی خدمت پر رضامندی ظاہر کی اور باقی عہدے

از سرِ نو پُر کر لئے گئے۔ مگر نئے عہدہ دار مشکل سے اپنی خدمات پر آئے ہونگے کہ ہر طرف سے مشکلات پیدا ہونے لگیں۔

لِولرز کی بغاوت

سب سے پہلے تو فوج کی ایک جماعت بگڑی اور حکومت کو بالآخر اُدھر متوجہ ہونا پڑا۔ اس شورش کی بنیاد پُرانی تھی اور جب سے فوج کا پڑاؤ ٹرپ لو ہیتھ میں ہوا، جان لِل برن نے وہ خیالات سپاہیوں میں پھیلانے شروع کئے جن کا منشا سارے نظام معاشرت اور فوجی نظم کو درہم برہم کر دینا تھا۔ مثلاً اس نے لکھا کہ فوجی سردار درجے میں سپاہیوں سے نیچے ہیں، اور مغرور المزاج، پُرجوش جوانوں میں یہ خیالات بہت ذوق شوق سے قبول کر لئے گئے۔ انھیں مخالفوں نے "لولرز" (=یکساں کُن) کا خطاب دیا تھا اور وہ بہت جلد ست جگ اور اولیا کی حکومت قائم ہونے کے خواب دیکھتے تھے۔ ان کے سیاسی عقائد ایک تحریر میں جسے "عوام کا اقرار نامہ" کہتے ہیں قلم بند کئے گئے اور جنوری (۱۶۴۹ء) میں یہ تحریر دار العوام میں پیش ہوئی۔ اس میں نشستوں کی از سر نو تقسیم اور اس کے بعد ہی انتخاب عام اور ایک ایسی حکومت قائم کرنے کا مطالبہ تھا جو براہ راست دار العوام کے سامنے جواب دہ ہو۔ خود لِل برن کچھ مدت سے قلعۂ لندن میں محبوس تھا لیکن آئرستان بھیجے جاتے وقت بعض سپاہیوں میں بددلی دیکھ کر اُس کے احباب کو عام فساد کرا دینے کا موقع ہاتھ آیا اور لندن، بین بری، اور سالسبری میں ہنگامے برپا ہوئے جن میں آخرالذکر زیادہ مخدوش تھا۔ مگر فیرفیکس اور کرومویل ایک دن میں پچاس میل چل کر یک بہ یک مفسدوں کے سر پر آدھی رات کے وقت برفرڈ (آکسفرڈ شائر) جا پہنچے اور ان کا پورا قلع قمع کر دیا۔ ان کے سرگروہوں میں سے ایک نائک اور دو دفعداروں کو گولی سے اُڑا دیا گیا۔ باقی کو معافی ملی اور سمجھا بُجھا کے اپنے کام پر واپس بھیج دیا گیا۔ مگر لِل برن قید سے نکل کے برابر حکومت کے خلاف شورش پھیلاتا رہا۔ اس کا قول تھا کہ فوجی اقتدار دیوانی حکومت کے مرکز اہم عہدے پر قابض ہو گیا ہے اور معروضۂ حق، منشورِ اعظم وغیرہ جملہ اساسی آئین ہی باطل کر دئے گئے ہیں۔ علاوہ بریں اس پر فوج میں بغاوت پھیلانے کا مقدمہ بھی چلا لیکن رہائی پائی، اور حق یہ ہے کہ وہ ناراضی کے انہی جذبات کی ترجمانی کرتا تھا جو وسیع پیمانے پر لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے۔

آئرستان

اس عرصے میں آئرستان کے معاملات بہت مخدوش نظر آنے لگے تھے۔

اورمنڈ نے لارڈ انچی کن سے ان شرطوں پر مصالحت کر لی تھی کہ آئرستان کے کیتھولکوں کی تمام مذہبی اور سیاسی معذوریوں کو قطعی طور پر رفع کر دیا جائے گا، کوناٹ کے کاشتکاروں کو بے دخل نہیں کیا جا سکے گا اور وہ قانون جس نے ”گھوڑوں کی دُم پکڑ کے ہل چلوانے“ کی ممانعت کی تھی، منسوخ کر دیا جائے گا۔ اُدھر السٹر کے پریس بی ٹری بادشاہ کے قتل کئے جانے سے برگشتہ ہو رہے تھے اور سر آرتھر ایسٹن وغیرہ بہت سے شاہ پسند سردار آئرستان آگئے تھے کہ اورمنڈ کی فوجوں کو پارلیمنٹ کے خلاف لڑائیں۔ شہزادہ روپرٹ باغی بیڑے کو لئے ہوئے ساحلوں پر منڈلا رہا تھا اور شہزادۂ چارلس جزائر روڈ بار کے ارادے سے چل کھڑا ہوا تھا کہ اتحادی افواج کی قیادت کرے۔ پارلیمنٹی طرفدار صرف ڈبلن میں مائیکل جونز اور ڈونڈالک میں جارج منک کی قیادت میں مقابلہ کئے جاتے تھے سو ڈبلن کا خود اورمنڈ انیس ہزار فوج سے محاصرہ کر رہا تھا۔ غرض یہ حالات تھے جب کہ نئی حکومت کی طرف سے کروم ویل کو آئرستان بھیجا گیا اور ہرچند ڈنڈالک مسخر ہو گیا لیکن جونز نے ۲ ہراگست کو ۵ ہزار جوانوں کے ساتھ قلعے سے نکل کر حملہ کیا اور ریتھ مینز کے معر کے میں اورمنڈ کی سپاہ کو کامل شکست دی۔ اس پامردی سے ڈبلن بچ گیا اور کروم ویل کے آئرستان آنے سے قبل ہی نازک وقت ٹل گیا۔

میدان میں شکست ہوئی تو آئرستانی حلیفوں نے قلعہ بند ہو کے لڑنے اور لڑائی کو طول دینے کا فیصلہ کیا۔ اس کے جواب میں کروم ویل نے بھی دو ٹوک کارروائی کی۔ وہ ۱۰ ہر ستمبر کو ڈروگھیڈا پہنچا جہاں اورمنڈ کی منتخب انگریزی فوج جمع تھی اور چند آئرستانی کیتھولک دستے بہادر سر آرتھر ایسٹن کی قیادت میں تھے۔ دوسری صبح فصیل میں حسب ضرورت رخنہ پڑ گیا۔ ابتدائی یورشیں پسپا ہوئیں لیکن کروم ویل نے خود ایک جماعت کے ساتھ حملہ کیا اور شکستہ فصیل کے اندر جبراً داخل ہو گیا۔ پھر جنگ کی گرمی میں اور اس زمانے کے نیم لمانہ قوانین کے مطابق اُس نے حکم دیا کہ تمام مسلح آدمی تلوار کے گھاٹ اتار دیئے جائیں۔ مشکل سے ایک متنفس بھی زندہ بچا ہو گا اور قلعے کے سپاہیوں کے ساتھ دو کے سوا سارے مسیحی درویشوں کے بھی سر پھوڑ دئے گئے۔ معلوم ہوتا ہے اس جلد بازی کی حرکت کا خود کروم ویل کو قلق ہوا اور پارلیمنٹ کے مراسلے میں امید ظاہر کرتا ہے کہ ”بہر حال اس سے آئندہ خونریزی کا سلسلہ غالباً رُک جائے گا“ بظاہر یہ قیاس غلط نہ تھا اور دوسرے

قلعوں میں اگر پہلے نہیں، تو فصیل میں رخنہ پڑتے ہی فوج والوں نے اطاعت قبول کرلی اور صرف ویکس فرڈ کلکینی اور کلان مل میں سخت معرکے پیش آئے۔ افسوس ہے کہ ویکس فرڈ میں حملہ آوروں کے فصیل توڑ کر داخل ہوجانے کے بعد بھی بعض سپاہیوں نے منڈی میں مقابلہ کیا جس سے دوبارہ قتل عام کی نوبت آئی۔ غرض



متعدد بستیوں سے جھگڑنا پڑا اور لڑائی میں اتنی طوالت ہوئی کہ مارچ ۱۶۵۰ء میں پارلیمنٹ نے کرومول کو تعجیل وطن طلب کیا تو فتح کی محض تکمیل باقی رہ گئی تھی اور وہ اس کام کو آئرٹن کے تفویض کرکے انگلستان چلا آیا۔ جن بستیوں نے از خود اطاعت قبول کرلی، وہاں سپاہیوں کو بھی امان دے دی گئی۔ انگریز سردار جو پہلے کسی وقت بھی پارلیمنٹ کی طرف سے لڑے تھے، انھیں سولی پر چڑھایا یا گولی سے مار دیا گیا۔ آئرستانی

سرداروں کو جہاں چاہیں جانے کی اجازت دے دی گئی۔ چنانچہ ان میں سے اکثر ممالک خارجہ میں جاکر نوکر ہو گئے اور اپنے ساتھ ۳۵ ہزار آئرستانی سپاہیوں کو بھی لے گئے۔ انگریز سپاہیوں میں سے اکثر نے پارلیمنٹ کی نوکری قبول کر لی۔ سمندر میں بلیک بڑی خوبی سے کروم ویل کو مدد دیتا رہا۔ اور شہزادہ روپرٹ بھی یہ دیکھ کر کہ اورمنڈ کی کامیابی غیر ممکن ہو گئی ہے پرتگال کو فرار ہو گیا اور تھوڑے فاصلے سے بلیک اس کے تعاقب میں رہا۔ اورمنڈ اور رانچی کن بر اعظم کو نکل گئے اور اوئن رو اونیل قضائے الٰہی سے مر گیا۔ انگریزی سپاہ کو بھی کھلے میدانوں میں رہنے اور ایک وبائی بخار سے سخت نقصان اٹھانے پڑے۔ چنانچہ رتیھ مینز کا فاتح جونز اور سینٹ فیگنز کا فاتح ہارٹن اسی بخار کی بھینٹ چڑھے آئرٹن ۱۶۵۱ء تک سپہ سالاری کرتا رہا اور پھر وہ بھی بخار کی نذر ہوا۔ سپاہ سالاری کی خدمت عارضی طور پر لڈلو کے تفویض ہوئی جس نے اپنے سوانح (”میموائرز“) لکھے ہیں اور جو دراصل جونز کی بجائے نائب سپہ سالار مقرر ہوا تھا۔ آخر فلیٹ وڈ جس نے آئرٹن کی بیوہ سے نکاح کیا تھا مستقل سپہ سالار ہو کر آیا اور اس نے لڈلو سے فوج کا جائزہ لے لیا۔

اسکاٹ لینڈ کروم ویل کو بعجلت طلب کرنے کا سبب اسکاٹ لینڈ کی تہدید آمیز روش تھی۔ پیٹا فیوس کی ہزیمت کے بعد آرجائل کی جماعت کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا مگر چارلس کے قتل سے وہاں کے باشندے خوش نہ ہوئے اور حکومت نے ایک قطعی کارروائی یہ کی کہ شہزادہ ولی عہد کی خدمت میں چارلس دوم کے نام سے تاج پیش کیا۔ مگر بادشاہی کے ساتھ کلیسائی ”قرارداد“ کے تسلیم کرنے کی شرط عائد کر دی گئی تھی اور شہزادے کو اس بارے میں تامل تھا۔ چنانچہ اس نے مونٹ روز کو روانہ کیا کہ اسکاٹ لینڈ جاکر معاینہ کرے کہ آیا قدیم شاہ پسند فرقے کے دوبارہ زندہ کرنے کی بھی کوئی امید ہے یا نہیں؟ اسے خیال تھا کہ اگر مونٹ روز ناکام رہا تو پھر آرجائل سے اتحاد کروں گا مونٹ روز کی مہم کو سخت ناکامی نصیب ہوئی اور جب وہ کیتھ نیس میں لنگر انداز ہوا، تو ہوا خواہوں کو جمع کر سکنے سے قبل اس پر کلیسائی ”قرار دادی“ آپڑے اور سدرلینڈ و راس کی سرحد پر بمقام کاربس ڈیل کامل شکست دی مونٹ روز کسان کے بھیس میں بھاگا تھا مگر پکڑ دیا گیا اور اسی لباس میں ایڈن برو بھیجا گیا جہاں ہر طرح کی ذلت و خواری کے بعد اسے گراس مارکیٹ میں سولی دے دی گئی۔ آخر تک اس کی امیرانہ اور بے خوف صورت نے دشمنوں تک سے خراج تحسین وصول کیا لیکن اس کے آئرستانی اور پہاڑی سپاہیوں کے مظالم میدانیوں کو فراموش نہ ہوئے تھے کہ اس کے حق میں رحم و کرم کا برتاؤ جائز رکھا جاتا۔

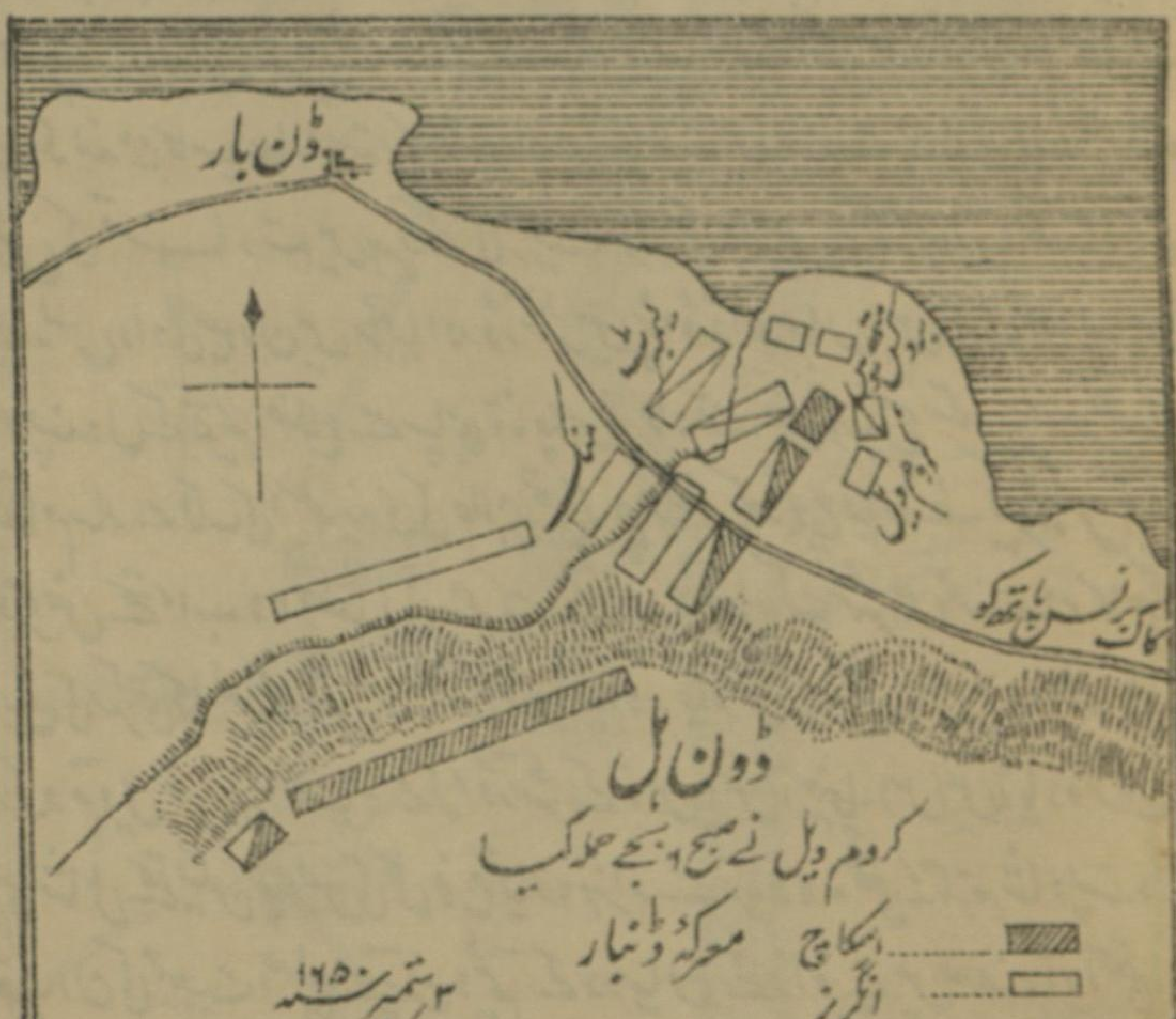
اب چارلس دوم کو حکومت ہی سے نامہ و پیام کرنے پڑے مونٹ روز کو خود بھیجنے سے وہ صاف

ٹھکرگیا اور آرجائل کی شرطوں پر رضامندی ظاہر کرکے جہاز میں اسکاٹ لینڈ روانہ ہوا۔ ان حالات میں انگلستان کی مجلس شوریٰ کو محسوس ہوا کہ جنگ کئے بغیر چارہ نہ ہوگا کیونکہ چارلس محض تخت اسکاٹ لینڈ لے کر قانع نہ ہو سکتا تھا۔ پس یہاں سے فوراً کروم ویل کو بلایا گیا تاکہ وہ اور فیرفیکس اسکاٹ لینڈ پر حملہ کرکے خود دشمن کے ملک میں لڑائی چھیڑ دیں مگر فیرفیکس اس حکمت عملی کے خلاف تھا اور کہتا تھا کہ محض احتمال کی بناپر کسی ہمسایہ قوم پر حملہ کرنا جائز نہیں، خصوصاً اسکوٹی بھائیوں پر جن سے اتحاد و دوستی کے عہد و پیمان ہوچکے ہیں۔ وھائٹ لاک، ہیرتسن اور لیمبرٹ کے سمجھانے بجھانے کے باوجود وہ اس رائے پر قائم رہا لہٰذا اس کا استعفیٰ قبول کرلیا گیا اور سپہ سالار اعلیٰ کی خدمت کروم ویل کے تفویض ہوئی۔ فلیٹ وُڈ، لیمبرٹ اور منک اس کے سربرآوردہ سردار مقرر ہوئے اور جولائی میں انگریزی سپاہ سرحد کے پار اسکاٹ لینڈ میں داخل ہوگئی۔ اسکوٹوں نے میدانی علاقے کو اسی طرح خالی کردیا تھا جس طرح ۱۸۱۰ء میں ولنگٹن نے پرتگال میں عمل کیا۔ لہٰذا انگریزی فوج رسد رسانی کے واسطے بیڑے کی محتاج تھی جو اس موقع پر بری سپاہ کے ساتھ کردیا گیا تھا اسکوٹوں سے حملہ آوروں کا سامنا لیتھ کے قریب ہوا جہاں انھوں نے شہر کے سرے (ہولی رُڈ ہاؤس) سے جانب جنوب مٹی کی دیوار یا دُھس بنالئے اور اس کے عقب میں صف آرا ہوگئے تھے ڈیوڈ لزلی ان کا سردار اور لیون رضاکار کے طور پر موجود تھا۔ اگست کے سارے مہینے کروم ویل کوشش کرتا رہا کہ وہ دُھس کے باہر نکل کے لڑیں مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اپنے برسرحق ہونے پر بھی وہ اُن سے بحث مباحثہ کرتا رہا لیکن لزلی کے سامنے کوئی تدبیر نہ چلی اور اس کی ہنرمندی ہر موقع پر غالب آئی۔ ادھر کھلے میدان کی پیہم صعوبت نے فوج کو تھکا دیا اور بالآخر کروم ویل وہاں سے واپس بمقام ڈنبار ہٹ آیا لزلی نے پیچھا کیا اور کوہ لیمر میور کے سلسلے میں ڈوُن کے ایک پہاڑی ٹیکرے پر پڑاؤ ڈال دیا جہاں سے بستی زیر قدم نظر آتی تھی۔ پھر یہ پہاڑ جہاں ساحل سے جاملا ہے وہاں کے درے کاک برنس پاتھ پر قبضہ کرنے کی غرض سے ایک دستہ روانہ کیا کہ یہاں بیرک کی سڑک اتنی تنگ ہوگئی ہے۔ کہ مٹھی بھر آدمی پورے لشکر کو روک سکتے ہیں۔ غرض کروم ویل کے سامنے جہازوں میں بیٹھ کر چل دینے، ہتیار ڈال دینے اور یا اسکوٹی لشکر پر حملہ کرنے کے سوا کوئی صورت باقی نہ تھی کہ اتنے میں خود اسکوٹوں کی بے جا جرأت نے اس پریشانی سے اسے نجات دلادی۔

معرکۂ ڈنبار

ڈوُن کی پہاڑی اور کروم ویل کی صفوں کے درمیان بروکس برن کی چھوٹی سی ندی بہتی تھی مگر اس نے میدان میں چالیس فیٹ گہرا راستہ کاٹ دیا تھا اور پہاڑی اور ساحل کے درمیان صرف ایک مقام سے اسے آسانی سے پار اُتر سکتے تھے۔ یہیں سے ڈنبار و بیرک کی سڑکیں ندی کو عبور کرتی تھیں اور

یہ بروکس متھ ہاؤس کے متصل تھا۔ لزلی کو خوف ہوا کہ انگریز فرار نہ ہو جائیں اور غالباً مجلس طبقات نے بھی اصرار کیا جس کی بنا پر وہ فوج کے بڑے حصے کو لے کر سمندر کی طرف بڑھ آیا کہ دوسرے دن انگریزدل پر حملہ کرے۔ یہ ۲ ستمبر کی تیسرے پہر کا ذکر ہے مگر کروم ویل دشمن کی اس حماقت کو فوراً تاڑ گیا اور دوسرے روز سورج نکلنے سے قبل لیمبرٹ اور منک آدھی انگریزی فوج لے کے جھپٹ پڑے کہ جلے ہوئے نیستاں کو طے کر کے دشمن کو بروکس متھ ہاؤس کے قریب جالیں۔ ادھر پیادہ و سوار کی ایک چیدہ جمعیت سمندر کے قریب سے جنگل طے کر کے اسکوٹوں کے عقب میں پہنچ گئی اور بروک کا راستہ روک لیا۔ اس جماعت کو خود کروم ویل بڑھا کر لایا تھا اور اس کی پیش قدمی نے لزلی کی فوج کو ندی، پہاڑی کے سلامی دار پہلو اور نیستاں کے درمیان بھینچ لیا۔ ایک تیز و تند معرکے میں لزلی کے میمنے کو شکست ہوئی اور وہ پریشان ہو کر پیچھے ہٹ رہی تھی کہ سامنے سے ایک عام حملے نے رہی سہی ترتیب الٹ دی۔ یا تو ایک دن پہلے لزلی کروم ویل کو قریب قریب قیدی سمجھ رہا تھا اور یا روز روشن ہوتے ہی خود اس کی فوج ایڈنبرو کی طرف بھاگی اور ہر طرف منتشر نظر آئی۔



معرکۂ ڈنبار

۳ ستمبر ۱۶۵۰ء

باب چہارم

کرومویل بھی ڈنبار سے ایڈنبرہ چلا آیا شہروالوں نے دروازے کھول دئے اگرچہ بالاحصار کی فوج دسمبر تک مقابلہ کرتی رہی۔ اسکوٹی لشکر پسپا ہوکے اسٹرلنگ کے قریب ایک مستحکم مقام پر خیمہ زن ہوگیا۔ ڈنبار میں پرسبٹیری فوج کو شکست ہوئی تھی لہذا چارلس نے اب پھر بچے کھچے میثاقیوں اور شاہ پسندوں پر اعتماد کیا اور ان فرقوں سے تازہ فوج مرتب کی یکم جنوری کو بمقام اسکون اُس کی تخت نشینی کی رسم ادا ہوئی۔ اُس پر سامنے کی طرف سے حملہ نہ ہوسکتا تھا اور سربراہی کے لئے شمال کے اضلاع جہاں کسی غارتگری کی نوبت نہیں آئی، محفوظ تھے۔ پس وہ ہر طرح مضبوط معلوم ہوتا تھا اور یہی دیکھ کر کرومویل نے ارادہ کرلیا کہ اُسے اپنے جنگی مرکز پرتھ سے جدا کردیا جائے چنانچہ کھاڑی کے پار فوج اتار دی اگرچہ وہ خوب جانتا تھا کہ ایسا کرنے میں انگلستان کا راستہ غیر محفوظ رہ جائے گا۔

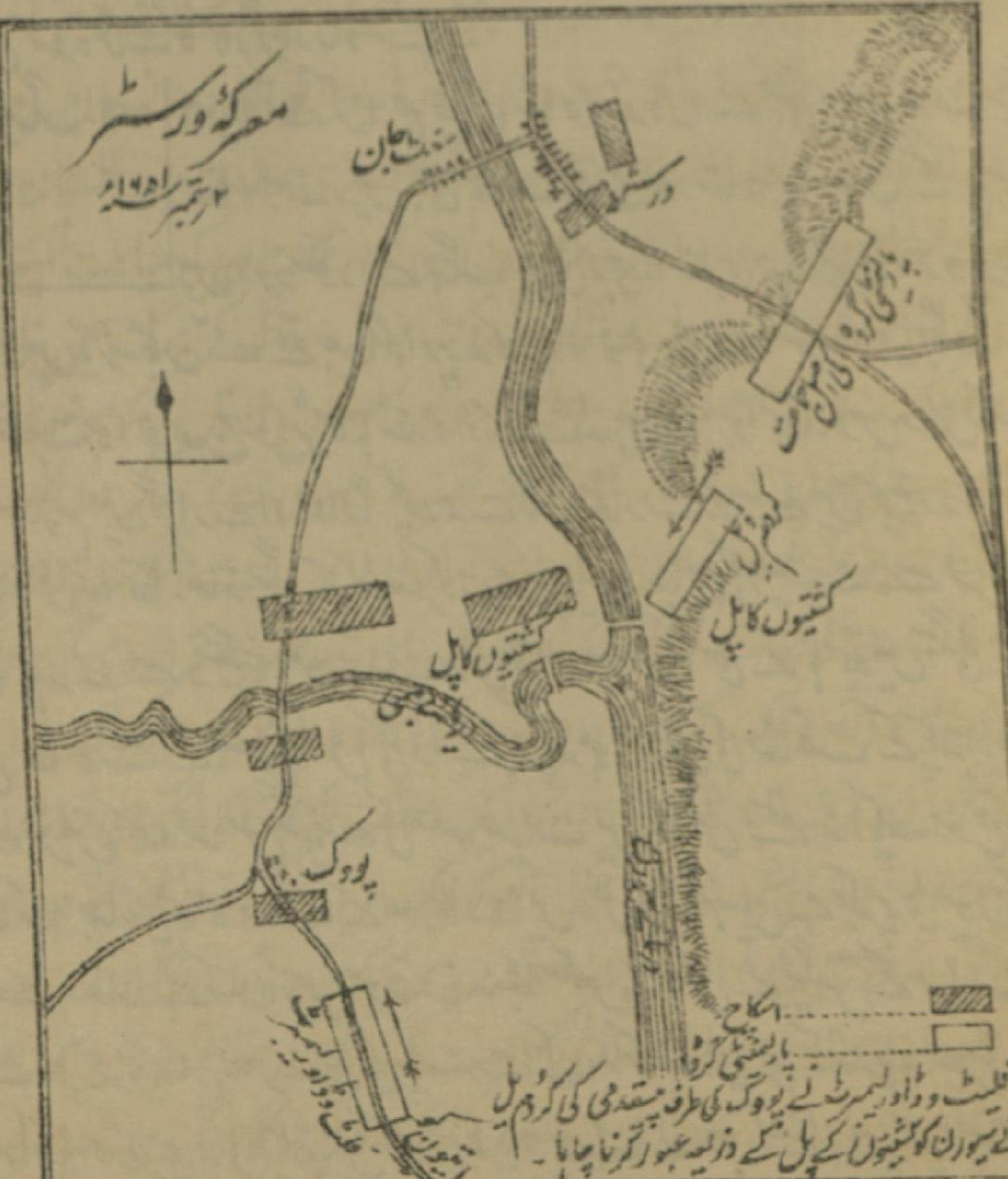
چارلس کا کوچ انگلستان میں

چارلس نے اس نقل وحرکت سے فائدہ اٹھایا اور اگست ۱۶۵۱ء میں لمبی لمبی منزلیں کرتا ہوا چلا کہ انگلستان میں داخل ہوجائے۔ کرومویل کو اس سے کچھ پریشانی نہ ہوئی۔ اس نے لیمبرٹ کو بلا تاخیر آگے بھیجا کہ چارلس کو راستے میں تاامکان اُلجھا مارے۔ اور منک کو اسکاٹلینڈ میں سپہ سالار بناکے خود اصلی لشکر کے ساتھ چارلس کی طرف بڑھا۔ لیمبرٹ نے اپنا فرض بخوبی انجام دیا اور چارلس کے چیشیر پہنچنے سے قبل وہ شاہ پسندوں کے لشکر سے آگے نکل آیا تھا۔ جب چارلس کو معلوم ہوا کہ لندن کا سیدھا راستہ رکا ہوا ہے۔ اور اس کی حمایت میں بغاوت ہونے کی بجائے فلیٹ وڈ اور فیرفیکس کی قیادت میں ہر پرگنے کی جمعیت مرتب کی جارہی ہے کہ جمہوریہ انگلستان کی مدافعت کرے تو چارلس وادی سیورن میں مڑ گیا اور ورسٹر میں پڑاؤ ڈالا جہاں اس بات کا اچھا موقع تھا کہ اگر شاہ پسندوں کے قدیم اضلاع سے سپاہی آنا چاہیں تو بلا وقت اس تک پہنچ سکیں۔ ادھر فلیٹ وڈ کے زیر انتظام سارے ملک کی اسلحہ بندی کی جارہی تھی کہ چارلس کو دبوچ لیا جائے۔ فیرفیکس کو لڑائی میں پہلے جو اعتراض تھے، اب وہ قطعاً باقی نہ رہے تھے اور وہ یارک شہر میں محنت سے کام کررہا تھا۔ امیر ڈاربی کی سرکشی کا لینکاشر میں قلع قمع کردیا گیا اور چارلس کے انگلستان میں داخلے کے ایک ماہ کے اندر کرومویل تیس ہزار سپاہ لے کر، ورسٹر کے آس پاس آپہنچا۔ اس میں زیادہ تر فوج بے قاعدہ کے سپاہی شامل تھے لیکن چارلس کی کل فوج گیارہ ہزار سے زیادہ نہ تھی، تاہم شاہ پسندوں کا مقام بُرا نہ تھا۔ ان کی جمعیت اصلیہ سیورن وٹیم کے درمیان کے زاویے میں صف آرا تھی اور دونوں ندیوں کے پُل اسی کے قبضے میں تھے اور اُن کے پار ورسٹر و پاوک کی بستیوں میں پہرے قائم تھے اپٹن

معرکہ ورسٹر

کا پُل جو سنگم سے چند میل جنوب میں واقع تھا، اسے شاہ پسندوں نے منہدم

کر دیا یہی اسباب تھے کہ کروم ویل کو وسیع تر نقشے پر فوج لڑانی پڑی لیمبرٹ کے آدمیوں نے اپٹن کے پل کی مرمت کی اور وہ فلیٹ وڈ کے ساتھ سیورن کے پار ہوا کہ پاوک پر حملہ کرے۔ کروم ویل نے سیورن پر کشتیوں کا پل تیار کیا اور ورسسٹر کی فصیل پر حملہ کی تیاریاں کیں کہ لیمبرٹ کو مدد ملے۔ ان تیاریوں میں چار دن صرف ہوئے اس عرصے میں ندی کے دونوں طرف برابر آویزشیں ہوتی رہیں حتیٰ کہ ۳ ستمبر کو کروم ویل اور فلیٹ وڈ کا ایک ساتھ اسکوٹی فوج پر حملہ ہوا۔ اس میں پوری کامیابی ہوئی اور گو خود چارلس نے ورسسٹر سے نکل کر پرجوش حملہ کیا جس سے شرقی کنارے کی انگریزی سپاہ معرض خطر میں پڑ گئی لیکن کروم ویل رسالے کو گھوڑے دوڑاتا ہوا پل کے پار اتار لایا اور شاہ پسندوں کو ایک ایک جھاڑی سے لڑ کر ورسسٹر میں واپس مار بھگایا۔ اسی کارنمایاں نے لڑائی کا فیصلہ کر دیا۔ اسکوٹی سپاہیوں نے ہتھیار ڈال دیے اور انگریز شاہ پسند جان بچا کے بھاگے۔ ہیملٹن، لاؤڈ ویل ڈاربی اور لزلی پکڑے گئے لیکن چارلس کسی طرح نکل بھاگا۔ اس کی فوج میں بھرتی ہو کر لڑنے پر تو بہت کم لوگ تیار ہوئے تھے لیکن اسے جلاد کے تیغے سے بچانے میں بڑے بڑے جوکھوں اٹھائے اور کئی دفعہ وہ بال بال بچ سکا۔ اسی جان بچانے میں ۶ ہفتے گزار کر بالآخر وہ برائٹن سے جہاز میں بیٹھا اور



۱۷ / اکتوبر کو فیکان د (Fecamp) پہنچ گیا۔ وُرسٹر پر اس کی فوج کشی جتنی ظاہری اہمیت رکھتی تھی حقیقت میں اتنی اہم نہ تھی۔ شاہ پسندوں میں شرفا عام سپاہیوں سے لڑنے میں تامل کرتے تھے اور اسی نے چارلس کا سارا معاملہ خراب کر دیا جس طرح سو برس بعد مدعی صغیر کے معاملے میں ہوا۔ دوسرے آزاد خیال گروہ کے لوگ بادشاہ کے قتل کو پسند یا ناپسند کرتے، اسکوٹوں کے حملے سے نہایت برہم ہوئے اور کروم ویل کو پوری قوت سے ضرب لگانے کا موقع مل گیا۔ جو سردار لڑائی میں گرفتار ہوئے تھے، ان میں سے ہیملٹن تو زخموں سے خود مر گیا اور ڈاربی کا سر قلم کرا دیا گیا۔ لاڈر ڈیل اور لزلی عہد بحالی تک قید میں رہے۔ لیکن دوسروں کے ساتھ پارلیمنٹ رحم و کرم سے پیش آئی۔ جنگ کے ختم ہوتے ہی کروم ویل لندن واپس آگیا اور خموشی سے مختلف ذیلی مجلسوں میں جن کا رکن تھا، کام کرنے لگا جس کا منشا یہ ثابت کرنا تھا کہ جنگ ہو یا امن، وہ ملک کا کارگزار خادم ہے۔

بحری جنگ اور بلیک

جس وقت کروم ویل شاہ پسندوں سے خشکی پر مصروف جنگ تھا، سمندر میں بھی حکومت قومی اور شاہ پسندوں کے بیڑے میں زور شور سے جنگ ہوتی رہی۔ شاہی جہاز شہزادہ روپرٹ کی قیادت میں آئرستان آئے تھے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا قومی بیڑے کا سُورما اس جنگ میں بلیک ثابت ہوا جو برج واٹر کا باشندہ اور ۱۵۹۹ء میں پیدا ہوا تھا۔ دس سال آکسفرڈ کے دارالعلوم میں گزارے اور غالباً کچھ مدت تک تجارت کے سلسلے میں بحر نوردی کا بھی تجربہ حاصل کیا تھا۔ خانہ جنگی کے کئی معرکوں میں پیادہ سپاہی کی حیثیت سے شریک رہا۔ اور جب عہدے سے دستکش ہوا تو بیڑے کی قیادت عملاً اسی کے ہاتھ میں آگئی۔ ملک کے تفصیلی معاملات کے متعلق اس کی رائے جو کچھ ہو، اس کی حفاظت کے پختہ ارادے اور ادائے فرض کا احساس بلیک کی خصوصیات میں داخل تھے۔ ایک موقع پر اس نے کہا کہ "ہم جہازیوں کا کام ملک کے معاملات میں دخل دینا نہیں ہے بلکہ پردیسیوں کو اس بات سے روکنا ہے کہ وہ ہمیں بیوقوف نہ بنا سکیں"۔ اس نے ٹیگس تک دہانے تک روپرٹ کا پیچھا کیا اور اس ندی کی کچھ مدت تک ناکہ بندی کیے رہا۔ پھر غرب الہند تک پیچھا کیا اور ایسی جان ضیق میں کر دی کہ روپرٹ نے اس قضیئے سے پیچھا چھڑانے کے لئے

اپنے جہاز فرانسیسی حکومت کے ہاتھ بیچ دئے جرزی اور گرن زی کو بھی مطیع کرلیا گیا اور ایسکیو کے جنگی جہاز آئے تو امریکہ کی انگریزی نوآبادیوں نے بھی نئی حکومتِ قومی کو قبول کرلیا۔ غرض ۱۶۵۲ء کے اخیر تک تمام علاقوں میں جہاں انگریزی علم نصب تھا، پارلیمنٹ کے اعلیٰ اقتدار کو تسلیم کرلیا گیا۔

لیکن اس عرصے میں خود انگلستان رفتہ رفتہ ایک اور جنگ کے میدان میں داخل ہوگیا جس نے جمہوریت کے مداخل پر انتہائی بار ڈال دیا۔ جمہوریت کے ابتدائی جوش خروش میں تو پارلیمنٹ نے اس حد تک واہی تباہی تجویز کردی تھی کہ انگریزی اور ولندیزی جمہوریتیں عملاً ایک کردی جائیں لیکن اس کا کچھ نتیجہ نہیں برآمد ہوا اور بتدریج یہ قومیں ایک دوسری سے برسرِ جنگ ہوگئیں۔ لڑائی کے اسباب بہت قدیم اور تجارتی رقابت پر مبنی تھے۔ شرق الہند میں انگریزوں اور ولندیزوں کے تجارتی کارخانوں میں سخت دشمنی تھی۔ ولندیزی انگریزوں کو خواہ مخواہ کا دخیل سمجھتے تھے اور ۱۶۲۳ء میں امبوینا میں کئی انگریز تاجروں اور جہازیوں کو انھوں نے جان سے مروا دیا۔ ایک جھگڑا کئی سال سے یہ چل رہا تھا کہ آیا ولندیزی جہاز رودبار انگلستان میں انگریزی جہازوں کو سلامی دیں اور ان تنگ سمندروں میں بھی انگلستان کی سیادت تسلیم کریں یا نہیں، انگلستان کے شاہ پسند فرقے کے لوگ اکثر بھاگ کر ہیگ میں پناہ لیتے اور وہاں ایک انگریز سفیر (ڈاکٹر ڈورس لاس) کو مونٹ روز کے بعض ساتھیوں نے مار بھی ڈالا تھا، سب سے بڑھ کر مخالفت کا سبب یہ ہوا کہ قانون جہاز رانی کی رو سے انگلستان میں چند مستثنیات کے سوائے ہر قسم کے ایسے مال کی درآمد ممنوع قرار دی گئی جو انگریزی جہازوں میں یا خود اس ملک کے جہازوں میں جہاں کا وہ مال ہے نہ لایا گیا ہو۔ یہ قانون وین اور مارٹن نے مرتب کیا تھا اور اس کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ انگریزی جہازوں میں اضافہ ہو کیونکہ وہ دوراندیشی سے سمجھ گئے تھے کہ ایک جزیرے کی قوم کے لئے جہازوں کا ہونا کس قدر ضروری ہے، اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ تجارتی مال کے لانے لے جانے کا کام جس پر ولندیزوں کی دولت مندی کا بہت کچھ انحصار تھا، وہ ان کے ہاتھ سے نکال لیا جائے۔ اور یہ بات قدرتی طور پر ولندیزوں کو سخت ناگوار گزری۔ چنانچہ ابھی

ولندیزوں سے لڑائی

باقاعدہ اعلان جنگ بھی نہ ہوا تھا کہ ان کے ملاحوں میں جابجا کشت و خون کی نوبت آئی
۱۹ مئی سنہ ۱۶۵۲ کو ڈوور کے سامنے بلیک اور ولندیزامیرالبحر فان ٹرومپ کے پورے دگنے
(یعنی چالیس جہازوں) میں بحری معرکہ ہوا اور دو ولندیزی جہاز ضائع ہوگئے۔ جولائی میں پارلیمنٹ
نے اعلان جنگ کردیا اور بلیک نے بہت جلد بحری غنائم سے رودبار انگلستان کی بندرگاہیں
بھردیں۔ ستمبر میں اس کی دو ولندیزی امیران بحر سے جنگ ہوئی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ نومبر
میں اُس کی دوبارہ فان ٹرومپ سے ڈنگنیس کے سامنے لڑائی ہوئی۔ دشمن کے
نوّے جہازوں کے مقابلے میں بلیک کے کل جہاز صرف بیالیس تھے لیکن آٹھ گھنٹے کی لڑائی
کے بعد فان ٹرومپ کو پانچ جہازوں کا نقصان اٹھاکے، رات کی تاریکی میں وہاں
سے ٹل جانا ہی غنیمت ہوا۔ اب ولندیزوں نے خود دریائے ٹیمز کی ناکہ بندی کی کھچڑی
پکائی۔ ٹرومپ مستول پر جھاڑو باندھ کے نکلا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ انگریزی جہازوں
سے سمندر کو بالکل جھاڑ دے گا۔ لیکن انگلستان کی مجلس شوریٰ ان مصائب کو جھیلنے
کی ہمت رکھتی تھی اور اس نے بلیک، ڈین اور منک کی سرداری میں ایک نیا بیڑا
مہیا کرلیا ۱۸، ۱۹ اور ۲۰ فروری کو انگریزی جہاز پورٹ لینڈ بل سے کیلے کی ریتیوں تک
بھاگ بھاگ کے لڑائی لڑتے رہے اور ٹرومپ کے گیارہ جنگی اور تیس تجارتی جہاز
پکڑ لائے۔ اس معرکے نے انگریزوں کو دوبارہ سمندروں کا مالک بنادیا۔ اب ولندیزوں
کے حوصلے پست ہوئے مگر مئی میں ٹرومپ دوبارہ ۱۰۸ بادبانی جہاز لے کر سمندر میں
آیا اور ۲ جون کو منک اور ڈین نے اس پر حملہ کیا۔ ڈین توپ کے گولے سے مارا گیا مگر
منک نے اپنے چغے سے یہ المناک حادثہ چھپائے رکھا اور برابر لڑتا رہا یہاں تک کہ
دوسرے دن بلیک پہنچ گیا تو انگریزوں نے دشمن کے سترہ جہاز پکڑے اور کامل فتح
حاصل کی۔ ۳۱ جولائی کو آخری معرکہ ہوا بلیک علالت کے باعث ساحل پر تھا منک نے پورے
ولندیزی بیڑے سے ٹیکسل ٹافٹ کے سامنے جنگ کی۔ ٹرومپ مارا گیا۔ ولندیزوں
کو سخت ہزیمت نصیب ہوئی اور پورے تیس جہازوں کا نقصان اٹھانا پڑا۔ اب انھوں
نے مقابلہ چھوڑ کر مصالحت کی درخواست کی اور اپریل سنہ ۱۶۵۴ء میں، بہت کچھ انگلستان
کے حسب مراد، صلح نامہ کرلیا گیا۔

واضح رہے کہ طویل پارلیمنٹ اس واقعے سے ایک سال پہلے ہی ختم ہوچکی تھی۔

پارلیمنٹ کی نامقبولیت

دراصل شاہ پسندوں کا پورا قلع قمع ہوگیا تو ارکان مجلس اور اہل فوج میں پھر ویسے ہی جھگڑے ہونے لگے جیسے پہلی خانہ جنگی کے ختم پر ہوئے تھے۔ اختلاف کی بڑی وجوہ یہ تھیں کہ معاشری اور مذہبی اصلاحات کے نفاذ میں بہت دیر لگ رہی تھی اور پارلیمنٹ کے ارکان مجلس کو توڑنے میں تساہل کئے جاتے تھے۔ پارلیمنٹ جس حالت میں موجود تھی، اس سے یہ توقع رکھنا بیجا تھا کہ زیادہ گہری یا تیز اصلاحات کر سکے گی اور دوسری طرف اہل عسکر کو دیوانی حکومت کی دشواریوں کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ مزید برآں ارکان کو اپنی رکنیت سے دستکش ہونے میں خواہ مخواہ تامل تھا اور ان میں جو لوگ زیادہ فہم و تدبر رکھتے تھے، وہ بھی بلاشبہ یہی چاہتے تھے کہ ایسے جانشینوں کے انتخاب کا اطمینان ہو جائے جو اصولاً اپنے پیش روؤں کی حکمت عملی کے مطابق کام کریں۔ بایں ہمہ پارلیمنٹ فوج والوں کے منشا سے بے خبر نہ تھی۔ نومبر ۱۶۵۱ء میں اس کی طرف سے پارلیمنٹ کے ختم ہونے کی تاریخ ۳ نومبر ۱۶۵۴ء مقرر کی گئی اور ہر ہفتے ایک روز محض اس امر پر غور و بحث کے واسطے مخصوص کر دیا گیا کہ نئی پارلیمنٹ کے انتخاب کا بہترین طریقہ کیا ہوگا۔ فروری ۱۶۵۲ء میں قدیم شاہ پسند اور سپاہی دونوں کو ایک قانون درگزر کے ذریعے مواخذے سے معاف کر دیا گیا بشرطیکہ ان کی خطائیں معرکۂ ورسٹر سے قبل کی ہوں۔ فوج کی تنخواہ ادا کرنے کا بھی پورا انتظام کر دیا گیا مگر فوج والے یہ دیکھ کر کہ بظاہر پارلیمنٹ ان کی تعداد میں تخفیف کی خواہاں ہے، بہت پریشان ہوئے۔ ان میں سے، مددگار سالار ہیری سن جیسے بعض فوجی تو ہر قسم کی حکومت ہی کے خلاف تھے جسے وہ "پانچویں بادشاہی" یعنی حضرت مسیح اور ان کے اولیا کی بادشاہی قائم ہونے کے راستے میں رکاوٹ سمجھتے تھے۔ غرض پارلیمنٹ کی کارروائیوں پر فوجی سردار پوری توجہ سے نگرانی کرنے لگے۔

آخر اگست ۱۶۵۲ء میں تجویز پیش ہوئی کہ آئندہ دارالعوام چار سو ارکان پر مشتمل ہو۔ موجودہ ارکان اپنی رکنیت پر بطور حق کے فائز رہیں اور نئے ارکان کے انتخاب کو اپنی رائے سے منسوخ بھی کر سکیں۔ یہ شرطیں سن کر فوج کے لوگ بہت جھلائے اور اس تجویز کو "مسودۂ قانون دوامی" یا "مسودۂ قانون رکنیت دوامی" کا خطاب دیا۔ آپس کی کسی مفاہمت کی غرض سے صدر مجلس کے مکان پر ممتاز ارکان اور سربرآوردہ فوجی عہدہ داروں کے جلسے

باب چہارم

ہونے لگے اور ۱۹ اپریل ۱۶۵۳ء کے دن یہ قرارداد ہوئی کہ مذکورہ بالا تجویز کو آیندہ باہمی مشاورۃ تک ملتوی رکھا جائے۔ باوجود اس کے، دوسرے دن پارلیمنٹ میں مسودۂ قانون کی منظوری لینے کی کارروائی کی جانے لگی اور یہ خبر کروم ویل کو پہنچی تو وہ سادہ لباس میں سپاہیوں کا ایک جوق لے کر پارلیمنٹ میں آیا اور سپاہیوں کو پیش دالان میں چھوڑ کر بہ حیثیت رکن کے خود ایوان میں داخل ہوا اور کچھ دیر تک بحث سننے کے بعد اس نے ہیریسن کو (جو خود بھی رکن پارلیمنٹ تھا) پاس بلا کر کہا کہ "اسے یہ کام کرنا پڑے گا" پھر تھوڑی دیر ٹھیر کر مسودۂ قانون کی تیسری خواندگی کے متعلق پارلیمنٹ کو مخاطب کیا۔ تھوڑی دیر تو آہستہ آہستہ تقریر کرتا رہا لیکن پھر انفرادی اور مجموعی طور پر مجلس دارالعوام پر برس پڑا اور مارٹن وھائٹ لاک اور وین کی خصوصیت سے سخت خبر لی۔ سر پیٹر وینٹ ورتھ نے شکایت کی کہ یہ لب و لہجہ آداب مجلس کے خلاف ہے۔ تب کروم ویل نے للکار کر کہا "چلو، چلو، میں تمھاری یاوہ گوئی کا خاتمہ کئے دیتا ہوں"۔ پھر سپاہیوں کو اندر آنے کی دستک دی اور تمام ارکان کو ایوان سے نکلوا دیا۔ ایک سپاہی کو حکم دیا کہ "وہ کھلونا بھی وہاں سے ہٹا دے"، جس سے عصائے صدارت مراد تھی۔ اور جب ایوان خالی ہوگیا تو دروازے میں قفل لگا کے کنجی اپنی جیب میں ڈال لی۔

ارکان کا اخراج

دوسری صبح کسی شاہ پسند ظریف نے ایک اطلاع بھی لا کے چپکا دی کہ "یہ مکان اب بغیر فرش فروش، کرائے پر دیا جاتا ہے"۔ کروم ویل کا یہ فعل سوچ بچار کا نتیجہ تھا یا محض وقتی جوش کا، ٹھیک طور پر کہنا غیر ممکن ہے لیکن اس کے سرزد ہوتے ہی صورت حال کی مشکلات صریحاً عیاں ہوگئیں۔ بے شبہ پارلیمنٹ کچھ ہر دلعزیز نہ تھی۔ بلکہ فوج میں تو غالباً اکثر سپاہی اسے ناپسند کرتے تھے اور شاہ پسندوں میں بھی، خواہ عسکری تھے یا کلیسائی، اسے کوئی اچھا نہ جانتا تھا۔ بایں ہمہ وہ ایک آئینی بنیاد ضرور رکھتی تھی اور کم سے کم فوجی تسلط قائم ہوجانے میں اگر کوئی رکاوٹ تھی تو وہ یہی پارلیمنٹ رہ گئی تھی۔ پس اس کے خاتمہ کر دینے سے بہت سے قانون داں اشخاص سخت مشوش ہوئے۔ اسی تیسرے پہر کو بریڈشا نے کروم ویل سے کہا کہ خود پارلیمنٹ کی رائے کے سوا اور کوئی طاقت اسے فسخ نہیں کر سکتی وین وغیرہ ارباب سیاست کو تو بہت ہی صدمہ ہوا اور خود فوج بھی اس بارے میں متفق نہ تھی۔ منک خاموش ہو رہا مگر اسے یہ حرکت پسند نہ آئی۔ لڈلونے

باب چہارم

آئرستان میں سخت ناراضی کا اظہار کیا۔ بہت سے اشخاص یہ سمجھنے لگے کہ کروم ویل کا یہ فعل بادشاہی قسم کی حکومت کو از سر نو قائم کرنے کا پیش خیمہ ہے۔ اور کروم ویل نے اس قسم کی حکومت کی طرف اپنے میلان کا اشارہ بھی کر دیا تھا۔

غرض یہ کہ اس وقت تو کروم ویل کو فوج میں صرف اپنے ذاتی دوستوں پر انحصار کرنا پڑا، جیسے ڈس برو، اس کا بہنوئی اور فلیٹ وڈ اس کا داماد (جس نے آئرٹن کی بیوہ کو بیاہا تھا) اور ہیریسن وغیرہ "پانچویں بادشاہی" والوں پر۔ اور انہی لوگوں کے مشورے سے سردارانِ فوج کی مجلس کی طرف سے تینوں ملکوں کے "آزاد جماعت کے علما" کے پاس خط بھیجے گئے اور انھیں حکم دیا گیا کہ اپنے مصلیوں کے مشورے سے وہ ایسے اشخاص کے نام صدر میں بھیجیں جو "سچے متقی اور حرص و ہوس سے بیزار ہوں" اور جنھیں وہ لوگ پارلیمنٹ میں بیٹھنے کے قابل تصور کرتے ہوں۔ پھر ان میں سے ۱۳۹ کو کروم ویل نے وھائٹ ہال میں اپنے پاس بلایا۔

بیربون کی پارلیمنٹ

یہ "چھوٹی پارلیمنٹ" جسے لندن کے ایک رکن کے نام پر "بیربون کی پارلیمنٹ" بھی کہتے ہیں، ۴ جولائی کو منعقد ہوئی۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس جدید مجلس میں بعض ارکان بڑی قابلیت کے تھے اور اپنا فرض ادا کرنے کے تو تقریباً سبھی خواہشمند تھے۔ ان میں فلیٹ وڈ، سنک، مونٹیگیو (جو آگے چل کے امیر سینڈوچ ہوا) بلیک اور ایشلی کوپر قابل ذکر ہیں۔ کروم ویل، ہیری سن لیمبرٹ اور ڈس برو کو مشوروں میں بطور خاص شریک کر لیا گیا تھا۔ لیکن ارکان مجلس فریضہ گزاری کی کوشش کے باوجود عملی سیاسیات سے ناواقف تھے۔ اہل فوج کو اصلاح قانون سے ایک مدت سے دلچسپی تھی اور سابقہ پارلیمنٹ نے وکلا کی ایک جماعت بھی غور و بحث کے لئے مرتب کر دی تھی لیکن اس کے اعضا قانونی موشگافیوں کے ایسے دلدادہ تھے کہ تین مہینے تک بحث مباحثے ہوتے رہے اور یہی طے نہ ہو سکا کہ لفظ "اِن کمبرنس" (Incumbrance) (=بار) کی تعریف کیا قرار دی جائے۔ بخلاف اس کے نئی پارلیمنٹ نے یہ تفریط دکھائی کہ اصلاح قانون کے لئے جو ذیلی مجلس بنائی اس میں کوئی قانون داں آدمی ہی نہ تھا۔ عدالتی کارروائیوں کی اصلاح میں بھی ایسی ہی شتاب کاری سے کام لیا گیا چنانچہ عدالت مالگزاری میں کام کے بقایا کی کثرت دیکھ کر انھوں نے یہ عدالت ہی موقوف کر دی۔

عُشر کی تشخیص اکثر تکلیف دہ ہوتی تھی، اسے بھی اُڑا دیا۔ انعام داروں میں بعض لوگ بلا استحقاق انعام پا گئے تھے لہذا امرا سے یہ حق ہی منسوخ کر دیا گیا کہ ذاتی طور پر کوئی شخص انعام دوسرے کو دے سکے۔ یہ حماقت دیکھ دیکھ کر بعض لوگ تو استہزا کرتے تھے اور بعض پریشان بھی ہوئے کہ نہ معلوم آئندہ کیا ہو۔ مگر یاد رکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ ان کمزوریوں کے باوجود یہ "اولیا اللہ کی پارلیمنٹ" کئی اعتبار سے زمانہ جدید کے خیالات سے اتنی ہم آہنگ تھی کہ تقریباً دو صدی بعد تک کوئی اور پارلیمنٹ اتنی ہم آہنگ نہ ہوگی۔ اس نے چھوٹی رقموں کی وصول یابی کے لئے پرگنوں میں عدالتیں قائم کرنی چاہیں۔ قرض کی بنا پر قید کی سزا موقوف کرنے کا ارادہ کیا۔ عدالتی خرچوں سے اُجرت دلوانے کی بجائے ارکان عدالت کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کیں۔ اموات و ولادات اور شادیوں کے قلمبند کرنے کا انتظام کیا نیز غیر منقولہ جائیدادوں کے حقداروں کا۔ اور بہت سی ایسی اصلاحات تجویز کیں جو آج کل یا تو عمل میں آگئی ہیں یا کم سے کم مناسب تسلیم کر لی گئی ہیں۔

یہ اصلاحات لااصطباغی ارکان کا کام تھا۔ ان کی قیادت ہیرِیسن کے ہاتھ میں تھی اور ان کی تعداد پارلیمنٹ کے اعتدال پسند آزاد فرقے پر غالب آگئی تھی۔ یہ دیکھ کر قانون دال، کلیسائی اور زمیندار طبقے کے شرفا بہت گھبرائے اور سمجھے کہ ایسے پرجوش مصلحین کے حملوں سے پرانے حقوق و مراتب، کچھ محفوظ نہ رہیں گے۔ لہذا وہ سب اس "چھوٹی پارلیمنٹ" کے قوانین کو بُرا بھلا کہنے یا ہنسی میں اڑا دینے پر متفق ہو گئے اسی لئے پارلیمنٹ کے قلیل التعداد گروہ نے کارروائی رد کرنے اور ایوان مجلس میں سویرے سے آکر اپنے اختیارات کرومویل کے حوالے کر دینے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور باقی ماندہ ارکان کو بھی ساتھ دینا پڑا اجلاس ۱۳ دسمبر کو ختم ہو گیا اور اس

آلۂ حکومت

واقعے کی وکلائے عدالت نے بڑی دھوم دھام سے خوشیاں منائیں۔ تین دن بعد ایک جدید آئین "آلۂ حکومت" کے نام سے لیمبرٹ نے تحریر کیا کہ سرداروں کی مجلس میں منظور کر لیا گیا اس کی رو سے انتظامی اور تشریعی اختیارات، محافظ سلطنت، مجلس شوریٰ اور پارلیمنٹ میں تقسیم کر دیے گئے۔ کرومویل "محافظ" اور خشکی اور تری کا سپہ سالار مقرر ہوا۔ لیکن صلح و جنگ کے مسائل طے کرنے میں وہ مجلس شوریٰ کی رائے کا پابند تھا اور جنگ کی صورت میں پارلیمنٹ کو فوراً طلب کرنا ضروری تھا۔ مجلس شوریٰ کے

باب چہارم

ارکان اسی تحریر میں نامزد کردئے تھے جن میں ممتاز تو لیمبرٹ، ڈِس برو، مون ٹیگیو
اسکی پن، کوپر اور ۱۶ اشخاص اور شریک تھے۔ کسی کے وفات پانے کی صورت میں محافظ
سلطنت کو اختیار دیا گیا تھا کہ ۲ ناموں میں سے جو پارلیمنٹ تجویز کرے، وہ کسی ایک کو خالی
شدہ رکنیت پر مقرر کر دیا کرے۔ قانون سازی کے سارے اختیارات پارلیمنٹ کو دئے گئے تھے
البتہ محافظ سلطنت کسی قانون کے نفاذ کو بیس دن تک ملتوی رکھ سکتا تھا۔ ارکان پارلیمنٹ
کے انتخاب کے حلقے وہی تھے جو "طویل پارلیمنٹ" نے تجویز کئے مگر انتخابات "اقرار نامۂ عامہ"
کے مطابق سہ سالہ مقرر کئے گئے اور یہ شرط بھی عائد ہوئی کہ پانچ ماہ سے کم زمانے میں کوئی
پارلیمنٹ فسخ نہ کی جا سکے گی۔ ان تدابیر سے توقع یہ تھی کہ نئی حکومت میں جمہوری اداروں کی آزادی
کے ساتھ شخصی بادشاہ کی عملی قوت و کارگزاری بھی شامل ہو جائے گی مگر حقیقت یہ ہے کہ
پارلیمنٹ کے زمانۂ اجلاس کے سوا، باقی اوقات میں محافظ سلطنت کو نامحدود اختیارات
دے دئے گئے تھے۔ اس رتبے کو کروم ویل نے بلا تامل قبول کر لیا اور پورے اعزاز کے
ساتھ ایوان ویسٹ منسٹر میں اس کی حکومت کا افتتاح کیا گیا اور اس رسم میں نمایاں حصہ
لیمبرٹ نے لیا۔

رائے عامہ

اس تغیر سے کروم ویل گویا تخت شاہی سے ایک قدم قریب تر ہو گیا
اور یہ بات اُن ارباب سیاست کو بھی ناپسند ہوئی جو طویل پارلیمنٹ
کو برخاست کرنے کے خلاف تھے اور ہیری سن وغیرہ پر جوش حامیانِ اصلاح بھی یہ سمجھے کہ
کروم ویل نے ان کو اُلّو بنا کے کام نکال لیا۔ سیاسی اشخاص کی ناراضی کا تو ایسا کچھ ڈر نہ
تھا مگر ہیریسن اور بعض دوسرے فوجی سردار عہدوں سے برطرف کر کے حراست میں لے لئے
گئے۔ ان دو گروہوں کے مقابلے میں وہائٹ لاک وغیرہ قانون داں اشخاص جو چھوٹی پارلیمنٹ
کے حامیانِ اصلاح کے ارادوں سے لرزہ براندام تھے۔ نیز وہ پادری جنھیں اپنی معاش
کی فکر تھی، مذکورہ تغیر سے خوش ہوئے اور جمہور اہل ملک نے بھی غنیمت سمجھا کہ اگر شاہانِ
اسٹوارٹ بحال نہ ہو سکیں تو کم سے کم ایسی حکومت تو قائم ہو گئی جس سے امن قائم کرنے
کی امید تھی۔ بایں ہمہ اس تاریخ سے کروم ویل کی جان لینے کی پیہم سازشیں ہوتی رہیں
اور محض اس کے جاسوسوں کی ہوشیاری اور خود اس کی احتیاط نے اسے خونیوں کا شکار
ہونے سے بچائے رکھا۔ عہد محافظت کی پہلی پارلیمنٹ کی تاریخ ۳ ستمبر ۱۶۵۴ء قرار دی گئی تھی

باب چہارم

جس میں ابھی آٹھ مہینے باقی تھے اور اس تمام مدت میں کروم ویل اور اس کی مجلس شوریٰ کا دور دورہ رہا۔ اس وقفے میں اُس نے بہت سے ایسے کام کئے جو افادے اور شرعت کے

عہد اقتدار کروم ویل

کے اعتبار سے تو طویل پارلیمنٹ سے، اور اعتدال میں چھوٹی پارلیمنٹ کے کاموں سے صاف طور پر بہتر و خوب تر تھے اور گویا اہل ملک پر نئی حکومت کی فوقیت ثابت کرتے تھے۔

کروم ویل کی توجہ کو سب سے اول جن مسائل نے کھینچا، ان میں ایک مسئلہ کلیسا کا تھا جہاں اُن دنوں سخت بد نظمی پھیلی ہوئی تھی۔ ۱۶۴۵ء میں پارلیمنٹ کی پرس بی ٹڑی اکثریت نے اسکوٹوں کے دباؤ میں آکے پرس بی ٹڑی نظام کو سرکاری طور پر کلیسا کا آئین قرار دیا تھا اور کتاب الصلواۃ کی بجائے عبادات و وعظ کے طور طریق پر ایک دستور العمل رائج کیا تھا لیکن اس میں ادائے نماز کی کوئی خاص صورت مذکور نہ تھی۔ اور دستور العمل کے قواعد کو لوگوں نے بہت کم مقامات پر تسلیم کیا۔ صرف لندن، ہل، کوونٹری اور بعض بڑے

مذہب

شہروں میں یا لینکاشر اور مشرقی پرگنوں میں کلیسائی حلقوں کی جدید نظام کے مطابق تنظیم ہوئی اور وہاں کے پادریوں نے "اتحادِ واثق" اور "میثاق" کی پابندی پر صرف اس لئے زور دیا کہ بادشاہ کے طرفداروں سے بہ آسانی پیچھا چھوٹ جائے۔ لیکن ۱۶۴۸ء میں پرس بی ٹڑی فرقے پر زوال آیا تو ان کے نظام کو جس سے آزاد گروہ کو سخت مخالفت تھی، قائم رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ لہٰذا آزاد جماعت کے دور میں عملاً ہر مصلی جیسا چاہتا عمل کرتا کلیسائے انگلستان کے بہت سے پادری اپنی معاشیں بدستور پاتے رہے اور کلاً یا جزاً کتاب الصلوٰۃ کا بھی استعمال کرتے رہے۔ اسی طرح پرس بی ٹڑی، آزاد اور پروٹسٹنٹ مذہب کے دوسرے فرقوں کے پادری بھی اپنے اپنے عہدوں پر فائز رہے۔ پارلیمنٹ نے "میثاق" کی پابندی کی شرط منسوخ کردی اور اس کی بجائے یہ "قول" لینا شروع کیا کہ قائل اُس حکومت کا مخلص اور وفادار رہے گا جو بادشاہ اور دار الامرا کے بغیر قائم کی گئی ہے۔ اکثر پادری یہ قول کرنے پر آمادہ پائے گئے اور جنھوں نے تامل کیا انھیں بھی حلقہ والوں کی عنایت نے اپنی خدمات پر بحال رہنے دیا۔ "آلۂ حکومت" کے نام سے جو دستاویز قلمبند ہوئی اس کی ایک دفعہ میں یہ رعایت رکھی گئی تھی کہ جملہ اشخاص جو خدا کا بواسطہ مسیح اعتقاد رکھتے ہیں،

باب چہارم

عام عقائد وعبادات وقواعد میں اختلاف کے باوجود اپنے معتقدات یا اعمال مذہبی بجالانے میں روکے نہ جائیں گے بشرطیکہ اس رعایت سے دوسرے باشندوں کے حقوق میں نقصان وخرابی واقع نہ ہو اور وہ اپنی طرف سے فتنہ وفساد کی نوبت نہ آنے دیں نیز یہ کہ یہ آزادی پاپائی یا اسقفیت تک وسیع نہ ہونے پائے اور نہ اس سے دین کے پردے میں اصولاً وعملاً نفس پرستی مقصود ہو۔ اسی طرح آزادیٔ فکر اور کسی حد تک آزادیٔ عمل کی بنیاد پڑ گئی مگر اسی کے ساتھ کروم ویل یہ نہ چاہتا تھا کہ گرجوں پر نالائق پادریوں کا قبضہ ہو اور اس خرابی کا حفظ ماتقدم کرنے کی غرض سے اُس نے دوگونہ تدبیر اختیار کی۔ اول تو ۲۰ مارچ ۱۶۵۴ء کے ایک حکم نامے کے ذریعے ۳۵ اشخاص کی (جو ٹرائیرز یا ممتحنین کہلاتے تھے) ایک

ٹرائیرز یا ممتحنین

جماعت مرتب کی جس کا کام یہ تھا کہ خالی شدہ معاشوں کے واسطے جن کے نام پیش کئے جائیں، ان کے چال چلن اور قابلیت کی تحقیقات کرے۔ اس جماعت میں آزاد، پرسبی ٹری، اور لااصطباغی فرقوں کے افراد شامل تھے لہٰذا کوئی اسقفیت پسند گرجا کے لئے نامزد ہوتا تو یہ لوگ اس کی بُری طرح خبر لیتے تھے۔ تاہم مجموعی طور پر یہ اپنے نازک فرائض کو خاصی کامیابی سے انجام دیتے رہے اور بیکسٹر، جو مداہنت کرنے والا آدمی نہ تھا، شہادت دیتا ہے کہ جماعت مذکور کی بدولت ایسے اچھے پادری منتخب ہوئے کہ ہزاروں آدمی خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔" اسی سال اگست میں ایک اور حکمنامہ جاری ہوا جس کے ذریعے ہر پرگنے میں چند ناظر مقرر کئے کہ بدنام پادریوں کو نکال باہر کریں یہ ناظر مقامی شرفا میں سے (جو پارلیمنٹ کے موئید ہوں) انتخاب کئے جاتے تھے۔ بداطواری، لہو ولعب، کتاب الصلوٰۃ کی عقیدت مندی اور شاہانِ اسٹوارٹ کی تائید بظاہر یہ سب ایک ہی قسم کے جرم تھے جن میں باہم چنداں فرق نہیں کیا جاتا تھا، بایں ہمہ ناظروں نے اپنے پیچیدہ اور نازک کام کو کافی کامیابی سے انجام دیا۔

بعد ازاں کروم ویل عدالتوں کی اصلاح پر متوجہ ہوا۔ کرنل پرائڈ کا جی چاہتا تھا کہ اہل عدالت کے چغے بھی ایوانِ ویسٹ منسٹر میں اُن جھنڈیوں اور وردیوں کے ساتھ لٹکتے نظر آئیں جو معرکۂ ڈنبار میں چھین کر لائے گئے تھے، اور بعض کی رائے یہ تھی کہ سارے قانون کو اتنا مختصر کر دیا جائے کہ ایک جیبی کتاب میں سما سکے۔ رہی عدالت مالگزاری، اُس کے شرمناک حالات کی سب کو شکایت تھی۔ پس کروم ویل نے ایک مخلوط جماعت قائم کی

باب چہارم

کہ اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے اور عدالت مالگزاری کا کام ہلکا کرنے کی غرض سے حکم دیا کہ جب تک پچھلا کام پورا نہ ہو جائے اس وقت تک رسوم وضوابط کے جھگڑے دوسری عدالتوں میں پیش ہوا کریں۔

آئرستان

آئرستان میں کروم ویل کی عام حکمت عملی یہ تھی کہ انگلستان کا تعلق منقطع نہ ہونے پائے اور وہاں کے باشندوں میں انگریزوں کے خیالات زبردستی مروج کردئے جائیں۔ جزیرے کی ولایت پر اس نے پہلے اپنے داماد فلیٹ وڈ اور پھر اپنے بیٹے ہینری کروم ویل کو مقرر کیا اور یہ دونوں بڑی سختی سے حکمرانی کرتے رہے۔ جن لوگوں نے سنہ ۱۶۴۱ع کے تقاتل میں حصہ لیا تھا، انھیں طویل پارلیمنٹ کے فیصلے کے مطابق پھانسی یا جلاوطنی کی سزا ملی اور مال اسباب ضبط کرلیا گیا۔ مخالف کیتھولکوں کی اراضی میں دو تہائی اور علانیہ لڑنے والوں کی پوری ملکیت کی ضبطی کا حکم تھا اگرچہ انھیں کوناٹ کے علاقے میں بقدر ایک تہائی ملکیت کے معاوضہ مل سکتا تھا۔ یہ تمام کارروائیاں زمینداروں سے متعلق تھیں۔ ورنہ کاشتکار، مزدور، اہل حرفہ اور دوسرے ادنیٰ درجے کے باشندوں کو سزا دینا درکنار کوئی بازپرس تک نہیں کی گئی"۔ اس طرح جو اراضی ضبط کی گئیں وہ ان آفاقیوں میں تقسیم کردی گئیں جنھوں نے جنگ یا کروم ویلی فوج کے لئے روپیہ قرض دیا تھا۔ یہ نئے آنے والے، اہل السٹر کی طرح عموماً زمین کو ترقی دینے والے تھے اور ملک کو ان کی آبادکاری سے فائدہ پہنچا مگر اس میں شک نہیں کہ قدیم باشندوں سے اراضی کے ضبط کرنے میں بہت کچھ ناانصافیاں ہوئیں جیسے سنہ ۱۶۰۸ع میں ہوئی تھیں۔ قانون پر بلارُو رعایت عمل کرانے، اور جان مال کی حفاظت کے بارے میں کروم ویل، چچسٹر یا اسٹرے فرڈ سے کم سخت نہ تھا اور اس میں کامیاب بھی رہا لیکن انگلستان کے ہر فرقے کے دل میں کیتھولک لوگوں کی طرف سے جو عناد تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب بالکل ممنوع اور اس کے علماء جور و تشدد کا شکار ہوئے۔ چنانچہ سنہ ۱۶۴۹ع میں نیوراس کے حاکم کو لکھتا ہے کہ دو میں کسی شخص کے ذاتی عقائد میں دخل نہیں دیتا۔ لیکن اگر آزادیٔ مذہب کا مطلب یہ ہے کہ کیتھولک نماز کی اجازت دی جائے تو صاف صاف معاملہ کرنا اور آپ کو یہ ٹھیک ٹھیک معلوم کرادینا مناسب ہوگا کہ جہاں کہیں انگلستان کی پارلیمنٹ کو اقتدار حاصل ہے، وہاں اس کی اجازت نہ ملے گی"۔ آئرستان کی علحدہ پارلیمنٹ کے قیام کو کروم ویل اتحاد کے حق میں

مستقل خطرہ سمجھتا تھا چنانچہ وہاں کی پارلیمنٹ توڑ دی گئی اور قرار پایا کہ آئرستان، تینوں ممالک کی متحدہ پارلیمنٹ میں تیس مبعوث بھیجا کرے۔

اسکاٹ لینڈ

ولندیزوں سے لڑائی ختم ہوئی تو منک پھر اسکاٹ لینڈ کی سپہ سالاری پر واپس آ گیا اور طویل پارلیمنٹ نے اس ملک کو انگلستان سے متحد کرنے کی جو تجویز مرتب کی تھی، اس کے مطابق منک ہی نے اس خیال کو عملی جامہ پہنایا۔ اسے سب سے بڑی جنگی دقت پہاڑیوں کی تسخیر میں پیش آئی جہاں مڈل ٹن برابر بادشاہ کی طرف سے لڑے جاتا تھا۔ بالآخر کرنل مورگن کی مدد سے منک نے پہاڑی جنگ میں وہ کارنامہ دکھایا کہ تمام قبائل مطیع و مسخر ہو گئے۔ پرسبی ٹیری کا تسلط ختم ہوا بلکہ جملہ پروٹسٹنٹ فرقوں کو کامل آزادی عطا ہوئی۔ انگلستان سے اتحاد، اسکاٹ لینڈ کی تجارت کے حق میں نہایت مفید ہوا کیونکہ اسے بھی وہاں کے قانونِ جہاز رانی اور خصوصاً انگریزی نوآبادیوں سے آزادانہ تجارت کی اجازت حاصل ہو گئی۔ چنانچہ مدت تک کروم ویل کے عہد کو اس ملک کے لئے بڑے امن و فلاح کا زمانہ سمجھا جاتا رہا۔ بایں ہمہ اہل ملک اس اتحاد سے شدید نفرت رکھتے تھے اور مذہبی رواداری کو وہاں گناہ و عصیان سے شیطانی مواسات کے مرادف خیال کیا جاتا تھا۔

معاملات خارجہ میں کروم ویل کا اعتدال اس سے ظاہر ہے کہ ولندیزوں سے صلح کر لی حالانکہ بعض لوگ ان کے پورے ملک کو فتح کر لینے کی رائے دیتے تھے اور پرتگیزوں سے جو شرائط پیش کی تھیں، ان پر جا رہا۔ ان سے ناراضی کا سبب شہزادہ روپرٹ کو ان کا مدد دینا تھا۔ آخر پرتگیزوں نے ان شرطوں پر دستخط کر دئے اور یہ ٹھیک وہی تاریخ تھی جب کہ پرتگیزی سفیر کے بھائی ڈوم پانٹالیون سا کا ایک انگریز کے مار ڈالنے کی سزا میں سر قلم کرایا گیا۔ اس طرح ملک کے اندرونی اور خارجی، دونوں امور میں کروم ویل نے اپنی قابلیت بحیثیت ایک کامیاب اور مستعد حکمران کے ثابت کر دی۔

عہد محافظت کی پہلی پارلیمنٹ

۳ ستمبر ۱۶۵۴ء کو عہد محافظت کی پہلی پارلیمنٹ منعقد ہوئی طویل پارلیمنٹ نے جو خاکہ تیار کیا اور جسے "آلۂ حکومت" کی دستاویز میں داخل کر لیا گیا تھا، اسی کے مطابق نشستوں کی نئی تقسیم عمل میں آئی۔ آبادی کے لحاظ سے انگلستان سے چار سو ارکان کا انتخاب تجویز ہوا تھا۔ یارک شر و اسیکس جہاں سے دو دو مبعوث آتے تھے، اب انھیں علی الترتیب چودہ اور تیرہ مبعوث بھیجنے کا حق دیا گیا۔

باب چہارم

اسکاٹ لینڈ اور آئرستان کے لئے تیس تیس مبعوث تجویز ہوئے تاکہ پارلیمنٹ تینوں متحدہ ممالک کی نیابت کرے۔ سر ہیری وین وغیرہ پرانے جمہوریت پسندوں نے انتخابات میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ لارڈ گرے، لڈلو اور وائلڈمین (جو "بورژ" دیہاتی گروہ کا تھا) کا انتخاب سرکاری طور پر ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ البتہ ہیزل رگ، بریڈشا اور اسکاٹ رکن منتخب ہوئے اور اصرار کیا کہ "شخص واحد کی حکومت" کی ضرورت پر بحث کی جائے۔ اور اس اصول پر زور دیا کہ محافظ سلطنت کے اختیارات کا ماخذ پارلیمنٹ ہونی چاہئے۔ مگر "آلۂ حکومت" کے نام سے جو دستور العمل بنا تھا، اس میں محافظ اور پارلیمنٹ، شرکا کی حیثیت رکھتے تھے۔ اسی لئے کروم ویل کو ضروری ہوا کہ رنگ محل میں ارکان کو مخاطب کرنے کے بعد فرداً فرداً یہ عہد بھی لے کہ ان میں سے کوئی حکومت کی تشکیل حاضرہ کو بدلنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ دو سو تیس مبعوثوں نے یہ عہد قبول کر لیا مگر وہ بھی مذکورۂ بالا دستور العمل کے ایک ایک فقرے پر بحث کرتے رہے اور دوسرے سب کاموں کو حتیٰ کہ برّی اور بحری فوجوں کی رقمی منظوریوں کو بھی بالائے طاق رکھ دیا۔ اور اس بحث مباحثے میں اگر کسی چیز کی انھیں فرصت ملی تو وہ یہ تھی کہ بڈل اور نیلر پر، جن کے مذہبی خیالات سے ارکان کو غصہ آیا تھا، مقدمے چلائے اور سخت پریشان کیا۔ غرض ارکان پارلیمنٹ کا طرز عمل اس قدر برا تھا کہ پورے پانچ قمری مہینے گزرتے ہی کروم ویل نے ان کو برطرف کر دیا (۲۲ جنوری ۱۶۵۵ء)۔

اس پارلیمنٹ کے اجلاس نے یہ ضرور ثابت کر دیا کہ کروم ویل کے حامی اور جمہوریت پسند آپس میں متفق نہیں اور اس واقعے نے شاہ پسندوں اور "زندہ دلوں" کی مردہ امیدیں تازہ کر دیں۔ جیسا کہ متعدد سازشوں کی اطلاع سے ظاہر ہوتا ہے۔ مارچ میں بمقام سالسبری، پن رڈک اور ویگ اسٹاف نے گشتی حکام عدالت کو گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ یارک شر کے ایک سردار، سر ہیری سلنگس بی کا بھی ایک سازش میں نام آتا ہے۔ وائلڈمین باغی شاہ پسندوں کی فوج کے واسطے خطبہ لکھواتے میں پکڑا گیا۔ قانون پیشہ لوگ جیسے وائٹ لاک حکومت کی غیر آئینی نوعیت سے ڈرے جاتے تھے اور طرح طرح کی مشکلات پیدا کر رہے تھے اور ادھر کونی وغیرہ اور ریپٹیر ونٹ ورتھ جیسے عملی لوگ بغیر پارلیمنٹ کی منظوری کے محاصل ادا کرنے سے انکار کر چکے تھے۔ ان حالات میں کروم ویل کو بالکل مطلق العنان فرمانروا کی طرح کام کرنا پڑا۔ اس نے بغاوت کا

باب چہارم

قلع قمع کر دیا پن رڈوک وغیرہ تینوں مذکورہ بالا اشخاص غداری کے جرم میں قتل کیے گئے گوٹی وغیرہ کے اعتراضات کو عدالتوں نے (جن کا انتخاب محافظ سلطنت کی طرف سے ہوا تھا) مسترد کر دیا۔ مزید فتنہ و فساد روکنے کی غرض سے انگلستان کو گیارہ جنگی اضلاع میں تقسیم کیا گیا اور ہر ایک پر کروم ویل کا کوئی دوست سپہ سالار کے نام سے متعین کر دیا گیا۔ پھر قانون تلافی کے خلاف، صرف شاہ پسندوں سے دس فی صدی محصول فوجی مصارف کے واسطے وصول کر لیا۔ ان تدبیروں سے وطن میں امن امان تو قائم ہوا۔ لیکن کروم ویل کی خود رائی کی شاہ پسند اور جمہوریت پسند سبھی مذمت کرتے تھے۔ یہ بات اور بھی الم نشرح ہوتی جاتی تھی کہ اس کی قوت کا اصلی ماخذ فوج کی عقیدت مندی اور مستعدی ہے اور اس کی حکومت محض فوجی مطلق العنانی ہے۔ شاہ پسندوں کے خلاف یہ سخت تدابیر اختیار کرنے کے علاوہ کروم ویل نے اُن اسقفی پسند پادریوں کے متعلق بھی قواعد سخت کر دئیے جو کلیسائی اوقاف سے الگ کئے گئے تھے اور جن کی نسبت اسے خواہی نخواہی شبہ ہوتا تھا کہ اس کی حکومت کی مخالفت پکاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ان برطرف شدہ علما کے واسطے کسی خانگی کلیسا میں امامت کرنا، وعظ و پند یا انجیل کا درس دینا بلکہ کتاب الصلوٰۃ کو استعمال کرنا اور کسی سرکاری یا خانگی مدرسے میں پڑھانا تک قابل تعزیر جرم قرار دیا۔

اسپین سے جنگ　اس عرصے میں اسپین سے جنگ چھڑ گئی تھی۔ کچھ تو انگریزی تجارت کو ترقی دینے کی غرض سے اور کچھ محض مذہبی عداوت کی بنا پر کروم ویل نے شاہ اسپین سے مطالبہ کیا کہ غرب الہند میں انگریزوں کو تجارت کی آزادی اور احتساب سے معافی دے دی جائے اور یہ ایسا مطالبہ تھا کہ اسپین کے سفیر نے جواب میں کہا کہ "میرے آقا کے صرف دو آنکھیں ہیں اور کروم ویل دونوں کو بیک وقت نکلوانا چاہتا ہے۔" بہرحال، گو اسپین نے فروری سنہ ۱۶۵۶ء تک باضابطہ اعلان جنگ نہیں کیا، تاہم اسی وقت لڑائی چھیڑ دی گئی اور سنہ ۱۶۵۴ء کے موسم خزاں ہی میں دو بحری مہمیں بھیجی گئیں۔ ایک پین اور وینابلز کی قیادت میں غرب الہند گئی اور دوسری بلیک کے ماتحت بحر متوسط کے لئے روانہ ہوئی۔ پہلی بحری فوج کو سان ڈومنگو نے تو شکست دی مگر جمیکا کا زرخیز و شکوہ جزیرہ فتح ہو گیا اور اب تک انگریزوں کے قبضے میں ہے۔ بلیک نے اول الجزائر و تیونس کے بحری قزاقوں کی خبر لی اور حاکم الجزائر سے شرائط صلح طے کرنے کے بعد تیونس کی بندگاہ کے

باب چہارم

اندر داخل ہوا اور نہ صرف جنگی قلعے وغیرہ منہدم کئے بلکہ بے کے نو کے نو جنگی جہاز جلا دئے اور اس طرح ساری دنیا کو دکھا دیا کہ ایک بحری قوت کے حکم منوانے میں بحری توپ خانہ کیسا کچھ کارگر ہوتا ہے۔

جنگ کا باضابطہ اعلان ہوتے ہی بلیک نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ پلیٹ کے بیڑے کو لوٹنا شروع کیا جو ہر سال اسپین کی مملوکہ معدنوں سے قیمتی مال اوقیانوس کے پار لاتا تھا، اور اس کی آمد اسپین کی منڈی میں وہی اہمیت رکھتی تھی جیسی ولندیزوں میں مسالحے کے بیڑے کی آمد۔ پلیٹ کا بیڑا اپنامہ سے ٹنے ریف آتا اور سانتا کروز کی بندرگاہ میں ٹھیرا رہتا تھا اور جب اطلاع ملتی کہ قادس کی راہ صاف ہے، تو آگے روانہ ہوتا تھا۔ سنہ ۱۶۲۸ء میں پیٹر ہائن نامی ولندیز نے تقدیر کی یاوری سے اس پرمال بیڑے کو پکڑ لیا اور اس دن سے ہر انگریز و ولندیز ملاح یہی خواب دیکھتا تھا کہ مجھے بھی یہی کامیابی نصیب ہو۔ پہلی مرتبہ بہت روز تک بیکار انتظار کرنے کے بعد بلیک ناکام وطن چلا آیا لیکن مارچ سنہ ۱۶۵۶ء میں دوبارہ سمندر میں نکلا اور اس مرتبہ ایڈورڈ مونٹیگیو (جو آئندہ ایرل سینڈوچ ہوا) اس کے ساتھ تھا۔ پہلے تو انھوں نے شاہ پرتگال سے شہزادہ روپرٹ کو مدد دینے کا ہرجانہ طلب کیا پھر قادس کے سامنے لنگر ڈال کے لطیفۂ غیبی کا انتظار کرنے لگے۔ آخرکار ستمبر میں نو کشتیاں نمودار ہوئیں اور کپتان اسٹینر نے اپنے جہاز اور دو کشتیوں سے ان پر تیز و تند حملہ کیا اور کم سے کم چھ کو جلایا، ڈبویا یا چھین لیا اور کچھ نہیں تو چھ لاکھ پاؤنڈ مالیت کا سونا چاندی اس کے ہاتھ آیا۔ پھر مونٹیگیو تو واپس وطن آگیا لیکن بلیک ٹھیرا رہا اور اپریل سنہ ۱۶۵۷ء میں اسے خبر لی کہ سولہ۱۶ ہسپانوی کشتیاں سانتا کروز کی بندرگاہ میں ٹنے ریف کی چوٹی کے نیچے لنگر ڈالے پڑی ہیں تب وہ بھی ادھر چلا اور بندرگاہ کے قلعوں کی پروا کئے بغیر ۲۰ اپریل کو اپنا بیڑا لے کر بندرگاہ میں گھس گیا۔ اور چند گھنٹے میں سب کشتیاں پکڑ لیں۔ آدمیوں کی کمی کے باعث انھیں ساتھ لانا محال تھا لہذا سب کو جلا دیا اور ایک جہاز کا بھی نقصان اٹھائے بغیر بندرگاہ کے باہر آگیا۔ یہ وہ کارنامہ تھا جس سے ہر جماعت کے انگریز کے دل میں مسرت کا جوش پیدا ہوا۔ شاہ پسند مورخ کلیرنڈن اسے اعجاز بتاتا اور مثال میں پیش کرتا ہے کہ بہادر و باہمت اشخاص کے مضبوط ارادے سے کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ بلیک کی سب سے درخشاں کامیابی تھی وطن آتے میں وہ راہی عدم ہو گیا اور وطن پرستی، لیاقت اور بہادری کی

باب چہارم

ایسی شہرت یادگار چھوڑی جو بالکل بے داغ تھی۔

سنہ ۱۶۵۸ء میں کروم ویل نے دوبارہ پارلیمنٹ طلب کی کیونکہ وہ لوگوں کی نظروں میں محض خودرائے حاکم بننا پسند نہ کرتا تھا اور اپنے انتظامات کی پارلیمنٹی تصدیق کرانی چاہتا تھا۔ اسپین سے جنگ کرنے کے لئے روپے کی بھی ضرورت تھی۔ البتہ پہلی پارلیمنٹ کی اُلجھنوں سے بچنے کے لئے، اس مرتبہ وین، لڈلو اور بریڈشا کو تنبیہ کردی کہ وہ لوگ کوئی دخل نہ دیں اور انتخاب کے بعد بھی ہیزل رگ اور اسکوٹ کو، کوئی تو سے دوسرے ارکان کے ساتھ پارلیمنٹ میں شریک ہونے کی اجازت نہیں ملی۔ اس کے مقابلے میں رائے عامہ سے مصالحت کر لینے کی غرض سے جنگی اضلاع توڑ دئے گئے۔ ستمبر سنہ ۱۶۵۶ء میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا۔ اور چند مہینے تک خاموشی سے کام ہوتا رہا۔ جنوری سنہ ۱۶۵۷ء میں کروم ویل کے طرفداروں نے اسے بادشاہ بنانے کا خیال پیش کیا اور یہ سمجھ کر کہ ایسا کرنے سے حکومت اور قانون کا پرانا ڈھانچ پھر درست ہو جائے گا، پارلیمنٹ نے یہ تجویز قبول کر لی۔ ایک اور مصلحت یہ تھی کہ ہینری ہفتم کے قانون "واقعی بادشاہی" کی رو سے اُن عہدہ داروں پر جو کسی "بادشاہ وقت" کی ملازمت میں ہوں، بغاوت کا مقدمہ نہیں چل سکتا تھا اور کروم ویل کے رفیق اس قانون سے اسی صورت میں فائدہ اٹھا سکتے تھے جب کہ اسے شاہِ وقت تسلیم کر لیا جائے۔ بغرض یہ قرارداد ۶۲ کے مقابلے میں ۱۲۳ آرا سے منظور ہوئی۔ نیا دستور حکومت ایک تحریر میں جو "فدویانہ معروضہ اور مشورہ" کہلاتا ہے، قلمبند ہوا اور اس نے قریب قریب وہی سب آئین وقوانین بحال کر دئے جو خانہ جنگی سے قبل طویل پارلیمنٹ نے مرتب کئے تھے۔ مزید برآں کروم ویل کو اختیار دیا گیا کہ دارالعوام کے علاوہ پارلیمنٹ کا دوسرا شعبہ یا ایوان بھی از سر نو قائم کر لے۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کروم ویل شروع سے واقف تھا کہ اس درخواست کو بجنسہ قبول کرنا کسی طرح مناسب نہ ہوگا۔ دیوانی ملازمین اور قانون پیشہ لوگ تو بادشاہی کی بحالی کی خبر سے خوش ہوئے مگر اہل فوج کو یہ خیال سخت ناگوار گزرا کیونکہ اس کے معنی یہ تھے کہ انھوں نے جو خون بہایا اور مصیبتیں اٹھائیں وہ سب فضول تھیں جب کہ چارلس کو گرا کر کوئی اور "کاف بہ سر" تخت بادشاہی پر بٹھا دیا گیا۔ اور کروم ویل خوب جانتا تھا کہ فوج کی تائید کے بغیر وہ ایک دن بھی حکومت نہیں کر سکتا۔ خلاصہ یہ کہ گو اس نے مجوزہ آئین قبول کر لیا اور وہ پورے اہتمام واحترام کے ساتھ ۲۶ جون سے نافذ کر دیا گیا، لیکن خطاب "بادشاہی" لینے سے انکار کیا مذکورہ بالا

باب چہارم

"معروضہ اور مشورہ" میں کرومویل کو اپنا جانشین نامزد کرنے کی بھی اجازت دی گئی تھی۔ یہ بات لیمبرٹ کو بڑی ناگوار گزری جو مسودۂ "حکومت" قلمبند کرنے میں سب سے آگے تھا۔ اس لئے کرومویل کی اطاعت کی قسم کھانے سے بھی انکار کر دیا اور اسی بنا پر سپہ سالاری سے برطرف کر دیا گیا۔ بخلاف اس کے وین کو حراست سے مخلصی مل گئی۔

جنوری ۱۶۵۸ء میں ملتوی شدہ پارلیمنٹ دوبارہ مجتمع ہوئی تو اس کی ہیئت بہت کچھ بدلی ہوئی تھی۔ چنانچہ ۱۶۵۶ء میں جن ارکان کو بیٹھنے سے روک دیا گیا تھا، اب وہ سب موجود تھے دوسرے محافظِ سلطنت کی نامزدگی سے جدید دار الامرا بھی قائم ہوگیا تھا۔ ان امیروں میں امیر مینچسٹر، وائی کاونٹ لزلے، وہائٹ لاک، منک وغیرہم شامل تھے مگر دار العوام نے اسے بالکل نہ مانا۔ بلکہ ہیزل رگ نے اس میں شرکت سے انکار کیا اور دار العوام میں اس پر حملے کا آغاز کیا۔ کرومویل نے دیکھا کہ امن و صلح سے یہ پارلیمنٹ بھی کام نہ کرے گی لہٰذا ۴ فروری کو اسے برخاست کر دیا۔

فرانس سے اتحاد

اب اسے بیرونی معاملات پر توجہ کرنے کی فرصت ملی۔ اس غلط تخیل کی بنا پر کہ اسپین کا قوی ہونا خطرناک ہوگا، کرومویل، اسپین کے مقابلے میں فرانس کا شریک ہوگیا۔ فرانس کے شاہ و وزیر خود اس کی مدد کے محتاج تھے اور انھوں نے انگریز سفیر لاک ہارٹ کی بڑی خاطر مدارات کی۔ وہاں کا امیر کبیر سیوائے اپنی پروٹسٹنٹ رعایا پر ظلم و جور کر رہا تھا۔ اور ملٹن نے ان کی حمایت میں ایک ولولہ انگیز غزل لکھی تھی، اسی پر کرومویل نے صاف کہہ دیا کہ جب تک امیر کبیر موصوف اس مذہبی تعدی سے باز نہ آئے گا میں اُس کے ساتھ کوئی معاملت نہ کروں گا۔ چنانچہ وزیر فرانس مازارین نے خاص اہتمام کیا کہ کرومویل کی یہ شرط پوری کر دی جائے۔ یہ سب مراحل طے ہو گئے تو مارچ ۱۶۵۷ء میں فرانس کے ساتھ جنگی اتحاد کر لیا گیا جس کا مقصد یہ تھا کہ اسپین والوں سے مارڈیک اور ڈنکرک کے سرحدی مقامات چھین لئے جائیں۔ حملے میں شریک ہونے کے لئے چھ ہزار انگریز سپاہی "نئی سرخ وردی میں" فرانس بھیجے گئے۔ ان کا سردار مورگن تھا جو ولنڈیزی لڑائیوں میں منک کا دستِ راست رہا تھا۔ فوج لاک ہارٹ کے زیر ہدایت تھی۔ نمونۂ جدید کے سپاہیوں نے مارڈیک کو یورش کر کے لینے اور ڈیون کی لڑائی میں سپاہ گری کے جوہر دکھائے۔ یہ معرکہ ڈنکرک کے قریب جون ۱۶۵۸ء میں ہوا اور

جنگ وکامرانی کا بڑا حصہ انگریز سپاہیوں ہی کو ملا۔ فتح میں ڈنکرک کا قصبہ ہاتھ آیا اور اسے انگریزوں کے سپرد کر دیا گیا جس سے انھیں براعظم یورپ میں قدم جمانے کی جگہ مل گئی۔ اگرچہ یہ صرف ایک ہی قصبہ ان کے ہاتھ آیا تھا لیکن وہ ایسے موقع سے تھا کہ اگر ضرورت پڑے تو وہ ہر فرانسیسی لشکر پر جو ہالینڈ پر حملہ آور ہو، خارجی حملہ کر سکتے تھے۔

کروم ویل کی وفات یہ کامیابی کروم ویل کی زندگی کا آخری کارنامہ تھی۔ اسکاٹ لینڈ کی لڑائیوں میں جب سے بخار نے اس کا پیچھا لیا، وہ پنپ نہیں سکا تھا گو اس کی عمر پچاس اور ساٹھ برس کے درمیان تھی، لیکن بالکل بوڑھا آدمی معلوم ہونے لگا تھا۔ ۱۶۵۸ء کی گرمیوں میں اس کی چہیتی بیٹی الزبتھ کلے پول نے وفات پائی کروم ویل نے تیمار داری میں اتنی دردسری اٹھائی تھی کہ وہ اور بھی کمزور ہو گیا اور ڈنبار و ورسٹر کی فتوحات کی سالگرہ کے وقت ۳ ستمبر کو آندھی اور مینہ کے سخت طوفان میں دوبارہ بخار نے حملہ کیا تو یہ طاقتور محافظ سلطنت جان بر نہ ہو سکا اور ملک عدم کی راہ لی۔ ہرچند کروم ویل اس قسم کی غیر معمولی ذہانت سے بہرہ مند نہ تھا جو سیاسی معاملات کی مجموعی اہمیت کو پا جاتی ہے۔ تاہم وقتی مصالح کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے کی اس میں پوری قابلیت تھی اور وہ بخوبی اندازہ کر لیتا تھا کہ کسی خاص موقع پر کیا کرنا چاہیئے اور کیا ہو سکتا ہے، کسی بڑے جنگی منصوبے کو دوراندیشی سے مرتب کرنے کی اس میں لیاقت نہ تھی لیکن فوجوں کی تنظیم اور نقل وحرکت کا غیر معمولی سلیقہ رکھتا تھا۔ جنگ یا سیاسیات میں وہ کوئی دوراندیش مدبر نہ تھا بلکہ اس کا شمار اُن لوگوں میں ہونا چاہیئے جن کے لئے "ابن الوقت" کا لفظ زیادہ موزوں ہے ملک کی حکومت ہاتھ آئی تو اعتدال آمیز کاموں سے کروم ویل نے اپنی محل شناسی اور عقلمندی کا ثبوت دیا لیکن اس حکومت کو وہ دیرپا نہ بنا سکا کیونکہ محض فوج کے زور سے ایک قلیل تعداد کا قوم کی اکثریت پر حکومت کرتے رہنا، طبعاً زیادہ دن نہ چل سکتا تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خانہ جنگی کے آغاز سے کوئی پارلیمنٹ بھی جو آزادانہ منتخب کی جاتی، اس میں یا تو شاہ پسندوں کی، ورنہ بلاشبہ شاہ پسند اور پرس بی ٹیرین گروہ کی مشترکہ جماعت کی اکثریت ہوتی

رچرڈ کروم ویل یہ بات صحت سے معلوم نہیں کہ کروم ویل نے کسی جانشین کا انتخاب نظر انداز کر دیا، یا یہ کہ دوسری روایت کے بموجب بیماری کی غشی کی حالت میں اپنے بڑے بیٹے رچرڈ کو نامزد کیا تھا۔ بہرحال مجلس شاہی نے تو اسی مفروضے پر کہ وہ باضابطہ

نامزد کر دیا گیا ہے اس کی جانشینی کا اعلان کر دیا۔ کرومویل کے خاندان کے حق میں یہ بہت نامساعد ہوا کہ دوسرا بیٹا ہینری جو حقیقت میں لائق سپاہی اور تجربہ کار مدبر تھا، منتخب نہ ہو سکا۔ کیونکہ رچرڈ نیک نفس اور خوش اخلاق ہونے کے باوجود نہ سپاہی تھا، نہ مدبر اور نہ پرجوش مذہبی، کہ ان میں سے کسی گروہ کی بھی مدد حاصل کر سکتا جو اس کے باپ کے گرویدہ تھے۔ بایں ہمہ رچرڈ کے بعض ہوا خواہ موجود تھے۔ وہائٹ لاک کے نزدیک اس کی جانشینی آئینی حکومت کے حق میں مفید تھی۔ پرس بی ٹری سر گروہ بیکس تر سمجھتا تھا کہ رچرڈ نے گذشتہ خانہ جنگی میں کوئی حصہ نہیں لیا اور یہ اس کے لئے مفید بات ہے۔ غرض، حالات ایسے تھے کہ اگر رچرڈ کرومویل ذرا مضبوط آدمی ہوتا، تو کامیابی ناممکن نہ تھی؛ چنانچہ اس کی جانشینی کے وقت کوئی فتنہ و فساد نہ ہوا، البتہ اس کے عہد کی پہلی پارلیمنٹ منعقد ہوئی (جنوری ۱۶۵۹ء) تو مشکلات شروع ہوئیں انگلستان کے مبعوث جدید حلقوں کی بجائے پرانے حلقوں کے مطابق منتخب کرائے گئے تھے تاکہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ مل سکے۔ لیکن آئرستان اور اسکاٹ لینڈ کے مبعوث جدید حلقوں سے منتخب ہوئے۔ کسی کے انتخاب کی ممانعت وغیرہ بھی نہیں کی گئی تھی لہذا وین ہیزل رگ وغیرہ تمام پرانے نکتہ چیں منتخب ہوئے اور آتے ہی نئے دارالامرا اور محافظ سلطنت کے اختیارات کی خبر لینی شروع کی۔ ادھر فوج میں بھی اختلاف تھا۔ فلیٹ وڈ اور ڈس برو کا گروہ (جسے اکثر "والنگ فرڈ کی جماعت" کہتے تھے) یہ چاہتا تھا کہ محافظ سلطنت کے فوجی اور دیوانی اختیارات تقسیم کر کے، سپہ سالاری کی خدمت فلیٹ وڈ کو دیدی جائے ادھر لیمبرٹ، جسے فوج کے خوش کرنے کی غرض سے پرانی خدمت پر بحال کیا گیا، خود محافظ سلطنت بننے کی آرزو رکھتا تھا۔ وین پہلی جماعت کے ساتھ ہو گیا۔ بہر حال ان اختلافات نے رچرڈ کی حکومت کو متزلزل کر دیا۔ فلیٹ وڈ اور ڈس برو نے مطالبہ کیا کہ وہ یا تو فوج پر بھروسہ کرے اور یا پارلیمنٹ کا ہو رہے اور یہ بھی اطمینان دلایا کہ فوج کا ساتھ دیا تو وہ اس کا حسب مراد انتظام کر دیں گے، تو رچرڈ نے انھی کو ترجیح دی اور ۲۲ اپریل کو پارلیمنٹ کو فسخ کر دیا حالانکہ اس وقت تک اس نے روپے کی منظوری بھی نہیں دی تھی؛ نتیجہ یہ ہوا کہ فوج کو تنخواہ دینے کے لئے روپیہ نہ رہا اور چونکہ باپ کی مثل رچرڈ میں اتنی قوت نہ تھی کہ بطور خود کوئی محصول وصول کر سکتا، لہذا کسی نہ کسی پارلیمنٹ کا انعقاد ناگزیر ہو گیا۔ تب، مئی میں، لیمبرٹ کی رائے سے اسی طویل پارلیمنٹ کے ارکان بلائے گئے جسے

سنہ ۱۶۵۳ء میں کرومویل نے برطرف کر دیا تھا۔ اس بحالی کی تجویز کو رچرڈ نے بھی قبول کر لیا اور باب چہارم
دوبارہ وین، بریڈ شا وغیرہ کا اس "بقیہ پارلیمنٹ" میں طوطی بولنے لگا۔ یہ لوگ تلے ہوئے
تھے کہ جمہوری حکومت قائم کی جائے اور انھوں نے رچرڈ کے قرضوں کی ادائی کا انتظام
کر کے اصرار کیا کہ وہ وہائٹ ہال چھوڑ دے۔ آخر وہ دوبارہ ایک معمولی آدمی رہ گیا
اور "اپنے باپ کے بیٹے ہونے سے اسے چھدام بھر بھی فائدہ نہ رہا۔"

بوتھ کا ہنگامہ

ان اختلافات نے شاہ پسندوں اور پرس بی ٹیریوں کو دلیر کر دیا اور
اگست میں ایک عام بغاوت کی کھچڑی پکنے لگی۔ اہل سازش کو توقع
تھی کہ انگلستان میں بغاوت برپا ہوئی تو مونٹیگیو بیڑے سے اور منک اسکاٹ لینڈ کی فوج
سے مدد کرینگے۔ لیکن یہ منصوبہ کامیاب نہ ہوا البتہ چیشر میں وہاں کے ایک بڑے زمیندار اور
پرس بی ٹیری فرقے کے خود سر جارج بوتھ کی سرکشی سے کافی پریشانی پیدا ہوئی اور وہ خاصا
بڑا لشکر لے کر میدان میں اتر آیا۔ بارے ونگ ٹن برج کی لڑائی میں لیمبرٹ نے اس کا
قلع قمع کر دیا اور منک یا مونٹیگیو کسی نے بھی حمایت میں جنبش نہ کی۔ لیمبرٹ واپس آیا تو
فلیٹ وڈ نے پارلیمنٹ میں تحریک کی کہ اس کو مددگار سپہ سالار بنا دیا جائے۔ مگر یہ نامنظور
ہوئی اور فوج نے فلیٹ وڈ کو سپہ سالار اعلیٰ، ڈس برو کو نائب اور لیمبرٹ و منک کو مددگار
سپہ سالار بنانے کی استدعا کی تو پارلیمنٹ نے لیمبرٹ اور ڈس برو کو عہدوں سے برطرف
کر دیا اور فلیٹ وڈ کے اختیارات بھی ۶ ارکان کو شریک بنا کے برائے نام باقی رکھے۔
دوسرے دن لیمبرٹ فوج لے کے ویسٹ منسٹر پہنچا اور اس "بقیہ پارلیمنٹ" کے ارکان
کو ایوان سے نکال باہر کیا۔ ان کی بجائے ایک مجلس تحفظ قائم کی گئی کہ ایک ذیلی مجلس کے
آئین تیار کرنے تک ملک کا انتظام کرتی رہے۔ ذیلی مجلس کا صدر وین تھا۔

منک کا ورود

فوج کی ان تمام کارروائیوں کو لڈلو اور منک ناپسند کرتے تھے۔ لڈلو
کو پارلیمنٹ نے ہنری کرومویل کی بجائے آئرستان کا سپہ سالار
نامزد کر دیا تھا اور وہ اہل فوج سے بحث و حجت کرنے خود لندن آیا مگر کوئی فوجی جمعیت
ساتھ نہ تھی۔ بخلاف اس کے منک نے پارلیمنٹ کی حمایت کا اعلان کیا اور حملے کی تیاری
کر کے انگلستان کی طرف بڑھا۔ اسے روکنے کی غرض سے لیمبرٹ نیو کاسل بھیجا گیا تھا مگر
اس نے یہ کمزوری دکھائی کہ نامہ و پیام کر کے منک کو مہلت دے دی اور ادھر اس کے

باب چہارم

عقب میں فیرفیکس نے جسے فوج کی حکمرانی سے نفرت تھی، یارک شہر کی فوج بے قاعدہ کو جمع کیا اور اپنے سپاہیوں کو ترغیب دی کہ لیمبرٹ کا ساتھ چھوڑ دیں۔ غرض لیمبرٹ کو سوا اس کے کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا کہ نیوکاسل سے پسپا ہو جائے اور منک نے لندن کی طرف پیش قدمی کی۔ راستے میں اسے جا بجا شواہد نظر آئے کہ اہل ملک فوج اور بقیہ پارلیمنٹ کی وانتائل کل سے بالکل اُکتا گئے ہیں اور آزاد پارلیمنٹ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن منک نے اپنی رائے کا کوئی اظہار نہیں کیا۔ اُس کا قول تھا کہ اگر میری قمیص کو بھی یہ خبر ہو جائے کہ میرے دماغ میں کیا ہے، تو میں قمیص کو جلا دوں گا۔ پھر لندن پہنچ کر اس نے خاموشی سے اپنی فوج اسی جگہ اتار دی جہاں سے پارلیمنٹ نے سابقہ لشکریوں کو خارج کیا تھا۔

طویل پارلیمنٹ

اِدھر فلیٹ ووڈ کی درخواست پر بقیہ پارلیمنٹ نے پھر اجلاس شروع کر دئے تھے۔ منک نے انھی ارکان کی خدمت و اطاعت پر عاجزانہ آمادگی ظاہر کی اور اس روش کو دیکھ کر ہینزل رگ وغیرہ جمہوریت پسندوں کو جرأت ہوئی کہ اسے اہل لندن سے لڑا دیں۔ کیونکہ ان کے مخالف پرس بی ٹری فرقے کا بڑا مرکز لندن ہی تھا۔ وہاں کی شہری پنچائت نے اس عذر پر کہ بقیہ پارلیمنٹ میں لندن کا کوئی مبعوث نہیں ہے، محاصل کا ادا کرنا اس وقت تک موقوف قرار دیا تھا جب تک کہ خالی نشستیں معمور نہ کر دی جائیں۔ لہذا بقیہ پارلیمنٹ نے منک کو حکم دیا کہ ازرہِ سزا لندن کے دروازے منہدم کر دے۔ منک نے تعمیل تو کی مگر اس احمقانہ فعل کو دیکھ کر اسے یقین ہو گیا کہ یہ بقیہ پارلیمنٹ زیادہ دن نہیں چل سکتی اور اب اس نے بھی لندن والوں کی ہمنوائی میں آزاد پارلیمنٹ کا مطالبہ کیا۔ اس کا اعلان فیصلہ کُن ثابت ہوا۔ یہی مطالبہ جب عوام کی طرف سے پیش ہوا تھا تو اسے دیر تک ٹھکرا دینا ممکن تھا مگر جب ایسے شخص نے اسے پیش کیا جس کی پشت پر فوج تھی، تو اُسے مسترد کرنا سہل نہ تھا۔ غرض ۱۶۴۸ع میں پرائڈ نے جن ارکان کو نکال دیا تھا۔ وہ سب واپس بلائے گئے اور کثرت رائے سے پارلیمنٹ فسخ کر دی گئی۔ منک سپہ سالار اور مونٹیگیو امیر البحر مقرر ہوا۔ لیمبرٹ کو قلعۂ لندن میں اور وین کو قلعۂ کیرس بُروک میں قید کر دیا گیا۔ اس طرح طویل پارلیمنٹ جو ۱۶۴۰ع سے چلی آتی تھی، ختم ہوئی اور کوئی بیس برس کے بعد لوگوں کو عام انتخابات میں پھر اپنی رائے ظاہر کرنے کا موقع میسر آیا۔ مگر نئی پارلیمنٹ بادشاہی حکم ناموں کے ذریعے طلب نہیں کی گئی تھی لہذا اسے پارلیمنٹ کی بجائے اجتماع (کونونشن)

کہتے تھے اگرچہ ارکان کا انتخاب کروم ویل کے بنائے ہوئے حلقوں کی بجائے قدیم شاہی عہد کے حلقوں ہی سے عمل میں آیا تھا؛

"اجتماع"

۲۵ اگست کو اس اجتماع کا جلسہ ہوا۔ اس کا ممتاز ارکان یا پریس بی ٹری تھے یا شاہ پسندوں کی آل اولاد تھے آزاد جماعت کی تعداد ملک میں اپنی آبادی کے تناسب سے بھی کم تھی۔ ایسی قطعی اکثریت کے مقابلے میں ہیزل رگ اور لڈلو کی کچھ نہ چل سکی۔ بریڈ شا مر چکا تھا۔ لیمبرٹ قید سے نکل بھاگا اور سرکشی اختیار کی مگر بالکل ناکامی نصیب ہوئی۔ اجتماع نے فیرفیکس ڈینچسٹر کی بھی نہ سُنی جو نوجوان چارلس سے کچھ شرطیں کرانی چاہتے تھے بلکہ بلا تامل اس سے واپس آنے کی درخواست کی۔ کچھ مدت سے منک اس کے ساتھ خط وکتابت کر رہا تھا مگر یہ بات صاف طور پر معلوم نہ ہو سکی کہ وہ بادشاہی کی بحالی کو کب سے ناگزیر سمجھنے لگا تھا۔ بہ حیثیت سپاہی کے اس کا اصول بلیک کی طرح، یہ تھا کہ جس کی تنخواہ پائے بلا چون وچرا اس کا حکم بجا لائے۔ لیکن رچرڈ کروم ویل کی اور پھر طویل پارلیمنٹ کی نااہلی دیکھ کر اسے یقین ہو گیا کہ دولت عامہ یا محافظت کا قائم رکھا رہنا بالکل بے سود ہو گا۔ اور اس کا ذاتی رجحان بادشاہی کی طرف تھا لہٰذا وہ آسانی سے اس کی بحالی پر آمادہ ہو گیا۔ ان سب باتوں سے بڑھ کر قوی سبب جس نے دولت عامہ کا خاتمہ کرایا، غالبًا یہ تھا کہ پیوری ٹن فرقے کے پرجوش افراد سب کو اپنی رائے کے مطابق معاشرت اور اخلاق کے اصول پر چلانا چاہتے تھے۔ شہروں سے ناٹک دکھانے کی موقوفی، دیہات کے ناچ کھمبوں ("مے پولز") کا کھدوا دینا، اتوار کے رسوم کی پیوری ٹن سختی کے ساتھ پابندی وغیرہ ایسی باتیں تھیں کہ ہزاروں آدمی جنھیں لاڈ اور چارلس سے شاید اتنی ہی نفرت ہو گی جتنی خود اولیور کروم ویل کو تھی اور جو طرز حکومت کی ذرا بھی پروا نہ رکھتے تھے، وہی اب بادشاہی کی بحالی کی دعائیں مانگتے تھے۔ ہر گروہ کے عملی افراد کو نظر آ گیا کہ امن اور قاعدے کے ساتھ حکومت چلانی ہے، تو خاندان اسٹوارٹ ہی کو دوبارہ لانا ہو گا۔ چنانچہ ملٹن جیسا خیالی رسالے پہ رسالے چھاپ رہا جن میں جمہوریت کے اصولی اور نظری فوائد کی ترغیب تھی لیکن ان کی طرف مطلق توجہ نہ کی گئی۔

باب چہارم

مشہور سنین

تسخیر ڈروگھیڈا	۱۶۴۹ء
معرکۂ ڈنبار	۱۶۵۰ء
" ورسٹر	۱۶۵۱ء
ولندیزی جنگ	۱۶۵۲-۵۴ء
بقیہ پارلیمنٹ کا اخراج	۱۶۵۳ء
"آلۂ حکومت" " "	۱۶۵۳ء
"عاجزانہ معروضہ اور رائے"	۱۶۵۷ء
معرکہ ڈیونز	۱۶۵۸ء
کروم ویل کی وفات	۱۶۵۸ء

باب پنجم

چارلس دوم سنہ ۱۶۶۰ء تا سنہ ۱۶۸۵ء

ولادت: سنہ ۱۶۳۰ء۔ ازدواج با کیتھرائن، سنہ ۱۶۶۲ء۔

معاصرین:- فرانس.................. لوئی چہاردہم

ہولینڈ.................. ولیم (آف اورینج)

اسپین.................. چارلس دوم

۲۵ رمئی کو چارلس دوم ڈوور پر اُترا اور ۲۹ رکو لندن میں داخل ہوا جو اس کی تیسویں سالگرہ کا دن تھا۔ جب سے وہ ورسٹر سے فرار ہوا، اس کی زندگی کبھی فرانس کبھی جرمانیہ میں باہر ہی گزری۔ اور فرانسیسی یا ولندیزی عزیزوں کی خیرات یا انگلستان کے شاہ پسندوں کی قلیل امداد پر بسر اوقات کرتا رہا۔ خلقاً وہ بہت دانش مند آدمی تھا اور گردش لیل ونہار نے اسے اشخاص واشیا کے بہت کچھ سبق سکھا دئے تھے۔ وہ قابلیت میں باپ سے زیادہ اور تجربے میں دادا سے بڑھ کر تھا اور یہ عزم بالجزم کر کے آیا تھا کہ ”اب کبھی پردیس کی صورت نہ دیکھوں گا۔“ لیکن اس ارادے کے ساتھ کہ اپنے سرمایۂ سلطنت کی بازی نہ لگائے گا، وہ یہ بھی نیت رکھتا تھا کہ جہاں تک حالات اجازت دیں گے،

باب پنجم

اختیارات حاصل کرنے میں کبھی نہ کرے گا، تاہم وہ اس بات کو خوب جانتا تھا کہ اس کے باپ نے معاملات کو اپنے ہاتھوں میں رکھ کر بلکہ اپنی حکمت عملی کا کارندہ خود بن کر کیسا کچھ نقصان اٹھایا۔ لہٰذا وہ طے کر چکا تھا کہ گو زمام حکومت اپنے ہاتھ میں رکھے لیکن خود پس پردہ اور ذمہ داری وزیروں پر رہے۔ اور چونکہ اس کی بے تکلفی اور سادہ مزاجی دیکھکر اکثر لوگ اصلی سیرت کا اندازہ غلط لگاتے تھے، لہٰذا وہ مذکورۂ بالا منصوبے میں بہت کچھ کامیاب بھی ہو گیا۔

وزرا

تخت نشینی کے وقت چارلس نے اپنا خاص معتمد علیہ کلے رنڈن کو بنایا جو طویل پارلیمنٹ میں ایڈورڈ ہائڈ کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی عمر اب ۵۱ سال کی تھی اور خاندان شاہی کی مصیبتوں میں بھی برابر اس کا ساتھ دیتا رہا تھا۔ اسے اب صدر اعظم کا عہدہ ملا۔ اس میں بڑا عیب یہ تھا کہ رسمیات کی غلامانہ پابندی کرتا اور اپنے جدید ماحول کو سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔ اس کی اندرونی حکمت عملی کا خاص منشا بجز اس کے کچھ نہ تھا کہ قدیم مذہب کو از سر نو قائم کیا جائے اور بیرونی حکمت عملی، فرانس و پرتگال کی دوستی حاصل کرنے پر مشتمل تھی۔

فوج کی سپہ سالاری منک کو دی گئی اور وہ امیر کبیر ایلبے مارل کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ خود بادشاہ کا بھائی جیمس، شہزادہ یارک (جو آیندہ جیمس ثانی کے خطاب سے بادشاہ ہوا) صدر امیر البحر بنایا گیا اور موں ٹیگیو، جسے گذشتہ خدمات کے جلدو میں امارتِ سینڈوچ عطا ہوئی تھی، اس کا مددگار مقرر ہوا۔ شہزادہ روپرٹ بھی انگلستان واپس آگیا اور حسب ضرورت بحری یا بری جنگ میں کام کرنے پر تیار رہتا تھا۔ منک اور موں ٹیگیو کے علاوہ سابقہ جمہوریت کے لوگوں میں صرف ایشلی کوپر کو بیرن ایشلی بنا کے وزیر مالیہ کی خدمت دی گئی۔ قدیم پریسبی ٹیرین سرگروہ، یعنی منچسٹر اور ہولز کی تعریف و توصیف تو ہوی لیکن کوئی اقتدار نہیں دیا گیا۔ فیر فیکس عقب ہی میں رہ گیا البتہ لوتھ کی لارڈ ڈلامیر کے خطاب سے عزت افزائی ہوئی۔

اعلان بریڈا

بریڈا سے انگلستان آتے وقت چارلس نے اجمالی طور پر جو وعدے کئے تھے ان میں یہ امور قابل ذکر ہیں (۱) ایک قانون عفو سب اشخاص کو جنھیں پارلیمنٹ نے مستثنیٰ نہیں کیا تھا، جان مال اور آزادی معاف ہوگی (۲) ہر شخص کو

مذہبی آزادی حاصل ہوگی بشرطیکہ اس سے ملک کے امن میں خلل نہ پڑے (۳) زرعی املاک کے جملہ دعاوی کا فیصلہ پارلیمنٹ کرے گی۔ اور (۴) منک کی فوج کی ساری بقایا ادا کردی جائے گی۔" علاوہ ازیں ایک اعلان شائع کیا گیا کہ شاہ سابق کے حکام عدالت اپنے تئیں حوالے کردیں ورنہ انھیں لامحالہ عفوے عام سے مستثنیٰ کردیا جائے گا۔" اجتماع کا نام انتخاب مکرر کے بغیر، اب پارلیمنٹ ہوگیا تھا۔ اس میں سب سے پہلے انھی مواعید پر غور ہوا اور اس نے سب سے اول دولت عامہ اور خانہ جنگی کے عہد کے جملہ قصوروں کے

قوانین عفو و نسیان

متعلق ایک قانون عفو و نسیان نافذ کردیا۔ تاہم شاہ کش اور خاص خاص مجرم اس معافی میں شامل نہیں تھے لیکن کروم ویل، آئرٹن بریڈشا اور پرائڈ مرچکے تھے۔ لڈلو بھاگ گیا تھا، ہنری مارٹن نے جدید اعلان کے بعد اپنے آپ کو حوالے کردیا تھا۔ یہی سب سے ممتاز شاہ کش تھے اور گو مرنے والوں سے انتقام لینے کی کوئی صورت نہ تھی، بر ایں ہمہ ان کی قبریں کھود کر لاشیں ٹائی برن میں سُولی پر لٹکا کر دل ٹھنڈا کرلیا گیا۔ مارٹن نے اعلان شاہی کی تعمیل کی تھی اور بقول خود۔ یہ پہلا موقع تھا کہ بادشاہ کا حکم مانا اور امید تھی کہ ایسا کرنے پر سزا نہ پائے گا، چنانچہ اس کی جاں بخشی کردی گئی اور وہ ۱۶۸۰ء میں حالت قید میں بمقام چیپس ٹو کاسل فوت ہوا۔ باقی مجرموں کی تحقیقات کے لئے ایک عدالت خاص مقرر ہوئی جس میں پرس بی ٹری سرگروہ منچسٹر اور ہولز اور منک، مون ٹیگیو اور ایشلی شامل تھے۔ انھوں نے ہیری سن وغیرہ نو اشخاص کو مجرم قرار دیا جن میں کروم ویل کا امام ہیو پیٹرز اور دو فوج رکاب کے سردار، نیز عدالت کا مختار ککگ، بھی تھا۔ ان سب کو پوری وحشت و سفاکی سے ایذا دے دے کر مروایا گیا۔ ہیزل رگ اور لین تھال کو ہمیشہ کے لئے عہدے کا نااہل قرار دیا گیا۔ دولت عامہ کا زمانہ ساز وکیل وہائٹ لاک کسی میرسی کا شکار رہا۔ ملٹن کی دارو گیر میں آنے سے بمشکل جان بچی۔ ایک سال بعد لیمبرٹ اور وین پر غداری کا مقدمہ چلا۔ یہ لوگ شاہ کش نہ تھے اور جو کچھ انھوں نے کیا اس کے جواز میں ہنری ہفتم کا قانون پیش کرتے تھے کہ جو شخص عملاً بادشاہ ہو، اس کے ہاتھوں سے آئندہ محاسبہ نہیں کیا جائے گا۔ عملاً بادشاہ کی تعریف میں وہ ہر سلسلۂ حکومت کو داخل کرتے تھے۔ لیکن حکام عدالت نے ان کے خلاف فیصلہ کیا۔ اور ایک حاکم نے کہا کہ گو ہم وین کی بات کا جواب نہ جانتے ہوں،

باب پنجم

یہ ضرور جانتے ہیں کہ اس کے ساتھ کیا عمل ہونا چاہئے غرض لیمبرٹ کو حبس دوام اور وین کو موت کی سزا ملی ان میں لیمبرٹ خاصا قابل آدمی تھا یہ سچ اسی کا طبع زاد ہے کہ۔

("The best of men are but men at their best")

مگر وہ کچھ گہرا اور خود نمائی سے خالی نہ تھا۔ بخلاف اس کے وین، شوریدہ مزاج سیاسی ہونے کے باوجود، اوصافِ ذاتی کے اعتبار سے اپنے عہد کے بہترین انگریزوں میں شمار ہوتا ہے۔ کہ تمام زندگی اور مرتے دم تک مذہبی رواداری اور جمہوری صفات کے بہترین معیار پر برابر قائم رہا اور اسی لئے جب وہ مرا تو کسی نے بجا طور پر یہ کہا کہ اس شخص کی موت سے بادشاہ کو جو نقصان پہنچا، وہ مدت دراز تک پورا نہ ہو سکے گا۔ بہر حال، اس قسم کے دوسرے انقلابات سے مقابلہ کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ چارلس کی بدولت انگلستان میں عودِ ملوکیت کا دور حیرت انگیز طور پر کشت و خون کے واقعات سے بری رہا۔

ضبط شدہ اراضی اور محاصل

ضبط کی ہوئی اراضی کا معاملہ بہت پیچیدہ ہو گیا تھا۔ شاہ پسندوں کی بہت سی زمینیں فروخت کر دی گئی تھیں اور بہت سی ان لوگوں نے ضبطی کے خوف سے خود بیچ دی تھیں۔ تاہم بڑا حصہ ان کے قبضے میں بحال رہا اگرچہ انھیں بہت بھاری تاوان ادا کرنے پڑتے اور وہ "معاند" کے نام مخصوص کر دئے گئے تھے۔ کوئی ایسا قاعدہ نہ بن سکا کہ جس کا تمام مقدمات پر عمل ہو سکتا لہٰذا ان سے کہہ دیا گیا کہ اپنے اپنے معاملے کے لئے عدالت میں رجوع کریں اور اس کا نتیجہ اُن کے حق میں کچھ بہت مفید نہ ہوا۔ حتیٰ کہ شاہ پسندوں کی اسی کس مپرسی کی بدولت لوگوں نے دل لگی سے کہنا شروع کیا تھا کہ پارلیمنٹ نے قانون عفو بادشاہ کے دشمنوں کے واسطے اور (قانونِ) نسیان خیر خواہوں کے لئے نافذ کیا ہے۔

طویل پارلیمنٹ، قدیم جاگیری ملکیت کو ایک حکم نامے کے ذریعے منسوخ کر چکی تھی۔ اجتماع نے اس حکم نامے کی توثیق کر دی۔ واضح رہے کہ اس زمانے میں ملکیت اراضی کی پانچ قسمیں ہوتی تھیں۔ (۱) جاگیری (۲) عوض خدمات (۳) شاملات (۴) کتابی (=کوپی ہولڈ) (۵) شکمی۔ پہلی قسم کے پٹے میں کاشتکار کو جاگیرداری رسوم ادا کرنے کے علاوہ شادی اور توریث میں بھی جاگیردار یا بادشاہ کا پابند ہونا پڑتا تھا۔ اور گو ۱۶۱۰ء میں اس قسم کی جملہ اراضی کے عوض میں دو لاکھ پونڈ سالانہ لے کر ان حقوق سے ہاتھ اٹھا لیا گیا۔ لیکن اب

اجتماع نے ایک اور قانون منظور کیا کہ آیندہ یہ سب جاگیرداری پٹے "پٹے عوض خدمات" ہو جائیں گے اور اس سے سرکار کو جو نقصان ہوگا وہ کاشتکاروں کی بجائے پورا ملک جدید محصول آبکاری کی صورت میں ادا کرے گا جس کا تخمینہ اُس زمانے میں تین لاکھ پونڈ سالانہ کیا گیا تھا۔ اسی کے ساتھ سربراہی کے حق سے حکومت نے ہاتھ اٹھا لیا۔ لیکن ایک جدید اور مستقل محصول کے مقابلے میں تکلیف سے جو وقتی اور مقامی ہوا کرتی تھی، نجات ملنی، کچھ کافی تلافی نہ تھی۔ دوسرے جاگیرداری زمینداروں نے اس بوجھ کو بھی اپنے کتابی پٹہ داروں کے کندھے پر ڈال دیا جو ابھی تک جاگیرداروں کے پنجے میں بہت کچھ اسی طرح پھنسے ہوئے تھے جیسے پہلے جاگیرداری کسان یا رعایا۔

فوج اس کے بعد پارلیمنٹ فوجی مسائل پر متوجہ ہوی۔ بغاوت کا حفظ ماتقدم کرنے کی غرض سے طویل پارلیمنٹ نے شہر پناہوں اور قلعوں کو تڑوانے کا حکم دیا تھا۔ یہ حکم بحال رکھا گیا اور صرف آکسفرڈ، یارک اور چیسٹر کے باوفا شہروں کو اپنی فصیلیں قائم رکھنے کی اجازت ملی۔ فوج بے قاعدہ اور قلعوں کے متعلق بادشاہ سے جھگڑے نے ہی خانہ جنگی کی نوبت پہنچائی تھی۔ لہذا ان دونوں کو بلاچوں وچرا بادشاہ کے حوالے کر دیا گیا۔ دو باقاعدہ لشکروں اور چند مقامی دستوں کو جن کی مجموعی تعداد پانچ ہزار جوان ہو، رہنے دیا گیا مگر ان میں بھی ایک تو جدید بادشاہی رسالۂ رکاب تھا اور دوسری فوج منک کی "کولڈ اسٹریم گارڈز" تھی اور شاہی توپ خانے کے ساتھ مل کر انھی سے برطانیہ کی فوج باقاعدہ کا ابتدائی خاکہ تیار ہوا۔ سرداروں کو خدمات براہ راست بادشاہ کے حکم سے دی جاتی تھیں اور جوانوں کی بھرتی بلاجبر، خود ان کی مرضی سے ہوتی تھی۔ فوج کی وردی کا رنگ مرد ایک اور دیونز کے فتحمندوں کی وردی کے مطابق قرمزی رکھا گیا تھا کرومویل سابقہ افواج کی اسلحہ کشائی اور نئی فوج کی ترتیب کا کام منک کے سپرد ہوا اور اس نے یہ خدمت بڑے سلیقے سے انجام دی۔ یعنی برطرف شدہ سپاہیوں کے واسطے روزگار کا پورا انتظام کر دیا جو اس بات کی بہترین سبیل تھی کہ ان میں ناراضی پیدا نہ ہونے پائے۔ نیز جو فوج مرتب کی اس کو سیاسی معاملات میں دخل دینے سے اسی قدر متنفر کرنے کی سعی کی جیسا کہ خود وہ بیزار تھا۔

ملکی ترقی میں ایک درجہ ایسا آتا ہے کہ پیشہ ور سپاہیوں کی باقاعدہ فوج رکھنا ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ اول تو کسی متمدن قوم سے یہ امید رکھنی فضول ہے کہ جنگ کے وقت اپنے سب

باب پنجم

کاروبار چھوڑ کر فوجی خدمت قبول کرے گی۔ دوسرے فن جنگ کے ترقی کر جانے سے یہ لازم ہو گیا ہے کہ سپاہی مستقل طور پر اس کی باقاعدہ تربیت حاصل کریں اور اگر وہ کوئی دوسرا پیشہ کرتے ہوں تو اس تربیت کے لیے کافی وقت نہیں مل سکتا۔ اب اگر یہ ضرورت اس وقت پیش آئے جب کہ ملک پوری طرح آئینی آزادی حاصل نہ کر سکا ہو تو بادشاہ کے اختیار میں فوج باقاعدہ کی زمام ہونا، قومی آزادی کے حق میں ایک مدت تک سخت مُضر ثابت ہوئے بغیر نہ رہے گا۔ فرانس میں، انگلستان کی دولت عامہ کے زمانے میں اور اسپین میں یہی ہوا۔ لیکن برطانیہ کے الگ تھلگ واقع ہونے کی وجہ سے اتنا ضرور ہوا کہ جس زمانے سے براعظم میں مستقل فوجیں رکھنے کی ضرورت پڑی، اس کے تقریباً دو صدی بعد تک برطانیہ اس ضرورت سے بچا رہا اور آخر میں جب مستقل فوج رکھی گئی تو اہل انگلستان کی آزادی محفوظ ہو چکی تھی۔ باوجود اس کے، چارلس دوم اور جیمس دوم کے زمانے کی فوج مستقل کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت بھی کیا کیا خطرے تھے۔ بخلاف اس کے مستقل بیڑا رکھنے پر کوئی اعتراض نہ ہو سکتا تھا اور انھی دنوں ڈیوک نے جو فتوحات حاصل کیں، انھیں ہر فرقے کا انگریز قابل فخر و مباہات سمجھتا تھا۔ بیڑے کا انتظام امیر کبیر یارک اور سینڈوچ کے تفویض ہوا اور پیٹ اور پیپس ان کے مددگار تھے۔ پیٹ مشہور و معروف جہاز ساز گزرا ہے اور سیموئیل پیپس نے امارت بحری کے حسابات کی درستی میں جو عرق ریزی کی وہ تو اتنی مشہور نہیں مگر اپنے ظریفانہ روزنامچے کی بدولت خوب شہرت حاصل کی۔ القصہ بیڑے میں کسی تخفیف یا برطرفی کی ضرورت نہ پڑی اور جس طرح من چلے جہاز نیس بی کا نام بدل کر رائل چارلس رکھا گیا، اسی طرح دولت عامہ کے ملاح بے تکلف جدید بادشاہی کی بحریہ میں شامل ہو گئے۔ رہا کلیسا، تو اس بارے میں عہد شاہی کی اجتماعی پارلیمنٹ نے کوئی رد و بدل نہ کیا جس کا سبب غالباً یہ تھا کہ پرس بی ٹری کا اس میں بہت زور تھا اور اصلاح چاہنے والوں کو کسی دوسرے موقع کا انتظار کرنا پڑا۔ دسمبر سنہ ۱۶۶۰ء میں وہ اجتماعی پارلیمنٹ برشکست ہوئی اور سنہ ۶۱ء میں تازہ انتخابات عمل میں آئے۔ سابقہ خیالات سے ملک میں اتنی شدید رجعت پیدا ہوئی تھی کہ نئی پارلیمنٹ میں بہت کم پرس بی ٹری منتخب ہو سکے۔ حتیٰ کہ اس پارلیمنٹ ہی کو "شاہ پسند پارلیمنٹ" کہا جانے لگا تھا۔ یہ لوگ انتقام کا اس قدر جوش رکھتے تھے کہ حکومت بہ مشکل انھیں سابقہ پارلیمنٹ کے قوانین عفو و جان بخشی منظور کرنے کی ترغیب دے سکی۔

باب پنجم

کلیسا کی بحالی

بہر حال، طویل پارلیمنٹ کے جملہ قوانین جنھیں بادشاہ امرا اور عوام کی متفقہ منظوری نہ ملی تھی طاق نسیاں پر رکھ دئیے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلیسائے انگلستان کو پھر وہی حیثیت حاصل ہوگئی جو بیس برس پہلے تھی۔ وہ اسقف جن کے دار الامرا سے خارج کر لینے کی خود چارلس اول منظوری دے چکا تھا، پارلیمنٹ کی رائے سے پھر اپنی رکنیت پر سرفراز ہوئے کلیسا کی ساری املاک واگذاشت کی گئی اور انھی میں ڈرہم کی خانقاہ کی وہ اراضی بھی واپس ہوئیں جنھیں ضبط کر کے کروم ویل نے شمال میں ایک نئی جامعہ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ البتہ یہ مسئلہ طے ہونا باقی رہ گیا کہ آیا سابق کی نسبت اور پروٹسٹنٹ افراد بھی کلیسا میں داخل کر لئے جائیں۔ اور دوسرے یہ کہ جو کیتھولک اور پروٹسٹنٹ، کلیسائے انگلستان کے قواعد وضوابط کی پیروی سے انکار کرتے ہیں، ان کی حیثیت کیا ہو؟ یہ خیال ہو سکتا تھا کہ چارلس جسے پرس بی ٹری فرقے کے شاہ پسندوں سے اتحاد واعانت کی بدولت تخت سلطنت نصیب ہوا تھا، ان کی حمایت اور بہتری کے واسطے کچھ نہ کچھ کرے گا۔ لیکن وہ دل میں پکا کیتھولک تھا اور لوگوں نے اسے یہ بھی کہتے سنا کہ "پرس بی ٹری عقیدہ کسی بھلے آدمی کا مذہب نہیں ہو سکتا۔" غرض اس نے اعتنا نہ کی اسقفی فرقہ پہلے ہی معاند تھا۔ پروٹسٹنٹ غیر مقلدوں کو خود خواہش نہ تھی کہ کوئی فرقہ بندی کی ایسی جامع تجویز عمل میں آئے جس کے باعث اُن کے بہت سے افراد دوسری طرف چلے جائیں اور وہ کمزور ہو جائیں۔ بارہ اسقفوں اور بارہ پرس بی ٹری علما میں سیوائے پیلس میں ایک جلسہ مشاورۃ ضرور ہوا لیکن کسی فریق کو بھی مل جانے کی آرزو نہ تھی، لہذا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ جلسے کے شرکا میں کیلمی اور بیکس ٹر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

پھر سوال پیدا ہوا کہ پادریوں میں سے جو اُس وقت برسر خدمت تھے، کن کو بحال رہنے دیا جائے؟ ان معاش داروں کی چند قسمیں تھیں: (۱) وہ، جو سنہ ۱۶۴۲ء سے پہلے کے تھے۔ (۲) وہ جو سنہ ۱۶۴۲ء کے بعد اسقفیت پسندوں کی جگہ مقرر ہوئے اور وہ برطرف شدہ اسقفیت پسند پادری ابھی تک زندہ تھے (۳) پرس بی ٹری پادری جو اس فرقے کے غلبے کے زمانے میں مقرر ہوئے۔ اور (۴) پرس بی ٹری، آزاد، اصطباغی وغیرہم جنھیں آزاد خیالوں کے دور میں مقرر کیا گیا۔ ان میں سے اکثر اشخاص اوصاف حمیدہ سے متصف تھے، لیکن اسقفوں نے ان کو پادری نہیں بنایا تھا اور نہ وہ کتاب الصلوٰۃ

استعمال کرنے پر آمادہ تھے، لہذا کلیسا انھیں بحال رکھنے کا روادار نہ ہو سکتا تھا کہ غرض "ایک قانون یکسانی" نافذ کیا گیا جس کا منشا یہ تھا کہ معاشدار پادری لازماً اسقفوں کے تسلیم کردہ ہوں۔ وہ شریعت کی پابندی کا حلف اٹھائیں، جس سے کلیسائی قوانین کی پابندی مراد تھی۔ اور یہ کہ صرف کتاب الصلوٰۃ کو استعمال کریں جو اسی سال نظر ثانی کے بعد دوبارہ شائع کر دی گئی تھی۔ علاوہ ازیں ان پادریوں کو سابقہ کلیسائی میثاق اور "اتحاد واثق" سے دست برداری اور یہ اعلان کرنا بھی لازمی قرار پایا کہ آئندہ کسی عذر سے بھی بادشاہ کے خلاف ہتھیار اٹھانا مباح نہ سمجھیں گے۔ پھر جن لوگوں نے یہ شرطیں نہ مانیں وہ اپنی خدمات سے برتھولومیو کے تہوار ۱۶۶۲ء کے دن حکماً برطرف کر دیے گئے اور یہ تاریخ بڑی ذہانت سے انتخاب کی گئی تھی کہ ان پادریوں کو سالانہ عشر وصول کرنے کا موقع نہ ملے جو تھوڑے ہی دن بعد وصول ہوا کرتا تھا۔ اس بارے میں کلیسائی اور غیر مقلدوں کا سخت اختلاف ہے کہ مذکورۂ بالا قانون کے باعث کتنے اور کس قابلیت کے پادریوں کی علیحدگی عمل میں آئی۔ لیکن گمان غالب یہ ہے کہ وہ دو ہزار سے کچھ بہت کم نہ تھے اور بے شبہ ان میں بہت سے اشخاص صاحبِ علم و تقویٰ تھے۔ تاہم کلیسا کی اس کامرانی کے یہ معنی نہ تھے کہ لاڈ کا نظام پوری طرح بحال ہو گیا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کلیسائی عدالتیں، جن پر لاڈ بہت زور دیتا تھا، جدید دور میں کبھی قائم نہ ہوئیں اور اسی زمانے سے اسقفوں نے عموماً ملکی معاملات میں حصہ لینا موقوف کر دیا۔ دوسرے وزرائے شاہی بتدریج پارلیمنٹ کے زیر حکم آ گئے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسقفوں کا تقرر ان لوگوں کے ہاتھ میں آ گیا جو قوم کی کثرت رائے کے مطابق کام کرتے تھے۔ مزید برآں غیر کلیسائی اشخاص کی نگرانی قائم رہی جس سے معاشدار پادریوں کے دنیادار بھائیوں کے ساتھ ربط ضبط میں فرق نہ آیا۔ مختصر یہ کہ اس پُرجوش مگر کج رائے صدر اُسقف (= لاڈ) کے خیالات کا اثر عہد جدید میں اگر کچھ باقی رہا تو وہ صرف ظاہری حُرمت اور مذہبی مراسم کی باقاعدگی میں نظر آتا تھا۔ یہی سنہ ۱۶۶۲ء کلیسا اور اہل اختلاف کے حتمی تفریق کی تاریخ سمجھا جاتا ہے۔

بلدیات

کلیسائی خدمات اور معاشوں کا اہل کلیسا کو واگذاشت کر دینا بے جا اور بلا وجہ نہ تھا لیکن پارلیمنٹ کی دوسری کارروائی کی توجیہ سوائے اس کے کہ وہ خوف زدہ ہو گئی، اور کسی طرح ممکن نہیں۔ شاہ پسندوں کو اس زمانے میں سب سے زیادہ

باب پنجم

جس شئے کا فکر لاحق رہتا تھا، وہ یہ تھی کہ کروم ویل کے سپاہی بلا استثنیٰ غیر مقلد فرقوں کے لوگ تھے۔ اور جس وقت تک ان میں کام کرنے کی قوت اور صلاحیت تھی، اس وقت تک ایسے اشخاص کی ہر جماعت آئندہ بغاوت و سرکشی کا منبع بن سکتی تھی۔ پھر یہ کہ وہ بلدیات جن میں ان لوگوں کی تعداد غالب تھی، نہ صرف اپنے ہم خیالوں کو مبعوث منتخب کر سکتے تھے بلکہ بغاوت کی صورت میں بہت کچھ مقامی مزاحمت اور خلفشار کا باعث ہو سکتے تھے۔ جن پادریوں کو نکالا ملا، ان میں سے اکثر اپنے متبعین کو کسی گھیر یا بڑے کمرے میں جمع کر کے برابر مذہبی وعظ و تلقین کرتے رہے جیسا کہ **دولت عامہ** کے دور میں شاہ پسند پادریوں کا دستور تھا۔ نظر بریں عہد شاہی کی پارلیمنٹ نے اس کا سد باب کرنے کی غرض سے کروم ویل کی تقلید میں **قانون اجتماع (مجریہ ۱۶۶۴ء)** نافذ کیا جس نے گرجا کے سوا اور ہر جگہ نماز و عبادات کے لئے لوگوں کے مجتمع ہونے کو ناجائز قرار دیا۔ پھر ۱۶۶۵ء میں **کروم ویل** کے ایک اور جابرانہ قانون کی تجدید کی (دیکھو صفحہ ۷۰۵) کہ "قانون پنج میل" نافذ کیا جس کی رو سے برطرف شدہ پادریوں کو، تا وقتیکہ وہ حسب قانون یکسانی بادشاہ کی مخالفت نہ کرنے کا حلف نہ اٹھائیں، بلدیات والی بستیوں سے پانچ پانچ میل کے فاصلے تک سکونت اختیار کرنے سے روک دیا۔ نہ اس بات کی اجازت دی کہ وہ سرکاری یا خانگی مدرسے میں تعلیم دے کر اپنی گذر اوقات کی سبیل کر سکیں۔ ان غیر مقلد فرقوں کی (جن میں **پریس بی ٹری آزاد، اصطباغی** اور کوئیکر زیادہ ممتاز تھے) سیاسی قوت زیادہ تر چھوٹے قصبات میں تھی۔ اسی کو توڑنے کی غرض سے ۱۶۶۱ء میں **قانون بلدیات** وضع ہوا جس نے ہر بلدی عہدہ دار پر واجب کر دیا کہ **میثاق** سے تبری کرے اور عشائے ربانی میں کلیسائے انگلستان کی مقررہ رسوم کے مطابق شریک ہو۔ یہ چار قوانین بعض اوقات **مجموعہ ضوابط کلیرنڈن** کہلاتے ہیں۔ وہ جذبات جو انھیں وضع کرنے کے محرک ہوئے، بالکل انھی کے مماثل تھے جن کی وجہ سے پہلے کروم ویل نے شاہ پسندوں کے ساتھ طرح طرح کی سختی روا رکھی اور انھیں دولت عامہ کے مبعوث منتخب کرنے میں رائے دہندگی سے باز رکھا تھا۔ لیکن جمہوریت پسندوں اور شاہ پسندوں کے ان قوانین کا مقابلہ کرنے سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ گو نوعیت دونوں کی یکساں تھی، تاہم مذہبی اختلاف کی بنا پر جور و تعدی کا جوش دھیما پڑتا جاتا تھا اور آزاد خیالوں اور بعد کے اسقفیت پسندوں نے جو جابرانہ احکام نافذ کئے ان کی تہ میں مذہب سے بڑھ کر سیاسی اغراض مضمر تھیں۔

باب پنجم

معاملات خارجہ

۱۶۵۹ء میں فرانس و اسپین کی بروے صلحنامۂ پی رینیز صلح ہوئی تو لوئی چہاردہم شاہ فرانس یورپ میں سب سے طاقتور فرماں روا ہو گیا اور اس کی مزید کشور ستانی کے پُر ہوس منصوبوں نے کمزور سلطنتوں کو بڑے خطرے میں ڈال دیا۔ بایں ہمہ کلیرنڈن بیرونی ممالک میں کرومویل کی اسی ناعاقبت اندیشی کی روش پر چلتا رہا کہ اسپین سے دشمنی اور فرانس سے دوستی قائم رہے۔ اسی حکمت عملی کے مطابق چارلس نے ۱۶۶۲ء میں شاہ پرتگال کی بہن کیتھرائن (برگنزی) سے شادی کر لی کیونکہ پرتگال ۱۵۸۰ء سے متحد رہنے کے بعد ۱۶۴۰ء میں اسپین سے باغی ہو گیا تھا۔ شادی میں چارلس کو ۳½ لاکھ پونڈ کا مال اور زر نقد، جزیرۂ بمبئی، اور شمالی افریقہ کے ساحل پر طنجہ جہیز میں ملا۔ طنجہ کی خاص اہمیت یہ تھی کہ بحر روم یا قادس کی بندرگاہ میں جانے والے جہازوں کی وہاں سے بخوبی نگرانی ہو سکتی تھی۔ اور جزیرۂ بمبئی کے ہاتھ آنے سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان کے مغربی ساحل پر ایک نوآبادی کا مقام مل گیا جہاں رہ کر تجارت کو خوب ترقی دی جا سکتی تھی۔ اور چارلس بھی اپنے خاندان کے دوسرے بادشاہوں کی مثل توسیع تجارت کا بہت دلدادہ تھا۔ ۱۶۶۲ء کے اخیر میں کلیرنڈن نے ڈنکرک کو فرانسیسیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا حالانکہ یہ بات کرومویل کی منشا سے کوئی مناسبت نہ رکھتی تھی جو فرانس کی دراز دستی روکنے میں اس بندرگاہ کی قدر و قیمت بخوبی جانتا تھا۔ دوسرے اسے چھوڑنا ہی تھا تو بہتر ہوتا کہ اسپین والوں کو واپس دے دیا جاتا۔ لوئی چہاردہم نے اس کی قیمت صرف ۲½ لاکھ پونڈ کے قریب ادا کی اور یہ فروخت انگلستان میں اتنی نامقبول تھی کہ انھی دنوں کلیرنڈن ایک نیا مکان تعمیر کرا رہا تھا یاروں نے اس کا نام ہی "ڈنکرک منزل" رکھ دیا۔

بادشاہ کی خانگی زندگی

ملکہ کیتھرائن بہت خوش مزاج اور نیک دل بیوی ثابت ہوئی اور چارلس کو اس سے اچھی زوجہ نہ مل سکتی تھی مگر بادشاہ کی شرمناک بد اخلاقی اُسے ملکہ کے محاسن دیکھنے ہی نہ دیتی تھی۔ وہ سب سے بڑھ کر باربرا پامر کا مفتون تھا جسے آخر میں کلیولینڈ کی شہزادی کا خطاب عنایت کیا اور جس سے اس کے متعدد بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ جلاوطنی کے زمانے میں وہ لوسی والٹرز کے عشق میں اسیر تھا اور مشہور ہے کہ اس عورت سے امیر کیبر مونمتھ اسی کا ناجائز فرزند تھا۔ پھر کچھ مدت بعد وہ نیل گوین اور لوئیز دی کیروال کے حسن کا دیوانہ رہا۔ انھی عشق بازیوں نے ملکہ کی

باب پنجم

پرستش نہ ہوئی اور چونکہ نہ اس کے اولاد تھی نہ وہ انگلستان کے معاملات میں دلچسپی لیتی تھی لہٰذا وہ عوام کے گوشۂ خاطر سے بالکل محو ہو گئی۔ بادشاہ کا بیوی سے یہ برتاؤ دیکھ کر تمام سنجیدہ اشخاص سخت شرماتے تھے اور انھیں سخت صدمہ اس لیے ہوتا تھا کہ کرامویل کے عہد کے زہد خشک سے جو قدرتی رجعت پیدا ہوئی، اس عیش و ہوس رانی کی دوڑ میں خود بادشاہ سب کے آگے آگے تھا۔ ۱۶۶۰ء میں شہزادہ یارک کی کلیرنڈن کی بیٹی این ہائڈ سے شادی اور دو بیٹیاں میری اور این پیدا ہوئیں۔ چارلس اول کا ایک اور بیٹا شہزادہ گلوسٹر تھا مگر وہ عہد ملوکیت کے بعد ہی کنوارا فوت ہو گیا۔

ولندیزی محاربات

۱۶۶۴ء میں ولندیزوں سے جنگ چھڑ گئی۔ اس کا بڑا سبب وہی تجارتی اور استعماری رقابت تھی جس نے سابقہ جنگ کی نوبت پہنچائی۔ مزید سبب یہ پیدا ہوا کہ ولندیزی بلدی عمائد خاندان اورینج کو حکومت نہیں کرنے دیتے تھے اور خاندان کا سرگروہ، شہزادہ ولیم، چارلس کا بھتیجا تھا۔ ہولینڈ کی اندرونی سیاسیات بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں کہ خاندان اورینج کے ہوا خواہ تو انگلستان کا آسرا تکتے تھے اور بلدی عمائد کا گروہ فرانس کا دوستدار تھا۔ یہ باہمی مخاصمت اتنی سخت تھی کہ وان ٹرومپ کو اس کے بعض ناخداؤں کی تائید محض اس لیے حاصل نہ ہوئی کہ وہ خاندان اورینج کا طرفدار تھا۔ اسی طرح امیر البحر ڈی وٹ اور روئی ٹر جو فریق عمائد میں مقبول تھے ٹرومپ کے حامی جہازیوں کی نظر میں جگہ نہ پا سکے۔ بہرحال جنگ انگلستان کے سواحل اور نوآبادیوں میں جاری رہی۔ اول اول غلبہ انگریزوں کو رہا اور سر روبرٹ ہومز نے نیو ایمسٹرڈیم کی نوآبادی (جو ورجینیا اور نیو انگلینڈ کی ریاستوں کے درمیان تھی) چھین لی اور اس میں انگریز بس گئے۔ اس کے صدر مقام کا نام بادشاہ کے بھائی اور صدر امیر البحر کے اعزاز میں نیویارک رکھ دیا گیا۔

۱۶۶۵ء میں شہزادۂ یارک، شہزادہ روپرٹ اور امیر سینڈوچ نے سفک کے ساحل پر لوئس ٹوفٹ کے سامنے بڑی فتح پائی۔ ولندیزوں کا خاص مقصد یہ تھا کہ انگلستان کے ساحل سے جہاں تک ممکن ہو قریب رہ کر لڑیں کیونکہ ان کے جہاز انگریزی جہازوں کی نسبت سریع الحرکت تھے اور سواحل انگلستان کے قریب جابجا ریگ کے ٹیلے واقع ہیں، اُن سے بہت مدد لے سکتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اس بات سے فائدہ اٹھایا لیکن انگریز جہازیوں نے نقل و حرکت میں بڑی ہنرمندی دکھائی اور ایسے موقع سے پہنچ گئے کہ ہوا اُن کے رخ پر آ گئی اور پھر قطار باندھ کر حملہ آور ہوئے جس سے انھیں کامل فتح نصیب ہوئی۔ ولندیزی بحری سالار اوپ ڈم اور اس کے سارے جہازی اُڑا دیے گئے۔ انگریزوں کا بھی ایک بہترین بحری سردار، لاسن کام آیا۔

باب پنجم

یہ یارک شائر کا باشندہ اور چھوٹی سی ساحلی کشتی کی سرداری سے بڑھتے بڑھتے امارت بحر کے درجے تک پہنچا تھا۔ دوسرے سال سینڈوچ نے برگن میں ایک اور فتح حاصل کی اور ولندیزوں کے معالجہ لانے والے بیڑے کا ایک جزو بھی چھین لیا۔ ولندیزوں کی ہزیمت اتنی سخت تھی کہ فرانسیسی اُن کی مدد کو آئے۔ لوئی کا اخلاقی فرض تھا کہ اپنے اتحادیوں کی اعانت کرے لیکن چونکہ دو بڑی بحری طاقتوں کے آپس میں لڑ کر ایک دوسرے کو تباہ کرنے سے اس کا کچھ نہ بگڑتا تھا لہٰذا اس کے بیڑے نے جنگ میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیا یا بہت کم لیا۔ برگن کے واقعے کے بیڑے کے حکام بدل دئے گئے۔ شہزادہ یارک کو تو اس حیلے سے کہ اس کی قیمتی جان جوکھوں میں نہ پڑے، وطن میں روک لیا گیا اور سینڈوچ پر روپیہ خورد برد کرنے کا الزام تھا، وہ سفیر بنا کے اسپین بھیج دیا گیا۔ ان کی جگہ روپرٹ اور منک مقرر ہوئے۔ اور جون میں منک نے بیجا جوش دلاوری سے بالکل ناکافی جمعیت کے ساتھ ولندیزوں پر حملہ کیا۔ اس کی نسبت کہا گیا ہے کہ "بزدل سے ایسی نفرت رکھتا تھا جیسی مینڈک سے"۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن نے اسے بُری طرح رگیدا اور اگر روپرٹ بروقت نہ پہنچ جاتا تو سخت مصیبت پیش آتی۔ بایں ہمہ جولائی میں وہ پھر سمندر میں نکلے اور اس بار ان کی کوششوں کا ثمر کامل فتح کی صورت میں ملا اور کم سے کم ڈیڑھ سو تجارتی جہاز ولندیزی ساحل پر انھوں نے جلا دئے۔

اب لوئی نے اپنے اثر سے ولندیزوں کو نامہ و پیام پر آمادہ کیا۔ خرچ کا انتظام کرتے کرتے چارلس کے حواس بگڑے جاتے تھے۔ لڑائی کے ظاہراً رُک جانے سے اسے بھی موقع ملا کہ اپنا بیڑا چے تھم میں ٹھیروا دے۔ حفاظت کی غرض سے اس نے دُمدمے بنوانے اور میڈوے کے راستے کو شہتیروں کی باڑ سے بند کرانے کا حکم دیا۔ لیکن یہ انتظام ابھی ہونے نہ پایا تھا کہ امیر البحر روئی ٹر ایک زبردست بیڑا لے کر ٹیمز میں آگھسا اور منک کو مارا مار بھیجا گیا کہ چے تھم کی مدافعت کرے۔ وہ پہنچا تو ہر طرف ابتری نظر آئی۔ کاریگروں کو اُجرت نہ ملی تھی اور وہ کام کرنا نہ چاہتے تھے۔ گودی کے اہلکاروں کو انگلستان کی عزت بچانے کی بجائے اپنی ذاتی اغراض کی پڑی تھی۔ غرض اس کی ساری کوشش و کاوش کے باوجود باڑ توڑ دی گئی اور ولندیزی بیڑے نے میڈوے میں گھس کر اس کی آنکھوں کے سامنے سارے جہازوں کو ان کی گودیوں میں جلا دیا اور رائل چارلس کو بطور غنیمت لے گئے۔ منک کو سخت صدمہ ہوا۔ غنیمت یہ ہے کہ پانی اُترتا دیکھ کر ولندیز پیچھے ہٹ گئے اور منک نے بروقت توپ خانے تیار کر لئے کہ وہ دوبارہ دریا کے اندر نہ آسکیں۔ بہر حال اس واقعے سے ملک بھر

باب پنجم

سخت انفعال ہوا اور ہر چند عزت کے ساتھ صلح کی شرطیں طے ہو گئیں لیکن پارلیمنٹ نے اپنا سارا غصہ کلے رنڈن پر اتارا کہ وہی انھیں اچھا ہدف نظر آتا تھا۔

چے تھم کے شرمناک واقعے کے علاوہ، اور اعتبار سے بھی کلے رنڈن سے قسمت نے یاوری نہ کی۔ ۱۶۶۵ء میں طاعونِ عظیم کا دورہ ہوا۔ ازمنۂ وسطی کے یورپی شہروں کی گندی گلیوں اور تنگ کوچوں کو جن خوفناک وباؤں سے وقتاً فوقتاً سابقہ پڑتا رہتا تھا، ان میں سب سے آخری وبا تھی ۱۶۶۴-۶۵ء کی سردیوں میں شروع ہوئی اور جون ۱۶۶۵ء میں انتہائی شدت کو پہنچی۔ اکتوبر تک اس کی شدت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ پھر گھٹنی شروع ہوئی لیکن دوسرے سال دیہات میں تباہی

طاعون اور آگ

پھیلاتی رہی اور ایک مدت کے بعد پوری طرح دفع ہوئی۔ اس تمام زمانے میں عجب طرح کی ابتری رہی کہ سب کاروبار بند ہو گئے۔ منک شہر لندن کا قلعہ دار مقرر کیا گیا تھا اور صرف اس کی استقامت اور امیر بلد اور خوشحال شہریوں کی خیر خیرات کا طفیل تھا کہ شہر میں قتل و غارت گری کی نوبت نہ آنے پائی۔ طاعون سے فقط لندن میں کم از کم ایک لاکھ بیس ہزار آدمی ہلاک ہوئے۔

اس بلا سے نجات ملے ایک ہی سال گزرا تھا کہ شہر کا بڑا حصہ آگ سے جل کے خاک ہو گیا۔ یہ خوفناک دو آتش کبیر" ۲ ستمبر کو رات کے دو بجے لگی۔ آندھی کے طوفان سے اس کے شعلے آناً فاناً دُور دُور تک پھیل گئے اور تین روز تک پوری شدت کے ساتھ بھڑکتے رہے۔ اسی مدت میں تیرہ ہزار دو سو مکان اور ۸۹ گرجا جل گئے جن میں سینٹ پال کی شاندار غوطی وضع کی عمارت بھی شامل ہے۔ اور دو لاکھ اشخاص بکھرے ہو گئے۔ یہ آگ محض اتفاق سے ایک نان بائی کے گھر سے شروع ہوئی تھی لیکن لوگوں کو کیتھولک فرقے سے اتنی سخت بدگمانی تھی کہ اس کا بانی مبانی انھی کو قرار دیا اور آگ کی جو یادگار بنائی گئی اس کے کتبے میں بھی ان پر یہ تہمت کندہ کرا دی تھی اور ایک زمانے تک وہ کتبہ لگا رہا۔ بارے اس آگ نے طاعون کا رہا سہا اثر صاف کر دیا لیکن از سرِ نو مکانات بنانے میں کسی بہتر ترتیب یا نقشے کا لحاظ نہیں رکھا گیا اور وہ انھی پرانے مکانات کی جگہ تعمیر ہونے چلے گئے۔ البتہ سینٹ پال اور گرجوں کے از سر نو بنانے میں سر کرسٹوفر این کو جو اس زمانے کا مشہور معمار تھا، اصلاح کا موقع ملا اور اُس کے نقشے ان دنوں جو تعمیری وضع مروج تھی، اس کی بہترین مثال پیش کرتے ہیں۔

کلے رنڈن کا عزل

اگرچہ چے تھم کی شکست و ذلت کا کلے رنڈن براہ راست ذمہ دار نہ تھا اور نہ، ظاہر ہے کہ طاعون اور آگ کا اس پر کوئی الزام تھا، بایں ہمہ ان حادثات سے اس کی

باب پنجم

وزارت اور بھی زیادہ نامقبول ہوگئی دوسرے اسے بادشاہ کی عیاشانہ زندگی ناپسند تھی لہذا بادشاہ بھی اس سے خوش نہ تھا چنانچہ اس کے خلاف شور مچا تو وہ فوراً اپنے عہدے سے برطرف اور سپرد عدالت کردیا گیا مگر مقدمہ شروع ہونے سے قبل ہی وہ براعظم میں چلا آیا اور زندگی کے باقی دن وہیں "تاریخ بغاوت کبیر" کی تکمیل میں صرف کئے جس کی ابتدا پہلی جلاوطنی کے زمانے میں کی تھی۔ اور ۱۶۷۴ء میں وفات پائی۔ منک (امیر کبیر ایلبیمے مارل) ۱۶۷۰ء میں فوت ہوا جب سے چارلس واپس آیا، امن و جنگ دونوں میں نازک مواقع پر جہاں سلیقہ، ہمت، فرض شناسی کی ضرورت ہوتی۔ وہاں بادشاہ کی سب سے اچھی خدمت منک ہی انجام دیتا تھا۔ اور ان دونوں وفادار ملازموں کے رخصت ہوجانے کے بعد ہی سرکاری عہدہ داروں کی ایک نئی جماعت میدان میں آئی۔

اسکاٹ لینڈ

کلیرنڈن وزارت میں اسکاٹ لینڈ اور آئرستان میں بعض اہم واقعات رونما ہوئے۔ چارلس نے جنگ، ورسٹر کے بعد سے اسکاٹ لینڈ میں جو کچھ ہوا تھا اس سب کو خلاف قانون قرار دیا۔ انگلستان سے اس ملک کا اتحاد کالعدم قرار پایا اور اسکاٹ لینڈ میں بادشاہ کی طرف سے امیر مڈل ٹن حاکم اور امیر لاڈرڈیل معتمد شاہی مقرر ہوئے ان کے زیر اثر پارلیمنٹ کے انتخابات ہوئے جن میں سراسر شاہ پسند بھرے تھے۔ اس جماعت نے اعلان کیا کہ وہ جملہ اشخاص اور معاملات میں بادشاہ سب سے مافوق ہے" پھر ایک "قانون انقراضی" کے ذریعے ۱۶۳۳ء کے بعد کے جملہ قوانین منسوخ کردئے گئے جس سے جیمس اول کے کلیسائی قوانین اور قدیم جاگیرداری حقوق و امتیازات سب بحال ہوگئے۔ شاہ پسندوں کو خوش کرنے کی غرض سے آرجائل پر بظاہر تو ۱۶۵۱ء کے بعد کی غداریوں کی بنا پر، لیکن دراصل مونٹ روز کی موت کا بدلہ لینے کے لئے مقدمہ چلا اور موت کی سزا دی گئی۔ پریس بی ٹری فرقے کو خوفزدہ کرنے کے واسطے ان کے سب سے سرگرم اور صاف گو، پادری گتھری سے بھی یہی سلوک ہوا اور قومی میثاق مرتب کرنے والے جانسٹن (آف وارس ٹن) کی جان محض اس لئے بچی کہ بروقت فرار ہوگیا۔ اس فرقے کے لوگ تو اعلان بریڈا ہی کے خلاف احتجاج کررہے تھے جس میں قبول توبہ کو جائز قرار دیا گیا تھا۔ لیکن چارلس کو پارلیمنٹ نے اجازت دے دی تھی کہ کلیسائی انتظامات کا شریعت، سلطنت اور امن کی مصالح پیش نظر رکھ کر جس طرح مناسب جانے تصفیہ کردے۔ اور اس نے اسقفیت کے موافق فیصلہ کیا۔ میثاق کو جلاد کے ہاتھ سے آگ میں جلوایا اور فرقۂ مذکور سے منحرف ہوجانے والے پادری شارپ کو سینٹ اینڈروز کا صدر اسقف نامزد کیا جس سے پریس بی ٹری لوگوں میں کھلبلی پڑگئی۔ ان کے پادریوں کو سوائے اس کے چارہ نہ رہا کہ یا اپنی معاشیں چھوڑدیں اور یا ایسی کلیسائی حکومت کے سامنے سر جھکائیں جس سے انھیں قلبی نفرت تھی۔ آخر

یہی ہوا کہ ان کے تین چار سو علما نے معاشیں چھوڑ دیں اور اپنی جماعتوں کو پہاڑیوں کے دامن میں جمع کر کر کے وعظ و تلقین کرنے لگے اور اس طرح آئندہ جور و تعدی کے دور میں اہل میثاق کے جذبۂ دین و استقامت کو قائم رکھا۔ مگر اسکاٹ لینڈ کے باشندوں کو اپنی پسندیدہ مذہبی طرز حکومت سے محروم ہونے کے باوجود اتنا اطمینان ضرور ہوا کہ ملکی آزادی بحال ہو گئی، انگریزی چھاؤنیاں اٹھ گئیں، منک کے تعمیر کردہ قلعے منہدم ہوئے اور خود ان کی اپنی ملکی مجلس یا پارلیمنٹ دوبارہ قائم ہوئی۔ البتہ اب وہ قوانین جہازرانی کے فوائد سے متمتع نہ ہو سکتے تھے اور تجارتی معاملات میں انگلستان اُن سے بعینہٖ غیر اقوام کا سا برتاؤ کرنے لگا۔

آئرستان

آئرستان میں بھی اسکاٹ لینڈ کی مثل ملکی اتحاد غیر قانونی اور کالعدم قرار پایا۔ نظر برایں قدیم آئرستانی مجلس بھی دوبارہ وجود میں لائی گئی اور کلیسا کے وہی پروٹسٹنٹ اسقفی انتظامات بحال ہوئے۔ اور منڈ نائب شاہ بنا کے بھیجا گیا اور اس نے زمینداری مسائل پر توجہ کی۔ سنہ ۱۶۴۱ء سے قبل آئرستان کی نصف کے قریب قابل کاشت اراضی پروٹسٹنٹوں کے اور باقی کیتھولک اور قدیم باشندوں کے پاس تھی۔ اس نصف کو بھی بغاوت کے بعد چھین کر آفاقیوں اور کرومویل کے سپاہیوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ آئرستانی اور شاہ پسند جنھیں وفاداری کی بدولت نقصان اٹھانا پڑا، اب وہ ان اراضی کی واگذاشت کے مدعی تھے لیکن فوجیوں کو بگاڑنا قرین مصلحت نہ تھا اور آفاقیوں کو خود چارلس اول کی ضمانت حاصل تھی۔ غرض ہر فریق کے دعاوی سن کر فیصلہ کیا کہ آفاقیوں کا قبضہ بحال رہے اور وفادار کیتھولک اور شاہ پسند گروہ والوں کو وہ ضبط شدہ اراضی دے کر مطمئن کیا جائے جو اس وقت تک تقسیم نہ ہوئی تھیں۔ مگر آخر میں ثابت ہوا کہ منک اور شہزادہ یارک سے جتنی جاگیر دینے کا وعدہ کیا گیا تھا، اس کے بعد اتنی اراضی نہیں بچتیں کہ ان دعوے داروں کی بھی پوری پڑے جن کی بے گناہی مسلم تھی۔ پس ایک دوقانونی صراحت نافذ ہوا کہ افاقی اور کرومویلی بطریق تلافی ایک تہائی اراضی واپس دیں۔ اور اسی بنیاد پر زمین کا قضیہ بظاہر کچھ مدت کے لئے طے ہو گیا۔ اتحاد کے شکست ہونے سے آئرستان قوانین جہازرانی کے فوائد سے محروم ہو گیا اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ انگلستان کی پارلیمنٹ نے انگریز کاشتکاروں اور کارخانہ داروں کی آئین کی غرض سے دیدہ و دانستہ وہ روش اختیار کی جس کا منشا آئرستان کو مفلس کر دینا تھا اور جو سنہ ۱۸۰۰ء کے قانونی اتحاد ہونے تک برابر جاری رہی۔ سنہ ۱۶۶۵ء میں اہل آئرستان کو انگلستان میں مواشی، گوشت اور مکھن تک بطور برآمد کے بھیجنے سے روک دیا گیا تھا، چنانچہ وہ ملک جسے قدرت نے چراگاہوں کے لئے بنایا تھا وہاں کے لوگوں نے مجبور ہو کر کاشت کاری کا پیشہ اختیار کیا۔

وزارت ”کیبال“ کلیرنڈن کے عزل کے بعد پانچ اشخاص کو بادشاہ نے معتمد علیہ بنایا۔ ان کے نام، کلفرڈ، آرلنگٹن، بکنگھم، ایشلی اور لاڈرڈیل تھے اور ان کے ناموں کے پہلے حرف سے لفظ ”کیبال“ بنتا ہے جسے غلطی سے اس لفظ کی وجہ تسمیہ سمجھ لیا گیا۔ حالانکہ اس کی اصل ایک عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ٹکڑی یا جماعت کے ہیں انگلستان کی آئینی تاریخ میں یہ ”وزارت“ خاص طور پر قابل مطالعہ ہے کیونکہ یہ الزبیتھ اور چارلس اول کے طرز اور جدید اصولِ وزارت کے درمیان کی کڑی ہے۔ عہد ماسبق میں ہر وزیر اپنے محکمے کا صرف بادشاہ کے سامنے منفرداً جواب دہ ہوتا تھا اور زمانۂ حاضرہ کا طریقہ جس کی ابتدا ولیم ثالث کے وقت سے ہوئی، یہ ہے کہ مجلس وزرا کے جملہ افراد منفردہ اور مشترکہ طور پر تمام نظم ونسق کے جواب دہ ہوتے ہیں۔ مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھئے تو وزارت کیبال میں ایسے عقائد کے وکیل بھی تھے، جو کلیسائے انگلستان کے دائرے میں شامل نہ تھے۔ کلفرڈ جو آگے چل کے چڈلی کا بیرن بنایا گیا، علانیہ اور ہنبری بینٹ یا امیر آرلنگٹن دل میں پختہ رومن کیتھولک تھے۔ ایشلی، خوشی خوشی طویل پارلیمنٹ اور کرومول کے کلیسائی نظامات میں شریک ہوگیا تھا۔ بکنگھم البتہ اگر کچھ تھا تو کلیسائی تھا مگر لاڈرڈیل، میثاق اور اتحاد واثق (سولیم لیگ) کی شرائط کے نفرمن [illegible] رہا تھا اور سنہ ۱۶۴۸ء میں خود میثاقی ہوگیا تھا۔ پانچوں میں سب سے بڑھ کر زور واثر یہی تھا۔ بکنگھم وسیع قابلیت رکھتا تھا، ایشلی سب سے زیادہ لائق اور باقی دو سخت متعصب تھے۔ بہر حال جس طرح آئینی تاریخ میں کیبال، زمانۂ حاضرہ کی مجلس وزارت کا تخم تھی، اسی طرح مذہبی معاملات میں بھی وہ رواداری کا پیش خیمہ نظر آتی ہے۔

اتحادِ ثلاثہ کلیرنڈن کے عزل کا پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی خارجی حکمت عملی بدل دی گئی اور ہالینڈ، سویڈن اور انگلستان میں اتحاد ثلاثہ کے لئے نامہ وپیام شروع ہوے۔ یہ انگلستان کے ہیگ کے سفیر، سر ولیم ٹمپل کی تحریک تھی جو اُس زمانے کے سب سے تعلیم یافتہ اور دُور بین افراد میں شمار ہوتا ہے۔ اُسے لوئی چہاردہم کے روز افزوں اقتدار کے خطرناک پہلو بہت پہلے نظر آگئے تھے اور وہ از ابتدا تا آخر ولیم (اورنج) کا دوست اور رازدار مشیر رہا۔ سنہ ۱۶۷ء میں ولیم کی عمر صرف سترہ سال کی تھی اور ہالینڈ میں اسے کوئی آئینی مرتبہ بھی حاصل نہ ہوا تھا تاہم وہ شروع سے اپنے خاندان کی قابلیت کا سچا وارث تھا، مگر اتحاد ثلاثہ قائم کرنے میں وزارت کیبال کا کچھ بہت حصہ نہیں ہے۔

اس وزارت نے تو شروع میں اگر کچھ کیا تو یہ کہ ایک قانون اشتمال کا مسودہ پارلیمنٹ میں پیش کیا جس کا منشا یہ تھا کہ بعض پریسبی ٹری گروہ کلیساے انگلستان کے اندر داخل کر لئے جائیں اور غیر مقلدوں کے ساتھ بھی رواداری کی جائے۔ ایشلی نے پہلے بھی یکسانی اور بلدیات کے قوانین کی سخت مخالفت کی تھی لیکن اس وقت کی پارلیمنٹ کا مزاج پروٹسٹنٹ ہوں، یا غیر مقلد کیتھولک کسی کے ساتھ رعایت کرنے کے ذرا بھی موافق نہ تھا۔ لہٰذا یہ کوشش نہ چلی بلکہ سنہ ۱۶۷۰ء میں سنہ ۶۴ء کے میثاقی قانون کی تجدید اور اس میں اور بھی شدت کر دی گئی۔

کیتھولک فرقہ

غالباً چارلس کا مذکورہ مسودہ پیش کرنے کی اجازت دینے میں اصلی منشا یہ تھا کہ آئندہ کیتھولکوں کے ساتھ رواداری کا راستہ صاف ہو جائے۔ بادشاہی کی بحالی سے قبل وہ خفیہ طور پر کیتھولک کلیسا میں شامل ہو چکا تھا اور سنہ ۱۶۶۲ء میں اس نے سر رچرڈ بلنگز کو وکیل بنا کے پاپا کے پاس بھیجا بھی تھا کہ انگلستان میں پاپائی اقتدار کی بحالی کے متعلق گفتگو کرے۔ جنوری سنہ ۱۶۶۹ء میں بادشاہ، شہزادہ یارک، لارڈ ایرنڈیل، کلی فرڈ، اور آرلنگٹن نے خفیہ مشاورہ کی کہ اس بارے میں کیا کیا جائے اور اس میں یہ فیصلہ ہوا کہ لوئی چہار دہم سے فوجی مدد کی درخواست کی جائے۔ خفیہ عہد نامہ ڈوور کی

ڈوور کے معاہدے

ابتداہی قرار داد تھی۔ عہد نامے کی شرطیں چارلس کی بہن ہنریٹا (بیگم اورلیوں) نے طے کیں اور اس پر آرلنگٹن، ایرنڈیل، کلی فرڈ اور بلنگز نے انگلستان کی طرف سے اور کولبیر نے فرانس کی جانب سے دستخط ثبت کئے۔ اس کی خاص خاص دفعات یہ تھیں: (۱) چارلس اپنے کیتھولک ہونے کا اعلان کرے اور لوئی اسے ایک لاکھ پونڈ اور فرانس کے خرچ سے ۶ ہزار سپاہ کی مدد دے۔ (۲) چارلس اور لوئی مل کر ہالینڈ پر فوج کشی کریں اور غنیمت میں (حالانکہ ملک ابھی فتح ہونے کی نوبت نہ آئی تھی) جزائر وال شرن کیڈسینڈ اور بندرگاہ سلوئیس، چارلس کو دیا جائے۔ بادشاہ کو فرانس کے پوری طرح زیر اثر رکھنے کی غرض سے یہ انتظام بھی کیا گیا تھا کہ بریٹانی کی ایک حسین عورت لوئیز دی کیروآل آرلنگٹن کے مکان میں چارلس سے ملائی جائے۔ اور اس نے تھوڑے ہی دن میں چارلس کو اتنا مسخر کر لیا کہ پورٹس متھ کی رئیسہ بنادی گئی۔ اور دربار فرانس سے نامہ و پیام میں سب سے بڑا واسطہ وہی بن گئی۔ یہ عہد نامہ تو خفیہ تھا لیکن بکنگھم کو ولندیزوں کے خلاف پیمان اتحاد کرنے کی دھن ہو گئی تھی لہٰذا اسے اجازت مل گئی کہ وہ ایک دوسرے علانیہ معاہدے کی گفت وشنید

باب پنجم

کرے جس میں صرف پہلا جزو جو ولندیزوں کے متعلق تھا، رہنے دیا گیا اور اس پر وزرائے کیبال اور کول بیر نے دستخط کئے۔ لیکن پہلے معاہدے کی خود بکنگھم اور لارڈ ڈیل اور ایشلی اور اکثر معاصرین کو کچھ خبر نہ تھی تاہم اتحاد ثلاثہ سے اس طرح منحرف ہونا ہی کچھ کم نازیبا نہ تھا اور اسی لئے وزرائے کیبال اور عہد نامہ ڈوور مطعون ہوئے کہ انھوں نے وہ اتحاد چھوڑ کر انگلستان کو "ایک بیرونی طوق" کے لئے تیار کیا، چارلس خوب جانتا تھا کہ یہ حکمت عملی پارلیمنٹ میں مقبول نہ ہوگی لہذا پارلیمنٹ سے بیڑے کے لئے آٹھ لاکھ پونڈ کی منظوری ملتے ہی، اسے برخاست کر دیا حالانکہ منظوری کے وقت پارلیمنٹ اس خیال میں تھی کہ جنگ کا اعلان فرانس کے خلاف ہونے والا ہے۔

التوائے خزانہ

اس اثنا میں بادشاہ نے اپنے مداخل میں اضافہ کرنے کی غرض سے اس طریقے سے بھی کام لیا جسے "التوائے خزانہ" کہتے تھے۔ اس زمانے میں معمول تھا کہ حکومت مالگزاری وصول ہونے سے قبل، وصولی کی امید پر زرگروں سے روپیہ قرض لے لیتی تھی۔ زرگر ساہوکاروں کی خدمت انجام دیتے تھے اور حکومت جو بارہ فی صدی سود دیتی اس میں سے سات فی صدی خالص اُن کا اور باقی پانچ فی صدی روپیہ جمع کرانے والوں کا حصہ ہوتا تھا۔ زیر نظر زمانے میں یہ قرضہ ۱۳ لاکھ پونڈ تھا۔ ۱۲ جنوری ۱۶۷۲ء کو چارلس نے ایک فرمان نافذ کیا کہ سال بھر تک خزانے سے کوئی مطالبہ، رقم ضمانت یا سود کی رقم ادا نہ کی جائے۔ وزیر مالیہ ایشلی نے (جو انھی دنوں امیر شافٹسبری بنایا گیا تھا) بادشاہ کو روکا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر کلی فرڈ اور لارڈ ڈیل اس احمقانہ کارروائی کے محرک تھے جس سے ملک میں سخت پریشانی پھیل گئی۔ اور بادشاہ کو چار ہی دن میں اس حد تک ترمیم کرنی پڑی کہ زرگروں کو ۶ فی صدی رقم ادا کرنے کی اجازت دے دی جس میں اصل سرمایہ داروں کا حصہ صرف ایک فی صدی تھا۔ بایں ہمہ دوالیہ پن کے اس شرمناک فعل سے حکومت کی ساکھ کو جو نقصان پہنچا، وہ ذرا سے وقتی فائدے سے کہیں بڑھ کر تھا۔

قانون رواداری

اپنے کیتھولک ہونے کا اعلان کرنے کی غرض سے چارلس نے ایک اور کارروائی یہ کی کہ اپنے بھائی جیمس کو اس مذہب میں داخل کرا دیا تاکہ لوگوں کے خیالات کا اندازہ کر سکے۔ پھر اسی سلسلے میں ایک قانون رواداری

باب پنجم

نافذ کیا (مارچ ۱۶۷۲ء) جس کی رُو سے کیتھولک، اور پروٹسٹنٹ غیر مقلدوں پر جو بعض سیاسی یا مذہبی ناقابلیتیں عائد کر دی گئی تھیں، وہ دور کر دی گئیں۔ مگر بادشاہ کی یہ کارروائی آئین کے خلاف بھی اور نہایت نامقبول ہوئی جیمس اول کے زمانے میں کیتھولک فرقے سے لوگوں میں جیسی دشمنی اور بدظنی تھی، وہ سب چارلس کی اس کارروائی سے تازہ ہو گئی اور اُدھر پروٹسٹنٹوں کو اُلٹا اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر بادشاہ اپنے اختیار سے ایسی کارروائی کر سکتا ہے، تو وہ بغیر پارلیمنٹ کی رائے کے جب چاہے گا یہ حقوق سلب بھی کر لے گا۔ لیکن جب تک پارلیمنٹ کا اجلاس نہ ہو، قوم کی ناخوشی ظاہر کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔

ولندیزوں سے دوسری جنگ

مذکورۂ بالا قانون نافذ کرنے کے چند ہی روز بعد بادشاہ کو ولندیزوں سے جنگ چھیڑنے کا ایک عمدہ موقع مل گیا۔ ولندیزی تجارتی جہازوں کا ایک بیڑا سمالک ٹرکی سے آیا اور رودبار انگلستان سے گزر رہا تھا۔ سات جنگی جہاز اس کے ساتھ تھے اور انھوں نے جزیرۂ وائٹ کے سامنے لنگر ڈالا تھا کہ بغیر کسی اعلان جنگ کے سر روبرٹ ہومز کے تحت میں ایک انگریزی دستۂ بحری نے اس پر حملہ کر دیا۔ مگر ولندیزی حکومت اسی قسم کی ناگہانی صورتوں کا پہلے سے شبہ رکھتی تھی اور وہ بالکل بے خبر بھی نہ تھے بلکہ بڑی خوبی اور پامردی سے لڑے اور صرف ایک جنگی اور چار تجارتی جہازوں کا نقصان اٹھا کے حملہ آوروں کو پسپا کر دیا۔ اس قابل شرم کارروائی کو زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ فرانس اور انگلستان کی طرف سے ہالینڈ کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا گیا۔ پہلا بحری معرکہ خلیج ساوتھ وولڈ میں ہوا جس میں شہزادۂ یارک، امیر سینڈوچ اور فرانسیسی امیر البحر دس ترے کے مقابلے میں روئی ٹر ولندیزی سالار تھا جنگ کا اصلی بار انگریزی جہازوں پر پڑا اور ایسی سخت لڑائی ہوئی کہ شہزادۂ یارک کو دو جہاز ڈوبتے چھوڑ کر پرچم سمیت تیسرے میں منتقل ہونا پڑا اور بہادر سینڈوچ تو رائل جیمس کو چھوڑ دینے پر آمادہ ہی نہ ہوا بلکہ اپنے اکثر جہازیوں سمیت اسی میں جل کر تمام ہو گیا۔ بایں ہمہ صبح سے لڑتے لڑتے شام کے سات بجے تو روئی ٹر اپنے جہاز لے کر ہٹ گیا اور ولندیزی ساحل کے پشتوں اور پایاب ریگستان کی پناہ لی۔ میدان کارزار اتحادیوں کے ہاتھ رہا خشکی پر خود لوئی ہالینڈ میں بڑھتا چلا گیا اور سات دن میں سے تین ولندیزی صوبے

باب پنجم

فتح کر کے قریب قریب ایمسٹرڈیم کے سامنے خیمہ زن ہوا۔ تورین اور کونڈلے اس کے مشیر تھے اور ۶ ہزار انگریزوں کے امدادی دستے کا سپہ سالار شہزادہ مون متھ اور لڑنے والوں میں جان چرچل شامل تھا۔ مگر فرانسیسیوں کے غلبے نے ولندیزوں کو اور بھی زیادہ مقابلے کی ہمت دلادی۔ فرانس کے طرفداروں کے سرگروہ ڈوِٹ نام کے دو بھائی تھے وہ عہدے سے برطرف کئے گئے اور جان ڈی وٹ کو عوام الناس نے جان سے مار ڈالا۔ نوجوان اور نجی شہزادے ولیم ثالث سے ملک کو بچانے کی درخواست کی گئی۔ وہ چارلس کا بھتیجا اور بست و دوسالہ نوجوان تھا۔ اس نے اہل وطن کی درخواست قبول کی۔ اسی کی ہدایت سے ولندیزوں نے اپنے بند کھول کر غنیم کے مقبوضہ علاقوں میں سمندر کا پانی بھر دیا۔ فرانسیسی جان بچا کے بھاگے اور اس مبارک آغاز کے ساتھ ولیم لوئی کے ساتھ اس کشمکش میں داخل ہوا جو اس کے آخر دم تک جاری رہی۔

جنوری ۷۳ سنہ ۱۶ء میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا مبعوث غصے میں بھرے ہوئے تھے۔ خالی رکنیتوں پر زیادہ تر پرس بی ٹری فرقے والے منتخب ہوئے تھے۔ غرض ۱۱۶ کے مقابلے ۱۶۸، آرا سے قرار پایا کہ سیاسی امور میں تعزیری قوانین کو بغیر پارلیمنٹ کی تشریع کے معطل نہیں کیا جا سکتا" اور بادشاہ سے درخواست کی گئی کہ اپنا فرمان منسوخ کر دے۔ آرلنگٹن کے سوا سب وزیروں کی رائے تھی کہ بادشاہ یہ درخواست قبول نہ کرے لیکن لوئی نے وعدہ کیا کہ ولندیزی جنگ کے بعد آدمی اور روپے سے مدد بھیجی جائے گی اور سردست پارلیمنٹ کی بات مان لی جائے۔ لہذا چارلس نے دب کر فرمان منسوخ کر دیا اور اعلان کیا کہ آئندہ بھی وہ کبھی نظیر نہ بنایا جائے گا۔

وزارت کی شکست

اب پارلیمنٹ نے یہ سمجھ کر کہ ان سب ناپسندیدہ کارروائیوں کا سبب کیتھولکوں کا ملازم رکھا جانا ہے، ایک قانونِ آزمائش وضع کیا کہ کوئی شخص بادشاہی ملازمت میں اُس وقت تک داخل ہی نہ ہو سکے جب تک کلیسائے انگلستان کی رسوم کے مطابق انجیل نہ اٹھائے اور عشائے ربانی کے استحالے کا انکار نہ کر دے۔ اس قانون سے کیتھولکوں کا سرکاری ملازمت میں داخل ہونا غیر ممکن ہو گیا۔ لوئی نے جنگ جاری رکھنے کی غرض سے اسے بھی قبول کر لینے کی رائے دی اور اسی پر چارلس نے عمل کیا۔ قانون کے نفاذ کے ساتھ ہی وزارت ٹوٹ گئی۔ انجیل اٹھانے کا دن آنے سے قبل کلی فرڈ نے وزارت مالیہ

باب پنجم

اور جیمس نے امارت بحری سے استعفیٰ دے دیا۔ اول الذکر نے اسی جون ۱۶۷۳ء میں وفات پائی۔ نومبر میں شافٹس بری صدارت عظمیٰ سے برطرف ہوا اور فوراً نکتہ چینوں کے گروہ میں جا ملا۔ بکنگھم نے بھی تھوڑے دن بادشاہ کے آگے پیچھے رہ کر دوسرے سال اس کی تقلید کی۔ آرلنگٹن ملکی معاملات میں بہت کم حصہ لیتا تھا۔ صرف لاڈرڈیل اپنے عہدے پر کام کرتا رہا مگر وہ زیادہ تر اسکاٹ لینڈ کے معاملات میں منہمک رہتا تھا۔

کلی فرڈ کا جانشین سرٹامس آزبرن مقرر ہوا۔ وہ یارک شر کے شرفا سے تھا اور درجہ بدرجہ لارڈ لے ٹمر، امیر ڈین بی، مارکوئیس کرمارتھن اور آخر میں امیر کبیر لیڈز کے خطابات سے ممتاز ہوا۔ وہ چالاک ابن الوقت آدمی اور عہدے پر قائم رہنے کی غرض سے ہر کام کرنے کے لئے تیار تھا۔ اس کی اندرونی حکمت عملی یہ تھی کہ کلیسائے انگلستان کو مدد دے کر پرانی شاہ پسند جماعت کو ملائے رکھے اور شاہی اختیارات کو تقویت پہنچائے۔ بیرونی معاملات میں وہ دل سے ولندیزوں کا حامی اور فرانس کا مخالف تھا لیکن بعد کے طرز عمل سے ظاہر ہے کہ محض عہدے پر رہنے کی خاطر وہ چارلس کا کارندہ بن کر لوئی سے نامہ و پیام کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ جس طرح خود بے اصول تھا، دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھتا تھا اور کہا جاتا ہے کہ آبکاری کی آمدنی میں سے بیس ہزار پونڈ اس غرض سے الگ رکھ لیا کرتا تھا کہ پارلیمنٹ کے ارکان کو رشوت دیتا رہے۔

۱۶۸۱ء کے بعد سے نئے انتخابات نہیں ہوئے لیکن ملک کی رائے کے ساتھ پارلیمنٹ کا رنگ بھی بدل گیا تھا۔ بادشاہ کی طرز زندگی یا آرلنگٹن، کلی فرڈ وغیرہ وزیروں کی کارروائیوں کی کوئی پارلیمنٹ بھی خواہ شاہ پسندوں پر مشتمل ہوتی خواہ گروہ دیلیوں پر، حمایت نہ کرسکتی تھی۔ چارلس اول کا مقولہ تھا کہ "پارلیمنٹیں، بلیوں کی طرح جتنا زمانہ گزرتا ہے اتنی ہی زیادہ خبیث ہو جاتی ہیں" مگر واقعہ یہ ہے کہ خیالات میں جو تغیر پیدا ہوا، اس کی توجیہ کے لئے اس مقولے کو یاد کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ قانون آزمائش اور اعلان رواداری کی کشمکش نے پارلیمنٹ میں خاصی طرح ایک باقاعدہ فریق اختلاف یا حکومت کے نکتہ چینوں کا گروہ مرتب کرا دیا تھا۔ دارالعوام میں اس گروہ کے رہنما یہ تھے: امیر بیڈفرڈ کا منجھلا بیٹا۔ ولیم رسل جو ۱۶۷۸ء میں بھائی کے مرنے کے بعد لارڈ رسل کہلایا۔ امیر ڈیون شر کا بڑا بیٹا، لارڈ کے ون ڈیش، دولت عامہ کا ایک پرانا

ملکی جماعت

باب پنجم

حامی کرنل برچ جو ایک زمانے میں ہرکارہ تھا۔ مشہور جان ہیمپڈن کا پوتا، جان ہیمپڈن وغیرہ وغیرہ۔ امرا میں پہلے شافٹس بری اور پھر بکنگھم بہت ممتاز ہوے گو انھیں لارڈ ہولیز، فلپ، لارڈ وہارٹن اور امیر سالسبری مدد دیتے تھے، ہولیز، طویل پارلیمنٹ میں ڈینزل ہولیز کے نام سے شریک تھا۔ گروہِ اختلاف کو درباری فریق کے مقابلے میں "ملکی فریق" کہتے تھے اور اس کی حکومت عملی کیتھولک مذہب سے اندیشے پر اور اسی لئے فرانس سے بدگمانی پر مبنی تھی۔ حلیف ڈھونڈنے کی ضرورت نے انھیں پروٹسٹنٹ غیر مقلدوں کی طرف مائل کیا اور اسی وجہ سے وہ چاہتے تھے کہ ہالینڈ کے ساتھ صلح اور اگر ہوسکے تو فرانس کے ساتھ جنگ ہوجائے۔ مگر اس بارے میں زیادہ جوش نہ دکھانے کا سبب یہ خوف تھا کہ مبادا فرانس کے خلاف جو مستقل فوج تیار کی جائے وہ بادشاہ خود انگلستان اور پروٹسٹنٹوں کے خلاف نہ استعمال کرے۔ اسی وہم نے یہ غیر ممکن کر دیا تھا کہ وہ برابر ایک ہی روش پر قائم رہیں۔ اُدھر اس فریق کے وجود میں آنے سے لوئی چہاردہم کو ہر وقت خوف رہنے لگا کہ کہیں چارلس کو اپنی مرضی کے خلاف فرانس سے لڑنے پر مجبور نہ کر دیا جائے لہذا وہ دورُخی چال چلتا رہا۔ جس وقت سمجھتا کہ فریق اختلاف کامیاب ہوجائے گا تو روپیہ دے کے چارلس سے اسے برخاست یا فسخ کرا دیتا اور جب دیکھتا کہ چارلس اُس کے قابو سے نکلتا جاتا ہے تو ملکی فریق کو مدد دے کے ابھار دیتا تھا۔ یہ اسباب ہیں جن سے اُس زمانے کے سرگروہوں یا چارلس و لوئی کے افعال کی اصلیت معلوم کرنا سخت دشوار ہوگیا ہے۔

الغرض سنہ ۱۶۷۹ء کی پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو شافٹس بری اور رسل کی قیادت میں ایک باضابطہ فریقِ اختلاف مرتب نظر آیا۔ اِن دو سرگروہوں کی سیرت ایک دوسرے کی کمی کو بخوبی پورا کر دیتی تھی۔ رسل، مارکوئیس ونچسٹر کا داماد تھا۔ سینتیس سال کی عمر تھی اور پارلیمنٹ کے کاروبار میں اب تک بہت کم حصہ لیتا تھا کیونکہ وہ تقریر بہت آہستہ آہستہ کرتا تھا۔ لیکن اس کی دیانت اور اصابت رائے مسلم تھی۔ لوگوں کو اس سے محبت اور پورا بھروسہ تھا اور خاندانِ بیڈفرڈ کے آئندہ سرگروہ ہونے کی امید پر بھی اہل ملک اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اسی طرح شافٹس بری کا ملکی فریق میں داخل ہونا بڑی اہم بات تھی۔ کردار میں وہ رسل کا عکس تھا۔ ۵۲ برس کی عمر تھی اور انیس سال کے سن سے جب کہ اس نے

باب پنجم

سنہ ۱۶۴۰ء کی چھوٹی پارلیمنٹ میں شرکت کی تدبیر کی، وہ برابر سیاسیات میں سرگرم حصہ لیتا رہا۔ خانہ جنگیوں میں پہلے بادشاہ کی طرف سے اور پھر پارلیمنٹی گروہ کی طرف سے لڑائیاں لڑا۔ بقیہ پارلیمنٹ اور بیر بون والی پارلیمنٹ کا رکن اور کروم ویل کی تمام مجلسوں اور پارلیمنٹوں میں شریک رہا۔ کروم ویل فوت ہوا تو شافٹس بری پارلیمنٹ کی طرف داری میں فوج کا مخالف اور عود شاہی میں کوشاں ہوا۔ کلے رنڈن کے ماتحت وزیر مالیہ اور کیبال میں صدر اعظم کے مرتبے تک ترقی پائی۔ مگر ان سب انقلابات کے باوجود وہ اختیارات شاہی کا اندھا حامی یا متعصب کلیسائی کبھی نہ تھا۔ کلے رنڈن کے عہد وزارت میں اس نے قانون یکسانی اور قانون بلدیات کی مخالفت کی کیبال میں کلیسائی توسیع اور اعلان رواداری کا موید رہا۔ التوائے خزانہ کی اسی نے مخالفت کی اور ملکی فریق میں اس کی شرکت سے نہ صرف کاروبار کا لاجواب تجربہ رکھنے والا بلکہ ایک ایسے رکن کا اضافہ ہو گیا جو حاضر جواب، ضروریات وقت کا جامع مبصر، نہایت دلیر و باہمت اور سیاسی شورش کے گر میں پوری طرح طاق تھا۔

نئے فریق کی پہلی کارروائی شاہی وزرا کی نکتہ چینی تھی اور یہ اس شد و مد سے ہوئی کہ بکنگھم جس کا تلوّن ضرب المثل تھا درباری جماعت کو چھوڑ کر فوراً ملکی فریق میں آملا۔ آرلنگٹن عہدے سے الگ اور لارڈ ڈیل نے اسکاٹ لینڈ کی پناہ ڈھونڈی اب سارا اختیار ڈینبی کے ہاتھ میں آگیا۔ اس نے پرانے شاہ پسندوں کی تائید حاصل کرنے کی غرض سے سنہ ۱۶۷۵ء میں ایک قانون کی تحریک کی کہ کلیسا اور دیوانی کے جملہ ملازمین اور پارلیمنٹ کے تمام ارکان کا یہ حلف کرنا واجب ہو جائے کہ بادشاہ کے خلاف کسی حیلے سے بھی ہتھیار اٹھانا جائز نہ ہوگا اور حلف اٹھانے والا کسی وقت بھی یہ کوشش نہ کرے گا کہ کلیسا یا ملک کے نظم و نسق میں تغیر پیدا کرے۔ لیکن شافٹس بری کی ذہانت کی بدولت یہ مسودۂ قانون دارالامرا سے آگے بڑھنے ہی نہ پایا۔ بخلاف اس کے فریق اختلاف کی طرف سے ایک اور مسودۂ قانون پیش ہوا کہ کسی شخص کو محض خود رائی سے گرفتار کر لینا جائز نہ رہے۔ یہی آگے چل کے لزوم تحقیقات محبوس کا قانون بنا لیکن اس وقت تو بادشاہ نے پارلیمنٹ کا اجلاس ہی برخاست کر دیا یہ کارروائی گویا چہاردہم کی مدد سے ہوئی اصل میں عوام کی مخالفت کے باوجود ولندیزوں سے جنگ جاری رکھنا

ولندیزوں سے صلح

باب پنجم

غیر ممکن تھا اور ۱۶۷۴ء میں شرائط صلح طے ہو گئے جن میں سینٹ ہلینا انگریزوں کے ہاتھ آیا شرق الہند سے آنے جانے والوں کے لئے یہ ٹھیرنے کی بہت باموقع جگہ تھی۔ الغرض لوئی کو خوف ہوا کہ کہیں ملکی فریق یہ اصرار نہ کرے کہ انگلستان ولندیزوں کے ساتھ ہو کر فرانس سے جنگ کرے کیونکہ اس سے اول تو لوئی کے کشور ستانی کے منصوبے بگڑ جاتے دوسرے چارلس کا کیتھولک فرقے سے ساز باز رکھنا بھی محال ہو جاتا، لہذا ان کے آپس میں طے پایا کہ چارلس تو پارلیمنٹ کو ملتوی کر دے اور لوئی اسے سالانہ ایک لاکھ بیس ہزار پاؤنڈ دیا کرے۔

چنانچہ پارلیمنٹ سوا برس کے لئے ملتوی کر دی گئی۔ نکتہ چینوں کی زبان بندی کرنے کی غرض سے ایک نادری حکم یہ نافذ ہوا کہ سب قہوہ خانے بند کر دئے جائیں جو اُس زمانے میں عہد حاضرہ کی "کلب" یا انجمن کا کام دینے لگے تھے۔ غرض اس طویل وقفے میں اہل اختلاف کچھ نہ کر سکے ۱۶۷۷ء میں دوبارہ اجلاس ہوا تو یہ حجت بھی پیش کی گئی کہ چونکہ پارلیمنٹ مسلسل بارہ ماہ تک ملتوی رہی اس لئے وہ عملاً فسخ ہو گئی اور اب جدید انتخابات ہونے لازمی ہیں۔ لیکن اس کی شنوائی نہ ہوئی اور دارالامرا نے شافٹس بری بکنگھم، سالسبری اور وہارٹن کو پارلیمنٹ کی توہین کرنے کے قصور پر قلعۂ لندن میں قید کرا دیا۔ آخر الذکر تین ارکان کو تو جلد رہائی مل گئی مگر شافٹس بری ایک سال تک قید میں رہا البتہ معافی مانگنے پر اسے آزادی دے دی گئی۔

اب لوئی کی شہ سے ملکی فریق نے فوج کے فسخ کرنے کا مطالبہ کیا تاکہ انگلستان براعظم کے جھگڑوں میں کوئی عملی دخل ہی نہ دے سکے۔ اس کے برخلاف، ڈینبی نے شہزادۂ یارک کی بڑی بیٹی میری کی اپنے پھپیرے بھائی ولیم ثالث والیٔ ہالینڈ سے شادی ٹھیرا کے اتحادِ ثلاثہ کا منصوبہ تازہ کیا۔ اس شادی سے اہل ملک بھی بہت خوش تھے۔ ولیم کی عمر ستائیس برس کی تھی۔ ابتدا ہی سے اس نے بہترین اوصاف کا ثبوت دیا اور کیتھولک بادشاہ لوئی چہار دہم کی قوت قاہرہ کے مقابلے میں ہالینڈ کی ایسی مدافعت کی کہ اسے ایک "پروٹسٹنٹ سورما" کی سی شہرت حاصل ہو گئی۔ جو لوگ چارلس اور جیمس کی مذہبی ریشہ دوانیوں سے کھٹکتے تھے، یا فرانس کی جنگی کامیابی کو آزادی کے حق میں خطرناک سمجھتے تھے، انھیں ولیم کے تاجدارِ انگلستان ہونے کا امکان خوش آئند محسوس ہوتا تھا۔ اُدھر لوئی کو ڈینبی کا یہ رشتہ کرانا بہت ہی خار گزرا حقیقت میں

اس کے ہوتے ہی فریق اختلاف کے ساتھ بالکل دوسری طرح کا برتاؤ ہونے لگا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ولندیزوں سے نامہ و پیام کا سلسلہ چھڑ گیا۔

فرانس سے خفیہ معاہدہ

سارے انگلستان کو فرانس سے جنگ چھڑنے کا اشتیاق تھا اور بیڑے کو قوی کرنے کی غرض سے تین لاکھ پاؤنڈ کی منظوری دی گئی۔ مگر مذکورۂ بالا نامہ و پیام کے دوران ہی میں چارلس نے فرانس کے ساتھ ایک خفیہ معاہدہ کر لیا اور تین سال تک تین لاکھ پونڈ سالانہ کے معاوضے میں اس پر رضامند ہو گیا کہ پارلیمنٹ کو فسخ اور فوج کو برطرف کر دے گا اور ولندیزوں نے جنگ جاری رکھی تو وہ ان کی کوئی امداد نہ کرے گا۔ چارلس کے حکم کی تعمیل میں یہ قول و قرار بھی ڈینبی ہی لے گئے۔ پیرس کے انگریز سفیر مون ٹیگیو کے ذریعے گفتگو ہوتی تھی اور اُسے اپنے حسب مراد معتمدی کی خدمت نہیں ملی تو اس نے جل کر فریق اختلاف کے ارکان سے راز افشا کر دیا۔ ڈینبی نے مجلس شاہی سے حکم لے کر اُس کے سارے کاغذات پر قبضہ جمانے کی تدبیر کی لیکن خود اس کے قلم کی دو تحریریں، جو چارلس کی مصدقہ تھیں،

ڈینبی کی معزولی

شافٹس بری اور رسل کے ہاتھ آ گئیں۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انھیں تا امکان بیچ میں رکھنا منظور تھا کہ اہل انگلستان کو ناگوار نہ گزرے اور یہ کہ تین لاکھ پاؤنڈ کی رقم چارلس کے مصارف کے واسطے تھی کہ جب پارلیمنٹ پر سب حال کھلے اور وہ بیوقوف بنائے جانے پر بگڑے، تو اس وقت بادشاہ کو خرچ کی طرف سے دشواری نہ پیش آئے۔ اس افشائے راز پر عوام نے ڈینبی پر غداری کا مقدمہ چلایا اور اسے بچانے کی غرض سے آخر چارلس نے پارلیمنٹ کو فسخ کر دیا مگر فریق اختلاف جسے یقین تھا کہ ملک ہماری پشتی پر ہے، خود یہی چاہتا تھا اور واقع میں نئی پارلیمنٹ میں ملکی فریق اتنی اکثریت میں منتخب ہوا کہ جیمس کو تو عافیت اسی میں نظر آئی کہ بروسل چلا جائے۔ ڈینبی سے پھر مواخذہ شروع ہوا۔ اُس کی صفائی اِس عمومی دلیل پر مبنی تھی کہ میں نے جو کچھ کیا براہ راست بادشاہ کے حکم سے کیا اور آمدہ کارروائی کو روک دینے کی غرض سے معافی کا شاہی فرمان بھی اس نے عدالت میں پیش کیا مگر اس طرح بچ جانے کے معنی یہ ہوتے کہ وزرا، پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ نہ رہیں۔ لہٰذا اس کارروائی پر بڑی رد و قدح ہوئی اور حکم شاہی کے علی الرغم ڈینبی کو قلعۂ لندن میں بھیج دیا گیا۔

باب پنجم

جہاں وہ چارلس کے عہد حکومت کے آخر تک رہا وزارت خزانہ پر اس کی جگہ آرتھر کیپل امیر اسیکس مقرر ہوا جس کا باپ لارڈ کیپل ۱۶۴۹ء میں قتل کرا دیا گیا تھا۔ یہ کیپل بہت دیانت دار کفایت شعار آدمی اور آئرستان میں نائب شاہ رہ کر بڑی شہرت پا چکا تھا لیکن اسے کوئی سیاسی رسوخ واثر حاصل نہیں ہوا۔

آئینی رکاوٹ

اب پارلیمنٹ کی رائے سے تین وزارتیں (یعنی کلے رنڈن کیبال اور ڈین بی کی) شکست ہو چکی تھیں اور یہ کشاکش عمدہ نظم ونسق کے لئے مفید نہ ہو سکتی تھی مگر یا تو چارلس، تمام نظم ونسق ہی پارلیمنٹ کے حوالے کر دیتا جس پر وہ آمادہ نہ تھا اور یا اس قسم کی کشمکش کا ہونا ناگزیر تھا۔ بعض لوگوں کے نزدیک اس وقت کا حل یہ تھا کہ مجلس شاہی کی تعداد میں اضافہ کر کے جملہ اختیارات اس کے تفویض کر دئے جائیں کہ وہ بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان حجاب کا کام دے اور دوسری طرف تمام نظم ونسق کسی مختصر جماعت وزرا کے قبضۂ قدرت میں آجانے کی نوبت نہ آنے دے جیسا کہ میلان ہو چلا تھا۔ چنانچہ سر ولیم ٹمپل نے ایک نئی تجویز مرتب کی کہ مجلس شاہی کے ارکان کی تعداد تیس کر دی جائے۔ نصف شاہی عہدہ دار ہوں اور نصف کو بادشاہ پارلیمنٹ کے آزاد ارکان سے نامزد کرے۔ یہ بھی ضروری تھا کہ ارکان دولتمند ہوں اور ان کا ملک میں کافی سرمایہ لگا ہوا ہو تا کہ ان کی حزم واحتیاط پر اعتماد ہو سکے۔ دار العوام کے ارکان کی سالانہ آمدنی تخمیناً ۴ لاکھ پونڈ ہوتی اس کے مقابلے میں مجلس جدید کے ارکان کی ۳ لاکھ تخمین کی گئی۔ اس طرح یہ مجلس گویا حکمراں طبقے کا لب لباب تھی اور اس میں رابرٹ اسپنسر (امیر سنڈرلینڈ) جیسے ممتاز وزرا، ٹمپل اسیکس وغیرہ ارکان اور نیز شافٹس بری (جو صدر نشین مقرر ہوا) اور فریق اختلاف کے بعض دوسرے افراد شامل تھے۔ مگر عملاً یہ تدبیر کچھ کامیاب نہ ہوئی۔ سنڈرلینڈ کو اسی زمانے میں بڑا رسوخ حاصل ہو گیا تھا اور مجلس میں بھی سارے اختیارات اس کے اسیکس، ہیلی فیکس اور ٹمپل ہی کے ہاتھ میں منتقل ہو گئے جو پوری مجلس کے کاموں کی ترتیب دیتے تھے بجائے کہ چارلس جب مناسب سمجھتا، مجلس کے فیصلوں کی کچھ بھی پروانہ کرتا تھا۔

پاپائی سازش

یہی زمانہ ہے جب کہ ملک میں پاپائی سازش کی افواہ سے خلفشار پیدا ہوا۔ باروت والی سازش کے زمانے سے اہل انگلستان کیتھولکوں کے خلاف ہر کہانی کو باور کرنے پر آمادہ رہتے تھے۔ اگرچہ اصلی واقعات

کا بہت بعد میں علم ہوا، اور اس وقت تک وہ محض قیاسی تھے، تاہم لوگوں کو پورا شبہ تھا کہ چارلس اور جیمس دونوں کیتھولک ہوگئے ہیں اور انگلستان میں جبراً کیتھولک مذہب کے بحال کردینے کی غرض سے کوئی چارہ دہم کے ساتھ قطعی مفاہمت رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ پہلے جو خوف کروم ویل کے سپاہیوں یا غیر مقلد پروٹسٹنٹ فرقوں سے تھا کہ وہ پھر خانہ جنگی برپا کرادیں گے اور اسی خوف کی بنا پر ان کی مذہبی جماعتیں توڑنے اور بلدیات سے انھیں نکلوانے کے لئے ٹنڈن نے قوانین وضع کرلیے، اسی قسم کا خوف اب فرانس سے لاحق ہوگیا تھا کہ وہ کیتھولک مذہب کی حمایت میں انگلستان پر حملہ کردے گا۔ ان حالات میں کسی پاپائی سازش کی کہانی کا زبان زد ہوجانا کچھ بھی دشوار نہ تھا اور ستمبر ۱۶۷۸ء میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو ایک کھلے ہوئے فریبی ٹائیٹس اوٹس نامی نے علی الاعلان یہ بیہودہ افسانہ بیان کیا کہ جیسوئٹ فرقے چارلس اور جیمس کو مار کر جبراً کیتھولک مذہب قائم کردینے کی سازش کررہے ہیں۔ اوٹس ایک زمانے میں کلیسائے انگلستان کا پادری، بجرے میں امام رہا اور پھر فریب سے کیتھولک بن کر ہر خدمت اور عہدے سے جو مختلف گرجوں میں اُسے ملی، بدکرداری اور بداخلاقی کی وجہ سے نکالا جاچکا تھا اور اس کی روایت بجائے خود بالکل مضحکہ انگیز تھی کیونکہ چارلس اور جیمس کیتھولک فرقے کے بہترین یاور تھے اور ان کے قتل کئے جانے سے تخت کی وراثت پروٹسٹنٹ میری اور اس کے شوہر ولیم (داور نجی) کو پہنچ جاتی لیکن اس عام گھبراہٹ میں لوگوں کو سوچنے سمجھنے کی سُرت نہ رہی اور عوام ایک طرف، لارڈ رسل جیسے معقول لوگ تک اس کہانی کو صحیح سمجھے۔ لندن کے ایک حاکم عدالت، گوڈفری، کے روبرو اوٹس نے اپنا بیان قلمبند کرایا تھا۔ دو ہفتے بعد گوڈفری کی لاش پرم روز پہاڑی کے نیچے ایک سوکھی کھائی میں اس طرح پائی گئی کہ ایک چھوٹی سی تلوار جسم میں وار پار گھسی ہوئی تھی۔ یہ کہنا ناممکن تھا کہ اسے کسی نے قتل کیا یا وہ خودکشی کرکے مرا۔ لیکن جو لوگ اوٹس کے بیان کو صحیح سمجھتے تھے، انھوں نے کہنا شروع کیا کہ گوڈفری کو ضرور پاپائی فرقے نے مارا ہے۔ جنھیں اوٹس کی روایت پر اعتبار نہ تھا، وہ خودکشی کے قیاس کی تائید میں تھے۔ اور چند ایسے بھی تھے جس کے نزدیک یہ خود اوٹس کے دوستوں کا کام تھا کہ قتل کا الزام بھی پاپائیوں کے سر تھوپا جائے۔ مجموعی طور پر غور کرنے سے خودکشی کا قیاس ہی زیادہ قرین صواب معلوم ہوتا ہے اور یہ واقعہ کہ گوڈفری کا دوست کول مین اوٹس کا سب سے پہلا شکار ہوا۔ اس قیاس کو اور قوت پہنچاتا ہے۔ یہ کول مین

تبدیل مذہب کر کے کیتھولک ہو گیا اور بیگم یارک کے دبیر کی خدمت انجام دیتا تھا۔ وہ ایک احمق شیخ چلی سا آدمی تھا اور اس کے خطوں کے سامنے سے معلوم ہوا کہ اس نے لوئی چہار دہم کے پیر پادری پیر لاشیز سے بیس ہزار پاؤنڈ دینے کی استدعا کی تھی کہ فرانس اور کیتھولک مذہب کے مفید کام کیا جائے۔ اوٹس کا بیان تھا کہ یہی پاپائی سازش ہے۔ ادھر اوٹس کی شہرت سن کر ایک بدمعاش ولیم بیڈلو نامی نے گوڈفری کے پاپائیوں کے ہاتھ سے قتل ہونے کی ضمنی شہادت پیش کی۔ بیڈلو ممالک یورپ میں ہرکارہ رہا تھا اور اسی کے سلسلے میں اُسے کیتھولک لوگوں کے طور طریق سے واقفیت ہو گئی تھی۔ القصہ انھی دو پاجی لچوں کے بیان پر سارا انگلستان لرزہ براندام ہو گیا۔ پانچ کیتھولک امیر اور دو ہزار کے قریب علما اور عام اشخاص گرفتار کیے گئے اور سب سے اول متہم ہونے والوں کے ساتھ بہت کم رحم یا انصاف کا برتاؤ کیا گیا۔ چارلس سے بہتر کوئی نہ جانتا تھا کہ یہ سارا افسانہ بالکل جھوٹا ہے لیکن خفیہ کیتھولک ہونے کی وجہ سے خود اس کے دل میں چور تھا وہ اسی کمزوری کی بنا پر کوئی مداخلت نہ کر سکا اور لوگوں کے ہوش درست ہونے تک بہت سے بے گناہ دار پر کھینچ دیے گئے۔ ان میں ایک تو وہی کول مین تھا جس کے احمقانہ خطوط سے اوٹس کو یہ افسانہ تراشنے کی جرات ہوئی، تین جیسوئٹ علما (= آئرلینڈ، گروو، اور پکرنگ) اور تین غریب آدمی شامل تھے جنھیں گوڈفری کو مارنے کے جرم میں سزا دی گئی۔ سنہ ۱۶۷۹ء میں پانچ اور جیسوئٹ علما کو پھانسی ملی مگر ملکہ کا طبیب ویک مین، بری کر دیا گیا۔ انھی دنوں ایک اور فریبی ڈینجر فیلڈ کھڑا ہوا اور یہ کہانی بیان کی کہ کیتھولکوں نے مجھے پریس بی ٹیرین فرقے پر سازش کا جھوٹا الزام لگانے، اور نیز شافٹس بری کو قتل کرنے پر اغوا کیا۔ یہ افسانہ "میل ٹب پلاٹ" کہلاتا ہے اور اس نے عوام کے خوف کو پھر تازہ کر دیا۔ پھر مقدمے اور پھانسیاں چلنے لگیں حتیٰ کہ اوٹس کے اظہار کے دو سال بعد وائی کاونٹ اسٹے فرڈ جیسے سن رسیدہ اور محترم امیر سے دار الامرا میں مواخذہ ہوا اور بادشاہ کی موت چاہنے کے جرم میں اس کا سر قلم کرا دیا گیا۔ ملزموں کے حق میں دو باتیں سب سے بڑھ کر مضر تھیں۔ ایک تو یہ کیتھولک عقیدے کے افراد کی شہادتیں، طرفدارانہ سمجھ کر بالکل باور نہ کی جاتی تھیں اور دوسرے ملک میں عام پریشانی پھیلی ہوئی تھی جس نے کم سے کم ایک سیاسی فرقے کے مسلک کا لازمی جزو ہی یہ

باب پنجم

بنا دیا تھا کہ کیتھولکوں سے عداوت کی جائے۔

پارلیمنٹ کا اجلاس شروع ہوتے ہی اوٹس کے بیانات پر ایک مسئلہ یہ اٹھایا گیا کہ آیا کسی کیتھولک بادشاہ کے تحت میں پروٹسٹنٹ مذہب محفوظ بھی رہ سکتا ہے؟ چارلس نے کئی دفعہ آمادگی ظاہر کی کہ کیتھولک بادشاہ کے تخت نشین ہونے کی صورت میں اس کے اختیارات پر فلاں فلاں حدود عائد کر دی جائیں، لیکن اس پر بھی مئی ۱۶۷۹ء میں یہ تحریک دارالعوام میں پیش کر دی گئی کہ شہزادۂ یارک کو ملک سے عمر بھر کے لئے خارج اور آیندہ وراثت سے محروم کر دیا جائے۔ تجویز یہ تھی کہ وہ نکل جائے تو پھر میری اور اس کا شوہر ولیم تخت پر بٹھا دئے جائیں۔ اسی لئے یہ تحریک عوام میں بہت مقبول ہوئی اور ولیم (اورنج) بھی اس کا دل سے مؤید ہوگیا کہ اس صورت میں توی کی دست درازیوں کا انگلستان و ہالینڈ مل کر بخوبی سدباب کر سکتے تھے۔ چارلس مجلس نیابت قائم کرنے تک تو رضامند تھا مگر اپنے بھائی کے حقوق کو بالکل قربان کر دینے پر تیار نہ ہوا اور دیر لگانے کے لئے پارلیمنٹ فسخ کر دی۔ لیکن ایسا کرنے سے قبل قانون ہے بیس کورپس (یعنی لزوم تحقیقات محبوس) کو شاہی منظوری مل گئی جو مدت تک اعزازاً آشافٹس بری کا قانون کہلاتا رہا۔ اس قانون کا مقصد یہ تھا کہ اہل انگلستان کا یہ حق کہ صرف اپنے ہم چشموں کی عدالتی تحقیقات کے بعد انھیں سزا یا قید کیا جا سکتا ہے، اور بھی قوی ہو جائے کیونکہ اصلاً یہ منشور اعظم کی انتالیسویں دفعہ پر مبنی تھا۔ قانون کے اہم فقرے دو تھے:

قانون "ہے بیس کورپس"

اول تو یہ کہ بلا ثبوت جرم، کوئی ملزم جس پر غداری یا خیانت مجرمانہ کے سوا اور کوئی الزام ہو، عدالت سے "ہے بیس کورپس" کے حکم نامے کی استدعا کر سکتا ہے کہ پاسبان ملزم کو ضمانت پر چھوڑنے کی غرض سے عدالت میں پیش کرے۔ دوسرے یہ کہ غداری اور خیانت مجرمانہ کے ملزم سپرد عدالت ہونے کے بعد پہلے ہی اجلاس میں پیش کئے جائیں ورنہ ضمانت پر چھوڑ دیئے جائیں بجز اس کے کہ گواہ ناگزیر وجہ سے حاضر نہ ہو سکے ہوں، اور اس صورت میں دوسرے اجلاس پر یا سماعت کی جائے گی اور یا ملزم کو رہا کر دیا جائے گا۔ ہیلم نے لکھا ہے کہ یہ وہ دفعات تھیں جنھوں نے ان خرابیوں کا استیصال کر دیا جن کی بدولت حکام کی ہوس تحکم اور شاہی وکیلوں کی غلامانہ عیاری سے ایسا اساسی حق ضعیف ہو گیا تھا۔" قانون کی تیسری دفعہ کی رو سے اہل انگلستان کا قید کر کے اسکاٹ لینڈ وغیرہ کسی بیرونی ملک میں بھیجا جانا ناجائز قرار

باب پنجم

پایا اگرچہ اس میں کچھ عرصے بعد یہ ترمیم کر دی گئی کہ کسی تعزیری مقام پر عبور دریائے شور کی سزا دی جا سکے گی۔ پارلیمنٹ نے دوسرے اجلاس میں عدالت عالیہ کے میر مجلس اسکروگز پر مقدمہ چلایا اور عدالت کو پاک کرنے کی غرض سے یہ بڑی کاری ضرب لگائی کیونکہ یہ میر مجلس عمدہ قابلیت کے باوجود سخت بدچلن اور بادشاہ کی چاپلوسی میں مشہور تھا۔ اس پر الزام یہ تھا کہ ایک اہل جیوری کلاں، (مڈل سیکس) پر جو شہزادہ یارک کو پاپائی طرفدار (اور کلیسائے انگلستان سے منحرف) ہونے کی بنا پر عدالت میں پیش کرنے ہی والا تھا، میر مجلس مذکور نے خلاف ضابطہ برطرف کر دیا۔ "ویکلی پیکٹ اوف ایڈوائس فرام روم"۱؎ نامی رسالے کی فروخت کو خلاف قانون، بند کرا دیا۔ بے ضابطہ جرمانے عائد کئے۔ ضمانت لینے سے انکار کر دیا۔ اور عام وارنٹ بلا وجہ جاری کئے۔ اسکروگز عدالتی کی تحقیقات روکنے کے لئے پارلیمنٹ فسخ کرنی پڑی لیکن وہ اپنے طرز عمل سے اتنا بدنام ہو چکا تھا کہ چارلس کو اس کا عہدے پر رکھنا خلاف مصلحت معلوم ہوا اور وہ تھوڑے ہی دن بعد برطرف کر دیا گیا۔ لیکن اس کی جگہ سونڈرس مقرر ہوا جو اسکروگز سے کچھ بہت بہتر نہ تھا۔

اسکاٹ لینڈ

قانون اخراج کے مسودے پر مباحثہ ہوا، تو اس زمانے میں جیمس، بروسل چلا آیا تھا۔ پارلیمنٹ فسخ کر دی گئی تو وہ اسکاٹ لینڈ بھیج دیا گیا جہاں ان دنوں بغاوت برپا ہو گئی تھی۔ اصل یہ ہے کہ جب کلے رنڈن وغیرہ کے شورے سے اور لاڈرڈیل کی عیارانہ رائے کے خلاف، چارلس نے دوبارہ اسقفوں کو بحال کیا تو صدہا پریس بی ٹری پادری کلیسا سے نکل گئے اور ان کے ساتھ مصلیوں نے بھی گرجوں کو خیرباد کہی۔ ان پادریوں کو اپنے سابقہ حلقوں سے بیس میل تک آنے کی ممانعت بھی کی گئی۔ کھلے میدانوں میں وعظ و تلقین بغاوت قرار دیے گئے۔ گرجا چھوڑنے والوں پر جرمانے، قید، تخویف تعذیب سبھی کچھ جتن کئے گئے، کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اور اسکاٹ لینڈ کے سب سے مخلص مذہبی افراد پہاڑیوں کے دامن ہی میں مجتمع ہو کے رہے کہ اپنے محبوب و محترم دینی پیشواؤں کے ارشادات سنیں۔ خوشامدی لارڈ ڈیل اور مرتد صدر اسقف شارپ کی زیر ہدایت فوجی جور و تعدی شروع ہوئی لوگوں نے بھی جواب میں مار دھاڑ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چارلس کو اسکاٹ لینڈ کی فوج بیس ہزار تک بڑھا لینے کا موقع مل گیا۔ بایں ہمہ ۱۶۷۹ء میں مذہبی دیوانوں کی ایک جماعت نے شارپ کو قتل کر ڈالا اور مغرب کے میدانی اضلاع میں

۱؎ "Weekly Pocket of Advice from Rome"

باب پنجم

باقاعدہ بغاوت پھوٹ پڑی۔ جان گریہم کی (جو بعد میں وای کونٹ ڈنڈی ہوا) جمعیت کو باغیوں نے ڈرم کلوگ پر مار بھگایا مگر نہ اُن کے اسلحہ اچھے تھے نہ سردار، اور ایبر کیبر مونمتھ (جو چارلس دوم کا ناجائز بیٹا مشہور تھا) زبردست لشکر لے کر آیا تو باغیوں کو بوتھ ویل برگ کے مقام پر سخت ہزیمت ہوئی۔ اس ناکام بغاوت کی بدولت چارلس نے بڑی بھاری فوج فراہم کر لی جس کا سپہ سالار جان گریہم بنایا گیا اور جیمس اسکاٹ لینڈ پہنچا تو میثاقیوں کو دبانے اور ستانے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ تھی چنانچہ یہ کام اس نے بڑی ظالمانہ مستعدی سے انجام دیا۔

نئی پارلیمنٹ کا انتخاب پہلی کے انفساخ کے چند ہی روز بعد ہو گیا تھا مگر چارلس جانتا تھا کہ وہ بھی مخالف ہے اور روپیہ اسے لوئی کی طرف سے ملتا رہتا تھا، لہذا وہ اس کا اجلاس بہت روز تک ملتوی کرتا رہا۔ حتیٰ کہ کہیں اکتوبر ۱۶۸۰ء میں اس کے انعقاد کی نوبت آئی۔ مگر تاخیر سے گذشتہ عہد بادشاہی کے فریقانہ جذبات مشتعل ہو گئے تھے۔ ایک طرف تو عرضی پہ عرضی بھیجی جا رہی تھی کہ پارلیمنٹ کا جلد اجلاس کیا جائے اور دوسری طرف وہ لوگ جو "اس عرضی بازی سے نفرت کرتے تھے" التوا کی عرضیاں دے رہے تھے۔ اسی سے "عرضی گزار" اور "منافرین" کی اصطلاحیں بنیں جو آگے چل کے "وھگ" اور "ٹوری" کے ناموں میں بدل گئیں۔ یہ نام فریق مخالف کی طرف سے دئے گئے تھے۔ وھگ سے اسکاٹ لینڈ کے غیر مقلد مراد تھے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ سنہ ۱۶۴۸ء میں ایک "وھگامور" یورش کی گئی تھی اور شاہ پسند سنہ ۱۶۶۶ء کے اسکوٹی باغیوں کو "وھگ" کہنے لگے تھے۔ فریق ملکی پر اس کے اطلاق میں یہ طعن مضمر تھی کہ وہ بادشاہ کے وفادار نہیں ہیں۔ ٹوری درحقیقت ایک آئرستانی ڈاکو تھا اور سنہ ۱۶۴۱ء کے آئرستانی باغیوں کو بھی اہل انگلستان "خونی ٹوری" پکارتے تھے۔ اسے درباری گروہ پر چسپان کرنے میں یہ اشارہ تھا کہ وہ کیتھولک میلان رکھتے ہیں۔ بہر حال، بے معنی ہی سہی یہ چھوٹی چھوٹی اصطلاحیں ایک سیاسی فریق کو دوسرے سے ممیز کرنے میں بہت کارآمد تھیں اور چند ہی روز میں زبانوں پر چڑھ گئیں اور ان میں جو ذم کا پہلو تھا۔ وہ بھی جلد ذہنوں سے اتر گیا بلکہ خود وہ فریق اسے اپنا امتیازی نام سمجھنے لگا۔

سیاسی فرقوں کے اصول

وھگ اور ٹوری دونوں بادشاہ اور پارلیمنٹ کی حکومت کو ملک کا مسلم آئین مانتے تھے مگر ٹوری بادشاہ کے موروثی حق اور اُس کی

باب پنجم

بلا چون و چرا اطاعت پر زور دیتے تھے۔ بخلاف اس کے وہگ بادشاہ کو بھی ایک عہدہ دار سمجھنے پر مائل تھے اور ان کا خیال تھا کہ وہ قانون کا پابند ہے اور اس پر واجب ہے کہ صرف وزیروں کے ذریعے، جو پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ ہوں، کام کرے۔ مگر خانہ جنگی کے زمانے کی طرح ان آئینی اصول سے بڑھ کر لوگوں کی روش پر اپنی مذہبی آرا کا اثر تھا۔ ٹوری، کلیسائے انگلستان کے سرگرم حامی تھے اور وہگ پروٹسٹنٹ غیر مقلدوں سے مصالحت کرنے پر مائل اور ان کے ساتھ بخوشی رواداری برتنے پر آمادہ تھے۔ ان کے پادریوں تک کا میلان یہی تھا۔ مگر کیتھولک مذہب سے کسی فریق کو ہمدردی نہ تھی کیونکہ دونوں یقین رکھتے تھے کہ انھیں پاپائیت سے مقابلہ کرنا ہے جس میں وہ اسے مٹا دیں گے یا وہ انھیں مٹا دے گی! اس فریق بندی میں امیر غریب کا کبھی کوئی امتیاز انگلستان میں نہیں ہوا اور دونوں فریقوں میں ہر طبقے کے افراد شامل تھے۔ البتہ جس طرح خانہ جنگی کے زمانے میں شاہ پسند اور پارلیمنٹی فریقوں کی تقسیم تھی، اسی طرح اب بھی زراعتی اضلاع خصوصاً دیہاتی پادریوں اور زمینداروں میں ٹوریوں کا بڑا غلبہ تھا اور شہروں میں وہگ غالب ہے۔

سنہ ۱۶۸۰ء میں قانون اخراج کی حمایت وہگوں نے کی اور ٹوری بادشاہ کے موروثی اور ربانی حقوق کے اصول کے مطابق وراثت کی ترتیب بدلنے کے خلاف رہے۔ دارالعوام میں وہگوں کی اکثریت تھی لہذا وہاں تو یہ مسودۂ قانون بغیر مزاحمت منظور ہوگیا مگر امرا میں شافٹسبری کی ساری کوشش کے باوجود اس کی سخت مخالفت ہوئی۔ خصوصاً جارج سیویل (مارکوئس ہے لی فیکس) نے نمایاں حصہ لیا۔ یہ شخص طبعاً دوسروں کی روش پر نکتہ چینی کرنے میں طاق تھا اور فخریہ اپنے تئیں "ٹرمر" یعنی فریق بندی سے الگ، کہا کرتا تھا۔ اس کی طلاقت لسانی کی بدولت وہگوں کو شکست ہوئی اور ۳۰ کے مقابلے ۶۳ آرا سے مسودہ مسترد کردیا گیا۔ درباری فریق کی کامیابی میں شافٹسبری کی اس غلطی کو بھی بہت کچھ دخل تھا کہ اس نے شہزادۂ اورینج سے بگاڑلی جب تک چارلس کی وارثہ میری مانی جارہی تھی، اس وقت تک یہ شہزادہ بھی مجوزہ قانون کا دل سے حامی تھا لیکن بعض انتہا پسند وہگوں نے اب مونمتھ کے دعاوی پر زور دینا شروع کیا جو پکا پروٹسٹنٹ اور اُن دنوں شافٹسبری کے بہت اثر میں تھا۔ شہزادۂ ولیم یہ سن کر اُس قانون کے خلاف ہوگیا۔ مسودہ قانون کے مسترد ہونے کے بعد بھی شافٹسبری اتنا جوش میں بھرا تھا کہ چارلس

سے اصرار کرنے لگا کہ مان متھ کو ولد الحلال قرار دے لیکن بادشاہ نے اسے قبول نہیں کیا۔ بایں ہمہ، پاپائی سازش سے جو اندیشے پیدا ہوئے تھے، اُن میں کوئی کمی نہ آئی۔ سنہ ۱۶۸۰ء کی گرمیوں میں شافٹس بری، جیمز کو کلیسائے انگلستان سے منحرف قرار دے چکا تھا۔ قانون اخراج کے استرداد کو زیادہ مدت نہ ہوئی تھی کہ دار الامرا نے ۳۳ کے مقابلے میں ۵۵ آرا سے اسٹے فرڈ کو غداری کا مجرم بتایا۔ اور جب تک یہ کارروائیاں مُلک کی عام رائے کے موافق تھیں، اُس وقت تک جیمز کی تخت نشینی معرض خطر میں ضرور نظر آتی تھی۔ البتہ یہ بات بحث طلب تھی کہ آیا یہ خطرہ اس درجہ قوی ہے کہ عوام الناس ترتیب وراثت کو بدل ڈالنے کی سنگین کارروائی کرنے پر محض اس لیے تیار ہو جائیں گے کہ ایک ایسی خرابی کا حفظ ماتقدم کیا جائے جو ابھی تک محض احتمالی تھی۔ بہر حال وہگ سرگروہوں کو ہنوز اپنی کامیابی سے مایوسی نہ ہوئی تھی۔ چارلس کا یہ پیام سن کر کہ وہ مسودۂ قانون اخراج کی کسی حال میں منظوری کا ارادہ نہیں رکھتا، دار العوام نے ایک قرارداد منظور کی کہ جب تک وہ مسودۂ قانون نافذ نہ ہوگا، ہم بادشاہ کو کسی قسم کی رقم کی منظوری نہ دیں گے۔ اس سے حکومت کے سامنے قطعی رکاوٹ حائل ہو گئی اور چارلس کو پھر نئے انتخابات کے ذریعے ملک سے استمداد کرنی پڑی۔

آکسفرڈ پارلیمنٹ

یہ انتخاب بڑے ہیجان کی حالت میں ہوا۔ باستثنائے چند، تمام سابقہ مبعوث منتخب ہوئے اور کشمکش کی تجدید سے یقینی معلوم ہوتا تھا کہ معاملہ نازک ہو جائے گا۔ ان حالات میں چارلس نے جس ہمت اور سلیقے سے کام لیا وہ اُن لوگوں کو ششدر کر دینے کے لیے کافی تھا جنھوں نے اُس کی عام عادتوں کو سرسری طور پر دیکھ کر سیرت کے متعلق رائے قائم کر لی تھی۔ شافٹس بری، سنڈرلینڈ، اسیکس اور ٹیمپل، مجلس شاہی سے خارج کر دیے گئے تاکہ درباری جماعت میں اتفاق رائے پیدا ہو جائے۔ پارلیمنٹ کا اجلاس ویسٹ منسٹر کی بجائے آکسفرڈ میں مقرر کیا گیا تاکہ فریق وہگ شہر لندن سے دور ہو جائے کیونکہ اسی شہر میں اُن کے سب سے پکے طرفدار پائے جاتے تھے۔

باب پنجم

پھر لندن و آکسفرڈ کے درمیان فوج باقاعدہ کے سوار متعین کر دیے گئے کہ وھگوں کو بالکل منقطع کر دیں۔ مبعوث نوکروں کی بھیڑ کی بھیڑ لے کر آکسفرڈ آئے۔ لندن والے بِلّے لگائے ہوئے تھے جن پر "نہ پاپائی۔ نہ غلامی!" کی توقیع تھی۔ اُدھر جلسہ ہونے سے آٹھ دن قبل خود چارلس آکسفرڈ آیا اور مقررہ دن تک ساری تیاریاں مکمل کر لیں، پھر سب سے پہلے یہ کوشش کی کہ اپنی طرف سے ایسی معتدل شرطیں پیش کرے کہ اُس کے مخالفین صریحاً غلطی پر نظر آئیں۔ نظر برایں خود تجویز پیش کی کہ کیتھولک بادشاہ کے تخت نشین ہونے کی صورت میں مُلک کا نظم ونسق پروٹسٹنٹ اشخاص کے ہاتھ میں رہے گا جس سے شہزادی میری کی نیابت مُراد تھی۔ فرقۂ وھگ نے یہ تجویز قبول نہ کی۔ تب چارلس بلا تاخیر جامعہ کی عمارت میں جہاں جلسہ ہو رہا تھا، داخل ہوا اور شاہی ملبوس زیب تن کر کے ارکان کو اپنے سامنے بلایا اور انفساخ پارلیمنٹ کا اعلان کر دیا۔ یہ سب کارروائی اتنی تعجیل سے ہوئی کہ مبعوثین کو مزید غور و تفحص کی فرصت بھی نہ ملی اور وھگوں کو پوری ہزیمت نصیب ہوئی۔ ایوان ویسٹ منسٹر سے نکل کر تو شہر میں جانا اور جلسے کرتے رہنا ممکن تھا مگر آکسفرڈ میں حکم شاہی کی تعمیل کے سوا کوئی اور سبیل نہ تھی اور شافٹس بری تک کو محسوس ہوا کہ پارلیمنٹ کی طرف سے کوئی مزاحمت ممکن نہیں ہے۔

وھگوں کی دار و گیر

بادشاہ کا یہ فتح پانا زیادہ تر اس لیے ممکن ہوا کہ شہزادی میری کے نیابۃً یا اصالۃً فرماں روا ہو جانے سے انگلستان و ہالینڈ میں عملاً جو اتحاد ہو جاتا اُس کے امکان سے لوئی چہار دہم بہت گھبرایا اور اُس نے چارلس کو ڈھائی لاکھ پونڈ دینے کا اقرار کر لیا بشرطیکہ تین سال تک کوئی پارلیمنٹ ہی منعقد نہ کی جائے۔ اور یہ اتنی قیمت تھی کہ شاہ انگلستان پہلے کی طرح اب بھی اپنی آزادی بیچنے پر تیار ہو گیا۔ چنانچہ پارلیمنٹ درہم برہم کر دی گئی۔ اس کامیابی کی ذیل میں حکومت کا دوسرا قدم یہ تھا کہ اپنے مخالفین کی دار و گیر کی جائے۔ اس کا پہلا شکار اسٹیفن کالج نام ایک بے عقل بکّی آدمی تھا جسے پروٹسٹنٹ ہو جانے کی وجہ سے وھگوں نے بہت بانس پر چڑھایا تھا۔ لندن میں اُسے سزا دینے کا بہت کم قرینہ تھا لہٰذا انصاف کے گلے پر چھری چلا کے اُسے آکسفرڈ لے گئے اور

باب پنجم

ٹوری افراد کی جیوری نے غداری کا مجرم ٹھیرادیا چنانچہ اُسے سولی دی گئی۔ لیکن شافٹس بری اس طرح آسانی سے قابو میں آنے والا نہ تھا اور لندن کی کوئی جیوری کلاں اُس پر ایسا الزام تجویز نہ کرسکتی تھی کہ اپنے ہم چشموں کی عدالت میں اُسے سپرد کردیا جائے۔ پھر بھی اس کی کوشش کی گئی اور پیشی کے دن ڈرائی ڈن کی نظم (Absalom and Acitophel) کی اشاعت سے بھی مدد لی گئی۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ اور حکومت نے یہ کارروائی جس سے اہل شہر کے حقوق کی صریحاً خلاف ورزی ہوتی تھی کی کہ لندن میں جبراً نارتھ اور کرنل رچ کو شیرف مقرر کردیا۔ نارتھ، ترکی سے تجارت کرتا تھا اور اپنے ہمنام میر مجلس عدالت اور اُس روجر نارتھ کا بھائی تھا جو مشہور ٹوری روزنامچہ نویس گزرا ہے۔ رِچ محض رکابی مذہب آدمی تھا جس نے کچھ روز پہلے مسودۂ قانون اخراج کی تائید میں رائے دی تھی اور اب درباری فریق سے آملا۔ غرض ایسے حاکمان عدالت ہونے کی صورت میں شافٹس بری سمجھ گیا کہ مخالفین یقیناً اپنے حسب مراد جیوری مہیا کرلیں گے۔ بغاوت برپا کرادینے کی امید نہ تھی لہذا وہ نومبر ۱۶۸۲ء میں چپکے سے برِ اعظم میں چلا آیا اور دو مہینے کے اندر ہالینڈ میں وفات پائی۔

ادھر، کوئی شک نہیں کہ وھگ فرقے کے سرگروہ جنگ وجدال کے منصوبے باندھ رہے تھے۔ خود شافٹس بری نے وّے پنگ سے "جیوٹ جوان" لانے کا ذکر کیا تھا۔ مان متھ انگلستان میں اس سال (= ۱۶۸۲ء) شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ گشت لگاتا پھرا اور شیخیاں ہانکتا تھا کہ "بادشاہ کی اصل بیماری" کھونے کی قوت میں رکھتا ہوں" اور لوگوں کو جہاں تک ہوسکا، اپنے گروہ میں شریک ہونے کی دعوت دیتا تھا۔ لندن میں بھی جلسے ہوتے تھے بایں ہمہ کوئی باقاعدہ تدبیر یقیناً مرتب نہیں ہوئی اور حقیقت یہ ہے کہ اصلی سرگروہ عام طور پر یقین رکھتے تھے کہ مسلح بغاوت چلنے والی چیز نہیں ہے۔ البتہ خاص خاص تندمزاج افراد نے، جن میں ایک پرانا کروم ویلی، کرنل رمبولڈ بھی داخل ہے، کم سے کم زبانی یہ سازش کی تھی کہ چارلس اور جیمز کو رائی ہاؤس کے پاس سے گذرتے میں قتل کردیا جائے۔ یہ مکان لندن سے نیو مارکٹ جانے والی سڑک پر

ہوڈیسڈن کے قریب ایک تنہائی کی جگہ واقع تھا۔ اصلی حالات تاریکی میں ہیں لیکن اتنا معلوم ہے کہ اوروں کے علاوہ لارڈ ہاورڈ اور کرنل رمزی ممتاز مخبر ان میں تھے اور انھی کی مخبری پر حکومت نے رمبولڈ کے تین دوستوں کے ساتھ اسیکس، رسل، جان ہیمڈن اور کرنل سڈنی کو بھی گرفتار کر لیا۔ ان سب پر الزام تھا کہ ماں متھ اور لارڈ ہاورڈ کی سرکردگی میں ایک ۱۰ اشخاص کی جماعت عاملہ تیار کر رہے ہیں کہ بغاوت کا انتظام کرے۔ رمبولڈ کے تین دوستوں کو تو سولی دی گئی۔ لارڈ رسل سازش میں حصہ لینے سے انکار کرتا تھا مگر مخالفین کے ایک جلسے میں شریک ضرور تھا اور ہاورڈ و رمزی کی شہادت پر اُس کا سر قلم کرا دیا گیا۔ یہی حشر آلگرنن سڈنی کا ہوا۔ ان میں رسل بہت صاحب حزم و احتیاط شخص تھا۔ اور بظاہر وہ اس قسم کے کام میں، جس کی بنا پر سزائے موت پائی، نادانی سے شریک ہونے والا نہ تھا۔ وہ زندگی کے ہر شعبے میں محبوب و محترم رہا۔ بخلاف اس کے، سڈنی سر پھرا جمہوریت پسند اور ۱۶۵۳ء میں جو پارلیمنٹ نکالی گئی، اُس کا سرگرم کارکن تھا۔ وہ مدت تک غیر ملکوں میں پھرتا رہا اور ۱۶۶۵ و ۱۶۶۶ء میں پوری کوشش کی کہ فرانس و ہالینڈ دونوں کی مدد سے انگلستان میں شورش برپا کی جائے۔ اس کا مزید سازش میں حصہ لینا کچھ حیرت کی بات نہ تھی۔ لیکن بے رحم جیفریز نے جس طرح مقدمے کی سماعت کی وہ عدل و انصاف کی تضحیک تھی۔ ملزم کے خلاف کافی شہادت موجود نہ تھی اور دوسرا گواہ نہ مل سکا تو اُس کی بجائے، ایک نامطبوعہ قلمی تحریر پیش کر دی گئی جو ملزم کی الماری سے برآمد ہوئی تھی اور استدلال کیا گیا کہ جب وہ نیرو اور کالی گُلا کے خلاف رعایا کی سرکشی کو درست بتاتا ہے تو چارلس کے خلاف بھی بغاوت کا حامی ہوگا۔

بہر حال سڈنی نے کمال استقامت سے جان دی اور جو لوگ چارلس کے استبداد کا شکار ہوئے، اُن میں سب سے شریف اُسی کو سمجھا گیا۔ ہیمڈن کے خلاف اتنی شہادت بھی نہ مل سکی جس کی بنا پر دوسروں کو سزا ملی تھی۔ برایں ہم دو برے چلن کی بنا پر چالیس ہزار پونڈ جرمانہ ہوا جس نے اُسے بالکل تباہ کر دیا۔ اسیکس نے خودکشی کر لی۔ ماں متھ نے اجمالی طور پر اقبال جرم کیا اور اُسے معافی مل گئی کہ

ہالینڈ چلا جائے۔ رمبولڈ بھی فرار ہوگیا اور اسی طرح امیر آرجائل جسے اسکاٹ لینڈ میں گرفتار کرکے مجرم قرار دیا گیا تھا، کسی تدبیر سے بھاگ کر ہالینڈ پہنچ گیا۔

ان تدبیروں سے اپنے دشمنوں کو دہشت زدہ کرنے کے ساتھ چارلس، لوئی کے عطیے سے فائدہ اُٹھا رہا تھا کہ جب تک دار العوام میں مستقل اکثریت کا اطمینان نہ ہوجائے، اس وقت تک شاہ فرانس کے روپے سے کام لیا جائے۔ ہم اوپر پڑھ چکے ہیں کہ وھگ فرقے کی قوت شہروں میں اور ٹوریوں کا غلبہ دیہات میں تھا۔

بلدیات کی نئی ترتیب

شہری مبعوثوں کا انتخاب عموماً ہر جگہ کی بلدیہ کے ہاتھ میں ہوتا اور وہ ایک پیوستہ جماعت ہوتی جو اپنی خالی نشستوں کو خود معمور کرلیتی تھی۔ اب ایک رکن عدالت عالیہ، سونڈرس، نے جو اُن دنوں اسکروگز اور جیفریز کی طرح بادشاہ کی خوشامد کی بدولت بدنام ہوا، تجویز پیش کی کہ بادشاہ چاہے تو حکمنامے کے ذریعے ان بلدیات کی سندیں مسترد کرکے، ٹوری ارکان کی نئی بلدیات مرتب کرسکتا ہے۔ چنانچہ تمام بلدیات میں اسی خیال کے مطابق عمل کیا گیا اور ایسی بستیوں کی بلدیات بھی از سر نو مرتب ہوئیں جو پارلیمنٹ میں کوئی مبعوث نہیں بھیجتی تھیں جیسے لیڈز وغیرہ۔ پھر جدید اسناد یا منشور دیتے وقت بادشاہ نے بلدی عمال کے انتخاب کی منظوری دینے کا حق محفوظ رکھا کہ اگر کوئی انتخاب اُسے پسند نہ آئے تو خود عامل نامزد کردے۔

بلدیات کی جدید ترتیب، ان تدبیروں میں سب سے آخری تھی جن کے ذریعے چارلس دوم وہ اثرات زائل کرنے کی فکر میں تھا جو طویل پارلیمنٹ کے چارلس اول کا مقابلہ کرنے سے ملک میں پیدا ہوگئے تھے۔ ان تدابیر میں اُسے حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوئی اور اب وہ قریب قریب بالکل مطلق العنان بادشاہ نظر آتا تھا۔ تھوڑی سی مستقل فوج اُس کے زیر علم تھی کہ عوام الناس کی کسی ابتدائی شورش کا فوراً قلع قمع کرسکے اور یہ بات ٹیوڈر یا جاروبیہ خاندان کے بادشاہوں کو کبھی حاصل نہیں ہوئی۔ فوج بے قاعدہ کے سرداروں کا تقرر اُس کے ہاتھ میں تھا اور جو قلعے منہدم نہیں ہوئے تھے، اُن کے قلعہ دار بھی وہی نامزد کرتا تھا۔ حکام عدالت میں سے جس کو چاہے برطرف کرسکتا تھا اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ اہل قانون میں

باب پنجم

سونڈرس، جیف ریز وغیرہ ایسے لوگ ملنے غیر ممکن نہ تھے جو بادشاہ کی مرضی کے مطابق کام کریں۔ فوجداری حاکموں کا مقرر کرنا بھی عملاً اُسی کے اختیار میں تھا۔ اُدھر لوئی کی دوستی کے طفیل وہ جب تک پارلیمنٹ منعقد نہ ہو اس وقت تک آمدنی کی طرف سے بیفکر تھا۔ دوسرے بلدیات کی ترتیب جدید نے اُسے خود دارالعوام میں اپنی مرضی کے مطابق ارکان بھرتی کرنے کا ذریعہ بہم پہنچا دیا تھا۔

بادشاہ کی وفات

غرض اس چالاک اور بے اُصول بادشاہ کی حالت یہ تھی جبکہ عین عروج اقتدار کی ساعت میں اور بظاہر نہایت عمدہ صحت کے باوجود اجل کا پیام آیا اور وہ فالج سے ۶ر فروری ۱۶۸۵ء کو فوت ہوگیا۔ وہ بہترین قابلیت کا آدمی تھا اور اپنی ریشہ دوانی کے سلیقے کو ظاہری ہنسی دل لگی کے پردے میں چھپائے رکھتا تھا۔ اُس کی بیرحمی کی دور اندیشانہ تدابیر اُس زمانے کے اچھے سے اچھے سیاسوں کے ہوش بگاڑ دیتی تھی اور وہ لوگ بھی جو اُسے خوب جانتے تھے، حیران ہو ہو جاتے تھے۔ اُس نے بستر مرگ پر اپنے کیتھولک ہونے کا اقرار کیا اور اسی مذہب کے پادری، ہڈلسٹن، کے ہاتھ پر توبہ کی۔ یہ وہی ہڈلسٹن تھا جس نے چارلس کو ورسٹر سے بھاگ نکلنے میں مدد دی تھی۔ اپنی ملکہ کیتھرائن (برگنزی) سے اُس نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی مگر مختلف ماؤں سے ناجائز بچے بہت سے تھے جن میں سے کئی امارت کے درجے پر سرفراز کیے گئے۔

مشہور واقعات

قانون بلدیات	سنہ ۱۶۶۱ء
قانون یکسانی	سنہ ۱۶۶۲ء
قانون میثاق	سنہ ۱۶۶۴ء
″ پنج میل	سنہ ۱۶۶۵ء

باب پنجم

وبائے طاعون	سنہ ۱۶۶۵
آتش کبیر	سنہ ۱۶۶۶
ولندیزوں سے پہلی جنگ	سنہ ۱۶۶۵ تا ۱۶۶۷
وزارت "کیبال"	سنہ ۱۶۶۷
اتحاد ثلاثہ	سنہ ۱۶۶۸
ڈوور کے عہدنامے	سنہ ۱۶۷۰
اعلان رواداری	سنہ ۱۶۷۲
ولندیزوں سے دوسری جنگ	سنہ ۱۶۷۲ تا ۱۶۷۴
پاپائی سازش	سنہ ۱۶۷۹
مسودۂ قانون اخراج	سنہ ۱۶۸۰
آکسفرڈ پارلیمنٹ	سنہ ۱۶۸۱
رسل و سڈنی کا قتل	سنہ ۱۶۸۳

باب ششم

جیمز دوم سنہ ۱۶۸۵ تا سنہ ۱۶۸۹

ولادت: سنہ ۱۶۳۳ - ازدواج: این ہائڈر سنہ ۱۶۶۱ (وفات سنہ ۱۶۷۱)
میری (اوف موڈنا) سنہ ۱۶۷۳ء (وفات سنہ ۱۷۱۸ء)

خاص معاصرین:- فرانس..... لوئی چہار دہم
ہسپانیہ..... چارلس دوم
ہالینڈ...... ولیم ثالث
شہنشاہ.... لیوپولڈ اول (وفات سنہ ۱۷۰۵ء)
پاپائے روما... انو سینٹ یازدہم (وفات سنہ ۱۶۸۹ء)

تخت نشینی اور خصائل

کسی واقعے کے متعلق اکثر یہ ہوا ہے کہ قبل از وقوع تو طرح طرح کے اندیشے اور پریشانیاں تھیں مگر جب وہ واقعہ پیش آیا تو ایسی سیدھی سادی بات نکلی کہ لوگ حیرت میں رہ گئے۔ یہی کیفیت جیمز کی تخت نشینی کی ہوئی کہ ایسی چپ چاپ اور معمول کے مطابق عمل میں آگئی کہ کچھ روز تو ایسا

باب ششم

معلوم ہوا کہ جو لوگ اُسے محروم وراثت کرنا چاہتے تھے، اُن کے اندیشے محض وہمی تھے۔ نیا بادشاہ اوصاف حمیدہ سے عاری نہ تھا مگر خلقی عیوب کے علاوہ بعض ایسے متضاد صفات اُس میں جمع تھیں، کہ اُن خوبیوں پر پانی پھر گیا۔ سر جان ادی لین نے اُسے "نہایت محنت کش، محتاط، متین، نہایت فہیم اور بدرجۂ غایت مخلص و راست کردار" بتایا ہے کہ جو کچھ وعدہ کرتا اسی کے مطابق عمل کرنا جزو ایمان سمجھتا تھا۔ سپہ سالار اعظم ٹورین نے جیمز کی جوانی میں جنگی قابلیت دیکھ کر بہت عمدہ رائے قائم کی تھی اور بحری معرکوں میں بھی جیمز بار ہا شریک ہوا تھا۔ امارت بحری کے دفتر میں اُس نے بڑی دیدہ ریزی سے کام کیا۔ اور اُسقف برنیٹ کی یہ رائے کہ اُس کے عہد حکومت میں "عیش اور کاہلی کی بجائے، عمل اور کاروبار کا دور" ہوگا، غالباً عام رائے کا اظہار کرتی ہے۔ مگر جیمز کے یہ سب اوصاف ماتحتانہ حیثیت میں نظر آئے تھے۔ ورنہ وہ بادشاہ با اختیار ہوا تو وہ سب نقائص عیاں ہو گئے جنھوں نے اُس کے باپ کو روز بد دکھایا تھا۔ وہ حد درجہ تنگ دل تھا۔ کسی مسئلے کے دونوں پہلو دیکھنے یا کسی معقول حجت سے متاثر ہونے کی مطلق صلاحیت نہ تھی اور اسی قسم کے اسباب نے اُس کی قوت متخیلہ کو اتنا ضعیف کر دیا تھا کہ دوسروں کی رائے میں اُسے کوئی معقولیت نظر نہ آتی تھی اور اپنی رائے پر، باپ کی طرح، برابر اڑا رہتا تھا۔ وہ مذہبی رسوم کے بجالانے میں تو اپنے پیش رو بادشاہ سے زیادہ اہتمام کرتا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ بدچلنی میں اُس سے کم نہ تھا۔ یہ عیب دوسری خوبیوں کو ماند کر دینے کے لیے کافی تھے اور چار ہی سال میں جیمز نے نہ صرف اُن سب طبقات کو جو اُس کے باپ سے لڑے تھے، اپنے خلاف برانگیختہ کر لیا، بلکہ اُن کو بھی جو اُس کی حمایت میں لڑے تھے۔ چارلس کی وفات کے بعد ہی مجلس شاہی کا جلسہ ہوا تو جیمز نے اپنے بھائی کے بیٹھتے وقت اعلان کیا کہ میں مُلک و کلیسا کا وہی نظم و نسق قائم رکھنے کی سعی کروں گا، جو اس وقت بروئے قانون قائم ہے۔ اور جس طرح بادشاہ کے جائز حقوق اور امتیازات ہاتھ سے نہ جانے دوں گا اسی طرح کسی آدمی کی املاک پر کبھی دست درازی نہ ہوگی۔ تقریر کے الفاظ کی پوری طرح تحقیق نہیں ہو سکی لیکن جس شکل میں وہ طبع ہوئی،

اُس نے سب کو مطمئن کر دیا اور لوگ پکار اُٹھے کہ اب تو خاص بادشاہ کے وعدے ہمارے سامنے ہیں اور ان وعدوں کی ابھی تک خلاف ورزی نہیں ہوئی ہے۔

وزرا

نئے بادشاہ کے خاص معتمد علیہ یہ لوگ تھے:۔ اُس کا برادر نسبتی اور مشہور امیر کلیے رنڈن کا بیٹا لارنس ہائڈ (بعد امیر روچسٹر) تھا جو وزیر خزانہ مقرر ہوا۔ ہے لی فیکس جس کی تقریر سے مسودۂ قانون اخراج دار الامرا میں مسترد ہوا تھا۔ لارڈ گوڈال فن اور لارڈ سنڈرلینڈ۔ مگر بہت جلد ثابت ہو گیا کہ ہے لی فیکس کو زیادہ اختیارات دینا منظور نہیں ہے اور مُہر دار کی بجائے اُسے مجلس شاہی کا صدر مقرر کر دیا گیا جو اعزاز میں زیادہ لیکن اہمیت میں کمتر درجے کا منصب تھا۔ چنانچہ اس ترقی کو اُس نے "بار بار کے کوٹھے پر چڑھانے" سے تعبیر کیا ہے۔ مُہر امیر روچسٹر کے بھائی کلیے رنڈن کے حوالے کر دی گئی۔

یہ دونوں بھائی جیمز کی شہزادگی کے زمانے میں اُس کے زبردست حامی تھے لیکن ان کی اصلی شہرت کا سبب یہ تھا کہ کلیسا کی سود بہبود سے انتہائی شغف رکھتے تھے اور ان کی ملازمت گویا فلاح کلیسا کی ضمانت تھی۔ گوڈال فن مالیات کا عمدہ ماہر تھا اور اُس کی محل شناسی اور کاردانی دیکھ کر چارلس نے ایک بار کہا تھا کہ سڈنی گوڈال فن کبھی راستہ نہیں روکتا اور کبھی راستے سے دور نہیں جاتا۔ سنڈرلینڈ دبیر شاہی مقرر ہوا۔ اُس نے مسودۂ قانون اخراج کی تائید میں رائے دی تھی مگر اس کا سبب یہ نہ تھا کہ وہ پروٹسٹنٹ مذہب کا دل سے حامی تھا بلکہ غلطی سے یہ سمجھا تھا کہ یہ فریق کامیاب ہو جائے گا۔ اس غلط روی کی تلافی کے لیے وہ آمادہ تھا کہ اب نئے بادشاہ کی ہر طرح تائید کرے۔ اسے گوڈال فن اور لارنس ہائڈ کو اکثر مزاحاً بچوں (= chits) کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

جیمز کا پہلا کام یہ تھا کہ محصول کروڑگیری کی وصولی کا حکم دیا۔ یہ محاصل چارلس کے لیے تاحیات منظور کیے گئے تھے لیکن اب ان کی موہلی پارلیمنٹ کی

باب ششم

منظوری کے بغیر نہ ہو سکتی تھی۔ اسی کے ساتھ ان کی وصولی میں وقفہ بھی مناسب نہ ہوتا۔ اس سے تجارت میں خاصی ہل چل پڑ جاتی اور چارلس کی وفات کے ایک ہی دن بعد جو مال بندرگاہوں میں آیا تھا یا تو وہ پڑا رہ جاتا اور یا سوداگروں کو ان کے ہاتھ کم قیمت پر بیچنا پڑتا جو پہلے محصول ادا کر چکے تھے۔ یہ صریحاً ناانصافی ہوتی دوسرے سرکاری مالیے کا نقصان متصور تھا اور اسی لیے یہ انتظام کہ آیندہ بادشاہ کی وفات سے ان محاصل کی وصولی میں رکاوٹ نہ پیدا ہو، اگرچہ اُس وقت آئین کے خلاف تھا، تاہم مجموعی طور پر تجارتی طبقے نے اس کو پسند کیا جس کا اندازہ یوں ہوتا ہے کہ ایسٹ انڈیا اور دوسری بڑی بڑی شرکتوں نے بلا تامل حکم شاہی کی تعمیل کی۔

جیمز کو حب وطن کے بڑے دعوے تھے مگر لوئی نے اپنے سفیر باری لون کے ذریعے ۶۷ ہزار پونڈ بھیجے تو وہ اتنا با حمیت نہ نکلا کہ لینے سے انکار کر دیتا۔ اور لوئی نے یہ رائے ظاہر کی کہ گو جیمز کی طرف سے بہت کچھ لاف و گزاف مشہور کیے گئے ہیں مگر وہ میرا روپیہ قبول کرنے میں اپنے بھائی سے کم آمادہ نہیں ہے۔" اتنی بات ضرور تھی کہ اس رقم میں سے کچھ چارلس کا بقایا روپیہ تھا اور مجموعی طور پر جیمز نے اپنے سارے عہد حکومت میں جو روپیہ لیا اس کی مقدار بہت ہی تھوڑی تھی۔

قیدیوں کی رہائی اوٹس کی سزا

جیمز کی تخت نشینی کے وقت بہت سے سیاسی اور مذہبی قیدیوں کو رہائی عطا ہوئی۔ ڈین بی اور چار کیتھولک امیر قلعۂ لندن سے اور کئی ہزار کیتھولک اور بارہ سو کوئیکر دوسرے قید خانوں سے رہا ہوئے۔ اسی کے ساتھ اوٹس اور ڈینجر فیلڈ جنھوں نے مفروضہ پاپائی سازشوں کی شہادت میں ممتاز حصہ لیا اور بہت سے بے گناہوں کے مارے جانے کا باعث ہوئے تھے، اُن سے تقدیر نے سخت انتقام لیا۔ اوٹس پر چارلس کی زندگی ہی میں دروغ حلفی کا الزام عائد ہوا تھا۔ جیمز کی تخت نشینی کے چند ہی روز بعد عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ دو الزامات صحیح ثابت ہوئے اور ہر ایک جرم کے عوض ۶۶۶ پاؤنڈ جرمانہ ایلڈگیٹ سے

باب ششم

نیوگیٹ اور پھر دو دن بعد وہاں سے ٹائی برن تک تازیانہ زنی، سال میں پانچ مرتبہ تشہیر اور دائم الحبس کی سزا تجویز ہوئی۔ عدالت کا منشا غالباً یہ تھا کہ مجرم ان سزاؤں سے جاں بر نہ ہو۔ لیکن اوٹس ہر بات میں دُنیا سے نرالا تھا۔ وہ سب سزائیں جھیل گیا اور ولیم ثالث کے زمانے تک زندہ رہا اور اُس سے وظیفہ حاصل کیا۔ تھوڑے دن بعد اُس کے ساتھی ڈینجر فیلڈ کو بھی یہی سزا ملی مگر تازیانوں سے یا ایک قانون کے طالب علم، فرانسس کے بید آنکھ میں گھسا دینے سے فوت ہو گیا۔ خود فرانسس کو اسی بدعنوانی کی سزا میں سولی دیدی گئی اسی زمانے کے قریب ایک قابل قدر شخص رچرڈ بکسٹر نے بھی دربار کے سوئے ظن کی بدولت مصیبت اُٹھائی۔ اُس نے انجیل پر تفسیر لکھی تھی جس پر اعتراض ہوا کہ کلیسا کی ہتک عزت کا پہلو نکلتا ہے۔ جیف ریز نے مقدمۂ برن کی سماعت کی اور ۳۳۳½ پاؤنڈ جرمانہ یا تا ادائی رقم قید کی سزا دی۔ اور مجرم رقم جرمانہ ادا نہ کر سکا۔

پارلیمنٹ کا انعقاد

مئی میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا۔ بلدیات میں بادشاہ کو جو تازہ اقتدار مل گیا تھا، اُس سے پورا کام لیا گیا خصوصاً مغرب کے اضلاع میں، جہاں انتخاب کا انتظام "شاہ انتخابات" لارڈ باتھ کے تفویض کر دیا گیا تھا اور اُس نے کارنول کی بلدیات میں بہت سے شاہی فوج کے سرداروں کو مقرر کرا دیا تھا۔ غرض نتیجہ اس قدر بادشاہ کے موافق مراد نکلا کہ جیمز نے خود اقرار کیا کہ سوائے چالیس ارکان کے، باقی سب میری پسند کے لوگ منتخب ہوئے ہیں۔ دار العوام میں ایڈورڈ سیمور نے بلدیات کے نئے اجازت ناموں پر سخت حملہ کرنے کی ہمت کی تھی مگر کسی نے معقول تائید نہ کی اور بادشاہ کے لیے فیاضانہ منظوریاں دے دی گئیں۔ چارلس کے کل مداخل میں پانچ لاکھ پونڈ مستقل اور نو لاکھ پارلیمنٹ کی منظوری کے محتاج ہوتے تھے۔ اب اسے بالکل بدل دیا گیا۔ اور شکر و تمباکو کے اضافہ محصول کے علاوہ شراب اور سرکے پر آٹھ سال اور بیرونی سوتی پارچے پر پانچ سال کے محاصل بادشاہ کو دیے گئے۔

باب ششم

ارجائل کی سرکشی

جیمز کی تخت نشینی تو اس طرح بغیر کسی ہنگامے کے ہو گئی۔ لیکن جلاوطن وِہگ بغیر جدّوجہد کے اپنی امیدوں سے ہاتھ اُٹھانے پر آمادہ نہ تھے۔ جیمز کے بادشاہ ہوتے ہی شہزادۂ آرنجی نے مان متھ سے ہالینڈ چھوڑ دینے کی فرمائش کی۔ وہ برسلز آگیا اور وہاں امیر آرجائل وغیرہ نے یہ منصوبہ تیار کیا کہ اُس کی بادشاہی کی حمایت میں انگلستان و اسکاٹ لینڈ دونوں جگہ بیک وقت بغاوت کرادی جائے۔ مان متھ کو کامیابی کی امید قوی نہ تھی اور وہ تربیت یافتہ فوج کے مقابلے میں بے سدھے باغیوں کو لڑانے کی مشکلات سے بخوبی واقف تھا۔ لیکن آرجائل جوش میں بھرا تھا۔ اور مان متھ اپنی صحیح رائے کے خلاف اس کی خاطر سے رضامند ہو گیا۔ اوّل آرجائل ہی نے رمبولڈ کی ہمراہی میں اپنے مُلک کا رُخ کیا۔ حکومت کو اُس کی آمد کی پہلے سے خبر ہو گئی تھی اور کیمپ بل قبیلے کے ممتاز افراد حراست میں لے کر پہاڑیوں سے جانے والے راستوں پر فوجی پہرے لگا دیے گئے تھے۔ چنانچہ آرجائل خود اپنے علاقے میں جس پر اصلی انحصار تھا، بے دست و پا رہ گیا اور مغربی میثاقیوں کو بغاوت پر اُبھارنے کی جو ناقص کوشش کی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُسے، رمبولڈ سمیت، گرفتار کر لیا گیا۔ آرجائل پہلے ہی کشتنی قرار پا چکا تھا، اُسی سابقہ فیصلے کی بنا پر قتل ہوا اور رمبولڈ پر اب عدالت میں جرم ثابت ہوا۔ اسی مقدمے میں اُس نے دلیری سے یہ الفاظ کہے تھے کہ "مجھے یقین نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کی بڑی تعداد کو محض اس لیے خلق کیا ہے کہ اُن کی پیٹھ پر زین اور منھ میں لگام لگائی جائے اور صرف چند آدمی اس لیے ہیں کہ موزے اور مہمیز پہن کر اُن کی سواری لیں"۔

آرجائل کی گرفتاری کے ۶ دن بعد **مان متھ**، گرے، فلیچر اور فرگسن کی ہمراہی میں لائم (ڈرسیٹ شر) میں لنگر انداز ہوا اور ایک اعلان شائع کیا جسے بڑی حکمت سے مرتب کیا گیا تھا، کہ تمام پروٹسٹنٹوں سے رواداری کا برتاؤ کیا جائے۔ سالانہ پارلیمنٹ کا اجلاس ہو۔ متدین حکام عدالت مقرر کیے جائیں۔ انتخاب عام کے ذریعے فوج بے قاعدہ کے عامل مقرر ہوں۔ قانون بلدیات

باب ششم

منسوخ اور سابقہ سندیں واگذاشت کی جائیں۔ کوئی دو ہزار کے قریب رفیق اُس کے پاس جمع ہو گئے اور اگر اسلحہ کا ذخیرہ کافی ہوتا تو ان سے زیادہ آدمی مل جاتے۔ کچھ وقت اُن کی قواعد آموزی میں خراب کر کے وہ ٹانٹن کی طرف بڑھا جو سمرسٹ شر کے صنعتی ضلعے کا صدر مقام تھا اور وہاں کے پارچہ بافوں اور منڈپ پہاڑیوں کے کان کنوں میں کافی ہر دلعزیزی رکھتا تھا۔ چنانچہ ادنیٰ اور متوسط طبقوں نے تپاک سے خیر مقدم کیا لیکن زمینداروں یا امرا کے طبقے سے کوئی تائید نہ ہوئی۔ ایک بدنصیبی یہ ہوئی کہ اس کے ساتھی فلیچر کا ٹانٹن کے ڈیئر سے جھگڑا ہوا اور فلیچر نے اُس کے گولی مار دی۔ حالانکہ یہ ڈیئر، مان متھ کا بہت با اثر رفیق تھا۔ غرض فلیچر کو تو اس بنا پر جہاز میں واپس بھیجنا پڑا اور لارڈ گرے جس کے سپرد رسالے کی سرداری تھی، سخت ناکارہ ثابت ہوا۔ ان سب بدشگونیوں کے باوجود مان متھ نے خطاب بادشاہی اختیار کیا اور برسٹل کی طرف تیز بڑھے چلا گیا کہ اپنے چلیشر کے خیر خواہوں سے جا ملے۔ مگر اس کی سپاہ کو فلپس نورٹن کی معمولی لڑائی میں زک ہوئی تو یہ ساری امیدیں باطل ہو گئیں اور وہ برج واٹر چلا آیا۔

مان متھ کا حشر

شاہی لشکر اس کے عقب میں وہاں بھی آپہنچا۔ اس لشکر کے سردار، فیورشم اور جان چرچل تھے۔ پہلا شخص تورین کا بھتیجا تھا اور دوسرا آگے چل کے شہزادۂ مارل برو بنایا گیا۔ شاہی پڑاؤ سیج مور کے نیم خشک میدانوں میں موضع ویسٹن زائے لینڈ کے قریب تھا اور مان متھ کو سلامتی کی آخری سبیل یہ نظر آئی کہ اس لشکر پر شبخون مارا۔ اگر آخر تک حملے کی خبر نہ ہوتی تو رات کی تاریکی باغیوں کی قواعد نہ دانی کی تلافی کر دیتی لیکن اتفاق یا ناواقفیت کی وجہ سے حملہ آوروں کے آنے کی اس وقت خبر ہو گئی جب کہ شاہی پڑاؤ تک پہنچنے میں ایک خندق کو عبور کرنا باقی تھا۔ اب اُلٹا شاہی فوج نے حملہ کر دیا اور گو مان متھ کے پیادے خوب لڑے مگر گرے کے ماتحت رسالے والے نامردی سے فرار ہو گئے۔ اور دن نکلا تو مان متھ بھی مایوس ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ساحل تک پہنچنے کی کوشش میں وہ

باب ششم

کسی نہ کسی طرح نیو فورسیٹ تک آ گیا لیکن بدلے ہوئے بھیس میں ذلت و رسوائی کے ساتھ گرفتار ہوا اور اپنے ساتھی باغی سردار لارڈ گرے سمیت لندن بھیجا گیا۔ پارلیمنٹ اُس پر خرابی خون کا پہلے ہی فتویٰ دے چکی تھی پھر بھی وہ جاں بخشی کے لیے گڑگڑایا اور بغاوت کا سارا الزام اُن جھوٹے اور خطرناک ساتھیوں کے سر تھوپتا رہا جنھوں نے اُسے اغوا کیا تھا۔ اُس نے قتل کی سزا پائی لیکن اس درجہ نامردی دکھائی کہ اس کی سابقہ ہمت و روش کو دیکھتے ہوئے یقین کرنا مشکل ہے۔ گرے نے اپنی رسوائی کی تکمیل اس طرح کی کہ سلطانی گواہ بن گیا اور اپنے کئی سابقہ دوستوں کو سزا دلوائی۔ ادھر سج مور کے فتحمندوں نے خونی انتقام کی تیاریاں کیں۔ کرنل کرک کی زیر ہدایت باغیوں کی کافی تعداد سولی پر لٹکا دی اور دکھاوے کو بھی کوئی عدالتی تحقیق تفتیش عمل میں نہ آئی۔ کرک نے سنگ دلی کا سبق طنجہ کے موروں میں حاصل کیا تھا۔ مقتولوں کے علاوہ اُن کے دوستوں اور پناہ دینے والوں سے قید خانے بھر دیے گئے اور اُن کی تحقیقات کے لیے پانچ حاکموں کی ایک عدالت خاص مرتب ہوئی جن کا صدر جیفریز تھا۔ یہ عدالت مغرب کی طرف بھیجی گئی، اور اُس نے ونچسٹر میں ٹھیر کر ایک الیسا لزلی کا مقدمہ طے کیا۔ یہ کرام ویل کے ایک امیر کی بوڑھی بیوہ تھی اور اُس پر باغیوں کو پناہ دینے کا الزام تھا۔ اس بات کی کوئی شہادت نہ ملی کہ ملزمہ اپنے مہمانوں سے واقف تھی۔ بایں ہمہ جیفریز کی زبردستی سے وہ مجرمہ قرار پائی اور اپنے اور نیز اپنے متوفی شوہر کے جرائم کی پاداش میں اُس کا سر اُڑا دیا گیا۔ ایک اور غریب عورت گونٹ کو اسی قسم کے جرم کا لندن میں مجرم قرار دیا اور زندہ جلوایا گیا۔ ونچسٹر سے جیفریز اور اس کے ہمسفیر سالسبری، برسٹل وغیرہ مغربی مقامات سے گزرے اور اُن کی سعی و کوشش سے تین سو سے زیادہ اشخاص مصلوب، آٹھ سو غرب الہند میں جلا وطن اور بے حساب اشخاص کو تازیانے، جرمانے یا قید کی سزائیں نصیب ہوئیں۔ ہر روز کی روداد بادشاہ کے مطالعے کی غرض سے بہ احتیاط قلمبند کر لی جاتی تھی۔
ہنری ہشتم نے اپنے زمانے میں مذہبی بغاوتوں کے بعد یا الزبتھ نے ۱۵۶۹ء کے

باب ششم

فسادات کے بعد جیسی بےحساب سولیاں دلوائی تھیں، اُن کے مقابلے میں جیف ریز اور کِرک کا انتقام کچھ خصوصیت سے خونخوارانہ نہیں تھا۔ مگر چونکہ یہ ایسے زمانے میں واقع ہوا جب کہ دنیا نرم سزاؤں کی طرف مائل ہو رہی تھی، اسی لیے ملک بھر میں سنّاٹا سا پڑ گیا اور جیف ریز کی کارروائیاں ہمیشہ کے لیے "خونی عدالت" کے نام سے مطعون ہوئیں۔ مگر خود بادشاہ نے تو اس کارگزاری کے صلے میں اسے صدر اعظم بنا دیا۔

مان متھ کی بغاوت کے ناکام رہنے سے یہ بھی صاف طور پر ظاہر ہو گیا کہ مستقل فوج کے ہونے سے کتنا بڑا فرق پڑ گیا ہے۔ سابق میں باغی بھی ایسی ہی بلکہ بعض دفعہ بہتر فوج مرتب کرلاتے تھے جیسی کہ بادشاہ کے پاس فراہم ہوتی تھی۔ لیکن اب کسی بغاوت کی کامیابی کا جب تک فوج باقاعدہ ساتھ نہ ہو، کوئی قرینہ باقی نہیں رہا۔

کیتھولکوں کی آزادی

مکیاولی کا قول ہے کہ کسی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد حکومت میں خاص طور پر بڑا زور آجاتا ہے۔ جیمز کو بھی ہمت ہوئی کہ کیتھولکوں کو چیرہ دست بنانے کے منصوبے پر عمل کرے۔ اس کے آغاز حکومت سے اس فرقے کے اغراض و مفاد چار شخصوں کی محافظت میں تھے:۔ رچرڈ ٹیلبٹ، جسے "جھوٹا ڈِک" کہتے تھے۔ ہینری جرمن۔ ایک جیسوائٹ، ایڈورڈ پیٹر اور سنڈرلینڈ۔ اور انھی نے جیمز کو ابھارا کہ اپنی چیرہ دستی سے فائدہ اُٹھا کر اصلی حکمت عملی کا آغاز کرے۔ اس حکمت عملی کے مقاصد یہ تھے: (۱) ضمیر کی آزادی، جس کے معنی بادشاہ کے خیال میں یہ تھے کہ سرکاری عہدوں کے لیے جو مذہبی امتحان مقرر تھے، انھیں منسوخ کر دیا جائے (۲) طریق عبادت کی آزادی۔ واضح رہے کہ اُن کے حصول کی کوشش کسی رواداری کی حمایت پر مبنی نہ تھی بلکہ طبعاً جیمز اپنے عقائد و اغراض کی حفاظت کا خواہاں تھا اور اُس کے دل میں جمی ہوئی تھی کہ جب تک اس کی طریق عبادت قانوناً ممتنع، اور اُس کے ہم عقیدہ عہدے سے محروم ہیں، اس وقت تک خود اُس کی بادشاہی محفوظ نہیں سمجھی جا سکتی۔ اسی لیے اگر وہ امتحان موقوف ہو جائیں تو

تو وہ سوچے بیٹھا تھا کہ چاروں طرف کیتھولک عہدہ داروں کا حلقہ مرتب کرے گا۔

چند مہینے کی التوا کے بعد، نومبر ۱۶۸۵ء میں پارلیمنٹ کا اجلاس پھر شروع ہوا۔ اس وقفے میں جیمز بالکل فیصلہ کر چکا تھا کہ مذکورہ بالا معاملات طے کرا لیے جائیں۔ نیز ہے بیس کورپس قانون کی تنسیخ اور فوج مستقل کے اضافے پر پارلیمنٹ کو آمادہ کیا جائے۔ اگرچہ وہ اس بات سے بھی بے خبر نہ رہ سکتا تھا کہ پارلیمنٹ میں ان تجاویز کو کس نظر سے دیکھا جائے گا۔ خود مجلس شاہی میں ہے لی فیکس نے اُن کی مخالفت کی تھی اور اسی بنا پر برطرف کیا گیا تھا۔ پروٹسٹنٹ عہدہ داروں نے بھی بادشاہ کے علانیہ کیتھولک نماز میں شریک ہونے تک پر تامل و اکراہ ظاہر کر دیا اور خود روچیسٹر نے اُن کی سرگروہی کی۔ ادھر گزشتہ اجلاس ہی میں دار العوام کے مبعوثین اعلان کر چکے تھے کہ جو مذہبی آئین اس وقت قائم ہیں، اُنھیں ہم اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔

ہیوگنو پناہ گزین

کیتھولک فرقے کے لوگوں کی بدظنی کی ایک شہادت اُسی زمانے میں یہ ملی کہ اگلی گرمیوں میں لوئی نے ہنری چہارم کے "فتویٰ نانت" کو منسوخ کر دیا حالانکہ یہی قرار داد تھی جس کے ذریعے فرانس کے پروٹسٹنٹ یا ہیوگنو فرقے کو امن نصیب ہوا تھا۔ لوئی کا یہ فعل بجائے خود ایک فاش غلطی تھا کیونکہ فرانس کے ہیوگنو متوسط طبقے کے نہایت محنتی اور کاروباری لوگ تھے۔ ان کے نکلنے سے فرانس تقریباً ویران رہ گیا۔ ساہوکارہ ایسا کمزور ہوا کہ اس جابر بادشاہ کی آمدنی میں معتد بہ کمی آ گئی۔ مصنوعات رُک گئیں۔ جیسوئٹ فرقے کے سوا تمام قوم اس فعل کو قابل نفرت سمجھتی تھی اور پاپائی فرقہ تک اسے پسند نہ کرتا تھا۔ بہرحال یہ مہاجرین انگلستان آئے تو وہاں لوگوں نے اُنھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اُن میں جو لوگ محتاج تھے، اُن کی مدد کے لیے چندے کیے گئے اور پروٹسٹنٹی جذبات نیز کیتھولک فرقے کی ہر بات سے بدظنی اور زیادہ بڑھ گئی۔

پارلیمنٹ کا جلسہ ہوا تو جیمز نے اپنے خطبے میں فوج بے قاعدہ کا ناقابل اطمینان طرز عمل بیان کیا جو مان متھ کی بغاوت کے زمانے میں ظاہر ہوا تھا۔ اور اسے فوج مستقل کو بڑھانے کی دلیل میں پیش کیا۔ اسی کے ساتھ ان

باب ششم

کیتھولک سرداروں کی تعریف و توصیف کی جنھیں فوری ضرورت کی بنا پر بادشاہ نے سرداری کے عہدوں پر مقرر کر دیا تھا۔ لیکن اس تقرر کے ہوتے ہی نکتہ چینی شروع ہوگئی۔ دارالعوام میں سیمور اور سر جان مینارڈ اور امرا میں ڈیون شر، ہے لی فیکس، کومپ ٹن (اسقف لندن) وغیرہ فریق اختلاف کے سرگروہ تھے اور اپنی بات پر اس طرح اڑے کہ جیمز کو بتعجیل پارلیمنٹ فسخ اور حصول مقاصد کے لیے دوسری تدابیر اختیار کرنی پڑیں۔ یہ نئی تدبیر

اختیارات استثنا

اختیارات استثنا کا بے محابا استعمال تھا۔ اس زمانے میں بادشاہ کے استثنا اور التوا کے اختیارات پر بہت کچھ گفتگو ہوئی تھی۔ دراصل ان کی بنیاد بادشاہ کے قدیم حق معافی پر بنی تھی۔ مگر اب ان اختیارات میں دو توسیعیں یہ کی گئیں کہ بادشاہ کسی شخص کو قبل از قبل خلاف قانون فعل کی اجازت دے سکتا ہے اور دوسرے یہ کہ وہ کسی قانون کے نفاذ یا عمل کو کسی فرد یا سب کے لیے ملتوی کرنے کا حق رکھتا ہے جب تک قوانین محض حکومت کی روک تھام یا مجرموں کی سزادہی کے لیے کام میں لائے گئے، اُس وقت تک مذکورۂ بالا اختیارات کی چنداں ضرورت ہی نہ پیش آئی لیکن جب قوم نے مذہبی اختلافات کی بنا پر قیود اور رکاوٹیں ڈالنی شروع کیں، تو ان اختیارات شاہی کی اہمیت خواہ مخواہ بہت بڑھ گئی۔ جیمز نے سب سے پہلے تو حکام عدالت کی رائے حاصل کی اور بعض کو مذبذب دیکھ کر عدالت کی ایسی اصلاح کی کہ اپنے موافق مراد متفقہ فیصلہ مل سکے پھر اس نے سر اڈورڈ ہیلز کے خلاف خود ایک مقدمہ امتحاناً دائر کرا دیا۔ یہ شخص مذہباً کیتھولک تھا اور جیمز نے اسے کرنل مقرر کر دیا تھا۔ اب اسی کے اشارے سے ہیلز کے کوچبان نے عدالت میں مخبری کی اور عدالت عالیہ کے میر مجلس ہربرٹ نے اس کی سماعت کی بلکہ خود ہی یہ تدبیر سمجھائی تھی۔ پھر فیصلہ سنایا کہ بادشاہ کے حقوق خاص میں یہ امر بھی داخل ہے کہ خاص خاص مقدمات میں تعزیری قوانین سے لوگوں کو مستثنیٰ کر دے۔ اس طرح مدعا علیہ (ہیلز) کے حق میں فیصلہ ہوگیا تو جیمز کو اور تقویت حاصل ہوئی اور اُس نے بے تکلف کیتھولک اشخاص کو

باب ششم

عہدے دینے شروع کیے اور چونکہ وہ ایسا ہی زیادہ کفایت شعار تھا جیسا کہ چارلس دوم مُسرف تھا، اس لیے بغیر پارلیمنٹ کی رقمی منظوری کے فوج مستقل کی تعداد بھی بڑھا کر ۱۴ ہزار کر لی۔ سنہ ۱۶۸۶ء میں آکسفرڈ کا اسقف اور کلیۂ کرائسٹ چرچ کا صدر ڈاکٹر فیل فوت ہوا تو بادشاہ نے اُس کی جگہ دو آدمی مقرر کیے۔ ایک تو میسی جو کیتھولک تھا اور دوسرے ڈاکٹر پارکر جو علانیہ کیتھولک تو نہ تھا مگر کا درباری اور شراب کباب کی محفلوں میں اپنی لطیفہ سنجی کی بدولت خاص طور پر مشہور تھا۔ اسی زمانے میں ایک جدید المذہب کیتھولک، واکر کو بذریعۂ استثنا کلیۂ جامعہ میں اپنے عہدے پر برقرار رہنے کی اجازت دی گئی۔ یہ کارروائیاں اس وعدے کے خلاف تھیں جو جیمز نے تخت نشینی کے وقت مذہبی قوانین علیٰ حالہ رکھنے کا کیا تھا، مگر اس بیباکی کی تاویل خود کلیسا اور جامعہ والوں کی تقریریں تھیں کہ یہ گروہ بادشاہ سے بغاوت کرنے پر برابر زجر و توبیخ کرتے رہتے تھے اور لارڈ رسل کے قتل ہی کے دن آکسفرڈ کے علما نے اپنا یہ عقیدہ بیان کیا تھا کہ کسی حال میں بھی بادشاہ کی مزاحمت کرنا حرام ہے۔" پس جیمز کو اطمینان تھا کہ اُس کے کاموں کو پسند نہ کریں تو بھی کلیسا اور جامعات سے اندیشہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بایں ہمہ اُس نے کلیسائی تقررات کے لیے ایک جدید نظارت قائم کی تاکہ کلیسا پر پورا قابو رہ سکے۔ یہ در اصل اعلیٰ تقررات کی قدیم عدالت کو، جو سنہ ۱۶۴۱ء میں توڑی گئی، ایک دوسرے نام سے زندہ کرنا تھا اور چونکہ سنہ ۱۶۶۲ء کے ایک قانون میں بادشاہ کو اپنی سیادت سے کام لینے کی اجازت درج تھی لہذا اس سے فائدہ اُٹھا کر جدید نظارت قائم کر دی گئی جس کے سب ارکان یہ وِٹس ٹنٹ تھے لیکن میر مجلس اور جیف اریز بھی داخل تھے اور اسی سے نئے محکمے کا مطلب سمجھ میں آسکتا تھا۔

ہاؤنس لو کی چھاؤنی لندن کو مرعوب کرنے کی غرض سے جیمز نے ہاؤنس لو میں ۱۳ ہزار سپاہی جمع کر لیے اور اپنی حفاظت کی طرف سے مطمئن ہو کر بڑے بڑے عہدوں پر کیتھولک اشخاص کو مقرر کرنا شروع کیا۔ اپنے برادر نسبتی کلے رنڈن کو آئرستان سے واپس بلا کر وہاں کی ولایت

ٹالبٹ کے تفویض کی اور اُسے امیر ٹائر کونل کے خطاب سے سرفراز کیا۔ وہ اپنی نوجوانی میں ڈرو گھیڈا کی یورش کے موقع پر موجود تھا اور اُس کی بڑی آرزو یہ تھی کہ آئرستان کو آزادی حاصل ہو جائے۔ لیکن خود جیمز اسٹری فرڈ کی حکمت عملی چلانے کی فکر میں تھا کہ اس مُلک کو انگلستان کے خلاف جنگ آرائی کا مرکز بنائے۔ اس بنیادی اختلاف کے باوجود بوقت تقرریہ دونوں متفق تھے کہ آئرستان کی فوج کو از سر نو مرتب کیا جائے اور وہاں کی دیوانی خدمات پھر کیتھولک ہاتھوں میں منتقل کر دی جائیں۔ روچیسٹر کو بھی کیتھولک بنانے کی سلسلہ جنبانی اسی زمانے میں ہوئی اور جب اُس نے انکار کیا تو وزارت خزانہ سے برطرف کر دیا گیا۔ سنڈرلینڈ زیادہ مصلحت پسند ثابت ہوا اور روچیسٹر کی جگہ مقرر ہونے کی امید میں بادشاہ کا مذہب قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ یہی کیفیت اور بہت سے اشخاص کی تھی۔

جامعات اور کلیسا سے بادشاہ کے جھگڑے

۱۶۸۶ء میں نظارت کلیسائی نے لندن کے اُسقف کومپٹن کو معطل کر دیا۔ اس پادری نے دارالامرا میں بادشاہ کی مخالفت میں حصہ لیا تھا اور اس قصور کے علاوہ اب ڈاکٹر شارپ کی زبان بندی کرنے سے انکار کرتا تھا۔ شارپ، سینٹ جائلز کا صدر تھا اور اُس نے منبر پر کھڑے ہو کر بعض نئے کیتھولکوں کی دیانت پر حرف زنی کی تھی۔ کومپٹن کے تعطل کے بعد جیمز نے آکسفرڈ و کیمبرج کی جامعات پر حملہ کیا۔ نافذ الوقت قانون کی رو سے کوئی کیتھولک ان مدارس میں نہ تحصیل علوم کی سند اور نہ کوئی عہدہ پا سکتا تھا۔ جیمز نے ٹھان لی کہ اختیارات استثنا کے زور سے اس قانون سے تجاوز کیا جائے۔ چنانچہ ایک بینی ڈک ٹائن راہب ایلبن فرانسس کی درخواست پیش ہوئی کہ اُسے ایم۔ اے کی سند عطا کی جائے۔ درخواست گزار اسی نواح میں کیتھولک مبلغ کا کام کرتا تھا پس نائب امیر جامعہ نے مجلس رفقا کی غیر سرکاری تائید سے یہ درخواست "تاوقتیکہ فرانسس مقررہ حلف نہ لے" مسترد کر دی اور اسی بنا پر اپنے عہدے سے برطرف اور ماڈلن کالج کی معلمی سے

معطل کر دیا گیا - بایں ہمہ کامیابی جامعہ ہی کو حاصل ہوئی کیونکہ نئے نائب امیر جامعہ کے مقرر ہونے پر بھی فرانسس سند نہ پا سکا - کیمبرج کے بعد آکسفرڈ کی نوبت آئی - حقیقت میں جیمز نہایت خواہشمند تھا کہ کیتھولک طلبہ ان مدارس میں داخل ہوں - مگر اُس کا طریق عمل آکسفرڈ میں کیمبرج سے بھی بڑھ کر قابل گرفت ہے کہ وہاں کے ایک سب سے مالدار مدرسے (ماڈلن کالج) کا صدر نشین فوت ہوا تو اُس نے رفقا کے نام خط لکھا جس میں ایک کیتھولک اینٹنی فارمر نامی کو صدر مقرر کرنے کا حکم تھا حالانکہ قواعد و ضوابط کی رو سے یہ شخص نہ مقرر ہو سکتا تھا اور نہ علم و عمل میں کوئی خاص شہرت و امتیاز رکھتا تھا - غرض رفقا نے اپنی جماعت میں سے ایک شخص جان ہاف کو انتخاب کر لیا جو ہر طرح مناسب امیدوار تھا اور "لیاقت و استقامت کے لحاظ سے محض ڈر کر اپنے حقوق چھوڑنے والا نہ تھا" پھر یہ معاملہ کلیسائی نظارت کی عدالت میں پیش ہوا - اُس نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ فارمر کو نظر انداز کر دیا جائے - اسی کے ساتھ ہف کا انتخاب ناجائز ٹھیرایا - اب جیمز نے پارکر (اسقف آکسفرڈ) کو نامزد کیا اور گو اُسے لوگ خفیہ کیتھولک خیال کرتے تھے، تاہم وہ عہدے کی قابلیت ضرور رکھتا تھا مگر رفقا کو اصرار تھا کہ ہف کا انتخاب درست ہے اور اب جگہ ہی خالی نہیں جس پر پارکر کو مقرر کیا جائے - ایسی سمت سے جہاں سے بالکل توقع نہ تھی، یہ مخالفت دیکھ کر اور نیز اس گمان کی وجہ سے کہ رفقا غلطی سے ایسا کر رہے ہیں، جیمز کو سخت غصہ آیا اور اُس نے بذات خود آکسفرڈ جا کر گستاخ رفقا کو ایسی سخت سست باتیں سنائیں جن سے جامعہ کی توقیر اور خود منصب شاہی کی ذرا عزت نہ بڑھی - اس کے بعد مجلس نظارت نے ہف کا انتخاب منسوخ کیا اور اُس کی بجائے پارکر کا نائب صدر نشین کے مکان میں آکر مقیم ہو گیا - خود ہف، پچیس رفقا اور چودہ قدیم طلبۂ جامعہ سے خارج اور کلیسائی خدمات سے ابداً محروم کر دیے گئے - اسی لڑائی جھگڑے میں پارکر مر گیا اور اب جیمز نے اس کی جگہ ایک کیتھولک اُسقف، گیفرڈ اور خارج شدہ رفقا و طلبہ کی بجائے بھی کیتھولک افراد اور درباری نامزد کر دیے - مگر اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل جامعہ

باب ششم

نہ صرف آکسفرڈ و کیمبرج میں بلکہ ملک بھر کے کلیسائی مدارس میں جیمز کے خلاف صف بستہ ہو گئے کیونکہ گو انھیں کیتھولک پاسبانوں کے تقرر کی مطلق پروا نہ تھی لیکن وہ ایک قدیم اور وفادار مدرسے کے ساتھ ادنیٰ سے ادنیٰ مخالفانہ برتاؤ کے معنیٰ خوب سمجھتے تھے۔

کچھ مدت تک جیمز، کلیسائے انگلستان کے اقرار وفاداری پر بھول کر یہ سمجھتا رہا کہ اس فرقے اور کیتھولک فرقے میں اتحاد کرا دیا جائے تو اس کے مقاصد بہ آسانی پورے ہو جائیں گے لیکن یہ امید باطل ہوئی تو اُس نے وزارت کیبال کی روش اختیار کی کہ کیتھولک اور غیر مقلد پروٹسٹنٹوں میں مصالحت کرا کے مذہبی رواداری کی شکل نکالی جائے۔ نظر براں وہ غیر مقلدوں سے بہت اخلاص ظاہر کرنے لگا۔ اور بنیکسٹر وغیرہ کو جو مدت سے تعزیری قوانین کی رو سے قید بھگت رہے تھے، رہا کر دیا اور اپریل ۱۶۸۷ء میں ایک اعلان رواداری شائع کیا جس میں مذہبی خطاؤں کے متعلق جو تعزیری قوانین تھے۔ ان سب کو معطل اور سرکاری خدمات کے لیے حلفیہ قول و قرار کو ممنوع قرار دیا۔ یہ بجائے خود بہت عمدہ اصول تھے اور آیندہ انھیں واضعانِ قوانین نے اختیار بھی کیا لیکن جیمز کے زمانے میں اس رواداری پر دو سنگین اعتراض وارد ہوتے ہیں کہ اوّل تو اس قسم کے اعلان کو اگر جائز رکھا جاتا تو پھر کوئی قانون بادشاہ کے اختیارات کی زد سے کسی وقت بھی محفوظ نہ رہ سکتا تھا۔ دوسرے یہ رواداری اُس زمانے کے باشندگان انگلستان کے جذبات سے بالکل ہم آہنگ نہ تھی۔ یہی دو سبب جیمز کی مذکورۂ بالا تدبیر کے حق میں سم قاتل ثابت ہوئے۔ کلیسائے انگلستان کے لوگ اعلان پڑھ کر دنگ رہ گئے اور خود غیر مقلدوں میں جنھیں اس سے فائدہ پہنچتا تھا، بیکسٹر نے اسے تسلیم نہیں کیا اور دوسروں نے بادشاہ کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ یہ شرط ضرور لگا دی کہ امید ہے یہ طریق عمل بہت جلد دارالامرا اور دارالعوام کی تائید حاصل کرے گا۔ البتہ چند ایسے بھی تھے جو اعلان سن کر بہت خوش ہوئے اور اپنی جلسہ گاہوں کو باقاعدہ معبد بنانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ انھی میں امیر البحر پین کا بیٹا ولیم پین شامل تھا جو اعلان رواداری سے

باب ششم

بادشاہ کا پوری طرح گرویدہ اور حامی ہوگیا۔ ایسے لوگ "دربار دار کوئیکر" بھی کہتے تھے۔

مجموعی طور پر لوگوں نے جس بیدلی سے اعلان شاہی کا خیر مقدم کیا اُسے دیکھ کر جیمز کو اپنی احمقانہ روش پر متنبہ ہو جانا چاہیے تھا لیکن وہ اسی رائے میں رہا کہ کلیسا، پسند نہ کرے تو بھی مخالفت تو کبھی نہ کرے گا اور غیر مقلدوں کے گروہ کا نائب پین کو سمجھتا رہا۔ حتیٰ کہ بعض اعتدال پسند انگریز کیتھولکوں تک نے اُسے سمجھایا بجھایا تو اُن کے مشورے کو حقارت سے رد کر دیا حالانکہ یہ لوگ خوب سمجھتے تھے کہ بادشاہ اُن کی طرفداری کے جوش میں وہ راستہ اختیار کر رہا ہے جو اُن کے اور خود بادشاہ کے حق میں طرح طرح کے خطرات سے بھرا ہوا ہے۔ مگر جیمز کامیابی کا پورا یقین رکھتا تھا اور اسی بھروسے پر اُس نے جیسوئٹ پٹر اور چار کیتھولکوں کو مجلس شاہی میں داخل کر دیا۔ ارنڈیل کو شاہی مہر بردار ہیلز کو قلعۂ لندن کا قلعہ دار اور دو اور کیتھولکوں کو وزارت خزانہ کا رکن بنا دیا۔ اب اہل ملک یہ سمجھنے لگے کہ جیمز کا مذہبی رواداری سے اصلی منشا یہ ہے کہ کیتھولک فریق کو اقتدار کلی حاصل ہو جائے اور ہرچند اُن کی تعداد ملک میں چار فی صدی بھی نہ ہوگی، لیکن وہ تناسب تعداد سے کہیں بڑھ کر سیاسی قوت حاصل کرلیں۔ لوگ یہ بھی باور کرتے تھے کہ وہ ان حرکتوں سے انگلستان و روما میں دوبارہ تعلق پیدا کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے اور کیتھولک عقیدے ہی کو آیندہ سرکاری مذہب بنا دے گا۔ چنانچہ جب جیمز کے حکم سے وھائٹ ہال کا کنیسہ کیتھولک رسوم کی علانیہ بجاآوری کے لیے کھول دیا گیا اور اس مذہب کے علما وغیرہ اپنی اپنی مقررہ پوشاکوں میں سب کے سامنے وہاں آنے جانے لگے اور خصوصاً جب کہ ۳ جنوری ۱۶۸۷ء کو ایک پاپائی سفیر کا دربار میں تعظیم و تکریم سے استقبال کیا گیا، تو اس گمان کی اور بھی تصدیق ہوگئی۔

پارلیمنٹ

دسمبر ۱۶۸۵ء سے پارلیمنٹ کا کاروباری اجلاس نہ ہوا تھا۔ جولائی میں اسے بالکل ہی فسخ کر دیا گیا اور اب جیمز نے ایسی پارلیمنٹ مرتب کرنے کی فکر کی جو اُس کے اعلان رواداری کی توثیق کر دے۔ اس غرض سے

ایک تنظیمی محکمہ قائم کیا کہ بلدیات میں مزید ردّو بدل کرے اور صوبہ داروں سے فرمائش کی کہ ایسے کیتھولک اور غیر مقلد اشخاص کی فہرستیں تیار کردیں جو پارلیمنٹ کی رکنیت کے لیے موزوں ہوں۔ نیز اپنے اپنے علاقے کے فوجداری حاکموں اور بڑے بڑے جاگیرداروں کو بلاکر دریافت کریں کہ (۱) اگر وہ لوگ مبعوث منتخب ہوں تو حلفی آزمائشوں کے خلاف رائے دیں گے یا نہیں؟ (۲) آیا جو امیدوار یہ خیال رکھتے ہیں، وہ اُن کے موافق رائے دیں گے؟ اور (۳) آیا وہ خود ہر فرقے کے لوگوں کے ساتھ امن و آشتی سے رہیں گے؟ واضح رہے کہ یہ سب صوبہ دار ٹوری فرقے کے لوگ تھے اور ان میں سے بعض بادشاہ کی طرف سے ایج ہِل اور نیزبی میں لڑکر زخم کھا چکے تھے۔ بایں ہمہ سب کی طرف سے جواب عموماً نفی میں ملا۔ امیر نارتھمپٹن نے وارک شر کے باشندوں سے صاف کہہ دیا کہ یہ سوالات کرنا میرا فریضہ ہے لیکن میں خود ان میں سے کسی ایک کے بھی موافق رائے نہیں رکھتا۔ اکثر جوابات کی عبارت ایسی چالاکی سے لکھی گئی تھی کہ کوئی قطعی ذمہ داری ہی عائد نہ ہوسکتی تھی اور بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ عبارتیں ہے لی فیکس نے تیار کی ہیں۔ بہر حال، خود جیمز کو بھی یقین ہوگیا تھا کہ کسی ایسی پارلیمنٹ کا انتخاب ناممکن ہے جو اعلان رواداری کی تائید کرے، غیر ممکن ہے اور اُس نے عہدہ داروں اور سرکش امیروں کو خدمات سے برطرف کرکے غبار نکالا۔ منجملہ اور امیروں کے امیر کبیر سمرسٹ جو صدر حاجب خوابگاہ تھا۔ پاپائی سفیر کو نذر نہ دینے کے قصور پر برطرف کیا گیا۔ امیر ڈیون شر نے اخراج کی نوبت آنے سے پہلے خود استعفا دے دیا اور ان سب خدمات پر درباری یا کیتھولک اشخاص مقرر کردیے گئے۔ جن بستیوں سے مخالفت کا یقین تھا، ان کی بلدی مجلسیں بدل دی گئیں۔

اب جیمز نے رفتہ رفتہ اپنے باپ کے قدیم طرفداروں کو، یعنی اُمرا، زمیندار، جامعات اور کلیسا، سب کو اپنا دشمن بنا لیا۔ یہ ہنوز مشکوک تھا کہ غیر مقلد گروہ کیا طرز عمل اختیار کرے گا کیونکہ کلیسائے انگلستان کا عود ملوکیت کے بعد سے اس گروہ کے ساتھ برتاؤ نہایت تکلیف دہ رہا تھا لہٰذا یہ لوگ

باب ششم

کسی صعب وقت میں بادشاہ کے ساتھ ہو جاتے، تو کچھ تعجب کی بات نہ تھی۔ مگر دو سبب مانع ہو گئے۔ ایک تو یہ کہ کلیسائے انگلستان سے ان کی علیحدگی کی اصلی وجہ ہی یہ تھی کہ اُس کی رسوم اور طریق انتظام پاپائی اُصول سے بہت مشابہ تھا۔ لہذا یہ فرقہ ایسی حکمت عملی کی تائید مشکل سے کر سکتا تھا جس کا نتیجہ آگے چل کے بظاہر یہی ہونے والا تھا کہ کلیسائے انگلستان کا مرتبہ کیتھولک مذہب کو حاصل ہو جائے اور انگلستان میں چار کیتھولک اسقفوں کے مقرر کر دیے جانے سے مستقبل کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہو سکتا تھا۔ دوسری بات یہ کہ یہ فرقہ قوم کے مزاج کا جیمز سے کہیں بہتر نبض شناس اور بخوبی واقف تھا کہ اہل انگلستان کی تعداد کثیر کلیسائے انگلستان کی گرویدہ ہے اور آزاد پارلیمنٹ بادشاہ کی حکمت عملی کو یقیناً منسوخ و منقلب کر دے گی۔ پھر وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ گو جیمز کی کارروائی اس وقت ہمارے حسب مراد ہے لیکن یہ مُلک کی آزادی کو خاک میں ملانے کی تدبیر کا صرف ایک جزو ہے۔ غرض اُن کے فرقے کی اکثریت مائل ہو گئی کہ کلیسائے انگلستان کا ساتھ دیا جائے اور پارلیمنٹ کی احسانمندی پر بھروسا کیا جائے کہ وہ آیندہ انھیں صلہ دے گی۔ اور اس طرح جیمز کی کوشش کہ غیر مقلدوں کو اپنی طرف ملائے ناکام رہی۔

بیٹے کی امید

اس وقت تک مُلک جیمز کی حرکتوں پر خاص طرح ضبط و صبر کیے رہا کیونکہ امید تھی کہ کبھی نہ کبھی میری اور ولیم اُس کے وارث ہو جائیں گے۔ ۱۶۸۷ء میں ولیم کا فرستادہ ڈک ویلٹ بھی انگلستان آیا کہ اُس کے حامیوں کی گروہ بندی کر دے اور وہ مل کر شہزادۂ ولیم کی تائید میں کام کریں۔ چنانچہ ڈک ویلٹ کی جرأت اور سلیقہ مندی سے ہیلی فیکس، شروزبری، اسقف لندن وغیرہم چند عمائد مُلک کا ولیم اور میری سے قوی رابطۂ اتحاد قائم ہو گیا۔ لیکن اسی زمانے میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ ان ساری امیدوں پر پانی پھر جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ وہ یہ تھا کہ دسمبر ۱۶۸۷ء میں باضابطہ اعلان ہوا کہ ملکہ کے پھر اولاد ہونے والی ہے۔ لڑکی ہونے کی صورت میں تو سلسلۂ وراثت میں کوئی تغیر نہ ہو سکتا تھا لیکن اگر لڑکا ہوا اور زندہ رہے تو پھر

جیمز کا جانشین پروٹسٹنٹ میری نہ ہوسکتی تھی بلکہ وہی (کیتھولک) شہزادہ ہوتا اور اس صورت میں سوائے بغاوت و انقلاب کے جیمز کی حکمت عملی بدلی نہ جا سکتی تھی۔ غرض اس خبر سے پروٹسٹنٹوں کو طبعاً بہت تشویش ہوئی اور کیتھولک فرقے والے اس امید میں کہ نرینہ وارث پیدا ہوگا، خوشی سے پھولے نہ سمائے۔

دوسرا اعلان رواداری

یہ حالات تھے جبکہ جیمز نے کمال نادانی سے کلیسائے انگلستان کی مزید صبر آزمائی یہ کی کہ اپریل ۱۶۸۸ء میں ایک دوسرا اعلان رواداری شائع کیا اور حکم دیا کہ برابر دو اتواروں کی نماز میں پادری اسے ہر گرجا میں پڑھ کر سنائیں۔ اس قسم کے بعض شاہی اعلان، جیسے ۱۶۸۱ء میں چارلس کا اعلان وھگ فرقے کے خلاف، یا ۱۶۸۳ء میں اس کا اعلان رای ہاؤس کی سازش کے متعلق، پہلے بھی پادریوں کے ذریعے ملک میں شایع ہوئے تھے لیکن چونکہ جیمز کا یہ اعلان بجائے خود علمائے دین کی نظر میں خلاف شرع تھا، لہذا اطاعت شاہی سے فاعلی اور انفعالی انحراف کی باریک تفریق نکال کر علما نے احتجاج کی جسارت کی۔ یہ تحریر بہت معتدل تھی اور صدر اسقف سین کروفٹ اور چھ دوسرے اساقفہ اہل احتجاج کے سرخیل تھے۔ اس تحریر میں صاف طور پر عرض کر دیا گیا تھا کہ چونکہ اعلان شاہی ایسے حق استثنا پر مبنی ہے، جسے پارلیمنٹ کئی بار، خصوصاً ۱۶۶۲ء و ۱۶۷۲ء اور خود حضور کے ابتدائے عہد میں خلاف آئین قرار دے چکی ہے۔ لہذا عقل، دیانت اور صداقت متقاضی ہیں کہ عرضی گذار اس حد تک اعلان مذکور کی تائید نہ کریں کہ خدا کے گھروں میں اس کی نشر و اشاعت میں حصہ دار ہوں، نظر بریں انھیں معذور رکھا جائے۔ عرضی پر صدر اسقف اور سینٹ ایف، ایلی، چیسٹر، باتھ و ویلز، پیٹر برو اور برسٹل کے اسقفوں کے دستخط ثبت تھے اور یہی اسے لے کر بادشاہ کے حضور میں پہنچے۔ سین کروفٹ سے بادشاہ خوش نہ تھا اس لیے وہ اسقفوں کے پیچھے پیچھے تھا۔ عرضی سنڈرلینڈ کو دکھا کر اس کے پڑھے بغیر خاص جیمز کے سامنے پیش کی گئی۔ وہ بہت برہم ہوا اور کہنے لگا "یہ عجیب الفاظ ہیں ...... یہ عرضی بغاوت کا جھنڈا یا سبا کا طبل جنگ ہے۔ ۱۶۴۰ء میں پیوری ٹن فرقے والوں نے جو باغیانہ وعظ و پند کیے وہ سب مل کر بھی

باب ششم

ایسے بُرے نتائج لانے والے نہ ہوں گے"۔ چند ہی گھنٹے بعد یہ عرضی چھپ گئی۔ چھ اور اسقفوں نے اُس کی تائید کا اعلان کیا اور جیمز نے ناعاقبت اندیشی سے بغاوت وغیرہ کے جو الفاظ بک دیے تھے، اُن کا فی الواقع ظہور ہو گیا۔ دوسرا دن وہ تھا جس میں اعلانِ شاہی لندن میں اور دو ہفتے بعد اضلاع میں پڑھا جانے والا تھا مگر بہت کم پادری اسے پڑھ کر سنانے کی جرأت کر سکے اور جہاں سنایا گیا وہاں سے مصلّی عموماً اُٹھ کر چل دیے۔ جیمز آپے سے باہر ہو گیا اور اسقفوں پر ہتک آمیز تحریر چھاپنے کا مقدمہ چلانے کا حکم دیا۔ ۸ جون کو یہ لوگ مجلس میں پیش ہوئے اور عرضی لکھنے کا اقرار کیا مگر حاضرِ عدالت ہونے کی کوئی ضمانت نہیں پیش کی لہذا گرفتار کر کے قلعۂ لندن میں بھیج دیے گئے۔ اُن کا وہاں بھیجا جانا گویا بڑے بھاری مظاہرے کا موقع دینا تھا۔ راستے میں صدہا آدمی گھٹنوں پر گر گر کر اُن سے برکت مانگتے تھے حتّٰی کہ قلعۂ لندن کے چوکیداروں تک نے دعائے خیر کی درخواست کی۔ ٹیمز کی ہر کشتی سے اُن کی ناؤ دیکھ کر تالیاں بجائی گئیں اور سنہ ۱۶۴۱ء میں اسقفوں سے جس درجہ بیزاری تھی، اب اُسی قدر عقیدتمندی کا اظہار نمایاں تھا۔ غیر مقلد فرقے کے لوگ تک ان سرفروش اسقفی مظلوموں کی تائید و حمایت کے جوش میں حصہ دار تھے حالانکہ اُن پر کلیسا کی تعدّی جیسی ہوئی نہ تھی۔ تاہم ان کے بھی دس علما قلعۂ لندن میں محبوس اساقفہ کے پاس حاضر ہوئے۔

ولادت فرزند اس یادگار منظر کے دو دن بعد جیمز کے محل میں بیٹا پیدا ہوا۔ ولادت کی صحت میں اب کسی کو حجت نہیں لیکن اس وقت مہینوں تک یہ افواہ گرم رہی کہ یہ سب محض ڈھکوسلا بنایا گیا ہے جیمز کو اس افواہ کی اطلاع تھی مگر وہ خوشی سے ایسا بیخود تھا کہ اُس کی تردید اور بیٹے کی صحیح ولادت ثابت کرنے کی مطلق پروا نہ کی۔ ولادت کے وقت صرف کیتھولک یا درباری اشخاص موجود تھے جن کی بات کا کسی کو اعتبار نہ تھا۔ شہزادی این یا کلے رنڈن خاندان کا کوئی فرد شاہی محل سرا میں نہ تھا لہذا بے تکلف کہا جا سکتا تھا کہ ایسا جان کر کیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ افسانہ کہ بچہ ہرگز ملکہ کا نہیں بلکہ کڑھائی میں رکھ کر محل میں پہنچایا گیا ہے، مشہور ہوتے ہی عام طور پر باور کر لیا گیا

باب ششم

اور کیتھولک فرقے کی کامیابی کی اس تکمیل کو یہی سمجھا گیا کہ بادشاہ قوم کی آزادی اور مذہب کے استیصال کی جہاں اور کوششیں کر رہا ہے، وہیں اُس نے یہ سب سے بڑھ کر شرارت کی ہے۔

اسقفوں کا مقدّمہ چالاک سنڈرلینڈ کو صاف نظر آتا تھا کہ جیمز کی حرکتوں کا نتیجہ کیا ہونے والا ہے۔ اُس نے چاہا بھی کہ ولادت فرزند کے موقع سے فائدہ اُٹھا کر بادشاہ عفو عام کا اعلان کر دے اور اسقفوں پر مقدّمہ چلانے سے باز رہے جس سے عام ناراضی پیدا ہو گئی۔ پاپائی سفیر بھی بادشاہ کی غلطی جانتا تھا اور جیف ریز تک اُس میں ہاتھ ڈالنے سے رُک جاتا لیکن جیمز کو کد تھی کہ مقدّمہ جاری رہے کیونکہ اُس کے نزدیک اس قسم کی نرمی اُس کے باپ پر تباہی لائی تھی چنانچہ تین ہفتے بعد ساتوں اسقف ایوان ویسٹ منسٹر کی شاہی عدالت میں پیش کیے گئے۔ عدالت رائٹ، ہولو وے، پاوٗلی اور (ایک رومن کیتھولک) الی بون پر مشتمل تھی۔ جیوری کو خاص طور پر منتخب کیا گیا اور اس میں شاہی کلال موجود تھا۔ اس جیوری کی خود غرضانہ بے انصافی پر بادشاہ کو پورا بھروسا تھا کہ کم سے کم اُن میں اختلاف رائے تو ضرور ہو جائے گا۔ شاہی وکیل پووس نے مقدمے کا آغاز اس طرح کیا کہ "ان اسقفوں پر حکومت کی مذمت و بدگوئی اور مُلکی معاملات میں رائے زنی کا الزام ہے...... مُلک کے بڑے عہدہ داروں کی نسبت یہ کہنا کہ اُن کا طریق عمل نامناسب ہے کسی طرح جائز نہ ہوگا کیونکہ ایسی نکتہ چینی سے ردّ و بدل کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور گزشتہ زمانے میں ہم اچھی طرح دیکھ چکے ہیں کہ اصلاح کی ایسی خواہش کدھر لے جاتی ہے۔" اس عجیب استدلال کے مقابلے میں اسقفوں کے وکلا نے بادشاہ کے اختیارات استثنا کے عدم جواز اور رعایا کے عرضی دینے کے حق پر زور دیا اور ایک رکن عدالت پاوٗلی بھی اُن کا موید ہو گیا۔ اور اُس نے صاف کہہ دیا کہ "اگر استثنا کا یہ اختیار جائز رکھا جائے تو پھر کسی پارلیمنٹ کی ضرورت نہیں رہتی اور وضع قوانین کا سارا اختیار بادشاہ کی ذات میں جمع ہو جاتا ہے۔" وکیلوں میں ایک نوجوان جان سمرز سب سے ممتاز تھا اور

باب ششم

باؤلی کی حق گوئی قابل صد آفریں سمجھی گئی۔ جیوری شام کے سات بجے علیحدہ غور کرنے کے لیے ایک کمرے میں جمع ہوئی جو رات بھر مقفل رہا۔ شاہی کلال کسی طرح نہ مانتا تھا لیکن آخر میں ایک قوی ہیکل رکن جیوری کی یہ دلیل سب پر غالب آئی کہ "میں تو اس عرضی کو ہرگز توہین نہ سمجھوں گا جب تک کہ فاقے کرتے کرتے سوکھ کر نیچہ (پائپ) نہ بن جاؤں" چنانچہ ۳۰ ؍ جون کو ۹ بجے عدالت کا اجلاس ہوا تو جیوری کی طرف سے "بے گناہ" کا فیصلہ سنا دیا گیا جس پر لوگوں نے تحسین و آفریں کے نعرے لگائے اور تھوڑی دیر میں شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک یہ ہنگامہ بلند ہوتا چلا گیا۔ شام کو ہر طرف چراغاں کیے گئے۔ آتش بازی چھوڑی گئی اور پاپائے رومہ کا پتلا بنا کے خاص وہائٹ ہال ایوان شاہی کے سامنے لوگوں نے آگ دکھائی۔

اگر فوج بادشاہ کے ساتھ ہوتی تو اب بھی وہ محفوظ رہتا۔ لیکن حماقت سے فوج کو لندن کے قریب رکھنے کا اثر یہ ہوا کہ سپاہی بھی اُس کے حامی نہ رہے۔ وہ تو اُنھیں اہل لندن کو مرعوب کرنے کی غرض سے ہاؤنس لو میں لایا تھا مگر شہر والوں نے فوج کو گانٹھ لیا۔ چھاؤنی کے میدان میں تفریح اور کھیل کود ہونے لگے اور فوج کے جوانوں میں عامۃ الناس کے جذبات سرایت کر گئے۔ فیصلے کے دن جیمز صبح کو اپنے پسندیدہ شغل یعنی فوج کے معائنے کے لیے چھاؤنی میں آیا تھا اور لارڈ فیورشم کے ڈیرے میں بیٹھا تھا کہ بلند نعروں کی آواز کان میں آئی۔ کہنے لگا "یہ کیا ہے؟" فیورشم نے جواب دیا "کچھ نہیں۔ صرف سپاہی اسقفوں کی رہائی سُن کر خوش ہو رہے ہیں"۔ جیمز نے کہا "تم اسے کچھ نہیں، کہتے ہو۔ مگر وہ اس کا خمیازہ بھگتیں گے"۔ پھر وہ کبیدہ خاطر گھوڑے پر سوار ہو کر چلا گیا۔

اس جوش و خروش کے باوجود قومی رہنما مان متھ کی ناکامی کا تجربہ نہ بھولے تھے اور یہی سوچتے تھے کہ جب تک کسی باقاعدہ فوج کی مدد سے جیمز کی سپاہ کو اتنے دن تک کہ آزاد پارلیمنٹ منتخب ہو جائے، قابو میں نہ رکھا جا سکے گا، اُس وقت تک اُن کے بنائے کچھ نہ بنے گی۔ چنانچہ اُسی رات امیر البحر ہربرٹ معمولی ملاح کے بھیس میں لندن سے روانہ ہوا اور ایک خط لے کر ولیم (آرنجی) کے پاس پہنچا جس میں درخواست کی گئی تھی کہ

ولیم سے استمداد

وہ اپنی فوج لے کر انگلستان آئے، کہ ایک آزاد پارلیمنٹ کا اعلان ہونے تک اُس کے حامیوں کی حفاظت کر سکے۔ اس سازش میں قابل ذکر لوگ یہ تھے:۔
ہینری سڈنی (الگرنن کا بھائی) - امیر البحر رسل - ڈین بی - شروزبری - لملی (جس نے مان متھ کو گرفتار کیا تھا) اور کومپٹن (اسقف لندن)۔
اس سازش کو ہیلی فیکس کی اخلاقی تائید، ناٹنگ ہم کا اشارہ اور چرچل، کرک اور ٹری لانی، تین نہایت باا ثر فوجی سرداروں کے وعدۂ اعانت کی تقویت بھی حاصل تھی۔ ان میں بعض وھگ اور بعض ٹوری فریق کے افراد تھے لیکن ولیم کی حمایت میں مل کر کام کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے بشرطیکہ یہ منصوبہ عمل کا وقت آنے تک مخفی رہے۔

شہزادہ ولیم کی عمر اب ۳۸ سال کی تھی۔ انگلستان میں اقتدار شاہی کے حصول کی امید اُس جیسے حوصلہ مند آدمی کے لیے کافی کشش رکھتی تھی۔ دوسرے میری نے اپنے امام برنیٹ کے حسن توسط سے یہ بھی ظاہر کر دیا تھا کہ اگر وہ انگلستان کی ملکہ ہو گئی تو اپنے جملہ اختیارات شوہر کے ہاتھ میں دے دے گی۔ دوسرے صاف نظر آتا تھا کہ اگر اس وقت تاج و تخت کے لیے کوشش نہ کی گئی تو جیمز کے گھر میں نرینہ وارث پیدا ہو جانے کے باعث آیندہ کبھی کوئی موقع باقی نہ رہے گا۔ اسی کے ساتھ عمائد انگلستان کی دعوت کو قبول کر لینا بھی کچھ سہل کام نہ تھا۔ اُسے تین خطرے نظر آتے تھے۔ اول تو یہ کہ لوئی چہاردہم ایک طرف تو جیمز کو ہوشیار کرنے اور مدد دینے میں کوئی کسر نہ کرے گا اور دوسری طرف خود ہالینڈ میں ولیم کے دشمنوں کو تا امکان اُبھارے گا کہ اُسے انگلستان جانے نہ دیں۔ دوسرے یہ کہ اگر انگلستان پر چڑھائی کی گئی تو لوگ اُسے ایک مذہبی جنگ سمجھیں گے اور اس صورت میں وہ کیتھولک جو فرانس کے مقابلے میں ولیم کے حلیف ہو گئے تھے منحرف ہو جائیں گے۔ اور تیسرے یہ کہ اگر ولندیزی سپاہ نے انگلستان میں لڑائی جیتی تو انگریزوں کی قومی غیرت انھیں جیمز کی طرفداری پر برانگیختہ کر دے گی۔
ان میں سے پہلا اندیشہ اس حد تک صحیح ثابت ہوا کہ لوئی نے جیمز کو ہوشیار کیا اور امدادی فوج بھیجنے پر بھی آمادگی ظاہر کی مگر سنڈرلینڈ کے مشورے سے جیمز نے

اُسے قبول نہ کیا۔ ادھر لوئی نے اُنھیں دنوں ہالینڈ کے بنے ہوئے سوتی اور اونی مال کی فرانس میں بالکل ممانعت کردی اور وہاں کی مچھلی کو بھی جب تک فرانس کا نمک لگا کے نہ سکھائی جائے، آنے سے روک دیا۔ اس کارروائی سے ہالینڈ کا شہری گروہ بگڑ گیا۔ دوسرے انھی دنوں لوئی پاپا سے مجرموں کو پناہ دینے کے معاملے میں جھگڑ بیٹھا اور اس طرح کیتھولک فرقے میں اندرونی تفرقہ پیدا ہوگیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ گو اُس نے اعلان کردیا تھا کہ انگلستان پر فوج کشی، سبب جنگ سمجھی جائے گی لیکن نادانی سے ریاست ہائے رائن پر چڑھائی کرکے ولیم کو اُس نے انگلستان سے لڑنے کی فرصت دے دی۔ ایک اور لطیفۂ غیبی جس کی مطلق توقع نہ ہوسکتی تھی یہ ہوا کہ جیمز نے آئرستانی سپاہیوں کو دھڑا دھڑ بھرتی کرنا شروع کیا جس سے انگریزی فوجوں میں اور بھی بیزاری پیدا ہوئی۔ حالانکہ ہاؤنس لو کے واقعے سے خود بادشاہ کو اندازہ ہوگیا تھا کہ اُن کے تیور پہلے ہی بگڑے ہوئے ہیں۔ بایں ہمہ اُس نے شہزادۂ بیرک کے لشکر سے (جو چرچل کی بہن سے خود اُس کا حرامی بیٹا تھا) ابتدا کی اور یہاں کامیابی کی بھی امید تھی لیکن کرنل بومنٹ اور پانچ سرداروں نے نو واردوں کے ساتھ کام کرنے سے انکار کردیا۔ یہ لوگ فوراً نکال دیے گئے مگر دوسروں نے بھی اُن کی تقلید کی۔ کچھ زمانہ نہ گزرا تھا کہ آئرستانی سپاہیوں کی "قتل واہانت" کی وارداتوں سے مُلک بھر میں بادشاہی فوج کی رہی سہی قدر و منزلت بھی خاک میں مل گئی۔ اس طرح خود دشمنوں کی حماقت سے ولیم کی دشواریاں ہلکی ہوگئیں تو برنیٹ کی ترتیب اور مشورے سے اُس نے ایک اعلان شایع کیا جس میں جیمز کی نالایق حرکتیں گنوائیں اور سب کو آگاہ کیا کہ میری کے شوہر کی حیثیت سے میں فوج لے کر انگلستان آرہا ہوں تاکہ آزاد اور آئینی پارلیمنٹ منعقد ہوسکے اور اُسی کے فیصلوں کے مطابق میں بھی عمل کروں۔

لوئی کے ذریعے جیمز کو ستمبر میں قطعی اطلاع پہنچ گئی تھی کہ ولیم انگلستان پر فوج کشی کی تیاری کررہا ہے۔ شاہ فرانس مدد کے لیے فوج بھیجنے پر بھی آمادہ تھا مگر جیمز نے انکار کیا تو اُسے فوراً رائن کی طرف بھیج دیا گیا۔ جیمز کے انکار کا سبب یہ اندیشہ تھا کہ فرانس کی فوج کے آتے ہی انگلستان میں بغاوت برپا ہوجائے گی

اور بے شبہہ یہ اُس کی عقلمندی تھی۔ حقیقت میں اب بالآخر اسے بھی خطرات کی نوعیت کا

جیمز کی سعی مصالحت

احساس ہوگیا اور اُس نے بعض عاجلانہ مراعات کے ذریعے انقلاب کو روکنے کی سعی کی۔ جن اُسقفوں پر مقدمہ چلایا تھا، اُنھی سے صلاح و مشورہ لیا۔ برطرف شدہ نائب سالاروں اور فوجداری حکام کو عہدوں پر بحال کیا۔ اعلان کیا کہ بیرونی حملہ روکنے میں مجھے صرف اپنی رعایا کی وفاداری پر اعتماد ہے۔ لندن کے معطل اُسقف کی بحالی کا حکم دیا۔ نظارت مذہبی کا محکمہ موقوف کر دیا۔ ڈاکٹر ہف اور ماڈلین کے خارج کردہ رفقا کو پھر اپنی جگہوں پر واپس بلایا۔ لندن اور دوسری بلدیات کی منسوخ کردہ سندیں واپس کر دیں۔ نومولود شہزادے کی صحت ولادت ثابت کرنے کی معقول شہادتیں بہم پہنچائیں۔ اور عفو عام کا اعلان کیا جس سے صرف چند اشخاص جو ولیم اور نجی کی ملازمت میں تھے مستثنیٰ کیے گئے تھے۔

لیکن ولیم اب اتنی دور بڑھ چکا تھا کہ واپس ہٹنا ممکن نہ تھا۔ بڑے بڑے امرا جنھوں نے اسے بلایا، شمال میں بغاوت کرا دینے پر تیار تھے۔ لارڈ چرچل نے فوج کے بگڑ بیٹھنے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔ اُس نے ۱۶۸۸ء میں اعلان کیا تھا کہ اگر بادشاہ کو اغوا کرکے مذہب کے تغیر پر آمادہ کیا گیا، تو میں اُس کی ملازمت چھوڑ کر الگ ہو جاؤں گا۔ اُس کی بیوی شہزادی این کی بڑی دوست تھی اور یہ تجویز کر لی گئی تھی کہ یہ شہزادی بھاگ کر باغیوں کے پاس آجائے گی۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ اس حد تک تیاریاں کر چکے تھے، اُنھیں اب سلامتی اسی میں نظر آتی تھی کہ منصوبہ کامیاب ہو جائے اور ولیم سے بھی اُنھوں نے التجا کی کہ ارادے پر قائم رہے۔ چنانچہ ۱۶؍اکتوبر کو وہ جہازوں میں روانہ ہوا لیکن انگلستان کے ساحل تک پہنچنے نہ پایا تھا کہ ہوا کا رخ پھر گیا اور سخت طوفان نے اُس کے جہازوں کو ہالینڈ کے ساحل پر جہاں تہاں پھینک دیا۔ بایں ہمہ شدید محنت اُٹھا کے پندرہ دن میں پھر مہم تیار ہوگئی۔ اس عرصے میں انگلستان میں عجب طرح کا انتشار پیدا ہوا کہ اسقفوں نے حملوں کے خلاف ایک قسم کی دعا تحریر کی۔ ایولین نے تو یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ بادشاہ بری یا بحری حملہ آوروں کو پسپا کرنے کی قوت نہیں رکھتا اور دوسرے پادری مشرقی ہوا کی دعائیں مانگنے لگے کہ

انگریزی بیڑا ٹیمز کے باہر ہی نہ جا سکے۔ جیمز سے جہاں تک ہو سکا بری اور بحری فوج کی قوت بڑھائی اور لوگوں کو خوش کرنے کی غرض سے سنڈرلینڈ اور پیٹرے کو موقوف کر دیا۔

ولیم کی آمد

ولیم کا ارادہ تھا کہ یارک شائر میں اترے جہاں ڈین بی اُس کا منتظر تھا اور اُسے یہ بھی خبر دی گئی تھی کہ وہاں سے لے کے لندن سے پچاس میل تک راستے اچھے ہیں۔ مگر مشرقی ہوا نے انگریزی بیڑے کو ٹیمز میں روکے رکھا تو وہ ارادہ بدل کر خلیج ڈوور سے گزرا اور ۵ نومبر کے دن ٹور بے میں لنگر انداز ہوا۔ یہاں سے ایکزیٹر کی طرف بڑھا۔ وہاں کے کلیسا میں برنیٹ نے امامت کی اور فرگسن غیر مقلدوں کی جماعت میں گھس کر انجیل کے الفاظ میں پکار اٹھا کہ "بدکرداروں کے مقابلے میں کون ہے جو اُٹھے اور میرا ساتھ دے" مغربی اضلاع کو خونی عدالت نے خوف زدہ کر دیا تھا مگر ایکزیٹر میں ایڈورڈ سیمور اور امیر البحر رسل ولیم سے آ ملے۔ اس کے بعد چودہ دن تک سوائے لارڈ ولارٹن کے اور کوئی نہیں آیا اور تھوڑی دیر کے لیے سارے منصوبے کی کامیابی اس پر منحصر ہو گئی کہ چرچل فوج کو منحرف کر دے۔ چرچل نے فوج کی تقسیم اس طرح کر دی تھی کہ جن جمعیتوں پر اُسے فرار ہو جانے کا بھروسا تھا، وہ بآسانی نکل جائیں کلیرنڈن کے بڑے بیٹے لارڈ کورن بری نے اپنے آدمیوں کو لے جانے کے واسطے اُبھار ابھی، لیکن سپاہیوں نے ساتھ دینے سے انکار کیا اور وہ فوج چھوڑ کے نکلا تو قریب قریب اکیلا تھا۔ بایں ہمہ اس واقعے نے جیمز کی سپاہ کو بہت ہراساں کر دیا۔ کسی کو کسی پر بھروسا نہ رہا اور سب یہ سوچنے لگے کہ نازک وقت آیا تو نہ معلوم کون کون لوگ فتحمند حملہ آوروں سے جا ملیں گے۔ افواہوں نے فراری سپاہیوں کی تعداد کو اور بڑھا کر مشہور کیا۔ ڈین بی اور لم لی نے یارک شر میں، ڈیلا میر نے چیشر میں اور امیر ڈیون شر نے ڈاربی شر میں بغاوت کر دی۔ پہلے جیمز کا ارادہ تھا کہ سالسبری کے آس پاس جنگ کی جائے اور اسی خیال سے فوج میں خود آ گیا تھا لیکن ہر پہلو سے مخالفت ہو رہی تھی۔ چرچل ساتھ چھوڑ کر چل دیا اور اگر محض اتفاق سے گرفتار ہو کر بادشاہ کے ہاتھ نہ پڑ جاتا تو یقیناً دشمنوں سے جا ملتا۔ جارج شہزادۂ ڈینمارک بھی

باب ششم

امیر کبیر آورمنڈ کے ساتھ آکر ولیم کا شریک ہو گیا۔ جیمز کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کس پر بھروسا کرے اور اسی پریشانی میں وہ ٹیمز کو عبور کر کے پھر لندن واپس آگیا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ این بھی شوہر کی طرح بادشاہ کا ساتھ چھوڑ کر فرار ہو گئی اور کومپٹن کی معیت میں شمالی باغیوں سے جا ملی۔ یہ سن کر جیمز چیخ اُٹھا کہ "خدا مجھے بچائے۔ میری اولاد تک مجھے چھوڑ بیٹھی!"

اُدھر ولیم برابر آگے بڑھ رہا تھا۔ اُس کی کہیں بھی کوئی قابل ذکر مزاحمت نہیں ہوئی۔ ڈینبی کے نعروں نے کہ "آزاد پارلیمنٹ۔ پروٹسٹنٹ مذہب اور پاپائیت کا خاتمہ" یارک کو مشتعل کر دیا۔ نیو کاسل، ہل، ڈاربی، برسٹل، پلی متھ اور ناٹنگھم بھی ولیم کے خیرخواہوں کے قبضے میں تھے اور دشمن ایک طرف خود جیمز کے بہترین دوست آزاد پارلیمنٹ کے عام مطالبے میں ہمنوائی کر رہے تھے۔ جیمز کو کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ بیوی بچے کو فرانس بھیجنے کی تیاریاں کر کے اُس نے تین امیروں کو ولیم کے پاس روانہ کیا کہ صلح کی گفتگو کریں اور پارلیمنٹ کے تازہ انتخابات کے لیے حکمنامے بھی جاری کیے لیکن یکایک رائے بدل گئی حکمناموں کو اپنے ہاتھ سے آگ میں جلا دیا اور دریا کو عبور کر کے ایڈورڈ ہیلز کے ساتھ وو زہال چلا آیا۔ اس طفلانہ خیال سے کہ جاتے وقت مُلک کو جہاں تک ہو ابتری کی حالت میں چھوڑ جائے، اُس نے شاہی مُہر بھی دریا میں پھینک دی۔ وو زہال سے ایک دیہاتی رئیس کا بھیس بدل کر وہ کشتی میں بیٹھ لیا اور سمندر کی طرف جا رہا تھا کہ شیپی کے ٹاپو کے قریب ماہی گیروں نے اُسے چور سوداگر[1] سمجھ کر گرفتار کر لیا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ اُسے مفرور پادری سمجھے۔ بہر حال وہ فیورشم کے سامنے پیش کیا گیا اور یہاں اصل حال کھلا تو روچسٹر لایا گیا جہاں سے ۱۲ دسمبر کو قصر شاہی میں واپس آیا۔ راستے میں لوگوں نے خاصے جوش کے ساتھ اُس کا استقبال بھی کیا۔

جیمز کی دوسری فراری

بادشاہ کی فراری کی خبر سے چند گھنٹے لندن میں سخت بدنظمی اور بے تمیزی پھیلی اور اس افواہ سے کہ آئرستانی سپاہیوں نے پروٹسٹنٹوں کا قتل عام شروع کر دیا ہے اور بھی

[1] یعنی (Smuggler) جو محصولی مال چوری سے ملک میں لائے۔

باب ششم

پریشانی بڑھ گئی۔ کیتھولک گرجے توڑ پھوڑ کے جلائے گئے۔ سفیروں کے مکانات لوٹ لیے گئے اور کیتھولک نیز درباری اشخاص کی جان پر بنی رہی۔ سب سے بڑھ کر بلوائیوں کو پٹر لے اور جیفریز کی تلاش تھی۔ ان میں سے پہلا تو چھپ کر بھاگ گیا اور جیفریز ایک معمولی ملاح کے بھیس میں وے پنگ میں پکڑا گیا۔ وہ بمشکل زندہ قلعۂ لندن تک لایا گیا اور واآر وغیرہ دوسرے بدنام اشخاص کے ساتھ حراست میں رکھا گیا۔ آخر اُمرا اور اہل بلدیہ کی تگ و دو سے کچھ امن کی صورت نکلی اور ولیم کے پاس قاصد دوڑائے گئے کہ جلد پائے تخت میں آ جائے۔ جیمز کے قصر شاہی میں واپس آ جانے سے یہ دقت پیدا ہوئی کہ ولیم کو اُس کا وھائٹ ہال میں رہنا گوارا نہ تھا۔ چنانچہ وہ اپنے پاسبانوں کے ساتھ ولندیز سپاہیوں کے پہرے میں دوبارہ روچسٹر آیا اور چار دن تذبذب میں رہا کہ کیا کرے۔ بالآخر یہ سمجھ کر کہ ولیم بادشاہ ہوئے بغیر نہ رہے گا اُس نے دوبارہ نکل جانے کا قصد کر لیا۔ نکل جانے کی سہولتیں بھی اس مرتبہ بہم پہنچا دی گئیں۔ چلتے وقت وہ یہ تحریر چھوڑ گیا کہ میں جان کے خوف سے جا رہا ہوں اور جس وقت قوم مدہوشی سے بیدار ہوگی تو دوبارہ آنے پر تیار رہوں گا۔ اس دفعہ جانے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوئی اور ۲۳ / دسمبر کو انگلستان سے رخصت ہو کر وہ فرانس میں اپنے بیوی بچے سے جا ملا جہاں لوئی چہار دہم نے عزت و تپاک سے مہمانی کی اور ۴۰ ہزار پونڈ سالانہ کا وظیفہ اُن کے لیے مقرر کر دیا۔

اجتماع قومی

ولیم (اورنجی) ۱۹ / دسمبر کے دن لندن میں داخل اور سینٹ جیمز کے محل میں مقیم ہوا۔ اُس کے بعض مشیر چاہتے تھے کہ وہ شاہی لقب اختیار کر لے مگر یہ اُس کے اعلان کے خلاف تھا اور اُس نے صرف دینی و دُنیاوی عمائد اور اُن سب کو جو چارلس دوم کی کسی پارلیمنٹ کے بھی رکن رہے تھے، نیز لندن کے ارکان بلدیہ اور پچاس شہریوں کو جمع کر کے اُن سے رائے لی۔ ان لوگوں نے ایک "اجتماع قومی" کا مشورہ دیا جیسا کہ چارلس دوم کو بلانے کے واسطے منعقد ہوا تھا۔ چنانچہ ۲۲ / جنوری کو اس کا انعقاد ہوا اور اُسی کے دار العوام میں دو قرار دادیں منظور ہوئیں (۱) جیمز ثانی نے بادشاہ اور رعایا کے اصلی اور قدیم تعلق کو

باب ششم

توڑ کر آئین سلطنت کی بیخ کنی کی کوشش کی۔ جیسوئٹ اور دوسرے اشرار کے مشورے سے اساسی قوانین کی خلاف ورزی کی۔ نظم و نسق چھوڑ کر ملک سے باہر چلا گیا۔ لہذا اب تخت خالی رہ گیا ہے۔ (۲) تجربے سے ظاہر ہو گیا ہے کہ کسی پروٹسٹنٹ ملک میں پاپائی بادشاہ کا تاجدار ہونا اس کی صلاح و فلاح کے معارض ہے۔

دوسری قرار داد کے الفاظ سے پتا چل سکتا ہے کہ ۱۶۸۱ع کی نسبت اب (۱۶۸۸ء میں) وھگ فرقے کو کتنی زیادہ قوت حاصل ہو گئی تھی کہ اُمرا نے بھی اُسے بلا اختلاف قبول کر لیا۔ مگر پہلی قرار داد میں "اصلی اور قدیم تعلق" کے مبہم الفاظ، نیز اس امر پر بحث ہوئی کہ آیا تخت سلطنت خالی بھی رہ سکتا ہے؟ مباحثے میں دو فریق ہو گئے۔ ایک تو وہ جو ولیم کو فوراً بادشاہ بنانے کا حامی تھا اور دوسرا وہ جو جیمز کی برائے نام بادشاہی رکھ کر "نیابت" قائم کرنے کی رائے دیتا تھا۔ پہلے گروہ کے سرخیل شہروزبری، ڈین بی اور ہیلی فیکس تھے اور اسے دار العوام میں اکثریت حاصل تھی۔ دوسرے فریق کی سرکردگی کیلئے رنڈن وغیرہ بڑے بڑے اُمرا کر رہے تھے۔ اور دار الامرا میں اسی کا غلبہ تھا۔ ایک بین بین صورت یہ تجویز ہوئی تھی کہ میری کو ملکہ بنا دیا جائے مگر ولیم نے صاف صاف جتا دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کا حاجب درگاہ بن کر رہنے کی غرض سے نہیں آیا ہے۔ تب مزید بحث مباحثے کے بعد یہ قرار پایا کہ میری اور ولیم سے مل کر بادشاہی کرنے کی درخواست کی جائے اور نظم و نسق کا اصلی اختیار، میری کی رضامندی سے، صرف اُس کے شوہر کے ہاتھ میں ہو۔

اعلان حقوق

یہ مسئلہ طے ہو گیا تو بحث چھڑی کہ کیوں نہ آئین انگلستان کے وہ اساسی اُصول قلمبند کر لیے جائیں جن سے فی الواقع بادشاہ و رعایا کا باہمی تعلق واضح ہو جائے۔ اس میں بہت سے اعتراضات تھے لیکن آخر میں یہی فیصلہ ہوا کہ بادشاہی قبول کرنے کے لیے جو درخواست لکھی جائے اُس میں جیمز کے خلاف آئین افعال اور اہل انگلستان کے حقوق آئینی کی صراحت کر دی جائے۔ مشہور و معروف اعلان حقوق کی اصلیت یہ تھی اور ولیم و میری نے (جو ۱۸ فروری ۱۶۸۹ء کے دن

تخت پر بیٹھے) اسے قبول کر لیا- اس طرح انگلستان کی تاریخ کا وہ نازک وصعب زمانہ جسے "عہد انقلاب" کہتے ہیں، خیر و خوبی کے ساتھ ختم ہو گیا-

اعلان حقوق انگلستان کی ایک سب سے باوقعت تاریخی دستاویز ہے اور اسے آگے چل کر پارلیمنٹ میں بھی بطور قانون کے منظور و نافذ کرا لیا گیا- بادشاہ اور پارلیمنٹ میں جو زبردست کشمکش شروع ہوئی تھی اور تقریباً سو برس تک جاری رہی اُس کا اسی اعلان سے خاتمہ ہوا کیونکہ اس میں متعدد متنازعہ فیہ مسائل کے متعلق، جن کے بارے میں پارلیمنٹ اعتراض و احتجاج کرتی رہی، قانون کی پوری طرح تعریف وصراحت کر دی- اس میں جیمز ثانی کے غیر آئینی افعال کو یکے بعد دیگرے بیان کرنے کے بعد حسب ذیل اعلانات کیے گئے تھے:-

۱- قوانین کو معطل یا معلق کر دینے کا مصنوعی حق جیسے پچھلے دنوں بادشاہ نے اختیار کیا، ناجائز ہے-

۲- نظارت مذہبی کی عدالت اور اس قسم کی تمام عدالتیں خلاف قانون ہیں-

۳- امتیاز شاہی کے حیلے سے، پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر محاصل وصول کرنا خلاف قانون ہے-

۴- امن کے زمانے میں، بجز پارلیمنٹ کی منظوری کے تنخواہ دار مستقل فوج کو رکھنا خلاف قانون ہے-

۵- رعایا کو حق ہے کہ بادشاہ کو عرضی دے-

۶- پارلیمنٹ کے مبعوثین کا انتخاب بالکل آزادانہ ہونا چاہیئے-

۷- پارلیمنٹ میں تقریر اور مباحثے کی آزادی پر پارلیمنٹ کے باہر کسی عدالت یا کسی جگہ تعرض نہیں کیا جا سکتا-

۸- حد سے زیادہ بھاری جرمانے ناواجب ہیں اور بغاوت کے مقدمات میں جیوری مالکان اراضی پر مشتمل ہوتی لازم ہے-

۹- شکایات کو رفع کرنے اور قوانین کی تقویت کی غرض سے پارلیمنٹ کا بار بار منعقد ہونا واجب ہے-

باب ہشتم

۱۰۔ ولیم اور میری انگلستان کے بادشاہ اور ملکہ تسلیم کیے گئے اور جو لوگ پاپائی ہیں یا پاپائی سے شادی کریں گے، اعلان کیا جاتا ہے کہ وہ تخت وتاج پانے کے نااہل مانے جائیں گے۔ ولیم اور میری کے بعد، وارث تخت اُن کی اولاد ہوگی اور اگر وہ لاولد ہوں تو شہزادی این اور اُس کی اولاد وارث ہوگی۔ اور اگر وہ اس لائق نہ ثابت ہوں، تو ولیم کی اولاد اگر کسی دوسری بیوی سے ہو، وارث تخت مانی جائے گی۔

مجموعی طور پر انقلاب کا نتیجہ یہ ہوا کہ اول تو شاہان اسٹوارٹ کا یہ اصول[1] کہ بادشاہ کے حقوق فرماں روائی خداداد یا ربانی ہوتے ہیں، باطل ہوگیا اور قوم نے خود ایک ملکہ اور بادشاہ کو تخت پر بٹھایا جن کی بادشاہی پارلیمنٹ کے انتخاب کی رہین منت تھی۔ دوسرے آئین انگلستان کے وہ اصول جنھیں اسٹوارٹ بادشاہ ترک کرنے کے درپے تھے، انقلاب نے اُنھیں دوبارہ منوانے کا موقع دیا۔ تیسرے کہنا چاہیے کہ اسی نے پارلیمنٹی حکومت کے دَور کا آغاز کیا۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ عہد انقلاب تک سیاسی حکمت عملی بادشاہ کی ذاتی مرضی کے ماتحت تھی لیکن انقلاب کے وقت سے پارلیمنٹ کی مرضی، اُس کی اصلی رہنما ہوگئی۔

---

[1] ان اصول کی بالکل سادہ اور قدیم صورت میں فلمر نے اپنی کتاب "پیٹ ری آرکا" میں شرح کی ہے۔

باب ہفتم

ولیم اور میری: ۱۶۸۹ء تا ۱۷۰۲ء

ولیم۔ ولادت: ۱۶۵۰ء

ازدواج: ۱۶۷۷ء

میری۔ ولادت۔ ۱۶۶۲ء

وفات۔ ۱۶۹۴ء

مشہور معاصرین:۔ فرانس............لوئی چہاردہم

اسپین چارلس دوم

شہنشاہ لیوپولڈ اوّل

ولیم کی سیرت

سیرت کے اعتبار سے یہ بادشاہ اور ملکہ ایک دوسرے کا تکملہ تھے۔ ولیم سے اُس کے گہرے دوست تو دلی محبت رکھتے تھے اور اپنی جنگی اور ملک داری کی قابلیتوں میں بھی وہ دور دور تک مشہور تھا، لیکن ہر دلعزیز بادشاہ بننے کی اُس میں صلاحیت نہ تھی۔ ملنے جلنے سے نفرت، اِدھر اُدھر کی باتوں اور داخلی کھیلوں[1] سے وحشت ہوتی تھی۔

[1] یعنی (Indoor games)

باب ہفتم

بلے دے کے ایک شکار کا شوق تھا اور کمزور جسم و مریض شُشش ہونے کے باوجود اس کھیل میں وہ کسی سے پیچھے نہ رہتا تھا۔ ارادے کی پختگی اور بے خطر دلیری دہکتی آنکھوں ہی سے عیاں ہو جاتی تھی حالانکہ باقی سارے چہرے پر مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ اور دقاق صورت اور مریل ڈھچر میں عوام کے لیئے کوئی دلکشی کی شان نہ تھی۔ طرہ یہ کہ وہ جس طرح حسن صورت سے عاری تھا، اسی طرح عادات وخصائل بھی دلپسند نہ رکھتا تھا۔ ابتدائی پرداخت ایسے لوگوں میں ہوئی جو اُس کے ہر لفظ کو بدترین معنی پہنا دیتے تھے۔ لہذا روکھی خاموشی طبیعت ثانیہ بن گئی ورنہ اپنے خاص احباب یا جنگ کے جوش وخروش میں یہ نقاب اُٹھ جاتی، تو وہ خاصا خوش مزاج اور لطیفہ سنج نظر آتا تھا۔ بیوی کے ساتھ بھی وہ مدت العمر ایسا لیئے دیئے رہا کہ جس وقت میری کے بستر مرگ سے اسے لانے لگے اور وہ شدت غم سے بیہوش ہوا تو قریب قریب سب لوگوں کو حیرت ہو گئی۔ مذہبی معاملات میں اُسے ظاہری رسوم کی مطلق پروا نہ تھی اور رواداری برتنے میں اُسے ولندیزوں کی فراست ملی تھی گو ذاتی عقائد کالوینی تھے۔ معاملات خارجیہ میں اُس کے طرز عمل کا سب سے اہم عنصر لوئی چہاردہم سے مخالفت تھی جسے وہ بجا طور پر سیاسی اور مذہبی آزادی، نیز انگلستان وہالینڈ کی فلاح وبہبود اور توازن دول کے حق میں خطرناک جانتا تھا۔ اندرونی معاملات میں اُسے فرقہ بندی کی کشمکش سخت ناپسند تھی اور وہ صرف ایک ہم آہنگ ومستحکم طرز عمل کی صورتوں کا جویا تھا اور چاہتا تھا کہ انگلستان کا ایک متحد قوم کی حیثیت سے بیرونی ممالک پر اثر ڈالا جا سکے۔ اس طرح ایک اعتبار سے نہ تو وہ خوش خلق بادشاہ تھا۔ نہ اچھی قسم کا انگریز تھا۔ نہ اچھا مذہبی تھا نہ پکا وھگ یا سچا ٹوری تھا اور یہی وجہ ہوئی کہ اُسے ملک میں وہ قبولیت حاصل نہ ہو سکی جو اُس سے کمتر درجے کے آدمی کو بلا دقت میسر آسکتی تھی۔

میری کی خصائل

بخلاف اس کے میری میں اگرچہ شوہر کا دسواں حصہ بھی قابلیت نہ تھی، تاہم جتنا اُس کا شوہر اکل کھرا تھا، اُسی قدر وہ ملنے جلنے میں خوش اخلاق اور ملنسار تھی۔ دوسرے پاکیزہ اطوار، سادہ وینداری

اور فیاضانہ خیر خیرات کی بدولت لوگ اُسے ایسا عزیز رکھتے تھے کہ ولیم کو کبھی یہ بات میسر نہ آسکی۔ مگر ولیم کی طرح میری بھی سستی اور بیکاری سے نفرت کرتی تھی۔ اور اُس کے گرد جو خواتین تھیں، اُن کو بھی ملکہ کی مثال دیکھ کر بیکاری سے شرم آنے لگی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عہد چارلس وجیمز کے قصر سفید کے مقابلے میں دورجدید کے شاہی محل کا رنگ بہت جلد بدل گیا۔ حسن ظاہری میں بھی میری شاہانہ شان، ذی وجاہت صورت اور ایک پُرسکون جراَت رکھتی تھی۔ گو فہم و فراست اعلیٰ درجے کی نہ ہو، تاہم اتنی اہلیت ضرور رکھتی تھی کہ کئی دشوار موقعوں پر جب کہ اُس کا شوہر موجود نہ تھا اُس نے تنہا فرائض شاہی کو بخوبی انجام دیا۔ بہرحال تخت نشینی کے کئی سال تک ان میاں بیوی کی مشترکہ بادشاہی سے انھیں وہ قوت رہی جو غالباً کسی ایک کے تنہا بادشاہ ہونے سے نہ مل سکتی تھی اور اس میں میری کا اسٹوارٹ خاندان کا براہ راست وارث ہونا بڑی اہمیت رکھتا تھا۔

وزراکا انتخاب

اگرچہ انقلاب حکومت نے وزرا کا انتخاب اُصولاً پارلیمنٹ کے تفویض کر دیا تھا لیکن ولیم اور اُس کی رعایا یقین رکھتے تھے کہ عملاً انھیں انتخاب کرنا صرف بادشاہ کا کام ہے۔ وہگ یا ٹوری کسی فریق سے بھی ولیم پوری طرح متفق الرائے نہ تھا بلکہ خارجی معاملات میں تو اُس کا میلان وہگوں کی طرف تھا جو خود بھی یہی کہتے تھے کہ لوئی کو انگلستان پر حملے کی مہلت دینے سے قبل بہتر ہے کہ انگلستان کے باہر چل کر اُس سے مقابلہ کیا جائے۔ اور اندرونی معاملات میں ٹوری ہی اُس کے موید تھے کہ وہ بادشاہی امتیازات کے اُصول کے حامی تھے اور ولیم بہت مضبوط حکومت عاملہ قائم کرنے کا خواہشمند تھا۔ دوسرے وہگ اور ٹوریوں کے وقتی اتحاد کی بدولت وہ تخت بادشاہی تک پہنچا تھا اور ان میں سے کسی فریق کو بھی آزردہ کرنا مصلحت کے خلاف ہوتا۔ یوں بھی اُس کی عقل نے سمجھا دیا تھا کہ کوئی وزارت دارالعوام کا حسن ظن اور احترام حاصل کیے بغیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ غرض یہ اسباب تھے کہ اُس نے سب فرقوں کو ملائے رکھنے کی کوشش کی اور پہلی وزارت میں وہگ اور ٹوری دونوں گروہوں کے آدمی منتخب کیے۔ وزارت خزانہ،

باب ہفتم

امارت بحری اور وزارت مالگزاری کے لیے مشترکہ جماعتیں مقرر کیں تاکہ جہاں تک ہو سکے اُن حریص امیدواروں کو رضامند رکھا جا سکے، جو عہدوں کے لیے اُس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ وزارت خارجہ اور سپہ سالاری کا کام اپنے ہاتھ میں رکھا۔ مجلس شاہی کا صدر ڈینبی مقرر ہوا۔ ہیلی فیکس، شاہی مہر بردار بنایا گیا۔ امیر ناٹنگہم جو پکا کلیسائی تھا، اور شروزبری جو وھگ فرقے کا سرگروہ تھا، شاہی معتمدین میں داخل کیے گئے۔ گوڈالفن اور چارلز مورڈونٹ (جو آگے چل کے امیر پیٹربرو بنایا گیا) مجلس خزانہ کے، اور ہربرٹ اور رسل امارت بحری کے رکن تھے۔ بڑی مہر بھی ایک جماعت کی تحویل میں دی گئی جس میں سن رسیدہ جان مے نرڈ سب سے ممتاز تھا۔ علاوہ ان وزیروں کے ولیم نے دو آدمیوں کو جن پر بڑا بھروسا رکھتا تھا، اپنا مشیر بنایا۔ ان میں ایک ولندیزی امیر ولیم بین ٹنگ تھا جس نے شہزادہ ولیم کی چیچک کی بیماری میں، اپنی جان خطرے میں ڈال کر تیمارداری کی تھی۔ اسے اب امیر پورٹ لینڈ کا خطاب عطا ہوا۔ دوسرا شخص، ایلگرسڈنی کا بھائی، ہینری سڈنی تھا جسے پہلے لارڈ اور پھر امیر رومنی بنایا گیا۔ جیمز کے خوشامدی ارکان عدالت موقوف اور اُن کی جگہ بہتر اشخاص مقرر کیے گئے، فروری سنہ ۱۶۸۹ء میں "اجتماع" کے ارکان کو جدید انتخابات کے بغیر پارلیمنٹ کے باقاعدہ مبعوث تسلیم کر لیا گیا اور اپریل میں ولیم و میری کی تاج پوشی کی رسم ادا ہوئی۔

حلف نہ لینے والوں کا فرقہ

سازش کو ابتدا ہی میں روک سکنے کی غرض سے قانون ہے بیس کورپس کو معلق کر دیا گیا اور نئے تاجداروں کے مخالف و موافق اشخاص میں تمیز کرنے کی ضرورت، دیکھ کر پارلیمنٹ کو ایسی تدابیر اختیار کرنی پڑیں کہ بدخواہوں سے ملک صاف و مامون ہو جائے۔ چنانچہ پارلیمنٹ کے ارکان، فوج کے سردار، کلیسا اور دیوانی کے حکام غرض سب کے لیے اقرار اطاعت و سیادت کا ایک نیا حلف نامہ لازم قرار دیا کہ اگر وہ ان الفاظ میں حلف نہ لیں تو پہلے معطل اور دوسری دفعہ کے انکار پر موقوف کر دیے جائیں۔ دیوانی کے عہدہ داروں کے متعلق

باب ہفتم

اس حلف کی ضرورت میں کسی کو کلام نہ تھا لیکن پادریوں کے معاملے میں اختلاف کی گنجائش تھی اور خود ولیم آمادہ تھا کہ صرف اسقفوں سے حلف لے کر معاشداروں کو معاف کردیا جائے۔ مگر پارلیمنٹ نے مطلق نرمی نہ کی۔ دارالامرا میں سے چند، دارالعوام کے دو مبعوثوں اور دیوانی کے تو معدودے چند عہدہ داروں نے حلف لینے سے انکار کیا۔ البتہ مذہبی مدارس اور گرجوں کے چار سو کے قریب پادریوں نے حلف نہیں اُٹھایا اور اپنی خدمتوں سے معزول کردیے گئے ان میں سینکروفٹ وغیرہ کئی اسقف اور آکسفورڈ کا ایک پروفیسر ڈوڈویل سب سے ممتاز تھے۔ ان لوگوں نے "حلف نہ لینے والوں" کا ایک نیا گروہ بنایا اور نئے پادریوں کو بھی اس میں باضابطہ شریک کرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے ۱۸۰۵ء تک اس کے آثار باقی رہے۔ حکومت کی جانب سے اُن پر کوئی تعدی نہیں ہوئی بلکہ ڈوڈویل کی نسبت ایک بار ولیم نے یہ دلچسپ فقرہ کہا کہ وہ چاہتا ہے کہ میں اسے قید میں ڈال دوں۔ مگر میں اس کی آرزو برآنے نہ دوں گا" برطرف شدہ اسقفوں کی جگہ جو لوگ صدر اسقف کینٹربری اور دوسری خدمات پر مقرر ہوئے وہ اپنے پیش روؤں سے قابلیت میں زیادہ ہی تھے بلکہ ان میں برنیٹ اسقف سالسبری تو اپنے پادریوں کے ساتھ برتاؤ میں ایک ایسا نمونہ تھا کہ اگر اس کی عام طور پر تقلید کی جاتی تو کلیسا کے مستقبل پر اس کا بڑا اثر پڑتا۔

مداخل شاہی

پارلیمنٹ کا دوسرا کام مداخل شاہی کا تصفیہ کرنا تھا۔ جیمز کی آمدنی بیس لاکھ پونڈ سالانہ کے لگ بھگ جا پہنچی تھی اور پارلیمنٹ کے نزدیک بادشاہ کو معمولاً اتنا روپیہ ملنا غیر ضروری تھا۔ لہٰذا بارہ لاکھ پونڈ سالانہ آمدنی مناسب سمجھی گئی۔ اس میں سے سات لاکھ تو علیٰ فعلے کے نام سے خاص بادشاہ کے خرچ کے لیے ملتے تھے اور باقی مصارف کی بر آورد وقتاً فوقتاً وزرا پیش کر کے پارلیمنٹ سے منظوری حاصل کرتے تھے۔ خاص خاص امور کے واسطے خاص منظوریاں علٰحدہ دی جاتی تھیں۔ چنانچہ بیڑے کی اصلاح و ترقی کے لیے ۷ لاکھ، ولیم کی مہم کے مصارف میں ولندیزوں کو

باب ہفتم

۶ لاکھ کی منظوری دی گئی اور فرانس سے جنگ کا آغاز ہوا تو اس کے واسطے روپے کا
جداگانہ انتظام کر دیا گیا۔ عوام کو خوش کرنے کی غرض سے آتشدان کا محصول
جس سے لوگوں کو نفرت تھی، موقوف ہوا اور اُس کی بجائے شرابوں پر آبکاری
بڑھا کے کمی پوری کر لی گئی۔ انھیں انتظامات سے مالیات کے جدید نظام
کی ابتدا ہوتی ہے۔ کچھ روز بعد ولیم نے اعلان کیا کہ آیندہ سے جب ضرورت ہو،
مُلکی مداخل و مصارف کے حسابات پارلیمنٹ کے سامنے پیش کر دیے جایا کریں گے۔
اور ۱۶۹۷ء میں ایک دفعہ تصرفات زر کی نسبت مرتب ہوئی کہ پارلیمنٹ کی
میقات میں جو رقمیں منظوری دی جائے وہ نام بنام محکموں کے تفویض
کر دی جائیں۔ ان کارروائیوں سے مالیات کے نظام میں مزید ترقی اور
باقاعدگی پیدا ہوئی، اور اعلان حقوق کے فقرہ نمبر ۹ کے نفاذ کا آلۂ کار تیار
ہو گیا۔ چنانچہ برنیٹ نے جتایا ہے کہ یہ گُر اُسی زمانے کے لوگوں کے ہاتھ
آیا کہ "ایک قلیل اور مقررہ مدت کے لیے مال گزاری کا معین کرنا، قوم کو
یہ یقین دلانے کا بہترین ذریعہ ہے کہ پارلیمنٹ بار بار منعقد ہوا کرے گی"۔
فوج مستقل کے انتظام کی غرض سے بھی اسی قسم کے اُصول سے کام لیا جانے لگا۔
عود ملوکیت کے زمانے سے وہگ فرقہ مستقل فوج کا رکھنا سخت ناپسند کرتا تھا
اور ٹوریوں کو بھی اس انتظام سے کوئی حسن ظن نہ تھا لیکن ضروریات زمانہ نے
صاف ظاہر کر دیا تھا کہ بغیر ایسی سپاہ کے انگلستان امن و اطمینان سے نہیں
رہ سکتا۔ نظر بر ایں ایک ایسی تدبیر نکالی گئی کہ فوج مستقل کے فوائد سے تو
مُلک محروم نہ ہو اور اسی کے ساتھ فوج سے قومی آزادی کے حق میں جو خطرات

قانون غدر

ہو سکتے تھے، وہ زائل ہو جائیں۔ فوجی انضباط قائم رکھنے اور
فراریاں روکنے کے لیے ایک "قانون انسداد غدر"
مرتب کیا گیا جس میں اس قسم کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے اختیارات
فوجی حکام کے سپرد ہوئے۔ یہ قانون صرف ۶ ماہ کے واسطے نافذ ہوا اور
پھر صرف ایک سال کی اُسے توسیع دی گئی۔ اور آیندہ یہی دستور پڑ گیا کہ پارلیمنٹ
قانون مذکور کو سال بھر کی توسیع دیتی رہے اور اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر

باب ہفتم

کسی سال بھی توسیع نہ ملے تو حکومت کو سپاہیوں اور ملاحوں پر کوئی قانونی اختیار بھی باقی نہ رہے۔ یہ انتظام بھی کر دیا گیا تھا کہ جب توسیع نہ ملے تو اہل فوج کی تنخواہ کا سلسلہ بھی رک جائے پس ان تدبیروں سے پارلیمنٹ کو مستقل شاہی سپاہ پر ایسا کامل اقتدار حاصل ہو گیا کہ اس کا محض "قانون انسداد غدر" کی توسیع دینے میں تغافل کرنا، بادشاہ کو فوجی امداد سے محروم کر سکتا تھا۔ فوج کی ترتیب جدید کی خدمت جان (لارڈ چرچل) کے سپرد ہوئی اور وہ امیر مارل برو بنا دیا گیا۔

قانون رواداری پروٹسٹنٹ غیر مقلدوں نے انقلاب میں ایسا لاینفک حصہ لیا تھا کہ اس کے صلے میں "قانون رواداری" وضع کیا گیا۔ انھیں شامل کلیسا کر لینے کی بھی سلسلہ جنبانی ہوئی تھی مگر یہ نہ چلی کیونکہ صدر اسقف کینٹربری اور برنیٹ جو رعایتیں کرنی چاہتے تھے وہ عام پادریوں کو گوارا نہ تھیں اور دوسرے، خود غیر مقلدوں میں پریس بی ٹری فرقے کے سوا باقی سب فرقے شمولیت کے قطعی خلاف پائے گئے۔ غرض شمولیت کی تجویز تو رہ گئی البتہ نئے قانون سے اتنا ہوا کہ تمام غیر مقلد پروٹسٹنٹوں کو جو تثلیث کے قائل ہوں، اور بادشاہ کی اطاعت و افضلیت کا حلف لینے سے انکار نہ کریں اور ان کی نمازیں کھلے مکانوں میں ہوتی ہوں، مذہبی رسوم کی قانونی آزادی عطا ہو گئی۔ اسی لیے یہ قانون غیر مقلدی کا منشور اعظم بن گیا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس مذہبی مسئلے کا جس طرح تصفیہ ہوا، وہ اصولاً وہی تھا جسے سنہ ۱۶۴۲ء میں ہینری ہرٹن نے تجویز کیا تھا (صفحہ ۵) لیکن اصل یہ ہے کہ سنہ ۱۶۶۰ء تک جو بات ناممکن نظر آتی تھی وہ اب اس وجہ سے ممکن ہو گئی کہ غیر مقلدوں کی کسی فوجی قوت کا اندیشہ نہ رہا۔ دوسرے اہل کلیسا کو جیمز کے اعلان رعایت کو شکست دینے سے اپنی طاقت کا اندازہ ہو گیا اور وہ سمجھے کہ رواداری میں اب کسی دوسرے فرقے کے غلبہ پا جانے کا خوف نہیں ہے۔ ذاتی طور پر ولیم اور بھی زیادہ آزادی دینے کا حامی تھا اور ہر پروٹسٹنٹ کو جو خدمت کرنے پر آمادہ اور اس کا اہل ہو ملازمت میں لینے پر تیار تھا مگر پارلیمنٹ نے اس قسم کی آسانیاں دینی پسند نہ کیں اور قانون آزمائش اور قانون بلدیات بلا ترمیم

باب ہفتم

نافذ رہنے دیئے۔ بہرحال غیر مقلد فرقوں کے علاوہ کیتھولک فرقے تک کو اس قانون سے فائدہ پہنچا۔ اور اگرچہ وہ قانوناً لندن اور اُس کے دس میل تک سکونت نہ رکھ سکتے تھے، لیکن اب ان کی عبادات میں کسی کو تعرض نہ رہا اور فرقۂ موحدین بھی تثلیث پرست نہ ہونے کے باوجود قانون رواداری سے بیقاعدہ طور پر کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھاتا رہا۔

مجرموں کو معافیاں

عدل وحق کوشی کی خاطر نیز اُن کے وارثوں کے اطمینان دلانے کے لیے، رسل، ایلگر سڈنی، لزلی اور کئی اشخاص جنھیں خرابی خون کا فتویٰ دے کر قتل کرایا گیا تھا، اُن کے خلاف فیصلے منسوخ کیے گئے حتّٰی کہ اوٹس تک کو معافی ملی اور اس بدمعاش کے نام تین سو پونڈ سالانہ کا وظیفہ بھی جاری ہو گیا۔ جیمز کے جابرانہ افعال اور دوسری طرف چارلس اور جیمز کے خلاف سازش کرنے میں اس قدر اشخاص شریک ہوئے تھے کہ عفو عام کی تحریک کی گئی مگر وھگ فرقے نے اتنی مستثنیات بڑھانی چاہیں کہ اُس کو چھوڑ دینا پڑا۔ اسی طرح ضبط کردہ فرامین کی واپسی کی تحریک مشکل سے منظور ہوئی ورنہ وھگ اس کوشش میں تھے کہ اس قانون کی لپیٹ میں لاکر صدہا ٹوریوں کو ملازمت سے علیحدہ کرا دیں۔ اس مناقشے میں وہ تو تو میں میں ہوئی کہ ولیم پریشان ہو گیا اور ایسی پراگندہ خیال مجلس کے ساتھ حکومت کرنے میں اُسے اتنی دشواری نظر آئی کہ لوگوں نے بمشکل اُسے ہالینڈ واپس چلے جانے کے ارادے سے باز رکھا۔

آخری تدبیر کے طور پر پارلیمنٹ جنوری ۱۶۹۰ء میں برخاست کر دی گئی اور ولیم نے اہل ملک کی استمداد کی۔ چنانچہ نئے انتخاب میں ٹوریوں کی اکثریت ہو گئی

قانون تلطف

اور معافی کا مسئلہ بہت جلد طے ہو گیا کہ خود بادشاہ کی طرف سے پارلیمنٹ میں ایک "قانون تلطف" پیش کیا جس میں ولیم و میری کی تخت نشینی سے پہلے کے جملہ جرائم معاف کیے گئے اگرچہ لڈلو وغیرہ چند بادشاہ کش اشخاص کو جو ابھی تک زندہ تھے، نیز سنڈرلینڈ، ہیلز، پیٹرے، جیفریز وغیرہم جیمز ثانی کے خاص خاص اعوان وانصار کو

باب پنجم

مستثنیٰ رکھا تھا کہ وہ اس عفوِ عام سے مستفید نہ ہو سکیں۔ ان میں جیفریز تو قلعۂ لندن میں فوت ہو گیا اور عملاً دوسروں کو کوئی تازہ سزا نہیں دی گئی۔ بعض پردیس میں تھے یا بغیر تعرض اب چلے گئے اور سنڈرلینڈ دوبارہ مراحم شاہی میں حصہ دار بنا لیا گیا۔ ٹوریوں کے غلبے سے ولیم کو ہمت ہوئی کہ وزرا میں بھی تبدیلی کرے۔ چنانچہ ہیلی فیکس، جو ہمیشہ سے بے لاگ نقاد تھا مگر عملی سیاسیات کا مرد میدان ثابت نہ ہوا، دست کش ہو گیا اور ڈینبی، مارکوئیس آف کرمارتھن کا خطاب پا کر صدارت کی کرسی پر ممتاز کیا گیا۔ چند انتہا پسند وہگ، عہدوں سے الگ کر دیے گئے اور ہربرٹ نے بھی امارت بحری کی صدارت کی جگہ چھوڑ دی۔

جیمز سے خط کتابت

اچھے وزیروں کے ملنے میں ایک دقت یہ اور پیش آئی کہ بہت کم لوگ ایسے تھے جو یہ یقین رکھتے ہوں کہ ولیم، جیمز اور کوئی کے مقابلے میں آخر تک کامیاب رہے گا۔ لہذا مشکل سے کوئی اہل الرائے ایسا ہو گا جو یہ کوشش نہ کرتا ہو کہ ولیم و جیمز دونوں کو خوش رکھے یا جیمز کے دوبارہ آجانے کی صورت میں خود محفوظ رہے۔ اسی خیال سے اکثر لوگ جیمز یا دوسرے انگریز تارکان وطن سے خط کتابت کیے جاتے تھے اور اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ خود جیمز کے واپس بلانے میں ساعی تھے بلکہ صرف یہ کہ اگر جیمز حقیقت میں دوبارہ مالک تاج و تخت ہو جائے تو یہ خط و کتابت کرنے والے سزا سے بچے رہیں۔ تقریباً تمام بڑے بڑے عہدہ دار اور سیاسی اشخاص، حتیٰ کہ مارل برو، رسل اور شروزبری تک یہ خط و کتابت کرتے رہے اور ولیم باخبر ہونے کے باوجود اتنا قوی نہ تھا کہ اس فعل پر مواخذہ کرتا۔ البتہ مارل برو کے بارے میں اُسے بڑی تشویش تھی کہ اعلیٰ جنگی اوصاف کے ساتھ شہزادی این کے مزاج میں درخور ہونے کی وجہ سے وہ بہت کچھ پریشانی کا موجب ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ۱۶۹۲ء میں اُس کی مکاتبت پر خصوصیت کے ساتھ متوجہ کیا گیا تو بادشاہ نے اُس کے عہدے چھین لیے اور کچھ روز کے لیے وہ نظر بند بھی رہا۔

باب ہفتم

اسکاٹ لینڈ

اب ہمیں انگلستان کو چھوڑ کر اسکاٹ لینڈ کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ آخری دو بادشاہوں کی روش اہل اسکاٹ لینڈ کی مرضی کے بالکل خلاف رہی تھی اور اُن کے علی الرغم وہاں اسقفیت حکماً قائم کی گئی اور پارلیمنٹ میں انتخاب ہونے یا کرنے کا حق صرف اسقفیت پسند گروہ کو دیا گیا تھا۔ پرس بی ٹری فرقے پر بڑی تعدیاں کی گئیں اور جیمز کے زمانے میں تمام بڑے عہدوں پر کیتھولک مقرر کردیے گئے۔ انگلستان میں انقلاب حکومت کی خبروں سے اسکاٹ لینڈ میں بھی قدرۃً بڑا جوش پھیلا۔ ہر جگہ رعایا ظلم کرنے والوں کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی۔ کیتھولک اشخاص کے مکانات پر حملہ کیا، اُسقفی پادریوں کو جا گھیرا اور گرجوں خانقاہوں سے جبراً نکال باہر کیا۔ قانون کی لفظی پابندی کی جاتی تو ملک میں انتخابات کا ہونا نہ ہونا برابر ہوتا لہذا قانون کو چپ چاپ نظر انداز کردیا گیا اور زیادہ تر پرس بی ٹری فرقے کی رائے سے مجلس اجتماع کے انتخابات ہوئے۔ ۱۴ مارچ ۱۶۸۹ء کو اس کا انعقاد ہوا اور بالاتفاق اعلان کیا گیا کہ جیمز اپنی بادشاہی کا حق ضائع کرچکا ہے۔" پھر حق بادشاہی کا ایک دعویٰ نامہ مرتب کیا گیا جس میں تحریر تھا کہ اسقفوں کا اقتدار یا پرس بی ٹری گروہ پر کسی کلیسائی عہدہ دار کی حکومت، اتنی بڑی اور ناقابل برداشت شکایت ہے کہ مُلک کے جمہور الناس کا میلان سراسر اُس کے خلاف ہے لہذا اس انتظام کو ہٹا دینا لازم ہے" پھر ولیم اور میری کی بادشاہی قبول کرنے کا اعلان تھا۔ لیکن اس عرصے میں جان گریہم (وائی کاؤنٹ اوف ڈنڈی) جسے جیمز نے فوجی عہدہ دیا تھا، پہاڑیوں میں ہٹ گیا اور مونٹ روز کے

امیر ڈنڈی کی بغاوت

کارناموں کو دوبارہ تازہ کرنے کی جدوجہد کر رہا تھا کیمبل وغیرہ چار بڑے بڑے قبیلے جو ایک دوسرے کے ہمسایہ اور آپس میں سخت عناد رکھتے تھے، ان کی اسی دشمنی پر ڈنڈی کی امید کامیابی مبنی تھی اور وہ سمجھتا تھا کہ آرچی بالڈ کیمبل (امیر آرگائل) کا انقلاب حکومت کو تسلیم کرلینا، اس قبیلے کے دشمنوں کو جیمز کا دوست بنا دینے کے لیے کافی ہے۔ یہ قیاس ایک حد تک درست نکلا اور ماہ جون تک پہاڑی جنگجو قبائل کا لشکر

بلیر اتھول کے مقام کے قریب جمع ہوگیا - امیر ڈنڈی کا قلع قمع کرنے کے واسطے ولیم نے سپہ سالار میکی کو روانہ کیا - یہ اسکاٹ لینڈ کے پہاڑی علاقے کا زمیندار و لنڈیزی فوج میں عرصے تک خدمت کر چکا تھا اور شجاعت و کاردانی کے علاوہ اُس کی سچی دینداری مشہور تھی جو اس زمانے کے سپاہی پیشہ افراد میں شاذونادر ہی پائی جاتی تھی حقیقت میں کروم ویل کے سپاہیوں کے جملہ اوصاف میکی میں جمع تھے - وہ باغیوں کے لشکرگاہ کی طرف بڑھا اور کلی کرینکی کی دشوار گزار گھاٹی سے گزر کر ایک چھوٹے سے میدان میں آرام کر رہا تھا کہ اُس کے دونوں بازووں پر ڈنڈی کے سپاہی آپڑے - ان پہاڑیوں کے لڑنے کا طریقہ یہ تھا کہ ایک بار چلاتے ہی بندوقیں پھینک دیتے اور چھرا اور تیغہ لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے - ہمارے زمانے میں سوڈانیوں کا طریق جنگ بالکل یہی ہے اور باقاعدہ فوجوں میں ہلچل مچا دینے کے لیے بہت کافی ہوتا ہے - میکی کے سپاہیوں کے پاس عہد جدید کے تیز کار آتشیں اسلحہ نہ تھے اور ایک دقت یہ پیش آئی کہ برچھی کی بجائے سنگین کا نیا نیا رواج ہوا تھا - منک یہاں کی پہاڑی لڑائیوں میں اس ہتھیار پر بہت کچھ بھروسا رکھتا تھا لیکن یہ ہنوز بھدا ہتھیار تھا اور بندوق کے دہانے پر جما کر اس سے کام لیتے تھے بحالیکہ پھر بندوق کام نہ دے سکتی تھی - بندوق بھرنے اور چلانے میں بھی بڑی دیر لگتی تھی - غرض یہ کہ شاہی سپاہی ہتھیار ہی سنبھالتے رہے کہ دشمن اُن پر آپڑا - یہ تنگ میدان پہاڑی کے دامن اور گیری ندی کے درمیان واقع تھا اور چند ہی منٹ میں ہار جیت کا فیصلہ ہوگیا - ایک جمعیت کے سوا، باقی سب ندی کے پیٹے میں گھس کر فرار ہوئے اور تعقب کرنے والے بھی انھی میں گڈمڈ ہوگئے - میکی نے اپنی پراگندہ فوج کو دقت سے مرتب کیا اور تعقب میں بھی سستی ہوئی کیونکہ امیر ڈنڈی جو رکابوں پر پاؤں جما کے سیدھا کھڑا تھا اور ساتھ کے مٹھی بھر سواروں کو حملے کا جوش دلا رہا تھا، اُس نے مہلک زخم کھایا اور اُس کے جانشین کینن میں نہ اُس کی سی ذہانت تھی نہ میکی کی سی جنگی لیاقت - اگرچہ وہ تربیت یافتہ فوجی سردار ضرور تھا - بہرحال پہاڑیوں کی فوج میں

باب ہفتم

ابھی تک اضافہ ہو رہا تھا اور اُنھی بڑھے ہوئے حوصلوں کے ساتھ اُنھوں نے ڈن کیلڈ کی کھلی ہوئی بستی پر حملہ کیا مگر یہاں کیمرن واعظ کے سبب سے جھیلے اور پُر جوش مقلدوں کے گروہ سے جو فوج مرتب ہوئی، وہ مقابلے میں آئی اور باغیوں کو بڑی شان سے شکست دی۔ اسی کے ساتھ اُن کا زور ٹوٹ گیا چند مہینے تک کینن نے تھوڑی سی فوج کو ساتھ لگائے رکھنے کے بعد بالآخر جون سنہ ۱۶۹۰ء میں کامل شکست کھائی اور ولیم و میری کی بادشاہی میں کوئی قیل وقال کرنے والا نہ رہا۔

اسی سال کلیسائے اسکاٹ لینڈ کی مجلس عامہ نے جو سنہ ۱۶۵۳ء کے بعد سے منعقد نہ ہوئی تھی، اجلاس کیا اور پرس بی ٹری طریقے کو مستقل طور پر اختیار کرلیا جو آج تک اسکاٹ لینڈ میں مروج ہے۔ ولیم کو اسکاٹ لینڈ کے معاملات میں سب سے زیادہ مدد ایک پرس بی ٹری پادری کارس ٹیرز کے مشوروں سے ملی جو نہایت دور اندیش و اعتدال پسند آدمی تھا۔ اسکاٹ لینڈ میں ایک گروہ تو فلیچر کا تھا جس کے پیرو امیرانہ جمہوریت کے حامی تھے اور دوسرے کیمی رونی گروہ کہ پرس بی ٹری طریقے کو بھی محض اسقفیت کی ایک شاخ جانتا تھا۔ پس کارس ٹیرز نے ایک بین بین راہ نکالی اور ادھر بادشاہ جمارہا کہ اسکاٹ لینڈ کے معاملات کا فیصلہ وہیں کے باشندوں کی رائے کے مطابق ہونا چاہیے اور زمانے نے بھی اس ارادے کی خوبی ثابت کردی۔

سنہ ۱۶۹۱ء میں اسکاٹ لینڈ کا نظم ونسق امیر آرگائل اور انھی کے ایک ہم قبیلہ امیر بریڈل بین اور سر جان ڈال ریمپل صدر اسٹیر کے تفویض ہوا۔ سر جان اسکاٹ لینڈ کا معتمد شاہی تھا اور حکومت کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں تھی۔ زیادہ تر یہی شخص پہاڑی علاقوں کو قابو میں لانے کے سلسلے میں ایک ایسے فعل قبیح کا ذمہ دار ہے جس پر زمانۂ حال میں بزرگتر جرائم سے بھی زیادہ

گلین کو کا قتل عام

بحث مباحثے ہوئے۔ ہماری مراد گلین کو کے قتل عام سے ہے جس کا اصلی سبب پہاڑیوں اور میدانیوں کی عداوت

باب ہفتم

نیز میک ڈانلڈ اور کیمبل قبیلوں کی پشتینی نزاع تھی۔ سرکاری طور پر منادی کردی گئی کہ یکم جنوری ۱۶۹۲ء تک تمام پہاڑی بکھیا شاہ ولیم کی اطاعت کا حلف اُٹھالیں۔ اسی پر ان جنگلی نبرد آزماؤں میں یہ آن پڑگئی کہ جہاں تک ہوسکے حلف لینے میں تاخیر کریں چنانچہ گلین کو کا ایک چودھری میک ایان ۳۱ر دسمبر کو فورٹ ولیم میں پہنچا۔ اس قلعے میں کوئی شاہی عہدہ دار موجود نہ تھا جس کے سامنے حلف لیا جاسکتا لہذا میک ایان کو ان وے ریری جانا پڑا اور وہاں ۶ر جنوری کو جاکے اُس نے یہ رسم پوری کی۔ مگر یہ بات تو مشکوک ہے کہ اس کے تاخیر سے حلف لینے کی اطلاع لندن دی بھی گئی یا نہیں۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ وہاں عہدہ دار اس فکر میں تھے کہ پہاڑی سرکشوں کو ایسا سبق دیا جائے کہ وہ یاد رکھیں یوں بھی گلین کو کا قبیلۂ میک ڈانلڈ تعداد میں کم اور چلن میں بدنام تھا۔ ادھر ڈال رمپل کے متعلق ایک ہمعصر کا بیان ہے کہ وہ "لومڑی کی طرح مکار، سانپ کی طرح ہوشیار اور جونک کی طرح پھسلتا تھا" اُس نے فوراً حکومت کو اطلاع دی کہ حسب دلخواہ موقع ہاتھ آگیا ہے اور میک ایان کے وقت پر نہ آنے کی پہلی خبر ملتے ہی جھٹ پٹ یہ حکم خود شاہی دستخطوں سے لے کر اسکاٹ لینڈ بھیجا گیا کہ "اگر گلین کو کے قبائل، دوسروں سے جدا کیے جاسکیں تو چوروں کی اس برادری کا قلع قمع کرنا عین قرین معدلت ہوگا۔" اس پر ڈال رمپل نے اپنی طرف سے اتنا اور بڑھادیا کہ جو کچھ کیا جائے خاموشی سے ناگہانی کیا جائے۔ اور یہ کہ سپاہی، قیدی لا کے سرکار کو پریشان نہ کریں۔" ان ظالمانہ احکام پر شرمناک مکاری کے ساتھ عملدرآمد ہوا سارا معاملہ میک ڈانلڈ قبیلے کے دشمن کیمبلوں کے سپرد کردیا گیا تھا اور گلین لیون کا کپتان کیمبل خاص امیر آرگائل کے لشکر سے ایک سو بیس جوانوں کے ہمراہ یکم فروری کو گلین کو بھیجا گیا کہ ۱۳ تاریخ تک بستی والوں سے دوستانہ تعلقات رکھے تاکہ تمام راستوں پر پہرہ لگادیا جائے اور پھر یہ سپاہی یکایک اپنے میزبانوں پر حملہ کردیں اور مرد و زن، صغیر و کبیر کسی کو

زندہ نہ چھوڑیں۔ اس تجویز پر حرف بحرف عمل ہوا اور اگر سپاہی بندوقوں کی بجائے خاموش سنگینوں سے کام لیتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ پوری کامیابی حاصل نہ ہو۔ مگر بندوقوں کی آواز نے بستی والوں کو ہوشیار کر دیا اور کل ایک چوتھائی یعنی ۳۸ آدمی مارے گئے۔ تین چوتھائی باشندے بچ نکلے اگرچہ ان میں سے بھی کئی جانیں پہاڑوں کی شدید سردی میں تلف ہوئیں۔ یہ قصہ دو سال میں انگلستان میں اتنا مشہور ہو گیا تھا کہ پارلیمنٹ نے اس پر توجہ کی۔ ڈال ریمپل عہدے سے الگ کر دیا گیا لیکن پورے قضیے میں اتنی کثیر تعداد مجرم تھی کہ ولیم نے سب کو سزا دینا غیر ممکن سمجھا۔ دوسرے جس طرح کسی فرنگی نو آبادی میں کالے دیسیوں کا مویشی چرانے پر قتل عام کر دینا آجکل بھی کچھ بہت سنگین واقعہ نہیں سمجھا جاتا، اسی طرح عجب نہیں کہ گلین کو کے قتل عام کو بھی ان دنوں، زیادہ وقعت نہ دی گئی ہو۔ یہ قساوت دیکھ کر پہاڑی قبیلے سرکار کی طرف سے سخت بدظن تو ہوئے لیکن سرکشوں کی ناکامیاں، دروں میں بہتر سڑکوں کی اور اہم جنگی مقامات پر ان ورنس وغیرہ قلعوں کی تعمیر سے مرعوب ہو گئے اور تقریباً ایک پشت تک دم نہ مارا۔

آئرستان

اسکاٹ لینڈ میں تو ولیم کے مقابلے میں جیمز کی طرفداری شورش کا سبب بنی تھی، لیکن آئرستان میں انگلستان کے تعلق کا قائم رہنا ہی موجب نزاع تھا۔ دوسرے ایک طرف تو کیتھولک رجحان کی بدولت اس ملک میں جیمز ہر دلعزیز تھا اور پھر ٹائرکونیل کی روش سے عام طور پر یہ امید پیدا ہو گئی تھی کہ آئرستان کی آزادی اور انگلستان و اسکاٹ لینڈ کے آبادکاروں کو اپنی مقبوضہ اراضی سے خارج کرنے کا وقت آگیا ہے۔ چنانچہ ۱۶۸۸ء کے آخری مہینوں میں ٹائرکونل آیندہ جنگ کی پوری تیاریاں کرتا رہا۔ چالیس ہزار سپاہیوں کی فوج فراہم کی اور جن شہروں میں پردیسی آبادکار پناہ لے سکتے تھے، وہاں پہلے سے کیتھولک چھاؤنیاں بنا دینے کی فکر کی۔ ان میں سب سے بڑھ کر اہم لنڈن ڈری اور انیس کیلن کی بستیاں تھیں کہ پہلا مقام تو اسکوٹی آبادکاروں کا مرکز تھا اور دوسرا گروم دیلی سپاہیوں کا۔

باب ہفتم

ٹائرکونیل کے سپاہی پہلے لندن ڈری پہنچے مگر چند نوجوان کارآموزوں نے شہر کے پھاٹک بند کردیے اور یہ سن کر انمس کیلن والوں کو بھی جرأت ہوگئی کہ ٹائرکونیل کے سپاہیوں کو اندر نہ گھسنے دیں۔

جیمز کا ورود آئرستان میں

جیمز ۲۳ دسمبر ۱۶۸۸ء کے دن انگلستان سے رخصت ہوا تھا اور پہلی فروری ۱۶۸۹ء کو آئرستان پر قبضہ کرنے ورسائی سے روانہ ہوا۔ لوئی نے پندرہ جہازوں کا بیڑا اور ڈھائی ہزار سپاہی ساتھ کیے۔ وہ کن زیل پر اترا اور ڈبلن روانہ ہوا جہاں پہنچ کر برنجی سکہ ضرب کرایا جو سرکاری قیمت سے سو گنا کم قیمت تھا۔ اور ۷ مئی کو پارلیمنٹ طلب کی دوسرا کام یہ کیا کہ ایک بدنصیب فرانسیسی ہیوگنو مسمی ٹرڈسل کو جس نے اپنے ہم اعتقادوں کے روبرو شکستہ گرجا میں کھڑے ہو کر وعظ و تلقین کی تھی اور اس قصور پر رہٹ کے پہیے سے باندھ کر ہلاک کردیے جانے کی سزا پائی تھی فرانسیسی سفیر کے حوالے کردیا۔ پارلیمنٹ میں صرف چودہ امرا (جن میں دس کیتھولک تھے) شریک ہوئے اور دارالعوام کے ڈھائی سو ارکان میں سے پروٹسٹنٹ باشندوں کے صرف ۶ مبعوث آئے۔ اس پارلیمنٹ کا پہلا کام یہ تھا کہ آئرستان کی تشریعی آزادی کا اعلان کیا اور پھر کئی عجیب عجیب قوانین وضع کرنے بیٹھی۔ قانون آبادکاری پرجوش نعروں میں منسوخ کیا گیا۔ حاضر نہ ہونے والوں کی جاگیریں بحق شاہ جیمز ضبط ہوئیں۔ سب مسیحی فرقوں کو مذہبی آزادی دی گئی لیکن پروٹسٹنٹوں کو گرجا یا کسی دوسری جگہ جمع ہونے کی اجازت نہ تھی اور خلاف ورزی کی سزا موت مقرر کی گئی تھی۔ دینی مدارس و کلیات دوبارہ کیتھولک فرقے کے حوالے ہوئے۔ پروٹسٹنٹوں کے سب گرجا پادریوں کی تحویل میں دیے گئے کہ معاشیں بھی وہی وصول کریں۔ اور شہروں یا بلدی قصبات میں جو پروٹسٹنٹ پادریوں کو تنخواہیں دی جانے لگی تھیں وہ روک دی گئیں۔ پروٹسٹنٹوں کی ضبط کردہ جاگیروں میں سے بیس ہزار پونڈ سالانہ ٹائرکونیل کے نام کیے گئے۔ اور آخری ایک قانون "خرابی خون" کا نافذ ہوا اور دو ہزار سے کم اشخاص نہ ہوں گے جنھیں بصورت گرفتاری سزائے موت کا مستوجب

باب ہفتم

قرار دیا گیا۔ حالانکہ بہت سے ایسے تھے کہ ان کے متعلق کوئی جھوٹی سچی تحقیقات بھی نہیں عمل میں آئی۔ صرف یہ کہہ دیا گیا کہ اگر ایک مقررہ تاریخ تک وہ اپنے آپ کو حوالے نہ کردیں گے تو لائق سزا سمجھے جائیں گے۔ اپنے آئرستانی خیر خواہوں کی یہ جلادی دیکھ کر جیمز بھی خوف زدہ ہو گیا لیکن اس چڑھتے طوفان کو روکنے کی قوت نہ تھی۔ قانون آباد کاری کی تنسیخ کے ساتھ ساتھ ملک بھر سے انگریز اور اسکوٹی آباد کار جبراً خارج، اور اُن کے مویشی ہلاک کردیے گئے اور مال و متاع کو آگ لگادی گئی۔ ان غریب الوطنوں کی سب سے بڑی پناہ گاہیں لنڈن ڈری اور انیس کیلن کی بستیاں تھیں۔ وہ تعداد کثیر میں وہاں آ بھرے اور اُن کے استیصال کامل کا انحصار اس پر آگیا کہ یہ بستیاں تسخیر کرلی جائیں۔ لنڈن ڈری میں جیمز نے کرنل لنڈی کو قلعہ دار بنا کر بھیجا تھا اور اُس نے دو انگریزی فوجوں کو کہیں دور بھیج دیا کہ شہر کے فتح ہونے میں اور بھی سہولت ہو جائے۔ مگر جب جیمز کے شہر کی طرف بڑھنے کا حال معلوم ہوا تو پناہ گزینوں نے اپنے غدار قلعہ دار کی اطاعت سے آزادی حاصل کی بلکہ اسے عہدے سے معزول کرکے میجر بیکر اور کپتان مرے کی زیر ہدایت قلعہ بند ہو کر لڑنے کا فیصلہ کیا۔ اس ارادے میں حلقۂ ڈونامور کے ناظم واکر کے فصیح مواعظ نے اُن کی ہمت اور بڑھائی اور جب جیمز شہر کے سامنے پہنچا تو معلوم ہوا کہ انھیں بے ڈھنگی فصیلوں پر پہرہ قائم ہے اور ہر شخص جو ہل سکا مسلح کردیا گیا ہے کہ قلعہ بند ہو کر جنگ کی جائے۔ ۲۰ اپریل ۱۶۸۹ء سے محاصرہ شروع ہوا۔ محصورین نے کئی یورشیں پسپا کیں۔ ادھر محاصرہ کرنے والوں کو معلوم ہوا کہ شہر میں اجناس خوردنی کی کمی ہے۔ لہذا حملہ و گولہ باری کی شدت کو چھوڑ کر انھوں نے ناکہ بندی کے ذریعے محصورین کو فاقہ کشی کی مصیبتوں میں پھنسانا زیادہ پسند کیا۔ اسی سلسلے میں جیمز نے مشرقی یورپ کے ایک بدمعاش آدمی روزن نامی کو جو

لنڈن ڈری کا محاصرہ

اُن دنوں کوئی کی ملازمت میں تھا۔ اس خدمت کے لیے چھانٹ کر بلایا اور اُس نے یہ شیطانی تدبیر نکالی کہ قریب کے دیہات میں جو بوڑھے بچے اور عورتیں باقی رہ گئی تھیں اُنھیں محصورین اور محاصرین کے درمیان لا کے جمع کر دیا کہ بھوک یا طرفین کی آتش باری سے اُن کا خاتمہ ہو جائے۔ دو دن رات یہ بدنصیب جبراً اسی طرح لڑنے والوں کے بیچ میں رکھے گئے آخر شہر والوں نے دھمکی دی کہ بستی میں جتنے کیتھولک قیدی ہیں، ہم اُن سب کو سولی پر لٹکا دیں گے تو روزن نے ڈر کر باقی ماندہ مظلوموں کو واپس چلے جانے کی اجازت دی۔ اس واقعے سے جیمز تک کو صدمہ ہوا۔ روزن کی بجائے ہیملٹن مقرر کیا گیا۔ محاصرہ اُٹھانے کی غرض سے کرک کشتیاں لے کر روڈ فوئل کے راستے روانہ ہوا تھا لیکن ایک مضبوط باڑ ڈال کر اُس کو روک دیا گیا۔ اسی طرح ہفتے کے ہفتے گورے چلے گئے۔ شہر کی بہادر فوج کو شکم پُری کے لیے کتے، چوہے، بلیاں اور نمک لگی کھالیں تک کھا لینی پڑیں اور کرک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا۔ آخر شہر میں صرف دو دن کی خوراک رہ گئی تو اُس وقت کرک کو قطعی حکم پہنچا کہ باڑ پر حملہ کرے اور دو تجارتی جہاز اُسے توڑ کر نکل گئے اور ۲۸ جولائی کو شہر کی گودی میں لنگر ڈالا۔ تب تیسرے دن یہ محاصرہ بھی جو ایک سو پانچ دن رہا تھا، اُٹھا لیا گیا۔ اسی تاریخ انیس کیلین والوں کو فتح نمایاں حاصل ہوئی کہ کرنل وُلزلی نے اپنی بے قاعدہ فوج سے جیمز کے سپہ سالار میکارتھی پر حملہ کیا جو ۶ ہزار باقاعدہ سپاہیوں کے ساتھ نیوٹاؤن بٹلر تک بڑھ آیا تھا۔ جنگ سے کچھ پہلے وُلزلی نے یہ بات اپنے سپاہیوں کی رائے پر چھوڑ دی تھی کہ اُن کی مرضی ہو تو حملہ کریں ورنہ واپس ہٹ جائیں لیکن فاتحان ریتھ مائنز اور نیزبی کی اولاد مردانگی میں کسی سے کم نہ رہ سکتی تھی۔ سپاہیوں نے بالاتفاق حملے کی رائے دی اور "پاپائیت" پر لعنت کے نعرے مارتے ہوئے آگے بڑھے تو کوئی سامنے نہ ٹھیرا۔ میکارتھی، پندرہ سو جوانوں کے ساتھ کھیت رہا اور اُس کے اور پانچ سو ساتھیوں نے رودار ان میں ڈوب کر جان دی۔

باب ہفتم

ان کامیابیوں سے تو شمالی آبادکاروں کا تحفظ ہو گیا اور ادھر اگست میں ایک اسّی سال کا تجربہ کار سپہ سالار شوم برگ نامی، جسے محض پروٹسٹنٹ ہونے کے جرم میں فرانس سے نکالا مل گیا تھا، ملی جلی جمعیت لے کر آئرستان میں آ پہنچا اور جیمز کی فوجیں اُس کی روک تھام میں لگ گئیں۔ شوم برگ کے سپاہی مفلوک الحال لوگ تھے اور ایک بدمعاش بیوپاری شیلز نے ان کی سربراہی کا ٹھیکہ لے رکھا تھا جس سے انھیں ڈھنگ کا کھانا کپڑا تک میسر نہ آیا۔ تاہم شوم برگ کی سلیقہ مندی کی بدولت وہ سنہ ۱۶۹۰ کی گرمیوں تک میدان میں تھمے رہے حتیٰ کہ ولیم بذات خود اعلیٰ درجے کی فوج لے کر آ گیا اور قیادت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی۔ اُس نے جتا دیا تھا کہ "میں آئرستان میں محض اینڈنے کے لیے نہیں آیا ہوں"۔ اور اُس کی آمد سُن کر جیمز کی فوج سامنے سے ہٹ کر ڈروگھیڈا سے دو میل اوپر بوئن ندی کے کنارے نہایت محفوظ مقام پر مورچہ بند ہو گئی۔ ۳۰ جون کو فریقین کی فوجیں ایک دوسرے کے سامنے پڑی رہیں۔ البتہ جیمز کے سرداروں نے موقع پا کر دو گولے خاص ولیم پر چلائے اور ایک گولے سے اُس کے شانے کو گھسا بھی لگا۔ یکم جولائی کو ولیم کی ساری متحدہ فوج دشمن کے روبرو ندی کو عبور کر آئی۔ جیمز کے فرانسیسی اور آئرستانی سوار خوب لڑے لیکن پیادوں نے بڑی نامردی دکھائی اور شوم برگ کے مارے جانے کے باوجود ولیم کو فتح و فیروزی نصیب ہوئی۔ بلکہ متوفی سپہ سالار کی رائے کے مطابق ولیم رات ہی کو ڈلیک کے درے پر جیمز کی پسپائی کا راستہ روک لیتا تو اسے اور بھی شدید ہزیمت نصیب ہوتی۔ مگر جیمز کی گرفتاری بھی ولیم کے لیے پریشانی کا موجب ہو جاتی اور غالباً اسی خیال سے اُس نے درہ بندی کرنے میں تامّل کیا۔ بہر حال فراری لشکر میں سب سے پہلے خود جیمز ڈبلن پہنچا اور بہت اخلاق سے لیڈی ٹائرکونیل کو اطلاع دی کہ "آپ کے ہم وطن بھاگ نکلے"۔ جس کا اس خاتون نے یہ بامزہ جواب دیا کہ "اگر وہ بھاگ نکلے تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس دوڑ میں حضور عالی بازی لے گئے ہیں!" ڈبلن سے جیمز مارا مار واٹرفورڈ پہنچا اور شکست کے

تیسرے دن اپنے ہوا خواہوں کو تقدیر کے حوالے کر کے فرانس روانہ ہوگیا۔

محاصرے اور فتوحات

بوئن کی فتح سے ڈبلن اور تمام وسطی اضلاع ولیم کے قبضے میں آگئے لیکن شینن کے کنارے کنارے ایتھلون، لمیرک، اور کورک و کنسیل کی بندرگاہیں ایک مسلسل خط کی صورت میں باغیوں کے قبضے میں تھیں۔ اور اُن کی قیادت ایک آئرستانی امیر سارس فیلڈ اور ایک فرانسیسی سپہ سالار لوزان کر رہے تھے۔ خود ولیم لمیرک پہنچ گیا تھا مگر محاصرے میں شروع سے ناکامی ہوئی۔ بوئن کے میدان میں جو لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے، وہ فصیل کے پیچھے سے جان توڑ کر لڑے۔ سارس فیلڈ بہت عمدہ سپہ سالار ثابت ہوا۔ اور اُس نے ولیم کی قلعہ شکن توپوں کو چالاکی سے چھین کر بڑا نام پایا۔ جب یہ توپیں نہ رہیں تو پھر محاصرین قلعے کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ تین یورشیں ناکام ہوئیں اور چونکہ سردی سر پر آگئی تھی لہذا ولیم محاصرہ اُٹھا کر خود انگلستان چلا گیا۔ فوج کی قیادت اور گنکل، میکے اور ٹلیمش کے تفویض کردی۔ دوسری طرف مارل برو کو کنسیل اور کورک کی تسخیر کے لیے پانچ ہزار سپاہی دے کر بھیجا گیا تھا اُس نے یہ خدمت اس خوبی سے بلا کسی رکاوٹ کے انجام دی کہ ولیم نے بے اختیار داد دی اور کہا کہ ”اس وقت کے فوجی سرداروں میں کوئی ایسا نہیں جس کو جنگ کا تجربہ اتنا کم ہو اور پھر بھی وہ مارل برو کے برابر بڑی سی بڑی سپہ سالاریوں کا اہل ہو۔“ ۱۶۹۱ء کے موسم بہار میں آئری فوج کی سپہ سالاری کے واسطے ایک نامور فرانسیسی سردار سینٹ روتھ بھیجا گیا۔ اسی جون میں گنکل، ایتھلون کے محاصرے کی غرض سے بڑھا کہ شینن کا معبر اسی شہر کی زد میں تھا اور غالباً آئرستان بھر میں اس سے بڑھ کر باموقع جنگی مقام دوسرا نہ تھا۔ اس کے مشرقی کنارے پر انگریزوں کا محلہ تھا، اس کے فتح ہونے میں کچھ دشواری نہ ہوئی مگر اُس کے اور آئری بستی کے درمیان شینن کی تیز ندی واقع تھی اور اُس پر صرف ایک پُل تھا جہاں زبردست پہرا قائم تھا۔ آخر گنکل نے پُل سے چند گز آگے بڑھ کر ندی کو پایاب اترنا چاہا اور

باب ہفتم

یورش کا سردار میکی کو مقرر کیا۔ وہ ذاتی طور پر اس تجویز کے خلاف تھا مگر اس مستعدی سے لڑا کہ گویا خود اُس کی تجویز تھی۔ ٹیلمش اور شہزادہ ورٹم برگ نے بہادری سے ساتھ دیا اور گردن گردن پانی، سرداروں کو کندھے پر چڑھائے ہوئے سپاہی ندی کے پار ہو گئے۔ آئرستانی مدافعین کو خبر بھی نہ ہوتے پائی تھی۔ وہ ناگہانی حملے کی تاب نہ لائے اور چند منٹ میں سارا شہر گنکل کے قبضے میں آگیا۔

روتھ نے ایتھلون کی نسبت کمال اطمینان سے کہا تھا کہ گنکل کے آقا کو چاہیے کہ ایسے مضبوط شہر کو لینے کی کوشش کی سزا میں اُسے سولی چڑھا دے اور اگر واقع میں میرے ہاتھ سے شہر نکل جائے تو میرے آقا کو چاہیے کہ مجھے دار پر لٹکا دے۔ اسی اطمینان کی بدولت وہ شہر سے چند میل کے فاصلے پر خیمہ زن اور ٹائرکونیل اور بہادر سارس فیلڈ سے خواہ مخواہ جھگڑنے اور ڈانٹنے ڈپٹنے میں مصروف تھا۔ ایتھلون ہاتھ سے نکلا تو پریشان ہو کر گالوے کی طرف پسپا ہوا اور راہ ہی کی سڑک پر آورم کی پہاڑی پر دلدل کے عقب میں مورچہ بند ہو کر گنکل کے حملے کا انتظار کرنے لگا۔ آئرستانی سپاہیوں میں اُس نے مذہب اور حب وطن کا انتہائی جوش بھر دیا تھا اور وہ حقیقت میں بڑی بہادری سے لڑے اور ٹیلمش کے پیادوں کو بار بار پسپا کر دیا۔ لیکن بالآخر میکی اپنے رسالے کو بدقت تمام دلدل کے دوسری طرف لے آیا اور جناحی حملے کی تیاری کی۔ اُسی وقت ایک گولے نے سان رتھ کا کام تمام کر دیا اور اُس کے بیوقوف ملازموں نے سارس فیلڈ تک سے یہ خبر مخفی رکھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عین نازک موقع پر کوئی قیادت کرنے والا نہ رہا۔ سارس فیلڈ فوج ردیف لیے حکم کا منتظر کھڑا تھا مگر کوئی ہدایت نہ پہنچی اور میکی دباتا چلا آیا۔ ادھر ٹیلمش نے بیش از بیش جد و جہد کی اور آئرستانی لشکر ایسی پامردی دکھا کر جس کا بوئن کے معرکے سے بمشکل قیاس ہو سکتا تھا۔ جدھر منہ اٹھا بھاگ کھڑا ہوا۔

معرکۂ آورم

باب ہفتم

اب گالوے بھی فتح ہوگیا تو ٹائرکونیل اور سارس فیلڈ اپنی آخری جائے پناہ یعنی لمیرک کے قلعے میں ہٹ آئے۔ محاصرہ شروع ہونے نہ پایا تھا کہ ٹائرکونیل فوت ہوگیا۔ ادھر توپوں کا مناسب انتظام ہوجانے سے گنکل نے ولیم سے زیادہ کامیابی پائی۔ اور جب آئرستانی رسالے کو فصیل کے باہر شکست ہوئی اور تھومنڈ کے پل پر جو شینن ندی پر واقع ہے حملہ آوروں کا قبضہ ہوگیا تو سارس فیلڈ نے صلح پر آمادگی ظاہر کی۔ شرطیں جو طے ہوئیں، دو قسم کی تھیں۔ ایک تو جنگی یعنی ہتھیار ڈال دینے کے متعلق جن پر سپہ سالاروں کے دستخط ہوئے اور دوسرے ایک ملکی معاہدہ، جس پر ولیم کی طرف سے حکام عدالت عالیہ نے دستخط کیے۔ پہلے معاہدے کی رو سے آئرستانی سپاہیوں کو اختیار دیا گیا کہ لمیرک سے نکل کر ہتھیار کھول دیں اور پھر ولیم کی فوج میں داخل ہوجائیں یا چاہیں تو سارس فیلڈ کے ساتھ فرانس چلے جائیں اور دوسرے عہد نامے میں وہاں کے کیتھولکوں کو صرف وہ مراعات دی گئیں جو قانون کے مطابق تھیں یا جو انھیں چارلس دوم کے زمانے میں حاصل تھیں۔ پہلے معاہدے کی بنا پر تقریباً گیارہ ہزار سپاہیوں نے فرانس جانے پر آمادگی ظاہر کی اور اگرچہ جہازوں تک جاتے جاتے بہت سے بھاگ گئے، تاہم اتنی کافی تعداد گئی کہ فرانس میں مشہور و معروف وہ آئری لشکر (بری گیڈ) مرتب ہوسکا۔ سارس فیلڈ افسوس کرتا تھا کہ اگر انگریز اپنے بادشاہ کو ہمیں دے دیں، تو جب چاہیں ہم سے دوبارہ لڑ کر دل کا حوصلہ نکال سکتے ہیں۔ اور حقیقت میں ٹائرکونیل کے وقت سے بہتر ضبط اور جیمز سے اچھے قیادت کرنے والے ملے تو آیندہ بہت سے سخت و دشوار معرکوں میں یہی بوئن اور آوُرم کے شکست کھانے والے اس جواں مردی سے لڑے کہ آئرستانی شجاعت کا سکہ بٹھا دیا۔

لمے رک کی تسخیر کے بعد ایک ملکی عہد نامہ مرتب ہوا، اور اس موقع پر ولیم اور انگلستان کے اہل الرائے کی بات چل جاتی تو آئرستان کے قدیم کیتھولک باشندوں اور جدید پروٹسٹنٹ متوطنوں کا پرانا جھگڑا منصفانہ طور پر طے ہوجاتا۔

باب ہفتم

لیکن آئرستان کی آزاد ملکی مجلس اُن سے کہیں بڑھ کر تنگ دل اور متعصب نکلی۔ جیمز کے چند روزہ اقتدار کے زمانے میں قانون آبادکاری کی تنسیخ، خرابی خون کے فیصلے اور سنہ ۱۶۸۹ء نیز اڑتالیس برس قبل کے مظالم پروٹسٹنٹوں کے دل پر ایسے نقش ہو گئے تھے کہ وہ آیندہ کسی بہتر صورت نکلنے کے امکانات پر مطلق متوجہ نہ ہو سکے۔ انھوں نے بڑی بے رحم وتابوطلب اکثریت کے پنجے سے بصد مشکل نجات پائی تھی لہٰذا آیندہ اسی قسم کی مصیبت کا حفظ ماتقدم سوائے اس کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا کہ اکثریت کو اچھی طرح شکنجے میں کسا جائے۔ چنانچہ عہدنامۂ لمے رِک تدریجی مراعات کی ابتدا بننے کی بجائے، سرے سے نافذ ہی ہونے نہ پایا۔

فرانس سے اعلان جنگ

جیمز آئرستان سے فرانس واپس پہنچا تو اتنی دیر ہو چکی تھی کہ فرانس کے خاص انگلستان پر حملہ کرنے کی کوشش میں شرکت نہ کر سکا۔ اصل یہ ہے کہ جب لوئی کے عملاً جیمز کو فوجی امداد دینے کا حال معلوم ہوا تو پارلیمنٹ کی درخواست پر ولیم نے فرانس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ پارلیمنٹ نے ولیم کو یقین دلایا تھا کہ وہ جس وقت شاہ فرانس سے لڑنا مناسب سمجھے گا، ہم دستوری طریق کے مطابق اُس کی تائید و شرکت کریں گے، چنانچہ ولیم کو ہالینڈ، اسپین اور شہنشاہ جرمانیہ کو فرانس کے خلاف متحد کرنے کا موقع مل گیا اور یہ زبردست جتھا خود ولیم کی سرگرہی میں آٹھ سال تک لوئی چہاردہم سے اُس کی سرحد پر بری و بحری جنگ کرتا رہا۔ برطانیہ نے اتحادیوں کے لیے ۲۰ ہزار بری سپاہی فراہم کرنے اور ولندیزوں کے ساتھ مل کر بحری جنگ کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ سنہ ۱۶۸۹ء میں مارل برو اور ٹلمش ایک برطانی لشکر لے کر یورپ گئے، اور شہزادہ ویلڈک کی سپہ سالاری میں وال کورٹ کی لڑائیوں میں نام پایا۔ اُدھر ہربرٹ بھی کنسیل کے سامنے فرانس کے بیڑے سے ایک معمولی اور ناتمام بحری لڑائی لڑا لیکن سنہ ۱۶۹۰ء میں جب ولیم آئرستان گیا ہوا تھا فرانسیسی امیرالبحر تورویل بیاسی جہاز لے کر رود بار انگلستان میں داخل ہوا کہ انگریزی بیڑے کا صفایا کر دے۔ ولیم کو انگلستان آتے میں گرفتار کرے

باب ہفتم

اور خاص انگلستان پر فوج کشی کرنے میں جیمز کی امداد و محافظت کرے۔ ۳۰ رجون کو، جس روز ولیم نے بوئن کی لڑائی میں خفیف زخم کھایا، اُسی دن ہربرٹ اور ولندیزی امیر البحر ایورٹ سن نے مل کر بیچی ہیڈ کے سامنے تور ویل کا مقابلہ کیا۔ ہربرٹ کو اب لارڈ ٹورنگ ٹن کا خطاب مل گیا تھا۔ وہ ذاتی طور پر وفادار و دلیر جہازی تھا اور عیش دوستی کے باوجود بحری لڑائیوں کا کافی تجربہ رکھتا تھا۔ اس کی پختہ رائے یہ تھی کہ انگلستان پر حملہ روکنے کی غرض سے ایک غیر مغلوب بیڑے کی ہستی ضروری ہے اور اس نازک موقع پر بیڑے کو جوکھوں میں ڈالنا سخت نادانی ہوگی۔ مگر امیر ناٹنگھم نے اصرار کیا کہ ضرور لڑائی لڑی جائے۔ ٹورنگ ٹن کو تعمیل کرنی پڑی۔ تاہم اپنے کمزور بیڑے کو معرض خطر میں ڈالنے کی بجائے وہ چند جہازوں سے لڑنے کے بعد فرار ہوگیا۔ حملے کا اصلی بار ولندیزیوں نے اُٹھایا اور ٹورنگ ٹن دریائے ٹیمز کی کھاڑی میں گھس گیا۔ آتے وقت اُس نے وہ بحری پیپے بھی اُٹھا دیے جن سے کھاڑی کے دہانے کا علم ہوتا تھا اور چونکہ تور ویل اس کے بیڑے کے صحیح سالم بچ نکلنے کی وجہ سے اپنے بیڑے کو کئی حصوں میں تقسیم نہ کر سکتا تھا، لہذا تذبذب میں رہ گیا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ ٹورنگ ٹن کی اس چالاکی کے فوائد ملکی اشخاص نہیں سمجھ سکے اور اُنھوں نے اُس کے طرز عمل پر لعنت ملامت کی لیکن بحری اہل الرائے میں اس کی بڑی قدر ہوئی۔ بہر حال معاملہ بہت نازک ہوگیا تھا۔ لیکن یہ الفاظ کہ "فرانسیسی آرہے ہیں" جادو کا سا کام کر گئے۔ یعنی قومی جذبات مشتعل ہوئے اور کیتھولک (لیعقوبی) فرقے کے لوگ تک جیمز کی حمایت کرنے سے رُک گئے۔ اُس زمانے کے محسوسات عامہ کا اچھا خاصا مقیاس ڈرائی ڈن کے اشعار ہیں۔ اُس نے اس موقع پر "کیلک اِن ویژن" لکھی۔ غنیمت یہ ہوا کہ فرانسیسیوں کے پاس باربرداری کا کافی انتظام نہ تھا اور اسی تذبذب میں، بیس ہزار جنگ آزمودہ سپاہ اُتارنے کی بجائے وہ صرف ایک گمنام سے گاؤں (ٹین متھ) کو تیغ و آتش سے پامال و خراب کرکے چلے گئے۔ ہالینڈ وغیرہ یورپ کے ملکوں میں تو اس

واقعے کی خبر بھی نہ ہوتی لیکن اہل انگلستان جنگ فرانس کی ان خوفناک مصیبتوں کے عادی نہ تھے۔ یہاں اسی واقعے نے ساری قوم کو برانگیختہ کر دیا اور بہت جلد ثابت ہوگیا کہ انگلستان کے دیہات جلانے سے جیمز کی مدد نہیں ہو سکتی یعقوبی فرقے کے بغاوت کر دینے کی ساری امیدیں باطل ہوگئیں اور جیمز کے آئرستان سے شکست کھا کر بھاگنے کی خبر لندن پہنچی تو اس سے پہلے ہی خطرے کا وقت گزر چکا تھا۔ ملکۂ میری کی خدمت میں ہر طرف سے وفادارانہ امداد کے پیام آئے اور ولیم انگلستان واپس آیا تو پہلے سے بھی زیادہ اپنے حق بادشاہی کو مضبوط و محکم پایا۔

پارلیمنٹ کے اجلاس موسم سرما میں اور یورپ میں لڑائی صرف گرمیوں میں ہوا کرتی تھی۔ لہٰذا سنہ ۱۶۹۱ء سے سنہ ۱۶۹۷ء تک ولیم ۶ مہینے فوجوں کے ساتھ یورپ میں اور ۶ پارلیمنٹ کے ساتھ ویسٹ منسٹر میں گزارتا تھا اگرچہ اسے دونوں جگہ قریب قریب یکساں محنت و عرق ریزی کرنی پڑتی تھی۔ یورپ میں وہ ایسے فوجی جتھے کا سردار تھا جس کی تعداد زیادہ مگر اغراض نامشترک تھیں۔ اطالیہ سے لے کر شمالی یورپ تک مختلف ملکوں میں اس کی فوجیں مصروف جنگ رہتی تھیں اور مقابلہ واحد قوم سے تھا جس کی قیادت ایک مطلق العنان بادشاہ کے ہاتھ میں تھی اور اسے ہر جگہ مرکزی موقع اور بہترین سپہ سالاروں کی خدمات کا فائدہ میسر تھا۔ خود ولیم کے مقابلے میں کئی سال تک شہرۂ آفاق لکسمبرگ سپہ سالاری کرتا رہا اور مشہور مہندس ووبال جیسے قلعہ سازی کے فن میں مہارت تامہ حاصل تھی، فرانسیسی سپہ سالار کا مددگار تھا۔ اس کے جواب میں ولیم نے بھی ایسے ہی نامی گرامی بنا یعنی کے ہورن کو رکھ لیا تھا اور جنگ میں خود لکسمبرگ بے شبہ اس کا حریف قابل تھا۔ نیدرلینڈز کے علاقے، جہاں ولیم ذاتی طور پر قیادت کرتا رہا، قدرتی اسباب دفاع سے عاری ہیں لیکن قلعے بنا کر یہ کمی پوری کر لی گئی تھی اور یہاں کی جنگ میں کبھی کبھی میدانی معرکہ پڑ جاتا تھا ورنہ زیادہ تر قلعہ گیری اور محاصرہ کشائی ہی کے واقعات ملتے ہیں۔ ان قلعوں میں سے سب سے بڑے

لیل، تورنے، مونز اور نامور سرحد فرانس کا راستہ روکے ہوئے تھے۔ بری جنگ کے ساتھ ساتھ بحری معرکے بھی برابر ہوتے رہے اور فرانسیسی ساحل پر کئی بار بحری تاختیں کی گئیں جن سے زیادہ نہیں تو اتنا فائدہ ضرور حاصل ہوا کہ فرانس کو ساحلی مقامات پر فوج کا معقول حصہ حفاظت کے لیے رکھنا پڑا۔

سنہ ۱۶۹۱ میں فرانسیسیوں کو ایک بڑی جیت یہ حاصل ہوئی کہ ولیم کے حرکت کرنے سے پہلے قلعۂ مونز کو خاص لوئی کی موجودگی میں فتح کر لیا اور اس کے بعد ولیم نے ہزار کوشش کی کہ غنیم سے کہیں جم کر مقابلہ کر لے، مگر لکسمبرگ نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔

سنہ ۱۶۹۲ میں ولیم پھر انھی علاقوں میں آگیا لیکن اس سال سب کی توجہ رودبار کی طرف لگی رہی کہ لوئی نے نورمانڈی میں ایک بڑا لشکر جمع کیا تین سو باربرداری کے جہاز تیار تھے اور اُدھر جیمز انتظار میں تھا کہ تورویل انگریزی بیڑے کو حسب توقع شکست دے دے تو خود انگلستان پر فوجکشی کرے۔ آخری بحری جنگ میں فرانسیسی فتحمند ہوئے تھے اور حکومت انگلستان کو یہ بھی اطلاع تھی کہ انگریز امیرالبحر رسل جیمز کے ساتھ پیام سلام کر رہا ہے۔ حسن اتفاق سے اسی

جیمز کا اعلان

نازک و صعب وقت میں جیمز نے ایک اعلان شائع کیا کہ اگر میں کامیاب ہو گیا تو نہ صرف ناٹنگھم، برنیٹ جیسے عمائد کو بلکہ اُن عوام کو بھی سزا دوں گا جنھوں نے فیورشم میں مجھ پر آوازے کسے تھے۔ اور اسی طرح تمام حکام عدالت، اہل جوری اور قید خانوں کے پاسبان تک جنھوں نے ولیم کی نوکری کی یا کسی یعقوبی کے قتل و قید میں شریک ہوئے، سزا پائے بغیر نہ بچیں گے۔ یہ اعلان ملکہ میری کے ہاتھ آگیا اور اُس نے تصریحی حواشی کے ساتھ اُسے فوراً انگلستان میں مشتہر کر دیا۔ اس استادی سے سارا ملک جیمز کے خلاف بھڑک اُٹھا۔ ادھر ثابت ہوا کہ رسل، جیمز کا ہمدرد تو تھا لیکن انگریزی بیڑے کے فرانسیسیوں کے ہاتھ سے شکست کھانے کا روادار نہ تھا اور اُس نے یعقوبی فرقے کے قاصد سے صاف کہہ دیا کہ یاد رکھو اگر فرانسیسی جہاز مقابلے میں آئے تو میں اُن سے لڑے بغیر نہ رہوں گا، خواہ حضور شاہ جیمز خود

باب ہفتم

جہازوں پر کیوں نہ تشریف رکھتے ہوں۔"

القصہ راس بارفلے کے سامنے فریقین کے بیڑوں کا مقابلہ ہوا تو انگریزی حملے کی شدت کے آگے کوئی نہ ٹھیر سکا۔ رودبار کے وسط میں لڑائی ۱۹ مئی کو شروع ہوئی اور تین دن تک گریزاں وخیزاں مقابلہ جاری رہا تا آنکہ تورویل کے بیڑے کا بڑا حصہ اسی کو غنیمت سمجھا کہ آبنائے ال درنی کے خطرناک دھارے کے راستے بچ کر نکل جائے۔ تین جہاز جن میں سے ایک فرانسیسی بیڑے کا سب سے بڑا جہاز تھا، شربورگ پر جلا دیے گئے اور باقی ماندہ نے بندرگاہ لاہوگ کے دفاعی توپ خانوں کی پناہ لی۔ ۲۳ مئی کے دن اتحادیوں نے باربرداری کے جہازوں پر حملہ کیا اور ۲۴ کو اکثر جہاز خود جیمز کی آنکھوں کے سامنے جلا دیے۔ رسل، رُک اور ڈلاویل اس معرکے کے سورما تھے اور عام بحری سپاہیوں نے وہ جوانمردی دکھائی کہ جوش میں آ کے جیمز بے اختیار پکار اٹھا "دیکھنا، میرے بہادر انگریز کیسا لڑتے ہیں"۔ غرض لاہوگ پر انگریزوں کو ایسی بحری فتح حاصل ہوئی کہ آرماڈا اور ٹرافلگر کے درمیان کے زمانے میں کوئی دوسری فتح اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ فرانسیسی حملے کا تمام خوف وخطر اس فتح سے زائل ہو گیا۔ ملاحوں کے انعام میں، گرینچ کا شاہی محل بحری شفاخانہ بنا دیا گیا۔ مگر سوئے اتفاق سے اسی سال اسٹین کرک پر ولیم کو شکست نصیب ہوئی۔ لکسمبرگ، قلعۂ نامور پر قابض ہو گیا تھا۔ اس نقصان کا بدلہ لینے کے جوش میں ولیم نے کمتر تعداد کی سپاہ سے اچانک حملہ کرنے کی ٹھانی اور ہر چند لڑائی کا آغاز حسب مراد ہوا لیکن میدان کی ناہمواری نے سارا منصوبہ بگاڑ دیا۔ ولیم غلطی سے اُسے ہموار سمجھ کر اس امید میں تھا کہ ایک دم ٹوٹ کر غنیم پر جا گرے گا مگر گڑھے ہونے کی وجہ سے یکبارگی حملہ نہ ہو سکا اور لکسمبرگ اپنی پوری فوج سمیٹ کر انگریزوں پر حملہ آور ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز سپہ سالار میکی مارا گیا اور پوری پانچ برطانی جمعیتیں تلوار کا لقمہ ہوئیں۔ ایک ولندیز سردار، کاونٹ سولمیس، بہت کچھ مورد الزام بنا کہ اگر چاہتا تو کمک پہنچا سکتا تھا مگر مدد کو نہ پہنچا اور کہا جاتا ہے کہ عین گھمسان میں اُس نے یہ الفاظ کہے کہ دیکھیں

لینن ڈن یہ انگریزی بل ڈاگ ہمیں کیا تماشا دکھاتے ہیں۔ ۱۶۹۳ء میں لکسمبرگ ایسی غضب کی چال کھیلا کہ ولیم نے دھوکے میں آکے بیس ہزار سپاہی دوسری طرف بھیج دیے اور اس وقت فرانسیسی سپہ سالار نے اُس پر حملہ کیا۔ ولیم چھوٹی سی ندی لینن ڈن کے عقب میں مضبوط مورچے بنائے پڑا تھا اور صبح سے تیسرے پہر تک اُس کی اتحادی فوج ثابت قدمی سے لڑتی رہی۔ قریب کا گاؤں نیرون ڈن بار بار دشمن کے بے تحاشا حملوں سے چھنتا اور پھر دوبارہ ہاتھ آتا رہا۔ لیکن آخر میں کثرت تعداد غالب آئی اور پوری صف کے قدم اُکھڑ گئے۔ ولیم سب سے پُرخطر مقام پر شمشیر زنی کرتا رہا کہ فتحمند دشمن کا ریلا روکے اور اس عرصے میں ٹلماش نے پسپائی کا انتظام کیا۔ اتحادیوں کی طرف بڑے سرداروں میں سولمیس کام آیا اور دوسری طرف سے بہادر سارس فیلڈ نے یہیں جان دی۔ شہزادہ آرمنڈ گرفتار ہو گیا تھا اُسے جیمز کے حرامی بیٹے امیر کبیر بروک کے عوض میں رہائی ملی۔ بروک، آربلا چرچل کے بطن سے تھا۔ نیرون ڈن کے حملوں میں اُس نے ننھیالی شجاعت کا حق ادا کیا غنیمت ہوا کہ لکسمبرگ نے تعقب میں زیادہ کوشش نہ کی اور چند ہی روز بعد پھر لڑائی کے لیے تیار بلکہ خواہشمند نظر آنے لگا۔ مگر فن حرب کی مہارت اور گھاتوں میں یقیناً ولیم اس کا ہمسنگ نہ تھا اور برطانی سپاہی بھی اتنا تجربہ نہ رکھتے تھے کہ لوئی کے آزمودہ کار سپاہیوں سے اچھی طرح بھگت لیتے۔ تاہم اسٹین کرک اور لینن ڈن کے معرکوں میں بھی یہ اُنھوں نے ثابت کر دیا کہ وہ شجاعت و پامردی میں فاتحان آژن کور و کراسی کے اخلاف رشید ہیں۔ دوسرے الفی میدانوں میں اُنھوں نے بہت جلد وہ سبق حاصل کیے جن کی بدولت مارل برو کو آئندہ بلین ہیم اور رامیلی کی معرکہ آرا فتوحات نصیب ہوئیں۔

سمندر میں بھی یہ ۱۶۹۳ء ناسازگار ثابت ہوا۔ جون میں چار سو جہازوں کا بحری قافلہ لاکھوں روپے کا مال لے کر ٹیمز سے سمرنا روانہ ہوا۔ انگریزی اور ولندیزی بیڑے نے برکیسٹ کے پار تک اُسے بخیریت پہنچا دیا اور پھر باقی سفر کے لیے رک کا بدرقہ ساتھ کر کے واپس چلے آئے لیکن انگریز سرداران بحری کو

باب ہفتم

خبر بھی نہ ہونے پائی اور تور ویل چپکے سے جبل الطارق آپہنچا اور تولون کے بیڑے کے ساتھ خلیج لاگوس میں گھات لگائے منتظر رہا۔ رُک داؤں میں آگیا اور گو انگریزی اور ولندیزی جنگی جہاز خوب لڑے لیکن تجارتی بیڑے کے تقریباً تین چوتھائی جہاز یا گرفتار ہوئے یا ڈوب گئے۔ لندن کے تاجروں کو ایسا نقصان پہنچا کہ برسوں تک نہ پنپ سکے البتہ یعقوبی فرقے کے لوگ بہت خوش ہوئے اور اُس مصیبت کی خبریں اور بھی بڑھا چڑھا کے بیان کرتے تھے۔ مگر حکومت کے استقلال میں فرق نہ آیا اور میری کی ذاتی ہمت اور ہر دلعزیزی سے لوگوں کو اطمینان ہو گیا کہ برطانی حکمت عملی آخر میں ضرور کامیاب ہوگی۔ اکثر دوسرے مقابلوں کی طرح یہاں بھی سنگین استقامت اپنا اثر دکھانے لگی تھی اور جس مستقل مزاجی سے انگریز بحری نظم و نسق کی اصلاح میں مصروف ہوئے وہی کامیابی کی فال نظر آتی تھی۔ بایں ہمہ ۱۶۹۴ء میں ایک اور ناشدنی ناکامی نصیب ہوئی جو بہت سخت تو نہ تھی لیکن خصوصیت سے شرمناک تھی۔ انگریزوں نے

برسیٹ پر حملہ

برسیٹ پر حملے کا منصوبہ باندھا اور یہ خدمت ٹلماش کے تفویض ہوئی جو ممبکے کے بعد سب سے بڑھ کر ہونہار سردار نظر آتا تھا۔ اس کی یہی ترقی مارل برو کے حسد کا سبب ہوئی اور اُس نے حملے کی ساری تجویز کو جیمز کے ذریعے فی الواقع فرانسیسی حکام تک پہنچا دیا۔ یہ ممکن ہے کہ انھیں دوسرے ذرایع سے بھی حملے کی اطلاع ہو گئی ہو۔ بہر حال خود دوبال کی نگرانی میں برسیٹ کے استحکامات اور مضبوط کر لیے گئے اور جس وقت ٹلماش لنگر انداز ہوا تو ہر طرف سے گولے برسنے لگے۔ انگریزی فوج کے ٹکڑے اُڑ گئے اور خود ٹلماش نے مہلک زخم کھایا۔ اس وقت تک مارل برو کی غداری کا کسی کو علم نہیں ہو سکا۔

میری کی وفات

مارل برو کو دوبارہ ہر دلعزیز بنانے کا ایک سبب یہ پیدا ہوا کہ ملکہ میری نے وفات پائی۔ اپنے شوہر کے برخلاف یہ ملکہ بہت تندرست و توانا تھی لیکن دسمبر ۱۶۹۴ء میں اُس پر چیچک کا حملہ ہوا۔ اُن دنوں ہزاروں جانیں اس خوفناک مرض کے بھینٹ چڑھتی تھیں

ٹیکے کا علاج دریافت نہیں ہوا تھا۔ میری پر بہت شدید حملہ ہوا تھا اگر اس کی ہمت وسکون میں کوئی فرق نہ آیا بلکہ محل سے تمام آدمیوں کو جو اس مرض میں مبتلا نہ ہوئے تھے، باہر بھیج کر اُس نے ضروری کاغذات مرتب کیے اور پھر خاموشی سے مرض کے زور اور نتیجے کا انتظار کرنے لگی چند روز میں بیماری بڑھی اور ہلاکت کا سبب بن گئی۔ غیر متوقع ہونے کی وجہ سے میری کی وفات سے ولیم کو اور بھی سخت صدمہ پہنچا اور چند ہفتے تک اُس سے اُٹھا نہ گیا۔ مرنے سے پہلے میری اور اُس کی بہن آین میں عزیزانہ خط کتابت ہوئی اور ملکہ کی وفات کے بعد اس شہزادی سے ولیم نے ملاقات کی اُسی وقت سے آین کا دربار شاہی سے دوستانہ ارتباط ہوگیا اور اسی لیے مارل برو اور اُس کی بیوی کی حیثیت بھی بدل گئی۔

صلح نامۂ رزوک میری کی وفات کو زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ ولیم کا زبردست حریف لکسمبرگ بھی راہی عدم ہوا۔ اور موسم بہار میں از سر نو لڑائی چھڑی تو فوراً ظاہر ہوگیا کہ اب جنگی قابلیت کا توازن بدل گیا اور لکسمبرگ کے جانشین ہر قدم پر ولیم سے گھبٹے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اتحادیوں نے نامور کو دوبارہ لینے کی سعی کی اور یہ زبردست قلعہ جس کی تسخیر لوئی کے جنگی سوانح میں سب سے درخشاں اور قابل فخر کارنامہ تھی، اکتوبر میں پھر ولیم کے ہاتھ آگیا۔ محاصرہ ۲ جولائی سے شروع ہوا اور کئی یورشوں کے بعد شہر تسخیر ہوگیا۔ ان یورشوں میں سپہ سالار کٹس نے مردانگی کے ایسے جوہر دکھائے کہ اپنے سپاہیوں میں "سمندر" (جس پر آگ کا اثر نہ ہو) کہلانے لگا۔ ابھی تک بالا حصار باقی تھا۔ اسے بچانے کی غرض سے فرانسیسی سپہ سالار ویل رائے نے بروسلز پر بڑی بے رحمی سے گولہ باری کی کہ ولیم کی توجہ اُدھر ہٹ جائے۔ مگر ولیم اپنی جگہ پر جما رہا اور ستمبر میں بالا حصار مسخر ہوگیا۔

نامور کی تسخیر ولیم کا سب سے اعلیٰ کارنامہ تھی۔ فرانس بھی اب تھک چکا تھا۔ گو دو برس تک اور جنگ گھسٹتی رہی لیکن کوئی قابل ذکر معرکہ

باب ہفتم

نہیں پڑا۔ صلح کی سلسلہ جنبانی کی گئی اور ۱۶۹۷ء میں رزوک میں ایک عہد نامے پر دستخط ہو گئے۔ لوئی نے اسٹراس برگ اور لین ڈو کے سوا تمام علاقے جو عہد نامۂ نمہ گوآن ۱۶۷۸ء کے بعد فتح کیے تھے، واپس کر دیے اور ولیم کو شاہ انگلستان تسلیم کر لیا۔ یہی بات برطانیہ کے لیے خاص اہمیت رکھتی تھی۔ صلح نے ولیم کی فرانس سے کشمکش کا دوسرا باب ختم کیا۔ پہلے باب میں وہ صرف جمہوریۂ ولندیزیہ کے رئیس کی حیثیت سے پروٹسٹنٹی آزادی کے سب سے مضبوط مامن کو بچانے کی خاطر، کیتھولک فرقے کی قوی ترین سلطنت سے لڑتا رہا۔ ہر چند اس جنگ میں کامیابی ہمیشہ اسی کے پہلو پر نہیں رہی لیکن اُس کی اولوالعزمی یورپ کے تمام پروٹسٹنٹوں میں جوش پیدا کرنے کے لیے کافی تھی۔ جنگ کے دوسرے حصے میں ہم اسے ایک بڑے جتھے کا سردار اور اُس مُلک کا تاجدار دیکھتے ہیں جس نے کراسی و آئرن کور کے شمشیرزن میدان میں بھیجے تھے۔ قوت بڑھ جانے کے باوجود اس منزل میں بھی تقدیر نے ہر دفعہ یاوری نہیں کی تاہم ۱۶۹۳ء سے پانسہ پلٹنے لگا تھا اور معاہدۂ رزوک کی شرطوں ہی سے عیاں تھا کہ غلبہ کس طرف ہے۔ برطانیہ میں اس معاہدے کی تکمیل پر جو خوشیاں منائی گئیں وہ بھی وہاں والوں کے اطمینان کی شہادت دیتی ہیں۔

اس جنگ کے حالات کو آخر تک بیان کر دینے کے بعد، اب وقت ہے کہ ہم مُلک کے اندرونی معاملات پر نظر ڈالیں۔ ۱۶۹۰ء سے ۱۶۹۷ء تک کے سات سال میں حکومت عاملہ کی تشکیل بہت کچھ بدل گئی۔ ولیم نے تخت نشینی کے وقت دونوں سیاسی گروہوں کے افراد چن کر وزارت مرتب کرنے کی آزمائش کی تھی مگر یہ تدبیر اچھی طرح نہ چل سکی۔ وِھگ اور ٹوری فرقے کی آرا میں اتنا اختلاف تھا کہ وہ مل کر کام نہ کر سکے اور اس سے بھی بڑھ کر ایک تشویش یہ پیدا ہوئی کہ دارالعوام کے ذمہ دار سرگروہ وزارت میں لے لیے گئے تو مبعوثین کی مناسب رہنمائی کرنے والا کوئی نہ رہا اور مجلس کی حالت یہ ہو گئی کہ

گروہ واری حکومت

باب ہفتم

کسی سیاسی مجمع کی طرح وقتی جذبات کے تحت کبھی کسی طرف بہک جاتا کبھی کسی طرف۔ یہ تشویش انگیز کیفیت دیکھ کر ذہین مگر بے اُصول سنڈرلینڈ نے ایک علاج تجویز کیا۔ واضح رہے کہ وہ عفوِ عام کے قانون سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا لیکن اس پر حکومت مقدمہ چلانے کا ارادہ نہ رکھتی تھی اور وہ نئے بادشاہ سے مصالحت کر کے شاہ معزول کے رازوں سے باخبر کرنے لگا تھا۔ چنانچہ رفتہ رفتہ اُس کا رسوخ بڑھا اور گو اُسے کوئی خدمت نہیں دی گئی تاہم ملک کے انتظامی معاملات میں اس کی اصابت رائے سے ولیم ہر وقت استفادہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ ۱۶۹۳ء میں اسی کا مشورہ تھا کہ بتدریج ٹوری فرقے کے وزیروں کو الگ کر کے ایک متفق الرائے وھگ وزارت قائم کی جائے۔ اس پر عمل ہوا اور ۱۶۹۵ء تک نہ صرف حکومت عاملہ بلکہ دارالعوام کے کام میں بھی اس تدبیر سے بہترین نتائج مترتب ہوئے۔ وھگ فرقے کے برسر اقتدار ہونے سے چار نہایت لائق اشخاص سربلند و نامور ہوئے:۔

(وزراکی "ٹولی")

ایڈورڈ رسل، جون سومرس۔ چارلس مونٹیگو۔ اور ٹامس وھارٹن: (۱) ان میں رسل انقلاب حکومت میں پیش پیش رہا۔ معرکۂ لاہوگ میں فتح پائی اور بحری معاملات کا عمدہ انتظام کرنے میں اُن دنوں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ ایک وقت میں وہ جیمز سے خط کتابت کرتا رہا لیکن غالباً اس کا کوئی اور سبب بجز اس کے نہ تھا کہ رسل کو شاہ ولیم کا ٹوریوں کو عہدہ دینا بہت ناگوار گزرا۔ (۲) جون سومرس نے اسقفوں کے مقدمے میں نام پایا اور اپنے زمانے میں قوانین سلطنت کا بہترین ماہر تھا۔ (۳) مونٹیگو کی شہرت اول اول پرائر کے ساتھ مل کر ایک کتاب (The Town and country mouse) لکھنے سے ہوئی۔ وہ بہت اچھا مناظر اور ذہین و دلیر ماہر مالیات تھا۔ (۴) وھارٹن، ہیوری ٹن باپ (فلپ لارڈ وھارٹن) کا بیٹا تھا گو ذاتی چال چلن کے اعتبار سے اگر کسی اور تمدن پسند زمانے میں ہوتا، تو بہترین قابلیت کے باوجود

باب ہفتم

مطعون و خوار ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ مگر دار العوام اور حلقہ ہائے انتخاب میں اُس نے ایسا رسوخ حاصل کر لیا تھا کہ اُس کی خدمات نہایت بیش بہا تھیں۔ غرض یہ چار آدمی تھے، جو سیرت میں مختلف لیکن سیاسی آرا میں ایسے متحد تھے کہ اُنھیں عام طور پر "ٹولی" (Junto) کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

ان میں سومرس پہلے مُہر کلاں کا محافظ اور پھر ۱۶۹۷ء میں صدر اعظم مقرر ہوا۔ رسل، عہد ولیم کے شروع سے محکمۂ بحری کا خزانہ دار تھا، ۱۶۹۴ء میں صدر بحریہ بنا دیا گیا۔ اسی سال مون ٹیگو مجلس خزانہ کی رکنیت سے ترقی پا کے وزیر خزانہ مقرر ہوا۔ ٹرین چرڈ بہت پرجوش وھگ، شیفٹس بری کا ہمدم و ہمراز اور ۱۶۹۲ء سے معتمدین شاہی میں داخل تھا۔ اب ٹوری سرگروہ نوٹنگھم کی بجائے وھگ شروزبری اُس کا شریک کار بنا دیا گیا۔ وھارٹن آخر تک محل سرائے شاہی کا ناظم لیکن رسوخ و اثر میں برابر ترقی کرتا رہا۔ ۱۶۹۵ء میں ٹوری فرقے کے امیر کبیر لیڈز کی نسبت ثابت ہوا کہ ایک دوست کو ایسٹ انڈیا کمپنی سے رشوت دلوانے میں اُس نے بھی اپنے اثر سے کام لیا ہے۔ لہٰذا اس سے بھی عہدہ چھڑوا دیا گیا۔ صرف گوڈل فن جو مالیات میں بہت ہوشیار تھا، ٹوری ہونے کے باوجود وزارت میں رہنے دیا گیا۔ لیکن وہ فرقہ واری سیاسیات میں کبھی خاص طور پر شریک نہیں رہا تھا۔ دوسرے ۱۶۹۶ء میں خود ہی خدمت سے مستعفی ہو گیا۔

قومی قرضہ جب تک فرانس سے جنگ جاری رہی اُس وقت تک فوج کے لیے روپے کی ضرورت رہتی تھی اور اسی واسطے مُلکی نظم و نسق کا بڑا مدار اس پر تھا کہ پائے تخت کے سرمایہ داروں کو خوش رکھا جائے۔ اس غرض سے جو کام کیے گئے وہ مون ٹیگو کی ذہانت کا نتیجہ تھے۔ ۱۶۹۳ء میں "قومی قرضہ" بھی اُسی نے ایجاد کیا۔ مدت سے معمول تھا کہ انگلستان کے بادشاہ اپنی ضمانت پر قرضہ لیتے اور اکثر پارلیمنٹ ہی کو ان کی ادائی کرنی پڑتی۔ مگر ولیم کے زمانے میں مصارف پہلے کی نسبت کہیں زیادہ بڑھ گئے۔ ۱۶۹۳ء میں آمدنی کا اندازہ تیس لاکھ اور خرچ کا چالیس لاکھ پونڈ سے زیادہ تھا۔

باب ہفتم

اور محاصل کا اضافہ کرنے میں لوگوں کی ناراضی کا اندیشہ تھا۔ پس مونٹیگو نے یہ صورت نکالی کہ بادشاہ کی بجائے قوم کی ضمانت پر قرضہ لیا جائے اور یہی انگلستان کے قومی قرضے کی ابتدا تھی۔ اسے سرمایہ داروں نے بخوشی قبول کرلیا کیونکہ ان دنوں لندن والے بہت خوش حال اور اچھی ضمانت پر قرض دینے کی سہولتیں کم تھیں۔ غرض وھگ سرمایہ داروں نے بلا تاخیر قرضہ فراہم کردیا اور یہ تدبیر ایک مرتبہ چل گئی تو پھر اس طریق میں بڑی سرعت سے توسیع ہوتی گئی۔ مونٹیگو نے کمال ذہانت سے تاڑ لیا تھا کہ قرضے سے مالی مشکلات رفع ہونے کے علاوہ حکومت کی سیاسی قوت میں بھی بے حد اضافہ ہوجائے گا۔ کیونکہ اگر جیمز پھر بادشاہ ہوجاتا تو اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ قرضہ ادا کرنے کی ذمہ داری سے صاف انکار کردیتا۔ پس جن لوگوں نے قرضہ دیا تھا وہ نہ صرف حکومت کے پکے طرفدار بن گئے بلکہ اڑے وقت میں اپنی اسامی کو بچانے کے لیے پھر مدد کرنے پر تیار ہوجاتے تھے۔

بینک اوف انگلینڈ

سنہ ۱۶۹۴ء میں انگلستان کی ساہوکاری کوٹھی (یعنی) (Bank of England) قائم ہوئی۔ اُس وقت تک سوداگر زرِ نقد کو اپنی دُکانوں کے مضبوط صندوقوں میں رکھتے یا زرگروں کے سپرد کردیتے تھے۔ اور یہ زرگر سود پر روپیہ لگا دیتے لیکن ذمہ دار ہوتے تھے کہ جمع کنندہ کی طلب پر سارا روپیہ نقد ادا کردیں گے۔ اس طرح زرگروں کی دُکانیں، عملاً بنج کی ساہوکارہ کوٹھیوں کا کام دینے لگی تھیں تاہم جنیوا میں چودھویں صدی سے اور ایمسٹرڈم میں سنہ ۱۶۱۰ کے قریب سے سرکاری بینک بھی چلنے لگے تھے ولیم کے زمانے میں اس قسم کا بینک انگلستان میں قائم کرنے پر بارہا بحث مباحثہ ہوا اور آخر ایک اسکوٹی محرک ولیم پیٹرسن لندن کے ایک سوداگر میکائل گوڈفرے اور مونٹیگو نے مل کر اس خیال کو عملی جامہ پہنادیا۔ حکومت کو بارہ لاکھ پونڈ کا جدید قرضہ دینے والے ایک ساہوکاری شرکت کی صورت میں منتظم کردیے گئے۔ حکومت نے اُنھیں ۸ فی صدی سود دینا منظور کیا جس سے اُنھیں ایک لاکھ سالانہ کا نفع اور چار ہزار پونڈ سالانہ، انتظامی مصارف کے لیے

باب ہفتم

ملنے لگے۔ پارلیمنٹ کے قانون کی رو سے اُنھیں اجازت عطا ہوئی کہ زرِ نقد جمع اور سود پر قرض دیں اور تحریری وعدے کر سکیں کہ جمع کنندوں کو عند الطلب نقد روپیہ دیا جائے گا۔ ان تمسکات کو "بینک نوٹ" (یا زرِ کاغذی) کہا جانے لگا۔ قانون میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ پارلیمنٹ کے خاص قانون بنائے بغیر بینک حکومت کو جدید قرضہ نہ دے سکے گا۔ جس کا منشا یہ تھا کہ حکومت اپنے اخراجات میں پارلیمنٹ کی نگرانی سے آزاد نہ ہو جائے۔ بہر حال یہ ادارہ مُلک کے حق میں بہت مفید ثابت ہوا کیونکہ جن کے پاس سرمایہ تھا، اُنھیں ایسے بینک میں روپیہ رکھوانے میں کوئی جوکھوں نہیں رہا جس کی، دوسرے لین دین کے علاوہ، مستقل آمدنی ایک لاکھ پونڈ سالانہ تھی اور اس کے دوالیہ ہو جانے کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ ادھر بینک کو بھی یہ موقع ملا کہ تجارت کی ہمت و شوق رکھنے والوں کو، جن کی قابلیت اور دیانت پر نظما کو اطمینان ہو، کم سود پر روپیہ قرض دیں۔ اس طرح تجارت کی ترقی ہوئی اور قرضہ لینے اور دینے والے دونوں فائدے میں رہے۔ "بینک اوف انگلینڈ" کی یہ ابتدا تھی جس کے نمونے پر بعد میں صدہا مشترکہ ساہوکاری کوٹھیاں قائم ہوئیں۔ ادھر تجارت کی ابتدائی حالت میں جو خدمت زرگر انجام دیتے تھے، وہ بعد میں نجی کی ساہوکاری شرکتیں کرنے لگیں۔ اس سرکاری بینک کے قیام سے ملک کا تجارتی طبقہ حکومت کی امداد و تائید پر اور بھی متحد ہو گیا دوسرے، چونکہ بینک، حکومت کو پارلیمنٹ کی اجازت ہوتے ہی قرضہ دینے پر ہمیشہ تیار رہتا تھا، لہذا فوری ضرورتوں کے وقت روپیہ جمع کرنے میں کہیں زیادہ سہولت ہو گئی۔

زمینداری کوٹھی

اس بات کا ایک ثبوت ۱۶۹۶ء میں ملا جب کہ زمینداروں نے روبرٹ ہارلی کی سرکردگی میں ایک "زمینداری کوٹھی" قائم کرنی چاہی جو صرف زمین کی کفالت پر روپیہ قرض دیا کرے۔ ہارلی کی قابلیت تو زیادہ نہ تھی مگر کارکن آدمی ضرور تھا تجویز یہ تھی کہ حکومت کو سات فی صدی سود پر ۲۵ لاکھ کا قرضہ فراہم کیا جائے۔ لیکن

باب ہفتم

زمینداروں کے پاس زرنقد موجود نہ تھا اور سرمایہ دار یا ساہوکار ایسے کارخانے میں روپیہ دینے پر تیار نہ ہوئے جو صرف زمین کی کفالت پر قرضہ دیتا اور سود چار فی صدی ادا کرنا چاہتا تھا حالانکہ ساہوکارے میں عام شرح ۶ فی صدی تھی۔ چنانچہ رقم ادا کرنے کا دن آیا تو ۲۵ لاکھ کی بجائے صرف سات ہزار ایک سو پونڈ جمع ہو سکے اور اس میں بھی پانچ ہزار ولیم کے تھے جو ذاتی شرکت سے ہمت افزائی کرنی چاہتا تھا۔ حکومت کو بڑی مشکل پیش آ گئی کیونکہ سرحد فرانس پر فوج کے واسطے روپے کی فوری ضرورت تھی۔ بارے بینک آوف انگلینڈ کے شرکا کی حُبّ وطن کام آئی جنھوں نے چند روز کے اندر دو لاکھ پونڈ جمع کر دیے۔ اس واقعے نے فرقۂ وھگ اور سوداگروں کو پہلے سے زیادہ باہم متحد کر دیا البتہ ٹوریوں کو زینداری کوٹھی کے بیٹھ جانے کا بہت قلق ہوا۔

اسی سال حکومت نے سارے ملک کی ایک بڑی خدمت یہ کی کہ سکّے کی تجدید و تہذیب کی۔ اِلزبتھ کے زمانے میں جو اصلاح ہوئی اُس کا حال ہم اوپر پڑھ چکے ہیں (صفحہ ۲۲۳ و ۴۵۸) اُس وقت سے عیار بخوبی قائم رکھا گیا۔ تاہم ضرب کرنے کے طریقے پرانے ہو گئے تھے۔ دوسرے سکّے کا جو نظام ایک زرعی ملک کے لیے، جہاں لین دین کم ہو، مناسب ہو سکتا تھا وہ سترھویں صدی کے اواخر میں انگلستان کے واسطے کسی طرح موزوں نہ رہا جہاں اب تجارت کی گرم بازاری تھی۔ مروجہ طریقہ ایڈورڈ اول کے زمانے کی یادگار تھا کہ چاندی یا سونے کی چادر سے سکّے کاٹ کر انھیں ہتوڑیوں سے درست و مشکّل بناتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ سکّے شکل میں بھدّے ہوتے۔ ان کی وضع کے جعلی سکّے بنانا بھی آسان تھا اور ان کے کتر ڈالنے میں بھی دشواری نہ تھی۔ یہی سبب ہے کہ زیر نظر زمانے میں واقعی اچھے سکّے کمیاب تھے۔ چونکہ ایسے سکوں کی قیمت یقینی نہ تھی لہٰذا تجارت پر برا اثر پڑتا تھا اور سکّے تول تول کے لیے جانے کی بنا پر دور سے لین دین کرنی غیر ممکن تھی۔ انقلاب حکومت کے قریب قلعۂ لندن میں ایک کرنی لگائی گئی تھی جو بہتر سکّے تیار کرتی تھی۔ ان کا وزن مساوی، گولائی درست اور کناروں پر دندانہ بنا ہوتا تھا کہ اگر کوئی اسے کترے تو ایک ہی

باب ہفتم

نظر میں معلوم ہو سکتا تھا۔ یہ گرنی کے سکّے ہر طرح اچھے تھے مگر جب تک پرانے سکّے سے کام نکلتا، اس وقت تک ان جدید روپیوں کو لوگ استعمال کرنا نہ چاہتے تھے بلکہ ترجیح دیتے تھے کہ انھیں پگھلادیں یا ممالک بیرونی کی داد وستد میں لگادیں۔ چنانچہ نئے سکّے بازار میں آتے ہی غائب ہو جاتے تھے اور پرانے گھِس گھِس کر اور بھی فرسودہ ہوتے رہتے تھے۔ مختصر یہ کہ ذریعۂ مبادلہ سخت خراب حالت میں تھا۔ علاوہ ازیں نرخ اشیا میں اس تیزی سے اضافہ ہوا کہ مزدوری کی شرح اس کا ساتھ نہ دے سکی۔ چند سال پہلے جو چیز آدھے شلنگ میں ملتی تھی، وہ اب ایک شلنگ میں بھی ہاتھ نہ آتی تھی۔ روپے کی قیمت کا تعین نہ ہونے سے بیع و شرٰی میں ہمیشہ جھگڑے ہوتے رہتے تھے اور اس کا نرخ بھی بہت کچھ ردو قدح کے بعد طے کیا جاتا تھا۔ غرض سبھی کو تکلیف تھی اور غریب غربا جو اپنے حقوق کی سب سے کم حفاظت کر سکتے تھے، اُن کے حق میں تو یہ صورت کمال زحمت کا موجب ہوگئی تھی۔ تعزیری قوانین سے کافی روک تھام نہ ہو سکی اور بات لازمی نظر آنے لگی کہ جس طرح ہو کھوٹے سکّے موقوف اور ان کی بجائے کھرے ملک میں رائج کیے جائیں۔ اس مضمون پر جن لوگوں نے دماغ سوزی کی، اُن میں جون لوک تھا جس کا رواداری پر ایک رسالہ پہلے ہی دنیا کو مصنف کا احسانمند بنا چکا تھا اور ایک آئی زک نیوٹن جس نے کشش ثقل کا قانون دریافت کیا ہے۔ اُسے ایک نادر حسن اتفاق سمجھنا چاہیے کہ مون ٹیگو اور سومرس نے ان سے مشورہ لیا۔

نیا سکّہ چلانے میں سب سے دشوار بات یہ فیصلہ کرنے کی تھی کہ آیا پرانے سکّے بدلنے سے جو نقصان ہو، اُس کا بار افراد پر ڈالا جائے یا پورا ملک اُس کو برداشت کرے۔ آخر مون ٹیگو کی تحریک سے پارلیمنٹ نے فیصلہ کیا کہ ایک خاص تاریخ کے بعد پرانے سکّے کا چلن ممنوع ہو جائے گا لیکن اس تاریخ سے پیشتر جو لوگ اپنے پرانے سکّے خزانے میں داخل کردیں گے انھیں مساوی مالیت کے نئے سکّے، جس قدر جلد ممکن ہوگا، ادا کر دیے جائیں گے۔ اس طرح خسارہ پورے ملک کے ذمّے پڑا اور اس کا عملی انتظام سومرس،

باب ہفتم

مون ٹیگو، لوک اور نیوٹن کے تفویض کردیا گیا۔ نئے دارالضرب کا مہتمم بھی نیوٹن ہی مقرر ہوا اور اُس نے طریق ضرب میں اتنی جلد ایسی اصلاح کردی کہ سابق کی نسبت ہر ہفتے ہشت گنی تعداد میں شلنگ تیار ہونے لگے۔ پرانے سکّے واپس لانے کی آخری تاریخ ۲ مئی سنہ ۱۶۹۶ قرار دی گئی تھی مگر نیوٹن کی ساری مستعدی کے باوجود اگست سے پہلے نئے سکّے کافی مقدار میں رواج نہ پا سکے۔ اس تمام زمانے میں ہر شخص قرض پر کام چلاتا رہا لیکن حکومت کی دیانت پر اہل ملک کو اتنا بھروسا تھا اور اپنی مشکلات کو لوگوں نے ایسی ہنسی خوشی برداشت کیا کہ کوئی ہنگامہ ہوئے بغیر یہ سارا زمانہ گزر گیا اور جب نئے سکّے پوری طرح رواج پا گئے تو معلوم ہوا کہ یہ اصلاح ساری قوم کے حق میں ایک نعمت تھی۔ قومی قرض کا آغاز، انگلستان کی ساہوکاری کوٹھی کا قیام اور سکّے کی تجدید، انگریزی تجارت کی تاریخ میں یادگار زمانہ ہے دوسرے انھی سے، وہ لوگ جن کا تجارت سے تعلق تھا، حکومت کے اور زیادہ خیرخواہ و گرویدہ ہو گئے۔

قانون "میقات سہ سالہ" ولیم ثالث کی تخت نشینی تک تو فرقۂ وھگ بلکہ سبھی انگریز اہل الرائے کی بڑی کوشش یہ رہی کہ بادشاہوں کو بار بار پارلیمنٹ کے انعقاد پر مجبور کیا جائے۔ اسی بنا پر ایڈورڈ ثالث کے زمانے میں سالانہ اجلاس، اور طویل پارلیمنٹ میں سہ سالہ میقات کے قانون وضع کیے گئے۔ اعلان حقوق میں بھی ایک فقرہ یہ تھا کہ پارلیمنٹ کا اجلاس بار بار ہوا کرے گا لیکن سرکاری مصارف کی منظوری اور قانون غدر کی سال بسال تجدید لازمی ہو گئی تو لوگوں کو پارلیمنٹ کے منعقد نہ کیے جانے کا اندیشہ نہیں رہا بلکہ اُلٹا یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں بادشاہ اپنے حسب مُراد پارلیمنٹ کا انتخاب ہو جانے کے بعد پھر اُسے فسخ ہی نہ کرے، اور چارلس دوم کی طویل پارلیمنٹ کی طرح، جو سترہ سال تک برابر چلتی رہی، آیندہ بھی کوئی پارلیمنٹ اتنے عرصے تک قائم رہے کہ ملک کی عام رائے سے اُس کی ہم آہنگی باقی نہ رہے۔ ی کے سدباب کی غرض سے سنہ ۱۶۹۲ میں میقات سہ سالہ کا قانون، فرقۂ وھگ کی طرف سے پیش ہوا اور عوام و امرا دونوں نے اسے

باب ہفتم

منظور بھی کر لیا۔ مگر ولیم سمجھا کہ مجوزہ قانون اُس کے اختیارات شاہی میں دست اندازی کے مرادف ہے لہذا اُس نے اختیار تنسیخی سے کام لے کر اُسے مسترد کر دیا حالانکہ سر ولیم ٹیمپل نے اپنے دبیر جوناتھن سُوفٹ کے ذریعے بادشاہ کو لکھ بھیجا تھا کہ میری رائے میں اس قانون سے شاہی امتیازات میں کوئی خلل نہ آئے گا۔ ۱۶۹۳ء میں یہی مسودہ دوبارہ پیش ہوا تو تیسری خواندگی کے موقع پر دارالعوام نے اُسے نامنظور کر دیا۔ لیکن اگلے سال تقدیر مساعد ہوئی۔ ولیم طے کر چکا تھا کہ آیندہ مخالفت نہ کرے گا اور پارلیمنٹ کی منظوری کے بعد اُس نے بھی منظوری دے دی۔ اگرچہ یہ بات لکھنے کے قابل ہے کہ جس پارلیمنٹ میں یہ قانون تیار ہوا، خود اُسے بادشاہ نے فتح نامور کے بعد انگلستان آ کر فسخ کر دیا تاکہ نئے انتخابات ایسے زمانے میں ہوں جبکہ مذکورۂ بالا شاندار کامیابی کی یاد تازہ تھی۔

آزادی مطابع اصلاح مذہب کی تحریک کے زمانے سے حکومت کو دعویٰ تھا کہ تمام کتابیں اس کی نگرانی میں طبع اور شایع ہونی چاہئیں تاکہ مذہب و اخلاق کے مُضر یا حکومت کے خلاف بغاوت آمیز تحریروں کی اشاعت روکی جا سکے۔ طویل پارلیمنٹ کے انعقاد تک یہ خدمت صدر اسقف کینٹربری انجام دیتا تھا اور جو لوگ اُس کی بلا اجازت کتابیں چھاپتے اُن سے ایوان کواکب اور نظارت اعلیٰ کی عدالتوں میں مواخذہ کیا جاتا تھا۔ جب یہ عدالتیں ٹوٹیں تو کچھ روز تک مطابع آزاد رہے لیکن ملک میں تازہ رسائل کی بھرمار دیکھ کر طویل پارلیمنٹ والے بہت گھبرائے۔ ملٹن نے اس پارلیمنٹ کے لیے "ایریوپگے تیکا" لکھی اور آزادی افکار کی حمایت میں بہت کچھ اصولی دلیلیں پیش کیں مگر اس کا مطلق اثر نہ ہوا اور کتابوں کے واسطے دوبارہ اجازت و تصدیق لازمی کر دی گئی۔ عود ملوکیت کے وقت ایک قانون اجازت نامہ نافذ ہوا۔ صرف لندن، یارک اور جامعات میں مطابع رکھنے کی اجازت دی گئی اور طبع کی پوری نگرانی کا اختیار حکومت کے ہاتھ میں لے لیا گیا۔ اس تحدید میں کتابوں کے علاوہ

باب ہفتم

اخبارات و رسائل وغیرہ ہر قسم کی مطبوعات داخل تھیں اور اس کے معنی یہ تھے کہ مذہب یا سیاسیات میں کوئی شخص حکومت کی آرا کے خلاف لب کشائی نہ کر سکے۔ چارلس دوم کے عہد میں تو عدالت نے صاف حکم لگا دیا کہ ہر طرح کی اخباری تختا ہیں اور رسالے چھاپنا خلاف قانون اور امن شکنی کے مرادف ہے اور جو لوگ ایسا کریں وہ دوسرے قانون شکنی کرنے والوں کی مثل مواخذے اور تعزیر کے مستوجب ہیں۔" کسی شخص یا جماعت کے ہاتھ میں اتنے ہمہ گیر اختیارات کا دیا جانا ہی کچھ کم نہ تھا کہ اس پر طرہ یہ ہوا کہ طبع و اشاعت کا امتناع بالکل بے اصول طریق پر کیا جاتا تھا اس لیے کہ آزادی مطابع کی عام دلیلیں اُس زمانے میں اتنا وزن نہ رکھتی تھیں، جو گزشتہ دو صدی کے تجربے سے انھیں حاصل ہو گیا ہے۔ البتہ حکومت کے طریق عمل سے لوگوں میں بہت زیادہ بد دلی پیدا ہوئی۔ مثلاً عود ملوکیت کے بعض شرمناک اور گندے ناٹک تو بے تکلف چھاپے جاتے تھے مگر ملٹن کی نظم "فردوس گم شد" کی اجازت ملنے میں بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ ایک ٹوری امیر سر راجر لاس ٹرینج جسے عفو عام سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا، اپنے اخبار آبزرویٹر میں دیہاتی فرقے پر لے رد ک ٹوک سب وشتم کرتا رہتا تھا۔ لیکن وھگ فرقے کے کسی اخبار کو چھپنے تک کی اجازت نہ تھی۔ اسی طرح محتسب مطابع اور اُس کے نائبوں کے طریق احتساب کی اور مضحکہ انگیز مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ ایک کتاب جس میں شاہ ولیم اور ملکۂ میری کو فاتح لکھا تھا، اُسے تو چھپنے کی اجازت مل گئی مگر "خونی عدالت" کی سرگزشت کو روک دیا گیا۔ یہی مثالیں تھیں جن سے قانون مطابع کی شہرت برباد ہوئی اور ۱۶۹۵ء میں اُس کی میعاد ختم ہوئی تو پارلیمنٹ نے اس کی تجدید سے انکار کر دیا کیونکہ یہ ایک مدت خاص کے لیے نافذ ہوا تھا۔ اس سال سے طبع و اشاعت کی کامل آزادی مل گئی۔ بے شبہ ہتک عزت کا مقدمہ چلایا جا سکتا تھا لیکن قانون کی حدود کے اندر رہ کر مضمون نگاروں کو رخصت تھی کہ حکام، فریق اختلاف یا ایک دوسرے کو جتنا چاہیں برا بھلا کہہ کے اپنا دل خوش کر لیں۔ اس انقلاب انگیز واقعے پر اُس زمانے میں توجہ ان توجہ

باب ہفتم

نہیں ہوئی لیکن حقیقت میں اُس کی قدر و قیمت کسی طرح سیاسی انقلاب حکومت سے کم نہ تھی۔ خیالات کی آزاد اشاعت کے ساتھ لوگوں کو سوچنے اور لکھنے میں نمایاں اصلاح ہوئی اور جیساکہ ملٹن نے پیش گوئی کی تھی مخالف سے اکثر آزادانہ کھلے میدان میں مقابلہ ہونے کی بدولت خود اخلاق کی تہذیب عمل میں آئی۔ آزادی مطابع کو دو ہفتے بھی نہ ہوئے تھے کہ اخبار (Intelligence Domestic and foreign) جاری ہوا جسے پہلی دفعہ وراثت شاہی کی بحث کے زمانے میں ایک دم روک دیا گیا تھا۔ پھر پے در پے کئی اور اخبار جاری ہوئے اور چند ہی سال میں بعید ترین دیہات کو بھی ساری خبریں ملنے لگیں۔ یہ معلومات زمانۂ حال کے مقابلے میں بہت محدود ہوتی تھی لیکن چند سال پہلے خود لندن والوں کو جیسی کچھ اطلاعات بہم پہنچ سکتی تھیں، اُن کی نسبت تو یہ ابتدائی اخبارات ہی زیادہ واضح اور صحیح خبریں چھاپا کرتے تھے۔ غرض ان اخبارات کی ترویج سے ملک میں وہ رائے عامہ تیار ہونے لگی جسے کسی گروہ کے اہل الرائے بھی بے پروائی سے نظر انداز نہیں کرسکتے تھے۔ ایک خدشہ یہ تھا کہ مطابع کی آزادی مخرب اخلاق ثابت ہوگی لیکن بدتہذیبی کی بجائے اخباروں میں زیادہ نفاست آتی گئی۔ جن مصنفوں کی گزر اوقات ہی کتابیں لکھنے پر ہو، انھیں خواہی نخواہی ایسی کتابیں لکھنی پڑتی ہیں جو عوام الناس میں مقبول ہوں۔ اسی معیار پر جانچیے تو معلوم ہوگا کہ چارلس دوم کا درباری مذاق عام ناظرین کے ذوق سے کچھ نسبت نہ رکھتا تھا اور اسی لیے جو کتابیں اب سب سے زیادہ فروخت ہوتی تھیں، اُن کا لب و لہجہ، اہل دربار کی پسندیدہ تصنیفات سے بالکل جداگانہ تھا۔

بادشاہ کے خلاف سازشیں

ایک طرف تو وزرائے سلطنت ممالک یورپ میں بڑی بڑی لڑائیاں لڑ رہے تھے، دوسری طرف مہتم بالشان آئینی، مالی اور معاشری اصلاحوں میں مصروف تھے۔ لیکن ان سب مصروفیتوں کے ساتھ انھیں ہر وقت چوکنا رہنا پڑتا تھا کہ بادشاہ کی جان یا حکومت کے خلاف جو سازشیں پکائی جائیں، اُن کا ہر وقت سدباب ہوتا رہے۔ بہت پہلے یعنی ۱۶۹۱ء ہی میں ایک

باب ہفتم

کیتھولک امیر پرلیسٹن کی گرفتاری عمل میں آئی اور جیمز و لوئی کے نام کے خطوط جن میں التجا کی گئی تھی کہ تور دیل دوبارہ انگلستان پر حملہ کرے، پکڑے گئے۔ پرلیسٹن، جیمز کا شاہی معتمد رہا تھا اور عین فرانس جاتے وقت ٹیمز میں جہاز پر گرفتار ہوا۔ عدالت نے موت کی سزا دی تو اُس نے ساتھیوں کو گرفتار کرا کے بے شرمی سے اپنی جان بچالی؛ ۱۶۹۲ء میں گراند وا نامی فرانسیسی روانہ کیا گیا تھا کہ ولیم کو جان سے مار ڈالے اور غالباً خود جیمز اس منصوبے میں شریک تھا۔ مگر اس کے دوسرے شرکا نے راز فاش کر دیا اور گراند وا گولی سے اُڑا دیا گیا۔ بایں ہمہ جب تک میری زندہ رہی، اُس وقت تک اُس کی ہر دلعزیزی ولیم کی سپر بنی رہی لیکن میری کے بعد ولیم کی جان پر حملے کا خطرہ اور بھی قوی ہو گیا کیونکہ اب جیمز کا دوبارہ بادشاہ بننے میں وہ تنہا حائل تھا۔ چنانچہ اسی زمانے سے ہم اُسے برابر خطرے میں گھرا دیکھتے ہیں اور چونکہ وہ ذاتی طور پر ان خطروں سے ذرا نہ ڈرتا تھا لہذا اُس کے پاسبانوں کو اور بھی زیادہ مصیبت اُٹھانی پڑتی تھی۔ ولیم کے خلاف جو سازشیں ہوئیں، اُن میں سب سے سخت ۱۶۹۶ء والی تھی جس کے دو جزو تھے: ایک تو یہ کہ فرانس کی فوج کشی کی مدد سے انگلستان میں بغاوت کرا دی جائے اور دوسرے یہ کہ ولیم کو بے خبری میں ہلاک کر دیا جائے۔ پہلے جزو کا انتظام بروک کے سپرد تھا اور دوسرا کام چند منچلوں نے اپنے ذمے لیا جن کے سرخیل سر جارج بارکلے اور روبرٹ شارنک تھے۔ بارکلے امیر ڈنڈی کے اعوان و انصار میں ایک اسکوٹی باشندہ اور شارنک، میگ ڈالن کالج کے رفقا میں داخل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اہل سازش کو جیمز نے اجازت دی تھی کہ ولیم پر اُس کی سرائی قیام گاہ میں حملہ کریں۔ مگر حملے کا تو صرف نام تھا۔ مطلب یہ تھا کہ ہیمپٹن کورٹ کو جاتے وقت ولیم کی گاڑی میں روک لی جائے اور اگر وہ مزاحمت نہ کرے تو اُسے بھگا لے جائیں ورنہ گلا کاٹ دیا جائے۔ خدا کی شان کہ یہ شیطانی منصوبہ حکومت سے افشا کر دیا گیا اور اہل سازش اپنے بستروں پر گرفتار کر لیے گئے۔ اس طرح ساری تجویز دھری رہ گئی۔ جیمز، کیلے میں انتظار ہی کرتا رہا کہ ڈوور کی پہاڑیوں کے مینار پر روشنی نظر آئے جو ولیم کے قتل کی خبر دینے کا اشارہ مقرر ہوا تھا۔

باب ہفتم

لیکن انتظار رائگاں گیا اور وہ دوسرے دن ناکام وافسردہ سان ژرمان چلا آیا۔ ادھر انگریزی حکومت نے اپنی خوش قسمتی سے خوب فائدہ اٹھایا کہ ساری قوم کو بادشاہ کی حفاظت کے لیے اسی طرح متحد کر لیا جیسے ۱۵۸۴ء میں الزبیتھ کے واسطے قومی انجمن بنائی گئی تھی۔ دارالعوام کے چار سو بیس ارکان اور تراسی امرا نے ایک دستاویز پر دستخط ثبت کیے اور واثق عہد کیا کہ بادشاہ قتل کیا گیا تو خونیوں سے شدید انتقام لیں گے اور اعلان حقوق کی قرار داد کے مطابق این کی تخت نشینی کی تائید کریں گے پھر عوام سے دستخط لیے گئے۔ لوگ قتل کا مذکورۂ بالا منصوبہ سن کر، نیز فرانسیسی حملے کا خوف انگیز ارادہ سن کر ایسے برافروختہ تھے کہ لاکھوں کی تعداد میں دستخط ہو گئے اور قریب قریب ہر ٹوپی پر نئی انجمن کا فیتہ نظر آنے لگا۔ غرض بادشاہ کے دشمنوں نے جو ہلاکت کی تجویز سوچی تھی، وہی ناکام ہو کر ولیم کی انتہائی ہردلعزیزی کا سبب بن گئی۔ سازش کرنے والوں میں شارنک اور سات آدمیوں کو سولی ملی مگر بارکلے روپوش ہو گیا۔

اسی زمانے میں مقدمات بغاوت کے متعلق ایک نیا قانون وضع ہوا، اگرچہ شارنک وغیرہ اُس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکے۔ واضح رہے کہ اب تک ان مقدمات میں حکومت کے لیے تو ہر طرح کی سہولت ملنے کا انتظام کیا جاتا اور ملزمین کے حق میں سختی جائز رکھی جاتی تھی۔ سماعت شروع ہونے تک قیدی کو جوری والوں کے نام یا اصل مجرم کی اطلاع نہ دی جاتی اور گواہوں سے حلفیہ بیان لینے کی اجازت نہ تھی۔ یہ طریق دراصل قدیم ابتلائی طرز تحقیقات پر مبنی تھے جس میں استغاثہ محض جرم ثابت کرنے کے لیے اور جوری والے تا امکان جرم کی نفی کرنے کی غرض سے عدالت میں جمع ہوتے تھے۔ یہ طریقہ اصولاً تو اچھا تھا لیکن عملاً ملزموں کے واسطے، خصوصاً غداری یا بغاوت کے مقدمات میں مفید ثابت نہیں ہوا۔ مگر اس کی اصلاح مدت تک نہ کی گئی جس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ جب تک صرف وھگ فرقے کے لوگوں پر دار و گیر ہوتی رہی اُس وقت تک ٹوریوں نے سمجھا کہ غدارانہ افعال کا جہاں تک ہو سکے سخت تعزیر کے قابل رہنا ہی بہتر ہے۔ دوسرے غداری کی نوعیت ہر حال میں یکساں تھی لہٰذا کسی معزز ملزم کے واسطے

باب ہفتم

آسانیاں پیدا کرنا، جو اسی جرم کے ادنیٰ مجرمین کو حاصل نہ ہوں، جمع ضدین نظر آتا تھا۔ بارے تقدیر کے انقلاب سے اب سازش و بغاوت کا ارتکاب ٹوری فرقے کے لوگوں میں ہونے لگا اور ولیم کی تخت نشینی کو زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا جب کہ ہر فرقے کے اہل الرائے متفق ہو گئے کہ کچھ نہ کچھ اصلاح ہونی چاہیے۔ اسی بنا پر نیا قانون مرتب ہوا اور ملزموں کو مقدمہ شروع ہونے سے پانچ دن قبل فرد جرم کی نقل اور جوری والوں کی فہرست دینے کی ہدایت ہوئی اور قرار پایا کہ اُس کے گواہ حلفی بیان دیا کریں گے۔ ایڈورڈ ششم کے قانون کی رو سے ثبوت جرم کے واسطے دو گواہوں کا ہونا لازمی تھا لیکن اس شرط کو شاہی وکیلوں نے چھپلنے چھپلتے اتنا ہلکا کر دیا تھا کہ الجرنن سڈنی کو محض ایک گواہ اور چند غیر مطبوعہ کاغذات پیش کیے جانے پر سزا سنا دی گئی۔ نظر برایں جدید قانون میں ہر علانیہ فعل بغاوت کے ثبوت میں دو گواہوں کا پیش کیا جانا، ضروری قرار پایا، یا یکساں قسم کے دو جرم سرزد ہوئے ہوں تو ہر جرم کے لیے ایک گواہ لازمی کر دیا گیا۔ (دیکھو صفحہ ۴۳۴) اس قانون سے بے گناہ ملزموں کے تحفظ کا سامان تو ہوا لیکن بے شبہہ گنہگاروں کو مجرم ثابت کرنا بھی دشوار تر ہو گیا۔ حتیٰ کہ لوگ طنزاً کہتے تھے کہ اس قانون نے تو بغاوت کو تا امکان بے خوف چیز بنانے میں کمی نہیں کی۔" اور ۱۶۹۷ء کے ایک مقدمۂ بغاوت میں اصلی مجرم بچتے بچتے رہ گیا۔ شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ اُن دنوں سر جون فین وک، دار العوام کا ایک پرانا رکن تھا اور مان متھ کے خلاف "خرابی خون" کا قانون پیش کرانے میں بہت سرگرم رہا تھا۔ انقلاب حکومت نے اُسے ولیم کا درپردہ دشمن بنا دیا اور یہ یقینی بات ہے کہ شارنگ اور بارکلے کی سازش سے وہ اجمالی طور پر واقف تھا۔ مگر کئی مہینے چھپا رہا اور آخر میں گرفتار ہوا تو اُس کا بیوی کے نام ایک خط بھی پکڑا گیا جس سے قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ وہ اس خونی سازش میں حصہ دار تھا۔ لندن کی جوری کلاں میں صحیح فرد جرم لگا دی گئی اور مقدمہ شروع ہونے سے قبل خود اُس نے ایک پریشان عرضی بادشاہ کے پاس بھیجی شروزبری وغیرہ چار ممتاز اشخاص پر جیمز کے ساتھ خط کتابت کرنے کا الزام لگایا اور اس خیر خواہی کے صلے میں کوشش کی کہ اُس پر رحم کیا جائے۔ جیمز سے خط کتابت کا حال

باب ہفتم

ولیم کو پہلے سے معلوم تھا اور اُس نے عقلمندی سے فیصلہ کیا کہ فین وک کے معاملے میں دخل نہ دیا جائے۔ لیکن مقدمہ شروع ہونے نہ پایا تھا کہ استغاثے کا ایک گواہ (= گڈمین) فرار ہوگیا اور ازروئے قانون ملزم کے بچنے کی صورت نکل آئی۔ مگر فرقۂ وھگ اس طرح ماننے والا نہ تھا۔ اُنھوں نے پارلیمنٹ میں قرارداد کرائی کہ ملزم کی عرضی سخت فضیحت انگیز ہے اور یہ اطمینان کر کے کہ گڈمین کیا شہادت دینے والا تھا، فین وک کے خلاف خرابی خون کا قانون پیش کر دیا۔ امرا نے تائید کی اور ولیم نے بھی منظوری دے دی تو مجرم کا سر قلم کرا دیا گیا۔

فوج مستقل کی نامقبولیت

انگریزی سیاسیات میں ۱۶۹۷ء کے صلح نامۂ رزوک سے ایک اور اہم تغیر یہ واقع ہوا کہ جب تک جنگ رہی اہل ملک فوج کی ضرورت تسلیم کرتے اور فوجی مصارف خوشی سے اُٹھاتے رہے۔ لیکن صلح کے بعد خیالات میں رجعت شروع ہوئی۔ سرکاری محاصل سے ناراضی، مستقل فوج کی نامقبولیت اور بیرونی اشخاص کے ملازمت میں لیے جانے کی مخالفت کو اظہار کا موقع ملا۔ ٹوریوں نے امن و تخفیف مصارف کا شور مچایا تھا اور ۱۶۹۸ء کے عام انتخابات میں انھی کی اکثریت منتخب ہوئی۔ ان لوگوں کو ولیم سے کوئی حسن عقیدت نہ تھی اور اکثر زمیندار طبقے کے تھے جس پر زمانۂ جنگ کے محاصل خصوصاً اراضی پر بیس لاکھ سالانہ کا مالیہ نہایت زیرباری کا سبب تھا۔ دوسرے مون ٹیگو کی اصلاحات سے تجارتی طبقے میں جو آسودگی آئی، اُس میں بھی زمیندار حصہ دار نہ تھے۔ ہارلے کے زمیندارہ بینک کا جو حشر ہوا، وہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ زمینداروں کو یہ ناکامی بہت شاق گزری اور وہ خواہ مخواہ اس کا الزام وھگ فرقے کی حاسدانہ مخالفت کو سمجھنے لگے۔ ایک اور سبب کہ وہ ولیم کی خارجہ حکمت عملی کی قدر نہ کر سکے، یہ تھا کہ انھیں ممالک یورپ کے حالات سے کافی واقفیت نہ تھی۔ اور ولیم کا یہ کہنا کہ لوئی چہاردہم کی ہوس ملک گیری سے ہر وقت ہوشیار رہا جائے اور ایک مستقل فوج ہر وقت تیار رکھی جائے، اُن کی ذرا بھی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ انگلستان سب سے علحدہ جزیرہ ہے۔ ہمیں اس علحدگی سے فائدہ اٹھانا اور بیرونی جھگڑوں سے الگ رہنا چاہیے

باقی حفاظت کے لیے ہمارا بیڑا اور بے قاعدہ فوج کافی ہے۔
غرض ان وجوہ سے فوج مستقل کی تعداد کم کر کے پہلے دس ہزار اور پھر سات ہزار کر دی گئی اور اُس میں بھی یہ شرط بڑھا دی گئی کہ فوج میں صرف بادشاہ کی پیدائشی رعایا بھرتی کی جائے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ولیم مجبور ہو کر اپنی ولندیزی فوج رکاب کو موقوف کر دے۔ باہر والوں پر جو وحشیانہ حملے ہوئے، اُن میں بھی صریحاً یہی ولندیزی سپاہی اصلی ہدف تھے اور اعتراضات کی یہی بوچھار دیکھ کر ڈینیل ڈیفو کو جوش آیا اور اُس نے "True born Englishman" نام سے ایک ہجو لکھی اور اہل انگلستان کے دعوی پاک نژادی کا خوب خاکا اڑایا۔ جو لوگ ولندیزوں وغیرہ باہر کے آنے والوں کا استہزا کرتے تھے انھیں مصنف یاد دلاتا ہے کہ وہ خود بھی بیرونی حملہ آوروں یا فراریوں کی اولاد ہیں اور "سچے پیدائشی انگریز" کے مضحکہ آمیز جملے کے مجازی معنی صرف یہ گھڑے جا سکیں گے کہ ایسا آدمی ساری دنیا کا ہم نسل ہے۔ کفایت کے حیلے سے ولیم اور ولندیزوں کے خلاف مل کر بدگوئی کرنے کا ایک موقع اس وقت

آئرستان کی جاگیریں

ملا جبکہ آئرستان کی جاگیروں کا مسئلہ پیش ہوا۔ واضح رہے کہ جو لوگ عوام کو گرویدہ بنانے کا ملکہ نہیں رکھتے، وہ اپنے مخصوص دوستوں سے عموماً بڑی شیفتگی رکھتے ہیں۔ یہی کیفیت ولیم کی تھی کہ بنٹنک اور کیپل وغیرہ دوستوں کا شیدائی تھا اور انھیں خاصکر آئرستان میں اُس نے بڑی بڑی جاگیریں عطا کر دی تھیں۔ جاگیریں پانے والوں میں لارڈ ایتھلون وگالوے وغیرہ انگریزی فوجی سردار اور لارڈ رومنی (جو خطاب پانے سے پہلے بادشاہ کے مشیران خاص میں داخل تھا) بھی داخل تھے اور ایک بڑی جاگیر، جیمز کے ضبط شدہ علاقے سے لیکر الزبتھ ولیرس کو بھی دی گئی جو انگلستان آنے سے قبل ولیم کی داشتہ اور اب لیڈی اورکنی بن گئی تھی اور شادی کے بعد سے وہگ فرقے کے بعض سربرآوردہ اہل الرائے کی رازدار و قابل قدر مشیر تھی۔ بہرحال ایک ذیلی مجلس بنائی گئی کہ آئرستان کی جاگیروں کے متعلق تحقیقات کرے اور اُس کی پیش کردہ کیفیت سے ظاہر ہوا کہ

باب ہفتم

ولیم نے جو وعدہ کیا تھا کہ انگلستان و آئرستان کی ضبط شدہ اراضی اُس وقت تک جاگیر میں نہ دی جائیں گی جب تک پارلیمنٹ کو اس معاملے میں تصفیہ کرنے کا موقع نہ ملے" اس وعدے کے خلاف بہت سی زمینیں لوگوں کو دے دی گئیں۔ حالانکہ وعدہ سنہ ۱۶۹۱ء میں کیا گیا اور اس تمام مدت میں پارلیمنٹ سے ایک بار بھی مشورے کی نوبت نہیں آئی۔ سب سے بدتر بات یہ تھی کہ **الیور کرک**، **کیپل** اور **ولیم بین ٹنک** (خلف **پورٹ لینڈ**) کو رومنی، ایتھلون اور گالوے سے زیادہ وسیع اراضی دی گئیں اگرچہ ان کی سرکاری خدمات بہت کم یا کچھ بھی نہ تھیں مخالفت کے لیے یقیناً یہ بہت اچھا موقع ٹوریوں کے ہاتھ آ گیا اور سنہ ۱۷۰۰ء میں پارلیمنٹ میں یہ قانون منظور ہو گیا کہ تمام جاگیریں واپس لے لی جائیں۔

یہی زمانہ ہے جبکہ دار العوام کی ٹوری اکثریت اور دار الامرا کی وھگ جماعت میں آئینی کشمکش شروع ہوئی جسے بہت کچھ اہمیت حاصل ہے۔ ہینری ہفتم کے زمانے سے یہ معمول بندھ گیا تھا کہ مالی کارروائی میں جسے دار العوام نے منظور کیا ہو، امرا کو ترمیم کا حق نہ ہوتا تھا، اسی لیے جب دار العوام کوئی ایسا کام کرتا جس کی نسبت یقین ہوتا کہ امرا منظور نہیں کریں گے، تو ایسے موقع کے لیے کسی ذہین ٹوری نے یہ تدبیر نکالی تھی کہ اس قسم کی کارروائیاں مالی تجاویز کے ساتھ "دو نتھی" کر دی جایا کریں۔ اب یا تو امرا کو دونوں باتیں ماننی پڑتیں ورنہ رسمی منظوری نہ دینے سے حکومت کے کاموں میں خلل پڑتا تو دار الامرا مطعون ہوتا۔ جاگیروں کی واپسی کے متعلق بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا اور دار العوام کو کامیابی ہو گئی لیکن ابھی یہ دیکھنا باقی تھا کہ آیا قوم اس طریقے کو پسند بھی کرتی ہے جس سے دار الامرا اور بادشاہ کے اختیارات بیکار ہو کے رہ جائیں اور نظم و نسق کی باگ کلیتہً عوام کے ہاتھ میں آجائے۔

اس دشواری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ولیم نے وزرا میں تغیر و تبدل کیا۔ سنہ ۱۶۹۲ء میں اُس نے جو تبدیلیاں کی تھیں، اُن کا منشا یہ تھا کہ وزارت پارلیمنٹ کی وھگ اکثریت کے مطابق ہو جائے۔ اب اس کے برعکس آہستہ آہستہ ٹوریوں کو واپس بلانے کی کوشش کی۔ سنہ ۱۶۹۷ء میں شروزبری مستعفی ہوا

باب ہفتم

اور اُس کی جگہ جرسی نے لی۔ سال آئندہ مون ٹیگو کی خدمت پہلے ٹنکرویل کے اور سنہ ۱۷۰۰ء میں گڈولفن کے تفویض ہوئی۔ سنہ ۱۶۹۹ء میں رسل علیحدہ ہوا تو برج واٹر امارت بحری کا صدر مقرر کیا گیا اور آخر میں سومرس جس پر پارلیمنٹ میں اعتراضات کی بوچھار ہوئی تھی، صدارت عظمیٰ سے دست کش ہو گیا۔ سنہ ۱۷۰۰ء میں رُوچسٹر آئرستان کا نائب شاہ بنایا گیا۔ وہ، گڈولفن اور جرسی ٹوریوں کو رضامند کرنے کی غرض سے رکھے گئے تھے۔ لیکن دونوں سیاسی فریقوں کے افراد سے مخلوط وزارت بنانے کی خرابیاں بہت جلد آشکارا ہو گئیں۔

قانون تصفیۂ وراثت

سنہ ۱۷۰۰ء میں وراثت تخت کا مسئلہ دوبارہ چھڑ گیا۔ این کے سترہ میں سے پانچ تو بچپن میں مر گئے اور کئی مردہ پیدا ہوئے۔ ایک بچہ سنہ ۱۶۸۹ء میں پیدا ہوا اور شہزادہ گلوسٹر بنایا گیا۔ بادشاہ کے اعزاز میں اُس کا نام ولیم رکھا تھا اور وہ بارہ برس تک زندہ بھی رہا۔ مارل برو اُس کا اتالیق تھا اور بادشاہ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا کہ اُسے فوجی ورزشوں کا نہایت شوق ہے۔ نیز ایک دن کہنے لگا کہ میں یہ فن اس لیے سیکھتا ہوں کہ فرانسیسیوں کو شکست دینے میں ہاتھ بٹاؤں" لیکن جولائی سنہ ۱۷۰۰ء میں یہ بچہ بھی فوت ہو گیا اور اب وراثت کا از سر نو انتظام کرنا ضروری ہوا۔ جیمز، فرانس کا ہو رہا تھا اور وہ افسوسناک اعلان شائع کر چکا تھا جس کا اوپر ذکر آیا۔ ان باتوں سے ملک میں اُس کے حمایت کرنے والوں کی تعداد زیادہ نہ ہو سکتی تھی۔ سنہ ۱۶۹۸ء میں ایک قانون بھی نافذ ہوا کہ اس جلاوطن بادشاہ اور اُس کے اہل وعیال کے ساتھ کوئی شخص تحریری یا تقریری تعلق نہ رکھے۔ جیمز کے ساتھی یعقوبی (جیکو بائٹ) کہلانے لگے تھے۔ انھیں حکومت کا اجازت نامہ حاصل کیے بغیر ملک میں واپس آنے یا ولیم کی مملکت میں بس جانے کی ممانعت کر دی گئی۔ سنہ ۱۷۰۱ء میں حکومت نے ٹوری ہونے کے باوجود، قانون تصفیۂ وراثت منظور کیا کہ این اور ولیم کے لاولد ہونے کی صورت میں بھی سلطنت کی وارث جیمز اول کی نواسی اور (امیر ہنوور کی بیگم) سوفیا (بنت الزبتھ بیگم پلے لے ٹائن) اور اس کی اولاد ہو۔

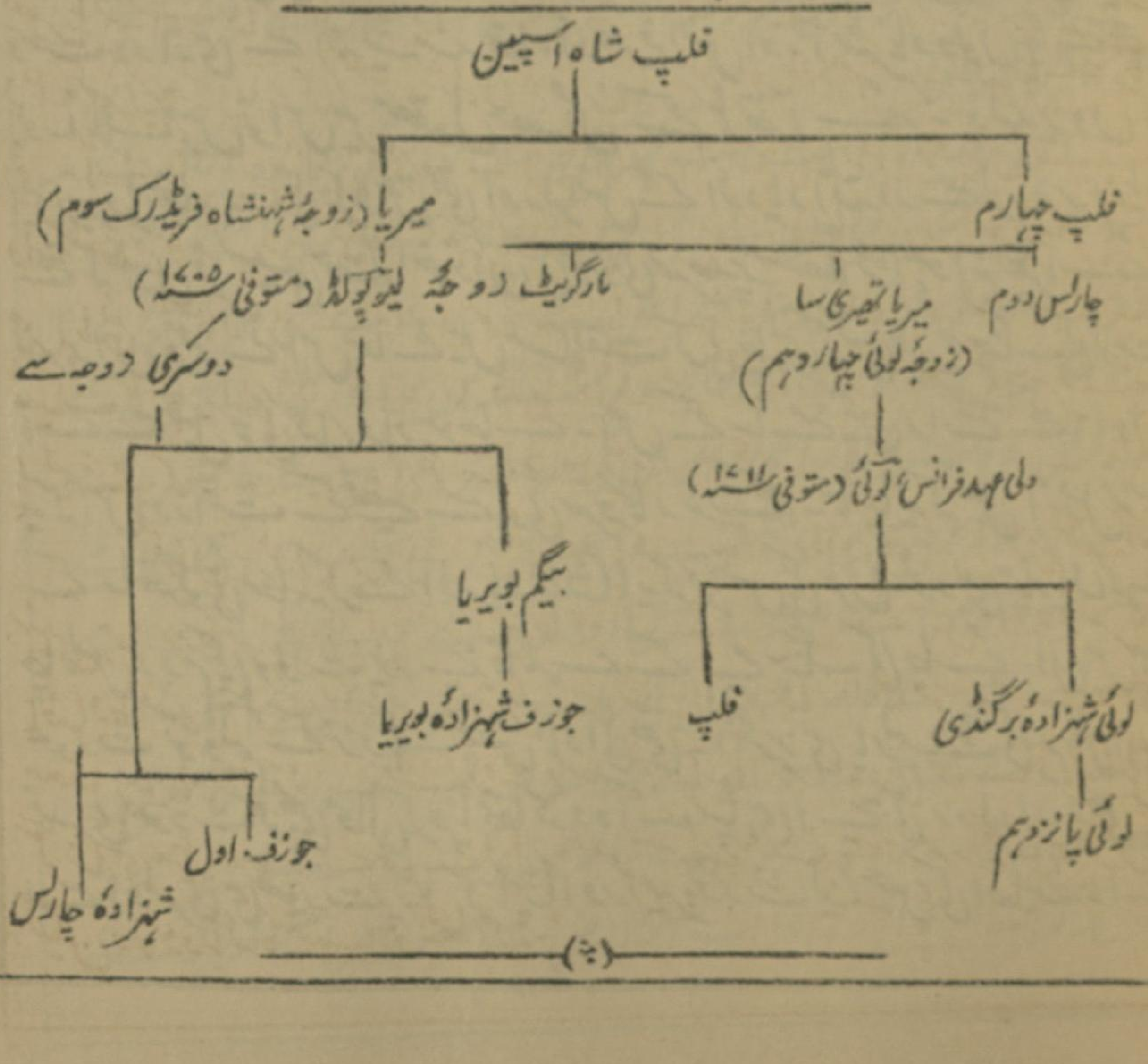
حالانکہ ازروئے قانون آئین کے بعد اُس کا حق نہ تھا بلکہ ہینریتیا (بیگم اور لیان) کے علاوہ خود سوفیا کے کئی بڑے بہن بھائی موجود تھے لیکن اعلان حقوق کی رو سے کیتھولک عقائد کے ورثا خارج کر دیے گئے تھے، اور پروٹسٹنٹوں میں این کے بعد وراثت سوفیا ہی کو پہنچتی تھی، لہذا اُسے منتخب کیا گیا اور یہ انتخاب اصولاً اسی طرح ہوا جس طرح قدیم زمانے میں مجلس بزرگان خاندان شاہی کے بہترین فرد کا انتخاب کر لیا کرتی تھی۔ سوفیا کے انتخاب میں ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ قانون ٹوریوں کے غلبے کے زمانے میں مرتب ہوا اور وہ بھی خاندان ہینوور کی حمایت کرنے کے پابند ہو گئے۔ وھگ فریق تو دل سے اس انتظام کا حامی تھا لہذا اب یہ معاملہ فریقانہ مباحث میں داخل نہیں رہا۔ بایں ہمہ ٹوریوں نے شاہی امتیازات میں چند حد بندیوں کی دفعات بڑھا کر ولیم سے اپنی ناخوشی ضرور ظاہر کر دی اگرچہ ان کا نفاذ قانون کے نافذالعمل ہونے پر مبنی تھا۔ ان دفعات اور باتوں کے علاوہ ایک شرط تو یہ تھی کہ بادشاہ بغیر پارلیمنٹ کی رضامندی کے برطانیہ و آئرستان سے باہر نہ جائے گا۔ (۲) کوئی پردیسی آدمی مجلس شاہی کا رکن یا سرکاری ملازم مقرر نہ کیا جائے گا اور نہ اُسے جاگیریں زمین دی جا سکے گی (۳) کوئی بادشاہی ملازم یا وظیفہ یاب دارالعوام کا رکن نہ ہو سکے گا (۴) بادشاہی فرمان معافی کا جاری ہونا بھی اس امر میں مانع نہ ہو گا کہ مجرم سے قانونی مواخذہ کیا جائے۔ (۵) حکام عدالت جب تک ٹھیک کام کرتے رہیں، اپنے عہدوں پر قائم رہیں گے اور ان کی علیحدگی صرف پارلیمنٹ کے دونوں شعبوں کی عرضداشت پر ہو سکے گی۔

مگر ان شرطوں میں سے، چوتھی اور پانچویں کے سوا اور کسی شرط پر کبھی عملدرآمد نہیں ہوا اور جارج اول کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے پہلی اور دوسری باضابطہ منسوخ کر دی گئی۔ تیسری شرط سے انگلستان کا سارا انتظام حکومت ہی معطل ہو جاتا، لہذا سے ۱۷۰۵ء میں منسوخ کیا گیا اور اُس کی بجائے قرار پایا کہ گو شاہی مشاہرہ پانے والے دارالعوام کی رکنیت سے از خود الگ ہو جائیں گے لیکن وہ دوبارہ منتخب ہو سکتے ہیں۔

باب ہفتم

سنہ ۱۷۰۱ء میں ٹوریوں نے مین ٹنک (امیر پورٹ لینڈ) **سیومرس**، رسل اور مون ٹیگو (امیر ہیلی فیکس) سے قانونی مواخذہ کیا کہ وہ بھی تقسیم ممالک کے معاہدوں میں شریک تھے۔ یہ معاہدے یورپ میں ایک پیچیدگی پیدا ہو جانے کی وجہ سے مرتب کرنے پڑے تھے۔ چارلس دوم جو چار برس کی عمر میں اپنے باپ فلپ چہارم کی جگہ اسپین کا بادشاہ ہوا، جسم و دماغ کے اعتبار سے شروع سے ضعیف اور لاولد تھا۔ اسی کی ایک بہن **میریا تھیری سا**، لوئی چہاردہم سے بیاہی تھی۔ دوسری (مارگریٹ) کی شادی شہنشاہ لیوپولڈ اول سے ہوئی تھی۔ اور خود لیوپولڈ اُس کی پھپھی میریا کا بیٹا تھا۔ اب ان بہنوں کی اولاد میں ولی عہد فرانس، شہزادۂ بویریا اور آسٹریا کا شہزادہ چارلس وراثت شاہی کے دعویدار تھے اور سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مذکورۂ بالا شہزادیوں میں سے وراثت کی زیادہ حقدار کون ہے۔[۱]

[۱] وراثت اسپین کے دعویداروں کا شجرہ



باب ہفتم

وراثت اسپین کا قضیہ

یہ مسئلہ نہایت اہم تھا۔ کیونکہ بادشاہ اسپین کے قبضے میں اپنے مُلک کے علاوہ نذرلینڈز کے دس اضلاع، نیپلز اور صقلیہ کی مملکت، میلان کی ریاست، جزائر سارڈینیا، میجور کا اور منور کا تو یورپ میں تھے اور میکسی کو وغیرہ بڑے بڑے اقطاع شمالی امریکہ میں اور برازیل وگی آنا کے سوا پورا برّاعظم جنوبی امریکہ، اور ایشیا میں جزائر فلی پائن اور کیوبا وغیرہ غرب الہند کے جزیرے داخل تھے۔ اب اگر فرانس کا شہزادہ اسپین کی سلطنت کا وارث ہو جاتا، تو وہاں فرانس کا رسوخ و نفوذ بڑھ جاتا بلکہ ممکن تھا کہ دونوں سلطنتیں ایک ہی بادشاہ کے تحت میں ضم ہو جاتیں اور اس صورت میں یورپ اور نوآبادیوں میں فرانس کا اقتدار سب پر پوری طرح غالب آجاتا۔ آسٹریا کا شہزادہ وارث ہوتا تو اس صورت میں بھی آسٹریا کا اثر بہت کچھ بڑھ جاتا اگرچہ فرانس کی مثل کلیۃً سب پر غالب آنے کا قرینہ نہ تھا۔ بہرحال، انگریزوں کو تو سب سے زیادہ ڈر یہ تھا کہ کہیں فرانس اور اسپین کی نوآبادیاں نہ متحد ہو جائیں۔ اور ولیم فرانس کی یورپ میں دست درازی سے اندیشہ مند تھا۔ اُدھر فرانس اور آسٹریا دونوں چاہتے تھے کہ پورا ملک نہیں تو اس میں معقول حصہ اُن کے ہاتھ آئے۔ ولندیزوں کو اپنی بیرونی تجارت کی فکر لاحق تھی اور فرانس کے ازدیاد اقتدار سے لرزہ براندام تھے کہ کہیں فرانسیسی جھنڈا خود اُن کی جنوبی سرحد پر مستقلاً گڑا ہوا نہ نظر آئے۔ نظر بریں ولیم نے اس معاملے میں مسابقت کرنی چاہی کہ کسی طرح جنگ کی نوبت آنے سے قبل کوئی قرار داد ہو جائے۔ اس کے سامنے تین راستے تھے: اول تو یہ کہ اس وراثت کے قضیے سے کوئی سروکار نہ رکھے۔ ثانیاً یہ کہ قبل از قبل فرانس کے ساتھ کوئی معاملہ کر لے اور یا (ثالثاً) یہ کہ فرانس کی طرح خود بھی تیاریاں کرے کہ چارلس دوم کی وفات پر اپنے فائدے کے لیے جنگ کی جائے۔ ان میں پہلی صورت تو ولیم کے نزدیک محض نادانی تھی۔ انگریزی پارلیمنٹ کی روش نے تیسری صورت کو بھی محال کر دیا تھا کہ وہ ایک سپاہی دینے کی روادار نہ تھی پس اسے دوسری ہی صورت پر عمل کرنا پڑا اور امیر پورٹ لینڈ جس کی اصابت رائے پر

باب ہفتم

اسے پورا بھروسا تھا، پیرس بھیجا گیا کہ لوئی چہاردہم سے قول و قرار کرنے کی کوشش کرے۔

مصالحت کی صورت یہ نکلی کہ اسپین کا تخت بویریا کے سیزدہ سالہ شہزادے کو دیا جائے جس کی تخت نشینی سے بہت سی مشکلات رفع ہو سکتی تھیں۔ اور فرانس و آسٹریا کو دوسرے مقبوضات میں اس ایثار کا معاوضہ دیا جائے۔ مگر ۱۶۹۹ء میں یہ شہزادہ فوت ہو گیا اور از سر نو تقسیم کی ضرورت پیش آئی۔ ولیم آسٹریا کے شہزادے چارلس کے لیے اسپین، ندرلینڈ کے اضلاع اور نوآبادیوں کا معاملہ بھی طے کرا چکا تھا جس سے انگلستان و ہالینڈ کے مقاصد پورے ہو جاتے اور اُدھر ولی عہد فرانس کے حصے میں نیپلز، صقلیہ، صوبہ گی پس کوآ، ریاست میلان اور چند اور علاقے آجاتے جن میں گی پس کوآ کوہستان پائی ری نیز کے پار واقع تھا اور اس کے ہاتھ آنے سے لوئی کو اسپین کے علاقے میں ایک سرحدی مرکز مل جاتا۔ اسی طرح ساحل اطالیہ پر البا ایک کارآمد بحری مقام تھا۔ میلان کے عوض میں اُسے لورین چھوڑنا پڑتا۔ مگر میلان کے الحاق سے فرانس کی شمال مشرقی سرحد سیدھی ہو جاتی۔

اس قرارداد کی نسبت بہت کچھ کہا جا سکتا تھا لیکن عملاً وہ بالکل ناکام ثابت ہوئی۔ آسٹریا والوں نے اہل اسپین کو رضامند کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی اور لوئی ایسے قول و قرار کی بنا پر، فرانس کے فائدے کے کسی موقع کو چھوڑنے والا آدمی نہ تھا۔ چنانچہ مذکورۂ بالا معاہدہ تو ۱۶۹۹ء میں ہوا اور شاہ اسپین نے ۱۷۰۰ء میں وفات پائی۔ اسی درمیان کی مدت میں فرانس کے حامیوں نے اُس پر اتنا اثر ڈالا کہ وہ اپنی پوری سلطنت ولی عہد فرانس کی بجائے اس کے منجھلے بیٹے فلپ (شہزادۂ آنژو) کے نام وصیت کر گیا اور لوئی نے بھی بے تامل وصیت نامے کی تائید کی۔ اسپین کے عام باشندوں کی رائے جو آجکل قطعی فیصلے کا حکم رکھتی، اپنی سلطنت کے حصے بخرے ہونے کے طبعاً خلاف تھی۔ انھوں نے بھی فرانسیسی شہزادے کی تخت نشینی کو بڑے جوش و خروش کے ساتھ قبول کیا۔ لوئی نے کہا میں امید کرتا ہوں کہ کوہستان پائی ری نیز اب صفحۂ ارض سے محو ہو جائیں گے اور پوتے کو

بڑی شان سے اسپین روانہ کرکے خود ندرلینڈز کے اضلاع پر قبضہ جمالیا۔ شاہ اسپین کی اجازت سے بعض سرحدی مقامات میں ولندیزی سپاہی متعین تھے۔ لوئی نے اُنھیں اپنے گھروں کو چلتا کیا۔

انگریز وزرا سے مواخذہ

یہ خبریں سن کر ولیم نے بہت پیچ و تاب کھایا مگر کچھ زور نہ چل سکتا تھا اور اُس کی انگریز رعایا اول تو ولی عہد فرانس کی بجائے اُس کے بیٹے کی تخت نشینی کو اتنا قابل اعتراض نہ سمجھتی تھی دوسرے اہل انگلستان اسی پر ناراض تھے کہ تقسیم ممالک کے معاہدات کیوں کیے گئے خصوصاً نیپلز اور صقالیہ کو آیندہ وارث فرانس کے حوالے کرنے پر ولیم نے کیوں آمادگی ظاہر کی۔ انھی حالات سے فائدہ اُٹھاکر ٹوریوں نے وھگ فرقے کو کمزور کرنے کا ارادہ کیا اور سومرس، موں ٹیگو وغیرہ وزرا کے خلاف مقدمے چلائے کہ ان لوگوں نے مذکورۂ بالا معاہدات میں حصہ لے کر ملک و قوم سے دشمنی کی۔ اس عام الزام کے علاوہ ہر وزیر پر خاص خاص الزامات بھی تھے۔ سومرس پر تو یہ کہ شاہی اراضی کے ناجائز عطیات پر مُہر کلاں ثبت کی۔ پورٹ لینڈ پر یہ کہ ایسی اراضی اُس نے قبول کیں۔ ہے لی فیکس پر تغلب اور اپنے آور دے بھرنے کا الزام تھا۔ اورفورڈ پر رشوت ستانی کا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ کپتان کِڈ جس نے حسب الحکم جنوبی سمندروں میں قزاقوں کا قلع قمع کرنے کی بجائے خود بحری قزاقی شروع کردی تھی، اس کی بداعمالیاں بھی سومرس و اورفورڈ کے نامۂ اعمال میں چڑھادی گئیں۔ یہ فرقہ واری تعصب کی انتہا تھی۔ ورنہ یہ دونوں وزیر کپتان کِڈ کو مذکورہ خدمت تفویض کرنے میں بھی صرف جزاً ذمہ دار تھے۔ بہرحال سب سے پہلے سومرس کا مقدمہ پیش ہوا لیکن اسی عرصے میں ٹوریوں کی زیادتی نے لوگوں کو بد دل کردیا تھا اور دارالعوام اور دارالامرا کے تعلقات میں "ٹنگی کردینے" کے عمل سے کشیدگی آگئی تھی۔ اُمرا اپنی پشت قوی دیکھ کر دارالعوام کے راستے میں حائل ہوگئے اور مقررہ تاریخ تک دارالعوام کے ارکان نے حاضر جلسہ ہونے سے انکار کیا تو امرا نے سومرس کو بری کردیا۔ اورفورڈ سے بھی قسمت نے اسی طرح سازگاری کی اور پارلیمنٹ جدید انتخابات کے واسطے

باب ہفتم

برخاست کر دی گئی۔

کینٹ کی عرضداشت

دارالعوام کی فریقانہ ہمہ ہمی سے صرف امراہی ناخوش نہ تھے بلکہ ۱۷۰۱ء میں ضلع کینٹ کی بڑی جوری نے ولیم کول پیپر کی سرکردگی میں ایک عرضداشت مرتب کی اور دارالعوام سے بہ ادب استدعا کی کہ بندگان عالی کی ذات مقدس سے خفیف ترین سوئے ظن کو بھی جائز نہ رکھا جائے اور معروضوں کی بجائے رقمی منظوریوں کی تحریکیں کی جائیں ‘‘ یہ تحریر پارلیمنٹ میں پیش ہوئی تو دارالعوام کے ارکان اُسی قدر طیش میں آئے جس قدر جیمز ثانی سات اسقفوں کی عرضی پر آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ کینٹ والوں کی عرضداشت کو ’’فضیحت انگیز‘ گستاخانہ‘ مغویانہ‘‘ قرار دیا گیا اور پانچ شرفا حراست میں لے لیے گئے۔ لیکن بہت جلد ظاہر ہو گیا کہ جس طرح جیمز کی حرکت پر لوگ ناخوش ہوئے تھے‘ اسی طرح دارالعوام کا یہ فعل عام طور پر ناپسندیدہ سمجھا گیا۔ ایک مضمون جسے عموماً ’’فوج کی عرضداشت‘‘ موسوم کرتے ہیں‘ کثرت سے شایع کیا گیا اور اُس نے ٹوریوں کے خلاف مُلک میں اور آگ بھڑکائی۔ اس مضمون میں بہت کچھ پتے کی باتیں بڑی خوبی سے تحریر تھیں اور غالباً ڈینیل ڈے فو نے لکھا تھا۔

غرض ہوا کا رخ بدل رہا تھا جبکہ پارلیمنٹ فسخ کی گئی لیکن جدید انتخابات سے قبل ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ معاملات کی صورت بالکل ہی بدل گئی یعنی ستمبر ۱۷۰۱ء میں جیمز ثانی مرا تو لوئی چہار دہم نے بیجا ہمدردی کے جوش میں آکے جیمز ایڈورڈ کو متوفی کا وارث اور شاہ انگلستان تسلیم کر لیا حالانکہ یہ بات صلح نامۂ ریزک کی سراسر خلاف ورزی تھی۔ خود ایڈورڈ جو آگے چل کے ’’مدعی قدیم‘‘ مشہور ہوا‘ اُس وقت تیرہ سال سے زیادہ عمر کا نہ تھا۔ بہر حال حق یہ ہے کہ کوئی اس سے بڑھ کر ولیم کی دوستی نہ کر سکتا تھا کیونکہ شاہ فرانس کے اس متحکمانہ فعل سے سارے انگلستان میں جوش پیدا ہو گیا اور وھگ اور ٹوری تھوڑی دیر کے لیے تو سب ولیم کی حمایت و تائید میں متحد ہو گئے۔ ہر حلقے سے وھگ امیدوار بڑے غلبۂ آرا کے ساتھ منتخب ہوئے اور ٹوریوں کے بعض ممتاز سرگروہوں کو بھی پارلیمنٹ میں

باب ہفتم

جگہ ملنی مشکل ہو گئی جیمز ایڈورڈ کے خلاف "خرابیٔ خون" کا قانون منظور ہوا اور طے کر دیا گیا کہ جب تک کوئی عہد شکنی کی تلافی نہ کرے اُس وقت تک فرانس سے ہرگز صلح نہ کی جائے۔ رقوم کثیر کی منظوریاں دی گئیں۔ پروٹسٹنٹی وراثت کے اطمینان و تحفظ کی غرض سے تمام دیوانی اور کلیسائی عہدہ داروں سے حلف لیے گئے کہ ہم پروٹسٹنٹ مذہب کے وارث تاج کا ساتھ دیں گے۔ اور ولیم کو دوبارہ موقع مل گیا کہ اپنے وھگ وزرا کو واپس بلائے، فوج میں اضافہ کرے اور یورپ کے بڑے جتھے کے بکھرے ہوئے شیرازے کو از سر نو فراہم کرے۔

ولیم کی وفات

یورپ بھر میں فوجی تیاریاں ہو رہی تھیں اور ولیم کو معلوم ہوتا تھا کہ وہ زندگی بھر جو خواب دیکھتا رہا کہ کبھی فرانس پر فاتحانہ فوج کشی کرے گا، وہ جلد عمل میں آنے والا ہے کہ ناگہاں ۲۰ فروری کو وہ گھوڑے سے گرا اور ہنسلی ٹوٹ گئی۔ کسی مضبوط آدمی کے لیے ایسا معمولی حادثہ کچھ تشویشناک نہ ہوتا لیکن ایسا شخص جسے کثرت کار و افکار نے مضمحل کر ڈالا تھا، اس کا متحمل نہ ہو سکا اور ۸ مارچ کے دن بادشاہ ولیم ملک عدم کو سدھار گیا۔ کچھ شک نہیں کہ وہ انگلستان کے بڑے بادشاہوں میں داخل ہے اگرچہ ہر دلعزیزی نہ حاصل کر سکا۔ وہ عادات و خصائل کی بدولت لوگوں میں محبوب نہ تھا اور اُس کے وسیع و دوررس منصوبوں کی قدر کرنے والے معدودے چند تھے۔ اس کی کوشش تھی کہ آزاد پارلیمنٹ پر حکمرانی کرے اور یہ کام نہایت دشوار تھا۔ اول تو یہ تجربہ نیا تھا دوسرے خود ولیم پختہ ارادے اور آزاد رائے کا آدمی تھا اور کسی ایسی حکمت عملی کو جو اُس کے نزدیک ناپسندیدہ ہو۔ محض اس بنا پر آسانی سے قبول کرنے والا نہ تھا کہ پارلیمنٹ کی اکثریت اُس کی موید ہے۔ ایک خرابی یہ تھی کہ جن ارباب سیاست سے ولیم کو سابقہ پڑا وہ عود ملوکیت کے ماحول میں پلے تھے جہاں رشوت ستانی اور غرض پرستی کا زہر سرکاری زندگی کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھا۔ نظر برایں اگر ولیم نے غلطیاں کیں تو یہ کچھ حیرت کی بات نہیں ہے۔ طرفہ تر یہ کہ بعض بداحوں نے جو اُسے بے خطا ثابت کرنے کی کوشش کی تو اغلاف کو اُس کی نسبت اُلٹی بدگمانی پیدا ہو گئی۔ بہرحال گو یہ تسلیم ہے کہ اُس کی خانگی اور سیاسی زندگی کی بہت سی باتیں

قابل نکتہ چینی تھیں تاہم ان سب کو ماننے کے بعد بھی اُس کا یہ شرف زائل نہیں ہو سکتا کہ نہایت نازک وقت میں انگلستان کی دستگیری کی اور نہ صرف انگلستان بلکہ دنیا بھر میں، وہی سب سے پہلا بادشاہ تھا جس نے زمانۂ جدید کے مفہوم کے مطابق ایک نیابتی یا مجلسی حکومت کو کسی حد تک کامیابی کے ساتھ چلا کے دکھایا۔

مشہور سنین

محاربۂ آئرستان	سنہ ۱۶۸۹ و سنہ ۱۶۹۰
جنگ لاہوگ	سنہ ۱۶۹۲
قومی قرضے کی ابتدا	سنہ ۱۶۹۳
لینڈن کی جنگ	"
قانون میقات سہ سالہ	سنہ ۱۶۹۴
ملکۂ میری کی وفات	سنہ ۱۶۹۴
آزادی مطابع	سنہ ۱۶۹۵
تجدید سکّہ	سنہ ۱۶۹۶
صلحنامۂ رِزِک	سنہ ۱۶۹۷
تصفیۂ وراثت	سنہ ۱۷۰۱
جیمز ثانی کی وفات	سنہ ۱۷۰۱
ولیم ثالث کی وفات	سنہ ۱۷۰۲

باب ہشتم

ملکۂ این: ۱۷۰۲ء تا ۱۷۱۴ء

ولادت: ۱۶۶۵ء .... ازدواج با شہزادۂ جارج (ڈینمارکی) ۱۶۸۳ء

مشہور معاصرین: فرانس .... لوئی چہاردہم

شہنشاہ .... لیوپولڈ اوّل

جوزف اوّل

چارلس پنجم

ولیم اور اس کی جانشین ملکہ کے حالات میں بالکل زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ولیم اپنے زمانے کے اکثر ارباب سیاست سے نمایاں تفوق رکھتا تھا اور وزارت خارجہ اور سپہ سالاری کے فرائض خود انجام دیتا تھا اور انگلستان و ہالینڈ دونوں ملکوں کی حکمت عملی زیادہ تر اُسی کی خواہش کے زیر اثر قائم ہوا کرتی تھی۔

این کے خصائل بخلاف اس کے ملکۂ این اگر نااہل نہیں تو یقیناً کچھ بہت ہوشیار بھی نہ تھی۔ وہ دوسروں کی آرا اختیار کر لیتی تھی اور بچپن سے اپنی سہیلی سارہ جےننگز کے اثر میں تھی جس کی جون چرچل سے شادی ہوئی (اور آگے چل کے امیر مارل برو بنایا گیا) اور وہ ہمہ تن اپنے شوہر کی

فلاح وبہتری کی فکر میں لگی رہتی تھی۔ بایں ہمہ آین کی سیرت کا کچھ نہ کچھ اثر پڑتا تھا۔ اُس کی تخت نشینی سے تاجدار انگلستان کی شخصی ہر دلعزیزی پھر تازہ ہو گئی۔ اُس کے خانگی آلام سے لوگ دلی ہمدردی اور ملکہ کا پاس خاطر ملحوظ رکھتے تھے۔ اُس کا سچا تقویٰ اور کلیسا کی بہتری میں دلی کوشش دیکھ کر اہل مذہب بھی راضی ہو گئے تھے۔ اُس کی جان کے خلاف کوئی سازش نہیں ہوئی اور جب وہ بادشاہ ہوئی تو ہر گروہ نے اہتمام کے ساتھ سعی کی کہ اس کے راستے میں سہولت پیدا کی جائے حالانکہ ولیم کی اس کے دوست تک کچھ بے دلی ہی کے ساتھ تائید کر دیا کرتے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر ولیم سراپا ولندیز اور مدعی سراسر فرانسیسی تھا تو آین، جیسا کہ اُس نے پارلیمنٹ سے کہا، دل میں "سراسر انگریز" تھی۔ اسی لیے وہ ملکی عصبیت جو ولیم کے حق میں مُضر کام کرتی تھی، آین کی عین ممد و مفید مطلب ہو گئی۔ لیکن مذہبی معاملات کے سوا ملک کی سیاسیات میں اس ملکہ نے کوئی خاص حصہ نہیں لیا اور اسی واسطے کہہ سکتے ہیں کہ ولیم کے بعد انگلستان کا فرماں روا در اصل امیر مارل برو ہو گیا تھا اور وہی مدت دراز تک ملک

مارل برو

کے اندر اور باہر ناخدائی کرتا رہا۔ اس امیر کا سن اب ۵۲ سال کا، اور دماغی اور جسمانی قویٰ بہت اچھے تھے۔ اس کے اخلاق پر سخت دنائت اور بہت کچھ ریاکاری کا داغ ہے لیکن فن سیاسیات و جنگ دونوں میں وہ بڑا شخص تھا۔ جوانی ہی میں حسن صورت اور دلکش اخلاق کی بدولت لوگ اُس کے گرویدہ ہو گئے تھے اور باقی ماندہ ساری زندگی اُس نے اپنی ذاتی اغراض کے حصول میں گزاری۔ ولیم کے عہد بادشاہی تک اسے بڑے پیمانے پر اپنے اوصاف ظاہر کرنے کا موقع نہیں ملا لیکن جب کبھی اُس نے کسی کام کا بیڑا اُٹھایا تو ہمیشہ ثابت کر دکھایا کہ وہ اُسے انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ قدرتی اوصاف کے اعتبار سے وہ حقیقت میں خوش نصیب تھا۔ اس کی جسمانی صحت برابر اچھی رہی اور وہ بڑی سے بڑی تکان جھیل سکتا تھا۔ نہایت قابل تعریف مزاج، بے جھجک ہمت اور بے خوف دل قدرت کا عطیہ تھے اور دوست ہو یا دشمن، جس کسی سے ملتا غیر معمولی اخلاق و تواضع سے پیش آتا اور

اس وضعداری میں کبھی فرق نہ آنے دیتا تھا۔ ان اخلاقی اوصاف کے ساتھ اعلیٰ درجے کے دماغی اوصاف پائے تھے۔ معاملات حاضرہ پر اُس کے خیالات نہایت واضح، وسیع اور بوجہ احسن قابل عمل ہوتے تھے۔ کتابیں پڑھنے کا موقع اس قدر کم ملا تھا کہ اسے "لکھنے کی بھی مطلق رغبت نہ تھی"۔ تاہم اُس کے مراسلات اور سرکاری تحریریں نہایت سلجھی ہوئی اور زوردار ہوتی تھیں۔ اس کی مجلسی خطابت بھی مناسب محل ہوتی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو اصل مقصد کے تحت لانا خوب جانتا تھا۔ مثالاً اسی کو لیجئے کہ گو وہ ایسا سپہ سالار تھا کہ جو لڑائی لڑا، ہمیشہ اُس میں فتحیاب ہوا اور جس شہر کا محاصرہ کیا، اُسے تسخیر ہی کر کے چھوڑا، بایں ہمہ جنگ کو وہ محض کسی مقصد کا ذریعہ سمجھتا تھا اور کہتے ہیں کہ جب تک کسی یقینی فتح سے بڑے بڑے سیاسی نتائج پیدا ہونے کا اذعان نہ ہوتا، اس وقت تک کبھی تلوار نہ کھینچتا تھا۔ اس میں صبر کا انتہائی مادہ تھا اور توکل کی بھی ایک شان تھی جس کے باعث بڑی بڑی ناکامیاں بھی اُسے کلیتہً مایوس نہ کر سکتی تھیں۔ ایک موقع پر لکھتا ہے کہ "چونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اکثر امور تقدیری ہوتے ہیں، لہذا میرے نزدیک امکانی سعی کے بعد آدمی کو راضی برضا ہو جانا چاہیئے"۔ مارل برو

ٹوریوں کی وزارت اور جنگ

ہمیشہ سے پکا ٹوری تھا اور حکومت میں اُس نے بڑے عہدے ٹوریوں ہی کو دیے۔ خود سپہ سالاری اور ہالینڈ میں سفارت کی خدمت لی۔ گڈولفن پوری طرح مارل برو کا ہمرائے تھا اور اُن کی اولاد میں باہم پیوند ہونے سے دنیاوی اغراض بھی مشترک ہو گئی تھیں۔ اُسے وزارت خزانہ دے کر انگلستان کے معاملات میں سب سے اہم حصہ دیا گیا۔ نوٹنگ ہم اور سر چارلس ہیجز، شاہی معتمد مقرر ہوئے۔ یہ دونوں ٹوری تھے اور نوٹنگھم خصوصاً بہت پکا ٹوری تھا ہر وقت چہرے پر افسردہ متانت رہتی اور بلاغت پسندی کی وجہ سے "Don Dismalls" (= میر مایوس) اُس کا لقب پڑ گیا تھا۔ جیک ہو کے لیے بھی جگہ نکال لی گئی حالانکہ ولیم کی بدگوئی کرنے والوں میں وہ سب سے پیش پیش تھا۔ بخلاف اس کے ہیلی فیکس، اور فورڈ، اور سومرس نئی مجلس شاہی سے بھی

خارج کر دیے گئے لیکن نئے وزرا ٹوری ہونے کے باوجود سیاسی روش میں وھگ تھے اور انھوں نے ممالک یورپ کے بڑے جتھے کو پوری طرح قائم رکھا جس میں انگلستان، ہالینڈ، شہنشاہ، پروشیا کا نیا بادشاہ، پیلے ٹائن، اور ہنوور کے موروثی رئیس شامل تھے۔ پارلیمنٹ نے بھی قرار داد کی کہ اتحادیوں کی ہمت افزائی اور فرانس کی حد سے متجاوز قوت کم کرنے کے لیے جو کچھ کیا جائے وہ کم ہے۔ غرض جنگ کا اعلان کر دیا گیا۔ این کی تخت نشینی کے بعد ہی جو عام انتخابات ہوئے اُن میں ٹوریوں کی بہت بڑی اکثریت تھی لیکن انھی نے فوج کے لیے چالیس ہزار سپاہ اور بیڑے کے لیے اسی قدر تعداد جہازیوں اور بحری جوانوں کی فراہم کرنے کی تجویز منظور کی۔

اوّل اوّل اتحادیوں کے مقاصد پوری طرح واضح نہ تھے لیکن بالآخر شہنشاہ لیوپولڈ کے فرزند شہزادۂ چارلس کو تخت اسپین کے لیے کھڑا کیا گیا اور لڑائی ندرلینڈز کی سرحدوں پر، رہائن، شمالی اطالیہ اور خود اسپین کے علاقے میں جاری رہی۔ مارل برو ندرلینڈز میں انگریزی فوج کا سپہ سالار تھا اور ولیم کے ایک دوست ہین سیوس کی وساطت سے ولندیزی سپاہ کی قیادت بھی اسی کو مل گئی تھی اس لیے ان علاقوں میں اتحادی فوجوں کا صدر سپہ سالار مقرر ہوا۔ رہائن کے اضلاع میں مارگریو لوئیس (رئیس بیڈن) اور اطالیہ میں اکثر اوقات یوجین (شہزادۂ سیوائے) سپہ سالاری کرتے تھے۔ لوئیس کی پامردی اور دلیری میں شک نہیں مگر وہ نہایت سست اور کام کو اپنے حال پر چھوڑ دینے والا آدمی تھا۔ شہزادۂ یوجین کو شاہ فرانس نے عہدہ دینے سے انکار کیا تو وہ شہنشاہ کی ملازمت میں داخل ہو گیا اور غالباً اتحادیوں کا بہترین سپہ سالار وہی تھا۔ اُس کا مزاج بھی بہت اچھا تھا اور جس مقصد کے لیے تلوار کھینچی تھی، اُس سے بے غرض عقیدت بھی رکھتا تھا۔

ایک مدت تک اسپین کے اضلاع ندرلینڈز میں جنگ کی سب سے زیادہ گرم بازاری رہی۔ یہ ایک بے قاعدہ سے متساوی الاضلاع کی شکل ہیں، اور اُس کے جنوبی ضلع پر لیل، ٹورنی، مونز اور شارلی روا کے دفاعی قلعے واقع تھے۔

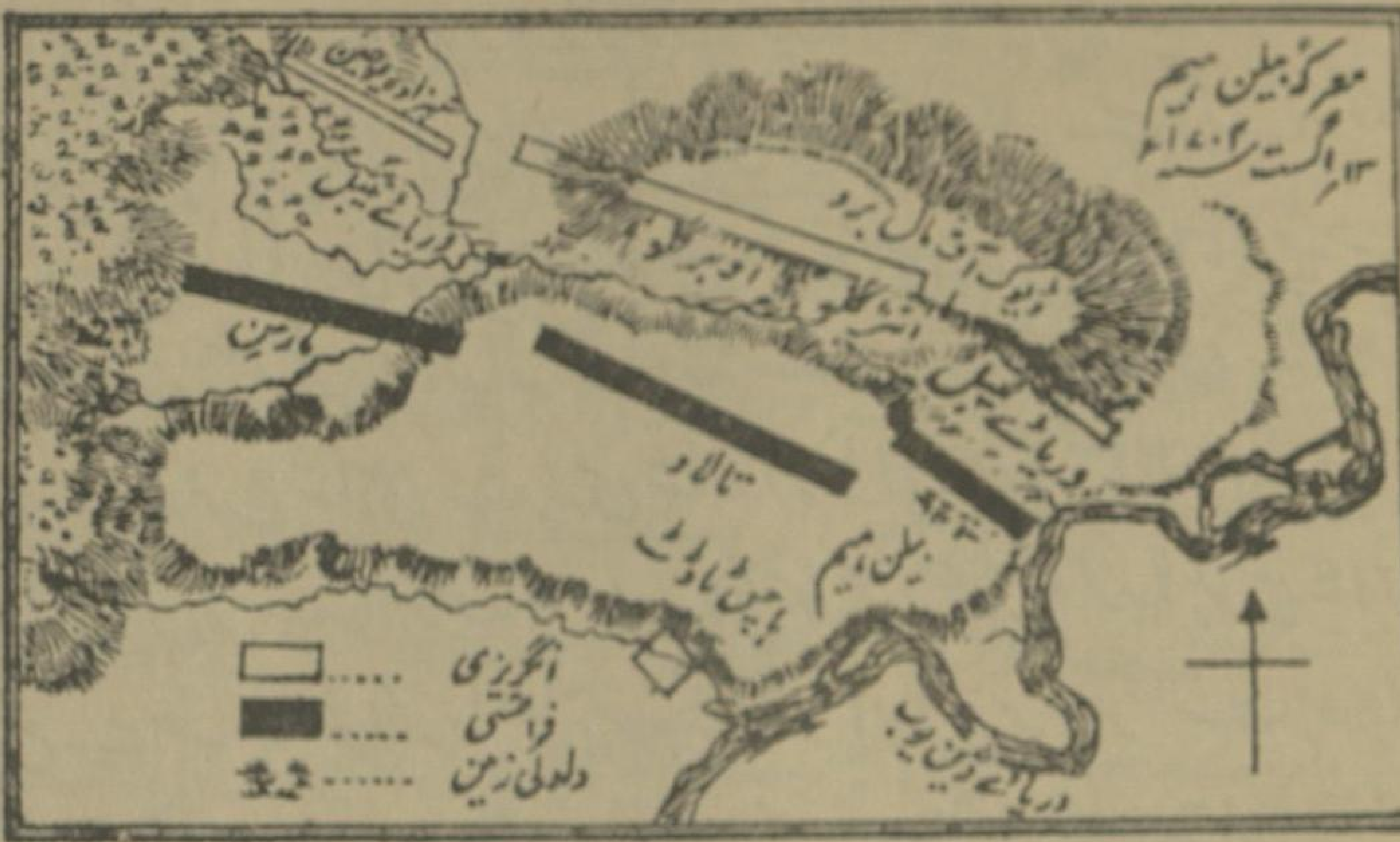
باب ہشتم

مشرقی ضلع کی حفاظت نامور ولیئر کے قلعوں سے، شمال کی دریائے رہائن سے اور مغرب کے سمندر سے ہوتی تھی۔ لڑائی شروع ہوئی تو یہ سارا ٹکڑا فرانس کے ہاتھ میں تھا۔ ۱۷۰۲ء میں مارل برو کا بڑا کارنامہ یہ تھا کہ لیئر کو فتح کرلیا اور اسی صلے میں ڈیوک (امیر کبیر) بنایا گیا، اور پانچ ہزار پونڈ سالانہ کا منصب اس کے نام جاری ہوا۔ ۱۷۰۳ء میں وہ رہائن کے زیرین علاقے پر مسلط ہوگیا جس کا بڑا قلعہ بون ہے۔ اور اس طرح نیدرلینڈز میں گھس جانے کے علاوہ اتحادیوں سے بھی اس کا سلسلۂ رسل و رسائل قائم ہوگیا۔ مگر فریڈلنجن پر لوئیس (بیڈنی) کی ہزیمت اور امیر بویریا کے یک بیک فرانس کے ساتھ جاملنے سے ان فتوحات کا اثر خاک میں مل گیا۔ امیر بویریا نے فلپ کی حمایت کا اعلان کیا اور فرانس کی ایک فوج کو اپنی ریاست میں آنے کی اجازت دے دی جس سے وادی ڈینیوب اور وی آنا تک جانے کا راستہ کھل گیا اور انھوں نے امیر بویریا کو مدد دینے کی غرض سے تین تین لشکر ادھر روانہ کیے۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ

معرکۂ بلین ہیم

اگر پوری قوت سے کام نہ کیا گیا تو خود وی آنا کی خیر نہیں اور وی آنا کی تسخیر کے ساتھ ہی ساری جنگ یک بیک ختم ہو جائے گی۔ یہ رنگ دیکھ کر مارل برو نے بڑی دلیری کی کہ ہالینڈ کی سرحد پر مضبوط پہرے چوکی کا بندوبست کرکے خود بویریا کو طے کرتا ہوا لوئیس (بیڈنی) سے آملا اور یوجین سے طے کرلیا کہ فرانسیسیوں پر ایک زبردست حملہ کیا جائے۔ ۲۔ جولائی ۱۷۰۴ء کے دن اس کی اور لوئیس کی فوج نے (ڈونوورٹ میں) اہل بویریا کو مار بھگایا، جنھوں نے شیلن برگ پر مضبوط مورچے بنا رکھے تھے۔ اس طرح ڈینیوب عبور کرنا تو ممکن ہوگیا لیکن امیر بویریا نے صلح سے انکار کردیا اور مارل برو نے "بادل ناخواستہ" حکم دیا کہ میونک اور اس کی نواح کو تاراج کردیا جائے۔ اس عرصے میں فرانسیسی سپہ سالار تالار اہل بویریا سے آملا تھا۔ لوئیس (بیڈنی) انگولس ٹیڈ کے محاصرے کی غرض سے ادھر چلا گیا۔ مارل برو اور یوجین اس کے چلے جانے سے خوش ہوئے اور انھوں نے ڈینیوب تک آگے بڑھ کے دشمن پر

بمقام بلین ہیم حملہ کر دیا۔ (۱۳ر اگست)۔



فرانس کے سپہ سالاروں اور امیر بویریا نے اپنی فوجیں ایک ٹیکری پر جمائی تھیں جو ڈینیوب کے شمالی کنارے پر زاویۂ قائمہ بناتی ہے۔ خود ڈینیوب اس مقام پر تقریباً سو گز لمبا اور ناقابل ممر ہے۔ ان کا میمنہ بلین ہیم میں، قلب، اوبرگلو میں اور میسرہ اوبر گلو میں تھا۔ پوری فوج کے سامنے نیبل کی ندی قدرتی محافظت کا کام دے رہی تھی۔ اس فوج کی تعداد ساٹھ ہزار کے قریب اور مقابلے میں اتحادی سپاہی باون ہزار تھے۔ حملہ دوپہر کے وقت شروع ہوا۔ بلین ہیم کے بازاروں میں باڑیں اور مکانوں میں بندوقوں کے لیے تابدان بنا لیے گئے تھے۔ لہٰذا بہادر کٹس اور اُس کے سپاہیوں کی یورش مطلق کارگر نہ ہوئی اور میمنے پر یوجین بھی زمین کی خرابی اور بعض آسٹروی سواروں کی نالائقی سے کچھ بہتر کام نہ کر سکا۔ اس حال میں مارلبرو نے اپنے رسالے کی قیادت خود کی اور فرانسیسی قلب پر شدید حملہ کیا۔ ایک عینی شاہد کا بیان ہے کہ وہ لڑائی میں ہر جگہ جہاں اس کی ضرورت ہوتی، بے خوف و خطر پہنچ جاتا اور بغیر کسی اضطراب و عجلت کے کامل سکون و اطمینان کے ساتھ احکام صادر کرتا تھا۔ لیکن لڑائی کا فیصلہ اُس کے مذکورۂ بالا حملے ہی سے ہوا کہ غنیم کی فوج کے دو حصے ہو گئے اور یوجین کو موقع مل گیا کہ امیر بویریا

باب ہشتم

اور مارسان کو پیچھے دھکیل دیا اور دشمن کا یہ میسرہ ہٹا تو تالار کے گیارہ ہزار چیدہ سپاہی بلین ہیم میں بے یار و مددگار رہ گئے اور اُنھیں ہتھیار ڈال دینے پڑے۔ رات ہونے سے اقبل مارل برو نے اپنی بیوی کو پنسل سے ایک رقعہ لکھا اور یہ بھی اُس کے لاابالی مزاج کا ثبوت ہے کہ یہ کسی ہوٹل کا پرانا پرچۂ حساب تھا' جس کی پشت پر رقعہ تحریر کیا گیا کہ ملکہ کی خدمت میں آداب و بندگی کے بعد خبر کردی جائے کہ فوج شاہی نے بڑی شاندار لڑائی جیتی۔ تالار اور دو سپہ سالار میری گاڑی میں (مقید) موجود ہیں اور باقی کا میں پیچھا کررہا ہوں۔" اس فتح سے فی الواقع بے حساب فوائد حاصل ہوئے۔ اگر مارل برو کو شکست ہوجاتی تو وی آنا کا سقوط قریب قریب یقینی تھا اور پھر خود انگلستان پر حملہ ہوتا اور غالباً جیمز ثانی کی اولاد دوبارہ وارث تاج و تخت بنادی جاتی۔ ساودی نے اپنی نظم "بلین ہیم" میں کیس پر کی زبان سے کہلوایا ہے کہ میں کبھی نہ بتا سکا کہ یہ لوگ وہاں کیوں لڑے تھے؟ لیکن این کے عہد کے انگریزوں کو جنگ کی وجہ بتانے میں کوئی ایسی دشواری نہ تھی۔ خود قومی آزادی معرض نزاع میں تھی یعنی اصل قضیہ یہ تھا کہ انگلستان کا بادشاہ فرانس انتخاب کرے یا اہل انگلستان؟ اسی لیے مارل برو کی کامیابی پر لوگ نازاں اور سخت خطرے سے چھوٹ جانے پر دل سے شکر گزار تھے اور پارلیمنٹ نے ملکہ سے درخواست کی کہ آکسفرڈ کے قریب وڈاسٹاک کی جاگیر اور نسلاً بعد نسلٍ وظیفہ اُسے عطا کیا جائے۔ چنانچہ یہ جاگیر اُسے ملی اور وہیں ایوان بلین ہیم تعمیر ہوا۔ یہ اب تک مارل برو کی دختری اولاد کے قبضے میں ہے اور ان سے شرط کرلی گئی ہے کہ فتح کی سالانہ تقریب کے موقع پر یہ لوگ ونڈسر کے گرجا (سینٹ جارج) میں ایک جھنڈا چڑھایا کریں گے۔

جبل الطارق کی تسخیر

اسی سال کا ایک اور درخشاں کارنامہ جبل الطارق کی تسخیر ہے کہ اس زمانے میں تو لوگوں نے اُسے فتح بلین ہیم کے برابر اہم نہیں سمجھا تھا لیکن بعد کی نسلوں نے کچھ کم اہمیت تسلیم نہیں کی۔ اس مقام کا محاصرہ پہلی اگست کو شروع ہوا شہزادہ جارج

باب ہشتم

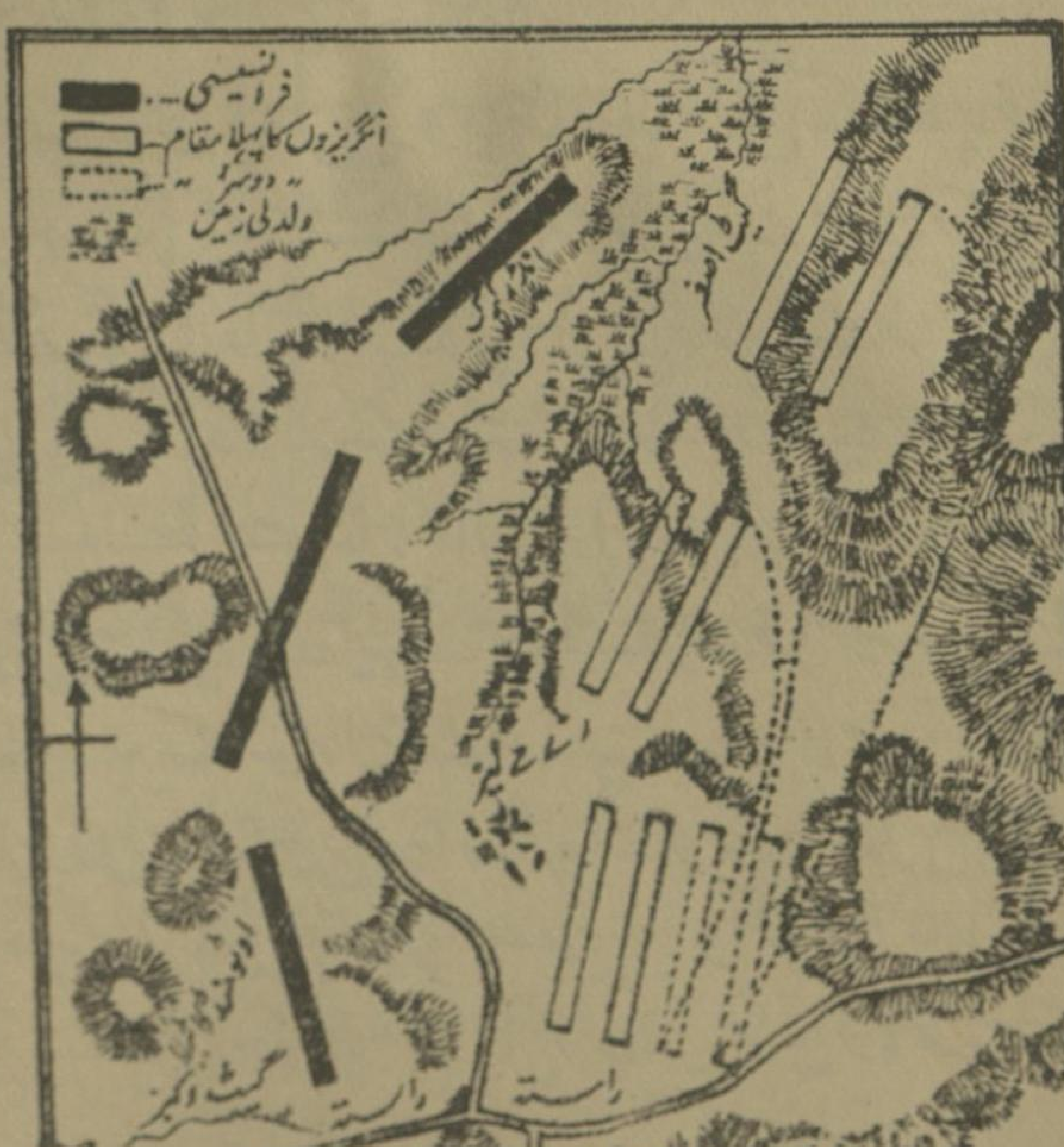
امیرہیس ڈرامٹس ٹیڈ کے ساتھ جارج رک، شوول اور جارج بنگ نامی تین سردار شریک تھے۔ چوتھی اگست کو بنگ کے دستے نے بستی پر گولے برسائے اور بیرونی مورچے اور ایک پشتے پر انگریز سپاہی جا چڑھے تو قلعے والوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اس قلعہ بند پہاڑی پر (جو بحر متوسط و ظلمات کی آبنائے کی محافظ ہے) انگلستان کا قبضہ ہو جانا بڑی اہمیت رکھتا تھا مگر اس کا ٹھیک اندازہ بہت کچھ میتھوان (اور اُس کے بیٹے پال) کی بدولت انگریزوں کو ہوا جو اُس وقت لزبن میں انگریزی سفیر تھا اور اُس کے جانشین بھی برابر اُس رائے کی تصدیق کرتے رہے۔ اسی سفیر نے انگلستان و پرتگال میں ایک دیرپا عہد نامہ طے کرایا (معاہدۂ میتھوان، مرتبہ ۱۷۰۳ء) اور اس کی رو سے انگلستان کے اُون کو بلا محصول پرتگال کی منڈیوں میں لانے کی اجازت ملی۔ اس کے عوض میں انگلستان کی منڈیوں میں پرتگیزی شراب، فرانسیسی شرابوں سے ایک تہائی کم محصول درآمد پر فروخت ہونے لگی۔ پیش نظر عہد تک زیادہ تر فرانس کی برگنڈی، کلیرٹ اور اسپین کی شیری شرابیں انگلستان میں بکتی تھیں اور اب اُن کی جگہ پورٹ کا رواج ہونے لگا۔

ندرلینڈز کی لڑائیاں

۱۷۰۵ء میں مارل برو چاہتا تھا کہ موزل کے خط پر خود فرانس میں پیش قدمی کرے) جیسے ۱۸۱۴ء میں جرمنوں نے اختیار کیا تھا) لیکن اول تو مدد کافی نہیں ملی دوسرے فرانسیسی سپہ سالار ولارز نے ایسے مضبوط مورچے بنائے کہ اُسے اپنی جگہ سے ہٹانا محال ہوا لہذا مارل برو نے یہ خیال چھوڑ کر اُن دُھسوں پر حملہ کیا جسے لیژ کے سقوط کے بعد فرانسیسیوں نے اپنے دائیں پہلو کی حفاظت کے لیے اینٹ ورپ سے نامور تک بنوا دیا تھا۔ اُنھیں انگریزوں نے چھین لیا اور اگر ولندیز سرداروں میں عملی قابلیت کا فقدان نہ ہوتا تو مارل برو فرانسیسیوں پر واٹرلو میں حملہ کرتا اور بقول خود "بلین ہیم سے بھی بڑھ کر فتح" حاصل کر لیتا۔ یہ موقع تو ہاتھ سے نکل گیا البتہ ۱۷۰۶ء میں اُسے پوری آزادی مل گئی اور اسی کی بدولت وہ رے مے لیز (رامائی ای) کی فتح عظیم حاصل کر سکا۔

باب ہشتم

معرکۂ رے مے لیز اس لڑائی میں فرانسیسی سپاہ کی تعداد ساٹھ ہزار تھی اور ویل رآ اور امیر بوبریا قیادت کر رہے تھے۔ یہ فوج ہلال کی صورت میں کھڑی تھی اور اس کا رخ اتحادیوں کی جانب تھا۔ ایک سرا رود گیٹ کے کنارے اوترا گلیس پر اور دوسرا مہین کے کنارے ٹاویرز کے قریب تھا اور جگہ نسبتۃً بلند کوہستانی تھی تو ان کے دائیں وسط پر ایک ٹیکرا واقع تھا جسے اوٹومنڈ کا ٹیلا کہتے تھے اور حقیقت میں سارے میدان کی کنجی یہی تھی۔ اسی کے قریب سے ایک قدیم رومی سڑک ان کی صفوں کے درمیان سے گزرتی تھی۔ اور صرف اسی کے خط کے سامنے زمین صاف تھی ورنہ اُن کے لشکر کے آگے ہر جگہ دلدلی زمین آگئی تھی اور اس میں دو سست ندیاں بہتی تھیں۔ اتحادیوں کی تعداد باسٹھ ہزار تھی اور وہ دلدلوں کے دوسری طرف دشمن کے بالمقابل صف آرا تھے مارل برو سمجھ گیا تھا کہ اگر وہ دلدلوں سے نہیں گزر سکتا تو فرانسیسی بھی ان سے گزر کے حملہ نہیں کر سکتے پس اس نے سب سے اول فرانسیسی جرنیلوں کو مدریح بائیں سرے پر متوجہ کیا اور پھر اونچی نیچی زمین کے عقب میں نقل و حرکت چھپا کر فوج کا بڑا حصہ رومی سڑک کے کنارے پختہ زمین کی طرف مجتمع کر دیا یہاں پہنچنے میں اُسے کم راستہ طے کرنا تھا لہذا حملے کے مقام پر اُسی کا غلبہ رہا اور اُس نے اوٹومنڈ کا ٹیلا فرانسیسیوں سے چھین لیا جہاں سے پورا فرانسیسی لشکر توپ کی زد میں تھا۔ اسی چال سے میدان اتحادیوں کے ہاتھ آیا اور فرانسیسی توپخانہ، خیمہ و خرگاہ چھوڑ کر بہت بری طرح بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کے زخمیوں مقتولوں اور قیدیوں کی تعداد پندرہ ہزار سے کم نہ تھی۔



معرکۂ رے مے لیز (مئی ۱۷۰۶ء)

باب ششم

فتح کے نتائج

یہ مقام جنگ ندرلینڈز کے جنوب مشرقی کونے پر واقع تھا اس لیے اس فتح کو بڑی سیاسی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اب مارل برو ایسے مقام پر قابض تھا جہاں سے فرانسیسیوں کے عقب میں آجانا ممکن تھا۔ فرانسیسی اپنی سرحدوں سے اتحادیوں کی نسبت زیادہ دور جا پڑے۔ اور مجبور تھے کہ "برسلز، اوس ٹینڈ، اینٹ ورپ اور گان کو یا دشمن کے حوالے کریں یا چھوڑ کر ہٹ جائیں اور خود اپنی سرحد کی حفاظت کریں جس کے مشہور شہر لیل، ٹورنے، موتز، شارلی رآ اور نامور تھے۔ مارل برو نے لکھا کہ ہم نے چار دن میں وہ کام کر لیا کہ چار برس میں بھی ہو جاتا تو ہم اسے اپنی خوش نصیبی سمجھتے" اور یہ کہ اس معرکے کے بعد سے اتنے قصبے اطاعت قبول کر چکے ہیں کہ یہ حقیقت نہیں بلکہ خواب کی سی کیفیت نظر آتی ہے۔

دوسرے اقطاع میں بھی ۱۷۰۶ء اتحادیوں کے حق میں مبارک سال ثابت ہوا۔ شہزادہ یوجین کو ٹیورن میں بڑی فتح حاصل ہوئی۔ اور اسپین میں تھوڑی دیر کے لیے خود پائے تخت میڈرڈ اتحادیوں کے قبضے میں آگیا تھا۔ جبل الطارق کی تسخیر کے بعد اسپین کی انگریزی فوج امیر پیٹر برو کی قیادت میں دی گئی جسے بجا طور پر "آخری بانکا" (Knight-errant)

پیٹر برو اسپین میں

کہتے تھے۔ اس کی قابلیت میں شک نہیں مگر سر پھرا آدمی تھا اور جوش تہور و گریز پائی میں ضرب المثل ہو گیا تھا۔ لیکن اُس کے طبعی خلوص کی ایک مثال یہ ہے کہ بقول خود روپیہ اور محنت کسی کے صرف کرنے میں کسر نہ اُٹھا رکھی کہ جس طرح ہو سکے حیلہ جو اسپینیوں اور کاہل وجود جرمنوں کو جو شہزادہ چارلس کے ساتھ لگے ہوئے تھے، بڑھائے ہوئے لے چلے۔ ان لوگوں کو وہ حقارت سے "دی آنا کی ٹکڑی" کہتا ہے۔ بہر حال ۱۷۰۵ء میں اُس نے بارسی لونا کی اہم بندرگاہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ ضلع کیٹے لونیا کا جہاں کے لوگ سب سے زیادہ چارلس کے طرفدار تھے، صدر مقام ہے۔ ولنشیا کا صوبہ بھی اتحادیوں کے ہاتھ آگیا۔ ۱۷۰۶ء میں لارڈ گالوے پرتگال کی طرف سے (براہ سلامانکا) بڑھا اور خاص میڈرڈ پر قابض ہو گیا۔

باب ہشتم

اسی عرصے میں فرانسیسیوں نے سپہ سالار تیہ کی سرکردگی میں بارسی لونا کا محاصرہ کیا اور اُس کی تسخیر میں کچھ کسر نہ رہی تھی کہ امیر البحر لیک نے اُسے غنیم کے پنجے سے نجات دلائی۔ پھر بھی پیٹر برو مدافعت کے لیے دوڑ پڑا اور دو رات تک کھلی کشتی میں انگریزی بیڑے کی جستجو کرتا پھرا۔ ملکہ نے اُسے سند عطا کر دی تھی کہ بر و بحر میں جہاں کہیں وہ اصالۃً موجود ہو، وہاں اہل فوج کو اُس کا حکم ماننا ہوگا۔ اسی بنا پر دوسری رات انگریزی بیڑے کا پتا چلانے کے بعد وہ اسے سرعت سے بارسی لونا کی طرف لے چلا مگر اُس نے تو محض نمائش کی اور لیک کے آجانے سے وہ کام فی الواقع ہو گیا۔ یعنی فرانسیسی بیڑا لیک کو دیکھتے ہی کھسک گیا اور اسی لیے بارسی لونا کو بچانے کی تعریف و تحسین کا یہی سردار مستحق ہے[۱]۔

صلح کی سلسلہ جنبانی

یہ خیال کرنا بیجا نہ تھا کہ ان فتوحات نمایاں کی بدولت فرانس کی حد سے بڑھی ہوئی قوت میں کافی کمی آگئی اور اب طبعاً صلح کا سوال پیدا ہوا۔ لوئی آمادہ تھا کہ فلپ کو نیپلز، صقلیہ، میلان اور بادشاہی خطاب مل جائے تو وہ اسپین و ندرلینڈز اور جزائر غرب الہند شہزادہ چارلس کے حوالے کر دے گا۔ ولندیزوں کو ایک دفاعی خط پر چھاؤنیاں بنانے کی اجازت اور اُنھیں اور انگریزوں کو بعض تجارتی رعایتیں دے دے گا نیز ملکہ این کی بادشاہی تسلیم کر لے گا۔ یہ شرطیں بالکل معقول نظر آتی تھیں اور ولندیز اُنھیں قبول کر لیتے مگر مارل برو کی رائے میں یہ ناکافی تھیں اور اسی کی ترغیب سے اتحادیوں نے اُنھیں مسترد کر دیا جس کی کوئی مناسب تاویل کرنی دشوار ہے۔ بہرحال جنگ کا دوسرا حصہ شروع ہو گیا اگرچہ ۱۷۰۸ء تک کوئی معرکے کی لڑائی نہیں ہوئی۔

اس عرصے میں کئی اہم واقعات وطن میں رونما ہوئے۔ ۱۷۰۲ء و ۱۷۰۳ء

تسلیم وقتی

دار العوام کی ٹوری اکثریت کو جنگ کی بھی اتنی فکر نہ تھی جتنا "تسلیم وقتی" کے قضیے میں انہماک ہو گیا تھا۔ واضح رہے کہ بلدیات اور

[۱] دیکھو تعلیق باب کے آخر میں۔

آزمائش کے قوانین کی رو سے کوئی شخص سرکاری عہدے یا بلدیات کی رکنیت نہ پا سکتا تھا جب تک کہ وہ کلیسائے انگلستان کی رسوم کے مطابق عشائے ربانی میں شریک نہ ہو۔ بہت سے پروٹسٹنٹ غیر مقلد اُسے جائز سمجھتے اور پھر اپنے فرقے کے گرجوں میں بھی حسب معمول جاتے رہتے تھے۔ خود ملکہ کے شوہر نے امارت بحری کی صدارت حاصل کرتے وقت یہ رسم ادا کی اور پھر معمول کے مطابق ایک خانگی کوٹھری گرجا میں آتا جاتا رہا۔ بلدیات کے اور بہت سے صدر، ارکان، نیز دوسرے لوگ یہی کرتے تھے اور اس طریقے کو "تسلیم وقتی" کہا جاتا تھا۔ بعض علمائے مذہب جنھیں ہوس تھی کہ سوائے اُن کے دوسروں کو عہدے نہ ملنے پائیں، اس طریقے کی شد و مد سے مخالفت کرتے تھے اور اس بات کا بھی خیال نہ کرتے تھے کہ ایسا کرنے سے خود غیر مقلدوں کی اپنے عقیدے میں خامی ثابت ہوتی ہے۔ غرض سنین مذکور میں یہ قضیہ چھڑا اور نوٹنگھم وغیرہ کی رہنمائی میں ۱۷۰۲ء، ۳ء و ۴ء میں تین مسودے پیش ہوئے کہ مذکورۂ بالا طریقہ قانوناً روک دیا جائے۔ مگر دارالامرا نے ہر دفعہ انھیں رد کر دیا کیونکہ وہاں حکومت کی طرف سے تو ان مسودوں کی کافی تائید ہوئی نہیں، اور اُسقف برنیٹ اور وھگ امرا کی ٹولی نے ان کی جم کر مخالفت کی۔

بعض اور معاملات سے بھی انتہا پسند ٹوری بہت دل برداشتہ ہوئے۔ روچسٹر اپنے ساتھ کے وزیروں سے بہت دن سے ہم آہنگ نہیں رہا تھا اور حکومت کی عام روش سے وزرا کو اس درجہ اختلاف ہو گیا تھا کہ حلیم الطبع ہارلی نے ایک بار تحریر کیا کہ "گو میں کسی کی موت کی آرزو کرنی ضروری نہیں لیکن اگر سیمور مر جائے تو مجھے یقین ہے کہ ملکہ اور قوم کا کوئی بڑا نقصان نہ ہو گا" ۱۷۰۴ء میں روچسٹر، نوٹنگھم، جرسی اور سیمور عہدوں سے الگ ہوئے۔ نئے وزیر اُن کی بجائے ہارلی معتمد شاہی اور سینٹ جون محکمۂ حرب کا معتمد بنایا گیا۔ ان میں ہارلی، ہیرفورڈشائر کے ایک زمیندار سر روبرٹ ہارلی کا بیٹا تھا۔ یہ سر روبرٹ، پرسبی ٹری عقائد کا آدمی اور چارلس اول کے خلاف لڑ چکا تھا۔ انقلاب حکومت کے وقت نوجوان ہارلی نے شہزادۂ اورنیج کے لیے

باب ششم

رسالہ بھرتی کر کے نام پایا اور چند ہی روز بعد پارلیمنٹ میں داخل ہوا۔ اسے فریقانہ انتہا پسندی اور چند رٹے ہوئے کلمات سے اُصولاً نفرت تھی اور اپنی نسبت کہتا تھا کہ میں کسی فریق کی طرف میلان نہیں رکھتا۔ مجھے کسی فریق کے وجود پر اعتراض نہیں نہ کسی فریق سے عناد ہے۔" قوت گویائی اچھی نہ تھی مگر انتظام اور سازباز میں بلا کا ہوشیار تھا۔ ۱۷۰۱ء میں پارلیمنٹ کا صدر منتخب ہوا اور اب اپنے دوست آرل بروکے اثر سے وزارت میں جگہ پائی۔

بخلاف ہارلی کے، ہینری سینٹ جون اعلیٰ اوصاف سے متصف تھا۔ تقریر و تحریر اور نظم و نسق میں اُسے نمایاں امتیاز حاصل تھا مگر اس کا کوئی اصول نہ تھا اور ٹوری فریق کے ساتھ ہو جانے کی وجہ بھی محض یہ تھی کہ اس گروہ کے زمیندار حکومت کے شاکی تھے اور سینٹ جون میں ان کی ترجمانی کرنے کے خاص اوصاف موجود تھے اور بقول خود وہ ان ٹوریوں کو شکار کھلانا جانتا تھا۔ سرکاری عہدہ لینے کے لیے بھی وہ خوشی سے تیار ہو گیا اور محکمۂ حرب کی معتمدی میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھانے کا بھی اُسے بڑا میدان ملا۔ عہدہ قبول کرتے وقت ہارلی اور سینٹ جون دونوں جنگ کے حامی تھے مگر ۱۷۰۶ء میں صلح کی گفتگو ناکام رہی تو دونوں کی آرا میں تغیر واقع ہوا۔ وزارت کی رو و بدل کے وقت مارل برو نے وھگ فرقے کے ایک نوجوان زمیندار، رابرٹ وال پول، کو بھی محکمۂ بحری میں عہدہ دلوا دیا۔ کیونکہ اُس کی رائے اور اثر کو اپنی طرف لینا ضروری تھا۔ مگر

وال پول

آگے چل کے محض معتدل ٹوریوں کو وزارت میں داخل کرنا کافی نہ ہوا بلکہ ۱۷۰۵ء کے انتخابات میں وھگ فرقے کو بہت کچھ کامیابی حاصل ہوئی تو اُن کے سرگروہوں کی ٹکڑی نے چاہا کہ مجلس وزرا میں بعض پکے وھگ لیے جائیں۔ اور اسی غرض سے امیر سنڈرلینڈ (= چارلس اسپینسر) کا نام پیش کیا جو جیمز ثانی کے پُرانے وزیر کا بیٹا تھا۔ اُس کی عمر تیس سال کی تھی۔ مارل برو کا داماد اور بہت لائق آدمی تھا مگر مزاج بہت بے ڈھنگا اور غضبناک طبیعت پائی تھی۔ بایں ہمہ ۱۷۰۵ء میں اُسے سفیر غیر معمولی بنا کے وی آنا بھیجا گیا

باب ہشتم

۱۷۰۶ء میں وہ معتمد شاہی کے عہدے پر مامور ہوا اور اسی تقرر سے نظم و نسق میں جو پہلے صریحاً ٹوری اُصول کے مطابق نظر آتا تھا، وھگ فرقے کا غلبہ نمایاں ہونے لگا۔

اسکاٹ لینڈ سے اتحاد کی تجویز

داخلی معاملات میں مارل برو کے عہد اقتدار کا بے شبہ سب سے بڑا کام یہ تھا کہ انگلستان و اسکاٹ لینڈ میں وضع قوانین کو ایک کر دینے کی تحریک شروع ہوئی۔ جیمز اول کی بادشاہی کے وقت سے ان ملکوں میں علٰحدہ علٰحدہ پارلیمنٹیں قائم تھیں اور کروم ویل کے چند روزہ عہد کے سوا، شروع سے یہ ایک دوسرے سے جدا اور خود مختار رہے تھے۔ یہ انتظام اچھی طرح نہیں چلا اور دونوں ملکوں کو ایک دوسرے سے بعض شکایتیں پیدا ہوئیں۔ اسکوٹوں کو سب سے زیادہ شکایت یہ تھی کہ انگلستان کے قوانین جہاز رانی کے باعث ہمیں انگریزی نوآبادیوں کے ساتھ تجارت کی آزادی نہیں اور دوسرے محض انگلستان کی حکمت عملی کے مطابق ہمیں بھی جنگ کے جوکھوں میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ یہ ناراضیاں ڈے رئین تجاویز کی ناکامی سے اور زیادہ بڑھ گئیں جس کی شرح یہ ہے کہ ۱۶۹۳ء میں اُنھوں نے اپنی پارلیمنٹ کی منظوری سے افریقہ اور شرق الہند میں تجارت کرنے کی غرض سے ایک کمپنی قائم کی۔ ولیم پیٹرسن جو انگلستان کے بینک (ساہوکاری کوٹھی) کے بانیوں میں تھا، مذکورۂ بالا کمپنی بنانے میں پیش پیش رہا اور اسی نے خاکنائے ڈے رئین کو آباد کرنے اور وہاں نئی دُنیا کی ایسی ہی بڑی مرکزی منڈی بنانے کی، جیسی پرانی دُنیا میں اسکندریہ بن گئی تھی، کثیر العواقب تجاویز مرتب کی تھیں۔ اسکاٹ لینڈ والوں نے یہ سوال بہت ذوق شوق سے اُٹھایا اور پیٹرسن نئی کمپنی کے مستقبل کی نسبت بہت ہی امید افزا اطلاعیں شایع کر رہا تھا جس سے ولندیزوں اور انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کو حسد پیدا ہو گیا۔ اس کمپنی کو معلوم تھا کہ گویہ نیا کارخانہ اسکاٹ لینڈ والوں کے نام سے قائم ہوگا لیکن اس شرکت میں بہت سے انگریز حصہ دار بھی ہیں اور اسی لیے وہ ڈری کہ ممالک مشرق میں اُس کے

تجارتی اوارے کی خیر نہ ہوگی۔ اُدھر جدید کمپنی نے چار لاکھ پونڈ اسکاٹ لینڈ میں جمع کرکے تین مضبوط جہاز اور دو ہمرکاب کشتیاں تیار کرلیں اور بیوی بچوں کے علاوہ، بارہ سو تندرست مرد لیتھ کی بندرگاہ سے جولائی ۱۶۹۸ء میں نئی آبادی بسانے روانہ ہوگئے۔ دوسرے سال چند اور جہاز بھی روانہ ہوئے اور آبادکاروں نے خاکنائے ڈےرین میں اُتر کے پناما کے قریب سینٹ اینڈرو کے نام پر ایک حصار تعمیر کیا۔ لیکن یہ سارا منصوبہ کلیتہً ناکام ثابت ہوا جس کا سبب یہ کہ زمین کاشت کرنے کی بجائے آبادکاروں نے ساری قوت سونے کی بیکار تلاش میں خرچ کردی۔ آب و ہوا کی خرابی سے صدہا آدمی بخار کا لقمہ ہوئے۔ امریکہ اور عرب الہند کے انگریز آبادکار اس نوآبادی کے دشمن تھے۔ اُنھوں نے جہاز رانی کے قوانین کی لفظاً لفظاً ایسی پابندی کی کہ نوواردوں کو روٹی بہم پہنچانے سے بھی انکار کردیا۔ یہ اسباب منصوبے کو بگاڑنے کے لیے کافی تھے۔ ان سب پر مستزاد یہ ہوا کہ اسپین والوں نے اس علاقے کو اپنی ملکیت بتایا اور یہ سمجھ کر کہ نئی نوآبادی اسپین کی نوآبادیوں سے تجارت کرنے کے لیے بسائی جارہی ہے، جو اسپین کے قوانین کے خلاف تھا، وہ بھی طبعاً اس کے خلاف ہوگئے۔ اور ۱۷۰۰ء میں اُسے گھیر کر سامان رسد بند کردیا۔ فاقہ کشی کی نوبت پہنچی تو اسکوٹ آبادکاروں نے مجبوراً اپنے آپ کو اسپین والوں کے حوالے کردیا اور جو لوگ زندہ رہ گئے تھے، وہ بمشکل اپنے وطن واپس آئے اور انھی میں پیٹرسن بھی تھا۔ اگر جملہ حالات حسب دلخواہ ہوتے، تب بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ منصوبہ کیونکر کامیاب ہوسکتا تھا کیونکہ اس وقت اسکاٹ لینڈ والوں کے پاس ایسے تجارتی وسائل نہ تھے کہ بطور خود تجارت کی بارونق منڈی قائم کردیتے۔ بہرحال، اس کی ناکامی سے بہت لوگوں پر سخت مصیبت پڑی اور اس میں انگریزوں کی علانیہ دشمنی سے اضافہ ہوا اور خواہی نخواہی دونوں ملکوں کے تعلقات نہایت کشیدہ ہوگئے۔ حتّٰی کہ انگریز یہ سوچنے لگے کہ این کی وفات کے بعد قانون تصفیۂ وراثت کی رو سے جو شخص اس کا جانشین ہو،

بہت ممکن ہے کہ اسکاٹ لینڈ والے اسے قبول نہ کریں اور بادشاہی کی وحدت کا خاتمہ ہو جائے۔ اور اُدھر اسکوٹوں کو خوف ہوا کہ اگر دونوں ملکوں کی مجلس وضع قوانین (یا پارلیمنٹ) ایک ہو گئی تو اسکاٹ لینڈ کے پرس بی ٹری مذہب میں خرابیاں پڑیں گی۔ ہمارے قوانین اور رسم و رواج میں تغیر کیا جائیگا اور انگریزوں کا قومی قرضہ ادا کرنے کے لیے ہم پر نئے نئے محصول عاید ہوں گے۔

واضح رہے کہ شاہ ولیم خوب سمجھتا تھا کہ دونوں ملکوں کی شکایتوں کا بہترین سدباب اسی طرح ہو سکتا ہے کہ دونوں پارلیمنٹیں ملا کر ایک کر دی جائیں، اور دونوں میں تجارت کی کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ چنانچہ اپنے بستر مرگ پر اس نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ دونوں ملکوں کے وکلا جمع ہو کر اتحاد کی شرطیں طے کریں۔ این کے زمانے میں اس پر عمل ہوا اور گو اتحاد کی اجمالی ضرورت پر بھی وکلا متفق الرائے تھے، لیکن مالی تفصیلات میں اختلاف رہا اور اُن کے اجلاس کا سلسلہ روک دیا گیا۔ اس پر بھی اہل اسکاٹ لینڈ چراغ پا ہوئے اور ۱۷۰۳ء میں اُن کی پارلیمنٹ نے بہت مخالفانہ روش ظاہر کی۔ یعنی یہ قرارداد منظور کی کہ ہمارے ملک میں اصلی عیسائی مذہب پرس بی ٹری طریقہ ہے۔ ایک قانون تحفظ تیار کیا جس کا منشا یہ تھا کہ اسکاٹ لینڈ کی پارلیمنٹ کو حق ہے کہ جب تک حکومت کے ایسے آئین مقرر نہ ہو جائیں جس سے پوری طرح اطمینان ہو جائے کہ اسکاٹ لینڈ والوں کی تجارت، آزادی یا مذہب پر کوئی آسیب نہ آئے گا، اس وقت تک چاہے تو انگلستان کے نامزد کردہ بادشاہ کو قبول کرے یا نہ قبول کرے۔ اسی کے ساتھ اسکاٹ لینڈ کے وزیروں کو نامزد کرنے کا اختیار بادشاہ سے لے کر اپنی پارلیمنٹ کے حوالے کرنے کی بھی تجویز کی گئی۔

سومرس کا قانون یہ کیفیت دیکھ کر سومرس کی رہنمائی سے انگلستان کی پارلیمنٹ میں ایک قانون وضع کیا گیا جس سے اسکاٹ لینڈ والوں کو معلوم ہو جائے کہ بادشاہی کی علیحدگی کا منطقی نتیجہ کیا ہو گا۔ اس میں درج تھا کہ

باب ہشتم

اگر ۱۷۰۵ء کے اخیر تک اسکاٹ لینڈ میں وراثت بادشاہی کا فیصلہ نہ ہو جائے تو سنہ مذکور کے بڑے دن کے بعد سے اسکاٹ لینڈ کا ہر باشندہ جو انگلستان میں مستقل طور پر آباد نہیں ہو گیا ہے یا شاہی افواج میں ملازم نہیں ہے۔ غیر ملکی آدمی شمار ہوگا اور اسی تاریخ کے بعد سے اسکاٹ لینڈ کے مویشی، کوئلہ اور سوتی کپڑا انگلستان میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اسی کے ساتھ بروک وغیرہ شمالی سرحد کے چار بڑے قلعوں کی مرمت اور چار ملی شمالی اضلاع کی فوج بے قاعدہ کو فوجی مشق کرانے کے احکام صادر کر دیے گئے۔ ان کارروائیوں سے اسکاٹ لینڈ والوں کو نظر آگیا کہ انگلستان اپنی بات منوانے پر تلا ہوا ہے اور انھوں نے دوبارہ ناظر یا وکلا مقرر کرنے کی منظوری دے دی اور ادھر یہ منظوری ہوتے ہی قانون سوم کی معاندانہ دفعات بلا تاخیر منسوخ کر دی گئیں۔

شرطیں اور اتحاد کی تکمیل

باہمی فیصلے میں، پہلے کی طرح، اس مرتبہ بھی سب سے بڑی مشکلات مذہب، قانون اور محاصل کے بارے میں پیش آئیں۔ مگر ان سب مسائل میں انگریز دب گئے اسکاٹ لینڈ کے مذہب، قوانین اور طریق دادرسی کے علی حالہ رہنے کا اطمینان کر دیا گیا دونوں ملکوں کی زیر باری کو برابر کر دینے کی غرض سے انگلستان نے ۳۹۸،۰۰۰ پونڈ، اسکاٹ لینڈ کو دیے کہ اپنا قومی قرضہ اور ڈیرین کمپنی کے حصہ داروں کی رقم ادا کر دی جائے۔ تمام تجارتی آسانیاں جو انگلستان کو حاصل تھیں، بلا استثنا اسکاٹ لینڈ کو دے دی گئیں۔ انگلستان کی پارلیمنٹ جو میعادی محاصل پہلے عائد کر چکی تھی، اُن سے اسکاٹ لینڈ کو معاف رکھا گیا۔ بیس ہزار پونڈ بھیج کر اسکاٹ لینڈ کے سرکاری ملازمین کی تنخواہیں ادا کی گئیں اور یہی کارروائی تھی جس کو بعض اوقات رشوت دینے کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ ان سب کے معاوضے میں اسکاٹ لینڈ والے رضامند ہو گئے کہ دونوں متحدہ ملکوں کا نام برطانیۂ کلاں رکھا جائے۔ اُن کی علیحدہ کوئی پارلیمنٹ نہ ہو بلکہ اضلاع اسکاٹ لینڈ کے پینتالیس نمائندے دارالعوام میں اور ہر عام انتخاب کے وقت از سر نو انتخاب کیے ہوئے سولہ امرا، دارالامرا میں داخل ہوں اور اسکاٹ لینڈ میں

باب ہشتم

کوئی نیا آدمی امیر نہ بنایا جائے۔

وکلا کی بحث و گفتگو ہو چکی تو انھی آرا کی بنا پر ایک قانون اسکاٹ لینڈ کی پارلیمنٹ میں پیش ہوا اور وہ خفیف ترمیم کے ساتھ منظور کر لیا گیا۔ انگلستان کی پارلیمنٹ میں یہی مسودہ پیش ہوا تو ملکہ نے تمہیدی تقریر میں ارکان کو جتایا کہ "یہ موقع ہے کہ آپ دونوں سلطنتوں کا مبارک اتحاد تکمیل کو پہنچا دیں، جو امید ہے کہ پورے جزیرے کے حق میں آیۂ رحمت ثابت ہوگا اور اُس کی دولت و قوت میں اضافہ اور پروٹسٹنٹ مذہب میں مزید پختگی پیدا کرے گا۔" انھی جذبات کے ساتھ مسودے پر غور ہوا اور اسکاٹ لینڈ کی طرف سے جو ترمیمات پیش ہوئی تھیں، وہ سب بے تامل قبول کر لی گئیں۔ ملکہ کی آخری منظوری کے بعد ۲۳ اکتوبر ۱۷۰۷ء کے دن برطانیۂ کلاں کی متحدہ پارلیمنٹ کا پہلا اجلاس ہوا۔

یہ اتحاد اُس وقت اور کچھ عرصے بعد تک اسکاٹ لینڈ میں عام طور پر مقبول نہ تھا۔ ۱۷۰۶ء میں عوام کے ایک مجمع نے اُس تحریر کو جس میں اتحاد کی شرائط طبع کی گئی تھیں، آگ لگا دی۔ امرا اور یعقوبی فرقے کی خاصی بڑی تعداد اُس کی مخالف تھی اور غالباً چند سال تک یہ ناراضی گھٹنے کی بجائے بڑھتی رہی جس کا بڑا سبب یہ ہوا کہ بہت سے انگریز عہدہ دار اسکاٹ لینڈ میں بھر دیے گئے لندن کی پارلیمنٹ کے اسکوٹی ارکان کے ساتھ بہت بے شعوری کا سلوک کیا گیا اور ۱۷۱۲ء میں اُن کی خواہش کے خلاف قانون امتناع وضع کیا گیا جس سے کلیسائے اسکاٹلینڈ میں شخصی ولایت و سرپرستی کی رسم دوبارہ جائز ہوگئی۔ لیکن خوش قسمتی سے حکومت برطانیہ نے اس طرز عمل کی حماقت کا جلد اندازہ کر لیا اور وال پول نے برسر اقتدار آتے ہی پورا اہتمام کیا کہ اسکاٹ لینڈ میں وہیں کے باشندوں سے کام لینے کی نظیر قائم کر دی جائے اور ان شمالی برطانویوں کے جذبات و تعصبات کا پورا لحاظ رکھا جائے، تب، خواہی نخواہی وضع قوانین کی وحدت کے مستقل فوائد پر انصاف سے غور ہوا اور اُن سے رفتہ رفتہ اسکاٹ لینڈ والوں کے دل میں انگریزوں کی محبت نہیں تو کم سے کم قدر ضرور رہو گئی۔ واقع میں دونوں قوموں کو

اس انتظام سے بڑا نفع ہوا تھا کہ انگلستان تو ہر وقت کے خطرے سے چھوٹ گیا اور اسکاٹ لینڈ کو انگلستان اور نو آبادیوں سے آزادانہ تجارت میں بہت منافع رہا جس کے مقابلے میں محض ایک قومی جذبے کی خفیف سی قربانی کچھ زیادہ نہ تھی خصوصاً جب کہ مذہب و قانون کے متعلق اس کے محسوسات کا پورا لحاظ کر لیا گیا تھا۔ دولت کے اعتبار سے تو بے شبہہ اتحاد نے اسکاٹ لینڈ کو مالا مال کر دیا مگر اس اتحاد سے فائدہ اُٹھانے کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ وہاں کی قومی پارلیمنٹ چند ہی سال پہلے یعنی ۱۶۹۷ء میں ایک قانون منظور کر چکی تھی جس کی رو سے ملک کے ہر کلیسائی حلقے میں ایک مدرسہ بنا اور کم سے کم ایک مدرس نوکر رکھا گیا تھا۔ قومی تعلیم کا یہی نظام تھا جس کی بدولت اسکاٹ لینڈ کو مدت تک یہ شہرت حاصل رہی کہ یورپ کے کاشتکاروں میں سب سے اچھے تعلیم یافتہ اسکاٹ لینڈ کے کسان ہیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ زندگی کے ہر شعبے میں جہاں تعلیم کی ضرورت ہے، دُنیا کے سب ملکوں میں اہل اسکاٹ لینڈ کو اپنے تناسب تعداد سے کہیں زیادہ دخل حاصل ہے۔ اتحاد کے نئے مواقع سے جس حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ان لوگوں نے فائدہ اٹھایا، اس کی وجہ بھی اسی عام تعلیم کے افتتاح و رواج کو سمجھنا چاہیے اور گلاسگو کی یوماً فیوماً توسیع و ترقی، نیز میدانی اضلاع کے صنعتی کارخانوں کا بڑھتے چلے جانا، ان سے بہت جلد تجارتی فلاح و بہبود کا حال بداہتہً عیاں ہونے لگا۔ خود اہل انگلستان کے خیالات میں اسکاٹ لینڈ والوں خاص کر وہاں کے کوہستانیوں کی نسبت جو تبدیلی ہوئی، وہ بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی کہ وہی پہاڑی لوگ جو انگلستان کے حق میں قہر الٰہی سمجھے جاتے تھے، سو برس کے اندر قوم کا نہایت ہر دل عزیز عنصر بن گئے۔ پھر خود ہمارے زمانے میں اس موانست میں مزید ترقی یوں ہوئی کہ ان پہاڑوں کے مناظر عام طور پر پسند کیے جانے لگے۔ انھیں دیکھنے ہزاروں انگریز سالانہ وہاں جانے لگے اور بال مورل میں دربار شاہی کا مستقر بن گیا۔ زمانہ گزشتہ میں دونوں قومیں بارہا سخت لڑائیاں لڑی تھیں۔ لیکن کسی نے نامردی نہیں دکھائی تھی، لہٰذا اب ان معرکوں کے کارنامے دونوں کی متحدہ قوم کی

باب ہشتم

نظر میں قابل فخر و مباہات ہو گئے اور فیصلہ کر لیا گیا کہ زمانۂ ماضی کی ہر ایسی بات جس سے عہد حاضرہ کی محبت و یک جہتی میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو نسیاً منسیا کر دی جائے گی اور ان سب اسباب نے مل کر اس قومی اتحاد کو کامل و دوامی شے بنا دیا۔

مدعی تخت

تکمیل اتحاد کے دوسرے سال، جبکہ اہل اسکاٹ لینڈ میں اُس کی طرف سے ناخوشی پائی جاتی تھی، شاہ فرانس نے اسکاٹ لینڈ کے یعقوبیوں کو بھڑکا کے بغاوت کرانے کی کوشش کی۔ منصوبہ بہت خوبی سے بنایا اور یہ کام فرانس کے بہترین جہاز راں فوربن کے تفویض ہوا کہ ڈنکرک سے تخت انگلستان کے نوجوان مدعی کو لے کر چلے اور چار ہزار جوانوں کے ساتھ فورتھ کی کھاڑی میں لنگر ڈالے جہاں مقامی انگریزی فوج کا شمار سترہ سو تھا اور امید تھی کہ اُسے آسانی سے شکست دیدی جائیگی اور اس علاقے کے لوگ گرمجوشی کے ساتھ مدعی کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ لیکن شہزادے کے چیچک نکل آئی مہم کو ایک ہفتے انتظار میں ٹھیرنا پڑا اور حکومت انگلستان کو بر وقت خبر مل گئی۔ چنانچہ فوربن کے پانچ جہازوں کے عقب میں بنگ سولہ جہاز لے کے روانہ ہو گیا اور اس بیشی کے مقابلے میں فوربن کے بنائے کچھ نہ بنی۔ بنگ نے فورتھ کی کھاڑی پر اُسے جا لیا اور اُس نے ایک جہاز کا نقصان اُٹھا کے خود بچ جانا اور مدعی کو بخیریت واپس فرانس لے آنا ہی غنیمت خیال کیا۔

بری معرکے

سنہ ۱۷۰۷ء میں فرانسیسیوں نے فلینڈرس، جرمانیہ اور سب سے بڑھ کر اسپین میں خلاف امید پے در پے نمایاں فتوحات حاصل کیں مگر سنہ ۱۷۰۸ء میں مارل برو اور یوجین کی فوجیں اول الذکر علاقے میں ایک دوسرے سے مل گئیں پورے شد و مد سے مقابلہ ہونے لگا۔ موسم بہار کے شروع ہی میں دشمن کو گانٹ اور بروژ پر وہاں کے بعض باشندوں کی مدد سے دوبارہ قبضہ مل گیا تھا اور ان تک آمد و رفت کا پورا اطمینان رکھنے کی غرض سے اب وہ قلعۂ اوڈنارڈ کا محاصرہ کر رہے تھے۔ یوجین کی فوج نہ پہنچ سکی لیکن وہ خود بعجلت بڑھ کر مارل برو سے آملا اور

اب یہ دونوں قلعے کو دشمن سے چھڑانے آگے بڑھے۔ فرانسیسی سپاہ امیر کبیر والان دوم اور لوئی کے پوتے شہزادۂ برگنڈی کی زیر قیادت تھی۔ والان دوم نہایت عمدہ قابلیت کا سپاہی تھا مگر اُس کی بے رحمی دیکھ کر نوجوان شہزادہ بیزار ہو گیا تھا۔ اسی لیے اُن کی رائے میں ہم آہنگی نہ رہی تھی۔ بخلاف اس کے یوجین اور مارل برو دوسرے مقامات کی طرح، یہاں بھی پوری یک جہتی سے کام کر رہے تھے۔ اصلی معرکہ خود اودنارد کے قریب پڑا جبکہ دونوں فوجیں پیش قدمی کر رہی تھیں اور کوئی باقاعدہ مورچے وغیرہ بنانے کی نوبت نہ آئی تھی۔ لڑائی میں یوجین اور مارل برو تو بالاتفاق مشترکہ فتح کی کوشش میں منہمک رہے لیکن والان دوم کے احکام کو دو مرتبہ اُس کے نوجوان و ناتجربہ کار شریک نے اُلٹ اُلٹ دیا۔ انھی وجوہ سے اتحادیوں کو شکست کامل نصیب ہوئی۔ مارل برو تو اسی سلسلے میں خود فرانس میں گھُس جانے کو ترجیح دیتا لیکن لیل کے تسخیر ہونے سے قبل ایسی جرأت یوجین تک کو مناسب نہ معلوم ہوئی۔ چنانچہ اتحادیوں نے پہلے لیل کا محاصرہ کیا۔ اصل محاصرے کا کام یوجین کے تفویض ہوا اور اُس کی حفاظت مارل برو نے اپنے ذمے لی۔ شہر کی مدافعت سپہ سالار بوفلے کے ہاتھ میں تھی جو پہلے نامور کا

محاصرۂ لیل

قلعہ دار تھا اور سارے یورپ کی نگاہیں ادھر لگ گئی تھیں۔ مارل برو بھی ظاہر ہے کہ بیرونی حملوں کو روکنے ہی کے کام میں رہا اور وی نن ڈیل کے معرکے کے سوا اُسے کوئی خاص لڑائی نہ لڑنی پڑی۔ وی نن ڈیل میں اُس کے دو بہترین سردار، ویب اور کیڈوگن اُسی بے جگری سے جیسی کہ ایک زمانے میں سر جان فیس ٹولف (صفحہ ؟) سے ظہور میں آئی تھی۔ دشمن کی کثیر تر تعداد کے مقابلے میں نکلے اور سامان رسد کے قافلے کو بچا لیا۔ محاصرہ ۲۲ر اگست سے ۹ر دسمبر تک رہا، جس کے بعد بوفلے نے ہر ممکن تدبیر کرنے کے بعد قلعہ حوالے کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی بروژ اور گال بھی دوبارہ اتحادیوں کے ہاتھ آ گئے۔

مال پلا کے

۱۷۰۹ء میں لوئی نے فوج کی قیادت ویل یار کے تفویض کی۔

باب ہشتم

یہ وہ صدر سپہ سالار تھا جس نے ۱۷۰۸ء میں کامیابی سے موز یل پر دشمن کو روکا تھا اور گو اس کی سپاہ تعداد میں اتحادیوں سے کم تھی، تاہم اُسے وِلّار نے اس خوبی سے جمایا تھا کہ مارل برو اور یوجین حملے کی جرأت نہ کر سکے۔ بلکہ (۷ جولائی کو) ٹور نے کا محاصرہ کرنے پر قناعت کی۔ ۳۰ ستمبر کو یہ قلعہ تسخیر ہو گیا۔ گزشتہ سال بوفلے نے جیسی پامردی دکھائی تھی، اس کے مقابلے میں یہاں کی مدافعت کمزور نظر آتی ہے۔ پھر اتحادیوں نے مونز کو آگھیرا اور اسی کو بچانے کی غرض ویلیار و بوفلے، نوے ہزار سپاہی لے کر چلے اور دو جنگلوں کے درمیان مال پلاکے کے قریب پڑاؤ ڈالا اور خندقوں اور شہتیروں کے دمدمے بنا کے بہت مضبوط مورچے تیار کر لیے۔ اسی پڑاؤ پر ۱۱ ستمبر کے دن مارل برو اور یوجین نے برابر کی تعداد سے اُن پر حملہ کیا اور اتنی سخت لڑائی ہوئی کہ اس پوری جنگ کے زمانے میں کہیں نہ ہوئی تھی۔ مارل برو اور یوجین دونوں سب سے اگلی صفوں میں لڑے اور یوجین کے ماتھے پر گولی کا زخم آیا۔ ویلیار گھٹنے پر زخم کھا کے بیکار ہو گیا۔ اتحادیوں میں لارڈ ٹلی بر ڈین کے اسکوٹی پہاڑیوں (باشندگان آتھول) نے اور دوسری جانب آئرستانی جلاوطنوں کے جیش نے جو فرانسیسیوں کی طرف سے لڑنے آیا تھا، بہت نام پایا۔ دونوں طرف سخت نقصان ہوا مگر حملہ آوروں کے کہیں زیادہ آدمی مارے گئے۔ بایں ہمہ فرانسیسی قلب میں اتحادی گھس گئے اور بوفلے کو ترتیب میں خلل آئے بغیر لڑتے ہوئے پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس خونیں معرکے میں فرانسیسیوں کے ۱۲ ہزار اور اتحادیوں کے کم سے کم بیس ہزار سپاہی کام آئے البتہ اس خوفناک قربانی سے مونز کے محاصرے میں آیندہ خلل واقع نہ ہوا اور ۲۰ اکتوبر کو وہاں کی مقامی فوج نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس طرح لیل، ٹورنے، اور مونز تینوں پر اتحادیوں کا قبضہ ہو گیا اور فرانس کے اندر داخل ہونے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔

اسپین کی لڑائیاں

اسپین میں قسمت نے بہت سے پلٹے کھائے۔ ۱۷۰۵ء میں پیٹر برو کو والیس بلا کے سپہ سالار اسٹین ہوپ کو

بھیجا گیا تھا لیکن وہ ابھی بارسی لونا ہی میں رکا ہوا تھا کہ کیسٹیل کی اتحادی فوج پر فرانسیسیوں نے حملہ کیا۔ ان کا سپہ سالار شہزادہ بروک رفتہ رفتہ فرانسیسی سپاہ کا بہترین سردار ہوتا جاتا تھا اور المانزا میں سخت ہزیمت کھا کے آیا تھا۔ بارے یہاں کی لڑائی سے وسطی صوبے پھر شہزادۂ فلپ کے قبضے میں آ گئے اور اب جنگ میں اراگون اور کیسٹیل کی وہی پرانی رقابت کا رنگ آ گیا کہ اراگون اور اُس کے بڑے شہر بارسی لونا اور ویلنشیا تو شہزادہ چارلس کا دم بھرتے تھے اور کیسٹیل کا علاقہ جس کا صدر مقام میڈرڈ تھا، فلپ کے ساتھ تھا۔ تاہم ۱۷۰۸ء میں اسٹے ٹارم برگ اور اسٹین ہوپ کی قیادت میں اتحادی سارڈینیا کے لینے میں کامیاب ہوئے اور اسی سال انگریز سپہ سالار نے پورٹ ماہون پر قبضہ کر کے جزیرۂ منورکا کو انگریزوں کے لیے محفوظ کر دیا۔ بحر متوسط کی بہترین بندرگاہ اسی جزیرے میں تھی اور اس کی تسخیر اسٹین ہوپ کے نزدیک بحر متوسط کے تمام ممالک کو امن و جنگ، دونوں حالتوں میں، اپنے قانون کا پابند بنانے کے لیے کافی تھی۔ البتہ اطالیہ میں یوجین کے چلے جانے سے فرانس کا پلہ بھاری رہا۔ مگر کسی فریق کو بھی کامل غلبے کی توقع نظر نہ آتی تھی اور مال پلاکے کی لڑائی سے ثابت ہو گیا تھا کہ فرانسیسی سپاہی اور اُس کے سرداروں کا دم خم وہی ہے جو پہلے تھا۔ تاہم لوئی جنگ ختم کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کی افواج کو ہر جگہ ناکامی نصیب ہوئی۔ اُس کا خزانہ بے حد ابتر حالت میں تھا اور وہ کچھ روز سے اتحادیوں میں جس کسی کے ساتھ موقع ملتا، صلح کی سلسلہ جنبانی کرتا تھا۔ اب بھی اس نے ۱۷۰۶ء کی شرطوں کو تمام و کمال تسلیم کرنے کے علاوہ یہاں تک آمادگی ظاہر کی کہ اسپین کی بادشاہی کے تمام دعاوی سے دست بردار ہو جائے گا۔ لیکن اتحادی اُسے اور دبانے کے خواہشمند تھے اور اُس کی تحریک کے جواب میں انھوں نے یہ نامعقول مطالبہ پیش کیا کہ لوئی اپنے پوتے کے دعاوی سے تبرا کرنے کے ساتھ اُسے اسپین سے جبراً نکال دینے میں عملی حصہ بھی لے۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی خوددار بادشاہ ایسی فرمائش قبول

باب ششم

نہ کرسکتا تھا۔ لوئی نے جواب دیا کہ اگر مجھے تلوار ہی چلانی ہے تو اپنی اولاد کی بجائے دشمنوں پر وار کرنے کو ترجیح دوں گا۔" چنانچہ لڑائی جاری رہی۔ اتحادیوں کو اپنی ضد سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا اگرچہ مارل برو نے فرانس میں پیش قدمی کی اور ۱۷۱۰ء میں دوآ اور ۱۷۱۱ء میں بوشین کے قصبے چھین لیے لیکن اسپین میں اتحادیوں کو شدید ہزیمتیں ہوئیں اور اسٹین ہوپ نے ابتدا میں دو معرکے جیت کر بالآخر سپہ سالار وان دوم کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اس نامور سپہ سالار کو لوئی نے اپنے پوتے کی بگڑتی ہوئی قسمت بنانے کی غرض سے اسپین روانہ کیا تھا۔

وزرا کی ریشہ دوانیاں اب ہمیں وطن کے معاملات پر توجہ کرنی چاہیے۔ ۱۷۰۸ء کے انتخابات ایسے موقع پر ہوئے جب کہ مدعی تخت نے اسکاٹ لینڈ میں فوج اُتارنے کی کوشش کی تھی اور لوگ بہت پریشان وخوف زدہ ہو رہے تھے۔ لہٰذا وہگ فرقے کو فائدہ پہنچا اور وزارت میں بھی مزید تبدیلیاں کرنی پڑیں۔ کچھ مدتوں سے وزیروں کے باہمی تعلقات بھی کچھ خوشگوار نہ تھے۔ ۱۷۰۸ء کی ایک تحریر میں گڈولفن فریاد کرتا ہے کہ میری زندگی کے مقابلے میں جنگی جہاز چلانے والے غلاموں کی زندگی بھی جنت نظر آتی ہے۔ فساد کی جڑ ہارلی تھا اور اسی خلقی سازشی نے محل سرا کے ایک قضیے کو اپنی اغراض کے حصول اور ساتھیوں کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ بنایا تھا۔ اصل یہ ہے کہ ولیم کے عہد میں بیگم مارل برو نے ایک مفلوک الحال چچا کی اولاد پر ترس کھایا اور ملک میں مختلف خدمات پر نوکر رکھوا دیا تھا۔ ایک کو فوج میں سرداری مل گئی۔ ایک کو کروڑگیری کا عہدہ ملا۔ ایک لڑکی خُردسال شہزادہ گلوسٹر کے توشک خانے میں اعزازی جامہ شو مقرر ہوئی اور ایک اور لڑکی، مسماۃ ابی گیل، خود شہزادی این کی خوابگاہ کی باری دار بنا دی گئی اور اُس کے تخت نشین ہونے کے بعد بھی اسی خدمت پر فائز رہی۔ یہ ابی گیل بہت خوش مزاج اور شیریں ادا عورت تھی۔ تھوڑے ہی دنوں میں ملکہ جسے بیگم مارل برو کے مغرورانہ طور نا گوار گزرنے لگے تھے،

باب ششم

ابی گیل پر مہربان ہوگئی۔ اس کی مصاحبت اور اُس کی محبت کے قصوں سے دلچسپی لینے لگی اور جب اُس کی شاہی باری دار فرانسس میشیم سے شادی ہوئی تو ملکہ نے مجلس عروسی کو اپنی شرکت سے اعزاز بخشا۔ بیگم مارل برو ملکہ کی یہ عنایتیں دیکھ کر سخت جز بز ہوئی لیکن اُس نے ابی گیل کو نقصان پہنچانے کی جو کوششیں کیں، اُن سے اُلٹا اُسے فائدہ پہنچا اور نیک دل ملکہ کو سخت صدمہ ہوا کہ بیگم مارل برو اپنی عمزاد بہن کے ساتھ ایسا عناد رکھتی ہے اور اُسے تباہ کرنے کی فکر میں ہے۔

لیکن اس تمام قضیے کو سیاسی اہمیت اس لیے حاصل ہوئی کہ ابی گیل، وزیر ہارلی کی بھی قریبی بہن تھی اور اُس نے مارل برو اور گڈول فن کا اثر ہٹانے کی غرض سے ابی گیل کو محل سرائے شاہی میں گویا اپنا وکیل بنالیا تھا۔ وہ خود اس مقصد کے لیے یہ کوشش کرتا رہتا تھا کہ ملکہ کو جو کلیسا کی سود و بہبود کی ہر وقت فکر رہتی تھی، اس سے فائدہ اُٹھائے۔ اسی فکر نے ملکہ کو ہمیشہ ٹوری فریق کی طرف مائل رکھا جسے وہ "کلیسائی فریق" کہا کرتی تھی۔ لیکن وزیروں کے اثر سے آزاد ہونے کی پہلی علامت یہ تھی کہ اُس نے اُن سے مشورہ لیے بغیر کئی ٹوریوں کو اسقف مقرر کر دیا۔ یہ دیکھ کر گڈول فن اور مارل برو بہت گھبرائے اور اُنھوں نے اپنے سازشی خواجہ تاش کو موقع ملتے ہی معزول کرنے کی ٹھان لی۔ اتفاق سے انھی دنوں ہارلی کے دفتر کا ایک منشی مدعی تخت کو سرکاری کاغذات کی نقل بھیجنے کے جرم میں پکڑا گیا۔ ہر چند کمال غفلت کے سوا ہارلی کا اس میں کوئی قصور نہ تھا تاہم اُس کی وفاداری کو مشکوک کرنا ممکن ہوگیا۔ پھر بھی ملکہ اُس کی حمایت پر جمی رہی اور اُسے مجبور کرنے کے لیے گڈول فن اور مارل برو خود استعفا دینے پر تیار ہوگئے۔ آخر اُن کی چال چل گئی۔ فروری ۱۷۰۸ء میں ہارلی اور پھر اسی سلسلے میں سینٹ جان وغیرہ کئی ٹوری وزیر مستعفی ہوئے اور ان کی جگہ وھگ فریق کے اشخاص مقرر کیے گئے۔ ان میں قابل ذکر وال پول ہے جو سینٹ جان کی بجائے مقرر کیا گیا۔ اب وزارت عملاً وھگ ہوگئی تھی لیکن وھگ اُمرا کی "ٹکڑی" کو اصرار تھا کہ اور قوت حاصل کی جائے۔ انھیں

باب ہشتم

سب سے بڑا اتھیار امارت بحری کے محکمے سے ملا جہاں شہزادۂ جارج (ڈین مارکی) اور مارل برو کا بھائی امیر البحر چرچل صدارت کے عہدے پر فائز تھے۔ وھگ اُمرا نے اُن سے بڑی چالاکی سے کام لیا اور یہاں تک دھمکی دی کہ شہزادے کا نام منظر عام پر لانے میں دریغ نہ کریں گے حالانکہ اُس وقت وہ بستر مرگ پر پڑا تھا غرض ملکہ کو مجبور کر دیا کہ سومرس کو مجلس شاہی کا صدر اور وھارٹن کو آئرستان کا والی مقرر کیا جائے۔ پھر شہزادۂ جارج نے وفات پائی تو اُس کی جگہ بھی ایڈورڈ رسل (لارڈ اُرفورڈ) امارت بحری کا صدر ناظم بنایا گیا۔

سیک وے ریل

۱۷۰۸ء سے ۱۷۱۰ء تک یہ تبدیلیاں ہوئیں اور بظاہر وھگ فرلق کی کامل کامیابی کی دلیل تھیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے حصول میں کافی ناخوشی مول لی گئی تھی اور اسی سے بالآخر ٹوریوں کے دوبارہ برسر اقتدار آنے کا راستہ تیار ہوا۔ جیسا کہ اکثر ہوا ہے، حکام کی غلطی کا اثر متبعین تک متعدی ہوا۔ کلیسا میں مدت سے ایک مناظرہ چھڑا ہوا تھا کہ بعض بڑے علما تو بادشاہ کی اطاعت پر اتنا زور دیتے تھے جیسے گزشتہ انقلاب حکومت سے کوئی مطابقت نہ تھی اور دوسری طرف "علمائے زیریں" اصول انقلاب کی تائید میں یہاں تک بڑھ گئے کہ بغاوت قریب قریب جائز کیے دیتے تھے۔ اسی سلسلے میں ۵ر نومبر ۱۷۰۹ء کے دن ڈاکٹر سیک وے ریل نے بلدیۂ لندن کے سامنے "ملک و کلیسا کے جھوٹے بھائیوں" کے خوفناک نتائج پر وعظ کیا۔ یہ شہر کا پادری تھا اور قابلیت سے بڑھ کر زعم رکھتا تھا۔ اس وعظ میں (نیز گزشتہ گرمیوں کے ایک پہلے وعظ میں جو ڈربی کی عدالت گاہ میں کہا کہ اُس نے انقلاب حکومت پر سخت حملہ کیا، خوا البا جنیوا کی نرمی اور کلیسا کے بعض بڑے عہدہ داروں کی وسیسہ کاری پر بہت لے دے کی اور کہا کہ انھیں عہدہ داروں کے ملحدانہ فریب سے طرح طرح کی بداعتقادی اور فرقہ بندی پیدا ہو رہی ہے۔ اور نتیجہ نکالا کہ اس وقت مذہب سخت خطرے اور مصیبت میں مبتلا ہے۔ اس وعظ سے لوگوں میں خاصا سناٹا پڑ گیا تھا اور سیک وے ریل نے دوسرا کام یہ کیا کہ ان دونوں وعظوں کو یکجا چھاپ دیا۔ ان میں وزرا کی نسبت بھی

بیان کیا تھا کہ یہ ملے ہوئے معاندین کی ٹولی ہے جو اہل کلیسا پر تعدی اور دستور حکومت کی بیخ کنی کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ دیدہ دلیری، بیہودہ گفتاری اور فریقانہ حمایت نے مل کر، کتاب کو ہر شخص کے ہاتھ تک پہنچا دیا اور اس کے پورے چالیس ہزار نسخے فروخت ہوئے۔

یہ کیفیت دیکھ کر وزرا نے بھی ضرب کاری لگانے کا تہیہ کیا جس کی وجہ سیک وے ریل پر ذاتی غصہ نہ تھا بلکہ در اصل انھیں سرکاری طور پر پوری کلیسائی جماعت کے اصول و مقاصد کا پول کھولنے کا موقع میسر آیا اور اسی لیے معمولی مقدمہ چلانے کی بجائے انھوں نے سیک وے ریل پر دار العوام کے ذریعے بڑے جرائم اور غلط روی کے الزامات عائد کیے اور دار الامرا نے ایوان ویسٹ منسٹر میں اس کی سماعت کی۔ لیکن رفتہ رفتہ معلوم ہونے لگا کہ یہ وزیروں کی سخت غلطی تھی۔ عام اہل ملک کے نزدیک ایک ادنیٰ اور نامستقل مزاج پادری کے لیے محض ایک احمقانہ وعظ چھاپ دینے کی خطا پر پارلیمنٹ کی پوری عدالتی گاڑی کو حرکت میں لانا، حکومت کی زبردستی معلوم ہوا اور اسی بنا پر عامۃ الناس، خواہ سیک وے ریل کے عقاید پسند کرتے تھے یا نہیں، اسے ظلم و جور کا شکار سمجھ کر، اس کے پشتی بان بن گئے۔ مقدمے میں نہایت معزز علما نے اس کا ساتھ دیا، خود ملکہ مقدمے کی کارروائی دیکھنے آئی اور اس کی گاڑی کو مجمع عام نے گھیر کر شور مچا دیا کہ امید ہے کہ حضور، کلیسا اور ڈاکٹر سیک وے ریل کی حمایت فرمائیں گی۔" ان مظاہروں کے باوجود، امرا، عدم مزاحمت کے ان انتہائی خیالات کو برا سمجھے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ جن کی سیک وے ریل نے وکالت کی تھی۔ چنانچہ وہ مجرم قرار پایا لیکن سزا صرف یہ تجویز ہوئی کہ تین سال تک وہ وعظ نہ کرے اور اس کی کتاب کے سب نسخے جلاد کے ہاتھ سے جلوا دیے جائیں۔ آکسفرڈ کی مجلس کلیسا نے لارڈ رسل کے قتل کے روز جو فتویٰ شایع کیا تھا، اسے بھی مذکورۂ بالا کتاب کے ساتھ نذر آتش کرنے کا حکم دیا گیا۔ پھر بھی کچھ مدت تک سیک وے ریل کو نہایت ہر دلعزیزی حاصل رہی۔ اسے ویلز میں کسی گرجا کی معاش دے دی گئی تھی اور جب وہ لندن سے وہاں روانہ ہوا تو راستے میں ہر بستی میں لوگوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اس کا

استقبال کیا۔ اُس کے نماز پڑھانے میں ہزاروں کا مجمع ہونے لگا۔ اور ٹوری امرا خصوصیت کے ساتھ بچوں کا اصطباغ دینے اسی کو بلواتے تھے۔

لوگوں کے خیالات میں یہ تغیر دیکھ کر ملکہ نے وھگ وزیروں سے پیچھا چھڑانا غنیمت سمجھا۔ ۳۰ مارچ ۱۷۱۰ء کو مقدمہ ختم ہوا، اور اپریل ہی میں شروزبری کو امیر حاجب کی خدمت عطا کی گئی۔ یہ پہلے وھگ تھا مگر پھر ٹوریوں میں شریک ہوگیا اور اس نے سیک وے ریل کے چھوڑ دیے جانے کی رائے دی تھی۔ جون میں سنڈرلینڈ کو اور ستمبر میں گوڈولفن کو، جو سنڈرلینڈ کے بعد بھی عہدے پر جما رہا تھا، وزارت سے الگ کر دیا گیا اور ان کے ہٹتے ہی سومرس، ارفورڈ، ہیلی فیکس وہارٹن اور وال پول کے الگ ہونے

ٹوریوں کا عروج

میں بھی کچھ دیر نہ لگی۔ ان سب عہدوں پر ٹوری مقرر ہوئے۔ ہارلی وزیر مال اور پھر وزیر خزانہ بنایا گیا۔ سینٹ جان وزیر منشی، ہارکورٹ جو سیک وے ریل کے مقدمے میں صدر وکیل تھا) صدر اعظم مقرر ہوا۔ وہارٹن کی صوبہ داری کی جگہ اورمنڈ نے لی اور ارفورڈ کی بجائے امیر البحر لیک امارت بحری کا صدر ہوا۔ پرانے وزیروں میں صرف مارل برو اپنی سپہ سالاری پر قائم رہا۔ ستمبر میں پارلیمنٹ فسخ کر دی گئی اور نئے انتخابات میں ٹوریوں کا ہنگامہ کہ "مذہب خطرے میں ہے" پورا کام کر گیا۔ وھگ جو ۱۷۰۵ء و ۱۷۰۸ء کے انتخابات میں برابر تعداد میں بڑھتے گئے تھے۔ اس انتخاب میں بُری طرح ہارے اور محض ناکارگر اقلیت میں منتخب ہو سکے۔

مارل برو سے مواخذہ

۱۷۱۱ء میں ایک جزئی واقعے سے بھی ٹوری وزارت کو تقویت پہنچی۔ ایک فرانسیسی مغرور مسمیٰ گیس کار کو خیال ہوا کہ نئے وزیر اُس کے کام کی کافی قدر نہیں کرتے۔ اور اُس نے پیرس خط لکھا اور جو راز اُس کے علم میں تھے، اُنھیں بیان کر دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ اُس کے خطوط راستے میں پکڑے گئے اور مجلس شاہی میں تحقیقات کی غرض سے پیش ہوئے، تو گیس کار نے موقع پا کر ہارلی کے سینے میں چاقو مارا۔ زخم تو بہت معمولی آیا مگر اس حملے نے عوام میں ایسی شورش پیدا کر دی کہ ٹوریوں میں

مارل برو تک پروار کرنے کی جرأت آگئی۔ اس کی بیوی پہلے علٰحدہ کی جا چکی تھی اور اس کی خدمات بیگم سامرسٹ اور مسز میشیم میں تقسیم ہوگئی تھیں۔ اب اسی سال سرکاری حسابات کی تنقیح کے لیے ایک جماعت مرتب ہوئی کہ گزشتہ وزارت کے مداخل و مصارف کی جانچ پڑتال کرے۔ اس جماعت نے دوسری بے ضابطگیوں کے علاوہ، کیفیت پیش کی کہ ایک لاکھ ستر ہزار پونڈ مارل برو کو پہنچے ہیں جن کا اُسے حساب دینا ہے۔ دسمبر ۱۷۱۱ء میں یہ کیفیت پیش ہوئی۔ ملکہ نے اُسی وقت مارل برو کو تمام عہدوں سے سبک دوش کر دیا تاکہ "معاملات کی تحقیقات میں کسی رو رعایت" کا امکان نہ رہے۔ پوری کوشش کی گئی کہ مارل برو کی خورد برد ثابت کی جائے لیکن اُس نے قطعی طور پر ثابت کر دیا کہ جو رقوم اُسے دی گئی تھیں، وہ سپہ سالار کا حق تھیں جیسے اُس عہد کے بُرے دستور کے مطابق رسد رسانی اور تنخواہوں کے روپے سے فی صد دستوری ملا کرتی تھی اور فلینڈرس کی اتحادی افواج کے جملہ سپہ سالاروں کو اسی طرح روپیہ ملتا رہا تھا۔ سپہ سالاروں کا اس طرح روپیہ بنانا بہت ہی بے ڈھنگی بات تھی، لیکن یہ صفائی بالکل کافی و وافی تھی۔ اور سارا الزام باطل ہو گیا۔ ۱۷۱۲ء میں اسی قسم کا الزام وال پول پر عائد کیا گیا کہ مذکورۂ بالا جماعت تحقیقات نے دانے چارے کے ٹھیکے دینے کے سلسلے میں اس کی رشوت ستانی ثابت کی تھی۔ خود اس کے وھگ فریق نے اسی بنا پر اُسے پارلیمنٹ سے خارج کرنے کی تحریک کی اور وہ قلعۂ لندن میں محبوس کر دیا گیا جہاں اس پارلیمنٹ کی میقات تک وہ قید رہا۔ لیکن حق یہ ہے کہ اُس نے بہت ہی مدلل صفائی پیش کی تھی اور اس تمام قضیے کو محض ٹوریوں کی دشمنی کا نتیجہ سمجھنا چاہیے کیونکہ وہ وال پول کو بقول ہارلی کے "آدھی وھگ جماعت" کے برابر قوی حریف جانتے تھے۔ اور اس واقعے نے بھی وال پول کی عزت و رسوخ میں نمایاں اضافہ کر دیا۔

صلح کی حکمت عملی

نئے وزیروں کا پہلا مقصد یہ تھا کہ فرانس سے صلح کر لی جائے۔ مگر اس سے وھگوں کے علاوہ ٹوری اسقف نوٹنگھم بھی سخت اختلاف رکھتا تھا۔ ہارلی نے خاص طور پر اسے حکومت سے

خارج کردیا تو ناٹنگھم چل کر اپنے پرانے حریفوں کے ساتھ ہوگیا اور انھوں نے بھی اس اتحاد کے عوض میں یہ مان لیا کہ "تسلیم وقتی" کے امتناع کی آیندہ مخالفت نہ کریں گے چنانچہ اس منشا کا مسودۂ قانون پیش ہوا تو وھگوں نے جو ۱۷۰۲ اور ۱۷۰۳ء میں ایسے مسودے مسترد کرا چکے تھے اب اُسے منظور ہوجانے دیا۔ (۱۷۱۱ء)

ناٹنگھم کے آملنے سے وھگوں کو پھر برسر حکومت ہو جانے کی امید بندھی اور امیر کبیر سومرسٹ اور مارل برو کے اس مخلوط جماعت میں شریک ہو جانے سے اس امید کو مزید تقویت ہوئی۔ یہاں تک کہ وہ آیندہ سومرس کو صدر اور وال پول کو دار العوام کا سرگروہ بنانے کے منصوبے بنانے لگے۔ ہارلی اور سینٹ جان نے اپنے حریفوں کو نیچا دکھانے کی ٹھانی اور دار الامرا میں بھی ٹوریوں کی اکثریت قائم کر دینے کی غرض سے بارہ نئے اشخاص کو امارت کا رتبہ دلوا دیا۔ یہ زبردستی جسے سیاسی چھاپا کہنا غلط نہ ہوگا، دسمبر ۱۷۱۱ء میں کی گئی اور بڑے دن کی تعطیلات کے بعد پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو جنگ کے حامیوں کی تعداد بہت گھٹ گئی تھی۔ وھگوں کو بہت غصہ آیا مگر کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑی۔ اُدھر نئے امرا بھی شروع شروع گھبرائے ہوئے سے رہے وھارٹن جو چٹکیاں خوب لیتا تھا، پوچھنے لگا کہ آپ حضرات الگ الگ رائے دیں گے یا اپنے مکھیا کی وساطت سے؟ گویا وہ کسی معمولی جوری کی متفقہ جماعت تھی۔ اس پر یہ نئے امیر اور بھی کھوئے گئے۔

بایں ہمہ، وزرا کو ملک کی طرف سے تو اطمینان ہوگیا اور اب انھوں نے پوری سرعت سے صلح کی گفتگو شروع کی۔ اورمنڈ کو، جو فلینڈرس میں مارل برو کی بجائے سپہ سالار مقرر ہوا تھا، حکم بھیج دیا گیا کہ کسی قسم کی جنگی کارروائی نہ کرے۔ ظاہر میں تو صلح کی گفتگو یوٹریکٹ کے ایک نمدوہ نے کی، لیکن حقیقت میں ساری شرطیں ہارلی اور سینٹ جان نے مارکوئس دی تورکی سے، ایک فرانسیسی پادری (= ایبے گوالتیئے) کی وساطت سے

طے کیں جو لندن میں رہا کرتا تھا۔ جب یہ سب باتیں طے ہوگئیں تو بولنگ بروک، ٹیتھو پرائر کی معیت میں خود فرانس ہی آگیا۔ صلح کی متفقہ عبارت مرتب کرنے میں سب سے بڑی دقت یہ پیش آئی کہ فلپ تخت فرانس سے دست برداری لکھنے پر آمادہ نہ ہوتا تھا کیونکہ ۱۷۱۱ء اور ۱۷۱۲ء میں دو وارث فوت ہوئے اور اب لوئی کے ایک پروتے کے بعد وراثت فلپ ہی کو پہنچتی تھی۔ یہ پروتا بھی جو آگے چل کے لوئی پانزدہم ہوا، اس وقت دو سال کا بہت کمزور سا بچہ تھا۔ لیکن بالآخر فلپ نے مطلوبہ وعدہ کر لیا اور پھر صلح نامے کی یوٹریکٹ میں تکمیل ہو کر ۳۱ مارچ ۱۷۱۳ء کو اس پر دستخط ثبت ہوگئے۔

صلح نامۂ یوٹریکٹ

یہ عہد نامہ، صلح کی ایک بین بین صورت تھی جو کئی غیر متوقع واقعات کے پیش آنے سے ممکن ہوگئی۔ انھی واقعات میں سب سے اہم یہ تھا کہ شہنشاہ جوزف نے ۱۷۱۱ء میں وفات پائی اور اس لاولد فرماں روا کی بجائے شہزادہ چارلس شہنشاہ منتخب ہوا۔ اب اگر اسپین کی سلطنت بھی اُسے مل جاتی تو پھر اُسی خطرناک اقتدار کے قایم ہو جانے کا اندیشہ تھا جو شہنشاہ چارلس پنجم کو حاصل ہوگیا تھا۔ اسی لیے طے پایا کہ فرانس کا شہزادہ فلپ، اسپین کا بادشاہ ہو۔ اسی کے ساتھ پوری طرح قول و قرار کر لیے گئے کہ اسپین و فرانس کی بادشاہی کبھی متحد نہ ہونے پائے گی۔ غرب الہند وغیرہ نوآبادیاں بھی ملک اسپین کے ساتھ فلپ کو دی گئیں۔ مگر اسپین کے اضلاع نیدرلینڈز تیرے شہنشاہ کے حصے میں آئے اور ۱۷۰۹ء کے سرحدی معاہدے کے مطابق طے ہوا کہ ولندیزوں کا یہ حق باقی رہے گا کہ ان اضلاع کے بڑے بڑے سرحدی شہروں میں وہ اپنی چھاؤنیاں رکھیں تاکہ فرانس سے اپنی حفاظت کر سکیں۔ میلان، نیپلز اور سارڈینیا بھی آسٹریا کے ہاتھ آئے۔ صقالیہ، سیووائے کے رئیس کو دی گئی جس کا لقب بادشاہ کر دیا گیا اور جب صقالیہ کے عوض میں اسے جزیرہ سارڈینیا ملا تو رئیس سیووائے بھی آیندہ شاہ سارڈینیا کہلانے لگا۔ منورکا اور جبل الطارق، انگلستان کے ہاتھ آئے اور اسپین کی نوآبادیوں میں ہر سال ایک تجارتی جہاز بھیجنے کی اجازت

نیز غلاموں کی تجارت کا اجارہ مل گیا جو بہت نفع آور چیز تھی۔ نئی دنیا میں اکاڈیا (جسے اب نووا اسکوشیا کہتے ہیں) اور سینٹ کرسٹوفر (یا کیٹ) کا جزیرہ نیز نیوفاؤنڈلینڈ اور خلیج ہڈسن کے سواحل کا علاقہ انگلستان کو دیا گیا۔ نیوفاؤنڈلینڈ میں فرانس کے ماہی گیری کے حقوق محفوظ کر دیے گئے تھے جو اب تک اُسے حاصل ہیں۔ آخری بات یہ کہ لوئی نے تختِ انگلستان کی پروٹسٹنٹ وراثت کا اصول تسلیم کر لیا۔

اس عہدنامے کو آسٹریا میں بہت بری نظر سے دیکھا گیا کہ ایک تو اُس کو مفت میں بہت سا ملک مل گیا تھا دوسرے نیدرلینڈز کے آسٹروی اضلاع کے متعلق انگریزوں اور ولندیزوں نے ایسی شرطیں کر لی تھیں کہ وہاں کے باشندے آزادی سے تجارت میں حصہ نہ لے سکتے تھے۔ اسی بنا پر وہ شروع میں صلح نامے پر دستخط کرنے سے انکار کرتی رہی۔ لیکن تنہا جنگ جاری رکھنا بھی ممکن نہ تھا اور انگریزی فوجوں کے واپس چلے جانے کے بعد اُسے پے در پے شکستیں ہوئیں، تاآنکہ وہ اور ولندیز عام صلح کر لینے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن انگریزوں کا اپنے حلیفوں کے ساتھ جو پہلو بہ پہلو لڑے تھے، یہ برتاؤ اور خصوصاً سپہ سالار اُرفورڈ کا شہزادۂ یوجین کو عین خطرے میں چھوڑ کر چل دینا، سخت دغابازی کی بات تھی۔ اسی طرح کیٹےلونیا والوں نے اتحادیوں کا ساتھ دینے میں کمال استقامت و جاں بازی کا ثبوت دیا تھا، مگر انگریزوں نے معاہدہ کرتے وقت ان کو بالکل بھلا دیا اور یہ انگلستان کے وزیروں کی ایسی شرمناک کارروائیاں تھیں کہ فریق اختلاف نے اُس پر بہت کچھ زجر و توبیخ کی۔ لیکن وہگ انھیں روکنے کی قوت نہ رکھتے تھے اور دار الامرا میں بھی بارہ نئے امیروں کی رائے شریک ہو جانے سے ٹوریوں ہی کا غلبہ رہا۔

مسئلۂ وراثت جنگ کا دشوار معاملہ طے ہو گیا تو ٹوری سرگروہوں کو بادشاہی کے مستقبل پر غور کرنے کی مہلت ملی۔ این اب چند ہی روز کی مہمان نظر آتی تھی۔ ٹوری فریق "تصفیۂ وراثت" کے قانون اور صوفیا کی جانشینی کی من حیث الجماعت تائید کر چکا تھا، لیکن اس گروہ میں اب خاصی

بڑی جماعت موجود تھی جو کہ دلیری سے جیمز کے بیٹے (مدعی تخت) کے واسطے بازی لگانے پر آمادہ تھی۔ آیندہ واقعات سے ظاہر ہوگیا کہ جمہور اہل انگلستان اسی ہنوور ی خاندان کی وراثت کی تائید میں ثابت قدم تھے لیکن اس بارے میں کوئی جوش وخروش نہ ہونے سے قوم کے جذبات کا غلط اندازہ لگانا کچھ حیرت کی بات نہ تھی۔ اور یعقوبی فرقے کے لوگ غالباً یہ سمجھنے لگے تھے کہ اگر وزرا نے ہمت اور مستعدی سے کام لیا تو اسٹوارٹ خاندان کا دعویدار بازی لے جائے گا۔ اس موقع پر اگر خود مدعی شہزادہ اپنے پردادا ہینری چہارم کی طرح مذہب بدلنے پر آمادہ ہوجاتا تو بہت ممکن ہے کہ اُس کی تخت نشینی میں کوئی دشواری نہ باقی رہتی۔ اور اُس کے بعض کیتھولک ہواخواہوں نے ایسا کرنے کی التجا بھی کی تھی لیکن اُس کی بااُصولی پر آفریں ہے کہ ایسی ریاکاری میں شریک ہونے سے انکار کردیا۔ اگرچہ بالکل ممکن ہے کہ اسی انکار سے واقعات کا رخ اُس کے خلاف ہوگیا ہو۔ اور اس میں تو کوئی شبہہ نہیں کہ انکار کرنے سے اُس کی کامیابی نہایت مشکوک ہوگئی۔ اُدھر وزرا اس معاملے میں جتنی احتیاط برتتے تھے اس کی وجہ سے آج تک یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ اُن کا اصلی ارادہ کیا تھا اور کوئی ارادہ تھا بھی یا نہ تھا۔ اسی موقع پر ہارلی اور سینٹ جان کی سیرتوں کا فرق نمایاں ہوا۔ یہی دونوں وزرا کے سرگروہ تھے اور پہلے کو امیر آکسفرڈ اور دوسرے کو وائی کونٹ بولنگ بُرک کا خطاب مل چکا تھا۔ ان میں آکسفرڈ تو قدم قدم پر رکتا تھا اور ایک طرف مدعی شہزادے سے یقیناً نامہ وپیام کرتا رہا اور دوسری طرف بیگم سوفیا کو اپنا بنائے رکھنے کی کوشش میں بھی کوتاہی نہ کی۔ بخلاف اس کے بولنگ بُرک ہمہ تن سرگرمی اور عمل کا حامی تھا لیکن سوائے اس کے کہ ہنووری وارثہ کی نظر میں اپنی اور اپنے فریق کی ضرورت ثابت کرے، اس کا کوئی اور کام کرنا مشتبہ ہے۔ بہرحال، ان کے ارادے جو کچھ بھی ہوں، وزرا نے اس کوشش میں کوئی فروگزاشت نہ کی کہ ٹوریوں کو غلبہ وتفوق حاصل رہے۔ اُنھوں نے سینک پورٹس ... اس امید میں سپہ سالار اورمنڈ کے تفویض کردیں کہ اگر

باب ہشتم

سوفیا کی مدد کے واسطے کوئی فوج آئے تو آورمنڈ اُسے روکنے کی تدبیر کر سکے یا یہ کہ مدعی شہزادے کے فوج اُتارنے میں ممدو معاون ہو جائے کیونکہ گو یہ سپہ سالار پہلے شاہ ولیم کی طرف سے اسٹین کرک اور لینڈن میں لڑا تھا لیکن اب پکا یعقوبی (اور خاندان جیمز کا طرفدار) ہو گیا تھا۔ اسی طرح شروزبری کو آئرستان کا والی بنایا گیا اگرچہ اس سے مدعی شہزادے کی حمایت کی توقع صحیح نہ تھی۔ اسکاٹ لینڈ کا معتمد یا وزیر امیر مار مقرر رہا۔ اسی کے قریب زمانے میں سوئیفٹ کو خانقاہ سینٹ پیٹرک کی تولیت دے کر ٹال دیا اور اٹیربری کو روچسٹر کا اُسقف بنایا گیا۔ اسی کے ساتھ فوج میں جو صلح کے بعد تخفیف کی جا رہی تھی، اس موقع سے کام لے کر وہ سردار اور دستے موقوف کردیے گئے جن کی نسبت خیال تھا کہ وہ ڈھگ اصول کے بہت پختہ حامی ہیں۔

ان کارروائیوں کے مقابلے میں ہنووری جماعت بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی نہیں رہی۔ اسٹین ہوپ صلح ہوتے ہی اسیری سے نجات پا کر آیا اور وھگوں نے فوجی تنظیم کا کام اُس کے سپرد کیا کہ اگر جنگ کیے بغیر چارہ نہ رہے تو وہ بھی ہاتھ پاؤں ہلا سکیں۔ اُدھر معزولی کے وقت سے مارل برو بیرونی ممالک کی سیاحت کرتا رہا تھا، وہ بھی بروسلز میں آ کے مقیم ہو گیا کہ اشارہ ملتے ہی بلا تاخیر انگلستان پہنچ سکے۔ فروری ۱۷۱۴ء میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو وھگوں نے بہت ہی جتن کیے کہ کسی طرح وزیروں کو پروٹسٹنٹی وراثت کا پابند بنا دیا جائے۔ اس غرض سے کہ خاندان ہنوور کا ایک فرد انگلستان میں جما دیا جائے، شہزادی سوفیا کے سفیر لندن کی طرف سے درخواست کی گئی کہ شہزادہ ہنوور کو (جو آگے چل کے جارج دوم ہوا) امیر کیمبرج کی حیثیت سے دارالامرا میں رکنیت کی دعوت دی جائے لیکن اس تحریک کا نتیجہ بہت افسوسناک نکلا۔ کیونکہ ملکہ این کو ابھی سے آیندہ وارث کا انگلستان میں بھیجا جانا سخت ناگوار گزرا اور اُس نے سوفیا کو ایسا تلخ خط لکھ کر بھیجا کہ اُسے پڑھنے کے صدمے سے ضعیف العمر خاتون پر صرع کا دورہ پڑ گیا اور حق یہ ہے کہ وہ اُس سے جانبر نہ ہو سکی۔ اُس کی عمر ۸۳ برس کی، مزاج

باب ہشتم

بہت حلیم اور زندگی کی ایک ہی آرزو یہ تھی کہ مرنے سے پہلے انگلستان کی ملکہ بن جائے ۔ یہ آرزو پوری نہ ہوئی اور سلسلۂ وراثت کی رو سے اُس کا بیٹا جارج سوفیا کا جانشین ہوا اور پھر اُس کے انگلستان آنے کا خیال ترک کر دیا گیا ۔

ملک میں ہیجان

ملکہ کی پے در پے علالتوں سے صاف ظاہر تھا کہ اب وہ بھی چند ہی روز کی مہمان ہے اور اس خیال اور مذکورۂ بالا واقعات فریق بندی کے جذبات کو حد درجے مشتعل کر دیا ۔ ایک طرف تو ٹوریوں نے رچرڈ اسٹیل کو دارالعوام سے نکلوا دیا جس نے "(The Crisis)" نامی رسالہ لکھ کر مسئلۂ وراثت پر بحث کی اور ٹوری فریق کا دل جلایا تھا اور دوسری طرف وھگوں نے "(The Public Sprit of the whigs)" کے مصنف پر زور نہ چلا تو حکومت کو مجبور کیا کہ اس اشتعال انگیز کتاب کے چھاپنے والے پر مقدمہ چلائے ۔ حالانکہ یہ بخوبی معلوم تھا کہ یہ سخت تحریر سویفٹ نے لکھی ہے لیکن ذاتی طور پر اُس کا کچھ بگاڑا نہ جا سکا ۔ آخر میں دونوں فریق "قانون تفرقۂ مذہبی" پر ایک دوسرے سے گتھ گئے ، جسے بولنگ برُک نے ٹوری کے فریق کے اعیان کو خوش کرنے اور کلیسائے انگلستان سے انحراف کرنے والوں کا قلع قمع کرنے کی غرض سے مرتب کیا تھا ۔ اس قانون کی رو سے کوئی شخص انگلستان و آئرستان میں سرکاری یا خانگی مدرسہ قائم نہ کر سکتا تھا وقتیکہ وہ کلیسائے انگلستان کا پیرو نہ ہو اور اُسے مقامی اُسقف اجازت نامہ نہ دے دے ۔ اور اجازت نامے کی شرط یہ رکھی تھی کہ درخواست گزار سال بھر کے اندر کلیسائے انگلستان کی رسوم کے مطابق عبادات ادا کرے اور اطاعت و افضلیت شاہی کا حلف اُٹھائے ۔ اس قانون کی دوسری خواندگی ، ۱۲۶ کے مقابلے میں ۲۳۷ آرا سے منظور ہوئی اور امرا میں آخری خواندگی کے وقت ۷۷ کے مقابلے میں ۷۲ رائیں اُس کے خلاف دی گئیں ۔ علاوہ ازیں دارالامرا کے جریدے میں اس قانون کے خلاف شد و مد سے احتجاج درج کرایا گیا جس پر تمام ممتاز ترین وھگ امرا اور

کئی اسقفوں کے دستخط بھی ثبت تھے۔ مگر قانون کی منظوری سے وزرا کی ہم آہنگی کا خاتمہ ہوگیا۔ امیر آکسفرڈ پیدائشی اور نیز تعلیم و تربیت کے اعتبار سے غیر مقلد تھا اور اُسے قانون مذکور پسند نہ آسکتا تھا۔ دوسرے بولنگ بروک اور اُس میں مدت سے صفائی نہ تھی۔ اب جو بولنگ بروک نے اس شوق و اہتمام سے یہ قانون منظور کرایا، تو یہ مخالفت چھپائے نہ چھپ سکی۔ سوئیفٹ اپنی ذہانت سے سمجھ گیا تھا کہ وزیروں کی باہمی مخالفت سارے فریق کو تباہ کردے گی اُس نے ان میں مصالحت کرادینے کی پوری کوشش کی۔ لیکن ابیگم میشیم، جس کی بدولت امیر آکسفرڈ اس درجے تک پہنچا تھا، اب بولنگ بروک سے مل گئی اور وہی خوابگاہی ریشہ دوانیاں جن پر اب تک وہ بھروسا کیے رہا تھا، آخر میں اُسی کے زوال کا سبب ثابت ہوئیں۔ ۲۷ر جولائی کی مجلس شاہی میں جبکہ ملکہ خود صدر جلسہ تھی، سخت تو تو میں میں کے بعد آکسفرڈ کو عہدے سے برطرف کردیا اور تھوڑی دیر کے لیے بولنگ بروک اور یعقوبی فرقے کے لوگوں نے بازی جیت لی۔ لیکن عین اس وقت ملکہ کے سخت بیمار ہوجانے سے معاملات کا رنگ بالکل بدل گیا یعنی بولنگ بروک اور اُس کے ہواخواہ ابھی اپنی تیاریاں مکمل کرنے نہ پائے تھے کہ ۳۰ر جولائی کی صبح کو ملکہ پر صرع کا دورہ پڑگیا اور وہ تو تامل و تذبذب ہی میں رہے اور اُن کے حریف پوری قوت اور پختہ ارادے کے ساتھ کام کر گزرے۔

وہگوں کی زوردار کارروائی

مارل برو تو ابھی تک پردیس میں تھا، لیکن شروزبری، سومرسٹ اور ارجائل، مجلس شاہی میں آگھسے اور اصرار کیا کہ وزارت خزانہ کے خالی عہدے پر شروزبری کو مقرر کردیا جائے۔ واضح رہے کہ شروزبری نے عین اُسی وقت دوبارہ اپنے سابقہ اُصول کی تائید کا اعلان کیا تھا اور سومرسٹ (حاجب درگاہ) اب تک فریقانہ جھگڑوں سے بالکل الگ رہا تھا۔ ملکہ کو ذرا سکون ہوا تھا اور اسی وقفے میں مذکورۂ بالا تجویز کی منظوری دی اور اس کے بعد ہی اُس پر دوبارہ غشی طاری ہوگئی۔ دو دن بعد

پہلی اگست کو وہ قضا کر گئی۔ اس وقت ایٹربری نے بولنگ بروک کی بہت منت سماجت کی کہ مدعی شہزادے کی تخت نشینی کی چوک میں منادی کرا دے اور اپنا اسقفی جامہ پہن کر خود جلوس کو لے چلنے پر آمادگی ظاہر کی لیکن اس پرجوش اسقف کی تائید پر کوئی کھڑا نہ ہوا۔ ٹوریوں کے ہوش حواس قطعی معطل ہو گئے تھے اور وھگ امیروں نے شروزبری کی سرگروہی میں بغیر مزاحمت وہ سب کارروائی کر لی جس کا پروٹسٹنٹ وراثت کے لیے انھوں نے منصوبہ سوچ رکھا تھا حتیٰ کہ بولنگ بروک تک کو اقرار کرنا پڑا کہ قضا و قدر کے آگے میری کچھ نہ چل سکی۔

مشہور سنین

معرکۂ بلین ہیم	۱۷۰۴ء
" راما ئی لی	۱۷۰۶ء
اسکاٹ لینڈ کا اتحاد	۱۷۰۷ء
معرکۂ اودنارد	۱۷۰۸ء
" مال پلاکے	۱۷۰۹ء
سیک وے ریل کا مقدمہ	۱۷۰۹ و ۱۰ء
وہ ساؤتھ سی کمپنی کا قیام	۱۷۱۱ء
صلح نامۂ یوٹریکٹ	۱۷۱۳ء
قانون تفرقۂ مذہبی	۱۷۱۴ء
ملکۂ این کی وفات	۱۷۱۴ء

حاشیہ

پیٹربرو کی کارروائیوں کے متعلق اب تک ہمارا ماخذ کارلٹن کی یادداشتیں تھیں لیکن اب ثابت ہوا کہ ان یادداشتوں میں بہت کچھ من گھڑت باتیں درج ہیں اور ان کے مقابلے میں سرکاری کاغذات کو دیکھیے تو ان میں پیٹربرو کے طرز عمل کو بالکل دوسرے ہی رنگ میں دکھایا گیا ہے۔

جزو ہشتم

خاندان ہنوور

اسٹوارٹ اور ہنووری خاندان کا شجرہ

جیمس اول
سنہ ۱۶۰۳ء تا سنہ ۱۶۲۵ء

- چارلس اول سنہ ۱۶۲۵ء تا سنہ ۱۶۴۹ء
  - چارلس دوم سنہ ۱۶۶۰ء تا سنہ ۱۶۸۵ء
  - میری زوجۂ ولیم (اورینجی)
    - ولیم ثالث شوہر سنہ ۱۶۸۹ء تا سنہ ۱۷۰۲ء
  - جیمس دوم سنہ ۱۶۸۵ء تا سنہ ۱۶۸۸ء
    - میری سنہ ۱۶۸۹ء تا سنہ ۱۶۹۴ء
    - این سنہ ۱۷۰۲ء تا سنہ ۱۷۱۴ء
    - جیمس ایڈورڈ (مدعی قدیم)
      - چارلس ایڈورڈ (مدعی جدید)
      - ہنری کارڈنل آف یارک
- الزبتھ زوجۂ فریڈرک امیر پےلے ٹائن
  - سوفیا زوجۂ امیر ہنوور
    - جارج لوئیس جارج اول سنہ ۱۷۱۴ء تا سنہ ۱۷۲۷ء
      - جارج دوم سنہ ۱۷۲۷ء تا سنہ ۱۷۶۰ء
        سوفیا ڈروتھیا۔ زوجۂ۔
        - فریڈرک لوئیس (ولی عہد)
          - جارج سوم سنہ ۱۷۶۰ء تا سنہ ۱۸۲۰ء
            - جارج چہارم ۔ سنہ ۱۸۲۰ء تا سنہ ۱۸۳۰ء
              - شہزادی شارلٹ
            - فریڈرک شہزادہ یارک
            - ولیم چہارم سنہ ۱۸۳۰ء تا سنہ ۱۸۳۷ء
            - ایڈورڈ شہزادۂ کینٹ
              - وکٹوریا سنہ ۱۸۳۷ء تا سنہ ۱۹۰۱ء
                - ایڈورڈ ہفتم سنہ ۱۹۰۱ء تا سنہ ۱۹۱۰ء
        - ولیم شہزادہ کمبرلینڈ
    - سوفیا شارلٹ زوجۂ فریڈرک امیر پروشیا
      - فریڈرک ولیم اول امیر پروشیا
        - فریڈرک اعظم

شاہ ایڈورڈ ہفتم کی اولاد

ایڈورڈ ہفتم و الگزنڈرا (ڈین مارکی)
(ولادت ۱۸۴۱ء - ازدواج ۱۸۶۳ء)

- جارج فریڈرک (شہزادۂ کورنوال و یارک) زوج وکٹوریا میری
  - جارج پنجم شاہ انگلستان
    - ایڈورڈ ایلبرٹ شہزادۂ ویلز
    - ایلبرٹ فریڈرک
    - وکٹوریا الگزنڈرا
    - ہنری ولیم
- لوئیا زوجۂ شہزادۂ فائف
  - موڈ الگزنڈرا
  - الگزنڈرا وکٹوریا
- وکٹوریا الگزنڈرا
- موڈ (زوجۂ ہاکون شاہ ناروے)
  - اولاد

باب اول

جارج اول : سنہ ۱۷۱۴ء تا سنہ ۱۷۲۷ء

ولادت : سنہ ۱۶۶۰ء - ازدواج : سوفیا ڈروتھیا (بر نزد کی) سنہ ۱۶۸۲ء

ممتاز معاصرین : فرانس .... لوئی پانزدہم
اسپین .... فلپ پنجم
شہنشاہ .... چارلس چہارم

سب کی توقع کے خلاف، نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے اعلان پر مطلق ہنگامہ و فساد نہ ہوا۔ این کی وفات کچھ ایسی یک بیک واقع ہوئی کہ معلوم ہوتا ہے جیکوبی فرقے کے ہوش حواس معطل ہو گئے اور زیادہ مدت نہ گذری تھی کہ اس بات کا ثبوت بھی مل گیا کہ ملک میں ہنووری دراثت کے موئیدوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ نئے بادشاہ کو بھی ہر طرف امن وسکون سنکر انگلستان پہنچنے کی جلدی نہ ہوئی اور وہ کئی ہفتے بعد بتاریخ ۱۸ استمبر، ساحل انگلستان پر اترا۔ اس کے آنے تک ملک کا نظم ونسق سات بڑے حکام اور اٹھارہ "امیران عدل" کے سپرد رہا اور اس جماعت کا دبیر یا معتمد ایڈیسن تھا۔

باب اول

ان میں شروزبری، سمرسٹ، آرجائل، ٹانٹنگ ہم، کاؤپر، ہے لی فیکس اور ٹادن زنڈ شامل تھے۔ لیکن مارل برو، سمرز اور سنڈرلینڈ کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ مارل برو کو چھوڑ دینے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ فوجی معاملات میں اس سپہ سالار نے خاموشی اختیار کر لی تھی جو نئے بادشاہ کو ناگوار گزری۔ باقی دو امیروں کو نہ لینے کا مقصد یہ تھا کہ فریق بندی کے ممتاز سرگروہوں کو دور ہی رکھا جائے۔ بہر حال، اصلی وجوہ جو کچھ ہوں، مارل برو کی مراجعت پر اس کے ہم وطنوں نے جیسا مخلصانہ اور دھوم دھام سے اس کا استقبال کیا، وہ بہت کافی نعم البدل تھا، اور سمرز اور سنڈرلینڈ کے ذاتی رسوخ و اثر میں بھی مطلق کوئی کمی نہیں آئی۔

اوصاف و خصائل

نئے بادشاہ میں بعض کارآمد خصلتیں تھیں لیکن اس کے ہر دلعزیز ہو جانے کا کوئی قرینہ نہ تھا، کیونکہ اس کے اوصاف میں نموداری نہ تھی اور اس کی کمزوریاں آسانی سے نظر آجاتی تھیں۔ صورت میں وہ پستہ قامت بھدا بھدا معلوم ہوتا تھا مگر مزاج میں نیکی اور دوست پرستی تھی۔ ذہن و ذکا معمولی لیکن محتاط، محنتی اور کاروباری طبیعت کا آدمی تھا۔ سپہ گری کے لحاظ سے دیکھئے تو وہ لینڈن اور اسٹین کرک کے معرکوں میں شریک رہا اور رہائن کے جیش کی سپہ سالاری کی۔ بلین ہیم پر فوج کشی کے متعلق مارل برو سے بحث و گفتگو بھی کی بایں ہمہ اسے کوئی اعلیٰ درجے کا سپہ سالار ہونے کا دعوی نہ ہو سکتا تھا۔ عام ملکی نظم و نسق کے اعتبار سے وہ ایک دوسرے درجے کی جرمن ریاست کا کامیاب اور اپنی رعایا میں ہر دلعزیز موروثی امیر تھا، لیکن کسی وسیع تر میدان میں درخشاں ہونے کی قابلیت نہ تھی۔ دوسرے انگلستان کی بادشاہی ملی تو اس کی عمر ۵۴ سال کی اور عادات و اطوار راسخ ہو چکے تھے اور انگریزی زبان مطلق نہ جانتا تھا۔ فرانسیسی بھی تھوڑی آتی تھی۔ فطرتی طور پر اپنی جدید رعایا کی نسبت وہ اپنی قدیم ریاست اور اہل ہنوور ہی کا زیادہ خیال رکھتا تھا۔ خود اس کی دیانت میں شک نہیں، مگر دربار میں جو زن و مرد اس کو گھیرے ہوئے تھے، ان میں سے ہر شخص صرف یہ خواہش

باب اول

رکھتا تھا کہ سازباز و رشوت ستانی کا جو نیا موقع ہاتھ آیا ہے، اس سے جہاں تک ممکن ہو زیادہ فائدہ اٹھائے۔ یہ سب عیوب تو ضرور تھے اور ان کے بیان کرنے میں ہم نے کچھ کمی نہیں کی۔ بایں ہمہ جارج میں ایک وصف ایسا تھا کہ اہل انگلستان کی نظر میں لازماً اس کے تمام عیوب کو چھپا لیتا تھا۔ اور وہ یہ کہ اس بادشاہ نے وزیروں پر کامل اعتماد کیا اور انھیں انگلستان کے متعلق بالکل آزادی دی کہ جو مناسب سمجھیں، کریں اگرچہ جہاں کہیں ریاست ہنوور کا کچھ تعلق ہوتا تو وہ اکثر اپنی رائے پر چلنا چاہتا تھا۔ بہرحال، انگلستان ایسے ہی بادشاہ کو چاہتا تھا اور یہ جارج ہی کا سیدھا سادا عہد ہے جس میں وہ فریق واری طرز حکومت انگلستان کے آئین کا ایک مسلّمہ اصول ہو گیا، جس کے دو گزشتہ بادشاہوں کے وقت میں نشو و نما پانے کی کیفیت ہم اوپر پڑھ چکے ہیں۔ ان پر دو بادشاہیوں کے آغاز میں مخلوط وزارتوں کا تجربہ کیا گیا مگر ہر دفعہ ایسے برے نتائج ظہور میں آئے کہ ولیم اور مارل برو دونوں کو مجبوراً فریق واحد ہی کے وزرا مقرر کرنے پڑے۔ جارج نے ان تجربوں سے سبق لیکر شروع ہی میں وھگ فریق پر پورا اعتماد کیا اور اس کے بڑے بڑے سرخیلوں کے عوض نوجوان افراد سے وزارت مرتب کی جن میں سنڈرلینڈ اور ناٹنگ ہم کے علاوہ ٹاون زنڈ، اسٹین ہوپ اور وال پول سب سے نمایاں تھے؛

نئے وزرا

لارڈ ٹاون زنڈ کی عمر اس وقت ۳۸ سال کی تھی۔ وہ نورفوک کے ایک فوجی کا بیٹا تھا اور وال پول کا بہنوئی تھا۔ ظاہر میں اکھڑ مگر دل کا بہت اچھا تھا اور اسی لیے اجنبی اس سے بہت گھبراتے اور جاننے والے محبت کرتے تھے۔ دیانت داری کے ساتھ اس کے کام میں بڑی پھرتی اور مستعدی ہوتی اور تقریر ایسی نفس مطلب کے مطابق کرتا کہ لوگ فصیح البیانوں سے بڑھ کر اس کی تقریر کو ہمیشہ غور سے سنتے۔ ابھی تک اس کی سیاسی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ تھا کہ صلحنامۂ حدود (Barrier Treaty) کی شرطیں اسی نے طے کیں۔ غرض اب بولنگ بروک کی بجائے وہ شاہی معتمد مقرر کیا گیا؛

اس کا ہمصفیر اسٹین ہوپ، ایک اہم سالہ مدبر تھا جس نے اکثر معرکوں میں سپاہ گری کے جوہر بھی دکھائے تھے۔ سیک ویریل کی دار و گیر میں اس نے نمایاں حصہ لیا لیکن فرانس کی جنگ میں قید ہو جانے کی وجہ سے وہ صلح ہونے تک انگلستان سے باہر رہا اور وھگ وزارت کے عزل تک واپس نہیں آیا تھا۔ صلح ہونے سے قید سے چھوٹ کر وطن آیا تو وھگوں کی ہر شادرت میں ذوق شوق سے شریک رہنے لگا اور مارل برو کے غیاب میں ان کا سب سے معتبر فوجی مشیر وہی تھا۔ ان سپاہیوں میں اسے بڑی ہر دلعزیزی حاصل تھی اور کہا جاتا ہے کہ ان سے وہ "چلے چلو" کی بجائے ہمیشہ "بڑھے آؤ" کے الفاظ کہتا تھا۔ ملکی معاملات میں، اسٹیل اس کے "کھرے پن، فیاضی، صاف گوئی اور جلسوں میں بے ساختہ فصاحت، نیز گفتگو میں پسندیدہ و دلکش طرز عمل" کا تذکرہ کرتا ہے؛ وال پول کا ہم کچھ حال پہلے بیان کر چکے ہیں (صفحہ ۴۷۱) جنگ کے زمانے میں وہ بہ حیثیت معتمد نمایاں رہا اور ۱۷۱۲ء میں اس پر مقدمہ چلا تو اور بھی ناموری ہوئی اور وہ وھگ عمائد کی صف اول میں داخل ہو گیا؛

این کی وفات کے بعد پارلیمنٹ ۶ ماہ تک اجلاس کرتی رہی اور پھر نئے انتخابات عمل میں آئے جس میں لوگوں نے ۱۷۱۰ء اور ۱۷۱۳ء کے نتیجے کو الٹ کر وھگ نمایندوں کو کثیر تعداد میں منتخب کیا۔ اسی لیے حکومت کو یہاں تک ہمت ہوئی کہ سابقہ وزرا سے قانونی مواخذہ کرے، جیسا کہ اس زمانے میں معمول ہو گیا تھا؛ چنانچہ پارلیمنٹ کا اجلاس شروع ہوتے ہی وال پول کی صدارت میں ایک مجلس مقرر کی گئی کہ سابقہ وزیروں کے جرائم کی تحقیقات کرے۔ مجلس کی کیفیت وال پول نے تحریر کی اور آکسفرڈ، بولنگ بروک اور اورمنڈ پر مقدمہ چلانے کی سفارش کی۔ ان کے خلاف ایک غیر معین الزام یہ تھا کہ صلحنامۂ یوٹریکٹ مرتب کرتے وقت برطانی اغراض اور قومی اعزاز کو دغابازی سے قربان کر دیا۔ نیز یہ کہ مدعی تخت کو بادشاہ بنانے کی سازش کی۔ ذیلی مجلس کا یہ فیصلہ سنتے ہی بولنگ بروک تو بر اعظم چل دیا اور اورمنڈ نے بھی آخر میں اس کی تقلید کی لیکن آکسفرڈ اس طوفان کا مقابلہ کرنے

باب اول

کے لیے ایکلارہ گیا اور قلعۂ لندن میں محبوس کر دیا گیا۔ مذکورہ دو وزیروں کی فراری کو پارلیمنٹ نے فوراً اقبال جرم کے مرادف قرار دیا اور بغاوت کی سزا (خرابی خون) عائد کی۔ لیکن آکسفرڈ کے معاملے میں جتنی تحقیقات کی گئی۔ اسی قدر زیادہ یہ بات نمایاں ہوتی گئی کہ غالباً اسے عدالت سے سزا نہ مل سکے گی کیونکہ صلحنامۂ یوٹریکٹ کے لیے اس نے جو کچھ رسل و رسائل کئے' ان سب کو پارلیمنٹ اور ملکہ تسلیم کر چکے تھے اور مدعی تخت سے ورسائی کی ملاقات کے سوا' اور کسی تعلق کی شہادت نہ ملی۔ غرض ایک سال بعد پہلے تو بغاوت کی بجائے الزام کی نوعیت محض غلط روی رہ گئی اور پھر ۱۷۱۷ء میں اس تحقیقات کی کارروائی بھی ترک کر کے اس معزول وزیر کو رہائی دے دی گئی۔ بولنگ بروک کی فراری سے تو فرقۂ جیکوبی کو چنداں ضرر نہ پہنچا لیکن اورمنڈ کا بھاگنا' ان کے مقاصد کے حق میں بہت نقصان کا باعث ہوا کیونکہ اس فرقے کے لوگ مغربی اضلاع میں شورش بپا کرانے کی فکر میں تھے اور امید تھی کہ اورمنڈ اس کا سرگروہ ہوگا۔ مگر اول تو اس کے مزاج میں تذبذب تھا' دوسرے اپنے جنگی تجربے کی بدولت وہ وجدانی طور پر محسوس کرتا تھا کہ فرانس یا اسکاٹ لینڈ کی پہاڑیوں کی اعانت کے بغیر ایسی شورش کامیاب نہ ہو سکے گی۔ اور انھی اسباب سے وہ اس کام میں ہاتھ ڈالنے سے باز رہا۔

پارلیمنٹ کے انتخابات تو خیریت کے ساتھ ہو گئے لیکن آیندہ موسم بہار اور گرمیوں میں جیکوبی فرقے والوں کے کئی بلوے ہوئے اور وسطی پرگنوں میں ان کا خصوصاً بہت زور رہا۔ آکسفرڈ میں بلوائیوں کا نعرہ یہ تھا کہ ''مدعی نہیں بلکہ شاہ جیمز سوم!'' اسٹیفرڈ شر میں ٹوری عوام نے موذی غیر مقلدوں کی نمازگاہوں کو توڑ پھوڑ ڈالا اور ''اصلی کلیسا اور اورمنڈ زندہ باد'' کے نعرے لگائے۔ ان ہنگاموں کو روکنے کے لیے فوری کارروائی ضروری تھی۔ لہٰذا پارلیمنٹ نے مقامی حکام کو اختیارات دینے کی غرض سے ''قانون بلوہ''

قانون بلوہ

وضع کیا جو ابھی تک نافذ ہے اور اس کی رو سے بارہ یا زیادہ اشخاص کو جو ناجائز اغراض سے جمع ہوں یا ہنگامہ بپا کریں اور

باب اول

ناظر امن یا کسی دوسرے حاکم مجاز کے' بادشاہ کی طرف سے حکم دینے کے باوجود ایک گھنٹے کے اندر منتشر نہ ہوجائیں' تو وہ قانون شکنی کے مجرم گردانے جائیں گے۔ اور اگر ایسا حکم صادر ہونے کے بعد منتشر کرتے وقت وہ مقابلہ کریں اور اس کشمکش میں مارے جائیں' تو بھی ان کے قتل کا کوئی قانونی مواخذہ نہیں ہو سکتا''۔

جیکوبی مسلک

اگرچہ بلوے بھی اس خطرناک فساد کی جو اندر ہی اندر دلوں میں پک رہا تھا' محض ایک خارجی علامت تھے۔ ورنہ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ جیکوبی عقائد ملک میں عام طور پر پھیل گئے تھے۔ اور جہاں جیکوبیت نہ تھی' وہاں بھی ہر چیز سے جس میں وھگ اصول کی بُو آتی ہو' سخت بدگمانی تھی۔ اس بدگمانی کو سب سے زیادہ تقویت لارڈ کلے رنڈن کی کتاب "بغاوت کبیرہ کی تاریخ" سے پہنچی جو ۱۷۰۲ء میں شائع ہوئی اور سالہا سال تک ہر پادری کے حلقے اور ہر زمیندار کے دیوان خانے میں سبقاً سبقاً پڑھی جاتی اور سترھویں صدی عیسوی کی مستند تاریخ سمجھی جاتی رہی۔ اس میں مولف کی شدید طرفداری کی بدولت شاہی مقاصد کو جس رنگ میں پیش کیا گیا تھا' وہ خاندان اسٹوارٹ کے عین مفید و موید تھا۔ ادھر مغربی اضلاع میں جہاں سر ولیم ون ڈہم کا طوطی بولتا تھا' جیکوبی مسلک کو بڑی قوت حاصل تھی اور اسی طرح لینکاشر میں کیتھولک خاندانوں کی کثرت سے یہ فرقہ نہایت با اثر ہوگیا تھا۔ اسکاٹ لینڈ میں ایک تو انگلستان سے اتحاد لوگوں کو بہت ناگوار ہوا' دوسرے وہاں کے بہت سے پہاڑی قبیلے ہر قسم کی باقاعدہ حکومت سے' خصوصاً جس میں قبیلۂ کیمبل کا عمل دخل ہو' دلی بیزاری رکھتے تھے۔ ان وجوہ سے جیکوبی فرقے والوں کو امید تھی کہ اسکاٹ لینڈ میں بغاوت کی آگ خوب بھڑک سکتی ہے۔ لیکن کامیابی کا اصلی مدار اس پر تھا کہ وہاں اور انگلستان' دونوں ملکوں میں بیک وقت شورش بپا ہو اور جیمز (مدعی تخت) اگر بیرونی فوج کے ساتھ نہیں' تو کم سے کم اصالتہً ضرور آپہنچے' اس تجویز کی بولنگ بروک کو بخوبی اطلاع تھی لیکن راستے کی رکاوٹوں کو اس کی قابلیت بھی دور نہ کر سکی۔ اول تو اورمنڈ کی فراری سے وہ اپنے واحد جنگی رہنما سے محروم ہو گئے۔ ادھر لوئی چہاردہم

باب اول

کے مرض موت نے دربار فرانس کی سیاسی قوتوں کو معطل کر دیا۔ برطانی حکومت نے ون ڈھم کو گرفتار کر لیا اور مغربی اضلاع میں جیکوبی گروہ کی روح رواں وہی تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جیمز (مدعی) نے انگلستان میں تیاری مکمل ہونے بغیر امیر مار کو حکم دیا کہ اسکاٹ لینڈ میں بغاوت شروع کر دے؛ چنانچہ وہ پہلی اگست کو لندن سے چلا اور سمندر کے راستے اسکاٹ لینڈ پہنچ کر اس نے پہاڑی قبیلوں کی بھرتی شروع کی۔ اس نے یہ کام بہت ہمت و مستعدی سے کیا اور ستمبر کے آخر تک اتنی بڑی جمعیت تیار کر لی کہ مونٹروز کے ماتحت بھی کبھی جمع نہیں ہوئی تھی۔ حکومت نے اس کی سرکوبی کے لیے آرجائل کو شمال کی طرف روانہ کیا مگر اس نے اپنی جمعیت بہت کم پائی اور ان مٹھی بھر سپاہیوں کو فقط اسٹرلنگ کی فصیل کے پیچھے پھیلا دینے پر قناعت کی حسن اتفاق سے مار عین اس موقع پر

اسکاٹ لینڈ کی شورش

سپہ سالاری کی کوئی عمدہ قابلیت نہ دکھا سکا اور بڑھ کر آرجائل کو مغلوب کرنے کی بجائے برتھ میں رکا رہا؛ اس عرصے میں ٹامس فورسٹر نے سرحد پر ایک رسالہ تیار کیا اور لارڈ کین مور بھی ڈم فریز کی نواح سے ایک رسالہ مرتب کر کے اس سے آملا۔ فورسٹر، نارتھمبر لینڈ کی طرف سے پارلیمنٹ کا مبعوث تھا اور یہ جمعیت مرتب کرنے میں امیر ڈرونٹ واٹر سے بھی اسے مدد ملی۔ امیر مار نے اس لشکر کی مدد کے لیے ایک پہاڑی دستہ کیلسو روانہ کیا جس کا سردار مے کن ٹوشس تھا اور پھر یہ سب مل کر لینکا شر کے علاقے میں داخل ہوئے۔ نومبر میں پرسٹن پہنچ کر شہر پر قبضہ کر لیا لیکن ان کے تین ہزار سپاہیوں کے اسلحہ ناقص تھے اور ان پر سپہ سالار ولز نے قلیل تر لیکن زیادہ باقاعدہ دستے سے حملہ کیا۔ فورسٹر کو محض اس بنا پر کہ وہ کیتھولک نہ تھا (نہ کہ کسی جنگی قابلیت کی وجہ سے) سپہ سالار بنایا گیا تھا۔ اس نے اپنی نااہلی کا ثبوت یہ دیا کہ ربل ندی کے پل کی مدافعت بھی نہ کر سکا بلکہ صرف بازاروں میں باڑیں تیار کرانے میں مصروف رہا۔ تاہم اس کے سپاہی پامردی سے لڑے اور پہلا حملہ پسپا کر دیا۔ لیکن ولز کی مدد کے لیے

کارپین ٹر پہنچ گیا تو فورس ٹر نے مایوس ہو کر ۱۳ نومبر کو اپنے حسب رائے ہتھیار ڈال دیے جس سے اس کے سپاہی اور سردار سخت منغص ہوئے؛

معرکۂ شیرف میور

جس روز پریسٹن میں ان لوگوں نے ہتھیار ڈالے اسی روز مار کو بالآخر آرجائل پر حملہ کرنے کی جراءت ہوئی اور چونکہ سرکاری فوج صرف تین ہزار تین سو اور مار کے لشکر میں دس ہزار جوان تھے لہٰذا اسے کامیابی کا یقین تھا۔ لیکن آرجائل مقابلے کے لیے خود آگے بڑھا اور ڈن بلین کی سڑک پر شیرف میور کے کھلے میدان میں صفیں جما کر لڑائی لڑا۔ یہ لڑائی بھی تاریخ کا ایک نادر معرکہ ہے کہ دونوں سپہ سالار اپنے اپنے میمنے کو لڑا رہے تھے اور اپنی اپنی جگہ دونوں کامیاب ہوئے اور پھر اپنے اپنے میسرے کی ہزیمت سن کر واپس وسط میدان میں پلٹ آئے۔ لیکن آرجائل کی کم تعداد سپاہ غالباً زیادہ تھک گئی تھی اور ایک ڈھلان کے دامن میں ہونے کی وجہ سے بھی نقصان میں رہی کیونکہ باغی لشکر اس ڈھلان کی چوٹی پر پہنچ گیا تھا۔ اس وقت باغیوں کا ایک زبردست ریلا آرجائل کا شیرازہ بکھیر دیتا اور اسی کو روکنے کے لیے وہ جیسا کچھ بن پڑا انتظام بھی کر رہا تھا کہ اتنے میں بغیر کسی ظاہری وجہ کے مار نے اپنی فوج کو ہٹ جانے کا حکم دیا۔ یہی موقع تھا جب کہ دل جلے پہاڑی سپاہیوں میں سے کسی نے یہ آواز لگا کر کہ "کاش ایک گھنٹہ ڈنڈی کا ال جاتا" جذبات قلبی کا اظہار کیا؛

بہرحال، مار کے ہار مان لینے کے باوجود اس لڑائی کو آرجائل کی فتح نہیں کہہ سکتے تھے لیکن اس کا ساری جنگ پر بڑا اثر پڑا اور مار نے فورتھ کے سر پر چڑھے ہوئے خط فوجی کو بھی توڑنے کی کوئی اور کوشش نہ کی۔ خود مدعی تخت کے آجانے سے بھی سپاہیوں میں ہمت و مستعدی نہ پیدا ہوئی۔ وہ تو اس امید میں آیا تھا کہ قواعد داں سپاہیوں کا ایک زبردست اور ظفرمند لشکر تیار ملے گا اور سپاہیوں کے ذہن میں یہ تھا کہ ان کا حاکم خوبصورت، محنتی مستعد شہزادہ ہوگا۔ اسی لیے دونوں کو بہت مایوسی ہوئی کہ مدعی شہزادے کو تو اپنے ساتھی محض ہمت شکستہ عوام کی بھیڑ نظر آئے جن کے

باب اول

پاس ڈھنگ کے ہتھیار تک نہ تھے اور ادھر سپاہیوں کو معلوم ہوا کہ ان کا سردار ایک زرد رو، دبلا پتلا لمبا سا آدمی ہے کہ نہ اس میں گویائی کی قوت ہے نہ چہرے پر کوئی شگفتگی۔ غرض پھر کوئی کارروائی عمل میں نہ آئی اور جنوری میں باغی لشکر پرتھ سے ہٹ گیا۔ ۴ فروری کو اس شہزادے اور مار نے بھی اپنے ساتھیوں کو تقدیر کے حوالے کر کے جس طرح ہو سکا، فرانس کی راہ لی؛ پرسٹین میں جو امرا گرفتار ہوئے تھے، ان میں ڈروینٹ واٹر اور کین مور کا سر قلم کرا دیا گیا۔ اور چونکہ یہ سزا وال پول جیسے رحم دل اور نرم طبیعت آدمی کی پوری تائید سے دی گئی تھی، لہذا یہ بہت اچھی شہادت ہے کہ حقیقت میں باغیوں کو سخت سبق دینے کی ضرورت تھی فورسٹر اور میکن ٹوش دونوں سلامت بچ گئے!

ان مفسدوں کی کامل ناکامی سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مار و فورسٹر جیسے نااہل سردار نہ ہوں تو بھی بیرونی امداد کے بغیر ملک میں کوئی بغاوت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس قسم کی بیرونی امداد فرانس، اسپین یا سویڈن سے مل سکتی تھی اور اسی خیال سے جارج کے وزیر زیادہ تر یہی کوشش کرتے رہے کہ ایسی کوئی امداد باغیوں کو نہ ملنے پائے۔ خوش قسمتی سے لوئی چہاردہم کی وفات سے جو پہلی ستمبر ۱۷۱۵ء کو واقع ہوئی، دربار فرانس کی حکمت عملی میں کامل تغیر آگیا۔ لوئی کا جانشین اس کا پوتا (لوئی پانزدہم) ہوا جس کی عمر پانچ سال کی اور جسمانی صحت بھی اچھی نہ تھی۔ وہ اپنے عم زاد شہزادۂ اورلیان کی زیر ایالت تھا اور اسی لیے یہ شہزادہ "نائب السلطنت فلپ" کے نام سے زیادہ مشہور رہے۔ قانون وراثت کی رو سے آیندہ وارث لوئی کا چچا فلپ شاہ اسپین ہوتا تھا لیکن صلحنامۂ یوٹریکٹ کی رو سے وہ محروم کر دیا گیا تھا اور اس کے بعد وراثت نائب السلطنت فلپ کو پہنچتی تھی۔ اسی لیے نائب السلطنت معاہدۂ مذکور کو قائم و نافذ رکھنے کا خواہاں تھا۔ اس مدعا کے مطابق اور چالاک پادری دیوبوا کے مشورے سے اس نے انگلستان سے نامہ و پیام شروع کیے اور ہنوورسی وارث کو بادشاہ جائز تسلیم کر لیا۔ کئی سال تک انگلستان و فرانس کے یہی دوستانہ تعلقات یورپ کی سیاسیات پر گہرا اثر

باب اول

ڈالتے رہے اور ۱۶۸۸ء کے بعد دوبارہ حکومت فرانس سے انگریزوں کی فی الواقع دبستی ہوگئی؛

اسپین

لیکن زیادہ خطرہ اسپین سے تھا وہاں کا نیا بادشاہ فلپ تو کمزور اور بالکل بیوی کے اثر میں تھا لیکن اس کا وزیر البرونی اپنے عہد کا نہایت ممتاز مدبّر گزرا ہے۔ نسب کے اعتبار سے وہ ایک باغبان کا بیٹا تھا اور محض اوصاف ذاتی کی بدولت اسپین کا سب سے مقتدر حاکم بنا۔ اسے بخوبی اندازہ تھا کہ اطالیہ اور ندرلینڈز کے دور دست مقبوضات جاتے رہنے سے اسپین کی اصلی قوت میں کوئی رخنہ نہیں پڑا۔ اور ادھر اپنی ہوشمندی سے چند سال امن امان قائم رکھ کر اس نے ملک کے مالیات اور فوج اور بیڑے کی حالت درست کرلی۔ فراغت و خوش حالی کے ساتھ اس کے حوصلے بڑھے اور اب وہ اس فکر میں تھا کہ اسپین دوبارہ دولِ عظمی میں شامل اور ان صوبوں پر قابض ہوجائے جو معاہدۂ یوٹریکٹ کی رو سے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ البرونی کے منصوبے پیرس اور وی آنا دونوں جگہ شک شبہے کی نظر سے دیکھے گئے ۱۷۱۷ء میں اسپین کے ایک باشندے کی گرفتاری پر برافروختہ ہوکر آسٹریا کے خلاف اعلان جنگ کردیا گیا اور چھوٹتے ہی اسپین نے سارڈینیا پر حملہ اور قبضہ کرلیا۔ پھر ۱۷۱۸ء میں صقلیہ پر فوج کشی کی۔ اتحاد ثلاثہ والوں نے اسپین کی یہ مخدوش روش دیکھ کر آسٹریا کو بھی اتحاد میں داخل کرلیا اور اب اسی اتحاد اربعہ کی طرف سے امیر البحر بنگ کو حکم ملا کہ صقلیہ پر اسپینی حملے کی مزاحمت کرے۔ چنانچہ اس نے یہاں پہنچ کر اسپین کے بیڑے سے راس پسارو پر جنگ کی اور انگریزی بیڑا کامیاب ہوا۔ انگریزوں کے اس طرح اسپینی منصوبوں میں کھنڈت ڈالنے سے البرونی بہت غضبناک ہوا اور جواب میں اس نے بلا تاخیر شہزادۂ مدعی کی حمایت کا بیڑا اٹھالیا؛

اول تو اس نے چارلس دوازدہم کو بھڑکانے کی فکر کی جو ان دنوں سویڈن کا سنکی سا سپاہی مزاج فرماں روا تھا اور

باب اول

برطانیہ سے پہلے ہی خار کھائے ہوئے تھا کہ شاہ جارج نے بریمن و ورڈن کی ریاستیں ڈین مارک والوں سے خرید لیں حالانکہ وہ ۱۶۴۸ء سے سویڈن کا مقبوضہ تھیں اور ڈین مارک والوں نے چند ہی سال پہلے ان پر تصرف جما لیا تھا۔ غرض شاہ سویڈن، البرونی کے کہنے سے بہ آسانی اسکاٹ لینڈ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ ہوگیا اور چونکہ وہ بڑا جنگ آزمودہ سردار تھا اس کا معقول فوج لے کر اسکاٹ لینڈ میں آدھمکنا بہت خطرناک ہوتا اور مار کی بغاوت سے کہیں بڑھ کر شورش خود ملک میں بھڑک اٹھتی۔ لیکن انگلستان کی خوش نصیبی سے چارلس کو اسکاٹ لینڈ پر فوج کشی کرنے سے پہلے نارو ے کا فتح کرنا ضروری ہوا اور اسی کوشش میں وہ قلعۂ فریڈرکس ہال کے سامنے دسمبر ۱۷۱۸ء میں فوت ہوگیا اور ایک سخت خطرے سے انگلستان کو نجات مل گئی؛

اسپینی حملۂ اسکاٹ لینڈ یہ منصوبہ نہ چلا تو البرونی نے شہزادۂ مدعی کو اسپین بلا کر خود ایک مہم تیار کی جس میں پانچ ہزار سپاہی شامل اور مزید تیس ہزار کے لیے اسلحہ فراہم کیے تھے۔ اور مرنڈ فوج کا سردار بنایا گیا لیکن یہ مہم خلیج بسکے میں طوفان سے برباد ہوگئی اور دو جہاز صرف تین سو سپاہیوں کے ساتھ کنیٹیل (روس شر) تک پہنچے تو اس قلیل جمعیت کو گلین شیل کے درے پر بلا دقت شکست دے کر منتشر کر دیا گیا (۱۷۱۹ء) اور ادھر انگریزوں اور فرانسیسیوں کے ہاتھ سے خود اسپین میں، نیز سمندر میں البرونی کو بہت سی زکیں کھانی پڑیں اور اتحادیوں نے صلح کی ایک شرط یہ قرار دی کہ اس وزیر کو برطرف کر دیا جائے۔ یہ شرط قبول کر لی گئی۔ البرونی معزول ہو کر اپنے وطن اطالیہ میں چلا آیا اور ۱۷۲۰ء میں ایک عام صلح ہوگئی۔ شرائط صلح میں سب سے دلچسپ دفعہ یہ تھی کہ صقلیہ کے جدید بادشاہ نے (دیکھو صفحہ ۴۲۶) اس جزیرے کے عوض میں سارڈینیا لینا قبول کر لیا۔ پھر ہر طرف امن و صلح کی صورتیں رونما ہوئیں جس کا بڑا سبب یہ تھا کہ انگلستان و فرانس معمول کے خلاف متحد ہو کر کام کر رہے تھے؛ یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ البرونی

باب اول

کی شکست سب سے زیادہ اسٹین ہوپ کی سعی کی رہین منت تھی؛

قانون ہفت سالہ

وطن میں حکومت کا قابل ذکر کام قانون ہفت سالہ کا نفاذ تھا۔ کچھ مدت سے سہ سالہ قانون کے اصول پر نکتہ چینی سنی جارہی تھی اور لوگ جل جل کے کہتے تھے کہ پارلیمنٹ اپنا پہلا سال تو محض انتخابات کے متعلق عرضیوں کی سماعت ہی میں گزار دیتی ہے۔ دوسرا بحث مباحثے میں، اور تیسرا نئے انتخابات کے انتظار میں؛ ۱۷۱۶ء میں بھی معلوم ہوا کہ اگر قانون میں کوئی ترمیم نہ ہوئی تو اگلے سال نئے انتخابات لازمی ہوں گے۔ اور چونکہ ملک میں اضطراب پھیلا ہوا تھا، لہذا وزیروں نے حکومت کو جوکھوں میں ڈالنا گوارا نہیں کیا بلکہ تجویز کی کہ یہ اور آیندہ ہر پارلیمنٹ کی مدت سات سال ہوا کرے۔ یہ مسودۂ قانون دونوں ایوانوں میں غلبۂ آرا سے منظور ہوا اور پارلیمنٹ کے باہر بھی بظاہر لوگوں نے کوئی مخالفت نہیں کی، یہ قانون حقیقت میں بہت نتیجہ خیز تھا۔ اس سے دارالامرا کے مقابلے میں دارالعوام کی قوت بڑھ گئی کیونکہ اول تو دارالعوام کے مبعوثین کے عہدے میں دیرپائی آگئی دوسرے انفرادی طور پر امرا دارالعوام کے بہت سے مبعوثین کو نامزد کردیا کرتے تھے، اب یہ بات نہ رہی اور اسی لیے عوام کے مبعوثین ان امیروں کے دست نگر نہ رہے۔ یہ واقعہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اس قانون کے نفاذ کے بعد سے وزرا کو بہت زیادہ فکر ہوگئی کہ اپنے بہترین آدمیوں کا انتخاب کرائیں۔ میعاد بڑھ جانے سے دارالعوام کی روش میں پہلے جو تلوّن تھا وہ بھی کم ہوگیا اور وھگ جماعت کو اپنی قوت مضبوط کرنے کی کافی مہلت میسر آئی۔ سن رسیدہ سمرز نے اس قانون کی تعریف میں کہا کہ یہ ملک کی آزادیوں کا سب سے بڑا سہارا ثابت ہوگا" اور کارٹرٹ نے اس بنا پر تحسین کی کہ اس قانون سے وزرا کی قوت میں استواری آئے گی اور اسی لیے بیرونی ممالک میں انگلستان کا اعتبار بڑھ جائے گا" خود ہمارے زمانے میں ہفت سالہ میعاد کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ حکومت کے طریق عمل میں شدید تغیرات نہیں ہونے پاتے اور عام انتخابات میں جو فریقانہ جذبات برانگیختہ ہوجاتے ہیں، وہ رفتہ رفتہ فرد ہوجاتے ہیں۔ دوسرے

معوثین میں زیادہ آزادی رائے پیدا ہو جاتی ہے جو بار بار انتخابات کی صورت میں پیدا ہونی مشکل ہے۔ اور لوگوں کا بہت سا روپیہ بھی بچ جاتا ہے؛

۱۷۱۷ء میں وھگ فریق کی حکومتِ ثلاثہ ٹوٹ گئی۔ جیسا کہ بڑی اکثریت کی صورت میں ہوا کرتا ہے، وھگوں میں بھی اندرونی اختلافات کے بہت سے موقع نکل آئے تھے۔ یوں بھی اس زمانے میں جماعت وزرا کے افراد ایک دوسرے کے ایسے وفادار نہ ہوتے تھے، جیسے کہ بعد میں ہونے لگے۔ غرض ابتدا ہی سے بعض وزیروں میں باہمی کشیدگی پیدا ہوئی۔ سنڈرلینڈ کو آئرستان کی دوردست اور نسبتہً کم وقعت صوبہ داری پر پڑا رہنا بہت شاق تھا، اس نے ان اختلافات کو بڑھانے میں پوری کوشش کی۔ پھر کسی خاص مقصد میں تخالف کی وجہ سے نہیں بلکہ ذرا ذرا سے جھگڑوں اور غلط فہمیوں نے کشمکش کو بڑھا دیا۔ ورنہ اصولاً وزرا میں کوئی سیاسی اختلاف نہ تھا۔ علاوہ اور اسباب کے، بادشاہ کی ناخوشی کا سبب یہ ہوا کہ ٹاون زنڈ کی ولی عہد سے راہ و رسم بڑھ گئی حالانکہ ولی عہد کی ملک میں زیادہ ہر دلعزیزی دیکھ کر بادشاہ بیٹے سے جلنے لگا تھا۔ مزید براں اسٹین ہوپ اور سنڈرلینڈ، ہنوور میں اور ٹاون زنڈ لندن میں تھا اور جملہ معاملات ان کی باہمی خط و کتابت سے طے ہوتے جن کے آنے جانے میں بہت دیر لگتی تھی۔ یہ انتظام بھی ہم آہنگی کے حق میں نہایت مضر تھا۔ خلاصہ یہ کہ جارج نے ٹاون زنڈ کو معتمدی سے الگ کر دیا مگر اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی غرض سے آئرستان کا والی بنا دیا۔ ٹاون زنڈ نے کچھ عرصے تک سر تسلیم خم کر دیا بایں ہمہ وزیروں کے تعلقات میں کوئی بہتری کی صورت نہ نکلی اور ۱۷۱۷ء میں بادشاہ نے ٹاون زنڈ کو صوبہ داری سے بھی یک لخت برطرف کر دیا۔ اس پر وال پول فوراً مستعفی ہو گیا حالانکہ بادشاہ اسے برابر روکتا رہا ساتھ ہی ولیم پل ٹنی مستعفی ہوا جو وال پول کا خاص حلیف اور نہایت عمدہ مقرر تھا۔ ان لوگوں کے ہٹنے سے وزارت کی از سر نو تشکیل عمل میں آئی۔ اسٹین ہوپ خزانے اور مالگذاری کا صدر مقرر ہوا اور سنڈرلینڈ کو اڈیسن کی شرکت میں شاہی معتمدی کا عہدہ ملا جسے اس کی سعی و کاوش کا

باب اول

صلہ سمجھنا چاہیئے۔ کچھ روز بعد اسٹین ہوپ امارت کے درجے پر فائز ہوا تو مالگزاری کی صدارت ایس لبی کے حصے میں آئی پھر ۱۷۱۸ء میں اسٹین ہوپ اور سنڈرلینڈ کی خدمات کا ایک دوسرے سے مبادلہ عمل میں آیا۔

اسٹین ہوپ، قابل اور وسیع النظر وزیر تھا۔ سنڈرلینڈ کے مزاج میں، اعلیٰ قابلیت اور محنت کے ساتھ، تنہا پسندی اور امیرانہ تحکم کی شان تھی۔ چنانچہ تفریق مذہبی اور "تسلیم وقتی" کے قانون کو منسوخ کرنے میں اسٹین ہوپ کا اثر نمایاں ہے اور ناکام مسودۂ قانون امارت میں سنڈرلینڈ کا۔ بہرحال، دونوں مذہبی رواداری کے پختہ حامی تھے اور اپنے ساتھی کی پوری تائید ہی سے اسٹین ہوپ نے ایک نیا مسودہ مرتب کیا جس کا نام کمال ذہانت سے "قانون برائے تقویت اغراض فرقۂ پروٹسٹنٹ" قرار دیا حالانکہ اس کا منشا یہ تھا کہ "تفریق" اور "تسلیم وقتی" وغیرہ کے قوانین کو جو مذہبی اختلاف رکھنے والوں کے خلاف وضع کیے گئے تھے، منسوخ کردیا جائے۔ اسی موقع پر ثابت ہوا کہ رواداری کے نظریوں کا اہل انگلستان کے دلوں پر کتنا کم اثر تھا۔ چنانچہ چار کے سوا تمام اسقفوں نے اس کی مخالفت کی اور منجملہ بہت سے امیروں کے ڈیون شر اور نوٹنگھم بھی ان کے ہمراہ ہوگئے حالانکہ ان میں سے ایک وھگ اور دوسرا ٹوری تھا۔ مخالفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسودے کی دوسری خواندگی ۶۸ کے مقابلے میں صرف ۸۶ آرا سے منظور ہوئی۔ یہ رنگ دیکھ کر اسٹین ہوپ نے اپنی تجاویز میں صرف قانونِ آزمائش اور قانون بلدیات کی تنسیخ پر قناعت کی مگر اس ترمیم کے باوجود بھی دارالعوام میں اس کی دوسری خواندگی ۲۰۲ کے مقابلے میں فقط ۲۴۳ آرا سے منظور ہوسکی۔ وال پول نے قانون تفریق مذہبی کی نسبت پہلے تو خود کہا تھا کہ وہ کسی پروٹسٹنٹ پارلیمنٹ کی بجائے جُولین مرتد کے زیادہ شایان شان ہے لیکن اس موقع پر حمایت میں تقریر کی اور اقلیت کے ساتھ رائے دے کر اپنے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا لگایا۔ غرض صاف ظاہر ہوگیا کہ سنڈرلینڈ کی رائے غلط نہ تھی جس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قانون آزمائش کو چھیڑا تو پھر سارے مسودے کی خیر نہ ہوگی۔ اور اسٹین ہوپ کو اندازہ ہوگیا کہ وہ اپنی کوشش میں سرگرم رہا تو

باب اول

کلیسائے انگلستان اس کا دشمن ہو جائے گا۔ ایسی دشمنی سے گوڈالفن اور مارل برو کو نیچا دیکھنا پڑا تھا لہذا ذاتی طور پر تمام مذہبی تفریق اور قیود کے خلاف ہونے کے باوجود اسے قدم روکنا پڑا؛

سنڈرلینڈ نے جو تجویز سوچی تھی، وہ اتنی بھی نہ چلی۔ تجویز کا ظاہری منشا تو یہ تھا کہ ملکۂ این کے زمانے میں جیسی انقلاب انگیز کارروائی ہوئی تھی، وہ آئندہ نہ ہونے پائے اور امرا کی تعداد کو محدود کر کے دارالامرا کو ایسے ناگہانی تغیرات سے محفوظ کر دیا جائے۔ لیکن درحقیقت اس کی تہ میں سنڈرلینڈ کا جذبۂ خواص پرستی مضمر تھا کہ

مسودۂ قانون امارت

امرا کا اعزاز بڑھ جائے اور دارالامرا اتنا قوی ہو جائے کہ دارالعوام یا بادشاہ کے بھی اثر میں نہ آسکے۔ مجوزہ قانون میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ (ہنوور کی) بادشاہ پردیسیوں کو مرتبۂ امارت نہ دے سکیں، جس سے دراصل دارالعوام کو خوش کرنا مقصود تھا۔ اور امرا کی تعداد محدود کرنے کی غرض سے تجویز کی گئی تھی کہ موجودہ ۱۷۸ امیروں کی تعداد میں صرف ۶ کا اور اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ امارتیں جو لاولدی کی وجہ سے غائب ہو جاتیں ان پر نئے اشخاص کا مقرر کیا جانا ضروری تھا اور اس خیال سے کہ حکومت کو یہ موقع جلد جلد ملتا رہے، صرف نرینہ اولاد کی وراثت جائز رکھی گئی تھی۔ اسکاٹ لینڈ کے سولہ انتخابی امیروں کی بجائے وہاں پچیس موروثی امیر بنائے جانے کی تجویز تھی؛ یہ مسودہ دارالامرا میں تو ظاہر ہے کہ بہت خوشی سے منظور کر لیا گیا۔ لیکن وال پول نے اس کی جم کر مخالفت کی ورنہ بہت ممکن تھا کہ دارالعوام میں بھی اسے منظوری مل جاتی۔ وال پول ان معاصرین میں سب سے بڑھ کر اس بات کی ضرورت کا احساس رکھتا تھا کہ دارالعوام کا اقتدار جس طرح بن پڑے غالب رہنا چاہئے۔ اس نے بڑی معرکے کی تقریر کی جس میں مبعوثین کو سیاسی سمجھ بوجھ سے کام لینے کی التجا تھی اور ان کے خاندانی اور متوسط طبقے کے تعصبات اور جاہ پسندی کے جذبات کو برانگیختہ کیا تھا۔ اس نے جتایا کہ اس قانون سے عمدہ کام کرنے کی تحریک بہت کچھ کم ہو جائے گی کیونکہ حصول اعزاز کی صورت بجز اس کے کچھ نہ رہے گی کہ یا تو آدمی کسی بوڑھے دقیانوسی امیر کا

باب اول

سجادہ نشین ہو، اور یا کسی لاوارث خاندان امارت کے خاتمے کی دعا مانگتا رہے"۔ اس نے کہا "صریحی بات ہے کہ امرا کو جو کچھ فائدہ حاصل ہوگا وہ دارالعوام یا شاہی اقتدار کے نقصان کے عوض میں ہوگا"۔ اور آخر میں ساتھ والوں سے الزامی سوال کے طور پر دریافت کیا کہ بھلا اُمرا و دارالعوام کے ارکان سے یہ توقع کس طرح کر سکتے ہیں کہ ہم ایسے قانون پر دستخط ثبت کریں گے کہ جو ہماری اولاد کو مرتبۂ امارت تک پہنچنے میں مانع ہے؛ غرض ایسی دلنشین دلیلوں سے وال پول سب حریفوں پر غالب آگیا اور مسودۂ قانون ۷، ۱ کے مقابلے میں ۲۰۹ آرا سے مسترد کر دیا گیا۔ واقع میں اگر یہ قانون نافذ ہو جاتا تو انھی وھگ اکابر کی حکومت جو اس وقت برسر اقتدار تھے، دوامی ہو جاتی اور جب کبھی دارالامرا کا دارالعوام سے اختلاف ہوتا، تو پھر سوائے بغاوت کے اس اختلاف کو رفع کرنے کی کوئی اور صورت نہ رہتی؛

اسی مسودۂ قانون کے استرداد کے سال "ساوتھ سی" والی تجویز کا چرچا ہوا۔ اس نام سے ٹوری وزرا نے ۱۷۱۱ء میں ایک تجارتی شرکت قائم کی تھی، اصولاً یہ انھی بنیادوں پر مرتب ہوئی تھی جن پر مون ٹیگو نے انگلستان کا قومی بنک بنایا تھا۔ ایک کرور نوے لاکھ پونڈ کا سرمایہ جمع کیا گیا اور اسے بعض محاصل راہ داری کی کفالت پر چھ فیصدی سود کی شرح سے حکومت کو قرض دیا گیا۔ انتظام کے لیے ۸ ہزار پونڈ سالانہ؛ بحرالکاہل میں اور جنوبی امریکہ کے ساحل پر اوری نوکو سے راس ہورن تک بلاشرکت تجارت کا حق بھی حکومت نے عطا کیا۔ یہ نئی شرکت ٹوری ادارہ سمجھی جاتی تھی اور عہد نامۂ یوٹریکٹ کے وقت اس کے حقوق و فوائد کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا تھا۔ اسی کے فائدے کے لیے افریقہ کے غلاموں کی تجارت انگلستان سے مخصوص کرائی گئی اور یہ حق حاصل کیا گیا کہ ہسپانی نوآبادیوں میں ہر سال ایک تجارتی جہاز بھیجا جا سکے گا۔ اسی اہتمام کا نتیجہ یہ تھا کہ اس شرکت نے خوب ترقی کی اور ۱۷۱۸ء میں اس کے حصص کی قیمت، اصل قیمت سے بہت کچھ بڑھ گئی؛

جارج اول کے ابتدائی عہد حکومت میں، قومی قرضے کا، اور خصوصاً سالانہ محاصل کے بار کا بڑھتے چلے جانا بہت موجب تشویش ہو گیا تھا؛ ادھر جس قدر حکومت کا استحکام بڑھا، اس کی ساکھ بھی بڑھی اور شرح شرکت میں کمی آتی گئی۔

باب اول

اس سے فائدہ اٹھا کر ۱۷۱۷ء میں حکومت نے ساوتھ سی اور بنک انگلستان دونوں کی رقم پر سود کی شرح ۶ سے گھٹا کر ۵ فیصدی کردی۔ اور اسی شرح پر ان ساہوکاروں نے بینتالیس لاکھ پونڈ اور قرضہ دیا کہ حکومت کے جو قرض خواہ شرح سود کی کمی کے باعث اپنا روپیہ واپس لینا چاہیں، حکومت ان کی رقم ادا کردے۔ ۱۷۱۹ء میں ساوتھ سی کی طرف سے جو نئی تجویز پیش ہوئی، اس کی بنا بھی اسی مذکورۂ بالا انتظام کو سمجھنا چاہئے جس کی کامیابی دیکھ کر اسے وسعت دینے کا خیال پیدا ہوا۔ اس تجویز پر اول، شرکت کے صدرنشین (سر جان بلنٹ) اور ایس لابی (وزیر مالیہ) اور سنڈرلینڈ (صدر امیر خزانہ) کی بحث و گفتگو ہو چکی تھی۔ ابتدا میں اس کا پیمانہ بھی کچھ بہت بڑا نہ تھا لیکن بنک انگلستان کے ہوا خواہوں نے اجازت حاصل کرلی کہ بنک بھی اسی قسم کی تجویز پیش کرے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ دونوں شرکتیں ایک دوسرے کے مقابلے میں بڑھ چڑھ کر بولیاں بولنے لگیں اور مآل اندیشی کا خیال تک بالائے طاق رکھ دیا۔ آخر بازی ساوتھ سی کے ہاتھ رہی اور اس نے ۵ فیصدی کی شرح سود پر حکومت کا سارا قرضہ اتارنے اور ہنگامی تمسک داروں اور ایسے مالکان حصص کا روپیہ ادا کرنے کا ذمہ لیا جو اس کی جدید تجاویز کے موید نہ تھے۔ صرف انھی کی رقم پچھتر لاکھ پونڈ سے کم نہ جڑتی تھی۔ لیکن کچھ روز کے تامل، تذبذب کے بعد انھی حصہ داروں میں سے اکثر پھر شرکت میں شریک ہوگئے اور اپنی ۸½ سال کی سالانہ آمدنی کی قیمت یکمشت ادا کردی۔ لوگوں کے ذہن میں تجاویز کی ناکامی کا خیال بھی نہ آتا تھا اور ان کے اعتماد کو اس لیے اور بھی قوت پہنچ گئی کہ اول تو پیرس میں اسی قسم کی تجارتی تجاویز مرتب ہونے لگیں اور دوسرے شرکت مسی سپی کے کاروبار کی بدولت فرانس والوں کو بے انتہا دولت مل جانے کے طمع انگیز قصے لندن میں گشت کرنے لگے۔ ایک اور وجہ جس نے لوگوں کو روپے کی بازی لگانے پر اور زیادہ آمادہ کیا، یہ تھی کہ ان دنوں تجارت میں روپیہ لگانے کے مواقع کم اور دولت میں یوماً فیوماً اضافہ ہو رہا تھا۔ بس ایک ایسے کاروبار میں جسے بظاہر ملک کے ارباب سیاست کی تصدیق حاصل تھی، لوگ حصہ لینے کے لیے دوڑ پڑے۔ سو پونڈ کا حصہ ایک سو تیس کا تو شروع سال ہی میں

باب اول

ہو گیا تھا اب سرعت سے قیمت بڑھی اور ۱۷۲۰ء کی گرمیوں تک برابر بڑھتی رہی حتیٰ کہ اگست میں سو کے حصے کی قیمت ہزار پونڈ کی زبردست رقم چڑھ گئی۔ جس کے معنے یہ تھے کہ شرکت اصلی قیمت پر کم سے کم پچاس فیصدی کا نفع تقسیم کرے تب حصہ داروں کو فائدہ رہ سکتا تھا۔ لیکن شرکت کے نظما کو کامیابی پر اتنا یقین تھا، یا اس درجے خبط میں مبتلا تھے کہ ۱۷۲۱ء میں یوم میلاد مسیح کے بعد بھی انھوں نے اعلان کیا کہ منافع کبھی بھی مذکورۂ بالا شرح سے کم نہ ہوگا۔

حریف شرکتیں

ادھر لوگوں کو کاروبار میں روپیہ لگانے کا وہ سودا ہوا تھا کہ ساوتھ سی کی دیکھا دیکھی اور بھی تجارتی شرکتیں قائم ہونے لگیں۔ بعض اصولاً درست لیکن عملاً قبل از وقت تھیں اور بعض کے ارادے محض لغو تھے۔ مثلاً کوئی تو اس مقصد سے بنی کہ پتھر کے کوئلے سے لوہا تیار کرے گی۔ کسی نے نوکروں کی غفلت سے گھر والوں کو جو نقصان پہنچتے ہیں، اس کا بیمہ کرنے کا ذمہ لیا۔ ایک کا منشا ایسا پیّا بنانا تھا، جو دائماً حرکت کرتا رہے اور ایک ایسا کاروبار کرنا چاہتی تھی، جس میں نفع ہی نفع تھا، مگر کسی شخص کو اس کا حال بتایا نہ جا سکتا تھا۔ ان شراکتوں کے صدر نشینوں میں امرائے کبار اور شہزادوں کے نام لکھے ہوتے بلکہ ویلز کی ایک تانبے کی شرکت کا صدر نشین بننا خود ولی عہد شہزادۂ ویلز نے قبول کیا۔ ان میں سے اکثر جماعتوں کی کوئی قانونی حیثیت نہ تھی اور ساوتھ سی کمپنی والوں نے ان پر دعوے کرنے شروع کیے۔ لیکن اس قانونی چارہ جوئی سے خود ساوتھ سی کے منصوبوں کا مخدوش ہونا ثابت ہوا اور اس کے حصوں کی قیمت فوراً گر گئی۔ اکتوبر تک تین سو اور نومبر میں گھٹ کر ۱۳۵ پونڈ فی حصہ رہ گئی اور پھر زیادہ نہ گری۔ تاہم جو لوگ نادانی سے کہیں زیادہ قیمت دے چکے تھے، انھیں سخت نقصان ہوا اور چونکہ امیر و غریب مرد و عورت سبھی اس دولت بٹورنے کی دوڑ میں شریک تھے، لہذا سخت تباہی پھیل گئی۔ اسی میں سنڈرلینڈ ہارا، وال پول فائدے میں رہا ہوشیار پوپ نے آمدنی بڑھا لی، لاابالی گے نقصان میں رہا۔ خود سرکار کی ساکھ خاک میں ملتی نظر آتی تھی اور کوئی نہ جانتا تھا کہ آیندہ کیا نتیجہ ہوگا۔ جیکوبی فرقے والوں نے یہ مصیبت عام دیکھ کر بہت بغلیں بجائیں۔ اس پریشانی میں ہر شخص کی زبان پر

باب اول

ایک ہی شخص کا نام تھا کہ وہی ملک کو تباہی سے بچا سکتا ہے۔ یہ وال پول تھا، جو شروع سے کہتا رہا کہ شرکت ساؤتھ سی کی تجاویز اتنی بڑی ہیں کہ انھیں سنبھالنا محال ہوگا۔ اس کے قول وفعل کا فرق تو اس سے ظاہر ہے کہ خود روپیہ لگا کے فائدہ اٹھانے میں تامل نہیں کیا، لیکن عام طور پر وہ اسٹین ہوپ اور سنڈر لینڈ کی ہر تحریک کی مخالفت کرتا رہا تھا، جسے اس وقت تو کسی نے سنا نہیں، مگر اب وہ سب باتیں یاد آئیں، حالانکہ اب وال پول دوبارہ سرکاری عہدہ قبول کر چکا تھا۔

اسی کے ساتھ ایک ہنگامہ بلند ہوا کہ کمپنی کے ناظموں کو سزا ملنی چاہیے۔ سرکاری تحقیقات کی استدعا کی گئی اور تحقیقات سے بہت جلد ثابت ہو گیا کہ طرح طرح کی جعلسازیاں اور خیانتیں ہوتی رہی ہیں۔ تجارتی شرکتوں کی ایسی بدعنوانیاں، ان دنوں کچھ خلاف معمول نہ تھیں، تاہم اس شرکت کے معاملات میں یہ چوریاں کھلیں تو بڑا ہنگامہ برپا ہوا۔ پتا چلا کہ وزرا کے نام محض فرضی طور پر بڑے بڑے حصے لکھ دیے گئے تھے جو ان کی تائید کی قیمت تھی۔ بیگم کنڈل اور بیگم سفک کو دس دس ہزار پونڈ ادا کیے گئے تھے۔ سنڈر لینڈ، کریگز، ایس لبی اور اسٹین ہوپ کے ایک عمزاد بھائی چارلس اسٹین ہوپ، چاروں کی نسبت بیان ہوا کہ نذرانے کے طور پر مال وصول کرتے رہے ہیں۔ ان میں سنڈر لینڈ اور اسٹین ہوپ کو تو بمشکل رہائی مل گئی۔ کریگز عین یہ کیفیت شائع ہونے کے دن سیتلا سے مر گیا۔ اس کے باپ نے خودکشی کر لی۔ ایس لبی ملک سے نکال دیا گیا۔ جو ناظم شریک پائے گئے ان پر جرمانہ ہوا۔ گبن کے دادا کو ایک لاکھ کی جمع جتھا میں سے پچانوے ہزار پونڈ دھر دینے پڑے۔ اسٹین ہوپ کچھ زیادہ ملوث نہ تھا لیکن لارڈ وھارٹن نے اس پر ایسے آوازے کسے کہ دارالامرا میں اس کی حالت متغیر ہو گئی اور وہ علیل ہو کر چند ہی روز میں مر گیا۔ سنڈر لینڈ کو جبراً استعفیٰ دینا پڑا۔

ان تغیرات سے وال پول کا راستہ صاف ہو گیا اور وہ سنڈر لینڈ کی جگہ صدر امیر خزانہ اور ایس لبی کی جگہ وزیر مالیہ مقرر ہوا۔ وال پول کی رائے سے کمپنی کا سرمایہ تین کروڑ تیس لاکھ پونڈ قرار پایا جس کی نصف رقم پر حکومت نے پہلے پانچ فیصدی اور ۱۷۲۷ء کے بعد سے چار فیصدی سود ادا کرنے کا اقرار کیا۔

باب اول

قرار پایا کہ حصہ داروں کو صرف تینتیس ۳۳ فیصدی رقم دی جائے۔ اس طرح ملک کو یہ امید ہوئی کہ چھ سال بعد قومی قرضے کا ایک فیصدی سود کم ہو جائے گا۔ تجارت میں جو خلفشار پیدا ہوا تھا، وہ بتدریج فرو ہو گیا۔ غنیمت یہ ہے کہ اصل سرمایہ ضائع نہ ہوا تھا، جیسا کہ ڈیرین کی تجویز میں آفت آچکی تھی۔ بعض لوگ زیادہ دولت مند اور بعض محتاج فزدر ہو گئے، لیکن قومی سرمایہ سلامت رہا۔ رفتہ رفتہ لوگ پھر مطمئن ہو گئے اور مختلف صورتوں میں حسب معمول تجارت ہونے لگی؛

وال پول کی وزارت۔

اب وال پول صدر امیر خزانہ اور وزیر اعظم انگلستان بنایا گیا وہ پہلا شخص ہے جسے اس خطاب سے یاد کرتے ہیں اگرچہ بہت پہلے یعنی ۱۶۷۷ء میں ایولن، لارڈ آرلنگٹن کی نسبت بھی "معتمد شاہی اور وزیر اعظم" کے الفاظ استعمال کرتا ہے، مگر اس کا مطلب بجز اس کے کچھ نہیں کہ آرلنگٹن سب سے ممتاز وزیر تھا اور شاہی وزیروں میں اس قسم کا امتیاز ہمیشہ کسی نہ کسی کو حاصل رہتا تھا۔ نارمن اور ابتدائی پلان ٹاجینٹ بادشاہوں کے عہد میں عموماً امیر عدل وزیر اعظم ہوتا تھا۔ بعد کے پلان ٹاجینٹ اور ٹیوڈر بادشاہوں کے وقت میں وزیر مالیہ کو یہ حیثیت حاصل ہوئی جیسا کہ ولیم وکھم، مورٹن اور ولزے کے حالات سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ آخری ٹیوڈروں اور اسٹوارٹ بادشاہوں کے وزیروں میں یہ مرتبہ کبھی وزیر مال کبھی امیر خزانہ اور کبھی شاہی معتمد یا دبیر کو حاصل ہوتا رہا۔ چنانچہ برلے پہلے پہلے معتمد اور پھر امیر خزانہ تھا۔ کلیرنڈن وزیر مال رہا لیکن اس کی معزولی کے بعد وزیر اعظم عموماً وہی شخص سمجھا جاتا جس کے پاس وزارت خزانہ کا قلمدان ہوتا تھا۔ چنانچہ ڈین بی اور گوڈالفن کا اصلی عہدہ یہی رہا۔ لیکن امارت خزانہ میں اکثر ایک شخص کی بجائے سارا انتظام چند اشخاص کی جماعت کے حوالے کر دیتے جو امیر خزانہ کہلاتے اور ان کا صدر نشین صدر امیر خزانہ موسوم ہوتا تھا۔ آج کل اسی طرز پر امارت بحریہ کا سر رشتہ قائم اور صدر امیر البحر کی خدمت انجام دیتا ہے۔ بہر حال، اس زمانے میں وزرا میں کوئی ترتیب نہ تھی اور جارج اول کے عہد تک ٹاؤن زنڈ اور اسٹین ہوپ جو درحقیقت وزیر اعظم رہے عہدے کے اعتبار سے محض معتمد تھے؛

باب اول

وزیر اعظم

لیکن حالات کے اقتضا سے اب ضروری ہو گیا کہ صدر وزیر کی حیثیت کو زیادہ صاف اور معین کر دیا جائے۔ سب سے بڑی ضرورت تو یہی تھی کہ مجلس وزرا میں بادشاہ نہ آئے تو صدارت کون کرے؟ اب تک معمول رہا تھا کہ بادشاہ انگلستان میں موجود ہوتا تو ہمیشہ ان جلسوں میں آکر خود صدارت کرتا تھا مگر جارج کو اول تو انگریزی زبان نہ آتی تھی اور اس لیے جلسوں کی صدارت سے اس کا جی اکتایا اور اپنی شرکت بیکار نظر آئی۔ نظر بر ایں آیندہ سے صدر وزیر ہی اس مجلس کا صدر نشین سمجھا جانے لگا اور اسی کو وزیر اعظم اور پھر پریمیر یا پریمیئے یعنے (وزیر اول) کا لقب حاصل ہو گیا۔ وال پول کے عرصے تک برسر عہدہ رہنے کی وجہ سے وزارت عظمیٰ صدر امیر خزانہ کے عہدے کے ساتھ لازم ملزوم خیال کی جانے لگی لیکن یہ کوئی مقررہ قاعدہ نہیں ہے اور ۱۸۸۵ء اور ۱۸۸۶ء ہی میں (لارڈ ایڈس لے کی وفات واقع ۱۸۸۷ء کے بعد) سالسبری نے قدیم تر طریقے پر عمل کیا اور وزارت عظمیٰ کے ساتھ ہی وزارت خارجہ کی خدمت اپنے ذمے لی اور دار العوام کے صدر وزیر کو امارت خزانہ کا عہدہ تفویض کر دیا۔ بایں ہمہ انگلستان کے قوانین میں وزیر اعظم کا عہدہ کہیں مذکور نہیں ہے۔ یہ محض ایک تعظیمی لقب ہے اور بادشاہ جس شخص سے وزارت مرتب کرنے کی فرمائش کرتا ہے اسی کو یہ لقب مل جاتا ہے؛ بہر حال یہ جدت فریق داری حکومت کی تاریخ میں ضرور اہمیت رکھتی ہے اور چونکہ جارج نے اپنے وزرا کو ایک ہی سیاسی فریق میں سے منتخب کرنے کا طریقہ اختیار کیا تھا، لہذا ان میں ایک شخص کے وزیر اعظم بنائے جانے سے وزارت میں ایک خاص انضباط و اتحاد پیدا ہو گیا اور اسی وقت سے وزیروں کی ساری جماعت کو مجلس وزرا یا وزارت کے اسم جمع سے یاد کرنے لگے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اہل ملک جدید طریقے کے معنے اور فوائد کا بخوبی اندازہ رکھتے تھے۔ آیندہ سے اسی لفظ (وزارت) میں وہ تمام عہدہ دار داخل سمجھے جانے لگے جو سیاسی آرا کی تبدیلی سے بدل جاتے ہیں اور اس گروہ میں وزرا کی وہ کابینہ بھی شامل ہے، جو وزیر اعظم کی صدارت میں صیغۂ راز میں اجلاس کرتی رہتی ہے۔ کابینہ کے ارکان، اگر پہلے ہی سے مجلس خاص کے رکن نہ ہوں

باب اول

تو وزیر ہونے کے ساتھ ہی ہمیشہ اس کے رکن بنا دیے جاتے اور اسی بنا پر ان کے ناموں کے ساتھ "رائٹ آنریبل" کے القاب لکھے جاتے تھے۔؛

وال پول اور اس کے ساتھی

وال پول کے خاص ہمصفیر تین تھے :- ٹاون زنڈ اور کارٹرٹ جو شاہی معتمدی کے عہدے پر فائز تھے اور تیسرے محلسرائے شاہی کا خزانہ دار، پل ٹینی۔ یہ وال پول کی خوش قسمتی تھی کہ وہ ایسے وقت میں برسر اقتدار ہوا جب کہ موت یا اتفاق روزگار نے تمام ایسے اشخاص کو میدان سے ہٹا دیا جو اس کے حریف غالب بن سکتے تھے۔ پرانی "ٹولی" کے سب افراد مرچکے تھے۔ گڈول فن، سنہ۱۷۱۲ء میں فوت ہوگیا۔ مارل برو، سنہ۱۷۲۲ء میں۔ اسٹینہوپ بھی رخصت ہوچکا تھا۔ سنڈرلینڈ جس کی فتنہ انگیز زبان وال پول کی بیخکنی میں بھی اسی طرح مصروف رہی تھی جس طرح ٹاؤن زنڈ کی بیخکنی کر چکی تھی سنہ۱۷۲۲ء میں ملک عدم کی راہ لے چکا تھا اور اسی طرح ہارلی اور کریگز بھی فوت ہو گئے تھے بولنگ برک بدنام ہوچکا تھا اور ایس لیبی خارج البلد کردیا گیا؛ انگلستان کا پہلا وزیر اعظم اپنے زمانے کے عام انگریزوں کا ایک نمونہ تھا۔ سنہ۱۶۷۶ء میں ایک زمیندار کے گھر پیدا ہوا اور انیس بھائی بہنوں میں تیسرا تھا۔ ایٹن اور کیمبرج میں تعلیم پائی۔ عدالتی خدمات اور شکار کے میدان میں لوگوں کو سمجھنے اور معاملہ کرنے کا سبق سیکھا۔ سنہ۱۷۰۰ء میں پارلیمنٹ کا رکن ہوا۔ لن اور کاسل رائی زنگ کے انتخابات اس کے قبضے میں تھے اور سیاسی عقائد کے اعتبار سے پکّا وھگ تھا، لہذا جلد شہرت پا گیا اور سنہ۱۷۰۵ء میں مارل برو نے امارت بحری کی مجلس میں اسے جگہ دی۔ سنہ۱۷۰۸ء میں محکمۂ جنگ کا معتمد مقرر ہوا۔ سنہ۱۷۱۲ء میں گرفتار کیا گیا تو وھگ فریق کے سرگروہوں کی صف اول میں شمار ہونے لگا اور اسی وقت سے اس کی سوانح قومی تاریخ کا جزو بن گئی۔ صورت ظاہری کے لحاظ سے وہ خاصے گٹھے ہوئے جسم کا، خوش مزاج، کشادہ پیشانی زمیندار نظر آتا تھا۔ میدان اور دفتر دونوں جگہ کی مشقت جھیلنے کی عادت تھی۔ اخلاق میں بیوست نہ تھی اور اتنی عقل رکھتا تھا کہ لوگوں کی راہ نمائی کرے لیکن اتنی دور تک نہ بڑھے کہ معاصرین کے جذبات و تعصبات ساتھ نہ دے سکیں؛ صاف گو اور نیک نہاد،

باب اول

محنتی مگر کھیل کود کا شوقین، انسانی فطرت کا رمز شناس اور لوگوں سے کام لینے کے گر سے خوب واقف تھا۔ وہ اپنی ضرورتوں کا صحیح اندازہ رکھتا اور ان کے حصول کی تدبیر کرنی جانتا تھا۔ اگر شدید مشکلات حائل ہو جائیں تو یا توقف اور بہتر موقع کا انتظار کرتا یا شان کا خیال کئے بغیر مطلب براری کی کوئی سیدھی سادی صورت نکال لینے پر آمادہ ہو جاتا۔ یہ بات اس کے پوری طرح دلنشین تھی کہ گذشتہ اسّی سال میں اہل ملک پیہم شورش و ہیجان میں مبتلا رہے ہیں اور اب انھیں آرام و سکون کی ضرورت ہے اور اسی لیے ہر ایسی بات سے پرہیز کرتا جو سیاسی یا مذہبی عناد پیدا کرنے کا موجب ہو۔ معاملات خارجہ میں وہ جملہ ممالک سے امن و آشتی کے ساتھ رہنے کو جیکوبی ریشہ دوانیوں کا بہترین علاج سمجھتا تھا۔ اس نے دول خارجہ کی چاپلوسی کبھی نہیں کی اور برطانی اغراض کی حفاظت میں بھی کبھی تغافل نہیں برتا، بایں ہمہ ایسی پیچیدگیوں میں پڑنے سے ہمیشہ احتیاط کی جن کا نتیجہ جنگ ہو۔ اور جب لڑنا ہی پڑا تو اس وقت بھی پوری کوشش کی کہ جہاں تک ممکن ہو، اسے تنگ ترین حدود میں محدود کر دیا جائے۔ وطن میں یا باہر اسے بڑے بڑے کارنامے دکھانے کا ذرا شوق نہ تھا اور وہ برابر اس اصول کا پابند رہا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اسے خیر خوبی سے ہونے دیا جائے۔

اس احتیاط کی ضرورت بھی جلد ظاہر ہو گئی جب کہ ایک تازہ جیکوبی سازش کا انکشاف ہوا۔ ۱۷۲۰ء میں شہزادۂ مدعی کے خیر خواہ بہت خوش ہوئے کہ جیمس ثانی کا پوتا مسمی چارلس ایڈورڈ لوئی کیزیمیر اسٹوارٹ پیدا ہوا جو ۱۷۴۵ء کی آیندہ بغاوت کا بدنصیب سرغنہ بنا۔ ان لوگوں کو ایک عجیب خیال یہ بھی پیدا ہو گیا تھا کہ جارج برطانیہ کی بادشاہی سے اکتا گیا ہے۔ حتیٰ کہ شہزادۂ مدعی نے اسے خط لکھ کر بھیجا کہ اگر وہ کاتب خط کے حق میں تخت سے دست بردار ہو جائے تو کاتب ذمّہ لیتا ہے کہ اسے شاہ ہنوور کا لقب دلوا دے گا ساوتھ سی شرکت کی تجاویز کی ناکامی سے بھی یہ لوگ سمجھتے تھے کہ اہل ملک حکومت سے نہایت بیزار ہو گئے ہیں۔ غرض جیسا کہ جلا وطن اشخاص زود اعتقاد ہو جایا کرتے ہیں، خاندان اسٹوارٹ کے مدعی اور ان کے ہوا خواہ بھی ہر واقعے کی اپنے حسب دلخواہ

باب اول

تعبیر کیا کرتے تھے۔ جیکوبی فرقے کا انتظام' ان دنوں پانچ اشخاص کی ایک مجلس کے ہاتھ میں تھا جس میں سب سے لائق اور مستعد ایٹربری اسقف روچسٹر کو سمجھنا چاہیے۔ یہ لوگ اپنی خط کتابت بڑی بڑی عیاریوں سے مخفی رکھتے تھے۔ بایں ہمہ ایک اتفاقی واقعے سے حکومت کو ایٹربری کی کارستانی کا پتا چل گیا۔ وہ گرفتار ہوا اور دارالامرا کے سامنے بڑی فصیح و بلیغ تقریر صفائی میں کرنے کے باوجود' دونوں ایوانوں میں ایک تحریک منظور کر لی گئی جس کی رو سے ایٹربری عہدے سے معزول اور ملک سے جلاوطن کر دیا گیا (۱۷۲۳ء)۔ اس کے جرم میں کوئی شک و شبہہ نہیں ہے لیکن ایک اسقف کی یہ گت بننے سے کلیسا کے طبقۂ اعلیٰ کی بہت بے توقیری ہوئی۔ اس لیے جب ایٹربری قلعۂ لندن میں محبوس تھا تو لندن کے بعض گرجوں میں اس حیلے سے کہ وہ نقرس کا مریض ہے، اس کے لیے دعائیں مانگی گئیں؛ بہرحال ایٹربری کے پکڑے جانے سے جیکوبی فرقے پر بڑی ضرب لگی اور وال پول نے اسی سلسلے میں کیتھولک منکرین پر (اور کچھ روز بعد توسیع دے کے' فرقۂ "نون جیورر" (لاحلفی) پر) ایک خاص محصول لگا دیا۔ یہ صریحی بے انصافی تھی لیکن چونکہ جیکوبی سازش کرنے والے انھی گروہوں کے لوگ ہوتے تھے اس لیے معلوم ہوتا ہے وال پول نے جائز سمجھا کہ یہ سارا گروہ جیکوبیوں کے جرائم کا خمیازہ بھگتے؛

ایٹربری کے مقدمے کے بعد وال پول اپنے آپ کو اتنا قوی سمجھنے لگا کہ اس نے انھی ایام میں بولنگ برک کو انگلستان واپس آنے کی اجازت دے دی۔ اس مدبر نے وطن سے نکلنے کے بعد عجیب عجیب نشیب و فراز دیکھے تھے کہ سال بھر کے اندر بادشاہ اور مدعی دونوں کی ملازمت سے

بولنگ برک کی مراجعت

برطرف ہوا۔ یعنے ایک کی پارلیمنٹ نے باغی قرار دیا تو مدعی کے رفیقوں نے غدار ٹھیرایا۔ مدعی کی اس سے ناراضی کا سبب غالباً اور منڈ اور مار کی رقابت تھی مگر برطرف کیا گیا تو وہ اس تمام خاندان شاہی کا سخت دشمن ہو گیا اور انگلستان آنے کے لیے ہر قسم کی شرطیں قبول کرنے پر خوشی سے آمادہ تھا۔

باب اول

پھر بھی وال پول نے احتیاط سے کام لیا۔ اس کی پشیمانی کی چھ سال تک آزمائش کی گئی اور آخر میں بادشاہ کی آشنا بیگم کنڈیل نے گیارہ ہزار پونڈ رشوت لے کر شاہی معافی کا پروانہ حاصل کیا اور اس کی جاگیر واگذاشت ہوئی تو اس وقت بھی بغاوت کا پہلا فیصلہ منسوخ نہیں کیا گیا اور اسے از روئے قانون پارلیمنٹ میں شریک ہونے کی اجازت نہ ملی؛

وزرا کا باہمی نفاق ۱۷۲۴ء میں وزرا کے اندرونی نفاق کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ اس کے اسباب عام بھی تھے اور خاص بھی۔ اول تو فریقانہ حکومت کا نتیجہ ہی یہ تھا کہ وزرا متحدہ حکمت عملی اختیار کرنے پر مجبور ہوں اور ایسا شخص مجلس وزرا میں برسر عہدہ نہ رہ سکے جو اہم مسائل میں اپنے ساتھیوں اور خصوصاً وزیر اعظم سے اختلاف رکھتا ہو۔ اتفاق سے وال پول کے کئی ابتدائی رفیق ایسا مزاج اور اس قدر ہوس جاہ رکھتے تھے کہ کسی ایسے اصول کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے جس میں شخصی رائے کو بالکل پس پشت ڈالنا لازمی ہو۔ اس جماعت میں سب سے اول لارڈ کارٹرٹ نے علحدگی اختیار کی۔ یہ امیر ۱۶۹۰ء میں پیدا ہوا اور اپنے معاصرین میں سب سے ممتاز و مہذب آدمی مانا جاتا تھا چنانچہ جب مرا تو لارڈ چیسٹر فیلڈ نے دعوے سے کہا کہ "ہر اعتبار سے انگلستان کا بہترین دماغ اس کے ساتھ قبر میں گیا"۔ لڑکپن ہی میں امارت مل جانے کے باعث وہ دارالعوام کا رکن کبھی نہیں رہا۔ مگر دارالامرا میں سنڈرلینڈ کی رفاقت اختیار کی اور وہگ اصول کی حمایت میں اپنی جراءت اور طلاقت سے بہت جلد مشہور ہو گیا۔ خانگی زندگی میں وہ نہایت حمیدہ اوصاف اور ستودہ سیرت کا آدمی تھا۔ قدیم و جدید ادبیات میں تبحّر اور ایک یہ نادر وصف رکھتا تھا کہ جرمن زبان بول سکتا تھا جس کی بدولت بادشاہ کے مزاج میں اسے بڑا درخور حاصل ہو گیا۔ سیاسیات کے عملی میدان میں وہ سویڈن کی سفارت میں نہایت نیک نام رہا اور کم عمر ہونے کے باوجود وال پول نے شاہی معتمدی کی خدمت اس کے تفویض کی۔ لیکن افسوس ہے کہ مزاج اور خصائل میں وہ اپنے سردار سے کوئی مناسبت نہ رکھتا تھا۔ اس کا مطمح نظر تمام تر وزارت خارجہ

باب اول

کا کام تھا اور ملک کے نظم و نسق یا لوگوں سے کام لینے کے فن سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ کسی کے میر عدل یا اسقف ہونے سے مجھے کچھ سروکار نہیں۔ میں تو بادشاہ اور شہنشاہ بناتا ہوں اور یورپ کا توازن قائم رکھنا میرا کام ہے۔" اصل یہ ہے کہ وہ اپنی الگ رائے رکھتا تھا اور وال پول کو اس سے ایک دفعہ حسد پیدا ہوا تو پھر کارٹرٹ کی بادشاہ سے ذاتی دوستی اس حسد کو برابر بڑھاتی رہی۔ اسٹینہوپ اور ٹاونزنڈ کی طرح کارٹرٹ کا بادشاہ کے ساتھ عرصے تک ہنوور جاکے رہنا اور بھی غضب ہو گیا۔ آخر دربار فرانس کی ایک مبہم سازش کی بدولت یہ پھوڑا پھوٹ بہا اور کارٹرٹ خدمت سے الگ کر دیا گیا۔ اس سازش میں اس کا دوست اور انگلستان کے باقاعدہ سفیر، سرلیوک شوب کو وال پول کے بھائی ہورس شیو نے بے وقوف بنایا تھا۔ لیکن عہدے سے علیٰحدگی کے باوجود کارٹرٹ مجلس وزارت سے الگ نہیں ہوا بلکہ ٹاونزنڈ کی طرح آئرستان کا والی بنا دیا گیا۔ اور حسن اتفاق سے اس ملک میں ایسے وقت پہنچا کہ ناموری حاصل کرنے کا موقع اسے مل گیا؛

آئرستان

لمے رک نے جب سے ہتھیار ڈالے تھے، آئرستان کامل جمود کی حالت میں تھا۔ تمام اقتدار پروٹسٹنٹ اقلیت کے قبضے میں آ گیا اور انگلستان کے وزیروں کی براہ راست اتنی مداخلت بڑھ گئی کہ آئرستان کی پارلیمنٹ سے متعدد احکام نافذ ہوئے جن کا منشا ملکی مصنوعات کی ترقی کو روکنا تھا تاکہ وہ انگلستان کی مصنوعات سے مقابلہ نہ کر سکیں۔ اس جزیرے کی آزادی کا اس حد تک خاتمہ ہو چکا تھا کہ اسکاٹ لینڈ سے انگلستان کا اتحاد عمل میں آیا تو آئرستان کی پارلیمنٹ نے بھی اسی قسم کے اتحاد کی درخواست کی لیکن انگریز وزیروں نے اسے توجہ کے قابل تک نہ سمجھا اور خود ان انگریزوں کے اغراض و فوائد کی بھی پروا نہ کی جو آئرستان میں جا بسے تھے۔ بلکہ ۱۷۱۹ء میں ایک قانون مرتب کیا جس میں آئرستان کی پارلیمنٹ ایک ماتحت مجلس قرار دی گئی اور انگلستانی پارلیمنٹ کے قوانین آئرستان میں بھی نافذ العمل کر دیے گئے۔ طرہ یہ کہ اس قانون پر انگلستان میں کسی کو حیرت نہ ہوئی بلکہ اسے محض ایک امر واقعہ کی آئینی تصدیق و توثیق

باب اول

خیال کیا گیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ خود آئرستان میں اپنی برائے نام تشریعی آزادی کا اس طرح مٹنا دیکھ کر لوگ بہت بد دل ہوئے ؛
اس بد دلی کا احساس انگریز وزرا کو اس وقت ہوا جب کہ آئرستان میں مسی سکے کی ضرورت دیکھ کر وال پول نے اس کا ٹھیکہ ایک کارخانہ دار وڈ نامی کو دے دیا۔ سکے کی ضرورت تو مسلّم تھی کیونکہ انھی دنوں مزدوریاں جنس میں یا برات (یعنے مہر زدہ کاغذ) کی صورت میں ادا کی جانے لگی تھیں۔ وڈ انگلستان کا سب سے پہلا بڑا آہن ساز تھا اور کم سے کم انتالیس ملکوں میں اسے کان کنی کے حقوق حاصل تھے۔ اس کے نئے سکے کا سر آئزک نیوٹن نے دار الضرب میں امتحان کیا اور اسے بہت عمدہ قسم کا قرار دیا۔ لیکن ضرورت جتنے سکوں کی تھی ان سے ایک لاکھ آٹھ ہزار پونڈ مالیت کے سکے زیادہ تیار ہو گئے اور ٹھیکہ دینے میں بھی حسب معمول خورد برد ہوئی تھی۔ مگر آئرستان میں اس تجویز کی نامقبولیت کا اصلی سبب یہ تھا کہ وہاں والوں سے مطلق مشورہ نہیں لیا گیا بلکہ پوری تجویز انگریزوں یا جرمنوں کی مرتب کی ہوئی تھی۔ اسی پر سوئفٹ کو دل کے بخار نکالنے کا موقع ملا۔ وہ ان دنوں سینٹ پیٹرک کے کلیسا میں مہتمم تھا اور انگریز وزرا کی بے اعتنائی سے دل ہی دل میں بگڑ رہا تھا۔ اب اس نے نئے سکے کی تجویز پر اعتراض کر کے دل کی بھڑاس نکالی اور ڈرے پیئر کے مفروضہ نام سے اس تجویز پر شدید حملہ کیا جس میں کوئی تہمت اور مبالغہ جس سے کام لیا جا سکتا تھا، اٹھا نہ رکھا تھا۔ ان مضامین یا "خطوط" میں وڈ کو جعلساز اور نئے سکے کو مغشوش ثابت کیا اور لکھا تھا کہ اہل آئرستان اسے قبول کرنے پر ذرا آمادہ نہیں مگر انگریزی فوج کے سپاہی جبراً اسے ملک میں رائج کر رہے ہیں۔ پھر جالوت مثال عفریت یعنے وڈ کے مقابلے میں اپنے آپ کو پستہ قامت داؤد بتایا جو اہل وطن کی حمایت میں لڑنے نکلا ہے۔ سوئفٹ کی دلنشین اور مسلمہ خطابت نے ان جھوٹی باتوں میں بلا کی تاثیر پیدا کر دی اور ملک بھر میں سخت ناراضی پھیل گئی چنانچہ کارٹرٹ نے صوبہ داری کا جائزہ لیا تو صاف معلوم ہوتا تھا کہ نئے سکے کی ترویج پر اصرار کیا گیا تو پروٹسٹنٹ اور

وڈ کا پیسہ

کیتھولک دونوں فرقے مل کر حکومت کی مخالفت کریں گے۔ ان حالات میں کارٹرٹ کو رعایت میں مصلحت نظر آئی۔ حکومت انگلستان بھی اس کی صلاح مان گئی اور وڈ کو تاوان دے کر یہ ٹھیکہ توڑ دیا گیا۔ اہل آئرستان دوبارہ اپنی افسردہ خاموشی کے ساتھ مصروف اطاعت ہو گئے؛

پروٹسٹنٹوں کا غلبہ

بایں ہمہ یہ ہیجان دیکھ کر حکومت کو یقین ہو گیا تھا کہ کیتھولک فرقے کی قوت اور کم کرنی ضروری ہے۔ چنانچہ ۱۷۲۷ء میں آئرستانی پارلیمنٹ میں ایک قانون وضع کر کے کیتھولک مذہب والوں کا حق رائے دہی چھین لیا گیا اور یہ قانون ۱۷۹۳ء تک نافذ رہا۔ اس کے معنے یہ ہوئے کہ ساٹھ برس تک ملک کا سارا نظم و نسق پروٹسٹنٹوں کے ہاتھ میں رہا اگرچہ ان کی تعداد پوری آبادی کا صرف ۱/۶ چھٹا حصہ تھی؛ اس زمانے میں ملک کی عام حالت کی نسبت کوئی صحیح اندازہ لگانا بہت دشوار ہے تاہم یہ یقینی بات ہے کہ جمہور سیاسی اقتدار سے محروم ہوئے تو آئرستان کی پارلیمنٹ نے گویا عوام کی ضروریات کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں اور عہدہ داروں، کارخانہ داروں یا زمینداروں کے سوا، عام کاشتکار جن کی ملک میں سب سے بڑی تعداد تھی، ان کا حال بد تر نہ ہوا تو اس میں کوئی بہتری یا ترقی بھی نہیں ہوئی۔ تجارت پر جمود طاری تھا۔ اہل ملک کو انگلستان میں بھی اپنی پیداوار و ساور بھیجنے کی آزادی نہ تھی اور جمہور کی گذر اوقات کا مدار بہت کچھ آلو کی پیداوار پر آ لگا تھا لہٰذا قحط سالی اور سخت مصائب کی نوبت بار بار پہنچ جاتی تھی اور اسی پر سوئفٹ نے اپنے طعن آمیز رسالے، موسومہ "معتدل تجویز" میں اہل الرائے کو متوجہ کیا اور اس خیال کی وکالت کی کہ آئرستان کے بچوں کو اشیائے خوردنی سمجھ کر پرورش کیا جائے؛ اس پُر عقوبت زمانے میں بدنصیب کاشتکاروں کا کوئی دوست تھا تو کیتھولک علما تھے جو قوانین کے خلاف بھی لوگوں کو مذہب کی تبلیغ اور کچھ نہ کچھ تعلیم دیے جاتے تھے ورنہ قرائن سے معلوم ہوتا تھا کہ عجب نہیں ان لوگوں میں دوبارہ وحشت و بربریت پھیل جائے؛

پل ٹینی سے جھگڑا

۱۷۲۵ء میں وال پول کی پل ٹینی سے بھی ٹھن گئی۔ اس کا یہ ساتھی ۱۶۸۲ء میں پیدا ہوا۔ بڑا دولت مند آدمی تھا اور طلاقت لسانی کے اعتبار سے بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ دارالعوام میں اس سے بہتر مقرر کوئی دیکھنے میں نہ آیا تھا؛ اسی کے ساتھ وہ بہت ہی متلون مزاج تھا اور بہت جلد رائے بدلتا اور ہر کسی کا ذرا سی بات پر دشمن ہو جاتا تھا۔ گذشتہ عہد حکومت کے مباحثوں میں اسے بڑی شہرت حاصل ہوئی اور جارج بادشاہ ہوا، تو وہ محکمۂ جنگ کا معتمد بنا دیا گیا۔ پہلی مجلس وزرا کے جھگڑوں میں وہ ٹاؤن زنڈ اور وال پول کے ساتھ تھا اور انھی کے ساتھ ۱۷۱۷ء میں عہدے سے مستعفی ہوا۔ پھر وال پول وزیر اعظم ہوا تو پل ٹینی کو صرف امارت دینے کی تجویز ہوئی۔ یہ اس نے قبول نہ کی تاہم شاہی محلسرا کا خازن ہو گیا۔ پھر یہ دیکھ کر کہ کوئی ترقی نہیں ملی، اس نے منغض ہو کر یہ خدمت چھوڑ دی؛

"فریق اختلاف" کی تاسیس۔

پل ٹینی کی ملازمت سے علحدگی، نہ صرف وال پول بلکہ پارلیمنٹ کی تاریخ میں ایک یادگار واقعہ ہے کیونکہ اب اپنے مسلمہ وصف یعنے کینہ توزی سے یہی نہیں کہ وہ اپنے سابقہ ساتھیوں کا دشمن ہو گیا بلکہ اس نے ایک باقاعدہ فریق اختلاف تیار کرنے کی کوشش کی جس کا مقصد یہ تھا کہ حکومتِ وقت کو معزول کرا کے خود اس کی جگہ لے۔ فریق دارہی حکومت میں فریق اختلاف کا وجود اسی وقت سے لازمی چیز سمجھا جانے لگا اور تجربے سے ثابت ہو گیا کہ یہ جماعت ہم آہنگ ہو اور خوبی سے کام لیا جائے تو نیابتی حکومت کے چلانے میں ایسی ہی مفید اور ضروری ہے جیسے کہ ایک مربوط اور رکارکن وزارتی جماعت۔ یوں بھی جارج کی تخت نشینی کے وقت سے وھگوں کی حکومت پر کوئی باقاعدہ تنقید کرنے والا گروہ نہ رہا تھا اور جس طرح عود ملوکیت کے وقت کئی سال تک بادشاہ پسند جماعت حاوی رہی، اب اس فرقے سے کوئی بازپرس نہ ہوتی تھی۔ اسی لیے پل ٹینی کے جدید فریق اختلاف اور چارلس دوم کے زمانے کی "زمینداری جماعت" کی ابتدا اور نشو و نما میں بہت سی مماثلتیں ڈھونڈی جا سکتی ہیں؛

باب اول

فریق اختلاف میں ٹوریوں کے ساتھ ان وھگوں کو بھی پوری طرح متحد کرنے میں، جو وزرا سے دل برداشتہ تھے، بولنگ برک سے بڑی مدد ملی۔ یہ لایق سیاست داں انگلستان واپس تو آگیا مگر اسے کوئی پوچھتا نہ تھا اور گو وہ طرح طرح سے یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ پہلے مسلک سے رجوع کرکے اب ہنوور کی وراثت کو عین حق بجانب جانتا ہے اور اسے بادشاہ کے پاس جاکر تفصیلی عذر معذرت کی بھی اجازت مل گئی، بایں ہمہ جارج کو اس کی صداقت کا کچھ زیادہ یقین نہ آیا اور اسے عام طور پر لوگ ابن الوقت سمجھنے لگے۔ بولنگ برک سمجھ گیا کہ جب تک وال پول برسر اقتدار ہے، اس وقت تک میری دال نہیں گلیگی لہٰذا اب وہ تیار تھا کہ کوئی گروہ یا کوئی دلیل جس سے حکومت میں تغیر کی امید بندھتی ہو، ان کی حمایت کرے۔ غرض اب یہ دونوں لایق اور کینہ پرور آدمی کمربستہ ہو گئے کہ وزارت کے خلاف پارلیمنٹ اور نیز ملک میں ایک گروہ اختلاف کی تنظیم کی جائے۔ پارلیمنٹ میں توپل ٹینی نے اپنے گرد ناراض وھگوں کا ایک جوق جمع کیا اور انھیں ترغیب دی کہ جہاں تک ہو سکے ٹوریوں سے مل کر کام کریں۔ اسی کے ساتھ اچھی قابلیت کے نوجوان ارکان جو وقتاً فوقتاً منتخب ہو کر آتے، ان سب کو ساتھ ملانے کی پوری کوشش کی۔ اور ادھر پارلیمنٹ کے باہر بولنگ برک نے اخبار "کرافٹس مَین" (Crafts man) میں نکتہ چینیاں کرکر کے اہل ملک کو وزرا کے خلاف بھڑکانے کی سعی کی۔ یہ اخبار فریق اختلاف کا سب سے پہلا باقاعدہ روزنامہ تھا اور اس کے اتنی جلد جلد چھپنے اور کثیر اشاعت ہونے ہی سے ثابت ہو گیا کہ مطابع کی نگرانی اٹھ جانے سے پڑھنے والوں کی تعداد بڑھ گئی۔ اس اخبار کا مسلک وہی تھا جو خالص نکتہ چینوں کا ہوا کرتا ہے، یعنے وہ روزانہ حکومت کے ہر کام پر اعتراض کرتا تھا۔ اگر وال پول صلح کی وکالت کرے تو یہ اخبار اسے ملک کے بہترین فوائد پس پشت ڈالنے سے تعبیر کرتا اور اگر یہی وزیر دول خارجہ سے کوئی معارضہ کرتا تو کرافٹس مَین کہتا کہ وال پول ملک کو جنگ میں پھنسانے کے درپے ہے غریقانہ لڑائی میں فریقین

اخبار کرافٹس مَین

باب اول

کا طرز عمل ایسا ہی ہوا کرتا ہے اور اسی لیے ڈیوڈ ہیوم لکھتا ہے (سنہ ۱۷۴۱ء) کہ وزیروں کے دشمن لامحالہ انھیں داخلی اور خارجی انتظامات میں ہر قسم کی خرابیاں پیدا کرنے کا ملزم بتاتے ہیں اور ان معاندین کے نزدیک کوئی ایسی رذالت یا شرارت نہیں ہے، جس کا ارتکاب کرنے میں یہ وزیر باک کرتے ہوں"، بخلاف اس کے وزیروں کے حمایتی ان کی عقل و دانش اور حسن انتظام کی تعریف میں مبالغہ کرتے ہیں "حقیقت میں کرافٹس من فقط ایک پیش رو تھا جس کے آیندہ صدہا جانشین پیدا ہوئے۔ یہ نکتہ چیں عوام کو گرویدہ بنانے کی غرض سے محب وطن کا نام اختیار کر لیتے تھے گویا ڈرائیڈن کے بقول یہ ان کے جملہ گناہوں کا کفارہ تھا"۔

ولی عہد نئے فریق کا مرکز "لیسٹر ہاؤس" یعنی شہزادۂ ولی عہد کا محل تھا۔ ابتدائی ہنووری بادشاہوں کی طرفہ خصوصیت یہ تھی کہ اپنے ولی عہدوں سے ہمیشہ ناراض رہے۔ جارج اول کو بھی اپنے بیٹے سے رقابت ہو گئی تھی کیونکہ یہ شہزادہ انگریزی بول سکتا تھا اور باپ کی نسبت ہر دلعزیز ہونے کے زیادہ مواقع رکھتا تھا۔ اسی ناخوشی کی وجہ سے اس کے وظیفے کے متعلق ہمیشہ تکرار ہوتی رہتی جس پر باپ بیٹے دونوں مساوی طور پر نفرین کے مستحق ہیں لیکن اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے ان کی باہمی مخالفت ملک کے لیے مفید تھی۔ کیونکہ ان دونوں میں اتحاد ہوتا تو بادشاہ یا وزرا سے ناخوش ہونے والوں کو دوڑ دوڑ کر شہزادۂ مدعی کے پاس جانے کی ترغیب ہوتی۔ لیکن اب جو شخص بادشاہ اور وزیروں سے بگڑتا وہ سیدھا ولی عہد کے حلقے میں داخل ہو جاتا اور ٹوری تک جن کی زیادہ تعداد دل میں جیکوبی فرقے کی طرف مائل تھی از خود ولی عہد کی طرف کھنچے۔ جو فریق اختلاف کا ایک قدرتی سا مرکز بن گیا تھا۔ مزید برآں ان دنوں بادشاہ کا یہ حق کہ وہ چاہے تو ہر دو مخالف گروہوں سے اپنے وزیر منتخب کرے، سلامت تھا اور اسی بنا پر پل ٹینی کو امید تھی کہ اگر شہزادۂ ولی عہد کو خوش کر لیا تو وہ تخت نشین ہو کر اسے ضرور عہدہ عنایت کرے گا۔

باب اول

معاملات خارجہ وطن میں تو دماغ اس سازباز میں مصروف تھے لیکن ممالک خارجہ کے معاملات میں، وال پول کمال حزم و احتیاط کے باوجود جنگ میں پھنسے بغیر نہ رہ سکا۔ جنگ کا اصلی سبب یہ ہوا کہ لوئی پانزدہم نے پولینڈ کی شہزادی ماریا سے شادی کرلی اور ہسپانیہ کی ایک چھوٹی شہزادی کو جس کی آیندہ ملکۂ فرانس ہونے کی امید پر ہی پیرس میں تعلیم و تربیت کی جارہی تھی کج ادائی سے واپس وطن روانہ کردیا۔ اس پر اہل ہسپانیہ بہت برہم ہوئے اور انھوں نے فرانس کے خلاف آسٹریا سے اتحاد کا معاہدہ کرلیا چونکہ برطانیہ اس وقت فرانس کا طرفدار تھا، لہذا اسے بھی دشمنوں میں شمار کیا گیا اور جبل الطارق کو واپس لینے اور اسٹوارٹ خاندان کو بحال کرنے کی تجویز مرتب کی گئی۔ اس کے جواب میں انگلستان، فرانس اور پروشیا نے بھی دوستی کے عہد و پیمان کیے جو حلف نامۂ ہنوور کے نام سے مشہور ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ جنگ تنگ حدود میں محدود رہی اور جہاں تک انگریزوں کا تعلق ہے، انھیں صرف جبل الطارق کی مدافعت کرنی پڑی یا ایک بیڑا کپتان ہوزیر کے ماتحت غرب الہند کی طرف بھیجنا پڑا جسے تاکید تھی کہ صرف مدافعت میں لڑائی لڑے۔ بایں ہمہ ان واقعات سے جیکوبی فرقے میں ہیجان پیدا ہوا اور ان کی امیدیں چھپی نہ رہیں جس سے قطعی طور پر ظاہر ہوگیا کہ بیرونی جنگ نہایت آسانی سے اندرونی بغاوت کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ یہ رنگ دیکھ کر وال پول نے پوری کوشش کی کہ لڑائی رک جائے اور آخر کار صلحنامۂ اشبیلیہ (سیویل) سے دوبارہ امن قائم ہوگیا؛

اسی جنگ کے دوران میں جارج اول یک بہ یک ہنوور میں، ۱۰ جون ۱۷۲۷ء کو فوت ہوگیا اور ایک محتاط و نیک نیت فرماں روا کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ درخشاں اوصاف نہ ہونے کے باوجود اپنی تیرہ سال کی حکومت میں وہ برابر کوشاں رہا کہ نیابتی اور فرقہ واری کشمکش کی دشواریوں میں پھونک پھونک کر قدم رکھے اور تخت برطانیہ کی وراثت اپنی اولاد کے حق میں محفوظ و مامون کرجائے؛

باب اول

مشہور واقعات

قانون بلوہ	سنہ ۱۷۱۵ء
جیکوبی شورش و فساد	ایضاً
قانون میعاد ہفت سالہ	سنہ ۱۷۱۶ء
شرکت ساوتھ سی	سنہ ۱۷۱۱ء تا سنہ ۱۷۲۱ء
وال پول وزیر اعظم مقرر ہوتا ہے	سنہ ۱۷۲۱ء
سوئفٹ کے خطوط	سنہ ۱۷۲۴ء

باب دوم

جارج دوم: سنہ ۱۷۲۷ء تا سنہ ۱۷۶۰ء

ولادت۔ سنہ ۱۶۸۳ء؛ ازدواج با کیرولائن، سنہ ۱۷۰۵ء۔
معاصرین: فرانس .... لوئی پانزدہم
شہنشاہ ...... چارلس ششم و ہفتم و فرانس اول۔
پروشیا .... فریڈرک اعظم

نئے بادشاہ کی تخت نشینی پر وزارت کے بدلنے کی توقع تھی۔ چنانچہ اس نے اول ہی وال پول کو الگ کرکے دارالعوام کے صدر سر اسپیبن سر کومپ ٹن کے وزارت تفویض کی۔ مگر کہتے ہیں یہ شخص بعد آسکست آدمی تھا۔ کاروبار کی اس میں قابلیت نہ تھی اور مستعدی کا یہ حال تھا کہ بادشاہ مجلس خاص میں جو مختصر سی تقریر کرنے والا تھا، کومپ ٹن نے اس کی تیاری میں بھی وال پول سے مدد مانگی۔ وال پول نے ظاہر ہے فرمائش پوری کرنے میں تو کوئی تامل نہ کیا لیکن نئی ملکہ تک اس بات کی اطلاع ضرور کرادی۔ کیرولائن پہلے سے وال پول کی قدر

باب دوم

پہچانتی تھی۔ اب اس نے اپنے شوہر کو جتایا کہ کومپ ٹن کا تقرر بالکل ناموزوں ہے ۔ وال پول نے یہ خبر بھی گشت کرادی تھی کہ اگر میں برسرِ اقتدار رہتا تو جیب خاص میں اضافہ کرادیتا۔ غرض جارج کو بہت جلد اندازہ ہوگیا کہ پرانے وزیر کو الگ کرنے میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہی نقصان ہے۔ چنانچہ معزولی کو

وال پول کی برطرفی اور بحالی

اڑتالیس گھنٹے بھی نہ گزرے تھے کہ پھر وال پول عہدۂ وزارت پر بحال کردیا گیا۔ اتنی ہی دیر میں کومپ ٹن کی حویلی ارباب سیاست کا مرجع بن گئی تھی لیکن اس کے وزارت سے الگ ہوتے ہی پھر وہاں سناٹا ہوگیا۔ ادھر وال پول نے ایک لاکھ تیس ہزار پونڈ سالانہ کی زائد رقم بادشاہ کے لیے منظور کراکے گویا اپنی بحالی کا صلہ دے دیا۔ اسی طرح دارالعوام کے ذریعے یہ اعلان کرایا کہ آں جہانی بادشاہ کی وفات ملک کے حق میں نقصان عظیم ہے، جس کی تلافی صرف اعلیٰ حضرت کی ذات شاہانہ ہی کرسکتی ہے“

نیا بادشاہ

تخت نشینی کے وقت نئے بادشاہ کی عمر چوالیس سال کی تھی۔ وہ ہر اعتبار سے اپنے باپ سے کمتر تھا اور کاروبار کی عام قابلیت بھی کم تھی۔ تاہم اپنے باپ کی طرح مردم شناسی کا ملکہ رکھتا تھا اور جب کسی کو دوست بنا لیتا تو پھر اس کا ساتھ مشکل سے چھوڑتا تھا۔ معاملات خارجہ میں وہ ریاست ہنوور کے فوائد کا خیال مقدم رکھتا تھا۔ برطانیہ کے اندرونی مسائل سے چنداں دلچسپی نہ تھی البتہ فوج سے بہت کچھ عملی شغف تھا۔ مارل برو کی سپہ سالاری میں اوڈِنارڈ کی جنگ میں بھی شریک رہا اور خود بھی زعم سپہ سالاری رکھتا تھا۔

نئی ملکہ

بادشاہ کے برخلاف، ملکۂ کیرولائن خاص شخصیت کی عورت تھی۔ جوانی ہی میں اس نے آزاد خیالی کا یہ ثبوت دیا کہ ایک کیتھولک مذہب والے کے ساتھ شادی کرنے سے قطعی انکار کردیا۔ پھر بیاہ کر انگلستان آئی تو بہت جلد یہاں کی سیاسیات اور ممتاز اشخاص کی اصلی خوخصلت سے اس نے واقفیت بہم پہنچالی۔ ادبیات اور علوم وفنون

باب دوم

سے بھی اسے دلچسپی تھی۔ چنانچہ گے کو محلسرائے شاہی میں عہدہ عنایت کیا۔ اس مصنف نے ملکہ کے چھوٹے بیٹے ولیم کا دل بہلانے کے لیے کہانیوں کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ (ولیم' آگے چل کے شہزادۂ کمبرلینڈ موسوم ہوا) اسی طرح سوئفٹ سے بھی ملکہ نے شناسائی حاصل کی۔ وہ مابعدالطبیعیات کے مباحث بڑے ذوق شوق سے سنتی اور ہینڈل نامی مطرب کی بھی قدرداں مربیہ تھی۔ بادشاہ پر اس کا بے حد اثر تھا اگرچہ اس میں بہت کچھ زحمتیں ضرور پیش آئیں۔ بہرحال جب تک وہ زندہ رہی' اس وقت تک بادشاہی حکمت عملی کی باگ جارج کی بجائے ملکہ ہی کے ہاتھ میں تھی۔ اور چونکہ وال پول سے وہ نہایت عمدہ مفاہمت رکھتی تھی' لہٰذا ملکہ کی زندگی تک یہ وزیر اپنے عہدے پر بالکل محفوظ و مستحکم رہا؛

وال پول کی حکمت عملی جارج دوم کی تخت نشینی کے وقت وال پول کی توجہ معاملات خارجہ پر منعطف تھی اور وطن میں وہ سابق کی طرح محض مقررہ رسمی کام چلائے جاتا تھا۔ البتہ قوانین آزمائش و بلدیات کے سلسلے میں غیر مقلدوں کے قانونی مرتبے پر اسے فوری توجہ کرنی پڑی۔ ان قوانین کو اسٹین ہوپ منسوخ کر دینے کی جرأت کر بیٹھتا لیکن وال پول خوب سمجھتا تھا کہ ایسا کیا گیا تو پھر وہی شور کہ "مذہب خطرے میں ہے" بلند ہوگا اور مفت کی تشویش پیدا ہو جائے گی۔ نظر بر ایں اس نے یہ تدبیر کافی خیال کی کہ ہر سال ان قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ایک قانون تلافی وضع کر کے سزا سے مستثنیٰ کر دیتا تھا۔ اسی طرح یہ قانون محض "معدر کتاب" رہ گئے۔ اور ہرچند اس خرابی کو درست کرنے کی قابل اطمینان صورت نہ تھی تاہم وہ وال پول کے طرز مزاج کے عین مطابق تھی؛

ٹاؤن زنڈ سے ان بن ۱۷۳۰ء میں کارٹرٹ نے ولایت آئرستان سے استعفا دیا اور علانیہ فریق اختلاف میں جا ملا۔ اسی سال ٹاؤن زنڈ وزارت سے علٰحدہ ہوا۔ وہ تیس برس تک وال پول کا نہایت ہمراز و دمساز رہا تھا لیکن کچھ مدت سے ایسے اسباب پیدا ہونے لگے کہ ان دونوں میں مغائرت ہو گئی۔ اول تو ٹاؤن زنڈ کی بیوی (وال پول کی بہن) نے

باب دہم

وفات پائی۔ دوسرے یہ دونوں شرکت میں کاروبار کرتے تھے اور اس کی بنا رکھنے میں ٹاؤن زنڈ پیش پیش تھا اور کارخانے کا نام بھی "ٹاؤن زنڈ اور وال پول" تھا۔ اب یہ نام بدل کر "وال پول اور ٹاؤن زنڈ" کر دیا گیا تو اس تاخر سے ٹاؤن زنڈ کی کاروبار ہی سے دلچسپی کم ہو گئی۔ یہ پرانی شکایت کہ ٹاؤن زنڈ بادشاہ کے ساتھ ہنوور گیا اور ذاتی اثر و اقتدار بڑھانے میں ساعی رہا ابھی تک چلی آتی تھی۔ ادھر ٹاؤن زنڈ اس بات سے دق آگیا تھا کہ وال پول برابر اس قسم کے قوانین دارالعوام میں پیش کرتا رہتا ہے جو عوام کے مذاق کے موافق ہوں۔ وزرا ان کی تنقید میں کوئی لب کشائی نہ کر سکتے تھے اور وہ آگے چل کے دارالامرا میں مسترد کر دیے جاتے تھے۔ غرض یہ سب اسباب ایسے تھے کہ ان کے باہمی تعلقات میں فرق آگیا اور آخری سبب مخالفت کا یہ پیش آیا کہ وال پول نے کسی خاتون کے مکان میں ٹاؤن زنڈ سے بہت ہی عامیانہ قسم کا مذاق کیا اور اسی پر تنک مزاج ٹاؤن زنڈ آپے سے باہر ہو گیا۔ لوگوں نے بہ مشکل روکا ورنہ دست و گریباں ہونے کی نوبت آجاتی۔ بہرحال اس قضیے کے بعد یاری دوستی کا بالکل خاتمہ ہو گیا اور ٹاؤن زنڈ نے خودداری کے ساتھ وزارت سے علحدگی اختیار کر لی کہ آیندہ وال پول جیسا چاہے، نظم و نسق کرتا رہے۔ وہ کارٹرٹ اور پلٹنی کی طرح اپنے پرانے رفیق کے مخالفین میں بھی شامل نہیں ہوا بلکہ نارفک میں جا رہا اور زراعت کے کام میں مصروف ہو گیا۔ یہ بھی سارے ملک پر اس کا احسان ہے کہ اسی نے شلجم کی کاشت کو یہاں بڑی ترقی دی؛

آبکاری کی نئی تجاویز ۱۷۳۳ء

فریق اختلاف کو پہلی کامیابی ۱۷۳۳ء میں حاصل ہوئی جب کہ وال پول نے اپنی آبکاری کی مشہور تجاویز پیش کیں۔ ان دنوں مالگزاری گروڑگیری اور آبکاری ہی کے محاصل سب سے بڑے ذرائع آمدنی تھے۔ مالگزاری ۱۶۹۲ء کی تشخیص کے مطابق، جنگ کے زمانے میں ۴ شلنگ اور حالت امن میں ایک سے تین شلنگ تک وصول کی جاتی تھی اور چار شلنگ کے حساب سے کل آمدنی کا اوسط تقریباً بیس لاکھ پونڈ سالانہ تھا۔ کروڑگیری، قدیم راہ داری کی بجائے جاری ہوئی تھی اور صرف تجارتی درآمد پر

باب دوم

لی جاتی تھی۔ وال پول کے زمانے میں اس کی آمدنی پندرہ لاکھ پونڈ سالانہ تھی
آبکاری کے محصول، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، وطنی پیداوار یا مصنوعات پر عائد کیے
جاتے تھے۔ انھیں سب سے پہلے طویل پارلیمنٹ نے شروع کیا اور زیادہ تر نمک،
جو کے نشاستے اور شرابوں پر لگایا تھا۔ ۱۷۳۳ء میں اس مد کی آمدنی ۳۲ لاکھ پونڈ تھی؛
محاصل کے وصول کرنے میں سب سے زیادہ خرچ کروڑگیری کی وصولی میں کرنا پڑتا
تھا اور ان کی چوری سے عدم ادائی کی بھی بہت سی صورتیں تھیں۔ حتیٰ کہ تمباکو
کے محصول کی کل رقم تو ساڑھے سات لاکھ تھی لیکن سرکار کو خالص آمدنی صرف
ایک لاکھ ۶۰ ہزار ہوتی تھی۔ دوسرے یہ محاصل عموماً خام اجناس پر تشخیص کیے
جاتے تھے اور اس لیے بیچنے والوں کو ان کی تیاری میں ہر منزل پر اپنا منافع
بڑھا دینے کا موقع ملتا اور اس طرح تیاری کے بعد ان اشیاء کی قیمت کہیں سے
کہیں پہنچتی اور خریدار کو ادا کرنی پڑتی تھی۔ بخلاف اس کے آبکاری تیار شدہ مال
پر صرف ایک دفعہ لگائی جاتی اور اس سے خریدار بہت فائدے میں رہتا تھا۔
ان وجوہ سے وال پول نے تجویز کی کہ تمباکو اور شراب پر بھی کروڑگیری
کی بجائے آبکاری لگائی جائے۔ اور لوگوں کو سمجھایا کہ ایسا کرنے سے
یہ ممکن ہو جائے گا کہ مالگزاری کے محاصل منسوخ کر دیے جائیں۔
ساتھ ہی وہ چاہتا تھا کہ ان اشیاء کی جو دوبارہ ملک سے
باہر جائیں، کروڑگیری معاف کر دی جائے جس کا یہ فائدہ
ہوگا کہ لندن دنیا بھر کی تجارت کا مرکز اور آزاد بندرگاہ بن سکے گا۔ یہ استدلال
بالکل درست تھا لیکن افسوس ہے کہ آبکاری کے محاصل شروع سے نامقبول تھے۔
انھیں خانہ جنگی کے زمانے میں جمہوریت پسندوں نے جاری کیا تھا اور اسی لیے
اہل ملک کے دل میں یہ خیال جما ہوا تھا کہ یہ محاصل محض خود رائی سے لوگوں پر
بطور تاوان کے عائد کیے گئے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر جانسن نے "آبکاری" کی جو
مشہور و معروف تعریف بیان کی ہے۔ وہ انھی عام خیالات کا خلاصہ پیش کرتی ہے
کہ "آبکاری" وہ ملعون محصول ہے جو اجناس پر مال کے معمولی مبصروں کی بجائے
وہ حرامی معین کرتے ہیں، جنھیں وصول کرنے والوں نے دام دے کر اس کام پر

باب دوم

مقرر کیا ہے۔" فریق اختلاف نے ان جذبات سے پورا فائدہ اٹھایا۔ وال پول کی تجاویز کا پورا علم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ عوام میں ان کے خلاف شورش برپا کرادی گئی اور مشہور کیا گیا کہ یہ قانون منظور ہو گیا تو اہل انگلستان کا گھر جس میں اب تک کسی غیر کا گذر نہ ہو سکتا تھا۔ محصول تشخیص کرنے والوں کی شارع عام بن جائے گا کہ جب چاہیں اندر آ کر مال کی جانچ پڑتال کریں۔ نکتہ چینوں کا یہ بھی قول تھا کہ وال پول کا اصلی مطلب محصلوں سے ملک کو بھر دینا ہے تاکہ انتخابات کے وقت ان کے ذریعے لوگوں پر اثر ڈالا جائے۔ حالانکہ وال پول بیان شائع کر چکا تھا کہ نئے عہدہ داروں کی تعداد ایک سو چھبیس سے زیادہ نہ ہو گی۔ مگر اخبار کرافٹس مین لکھے جاتا تھا کہ نئی تجاویز کی بیہودگی بیان کرنے میں زبان قلم قاصر ہے۔ وال پول سے ایک غلطی یہ ہوئی کہ نئی تجاویز کے خلاف بعض لوگوں نے عرضیاں دیں اور غل شور مچاتے ہوئے آئے تو انھیں "موٹے کٹے بھکاری" کے الفاظ سے یاد کیا جس سے عوام میں اور بھی ناراضی پیدا ہو گئی۔ اس عام شورش کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری خواندگی کے وقت وال پول کی اکثریت گھٹ کر ۱۶ ہو گئی تب اس کشمکش کو بے سود سمجھ کر اور یہ اعلان کر کے کہ وہ ایسا وزیر بننا نہیں چاہتا جو خون کی قیمت میں محصول وصول کرنا جائز رکھتا ہو، اس نے اپنی تجاویز واپس لے لیں؛ تاہم آئندہ ایک ایک کر کے انھی تجاویز پر عملدرآمد ہونے لگا اور لوگوں نے چوں تک نہ کی۔ یہ بات بھی قابل تحریر ہے کہ اس واقعے سے پچاس برس بعد جو انتخابات ہوئے، ان میں پتا چلا کہ دو چار نہیں، پورے ستر مبعوث آبکاری وصول کرنے والوں کی کوشش و اثر سے منتخب ہوئے تھے، اور گویا ثابت ہو گیا کہ اس زمانے کے چھوٹے حلقہائے انتخاب کے لحاظ سے، نکتہ چینوں کا وال پول کی تجاویز پر دوسرا اعتراض بے بنیاد تھا۔

ان تجاویز کی ناکامی پر وال پول نے سارا غصہ اپنے ساتھی وزیروں پر اتارا جن کی نسبت اسے یقین ہو گیا تھا کہ مخالفین سے مل گئے تھے۔ چنانچہ مسودۂ قانون کو واپس لینے کے دو ہی دن بعد امیر چسٹر فیلڈ اپنی درباری خدمت سے برطرف کر دیا گیا۔ امیر کبیر مون ٹروز اور دو اور امیر اسکاٹ لینڈ کے

باب دوم

عہدوں سے الگ کیے گئے۔ اور ایبر کیبر بولٹن اور کوب ہم فوج کی کمیدانیوں سے محروم ہوئے۔ ان برطرفیوں میں آخری دو سراسر ناانصافی پر مبنی تھیں اور یوں بھی اس تمام کارروائی سے مخالفین کی تعداد میں اضافہ ہوا اور ۱۷۳۵ء کے عام انتخابات میں حامیان حکومت کی تعداد قدرے گھٹ گئی؛

اسکاٹ لینڈ

اسی دوران میں سوائے جیکوبی ریشہ دوانیوں کے اسکاٹ لینڈ کے معاملات نے اہل حکومت کو بالکل پریشان نہیں کیا تھا اور ملکی اتحاد کے بعد سے اس ملک کی ترقی نہ صرف پیہم بلکہ نہایت تیز رہی ۱۷۰۰ء میں ایڈن برو کی تعداد تیس ہزار اور گلاسگو کی صرف پندرہ ہزار تھی اور اس کی ندی کلائڈ اتنی چوڑی نہیں کی گئی تھی کہ سمندر کے جہاز وہاں تک آجاسکتے۔ اسی طرح ڈنڈی اور پرتھ کی مردم شماری دس اور سات ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ پورے ملک کی آمدنی انگلستان کی ساٹھ لاکھ پونڈ آمدنی کے مقابلے میں صرف ایک لاکھ ۶۰ ہزار تھی۔ میدانی علاقوں میں بھی معاشرت کا معیار بہت ادنی تھا اور پہاڑی اضلاع میں تو اس وقت تک نہ سڑکیں تھیں۔ نہ بگھیاں۔ گھوڑے بھی اکا دکا نظر آتے تھے۔ قلبہ رانی کے پرانے طریقے جاری تھے اور لکڑی کے پھاوڑے تیار کیے جاتے تھے۔ قبیلے قبیلے کے چودھری مقدمے فیصل کرتے اور اپنی برادری میں بالکل مطلق العنان ہوتے تھے۔ ہمسایوں سے آئے دن جنگ وجدل، شاہی چھاؤنیوں کے بالکل سامنے سے مویشی ہنکالے جانا، معمولی بات تھی۔ لیکن انگلستان سے اتحاد ہونے کے بعد، تیس ہی برس میں ہر اعتبار سے نمایاں ترقی نظر آنے لگی۔ پرس بی ٹری مذہب کے قیام اور ۱۷۱۲ء میں برطانی پارلیمنٹ کے ایک قانون سے جس نے حامیان اسقفیت کے ساتھ رواداری لازم قرار دی، مذہبی جور وتعدی کی بلا سے ملک کو نجات ملی۔ ۱۶۹۶ء میں مدارس حلقے کا قانون مرتب ہوا اور اسکوٹش "انجمن ترویج تعلیم مسیحی" کی کوشش سے لوگوں میں ابتدائی تعلیم کو ایسا فروغ حاصل ہوا کہ غالباً یورپ کے کسی دوسرے ملک میں اس کا معیار اتنا بلند نہ تھا۔ اسی کے ساتھ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم میں ترقی ہونے لگی ادھر

باب دوم

تجارت کی آزادی مل جانے سے اسکاٹ لینڈ کی صنعت وحرفت نے بڑی تیز ترقی کی اور آرام وراحت کا پورا معیار بلند ہوگیا۔ لوگوں کے باہر جانے اور عام طور پر ترقی کرنے میں ایک رکاوٹ زبان کی تھی کہ اکثر باشندے اپنی مقامی بولی۔ (گیلی) کے سوا اور کوئی زبان نہ جانتے تھے۔ مگر اب مدارس میں انگریزی کے باضابطہ رواج سے پہاڑی علاقوں تک میں حالت بدلنے لگی۔ دوسرے، مارشل ویڈ نے ۱۷۲۶ء سے ۱۷۳۷ء تک پہاڑوں میں جو سڑکوں کا جال تیار کردیا، اس کی بدولت سپاہی، بساطی اور واعظ وغیرہ سبھی کی رسائی ان اضلاع تک ہوگئی جہاں پہلے مشکل سے کوئی آجا سکتا تھا۔

ان سب فوائد کے باوجود اس بات سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اسکاٹ لینڈ کے اکثر محبان وطن کو انگلستان سے اپنے ملک کا اتحاد سخت ناپسند تھا اور جدید نظام کا ٹھیک امتحان تک بغیر اس کے نہ ہوسکتا تھا کہ حکومت ہر معاملے میں نرمی اور مصالحت کی روش اختیار کرے۔ اتحاد کی شرطوں میں ایک نہایت ناخوشگوار شے جو کے نشاستے کا محصول تھا جو انگلستان کے ساتھ اسکاٹ لینڈ پر بھی عائد کیا گیا۔ وہاں کے باشندے اسے ادا کرنے سے برابر بچتے رہے اور آخر اس کے عوض میں جو کی شراب پر فی پیپہ چھ پنی آبکاری لگادی گئی۔ یہ شراب (= ایل) میدانی اضلاع میں عام طور پر مروج تھی اور اس پر محصول لگا تو جابجا بلوے بھی ہوئے لیکن وال پول اپنی بات پر قائم رہا اور اس کے کارکن (امیر اسلا برادر شہزادۂ آرجائل) کے حسن تدبیر سے یہ قضیہ رفع دفع ہوگیا۔ کلالوں نے ایکا کرلیا تھا کہ آیندہ شراب ہی نہ کشید کریں گے" یہ ایکا ٹوٹ گیا اور پھر بلادشواری آبکاری ادا ہونے لگی۔ بایں ہمہ وال پول کو اس بارے میں اتنا تردد ہوگیا تھا کہ اس نے اسکاٹ لینڈ کی معتمدی موقوف کرکے وہاں کے معاملات براہ راست اپنے ہاتھ میں لے لیے۔

شراب کے بلوے

۱۷۳۵ء میں ایڈن برو میں اور بھی مخدوش بلوہ ہوا۔ اصل میں ولسن اور رابرٹ سن نامی دو "محصول چور" گرفتار ہوئے اور قزاقی کے

باب دوم

جرم میں سزائے موت کے مستوجب قرار پائے۔ انھوں نے سوہن سے اپنی بیڑیاں کاٹ دیں اور قید خانے کی کھڑکی کا سریا بھی ہٹا دیا تھا لیکن ولسن جو زیادہ موٹا تھا اور پہلے نکلنے لگا وہ کھڑکی میں پھنس گیا اور نہ خود نکل سکا نہ اس کا ساتھی۔ تاہم اتوار کو گرجا جاتے وقت اس نے حیرت انگیز جسمانی طاقت سے پہرے والوں کو مغلوب کرلیا اور رابرٹسن کو موقع دیا کہ فرار ہو جائے۔ اس کارنامے سے سب اس کے مداح وحامی ہو گئے۔ قتل کے وقت تو کوئی ہنگامہ نہیں ہوا لیکن بعد میں کچھ سنگ باری کی گئی۔ شہر کے چوکیدار جن میں زیادہ تر پہاڑی جوان بلدیے کے ملازم تھے، کپتان پورٹیس کی قیادت میں تھے۔ لوگوں کے پتھر مارنے سے یہ کپتان بہت چڑا اور اس نے غصے میں مجمع پر ایک بندوق چلادی ساتھ ہی اس کے سپاہیوں نے بندوقیں سر کردیں اور کئی آدمی جان سے مارے گئے۔ پورٹیس پر قتل کا مقدمہ قائم ہوا اور سزائے موت سنائی گئی لیکن حکومت نے یہ سزا بدل دی۔ تب اہل شہر کو سخت غصہ آیا۔ عوام کا ایک باقاعدہ مجمع مرتب ہو کر قید خانے پر چڑھ دوڑا اور کوئی شک نہیں کہ اس میں شہر کے اونچے طبقوں کے بھی بعض افراد شریک تھے۔ ان لوگوں نے پورٹیس کو قید خانے سے باہر نکال کر ایک رنگساز کے بانس پر پھانسی دے دی۔ اس زیادتی سے انگلستان میں سخت ناراضی پیدا ہوئی اور الگ الگ بلوائیوں کے خلاف شہادت نہ مل سکی تو پارلیمنٹ میں تحریک کی گئی کہ ایڈنبرو کا بلدی منشور چھین لیا جائے۔ شہر کے دروازے منہدم کرکے چوکیدار برطرف کردیے جائیں۔ اسکاٹ لینڈ میں اس سزا کو بہت ناانصافانہ سمجھا گیا۔ دارالامرا اور دارالعوام کے تقریباً تمام اسکوٹی ارکان اس کے مخالف تھے آخر وال پول کو بھی اندازہ ہوگیا کہ اسکاٹ لینڈ کے قومی جذبات کو اپنے خلاف بھڑکانا سخت بیوقوفی ہوگا۔ لہٰذا تحریک سزا کو بدل کر اہل شہر پر دو ہزار پونڈ جرمانہ عائد کیا کہ پورٹیس کی بیوہ کو ادا کیا جائے اور یہ کہ شہر کے عامل کے خلاف فلاں کسی کو سرکاری خدمت نہ دی جائے ؛ بارے اس طرح وہ طوفان کہ بے احتیاطی کی صورت میں خدا معلوم کس قدر طول کھینچتا، عین وقت پر

باب دوم

فرو کردیا گیا؛

جارج ثانی کے ابتدائی عہد کا ایک یادگار واقعہ فرقۂ میتھوڈسٹ کا ظہور ہے جس نے لاتقلیدی کی بالکل حالت بدل دی اور اس سے بھی بڑھ کر

مذہب کی حالت

یہ کہ مسلّمہ مذہب پر بہت کچھ اثر ڈالا؛ انقلاب حکومت ہی کے زمانے سے ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ پروٹسٹنٹ مذہب کے مختلف فرقوں کے اختلاف کی شدت کم ہوتی جاتی تھی۔ قانون رواداری کا نفاذ ہوا تو غیر مقلّد فرقوں کی بہت سی صریحی مشکلات دور ہو گئیں اور اگرچہ ملکی معاملات میں وہ از روئے قانون پورا حصہ لینے سے ہنوز محروم تھے، تاہم وال پول کی مذہبی رواداری کی بدولت عملاً یہ قیود بھی عائد نہ رہیں۔ دوسرے عملی مصالحت کی راہ نکل آئی تو کلیسائی نظم ونسق کے متعلق جو نظری اختلافات ان فرقوں میں پڑ گئے تھے، ان کی اہمیت از خود کم ہو گئی۔ ادھر سولھویں اور سترھویں صدی کے مذہبی مسائل کے نامتناہی مناقشوں سے لوگ تھک گئے تھے اور ملّائی تعلیم کی وقعت نظروں سے گرتی جاتی تھی۔ مزید براں خود اہل مذہب کی قوت میں فرق آنے کے بہت سے اسباب نکل آئے تھے۔ جب سے وھگ فرقے کا اقتدار ہوا اُس وقت سے اسی سیاسی گروہ کے پادریوں کو اسقفیت کے عہدے ملتے رہے۔ اور چونکہ اس گروہ کی تعداد کم اور لندن اور جامعات کی بستیوں ہی میں ملتی تھی اور عام پادری ٹوری بلکہ جیکوبی خیالات رکھتے تھے لہذا انھیں اپنے سرخیل اساقفہ سے کوئی یگانگی باقی نہیں رہی۔ ۱۷۱۷ء میں مجلس علما کے اجلاس جو ایڈورڈ اول کے زمانے سے پارلیمنٹ کے ساتھ ساتھ منعقد ہوتے تھے موقوف کردیے گئے۔ اس کے دو سبب تھے۔ ایک تو یہ پادری بھی اب اسی شرح سے جو پارلیمنٹ نے مقرر کی محصول ادا کرنے لگے تھے اور ان کی جداگانہ منظوری حاصل کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ دوسرے مجلس کے شعبۂ اعلیٰ میں وھگ اسقفوں اور شعبۂ ادنیٰ میں اضلاع کے ٹوری پادریوں کے قائم مقاموں میں اختلاف آرا تھا، اور یہ بات ارباب سیاست کو اکثر پریشان کرتی رہتی تھی۔ حتیٰ کہ ۱۷۱۷ء میں ہوڈلی (اسقف بنگور) نے

باب دوم

مذہبی خلافت پر اپنے خیالات کا اظہار کیا تو شعبۂ ادنیٰ میں اس پر بری طرح لے دے ہوئی۔ انھی وجوہ سے آیندہ مجلس علما کا انعقاد اور اسے کوئی کام کرنے کی اجازت ہی ۱۸۵۰ء تک نہ دی گئی اور اس طرح اہل مذہب کو معاملات ملکی میں بحث مباحثہ کرنے کے واحد سرکاری ذریعے سے محروم کر دیا گیا۔ اس کارروائی سے حکومت کو تو یقیناً مذہبی اختلافات کی خلش سے نجات مل گئی لیکن خود کلیسا کی قوت پر بھی کاری ضرب لگی۔ ادھر آکسفرڈ و کیمبرج میں دین کی طرف سے جو تسامح پیدا ہوا اس کا بھی وہاں تعلیم پانے والے پادریوں پر اثر پڑے بغیر نہ رہا۔ الغرض ٹوری فرقے سے اتحاد کا نتیجہ یہ ہوا کہ پادریوں کا پیشوایان دین کی حیثیت سے نفوذ و اثر بہت کچھ گھٹ گیا۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں صرف پادریوں کا قصور نہ تھا۔ اسی کے ساتھ، ۱۶۹۶ء میں "انجمن ترقی علوم مسیحی" اور ۱۷۰۱ء میں "انجمن ترویج انجیل در ممالک غیر" کی بنیاد پڑی۔ اور مذہبی کتابوں کی مانگ بھی برابر بڑھتی رہی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اگر کوئی اچھا پیشوا مل جائے تو مذہبی ذوق شوق کو تازہ کرنے کا مادہ ملک میں موجود ہے۔

اس قسم کا پیشوا جان ویزلی نکلا۔ اس عجیب و غریب شخص کی ذات میں سچے دینی جوش کے ساتھ تنظیم و شیرازہ بندی کے وہ اوصاف موجود تھے جو ایک مدبر کی شان ہیں۔ وہ ۱۷۰۳ء میں بہ مقام اِپ ورتھ (لنکن شر) پیدا ہوا۔ باپ، کلیسائے انگلستان کا پرجوش متبع اور محنت کش پادری تھا۔ ماں، ایک غیر مقلد خاندان کی عورت اور بڑی دیندار، پر اثر اخلاق والی تھی۔ جان کی تعلیم چارٹر ہاؤس اور آکسفرڈ میں ہوئی۔ تیئیس۲۳ برس کی عمر میں، علم منطق میں امتیاز حاصل کرنے کی بدولت وہ لنکن کالج کا رفیق منتخب ہوا اور ایک وقفے کے سوا ۱۷۳۵ء تک برابر آکسفرڈ میں مقیم رہا۔ اسی زمانے میں جان کے چھوٹے بھائی چارلس کی اپنے ہم کلیہ جارج وہٹ فیلڈ سے دوستی ہوئی اور جس طرح چارلس آگے چل کے نئی تحریک کا شاعر بنا جارج اپنے زمانے کا سب سے بڑا واعظ

جان ویزلی

بابِ دوم

ثابت ہوا۔ ان تین نوجوانوں نے چند ہم خیالوں کے ساتھ مل کر ایک انجمن تیار کی جس کا مقصد زیادہ پختہ مذہبی زندگی بسر کرنا تھا۔ ان کو لوگ تمسخر سے "میتھوڈسٹ" کہتے تھے جس کا سبب شاید یہ ہو کہ ویزلی کی ماں کی زبان پر لفظ "میتھڈ" "طریق کار" بہت چڑھا ہوا تھا اور یہ دونوں بھائی بھی اکثر یہ لفظ بولتے رہتے تھے۔ ۱۷۳۸ء میں جان واپس آیا اور مراویا (Moravian) فرقے کے اثر سے اس نے بھی "دلیل ایمانی" کا نظریہ اختیار کر لیا۔ تب ان بھائیوں کی انجمن بھی از سر نو "کلیسا کے اندر کلیسا" کے اصول پر مرتب کی گئی۔ بانیان تحریک نے سخت مذہبی زندگی اپنے اوپر لازم گردانی۔ آپس میں ہر ہفتے گناہوں کا اعتراف اور مراقبات کی مشق کرنے لگے اور گشتی واعظوں کا پیشہ اختیار کیا کہ منکرین کو توبہ کی تلقین کریں۔ اس میں اس کے لیے کوئی رکاوٹ اس لیے نہ تھی کہ انجمن کے بانی سب کے سب کلیسائے انگلستان کے سند یافتہ پادری تھے؛ لیکن حالات نے اس جماعت کو رفتہ رفتہ کلیسائے انگلستان سے جدا ایک مستقل فرقہ بنا دیا۔ یہ لوگ بغیر کسی تیاری کے وعظ کرنے کھڑے ہو جاتے۔ علما کی سہل انگاری کی سخت مذمت اور ہاتھ ہلا ہلا کے ایسی خبر لیتے کہ پادری انھیں گرجوں میں تقریر کی اجازت دینے سے گریز کرنے لگے۔ ۱۷۳۹ء میں وہٹ فیلڈ کنگز وڈ (قریب برسٹل) کے کان کنوں کی حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوا کہ یہ ہزاروں آدمی مذہب سے مطلق بے حس و بے خبر زندگی بسر کر رہے تھے۔ اسی وقت سے وہٹ فیلڈ نے کھلے میدانوں میں وعظ کہنا شروع کیا۔ اسی سال جان ویزلی نے فرقۂ میتھوڈسٹ کی نمازوں کے واسطے علٰحدہ گرجا بنانے کی اجازت دی۔ سند یافتہ واعظوں کی کمی تھی، لہذا عام واعظوں کو مقرر کیا گیا اور نئے لوگوں کے کثرت سے اس فرقے میں شریک ہونے کی وجہ سے اسے وسیع پیمانے پر منظم کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اگر اس زمانے کے کلیسا کی حدود میں توسیع و رعایت کی گنجائش ہوتی تو ویزلی اور وہٹ فیلڈ جیسے لوگوں کی تعلیم و تلقین کو بآسانی اپنے دائرے میں جذب کیا جا سکتا تھا کیونکہ خود یہ لوگ کلیسا کے حلقے سے باہر جانا نہ چاہتے تھے۔

باب دوم

لیکن کلیسا کے کارفرما اس موقع سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور میتھوڈسٹ اشخاص کو اپنی مرضی کے خلاف رفتہ رفتہ کلیسائی حلقے سے باہر آجانا پڑا۔ اسقفوں نے عام واعظوں کو سند دینے سے انکار کیا اور اس تردد میں ویزلی نے خود پادری بنانا جائز سمجھ لیا۔ چنانچہ ۱۷۸۴ء میں امریکی میتھوڈسٹوں کے مہتمم یا اسقف، کوک کو خود اس دینی مرتبے پر فائز کر دیا۔ بایں ہمہ ویزلی غیر مقلد ہونے کا اقرار نہ کرتا تھا اور مرنے کے سال تک اپنی ایک تحریر میں لکھا کہ جیتے جی کلیسائے انگلستان میں داخل رہا اور اسی کے فرد کی حیثیت سے مرے گا۔ اور جن لوگوں کو اس کی رائے کا لحاظ و پاس ہے، وہ کبھی اس کلیسا سے علٰحدہ نہ ہوں گے"۔ مگر واقعات کے آگے ایسی باتیں چلنے والی نہ تھیں۔ ایک اتنا بڑا گروہ جس میں ۷۱ ہزار انگلستان کے اور ۴۸ ہزار امریکہ کے باشندے شریک تھے اور جو پان سو گشتی واعظ اور ایسا مستقل نظام رکھتا تھا جسے اس عہد کے بہترین دماغ نے تیار کیا، وہ زیادہ دن تک معلق حالت میں نہ رہ سکتا تھا۔ جان ویزلی کی وفات (واقع ۱۷۹۱ء) کے چار سال بعد میتھوڈسٹ واعظوں نے باقاعدہ نمازیں پڑھانی شروع کر دیں اور اس وقت سے ان کے فرقے کی جداگانہ حیثیت زیادہ واضح ہوتی چلی گئی؛

مگر اس تفریق کے نمایاں ہونے سے بھی پہلے خود کلیسائے انگلستان میں یہ تغیر واقع ہوا کہ بہت سے اشخاص ویزلی کے فرقے میں شریک نہ ہونے کے باوجود عقائد و اعمال میں، اصولی طور پر اسی کے مقلد ہو گئے۔ ان لوگوں نے اے وین جلی کل جماعت مرتب کی جس میں جان نیوٹن، کاوپر شاعر، ہنا مور وغیرہم بہت سے ممتاز اشخاص شریک اور کلیسائے انگلستان میں مذہب کی نئی روح پھونکنے میں پیش پیش تھے اور اٹھارویں صدی کے اواخر میں مشکل سے کوئی مذہبی یا خیر کی تحریک ایسی ہو گی جسے ان لوگوں نے اگر خود شروع نہ کیا تو اس میں پوری سرگرمی سے حصہ نہ لیا ہو۔ تعلیم یافتہ اور اعلیٰ طبقے کے اکثر افراد جن پر ابتداءً ویزلی اور وہٹ فیلڈ کی تلقین کا اثر ہوا لیکن بعد میں وہ جداگانہ فرقے بننے سے مجتنب رہے، اس نئی جماعت کے ساتھ ہو گئے تھے؛

مگر ویزلی کے ابتدائی کام پر اہل ملک کی کچھ | وال پول کا جماعتی انتظام

باب دوم

زیادہ توجہ نہ ہوئی کیونکہ اس وقت وال پول اور اس کے حریفوں کی سیاسی کشتی پر سب کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ وال پول کو عہدۂ اقتدار سے ہٹانا کچھ آسان نہ تھا۔ بہت سے انتخاب کے حلقے خصوصاً کارنول میں اور سواحل پر ایسے تھے جو ہمیشہ براہ راست بادشاہ کے زیر اثر رہے۔ ان میں زوال کے آثار نمایاں تھے تاہم دیانت و اصول کو بالائے طاق رکھ کر ان میں کام کیا جائے تو یہاں سے وزرا کے ساتھ دینے والے بہت سے مبعوثوں کو فراہم کر لینا ممکن تھا۔ اور پارلیمنٹ یا انتخابات کو حسب دلخواہ چلانے کے کام میں وال پول جیسا اُستاد، اس وقت تک انگلستان میں پیدا نہ ہوا تھا۔ اپنے امیدواروں کو منتخب کرانے میں وہ کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتا تھا اور جب وہ منتخب ہو جاتے تو انھیں طرح طرح کی ترغیبات اور ذاتی اغراض کی بنا پر اپنی جماعت کا وفادار حامی بنائے رکھنے کا بھی برابر اہتمام رکھتا تھا۔ ۱۷۲۵ء میں اسے اندازہ ہوا کہ "گارٹر" کا اعزاز قائم کرنے سے اتنی اسامیاں خالی نہ ہو سکیں گی، جتنی اپنے سیاسی رفیقوں کو خوش کرنے کے لیے اسے درکار تھیں، تو اس نے عیاری سے "باتھ" کا اعزاز و خطاب تازہ کیا اور خود اس جدید اعزاز کو لے کر دوسروں کے لیے راستہ کھول دیا۔ مزید براں، دربار شاہی کے جملہ مناصب اور فوجی و دیوانی خدمات ہر چیز کے دینے میں یہ غرض ملحوظ ہوتی تھی کہ حکومت کی اکثریت قائم رکھی جائے۔ حتیٰ کہ بادشاہ کی کلیسائی سرپرستی میں بھی اس مقصد کو فراموش نہ کیا جاتا تھا۔ اس قسم کی بددیانتی مدت سے دیکھی جا رہی تھی لیکن اسے ایک باقاعدہ نظام وال پول ہی نے بنایا۔ اس زمانے میں مخالف و موافق رائے دینے والوں کے نام شائع نہ ہوتے تھے اور پارلیمنٹ کی تقریریں چھاپنا بھی انھی دنوں ممنوع قرار دیا گیا تھا، پس ارکان پارلیمنٹ کے افعال پر اخفا کا پردہ پڑا رہتا اور وہ نقاد انتخاب کرنے والوں کی متجسس نگاہوں سے حسب مراد چھپے رہتے تھے۔

اس تمام سعی و اہتمام کے باوجود فریق اختلاف کی قوت بڑھتی رہی اور فریڈرک، شہزادۂ ویلز کی شرکت سے بھی اسے فائدہ پہنچا۔ کیونکہ یہ ولی عہد بھی

باب دوم

اپنے باپ کی تقلید میں فرماں روائے وقت سے الجھ پڑا۔ وہ نہایت کم عقل آدمی تھا

فریق اختلاف کا فروغ۔

اور اس کے لہو و لعب کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ۱۷۴۵ء کے باغی ڈاربی پر آپہنچے اور وہ اپنے چھوکروں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتا رہا؛ بایں ہمہ دکھاوے کو اپنا سردار بنانے کے لیے اہل اختلاف نے اسے سامنے رکھ لیا۔ ۱۷۳۶ء میں اس کی شادی اور وظیفے کے متعلق پیچیدگی پیدا ہوئی تو وال پول کے مخالفوں نے وزیر پر ضرب لگانے کی غرض سے ولی عہد کی حمایت کا بیڑا اٹھایا؛ اسس فریق کی تعداد میں پٹ اور گرین ول وغیرہ بہت سے لائق نوجوان افراد کے آملنے سے بھی اضافہ ہوا جنھوں نے سیاسی زندگی آغاز کی تھی اور انھیں وال پول حقارت سے "لونڈے" کہا کرتا تھا؛ مزید براں بہت سے انشاپرداز وال پول کی بے اعتنائی دیکھ کر، فریق اختلاف کے ساتھ ہو گئے تھے اور اس طرح پارلیمنٹ کے اندر اور باہر وال پول کو جن نکتہ چینوں کا مقابلہ کرنا پڑا وہ تعداد و قابلیت کے اعتبار سے یوماً فیوماً قوی تر ہوتے جاتے تھے۔ باغی وہگوں کے تقریباً برابر ٹوری مخالفین کی تعداد تھی جن کے سرگروہ سر ولیم ونڈہم سر جان برنارڈ اور اشپن (جیکوبی) تھے۔ ان میں برنارڈ، وال پول کے بعد اپنے عہد کا بہترین ماہر مالیات تھا۔ یہ ساری جماعت اصولاً پل ٹینی کے زیر حکم کام کرتی تھی اور وہ دارالعوام کے مباحثوں میں بہترین آدمی ماناجاتا تھا۔ مخالفین کا اتنا کچھ زور بڑھنے کے باوجود، وال پول کی معزولی بہت دور نظر آتی تھی چنانچہ ۱۷۳۵ء کے انتخابات کے بعد بولنگ بروک تو اتنا مایوس ہوا کہ چند سال کے لیے انگلستان چھوڑ کر باہر چلا گیا؛

وال پول کے اقتدار کو پہلا صدمہ تو یہ پہنچا کہ ۱۷۳۷ء میں ملکۂ کیرولائن فوت ہو گئی۔ مرتے وقت اس نے اپنے شوہر کو وزیر کے حوالے کیا اور بادشاہ بھی وال پول کے جیتے جی، اچھی بری ہر طرح کی خبریں سننے کے باوجود اس وزیر سے کبھی بدظن نہیں ہوا۔ لیکن تھوڑے ہی دن بعد وال پول کو ایک اور صدمہ پہنچا جارج ثانی کے زمانے میں وہ برابر اس روش پر قایم

باب دوم

رہا تھا کہ ممالک یورپ کے ساز باز سے بالکل الگ رہے اور ۱۷۳۴ء میں ملکہ کے سامنے یہ واہی تعلّی کی تھی کہ "حضور عالیہ! اس سال یورپ میں پچاس ہزار جوان مارے گئے مگر ان میں انگریز ایک بھی نہ تھا۔" لیکن اسباب خارجی پر وال پول قابو نہ پا سکا اور چند سال سے اسپین و برطانیہ میں باہمی عداوت برابر ترقی پاتی رہی۔

اسپین سے عداوت

مخالفت کی اصلی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں یورپ کی قومیں اپنی نوآبادیوں سے دوسرے ملکوں یا غیر نوآبادیوں کی تجارت ہونے نہ دیتی تھیں۔ صلحنامۂ یوٹریکٹ کے وقت اسپین نے بطریق رعایت انگلستان کو بردہ فروشی اور شرکت ساوتھ سی کو ہسپانی نوآبادیوں میں سالانہ ایک تجارتی جہاز بھیجنے کی اجازت دی تھی لیکن انگریز اس رعایت سے بہت ہی ناجائز فائدہ اٹھانے لگے اور ایک جہاز کے ساتھ کئی کئی اور جہاز بھیج دیتے کہ وہ ساحل سے بہت دور ٹھیر جاتے اور تجارت کرنے والے جہاز کو چوری سے مال بھیجتے رہتے۔ دوسرے انگریزی نوآبادیوں نے اسپین کی بندرگاہوں میں چوری سے مال بھیجنے کا یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ اشیائے ممنوعہ کی باقاعدہ تجارت ہونے لگی اور اس کو خوب فروغ ہو گیا تھا۔ اسے روکنے کی غرض سے اہل ہسپانیہ کو قدرۃً سواحل پر محافظ رکھنے پڑے کہ جس جہاز پر شبہہ ہو اس کی تلاشی لیں اور ممنوعہ مال پکڑا جائے تو اس جہاز کو روک رکھیں۔ برطانیہ اور اسپین کے جہازیوں میں دشمنی تو ڈریک اور ہاکنس ہی کے وقت سے چلی آتی تھی۔ اب جو یہ پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو آئے دن لڑائی جھگڑے ہونے لگے جن میں کبھی ایک فریق کی زیادتی ہوتی کبھی دوسرے کی۔ علاوہ ازیں، اسپین والوں نے خلیج کیم پیچی میں شہتیر کاٹنے سے بھی منع کیا جسے برطانیہ اپنا حق سمجھتی تھی اور راس پسارو پر جو معرکہ ہوا اس کے نقصانات کا تاوان انگریزوں سے طلب کیا۔ حالانکہ انگریز اسے اپنی بہت شاندار فتح سمجھتے تھے۔ غرض لڑائی کا بہت کافی مصالحہ جمع ہو گیا اور چونکہ اسپین والے خفیہ طور پر فرانس سے (جنگ چھڑنے کی صورت میں) امداد کا وعدہ لے چکے تھے، لہذا انھوں نے انگریزوں کی ایک نہ مانی اور وال پول کی یہ کوشش کہ نامہ و پیام سے معاملات طے ہو جائیں، مزید دشواریوں کا

باب دوم

باعث بن گئی ؛

جینکنس کا کان

فریق اختلاف کو ان واقعات سے فائدہ اٹھانے کا خوب موقع ملا اور چند ہی روز میں اسپین کے خوفناک مظالم کے افسانے ملک بھر میں مشہور ہو گئے۔ کبھی تو بے گناہ تاجروں کے وحشی محافظین ساحل کے ہاتھ سے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانے کی روایتیں بیان کی جاتیں اور کبھی فداکار انگریز جہازیوں کے متعلق قصے شائع ہوتے کہ وہ اسپین کی عدالت ہائے احتساب کے ظلم سے تاریک قید خانوں میں پڑے دم توڑ رہے ہیں۔ ان روایتوں میں جینکنس کے کان کا قصہ بہت اچھی مثال ہے اور سب سے بڑھ کر مشہور ہوا۔ خود جینکنس کے بیان کے مطابق، وہ ۱۷۳۱ء میں شکر بھر کر جمیکا گیا اور واپس آرہا تھا کہ اسپین کے ساحلی چوکیدار جہاز پر آچڑھے اور رکیم پیچی خلیج سے شہتیر کاٹنے کا الزام لگایا۔ مگر تلاشی میں شہتیر وغیرہ کچھ نہ ملے تو اسپین والوں نے غضبناک ہو کر اس کا ایک کان کاٹ لیا اور اس کے جہازی اوزار چھین کر چھوڑ دیا کہ جس طرح بن پڑے، واپس وطن چلا جائے۔ بیان کی تصدیق کے لیے وہ اونی کپڑے میں کوئی چیز لپیٹی ہوئی بھی دکھاتا اور کہتا کہ وہ کٹا ہوا کان یہی ہے۔ مگر دوسرے لوگ کہتے تھے کہ اس کا کان کاٹھ میں سزا پانے کی بدولت ضائع ہوا اور بعض کا قول تھا کہ کبھی ضائع ہی نہیں ہوا۔ ایک عرصے کے بعد برک نے بھی اسے محض افسانہ بتایا اور (آلڈرین) بیک فورڈ جو اس شخص کو دکھانے کے لیے دارالعوام میں لایا، شیل برن سے کہتا تھا کہ اگر پارلیمنٹ کے ارکان کو اس کے مصنوعی بال اٹھا کے معائنے کا خیال آتا تو وہ دیکھ لیتے کہ اس کے دونوں کان سلامت ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جینکنس مرا تو حقیقت میں دونوں کان موجود تھے۔ بہرحال، جب پارلیمنٹ میں اس سے سوال ہوا کہ اسپین والوں نے تمھیں پکڑا تو تمھارے خیالات کیا تھے، تو اس نے جواب دیا کہ میں نے اپنی جان خدا کے، اور اپنا معاملہ اپنے ملک کے سپرد کر دیا۔ اس پر پل ٹینی نے کہا کہ "صرف یہی فقرہ رضاکاروں کی فوج بہم پہنچانے کے لیے کافی ہے۔" غرض مخالفوں نے جو والپول پر ملک کے

باب دوم

بہترین حقوق سے غفلت کرنے کا الزام لگاتے رہتے تھے، اس قصے کو خوب اچھالا اور اپنے الزام کا ثبوت قرار دیا؛

والپول کا مجبوراً بایں ہمہ وال پول کا مطلق ارادہ نہ تھا کہ جنگ کرے۔

جنگ کرنا

اس کا دل کہتا تھا کہ اسپین سے لڑائی چھڑی تو فرانس بھی شریک ہوئے بغیر نہ رہے گا اور وہ خوب جانتا تھا کہ فرانس کے شریک جنگ ہونے کے معنے یہ ہوں گے کہ جیکوبی فرقے کی ریشہ دوانیاں دوبارہ تازہ ہو جائیں؛ لیکن خود بادشاہ اور ایک شاہی معتمد (نیوکاسل) نیز عام اہل ملک کو جنگ پسند تھی اور ۱۷۳۹ء کے ختم ہونے سے قبل وال پول کو معلوم ہوا کہ یا اسے جنگ کرنی پڑے گی یا استعفیٰ دینا ہوگا۔ اس نے پہلی صورت پسند کی۔ اگر وہ مستعفی ہو جاتا تو، اب یہ صاف نظر آتا ہے کہ بہت جلد دوبارہ مقرر کیا جاتا اور زمانۂ حال کے اصول کے مطابق یہی طریق عمل زیادہ آئینی ہوتا۔ لیکن دوسرے پہلو پر نظر ڈالیے تو بہت ممکن ہے کہ اس نے جنگ کو اس لیے ترجیح دی ہو کہ ۱۷۲۷ء کی طرح اب بھی لڑائی کو زیادہ نہ پھیلنے دے اور موقع ملتے ہی صلح کرلے جس کی فریق اختلاف کے سرگروہوں سے توقع نہ ہو سکتی تھی۔ بہر نوع، اس کا طرز عمل بدلنے کے باوجود طبیعت نہیں بدلی اور جب اعلان جنگ کی خوشی میں لوگوں نے گھنٹے بجائے تو کہنے لگا "اس وقت تو یہ لوگ گھنٹے پیٹ رہے ہیں لیکن بہت جلد اپنا منہ پیٹیں گے"۔[۱]

آغاز جنگ

اوّل اوّل جنگ آرائی اسپین کی نوآبادیوں پر حملے کرنے تک محدود رہی۔ اس کی قیادت امیر البحر ورنن اور کپتان این سن کے تفویض ہوئی۔ ورنن تو جزائر غرب الہند کی طرف گیا اور این سن، راس ہورن کا چکر دے کے اسپین کے اوقیانوسی مقبوضات پر

[۱] ۔ اصل عبارت میں یہ فقرہ اس طرح ہے:

"They are ringing their bells now, but they will soon be wringing their hands."

باب دوم

حملہ کرنے بھیجا گیا۔ ورنن فریق اختلاف میں شامل اور جنگ کا پرجوش حامی تھا۔ اس نے صرف سات آدمیوں کے نقصان سے پورٹو بیلو کو تسخیر کر لیا اور لوگوں نے خوش ہو کے اس کامیابی کو گزشتہ جنگ میں ہوزیر کے کارناموں سے ملانا شروع کیا اور تقاضا کیا کہ ورنن کو مزید کمک بھیجی جائے۔ لیکن خاکنائے پناما کے محافظ شہر کارتھیجنا پر جو حملہ ہوا وہ توقع سے بڑھ کر دشوار نکلا اور امیر البحر ورنن اور دوسرے فوجی سرداروں میں اتحاد عمل نہ ہونے کے باعث یہ مہم بری طرح ناکام رہی۔ اُدھر این سن بڑے بڑے من چلے پن کے کام کر رہا تھا لیکن چونکہ تقریباً چار برس تک اس کی کوئی خبر انگلستان نہیں آئی لہذا اسے بھی لوگوں نے ناکام سمجھا اور بہت جلد جنگ سے گھبرا اٹھے۔

حکومت کے نکتہ چیں ان سب ناکامیوں کا الزام خواہی نخواہی وزرا کے سر تھوپتے تھے اور چونکہ ۱۷۴۱ء میں عام انتخابات ہونے والے تھے، نظر برایں کارٹرٹ اور چیسٹر فیلڈ، دارالامرا میں اور پل ٹنی، سمول سنڈیس اور "لونڈے" دارالعوام میں وزیروں پر برابر حملے کیے جاتے تھے۔ ان لائق نقادوں کے مقابلے میں وال پول دارالامرا میں صرف نیوکاسل پر اور ایوان زیرین میں اپنی ذات یا نیوکاسل کے چھوٹے بھائی ہنری پیل ہیم پر بھروسا کر سکتا تھا۔ پھر بھی فروری ۱۷۴۱ء میں اس نے مخالفوں کو دارالعوام میں ۱۰۶ کے مقابل ۲۹۰ اور دارالامرا میں ۵۹ کے مقابل ۱۰۸ آرا سے شکست دی؛ اسی سال عام انتخابات ہوئے تو وال پول کے امیدواروں کو نیچا دکھانے کی پوری کوشش کی گئی۔ پانی کی طرح روپیہ بہا اور اس رشوت ستانی کا سرمایہ بہم پہنچانے کی غرض سے چندے کی فہرست کھولی گئی جس میں سب سے اوپر شہزادۂ ولی عہد، بوڑھی بیگم مارل برو اور پل ٹینی کے نام تھے۔ ان مساعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وال پول کو صرف سولہ کی اکثریت حاصل رہ گئی اور دسمبر میں نئی پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو اس کا زوال یقینی نظر آنے لگا۔ چنانچہ پل ٹینی کی تحریک پر جو عدم اعتماد کے مترادف تھی، کل ۵۰۸ ارکان میں فقط سات کے غلبۂ آرا سے

باب دوم

والپول کامیاب ہوا اور چند ہی روز بعد انتخاب چپن ہیم کی عرضی کے متعلق جو تحریک پیش ہوئی اس میں حکومت کو ایک رائے کی کمی سے شکست ملی۔ تب والپول نے استعفیٰ دینے کا قصد کر لیا۔ ابھی علیحدگی کے انتظامات مکمل نہ ہوئے تھے کہ دوبارہ اسی معاملے میں سولہ کی اکثریت سے حکومت کو شکست ہوئی۔ یہ ضرب ایسی بھرپور لگی کہ یہ نامور وزیر تمام عہدوں سے مستعفی ہو کر

والپول کا استعفیٰ اور نئی وزارت

امیر اورفورڈ کی حیثیت سے صرف دارالامرا کا رکن بن گیا۔ لیکن اس کی علیحدگی سے پوری وزارت کا تبادلہ نہیں ہوا اور یہ بات بھی جلد ظاہر ہو گئی کہ والپول کے کاموں سے نہیں، بلکہ محض اس کی ذات سے مخالفت تھی۔ پل ٹینی کے ذہن میں یہ تعلی آمیز خیال جما ہوا تھا کہ میرا اس موقع پر عہدہ قبول کرنا شرافت کے خلاف ہوگا۔ اور اس نے صدر امیر خزانہ ہونے سے انکار کر دیا لہٰذا والپول کی رائے سے یہ خدمت اور (رسمی طور پر) وزارت عظمیٰ سر اسپنسر کومپ ٹن کے تفویض ہوئی جو اب امیر ول منگ ٹن کا خطاب رکھتا تھا۔ کار ٹرٹ وزیر خارجہ اور سینڈیس وزیر مالگذاری مقرر ہوا۔ ولی عہد کے دوست امرائے بحر بنائے گئے لیکن پٹ اور دوسرے "لونڈوں" کو کچھ نہیں ملا۔ نیو کاسل بدستور معتمد شاہی اور ہارڈ ویک امیر عدلیہ رہے۔ خود پل ٹینی نے مجلس وزرا میں ایک نشست مانگی اور اسے امیر باتھ بنا دیا گیا۔ اس اعزاز نے الٹا اس کے اقتدار کو ایسا غارت کیا کہ دارالامرا میں ملاقات ہوئی تو والپول نے فقرہ چست کیا کہ "لیجیے میرے امیر، اب تو انگلستان میں ہم دونوں سے بڑھ کر کس مپرسی کی حالت میں اور کوئی نہ ہوگا۔" تقریباً ایک سال تک معزول وزیر پر مقدمہ چلانے کے بھی چرچے ہوتے رہے اور وطنی معاملات میں یہ مسئلہ سب سے بڑھ کر دلچسپی کا موجب رہا لیکن ساری سب و شتم اور تہمتوں کے باوجود کسی معین الزام کی شہادت بہم پہنچانے کی ساری کوششیں ناکام رہیں۔

ہنری پیلہم

نئی وزارت کی پہلی تشکیل زیادہ دن نہ چلی سنہ ۱۷۴۳ء میں ول منگ ٹن مر گیا اور اس کی جگہ والپول کی تحریک سے

باب دوم

اس کا دوست اور ہم خیال ہینری پیل ہیم وزیر اعظم مقرر ہوا۔ وہ اگر اول درجے کی ذہانت کا آدمی نہ تھا تو اپنی نیک نہادی خوش طبعی اور کامل دیانت کے باعث ضرور قابل قدر تھا۔ کارٹرٹ نے اس تقرر کو ناپسند کیا کیونکہ وہ خود عہدے پر آنا چاہتا تھا لہذا اگلے ہی سال امیر گرین ویل کا خطاب لیکر وہ وزارت خارجہ سے دست کش ہوگیا۔ اس وقت پیل ہیم نے اپنی مصالحت آمیز روش کے مطابق، اپنی حکومت کی بنیادیں وسیع کیں اور وہ وزارت بنائی جسے اس زمانے کی نمائش آمیز اصطلاح میں "وسیع البنا وزارت" کہتے تھے۔ اس میں امیر چسٹر فیلڈ امیر کبیر بیڈ فرڈ، امیر سینڈوچ، جارج گرین ویل، بب ڈوڈنگ ٹن اور ہائنڈ کوٹن (ٹوری) شامل تھے۔ اور پل ٹینی اور کارٹرٹ کے دوستوں کو ہٹا کر ان کے لیے جگہ نکالی گئی تھی۔

ملکی معاملات میں وال پول کی علحدگی سے کوئی خاص تغیر نہیں ہوا۔ البتہ امور خارجہ میں وزارت کی توجہ بہت جلد ایسی کشمکش کی طرف منعطف ہوگئی۔ جو

محاربۂ تخت نشینی آسٹریا

اسپین کی لڑائی سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ یہ آسٹریا کی تخت نشینی کی جنگ تھی کہ ماریا تھیریسا اپنے باپ چارلس ششم کی وارث سلطنت ہوئی تو حسد و رقابت کے باعث جنگ کی نوبت آگئی۔ چارلس کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس نے ایک باضابطہ تحریر لکھدی تھی جسے "اجازت نامۂ حکمی" کہتے ہیں اور اس میں اعلان کیا کہ آسٹریا کے مقبوضات کی بلا تقسیم و شرکت ماریا تھیریسا وارث ہوگی۔ اس نے اکثر شاہان یورپ سے قول قرار بھی لے لیے تھے لیکن جب وہ مرا تو پروشیا کے فریڈرک ثانی (یا "اعظم") نے سلیشیا خود لینے کا دعوی کیا۔ یہ بادشاہ جارج ثانی شاہ برطانیہ کا بھتیجا ہوتا تھا اور ۱۷۴۰ء میں ایسی مملکت کا وارث ہوا جسے اس کے باپ (فریڈرک ولیم اول) نے محل وقوع کے قدرتی نقائص کے بدل میں، اعلیٰ درجے کے فوجی ساز و سامان اور بہت ہی عاقلانہ نظم و نسق سے آراستہ چھوڑا تھا۔ چنانچہ یہ قواعد داں سپاہ اور معمور خزانہ فریڈرک ثانی کے ہاتھ آیا اور اب وہ عمدہ مواقع سے فائدہ اٹھانے پر تلا ہوا تھا۔ پس، شہنشاہ آسٹریا کی آنکھ بند ہوئے دیر نہ گذری تھی کہ وہ فوج لے کر سلیشیا کی ریاستوں میں گھس آیا اور مول وٹز کے میدان میں اہل آسٹریا کو

باب دوم

شکست دی۔ اس حملے سے اوروں کو بھی ہمت ہوئی۔ امیر بویریا نے خود شہنشاہ منتخب ہونے کے دعاوی پیش کئے اور فرانس والوں کو جرمانیا میں دخل دینے کا جو موقع ملا، تو پروشیا اور بویریا سے عہدنامہ کر کے وہ بھی آسٹریا کے مقبوضات پر عام یورش کے منصوبے باندھنے لگا۔ ماریا کی خوش قسمتی تھی کہ فریڈرک کو تو اس نے خود ریاستیں دے کر خوش کر لیا اور ادھر ہنگری کے امرا کی وفاداری اور شجاعت کو ایسا برانگیختہ کیا کہ بہت جلد اپنے دشمنوں کے مقابلے پر میدان میں آ گئی۔ ان حالات میں اگر جارج چاہتا بھی تو ریاست ہنوور بے تعلق نہ رہ سکتی تھی۔ دوسرے وہ بویریا سے خود حسد رکھتا تھا اور ادھر کارٹرٹ کو امور خارجہ میں عملاً پورا اختیار حاصل رہا، اس کی ہمیشہ سے یہ رائے تھی کہ فرانس کو جرمن معاملات میں دخل دینے سے روکنا نہایت ضروری ہے۔ ان سب وجوہ سے جارج، ماریا تھیریسا کا حلیف ہو گیا اور ہنوور و ہیس کے بائیس ہزار سپاہی برطانی روپے سے فراہم کر کے جرمانیا میں داخل ہوا اگرچہ فرانس کے ساتھ رسماً کوئی جنگ نہ چھڑی تھی۔

یہ فوجیں بہت بر وقت پہنچیں کیونکہ سنہ ۱۷۴۳ء میں فرانس و بویریا کے دو بڑے لشکر دریائے مین و ڈینیوب کی وادیوں کے راستے آسٹریا پر بڑھ رہے تھے اور برطانی حلیفوں کے آنے سے ان میں سے ایک فوج کو رک کر ادھر متوجہ ہونا پڑا اور ملکۂ آسٹریا کو موقع مل گیا کہ دوسرے لشکر کا پوری قوت سے خود مقابلہ کرے۔

معرکۂ ڈے ٹن جن

وادی مین کی فرانسیسی سپاہ، تعداد میں ساٹھ ہزار اور مارشل نوائی کے زیر علم تھی۔ اس کا بھتیجا شہزادہ گریمون بھی ساتھ تھا۔ ادھر اتحادیوں کے سینتیس ہزار سپاہی برائے نام امیر اسٹیر کے تحت میں تھے۔ مین کے کناروں پر فریقین ایک دوسرے کے سامنے آ گئے اور اسٹیر کی بد انتظامی سے اتحادیوں کو سامان رسد نہ ملنے کے باعث دریا کے کنارے اشافن بورگ سے ھناؤ کی طرف ہٹنا پڑا، حالانکہ پوری فرانسیسی سپاہ ان کے راستے پر دریا کے جنوب میں خیمہ زن تھی۔ اسی صحب موقع پر خود شاہ جارج، اس کا بیٹا شہزادہ کمبرلینڈ اور کارٹرٹ بھی آ گئے۔ ان کی سپاہ اشافن بورگ سے ھناؤ کی طرف ہٹ رہی تھی کہ راستے میں اسے ڈے ٹن جن کے تنگ نشیبی میدان سے گزرنا پڑا جسے

باب دوم

ایک طرف دریا اور دوسری جانب سے پہاڑیاں گھیرے ہوئے ہیں، نوائی کو فوجیں جمانے کی کافی فرصت حاصل تھی اس نے ۲۷-جون کو اپنے بھتیجے گریموَن کو ستائیس ہزار سپاہ کے ساتھ دریا کے پار بھیج دیا کہ مذکورۂ بالا گزرگاہ کو روکے رہے اور خود اپنا توپ خانہ ایسے مقام پر لگا دیا کہ انگریزی سپاہ بزور گزرنا چاہے تو اس پر بازو سے حملہ ہو سکے۔ اتحادیوں کی روانگی سنتے ہی اس نے بارہ ہزار سپاہی بھیج کر اشافن برگ پر بھی قبضہ جما لیا اور اس طرح اتحادی ہر طرف سے گھیرے میں آ گئے۔ اس خطرے کا حال معلوم ہوا تو جارج گھوڑے سے اترا اور اپنے سپاہیوں سے یہ کہہ کر کہ فرانسیسی بہت جلد بھاگ نکلیں گے، میمنے کی سپہ سالاری اپنے ہاتھ میں لی اور میسرے پر کمبرلینڈ کو بھیج کر گریموَن پر سرفروشانہ حملے کی تیاری کی۔ مگر گریموَن فتح کی ناموری حاصل کرنے کے جوش میں خود ہی بڑھا چلا آیا اور اس کی سپاہ اتحادیوں اور نوائی کے توپ خانے کے بیچ میں آ گئی جو دریا کے دوسرے کنارے پر لگا ہوا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نوائی اپنے توپ خانے سے کوئی کام نہ لے سکا اور گریموَن کی کم تعداد فوج کو اتحادیوں نے بہ آسانی پسپا کر دیا، اور خود حملہ آور ہوئے۔ قبل اس کے کہ نوائی غلطی کی اصلاح کر سکے، گریموَن اور اس کے سپاہی ڈے ٹن جن سے بنوک سنگین نکال دیے گئے اور صدہا پل تک پہنچنے کی کوشش میں غرقاب ہو کر مرے۔ غرض فرانسیسیوں نے اپنی جلد بازی کی بدولت یہ معرکہ ہارا۔ تاہم ہر طرف سے گھر جانے کے وقت اتحادیوں کو سراسیمگی سے باز رکھنے کا سہرا خود شاہ جارج کے سر ہے۔ اسے اور امیر کبیر کمبرلینڈ کو اس میدان میں وہ ناموری حاصل ہوئی جو انگلستان میں ان کے بہت کام آئی۔ جنگی فوائد بھی اس فتح سے کافی میسر آئے۔ نوائی کی سپاہ فوراً رہائن کے عقب میں پڑ گئی اور بروگ لی کا لشکر اس کے تعقب میں روانہ ہوا۔ پھر آیندہ سے لڑائی کا اصلی میدان آسٹریا کا علاقہ نذرلینڈ بن گیا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ڈے ٹن جن آخری لڑائی تھی جس میں انگلستان کا بادشاہ بذات خود شریک ہوا۔

برطانی حکومت کی اس فتح سے ساکھ بڑھی اور دوسرے سال این سن

باب دوم

کامیاب واپس آیا تو اس کو اور تقویت پہنچی۔ یہ سردار خالص قابلیت اور اپنے پیشے سے سچی محبت رکھتا تھا گو اس میں کوئی درخشاں اوصاف نہ تھے۔ وہ ۱۷۴۰ء میں "کینٹورین" اور "گلوسٹر" نامی دو جنگی جہاز اور چار کشتیاں ساتھ لے کر چلا۔ راس ہورن کے گرد گھومنے میں خوفناک طوفان جھیلے اور آخر اس کے دونوں جنگی جہاز اور ایک دھاؤ ("ٹرائیل") ساحل چیلی کے سامنے جزیرۂ سان جوآن فرنان ڈز پہنچ گئے۔ یہاں ٹھیر کر از سر نو انھیں درست کیا اور بعض غنائم حاصل کیے۔ ایک جوق ساحل پر اتار کے پیٹا پر یورش کی جہاں اسپین والے زر و نقرہ محفوظ رکھتے تھے اور نائب سردار بریٹ نے صرف ستر ساتھیوں کے ساتھ اسے فتح کر کے تیس ہزار پونڈ قیمت کا مال چھین لیا۔ پیٹا سے وہ ساحل میکسیکو آیا اور پھر "مینیلا" جہاز کی تلاش میں روانہ ہوا۔ سخت مصائب اٹھانے کے بعد صرف گینٹورین ساحل چین کے مقام میکاؤ تک سلامت پہنچ سکا۔ مگر وہاں ساز و سامان درست کر کے اینسن پھر فلی پائن واپس آ گیا اور آخر اسپین کے اس خزانے کے جہاز کو جس کی اتنی مدت سے تلاش تھی، گرفتار کر لیا اور تین لاکھ پونڈ کی مالیت کا زر و نقرہ لوٹ کر راس امید کے راستے واپس انگلستان آیا اور ساڑھے بارہ لاکھ پونڈ کا مال غنیمت پورٹس متھ میں اتارا جہاں سے وہ بتیس چھکڑوں میں لد کر قلعۂ لندن تک خود اہل جہاز کی نگرانی میں پہنچایا گیا۔ (۱۷۴۴ء)

ان کامیابیوں کے باوجود ۱۷۴۴ء ملک کے واسطے کافی مخدوش سال تھا۔ فرانسیسی وزیر اعظم تان سین نے اسٹوارٹ خاندان کا طرفدار بن کے انگلستان پر حملے کا منصوبہ سوچا۔ ڈنکرک پر پندرہ ہزار فوج مجتمع کی اور پہلے مدعی کے بڑے بیٹے چارلس ایڈورڈ کو شریک کار بنا لیا۔ اس فوج کے مقابلے

انگلستان پر حملے کی تجویز

میں انگلستان کے پاس آٹھ ہزار سے زیادہ کارکن سپاہی نہ تھے اور رود بار انگلستان کی محافظت کا انتظام بھی ناکافی تھا۔ حملہ آوروں کے ایسکس یا سسیکس میں اترنے کا اندیشہ لگا رہا کیونکہ ہوریس وال پول کی طرح اکثر اہل الرائے وہاں فرانسیسی فوج کے آنے کو اندرونی بغاوت کا پیش خیمہ سمجھتے تھے۔ مگر جیسا کہ پٹ کہا کرتا تھا

باب دوم

انگلستان کی قدیم اور بے مزد حلیف، تیز ہوائیں تھیں اور خوش قسمتی سے یہ حملہ آوروں کے برابر خلاف یا طوفانی چلتی رہیں۔ پھر سپاہی جہازوں پر سوار ہوئے اور حملے کی تیاری میں کوئی کسر نہ رہی، تو اس وقت بھی ایک شدید طوفان نے باربرداری کے جہازوں کو توڑ پھوڑ کے برباد کر دیا؛ ادھر انگریزی قوم کے دلوں میں حب وطن کا ولولہ پیدا ہوا اور جیسا بیچی ہیڈ کی لڑائی کے بعد ہوا تھا، اب بھی فرانسیسی حملے کی خبر سے جیکوبی فرقے کے مقاصد کو نقصان پہنچا؛ سرائے والے تک سپاہیوں کو مفت ٹھیراتے اور یہ کہہ کر کہ "تم تو فرانسیسیوں سے ہماری مدافعت کرو گے" کرایہ واپس کر دیتے تھے۔ غرض دفاع کا انتظام اتنی جلد مکمل ہو گیا کہ تان سین نے حملے کا ارادہ ترک کر دیا جس پر مدعی شہزادے کو سخت مایوسی ہوئی۔ سال کا باقی زمانہ صرف فوجوں کے فلینڈرس میں اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر کوچ کرنے میں گزر گیا۔ ویڈ اور سیکس ان فوجوں کے سپہ سالار تھے؛

دوسرے سال تقدیر نے ایسی یاوری نہیں کی۔ فرانس کا سپہ دار (= مارشل) سیکس (یا ساکس) اپنے عہد کے بہترین سپہ سالاروں میں شمار ہوتا ہے۔ وہ توڑنے پر فوج لے کے چلا جہاں ٹاؤن زنڈ کے سرحدی عہدنامے (Barrier Treaty) کی رو سے ہولنڈیزی فوج متعین تھی۔ ادھر سے برطانی اور ہولنڈیزی حلیف بچانے کے لیے روانہ ہوئے۔

معرکۂ فونٹ نوا

ان کا سپہ سالار امیر کبیر کمبرلینڈ تھا۔ اس امیر کبیر نے ڈیٹن جن کے معرکے میں بہت کچھ بہادری دکھائی تھی اور وہ فن سپہ گری کا دلدادہ تھا، لیکن سپہ سالاری کی اصلی قابلیت نہ رکھتا تھا۔ البتہ اس کا مشیر سپہ دار لیگونئے تھا۔ سپاہ فرانس میں شاہ لوئی پانزدہم خود موجود تھا۔ فریقین کا فونٹ نوا میں سامنا ہوا۔ فرانسیسیوں نے مضبوط مقام پر جو دریائے شیلٹ کے خط پر زاویۂ قائمہ بناتا تھا، مورچے بنائے۔ ان کے قلب اور میمنے کے سامنے ان توان اور فونٹ نوا دو گاؤں تھے اور میسرے کی حفاظت بارے کے جنگل سے ہوتی تھی اور یہ موقع قریب قریب ایسا ہی تھا جیسا کہ واٹرلو میں انگریزوں کو حاصل ہوا۔ بہر حال، اتحادیوں نے پورے خط پر حملہ کیا۔ قلب و میمنے کی طرف ولندیزی سپاہی تھے اور

فونٹ نوا اور جنگل کے درمیان، خالی میدان کے رُخ برطانی اور ہنووری لشکر حملہ آور ہوئے۔ افسوس ہے کہ ولندیزوں نے حکم کے مطابق حملہ کرنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی بلکہ بہت سے میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔ اسی طرح میمنے کی طرف جنرل انگولڈزبی جنگل پر حملہ کرکے پسپا ہو گیا اور لڑائی کا پورا بار امیر کبیر کمبرلینڈ پر آپڑا۔ اسی کے لشکر نے جو بہت دن تک "خوفناک انگریزی لشکر" کہلایا اور جس میں برطانی اور ہنووری سپاہی تھے، موضع فونٹ نوا اور جنگل کے درمیان سے بڑھ کر فرانسیسی صفوں کو واقعۃً دو حصوں میں جدا کر دیا۔ فتح انھی کی ہوتی نظر آتی تھی جبکہ فرانسیسی سپہ دار نے ولندیزوں کا سکوت دیکھ کر قلب و میمنے سے کمک منگالی اور اسی فوج میں مشہور آئرستانی لشکر بھی تھا۔ اتنی کثیر تعداد کے آجانے اور توپ خانے کی زد پڑنے سے، جو بالکل ان کے منھ کے سامنے قائم کر دیا گیا تھا، برطانی اور ہنووری برآشفتہ ہو کر واپس ہٹے اور آخر میدان دے دیا۔ فتح فرانسیسیوں کی رہی لیکن برطانی و ہنووری سپاہ کی شاندار پیش قدمی کو بہت دن تک فخر سے یاد کیا جاتا رہا؛ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ تورنے نے فتحمند فرانسیسیوں کی اطاعت قبول کرلی؛

شہزادۂ چارلس ایڈورڈ

اس کامیابی سے فرانسیسیوں کی ہمت بڑھی کہ جنگ کا بڑا مرکز ہولینڈ ہی کے علاقوں کو بنالیں۔ انگلستان پر حملے کا خیال ترک کر دیا گیا جس سے شہزادہ چارلس ایڈورڈ کو بہت مایوسی ہوئی اور اس نے ٹھان لی کہ فرانسیسی مدد دیں یا نہ دیں وہ خود اسکاٹ لینڈ پہنچ جائے اور ہنووری خاندان کے مقابلے میں قسمت آزمائی کرے۔ بے شبہہ شخصی وفاداری کے جذبے کے سوا تمام اسباب و آثار مخالف تھے۔ انگلستان کی حکومت کے مادی وسائل بہت وسیع، اسکاٹ لینڈ کی پہاڑیوں کی تعداد بہت کم اور پھر لندن تک جانے کی مشکلات بہت زیادہ تھیں۔ لیکن ان قرائن و مصالح سے قطع نظر کرلی جائے تو یہ نوجوان شہزادہ اس اولوالعزمی کے واسطے نہایت موزوں تھا۔ اس کی عمر ۲۴ سال کی، صورت بہت وجیہ اور جسم گٹھا ہوا، اور چستی چالاکی اور امنگوں سے بھرا ہوا تھا۔ تعلیم اچھی نہیں ملی تاہم قدرتی صلاحیت میں کمی نہ تھی

باب دوم

اور اخلاق و آداب اتنے دلکش تھے کہ نکتہ چینوں کی زبان بند کر دیتے تھے:

الغرض نہایت اخفا کے ساتھ اس نے نانت کے ایک سوداگر والش کے جہاز میں جانے کا انتظام کیا۔ اسی سوداگر نے ایک فرانسیسی جنگی جہاز "الزبتھ" کو بطور بدرقہ ساتھ لیا اور اس جنگی جہاز میں پندرہ سو بندوقیں، اٹھارہ سو تیغے، بیس چھوٹی توپیں اور گولہ بارود کی ایک مقدار بھی بھروالی یہ سب سامان چارلس نے اپنے روپے سے خریدا تھا۔ پھر بھیس بدل کر صرف سات دوستوں کے ساتھ وہ جہاز میں بیٹھا اور جہاز اپنے بدرقے کے ساتھ، بتاریخ ۲ جولائی ۱۷۴۵ء سوآر کے دہانے سے روانہ ہو گیا۔ چار دن بعد ان کی ایک انگریزی جنگی جہاز "لاین" سے مٹ بھیڑ ہوئی "اینسن کا پرانا سردار" بریٹ اس جہاز کا کپتان تھا اور وہ ایسے جوش میں الزبتھ پر آگرا کہ دونوں جہاز بیکار ہو گئے اور چار و ناچار ایک دوسرے سے جدا ہو کے بہ مشکل اپنے اپنے وطن کو روانہ ہوئے۔ اس ناموافق واقعے نے چارلس کو اپنے مختصر ذخیرۂ جنگ سے بھی محروم کر دیا۔ تاہم وہ الٹا پھرا اور بخیریت ہبریڈیز کے بیرونی علاقے تک پہنچ گیا:

چارلس اسکاٹ لینڈ میں

مگر وہاں کے سربر آوردہ لوگ ایسے جوکھوں کے کام میں ہاتھ ڈالنے پر کچھ بہت آمادہ نہ نظر آئے بلکہ جان مرے کو جو شہزادۂ چارلس کے ساتھ فرانس میں رہ چکا تھا، سواحل مغربی کی طرف محض اس لیے بھیجا گیا کہ وہ چارلس کو اپنے ارادے سے باز رکھے اور اب وہ یہ سمجھ کر اپنے وطن واپس آگیا تھا کہ اس سال کوئی اقدام عمل میں نہ آئے گا۔ ان سب باتوں کے باوجود چارلس کی جادو بیانی اور قبائل سے وفاداری و جانبازی کی صاف صاف ترغیب، دوسرے تمام مصالح پر غالب آگئیں۔ سب سے اول کن لاج موی ڈارٹ کے قبیلۂ میک ڈانلڈ نے اس کی رفاقت اختیار کی اور صاحب اثر سرداروں میں پہلا شخص جو اس کے ساتھ ہوا، لوفیل کا کیمرن تھا۔ غرض اپنے سات رفقا کو لیے ہوئے چارلس اسکاٹ لینڈ میں آگیا اور ۲۵ جولائی کو موی ڈارٹ کے کھلے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ ان سات رفیقوں میں سب سے ممتاز امیر ٹلی بارڈین تھا جو ۱۷۱۵ء میں وطن سے

باب دوم

غائب ہو گیا تھا۔ پھر ۱۹ اگست کو گلین فنان پہنچ کر اس نے علم بادشاہی بلند کیا۔ اب اس کی فوج میں کل سولہ سو آدمی تھے مرے بھی آملا تھا اور آیندہ وہی اس کے معتمد شاہی کی خدمت انجام دینے لگا۔

فطرت نے اسکاٹ لینڈ کو تین جداگانہ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول تو شمالی کوہستان (ہائی لینڈز) دوسرے وسطی کوہستان۔ اور تیسرے میدانی یا نشیبی اضلاع۔ دوسرے اور تیسرے خطے کے درمیان فورتھ اور کلائڈ حد فاصل بناتے ہیں اور اس خط کے محافظ قلعے ایڈن برو، اسٹرلنگ اور ڈمبارٹن ہیں۔ دوسرے اور پہلے کوہستانی علاقوں کے درمیان بہت سی ندیاں اور جھیلیں حائل ہیں اور کے لی ڈونی نہر ان سب کو ملا دیتی ہے۔ اس خط کے مورچہ بند مقامات، ان ورنیس، قلعۂ اوگسٹس اور قلعۂ ولیم ہیں۔ یہی قلعے چارلس کے راستے میں سب سے اول حائل تھے اور گلین فنان سے قلعۂ ولیم کا فاصلہ بمشکل پندرہ میل ہوگا۔ اسی قلعے کے قریب بن نویس کی ناہموار چٹانیں ہیں۔ لیکن بادشاہی کا جھنڈا بلند بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اس خط مدافعت میں رخنہ پڑ گیا۔ اور قلعۂ اوگسٹس سے جو مختصر سی کمک قلعۂ ولیم کو بھیجی گئی اس نے گھر کر ہتھیار ڈال دیے جس روز گلین فنان میں بادشاہی کا اعلان ہوا، اسی تاریخ ہنووری لشکر کا سپہ سالار، سرجان کوپ ایڈن برد سے قلعۂ اوگسٹس روانہ ہوا۔ ۱۷۱۵ء میں جو تدبیر اختیار کی گئی تھی، اس کے برخلاف اب کے حکومت نے ارادہ کر لیا کہ بغاوت کو ابتدا ہی میں اصل سرچشمے پر حملہ کر کے فنا کر دیا جائے۔ پرتھ سے کوپ مارشل ویڈ کی بنوائی ہوئی جنگی سڑک پر ہولیا تھا لیکن کون گریم ہین کے وسطی سلسلے تک پہنچا تو معلوم ہوا کہ ڈیولز اسٹیرکیس ("شیطان کی سیڑھی") پہلے سے پہاڑیوں کے قبضے میں ہے جہاں یہ سڑک سترہ موڑ کھا کے بمشکل کوری ویراگ کی پہاڑی تک پہنچتی ہے۔ یہ دیکھ کر کوپ اس راستے کو چھوڑ کر ان ورنیس کی طرف مڑ گیا اور چارلس کے ساتھی افسوس ہی کرتے رہ گئے۔ اصل میں کوپ کو امید تھی کہ ان ورنیس میں میکے وغیرہ دوست دار قبائل سے جا ملے گا جس میں اسکاٹ لینڈ کا سب سے لائق اور شریف سیاست داں، یعنے کلوڈن کا ڈنکن فوربس کوشش کر رہا تھا کہ وہ لوگ خاندانِ ہنوور کی وفاداری میں چارلس کے خلاف

باب دوم

مجتمع ہو جائیں؛ مگر کوپ کے یہ راستہ اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ میدانی اضلاع کی راہ کھلی رہ گئی۔ چارلس اسی رُخ دوڑ پڑا۔ ہر گھاٹی کے سرے پر کچھ نہ کچھ نئے جوان آملتے اور فوج کی شان فتحمندانہ ہوگئی تھی۔ یہاں تک کہ ۴ ستمبر کو وہ بلا مزاحمت پرتھ میں داخل ہوگیا؛ یہیں ٹلی بارڈین کا ایک چھوٹا بھائی لارڈ جارج مرے آکر ملا، جو بہت عمدہ قابلیت، بہادری اور جنگی تجربہ رکھتا تھا۔ چارلس نے بھی دانائی سے کام لیا اور فوج کی قیادت اسی کے سپرد کردی۔ جارج مرے نے جس طریق سے مہم کا انتظام کیا، اس کی تمام ماہران جنگ داد دیتے تھے لیکن چارلس کی بدقسمتی سمجھنا چاہئے کہ یہ سردار بہت متکبر تھا اور اپنی بات کی تردید کی اسے تاب نہ تھی۔ لہذا اس مزاج کے باعث دوسرے سرداروں میں بہت محسود ہوگیا؛

لڑائیاں اور انگلستان پر حملہ

چارلس کا جنوب کی طرف جانا سن کر، کوپ کو پھر راستہ بدلنا پڑا۔ وہ ابرڈین روانہ ہوا اور لیتھ سے کشتیاں وغیرہ بھیجیں کہ اسے اور سپاہیوں کو ڈنبار پہنچا دیں جہاں وہ ۱۸ ستمبر کو کنارے پر اترا اور پہلی ہی خبر یہ سنی کہ اس کے اترنے سے ایک دن پہلے شہر ایڈنبرو پر باغیوں کا قبضہ ہوگیا۔ تاہم وہ بے جھجک بالاحصار کو بچانے کی غرض سے، جو اس وقت تک مفتوح نہ ہوا تھا، اسی طرف چل پڑا اور چونکہ چارلس بھی اس سے جنگ کا مشتاق تھا، لہذا وہ خود ڈنبار کی جانب بہ سرعت روانہ ہوا اور فریقین پرسٹن پینز میں آمنے سامنے پہنچ گئے۔ دونوں میں سے کسی طرف بھی تین ہزار سے زیادہ سپاہی نہ تھے۔ کوپ کی فوج اس شاہراہ پر تھی جو فورتھ کی کھاڑی کے کنارے کنارے نشیبی زمین میں بنی ہوئی ہے اور چارلس کے آدمی کھاڑی سے دور بلند زمین پر تھے مگر فریقین کے درمیان ایک دلدل تھی جسے عبور کرنا محال تھا۔ اور ابھی جنگ شروع ہونے نہ پائی تھی کہ رات ہوگئی؛ رات ہی میں چارلس کو ایک پگ ڈنڈی کا علم ہوا جس سے دلدل کے گرد چکر کھاکے کوپ کی فوج اور ڈنبار کے درمیان پہنچ سکتے تھے۔ چنانچہ صبح ہونے نہ پائی تھی کہ اس کے پہاڑی سپاہی چل پڑے اور دن نکلتے نکلتے دو قطاروں میں ایسے موقع سے صف بستہ نظر آئے کہ کوپ کو خیال بھی نہ تھا۔ اس نے بھی جلدی سے سڑک کی

باب دوم

سیدھی میں اپنی صفیں از سر نو جمائیں اور کرنل گارڈنر کے باغ کی دیوار سے انھیں اس طرح پھیلایا کہ دلدل سیدھی طرف آگئی۔ خود یہ کرنل بھی کوپ کی فوج میں موجود اور سواروں کی قیادت کر رہا تھا۔ اب اس کا توپ خانہ دائیں جانب اور گارڈنر اور ہملٹن کی سرداری میں رسالہ دونوں بازوؤں پر استادہ تھا۔ لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ پہاڑیوں نے تلواریں لے کر یورش کی تو اس کا توپ خانہ اور پیادہ و سوار کوئی انھیں نہ روک سکا۔ کہتے ہیں لڑائی میں صرف پانچ منٹ لگے۔ پہاڑی بہت کھِل کھِل کر دعویٰ کرتے تھے کہ ہم میں وہ شہزادہ موجود ہے جو سوکھی روٹی کھا لیتا ہے۔ پھونس کے بچھونے پر سو رہتا ہے۔ چار منٹ میں کھانا ختم کر لیتا ہے اور پانچ منٹ میں لڑائی جیت جاتا ہے۔" گارڈنر میدان میں کھیت رہا۔ کوپ باقی ماندہ سواروں کے ساتھ بروک پہنچا اور وہاں کے حاکم نے از رہ استہزا مبارک باد دی کہ آپ ہی پہلے سپہ سالار ہیں جس نے اپنی شکست کی خبر خود آکر سنائی"۔ کوپ کی فوج کے عقب میں پرسٹین پینز گاؤں آباد تھا' اس کے نام سے یہ معرکہ موسوم ہوا اور اس کی خبر سے انگلستان اور اسکاٹ لینڈ دونوں ملکوں میں کھلبلی سی پڑ گئی۔ ان اضلاع یا قلعوں کے سوا جہاں وفادار قبیلے آباد تھے' باقی پورا اسکاٹ لینڈ باغیوں کے قبضے میں آگیا اور بال مریو' پٹس لیگو اور کل مارنک کے امیر بلا تاخیر ان سے آملے۔ چارلس نے اس کے بعد جو کارروائی کی اس کے مناسب ہونے میں بہت کچھ گفتگو تھی۔ انگلستان پر فوراً پیش قدمی کرنے کی رائے خود اس کی تھی اگرچہ اکثر ساتھی کہتے تھے کہ پہلے اسکاٹ لینڈ کی خود مختاری کا اعلان کر کے اتنی دیر توقف اور صرف مدافعت کی جائے جب تک کہ فرانس کی امدادی افواج آجائیں اور اسکوٹیوں کی پوری فوج اچھی طرح منظم ہو جائے۔ لیکن آخر میں شہزادے ہی کی رائے پر عمل ہوا اور ۳۱ر اکتوبر کو پانچ ہزار عمدہ پیادے اور پانسو سوار اڈنبرو سے روانہ ہوئے۔ چارلس کی پہلی کوشش یہ تھی کہ ویڈ کو دھوکا دیکر نکل جائے۔ کیونکہ یہ سپہ سالار کافی بڑی فوج کے ساتھ نیو کاسل میں موجود تھا۔ چارلس نے بظاہر نیو کاسل کا رخ کر کے مخفی طور پر کارلائل کی راہ لی اور ۸ر نومبر کو انگلستان میں داخل ہو گیا۔ اب ویڈ کے اور اس کے درمیان وہ پہاڑی علاقہ حائل تھا

باب دہم

جو نارتھمبرلینڈ کو کمبرلینڈ کے ضلع سے جدا کرتا ہے اور ان پہاڑیوں میں اس کے اسکوٹی سپاہی لڑائی بھی خوب لڑ سکتے تھے۔ ادھر ۱۴ر نومبر کو کارلائل مسخر ہو گیا۔ اور باغی بہ سرعت پرسٹین اور دوسرے دن (۲۸ر نومبر) مین چسٹر پہنچ گئے۔ اس دوران میں ان کے بہت سے سپاہی ساتھ چھوڑ چھوڑ کر چل دیے تھے اور کل فوج تقریباً ساڑھے چار ہزار رہ گئی تھی۔ جنوب کی طرف سے فرانسیسیوں کے حملے کی بھی کوئی اطلاع نہیں ملی اور امیر کبیر وغیرہ جیکوبی گروہ کے سرگروہوں نے فرانسیسیوں کے آئے بغیر بغاوت کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔ لینکاشر غالباً انگلستان کا سب سے زیادہ جیکوبی عقائد کا ضلع تھا، وہاں سے بھی چارلس کو صرف کوئی دو سو جوان مل سکے۔ دراصل وال پول کی طویل وزارت میں ملک کو جو امن و فراغت حاصل ہوئی، وہ ہنووری بادشاہوں سے منسوب کی جانے لگی تھی اور اس انتظام میں شخصی شکایات کی گنجائش نہ رہی تھی، حالانکہ ایسی شکایتوں کے بغیر ایک متمدن ملک میں کوئی بغاوت سرسبز نہیں ہو سکتی۔

جنگی اعتبار سے دیکھیے تو چارلس کے لیے معاملہ اور بھی مایوس کن تھا۔ ویڈ، یارک شر کی طرف سے بڑھ رہا تھا کہ باغیوں کو عقب سے جا لے اور دوسری طرف امیر کبیر کمبرلینڈ آٹھ ہزار فوج لے کر اسٹے فرڈ شر میں آ پہنچا تھا۔ خود بادشاہ، فنچ لی میں ایک نیا لشکر بھرتی کر رہا تھا۔ دوسرے کمبرلینڈ کے سپاہی ایسے اناڑی نو آموز نہ تھے جیسے پرسٹن پینز میں بھاگ کھڑے ہوئے بلکہ ڈے ٹن جن اور فونت نوا کے معرکے جھیلے ہوئے تھے۔ اس پر بھی باغیوں نے بڑھے چلنے کی ٹھان لی اور جارج مرے اس کمال کے ساتھ کونگل ٹن پر بڑھا کہ کمبرلینڈ کو اسٹون میں آ جانا پڑا اور ادھر چارلس مشرق کی جانب دبے دبے، اپنے اصلی لشکر کو لے کر اسٹوک پورٹ اور ایش بورن کے راستے ڈاربی پہنچ گیا۔ (۴ر دسمبر) یہاں سے پائے تخت لندن صرف ایک سو تیس میل اور جانے کے لیے عمدہ سڑک موجود تھی اور بیچ میں صرف ایک لشکر سے مقابلہ کرنا رہ گیا تھا۔

باغیوں کی آمد آمد سن کر لندن میں بہت پریشانی پیدا ہو گئی۔ اول اول بغاوت کی خبر آئی تو لوگوں نے بغاوت کو محض پھلجھڑی سمجھا لیکن جب چارلس فوراً روک لیے جانے کی بجائے، پرتھ پہنچ گیا، پھر ایڈنبرا، وہاں سے

باب دوم

کارلائل اور مین چیسٹر میں داخل ہوا تو تشویش ہونے لگی۔ پھر جب یہ خبر آئی کہ وہ ڈاربی میں ہے اور اسکاٹ لینڈ کے پہاڑی لوہاروں کی دکانوں میں تیغوں کی باڑھ رکھوا رہے ہیں، تو پوری دہشت و سراسیمگی پھیل گئی اور یہ روز بہت دن تک "کالا جمعہ" کہلاتا رہا۔ ساہوکاری کوٹھیوں پر روپیہ واپس لینے کی وہ یورش ہوئی کہ منیبوں کو اٹھنیاں چونیاں (سِکس پینی) دینی پڑیں کہ کسی طرح کچھ مہلت میسر آجائے۔ بادشاہ نے زر و جواہر وغیرہ ایک کشتی میں رکھوا دیا تھا کہ شاید ہنوور بھاگنے کی ضرورت پڑے۔ اور کہا جاتا ہے کہ امیر کبیر نیو کاسل چوبیس گھنٹے تک ایک کمرے میں بند ہوکے یہ سوچتا رہا کہ مدعی شہزادے کے ساتھ ہوکر اس کا پہلا انگریز وزیر بن جانا موجب فوز و فلاح ہوگا یا نہیں؟ بہرحال، اس میں شک نہیں کہ صورت حالات بہت مخدوش ہوگئی تھی اور اگر چارلس واقع میں آگے بڑھ کر فنچ لی میں جارج ثانی کو ایک میدانی لڑائی میں شکست دے دیتا، جس کا کافی قرینہ موجود تھا، تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آیندہ کیا صورت ہو جاتی کیونکہ اسے زمانے کا عجیب رنگ سمجھنا چاہیے کہ عوام الناس کو اس تمام قضیے سے کوئی دلچسپی نہ تھی؛

باغیوں کی واپسی

اصولاً بھی باغی فوج کی کامیابی کا راز اسی میں ہے کہ وہ برابر آگے بڑھتی رہے اور چارلس مشتاق بھی تھا کہ ایک اور جنگ میں قسمت آزمائی کی جائے۔ اس کے ساتھ کے سپاہی بھی یقیناً یہی چاہتے تھے لیکن سرداران فوج ان خطرات سے جن میں وہ گھرے ہوئے تھے، آنکھیں بند نہ کرسکتے تھے اس لیے کہ ایک طرف تو امیر کبیر کمبرلینڈ تعقب میں روانہ ہوچکا تھا اور دوسری طرف ویڈ قریب آلگا تھا۔ دوسری اطلاع ملی کہ جان ڈرمنڈ، آئرش اور اسکوٹی سپاہیوں کی ایک جمعیت کے ساتھ، جو فرانس کی فوج میں تھے، اسکاٹ لینڈ آگیا ہے اور خود اسکاٹ لینڈ کے بہت سے پہاڑی قبائل اپنے ملک میں چارلس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں۔ ان سب وجوہ سے اگلے سال جنگ آرائی کرنے میں زیادہ فائدہ نظر آتا تھا لہذا سرداروں کی جماعت شوریٰ صریحاً واپسی کی حامی تھی اور آخر میں چارلس کو بھی، بہت کچھ اپنی مرضی کے خلاف ان کی بات مان لینی پڑی۔ واپسی شروع ہوئی تو ناکامی کی افسردگی کے

باب دوم

باوجود جارج مرے نے نہایت عمدہ انتظام قائم رکھا۔ باغی فوج امیر کبیر کمبرلینڈ سے دو منزل آگے نکل آئی اور ویڈ پہاڑیاں اتر کے لینکا شر میں داخل نہ ہونے پایا تھا کہ اس علاقے سے صاف گزر گئی۔ باغیوں کی یہ چال دیکھی تو کمبرلینڈ کچھ سوار پیادے اور بے قاعدہ رسالہ لے کر سرعت سے عقب میں روانہ ہوا۔ پھر بھی پین رتھ کے قریب تک پہنچنے سے پہلے یہ سوار تک باغیوں کی گرد کو نہ پہنچ سکے۔ پھر مقام مذکور کے نزدیک، موضع کلفٹن پر لاورندی کے داہنی طرف جارج مرے پلٹ پڑا اور ایسی چالاکی سے مقابلہ کیا کہ کمبرلینڈ کا حملہ ناکام ہوا۔ انگلستان کی حدود میں یہ آخری قابل ذکر معرکہ تھا اور اس میں بھی باغیوں کو کامیابی نصیب ہوئی جس کے بعد پھر چارلس کو کوئی نہ ستا سکا اور تھوڑے سے سپاہی کارلائل میں متعین کر کے وہ ۲۰ دسمبر کو سرحد اسکاٹ لینڈ میں داخل ہو گیا۔

معرکۂ فال کرک مگر کمبرلینڈ کو تعقب کی کوئی عجلت نہ ہو سکتی تھی کیونکہ فرانسیسی حملے کے اندیشے کی حالت میں انگریزی سپاہ کا انگلستان سے چلے جانا بالکل نامناسب ہوتا۔ نظر برایں چیدہ دستے سواحل جنوب کی طرف بھیجدیے گئے اور صرف ویڈ کا لشکر سپہ سالار ہاؤلی کا ماتحت سرحد کے پار روانہ کیا گیا۔ ہاؤلی وہاں پہنچا تو باغی اسٹرلنگ کا محاصرہ کر رہے تھے اور اپنے سرا سرناکافی توپ خانے سے حاکم شہر کو ڈرا کر ہتھیار رکھوا لینا چاہتے تھے۔ جارج مرے اور ڈرمنڈ کے ماتحت، ان کے اصلی لشکر کے آٹھ ہزار سپاہی محاصرے میں مصروف تھے اور جب ہاؤلی تقریباً مساوی فوج سے فال کرک کے آگے بڑھا تو یہ فوج مقابلہ کرنے کی غرض سے خود اس کی طرف پلٹی اور فریقین کا فال کرک میور کے ٹیکرے کے اوپر، جو پہلے درمیان میں حائل تھا، آمنا سامنا ہوا۔ باغی فوج ٹیکرے کی چوٹی پر پہلے پہنچ گئی اور شاہی لشکر بہت مشقت سے اوپر چڑھ رہا تھا اور تیز ہوا سے بارش اور برف کی چھالیں بھی ان کے چہروں پر پڑ رہی تھیں۔ ان سب وجوہ سے اسکوٹی سپاہی جیت میں رہے اور ربجز ایک دستے کے جسے نالے نے بچائے رکھا، باقی تمام شاہی سپاہ شکست کھا کے بھاگی اور اس کا تمام ساز و سامان چارلس کے ہاتھ آیا۔ بایں ہمہ یہ فتح اس کے مقاصد میں زیادہ مفید و سازگار

نہ ثابت ہوئی۔ جارج مرے اور ڈرمنڈ میں برابر جھگڑے ہو رہے تھے اور بہت سے پہاڑی سپاہی لوٹ کا مال لے کر اپنے گھروں کو چل دیے کہ پہلے اسے محفوظ کر آئیں۔ ہاؤلی کی جگہ فوراً امیر کبیر کمبرلینڈ مقرر ہوا جس نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ آیندہ معرکے میں کوئی چیز محض تقدیر کی یاوری پر نہ چھوڑی جائے گی؛

امیر کبیر کمبرلینڈ یہ شہزادہ جس کا نام ولیم تھا، شہزادۂ چارلس کا تقریباً بالکل ہمسن تھا۔ اس کے کردار کو ان مظالم نے جن کی بدولت آیندہ بدنام ہوا، ابھی تک داغدار نہیں کیا تھا۔ لوگ جانتے تھے کہ وہ سپہ گری سے عمدہ واقفیت رکھتا ہے۔ ڈے ٹن جن میں خوب لڑا اور فونت نوا میں گو شکست کھائی لیکن اس پر کوئی الزام نہیں آیا۔ ملکی نظم و نسق میں وہ دیانت دار و قابل اعتماد مانا جاتا تھا۔ وہ ۳۰ جنوری کو ایڈن برو پہنچا اور دوسرے دن باغیوں سے لڑنے چلا مگر فال کرک پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ واپس روانہ ہو گئے اور فورتھ کو عبور کر چکے ہیں؛ جیسا کہ ڈاربی میں ہوا تھا، یہاں بھی شہزادۂ چارلس کی رائے کے خلاف اس کے فوجی سرداروں نے پسپائی کا حکم دلوایا اور ایسی حالت میں جب کہ بہت سے جوان اپنے گھروں میں مال غنیمت سینت کے رکھنے کی غرض سے چلے گئے تھے، جنگ کرنا سخت نادانی سمجھا نیز یہ چاہا کہ واپس ہو کر ان ورنیس پہنچ جائیں جہاں خیال تھا کہ معقول امدادی فوج ان کی منتظر ہے۔ اس شہر میں لارڈ لوڈن کے ماتحت دو ہزار شاہی سپاہی متعین تھے لیکن چارلس ادھر بڑھا تو لوڈن شہر چھوڑ کر سدرلینڈ کے پرگنے میں ہٹ گیا اور ان ورنیس پر باغیوں کا قبضہ ہو گیا۔ قلعۂ اوگسٹس نے بھی اطاعت قبول کی؛ البتہ قلعۂ ولیم اڑا رہا اور قصر بلیر کو تسخیر کرنے کی کوشش میں بھی جارج مرے کو ناکامی ہوئی۔ جس وقت باغی ان کوششوں میں مصروف تھے، اس وقت کمبرلینڈ پرتھ میں اپنی فوج آراستہ کر رہا تھا۔ اسی زمانے میں ۶ ہزار ہیسی سپاہی جو حکومت انگلستان کی ملازمت میں تھے، آ گئے اور انھیں قلعوں میں چھوڑ کر خاص انگریزی سپاہ سے میدان داری کرنا ممکن ہو گیا چنانچہ وہ

باب دوم

بڑھ کر ابیرڈین پہنچ گیا۔ خیال تھا کہ وہ گرمی کا انتظار کرے گا لیکن اپریل میں وہ کوچ کے لیے تیار ہوگیا اور ۸ تاریخ ۸ ہزار پیادہ اور نو سو سوار لے کر ان ورنیس روانہ ہوا۔ ان شاہی سپاہیوں کو سدھانے میں بہت زحمت اٹھائی گئی تھی تاکہ وہ اسکوٹی پہاڑیوں کی پہلی یورش کو روک سکیں۔ اور یہ جزئیات تک تعلیم کی گئی تھیں کہ ہر سپاہی مقابل کے دشمن کو چھوڑ کر اس کے دائیں طرف کے سپاہی پر سنگین کا وار کرے جس کا پہلو غیر محفوظ ہوگا۔ سامان رسد افراط کے ساتھ بیڑے میں بھر دالیا تھا اور یہ بیڑا فوج کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ غرض سپاہیوں کو کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ وہ اپنے سردار پر بھی کمال درجہ بھروسا رکھتے تھے اور پرسٹن پینز اور فال کرک کی ذلتوں کا بدلا اتارنے کے آرزومند تھے؛

کمبرلینڈ کی پیش قدمی کا حال معلوم ہوا تو چارلس نے اپنا لشکر انورنس سے چند میل پر، کلوڈن میں مجتمع کیا یہ کل ۵ ہزار آدمی تھے لیکن انھی کی رسد رسانی کا اس سے انتظام نہ ہوتا تھا۔ اس کا روپیہ ختم ہو چکا تھا اور سامان خورش کی اتنی کمی تھی کہ مقابلہ ہونے سے ایک دن پہلے، کھانے کے راتب میں صرف ایک ایک ٹکیا تقسیم کی گئی تھی۔ یوں بھی سپاہیوں کو صبح اور شام کے وقت ادھر ادھر پھیلانا پڑتا تھا کہ وہ اپنی قوت لایموت تلاش کر سکیں۔ ان حالات میں قرار دیا گیا کہ ہو سکے تو دشمن پر شبخون مارا جائے۔ مگر انورنس اور نواح کے دیہات میں جو سپاہی سامانِ خوراک کی تلاش میں گئے ہوئے تھے، ان کی ٹکڑیاں جمع کرنے میں بڑی دقت ہوئی اور اسی تاخیر کی وجہ سے پورا منصوبہ خراب ہوگیا۔ سورج نکلنے میں صرف ایک گھنٹہ باقی تھا اور اس وقت بھی جارج مرے مقدمۃ الجیش کے ساتھ کمبرلینڈ کے لشکرگاہ سے چار میل کے فاصلے پر تھا۔ ایسی صورت میں واپس پلٹ جانے کے سوا چارۂ کار نہ تھا مگر مرے اور بعض بہترین سرداروں کی یہ رائے کہ دشوار گزار زمین پر مورچے بنائے جائیں، پذیرائی نہ پاسکی اور ان کے علی الرغم چارلس نے فیصلہ کیا کہ کلوڈن مور کے کھلے میدان میں کمبرلینڈ کا انتظار کرے۔ وہ خود قلب لشکر میں تھا۔ میمنے کی قیادت،

باب دوم

جارج مرے اور میسرے کی جان ڈرمنڈ کے تفویض تھی اور فوج معمول کے مطابق دو قطاروں میں صف آرا کی گئی تھی؛

معرکۂ کلوڈن

کمبرلینڈ نے بھی اپنی سپاہ چار چار صفوں کی دو قطاروں میں مرتب کی تھی۔ سب سے اگلی صف کو حکم تھا کہ گھٹنے کے بل بیٹھ جائے۔ دوسری سر جھکالے اور تیسری اور چوتھی صف سروں کے اوپر سے بندوقیں سر کرے۔ اگلی قطار کے بیچ میں جگہ چھوڑ کر توپیں نصب کی تھیں اور دونوں بازوؤں پر سوار تھے کہ چکر کھاکے اسکوٹیوں کے پہلوؤں پر جا پڑیں۔ ان بلیغ احتیاطوں کی وجہ سے فتح بالکل یقینی ہوگئی تھی پھر بھی اس معرکے میں پہاڑیوں نے مردانگی کے وہ جوہر دکھائے کہ دوسرے موقعوں پر کم دیکھنے میں آئے تھے۔ حالانکہ وہ تھکے ماندے، بھوکے، سرمازدہ تھے اور آسمان سے برف باری بھی ان کے چہروں پر ہو رہی تھی۔ انھوں نے حملہ کیا تو انگریزوں کی طرف سے گولی اور چھروں کی بارش کا طوفان ان پر برس گیا۔ بااین ہمہ کمبرلینڈ کی اگلی قطار کی دو جمعیتوں کو انھوں نے پراگندہ کردیا۔ البتہ دوسری قطار کے سامنے ان کی دلیری نہ چل سکی۔ قلب اور میمنے کی صفیں سخت بے ترتیب ہوگئیں اور پہلوؤں سے شاہی رسالے کے حملے ہوئے تو بادل ناخواستہ میدان سے پسپا ہوئے۔ میسرے کی طرف سے حملہ ہی کچھ زوردار نہ ہوا تھا کیونکہ قبیلۂ میک ڈانلڈ کے جوانوں کو بہت غصہ تھا کہ دائیں طرف کی معزز جگہ انھیں نہیں دی گئی جہاں وہ ہمیشہ استادہ کئے جاتے تھے۔ اسی بنا پر ان کے اکثر سپاہیوں نے سرداروں کا حکم نہیں مانا اور جوق در جوق معرکۂ جنگ سے صحیح سالم باہر چلے آئے؛ جارج مرے نے ہزیمت خوردہ سپاہ کو روتھ ون میں دوبارہ جمع کرنے کی کوشش کی تھی لیکن روپے اور سامان رسد کی قلت کے باعث کسی ایسی سعی کا سرسبز ہونا محال تھا اور جب خود چارلس نے حکم دے دیا کہ ہر شخص اپنا اپنا انتظام کرے تو لشکر منتشر ہوگیا؛

چارلس کی فراری

لڑائی کے بعد ہی شہزادہ چارلس، پورا ملک طے کرکے، مغربی جزائر میں پناہ گزین ہوا جہاں امید تھی کہ کسی

باب دوم

فرانسیسی جہاز کے آنے تک وہ آرام سے چھپا رہ سکے گا۔ لیکن اس کی جائے پناہ کا پتا چل گیا اور جب جنوبی ویسٹ (Uist) کے جزیرے پر جہاں وہ ان دنوں مقیم تھا، دو ہزار سرکاری آدمی آپہنچے تو اس کی گرفتاری بالکل یقینی نظر آنے لگی۔ مگر اس خطرناک موقع سے اسے فلورا میک ڈانلڈ کی عقیدت مندی نے نجات دلائی جو اسے عورت کا لباس پہنا کے اپنے ساتھ نکال لائی۔ حالانکہ جگہ جگہ پہرہ لگا ہوا تھا اور شہزادے کی گرفتاری پر تیس ہزار اشرفی انعام کے اشتہار سے سپاہیوں کا اشتیاق اور نگرانی اور بھی بڑھ گئی تھی۔ ان کے پہرے سے نکل جانے کے باوجود خطرہ دور نہ ہوا اور اسے بار بار ایسے غریب غربا پر بھروسا کرنا پڑا جن کے لیے سرکاری انعام غیر معمولی دولت تھی بایں ہمہ ان کی شرافتِ نفس پر آفریں ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی افشائے راز نہ کیا اور آخر مغربی اسکاٹ لینڈ میں پانچ مہینے کی آوارہ گردی کے بعد وہ ایک فرانسیسی جہاز میں سوار ہوا اور بخیریت فرانس پہنچ گیا؛

اس کے بعد بھی کئی سال تک تھوڑی بہت امید ضرور باقی تھی کہ دوبارہ کوشش کی جائے تو شاید کامیابی حاصل ہو۔ فرانس کے ساتھ جو لڑائی ہو رہی تھی اس میں، اور پھر ہفت سالہ جنگ یورپ کے دوران میں بار بار تجویزیں ہوئیں۔ کہ چارلس سے کام لیا جائے۔ لیکن جتنا وقت گزرتا گیا اتنی ہی کامیابی کی امید کم ہوتی گئی۔ ۱۷۴۷ء میں چارلس کا چھوٹا بھائی ہنری اسٹوارٹ، کارڈنیال مقرر ہوا تو اس خاندان کی نیک نامی کو بہت نقصان پہنچا۔ خود چارلس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ سب سے بڑھکر یہ کہ پٹ کے زمانے میں فرانسیسیوں پر جو فتوحات حاصل ہوئیں، ان سے یہ رہی سہی امید بھی کہ فرانس مدد کرے گا، خاک میں مل گئی؛ پہلے مدعی کا ۱۷۶۵ء میں دوسرے مدعی کا ۱۷۸۸ء میں انتقال ہوا اور اس کا بھائی ہینری جو جیمس ثانی کا آخری صحیح النسب وارث تھا، ۱۸۰۷ء میں فوت ہو گیا؛

باغیوں کا حشر	بغاوت کے اکثر ... قسمت تھے کہ سزا پانے سے بچ گئے۔

باب دوم

مرے، ڈرمنڈ، امیر پرتھ اور کیمرن لوخیل کا سب کو دوستوں کے جہاز مل گئے۔ البتہ بوڑھا ٹلی بارڈین قلعۂ لندن میں فوت ہوا۔ اور لارڈ کل مارنک، بال مری نو، اور چارلس ریٹ کلِف کے ۱۷۴۶ء میں سر قلم کرا دیے گئے۔ آخر الذکر امیر ڈرونیٹ واٹر کا بھائی تھا اور اسکاٹ لینڈ آتے میں ایک فرانسیسی جہاز پر گرفتار ہوا۔ اگلے سال سائمن فریزر اور لارڈ لووٹ کا بھی یہی حشر ہوا۔ یہ لووٹ ایک چالاک و بدکردار بوڑھا سردار تھا کہ ڈنکن فوربس کو تو اپنی وفاداری کا یقین دلاتا رہا اور دوسری طرف اپنے بیٹے کو شہزادۂ چارلس کی طرف سے لڑنے کے واسطے روانہ کردیا۔ وہ بال بال بچ گیا تھا لیکن اس کی تقدیر، کہ شہزادۂ مدعی کا میر منشی مرے براؤٹن کا گرفتار ہوا اور اس نے گواہ سلطانی بن کر جو بیانات دیے ان سے لارڈ لووٹ کے جرم کی شہادت مکمل ہوگئی۔ سب سے آخر میں کیمرن کے بھائی (ڈاکٹر کیمرن) کو سزا ملی جو ۱۷۵۳ء میں انگلستان آیا تھا اور اسی سفر میں گرفتار ہوکر سزائے قتل کا مستوجب قرار پایا۔ اس کا سبب گزشتہ بغاوت میں حصہ لینا نہ تھا بلکہ زیادہ تر یہ کہ حکومت جیکوبی ریشہ دوانی کرنے والوں کو سخت سبق دینا چاہتی تھی۔ اور چونکہ معلوم ہوا کہ انھی دنوں شہزادۂ مدعی خود بھیس بدل کر جیکوبی لوگوں سے مشورہ کرنے لندن آیا تھا، لہذا حکومت کی یہ سختی بالکل ہی بیجا نہیں کہی جاسکتی؛

کمبرلینڈ کی بے رحمی

یہ سب سزائیں قانون انگلستان کی رسوم و ضوابط کے مطابق عمل میں آئیں اور لینکاسٹر، کارلائل وغیرہ مقامات میں جو اسی کے قریب ملزم زیر تحقیقات تھے، وہاں بھی ایسا ہی ہوا لیکن ان بدنصیب مردوں اور عورتوں پر جنھیں امیر کبیر کمبرلینڈ اور اس کے سپاہیوں نے بغاوت کا مجرم سمجھ لیا تھا بہت بری گزری۔ ایک کثیر تعداد تو میدان جنگ ہی میں پکڑ کر قتل کرادی گئی اور پھر کلوڈن کے معرکے سے تین مہینے تک پہاڑی اضلاع کے قریب قریب ہر بستی میں ایسے بے محابا خون بہائے جاتے رہے کہ کمبرلینڈ کے تمام اچھے اوصاف اور عمدہ خدمات پر پانی پھر گیا اور وہ "قصائی" کے قابل نفرت نام سے مشہور ہوگیا؛

غنیمت یہ ہے کہ ملک میں ایسے اہل تدبر کا فقدان نہ تھا جو کسی گزشتہ

باب دوم

موقع پر کارٹرٹ کے عاقلانہ قول کے مطابق "اس بات کو بخوبی سمجھتے تھے کہ "انسانی جسم کے مثل، سیاسی جسم میں بھی جب تک اصلی سبب مرض موجود ہے، اس وقت تک خرابی صحت کا ازالہ نہیں ہو سکتا" اور ان لوگوں نے تہیہ کرلیا تھا کہ اسکاٹ لینڈ کی بغاوت فرد کرنے کے موقع سے فائدہ اٹھاکر آیندہ وہاں جدید اصلاحات کا آغاز کیا جائے۔ یہ کھلی ہوئی بات تھی کہ بغاوت کے اتنے آسان ہونے کا اصلی سبب قبائل کا وہ نظام تھا جس میں قبیلے کے جملہ افراد اپنے اپنے چودھری کی اطاعت و رفاقت کو سب سے مقدم سمجھتے تھے۔ یہ چودھری انھی کے روپے سے بسر اوقات کرتا اور اپنے علاقے میں وہی دادرسی اور دیانت کا سرچشمہ مانا جاتا تھا۔ اسی لیے وہ اپنے قبیلے والوں کو جس کام میں چاہے لگا سکتا تھا گو کہ وہ کام سراسر قانون کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس نظام کو توڑنے کی غرض سے ایک نیا قانون نافذ کیا گیا کہ آیندہ قبائل کے چودھریوں کے اختیارات موروثی نہ ہوں گے، اور ان اختیارات کی بجائے انھیں کچھ مالی معاوضہ مل جایا کرے گا۔ قبائل سے بڑی سختی کے ساتھ ہتھیار چھین لیے گئے اور کوہستانی اور میدانی باشندوں کا امتیاز دور کرنے کے لیے، کوہستانیوں کو حکماً اپنا جداگانہ لباس پہننے سے روک دیا گیا۔ ان تدابیر سے قبائل کے سرداروں کا بھی اس میں کوئی فائدہ باقی نہ رہا کہ وہ اپنے گرد جنگجو لوگوں کو جمع کریں۔ بجائے اس کے وہ پہلی مرتبہ زراعت کی طرف متوجہ ہوئے اور زمین کو اپنی آمدنی کا ذریعہ سمجھنے لگے۔ ان سرداروں کی طریق زندگی میں یہ تبدیلی ہوئی تو ان کے بہت سے سرگرم و شورہ پشت رفیقوں کو بھی ساتھ چھوڑ کے اِدھر اُدھر منتشر ہونا یا ترک وطن کرنا پڑا لیکن یہ سب سختیاں سرداران قبائل کی قوت توڑنے کے باوجود، انھیں حکومت کا وفادار بنانے میں زیادہ مفید نہ ہو سکتی تھیں اگر پٹ چند سال بعد، انھی کوہستانیوں کی فوجیں مرتب نہ کرتا اور انھیں وہیں کے ممتاز سرداروں کی قیادت میں نہ دے دیتا۔ ان فوجی سرداروں میں لارڈ لوویٹ کا جسے سزائے قتل ملی۔ ایک بیٹا بھی تھا؛ غرض یہی وہ صورت تھی کہ اس کے ذریعے ملک کو کوہستانیوں کی اعلیٰ سپاہیانہ قابلیت سے فائدہ اٹھانے کا

باب دوم

موقع مل گیا اور جو شے قابل خطر تھی وہی باعث حفاظت بن گئی؛

ولیم پٹ

اسکاٹ لینڈ کی بغاوت پوری طرح فرو نہ ہونے پائی تھی کہ انگلستان کی وزارت میں خلفشار پیدا ہوا۔ پارلیمنٹ کے نوجوان ارکان میں ولیم پٹ اور ہینری فوکس سب سے ممتاز تھے۔ پٹ، ایک مدراس کے حاکم کا پوتا تھا جو ہندوستان سے ایک مشہور و معروف ہیرا انگلستان لایا۔ اسے "پٹ کا ہیرا" کہتے تھے اور اسی سے لانے والے کی شہرت ہوگئی تھی۔ علاوہ ازیں بیوی کے رشتے سے ولیم پٹ، پہلے امیر اسٹین ہوپ کا بھتیجا ہوتا تھا۔ ۱۷۰۸ء میں پیدا ہوا۔ ایٹن اور ٹری نٹی کالج (آکسفرڈ) میں تعلیم پائی۔ کبود پوشوں کے رسالے میں جمعداری حاصل کی اور ۱۷۳۵ء میں اولڈ سیرم کے "خانگی" حلقے (Pocket) سے مبعوث (یا نمایندہ) منتخب ہوا اور پارلیمنٹ میں آتے ہی وال پول کی شدید مخالفت میں مصروف ہوگیا۔ وہ طالب علمی کے زمانے سے فن خطابت کی مشق کرتا رہا تھا "بلند اور نہایت کشیدہ قامت، شکرے کی سی آنکھیں، چھوٹا سر، ستا ہوا چہرہ، لمبی خمدار ناک" اور ان کے علاوہ آواز کا غیر معمولی پاٹ اور قوت، بے جھجک دلیری، حد درجے کی خود اعتمادی، پھر واقعی قابلیت اور جس کام میں ہاتھ ڈالا اس پر وسیع اور مدبرانہ غور کرنے کی اہلیت، یہ جملہ اوصاف ایسے تھے جن سے پارلیمنٹ میں اس کی کامیابی اور شہرت، صریحاً یقینی نظر آتی تھیں۔ اس کی ابتدائی تقریروں ہی پر وال پول کے کان کھڑے ہوئے اور اس وزیر نے اپنے مذاق خاص کے مطابق یہ تعریف کی کہ "اس فوجی نقارے کو خاموش کردینا لازمی ہے" اور وہ اپنی رسالے کی خدمت سے الگ کردیا گیا۔ تیار کی ہوئی تقریریں کرنے میں اسے دقت ہوتی تھی لیکن برجستہ بحث کرنے میں بہت جلد وہ ایسا کامیاب مقرر ثابت ہوا کہ دنیا میں ایسے مقرر کم گزرے ہیں۔ حالانکہ خطابت اور ہجو ملیح کے فن میں اس کے بہت سے لائق معاصرین گوئے سبقت لے جانا چاہتے تھے اور یوں بھی پٹ کسی ایسے نامی وھگ خاندان سے تعلق نہ رکھتا تھا، جو ان دنوں بڑے بڑے عہدوں کا ٹھیکہ لیے بیٹھے تھے۔ بایں ہمہ اس نے سب حریفوں میں امتیاز اور

باب دوم

بہت جلد اہل وطن کی نظروں میں نہایت بلند رتبہ حاصل کرلیا۔ اغراض ذاتی سے اس کا بالکل بری ہونا، پارلیمنٹ میں عزت و احترام کا موجب ہوا اور برطانی اغراض و فوائد کی پرجوش حمایت کی بدولت عام اہل ملک گرویدہ ہو گئے۔ البتہ جارج دوم کی نظر میں وہ کوئی قبولیت نہ پاسکا جس کا کچھ تو سبب یہ تھا کہ ولی عہد نے اس کی فوجی خدمت کی تلافی میں اسے اپنے توشک خانے میں جگہ دے دی تھی۔ اور کچھ یہ کہ پٹ کو پارلیمنٹ کے باہر جو ہردلعزیزی حاصل ہوئی وہ زیادہ تر کارٹرٹ کی ہنوورری حکمت عملی کی مخالفت کرنے کی بدولت ملی تھی۔ اس میں بھی پٹ خصوصیت کے ساتھ ہنووری اور ہیسی سپاہیوں کے برطانی فوج میں نوکر رکھنے کا شروع سے مخالف تھا اور پارلیمنٹ میں کارٹرٹ پر "ہنووری وزیر لشکر" کا فقرہ چست کرچکا تھا۔

ہینری فوکس

مزاج و اوصاف، عادات و تعلیم کے لحاظ سے پٹ کا حریف ہینری فوکس اس سے کوئی مناسبت نہ رکھتا تھا جس کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ "کاروبار میں بے حد قابل، روشن رائے، تہ بین، صاحب ہمت، ہر قسم کے معاملات میں دو ٹوک کام کرنے والا اور غضب کا مستعد آدمی" ہونے کے باوجود سیاست کے ان اعلیٰ اوصاف سے جو پٹ کی خصوصیت ہیں، متصف نہ تھا۔ اس کی قابلیتیں ہمیشہ فوائد ذاتی کے لیے صرف ہوتی تھیں اور مدت دراز تک وال پول کے زیر تربیت رہنے کی وجہ سے اس پر وہ سرکاری رنگ چڑھ گیا تھا جس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ تمام سیاسی مسائل کو صرف اس نظر سے دیکھا جائے کہ رائے دہندوں پر ان کا کیا اثر پڑے گا۔ حتیٰ کہ لارڈ چیسٹر فیلڈ فوکس کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ ملک کی بھلائی یا آئین وغیرہ کا مطلق لحاظ اور خیال نہ کرتا تھا بلکہ ان فکروں کو گھٹیا آدمیوں کے کام سمجھتا تھا۔" فوکس، ۱۷۰۵ء میں پیدا ہوا۔ عرصۂ دراز تک سرکاری کام کرتے رہنے سے جزئیات میں اسے وہ مہارت اور صفائی پیش کرنے میں ایسی مشق ہو گئی کہ وہ نہایت ہی کارآمد آدمی بن گیا اور خزانے میں ماتحت وزیر کی خدمت جو پیلہم کے زمانے میں اسے ملی تھی، وہ اپنی قابلیت سے فروتر نظر آنے لگی۔ یہی

باب دوم

سبب تھا کہ پٹ کی علانیہ مخالفت اور فوکس کی بے دلی کی وکالت دیکھ کر وزرا گھبرا گئے ؛ فروری ۱۷۴۶ء میں پیلہم اپنی مضبوطی کے لیے پٹ کو عہدہ دینے پر تیار ہو گیا۔ اور جب جارج نے منظوری دینے سے صاف انکار کیا تو دونو پیلہم اور ان کے اکثر متبعین مستعفی ہو گئے۔ ان کے استعفے قبول ہوئے اور گرین ویل اور باتھ (سابق پل ٹینی) کو وزارت مرتب کرنے کی خدمت تفویض ہوئی۔ لیکن یہ کوشش بالکل ناکام رہی کیونکہ بقول ہوریس وال پول کے وہ یہ "ذرا سی بات" بھول گئے "کہ انھیں پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں اکثریت حاصل کرنی ہے" ان حالات میں جارج کو بہت ہی ناخواستہ دلی کے ساتھ پیلہم بھائیوں کو واپس بلانا اور پٹ کو آئرستان کا نائب خزانہ دار بنانا پڑا۔ پھر تھوڑے دن بعد وہ فوج کا بخشی مقرر ہوا جو اس زمانے میں بہت ہی بیش بہا عہدہ سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس کے ہاتھ سے بے حساب روپیہ گزرتا تھا اور وہ کچھ فیصدی کی دستوری خود لے کر لاکھوں روپیہ کما سکتا تھا۔ نیز اپنی تحویل کا سرکاری روپیہ تجارتی کاموں میں لگا کر بھی کافی نفع اٹھا سکتا تھا۔ لیکن پٹ نے اس قسم کی تدابیر سے ایک پیسہ لینا بھی جائز نہ سمجھا اور حکومت کا عہدہ دار بن کر بھی اسی بے لوثی کا ثبوت دیا جو حکومت کے نکتہ چین ہونے کے زمانے میں اس کی خصوصیت رہی تھی۔ ان اوصاف کی پوری قدر کی گئی۔ پیل ہم نے اس کی نسبت کہا کہ وہ ہم میں سب سے قابل اور کار آمد، نہایت شریف اور پورا دیانت دار شخص ہے ؛ اسی کے ساتھ فوکس کو وزارتِ فوج کی معزز خدمت پر ترقی دے کر خوش کیا گیا اور کچھ روز بعد چیسٹر فیلڈ بھی شاہی معتمد بن کر مجلس وزارت میں داخل ہوا ؛

یورپ کی جنگ

جس زمانے میں برطانیہ وطن میں بغاوت فرو کرنے میں مصروف تھی، یورپ میں فرانس کے قدم برابر بڑھتے چلے جاتے تھے۔ آسٹریا کے ولندیزی علاقے میں قریب قریب تمام قلعوں پر اس کا قبضہ ہو چکا تھا اور ۱۷۴۷ء میں خاص ہالینڈ پر حملہ کر دیا گیا تھا۔ اس ملک میں ولیم ثالث کی وفات کے وقت سے شہری جماعت

باب دوم

بر سر اقتدار تھی اور خاندان آرینج کی کوئی پرسش نہ تھی۔ بایں ہمہ جس طرح ۱۶۷۲ء میں ہوا تھا، اب بھی فرانس کے خوف نے ولندیزوں کو مجبور کیا کہ اپنے قدیم سرداروں سے کام لیں چنانچہ خاندان آرینج فریڈرک ولیم جو شاہ جارج ثانی کا داماد تھا اور عام طور پر ولیم چہارم کہلاتا ہے امیر نامزد کیا گیا اور فوج کی سپہ سالاری اس کے تفویض ہوئی۔ پھر شہزادۂ مدعی کی شکست کے بعد کمبرلینڈ بھی بر اعظم میں پہنچ گیا۔ لیکن عمدہ فوجی سردار ہونے کے باوجود وہ فرانس کے مردان جنگ کا فن سپہ سالاری میں ہمسر نہ تھا اور ادھر بہنوئی سے ان بن ہو جانے کے باعث صورت حال اور بھی خراب ہو گئی۔ غرض جولائی ۱۷۴۷ء میں اتحادی سپاہ کو سپہدار ساکس نے سخت لڑائی کے بعد لاؤفیلڈ کے مقام پر شکست دی اور دریائے میز کے پار ہٹنے پر مجبور کیا۔ پھر فرانسیسی قلعۂ برگن اوپ زوم کا محاصرہ کرنے بڑھے جسے کوہورن نے تعمیر کیا تھا لیکن ولندیزی فوج نے ایسی بُری مدافعت کی کہ یہ عمدہ قلعہ بھی ستمبر میں فتح ہو گیا۔ قلعۂ مائیس ٹریخٹ کا بھی یہی حشر ہوتا نظر آتا تھا اور ادھر مجلس وزرا کو انگلستان کے وسائل و ذرائع سے کام لینے کے سوائے اس کے کوئی اور صورت ہی نہ سوجھتی تھی کہ یورپ کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں تک سے کرائے کی فوجیں بہم پہنچانے کی درخواستیں کر رہی تھی۔ البتہ سمندر پر انگریزوں کی حالت اتنی زبوں نہ تھی بلکہ این سن اور ہاک دونوں فرانس کے ایک ایک بیڑے کو شکست دے چکے تھے اور رفنستیر اور بیلیل کے سامنے ۶، ۶ جہاز پکڑ کر لے گئے تھے۔ انگلستان کے امریکی آبادکاروں نے بھی اپنی مردانگی کا ثبوت دیا کہ ۱۷۴۵ء میں جزیرۂ کیپ برٹن پر یورش کی اور اس کے صدر مقام لوئی برگ کو فتح کر لیا۔ بایں ہمہ مجموعی طور پر انگریز اور فرانسیسی دونوں جنگ ختم ہو جانے کے دل سے خواہاں تھے۔ چنانچہ ایک موتمر کا انعقاد ہوا جس میں ولندیزوں اور ان دونوں قوموں کے وکلا جمع ہوئے اور بتاریخ ۳۰ راپریل ۱۷۴۸ء مبادی صلح پر پھر اسی سال کے اندر ایکس لاشاپیل کے عہد نامے پر دستخط ثبت ہو گئے۔ اس کی دفعات کی رو سے فریقین نے جو مقامات فتح کر لیے تھے، وہ واپس کر دیے۔ شہزادۂ مدعی کو

باب دوم

فرانس سے نکال دیا گیا۔ سلیشیا، فریڈرک کو ملا اور ماریا تھیریسا کا شوہر فرانسس شہنشاہ تسلیم کرلیا گیا۔ امن عام میں اسپین بھی شامل تھا لیکن اس کے تلاشی لینے کے حق کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ صلح ہوتے ہی برطانی فوج میں تخفیف کرکے صرف اٹھارہ ہزار سپاہی رہنے دیے گئے۔ البتہ برطرف شدہ سپاہیوں کو نوا اسکوشیا میں زمینیں دی گئیں اور وہاں کے نئے صدر مقام کا نام شاہی معتمد کے نام پر ہیلی فیکس رکھا گیا۔

شرح سود کی تخفیف

صلح ہونے کے بعد پیل ہم وطنی معاملات پر متوجہ ہوا۔ وہ وال پول کا متبع اور اس لیے مالیات میں خاص دلچسپی لیتا تھا۔ اب قومی قرضہ کم کرنے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ جب سے مونٹیگو نے مستقل سرمایہ اندوزی کا طریقہ نکالا اس وقت سے یہ قرض برابر زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ عہدنامۂ رِزک کے وقت اس کی مقدار دو کرور دس لاکھ عہدنامۂ یوٹریکٹ کے وقت پانچ کرور تیس لاکھ اور اب سات کرور اسّی لاکھ پونڈ ہوگئی تھی۔ اجمالاً اسے چار قسموں میں تقسیم کرسکتے تھے:۔

۱۔ قرضے جو دوامی طور پر لیے گئے۔

۲۔ قرضے جو خاص خاص محاصل کی امید پر لیے گئے۔

۳۔ قرضے جو دائمی یا میعادی وظائف سالانہ کے عوض میں وصول ہوئے۔ اور

۴۔ سرکاری خزانے کے تمسکات۔

ولیم ثالث کو مستقل سرمائے کی شرح سود آٹھ اور این کو ۶ فیصدی دینی پڑی تھی۔ مگر وال پول نے ۱۷۱۶ء اور پھر ۱۷۲۷ء میں ۵ سے چار فیصدی تک اسے گھٹا دیا۔ شہزادۂ مدعی کو ہزیمت ہوئی تو حکومت کی ساکھ بڑھی اور ادھر ملک کی خوش حالی سے روپے کی ایسی افراط ہوئی کہ اور بھی آسانی سے قرض ملنے لگا۔ یہی سبب تھا کہ ۱۷۴۹ء میں پیل ہم تخفیف مزید کرنے پر قادر ہوا اور اس نے قرض خواہوں کو اطلاع دی کہ یا تو حکومت ان کا روپیہ ادا کردے گی اور یا وہ ساڑھے تین فیصدی سود قبول کریں۔ اکثر قرضداروں نے یہ شرط مان لی۔ باقی ماندوں کی پوری رقم دے دی گئی اور

باب دوم

تھوڑے دن بعد چودہ قسم کے مختلف ذخائر کو جمع کر کے پانچ کی صورت میں منضبط کر لیا گیا۔ ان انتظامات کے ذریعے پیل ہم نے پانچ لاکھ پونڈ سالانہ کی بچت نکال لی۔

۱۷۵۱ء میں شہزادۂ ولی عہد فریڈرک اُشش کی خرابی سے مر گیا۔ ممکن ہے اس خرابی کو مہلک بنانے کا سبب وہ زخم ہو جو کچھ مدت پہلے کھیل میں ایک چوبی گیند[1] لگنے سے آیا تھا۔ ایک وقت میں وہ لوگوں میں نہایت نامقبول تھا اور لندن کے عوام کی یہ پکار کہ "ہائے کاش کہ وہ قصائی ہوتا" اس امر کی دلیل تھی کہ کمبرلینڈ قوم کی نظروں سے گر چکا ہے۔ ولی عہد کی بیوہ اوگسٹا سیکس کوبرگ اور اولاد میں نو بچے تھے۔ ان میں سب سے بڑا ۱۷۳۸ء میں پیدا ہوا اور آگے چل کے شہزادۂ ویلز بنایا گیا۔ خود اوگسٹا عمدہ سیرت کی بہت ہوشیار عورت تھی اور خوب اندازہ رکھتی تھی کہ بچوں کی بہتری کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ بوڑھے بادشاہ کو رضامند رکھا جائے اسی زمانے میں امیر بولنگ بُرک (ہینری سن جن) فوت ہوا جسے امید تھی کہ ہنووری خاندان کو تباہ کرا دے گا مگر تقدیر نے اس کے جیتے جی ان بادشاہوں کو اور بھی زیادہ مضبوط و مستقل کر دکھایا۔

لارڈ چیسٹر فیلڈ

۱۷۵۱ء میں لارڈ چیسٹر فیلڈ کی سعی سے جنتری کی اصلاح عمل میں آئی۔ اس امیر کا پورا نام فلپ ڈورمر اسٹین ہوپ تھا اور اپنے زمانے میں بہت ممتاز و بلند رتبہ سمجھا جاتا تھا لیکن اب صرف بعض ظریفانہ اقوال اور اس مشہور و معروف مجموعۂ خطوط کی وجہ سے یاد کیا جاتا ہے جو اس نے اپنے بیٹے کو لکھے تھے۔ وہ ۱۶۹۴ء میں پیدا ہوا اور شروع ہی میں ثابت ہو گیا کہ دربارداری میں بڑی مہارت اور نامہ و پیام نیز مباحثہ کرنے کا بہت سلیقہ رکھتا ہے۔ وہ کبھی سب سے آگے نہیں آیا۔ تاہم اسے والیان انگلستان میں سب سے بہتر شمار کرنا چاہیے کہ غالباً اسی کی پر مصلحت اور

[1] اصل عبارت میں "ٹریپ بال" ہے۔ مترجم

باب دوم

ساتھ ہی پرقوت روش کی بدولت ۱۷۴۵ء کی بغاوت کے وقت آئرستان میں کوئی شورش برپا نہ ہوئی۔ اسی طرح یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ۱۷۴۶ء میں اس نے امن وصلح کی وکالت کی اور جب اس پر اعتنا نہ ہوئی تو شاہی معتمدی کا معزز عہدہ چھوڑ کر الگ ہوگیا۔ اب (۱۷۵۲ء میں) بھی بغیر عہدہ لیے وہ مجلس وزرا کی عمومی تائید کرتا رہتا تھا؛ اس زمانے میں انگلستان تقویم جولین کا پابند تھا جسے جولیس سیزر نے مرتب کرایا تھا۔ اس میں لوندہ کے بہت سے سال رکھے گئے تھے جس سے حساب میں غلطی پیدا ہوتی تھی چنانچہ یہ جنتری اصلی تاریخ سے گیارہ دن پیچھے ہوگئی تھی۔ سولھویں صدی کے ہیئت دانوں نے بھی اس طرف توجہ دلائی اور ۱۵۸۲ء میں پاپا گریگوری سیزدہم نے تقویم گریگوری شائع کی جس میں مذکورۂ بالا غلطی کی اصلاح کی گئی تھی۔ اسی جنتری کو تمام کیتھولک ممالک اور پھر برطانیہ، سویڈن اور روس کے سوا، دوسری یورپی ریاستوں میں بھی اختیار کرلیا گیا تھا۔ اب چیسٹر فیلڈ کے قانون کی رو سے ۳ر ستمبر ۱۴ر ستمبر قرار پایا
787 اور نئے سال کا آغاز، ۲۵ مارچ (یوم مریمؑ) کی بجائے جیسا کہ اس وقت تک معمول تھا پہلی جنوری سے لازم کیا گیا۔ گیارہ زائد دنوں کے بدلے ۵ اپریل ۵ جولائی ۱۰ اکتوبر اور ۵ جنوری ربع دن قرار دیے گئے۔ اس اصلاح سے بڑی پیچیدگی اور پریشانی دفع ہوئی مگر تنگ دل متعصب اس سے بہت ناخوش ہوئے۔ اور اسی جہل وتعصب کی یادگار ایک تو انتخابات کے زمانے کا یہ نعرہ تھا کہ "ہمارے گیارہ دن واپس دو" اور دوسرے ایک مقبول عام گیت جس کی ٹیپ یہ تھی: سن میں

"بھئی، پاپائی آئی، ترپن ۵۳ میں"

قانون ازدواج

اسی زمانے کی ایک اور قابل ذکر اصلاح، قانون ازدواج ہے جسے امیر عدلیہ ہارڈ ویک نے ۱۷۵۳ء میں پیش کیا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ جن کی شادی ہونے والی ہے، یا تو وہ باقاعدہ اجازت نامہ حاصل کریں یا اپنے حلقے کے گرجا میں برابر تین اتوار تک ان کی شادی کی اطلاع شائع ہوتی رہے اور ہر حالت میں عقد خوانی صبح کے ۶ بجے سے دوپہر تک

باب دوم

گرجا میں ہو جایا کرے۔ اگر عقد کسی دوسری جگہ یا دوسرے وقت میں پڑھایا جائے تو اس کے لیے صدر اسقف کینٹربری سے بہت بھاری رقم دے کر اجازت نامہ خاص حاصل کرنا لازم تھا۔ قانون کی اصلی غرض یہ تھی کہ خفیہ اور بے سمجھے بوجھے شادیاں کرنے کا طریقہ مسدود ہو، اور اس کی ہینری فوکس نے جو شدید مخالفت کی اس کا سبب بھی یہ تھا کہ خود وہ امیر کبیر رچ منڈ کی بیٹی کو لے کر فرار ہوا تھا، لہٰذا اس مسودۂ قانون میں اسے اپنی ذات پر حملہ نظر آتا تھا۔ دارالعوام میں چارلس ٹاون زنڈ سب سے زندہ دل مقرروں میں شمار ہوتا تھا، اس نے بھی مخالفت کی اور کہا کہ یہ مخالفت نوجوان لڑکوں کے حقوق کی حمایت میں کرتا ہوں، کیونکہ یہ قانون نافذ ہوا تو ہمارے لڑکوں کو دولت مند بیویاں حاصل کرنے کا کوئی موقع ہی باقی نہ رہے گا۔ لطف یہ ہے کہ جب قانون منظور ہو گیا تو خود ٹاون زنڈ نے ایک معمر مگر معقول سرمایے والی بیوہ سے شادی کر کے اپنی اشک شوئی کر لی اور اس واقعے پر لوگوں نے بے حد قہقہے لگائے۔

سنہ ۱۷۵۴ء میں پیلہم نے وفات پائی۔ وہ کچھ بہت سن رسیدہ آدمی نہ تھا لیکن کھانے پینے میں بے احتیاطی کے باعث، ۵۸ سال کی عمر کو پہنچنے سے قبل ہی اس نے اپنی صحت بالکل خراب کر لی۔ وہ بہت نامور وزیر نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن کافی عقل سلیم رکھتا تھا اور جفاکشی، پابندی اوقات اور حسن معاملت کی وجہ سے لوگ خود بخود اس پر بھروسا کرتے تھے۔ خطیب نہ ہونے کے باوجود، اس میں معاملات کو صاف اور واضح بیان کر دینے کی قابلیت تھی اور آشتی پسند اخلاق و آداب کی بدولت مخالفین کی زبان بند ہو جاتی تھی۔ جس وقت وہ مرا تو جارج چلایا کہ "اب مجھے امن و سکون میسر آنا محال ہو گا" اور حقیقت میں یہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی۔ پیلہم کی جگہ اس کا بڑا بھائی ٹامس، امیر کبیر نیوکاسل، (ولادت، سنہ ۱۶۹۳ء) وزرا کا صدر مقرر ہوا اور یہ

نیوکاسل

ایسا عجیب آدمی گزرا ہے کہ اس فطرت کے لوگوں نے شاید اعلیٰ سیاسیات میں کم کوئی حصہ لیا ہو گا۔ گذشتہ تیس برس سے وہ شاہی معتمد تھا اور کاروبار کے تجربے، یا پارلیمنٹ کا

باب دوم

انتظام کرنے میں اس کا کوئی مثل نہ تھا، بایں ہمہ اس کی سنکی حرکتوں کے متعلق جملہ معاصرین متفق ہیں۔ وہ ہمیشہ جلدی کرتا رہتا اور اس قسم کے اضطراب میں مبتلا نظر آتا "گویا صبح کا ایک گھنٹہ گم ہو گیا اور اب دن بھر اس کی تلاش میں ہے" چلنے میں وہ کچھ دور پاؤں گھسیٹ کر چلتا تو کچھ دور دلکی چل چل کر وقت بچاتا تھا۔ بولنے میں سوال پر سوال کیے جاتا مگر جواب سننے کا انتظار نہ کرتا کہ وقت نہ ضائع ہو۔ جغرافیہ سے اس کو حیرت انگیز ناواقفیت تھی اور ملکداری کے عام اصول سے مطلق بے خبر تھا، پس دوسروں کے خیالات اختیار کر لیتا اور خود صرف جزئی باتوں میں سراپا منہمک رہتا تھا۔ البتہ اپنے بھائی کی طرح بذات خود دیانت دار اور بے لوث آدمی تھا۔

دارالعوام کی کارفرمائی

چونکہ اب وزیر اعظم دارالامرا میں رہتا تھا۔ لہذا دارالعوام کی پیشوائی کے لیے کسی لائق وزیر کا (Leader) تلاش کرنا ناگزیر ہو گیا اور اس میں بڑی دقتیں پیش آئیں آخر میں پٹ اور فوکس میں سے ایک کو انتخاب کرنا رہ گیا لیکن نیو کاسل دونوں سے ڈرتا تھا اور اسی لیے اس نے ایک بھدّے غبی آدمی، سر ٹامس روبنسن کو ترجیح دی حالانکہ وہ اتنے عرصے تک وی آنا میں سفیر رہا تھا کہ دارالعوام کی عام رسوم و آداب تک یاد نہ رہے تھے۔ چنانچہ پٹ نے کہا کہ "امیر کبیر چاہتا تو اس کی بجائے اپنا شکاری موزہ (Jack-boot) ہماری سرگروہی کے لیے بھیج سکتا تھا"! پھر وہ اور فوکس پہلی اور آخری مرتبہ آپس میں متحد ہو گئے کہ روبنسن کو کام کرنا دشوار کر دیں۔ ان کے حملے کی تدبیر یہ تھی کہ ایک تو روبنسن کی غلطیوں کو طشت ازبام کرے اور دوسرا ناتجربہ کاری کے عذر پر اس کی وکالت کرے اور یہ امر بحث طلب ہے کہ غریب روبنسن ان اعتراضات سے زیادہ چڑتا تھا یا اس وکالت سے۔ بہر حال، تھوڑے ہی دن میں معاملہ قابو سے باہر ہو گیا اور نیو کاسل نے اپنے نزدیک مکتر درجے کی بلا یعنے فوکس کو دارالعوام کا سرگروہ بنانا قبول کر لیا چند ماہ بعد پٹ نے ریاست ہیس اور روس کو زر اعانت دینے سے انکار کیا تو وہ بخشی کی خدمت سے الگ کر دیا گیا اور فوکس کو معتمدی کا

باب دوم

عہدہ مل گیا جس کی بہت دن سے طمع تھی؛

اس عرصے میں امریکہ اور ہندوستان میں ایسے معاملات پیش آرہے تھے جن کا انگلستان خاص سے تو کچھ تعلق نہ تھا مگر جن کی وجہ سے انگلستان و فرانس میں دوبارہ جنگ چھڑنا لازمی نظر آنے لگا تھا؛ جب سے چارلس اول کے زمانے میں میسا چیوسٹ کی نوآبادی بنی امریکہ کی دوسری انگریزی مستعمرات بھی برابر ترقی کر رہی تھیں۔ ۱۶۶۳ء میں کے رولینا آباد کی گئی اور غالباً اس کا مطلب یہ تھا کہ بادشاہی خاندان کے مصیبت زدہ لوگوں کو یہاں ٹھکانا مل جائے۔ ۱۶۳۵ء میں کونیکٹکٹ آباد ہوا تھا۔ ۱۶۶۴ء میں نیوایمسٹرڈم کی تسخیر سے یہ موقع میسر آگیا کہ میری لینڈ اور پہلے کے نیوانگلینڈ سے لے کر ورجینیا تک پورے علاقے میں مستعمرات کا ایک جدید سلسلہ آباد کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی سال نیویارک کی اور اگلے سال نیوجرسی کی بنیاد پڑی۔ ۱۶۸۱ء میں ولیم پین (کویکر) نے اپنی پین سل وینیا کی نوآبادی بسائی اور اسے زیادہ تر انجمن احباب ہی کے شرکا سے آباد کیا۔ ۱۷۰۳ء میں ڈِلاویر اس نوآبادی سے جدا ہوگیا اور ۱۷۳۲ء تک کوئی دوسری نوآبادی بھی قائم نہیں ہوئی۔ البتہ سنہ مذکور میں سپہ سالار اوگل تھورپ کے ماتحت چند غیر مستطیع اشخاص نے جورجیا کا علاقہ آباد کیا۔ مختصر یہ کہ ۱۷۵۰ء تک انگریزی نوآبادیوں کا سلسلہ بہت دور تک ساحل پر اور اندرون ملک میں قریب قریب دو سو میل تک وسیع ہوگیا۔ لیکن واضح رہے کہ ان میں کل فرنگی آبادی صرف پچیس لاکھ کے قریب تھی جتنی آج کل ویلز کی ہے، اور نوآبادیوں میں باہم کوئی سیاسی رابطہ بلکہ زیادہ آمد و رفت بھی نہ تھی؛

شمالی امریکہ کی انگریزی مستعمرات

789 ان انگریزی مستعمرات کے تین جانب فرانس و اسپین کی نوآبادیاں تھیں۔ فلورڈا اسپین کا علاقہ تھا۔ اور فرانس کے قبضے میں نہ صرف لوئی زیانا اور دریائے مسس سپی کا علاقہ زیرین تھا، بلکہ کناڈا اور اس کی ساری جھیلیں تھیں اور دریائے اوہایو کے کنارے کنارے

باب دوم

اس کی سرحد انگریزی مستعمرات کے عقب میں اس طرح آ گئی تھی کہ



790

اب انگریز آبادکار مغرب کی طرف اور آگے نہ بڑھ سکتے تھے۔ پھر یہ کہ فرانسیسی محض اپنا قبضہ منوانے پر قانع نہ تھے بلکہ دیسی باشندوں تک سے انگریزوں کو تجارت کی مطلق اجازت نہ دیتے تھے۔ ۱۷۴۹ء میں انھوں نے جغرافی تحقیقات کے ساتھ قلعوں کا بھی ایک سلسلہ تیار کرنا شروع کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ انگریزی آبادیوں کو سد آہنی سے محصور کر لیا جائے۔ ان میں بڑے قلعے یہ تھے:

۱۔ نیاگرا، دریائے لارنس پر۔

باب دوم

۲- کراؤن پوائنٹ، جھیل شامپ لین کے کنارے اور سب سے بڑھ کر ۳- قلعۂ دوکین، اوہایو کے کنارے، جہاں شمال اور جنوب سے دو بڑی ندیاں اس سے آملتی ہیں اور پھر وہ اپنا رخ بدل کے مغرب کی طرف بہا اور آگے چل کے مسس سپی سے مل گیا ہے۔ ان کارروائیوں نے طبعاً انگریز آبادکاروں خصوصاً ورجینیا والوں کو پریشان کیا اور وہیں کا ایک نوجوان زمیندار جارج واشنگٹن قلعہ دوکین کی دیکھ بھال کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ اس نے جو کیفیت پیش کی اس کی بنا پر ورجینیا والوں نے اپنی فوج بے قاعدہ کا ایک دستہ، واشنگٹن کی سرگروہی میں روانہ کیا کہ فرانسیسی نوواردوں کو پریشان کیا جائے لیکن ان پر گریٹ میڈوز کے مقام پر ایک کثیر التعداد فوج حملہ آور ہوئی اور اہل ورجینیا کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا۔ اس طرح عداوت کی بنیاد پڑ گئی تو گو کوئی اعلان جنگ نہیں ہوا، لیکن فرانس و انگلستان دونوں مزید افواج امریکہ بھیجنے لگے۔ ان کے بیڑے کہر کی وجہ سے ایک دوسرے کے قریب سے بے خبر ہوئے بغیر نکل گئے تاہم کپتان ہاؤ نے دو فرانسیسی جنگی جہازوں پر حملہ کر کے انھیں ساحل امریکہ کے قریب چھین لیا۔ برّی لڑائی کے واسطے انگریزوں نے بریڈک کو سالار لشکر بنا کر بھیجا تھا مگر "دلیر اور نڈر" ہونے کے باوجود اسے چھپ کر جنگ کرنے کا کوئی تجربہ نہ تھا اور افواج بے قاعدہ کی مطلق وقعت نہ کرتا تھا۔ مقابلے میں فرانس کی فوجوں کا سپہ سالار ایک جرمن شخص ڈائس کاؤ تھا؛ ۱۷۵۵ء میں بریڈک نے قلعۂ دوکین پر دوبارہ فوج کشی کا قصد کیا اور اپنی اور واشنگٹن کی قیادت میں ادھر فوج لے کر روانہ ہوا لیکن قلعہ ابھی چند میل دور تھا کہ کناڈا اور دیسی باشندوں کا ایک لشکر جنگل میں ان پر حملہ آور ہوا جہاں بریڈک کی باقاعدہ اور میدانی قواعد سیکھی ہوئی سپاہ کچھ کام نہ آئی۔ خود بریڈک مارا گیا اور محض واشنگٹن اور اس کے صوبے کے سپاہیوں کی ہوشیاری کی بدولت باقی فوج تلوار کے گھاٹ چڑھنے سے بچی۔ تاہم اس ہزیمت سے انگریزوں کی جنوبی نوآبادیوں کا راستہ کھل گیا۔ دلیسیوں نے اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا اور واشنگٹن

باب دوم

زیادہ سے زیادہ اتنا کرسکا کہ ان کے حملے روکتا رہے اور انھیں پوری طرح آباد شدہ اضلاع میں گھس پڑنے سے باز رکھے۔ ادھر ڈانس کاؤ فوج باقاعدہ کو لیے ہوئے قلعۂ ولیم ہینری پر بڑھا جو جھیل جارج کے سرے پر واقع تھا۔ اس جھیل کا پانی بہ کر شامپ لین میں آگرتا ہے۔ یہاں اسے جانسن اور اس کی نیویارک ویلسا حیثیت کی فوج بے قاعدہ نے شکست دی اور کچھ دیسی باشندے بھی ان کے مددگار ہو گئے۔ ڈانس کاؤ مارا گیا۔ یہ قواعد امن وصلح 791
کی کھلی ہوئی خلاف ورزیاں تھیں اور ان سے علانیہ جنگ ناگزیر ہو گئی تھی۔ فوکس اور اس کا مربی شہزادۂ کمبرلینڈ بہ آواز بلند فرانس سے جنگ کی ترغیب دے رہے تھے لہٰذا مئی ۱۷۵۶ء میں باضابطہ اعلان جنگ کر دیا گیا۔

نوآبادیوں میں فرانس و برطانیہ کی لڑائی چھڑنے کے ساتھ ہی یورپ میں بھی جنگ ہفت سالہ کا آغاز ہو گیا۔ اصل میں ماریا تھریسا کبھی بھی سلیشیا کو فریڈرک کے حوالے کرنے پر دل سے رضامند نہ ہوئی تھی اور کئی سال سے اس کے خلاف جتھا بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسی مقصد سے ملکہ کے وزیر کونٹز نے لوئی پانزدہم کی داشتہ مدام لوپمپادور کی اور سیکسنی اور پولینڈ کے حکمرانوں کی خوشامد درآمد کی اور انھیں پروشیا کے خلاف لڑنے پر آمادہ کیا۔ روس کی ملکۂ الزبتھ کے بھی اس جتھے میں مل جانے کی توقع تھی۔ نظر بر ایں فریڈرک کو ایسے زبردست جتھے کے مقابلے میں اپنے ماموں جارج ثانی کی مدد ڈھونڈنی پڑی اور جارج کو طبعاً اپنے ہنووری مذاق کے بموجب ایک پروٹسٹنٹ جرمن ریاست کے ضعیف ہونے سے بھی تشویش ہوئی۔ غرض جنوری ۱۷۵۶ء میں برطانیہ اور پروشیا میں ایک دفاعی اتحاد کا معاہدہ ہو گیا۔ فریڈرک کو اپنے عقب کی طرف سے اطمینان ہوا تو اس نے ارادہ کر لیا کہ خود سبقت کرے اور یہ کہہ کر کہ "جہاں تک ممکن ہو میں یہ دریائے وطن سے دور ہی پھیلانا چاہتا ہوں" اس نے خود سیکسنی پر حملہ کر دیا اور ڈریس ڈن میں اس عہد و پیمان کی تحریری شہادتیں پکڑیں جو فریڈرک کو تباہ کرنے کی غرض سے کیے جا رہے تھے۔ انھیں

جنگ ہفت سالہ

باب دوم

اس نے اپنی پیش قدمی کا جواز ثابت کرنے کی غرض سے شائع کر دیا۔ اب اس پر نہ صرف فرانس و آسٹریا و سیکسنی، بلکہ روس کی طرف سے بھی (جس کی ملکہ کو تھریسیا نے اپنے ساتھ ملا لیا تھا) علانیہ حملہ ہوا۔ اس موقع پر کوئی عقلمند ہوتا تو اصلی قوت نو آبادیوں کی جنگ میں صرف کرتا لیکن ہوا یہ کہ اس نے جرمانیہ کے محاربے کو زیادہ اہم اور نو آبادیوں کی لڑائی کو نسبتاً کم وقعت سمجھا۔

فرانس کی طرف سے منورکا پر چڑھائی کے ذریعے جنگ کا آغاز ہوا۔ اس جزیرے کی مدافعت سپہ سالار بلے کینی نے کی جو ۱۷۰۸ء میں اسٹرلنگ کا حاکم تھا۔ اسے بچانے کی غرض سے انگریز امیر البحر بنگ فوج لے کر روانہ ہوا۔ یہ راس پسارو کے فاتح کا بیٹا تھا اور کافی تجربہ حاصل کیے بغیر محض باپ کے اثر سے اپنے سے بہتر اشخاص کو پھلانگ کر ترقی پا گیا تھا۔ منورکا پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ فرانس کے جہازوں کی تعداد زیادہ ہے لہذا معمولی سی جھڑپ کے بعد وہ اپنے دستے کو ہٹا لایا جس کا سبب اس قدر نامردی نہ تھی، جتنی بد دلی اور ذمہ داری کا خوف۔ بہرحال، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جزیرہ جو تقریباً آدھی صدی سے انگریزوں کے ہاتھ میں تھا، وہاں کی فوج نے مجبوراً اطاعت قبول کر لی۔ اس نقصان سے ملک میں بہت ناراضی پیدا ہوئی۔ بنگ وطن آیا تو فوجی عدالت میں اس پر مقدمہ چلا کر گولی سے اڑا دیا گیا۔ بے شبہہ یہ بہت سختی معلوم ہوتی ہے لیکن اول تو صرف آٹھ سال قبل جنگی قانون میں اس قسم کی خطاؤں کی سزا بڑھائی گئی تھی دوسرے عام لوگوں میں اس قدر غیظ و غضب پھیلا ہوا تھا کہ شاید مضبوط سے مضبوط حکومت بھی اسے چھوڑنے کی جرأت نہ کر سکتی تھی۔ اسی سزائے موت کو سن کر والتیر نے کہا تھا کہ "انگلستان میں ایک امیر البحر کو مارا جاتا ہے تاکہ دوسروں کی ہمت بڑھے"! قرائن کہتے ہیں کہ حقیقت میں سخت سبق دینے کی ضرورت تھی اور بدقسمت بنگ کی موت گویا ایک حتمی دلیل تھی کہ قوم کی دانست میں کسی انگریز امیر البحر کا دشمن کے سامنے سے ہٹنا صرف ایسی صورتوں میں جائز سمجھا جا سکتا ہے جب کہ خطرات واقعی غیر معمولی ہوں۔

ڈیون شائر اور پٹ | دوسرے، بنگ جس وزارت کے زمانے میں بھیجا گیا تھا،

باب دوم

وہ سزائے موت کے وقت موجود نہ تھی۔ نیوکاسل کو کمبرلینڈ اور فوکس نے جبراً جنگ میں پھنسایا تھا اور وہ خوب واقف تھا کہ مجھ میں جنگ کا انتظام کرنے کی نہ قابلیت ہے نہ شوق۔ اس نے لڑائی کو محدود رکھنے کی مقدور بھر کوشش کی اور یہ بھی فقط بڈھے گرین ویل کی نصیحت تھی کہ "وار کرو تو پوری قوت سے" کہ وہ ایک عجیب وغریب حکم جاری کرنے سے رک گیا جس کا منشا یہ تھا کہ صرف جنگی جہازوں پر حملہ کیا جائے۔ اور تجارتی جہازوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے۔ جزیرۂ منورکا کے ہاتھ سے نکل جانے کی خبر سنکر وہ بالکل بے حواس ہوگیا اور بنگ کے مقدمے سے قبل ہی اس نے استعفیٰ دے دیا۔ اس کی جگہ امیر کبیر ڈیون شر مقرر ہوا جو عہد انقلاب کے ایک ممتاز خاندان کا نمایندہ تھا اور ادھر پٹ شاہی معتمد کی حیثیت سے عملاً حکومت کا سرگروہ بن گیا۔ اس کام میں اس کے دو بہنوئی، لارڈ ٹیمپل اور جارج گرین ویل بھی پٹ کے ممد ومعاون ہوئے۔ وہ اس منصوبے کے مطابق کہ جہاں تک ممکن ہو صرف قومی وسائل سے کام لیا جائے۔ پٹ نے ابتدا ہی میں ایک کام یہ کیا کہ فوج بے قاعدہ کی تنظیم کی تجویز پیش کی جس کا مقصد یہ تھا کہ جنگ میں یہ فوج باقاعدہ کی ردیف کا کام دے اور یوں بھی اس کی بدولت اچھے سپاہی تیار ہوتے رہیں۔ اسی سلسلے میں اس نے اسکاٹ لینڈ کے وہ کوہستانی لشکر مرتب کیے جو اس وقت سے دنیا کے ہر حصے میں اپنی بہادری کے جوہر دکھا چکے ہیں؛ مگر بادشاہ سے اور قریبی تعلق کے باوجود جارج ثانی کی پٹ سے نفرت کم نہ ہوئی اور وہ اسے بیوۂ ولی عہد کا بہت زیادہ خیر خواہ سمجھتا رہا۔ ٹیمپل کو بھی بادشاہ سخت ناپسند کرنے لگا جس کا سبب ٹیمپل کی بدتہذیبی اور محل ناشناسی تھی۔ مثلاً ایک بار وہ یہاں تک بڑھا کہ بنگ کی پسپائی کا سبب بیان کرتے ہیں، اس کو خود جارج کے معرکۂ اوونارد کے واقعے سے تشبیہ دی۔ بادشاہ کے ان احساسات میں کمبرلینڈ بھی اس کا شریک تھا اور اس نے ہنووری فوج کی سپہ سالاری قبول کرنے سے، اس وقت تک، جب تک کہ پٹ برسر اقتدار رہے، قطعی انکار کردیا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ اپریل ۱۷۵۷ء میں جارج نے یک بہ یک پٹ کو

باب دوم خدمت سے الگ کر دیا اور قدرتی طور پر ڈیون شر بھی اس کے بعد ہی مستعفی ہو گیا؛ بادشاہ چاہتا تھا کہ پٹ یا نیو کاسل کے بغیر وزارت مرتب کی جائے مگر یہ ممکن نہ ہوا کیونکہ تمام بڑے بڑے وِھگ خاندان اور خود بیگم ویلز تو
792 نیو کاسل کے ساتھ تھے اور لندن کے شہری نیز ملک کی عام رائے پٹ کی موید تھی؛ گیارہ ہفتے تک بادشاہ رکا رہا اور طرح طرح کی جماعت بندی کی کوششیں ہوتی رہیں مگر کوئی صورت نہ نکلی اور آخر کار نیو کاسل اور پٹ کی مشہور و معروف وزارت مرتب ہوئی جس کی بنیادی شرط یہ تھی کہ نیو کاسل وزیر اعظم اور پارلیمنٹ کی اکثریت سے کام لینے کا ذمہ دار رہے اور پٹ کو شاہی معتمد کی حیثیت سے سیاسی معاملات میں آزادی حاصل ہو۔ فوکس، فوج کے بخشی کی خدمت انجام دے یعنے بے حساب دولت جمع کرنے کے موقع سے مستفید ہو۔ اور یہ ایسی تقسیم کار تھی کہ سب سیاسی فرقے مطمئن ہو گئے؛

نیو کاسل کی وزارت میں پٹ کا اقتدار

نئے وزیروں نے ملک کو انتہا درجے کی مایوسی میں مبتلا پایا۔ اجیر پردیسی سپاہیوں سے مدت دراز تک کام لینے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا تھا کہ دیسی سپاہیوں کو اپنی فوجی اہلیت سے بدگمانی ہو گئی اور بِنگ کی ناکامی کو برطانیہ کی بحری فوقیت مٹ جانے کا ثبوت سمجھا جانے لگا۔ حتیٰ کہ چیسٹرفیلڈ لکھتا ہے کہ (عہدۂ وزارت پر) کوئی آئے کوئی جائے، ہمارے وطنی اور بیرونی معاملات، مجھے یقین ہے کہ بالکل خراب ہو چکے ہیں اور ہم لفظ "قوم" کے اب مصداق نہیں رہے ہیں"۔ پٹ نے تہیہ کیا کہ پہلے اس افسردگی کو دور کیا جائے۔ اسے اپنی قوت بازو پر بہت بھروسا تھا۔ اس نے ایک بار کہا کہ "میں ملک کو بچا سکتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ اور کوئی اسے نہیں بچا سکتا" اور وہ اتنے دن زندہ رہا کہ اس لاف کو صحیح کر دکھایا۔ تھوڑے ہی دن میں اس کی اپنی گرم جوشی ہر سر رشتے میں سرایت کر گئی۔ لوگ کہتے تھے کہ جو شخص ایک بار پٹ کے کمرے میں داخل ہوتا، وہ وہاں سے لازماً دلیر تر آدمی بن کر نکلتا تھا۔ اولی ور کروم ویل کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ پھر سپاہی اور ملاح، نسبی اعزاز یا درباری اثرات کی بجائے، محض

باب دوم

قابلیت کار کی بنا پر منتخب ہوئے۔ خود پٹ نے اپنی اخلاقی قوت کا ثبوت یہ دیا کہ اپنی حکمت عملی بہت کچھ بدل دی۔ یعنے اس وقت تک وہ جرمانیا کے معاملات میں دخل دینے کا شدید مخالف تھا مگر یہ دیکھ کر کہ ہندوستان اور امریکہ میں کامیابی کی بہترین صورت یہ ہوگی کہ فریڈرک کو مدد دی جائے اور وہ فرانسیسیوں کو یورپ میں الجھائے رکھے، اس نے اب اپنی رائے سے علانیہ رجوع کیا اور یہ کہہ کر کہ "میں تمھارے لیے جرمانیا ہی میں امریکہ فتح کردوں گا" فریڈرک کو ہر طرح امداد دینے کی تحریک کی۔

کمبرلینڈ کی ناکامی

پٹ کا برسر اقتدار آنا عین موقع پر ہوا۔ وزارت کی تبدیلی کے دوران میں کمبرلینڈ، ہنوور گیا اور وہاں کی فوجوں کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ وہ پہلے بھی کوئی اعلیٰ درجے کا سپہ سالار نہ تھا اور اب بہت موٹا اور نزدیک بین ہوگیا تھا۔ اس نے نادانی سے ویزر کو خط مدافعت بنایا حالانکہ اس دریا کو متعدد مقامات پر سے پایاب عبور کیا جاسکتا تھا۔ پھر حریف کے بیچ میں آکر ہیسٹن بیک میں صف آرا ہوگیا "جہاں پریشان سی لڑائی ہوئی جس میں دونوں فریق سمجھے کہ ہمیں شکست ہوئی لیکن کہا جاتا ہے کہ فرانسیسیوں کے ہوش پہلے درست ہوگئے" اس کے بعد جو صلح کے نامہ و پیام ہوئے ان میں کمبرلینڈ کو فرانسیسی سپہ سالار نے خوب بے وقوف بنایا اور کلوسٹر سیون میں ایک اقرار نامے پر دستخط کرالیے جس میں وہ رضامند ہوگیا کہ عام صلح ہونے تک ہنوور پر فرانسیسیوں کا قبضہ رہے گا اور میری فوج کے سپاہی آیندہ کسی معرکے میں شریک نہ ہونگے۔ جارج ثانی کو اس ناکامی کا سخت صدمہ ہوا اور کہنے لگا کہ "لیجیے ہمارے صاحبزادے نے تو ہمیں برباد اور خود کو ذلیل کرلیا"۔ بارے پٹ کی مستعدی نے معاملات کی صورت بدل دی۔ مذکورۂ بالا اقرار نامے رومی تاریخ کے ایک اسی قسم کے معاہدے (منسوب بہ "کوڈائن فورکس") کی طرح مسترد کردیا گیا اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ سپہ سالاروں کو فوجوں کے انتظام اور معرکہ آرائی کے سوا، قول و قرار کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے اور اس کے بعد پٹ نے

باب دوم

پارلیمنٹ سے منظور ہی لی کہ فریڈرک کو چھ لاکھ ستر ہزار پونڈ سالانہ زر امداد دیا جایا کرے گا اور نیز یہ کہ برطانی فوج جرمانیا روانہ کی جائے گی۔ فریڈرک سے درخواست کی گئی کہ وہ فرڈی نینڈ (شہزادۂ برنزوک) کو جو جرمن بادشاہ کے بہترین سپہ سالاروں میں تھا، اتحادی افواج کی قیادت تفویض کرے۔ کلوسٹر سیون میں کمبرلینڈ کے ہتھیار ڈال دینے سے فریڈرک کو بہت تشویش تھی کیونکہ اس سے فرانسیسیوں کو موقع مل گیا کہ وہ دائیں جانب سے پروشیا پر حملہ کریں اور بائیں طرف سے آسٹریا والے بڑھ رہے تھے۔ لیکن خوش قسمتی سے اس نے فرانسیسیوں کو نومبر میں روس باخ پر اور اگلے مہینے آسٹریوں کو لیوتھن میں شکست دی۔ پھر فرڈی نینڈ نے فرانسیسیوں کو روکنے کا ذمہ لے لیا ورنہ اس مدد کے بغیر سمجھ میں نہیں آتا کہ پروشیا کا دفاع کیونکر ممکن ہوتا۔ ادھر پٹ نے فرانس کے ساحلی مقامات (ہاورے وغیرہ) پر بھی چھاپے مارنے کا انتظام کیا اور گو یہ بجائے خود کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے تھے لیکن ان کی وجہ سے فرانسیسیوں کو کچھ نہ کچھ فوج ساحل پر رکھنی پڑی جسے حملے نہ ہونے کی صورت میں وہ جرمانیا یا امریکہ بھیج سکتے تھے۔ انھی سب خبروں کو سن کر فریڈرک کا یہ پکار اٹھنا بے جا نہ تھا کہ "بالآخر انگلستان نے اتنے دن کے دردوں کے بعد ایک آدمی پیدا کیا"۔

امریکہ کے معرکے

۱۷۵۷ء میں امریکہ کے علاقوں میں کوئی قابل ذکر واقعہ نہ ہوا۔ نیوکاسل نے بریڈک کی بجائے لوڈن کو مقرر کیا تھا اور وہ محض مراسلہ نویس سپہ سالار تھا۔ بہ خلاف اس کے فرانسیسی سپہ سالار مون کالم لائق سردار تھا اور اس کی سرگرمی کی بدولت فرانسیسیوں کو سارے خطے پر کامیابی نصیب ہوئی۔ لوڈن کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جزیرۂ کیپ برٹین کے صدر مقام لوئی بورگ کو جو دریائے سینٹ لارنس کا جبل الطارق تھا دوبارہ فتح کرنے کی کوشش کی مگر یہ منصوبہ ناکام رہا کیونکہ فرانسیسیوں کے بائیس جہاز دریا میں صف آرا تھے اور احتیاطاً نہ انھوں نے حملہ کیا اور نہ زیادہ قوت ہونے کے باعث خود ان پر حملہ کرنا ممکن ہوا۔ البتہ اگلے سال پٹ نے لوئی بورگ، اور تیکن دروگا مقامات پر نیز آخر

باب دوم

میں قلعۂ دیوکین پر عام پیش قدمی کا انتظام کیا۔ پہلے مقام پر فوج کشی، جیفری ایمہرسٹ کے تفویض کی گئی یہ نوجوان سردار کوئی خاندانی مرتبہ نہ رکھتا تھا مگر اس میں اعلیٰ درجے کے اوصاف اور ضبطِ نفس کا خاص مادہ تھا۔ وہ دے تن جن، فونت نوآ اور رہیس ٹن بیگ میں کام کر چکا تھا؛ پھر ایمہرسٹ کے ساتھ پٹ نے پرجوش وُلف کو لگایا اور خیال کیا کہ ایک کی احتیاط اور دوسرے کی آتش مزاجی مل کر اعتدال کی صورت اختیار کرے گی؛ یہ لوگ جون میں جزیرے پر اُترے اور لوئی بورے کے زبردست مورچوں کے باوجود کسی نہ کسی طرح اسے لے لیا اور فرانسیسیوں کے سارے جہاز برباد کر دیے۔ پھر ولف وطن واپس چلا گیا؛ تیکن دروگا کی دوسری مہم میں آزمودہ کار ایبر کرومبی اور ایک عمدہ سردار لارڈ ہاؤ شریک کیے گئے تھے۔ لیکن ہاؤ مارا گیا اور ایبر کرومبی کا فرانسیسی سپہ سالار پر حملہ بالکل ناکام رہا۔ مون کالم نے بڑے مضبوط مورچے بنائے تھے۔ جن میں کٹے ہوئے درختوں سے بھی کام لیا تھا اور شاخوں میں نوکیں نکال کر ان کا رُخ باہر کی طرف کر دیا تھا۔ اسی زبردست آڑ کے مقابلے میں ایبر کرومبی کو شدید نقصان اٹھا کے جھیل جارج کے سرے کی طرف پسپا ہونا پڑا؛ البتہ تیسری مہم زیادہ کامیاب رہی کیونکہ بعض دیسیوں کے انگریزوں سے مل جانے کے باعث فرانسیسیوں کی ہمت ٹوٹ گئی اور قلعہ دیوکین خالی کر دیا۔ انگریزی مہم کا سردار فوربز تھا اس نے قلعے کا نام بدل کر پٹس برگ کر دیا۔ مگر ان کامیابیوں کو پٹ اپنے اس منصوبے کی کہ فرانسیسی ملک کناڈا سے بالکل نکال دیے جائیں، محض تمہید سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے تدبیر کی کہ ۱۷۵۹ء میں ایمہرسٹ تو جارج اور شامپ لین کی جھیلوں کی طرف سے مون تری آل پر پیش قدمی کرے اور ولف دریائے سینٹ لارنس کے راستے بڑھ کر کوئی بیک پر حملہ آور ہو؛

باب دوم



نقشہ ولف کی کوی بیک پر پیش قدمی

سپہ سالار ولف ولف کی عمر اب تیس برس کی تھی۔ وہ چودہ سال کی عمر میں بھرتی ہوا اور بائیس برس کا ہونے سے پہلے ڈے تن جن، فال کرک، کلوڈن اور لاؤ فیلڈ کے معرکوں میں شریک ہو چکا تھا۔ اپنے لشکر میں نائب کمیدان (یا لفٹنٹ کرنل) کا عہدہ رکھتا تھا۔ وہ دبلا پتلا کمزور سا آدمی تھا مگر آنکھوں میں بڑی چمک اور تیز بینی تھی۔ جوانی میں کتاب خوانی اور مطالعے کے ذریعے جہاں تک ہو سکا اس نے اپنی قابلیت بڑھائی۔ اس کے جذبات اعلیٰ اور نگاہ بلند تھی اور جن سے سابقہ پڑتا ان کے بہترین اخلاق کو تحریک دینے کا خاص سلیقہ رکھتا تھا۔

کوئ بیک، دریائے **لارنس** کے کنارے اس جگہ واقع ہے جہاں چارلس ندی اس میں آگری ہے۔ اس کے عقب میں یکایک سلامی دار بلندی آجاتی ہے جسے "ابراہام کا ٹیلا" کہتے ہیں اور اسی کے دامن میں بہت سے کراڑے ہیں، جن سے ملا ہوا دریا گزرتا ہے۔ چارلس ندی کے دوسری طرف کراڑے اتنے اونچے نہیں ہیں اور اس ندی سے چار میل نیچے کی جانب **مون مورانسی** کا پہاڑی نالہ ہے۔ اسی نالے اور دریا کے سنگم کے درمیان فرانسیسی سپہ سالار **مون کالم** نے مورچہ بند لشکرگاہ تیار کرائی تھی؛ شہر **کوئ بیک** پر دریا ایک میل کے قریب چوڑا ہے لیکن مذکورۂ بالا نالے کے دہانے کے مقابل اورلیان کا ٹاپو آجانے سے اس کی دو دھاریں ہو گئی ہیں۔ ولف نے کوئ بیک پہنچ کر اسی ٹاپو پر اپنی فوج اتاری

باب دوم

اور مون کالم کے لشکر گاہ کا معائنہ کرا کے اس پر یورش کا ارادہ کیا۔ اس میں کامیابی نہ ہوئی اور فوجوں کو دریا کے جنوبی کنارے پر لا کر اسی طرف سے شہر پر گولہ باری کی گئی۔ اس کا بھی کچھ اثر نہ ہو سکا اور انتظار ہی انتظار میں تین مہینے گزر گئے۔ ولف بہت بیمار رہا اور یہ طوالت نہایت شاق ہوئی تو اس نے آخری کوشش کے طور پر قصد کیا کہ ان کراڑوں پر کمندیں ڈال ڈال کے جو ابراہام کے ٹیلے تک جاتے تھے، شہر کے شمال میں فوج اتار دے۔ ۱۲ ستمبر کی رات کو بیڑے کی نگرانی میں کشتیاں کنارے تک پہنچ گئیں۔ تقدیر کی مساعدت سے کئی اتفاقات ایسے پیش آئے کہ فرانسیسی چوکیداروں کو دھوکا ہو گیا اور انگریزی فوج بلا مزاحمت کنارے پر اتر آئی اور ٹیلے کے اوپر صف آرا کر دی گئی۔ صبح کو مون کالم نے اپنے مورچوں سے انگریز سپاہیوں کی سرخ قطار دیکھی تو کہنے لگا کہ "یہ معاملہ تو نازک معلوم ہوتا ہے" پھر مورچہ بند لشکر گاہ کو چھوڑ کر وہ پوری تیزی سے روانہ ہوا اور چارلس ندی اور بستی سے گزرتا ہوا حملہ آوروں کے سامنے آ پہنچا۔ دونوں فوجوں میں چار چار ہزار سپاہی تھے۔ ولف کے پاس کوئی رسالہ نہ تھا اور توپ بھی صرف ایک تھی لیکن اس کے آدمیوں نے دشمن کی یورش کو اچھی طرح روکا اور ان کی پیہم آتش باری سے حملہ آوروں میں بے ترتیبی پیدا ہو گئی تو پوری قطار نے ہجوم کیا اور فتح کی تکمیل کر دی۔ لڑائی میں ولف ہر طرف اپنے آدمیوں کو بڑھاوے دیتا پھرتا تھا لیکن آخری یورش میں اس نے تین گولیاں کھائیں۔ اس پر بھی اتنی قوت باقی تھی کہ مرتے مرتے فرانسیسیوں کی پسپائی روکنے کے احکام دیئے اور پھر کروٹ بدل کے کہا "الحمد اللہ۔ اب میں اطمینان سے جان دوں گا" اور چپکے سے دم توڑ دیا۔ اس کا حریف مون کالم واپسی میں گولی سے زخمی اور دوسرے دن فوت ہو گیا۔ ۱۸ تاریخ کو اہل کوئی بیک نے اطاعت قبول کر لی۔ لیکن اس پر بھی کناڈا کی فتح کسی طرح مکمل نہ ہوئی کیونکہ ایمہرسٹ، ٹیکن دروگا سے آگے نہ بڑھ سکا، سردی کے باعث سونڈرس کو مجبوراً دریائے لارنس سے بیڑا ہٹا لینا پڑا۔ کوئی بیک

باب دوم

میں صرف **مرے** رہ گیا کہ **مون کالم** کے لائق جانشین **لیوفی** کا سامنا کرتا رہے۔ شکریہ ہے کہ انگریزی جہاز فرانسیسی کمک پہنچنے سے قبل واپس آگئے اور مرے نے **مون تری آل** پر پیشقدمی کی۔ ایم ہرسٹ اور نیوی لینڈ کے لشکر بھی اُس سے آملے اور فرانسیسی ہر طرف سے ایسے گھرے کہ ہتھیار رکھ دینے کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا۔ چنانچہ ۸ ستمبر کے دن فرانسیسی صوبہ دار نے کناڈا اور اس کے جملہ توابع تاج برطانیہ کے حوالے کر دیے البتہ یہ شرط کر لی کہ اہل کناڈا کو مذہبی آزادی اور جملہ سیاسی حقوق و مراعات حاصل رہیں گے۔

فرنگی قومیں ہندوستان میں

مگر امریکہ ہی وہ سرزمین نہ تھی جہاں فرانس و برطانیہ ایک دوسرے کی عداوت میں سرگرم تھے۔ ہندوستان میں بھی ایک مدت تک ان میں تجارتی رقابت رہی اور اب نہایت نتیجہ خیز سیاسی کشاکش چھڑ گئی تھی۔ سواحل ہند پر سب سے اول پرتگیزوں نے تجارتی کارخانے یا آبادیاں قائم کیں۔ سنہ ۱۶۰۰ء میں انگلستان میں **ایسٹ انڈیا کمپنی** بنی اور اُس نے بھی اپنی کوٹھیاں یا تجارتی مرکز قائم کیے اور سنہ ۱۶۳۹ء میں مدراس کی بنیاد پڑی۔ بمبئی سنہ ۱۶۶۲ء میں پرتگیزوں سے ہاتھ آیا اور سنہ ۱۶۹۰ء میں گنگا کی ایک شاخ پر کلکتے کی بنیاد رکھی گئی جو **فورٹ ولیم** موسوم کیا جانے لگا۔ ہولنڈیز، ڈینمارکی اور فرانسیسی تاجروں کے لیے بھی کارخانے بن گئے تھے اور ان میں **پانڈی شیری** مدراس کے اور چندر نگر کلکتے کے قریب، فرانس والوں کے مرکز تھے۔ جس زمین پر یہ کارخانے تعمیر ہوئے وہ دیسی باشندوں سے قیمتاً یا پٹے پر حاصل کی جاتی اور اس قسم کی فصیل اور دمدمے بنا لیے جاتے جیسے کہ ان دنوں ہندوستان میں تمام مکانات میں ہوا کرتے تھے[1] اور ان کارخانوں کے باہر چھوٹی چھوٹی

[1] ہندوستان کے تاریخی حالات کے متعلق فاضل مصنف کی رائیں کچھ مستند نہیں ہیں۔ امید ہے ناظرین اس کا خود لحاظ رکھیں گے۔ مترجم۔

بستیاں دیسیوں کی آباد ہو جاتیں جو بیوپار یا فرنگیوں کی ضروریات بہم پہنچانے کی غرض سے وہاں آبستے تھے۔ ان فرنگی کارخانوں کے بننے سے دو سو برس تک فرنگی سوداگر صرف تجارتی کاروبار میں مصروف رہے اور انھوں نے ملک گیری یا ہندی ریاستوں کے معاملات میں دخل دینے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ البتہ خود ان میں سخت حسد و عناد تھا اور ۱۷۴۶ء میں جب وراثت شہنشاہی کی جنگ چھڑی تو موریشس کا حاکم لابوردونے فوج لے کر مدراس پر چڑھ آیا اور انگریزی بستی پر قابض ہو گیا۔ لیکن ۱۷۴۸ء کے صلح نامے کی رو سے یہ مقام پھر انگریزوں کو واپس مل گیا۔

خود ملک کے سیاسی معاملات میں دخل دینے کی فرنگیوں کو طمع ضرور ہوتی تھی اور کئی ارباب نظر یہ رائے ظاہر کر چکے تھے کہ ایک مضبوط فوجی طاقت بڑی آسانی سے ہندوستان بھر پر قبضہ جما سکتی ہے۔ اس کا سبب ہندوستان کی حکومت اور باشندوں کے مخصوص حالات تھے کہ یہاں کی آبادی مختلف فاتحین کی اولاد پر مشتمل ہے جو یکے بعد دیگرے وسط ایشیا کے پہاڑوں کو عبور کر کے آئے اور پہلے آنے والوں کو، جنھیں ہندوستان کے گرم میدانوں کی زندگی کم و بیش ضعیف بنا چکی تھی، مغلوب کر لیا۔ اس قسم کے پے در پے فاتحانہ نقل مکان دوسرے ملکوں میں بھی ہوئے ہیں اور انگلستان پر بھی گزر چکی ہے لیکن انگلستان میں تو جو قومیں آئیں وہ ایک دوسرے سے گھل مل گئیں، اور ان کا خون، زبان اور مذہب ایک ہو گیا۔ بخلاف اس کے ہندوستان میں وہ ایک دوسرے سے برابر الگ رہے اور ایک ہی جگہ رہنے بسنے کے باوجود ان کی جداگانہ قومی خصائص اور انھی کے ساتھ کم سے کم معمولی بدگمانی اور تعصبات آج تک نمایاں ہیں۔ ایسی صورت میں، حب وطن یا قوم پرستی (جن معنی میں یہ لفظ عام طور سے بولا جاتا ہے) ہندوستان میں پیدا ہی نہ ہو سکتی تھی۔ آدمی کی عقیدتمندی، اپنی نسل، مذہب یا آقا سے ہوا کرتی ہے اور یہ لازم نہیں کہ صرف وطن کے ساتھ ہو۔ بہر حال، اتحاد کا یہی وہ فقدان ہے

باب دوم

سلطنت مغلیہ

جس نے ہندوستان کو صدیوں سے باہر والوں کا نرم لقمہ بنادیا جسے فتح کرنا اور قابو میں رکھنا کچھ دشوار نہ رہا سیاسی اعتبار سے شمال مشرقی ہندوستان **مغل اعظم** کے زیرنگیں تھا جسے اکثر وہ "بادشاہ" موسوم کرتے۔

یہ ان مسلمان مغلوں کے سرگروہ تھے جو سولھویں صدی میں ہندوستان آئے اور سولھویں اور سترھویں صدی میں دریائے سندھ کے بالائی اقطاع اور پوری وادیٔ گنگا کے مالک بن بیٹھے۔ ان بادشاہوں میں اکبر و اورنگ زیب زیادہ مشہور ہیں لیکن اٹھارھویں صدی کے وسط تک ان مغل بادشاہوں کی ترکتازیاں ختم ہوگئیں اور وہ افغانوں کی تازہ یورشوں سے اندیشہ مند رہنے لگے۔ سلاطین مغل کو حالات کے اقتضا سے وہ طرز حکومت اختیار کرنا پڑا جو یورپ کے نظام جاگیرداری سے مماثلت رکھتا تھا۔ بعید اضلاع میں ہر جگہ ایک نواب یا صوبہ دار حکمراں ہوتا تھا۔ ابتدا میں تو یہ محض مغل لشکر کے فوجی سردار تھے لیکن تھوڑے ہی دن میں موروثی حاکم بن گئے اور صدر حکومت کے محض برائے نام مطیع تھے۔ تعدد ازدواج کا عام رواج تھا لہٰذا ہر موروثی فرماں روا کے خاندان میں بیشمار وراثت کے جھگڑے ہوتے رہتے[1] اور لوگوں کو سازش وریشہ دوانی کا بہت اچھا موقع میسر آتا۔ سلاطین مغل اور اُن کے عمال کے مددگار مسلمان تھے اور اُن کے تحت میں عام رعایا ہندو تھی جس کا مذہب برہمنی تھا۔ یہ لوگ اپنے مسلمان حاکموں سے دلی نفرت رکھتے تھے مگر ان میں مسلمانوں کی جنگی قابلیت نہ تھی۔ دوسرے ذات بندی کے طریق نے ان کو مختلف جماعتوں میں تقسیم کردیا تھا جو آپس میں اتنی یگانگت بھی نہ رکھتی تھیں جتنی خود ہندو اور مسلمانوں کے درمیان تھی۔ جنوبی اور مغربی ہند میں سب سے زیادہ اقتدار ہندو مرہٹوں کو حاصل تھا اور ان کے بڑے سردار پونا کا پیشوا، بڑودے کا گائکواڑ، گوالیر کا سندھیا اندور کا ہلکر اور ناگپور کا

[1] وراثت کے جھگڑوں کا تعدد ازدواج سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ بلکہ عموماً یہ جھگڑے سگے اور ماں جائے بھائیوں میں زیادہ ہوئے ہیں۔ مترجم۔

باب دوم

بھونسلا تھا اور یہ سب موروثی خطابات تھے۔ یہ رئیس مغلوں سے کبھی مغلوب نہیں ہوئے۔ ان بڑی قوتوں کے علاوہ بیشمار چھوٹے چھوٹے اقطاع اور شمال مغرب کے راجپوتوں کی شکل دوردست ریں ایسے تھے جنھوں نے کبھی کسی کی اطاعت نہیں کی اور صرف تلوار کے زور سے اپنی حکومت قائم رکھی۔ دیسی باشندوں میں بہت سے افراد ذاتی طور پر نہایت بہادر تھے لیکن ان میں یورپ کا سا ضابطہ کبھی نہ آیا حالانکہ یہی وہ حیرت انگیز قوت ہے جو ایک بھیڑ کو آلہ بنا دیتی ہے۔ سخت بے ڈھنگوں میں سلیقہ پیدا کرتی ہے اور پوری جماعت کو وہ ہمت بخشتی ہے جو ان کی انفرادی ہمت سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوتی ہے۔

ڈوپلے اور کلایو

الغرض ہندوستان کے یہ حالات دیکھ کر بہت سے مبصروں کو اسکی تسخیر کا امکان سوجھ گیا تھا مگر اس خیال کو مدراس کی فتح کے وقت سب سے پہلے عمل میں لانے والا پان دی شیری کا حاکم ڈوپلے تھا۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ دیسیوں کو اجرت پر نوکر رکھ کر فوجی قواعد سکھائے جائیں اور پھر قریب و جوار میں جو رئیس یا مدعی فرانسیسیوں کا دوست بن کر رہے۔ اُس کو ان سپاہیوں سے مدد دی جائے (ان دیسیوں کے لیے فرنگی بھی "(sepoy)" کا لفظ استعمال کرتے تھے) ڈوپلے کو بڑی کامیابی ہوئی۔ جنوبی ہند میں اس کا رسوخ سب پر غالب آگیا بحالیکہ انگریزوں کو اہل ہند محض بیوپاری سمجھتے تھے۔ جن کے شہر مدراس کو فرانس کے نبرد آزما آسانی سے فتح کر چکے تھے۔ پس، محض اپنی حفاظت کی غرض سے انگریزوں کو بھی مجبوراً ڈوپلے کی تقلید میں دیسی سپاہی نوکر رکھنے اور اُس کا رسوخ و اثر مٹانے کے لیے ریاستوں کے جھگڑوں میں اُس کے خلاف شریک ہونا پڑا۔ ۱۷۴۹ء میں ارکاٹ کے حریف نوابوں میں نزاع ہوئی۔ یہ شہر مدراس و پان دی شیری سے تقریباً مساوی فاصلے پر واقع ہے۔ فرانسیسیوں کے دوست چندا صاحب نے اپنے حریف محمد علی کو ترچناپلی میں گھیر لیا تھا۔ توجہ بٹانے کی غرض سے انگریزوں نے خود ارکاٹ پر قبضہ کرنے کی ٹھانی اور رابرٹ کلایو کو ایک جمعیت دے کر ادھر روانہ کیا۔ یہ حیرت انگیز شخص ۱۷۲۶ء میں بمقام مارکیٹ ڈریٹن (شراپ شر) پیدا ہوا۔

لڑکپن میں بہت سی کھکیڑیں جھیلیں اور پھر مدراس کے (کمپنی کے) کارخانے میں منشی یا کارکن مقرر ہو کر ہندوستان آیا۔ اس منشی گری سے کلایو کو مطلق مناسبت نہ تھی اور لڑائی کا چھڑنا سُن کر اُسے بہت خوشی ہوئی اور اُس نے قلم چھوڑ کر تلوار ہاتھ میں لے لی۔ پھر، تھوڑے ہی دن میں ثابت ہو گیا کہ اس میں اعلیٰ درجے کی سپہ سالاری کے جملہ اوصاف موجود ہیں اور سیاسی شاطری میں بھی بڑا کمال رکھتا ہے جس نے اس کا پلہ دیسیوں پر بھاری کر دیا۔ پان سو آدمیوں کے ساتھ، جن میں دو سو فرنگی تھے، وہ آرکاٹ پر چڑھ دوڑا اور وہاں کی فوج نے جب دیکھا کہ کلایو برق و باراں کے طوفان سے بھی نہ رُکا تو وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی اور کلایو کا بغیر کسی نقصان کے قلعے پر قبضہ ہو گیا۔ یہاں اسے تھوڑے ہی دن بعد، ڈوپلے کے جمع کیے ہوئے بڑے بھاری لشکر نے آگھیرا مگر پچاس روز تک کلایو اور اُس کی مٹھی بھر جمعیت جمی رہی اور محاصرین اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ دیسی سپاہیوں کی انتہائی عقیدت دیکھیے کہ خود آمادگی ظاہر کی کہ ہم پیچ پی کر گزارہ کر لیں گے تاکہ چانول فرنگی سپاہیوں کے کام آئیں۔ فرانسیسی کمک کے آجانے پر محاصرین کا ایک حملہ بڑے زور سے ہوا مگر اسے بھی کلایو نے پسپا کر دیا اور آخر محاصرین پیہم ناکامی سے بیدل ہو گئے اور خود ہی محاصرہ چھوڑ کر چل دیے۔ ساری دُنیا میں تسلیم کیا گیا کہ ارکاٹ کی یہ مدافعت تاریخ عالم کے سب سے بڑے کارناموں میں شمار کیے جانے کے لایق جنگی کامیابی ہے۔ پٹ نے پارلیمنٹ میں کلایو کو "آسماں زاد سپہ سالار" کے نام سے یاد کیا اور تھوڑے ہی دن بعد صحت کی خرابی کے باعث وہ انگلستان آیا تو جنگی اور ملکی حکام سب اُس کے ساتھ بہت عزت و توقیر سے پیش آئے۔

بنگالے کا قضیہ

۱۷۵۶ء میں بنگالے میں نیا ہنگامہ برپا ہوا۔ وہاں انگریز کلکتے میں نواب بنگال کے علاقے میں کرایے سے رہتے تھے۔ نواب کا مستقر اور شمال میں گنگا کے کنارے مرشد آباد میں تھا۔ اس کا نام سراج الدولہ اور وہ ایک احمق، عیش دوست نوجوان آدمی تھا۔ فرانسیسی کارندوں کے بہکائے میں آکر سمجھا کہ انگریزوں کو دق کیا جائے گا، تو ان کی تجارت کو فروغ دیے جانے کی نسبت

باب دوم

زیادہ فائدہ ہوگا۔ چنانچہ ایک لشکر لے کر کلکتے پر بڑھا اور جو انگریز فرار نہ ہو سکے ان سب کو گرفتار کر لیا۔ یہ قیدی بظاہر نواب کے حکم کے بغیر ایک کوٹھڑی میں بند کر دیے گئے جو اُس وقت سے "بلیک ہول" کے نام سے بہت کچھ مشہور ہو گئی ہے۔ ان ۱۴۶ قیدیوں میں سے صرف ۲۳ زندہ نکلے۔ اسی زمانے میں کلایو ولایت سے واپس مدراس آیا اور اُسے فوراً اس فوجی مہم کا سردار مقرر کر دیا گیا۔ اس مہم میں برطانی سپاہ کی ۳۹ ویں رجمنٹ بھی شامل تھی جو اب غربی ڈورسیٹ کی پہلی پلٹن کہلاتی ہے اور اس کی توقیع میں "اول فی الہند" تحریر ہے۔ امیر البحر واٹسن کی محافظت میں یہ فوج بنگال روانہ ہوئی۔ کلکتے پہنچ کر کلایو نے نواب کو اُتار کر میر جعفر کو نواب بنانے کی کئی سازشیں تیار کیں اور جب یہ سب انتظام ہو گیا تو مرشد آباد پر پیشقدمی کی۔ پلاسی کے میدان میں جم کر لڑا اور صرف دو ہزار انگریز اور پانچ ہزار دیسی سپاہیوں سے چالیس ہزار ہندیوں کو شکست فاش دی[1]۔ یہ لڑائی ۲۳ جون ۱۷۵۷ء کے دن ہوئی اور اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سراج الدولہ معزول، میر جعفر اُس کی جگہ نواب ہو گیا اور کمپنی کے بنگالے میں دوبارہ قدم جم گئے۔ آب و ہوا کی ناسازی سے کلایو کو دوبارہ وطن جانا پڑا لیکن اس کی جگہ کرنل آئرکوٹ نے لی جو پلاسی میں شریک جنگ رہا اور دیسی سپاہیوں پر حیرت انگیز اقتدار رکھتا تھا۔ اُس کے فرانسیسی حریف کاونٹ لالی سے عرصے تک داؤں پیچ ہوتے رہے اور آخر میں ونڈے واش پر دسمبر ۱۷۶۰ء میں لڑائی ہوئی جس میں تقریباً سب فرنگی سپاہی شریک تھے۔ انگریزوں کو کامل فتح حاصل ہوئی۔ کہتے ہیں کوٹ کے دیسی سپاہیوں نے اس کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے انھیں خاص فرنگستانی طرز کی لڑائی لڑ کر دکھائی۔ پھر اُسی وقت سے اہل ہند انگریزوں کو فرانسیسیوں سے بہتر سپاہی سمجھنے لگے۔ تھوڑے دن بعد پانڈی چیری والوں نے بھی اطاعت قبول کی اور شہر حوالے کر دیا۔

---

[1] انگریز تاریخ نویسوں نے اس لڑائی کے بیان میں بہت مبالغے سے کام لیا ہے حالانکہ کوئی بڑی لڑائی واقع نہیں ہوئی صرف نواب کی فوج کا بڑا حصہ میر جعفر کے ساتھ سراج الدولہ کا ساتھ چھوڑ کر انگریزوں سے آملا اور سراج الدولہ کو میدان سے مجبوراً بھاگنا پڑا۔ مترجم۔

باب دوم

بحری معرکے

سمندر میں بھی پٹ کو ایسی ہی کامیابی میسر آئی۔ کوئی بڑی بحری لڑائی تو نہیں ہوئی لیکن ۱۷۵۸ء کی جھڑپوں میں انگریزوں نے ایک دو نہیں، پورے سولہ جنگی جہاز گرفتار و برباد کیے۔ بہت سے تجارتی جہازوں کو غارت کیا اور غرب الہند میں گوادلوپ اور مغربی افریقہ کے ساحل پر گوری کو تسخیر کرلیا۔ مگر دوسرے سال جو نمایاں فتوحات حاصل ہوئیں انھوں نے بلیک و رسل کی یاد تازہ کردی۔ فرانسیسیوں کا منصوبہ یہ تھا کہ انگلستان پر حملہ کیا جائے اور اسی غرض سے باربرداری کشتیوں کا ایک بیڑا سین کے دہانے پر بمقام ہاور جمع کیا گیا۔ تولون کے بیڑے کو حکم ملا کہ جبل الطارق کے راستے برسیت آئے اور وہاں کے بیڑے کے ساتھ حملہ آور فوج کے راستے کی محافظت کرے۔ پٹ کی طرف سے بحر متوسط کے بیڑے کی قیادت بوس کاون اور رودبار کی امارت بحری سر ایڈورڈ ہاک کے تفویض ہوئی تھی۔ بوس کاون نے فرانسیسی امیر البحر کو راس سینٹ وِنسنٹ کے قریب پہنچتے پہنچتے لیگوس کے سامنے جالیا۔ اس کے چار جہاز گرفتار اور باقی منتشر کر دیے۔ اُدھر ہاک اور اُس کے مددگار ہاؤ نے نومبر کی طوفانی رات کی پروا نہ کی اور برسیت کے بیڑے میں جا گھسا جیسے فرانسیسی امیر البحر نے خلیج کوئی بروں کی کھاڑیوں میں چٹانوں کے درمیان صف آرا کیا تھا ہاک نے اپنے دہشت زدہ ناخدا کو حکم دیا کہ مجھے خاص امیر البحر کے جہاز کے برابر لے جا کے پھینک دے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں کے صرف چالیس آدمی ضائع ہوئے اور فرانسیسی جہازوں کی زیادہ تعداد جلا دی گئی یا پکڑ لی گئی یا ساحل پر دھکیل دی گئی۔ روڈنی کو ہاور پر گولہ باری کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس نے یہ کام بہت کارگر طریق پر انجام دیا اور اس طرح فرانسیسی حملے کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ فرانس کے صدہا تجارتی جہاز غنیمت میں پکڑے آئے اور فرانس اور اُس کے مقبوضات میں آمد و رفت کو اس طرح مسدود کیا گیا کہ مون کالم کو پورے اٹھارہ مہینے تک ایک مراسلہ بھی نہ پہنچا۔

یورپ میں ۱۷۵۸ء اور ۱۷۵۹ء فریڈرک کے لیے سخت آزمائش کے سال تھے۔

باب دوم

۱۷۵۸ء کی گرمیوں میں فرڈی نینڈ نے فرانسیسیوں کو کرے فیلٹ پر شکست دی جس سے شاہ پروشیا کو کافی مدد ملی۔ خود فریڈرک، زورن ڈورف کی خوں ریز جنگ میں روسیوں پر غالب آیا مگر نومبر میں اپنے گھمنڈ کی بدولت اسے ہوش کرش پر رات کی لڑائی میں سخت ہزیمت نصیب ہوئی۔ اس کے بہترین سپاہی کھیت رہے اور محض فوجی نقل و حرکت میں مہارت رکھنے کے باعث وہ کامل تباہی سے بچ گیا۔ بایں ہمہ پٹ کی امدادی رقم سے موسم بہار میں پھر فوج مرتب کر کے وہ روس و آسٹریا کے مقابلے میں بڑھا اور اُدھر فرڈی نینڈ اور اتحادیوں نے فرانسیسیوں پر حملہ کیا۔ فرڈی نینڈ نے حماقت یہ کی کہ انگریزی جمعیت سے الگ ہو گیا اور اسی لیے برگن میں شکست کھائی

معرکۂ منڈن

لیکن پھر انگریزوں سے مل کر وہ منڈن کے قریب فرانسیسیوں کی گھات میں آ بیٹھا۔ اس لڑائی میں فرانسیسی پیادے دونوں بازوؤں پر اور سوار فوج وسط میں اور واٹرلو کی طرح لڑائی کی صورت یہ تھی کہ بار بار فرانسیسی سوار برطانی اور ہنووری مربعوں پر ہجوم کرتے تھے۔ ان حملوں کو مردانہ وار پسپا کیا گیا لیکن جس وقت پوری فوج کو بڑھنے کا اور سواروں کو دشمن پر جا پڑنے کا حکم ملا تو لارڈ جارج سیک ویل نے حیلہ کر دیا کہ میں مطلب نہیں سمجھا۔ یہ شخص پارلیمنٹ میں خوب تقریریں کرتا تھا مگر پہلے بھی اس کی بہادری مشتبہ سمجھی گئی تھی۔ فرڈی نینڈ بہت جھلایا اور اُس نے نائب سالار مارکوئیس گرین بی کو دوبارہ احکام بھیجے مگر اتنی دیر میں کامل فتح پانے کا وقت ہاتھ سے جاتا رہا۔ اس طرزِ عمل کا۔ لارڈ جارج سے فوجی عدالت میں مواخذہ ہوا اور اُس کی بزدلی کا قصہ فوج کی ہر رجمنٹ میں شایع کیا گیا۔ بدقسمتی سے دو ہفتے بعد کنرس ڈورف کی لڑائی میں فریڈرک ہار گیا اور کچھ زمانے تک خود برلن پر دشمن قابض رہے۔ لیکن خود دشمنوں میں ان بن ہو گئی اور ان میں ہر ایک انتظار کرنے لگا کہ دوسرا ساتھی بڑھ کر آخری ضرب لگائے۔ ان کی اسی لیت و لعل سے فریڈرک تباہی سے بچ گیا تاہم ۱۷۶۰ء میں اُس کی حالت بہت نازک ہو گئی تھی۔ اس موقع پر پھر فرڈی نینڈ کی فتح وار برگ اُس کے کام آئی۔

اور یہ وہ معرکہ ہے جس میں گرین بی نے ننگے سر حملہ کر کے انگریزی رسالے کی گوشتہ بدنامی مٹادی۔ پھر خود فریڈرک کی لانگ نٹز اور ٹورگاؤ کی جنگی کامیابیاں آڑے آگئیں اور وہ تباہی سے بچ گیا۔ یہی فریڈرک کا سب سے دشوار سال تھا۔ کیونکہ دوسرے موسم بہار میں ملکۂ روس فوت ہوئی اور فریڈرک کا دوست پیٹر ثالث تخت نشین ہوگیا۔ آسٹریا اور فرانس اب بھی لڑے گئے لیکن کوئی خاص معرکہ نہ پڑا اور مجموعی طور پر فریڈرک کی حالت بہتر ہوگئی۔

انھی جوش انگیز واقعات کے دوران میں جارج ثانی ستتر سال کی عمر میں یکایک فوت ہوگیا۔ اس کا بڑے بادشاہوں میں شمار نہیں ہے۔ تاہم اوصاف حمیدہ سے خالی نہ تھا۔ وہ دوستی کا سچا اور اپنی روش میں مستقیم تھا اور اس کے جانشین کے زمانے میں طرح طرح کے فساد کھڑے ہوئے تو لوگ جارج ثانی کو کچھ نہ کچھ حسرت واندوہ کے ساتھ یاد کرنے لگے۔ اس بادشاہ کے بعض اچھے اقوال بھی محفوظ ہیں۔ ایک بار کسی نے کہا "ولف پاگل تھا" تو اُس نے کہا "کاش وہ اور دو چار سرداروں کو کاٹ کھاتا۔

مشہور واقعات

میتھوڈسٹ انجمن کی بنا	سنہ ۱۷۳۰ء
محاصل آبکاری کا قضیہ	سنہ ۱۷۳۳ء
ملکۂ کیرولائن کی وفات	سنہ ۱۷۳۷ء
وال پول کی معزولی	سنہ ۱۷۴۲ء
معرکۂ ڈیٹن جن	سنہ ۱۷۴۳ء
" فونتے نوا	سنہ ۱۷۴۵ء

باب دوم

جیکوبی بغاوت .... ۴۵ و ۱۷۴۶ء

صلح نامۂ ایکس لاشاپیل .... سنہ ۱۷۴۸

محاصرۂ ارکاٹ .... سنہ ۱۷۵۱

پیلہم کی وفات .... سنہ ۱۷۵۴

جنگ ہفت سالہ کا آغاز .... سنہ ۱۷۵۶

معرکۂ پلاسی .... سنہ ۱۷۵۷

کوئی بیک کی تسخیر .... سنہ ۱۷۵۹

معرکۂ وندے واش .... سنہ ۱۷۶۰

جارج ثانی کی وفات .... سنہ ۱۷۶۰



باب سوم

جارج ثالث سنہ ۱۷۶۰ء تا سنہ ۱۸۲۰ء

ولادت: سنہ ۱۷۳۸ء۔ ازدواج با شارلٹ سوفیا: سنہ ۱۷۶۱ء

معاصرین: فرانس...............لوئی پانزدہم و شانزدہم

پروشیا..............فریڈرک اعظم

ذاتی حالات تخت نشینی کے وقت جارج ثالث کی عمر بائیس برس کی تھی۔ مضبوط، گٹھیلے بدن کا آدمی تھا۔ چال چلن اچھا، آداب و اخلاق پسندیدہ تھے۔ البتہ پیچھے ہٹی ہوئی پیشانی دیکھ کر دماغی قابلیت کے متعلق کوئی اچھی رائے قائم نہ ہوتی تھی۔ باتیں کرتے میں اٹکتا تھا اور بار بار سوالات کرنے کی عادت، نیز استفہامیہ ہیں؟ ہیں؟ اور کیا؟ کیا؟ کرنے سے بھی، جتنی اہلیت تھی، اُس سے کم ہی معلوم ہوتی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ معاملات پر وسعت نظر کے ساتھ غور کرنے کی اُس میں قوّت نہ تھی اور وہ محل شناسی جس کی بدولت آدمی خود اپنی غلطی سمجھ لیتا اور نئے حالات کے مطابق بدل جاتا ہے، اُس میں بہت کم پائی جاتی تھی۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ اُس میں معاملہ کرنے کی بہت اچھی قابلیت تھی۔ آدمی کو خوب پہچانتا تھا اور

اپنے فرائض کو تا امکان بہترین طریق پر انجام دینے کی دلی خواہش رکھتا تھا۔ وہ انگریزی کو مادری زبان سمجھ کر اُسی میں بات چیت کرتا، اور اپنے آپ کو انگریز ہی سمجھتا تھا۔ پہلی ہی شاہی تقریر میں اُس نے اعلان کیا کہ میں برطانی ہونے پر فخر کرتا ہوں۔ اور چونکہ مردانہ ورزشوں اور کھیلوں کا شایق اور عام اہل ملک کے تعصبات و عقائد میں ان کا ہمخیال تھا، لہٰذا قوی امید ہوتی تھی کہ اپنے ہنووری اسلاف کی نسبت کہیں زیادہ ہردل عزیز بادشاہ ثابت ہوگا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ جارج کو جو تعلیم ملی اُس سے نہ خیالات میں اصلاح وجلا ہوئی نہ اُس کی فطری کمزوریوں کا کوئی علاج ہوا۔ وھگ وزرا کی عجیب غلطی تھی کہ اُس کی تعلیم ٹوری بلکہ جیکوبی خیالات کے اشخاص کے حوالے ہوجانے دی اور اُسے ایسی ایسی کتابیں پڑھائی گئیں جن سے انگلستان کی تاریخ اور برطانی دستور سلطنت، اور سب سے بڑھ کر ۱۶۸۸ء کے انقلاب کے متعلق بالکل خلاف واقعہ باتیں ذہن نشیں ہوگئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نئے ہنووری بادشاہ کے خیالات ایسے ہوگئے جو سو برس پہلے کے اسٹوارٹ بادشاہوں کے زیادہ شایان شان تھے۔ یہ امر اس لیے اور بھی مخدوش بن گیا کہ اسی زمانے میں جیکوبی فرقے کے بہت سے افراد اسٹوارٹوں کی بحالی سے ناامید ہوکر ہنووری خاندان کے متوسل بن گئے اور ایک ظریفانہ قول کے بموجب "اپنا بادشاہ چھوڑ دیا مگر اپنے اصول ساتھ لیتے آئے" حتیٰ کہ ٹوری فرقے کا نام تک جو پٹ کے عہد اقتدار میں قریب قریب غائب ہوگیا تھا۔ ان جدید شرکا کی بدولت ازسرنو تازہ ہوگیا۔ اس گروہ کا اجتماع بیوۂ ولی عہد بیگم کی حویلی میں ہوتا تھا۔ یہ شہزادی ایک چھوٹی سی جرمن ریاست کے دربار کی تربیت یافتہ اور برطانی آئین سے بہت کم واقف تھی اور بیٹے کو ہر وقت نصیحت ہی یہ کرتی تھی کہ "جارج بادشاہ بن کر رہو"۔ اس (بیگم کا)

باب سوم

خاص مشیر و جلیس جان اسٹوارٹ المخاطب بہ امیر بیوٹ، ایک طمطراق پسند خود رائے، اسکوٹی امیر تھا جو اس قدر ٹھیر ٹھیر کر باتیں کرتا جیسے (بقول چارلس ٹاونزنڈ) موت کی سلامی کی توپیں چلتی ہیں۔ سلطنت کے کاروبار سے اُسے مطلق آگہی نہ تھی۔ اسی لیے نئے بادشاہ کی تخت نشینی ہی کے وقت سے لوگوں کو اندیشہ تھا کہ دیکھیے بیوٹ کے رسوخ کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ چنانچہ شاہی مبادلہ گاہ پر کسی نے ایک کاغذ یہ لکھ کر چپکا دیا کہ "خبردار، زنانہ اقتدار، اسکوٹی مقرب یا جارج سیک ویل کا دور دورہ نہ ہونے پائے!" اور یہ چیستاں بھی اسی زمانے کی یادگار ہے کہ بادشاہ اپنی خوابگاہ میں کونسا کوئلہ جلائے۔ نیوکاسل، اسکاچ یا پیٹ کا؟[1]

بادشاہ کو عہد انقلاب کے وھگ خاندانوں کا غلبہ بہت ناگوار تھا۔ ان لوگوں کا سرخیل نیوکاسل تھا اور وہ اتنا چھایا ہوا تھا کہ فوکس اور پیٹ جیسے لایق وھگوں کو مشکل سے حکومت میں جگہ ملی تھی۔ نئے بادشاہ نے بولنگ بروک کی ایک کتاب "وطن پرست بادشاہ" پڑھی تھی جس میں یہ خیال پیش کیا گیا تھا کہ بادشاہ کو اپنے وزیر تمام گروہوں میں سے لائق ترین آدمی دیکھ کر مقرر کرنے چاہئیں اور اُنھیں اپنی پسند کردہ حکمت عملی پر چلانا چاہیے۔ یہ خیال دیکھنے میں کافی دلکش تھا۔ جارج اس پر عمل کرنے کا عازم اور اسی سلسلے میں سب سے اول وھگوں کا سیاسی اقتدار توڑنا چاہتا تھا۔ مگر یہ کچھ آسان بات نہ تھی۔ وھگوں کا غلبہ اُن کی گزشتہ خدمات اور خاندانی تعلقات پر مبنی تھا اور گزشتہ نصف صدی سے وہ ہر طرح سے لوگوں کو فائدے پہنچا پہنچا کر اس غلبے کو تقویت دیتے رہے تھے۔ اس کوشش میں سب سے بہتر موقع تو اُنھیں یہ ملا کہ دیوانی اور فوجی سررشتوں کی ترقی کے ساتھ سرکاری عہدوں میں بہت کچھ اضافہ ہوا۔ اور دوسرے اُن دنوں انتخاب کے حلقوں کی جو حالت تھی، اُس سے فائدہ اُٹھا کر انھوں نے

[1] یہ تینوں کوئلے کی مشہور قسمیں تھیں۔

باب سوم

پارلیمنٹ کو اپنے قابو میں کر لیا۔ بہت سے حلقے ایسے تھے جنھیں شاید تیرھویں یا چودھویں صدی میں مبعوث بھیجنے کا حق ملا اور اب وہ نہایت زوال کی حالت میں تھے اور بعض کو ٹیوڈر و اسٹوارٹ بادشاہوں نے محض اس لیے قائم کیا تھا کہ وہاں سے ہمیشہ بادشاہ کے حسب مراد لوگ منتخب ہوں۔

فرسودہ حلقے

یہ سب "فرسودہ حلقے" کہلاتے تھے اور ان کے مبعوث یا تو بادشاہ نامزد کرتا، یا اسی علاقے کو کوئی جاگیر دار۔ پس فرقہ واری کارکن (جیسے نیوکاسل تھا) ان مالکان حلقہ کو جس طرح ہوتا۔ وِھگوں کی جماعت میں داخل کر لیتے تھے۔ ۱۷۹۳ء میں "خیر خواہ خلق" نام کی ایک انجمن دعوے سے کہتی تھی کہ دارالعوام کے پورے دو سو ارکان ایسے حلقوں سے منتخب ہوئے ہیں جہاں سو سو آدمی بھی رائے دینے والے نہیں ہیں اور یہ کہ کل ۵۱۳ مبعوثین عملاً صرف ۱۵۴ امیروں کے نامزد کیے ہوئے ہیں۔ بہر حال، جب تک یہ اسباب وِھگوں کے مساعد تھے، اُس وقت تک اُنھیں جگہ سے ہٹانا غیر ممکن تھا۔ چند ہی روز پہلے وہ پِٹ کو جارج ثانی کے خلاف مرضی وزیر بنوا کر اپنی قوت دکھا چکے تھے۔ ان سب باتوں کے باوجود بادشاہ ان پر ضرب لگانے کی ٹھانے ہوئے تھا اور دل برداشتہ وِھگوں، چند ٹوریوں اور عام انتخاب کرنے والوں کو اپنا ہمخیال بنانے کی امید رکھتا تھا جو عملاً اسی کی طرح بے دست و پا تھے۔ سب سے اول جارج نے بیوٹ سے کام لیا جو کہا کرتا تھا کہ آج کل بادشاہ محض خیالی چیز رہ گیا ہے اور مُلک پر چند ارباب اقتدار قابض ہیں۔ تخت نشینی کے تیسرے دن وہ مجلس شاہی میں لے لیا گیا اور مارچ ۱۷۶۱ء میں پِٹ کے ساتھی وزیر ہولڈرنیس کی جگہ شاہی معتمد مقرر ہوا۔ بیوٹ کے اس طرح مجلس وزرا میں آجانے سے بادشاہ کو وزیروں کے خیالات اور ارادوں کی سب خبریں ملنے لگیں اور ان اطلاعات سے اُس نے پوری مستعدی سے فائدہ اُٹھایا۔ یورپ میں جنگ رہنے تک پِٹ کو معزول کرنا تو ممکن نہ تھا البتہ اُسے تنگ کیا جا سکتا تھا کہ خود مستعفی ہو جائے اور سال کے ختم ہونے سے پہلے یہ منصوبہ پورا ہو گیا۔

باب سوم

بیرونی معاملات جنگ کے ابتدائی سنین میں اسپین بالکل الگ تھلگ رہا۔ لیکن فرڈی نینڈ فوت ہوا (سنہ ۱۷۵۹ء) تو اس کی بجائے شاہ نیپلز چارلس سوم کے لقب سے اسپین کا فرماں روا بنا اور اس نے خاندان بوربون کی تقویت اور فائدے کے لیے شاہ فرانس کے ساتھ ایک "گھریلو عہد نامہ" کر لیا۔ قرار پایا تھا کہ اسے زر و جواہر کے سالانہ بیڑے کے قادص بخیریت پہنچنے تک صیغۂ راز میں رکھا جائے لیکن اس کا یہ اثر تو فوراً ظاہر ہو گیا کہ فرانسیسیوں نے پٹ سے جو نامہ و پیام شروع کیے تھے وہ موقوف کر دیے۔ اس کارروائی کے اصلی سبب کی پٹ کو بھی بخوبی خبر تھی اور وہ چاہتا تھا کہ پیش قدمی کر کے خود اعلان جنگ کر دے اور اسپین کے چاندی سونا لانے والے بیڑے کو لوٹ لے۔ مگر بیوٹ نے بادشاہ کی تائید سے پٹ کی اطلاعات ماننے میں حیل حجت کی۔ نیوکاسل تذبذب تامل میں پڑ گیا۔ پٹ کی دھمکی سے کہ میری بات نہ مانی گئی تو استعفا دے دوں گا، دوسرے ارکان مجلس جھلائے اور بیوٹ کی طرف ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پٹ عہدہ چھوڑ بیٹھا اور جارج گرین ویل اس کی بجائے مقرر ہو گیا۔ لیکن پٹ نے جو پیشین گوئی کی تھی وہی ہوا کہ سونا چاندی لانے والا بیڑا حفاظت سے آتے ہی اسپین کی طرف سے جنگ کا اعلان ہو گیا۔ پٹ کی علیحدگی کو زیادہ دن نہ ہوئے تھے کہ نیوکاسل نے بھی استعفا دے دیا۔ اس کا ظاہری سبب تو یہ تھا کہ شاہ پروشیا کو جو امدادی رقم دی جاتی تھی۔ بیوٹ نے اس کی مخالفت کی مگر اصل وجہ یہ تھی کہ شاہی انعام و اکرام میں اس کا اب دخل باقی نہ رہا تھا حالانکہ مدت سے اس قسم کی سب منظوریاں وزیر اعظم کے ہاتھ میں تھیں اور وہ ان سے دھگوں کے اقتدار بڑھانے کا کام لیتا رہتا تھا لیکن جارج ثالث نے کد کی کہ عہدے اور وظائف کی منظوریاں میں خود دوں گا۔ اصولاً بادشاہ کا یہ کہنا بے جا نہ تھا۔ مگر بچارا نیوکاسل سمجھتا تھا کہ جب تک یہ خبر نہ ہو کہ انعام و اکرام سے کون سرفراز کیا جائے گا، اس وقت تک کوئی دار العوام کے ارکان سے کیا بات کر سکتا ہے" اور آخر اسی بنا پر

باب سوم

عہدے سے دست کش ہو گیا۔ کسی نے خوب لکھا ہے کہ نیو کاسل کی ساری ملازمت میں سب سے بڑھ کر شایان شان کام یہی علیحدگی تھی کہ اپنی طویل خدمات کا کوئی اجر تک اُس نے طلب نہ کیا اور حقیقت میں تیس سال کی عہدہ داری کے بعد اُلٹا کئی ہزار پونڈ خسارے میں رہا۔ بہرحال اب بیوٹ کے لیے راستہ صاف تھا۔

بیوٹ کی وزارت

۱۷۶۲ء میں وہ صدر وزیر خزانہ مقرر ہوا۔ شاہی معتمدوں میں ایک جارج گرین ویل تھا اور دوسرا سر ولیم وِن ڈھم کا تُوری بیٹا لارڈ ایگری منٹ، فاکس بخشی گری کی خدمت پر بحال رہا۔

جنگ یورپ

اس عرصے میں فرانس اور اسپین کے خلاف بحری جنگ زور شور سے جاری رہی۔ مارتی نیک گرے نادا، سانتالوچیا اور سان وِنسنیٹ تسخیر کر لیے گئے اور شد و مد سے محاصرہ کرنے کے بعد ہواناکو یورش کر کے چھین لیا گیا۔ تیس لاکھ پونڈ کی قیمت کا زر و جواہر فاتحین کے ہاتھ آیا۔ ایک فوج نے فلپائن کا صدر مقام منیلا فتح کر لیا اور چاندی سونا لانے والے کئی جہاز انگریزوں کے ہاتھ پڑے۔ ان میں سے ایک ہی کے سامان کی مالیت ۱۰ لاکھ پونڈ تھی۔ یورپ خاص میں فریڈرک آسٹریا کا خوب مقابلہ کرتا رہا اور رائن کی طرف فرڈی نینڈ اور امیر گرین بی نے دوبارہ مردانگی کے جوہر دکھائے اور نام پایا۔

بایں ہمہ بیوٹ کو ایسی صلح کرنے کی پڑی تھی کہ برطانیہ یا اُس کے حلیفوں کی بھلائی کا خیال بھی شاید کم آتا تھا۔ اسی سال دوبارہ اُس نے صلح کے نامہ و پیام شروع کر دیے۔ اُسے سب سے زیادہ فکر یہ تھی کہ کہیں یہ نامہ و پیام ناکام نہ رہ جائیں لہٰذا دشمنوں کو قسم قسم کی رعایتیں دینے پر آمادہ ہو گیا اور معاوضے کا لفظ بھی منھ سے نکالے بغیر ہوانا تک حوالے کرنے کی تجویز کی۔ جارج گرین ویل اس کی تاب نہ لا سکا اور اسی کا استعفا تھا جس نے بیوٹ کو مجبور کیا کہ ہوانا کے برابر کا علاقہ طلب کرے اور اسپین والے فورٗا فلوریڈا کا زرخیز علاقہ دینے پر تیار ہو گئے مدہی، پر و شیلہ تو انگلستان کے

باب سوم

ایسے عمدہ حلیف کی حمایت میں ایک کلمہ بھی بیوٹ کی زبان سے نہ نکلا اور اگر خود فریڈرک علیحدہ خط کتابت کر کے ایک جداگانہ معاہدے (مرتبہ بمقام ہیوبرٹس برگ) کے ذریعے اپنے مقبوضات کی پوری حفاظت نہ کر لیتا، تو بیوٹ یہاں تک تیار تھا کہ فرانس رائن کے جن شہروں پر قابض ہے وہ آسٹریا کے حوالے کر دیے جائیں۔ سالانہ امداد کی موقوفی اور پھر یہ طرز عمل دیکھ کر فریڈرک کو انگلستان سے نفرت ہو گئی۔ آخر میں عہد نامۂ پیرس کی رو سے مارتی نیک وغیرہ مقامات بھی انگریزوں نے فرانسیسیوں کو واپس دے دیے۔ جزیرۂ بیل کے معاوضے میں منورکا دیا لیکن کناڈا اور راس برٹن کا جزیرہ اُن کے قبضے میں رہا۔ اسی طرح توباگو، سینٹ ونسینٹ، ڈومی نیکا، گرے نڈا، اور فلورڈا بھی انگریزوں کو ملے اگرچہ آخر الذکر کے عوض میں ہوانا اور ہدیۃً منیلا واپس دینا پڑا۔ ہندوستان میں شہر پان دی شیری فرانسیسیوں کو واپس دے دیا گیا۔

صلح نامۂ پیرس سے انگریزوں کو بہت کچھ فوائد حاصل ہوئے لیکن اگر بیوٹ معمولی پختگی سے کام لیتا تو اس سے بھی بہتر شرطیں ہو سکتی تھیں اور اسی لیے ملک میں اس معاہدے کو ناپسند کیا گیا اور پٹ نے شدت سے مذمت کی کیونکہ وہ بہت پہلے کہہ چکا تھا کہ آیندہ معاہدۂ یوٹریکٹ کی مثل دستاویز انگلستان کی تاریخ کو آلودہ نہ کرنے پائے گی۔ اس مخالفت کا سد باب کرنے کی غرض سے بیوٹ کو دار العوام میں کسی کار آمد سر گروہ کی ضرورت ہوئی اور مجلس وزرا میں ایک نشست اور آیندہ امارت کے اقرار کی قیمت پر اُس نے فاکس کی خدمات خرید لیں۔ فاکس نے اپنا کام اچھی طرح انجام دیا اور اُدھر دربار کا پورا اثر ڈال کر پٹ اور نیوکاسل کی قوتوں کا مقابلہ کیا گیا۔ مخالفین کو سبق دینے کی غرض سے خود بادشاہ نے امیر کبیر ڈیون شر کا نام مجلس شاہی کی فہرست سے کاٹ دیا۔ ان تدبیروں سے کامیابی حاصل ہوئی۔ یعنی دار العوام میں صلح نامے کی ابتدائی کارروائی پر ۶۵ کے مقابلے میں ۳۱۹ آرا سے، پسندیدگی کی تجویز منظور کی گئی۔ اس فتح کے بعد بادشاہ کی طرف سے

مخالفین کی سرکوبی کا یہ انتظام کیا گیا کہ جن امرا نے خلاف رائے دی تھی اُن کے اور معمولی سرداروں کے فوجی عہدے اور دیوانی وظیفہ خواروں کے وظیفے ضبط کر لیے۔ غریب اور ادنیٰ ملازم تک جو نیو کاسل کے آورده تھے، لپیٹ میں آ گئے۔ بادشاہی جماعت اُسے فتح کے ثمرات سمجھتی تھی مگر عام ملازمین کے اس طرح پس جانے سے ہر طرف ایسی لعن طعن اور تبرا بازی ہوئی کہ آیندہ کسی گروہ کو ایسا کرنے کی جرأت نہ ہو سکی بلکہ یہ طے پا گیا کہ وزارت کے بدلنے کے ساتھ پارلیمنٹ کے ارکان جو حکومت کے عہدوں پر فائز ہوں، خود ہی استعفیٰ ہو جایا کریں اور باقی ملازمین سرکار سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ فاکس کو اپنی خدمات کے صلے میں لارڈ ہالینڈ کا خطاب ملا۔ بیوٹ کے ساتھ اس کی جو مفاہمت ہوئی، وہ لارڈ شیل برن کی وساطت سے ہوئی تھی اور چونکہ فاکس یہ سمجھنے لگا تھا کہ شیل برن نے اُسے چکما دیا لہٰذا ایک طرف تو وہ اور اُس کا خاندان شیل برن کا سخت دشمن بن گیا جس سے آیندہ اہم نتائج برآمد ہوئے اور دوسری طرف شیل برن رکابی مشرب، ریاکار مشہور ہو گیا۔

بیوٹ کا زوال وقت کے وقت تو فاکس کی کوشش چل گئی لیکن عام اہل خدمات کی برطرفی سے بہت ناراضی پھیلی اور یہ طوفان فرو نہ ہونے پایا تھا کہ بیوٹ نے ایک اور ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ واضح رہے کہ جنگ کے کثیر مصارف سے قومی قرضہ بڑھتے بڑھتے تیرہ کروڑ پچانوے لاکھ پونڈ ہو گیا تھا اور نئے محصول لگانے لازم تھے۔ پہلے سوتی کپڑے پر محصول لگانے کی تجویز تھی لیکن کہا جاتا ہے کہ وزیر مال، سر فرانسس ڈیش ووڈ اُسے پوری طرح نہ سمجھ سکا کہ پارلیمنٹ میں اس کی صراحت کر سکتا۔ لہٰذا اس کی بجائے سیب کی شراب (سائیڈر) پر محصول عائد کر دیا گیا۔ اور شاید اس سے زیادہ نامقبول و نامعقول دوسرا محصول نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اول تو جس مزرعے میں چند سیر شراب بھی کشید کی جاتی تھی، وہاں آبکاری والوں کی رسائی ہو گئی۔ دوسرے ہر قسم کی شراب پر پانچ شلنگ فی قرابہ مقرر ہوئے تھے حالانکہ اس کی قسمیں قیمت میں پانچ سے پچاس شلنگ قرابے تک بکتی تھیں۔ غرض ہر طرف

باب سوم

شور مچ گیا اور شکاری موزے اور کرتیاں کثرت سے جلائی گئیں جن سے وزیر اعظم کی غیر ہر دل عزیزی عیاں تھی۔ پہلوانوں کا پہرا مقرر کرنے سے بھی اسے اپنی حفاظت کا اطمینان نہ ہوا اور اُس نے استعفا داخل کر دیا۔ تاہم بادشاہ کے مزاج میں اُسے اتنا درخور تھا کہ اپنا جانشین خود ہی نامزد کیا اور لارڈ چسٹر فیلڈ کے بقول کنارہ کش ہونے کے باوجود پردے کے اُدھر بیوٹ ہی کارفرما نظر آتا رہا کیونکہ پردہ بھی بہت ہی باریک تھا۔

گرین ویل کی وزارت

یہ نیا وزیر اعظم جارج گرین ویل، امیر ٹیمپل کا چھوٹا بھائی اور پٹ کا برادر نسبتی تھا۔ دوسرے وزیروں میں زیادہ ردّ و بدل نہیں ہوا۔ ایگرمنٹ کے ساتھ کا دوسرا معتمد جارج مونٹیگو (امیر ہیلی فیکس) کو بنایا گیا۔ فاکس اپنی جگہ پر برقرار رہا۔ شیل برن مجلس سررشتۂ تجارت کا صدر مقرر ہوا۔ اس عرصے میں بادشاہ نے دار العوام میں ایک خاص جماعت مرتب کر لی تھی جو "بادشاہ کے احباب" کہلاتے اور دوسرے سیاسی فرقوں سے الگ رہ کر صرف بادشاہ کے حسب الحکم رائے دیتے تھے۔ ان کے سیاسی عقائد میں وھگ فرقے کی بجائے ٹوری خیالات کا زیادہ میلان تھا۔ ان کی تعداد ساٹھ کے قریب تھی اور اس لیے جو وزارت بہت بڑی اکثریت نہ رکھتی ہو، وہ بہت کچھ اس جماعت کی مدد کی محتاج تھی۔ نتیجہ یہ کہ بادشاہ جن وزیروں کو چاہتا معزول اور جنھیں چاہتا مقرر کر سکتا تھا۔ یہ نظام ظاہر ہے کہ فریقانہ حکومت کی بنیادی نظریات کے خلاف تھا لیکن اس کو شکست دینے کی بھی اب کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ دوسرے خود وھگ فرقہ متحد ہوتا تو

وھگوں کے اندرونی اختلافات

ممکن تھا کہ جارج کی کچھ چلنے نہ پاتی۔ مگر اتنے دن کے مسلسل غلبے کی وجہ سے اس فرقے کے اندر کئی کئی جماعتیں بن گئی تھیں۔ ان کے اختلافات محض ذاتیات پر مبنی تھے۔ تاہم اتنے پختہ ہو گئے تھے کہ پورا فرقہ مل کر کام نہ کر سکتا تھا۔ ان میں سب سے اول تو روکنگ ہم وھگوں کی جماعت تھی اور یہ نیوکاسل کے پرانے

باب سوم

گروہ کے بچے کھچے افراد تھے جس میں عہد انقلاب کے خاندان والے پورٹ لینڈ، ڈیون شر جیسے امرائے کبار اور دار العوام کے ایسے ایسے ممتاز ارکان شامل تھے جیسے سپہ سالار کون وے، لارڈ جان کے ون ڈش اور سر جارج سئے ویل۔ دوسرا گروہ امیر کبیر بیڈ فرڈ کے متبعین کا تھا۔ یہ وال پول کے عہد اقتدار میں اصلی گروہ سے ٹوٹ کر علحدہ ہوئے اور وال پول انہیں ازرہ حقارت "محلۂ بلومزبری کی ٹکڑی" کہا کرتا تھا۔ بیڈ فرڈ کے علاوہ اس میں گاور، سینڈوچ اور وے متھ کے امرا داخل تھے۔ اور عوام میں ان کا سب سے بہتر آدمی رگ بی تھا۔ باقی وھگوں میں سے ایک جماعت پٹ اور ٹیمپل کی پیرو تھی اور دوسری گرین ویل کی۔ پہلی کو "چتھم وھگز" اور دوسری کو "گرین ویل وھگز" کہتے تھے اگرچہ ابھی تک یہ ایک دوسرے سے پوری طرح جدا نہیں ہوئے تھے۔ بہرحال یہ سب جماعتیں آپس میں مل کر کام نہ کرتی تھیں اور اسی لیے بادشاہ ان سب کو ایک ایک کر کے شکست دے سکتا تھا۔

گرین ویل کامیاب وزیر نہ تھا۔ برک نے ایک مرتبہ اس کی نسبت کہا کہ "وہ کوئی مدبر نہیں، محض دفتری آدمی ہے" اور فاکس کا قول ہے کہ "مدد دینے کی بجائے وہ الجھن ڈالتا ہے" وہ پارلیمنٹ کے بحث مباحثہ میں خاصا مشاق تھا لیکن باہمی گفتگو یا خط کتابت میں بات کو اتنا طول دیتا کہ دل گھبرا جائے۔ اس کا ایک معمولی خط سات مطبوعہ صفحات میں آیا ہے اور اس کا ایک جملہ ایک سو پچاس لفظ کا ہے۔ لیکن بادشاہ کے انتخاب کا منشا یہ نہ تھا کہ گرین ویل کوئی نئی راہ نکالے بلکہ یہ کہ بادشاہ کے منشا کے مطابق چلتا رہے۔ اسی لیے ان دنوں جو غلطیاں سرزد ہوئیں، ان کا ذمہ دار بھی وزیر کی بجائے

ولکس

بادشاہ ہی کو سمجھنا چاہیے۔ ان میں پہلی جان ولکس کی دار و گیر تھی۔ یہ ایلس بری کا مبعوث، ہوشیار، لیکن بدچلن آدمی تھا۔ بیوٹ کے اخبار بریٹن کے مقابلے کی غرض سے وہ "نارتھ بریٹن" کے نام سے ایک جریدہ نکالتا تھا جس میں لارڈ ٹیمپل اور چرچل شاعر بھی کچھ نہ کچھ

لکھتے رہتے تھے۔ یہ شروع سے نہایت فحش نویس تھا۔ انہی دنوں کسی بادشاہی تقریر میں از رہِ نازش یہ دعویٰ بھی کیا گیا تھا کہ انگلستان نے شاہِ پروشیا کو جنگ سے نجات دلائی۔ نارتھ برٹن، نمبر ۴۵ کے پرچے میں اس قول کی تردید چھپی اور وثوق سے بیان کیا گیا کہ "ہمارے نامہ و پیام سے اس بافیض فرماں روا کو کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچا بلکہ انگلستان کے اسکوٹی وزیر اعظم نے کمینہ پن سے اسے دغا دی۔" سب کو معلوم ہے کہ شاہی تقریریں وزرا تیار کیا کرتے ہیں۔ لیکن جارج نے ان الزامات کو ذاتی توہین قرار دیے کا فیصلہ کیا اور زور دیا کہ ولکس پر مقدمہ دائر کیا جائے۔ چنانچہ ہیلی فیکس نے گرین ویل اور ایگرمنٹ کی تائید سے، دوسرے ہی دن رسالے کے "مضمون لکھنے والوں، چھاپنے والوں اور شائع کرنے والوں" کی گرفتاری کا حکم نامہ جاری کر دیا۔ اگرچہ اس میں کسی کا صراحتہً نام درج نہ تھا۔ اسے عام حکم نامہ کہتے ہیں۔ ولکس نے سرکاری عہدہ داروں سے کہہ دیا کہ یہ خلاف قانون ہے۔ تاہم اسے گرفتار کر لیا گیا۔ جارج نے اس کو ملکی فوج کی کمانڈری سے اور اس کے دوست لارڈ ٹیمپل کو پرگنہ بکنگھم کی سپہ سالاری کی خدمت سے برطرف کر دیا۔ مگر گرفتاری ایک اور وجہ سے بھی ناجائز تھی۔ ولکس پارلیمنٹ کا رکن تھا اور اس کی گرفتاری صرف غداری، خیانت مجرمانہ یا امن شکنی کی بنا پر عمل میں آسکتی تھی۔ لہٰذا سب سے اول اس نے ہیبئس کورپس "قانون لزوم تحقیقات محبوس" کی بنا پر رہائی کی درخواست کی۔ عدالت کے میر مجلس، پریٹ نے (جو آگے چل کے لارڈ کیمڈن ہوا) رکنیت کے حق خاص کی بنیاد پر یہ درخواست بلا تامل قبول کر لی۔ اس کے بعد ولکس اور مطبع والوں نے ایک عام حکم نامے کے ذریعے گرفتاری کو ناجائز ثابت کیا اور تاوان وصول کرنے میں کامیاب ہوئے۔ یہ موسم بہار ۱۷۶۳ء کا واقعہ ہے۔ انہی سردیوں میں نارتھ برٹن کی زباں درازیاں اور بھی بڑھ گئیں اور اس میں گرین ویل کی وزارت کی نسبت اس قسم کے کلمات لکھے جانے لگے کہ یہ محض تنگ نظر وزارت ہے اور وزیروں کی غرض سوائے اس کے کچھ نہیں کہ رعایا کو

باب سوم

لُوٹ لُوٹ کر اپنی جیبیں بھر لیں۔ نومبر میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو پھر اس مسئلے کو اُٹھایا گیا اور دارالعوام میں کثرت رائے سے قرار پایا کہ نمبر ۴۵ ایک جھوٹا، مغویانہ اور ہتک آمیز الزام ہے" اس کے بعد ہی قرار پایا کہ پارلیمنٹ کی رکنیت کا امتیاز کسی کو ہتک عزت کے مواخذے سے مستثنیٰ نہیں کر سکتا اور حکم ہوا کہ رسالہ نمبر ۴۵ کو سرکاری جلاد آگ میں جلا دے۔ اسی کے ساتھ دارالامرا میں وِلکس پر اعتراض اُٹھایا گیا کہ پوپ کے "آدمی پر ایک مقالے" کا اُس نے ہزلیہ نظم میں "عورت پر ایک مقالہ" لکھ کر خاکا اُڑایا ہے۔ اور چونکہ اُس کے حواشی کو اُسقف واربرٹن سے فرضی طور پر منسوب کیا گیا تھا، لہذا امرا میں اُسے پارلیمنٹی امتیازات کا ناجائز استعمال قرار دیا گیا۔ اسی زمانے میں وِلکس ایک مقابلے (ڈوئیل) میں زخمی ہوا اور تندرست ہونے کے بعد فرانس چلا گیا۔ پھر بھی دارالعوام نے اُسے پارلیمنٹ سے خارج کر دیا اور لکھا کہ نمبر ۴۵ میں رعایا کو بادشاہ سے منحرف کرنے کا صریحی میلان پایا جاتا ہے۔ پِٹ اور بیرے نے اس کی حمایت کی تھی اور دارالامرا میں بھی کمبرلینڈ، نیوکاسل، روکنگھم اور شیل برن، وِلکس کے طرفدار رہے اور اسی لیے بیرے اور شیل برن کو فوجی اور دیوانی خدمتوں سے الگ کر دیا گیا۔ نمبر ۴۵ کو آگ لگائی گئی تو اچھا خاصا بلوا ہو گیا اور اس تمام قضیے سے بادشاہ کی بیوٹ سے تعلق رکھنے کے بعد جو تھوڑی بہت ہر دل عزیزی باقی رہ گئی تھی وہ بھی مفقود ہو گئی۔

امریکی مستعمرات

گرین ویل کی دوسری غلطی امریکی نوآبادیوں پر محصول لگانا تھی۔ واضح رہے کہ یہ محصول انگلستان کے خزانے میں جمع کرنے مقصود نہ تھے بلکہ نوآبادیوں ہی کے کاموں میں خرچ کیے جاتے اور یوں بھی نوآبادی بسانے والے ملکوں میں صرف برطانیہ ایسا ملک تھا کہ مستعمرات سے کوئی روپیہ طلب نہ کرتا تھا۔ ورنہ روما، قرطاجنہ، اسپین، پرتگال، ہالینڈ اور فرانس سب خراج وصول کرتے تھے۔ بایں ہمہ انگریزی مستعمرات پر ایسا بار کبھی نہیں پڑا اور وال پول کے زمانے میں یہ خیال

دلایا بھی گیا تو اُس نے حقارت سے اُسے مسترد کر دیا تھا۔ جنگ ہفت سالہ میں نوآبادیوں کی فوج کے مصارف بھی مل کر اٹھائے گئے۔ یعنی شاہ انگلستان کی طرف سے اسلحہ، گولہ باروت، خیمے اور آزوقہ اور نوآبادیوں کی جانب سے سپاہی، لباس اور تنخواہ ادا کی جاتی تھی۔ آیندہ کے لیے یہ بات بھی ضروری تھی کہ امریکہ کے دیسیوں اور نیز دوسری فرنگی قوموں کے مقابلے کی غرض سے کچھ مستقل فوج رکھی جائے۔ آئرستان میں وہاں کی پارلیمنٹ، اور ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی بطور خود اپنی حفاظت کے لیے فوج رکھتی تھی۔ اب گرین ویل اور ٹاؤن زنڈ نے چاہا کہ اسی قسم کی فوج امریکہ میں مرتب کی جائے اور اس کا خرچ نوآبادیاں اُٹھائیں۔ مزید برآں، نئے مقبوضات سے دیوانی عہدوں کی تعداد بڑھی تو تنخواہیں بھی ستر ہزار سے بڑھ کر ساڑھے تین لاکھ پونڈ سالانہ ہوگئیں۔ پس گرین ویل نے خواہش ظاہر کی کہ کوئی ایسی صورت نکالی جائے جس میں آبادکاروں کو کم سے کم زحمت اور بار اُٹھانا پڑے، اور وہ ان اضافہ شدہ فوجی اور ملکی مصارف میں حصہ بھی لینے لگیں۔ مگر اس تجویز سے پارلیمنٹ اور نوآبادیوں کے باہمی تعلق کا پورا مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوا اور چونکہ گزشتہ جنگ میں نوآبادیاں بہت روپیہ خرچ کر چکی تھیں اور اب مالی زیر باری سے پریشان تھیں لہٰذا ایسے موقع پر اس مسئلے نے اور بھی پیچیدہ صورت اختیار کر لی۔ تازہ تر یہ کہ اسی زمانے میں محصولی مال چوری سے لانے لے جانے کا قضیہ پیدا ہوا۔ قوانین جہازرانی کی رو سے انگریزی نوآبادیوں کو برطانیہ کے سوا کسی مُلک سے تجارت کرنے کا حق نہ تھا لیکن عملاً ان کا اسپین و فرانس کے مقبوضات سے لین دین کرنا جائز رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ نیو انگلینڈ کی پیداوار کے معاوضے میں فرانس و اسپین کے مقبوضہ جزیروں سے بکثرت شکر آتی تھی اور خلاف قانون ہونے کے باوجود معزز تاجر تک بے تکلف یہ لین دین کرتے اور کروڑگیری والے ان سے کوئی تعرض نہ کرتے تھے۔ جنگ کے بعد گرین ویل کو اسپین والوں کی خاطر اس تجارت کو روکنا ضروری معلوم ہوا اور اس کارروائی سے بھی امریکہ والے بہت جھنجلائے تھے۔

باب سوم

محاصل تجارت اور اسٹامپ

قوانین جہاز رانی کے تحت میں تجارت درآمد برآمد پر بہت قلیل محصول بھی نوآبادیوں میں وصول کیا جاتا تھا۔ گرین ویل نے اس میں اضافہ کرنا چاہا تاکہ قوانین جہاز رانی پر زیادہ سختی سے عملدرآمد ہو اور انگریز حکام کے خزانے میں روپیہ بھی زیادہ وصول ہو سکے۔ برطانی پارلیمنٹ ایسا کرنے کی مسلمہ طور پر مجاز تھی۔ پھر بھی اضافۂ محاصل سے نوآبادیوں میں خاصا اضطراب پیدا ہوا اور گرین ویل کا یہ اعلان سن کر کہ آیندہ سال سے امریکا میں اسٹامپ کا نیا محصول بھی لیا جایا کرے گا (جس سے کل ایک لاکھ پونڈ سالانہ وصول ہونے کی امید تھی) وہاں والے اور بھی گھبرائے۔ تیرہ میں سے چھ نوآبادیوں نے باقاعدہ احتجاج کیا اگرچہ انھیں اس حق پر اتنا اعتراض نہ تھا، جتنا ان محاصل کے بے موقع ہونے کی شکایت تھی۔ مگر ان اعتراضات اور کونوے اور بیرے کی فصیح و بلیغ تقریروں کے باوجود گرین ویل کی تجاویز دو سو رائے کی اکثریت سے منظور ہو گئیں۔ سرکاری مہر شدہ کاغذ پر ۳ پینی سے دس شلنگ تک محصول لگایا گیا۔ اس کی کمی بیشی معاملات کی نوعیت کے مطابق تھی جن کے لیے دستاویز تحریر کر دی گئی ہو۔ اخبارات کے کاغذ پر محصول عاید ہوا۔ یہ سب آمدنی صرف نوآبادیوں کی حفاظت و مدافعت میں خرچ کی جانی قرار پائی۔ پھر بھی آبادکاروں سے براہ راست محصول لینے کی یہ پہلی کوشش تھی اور اس میں برطانی آئین کے ایک عام اصول سے انحراف کیا گیا تھا کہ کسی قوم (یا گروہ) سے اُس وقت تک محصول لینا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ خود یا اُس کے نایندے ایسا محصول نہ عائد کریں۔ اُدھر گرین ویل نے دار العوام میں یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ یہ محصول لگا کے ہم دیکھتے ہیں کہ آیندہ مزید امداد لینے کا کس حد تک امکان ہے۔ ان باتوں سے اہل مستعمرات سخت پریشان ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ امریکا بھر میں خوف کی گھنٹی پیٹرک ہینری کی پیہم پانچ تحریکات نے بجائی جو ورجینیا کی مجلس وضع قوانین کا رکن تھا اور اسی مجلس میں اُس نے یہ قرار دادیں پیش کیں جن کا مدعا یہ تھا کہ نوآبادیوں سے بغیر اُن کی رائے کے کوئی محصول نہ لیا جائے۔ پھر ایک نہ دو، اکٹھی نو مستعمرات کے وکلا ایک موتمر میں بمقام نیویارک جمع ہوئے کہ

باب سوم

پورے مسئلے پر غور وخوض کریں۔ ادھر لوگوں نے سرکاری مُہر کا کاغذ استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ اُسے جبراً رواج دینے کی تمام کوششیں ناکام رہیں اور کثیر التعداد بلووں سے ثابت ہو گیا کہ عوام میں کس درجہ اشتعال پیدا ہو گیا ہے۔ اسی کے ساتھ شدّ ومدّ سے نوآبادیوں میں صنعتی کارخانے قائم کیے جانے لگے تاکہ وطنی مصنوعات کی جہاں تک ممکن ہو محتاجی نہ رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگلستان کے سوداگروں اور کارخانہ داروں میں سخت بے روزگاری پھیل گئی۔

گرین ویل کی علیحدگی

یہ حالات زیادہ عرصے تک رہنے نہ پائے تھے کہ انگلستان کی وزارت میں تغیر ہوا اور ان حالات کا بھی رخ بدل گیا۔ واضح رہے کہ گرین ویل سے جارج کبھی بھی زیادہ خوش نہیں رہا بلکہ اُس کی طول طویل حجتوں سے بہت اُکتا جاتا تھا اور اُس کی وزارت کے ابتدائی زمانے ہی میں کوشش بھی کی تھی کہ پٹ کو وزیر بنا لے۔ اس میں کامیابی نہ ہوئی اور ۱۷۶۳ء میں گرین ویل نے بیڈفرڈ سے (جو ولکس اور مستعمرات کے مسئلے میں وزارت کا ہم رائے ہو گیا تھا) اتحاد کر لیا۔ اس اشتراک کی بدولت حکومت میں کافی مضبوطی آگئی۔ اگرچہ بیڈفرڈ کا اثر اتنا بڑھ گیا کہ بعض اوقات یہ اُسی کا زمانۂ وزارت سمجھا جاتا ہے۔ مگر ۱۷۶۵ء میں ایک تازہ قضیہ یہ کھڑا ہوا کہ بادشاہ بیمار پڑا اور علالت میں اُس کے دماغی فتور کی بعض علامتیں ظاہر ہوئیں جو آخر زمانے میں اسے آزار دیتا رہا۔ اسی بنا پر بعض امکانی صورتوں کا انتظام کرنے کی غرض سے ایک "قانون نیابت" وضع کرنا ضروری سمجھا گیا۔ وزیروں نے اس نازک معاملے کا نہایت بے تمیزی سے سرانجام کیا۔ اول تو اُنھوں نے امیر کبیر کمبرلینڈ کا نام اُڑا دیا جس سے یہ شہزادہ ناراض ہوا۔ دوسرے بادشاہ سے کہا کہ بیوہ بیگم ویلز کا نام حذف کر دیا جائے کیونکہ بیوٹ سے میل جول رکھنے کے باعث لوگ اسے اچھا نہیں سمجھتے تھے اور غالباً دار العوام اُس کا نام منظور نہ کرے گا۔ مگر ان کی رائے کے برعکس، دار العوام میں اس بیگم کا نام بہ اصرار شریک کر دیا گیا جس سے خواہی نخواہی یہ ظاہر ہوا کہ

باب سوم

بادشاہ اپنی ماں کی بلا وجہ بے توقیری کرنی چاہتا تھا۔ جارج اس واقعے سے بہت چڑ چڑ ہوا اور کمبرلینڈ کی مدد سے دوسرے وزیر کی تلاش شروع کی۔ اول تو پٹ سے فرمائش کی گئی مگر وہ سمجھتا تھا کہ بغیر ٹمپل کو ساتھ لیے کام نہ کر سکے گا اور متلون مزاج ٹمپل ،، بعض نازک اور خاص وجوہ سے ،، رفاقت پر آمادہ نہ ہوا۔ آگے چل کے ثابت ہوا کہ اُسے اپنے بھائی گرین ول سے مصالحت کی امید تھی، اور بھی نازک وجوہ تھیں جن کی بنا پر اُس نے پٹ کا ساتھ دینے سے اور پٹ نے وزارت قبول کرنے سے انکار کیا۔ تب کمبرلینڈ نے روکنگھم اور نیوکاسل کے متبعین سے سلسلہ جنبانی کی اور وہ اس شرط پر کہ روکنگھم، صدر امیر خزانہ، اور نیوکاسل امیر مُہر شاہی مقرر کیے جائیں، وزارت مرتب کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ ایک معتمدی کی خدمت امیر کبیر گرافٹن کو دی گئی اور دوسری، دار العوام کی سرگروہی کے ساتھ کونوے کے تفویض ہوئی۔ روکنگھم آمادہ تھا کہ شیل برن کو بھی اپنا معاون بنا لے مگر وہ بیوٹ اور فاکس کو چھوڑ چکا تھا اور ولکس اور امریکہ کے قضیوں میں بہ سرعت پٹ کی طرف ڈھلتا جاتا تھا۔ دوسرے روکنگھم نے آئرستان کا نائب وزیر خزانہ بنام لارڈ جارج سیک ول کو بنایا جس سے شیل برن کو شریک ہونے میں اور بھی تامل ہوا۔ نئے وزیر اعظم کا معتمد پیشی ایک نوجوان آئرستانی مسمی ایڈمنڈ برک تھا جس کے علمی تبحر کی اسی وقت بہت شہرت تھی اور جسے اپنے ملک کی تاریخ میں بڑا نام کرنا تھا۔ اگرچہ ابھی تک اُسے پارلیمنٹ میں جگہ نہیں ملی تھی۔ نئی وزارت کے گرین ول اور بیڈفرڈ مخالف تھے پٹ سرگرم موید نہ تھا لہذا شروع سے نئے وزیروں کا انحصار ،، احباب شاہی ،، کی بے ثبات اعانت پر آٹھیرا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ تقرر کے وقت ہی سے یہ سمجھتے تھے کہ بادشاہ موقع ملتے ہی انھیں جلد سے جلد علحدہ کر دے گا۔

روکنگھم کی پہلی وزارت

نئی وزارت جولائی سنہ ۱۷۶۵ء میں مرتب ہوئی اور دسمبر میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو دو خاص کارروائیاں یہ کی گئیں کہ ایک تو امریکہ کا قانون اسٹامپ

باب سوم

منسوخ کردیا گیا دوسرے یہ اعلان ہوگیا کہ پارلیمنٹ کو امریکا کے ہر قسم کے معاملے میں "قانون وضع کرنے کا حق ہے"۔ پہلی کارروائی کا مقصد تو یہ تھا کہ اہل امریکہ کی رضامندی حاصل کی جائے لیکن دوسرا اعلان محض رائے عامہ کے دباؤ سے کیا گیا جو پارلیمنٹ کی سطوت قائم کرنے پر مصر تھی بریں ہم پین سِل وینیا کے مختار عام بنجمن فرینکلن نے لوگوں کو یقین دلایا کہ پارلیمنٹ کے حقوق کی قرار دادوں سے آبادکاروں کو کچھ گزند نہ پہنچے گا بشرطیکہ ان پر عملدرآمد کرنے کی کبھی کوشش نہ کی جائے۔ ان دونوں تحریکوں میں وزیروں کو پٹ کی پوری تائید حاصل تھی جس نے آبادکاروں کی مزاحمت کو سراہا اور جتایا کہ نوآبادیوں سے برطانیہ میں لاکھ پونڈ سالانہ مالیت کی تجارت کرتی ہے اور یہ کہ ذرا سی آمدنی کے لیے اتنی بڑی رقم کو خطرے میں ڈالنا کوئی عقلمندی کی بات نہ تھی شیل برن بھی وزرا کا موید تھا البتہ گرین ول اور بیڈفرڈ کے وہگوں نے اور درپردہ احباب شاہی کی جماعت نے بھی مخالفت میں حصہ لیا بہرحال دونوں تحریکیں پارلیمنٹ میں منظور ہوگئیں اور فرینکلن کا قول بھی صحیح ثابت ہوا۔ قانون اسٹامپ کی تنسیخ سے بحراوقیانوس کے دونوں ظرف کے باشندے بہت خوش ہوئے۔ باقی محاصل کو خوشی سے ادا کردیا گیا اور اعلان حقوق کی کسی نے چنداں پروا نہ کی۔

روکنگ ہم کی برطرفی۔

مگر پٹ قانون اسٹامپ کی تنسیخ میں حکومت کا ممد ہونے کے باوجود، اشخاص و افعال کی تائید میں بڑے اہتمام سے فرق کرتا تھا۔ ایک قرارداد جس میں عام حکمنامہ گرفتاری کا اجرا بالکل خلاف قانون قرار دیا گیا تھا، اُس کی پٹ نے تہ دل سے تائید کی لیکن بار بار صلاح ہونے کے باوجود نظم و نسق میں حصہ دار بننے سے برابر انکار کرتا رہا۔ دربار شاہی میں قانون اسٹامپ کی منسوخی اور مذکورہ بالا قرارداد کو شدت سے ناپسند کیا گیا۔ احباب شاہی وزرائے شاہی کے خلاف رائیں دینے لگے۔ اور آخر پورے ایک سال برسرعہدہ رہنے کے بعد روکنگ ہم وزارت سے برطرف کردیا گیا۔

گریفٹن کی وزارت

اب پھر پٹ سے درخواست کی گئی۔ وہ باوجود اُس

باب سوم

جماعت کے جس کا روکنگ ہم اب سرگروہ تھا، پٹ وزارت کے اعلیٰ عہدے تک پہنچ چکا تھا۔ دوسرے اُسے فریقیانہ تعلقات سے اتنی ہی نفرت تھی جتنی بادشاہ کو، اور یہ سمجھ کر کہ اب ایسی وزارت مرتب کرنا ممکن ہو گیا ہے جس میں ہر گروہ کے افراد ہوں، وہ خوشی سے وزارت میں داخل ہو گیا۔ روکنگ ہم کی وزارت کا شاہی معتمد امیر کبیر گریفٹن جدید وزارت کا رسمی صدر تھا۔ کون وے بھی اپنے عہدے پر قائم اور دارالعوام کی سرگروہی کرتا رہا۔ ٹاون زنڈ وزیر مالیہ تھا اور یہ تینوں روکنگ ہم کے گروہ میں شمار ہوتے تھے۔ پٹ امیر مُہر شاہی تھا اُس کا پُرانا دوست پریٹ (الملقب بہ لارڈ کیمڈن) اور بادشاہ کی مخالفت کے باوجود پٹ کا تازہ رفیق شیل برن شاہی معتمد بنائے گئے۔ لارڈ نارتھ اور بیرے بھی عہدے رکھتے تھے۔ گو روکنگ ہم یا بیڈفرڈ یا گرین ویل کی جماعت کے کسی آدمی کو خدمت نہیں دی گئی۔

نئی وزارت کی کمزوری

یہ انتظام ظاہر میں جتنا مضبوط نظر آتا تھا اُتنا حقیقت میں مضبوط نہ تھا بلکہ بقول برک کے یہ مینا کاری دور سے دیکھنے میں عجیب تھی مگر اسے ہاتھ لگانا مخدوش تھا۔ تقدیر نے بھی شروع سے نامساعدت کی اور آخر میں یہ وزارت سراسر ناکام نکلی۔ پٹ کا شاہی مُہرداری کی خدمت قبول کرنا اور امیر چیٹم کے لقب کے ساتھ دارالامرا میں آنا، ایسی سخت غلطی تھی کہ بعض کے نزدیک یہ سیاسی خودکشی کا فعل تھا۔ دارالعوام پر سالہا سال تک اس کی حکومت رہی۔ اس کو چھوڑنے میں اوّل تو عوامی اعظم کے مقبول عام لقب سے محروم ہوا اور اپنے بے لوث محب وطن ہونے کی شہرت کو بٹا لگایا اور دوسرے دارالامرا میں داخل ہوا جہاں اُس کی آتش بیانی بالکل بے محل سی چیز رہ گئی۔ مزید برآں، اتنے مختلف الخیال گروہوں کو متحد کرنے کی کوشش سے خود اُس کی وزارت کم زور ہو گئی اور اس سلسلے میں جتنے نئے دوست بنانے چاہے تھے، کم سے کم اُتنے ہی نئے مخالف پیدا ہو گئے۔ یہ صورت تھی جبکہ یکایک اعلان ہوا کہ پٹ بیمار ہے۔ یہ بات صحیح طور پر کبھی معلوم

باب سوم

دہ ہوگی کہ وہ کتنا بیمار تھا لیکن اول تو ساتھ کے وزیروں سے ملنا موقوف ہوا بلکہ بادشاہ کی خدمت میں حاضری سے بھی اُس نے معذرت کی اور پھر پارلیمنٹ میں آنا جانا بلکہ خطوں کا جواب دینا بھی چھوڑ دیا اور اپنے گاؤں میں یا باتھ چلا گیا اور آخر میں سرکاری معاملات سے بالکل علیحدگی اختیار کر لی۔

پیٹ کے اس طرح ہٹ جانے سے وزارت کا کوئی سر دھرا نہ رہا کیونکہ **گریفٹن** لائق ہونے کے باوجود کوئی خاص رسوخ و اثر نہ رکھتا تھا۔ پس وزارت کی نہ کوئی معین حکمت عملی رہی نہ باہمی یکجہتی۔ ظریف و متلون مزاج وزیر مال (چارلس ٹاون زنڈ) کو دار العوام کی مخالف رائے سے، جس نے سرکاری مالیہ گھٹا کر ۴ شلنگ کی بجائے تین شلنگ فی پونڈ قرار دیا، بڑی پریشانی ہوئی لہذا پھر امریکہ پر نظر دوڑائی اور شیشہ، کاغذ، رنگ، چائے وغیرہ پر کروڑگیری لگا دی جس سے چالیس ہزار پونڈ سالانہ وصول ہونے کا تخمینہ تھا۔ قرار پایا کہ یہ آمدنی نوآبادیوں کے والی اور حکام عدالت کی تنخواہوں میں، اور جو کچھ بچے وہ وہاں کے فوجی مصارف میں لگا دی جائے۔ ایک اور ذریعۂ آمدنی یہ نکلا کہ بعض مراعات کے عوض میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے چار لاکھ پونڈ سالانہ ٹھیرا لیے گئے۔ مگر اسی ستمبر ۱۷۶۷ء میں ٹاون زنڈ بخار سے فوت ہو گیا۔ اس ناگہانی واقعے سے وزارت میں اور بھی خلفشار مچا۔ چیٹم کی طرف سے مطلق سکوت تھا لہذا گریفٹن کو چار و ناچار بیڈفرڈ کی جماعت سے ساز باز اور جیکوبی فرقے کے امیر گلڈفرڈ کے بیٹے لارڈ نارتھ کو بھی شریک وزارت کرنا پڑا۔

ولکس

مارچ ۱۷۶۸ء میں عام انتخابات ہوئے۔ اس موقع پر ولکس، پیرس سے واپس آیا۔ لندن میں بہت سی رائیں حاصل کیں اور حلقۂ مڈلسکس کی طرف سے مظفر و منصور منتخب ہو گیا۔ اس کے حامی "ولکس اور آزادی" پکارتے پھرتے تھے۔ لیکن اُس نے اپنے آپ کو شاہی عدالت کے حوالے کر دیا اور اسی عدالت کی حوالات میں رکھا گیا کہ ہتک عزت کے سابقہ جرم کا فیصلہ ہونے تک قید رہے۔ ۱۰ مئی کو پارلیمنٹ منعقد ہوئی اور

باب سوم

ادھر ایک مجمع نے جو ولکس کے رہا نہ کیے جانے پر سخت برافروختہ تھا، حوالات کے سامنے وہ ہنگامہ مچایا کہ فوج طلب کرنی پڑی۔ قانون بلوہ پڑھ کر سنادیا گیا اور پھر سپاہیوں نے گولیاں چلائیں جس سے کوئی بیس آدمی مارے گئے۔ تقدیر کی خرابی کہیے یا سوئے اتفاق کہ یہ سپاہی ایک اسکوٹی رجمنٹ کے تھے اور شاہی معتمد کا ایک خط بھی ولکس کے ہاتھ پڑ گیا جس میں حاکم عدالت کو حکم دیا گیا تھا کہ ضرورت پڑے تو فوج کو طلب کرلے۔ اب ولکس نے اسکوٹوں کے خلاف اور بھی سخت حملہ کیا اور فوج کے سردار وزیر متہم کے "خونی جھنڈے" کو خوب خوب صلواتیں سنائیں۔ وہ عدالت میں پیش ہوا تو سابقہ بدزبانیوں پر ایک ہزار پونڈ جرمانہ اور ۲۲ ماہ قید کی سزا سنائی گئی۔ عدالت نے ولکس کو روتشہیر کرانے کی جرأت نہ کی۔ پھر بھی لوگوں کے نزدیک یہ سزا بالکل معاندانہ تھی اور ولکس اور اس کا نمبر ۴۵ اتنے مقبول ہوئے کہ لندن کے پندرہ پندرہ میل تک کوئی دیوار اور گاڑی ایسی نہ تھی جس پر یہ ہندسہ نہ لکھ دیا گیا ہو حتیٰ کہ آسٹریا کے سفیر کو پالکی گاڑی سے لوگوں نے کھینچ کر نیچے اُتارا اور جوتے کے تلے پر کھرپا سے یہی پُراسرار ہندسہ لکھ کر چھوڑا۔ یہ طوفان پورے زور پر تھا جبکہ چیٹم نے استعفا داخل کردیا اور بہت سے لوگوں کو خیال ہوگیا کہ شفایابی سے بڑھ کر وہ ایسے ہی نظر فریب موقع کی گھات میں تھا اور فوراً افواہ اڑ گئی کہ وہ اتنا تندرست ہوگیا ہے کہ عنقریب حکومت کا نقاد بن کر پارلیمنٹ میں آجائے گا۔

ولکس اور مڈلسکس

ادھر ولکس کے معاملے نے وزیروں کو بیحد پریشان کر رکھا تھا۔ گرافٹن اُسے خوشی سے معافی اور اپنی اصلی سطح پر گر جانے دیتا۔ مگر بادشاہ اس قصے کو اپنی ذات سے متعلق سمجھتا تھا اور مصر تھا کہ اُسے پارلیمنٹ سے نکال دیا جائے۔ چنانچہ بتاریخ ۳ فروری ۱۷۶۹ء اُسے سابقہ بدزبانی اور وزیر متہم کے خلاف حالیہ نکتہ چینی کی بنا پر پارلیمنٹ سے نکالا ملا مگر ۱۶ کو دوبارہ وہ بلامزاحمت منتخب ہوگیا۔ دوسرے ہی دن پارلیمنٹ نے ۸۹ کے مقابلے میں ۲۳۹ آرا سے فیصلہ کیا کہ وہ اس مجلس میں بیٹھنے کے لائق

باب سوم

نہیں ہے لیکن دوبارہ پھر ولکس کا انتخاب ہوا اور کسی دوسرے شخص نے مقابلہ تک نہ کیا۔ یہ انتخاب بھی باطل قرار دیا گیا اور آخر جو تھے انتخاب میں کرنل لٹ رل مقابلے میں استادہ ہوا اور گو ولکس کو ۱۱۴۳ رائیں ملیں اور اُس کے حریف کو صرف ۲۹۶۔ تاہم دارالعوام میں ۱۴۳ کے مقابلے میں ۱۹۷ رایوں سے فیصلہ کیا گیا کہ رکنیت رلٹ رل ہی کو دی جائے۔ یہ سراسر آئین کے خلاف بات تھی کیونکہ ولکس کا انتخاب ناجائز سہی، لٹ رل کا کثرت آرا رکھنا ثابت نہ تھا۔ چنانچہ وہگ فرقے کی قریب قریب تمام ممتاز جماعتوں نے حکومت پر لعن طعن کی جن میں چیٹم کے احباب کے علاوہ، کون وے، برک۔ گرین ویل، بیرے اور دارالامرا میں شیل برن اور ٹیمپل قابل ذکر ہیں۔ یا ہر بھی حکومت سخت نامقبول تھی۔ گریفٹن کی لیاقت یا کردار کا کوئی ادب و لحاظ نہ کرتا تھا۔ بار بار بلوے ہوتے جس سے عوام کی ناراضی اور تشدد پر آمادگی ظاہر تھی۔ ادھر اخباروں میں بے شمار خط اور علیحدہ رسالے شایع ہو رہے تھے جو شدت میں نارتھ بری ٹن سے کم نہ تھے اور تحریر کی خوبی میں اُس سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔

”جونیس“ کے خطوط

ان تحریروں میں سب سے زیادہ جاذب توجہ خطوں کا وہ سلسلہ تھا جو کہ جونیس کے دستخطوں سے اخبار پبلک اڈورٹائزر میں شایع ہوا۔ اس سلسلے کا پہلا خط نومبر ۱۷۶۸ء میں چھپا تھا۔ دوسرا اس سلسلہ جنوری ۱۷۶۹ء میں نکلا اور سب سے زبردست تحریر دسمبر ۱۷۶۹ء میں شایع ہوئی جس میں بادشاہ سے خطاب کیا گیا تھا۔ آخری خط جنوری ۱۷۷۲ء میں چھپا۔ ان خطوں کی اس قدر شہرت ہونے کے چند اسباب تھے: ان کا طرز تحریر بہت عمدہ تھا۔ پھر ہجو اس شدت سے کی گئی تھی کہ بدزبانی کرنے والوں کی تحریر میں بھی اتنا زور نہ تھا۔ دوسرے ان میں لوگوں کی ذاتی کمزوریوں کا پردہ فاش کیا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن کا لکھنے والا بظاہر کوئی خاص رازداں شخص تھا۔ غرض ان خطوں کے بہت سے لوگ مشتاق ہو گئے اور وہ مُلک بھر کے اخباروں اور رسالوں میں بار بار چھپتے رہے۔

باب سوم

جونیس کی اصلیت کا آج تک پتا نہیں چلا۔ اکثر اشخاص کا خیال ہے کہ وہ محکمۂ جنگ کا ایک منشی فلپ فرانسس تھا لیکن اول تو اس کے خلاف قوی شہادتیں موجود ہیں دوسرے اگر واقع میں خط اسی نے لکھے تو بھی اُس کی رہنمائی اور مدد ضرور کسی عالی رتبہ آدمی نے کی ہوگی۔ بہر حال اُس کے خطوں میں ولکس کی حمایت اور امریکی مستعمرات کی مخالفت کی گئی تھی اور غالباً عام اہل انگلستان کی رائے بالکل یہی تھی۔ اسی لیے ان خطوں کو اتنی قبولیت حاصل ہوئی۔

اس عرصے میں حکومت کے خلاف دونوں ایوانوں میں ایک مضبوط جتھا بنتا جاتا تھا۔ روکنگھم، رچ منڈ، چےٹم اور شیل برن، دارالامرا میں اور گرین ویل، ہیرے اور برک دارالعوام میں وزرا کے خلاف متحد ہو گئے تھے اگرچہ خود ان میں باہمی اختلاف موجود تھا۔ تاہم اس قابلیت اور اثر کے لوگوں نے مل کر حملہ کیا تو گریف ٹن ڈر گیا۔ ۱۵ر جنوری ۱۷۷۰ء کا دن دارالامرا میں ملک کی حالت پر بحث کرنے کی غرض سے مقرر کیا گیا تھا اسی تاریخ گریف ٹن مستعفی ہو گیا۔ اُس وقت اگر اہل اختلاف آپس میں مل جاتے تو بادشاہ سے اپنی من مانی شرطیں طے کرا لیتے لیکن روکنگ ہم اور چےٹم میں کوئی حقیقی یک جہتی نہ تھی لہذا جارج نے ان اختلافات سے فائدہ اٹھا کر یہ چالاکی کی کہ

لارڈ نارتھ کی وزارت — لارڈ نارتھ کے ماتحت ایک نئی وزارت مرتب کرا دی۔

نیا وزیر اعظم اپنے عہد کے پارلیمنٹی مشاہیر میں خاص امتیاز رکھتا تھا۔ بھدّا اور کوتاہ بیں ہونے کے باوجود وہ بحث کرنے میں بہت مشاق اور کاروبار کا اچھا سلیقہ رکھتا تھا۔ مزاج خدا نے ایسا ٹھنڈا اور نیک دیا تھا کہ نکتہ چینوں کی سخت سے سخت بدگوئی کو برداشت کر لیتا اور ذرا بھی مشتعل نہ ہوتا تھا۔ اسی کے ساتھ ظرافت و زندہ دلی کا یہ حال تھا کہ اکثر دشمنوں کی پھبتیاں انھی پر الٹ دیتا تھا۔ خانگی زندگی ایسی اچھی تھی کہ ہر شخص ستایش کرتا تھا۔ بایں ہمہ، اُس کی بڑی کمزوری یہ تھی کہ سہل مزاجی کی وجہ سے ایسی کارروائیاں بھی جنھیں پسند نہ کرتا تھا، کر بیٹھتا اور اختلاف کی زحمت میں اپنے کو ڈالنے سے بچتا تھا۔ مگر

باب سوم

یہی وہ صفت تھی جس کی بدولت بادشاہ نے اسے پسند کیا۔ کیونکہ ٹھیک وہ ایسے اطاعت پذیر آدمی کی تلاش میں تھا جو بادشاہ کی حکمت عملی کو اپنی حکمت عملی بنالے اور پارلیمنٹ میں اس کی حمایت و وکالت کی بھی کافی قابلیت رکھتا ہو۔ یہ دونوں وصف لارڈ نارتھ میں موجود تھے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جارج کو اپنی حکمت عملی میں امید سے بھی زیادہ کامیابی ہوئی اور گروہ اختلاف کا چند ہی روز میں تار و پود بکھر گیا۔ روکنگھم کی نکتہ چینی سست ہوگئی۔ ولکس کے اطوار نے اُسے نظروں سے گرادیا۔ گرین وائل ۱۷۷۰ء میں اور بیڈفرڈ ۱۷۷۱ء میں فوت ہو گئے۔ اسی سال شیل برن، بیرسے باہر چلے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نارتھ پارلیمنٹ میں سب پر چھا گیا اور چونکہ ملک میں بھی لوگ اس کی امریکی حکمت عملی کو دل سے پسند کرتے تھے لہذا مخالفین کو اپنی تائید کی بہت کم امید رہ گئی۔

نارتھ کے ابتدائی عہد وزارت میں چند واقعات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک تو یہ کہ "جونیس" کا پتا نہ چلا تو خط چھاپنے والے (وُڈفال) پر ہتک عزت کا مقدمہ چلایا گیا۔ مگر جوری نے اُسے ہتک عزت کی بجائے صرف چھاپنے کا مجرم قرار دیا۔ اس پر حاکم عدالت (لارڈ مینس فیلڈ) نے اعتراض کیا کہ جوری کو واقعات کے متعلق رائے دینی چاہیے نہ کہ قانون پر۔ اور اس پر ایک قانونی مباحثہ چھڑ گیا جو ۱۷۹۲ء میں فاکس کے قانون ازالہ حیثیت عرفی کا مسودہ پیش کرنے تک جاری رہا۔ اس جدید قانون کی سب گروہوں نے تائید کی اور اُس میں جوری کے ایک عام فیصلہ صادر کرنے کا حق تسلیم کیا گیا۔

پارلیمنٹ کی کوائف نگاری

۱۷۷۱ء میں پارلیمنٹ کی اخبار نویسی کا مسئلہ، جس نے بہت پریشان کر رکھا تھا، طے ہوا۔ ۱۷۲۸ء اور ۱۷۳۸ء میں دارالعوام نے فیصلہ کیا تھا کہ پارلیمنٹ کے مباحث وغیرہ کی اشاعت، اس کے حقوق امتیازی کے خلاف ہے۔ اور عام لوگوں کو بہت ادنیٰ قسم کی خبروں پر قناعت کرنی پڑتی تھی۔ بعض تو کسی وو بوتوں کی پارلیمنٹ" کے نام سے چھپتی تھیں بعض میں تقریر کرنے والوں کے نام

چھوڑ دیے جاتے تھے اور ان میں سے کوئی بھی صحت کا دعویٰ نہ رکھتی تھی خبر نویس اپنے دوستوں سے تقریر کرنے والوں کی ترتیب اور استدلال کے خاص خاص عنوان دریافت کر لیتے اور باقی مطالب ناظرین کے تخیّل پر چھوڑ دیتے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر جونسن نے پٹ کی ایک شہرۂ آفاق تقریر کے متعلق دعویٰ کیا تھا کہ اُسے خود اُس نے گرب اسٹریٹ کی ایک چھت پر بیٹھ کر لکھا ہے۔ اور اقرار کیا کہ وہ عموماً دلائل کو جان کر اس طرح مرتب کرتا ہے کہ وہگ کُتے ذلت اٹھائیں"۔ مگر ۱۷۷۱ء میں خبر نویسوں نے یہ سب احتیاطیں بالائے طاق رکھ دیں۔ سال آیندہ دار العوام کے ارکان کو اپنے حقوق امتیازی کی پھر فکر پڑی اور ایک شخص ہلر نامی کو اپنی تقریریں چھاپنے کی خطا پر گرفتار کر لیا۔ مگر لندن کی ایک صنعتی انجمن کا رکن تھا۔ اُس نے امیر بلد سے حفاظت کی درخواست کی۔ امیر بلد نے پارلیمنٹ کے قاصد کو پکڑوا بلایا اور (آلڈرمن ولکس کی موجودگی میں) مچلکہ طلب کیا۔ یہ سن کر مبعوثین کو سخت غصہ آیا اور انھوں نے خود امیر بلد کو جو پارلیمنٹ کا رکن بھی تھا، قلعۂ لندن میں بند کرا دیا۔ لیکن اس فعل سے لوگ بہت ناخوش ہوئے اور اہل شہر کے تیور ایسے بُرے نظر آئے کہ یہ کارروائی التوا میں ڈال دی گئی۔ بہرحال، خلاف قانون ہونے کے باوجود پارلیمنٹ کی خبریں عام طور پر لکھی جانے لگیں۔ اخبار عوام نے اس آزادی کا پورا فائدہ اٹھایا اور چند ہی روز میں واقف کار و فہمیدہ اخبار میں اہل الرائے کا گروہ بن گیا جو ملکی معاملات میں سمجھ بوجھ کر رائے دیتے تھے اور نظم و نسق پر بھی اس کا اثر ظاہر ہونے لگا۔ مبعوثین کی روک تھام کا یہ خود ایک عمدہ ذریعہ تھا کہ ۱۷۷۰ء میں ایک اور تبدیلی کی گئی جس سے انتخابات کی خرابیوں کا کچھ نہ کچھ سدباب ہوا۔ واضح رہے کہ سنہ مذکور تک انتخابات کے متعلق سب عرضیاں خود دار العوام میں پیش ہوتیں اور پورا ایوان تحقیقاتی جماعت بن کر اُن کا فیصلہ کرتا تھا اس موقع پر ارکان اصل معاملے پر غور کیے بغیر محض فرقہ داری رائے دیا کرتے تھے۔ بارے ۱۷۷۰ء میں جارج گرین ویل نے کہہ سن کر دار العوام کو رضامند کیا کہ ان مقدمات کے لیے ایک ذیلی مجلس مقرر کی جایا کرے اور اُس کے

باب سوم

ارکان عدل و انصاف سے کام کرنے کا حلف اٹھائیں۔ یہ بہت بہتر صورت تھی تاہم ذیلی مجلس بھی فریقانہ اثرات سے آزاد نہ ہوتی تھی چنانچہ ۱۸۶۸ء میں فیصلہ ہوا کہ انتخابات کے مقدمے بھی معمولی عدالتیں ہی سماعت کیا کریں گی۔

۱۷۷۰ء میں برک نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام تھا "موجودہ بےچینی کے اسباب" اور اس کا مقصد اہل وطن کو یہ سمجھانا تھا کہ بادشاہ اپنے "احباب" کی وساطت سے جس طرح پارلیمنٹ اور وزیروں کو اپنے قابو میں رکھتا ہے، حقیقت میں وہ طریقہ ملک کے آئینی نظام کے حق میں نہایت نقصان رساں ہے۔ یہاں مصنف کی نسبت اتنا لکھ دینا مناسب ہوگا کہ وہ آئرستان کا باشندہ اور ۱۷۲۹ء کی پیدائش تھا۔ سیاسیات سے اُس کا سب سے پہلا تعلق (سالانہ رجسٹر) کی وجہ سے ہوا جو اول ۱۷۵۹ء میں چھپا اور اس کے سیاسی حصے کو برک نے تحریر کیا۔ پھر وہ روکنگھم کا نجی معتمد مقرر ہوا اور ۱۷۶۵ء میں پارلیمنٹ میں داخل ہوکر بہت جلد روکنگھم کے متبعین کا ترجمان بن گیا۔ برک کے مزاج کی اُفتاد فی الحقیقت قدامت پسندی کی طرف مائل تھی۔ اہل انگلستان کا یہ دیرینہ تخیل اُس کے دل میں جما ہوا تھا کہ نظام سلطنت بجائے خود بالکل درست اور کامل ہے اور ضرورت صرف بیرونی خرابیاں دور کر دینے کی ہے۔ سیاسی مسائل پر اصولی بحث و موشگافی سے بھی اسے برطانیہ والوں کی خصوصیت کے مطابق بہت بدگمانی تھی جس زمانے کا یہ ذکر ہے اُن دنوں جارج کے طرز عمل کو وہ آئین سلطنت کے واسطے خطرناک سمجھتا تھا اور اسی لیے مقاومت پر آمادہ ہوا۔ پارلیمنٹ میں اُسے کچھ بہت زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔ آئرستانی لب و لہجہ قبول عام کے منافی رہا اور نارتھ کے لطائف اور فاکس کی طراری اور آتش زبانی کے مقابلے میں اس کے باقاعدہ کلمات اور پُرپیچ استعارات کی چنداں قدر نہ ہوتی تھی بلکہ اُن سے لوگ اکتا جاتے تھے۔ البتہ تحریر میں اُسے زیادہ قدرت حاصل تھی اور وہ خطبات جن سے دارالعوام کے لوگ بھاگ بھاگ جاتے اور ایوان خالی رہ جاتا، اب لوگ انھیں سیاسی حکمت و دانش کا خزانہ سمجھ کر مطالعہ کرتے ہیں۔ انھی سے یہ غلط فہمی بھی پیدا ہوتی ہے کہ برک اور اُس کے گروہ کو اپنے زمانے میں

باب سوم

کچھ بہت وقعت حاصل تھی حالانکہ حقیقت میں ایسا نہ تھا۔

۱۷۷۲ء میں جارج نے لارڈ نارتھ کو قانون تزویج شاہانہ وضع کرنے پر مجبور کیا۔ سبب یہ تھا کہ بادشاہ کے بھائیوں (امیر کبیر کمبرلینڈ اور امیر کبیر گلوسٹر) نے جو شادیاں کیں وہ پسندیدہ نہ تھیں اور جارج چاہتا تھا کہ آیندہ فرماں روائے وقت کو ایسی شادیاں منسوخ کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے۔ نئے قانون کی رو سے جارج ثانی کی اولاد میں، سوائے ان شہزادیوں کے جو بیرونی رئیسوں یا بادشاہوں سے بیاہی ہوئی ہیں، کسی اور کو یہ مجاز نہ تھا کہ پچیس سال کی عمر کے اندر بغیر بادشاہ کی اجازت کے شادی کر سکے۔ اور پچیس سال کے بعد بھی لازم تھا کہ شادی کرنے والا اپنے ارادے کی ایک سال پہلے مجلس شاہی کو اطلاع دے اور اس رشتے کے خلاف پارلیمنٹ میں کوئی عرضی پیش نہ ہو، تب وہ شادی کر سکتا تھا مگر جارج کے مدعا کے خلاف اس قانون کے بہت برے نتائج مرتب ہوئے۔ قریب قریب اس کے سب بیٹوں نے ان ضوابط کے خلاف شادیاں کیں اور بعد میں اسی قانون کی بنا پر انھیں منسوخ کرا دیا جو انصاف و اخلاق کے سراسر خلاف تھا۔

چارلس جیمز فاکس

فاکس (لارڈ ہولینڈ) کے منجھلے بیٹے چارلس جیمز فاکس نے اس قانون کی سخت مخالفت کی۔ یہ نوجوان اب پارلیمنٹ کے میدان میں نمایاں حصہ لینے لگا تھا۔ وہ ۱۷۴۹ء میں پیدا ہوا۔ ایٹن اور آکسفرڈ میں تعلیم پائی۔ ہر قسم کی عیاشی میں مبتلا ہونے کی والدین کی طرف سے اجازت بلکہ باپ کی طرف سے ترغیب ملتی تھی۔ تاہم بقول خود وہ "بہت محنت پسند آدمی" تھا اور کسی نہ کسی طرح یونانی، لاطینی، فرانسیسی اور اطالی زبانیں خوب سیکھ گیا اور ہر قسم کی ورزش یا کھیل جس میں شرکت کی اس کا بڑا ماہر ہو گیا۔ پارلیمنٹ میں، اس نے چند ہی روز میں دکھا دیا کہ اعلیٰ درجے کا مناظر ہے۔ اس کا جسم ذرا موٹا اور قد پستہ تھا، کالے بال اور سانولے رنگ سے چہرا غضب نظر آتا تھا، مگر ان بد نمائیوں کے باوجود اسے وہ رسوخ حاصل ہو گیا کہ بہت سے وجاہت ظاہری رکھنے والے اس مرتبے کی آرزو ہی کرتے رہے ہوں گے۔ مزید برآں، ہر چند باپ کی صحبت میں تنگ چشمانہ خود غرضی اور عہدہ پرستی کی تعلیم

باب سوم

اُسے ملی تھی تاہم اُس کی عقل سلیم اور شریفانہ فطرت اُس کی نگاہ میں وسعت پیدا کیے بغیر نہ رہی۔ زیر نظر زمانے تک وہ لارڈ نارتھ ہی کا پیرو شمار ہوتا تھا۔ جن دنوں وطن میں یہ ہو رہا تھا، اُس وقت امریکہ کے معاملات برابر حکومت کی توجہ اپنی طرف کھینچتے رہے۔ ٹاون زنڈ کے محاصل پر مخالفت کا طوفان برپا ہو گیا تھا۔ آبادکاروں نے قریب قریب کامل اتفاق کے ساتھ انگلستان کا مال لینا ترک کر دیا۔ میساچیوسٹ کے لوگ ایک پُرشورش تحریک میں سرغنہ بن گئے جس کا منشا یہ تھا کہ برطانیہ کو محصول لینے یا قانون بنانے کا اختیار ہی باقی نہ رہے۔ گریفٹن کی وزارت میں اس شورش کا جواب یہ دیا کہ فوج کی تعداد و قوت بڑھا دی۔ ۱۷۶۸ء میں دو ہزار جوان بوسٹن بھیجے گئے اور اس نوآبادی میں کل برطانوی سپاہ دس ہزار ہو گئی۔ بیڈفرڈ کے متبع وزیروں کی رائے یہ تھی کہ اہل شورش کو پکڑ کر انگلستان لایا جائے اور ہینری ہشتم کے عہد کے ایک قانون کے تحت میں اُن پر بغاوت کا مقدمہ قائم کیا جائے۔ یہ قانون ایسے باغیوں کے واسطے تھا جو "ممالک محروسۂ شاہی" کے باہر بغاوت کا ارتکاب کریں اور ظاہر ہے کہ اسے امریکہ والوں پر چسپاں کرنا سراسر بے محل تھا۔ برطانی سپاہیوں کے آنے سے بوسٹن والے اور بھی خفا ہوئے اور اُنھیں طرح طرح سے ستانے اور ذلیل کرنے لگے۔ پھر جب ۲ مارچ ۱۷۷۰ء کے دن سات سپاہیوں کی ٹکڑی نے ایک مجمع کے تیور بگڑے ہوئے دیکھ کر حفاظت خود اختیاری میں گولیاں چلائیں اور پانچ آدمی مارے گئے تو اس واقعے کو بڑھاتے بڑھاتے "قتل عام" مشہور کیا گیا اور اسی حیلے سے مطالبہ پیش ہوا کہ تمام برطانی سپاہ ہٹا لی جائے۔

امریکی مستعمرات

نارتھ کی مصالحانہ روش

نارتھ برسر اقتدار ہوا تو اُس نے مصالحانہ طرز عمل اختیار کیا کہ شاید اسی ذریعے سے کامیابی ہو جائے۔ چنانچہ چائے کے نہایت قلیل (یعنی تین پینی فی پاونڈ) محصول کے سوا باقی سب محصول منسوخ کر دیے۔ اور چائے کا محصول بھی محض بادشاہ کے کہنے سے باقی رکھا تاکہ ایک نظیر رہے کہ برطانیہ کو اصولاً محصول لگانے کا حق ہے۔

باب یوم

مگر ساتھ ہی اندیشے رفع کرنے کی غرض سے ایک مراسلہ جاری کیا جس میں حتمی عہد تھا کہ حکومت برطانیہ آئندہ امریکا سے کچھ وصول نہ کرے گی۔ اس کے معنی یہ تھے کہ ٹاؤن زنڈ اور گرین ویل کی تجویز کہ امریکا کے فوجی اور دیوانی مصارف کے لیے وہاں سے برطانیہ براہ راست روپیہ وصول کرے، ترک کر دی گئی۔ اسی کے ساتھ بوسٹن سے برطانی سپاہی واپس بلا لیے گئے۔ حکومت کی یہ نئی حکمت عملی خاصی طرح کامیاب رہی اور کچھ زمانے تک اہل انگلستان سمجھتے رہے کہ ممکن ہے امریکا والوں کی شورش بالکل فرو ہو جائے لیکن دو واقعے ایسے پیش آئے جن سے یہ امکان غارت ہو گیا۔

ہچنسن کے خطوط

ہچنسن، میساچسیٹ کا صوبہ دار تھا اور امریکی نژاد ہونے کے باوجود آبادکاروں کی شورش کے سراسر خلاف تھا اس نے انگلستان کے نائب معتمد اور اپنے دوست وھیٹ لی کو خانگی طور پر مسلسل کئی خط تحریر کیے جن میں بڑے شد و مد سے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور سوال اُٹھایا کہ تین ہزار میل دور کی کسی نو آبادی کا وہی آزادیاں پانا جو وطن آبائی کو حاصل ہیں، کس حد تک جائز ہوگا۔ وھیٹ لی کی وفات کے بعد یہ خط میساچسیٹ کے وکیل (متعینۂ لندن) بنجمن فرنکلن کے ہاتھ پڑ گئے اور اُس نے انھیں امریکا بھجوا دیا حالانکہ یہ ایسی راز شکنی تھی جس کے جواز کی کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی۔ امریکا میں ان خطوں کے چھپنے سے سخت غیظ و غضب برپا ہوا اور بادشاہ کی خدمت میں ایک محضر لکھا گیا کہ ہچنسن کو صوبہ داری سے الگ کر دیا جائے۔ اس محضر کی سماعت مجلس خاص میں ہوئی جہاں فرنکلن موجود تھا۔ دوران بحث میں سرکاری مشیر قانونی وے ڈربرن نے بحیثیت نمایندے کے الزام لگایا کہ فرنکلن چور ہے۔ امریکا والوں کی درخواست "بے بنیاد، تکلیف دہ اور فضیحت آمیز" قرار دے کے رد کر دی گئی۔ فرنکلن، وے ڈربرن کے حملے پر بہت جلا اور اُس دن جو بادامی کوٹ پہنے ہوئے تھا، اُسے اُتار دیا اور پھر اُس وقت پہنا جب کہ نو آبادیوں کی خود مختاری کے عہد نامے پر دستخط لیے گئے۔

ادھر بعض ایسے اسباب سے جن کا نشاہر گو دق کرنا نہ تھا تازہ فساد

پیدا ہو گئے۔ ۱۷۷۳ء میں لارڈ نارتھ کی وزارت نے ایک قانون نافذ کیا جس کے ذریعے ایسٹ انڈیا کمپنی کے اختیارات محدود کرنا منظور تھا۔ اس کے عوض میں کمپنی کو اجازت دی گئی کہ انگلستان چائے لائے اور وہاں محصول ادا کیے بغیر امریکا دساور بھیج دے۔ اس طرح انھیں بھی نفع تھا اور امریکا والوں کو بھی ارزاں چائے مل سکتی تھی۔ لیکن امید کے بالکل خلاف، امریکا والوں نے اُسے محض فریب سمجھا اور خیال کیا کہ چائے کا محصول خود اُن سے ادا کرانا مقصود ہے۔ چنانچہ بوسٹن کی بندرگاہ میں جہاز کھڑے ہوئے تھے کہ بہت سے نوجوان امریکا کے دیسی باشندوں کا بہروپ بھر کر جہازوں میں آ چڑھے اور ساری چائے اُٹھا کر پانی میں پھینک دی۔

قوانین میساچسیٹ

اس مفسدانہ حرکت کو انگریزی حکومت نے سخت سزا کے لائق سمجھا اور تین جبری قوانین پارلیمنٹ میں پیش کیے۔ پہلے میں بوسٹن سے محصول خانہ نیوسیلم میں منتقل کرنے کی تجویز تھی تاکہ بوسٹن کی بندرگاہ تباہ و خراب ہو جائے۔ دوسرے میں میساچسیٹ کا دستوری آئین معطل کر کے اس صوبے کو براہ راست بادشاہ کے زیر حکومت لے لیا تھا۔ تیسرے میں تجویز تھی کہ امریکا میں بغاوت کے ملزموں کا مقدمہ انگلستان میں سماعت کیا جائے۔ ان مسودات کی شیل برن اور روکنگھم نے دارالامرا میں اور باری و برک نے دارالعوام میں مخالفت کی۔ نوجوان فاکس کا باپ ۱۷۷۴ء میں فوت ہوا اور اُسے اپنی رائے کے موافق کام کرنے کی آزادی حاصل ہو گئی اور وہ بھی اہل اختلاف کا مؤید ہو گیا۔ بلکہ آیندہ سے روکنگھم کی جماعت کے ساتھ کام کرنے لگا۔ بہر حال، ان قوانین کا نفاذ امریکی نوآبادیوں سے جنگ ٹھن جانے کے مترادف تھا کیونکہ وہاں کے جوش و خروش سے جو لوگ واقف تھے، وہ پورا یقین رکھتے تھے کہ آبادکار مذکورہ قوانین کو تسلیم کرنے کی بجائے لڑائی لڑنے کو ترجیح دیں گے۔

افسوس یہ ہے کہ انگلستان میں نوآبادیوں کے متعلق سخت بےخبری پھیلی ہوئی تھی۔ اس وقت بھی جبکہ برق و دخان کی اتنی آسانیاں حاصل ہیں نوآبادیوں کی ضروریات

باب سوم

اور اصلی حالات کا صحیح علم شاذ و نادر ہی ہوتا ہے لیکن اُس زمانے میں تو اور بھی تاریکی تھی کم و بیش ۶ ہفتے میں جہاز امریکا پہنچتا تھا کئی سال سے لوگوں کا وہاں ہجرت کر کے جانا بھی کم ہو گیا تھا سیر و سیاحت کے لیے امریکا جانا آجکل عام ہو گیا ہے مگر اُس وقت کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ اور خود امریکا والوں میں سے بجز تاجروں کے بہت ہی کم لوگ یورپ آئے گئے تھے۔ ارباب بست و کشاد تک جن کے ہاتھ میں نو آبادیوں کی حکومت تھی، وہاں کے احوال سے بہت کم واقفیت رکھتے تھے البتہ برک اور شیل برن کو ہم مستثنیٰ کر سکتے ہیں کہ ایک تو میساچسیٹ کی ضروریات سے اتنا آگاہ تھا کہ کچھ مدت تک وہاں کا وکیل رہا اور دوسرا (= شیل برن) فرنکلن کا بڑا دوست تھا۔ ان سب باتوں کے علاوہ عام اہل انگلستان امریکا والوں کی حرکتوں کو سخت گستاخانہ سمجھ کر اس درجہ برہم ہو گئے تھے کہ نو آبادیوں کے خیالات کی ترجمانی کرنا دشوار ہو گیا تھا کیونکہ جو ایسا کرتا اُس پر ضرور وطنی جذبات سے عاری ہونے کا فتویٰ لگا دیا جاتا۔ بحالیکہ اُن لوگوں کی ہر طرف تعریف ہوتی جو سخت لب و لہجے میں امریکا والوں کے طرز عمل پر نفرین کرتے تھے۔ ان حالات میں صرف بادشاہ بلکہ اُس کے وزرا کو بھی امریکا سے تحصیل زر کی کوشش کا ملزم قرار دینا محض لغو ہے حقیقت میں امریکا کے ہاتھ سے نکل جانے کی قصوروار پوری قوم ہے جو حکومت کی زوردار کارروائیوں پر تحسین و آفریں اور مصالحانہ روش کی عیب جوئی کرتی تھی۔ خلاصہ یہ کہ تعصب، ناواقفیت اور جھوٹی حب الوطن ان تمام غلطیوں کی بنیاد تھی۔

لڑائی کا آغاز

لڑائی کا امکان دیکھ کر صوبہ دار ہچنسن کی جگہ سپہ سالار گیج کو بوسٹن میں مقرر کر دیا گیا تھا۔ یہ آدمی تو خوش نیت و دلیر تھا لیکن ایسے نازک وقت میں جتنی مستعدی کی ضرورت تھی وہ اس میں نہ تھی میساچسیٹ کے دستوری آئین کے معطل ہونے کی اطلاع آتے ہی گیج نے مجلس وضع قوانین کو توڑ دیا لیکن ارکان مجلس حکومت کے علی الرغم چند میل اندر کون کورڈ کے مقام میں مجتمع ہوئے اور وہاں انھوں نے ایک ملکی فوج مرتب کر لی (جس میں یہ انتظام بھی رکھا تھا کہ اطلاع پاتے ہی جنگ کے لیے فوراً سپاہی حاضر ہو جائیں) اور جنگ کا ساز و سامان جمع کرنا شروع کیا۔

باب سوم

یہ دیکھ کر گیج خاموش نہ بیٹھ سکتا تھا۔ اُس نے ایک دستہ روانہ کیا کہ ان حربی ذخیروں کو چھین لیا جائے۔ ان پر راستے کے لیک سنگ ٹن گاؤں میں ملکی فوج کی ایک جماعت حملہ آور ہوئی اور گو سرکاری لشکر کونکورڈ پہنچ گیا اور جنگی ذخیرے بھی چھین لیے یا جلا دیے گئے، تاہم واپسی میں اسے تمام راستے لڑنا پڑا اور پورے دو سو ستر سپاہی ضایع ہوئے۔ اس طرح امریکا والوں کو لیک سنگ ٹن کی معمولی جھڑپ سے بھی یہ سبق مل گیا کہ گو وہ باقاعدہ فوج کا میدان میں جم کر مقابلہ نہ کر سکیں، پھر بھی چھپ کے لڑنے یا بیقاعدہ لڑائیوں میں انھی کی جیت رہے گی۔ دوسرے اسی آویزش نے صلح صفائی سے بات طے ہو جانا اور بھی دشوار کر دیا۔ اور ہر چند دونوں ملکوں میں بہت سے نیک مزاج اشخاص چاہتے تھے کہ صلح کی کوئی صورت نکل آئے لیکن حقیقت میں اب مستعمرات اور وطن مادری میں قوت آزمائی ناگزیر ہو گئی تھی۔

بنک کی پہاڑی

گیج فوراً سر کوبی کرنے کی بجائے بوسٹن میں خاموش رہا تو خود ملکی فوج نے مسابقت کی اور بوسٹن کی بندرگاہ کے سامنے ایک پہاڑی تک بڑھ آئے جسے بریڈ کی پہاڑی کہتے تھے۔ شہر بوسٹن اس کے نیچے سامنے نظر آتا تھا۔ اور عقب میں ایک اور اونچی پہاڑی بنک کی پہاڑی کہلاتی تھی۔ بلکہ انگریز دونوں پہاڑیوں کو اسی نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ دیدہ دلیری دیکھ کر گیج نے ہاتھ پاؤں ہلائے اور پہاڑی پر یورش کر کے اُسے چھین لیا مگر یہ سارا کام اس بھونڈے پن سے کیا کہ تقریباً ایک تہائی انگریزی فوج تلف ہو گئی حالانکہ معمولی نقل و حرکت دکھا کر بغیر نقصان اُٹھائے پہاڑی خالی کرا لینا ممکن تھا۔ اسی کے بعد گیج واپس بلا لیا گیا اور سپہ سالار ہاؤ نے اس کی جگہ لی۔

اب تک اس کشاکش کا سارا بوجھ میساچیسٹ والوں نے اٹھایا تھا۔ مگر ۱۷۷۵ء کے موسم بہار میں، فلیڈلفیا کے مقام پر ایک موتمر منعقد ہوئی جس میں سب سے نئی (یعنی ۱۷۳۲ء کی) نوآبادی جارجیا کے سوا، تمام نوآبادیوں کے مندوب شریک تھے اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ آیندہ مستعمرات متحدہ کے

باب سوم

اتحاد مستعمرات

نام سے سب آبادیاں مل کر کام کریں گی - یہ فیصلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ امریکی نو آبادیاں اپنی تاریخ اور نوعیت کے اعتبار سے اتنی مختلف تھیں کہ انگلستان سے لڑنے میں اگر ہر نو آبادی جداگانہ راستہ اختیار کرتی تو کچھ تعجب کی بات نہ تھی - کناڈا کا فریقین میں سے کسی ایک کے ساتھ ہو جانا بھی بہت اہم تھا - یہ علاقہ تھوڑے ہی دن پہلے فرانس سے لے لیا گیا تھا اور اس لیے بہت ممکن تھا کہ وہاں کے لوگ انگلستان سے بددل ہوتے - مگر لارڈ ڈنارتھ نے عقلمندی سے **قانون کوئی بک** منظور کرالیا تھا جس کی رو سے اہل کناڈا کو اپنے قوانین اور کیتھولک مذہب کی پیروی کی کامل آزادی مل گئی اور چونکہ انھیں سب سے زیادہ خوف یہی تھا کہ کہیں نیو انگلینڈ کے پیوری ٹن فرقے کا اُن پر تسلط نہ قائم ہو جائے لہٰذا قانون مذکور سے وہ بہت خوش ہو گئے اگرچہ پیوری ٹن فرقہ اس قانون کو پاپا پرستی وغیرہ ناموں سے یاد کرتا اور صلواتیں سناتا رہا، بہرحال مستعمرات کی جنگ میں کناڈا تاج برطانیہ کا وفادار رہا -

جارج واشنگٹن

مل کر کام کرنے کا تہیہ کرتے ہی، موتمر کی طرف سے جارج واشنگٹن سپہ سالار اعظم مقرر ہوا - یہ شخص ورجینیا کا زمیندار اور نہایت شریف آدمی تھا جس کی سادگی، جرأت، اور کھلی ہوئی بے لوث دیانت عمل سے پوری تحریک میں وقار پیدا ہو گیا اور جمہوری سردار و سپاہی ہر شخص جس سے اُسے سابقہ پڑا وہ اُس کا ادب کرنے لگا - اس کے عہدہ قبول کر لینے کے معنی یہ تھے کہ جنوبی نو آبادیاں لڑائی میں پورا حصہ لیں گی اور جب لڑائی شروع ہوئی تو فی الواقع وہاں سے فوجی اور ملکی عہدہ داروں کی بہت معقول تعداد مہیا ہو گئی - خود واشنگٹن ۱۷۷۵ء میں تینتالیس برس کا تھا اور جنگ ہفت سالہ میں بریڈک کے ماتحت لڑ چکا تھا لہٰذا اُسے شہری سپاہیوں کے اوصاف و اسقام سے بخوبی واقفیت تھی جو اب اس کے زیر علم جنگ کرنے والے تھے - غرض واشنگٹن سے بہتر آدمی کا انتخاب نہ ہو سکتا تھا - اسی فیصلے کے ساتھ موتمر نے آرنلڈ اور رمونٹ منگمری کے تحت میں کناڈا پر فوجی مہم بھی تیار کی تھی مگر اس میں سراسر ناکامی نصیب ہوئی -

باب سوم

اور مونٹ منگمری، کوئی بیک کے سامنے مارا گیا۔ واشنگٹن، سپہ سالار بنا تو اُسے پوری ذہانت اور قابلیت خرچ کرنی پڑی کہ کسی طرح اپنی فوج میں جس میں بھانت بھانت کے آدمی بھرے ہوئے تھے، کوئی ضبط و ترتیب پیدا کرے۔ لیکن حریف سپہ سالار (ہاؤ) کی سہل انگاری کی بدولت اس کی فرصت مل گئی کیونکہ ہاؤ جاڑوں بھر بوسٹن میں مقیم رہا۔ جب فوج کوچ کے قابل ہو گئی تو خود واشنگٹن آگے بڑھا اور ڈور چیسٹر کی بلندیوں پر قابض ہو گیا جہاں سے خاص بوسٹن پر زد پڑتی تھی۔ کسی نامعلوم سبب سے ہاؤ نے اُسے لڑ کر ہٹانے کی کوشش نہیں کی بلکہ خود اپنے لشکر کو ہٹا کر لونگ آئی لینڈ میں لے آیا جو دریائے ہڈسن کے دہانے میں واقع اور راب بُرک لِن کے نام سے نیویارک کے بہت آباد مضافات میں ہے۔ یہاں پہنچ کر اُس نے تیس ہزار سپاہی فراہم کیے جو مختلف قوموں کے تھے کیونکہ معلوم ہوتا تھا کہ حکومت برطانیہ مستعمرات والوں کو گویا اور بھی جلانے کے لیے ہیس کے اجیر سپاہیوں کو لڑانے لائی تھی اور دیسی وحشیوں تک کو اُبھار رہی تھی کہ نوآبادیوں پر پہلے کی طرح چھاپے ماریں۔

اعلان خود مختاری بوسٹن کے تخلیے سے موتمر والوں کی اتنی ہمت بڑھی کہ انھوں نے دلیری سے نوآبادیوں کی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور اُنھیں "امریکا کی آزاد اور خود مختار ریاستوں" کے نام سے یاد کرنے لگے۔ ادھر ۱۷۷۶ء میں بھی واشنگٹن ہی نے پہل کی اور بڑھ کر لونگ آئی لینڈ سے انگریزوں کو نکال دینے کی کوشش کی۔ مگر بُرک لِن کی میدانی جنگ میں باقاعدہ فوج نے اہل مستعمرات کو شکست فاش دی اور واشنگٹن بڑی دقت سے اُنھیں ہٹا کر پہلے نیویارک اور پھر فلے ڈل فیا لا سکا۔ دوسرے سال انگریزوں نے وسیع پیمانے پر حملے کا منصوبہ بنایا کہ ہاؤ نے تو فلے ڈل فیا پر حملے جاری رکھے اور جنرل برگوئن کناڈا سے جھیل شامپ لین اور پھر ہڈسن کے کنارے کنارے بڑھ کر جنرل کلنٹن سے آملا جو نیویارک کی طرف سے پیش قدمی کرنے والا تھا۔ اگر ان منصوبوں میں کامیابی ہو جاتی تو واشنگٹن کو جنوب میں پسپا ہونا پڑتا اور نیو انگلینڈ کی ریاستیں دوسری نوآبادیوں سے بالکل الگ ہو جاتیں لیکن یہ نقشے بناتے وقت


نیو انگلینڈ کی ریاستیں
۱۷۷۵ تا ۱۷۸۳ اور ۱۸۱۲ تا ۱۸۱۴
کی جنگیں
انگریزی میل
۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰
نیاگرا
جھیل ایری
سراٹوگا
بوسٹن
واشنگٹن
دریائے اوہایو

فاصلے کی دشواریوں اور سفر کی مشکلات کا پورا لحاظ نہیں رکھا گیا تھا۔ کہتے ہیں اس قصور کا اصلی ذمہ دار جارج جرمین تھا جس کا پہلا لقب لارڈ جارج سیک وِل زیادہ مشہور و بدنام ہے۔ لارڈ نارتھ نے کمال بے عقلی سے اس شخص کو معتمد یا وزیر مستعمرات مقرر کر دیا تھا۔ بہر حال، ہاؤ نے تو اپنا مفوضہ کام انجام دے دیا۔ لیکن برگوئن سراٹوگا پہنچا تو اپنے پانچ ہزار سپاہیوں کے مقابلے میں حریف (گیٹس) کے پندرہ ہزار سپاہی سامنے آئے اور برگوئن کو مجبوراً ہتھیار ڈال دینے پڑے۔

ممالک غیر کی شرکت

برگوئن کے ہتھیار ڈال دینے سے جنگی نقصان ہی کچھ کم خوفناک نہ ہوا تھا کہ سیاسی اثرات نے اور بھی لڑائی کا پانسا پلٹ دیا۔ اب تک فرانس، ہمدردی رکھنے کے باوجود اہل مستعمرات کی سعی و کوشش کو بالکل بے سود سمجھتا تھا اور اسی لیے علانیہ مدد دینے میں تامل کرتا رہا لیکن اب یہ سمجھ کر کہ وہی کامیاب ہوں گے، اُس نے ان کی خود مختاری تسلیم کر لی۔ واشنگٹن کی مدد کے لیے فوج دے کے ایک پُرجوش امیر زادے امیر الامرا لافایت کو روانہ کیا اور ادھر ایک بیڑا امیر البحر دستینگ کے تحت روانہ کیا کہ برطانیہ کے شکر کے جزیروں پر حملہ اور امریکا کا راستہ مسدود کر دے۔ ۱۷۷۹ء میں ہسپانیہ بھی امریکی مستعمرات سے مل گئی۔ ان دونوں ملکوں کو انگریزوں سے بہت سے بدلے نکالنے تھے۔ فرانس کے دل سے کناڈا کے چھن جانے کا زخم ابھی تک بھرا نہ تھا اور ہسپانیہ جبل الطارق اور منورکا کے جانے پر کف افسوس مل رہا تھا۔ طرفہ تر یہ کہ برطانیہ کے قدیم حلیف ہولندیز بھی ۱۷۸۱ء میں اُن کے حریفوں سے جا ملے جس کا سبب بالکل مختلف تھا۔ یہ "قانون غیر جانبداران" کا مسئلہ تھا کہ ہولندیز کہتے تھے کہ اگر فرانس و برطانیہ کی جنگ میں ولندیزی جہاز فرانس کا مال لاد کر لے جائیں تو انھیں انگریز گرفتار نہیں کر سکتے اور ادھر انگریزوں کا قول تھا کہ "غیر جانبدار جہاز" کے الفاظ کے معنی میں دشمن کا مال داخل نہیں ہے۔ عملاً اس برطانی نظریے کی بدولت برطانیہ کی ہر بڑی جنگ میں، انگریزوں کو غیر جانبداروں سے بُرا بنتا پڑتا ہے اور زیر نظر معاملے میں تو فی الواقع ہولندیزوں سے

باب سوم

جنگ ہی اس بنا پر چھڑ گئی۔ بلکہ جنگ جاری رہتی تو روس، سویڈن اور ڈینمارک سے بھی ہو پڑتی جو غیر جانبداری کے باوجود آپس میں مل کر مسلح ہو گئے تھے۔ القصہ، جب فرانس نوآبادیوں کا رفیق ہوا تو انگلستان میں بہت اختلاف آرا پیدا ہو گیا کہ اب کیا کیا جائے۔ امیر کبیر ریچ منڈ ریاست ہائے متحدۂ امریکہ کی آزادی تسلیم کر لینے پر آمادہ تھا۔ بادشاہ چاہتا تھا کہ آخر تک لڑ کر معاملے کا فیصلہ کیا جائے اور اُس نے لکھا کہ "میرے گمان میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ یہ ملک (= انگلستان) خود شناسی کے احساس سے اس درجہ عاری ہو جائے گا کہ امریکا کی خودمختاری تسلیم کر لے۔" چیٹم اور شیل برن اب تک امید رکھتے تھے کہ افتراق کلّی کی نوبت نہ آنے پائے گی اور اسی لیے اُن کی رائے یہ تھی کہ امریکا والوں کے تمام سابقہ مطالبات مان لیے جائیں مگر جنگ جاری رہے۔ چنانچہ ۱۷۷۸ء میں ریچ منڈ نے دارالامرا میں تحریک پیش کی کہ امریکا والوں کو آزادی دیدی جائے تو چیٹم خاص اس غرض سے کہ برطانیہ کی "قدیم و عالی مرتبہ بادشاہی کی قطع و برید کے خلاف" اپنی آواز بلند کرے، ایوان میں آیا اور جوش و ہیجان کی حالت میں تقریر کی۔ حتیٰ کہ اس پر دورہ پڑ گیا اور وہ ایوان ہی میں غش کھا کے گر پڑا اور مکان پر لایا گیا تو پھر جاں بر نہ ہوا۔ البتہ اُس کا احتجاج کامیاب ہوا اور جنگ جاری رکھی گئی۔

اصلاحی تجاویز۔

ادھر ملک پر جو طرح طرح کی مصیبتیں آئیں تو حکومت وقت کی مخالفت بڑھی اور اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ چیٹم اور روکنگھم کے ڈھنگ متبعین آپس میں متحد ہو گئے۔ پھر بھی، ہر فریق اصلاح کی جداگانہ تجویزیں پیش کرتا تھا۔ روکنگھم کی جماعت، برک کے کہنے سے یہ سمجھنے لگی تھی کہ جب تک بادشاہ کا روپے پر اقتدار، سرپرستی کے اختیارات، خصوصاً معاشداروں کو حاضری سے مستثنیٰ کرنے کا طریقہ نہ روکا جائے گا، اُس وقت تک اصلاح نہ ہو گی کیونکہ ابھی معاشوں اور خدمات سرکاری کا لالچ دے کر وہ دونوں ایوانوں میں اہل غرض کو اپنا طرفدار بنائے رکھتا تھا۔ برک کی یہ بھی بڑی خواہش تھی کہ پارلیمنٹ میں رائے دینے والوں کے نام چھاپ دیے جایا کریں

باب سوم

تاکہ ہر حلقے کے رائے دہندے مبعوثین کی رائیں اچھی طرح جانچ سکیں۔ بایں ہمہ آئین و قوانین میں کسی قسم کی اساسی تبدیلی کرنے سے برک کو سخت اختلاف تھا؛ اس کے مقابلے میں چیٹم کی جماعت جن کا سر گروہ شیل برن ہوگیا تھا، پارلیمنٹ کی اصلاح کو، خرابیوں کا اصلی علاج قرار دیتی تھی اور فرسودہ حلقوں کی رکنیتیں آباد شہروں میں منتقل کرنا چاہتی تھی۔ ہر گروہ کے خیالات کسی حد تک اپنے جماعتی اغراض پر مبنی تھے کیونکہ بادشاہ اور وزرا کا زیادہ اثر تو چھوٹے حلقوں میں تھا۔ روکنگھم جماعت کا، پرگنوں یا تعلقوں میں اور چیٹمی وھگوں کا بڑے شہروں، خصوصاً لندن میں؛ معلوم ہوتا ہے کہ فاکس اصلاح کی دونوں تجویزیں پسند کرتا تھا اور پارلیمنٹ کی میقات بھی کم کرانی چاہتا تھا ۱۷۸۰ء میں حامیان اصلاح کی تائید کا ایک نیا سامان یہ نکل آیا کہ پہلی مرتبہ عوام الناس کی طرف سے اصلاحات کی تائید میں، دار العوام میں محضر پیش ہوئے۔ ان میں سب سے یادگار ویسٹ منسٹر کا محضر تھا۔ اور ایک طویل عرضی یارک شر کے زمینداروں کی تھی کہ سرکاری ملازمین کی تنخواہیں کم کی جائیں اور حاضری معاف وظائف موقوف کر دیے جائیں۔ یارک شر کی تائید پوری تیئیس تعلقوں نے کی تھی اور اسی پر برک کو جرأت ہوئی کہ مالی اصلاح کا ایک مسودہ پارلیمنٹ میں پیش کرے۔ اس مسودے کی دونوں خواندگیاں بہ آسانی منظور ہوئیں کیونکہ اس کے اصول کی کوئی تردید نہ کر سکتا تھا۔ لیکن ذیلی مجلس میں اہل خدمات یا امیدواروں نے طبعاً ہر عملی تجویز کی مخالفت کی اور یہ مسودہ مسترد کر دیا گیا۔ برک کے مجوزہ قانون تعہد داران کا بھی یہی حشر ہوا جس سے حکومت کی رشوت دہی کا ایک قوی ذریعہ، یعنی ارکان پارلیمنٹ کو ٹھیکہ دینے کا طریقہ، مسدود کرنا مقصود تھا۔ اس طریقے کی خرابیوں کی مثال میں بیان کرتے ہیں کہ جنگی امریکیوں کے لیے تنگ جنگی کلہاڑیاں اور استرے (Scolping Knives) فراہم کرنے کے ٹھیکے ہی میں ستر ہزار پونڈ کی گراں قدر رقم ایک مبعوث کے ہتھے چڑھی تھی۔ اصلاح خواہوں کی یوں کچھ نہ چلی تو روکنگھم جماعت کی طرف سے ڈوننگ نے یہ تحریک پیش کی کہ "بادشاہ کا اقتدار بہت بڑھ گیا اور بڑھ رہا ہے۔ اور اسے

باب سوم

کم کرنا واجب ہے۔ یہ تحریک پہلے سے اطلاع دیے بغیر پیش کردی گئی تھی۔ لہذا بے خبر وزرا کے بنائے کچھ نہ بنی اور ۲۱۵ کے مقابلے میں ۲۳۳ رایوں سے منظور ہوگئی۔ برک نے بھی سال آیندہ ایک اور مسودۂ قانون تجارتی اصلاح کے واسطے پیش کیا تھا مگر یہ مسترد کردیا گیا۔

اس عرصے میں پارلیمنٹ کی اصلاح کے طالب بھی خاموش نہیں رہے۔ اس معاملے میں سب سے اول سر فرانسس ڈیش وُڈ نامی ایک ٹوری نے ۱۷۴۵ء یعنی جیکوبی بغاوت کے زمانے میں ایک تحریک پیش کی تھی مگر ظاہر ہے کہ اس وقت یہ کامیاب نہ ہوسکتی تھی اور جارج ثالث بادشاہ ہوا تو پھر ٹوری ایسی تحریک کیوں کرتے جس سے "فرسودہ حلقوں" میں کمی آجائے کیونکہ یہی حلقے تھے جہاں سے بادشاہ کے ٹوری دوست مبعوث منتخب ہوا کرتے تھے۔ برخلاف ان کے وھگ اور خاصکر چےٹم گروہ کے لوگ، جن کی زیادہ تعداد بڑے شہروں سے آئی تھی، اپنے کو بہت نقصان میں سمجھے اور ۱۷۷۰ء میں لارڈ چےٹم نے طریق انتخاب کو آئینی دستور کا سب سے ناقص جزو قرار دیا اور تحریک کی کہ ہر تعلقے سے ایک ایک رکن اور منتخب ہوا کرے۔ ۱۷۷۴ء کے انتخاب عام کے بعد ولکس کو بھی پارلیمنٹ میں آنے کی اجازت مل گئی تھی، اُس نے ۱۷۷۶ء میں تجویز کی کہ "فرسودہ حلقوں" کا حق انتخاب لے کر تعلقوں اور بڑے شہروں کو دے دیا جائے۔ مگر یہ تحریک رائے شماری کے بغیر ہی رہ گئی۔ شیل برن اور فاکس اس تجویز کے مؤید تھے اور دلیل پیش کرتے تھے کہ تعلقوں اور بڑے شہروں ہی سے سب سے زیادہ آزاد ارکان منتخب ہوتے ہیں لیکن روکنگھم اور برک ہر ایسی تجویز سے جو مقررہ آئین کو محض نظریات کی بنا پر بدلنا چاہے، بدگمان تھے۔ اُنھوں نے مخالفت کی۔ بایں ہمہ، فاکس کے ماموں امیر کبیر رچ منڈ کی طرف سے ۱۷۸۰ء میں یہ تحریک پیش ہوئی کہ ہر بالغ کو حق رائے دیا جائے۔ تمام انتخابی حلقے مساوی قائم کیے جائیں اور ہر سال انتخاب ہوا کرے۔ مگر اتفاق سے یہ تجویز عین اُس رات کو پیش ہوئی جس دن "گورڈنی بلوے" شروع ہوئے اور دارالعوام کے ارکان قریب قریب ننگی تلواریں لیے ہوئے

باب سوم

بمشکل اپنے گھر پہنچ سکے تھے۔ لہٰذا ہر طرف سے ان تجاویز کا استہزا کیا گیا۔

"گورڈنی بلوے" ان مشہور بلووں کا سبب ایک قانون تھا جو ۱۷۷۸ء میں جارج سیک ویل نے منظور کرایا۔ یہ روکنگھم کی وہگ جماعت کا فرد تھا اور اس قانون کے ذریعے اُن ظالمانہ قیود کو دور کرنا چاہتا تھا جو ۱۶۸۹ء سے کیتھولک فرقے پر عاید تھیں، خصوصاً اُن حکمناموں کو جن کے ذریعے کیتھولک پادریوں کو مناجات خوانی سے اور عوام کو زمین خریدنے سے روک دیا گیا تھا۔ یہ نہایت ہی معمولی رعایت، بلکہ دادرسی تھی جو مذکورۂ بالا قانون سے کی گئی لیکن اس پر جو ہنگامہ ہوا، وہی ثبوت ہے کہ انگلستان اور اسکاٹ لینڈ میں کیتھولک مذہب سے لوگ کس درجہ بغض و عناد رکھتے تھے۔ فساد کی ابتدا اسکاٹ لینڈ سے ہوئی کہ سیک ویل کا نیا قانون وہاں بھی نافذ کر دیا گیا تھا۔ ان ہنگاموں میں کیتھولک گرجوں اور املاک کو بہت کچھ نقصان پہنچا اور پھر بلووں کی وبا ۱۷۸۰ء میں انگلستان پہنچ گئی۔ امیر کبیر گورڈن کے نیم مجنون بھائی لارڈ جارج گورڈن کی صدارت میں ایک زبردست انجمن "پروٹسٹنٹ ایسوسی ایشن" کے نام سے قائم ہوئی۔ یہ شخص دارالعوام کا رکن بھی تھا اور اُس نے قانون سیک ویل کی منسوخی کے لیے ایک محضر پیش کیا۔ محضر کے ساتھ اُس کے ساتھیوں کا انبوہ بھی جوق در جوق، تقریباً ایک لاکھ کی تعداد میں دارالعوام کے دروازوں کو گھیر کر کھڑا ہو گیا اور جو لوگ ایوان کے احاطے میں داخل نہ ہو سکے، اُنھوں نے دارالعوام و امرا کے اُن ارکان کو بطور تفنن ستانا شروع کیا جو عوام میں نامقبول تھے اور بھیڑ کو چیرتے پھاڑتے پارلیمنٹ میں جا رہے تھے۔ بلوائی بہت رات گئے تک دارالعوام کے گرد جمع رہے اور جب واپس گئے تو راستے میں کیتھولک سفیروں کے علاقے کے دو نماز خانوں کو لوٹ کر آگ لگا دی۔ ان ناجائز حرکتوں کو روکنے کی کوئی زوردار کارروائی نہیں کی گئی تو بلوائیوں کا حوصلہ اور بڑھتا گیا۔ ان میں جو لوگ ذرا آبرودار تھے، وہ بھی سامنے سے ہٹ گئے تو پھر عوام کو روکنے والا کوئی نہ رہا اور اُنھوں نے نیوگیٹ کا قید خانہ توڑ کر اُسے جلا ڈالا۔ شراب کے کارخانے، بھٹیاں، خانگی مکانات وغیرہ میں آگ لگانی شروع کی۔

باب سوم

اور انھی میں میر مجلس عدالت مینس فیلڈ کا، جو بہت نامقبول تھا، گھر بھی جلا دیا۔ تین دن تک شہر لندن میں سخت خوف و ہراس پھیلا رہا۔ اس زمانے میں پولیس کی کوئی باقاعدہ جمعیت نہ تھی اور یہ بلوہ شہر یا حلقوں کے معمولی جوانوں کے قابو میں آنے والا نہ تھا۔ بایں ہمہ کسی وجہ سے اول تو فوج طلب نہ کی گئی اور جب آئی تو اُسے بندوق چلانے سے روک دیا گیا۔ اب تو بلوائی اور بھی شیر ہو گئے۔ بالآخر بادشاہ نے وہ ذمہ داری جس سے وزیر بچتے تھے، اپنے اوپر لی اور بذریعۂ اعلان فوج کو ہتھیار چلانے کا حکم دیا۔ یہ عزم کی پختگی اگر پہلے دکھائی جاتی تو شاید ان ہنگاموں کی نوبت ہی نہ آنے پاتی۔ بارے اعلان شاہی کی بدولت رفتہ رفتہ فساد دب گیا اگرچہ امن قائم ہوتے ہوتے اہل فوج کے ہاتھ سے کم از کم پانچ سو آدمی مجروح و مقتول ہوئے۔ یہ بلوے "گورڈنی" کہلاتے ہیں۔ ان سے تین نکتے خاص طور پر اخذ کرنے کے قابل ہیں۔ اول تو یہ کہ ان سے صاف ظاہر ہو گیا کہ عام اہل ملک کے مقابلے میں پارلیمنٹ کے ارکان زیادہ روادار تھے۔ دوسرے، فاکس اور شیل برن بلوے کے زمانے میں بھی بے احتیاطی سے، حکومت پر نکتہ چینی کرتے رہے جس سے یہ غلط شہرت پھیل گئی کہ وہ اس فساد کے موئید ہیں اور اس شہرت سے آیندہ انتخابات میں بادشاہ نے اپنی ہوشیاری سے خوب کام لیا۔ تیسرے عوام کی وحشیانہ حرکتوں سے لوگوں کو ایسا سبق ملا تھا کہ آیندہ پیرس میں انقلاب فرانس کا ہنگامہ برپا ہوا تو اہل انگلستان کو وہاں کے عوام کے مظالم اور سفاکیوں سے اور بھی زیادہ نفرت ہو گئی۔

جنگ امریکا

فرانس اور اسپین کے جنگ میں شرکت کرنے کا ایک حربی نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کی پوری کامیابی سمندر کے اقتدار پر مبنی ہو گئی اور اسی لیے برطانیہ کے واسطے غالباً سب سے بہتر طریقہ یہ ہوتا کہ امریکا کے چند بندرگاہوں پر قبضہ رکھتی اور باقی پوری قوت فرانس و اسپین کو شکست دینے میں صرف کر دیتی۔ لیکن ایسا کرنے کی بجائے انگریز اندرونی علاقوں میں میدانداری کرتے رہے اگرچہ ان کی کامیابی کا قرینہ روز بروز کم ہوتا جاتا تھا۔ کیونکہ بقول پچ ٹم کے انگریزوں نے تین برس امریکیوں کو صرف یہ سکھانے میں لگا دیے کہ

باب سوم

لڑائی کیونکر لڑی جاتی ہے۔ ان کی فوجیں پہلے سے زیادہ زبردست ہوگئیں۔ اور اُدھر ساحل پر فرانس کے جنگی جہازوں کے آجانے سے فوجوں کے درمیان رسل و رسایل دشوار ہوگئے۔ ۱۷۷۸ء میں انگریزوں کو فلے ڈول فیا کا تخلیہ کر کے نیویارک کو مستقر بنانا پڑا اور آیندہ پورے سال انگریز صرف دشمن کے حملے روکتے رہے۔ ۱۷۸۰ء میں دریائے ہڈسن کی امریکی سپاہ کا سپہ سالار آرنلڈ واشنگٹن کی ماتحتی سے ناراض ہوکر آمادہ ہوگیا کہ انگریزوں سے آملے اور ہڈسن کے کنارے کے سارے قلعے دشمن کے حوالے کردے۔ اُس کے اور انگریز سپہ سالار سرہینری کلنٹن کے درمیان پیغام سلام کی خدمت میجر اینڈر لے

میجر اینڈر لے

انجام دیتا تھا۔ یہ بہت ہونہار اور کافی ادبی قابلیت کا نوجوان سردار تھا۔ وہ امریکی لشکر میں صلح کی جھنڈی لے کر گیا مگر وہاں اُسے توقع کے خلاف بہت روز تک روکے رکھا گیا تو اُس نے حماقت سے فوجی وردی اُتار کے شہری لباس پہن لیا۔ اسی بھیس میں امریکی پہرہ داروں نے اُسے گرفتار کیا اور تلاشی لی تو جوتوں میں سے آرنلڈ کے خطوط برآمد ہوئے۔ پھر تو خواہی نخواہی اس پر جاسوسی کا مقدمہ چلا اور جرم ثابت ہوگیا تو بہت سی رحم و کرم کی درخواستوں کے باوجود واشنگٹن نے اُسے پھانسی پر چڑھانے کی اجازت دے دی۔ امریکی سپہ سالار آرنلڈ بھاگ کر انگریزوں کے پاس چلا آیا لیکن غداری سے قلعے انگریزوں کے حوالے کرنے کی تجویز خاک میں مل گئی۔ اینڈر لے کے رنج دہ انجام سے انگلستان اور نیز امریکا میں لوگوں کو بہت ملال ہوا لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ واشنگٹن کو قصوروار ٹھیرانا کیونکر درست ہوگا۔

اسی سال لارڈ کارن والیس کو لشکر دے کے چارلسٹن (جنوبی کارولینا) بھیجا گیا کہ جنوبی ریاستوں سے امریکی سپاہ کو نکال باہر کرے اور وہاں مستقر بنا کے وسطی اور شمالی ریاستوں پر فوج کشی کی جائے کیونکہ جنوبی ریاستوں میں برطانیہ کے وفاداروں کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔ اول اول یہ نقشہ کامیاب ہوتا نظر آیا اور دشمن کو کیمڈن (۱۷۸۰ء) اور اگلے سال گلڈفرڈ میں شکست ہوئی۔

باب سوم

فرانسیسی سپاہی بھی دل شکستہ سے ہو گئے جن کی تعداد اب لافایت کے ماتحت سات ہزار ہو گئی تھی اور ان کی طرف سے دو مہینے کی عارضی صلح کی تحریک ہوئی جسے انگریزوں نے حماقت سے مسترد کر دیا۔ خود کارن والس، گلفرڈ کا معرکہ جیت کر نیویارک روانہ ہوا تھا اسی طرح جس طرح برگوئین ہڈسن کے کنارے کنارے بڑھ چکا تھا لیکن امریکی سردار گرین کے لشکر نے راستے میں بمقام یارک ٹاؤن اُسے گھیر لیا۔ اور اُسے سمندر کو عقب میں لے کر ایک چھوٹے سے جزیرہ نما پر مورچے بنانے پڑے۔ ۲۲ر اگست تک کارنوالس کی ساری سپاہ اسی جزیرہ نما میں محصور ہو گئی اور اگر انگریزوں کا سمندر پر اقتدار ہوتا تو وہاں ان کا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا لیکن آٹھ ہی دن گزرے تھے کہ فرانسیسی سردار ڈی گراس ۲۸ جنگی جہاز لے کر آ چڑھا اور انگریز امیر البحر گریوز اپنے کم تعداد یعنی ۱۹ جہازوں سے اُسے وہاں سے نہ ہٹا سکا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ۷ار اکتوبر تک کارنوالس کا مقابلے میں جما رہنا غیر ممکن ہو گیا اور اُس نے مجبور ہو کر واشنگٹن کے سامنے ہتھیار ڈال دیے جو اس کا قلع قمع کرنے کی غرض سے تمام فوجیں سمیٹ کر یہیں لے آیا تھا۔ اس شدید ہزیمت سے بری جنگ تو عملاً ختم ہو گئی لیکن سمندر میں انگریز یورپ کی تین سلطنتوں سے لڑتے رہے اور رَوڈنی نے غرب الہند کا جزیرہ سینٹ یوسٹیس ہولندیزوں سے چھینا تو یارک ٹاؤن وغیرہ کی ذلت کی کچھ اشک شوئی ہو گئی لیکن تھوڑے ہی دن میں اسے فرانسیسیوں نے چھین لیا اور سارے سمندر کے مالک ہو گئے بلکہ غرب الہند کے چھ جزیرے اور انگریزوں سے چھین لیے اور معلوم ہوتا تھا کہ وہاں کے تمام انگریزی مقبوضات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ان شکستوں کا بڑا سبب یہ تھا کہ انگریز قائدین باہم بہت بے دلی کے ساتھ کام کرتے تھے اور اسی موقع پر سیاسی فرقہ بندی کی بلا بیڑے میں بھی سرایت کر گئی اگرچہ آئندہ پھر کبھی ایسا نہیں ہوا۔ بہرحال فوج میں اس پہلی اور آخری فرقہ بندی کے زہریلے اثر سے بعض کپتانوں نے رَوڈنی کی مدد نہ کی کیونکہ وہ ٹوری فرقے کا آدمی تھا اور بعض نے کیپل کی جو وِہگ فرقے سے تھا۔ خود یورپ میں برطانیہ کا بحری اقتدار جاتا رہا۔ یوشانت کے معرکے میں کیپل کو

کوئی کامیابی نہ ہوئی (۱۷۸۲ء) جبل الطارق کو دشمن گھیرے ہوئے تھے اور برطانیہ کے پاس اُسے نجات دلانے کے لیے کوئی بیڑا نہ تھا۔ مارچ ۱۷۸۲ء میں جزیرۂ منورکا بھی غنیم نے چھین لیا اور ان سب ناکامیوں سے برطانی قوم کی ہمت ایسی پست ہوئی کہ فونٹنوآ کے وقت سے اب تک کبھی نہ ہوئی تھی۔

روکنگھم کی دوسری وزارت

گورڈنی بلووں کے بعد جو عام انتخابات ہوئے تو حکومت توقع سے بڑھ کر جیت میں رہی۔ فریق اختلاف کے سرگروہ دل برداشتہ ہو گئے۔ لیکن ۱۷۸۱ء کی خریف میں انھوں نے پھر مستعدی سے کام لیا۔ روکنگھم، رچ منڈ، اور شیل برن دارالامرا میں اور فاکس، برک، کون وے اور بیرے دارالعوام میں نظم ونسق پر پھر سخت اعتراض کرنے لگے۔ لارڈ نارتھ پہلے ہی جنگ جاری رکھنے سے، جس کے وہ شروع سے خلاف تھا، تھک گیا تھا۔ صرف بادشاہ کی منت سماجت سے وہ عہدے پر رہا کیونکہ جارج کہتا تھا کہ اس وقت استعفا دیا تو یہ دغا دینے کے مرادف ہوگا اور فریق اختلاف کے ہاتھ میں پڑنے کی بجائے وہ ہنوور چلے جانے کو ترجیح دے گا۔ لیکن آخر میں واقعات نے نارتھ کو مجبور کر دیا۔ فروری ۱۷۸۲ء میں جنرل کون دے کی یہ قرارداد منظور ہوئی کہ اہل امریکا کو تلوار کے زور سے محکوم بنانا غیر ممکن ہے۔ پھر مارچ میں منورکا کے ہاتھ سے نکل جانے کی خبر آئی تو نارتھ نے اصرار کیا کہ مجھے خدمت سے سبکدوش کر دیا جائے۔

مگر نارتھ کے ہٹنے سے فریق مقابل کے اندرونی اختلاف بھی بخوبی ظاہر ہو گئے۔ بادشاہ مخلوط وزارت قائم کرنے پر جس میں روکنگھم اور چیٹم دونوں گروہ کے وہگ تھے آمادہ ہو گیا لیکن روکنگھم سے وہ اتنا ناخوش تھا کہ ملاقات نہ کی اور سرکاری کاروبار شیل برن کی وساطت سے ہوتے رہے۔ چنانچہ فاکس نے شیل برن سے صاف صاف کہا کہ مجلس وزرا کے دو حصے ہیں ایک بادشاہ کا دوسرا اہل ملک کا۔ یہ بھی خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ

باب سوم

مجلس وزرا کے دس ارکان میں سے روکنگھم، لارڈ جان کے ون ڈیش، کیپیل، رچ منڈ، فاکس، اور کون وے ایک گروہ کے تھے، شیل برن اور ڈننگ (جسے اب لارڈ ایشبرٹن بنایا گیا) چےٹم کی جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ گریفٹن غیر جانبدار تھا اور نارتھ کے زمانے کے وزیر مالگزاری تھرلو کو بظاہر اس لیے رہنے دیا گیا کہ اگر وہ فریق اختلاف میں جا ملتا تو بہت خطرناک حریف ہوتا۔ برک کی شہرت آجکل جتنی کچھ بھی ہو۔ معاصرین میں اُسے اعتماد حاصل نہ تھا اور امرا میں جو اُس زمانے میں وزارت کے حقدار سمجھے جاتے تھے، وہ کبھی داخل نہ ہو سکا۔ البتہ اسے بخشی فوج کی موقر خدمت مل گئی۔

جنگ جاری رہتی ہے

ھگ اُصول کے مطابق اہل امریکا کے خلاف تو جنگ عملاً موقوف کر دی گئی لیکن یورپی ممالک سے پوری شدت کے ساتھ جاری رہی۔ اس میں نئی وزارت کو ایک بڑی کامیابی نصیب ہوئی جس کی وہ در اصل حقدار نہ تھی یعنی روڈنی ایک سال سے غرب الہند میں فرانسیسی امیر البحر دگراس پر داؤں لگا رہا تھا۔ وہ نارتھ کے حامیوں میں تھا اور اس لیے روکنگھم کی وزارت نے اُسے واپس طلب کیا لیکن حسن اتفاق سے یہ حکم اُسے ملنے نہ پایا تھا کہ جزیرۂ گوادلوپ کے سامنے وہ دگراس کو لگا لایا اور غنیم کے ۳۳ جہازوں پر نہایت عمدہ موقع اور اپنے ۳۵ جہازوں سے حملہ آور ہوا۔ لڑائی میں بھی اُس نے غنیم کی ترتیب توڑنے کی نئی چال سے کام لیا کہ دشمن کی قطار پر خط عمودی میں گر کر کئی جہاز قطار سے الگ کر دیے اور پھر اپنے پورے بیڑے سے ان چند پر حملہ کیا غنیم کے دوسرے جہاز ہوا کے ناموافق ہونے کی وجہ سے اپنے ساتھیوں کی مدد کو نہ آ سکے اور ان کی ساری ترتیب بگڑ گئی۔ پانچ جہاز گرفتار اور ایک غرق ہوا اور غرب الہند میں دوبارہ برطانیہ کا بحری اقتدار قائم ہو گیا۔

ادھر حاکم جبل الطارق، ایلٹ نے اس قلعے کو جس پامردی سے بچایا وہ بھی روڈنی کی بحری فتح سے کچھ کم یادگار نہیں ہے۔ جنگ کے زمانے میں اسپین والے اس قلعے کے محاصرے پر ساری توجہ صرف کرتے رہے اور

باب سوم

اعلان جنگ کے ساتھ ہی ۱۷۷۹ء میں اُسے آ گھیر لیا۔ انگریزوں کے پاس اس وقت اتنے جہاز نہ تھے کہ جبل الطارق کی طرف بھیجے جاتے لہٰذا وہاں کے قلعہ دار کو اپنے ہی سہارے سے مقابلہ کرنا پڑا۔ ایلیٹ جنگ آزمودہ سردار اور معرکۂ ڈٹن جن میں جارج ثانی کا سردار رکاب (اے ڈی سی) رہ چکا تھا مجبور ہو کر قوت بازو سے کام لینے میں اُس نے کمی نہ کی اور جلتے چھرّوں کے پیہم استعمال سے محاصرین کو قریب نہ آنے دیا۔ لیکن رفتہ رفتہ سامان خوردنی ختم ہونے لگا تھا کہ روڈنی نے کسی نہ کسی طرح اسپینی بیڑے کو شکست دے کر کافی رسد قلعے میں پہنچا دی۔ یہ بحری اور نہایت خوں ریز معرکہ رات کے وقت، راس سینٹ ونسنٹ کے سامنے ہوا (۱۷۸۰ء) پھر بھی اسپینی کوشش جاری رہی اور ۱۷۸۲ء میں جبل الطارق کو چھین لینے کا خاص اہتمام کیا گیا۔ فرانس نے بھی زبردست کمک روانہ کی۔ بہت سے جنگی جہازوں سے محاصرے کے کام میں مدد لی گئی۔ ایک فرانسیسی مہندس دارکون کی ذہانت سے بڑے بڑے بہتے توپ خانے تیار ہوئے اور امید تھی کہ ایلیٹ کا جلتا چھرّہ اُن کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ ۱۳ر ستمبر کے دن خشکی اور سمندر دونوں طرف سے شدید آتش باری کی گئی مگر ایلیٹ محاصرے کے دوران میں ایسے دمدمے تیار کرا چکا تھا کہ قلعہ آغاز محاصرہ کی نسبت اب کہیں زیادہ مستحکم ہو گیا تھا۔ اُس نے کلّہ بہ کلّہ مقابلہ کیا اور بہت سے توپ خانوں میں آگ لگا دی۔ اُس کی آتش باری سے محاصرین کا بہت نقصان ہوا۔ قلعے کے گولے خلیج کے پار تک پہنچے۔ ہر طرف توپ دار کشتیوں اور توپ خانوں کے اُڑنے سے قیامت برپا ہو گئی اور ہزاروں زخمی اور نیم سوختہ سپاہی سمندر پر تڑپتے نظر آئے۔ مگر ایلیٹ نے ثابت کر دیا کہ وہ جتنا بہادر تھا اُسی قدر رحم دل بھی ہے۔ اسپین والوں کو کامل شکست ہو چکی تو برطانی توپوں کی آتش باری موقوف کر دی گئی اور برطانی جنگی کشتیوں کے سردار کرٹس اور ایلیٹ نے جانیں بچانے میں جو کچھ ممکن تھا، وہ کیا۔ چند روز بعد لارڈ ہاؤ بہت سا سامان رسد اور دو تازہ لشکر لے کر جبل الطارق پہنچا اور فرانس و اسپین کے

باب سوم

بیڑوں کی موجودگی کے باوجود بخیریت ساحل پر اُتر گیا۔ ان سے بعد میں ایک لڑائی بھی ہوئی مگر آندھی کے باعث برطانی دشمنوں کو قریب تر لانے پر مجبور نہ کر سکے اور نتیجہ مشکوک رہا۔ جبل الطارق کی یہ آخری امداد تھی اور اگرچہ محاصرہ اختتام جنگ تک جاری رہا، تاہم الیٹ کو پھر کوئی بڑا خطرہ پیش نہ آیا۔

وزارت قبول کرتے وقت روکنگھم بادشاہ سے شرط کر چکا تھا کہ وہ بیکار ملازمتوں کی تخفیف یا مطلق منسوخی، مبعوثین کے ٹھیکے لینے کا انسداد اور مالگزاری کے عمال کو رائے دہندگی سے روکنے کے قوانین جاری کر سکے گا۔

مالی اصلاحات

چنانچہ نئی وزارت ان اصلاحات پر فوراً متوجہ ہوئی اور مشہور ہے کہ فاکس نے تو یہاں تک کہا کہ بادشاہ کے اقتدار پر اگر ہم اچھا بھرپور وار لگا سکیں تو پھر وزارت سے علٰحدہ ہو جانے کی مجھے پروا نہیں۔" الغرض برک کے مجوزہ قوانین دوبارہ پیش اور اس دفعہ منظور ہوئے۔ دیوانی خدمات کی آٹھ قسمیں کی گئیں اور بیکار خدمات کو جن کا خرچ بہتر ہزار پونڈ ہوتا تھا، اُڑا دیا گیا۔ انھی میں ایک خدمت شاہی کبابی کی بھی جو اس عہدے کے حق سے دار العوام میں نشست رکھتا تھا۔ ایک اور قانون کی رو سے سرکاری ٹھیکہ لینے والوں کی رکنیت نا جائز قرار دی گئی اور اسی طرح مالگزاری کے عمال کو قانوناً انتخابات میں رائے دینے سے روک دیا گیا۔ ان عمال کی تعداد ساڑھے گیارہ ہزار ثابت ہوئی اور معلوم ہوا کہ کم سے کم ستر مبعوثین کے انتخاب کا مدار انھی کی رایوں پر تھا۔ لہذا اُن کو رائے دہی سے محروم کرنا شاہی اقتدار و اثر کے شدید نقصان کا مرادف تھا۔ خود پارلیمنٹ کی اصلاح کا روکنگھم کے گروہ کو ذرا شوق نہ تھا مگر لارڈ چیٹم کے منجھلے بیٹے نوجوان ولیم پٹ نے جو ۱۷۸۰ء میں پارلیمنٹ کا رکن بنا، یہ صدا بلند کی مگر اس کی تحریک ۱۴۱ کے مقابلے میں ۱۶۱ رایوں سے مسترد ہوئی۔ فاکس اُس کا موید تھا مگر برک وغیرہ روکنگھم فریق کے دوسرے وِھگ ارکان خلاف تھے۔ ایک اور تحریک کے ذریعے وہ سب کارروائیاں جو مڈلسکس سے ولکس کے

باب سوم

بار بار انتخاب کے سلسلے میں کی گئی تھیں۔ دار العوام کے جرائد سے خارج کر دی گئیں۔

آئرستان کی شکایات

وُڈ کے ادھنّے کے خلاف جو شورش ہوئی اس کے بعد سے امریکا کی جنگ شروع ہونے تک آئرستان اگر خوشدل نہیں تو معمول کے خلاف، امن امان سے ضرور تھا۔ لارڈ چیسٹر فیلڈ کے عمدہ انتظام کی بدولت ۱۷۴۵ء کے صعب وقت میں بھی وہاں بالکل امن رہا اور امریکا کی جنگ میں بھی، بےچینی کے آثار یہاں اس وقت نمایاں ہوئے جبکہ یورپ کی سلطنتیں شریک محاربہ ہوئیں۔ اہل آئرستان کو تجارتی اور سیاسی دو قسم کی شکایتیں تھیں۔ پہلی قسم کی شکایتوں کا سبب تو یہ خودغرضی تھی کہ بظاہر انگلستان کے سوداگروں اور کاشتکاروں کے فائدے کی خاطر دیسی تجارت و زراعت کے ساتھ بُرا سلوک کیا جاتا تھا اور سوتی کپڑے کی ساخت کے سوا اور کسی دیسی صنعت کو ترقی دینے کی کوشش نہیں کی جاتی تھی۔ سو یہ صنعت بھی جنگ کی بدولت تجارت کی جو سرد بازاری ہوئی اُس میں نقصان اُٹھا رہی تھی اور ادھر وہ اجناس جو امریکا روانہ جاتی تھیں، اُن کا بھیجنا بھی روک دیا گیا تھا۔ سیاسی، یا آئین حکومت کے متعلق، شکایات کی بنیاد ایک تو پوئے ننگ کا قانون (دیکھو صفحہ ۲۸۲) تھا جس کی رو سے (جارج ثالث کی تخت نشینی کے وقت تک) آئرستان کی مجلس میں کوئی قانون اس وقت تک پیش نہ ہو سکتا تھا جب تک کہ انگلستان کی مجلس شاہی اجازت نہ دے دے۔ دوسرے جارج اول کا قانون مجریہ ۱۷۱۹ء جس کی رو سے برطانی پارلیمنٹ کے قوانین آئرستان میں بھی نافذ ہو جاتے تھے۔ تیسرے دوامی قانون بغاوت جس نے آئرستان کی مجلس ملکی کو اس جزیرے کی فوج پر اقتدار رکھنے سے بالکل محروم کر دیا تھا اور سب سے آخری شکایت یہ تھی ہر دو سال میں آئرستان کی مجلس کا اجلاس ہوتا اور سوائے بادشاہ کی اجازت خاص کے، اُسے اہل ملک برخاست کر کے دوبارہ انتخاب نہ کر سکتے تھے تاوقتیکہ ایک بادشاہ فوت اور دوسرا تخت نشین نہ ہو۔

باب سوم

فلڈ اور گریٹن

جارج ثالث کے ابتدائی عہد حکومت میں اتنا تو ہوا کہ ہینری فلڈ (ولادت ۱۷۳۲ء) نے مجلس میں ایک گروہ اختلاف مرتب کیا اور ۱۷۶۷ء میں ایک قانون میقات ہشت سالہ منظور کرالیا جس سے آئری مجلس کا انتہائی زمانہ آٹھ سال مقرر ہوا۔ پھر اُس نے پوری کوشش کی کہ مصارف کا انتظام مجلس کے اثر میں آجائے لیکن ۱۷۷۵ء میں حکومت کا عہدہ قبول کرنے کے باعث اُس کی ہردلعزیزی میں بہت کچھ فرق آگیا اور اُس کی جگہ ہینری گریٹن نے لی (ولادت ۱۷۴۶ء) جو آیندہ سال مجلس کا رکن منتخب ہوا۔ یہ وقت بہت نازک تھا کہ امریکا سے ابھی دنوں جھگڑا شروع ہوا اور تمام آئرستان بکمال دلچسپی کے ساتھ اس کے انجام کا منتظر بن گیا کیونکہ اہل امریکا کی اکثر خصوصاً تجارتی، شکایتیں اہل آئرستان کی شکایتوں سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھیں۔ فرانس کی طرف سے اعلان جنگ ہوا تو آئرستان کی متعینہ فوجیں سب کی سب باہر بھیج دی گئیں اور فرانسیسی حملے سے حفاظت کرنے کے لیے پروٹسٹنٹوں کو اجازت مل گئی کہ رضاکاروں کی جمعیتیں مرتب کریں جنھیں اسلحہ حکومت کی طرف سے دیے جاتے تھے۔ تھوڑے ہی دن میں ایسے رضاکاروں کی تعداد پچاس ہزار ہوگئی اور اُن کا سرخیل لارڈ شارلمنٹ بھی گریٹن کا شریک ہوگیا کہ اس نئی فوج مطوعہ سے حکومت پر دباؤ ڈالنے کا کام لیا جائے۔ ایسی جنگی قوت کے سامنے نارتھ کو سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا چارۂ کار نہ تھا۔ چنانچہ ایک جدید قانون کے ذریعے آئرستان کو برطانی مستعمرات اور بیرونی ممالک سے تجارت کی آزادی دی گئی۔ اس قانون کی منظوری بہت کچھ برک کی جادو بیانی کی رہین منت تھی لہذا ۱۷۸۰ء کے انتخابات میں برسٹل کے سوداگروں نے جنھیں اپنی تجارت میں خسارہ آنے کا خوف تھا۔ یہ سزا دی کہ برک کو برسٹل کی رکنیت سے خارج کرادیا۔ البتہ آئرستان میں لوگ ان مراعات سے پھولے نہ سمائے اور اب گریٹن نے آئرستانی مجلس میں ایک اعلان حقوق منظور کرایا جس کا مطالبہ تھا کہ قانون پوئے ننگ اور جارج اول کے زمانے کا قانون ششم منسوخ کیا جائے۔ آئرستان کے مقدمات کا مرافعہ

باب سوم

انگلستان کے دار الامرا کی بجائے آئرستان ہی کے دار الامرا میں ہوا کرے اور آخری مطالبہ یہ کہ دائمی قانون بغاوت کی تنسیخ کردی جائے۔ یہ اعلان ۱۷۸۲ء میں منظور ہوا اور روکنگھم کی وزارت نے بیچون و چرا سب مطالبات مان لیے۔ جارج اول کا قانون ششم منسوخ ہوا اور پوئے ننگ کے قانون میں اس قدر ترمیم کردی گئی کہ آئرستان کی مجلس قانون سازی کے معاملے میں آزاد ہوگئی۔

شیل برن کی وزارت

جولائی ۱۷۸۲ء میں روکنگھم بالکل اچانک مرگیا اور اس کی وفات سے چےٹم اور روکنگھم کے گروہوں کی باہمی نزاع، جو اتنے دنوں سے چھپی رہی تھی، آشکارا ہوگئی۔ پہلے ہی فاکس اور شیل برن کے فرستادہ ایک، دوسرے سے الگ ہو کے پیرس میں صلح کی گفتگو کر رہے تھے حالانکہ یہ دونوں شاہی معتمد مجلس وزارت کے رکن تھے۔ پس علانیہ جھگڑا ہو جانے میں بھی زیادہ دیر نہ لگی۔ اُدھر جارج نے روکنگھم کی وفات کی خبر سنتے ہی بلا تاخیر شیل برن کو وزیر اعظم نامزد کردیا۔ روکنگھم کا فریق امیر کبیر پورٹ لینڈ کو وزیر اعظم بنوانا چاہتا تھا۔ یہ نوجوان اور ملنسار امیرزادہ کام کی قابلیت نہ رکھتا تھا اور اسی لیے کسی نے یہ فقرہ چست کیا کہ وہ "دھگوں کے لٹکانے کے لیے بہت اچھی لاٹھ ہے"۔ بہر حال شیل برن کے وزیر اعظم مقرر ہوتے ہی فاکس اور برک سرکاری خدمات سے مستعفی ہوگئے۔ کے ون ڈیش اور ایش برٹن نے بھی اُن کا ساتھ دیا لیکن کے ون ڈیش کی بجائے شیل برن نے وزارت مالگزاری دکیم پٹ کے تفویض کردی۔ باقی، کیمڈن، کیپل، رچ منڈ، گریف ٹن اور تھرلو بدستور اپنے اپنے عہدوں پر رہے۔

فاکس کی علیحدگی کی وجہ صرف یہ نہ تھی کہ وہ شیل برن کے اصول اور تعلقات سے مخالفت رکھتا تھا بلکہ ذاتی طور پر بھی اسے شیل برن سے نفرت تھی حقیقت میں، اس وزیر اعظم کی سیرت بھی اُس عہد کا ایک معمہ ہے۔ سیاسیات کے میدان میں داخل ہوا تو بہت سے اسباب اُس کے مساعد تھے

باب سوم

اور ۲۹ سال کی عمر میں وہ معتمد شاہی بنا دیا گیا۔ وہ لارڈ چٹم کا معتمد علیہ معاون رہا اور ہر موضوع پر اپنے خیالات کی آزادی اور وسعت میں خاص شہرت پائی۔ ان سب اوصاف کے باوجود سیاسیات میں وہ ناکام رہا جس کا سبب غالباً یہ ہے کہ کسی کو اُس کی نیک نیتی کا یقین نہ آتا تھا۔ تقریر کرنے میں طبعاً ایسی احتیاطیں برتتا کہ یہ بتانا تقریباً ناممکن تھا کہ اس کا اصلی مدعا کیا ہے۔ عام معاشرت میں بھی ہر شخص پر اس کے شک وشبہے اور دوستوں کی نگرانی کرنے سے لوگ اُس کی طرف سے بہت نامطمئن رہتے تھے۔ فاکس کی اس سے بدگمانی تو گویا موروثی چیز تھی کیونکہ لارڈ ہولینڈ کے نزدیک شیل برن نے اُس کو فریب دیا تھا۔ مگر وہ لوگ بھی جن کو شیل برن سے موروثی حسن ظن ہونا چاہیے تھا، بدگمانی میں فاکس کے ہمخیال تھے چنانچہ ولیم پٹ اور فاکس اگرچہ اور کسی معاملے میں متفق الرائے نہ ہوں، شیل برن سے بدظنی کرنے میں بالکل متحد تھے۔ پس، فاکس کی قوّت فیصلہ کمزور تھی اور اسی لیے اُس نے یہ کھلی ہوئی غلطی کی کہ ذاتی ناخوشی کی بنا پر خدمت سے علیحدہ ہوا۔ بخلاف اس کے پٹ کا امتیازی وصف ہی یہ تھا کہ اعلیٰ درجے کی قوّت فیصلہ رکھتا تھا اور اُس نے عہدہ قبول کرلینے میں بھی اصابت رائے کا ثبوت دیا۔

آزادیٔ امریکا

ریاست ہائے متحدہ کی آزادی کو روکنگھم کی وزارت عملاً تسلیم کرچکی تھی۔ رسمی صلح نامہ شیل برن کے زمانے میں ہوا۔ اس پر بمقام ورسائی، جنوری ۱۷۸۳ء میں دستخط ہوئے اور اسی روز برطانیہ، فرانس اور اسپین میں صلح کا عہد نامہ ہوا۔ انگریزوں کی خوش قسمتی سے روڈنی کی غرب الہند کی فتح اور جبل الطارق کے محاصرے کی ناکامی نے اُنھیں ایسا مستحکم کردیا کہ سال بھر پہلے صلح ہوتی تو وہ اتنے فائدے میں نہ رہ سکتے تھے۔ اس کے باوجود اُنھیں منورکا کا نقصان گوارا کرنا" جو اسپین کے حوالے کیا گیا اور سینی گال اور جزیرۂ گوری کو بھی انگریزوں سے لے کر فرانس کو دے دیا گیا۔ امریکی نوآبادیوں کی آزادی اور نیز یہ سب کو تسلیم تھا کہ ان کا برطانیہ سے کوئی رسمی تعلق بھی نہیں رہ سکتا مگر ان کا ہاتھ سے نکل جانا

باب سوم

وطن آبائی کے حق میں سخت نقصان رساں سمجھا گیا اور آبادکاروں کی ایک جماعت نے برطانیہ سے قطع تعلق کرنے کو بھی کسی طرح پسند نہ کیا اور "وفاداران سلطنت" کے نام سے خود اٹھ اٹھ کر نیو برنزوک، نووا اسکوشیا اور کناڈا میں جا بسے اور ان علاقوں کی برطانی آبادی کو ان کے آجانے سے بہت تقویت پہنچی۔

۱۷۸۲ء کے اواخر میں پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو معلوم ہوا کہ وزارت کے ساتھی یا نارتھ یا فاکس کے ہمراہی، کسی کی تعداد بھی اتنی نہیں ہے کہ بطور خود اکثریت رکھتے ہوں۔ لہذا تینوں جماعتوں کی مشترکہ وزارت قائم کرنے کے جوڑ توڑ ہونے لگے۔ شیل برن نے فاکس اور نارتھ دونوں کو شرکت کی دعوت دی مگر دونوں کے دل میں سخت بے اعتمادی تھی اور ایسی صورت میں کوئی اشتراک ممکن نہ ہوا۔ البتہ فاکس اور نارتھ کے درمیان نامہ وپیام کامیاب ہوئے۔ اور یہ دونوں حکومت کے خلاف متحد اور ایک مخلوط وزارت بنانے پر آمادہ ہو گئے۔ معاصرین اہل ملک اس اتحاد کو نہایت معیوب سمجھے اور آج تک اس پر اتنی لعنت ملامت ہوتی رہی جو غالباً بیجا تھی۔ فاکس کی شامت اعمال سے تقریروں کا باقاعدہ قلمبند ہونا اور اخبار میں آنا اور بھی مضر ہوا کہ نکتہ چینوں نے اس کے پہلے اقوال کو نکال کے پیش کرنا شروع کیا۔ اصل میں فاکس اپنے سیاسی حریفوں کی مذمت کرنے میں کبھی اعتدال سے کام نہ لیتا تھا اور شیل برن وزیر اعظم ہوا تو پہلی ہی تقریر میں کہہ چکا تھا کہ لارڈ نارتھ سے شیل برن کا اتحاد کرنا، سیاسی بے غیرتی کی انتہا ہو گی۔ یہ سچ ہے کہ فاکس، لارڈ نارتھ کی حکمت عملی اور ذاتی سیرت میں ہمیشہ امتیاز کرتا اور اُس کے ساتھ نہایت عمدہ دوستانہ تعلقات رکھتا تھا بلکہ کئی دفعہ پہلے بھی اس کے گروہ میں شریک ہونے کی گفتگو کر چکا تھا، جو کامیاب نہیں ہوئی۔ لیکن عوام کو ان باتوں کا کچھ علم نہ تھا۔ وہ تو صرف یہ دیکھتے تھے کہ وہی سیاست داں جو کل تک ایک دوسرے کو شرمناک طرز عمل کا ذمہ دار بتاتے تھے اب ایک تیسرے کے خلاف باہم مل گئے اور یہ کہ شیل برن سے مخالفت کرنے میں ایک وہ شخص بھی شامل ہے جس نے محض شخصی پرخاش کی وجہ سے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ غرض یہ سارا قضیہ

ان سیاست دانوں، خصوصاً فاکس کے لیے بہت ہی شرمناک نظر آتا تھا۔ اِدھر بادشاہ مخلوط وزارت کی تجویز سُن کر اس واسطے غضبناک ہوا کہ اس میں فاکس شریک تھا جس سے اُس کو نفرت تھی اور نیز نارتھ کو سمجھتا تھا کہ مشکل وقت میں وہ مجھے دغا دے چکا ہے۔ بایں ہمہ دار العوام میں ان دونوں کی بڑی اکثریت تھی اور راسی کی بدولت اُنھوں نے ۱۹۰ کے مقابلے میں ۲۰۷ رایوں سے ایک ترمیم حکومت کے خلاف مرضی منظور کرا لی۔ تب لارڈ شیل برن مستعفی ہوگیا اور چند روز بعد ہی باہر چلا گیا۔ مگر جارج نے جیسا کہ خود کہتا تھا، یہ کڑوی گولی، ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر حلق کے اندر نہیں اُتاری۔ پہلے اُس نے پٹ کو دعوت دی کہ وزیر اعظم کا عہدہ قبول کر لے۔ پھر یہاں تک کہا کہ کسی زید و بکر کو جو قبول کرے، میں یہ عہدہ دینے پر تیار ہوں اور اسی لیت و لعل میں ۳۷ روز تک وزارت ہی مرتب نہ کی لیکن بالآخر مجبور ہوگیا اور مخلوط وزارت برسر اقتدار ہوئی۔ اس میں امیر کبیر پورٹ لینڈ وزیر اعظم اور فاکس اور نارتھ، سلطنت کے معتمد بنے اور جان کے ون ڈیش کیبل اور برک ان کے مددگار ہوئے۔

ہندوستان

ہندوستان کے حالات نئی وزارت کی فوری توجہ کے محتاج تھے۔ ونڈے واش کی لڑائی کے وقت سے اُس ملک میں بڑا انقلاب پیدا ہوگیا تھا۔ سنہ ۱۷۶۰ء اور ۱۷۶۵ء کے درمیان مغلیہ سلطنت اور بنگالے میں سخت خلفشار برپا رہا۔ پائے تخت دہلی میں دو وزیروں کی کشاکش جاری تھی۔ ایک کے حامی مرہٹے تھے۔ دوسرے کے سرپرست افغانی۔ انجام کار مرہٹوں کو پانی پت کی زبردست لڑائی میں ہزیمت نصیب ہوئی۔ انگریزوں نے مغل فرماں روا کے ایک بیٹے شاہ عالم کو جو وطن چھوڑ کر اِدھر آگیا تھا، بادشاہ تسلیم کر لیا۔ بنگالے میں معرکۂ پلاسی کے بعد میر جعفر نواب بنایا گیا تھا، اُسے نااہلی کی بنا پر معزول کیا گیا اور اُس کا داماد میر قاسم صوبہ دار رہا۔ اس کی بھی انگریزوں سے اَن بن ہوگئی اور پٹنے کے قتل عام میں اس نے کئی انگریز قیدی مروا ڈالے۔ مگر اس کی فوج کو میجر منرو نے بکسر کے میدان میں

باب سوم

شکست دی جس کی بدولت انگریز بنگالے کے مالک بن گئے۔ آیندہ سال کلایو پھر ہندوستان آیا اور میر جعفر اور شاہ عالم سے ایک قرارداد کرلی کہ بنگالہ، بہار اور اڑیسہ کی مالگزاری ایسٹ انڈیا کمپنی وصول کیا کرے گی اور اس کے عوض میں پانچ لاکھ اشرفی نواب بنگالہ کو اور ڈھائی لاکھ اشرفی سالانہ نام کے بادشاہ شاہ عالم کو ادا کیا کرے گی۔ اس انتظام سے کمپنی حقیقت میں ان تینوں صوبوں کی حکمراں ہوگئی جن کا مجموعی رقبہ ملک فرانس کے برابر تھا۔ کلایو کا منشا یہ تھا کہ مال گزاری کی وصولی اور نظم و نسق کا سارا کام دیسیوں سے لیا جائے اور دفاعی ضروریات کے لیے ایک تنخواہ دار فوج رکھی جائے اور شاہی خراج اور فوج وغیرہ کے مصارف دے کر جو کچھ بچے وہ کمپنی کے پاس رہے۔ کلایو نے نجی تجارت کو بھی روکنا چاہا جو کمپنی کے عمال کیا کرتے تھے اور کمپنی کو بڑا نقصان پہنچتا تھا۔ اس روک تھام کے ساتھ اُس نے تنخواہوں میں عام اضافہ کیا اور مخالفت کے باوجود فوج کی حالت میں بہت کچھ مفید اصلاحیں کرنے کے بعد آخری مرتبہ (۱۷۶۷ء میں) ہندوستان سے رخصت ہوگیا۔ اس کا قوی ہاتھ ہٹتے ہی پھر خرابیاں پیدا ہوگئیں۔ ملک کمپنی کے بھاری مالی مطالبات کا بوجھ نہ اُٹھا سکتا تھا۔ دیسی عہدہ داروں کی سخت بددیانتی سے معاملات اور بھی ابتر تھے۔ رعایا انتہائی مصائب میں گرفتار ہوگئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۷۷۰ء میں ایسا قحط پڑا کہ بنگالہ ویران ہوگیا۔ تب، ۱۷۷۲ء میں دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑا۔ یہ نیا انتظام وارن ہیسٹنگز نے جاری کیا جو ۱۷۷۲ء میں کمپنی کے تینوں صوبوں کا صوبہ دار بنا کر بھیجا گیا تھا اگرچہ ان سب کو ملا کر بلا لحاظ صحت، اکثر صوبۂ بنگالہ ہی کہہ دیتے ہیں۔

وارن ہیسٹنگز

وارن ہیسٹنگز، ۱۷۳۲ء میں پیدا ہوا اور ویسٹ منسٹر اسکول میں کچھ وقت گزارنے کے بعد ۱۷۵۰ء میں ہندوستان بھیجا گیا۔ یہاں اس نے وہ جامع قابلیت دکھائی جو ہمارے (= انگریزوں کے) اکثر عہدہ داروں کا طرۂ امتیاز ہے۔ شروع میں وہ تاجر کا کام کرتا رہا۔ ۱۷۵۶ء میں سراج الدولہ نے اسے گرفتار کرلیا تو پھر وہ ہمہ تن میر جعفر والی سازش میں شریک ہوگیا۔ نواب کی حراست سے کسی طرح بھاگ کر وہ فوج میں داخل ہوگیا اور پلاسی کے

باب سوم

میدان میں بندوق لیے موجود تھا۔ مگر اُس کی خوبیاں دیکھ کر کلایو مہربان ہوگیا اور اُس نے وارن ہیسٹنگز کو سیاسی کام سپرد کیا۔ اس میدان میں وارن ہیسٹنگز نے بہت جلد اپنے آپ کو کمپنی کا قابل ترین عہدہ دار ثابت کیا۔ بنگالے میں قحط پڑا تو وارن ہیسٹنگز انگلستان میں تھا اور وہیں سے وسیع اختیارات کے ساتھ بھیجا گیا کہ اُن خرابیوں کا جن سے اس خوفناک قحط و تباہی کی نوبت آئی تھی، انسداد کرے۔ اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ دیسی عہدہ داروں کی بجائے جن کی نالائقی ثابت ہو چکی تھی، وصول مالگزاری اور عدالت و انتظام کے عہدے انگریزوں کے حوالے کر دیے۔ ادھر اس اثنا میں پارلیمنٹ بھی کمپنی کے حالات کی طرف متوجہ ہوئی۔ یہی واقعہ کہ محض تجارت کرنے والوں کی ایک جماعت لاکھوں اشخاص کے علاقے کی عملاً حاکم بن بیٹھی، سخت الجھن پیدا کرتا تھا۔ دوسرے کمپنی کے ملکی اقتدار سے حسد کرنے کے علاوہ پارلیمنٹ کو اب سب سے زیادہ فکر یہ تھی کہ کمپنی سے سرکاری مراعات کے عوض میں جس قدر معقول رقم مل سکے، وہ وصول کی جائے کہ خود اہل انگلستان کے محاصل کا کچھ بوجھ کم ہو۔ یہ مسئلہ برک نے اُٹھایا اور پارلیمنٹ میں کمپنی اور اُس کے نوکروں کی بے پناہ طمع زر کی بڑی رنگین تصویر الفاظ میں کھینچی کہ "ان لوگوں میں ایک طرف تو اس عہد کا سارا جذبۂ حرص و آز بھرا ہوا ہے اور دوسری طرف جوانی کا اندھا دھند جوش اور انھی طوفانوں میں یہ برابر غوطے کھاتے بہے جاتے ہیں۔ اُدھر غریب دیسیوں کی نگاہ جہاں تک جاتی ہے، اُنھیں ایسے شکاری اور بکھیرد پرندوں کے ایک یاس انگیز و نامتناہی سلسلے کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا، جن کی آتش اشتہا برابر بھڑک رہی ہے اور چارہ برابر کم ہوتے جاتا ہے۔" برک کی دوسری جادو بیانیوں کی طرح یہ بیان بھی مبالغے سے خالی نہ تھا اور جب سے کلایو کی اصلاحات عمل میں آئیں، اُس وقت سے تو اور بھی خلاف واقعہ ہوگیا تھا۔ لیکن اُس زمانے میں لوگوں کے عام خیالات یہی تھے۔ کثیر التعداد اشخاص ہندوستان سے دولت کما کر انگلستان گئے، تو معمولی سفید پوش انگریزوں سے کہیں زیادہ زردار ہوتے تھے اور اس لیے سب کی نگاہیں اُن پر پڑتی تھیں۔ دولتمندی سے

باب سوم

مرتبہ بڑھ جانے کے باوجود اُن کے اخلاق اکثر نئے رتبے کے شایانِ شان نہ ہوتے تھے اور چونکہ اپنے نسب اور تعلیم کی کمی کو وہ دولتمندی کی نمائش سے پورا کرنا چاہتے تھے، لہٰذا عام طور پر انگشت نما اور سخت نامقبول ہو جاتے اور "نباب" (= "نواب صاحب") کے نام سے اُس زمانے کے ظریف انھیں ہدفِ طعن و تمسخر بناتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پارلیمنٹ کی ذیلی مجلس جو کمپنی کے معاملات کی تحقیق کے لیے مقرر ہوئی، اُس میں کلائو کی بھی اُس پورے گروہ کا نمونہ بنا کر بڑی خبر لی گئی اور گو وہ اپنی صفائی میں کامیاب ہوا، تاہم انھی اعتراضات و الزامات نے اُس کا دل توڑ دیا اور وہ ۱۷۷۴ء میں خودکشی کر کے مر گیا۔

مگر مجموعی طور پر دیکھیے تو پارلیمنٹ کا فیصلہ انصاف و اعتدال پر مبنی تھا۔ اس اصول پر، کہ پارلیمنٹ کو کمپنی کے تجارتی معاملات میں نہیں، مگر ملکی مسائل میں دخل ہونا چاہیے، ایک "قانون تنظیمی" تیار کیا گیا۔ ہیسٹنگز ہندوستان کا گورنر جنرل (= سرصوبہ) مقرر ہوا اور اُسے احاطۂ بمبئی و احاطۂ مدراس میں بھی صلح و جنگ کا فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا۔ پانچ ارکان کی مجلس انتظامی مقرر ہوئی کہ گورنر جنرل کو مدد دے۔ ان پانچ میں سے دو کمپنی کے عہدہ دار ہوتے تھے اور تین ارکان پارلیمنٹ مقرر کرتی تھی۔

ہیسٹنگز کا عہد حکومت

مگر اس نئے انتظام سے بھی ہیسٹنگز کی دشواریاں کم نہیں ہوئیں۔ دیسیوں کو سرکاری خدمات سے علیحدہ کر کے وہ پہلے ہی اُن کو، خصوصاً ایک برہمن نند کمار نامی کو، بہت ناراض کر چکا تھا۔ اور ادھر مجلس انتظامی سے اُس کی اَن بن ہو گئی۔ پارلیمنٹ کے فرستادہ ارکان تُل گئے کہ اُسے کچھ کام نہ کرنے دیں۔ اس جماعت کا سرگروہ **فلپ فرانسس** تھا جسے اکثر "جونیس" کے خطوط کا بھی اصلی مصنف سمجھا جاتا ہے۔ ان سب باتوں کے علاوہ اُس کے پاس روپے کی بڑی کمی تھی اور اپنے عمال کی تنخواہیں ادا کرنا اور نظمائے کمپنی کے مطالبات پورا کرنا دشوار ہو گیا تھا۔ مارچ ۱۷۷۵ء میں نند کمار کا مقدمہ میر مجلس امپی کی عدالت میں پیش ہوا اور خیانت مجرمانہ کے جرم میں اُسے پھانسی کی

باب سوم

سنراٹلی[1] ۱۷۸۰ء میں فرانسس وطن چلا گیا اور مجلس انتظامی کے جلسے امن سے ہونے لگے۔ لیکن روپے کی ضرورت برابر چلی جاتی تھی۔ اسی سے پریشان ہو کر ہیسٹنگز نے گورا سپاہیوں کی ایک فوج کی خدمات، عملاً نواب اودھ کے ہاتھ فروخت کر دیں جو رُہیلوں کا مُلک چھیننے کی طمع میں رہیل کھنڈ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ ہیسٹنگز کی مشکلات میں اور زیادہ اضافہ فرانس کے ساتھ جنگ چھڑنے سے ہو گیا اور ہندوستان کی فرانسیسی آبادیوں سے پھر وہی دیرینہ کشمکش ہونے لگی۔ سب سے بڑی پیچیدگی حیدر علی سلطان میسور سے جنگ چھڑ جانے کے باعث پیش آئی۔ حیدر علی کی شخصیت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اس نے جوانی میں فرانسیسیوں کے ماتحت فوجی قواعد کی تعلیم پائی اور پھر اپنی جنگی قابلیت سے راجۂ میسور کی سپاہ میں سپہ سالار کے عہدے تک ترقی کر گیا۔ پھر اُس نے میسور کے اصلی حکمرانوں کو معزول اور خود سلطان کا لقب اختیار کیا۔ وہ اعلیٰ درجے کا سپاہی تھا اور فرانسیسیوں کی مدد سے اُس نے مدراس پر اس شدومد سے حملہ کیا کہ ہیسٹنگز زیادہ سے زیادہ یہی کر سکا کہ دفاعی اسباب مہیا کر دے۔

حیدر علی

غرض ان پریشانیوں میں ہیسٹنگز نے وصول زر کے نہایت قابل اعتراض طریقے اختیار کئے اور دوسری نامنصفانہ کارروائیوں کے علاوہ جبرو تہدید بیجا سے ایک بڑی رقم اودھ کی بیگموں سے وصول کی۔ بالآخر اُس کی ہمت و استقامت سے تمام دشواریاں دور ہو گئیں۔ حیدر علی کو آئیر کوٹ نے

[1] لارڈ مکالے نے اپنے مشہور و معروف مضمون میں جو وارن ہیسٹنگز پر لکھا ہے اس بات کو گویا مسلّم سمجھ لیا ہے کہ نند کمار کی پھانسی ایک عدالتی خون، تھا۔ لیکن انگلستان کا ایک نامور حاکم عدالت، سر جیمس اسٹیفن، اپنی کتاب "نند کمار اور امپی" میں تحریر کرتا ہے کہ میرے نزدیک نند کمار کا مقدمہ بالکل منصفانہ طور پر ہوا۔ اور پھر مکالے کی رائے کی تردید کے اسباب و وجوہ لکھتا ہے۔ (جلد دوم صفحہ ۸۲ تا ۸۶) اس میں شک نہیں کہ مکالے کی پُر زور تحریر سے ہیسٹنگز کی ساری روش کے متعلق ایک غلط گمان پیدا ہو گیا ہے۔

پورٹو نوووکی لڑائی میں شکست دی (یہ پرتگیزوں کی ایک قدیم بستی تھی) اور ادھر امیر البحر ہیوز صرف نو جہازوں سے فرانس کے بارہ جہازوں کے ساتھ چار بار لڑا اور اپنے کسی جہاز کو ضایع نہ ہونے دیا۔ اس کی ان لڑائیوں سے اہل فرانس اپنے ہندی حلیف کو کوئی معقول مدد نہ پہنچا سکے اور مشرقی سمندروں میں ایسے نازک موقع پر برطانیہ کا اقتدار ابھی قائم وبحال رہا۔ بایں ہمہ کمپنی کے وسائل آمدنی ان لڑائیوں کے خرچ کی تاب نہ لاسکے اور ۱۷۸۳ء میں اس کا دوالا نکلتا دیکھ کر حکومت کو مداخلت کرنی پڑی۔

فاکس کا مسودۂ قانون مخلوط وزارت نے ایک مسودۂ قانون مرتب کیا جسے برک کے بقول، ہندوستان کا "میگنا کارٹا" بنانا مقصود تھا۔ جہاں تک ہندوستان کے نظم ونسق کا تعلق ہے۔ اُس کی تجاویز بہت اچھی تھیں اور کہتے ہیں کہ اُنھیں برک نے مرتب کیا تھا۔ مگر سب سے زیادہ توجہ مسودے کے جس حصے پر مبذول ہوئی وہ کمپنی اور حکومت برطانیہ کے باہمی تعلقات کی نسبت تھا اس کی روسے کمپنی کے ملکی اقتدار کے بادشاہ کی طرف منتقل ہونے کا جو کام ۱۷۷۳ء میں شروع ہوا اس کی تکمیل ہوتی تھی۔ پندرہ نظما کی ایک جماعت مقرر کی گئی جن میں سات کے ہاتھ میں تمام سیاسی اور باقی آٹھ کے پاس جملہ تجارتی اقتدار تھا۔ ان آٹھ کو منتخب کرنے کا حق کمپنی کو دیا گیا مگر اُن سات کی نسبت قرار پایا کہ پارلیمنٹ چار سال کے لیے اُنھیں نامزد کرے اور اس کے بعد اُنھیں بادشاہ مقرر کردیا کرے۔ اس تجویز میں کمزوری یہی تھی کہ چار سال تک پارلیمنٹ کو حق انتخاب دیا گیا تھا جس کے معنی یہ تھے کہ پارلیمنٹ کی اکثریت وقت کے وقت اُنھی لوگوں کو منتخب کرتی جنھیں فاکس اور نارتھ چاہتے تھے اور چار سال تک ہندوستان کے سارے عہدے اُن کے قبضے میں آجاتے تو پھر مخلوط وزارت کا تسلط دائمی ہوجاتا۔ جس وقت یہ مسودہ لارڈ نارتھ کو دکھایا گیا تو اُس نے کہا کہ "یہ دستاویز کسی وزارت کو درہم برہم کرادینے کے لیے کافی ہے" یہ الفاظ درست ثابت ہوئے۔ مسودے کے خلاف لوگوں کو ہر ہر طرح سے مشتعل کیا جانے لگا۔ فاکس کی ایک تصویر "کارلو خاں" کے نام سے تیار ہوئی جس میں وہ ہاتھی پر سوار ڈاؤننگ اسٹریٹ میں داخل ہو رہا ہے۔

باب سوم

اور لوگوں نے ہانکے پکارے کہنا شروع کیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی پر یہ ایسا حملہ ہوا ہے کہ کبھی کسی کمپنی کی خیر نہیں نظر آتی۔ اس چیخ پکار کا دار العوام پر تو کوئی اثر نہ ہو سکا اور مسودہ بڑی بڑی اکثریتوں سے وہاں منظور ہو گیا۔ لیکن جب وہ دار الامراء میں آیا تو بادشاہ نے آئین کے سراسر خلاف یہ حرکت کی کہ چیٹم کے دوست (ٹیمپل) کے بیٹے، نوجوان لارڈ ٹیمپل کو ہر امیر کے پاس ملاقاتی کارڈ پر صاف لفظوں میں یہ پیام لکھ کر بھیجا کہ جو شخص مسودۂ قانون متعلقۂ ہند کی موافقت میں رائے دے گا وہ یہی نہیں کہ میرا دوست نہیں، بلکہ میں اُسے اپنا دشمن سمجھوں گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسودہ ۱۷؍ دسمبر کو نامنظور کر دیا گیا اور اسی رات بادشاہ نے وزیروں سے اُن کے قلمدان اور کنجیاں واپس منگالیں۔

پٹ کی پہلی وزارت

اب جارج نے اپنا وزیر اعظم شیل برن کو نہیں بلکہ ولیم پٹ کو مقرر کیا جس کی عمر ۲۴ برس کی تھی اور پارلیمنٹ میں آئے تین سال سے زیادہ نہ گزرے تھے۔ بایں ہمہ پٹ نے بے تامل عہدہ قبول کر لیا۔ اسے ابتدا سے پارلیمنٹ کے واسطے تربیت دی گئی تھی۔ بالکل بچہ تھا جب سے اس کا باپ اسے "فردوس گم گشت" باواز پڑھ کر سنانے اور ادب عالیہ کی کتابیں ایک نظر دیکھ دیکھ کر ترجمہ کرنے کی تعلیم دیتا تھا تاکہ اُسے اپنی آواز پر قابو اور الفاظ کے انتخاب کرنے کی پوری مشق ہو جائے۔ جسمانی ناتوانی کے باعث وہ سرکاری مدرسے میں داخل نہیں ہوا لیکن چودہ برس کی عمر میں ایک اتالیق کے ساتھ جامعۂ کیمبرج بھیجا گیا اور میقات جامعہ کے بڑے حصے میں، جب تک مبعوث منتخب ہوا، وہیں رہتا تھا۔ یہاں اس نے یونانی اور لاطینی ادبیات اور ریاضی کے علاوہ اُن کتابوں کا بھی مطالعہ کیا جو اُس عہد کی سیاسیات سے خاص علاقہ رکھتے تھے۔ خصوصاً ایڈم اسمتھ کی کتاب "دولت اقوام" "ویلتھ آف نیشنز"، کا جو ۱۷۷۶ء میں شایع ہوئی اور جس میں "بے قید تجارت" کے اصولوں کو باقاعدہ دلائل سے صحیح ثابت کیا گیا تھا۔ ۱۷۸۰ء کے انتخابات میں وہ جامعہ کی طرف سے امید وار ہوا مگر شکست کھائی اور آخر سر جیمس لاؤتھر نے اسے اپنے ایپل بی کی طرف سے مبعوث بنوا دیا۔ پارلیمنٹ میں اُس نے

باب سوم

وہ مستعدی اور پختگی دکھائی کہ اس عمر کے نوجوان سے توقع نہ ہوسکتی تھی۔ اسی کے ساتھ وہ اپنی قابلیتوں پر اس حد تک یقین رکھتا تھا جو قریب قریب قابل مضحکہ نظر آتا تھا۔ بہرحال دلیر ہونے کے باوجود اب اُسے اپنی پوری ہمت وسعی سے کام لینا پڑا کیونکہ پارلیمنٹ کے تمام دیرینہ سال کار رکن مخالفت میں سرگرم تھے اور وہ لوگ جن سے تائید کی توقع تھی اس لیے رکتے تھے کہ پٹ کی ناکامی کی صورت میں (جو یقینی تھی) خود اُن کی شہرت پر حرف آجاتا۔

نئی مجلس وزرا کے سب ارکان خود پٹ کے سوا، دارالامرا کے لوگ تھے۔ اور دارالعوام میں اُس کی کارگر تائید کرنے والا صرف ہینری ڈنڈس تھا۔ یہ اسکاٹ لینڈ کا مشیر قانونی اور تجربے کا خزانچی تھا لیکن مجلس وزرا میں شامل نہ تھا۔ دارالامرا میں بھی پٹ کا کوئی رفیق اعلیٰ قابلیت کا آدمی نہ تھا۔ تھرلو کو البتہ مستثنیٰ کرسکتے ہیں لیکن عام حکمت عملی کی حمایت میں وہ اُلٹی رکاوٹ پیدا کرتا تھا۔ کیمڈن، گریفٹن اور ٹیمپل سب الگ رہے۔ شیل برن کو پٹ نے وزارت میں کوئی جگہ نہ دی جس کا سبب یہ ہے کہ وہ اُس کی غیر ہر دلعزیزی سے ڈرتا تھا یا قابلیت سے۔ اور شیل برن کچھ روز بعد خود ہی پردیس چلا گیا۔ غرض حکومت اپنا بچاؤ کرنے میں بظاہر بہت کمزور تھی اور حریفوں میں فاکس جیسا مناظرے کا استاد، نارتھ جیسا بذلہ سنج معترض اور برک جیسی خاص قابلیت کا آدمی صف آرا تھے۔ فریقین کا طریق جنگ بالکل سادہ تھا۔ جارج اور پٹ تلے ہوئے تھے کہ اُس وقت تک اقتدار کی باگ ہاتھ سے نہ چھوڑی جائے جب تک کہ اُس زمانے کی سست رو رائے عامہ آہستہ آہستہ ایک مستقل پہلو نہ اختیار کرلے۔ فاکس اور نارتھ چاہتے تھے کہ جس قدر جلد ممکن ہو حکومت کو استعفا یا پارلیمنٹ کے برخاست کرنے پر مجبور کریں حتیٰ کہ وہ رقوم کی منظوری روک دینے کی فکر میں تھے کہ نظم ونسق چلانا محال ہوجائے۔ اِس کے سوا، کسی وزیر کو استعفا دینے پر مجبور کرنے کی کوئی آئینی صورت موجود نہ تھی۔ چنانچہ گو پٹ کو دارالعوام میں بار بار شکست ہوتی تھی تاہم نہ وہ استعفا دینے کا خیال کرتا تھا نہ جارج استعفا طلب کرنے کا۔ ادھر صاف

باب سوم

معلوم ہوتا تھا کہ رائے عامہ کا بہاؤ پٹ کی طرف ہو چلا ہے۔ دارالامرا میں دو تہائی ارکان اُس کے طرفدار تھے۔ سلطنت بھر میں سب سے آزاد خیال حلقہ لندن کا تھا۔ وہاں کی بلدی مجلس میں پٹ کو "حریت لندن" دینے کا فیصلہ ہوا۔ اور شہروں سے بھی تائیدی سپاس نامے پیش ہونے لگے۔ فریق اختلاف کے زندہ دل ہنستے تھے کہ سلطنت کو ایک مدرسے کے لڑکے کے سپرد کر دیا گیا ہے اور تحریک پہ تحریک منظور کراتے تھے کہ کارکردہ، متحد اور ہمہ گیر وزارت قائم کرنا ضروری ہے۔ مگر یہ سب نکتہ چینیاں بیکار گئیں۔ ان کی اکثریت برابر کم ہوتی گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ حکومت کے خلاف ان کی ایک تحریک صرف ایک رائے کی بیشی سے کامیاب ہوئی تب فاکس نے ہمت ہار دی۔ قانون غدر کی تحریک منظور ہو گئی اور ۲۵ مارچ کو پارلیمنٹ برخاست کر دی گئی۔

نئے انتخابات

اب حلقوں میں کشمکش شروع ہوئی۔ اُس زمانے میں سر جلسہ نامزدگیاں ہوتیں۔ علانیہ رائیں دی جاتیں اور رائے دینے کا سلسلہ ہفتوں رہتا تھا لہٰذا انتخابات میں بڑا اودھم مچتا اور خوب رشوتیں دے کے اور اثرات ڈال کے کام لیا جاتا تھا۔ ان انتخابات میں اور بھی زیادہ کشاکش ہوئی، ایک طرف تو ایسٹ انڈیا کمپنی نے فاکس کے مسودۂ قانون کی ایک نقل ہر حلقے میں بھیجی اور لکھا کہ ہمارے منشور پر حملہ ہے، تم اپنے منشور کی خیر مناؤ" دوسری طرف وھگ خاندانوں نے اپنی پوری قوت صرف کر دی کہ جو اقتدار ستر برس تک اُن کے قبضے میں رہا ہے وہ ہاتھ سے جانے نہ پائے۔ لیکن بالآخر فتح نے پٹ اور بادشاہ کا ساتھ دیا۔ پٹ کے نوجوان دوست ولبرفورس نے سارے یارک شر کو اپنا بنا لیا اور وہاں کے بڑے بڑے وھگ خاندانوں کی کچھ نہ چلنے دی۔ خود پٹ، کیمبرج یونیورسٹی کی طرف سے بڑے دھوم دھام کے ساتھ منتخب ہوا اور اس کے برخلاف فاکس کو اپنے مقبول عام حلقے ویسٹ منسٹر میں بہ مشکل دوسری جگہ ملی حالانکہ وہ پہلے سے وہاں کا مبعوث بھی تھا۔ اس کے متبعین میں تعداد کثیر یعنی ڈیڑھ سو اشخاص نے

باب سوم

شکست کھائی اور زندہ دلوں میں "شہیدان فاکس" کے نام سے مشہور ہوئے۔ قدیم وھگوں کی اس ہزیمت کا اصلی سبب یہ تھا کہ ان ارباب سیاست نے اپنا جتھا بنا لیا تھا اور ملک کے نظم ونسق میں کسی دوسرے کو بار پانے نہ دیتے تھے۔ یہ خود غرضی دیکھ کر اہل ملک اُن سے بیزار ہو گئے تھے۔ ان کی ناکامی کا ایک اور سبب یقیناً یہ تھا کہ لوگوں کو پٹ سے حسن عقیدت تھی۔ ایک تو باپ کی شہرت ورثے میں ملی دوسرے اپنی قابلیت، اپنی دلیری اور سب سے بڑھ کر اپنی بے لوثی کی بدولت وہ محترم ہوا اگرچہ اُس کے اوصاف میں سب سے زیادہ مشہور دلیری تھی اُس نے اپنی بے نفسی کا حیرت انگیز ثبوت یہ دیا کہ تین ہزار پونڈ سالانہ کی ایک معاش، جسے ساری دُنیا سمجھتی تھی کہ پٹ اپنے لیے مخصوص کرلے گا۔ باپ کے قدیم دوست اور نابینا کرنل بیرے کے نام کردی۔ غرض، اسباب جو کچھ بھی بیان کیے جائیں، اُسے انتخابات میں کامل فتح حاصل ہوئی اور اس عہد میں وہی پہلا وزیر تھا جس پر بادشاہ، پارلیمنٹ اور عام اہل ملک سب اعتماد رکھتے تھے اور اُسے وہ اقتدار واطمینان میسر آیا جس کا وال پول کے بعد، اب تک کوئی اور وزیر ادعا تک نہ کرسکتا تھا۔

پٹ کا قانون ہند

پٹ نے سب سے پہلے ہندوستان کے مسائل پر غور وتفحص کیا۔ سابقہ پارلیمنٹ میں وہ ایک مسودہ پیش کرچکا تھا جو منظور نہیں ہوسکا اب اس نے ایک دوسرا مسودہ تیار کیا جس میں ہندوستانی کے نظم ونسق کا طریقہ تو وہی تھا جو فاکس نے تجویز کیا تھا لیکن کمپنی کے سیاسی معاملات پر حکومت کی نگرانی رکھنے کی دوسری تدبیر نکالی تھی یعنی ایک مجلس نظارت، ۶ ارکان کی مرتب کی جسے حکومت وقت کا باقاعدہ سررشتہ بنالیا گیا۔ یہ مجلس تمام سیاسی معاملات کی نگراں تھی اور باقی تجارت سے متعلق جملہ امور بدستور کمپنی کے ہاتھ میں چھوڑ دیے گئے تھے۔ گورنر جنرل اور سپہ سالار کا انتخاب کمپنی کے اختیار میں تھا لیکن حکومت اُسے مسترد کرسکتی تھی۔ باقی تمام ملکی عہدہ داروں کا تقرر مجلس نظارت کرتی تھی۔ یہ تشکیل ۱۸۵۸ء تک قائم رہی۔ اصولاً اس طریقے میں انگلستان کے دونوں

باب سوم

سیاسی گروہ ہندوستان کی ملازمتوں اور فوائد سے متمتع ہو سکتے تھے لیکن عہدِ پٹ کے طویل دور میں ان جدید اختیارات سے ڈنڈس نے یہ کام لیا کہ اسکاٹلینڈ میں پٹ کا اقتدار قائم کر دیا۔ ڈنڈس پٹ کا دوست اور مجلس نظارت کا پہلا صدر نشین مقرر ہوا تھا اور اُس کے وقت میں ہندوستان کی ملازمت حاصل کرنے کی دو ضروری شرطیں ہی یہ ہو گئی تھیں کہ درخواست گزار اسکاٹ لینڈ کا باشندہ اور پٹ کا حامی ہو۔ اس طرح ڈنڈس کی ہوشیاری سے اسکاٹ لینڈ کے تقریباً سبھی پارلیمنٹی حلقے پٹ کی وزارت کے موید بن گئے۔

وارن ہیسٹنگز سے مواخذہ

۱۷۸۵ء میں وارن ہیسٹنگز وطن واپس آیا۔ ہندوستان میں اس کی حکومت پر اُن دنوں (پارلیمنٹ میں) بڑی لے دے ہوئی تھی۔ لہذا سوال پیدا ہوا کہ آیا اس کے افعال پر باقاعدہ مواخذہ کیا جائے یا خاموشی اختیار کر لی جائے۔ ہیسٹنگز نے بہت پھوڑپن سے کام لیا اور اس کے کارندوں کی کوشش سے لوگ ادھر متوجہ تو ہو گئے مگر کوئی خاص جماعت پیرو کار نہیں بنی۔ بخلاف اس کے ہیسٹنگز کے پرانے دشمن فرانسس نے سخت حملے شروع کیے اور پارلیمنٹ میں فاکس اور برک نے ہنگامہ کیا کہ اس پر مقدمہ چلایا جائے۔ پٹ اور ڈنڈس ابتدا میں تو از خود ہیسٹنگز کی حمایت پر تلے ہوئے تھے جس نے ایسے نازک وقت میں برطانی ہند کو سنبھالے رکھا لیکن شہادتوں کو احتیاط سے دیکھنے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ حکومت اُس کی صفائی اپنے ذمے نہیں لے سکتی۔ پس وہ خاموش ہو رہے اور معاملہ فریق اختلاف کے سپرد کر دیا جس نے ہیسٹنگز سے مواخذے کی چار مدیں منظور کرائیں:- (۱) روہیلوں کی تخریب جس کا نواب اودھ سے چار لاکھ اشرفی معاوضہ لیا گیا۔ (۲) چیت سنگھ راجۂ بنارس سے جبراً پانچ لاکھ اشرفی کا اس عذر پر وصول کرنا کہ وہ سالانہ خراج (مبلغ پچاس ہزار اشرفی) ادا کرنے میں لیت و لعل کرتا ہے۔ حالانکہ فی الواقع اُس کے ذمے کوئی رقم نہ تھی۔ (۳) چیت سنگھ کی معزولی اور پھر اُس کی پوری مالگزاری یعنی دو لاکھ اشرفی سالانہ کی آمدنی پر تصرف۔ اور آخری (۴) یہ کہ اودھ کی بیگموں سے لاکھوں اشرفی

جبراً وصول کی گئی۔

۱۷۸۸ء میں تحقیقات شروع ہوئی۔ ہیسٹنگز کے خلاف تقریر کرنے والوں میں، فاکس، برک، (آر۔ بی) شیری ڈن اور (و۔ و) ونڈھم قابل ذکر ہیں۔ رائے عامہ اس بارے میں بہت کچھ مختلف تھی۔ حکام عدالت قطعی طور پر ہیسٹنگز کے ساتھ تھے۔ لیکن خدا ترسی کا جذبہ جو اُن دنوں عروج پر تھا، اس کے خلاف تھا۔ بہرحال مقدمہ چھ سال تک رنجتا رہا کیونکہ امراء ہر میقات میں صرف چند روز شہادتیں سنتے تھے۔ آخر میں ہیسٹنگز بری کیا گیا۔ یہ نتیجہ ظاہر میں تو معمولی تھا مگر حقیقت میں مقدمے کا اس کی صحت پر جو اثر پڑا وہ اس نتیجے سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ ادھر اہل انگلستان کی پوری توجہ ہندوستان پر منعطف ہوگئی اور تھوڑے ہی دن میں اس کے مسائل پر ایک عام رائے قائم ہوگئی جو کسی اور کمتر دلکشی کے واقعات سے قائم نہ ہو سکتی تھی۔ اب تک ہندوستان میں انگریزوں کا نظم و نسق، گو اس میں بہت سے دلاوری اور اعلیٰ قابلیت کے کارنامے درخشاں تھے لیکن مجموعی طور پر انگلستان کے لیے موجب عار تھا۔ اب اس نظم و نسق کو رفتہ رفتہ بدلا گیا۔ انگریزی عمال کو فرائض ملازمت کا بلند تر معیار سکھایا گیا اور ان فرائض میں اپنی خودداری اور دیسیوں کے حقوق کا پاس دونوں شامل تھے۔ مزید برآں کمپنی کی باقی ستر سال کی حکومت میں بعض ایسے نامی گرامی اشخاص ہندوستان کے نظم و نسق میں حصہ دار رہے جن پر برطانی قوم فخر کر سکتی ہے۔

اس عرصے میں پٹ نظم و نسق کے اکثر شعبوں کی اصلاح یا کوشش اصلاح میں برابر مصروف تھا۔ اپنے باپ اور خود اپنے منصوبے کے مطابق

پارلیمنٹ کی اصلاح

اُس نے ۱۷۸۵ء میں پارلیمنٹی اصلاح کی تجاویز پیش کیں۔ ان میں چھتیس فرسودہ حلقوں کی منسوخی بھی تھی کہ جہاں فی حلقہ چھ سے بھی کم رائے دہندے رہ گئے تھے۔ ان کے مالکوں کے لیے پٹ نے مالی معاوضہ اور وہاں کی بہتر نشستوں کو لندن اور دوسرے اضلاع میں تقسیم کر دینے کی تجویز کی۔ مزید برآں ایسے موروثی کاشتکاروں کو بھی، جن کی آمدنی چالیس شلنگ سالانہ ہو، حق رائے دہی کی تحریک کی۔ فاکس ان تجاویز کی

باب سوم

تائید میں تھا مگر برک نے ان کی شدید مخالفت کی۔ بادشاہ بھی ان کے خلاف تھا اور سابق میں اصلاح کا شور مچانے والے حکومت حاضرہ سے مطمئن ہو کر اب ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔ غرض پٹ کی دلی خواہش کے باوجود کہ یہ مسودہ قانون کی شکل اختیار کرلے، دوسری خواندگی کے موقع پر ۱۷۴ کے مقابلے میں ۲۴۸ رائے سے پارلیمنٹ نے اسے مسترد کردیا۔

گو پارلیمنٹ کی اصلاح میں کامیابی نہ ہوئی تاہم پٹ نے حکومت کے حسابات کی باضابطہ تنقیح کا قانون نافذ کرا کے نظم ونسق کی کسی حد تک ضرور درستی کردی۔ اس سے پہلے غضب کی خورد برد ہوا کرتی تھی اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ تین سو پونڈ سالانہ لارڈ نارتھ کے حسابات میں صرف باندھنے کی ڈوریوں کی مد میں اُن کے استعمال کے لیے ادا کیے جاتے تھے۔ نظم ونسق کے متعلق لوگوں کو رائے قائم کرنے میں مدد دینے کی غرض سے پٹ نے فرانس کے وزیر نیکر کے قائم کردہ طریقے یعنی سرکاری حسابات کی پوری کیفیت شایع کرنا اختیار کیا۔ پارلیمنٹ کی میقات میں بھی رد وبدل اُسی کے عہد وزارت کی یادگار ہے کہ پہلے پارلیمنٹ کا افتتاح عموماً نومبر کے مہینے میں ہوجاتا تھا لیکن ۸۴-۱۷۸۳ء کے اجلاس کے بعد جنوری ۱۷۸۵ء میں افتتاح کیا گیا اور یہی رسم اب تک جاری ہے۔

مگر پٹ کو سب سے نمایاں کامیابی مالیات کے میدان میں ہوئی۔ اُس نے ایڈم اسمتھ کے اصول اختیار کیے اور یہ مصنف تجارت کی ترقی کے واسطے محاصل کی کمی کا حامی تھا۔ حالانکہ پہلے ماہرین مالیات شرح بڑھا کر تجارت درآمد کو کم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ پٹ نے ۱۷۸۵ء میں چائے کا محصول گھٹا کر ۵۰ سے ۱۲ فی صدی کردیا اور آمدنی کی کمی "محصول دریچہ" لگا کر پوری کی۔ اس محصول سے وہ چھوٹے مکان جن میں چھ سے کم دریچے ہوں مستثنیٰ تھے۔ وال پول کی تجویز کہ انگوری شراب اور تمباکو کو آبکاری میں داخل کیا جائے، اس پر بھی پٹ کے زمانے میں عملدرآمد ہوا۔ اس سے بھی بڑھ کر اہم فرانس کے ساتھ وہ تجارتی معاہدہ تھا جس کی تکمیل ۱۷۸۶ء میں ہوئی۔ اہل انگلستان قدیم سے

باب سوم

اس ملک کو اپنا "قدرتی دشمن" سمجھتے تھے۔ اس تعصب کے باوجود پٹ نے ترقی تجارت کی غرض سے دونوں ملکوں میں محصول درآمد کو انتہا درجے تک گھٹا دینے کی علانیہ وکالت کی اور اپنا کامل یقین ظاہر کیا کہ قیام امن کی بھی بہترین صورت یہی ہے کہ دونوں ملکوں کے تجارتی تعلقات کو ترقی دی جائے۔ مذکورۂ بالا معاہدے کا فوری فائدہ یہ ہوا کہ سرکاری آمدنی بڑھ گئی۔ ۱۷۸۶ء سے قبل برانڈی کا ایک قرابا محصول خانے سے باقاعدہ محصول دے کر بازار میں پہنچتا تھا تو کم سے کم چھ قرابے چوری سے لوگ لے آتے تھے۔ مگر محصول درآمد کی کمی سے چرا کے لانے والوں کو کوئی نفع نہ رہا اور اسی نسبت سے مداخل میں توفیر ہوئی۔ اسی اصول سے پٹ آئرستان میں بھی کام لینا چاہتا تھا اور ۱۷۸۵ء میں اس نے ایک مسودۂ قانون بھی پیش کیا تھا کہ دونوں ملکوں کے محاصل درآمد برابر کر دیے جائیں لیکن پارلیمنٹ کے تجارت پیشہ ارکان میں اس تجویز کی شدید مخالفت ہوئی۔ فاکس اور فریق اختلاف کے دوسرے سرگروہ بھی اُن کے موید ہو گئے۔ مجبوراً پٹ کو اپنی تجاویز میں ترمیم کرنی پڑی مگر ترمیم کے بعد جو مسودۂ قانون مرتب ہوا اُس میں آئرستان کا فائدہ اتنا کم تھا کہ وہاں کی ملکی مجلس نے اسے مسترد کر دیا۔

"معبھولا کھاتا" پھر پٹ نے قومی قرضے کو، جس کی مقدار پچیس کروڑ پونڈ ہو گئی تھی، ادا کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس کا مقاد یہ تھا کہ ہر سال دس لاکھ پونڈ علیحدہ رکھ دیے جائیں اور ان سے ذخائر کی خریداری کا کام لیا جائے۔ یہ انتظام چند ناظروں کے سپرد ہوا اور وہ ذخائر پر پہلے سال جو منافع ملے اُسے بھی دوسرے سال کے مزید سرمایے کے ساتھ شامل کر کے پھر ذخائر خرید لیں۔ اس طرح ہر سال ذخائر کی مقدار بڑھتی چلی جائے گی اور جب وہ قومی قرضے کے برابر پہنچ جائے تو اُسے بیک وقت ادا کر دینا ممکن ہو جائیگا۔ گویا قوم کے قرضے کو قوم ہی سے قرض لے کر ادا کرنا مقصود تھا۔ کوشش کرنے والوں کی نیت بھی خالص تھی لیکن اس میں خرابی یہ تھی کہ اگر دس لاکھ پونڈ سالانہ کے واسطے بھی قرض لینے کی ضرورت پیش آئے اور یہ قرضہ پچھلے قومی قرضے سے زیادہ شرح سود پر مل سکے تو اس کے معنیٰ یہ تھے کہ کم شرح سود کے

باب سوم

قرض کو زائد شرح سود کا قرض لے کر ادا کیا جائے۔ **فاکس** اور **شیریڈن** نے اس پہلو کو جتا دیا تھا اور یہ دونوں کم سے کم قرض کے مسئلے پر ذاتی تجربے سے گفتگو کر سکتے تھے۔ اور جب فرانس کے ساتھ جنگ چھڑی تو واقع میں مذکورۂ بالا صورت پیش آگئی۔ بایں ہمہ پٹ کے جیتے جی تو یہ دس لاکھ پونڈ سالانہ برابر جمع ہوتے رہے۔ البتہ ۱۸۰۷ء میں یہ تجویز عملاً اور پھر ۱۸۳۸ء میں رسماً بھی ترک کر دی گئی۔

بردہ فروشی

وہ جذبۂ خدا ترسی جو ہیسٹنگز پر مقدمہ چلانے کا محرک ہوا، اسی کا ظہور ہم بردہ فروشی کی روز افزوں مخالفت میں دیکھتے ہیں۔ اس تحریک میں پارلیمنٹ کے باہر کیمبرج کا ایک نوجوان طیلسانی مسمی **ٹامس کلارک سن** پیش پیش تھا۔ اور اس موضوع پر لاطینی مضمون لکھنے کے صلے میں انعام بھی جیت چکا تھا۔ پارلیمنٹ کے اندر اس تحریک کی وکالت **ولبرفورس** کرتا تھا۔ اور ۱۷۸۷ء میں ایک باقاعدہ انجمن بھی قائم کی گئی کہ بردہ فروشی کا قطعی سدباب کر دیا جائے۔ اس پر فوراً عمل نہ ہو سکتا تھا کیونکہ بڑے بڑے سرمایے اور اغراض و حقوق اس تجارت سے وابستہ تھے تاہم پارلیمنٹ کی طرف سے بردہ فروشی کے حالات کی باضابطہ تحقیق کرائی گئی اور جب اس میں بہت سے مظالم کا انکشاف ہوا تو بردہ فروشی کے جہازوں کی دیکھ بھال اور بہتر انتظام کا قانون بنایا گیا (۱۷۸۸ء) اور دوسرے سال **پٹ**، **ولبرفورس**، **فاکس** اور **برک** کی کوشش سے اس تجارت کے خلاف کئی قرار دادیں منظور ہوئیں۔

معاملات خارجہ

معاملات خارجہ میں کوئی خاص کام کرنے کی **پٹ** کو کچھ بہت فکر نہ تھی اور نہ وہ کچھ زیادہ کام کر سکا۔ نوآبادیوں کے ہاتھ سے نکل جانے اور ممالک یورپ سے اتنی سخت زور آزمائی نے برطانیہ کو نسبتہً بے دست و پا کر دیا تھا۔ اس کی دولتمندی اور بیڑے کی وجہ سے دوسری سلطنتیں اس کا لحاظ کرتی تھیں مگر جانتی تھیں کہ کسی بڑے پیمانے پر برطانیہ جنگ آرائی کی قابلیت نہیں رکھتی۔ مگر پٹ برطانیہ کو یورپ کی ممتاز طاقت

منوانے کے معاملے میں اپنے باپ کی طرح ہر جگہ اڑ جاتا تھا اور کسی دوسری سلطنت سے معاملہ کرنے میں اپنا رتبہ کبھی کم تسلیم نہ کرتا تھا۔ بیرونی معاملات میں سب سے اول ہالینڈ کے ایک انقلاب پر اس کی توجہ مبذول ہوئی۔ یہ انقلاب حامیان فرانس یا جمہوری جماعت نے برپا کیا اور ۱۷۸۷ء میں موروثی رئیس، شہزادۂ اورینج کو ہٹا کر قصد کیا کہ سابقہ طرز کے مطابق متحدہ اضلاع کی وفاقی حکومت بحال کر دی جائے لیکن اس کارروائی پر شاہ پروشیا اور شاہ انگلستان، جو خاندان اورینج سے قرابت رکھتے تھے۔ دونوں کو اعتراض تھا۔ چنانچہ پٹ، پروشیا کا ہمنوا ہو گیا کہ ولندیزوں کو دوبارہ اپنے قدیم رئیس کی بحالی پر مجبور کیا جائے۔ اور جب یہ دباؤ پڑا تو ولندیزاُسے واپس لینے پر اس شرط کے ساتھ آمادہ ہو گئے کہ پروشیا اور انگلستان اُس کی مملکت کی حفاظت کا ذمہ لیں اور اسی بنا پر انگلستان، پروشیا اور ہالینڈ کے درمیان ایک اتحاد ثلاثہ قایم ہو گیا (۱۷۸۸ء)۔

ایک اور جھگڑا یہ پیدا ہوا کہ آیا انگریز، جزیرۂ وین کووار اور سینٹ جارج ساؤنڈ کے درمیان (جو اُن دنوں نٹکا کہلاتا تھا) اپنی بستیاں بسانے کا حق رکھتے ہیں یا نہیں اسی قضیے کی بدولت یہ سوال پیش آیا کہ جو قوم کسی علاقے کو دریافت کرے کیا اُس کا قبضہ کیے بغیر محض اعلان ملکیت کر دینا اس بات کے لیے کافی ہے کہ دوسری کوئی قوم اس علاقے میں آباد نہ ہو سکے۔ انگریزوں کا ہمیشہ سے قول تھا کہ عملی قبضہ ضروری چیز ہے لیکن ہسپانوی اپنے بادشاہ الیگزنڈر ششم کی سند پر شمالی امریکا کے سارے مغربی ساحل کی ملکیت کا دعویٰ کرتے اور انگریزوں کی تردید کرتے تھے۔ ۱۷۹۰ء میں اس قضیے نے انتہائی صورت اختیار کر لی اور آخر پٹ کی مضبوطی کی بدولت اسپین والوں کو دب جانا پڑا۔

روس

ولندیزوں اور ہسپانویوں کے مقابلے میں تو پٹ کامیاب ہوا لیکن روس کو مرعوب کرنے میں اُسے کامیابی نہ ہو سکی۔

روس پر ان دنوں وہاں کی مشہور ملکہ کیتھرائن دوم حکمراں تھی اور جس طرح پیٹر اعظم نے بالٹک تک رسائی حاصل کی اسی طرح یہ ملکہ تلی ہوئی تھی کہ روس کی

باب سوم

بحر اسود تک دسترس ہو جائے۔ ۱۷۸۸ء میں اُس کے سپہ سالار پوٹم کم نے نیپر کے دہانے کا شہر اک زاکو تسخیر کیا اور ۱۷۹۰ء میں روس کے نامور سپہ سالار سواروف نے شہر اسمٰعیل پر یورش کی اور سخت کشت و خون کے بعد اُسے فتح کر لیا۔ ان کامیابیوں سے پِٹ کو خوف اور یہ اندیشہ ہوا کہ روس کا استنبول پر قبضہ ہو گیا تو غضب ہو جائے گا۔ اُس نے ارادہ کر لیا کہ جنگی اور سفارتی دونوں طرح کے دباؤ روس پر ڈالے جائیں۔ مگر ثابت ہوا کہ دار العوام ایک ایسے بعید مقصد میں اُس کی تائید پر تیار نہ تھا اور ادھر کیتھرائن اتنی سیانی تھی کہ پِٹ کی دھمکیوں کو جن کی تائید جنگی قوت سے نہ ہوئی، کچھ خاطر میں نہ لائی بلکہ بحر اسود پر کوئی بندرگاہ حاصل کرنے کی برابر کوشش کرتی رہی۔ اس کے حلیف آسٹریا والے جنگ سے الگ ہو گئے تاہم کیتھرائن کو عہد نامۂ جاسی کی رو سے قلعۂ اک زاکو اور نیپر و بگ کے درمیان کا قطعہ مل گیا۔

پِٹ کی وزارت کے ابتدائی سنین میں امریکا کی جو نو آبادیاں ہاتھ سے نکل گئی تھیں، ان کی تلافی میں دُنیا کے دوسری طرف نئے مقبوضات بہم پہنچانے کا کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہا۔ کپتان کک کی ۱۷۶۹ء و ۱۷۷۹ء کے درمیان بحر نوردی کی بدولت بحر الکاہل کے جزائر کا اتنا تفصیلی حال معلوم ہوا کہ اُس وقت کسی قوم کے علم میں نہ تھا۔ اُس نے پوری طرح ثابت کر دیا کہ جنوبی سمندر میں کوئی بڑا عظم قابل سکونت موجود نہیں البتہ نو آبادیوں کے واسطے بہت عمدہ علاقے دریافت کر لیے۔ لیکن اس وقت جدید کارخانوں کے کھل جانے سے وطن ہی میں اتنا روزگار نکل آیا تھا کہ لوگ کہیں باہر جانے کے زیادہ خواہشمند نہ تھے۔ تاہم حکومت نے کم سے کم مجرموں کو ان علاقوں میں بھیج دینے کا قصد کر لیا اور ۱۷۸۸ء میں ان کی ایک ٹولی نیو ساوتھ ویلز کے ساحل خلیج بوٹنی پر اتاری گئی۔ اسی سال وزیر مستعمرات کے نام پر شہر سڈنی کی بنیاد پڑی اور تمام سواحل آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے برطانی مقبوضات ہونے کا دعویٰ کیا گیا۔ ابھی تک یہ علاقے بالکل غیر مقبوضہ تھے۔ لیکن انگریزوں کے بے مثل اقتدار بحری نے دوسری قوموں کو اس دعوے میں رخنہ ڈالنے سے باز رکھا۔

جارج کی دیوانگی ۱۷۸۸ء میں ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ پِٹ کی معزولی اور

باب سوم

فاکس و نارتھ کے دوبارہ برسر اقتدار ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ بہت پہلے یعنی ۱۷۶۵ء ہی میں جارج پر جنون کا خفیف سا دورہ پڑ گیا تھا لیکن ۱۷۸۸ء میں وہ قطعی طور پر پاگل ہو گیا۔ اگر اس زمانے میں ایسا واقعہ ہو تو سیاسی گروہوں کی حالت میں کوئی تغیر نہ ہو گا، بلکہ ایک نائب سلطنت مقرر ہو جائے گا۔ نظم و نسق بدستور چلتا رہے گا۔ لیکن اُن دنوں بالکل دوسری صورت تھی۔ اندازاً دارالعوام کے ایک سو پچاسی ارکان ایسے تھے جو حکومت شاہی کے ہر وزیر کی، بشرطیکہ وہ بہت ہی مطعون نہ ہو، غالباً تائید کرتے۔ آزاد ارکان کی تعداد ۱۰۸، فاکس کے متبعین ۱۳۸ اور پٹ کے ساتھیوں کا شمار ۵۲ کیا جاتا تھا۔ اس سے لوگ اندازہ کرتے تھے کہ اگر فاکس وزیر ہو گیا تو کم سے کم ۳۲۳ ارکان اس کے ساتھ ہو جائیں گے اور اسے بڑی اکثریت حاصل ہو جائے گی۔ پس سارا مدار اس بات پر تھا کہ نائب السلطنت کون شخص مقرر ہوتا ہے۔ قدرتی طور پر اس کا حق جارج شہزادۂ ویلز کو پہنچتا تھا جس کی عمر اب ۲۶ سال کی تھی لیکن اس کا چلن بہت خراب تھا۔ اس نے قانون ازدواج شاہی سے فائدہ اُٹھا کر ایک کیتھولک فرقے کی عورت مسز فٹز ہربرٹ سے نکاح کر لیا (جو پہلے قانون کی رو سے جائز تھا اور خود شہزادۂ ویلز کو وراثت سلطنت سے بے حق کر دیتا) اور پھر فاکس کو اجازت دی کہ دارالعوام میں اس نکاح کے واقعے ہی کو بالکل بے بنیاد قرار دے۔ اس حرکت سے یہ شہزادہ تمام راستباز اشخاص کی نظر سے گر گیا تھا۔ دوسرے وہ نہایت عیاش، قمار باز اور قرض میں بندھا ہوا تھا۔ سیاسیات میں وہ فرقۂ وِھگ کی حمایت کرتا تھا اور حکومت پا کر یقیناً پٹ کی جگہ فاکس کو وزیر بنا دیتا۔ مگر فاکس نے وزارت کے شوق میں حماقت یہ کی کہ دعویٰ کیا کہ بادشاہ کی علالت اور ناکارگی کے زمانے میں بھی ولی عہد کو وہی شاہی اختیارات پانے کا حق ہے، جیسا کہ بادشاہ کے وفات پا جانے کی صورت میں۔ بخلاف اس کے پٹ اسی آئینی طریق پر قائم تھا کہ ایسی صورت میں نائب سلطنت اور بادشاہ کا نگران مقرر کرنا پارلیمنٹ کا کام ہے جیسا کہ ہینری ششم کے زمانے میں ہوا تھا۔ بالآخر پٹ نے ایک مسودۂ قانون پیش کیا کہ تمام سیاسی اختیارات تو شہزادے کے حوالے کیے جائیں لیکن بادشاہ کی ذات کی نگرانی اور شاہی محلسرا کا انتظام

باب سوم

ملکہ کے ہاتھ میں رہے۔ یہ مسودہ منظور ہونے نہ پایا تھا کہ خود بادشاہ کی طبیعت درست ہوگئی اور پٹ کا عہدہ پہلے سے بھی زیادہ یقینی ہوگیا۔ ادھر بادشاہ کی اسی علالت سے اُس کی زندگی کا بالکل دوسرا باب شروع ہوا۔ اب تک وہ ملک میں یقیناً نامقبول تھا اور وزیروں کی نالایقی کا الزام لوگ اسی کے سر دھرتے تھے۔ لیکن اب پٹ کی کامیابی کا سہرا بھی اسی کے سر بندھنے لگا اور اپنے باقی ماندہ عہد حکومت میں وہ نمایاں طور پر ہر دلعزیز رہا۔ اس لیے اور بھی کہ ولی عہد سلطنت کی بدکرداریوں کے مقابلے میں بوڑھے بادشاہ کی بے ریا نیکیاں اور زیادہ نمایاں ہوگئی تھیں۔

صنعتی انقلاب پٹ کی قابل تعریف مالی تدابیر ملک میں یہ رفاہ و خوشحالی پیدا نہ کرسکتی تھیں۔ اگر اسی زمانے میں صنعتی انقلاب کا وہ دَور بھی شروع نہ ہوجاتا جس نے عہد ٹیوڈر میں اراضی شاملات کی احاطہ بندی کرکے باشندگان انگلستان کی حالت میں سب سے بڑا تغیر پیدا کیا۔ صنعت و حرفت کو ترقی دینے کی پہلے بھی کوشش کی گئی تھی۔ لیکن چند سال پہلے تک انگلستان زیادہ تر ایک زرعی اور تجارتی ملک تھا اور ۱۷۶۹ء تک اس کا غلہ بیرونی ملکوں میں وسا ورجایا کرتا تھا۔ لیکن اسی سال سے روئی کی تجارت میں بڑا انقلاب واقع ہوا اور پھر اس کا اثر سوتی، اونی اور ریشمی پارچہ بافی کے جملہ شعبوں تک پھیل گیا۔ ہینری ہشتم کے عہد سے قبل ہر قسم کی کتائی سوٹے اور چکلی سے ہوا کرتی تھی مگر اسی بادشاہ کے وقت میں ایک تار کا چرخہ مروج ہوا جو پہلے طریق کی نسبت کہیں بہتر تھا۔ بہت دن تک اور کوئی ترقی نہیں ہوئی کیونکہ عملاً جتنا دھاگا گھر والی ایک روز میں کاتتی، اُس کا شوہر اُتنا ہی کپڑا روزانہ بُن لیتا تھا۔ اُس زمانے کے کرگھوں کا حال ہوگارتھ کی کتاب "Idle & Industrious apprentices" میں تحریر ہے۔ اٹھارھویں صدی کے آغاز میں پارچہ بافی میں کئی اصلاحیں ہوئیں۔ "جلاہی نال" (fly shuttle) کی ایجاد سے نال کو آگے پیچھے پھینکنے کی دشواری دور ہوگئی۔ پھر "ڈال نال" بنا جس سے تاگا توڑے بغیر دوسرے رنگ کا تانا ڈال سکتے ہیں۔ ان جدتوں کی بدولت پارچہ بافی زیادہ جلد ہونے لگی اور تاگے کی مانگ بڑھی

باب سوم

لہذا کاتنے پر توجہ شروع ہوئی اور ۱۷۶۴ء میں روئی دھننے کی کل کے موجد ہارگریوز نے وہ چرخا تیار کیا جو ایک وقت میں کئی تاگے کات سکتا تھا۔ ۱۷۶۹ء میں آرک رائٹ نے ایک اور کل بنانے کے حقوق محفوظ کرائے جس کے ڈبلین مختلف رخوں میں گھومتے اور اُن کے بیچ میں تاگا کتتا چلا جاتا تھا۔ ۱۷۷۶ء میں کرومپٹن نے ان دونوں ایجادوں کو اپنی "گھوڑی" میں جمع کر دیا اور رابرٹس نے اُسے خود کار بنا دیا۔ اس کی تکمیل کو کچھ مدت نہ گزری تھی کہ ایک پادری کارٹ رائٹ اور لنکاشر کے پارچہ باف ہیرکس نے علٰحدہ علٰحدہ ایسے کرگھے تیار کیے جو کل سے کام کرتے تھے۔

دخانی انجن

ان دونوں قسموں کی کلوں میں قوت عموماً پانی سے حاصل کی جاتی تھی لیکن واٹ نے دخانی انجن میں جو ایجادیں کیں ان سے اب ایک نئی قوت وجود میں آگئی۔ پہلا دخانی انجن نیوکومن نے ۱۷۰۵ء میں تیار کیا اور اس کے بنانے کے حقوق محفوظ کرائے لیکن اس سے فقط معادن کا پانی نکالنے کا کام لیتے تھے اور اس کے بہت روز بعد یعنی ۱۷۸۲ء میں نوبت آئی کہ واٹ نے دہرا کام کرنے والا انجن بنایا اور اس سے عام ضرورتوں میں کام لینا ممکن ہو گیا۔ اس ایجاد کا لب لباب وہ ترکیب تھی جس کے ذریعے ڈاٹ (یا پسٹن) بیلن میں بھاپ کے زور سے چڑھتی اُترتی تھی۔ اس سے ایندھن کی بچت ہونے کے علاوہ انجن کے کام کی رفتار بڑھ گئی اور کارخانہ داروں کو موقع ملا کہ نئی کلوں میں چلانے کی قوت اسی انجن سے حاصل کریں۔ پھر بھی، لوہا ڈھالنے کے اخراجات اتنے تھے کہ یہ ایجادیں کچھ کام نہ دے سکتی تھیں اگر یہ بات دریافت نہ ہو جاتی کہ کوئلے کی طرح پتھر کا کوئلہ بھی لوہا گلانے کے کام آسکتا ہے۔ یہ دریافت اول آکسفرڈ کے ایک شخص ڈڈلی نے جیمز اول کے عہد میں کی تھی لیکن جب تک لوہے کی مانگ محدود اور جلانے کی لکڑی کی افراط رہی، اُس وقت تک اس پر چنداں اعتنا نہ کی گئی۔ البتہ اٹھارھویں صدی میں اس کی یاد تازہ ہوئی اور پہلی مرتبہ وسیع پیمانے پر قصبۂ اسٹرلنگ کے قریب کیرن کے لوہے کے کارخانے میں اس سے کام لیا گیا۔ القصہ،

باب سوم

وہ گھوڑی" نیا کرگھا اور دخانی انجن، وہ عظیم الشان ایجادیں تھیں جن سے برطانیہ کی صنعت وحرفت کچھ سے کچھ ہوگئی۔ اب تک کاتنے اور بننے کا کام مزدور اپنے گھروں میں کیا کرتے مگر اب یہ کارخانوں میں ہونے لگا اور ایک ایک کارخانہ دار کے پاس بہت سے مزدور اجرت پر کام کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صناعات نے دیہات چھوڑ چھوڑ کر اُن بڑے بڑے شہروں میں گھر بنانا شروع کیا جہاں لوہا اور کوئلہ قریب اور سمندر تک آمد ورفت سہل تھی اور یہی مقامات نفع رساں روزگار ڈھونڈھنے والوں کا مرجع بن گئے۔

نہریں اور سڑکیں

جو شہر ساحلوں سے دور تھے، اُنھیں نئی نہروں سے بے حد مدد ملی۔ اہل روما کے دور کے بعد پہلی نہر جو انگلستان میں بنی وہ **برج واٹر کینیل** تھی کہ امیر برج واٹر کی کانوں سے مانچسٹر تک کوئلہ لانے کی غرض سے کھودی گئی اور **برنڈلی** نے ۱۷۶۱ء میں اسے مکمل کیا۔ اس کا فائدہ دیکھ کر ہر جگہ لوگ تقلید کرنے لگے اور اٹھارھویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے تین ہزار میل طول کی نہریں تیار ہوگئیں۔ **ٹیز، ٹیمز، ٹرینٹ، سیورن، مرسی** اور **ہمبر** کو ایک دوسرے سے نہری راستہ بنا کے ملا دیا گیا۔ اسی زمانے میں سڑکوں کی جو درستی اور توسیع ہوئی، وہ بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی۔ یہ کام زیادہ تر **جان مٹکاف** اور ایک اسکوٹی انجینیر **ٹلفورڈ** کا رہین منت تھا۔ مٹکاف کو عرصے تک لوگ "نارس برو کے اندھے جیک" کے نام سے یاد کرتے تھے۔ سڑکوں کے بہتر ہو جانے ہی کے باعث پٹ کو موقع ملا کہ ۱۷۸۵ء میں پامر کی تیز ڈاک گاڑیوں کی تجویز پر عمل کیا جائے جو تمام اہل وطن کے حق میں نعمت عظمیٰ ثابت ہوئی۔ حقیقت میں یہ وہ اصلاحیں تھیں کہ بڑی سے بڑی سونے کی کان نکل آتی تو وہ انگلستان کے واسطے اتنی بیش بہا نہ ہو سکتی تھی۔ اگر ملک کی خوش حالی کا اندازہ کثرت آبادی سے کیا جائے تو اس دور میں انگلستان کی آبادی بہت سرعت سے بڑھی۔ یعنی ۱۷۰۰ء میں وہاں کی مردم شماری پچاس لاکھ تھی تو جارج ثالث کی تخت نشینی کے وقت ساٹھ لاکھ اور ۱۸۰۰ء میں نوّے لاکھ ہوگئی۔ خوبی یہ کہ تعداد کے ساتھ مزدوروں کی مانگ بھی کم سے کم اسی نسبت سے بڑھتی رہی اور محاربۂ فرانس کے آغاز تک ملک کو

پٹ کی وزارت میں ایسا آرام اور فروغ حاصل ہوا جس کی مثال ملنی دشوار ہے۔
اسی وزارت کے ابتدائی سنین میں ادبیات انگریزی کا ایک دور ختم اور دوسرا شروع ہوا۔ ۱۷۸۴ء میں سیمیول جانسن نے وفات پائی جو ڈرائی ڈن اور پوپ کے بعد قدیم معیاری (Classical) ادبیات کے شیدائیوں کا صدر نشین تھا۔ فرانس کے وال تیر کی طرح، تیس برس تک ادبی ذوق کا وہی مسلم الثبوت حَکَم بنا رہا اور اس کے بعد پھر کوئی جانسن کا جانشین بھی نہ ہوا کیونکہ اب ادبائے عصر کسی مطلق العنان کارفرما کے آگے سر جھکانے پر تیار نہ تھے۔ دوسرے نئے عہد میں یہ تحکم اس لیے نہ چل سکتا تھا کہ کسی ایک معیار کی پابندی کرنے کی بجائے ہر انشاپرداز نئے رنگ کو ترقی دینے کی کوشش کرتا تھا اور یکسانی کی بجائے تنوع، ادبیات کی زینت سمجھا جانے لگا تھا۔ جانسن کی وفات کے بعد ہی اس کے ہم مشرب گروہ کے دوسرے سرخیل بھی ایک ایک کر کے چل بسے۔ ایڈم اسمتھ، ۱۷۹۰ء میں، رابرٹ سن مورخ، ۱۷۹۳ء میں، گبن ۱۷۹۴ء اور ہوریس وال پول، ۱۷۹۷ء میں دُنیا سے رخصت ہوئے۔ جدید شاعری کی کاوپر (مطبوعہ ۱۷۸۲ء) اور برن کی نظموں (۱۷۸۶ء) سے اسی عہد میں ابتدا ہوئی۔ ۱۷۹۸ء میں ورڈس ورتھ اور کول رج نے اپنے عاشقانہ چھند شایع کیے۔ اسی طرح لسانیات کا آغاز ہورن ٹوک کی تصنیف (Diversions of Purley) سے ہوا جو ۱۷۸۶ء میں شایع ہوئی اور جدید فن تنقید نگاری کی پورسن کی کتاب (Hecuha) مطبوعہ ۱۷۹۵ء سے بنیاد پڑی۔ ۱۷۹۸ء میں مال تھوس نے افزائش آبادی کے اصول پر اپنی کتاب شایع کی۔ مختصر یہ کہ مشکل سے کوئی ایسا موضوع ہوگا جس میں اٹھارھویں صدی کے آخری بیس سال میں ایک نئی روح پیدا ہونے کے آثار نہ پائے جاتے ہوں۔

مشہور سنین و واقعات

صلح نامۂ پیرس .... سنہ ۱۷۶۳ء

ولکس اور اس کا اخبار .... 〃

قانون اسٹامپ کا نفاذ .... سنہ ۱۷۶۵

مڈلسکس کے انتخابات .... سنہ ۱۷۶۹

"جونیس" کے خطوط .... سنہ ۱۷۶۸ اور سنہ ۱۷۷۲ء

جنگ امریکا .... سنہ ۱۷۷۵

امریکا کا اعلان آزادی .... سنہ ۱۷۷۶

سارا ٹوگا میں انگریزوں کا ہتھیار ڈال دینا .... سنہ ۱۷۷۷

یارک ٹاؤن .... سنہ ۱۷۸۱

محاصرۂ جبل الطارق .... سنہ ۱۷۷۹ تا سنہ ۱۷۸۲ء

روڈنی کی فتح .... سنہ ۱۷۸۲

صلح نامۂ ورسائی .... سنہ ۱۷۸۳

فاکس کے مسودۂ قانون متعلقۂ ہندوستان کی نامنظوری .... سنہ ۱۷۸۳

پٹ کے قانون تنظیمی کی منظوری .... سنہ ۱۷۸۴

مواخذۂ وارن ہیسٹنگز .... سنہ ۱۷۸۶ تا سنہ ۱۷۹۲ء

شہر سڈنی کی بنا .... سنہ ۱۷۸۸ء

باب چہارم

انقلاب فرانس کی لڑائیاں

مشہور معاصرین :- فرانس .... لوئی شانزدہم، مقتول ۱۷۹۳ء
جمہوریت ... ۱۷۹۲ تا ۱۷۹۴ء
نظامت و قنصلی حکومت تا ۱۸۰۴ء
نپولین کی شہنشاہی تا ۱۸۱۴ء
لوئی ہیدہم ... ۱۸۱۴ء تا ۱۸۲۴ء
شہنشاہ .... لیوپولڈ دوم و فرانسس دوم
پروشیا .... فریڈرک ولیم دوم و سوم
روس .... کیتھرائن ۔ پال ۔ الیگزنڈر اول

انقلاب فرانس

پٹ کے عہد وزارت میں سیاسیات اور ادبیات انگلستان کی جو نئی سرگرمیاں ہماری نظر سے گزریں، وہ حقیقت میں اُس بزرگتر تحریک کا صرف ایک رخ تھیں جس نے تھوڑے ہی دن بعد سارے یورپ کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ یہ فرانس کا انقلاب تھا جو یقین ہے کہ ہمیشہ دُنیا کی تاریخ کا ایک انقلاب آفریں واقعہ مانا جائے گا۔ اصلاح مذہب کی تحریک نے یورپ کے حالات میں جو زبردست تغیر ڈالا تھا، ویسا ہی تغیر انقلاب فرانس نے

باب چہارم

پیدا کیا۔ اور ابھی تک اس کے اثرات ختم نہیں ہو گئے ہیں۔ اس تحریک کا دُنیا کی دوسری ہمہ گیر تحریکوں کی طرح، مختلف پہلوؤں سے معائنہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک اعتبار سے تو اس کا بڑا نتیجہ یہ تھا کہ قرون وسطیٰ کے بچے کھچے آثار بالکل محو ہو گئے اور یورپ کے جدید تمدن نے اس کی جگہ لی۔ دوسرے پہلو سے دیکھئے تو اسی انقلاب سے بیجا امتیازات کا خاتمہ ہوا اور قابلیت کو پھلنے پھولنے کا میدان ملا۔ تیسرے مطلق العنان بادشاہیوں کا (جو اُن دنوں یورپ کے ہر ملک میں قائم تھیں) دور ختم ہوا اور آئینی یا دستوری حکومتیں قائم ہوئیں۔ دماغی افکار میں بھی، **انقلاب فرانس** کی بدولت پرانے خیالات ترک ہوئے اور نشاۃ الثانیہ کی تحریک کی طرح نئے خیالات اس کے جلو میں آئے ضمناً، اسی انقلاب سے وطنیت کے وہ جذبات پیدا ہوئے جن پر یورپ کا تمدنی نظام بہت کچھ بنی ہے۔ خلاصہ یہ کہ یورپ کے نئے تمدن کا کوئی پہلو ایسا نہ ہوگا جس پر انقلاب فرانس کا کچھ نہ کچھ اثر نہ پڑا ہو۔ اثرات کی کمی بیشی مختلف ممالک میں مختلف نظر آتی ہے انگلستان میں نیابتی حکومت پہلے سے موجود تھی اور مخصوص امتیازات کا کوئی قانونی وجود نہ تھا، لہذا بہت سے تغیرات جو دوسرے ملکوں میں بڑی ہلچل کے بعد واقع ہوئے، یہاں تدریجی ارتقا سے ظہور میں آئے اور اسی لیے طوفان کا زور شور یہاں مشکل سے محسوس ہوا۔ بخلاف اس کے دوسرے ملکوں، خاصکر فرانس میں سخت ہنگامے برپا ہوئے۔ اس کا سبب یہ نہ تھا کہ فرانس میں دوسرے ملکوں کی نسبت جور و تعدی یا لوگوں کی مصیبتیں زیادہ تھیں۔ واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ لیکن اس ملک میں باشندوں کو ان خرابیوں کا احساس زیادہ تھا اور نیز یہ کہ واقعات کی اُفتاد ایسی پڑی کہ سیاسی انقلاب برپا ہوئے بغیر نہ رہا۔

اسباب انقلاب

یورپ کا دوسرے ملکوں کی مثل، فرانس میں جاگیرداری کا آئین قریب قریب بجنسہٖ موجود تھا۔ یہی آئین قرون وسطیٰ کے تمدن کی تہ بنیاد تھا لیکن اب اس کے مفید پہلو محو، اور صرف نقصانات باقی رہ گئے تھے۔ ہر قوم با امتیاز و بے امتیاز گروہوں میں منقسم تھی اور صاحبان امتیاز کی تعداد عوام کے مقابلے میں تین فی صدی سے کچھ ہی زیادہ ہو گی۔ یہ اونچا طبقہ

جس میں امرا اور علما داخل تھے "وِنتائی" یا زمین کی مالگزاری ادا نہ کرتا تھا۔ البتہ عام خراج میں سب شریک تھے اور اسی طرح محصول املاک میں، جو زیادہ تر عارضی املاک پر تشخیص کیا جاتا تھا۔ ان میں سب سے اہم محصول مالگزاری کا تھا لیکن ان محاصل سے زیادہ تکلیف دہ کسریں تھیں جو بالواسطہ وصول کی جاتی تھیں۔ ان میں سب سے بڑھ کر قابل نفرت "گابیل" یعنی محصول نمک تھا، اور چونکہ غریبوں کو مجبور کیا جاتا تھا کہ ضرورت ہو یا نہ ہو، وہ نمک کی معین مقدار خریدیں، لہذا یہ محصول ادا کرنا اُن کو بہت شاق گزرتا تھا۔ دوسرے اس کی وصولی کا انتظام نہایت بُرا تھا۔ اس کام پر تعداد کثیر، یعنی ساٹھ ہزار آدمی مقرر تھے اور جو رقم وصول ہوتی اس کا پانچواں حصہ بھی خزانے تک نہ پہنچتا تھا۔ عام محاصل کے علاوہ فرانس کے اکثر اضلاع کو محاصل راہداری لینے کا اختیار تھا اور قصبات اپنے دروازوں میں آنے والے مال کی چنگی الگ وصول کرتے تھے۔ غرض مال لانے لے جانے میں ہر حیلے روپیہ وصول کیا جاتا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ فرانس کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک مال کو لے جانے میں اتنا صرفہ پڑ جاتا کہ اندرونی تجارت قریب قریب ممنوع ہوگئی تھی اور قحط کے زمانے میں بھی، فاقہ کش آبادیوں تک، اُن اضلاع سے جہاں افراط سے پیداوار ہوتی، غلہ لانا دشوار ہوتا تھا۔

دیہات کے علاقوں میں رعایا کی شکایتوں کا اصلی سبب یہ تھا کہ قدیم جاگیرداری نظام کے بعض طور طریق ابھی تک جاری تھے۔ یہ انگلستان کے قدیم مقطعہ داری کے طریق سے ملتا جلتا تھا (صفحہ ٢٥٨) زمینیں زیادہ تر خود کاشت زمینداروں یا ایسے موروثی کاشتکاروں کے ہاتھ میں تھیں جو جاگیردار یا رئیس کی مقررہ خدمات کے پابند اور اپنی اراضی پر دوامی قبضہ رکھتے تھے۔ ان کی نوعیت مختلف تھی اور اکثر اوقات ان کی بجائے نقد رقم ٹھیر جاتی تھی۔ مگر اس سلسلے میں بڑی مصیبت اس لیے پیش آتی کہ یہ زمینیں اکثر متاجروں کے حوالے کر دی جاتیں جن کا اس جاگیر سے کوئی تعلق نہ تھا اور یہ لوگ زمینداروں سے بڑی سختی کا برتاؤ کرتے تھے۔ بعض تعدی کے اسباب عام تھے جن میں سب سے اول "کروی" یعنی سڑکوں یا جاگیردار کی اراضی پر بیگار

باب چہارم

لیتا تھا۔ انگلستان میں بھی بہت قدیم سے اس خدمت کا دستور تھا لیکن مدت سے اس کے عوض میں سڑک کا محصول مقرر ہو گیا تھا۔ فرانس میں یہ خدمت ابھی تک اصالتہً انجام دینی پڑتی اور بعض دفعہ بڑے ظلم کا موجب بن جاتی کہ عین اس وقت جب کسان کو اپنے گھر پر رہنے کی سخت ضرورت ہوتی یا وہ ذاتی کام میں مصروف ہوتا، اُسے پکڑ بلواتے تھے۔ اسی طرح شکار کے قوانین بہت ظالمانہ تھے۔ انگلستان میں ایسی اراضی کا جس میں شکار زیادہ ہو لگان نسبتہً کم لیا جاتا ہے اور کاشتکار کو اس زمین میں خرگوش مارنے کا پورا حق بھی اب حاصل ہو گیا ہے لیکن فرانس میں جاگیر دار کو اختیار تھا کہ اپنی لگان پر دی ہوئی اراضی میں جس قدر چاہے شکاری جانور رہنے دے اور جتنے جانور زیادہ ہوتے اُسی قدر پٹہ داروں کا زیادہ نقصان ہوتا تھا۔ پھر، ہرنوں اور جنگلی سوروں کی ایسی حفاظت کی جاتی کہ وہ فصلوں کو سخت نقصان پہنچاتے اور برباد کرتے تھے۔ جاگیر دار کو کبوتر خانہ رکھنے کا بھی حق تھا جس میں ہزاروں کبوتر پلے ہوتے اور وہ کھیتوں کا سارا دانہ اس طرح چگ جاتے کہ بارہا معقول فصل کے لیے تین تین دفعہ تخم پاشی کرنی پڑتی تھی۔ اہل شہر کی شکایتیں علٰحدہ تھیں۔ یہاں کا سارا کاروبار صنعتی انجمنوں (گلڈز) کے ہاتھ میں تھا اور کوئی شخص ان میں کثیر رقم دے کر شامل ہوئے بغیر کاروبار نہ کر سکتا تھا۔ انگلستان میں بھی اسی قسم کی انجمنیں تھیں مگر ایڈورڈ ششم کے عہد سے ان میں زوال آیا اور وہ مفقود ہوتی جاتی تھیں۔ کلیسا میں بہترین عہدے فرانس کے اُمرا سے مخصوص تھے۔ کسی کسان کا بیٹا زیادہ سے زیادہ گاؤں کا پیش امام بن سکتا تھا۔ اور فوج میں بھی سوائے امرا کے سرداری کا عہدہ کسی عامی کو نہیں مل سکتا تھا۔ غرض ہر طرف قابلیت والے اشخاص پر ترقی کا دروازہ بند تھا اور وہ ارباب امتیاز کی طرف سے دور باش کی صدا سنتے تھے۔

مگر وہ شے جس نے ان حالات کو فرانس میں ناقابل برداشت بنایا حقیقت میں خود اہل فرانس کی دماغی بیداری تھی جو تقریباً ایک صدی سے شروع ہوئی

باب چہارم

اور ہر طبقے میں کم و بیش سرایت کر گئی۔

سیاسی ہیجینی اس تحریک کا رہنما وال تیر، روسو اور وہ لوگ تھے جو "معارف نویس" (Encyclopaedists) کہلاتے ہیں۔

ان میں وال تیر، تمثیل نویس، شاعر، فسانہ نگار اور رسائل نویس، سبھی کچھ تھا اور ان سب ہتھیاروں سے حکومت و مذہب پر آتش باری کرتا رہا۔ سب سے زیادہ اُس نے اُن مذہبی علما کو ہدف بنایا جو علم و حکمت کا گلا گھونٹنے میں نہ شرماتے تھے۔ لیکن وال تیر کی ہجو کا مزا لینے والے زیادہ تر تعلیم یافتہ طبقے کے لوگ تھے۔ البتہ روسو ہر کہ و مہ کی نظر میں آزادی کا علم بردار تھا۔ اس نے اپنے زمانے کے لوگوں کو دیکھا کہ تعلیم و تہذیب کے باوجود خود غرضی اور نفس پرستی میں ڈوبے ہوئے ہیں لہٰذا اُس نے بنی نوع کو دعوت دی کہ اسی مفروضہ ابتدائی حالت کی طرف عود کریں جس میں ہر شخص کی فطری اور سادہ ضروریات بے تکلف پوری ہو جاتی تھیں اور وہ اپنے ہمسایے کو اسی طرح قدرت کے خزانے سے متمتع ہوتے دیکھ کر کوئی حسد نہ کرتا تھا۔ دالان بیر، دیدرو وغیرہ نے بھی روسو سے کچھ کم اہم خدمت انجام نہیں دی اور ۱۷۵۱ء میں ایک نئی کتاب دائرۃ المعارف یا مجموعۂ علوم و فنون تیار کی جس میں مذہب، سیاسیات اور تمدن حاضرہ پر نہایت آزادانہ خیالات سے کام لیا اور اس کتاب کا رائے عامہ پر بہت بڑا اثر پڑا۔ لا فایت اور وہ فرانسیسی سپاہی جو امریکا کی جنگ آزادی میں شریک ہوئے۔ ان کے کارناموں کی بدولت اہل فرانس اُنھی دنوں آگاہ ہوئے کہ حکومت وقت کے خلاف بغاوت کس طرح کی جاتی ہے۔ نیز ان میں جمہوریت کے آئین کا سخت جوش پیدا ہو گیا اور اُدھر لوئی پانزدہم کے عہد میں دربار کی انتہائی خرابیوں کے باعث بادشاہی حکومت اور بھی بدنام ہو گئی۔ کسی عظیم الشان سیاسی آفت آنے کے جملہ قرائن جمع ہو گئے اور بہت پہلے یعنی ۱۷۵۳ء ہی میں لارڈ چیسٹر فیلڈ نے اپنے بیٹے کو لکھا کہ "حکومت کے انقلاب یا کسی زبردست رد و بدل سے پہلے جس قسم کی علامتوں کی تاریخ

باب چہارم

خبر دیتی ہے، وہ سب فرانس میں اب موجود اور یوماً فیوماً ترقی پر ہیں" روسو ۱۷۷۲ء میں فوت ہوا مگر اپنے مرنے سے پہلے لکھتا ہے کہ" ہر شے جو میرے سامنے آتی ہے، اس انقلاب کی تخم پاشی کر رہی ہے جسے مشاہدہ کرنے کی مجھے مسرت حاصل نہ ہو گی"۔

ان سب باتوں کے باوجود کسی حکومت کا عرصۂ دراز تک ایسی حالت میں رہنا ممکن ہے کہ وہ انقلاب کے کنارے پر ہو اور موقع نہ نکلنے کے باعث، گرنے سے بچی رہے۔ لیکن ۱۷۸۹ء میں سرکاری خزانے کی حالت بگڑ جانے کی بدولت انقلاب بپا کرنے کا موقع بھی پیش آ گیا۔ لوئی چہاردہم کی مسلسل لڑائیوں سے اور پھر لوئی پانزدہم کے جنگ ہفت سالہ میں بیکار لڑنے اور بےحساب روپیہ خرچ ہونے سے ملک فرانس کے مالیات میں سخت خلفشار پیدا ہوا۔ اندھا دھند محاصل لگانے سے مُلک مفلس ہوتا چلا گیا اور جس نسبت سے خرچ بڑھا اسی نسبت سے آمدنی گھٹنے لگی ۱۷۷۴ء میں لوئی شانزدہم تخت نشین ہوا۔ اس کی نیت اچھی تھی اور اس کے وزیر مالیات تیورگو کو اصلاحات تجویز کرنے کی اجازت مل گئی۔ اُس نے چاہا کہ بعض بیکار عہدے تخفیف کر دیے جائیں اور محاصل کا بار مساوی طور پر تقسیم کیا جائے۔ لیکن اس تجویز کا پیش ہونا تھا کہ درباریوں نے اس کے خلاف وہ شورش بپا کی کہ بادشاہ نے مجبور ہو کر اس وزیر کو برطرف کر دیا اور سب کام اسی طرح ہوتے رہے ملکہ ماری آنتوانت چنچلی اور فضول خرچ ہونے کے باوجود بدنفس نہ تھی مگر اُس کی بدقسمتی کہ وہ بھی تیورگو کی مخالفت میں معین ہو گئی اور اسی وقت سے عوام کے دلوں میں یہ بات اُتر گئی کہ ملکہ بھی اصلاحات کی دشمن ہے۔

بہرحال تیورگو کے الگ کر دیے جانے سے خزانے کا گھاٹا پورا نہیں ہوا اور اسے چھپانے کی بھی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ کچھ روز بعد جنیوا کے ایک ساہوکار نکر کا سہارا ڈھونڈا گیا۔ مگر وہ حساب میں اتنا ہوشیار تھا کہ مالی دشواریاں اور زیادہ نمایاں ہو گئیں اور صاف نظر آنے لگا کہ جب تک اور محصول نہ لگائے جائیں گے، کسی طرح پورا نہ پڑ سکے گا۔

آمدنی کی کمی

باب سوم

ان حالات میں عمائد ملک کا ایک جلسہ منعقد کیا گیا اور انھوں نے بھی بادشاہ کو یہی مشورہ دیا کہ مجلس **طبقات** کا انعقاد کیا جائے۔ یہ مجلس، انگلستان کے شاہ ایڈورڈ اول کے ہمعصر فلِپ (المنصف) نے قائم کی تھی مگر ۱۶۱۴ء کے بعد اس کا کوئی جلسہ نہ ہوا تھا۔ اس میں ہر ضلع کے مذہبی علماء امرا اور عوام کے منتخب وکلا ہوتے تھے۔ اس مرتبہ انتخاب میں بھی خوب جوش وخروش پھیلا۔ ۵ مئی ۱۷۸۹ء کے دن ورسائی میں وکلا کا اجتماع ہوا۔ اس وقت ملک کی حالت بہت نازک ہو رہی تھی فصلیں خراب، غلہ بہت گراں اور ہر طرف بلوے اور جرائم کی وارداتیں ہو رہی تھیں۔ پہلے ہر طبقے کے وکلا الگ الگ اجلاس کیا کرتے تھے تاکہ اوپر کے دو طبقے ہمیشہ طبقۂ عوام کے وکیلوں پر غالب رہیں۔ لیکن اس مرتبہ عوام کے نمائندوں نے سخت حجت کی کہ تینوں قسم کے وکلا ساتھ اجلاس کریں علما اور امرا کے طبقے سے تین تین سو اور عوام کی طرف سے چھ سو وکیل منتخب ہوئے تھے۔ لہٰذا ادنیٰ درجے کے چند پادریوں کے مل جانے سے وہ مشترکہ مجلس پر چھا گئے جو قومی مجلس یا پنچایت کے نام سے موسوم ہونے لگی۔ مگر صحیح معنی میں کسی مجلس وضع قوانین کی جو خصوصیات ہوتی ہیں، وہ اس جماعت میں نہ پائی جاتی تھیں۔ ارکان مجلس میں جوش کی کمی نہ تھی لیکن عملی کاروبار کا کوئی تجربہ نہ رکھتے تھے۔ اسی لیے زیر بحث مسائل میں معاملے کی بات کرنے کی بجائے وہ بار بار نظری اصول، یعنی انسانی حقوق اور مساوات وغیرہ پر تقریریں کرنے لگتے تھے۔ اس میں بڑا وقت ضایع ہوتا۔ وہ تقریریں بھی مدرسے کے مضامین کی طرح لکھی ہوئی لاتے اور پڑھ پڑھ کر سناتے تھے اور ان میں کاروباری لوگوں کی سی باتیں بہت کم ہوتی تھیں۔ ان سب اسقام کے باوجود مجلس نے بہت سے مفید کام کیے۔ اُس نے امرا اور علمائے دین کے جملہ امتیازات کو یک قلم موقوف کر دیا۔ جاگیرداروں کے حقوق اور دیہات کے حبوب ورسوم کو الگ کیا۔ امیروں کے خطابات اڑا دیے اور ہر قسم کے پیشے اور تجارتیں عام کر دیں کہ جو شخص جس پیشے کو چاہے اختیار کرے۔ کلیسا کی املاک اور نیز اُن لوگوں کی املاک جو انقلاب حکومت کے خوف سے مُلک چھوڑ کر چل دیے تھے، مجلس نے ضبط کر لیں۔ یہ تو اُس کے تخریبی کام تھے جن کا کرنا

آسان ہوتا ہے لیکن اب اُس کے سامنے فرانس کے جدید آئین تیار کرنے کا مسئلہ تھا اور جیسا کہ اُس کے ایک قابل ترین رکن نے کہا "توڑنے کا کام بالشتیے بھی کر سکتے ہیں لیکن تعمیر کے لیے بڑے آدمی کی ضرورت ہوتی ہے۔" چنانچہ مجلس کا یہ کام سست ہوا۔

سقوط باستیل

اس عرصے میں پائے تخت پیرس کے عوام کو فاقہ کشی دیوانہ بنائے دیتی تھی اور کامی دیے مولین جیسے شورش انگیز انگریزوں کی جادو بیانی سے ان میں سخت ہیجان ہو رہا تھا پس اُنھوں نے آئین و قانون سب کو بالائے طاق رکھا اور باستیل پر حملہ بول دیا۔ قلعۂ لندن کی طرح یہ پیرس کا قلعہ تھا جس میں شاہی پروانے کی رو سے جو لوگ گرفتار ہوں، وہ مقید کیے جاتے تھے۔ اس قسم کے شاہی احکام کی بھی لوگوں کو سخت شکایت تھی مگر جب قلعے کے دروازے زبردستی کھول لیے گئے تو معلوم ہوا کہ اندر صرف سات قیدی تھے۔ ان میں سے چار جعل سازی کے ملزم تھے۔ ایک فاتر العقل، ایک وہ جسے گھر والوں کی درخواست پر یہاں رکھا گیا تھا اور آخری قیدی تیس برس سے قید تھا اور خود اس کو یاد نہ تھا کہ کس جرم کی سزا میں یہاں رکھا گیا ہے۔ بہر حال باستیل کی تسخیر سے بڑی ہلچل مچ گئی۔ کیونکہ اس سے ظاہر ہو گیا کہ فرانس میں کوئی ایسی قوت نہیں رہی جو پیرس کے عوام کو قابو میں رکھ سکے۔ فوج والے کھڑے تماشا دیکھتے رہے۔ مجلس نے سکوت اختیار کیا اور بادشاہ سلامت اُس روز شکار میں مصروف رہے۔ جب کسی نے سارا ماجرا بادشاہ کو سنایا تو اس نے کہا "یہ تو اچھی خاصی بغاوت ہے۔" رکابدار نے جواب دیا "جی نہیں، حضور، یہ پورا انقلاب ہے۔"

پائے تخت کی طرح اضلاع میں بھی قانون اور حکومت کی لوگوں نے نہ مانی۔ جگہ جگہ کسانوں کا جم غفیر جمع ہوا اور جاگیرداروں کے مکانات میں آگ لگا دی۔ زمینداروں کی کھتونیاں جلا دیں اور شکار کے جانور مار ڈالے۔ پیرس میں، متوسط طبقے کے پاسبانوں کا ایک قومی دستہ تیار کیا گیا۔ اس کا سردار لافایت مقرر ہوا اور اس جماعت نے وہاں کچھ امن و امان قائم کر دیا۔ لیکن اکتوبر میں عوام الناس نے پھر یورش کی اور ورسائی تک پیدل جا کر بادشاہ، ملکہ اور

مجلس قومی کو مجبور کیا کہ پیرس آکر رہیں۔ اس میں اُنھیں کامیابی ہوئی تو پھر سارا اختیار انھی بلوائیوں کے ہاتھ میں آگیا۔

کچھ روز تک تھوڑا سا امکان اس بات کا تھا کہ اگر بادشاہ مرابو پر اعتماد کرے تو شاید وہ امن و امان اور بادشاہی قوت کے ازسرنو قیام کا کچھ انتظام کردے گا کیونکہ مجلس میں اُسے بہت اقتدار حاصل تھا لیکن مارچ ۱۷۹۱ء میں مرابو کی وفات سے یہ سب امیدیں خاک میں مل گئیں اور اُدھر بادشاہ نے بھاگ کر سرحدی فوجوں میں پناہ لینے کی کوشش کی جو ناکام رہی اور بادشاہ کا رہا سہا وقار بھی مٹ گیا۔ بہرحال ۱۷۹۱ء کی گرمیوں میں قومی مجلس نے اپنا کام ختم کیا اور اکتوبر سے جدید آئین کا نفاذ ہوگیا۔ مگر ان تجاویز پر بُری طرح عمل ہوا۔ نئی وزارت میں کمزور لوگ تھے۔ بادشاہ پر کسی کو بھروسا نہ تھا، نئی مجلس وضع قوانین، پیرس کے بلدیے اور انجمن جیکوبن کے زیر اثر آگئی تھی اور اس انجمن میں داں توں، مارآ، روبس پیر اور انقلابی جماعت کے شدید ترین سرخیل شریک تھے۔

بادشاہی کا خاتمہ

اس عرصے میں اکثر قدیم امرا جو موروثی امتیازات کی منسوخی سے تباہ ہوئے بادشاہ کے بھائیوں کے ساتھ ملک سے فرار ہوگئے۔ لوئی کے یہی بھائی آگے چل کر لوئی ہجدہم اور چارلس دہم کے نام سے فرانس کے فرماں روا ہوئے۔ ممالک غیر خصوصاً آسٹریا میں جس کا شہنشاہ (لیوپولڈ) ملکۂ فرانس کا بھائی تھا۔ ان پناہ گزینوں نے امداد و دستگیری کی التجا کی اور ان کوششوں سے آخر کار آسٹریا اور پروشیا میں فرانس کے خلاف ایکا ہوگیا اور ۱۷۹۲ء کی سرگرمیوں میں ان کی فوجیں سرحد پر جمع ہوئیں۔ مگر اس بیرونی مداخلت کا نتیجہ بادشاہی کے حق میں مہلک ثابت ہوا۔ دسویں اگست کو شاہی قیام گاہ یعنی قصر تویل ری پر بلوائیوں نے حملہ کیا۔ لوئی اور اُس کے بیوی بچوں کو تامپل میں منتقل کیا اور ہر شخص جس پر شبہہ تھا کہ مفرور امرا سے ہمدردی رکھتا ہے، قید میں ڈال دیا گیا۔ اتحادیوں کی پیشقدمی سے معاملات میں اور بھی خرابی پیدا ہوئی۔ امیر برنزوِک کی طرف سے ایک اعلان شایع ہوا تھا کہ اگر بادشاہ اور ملکہ کو آزاد نہ کیا گیا تو سارا پیرس سپاہیوں کی تلوار کے حوالے کردیا جائے گا۔ اس اعلان کی اشاعت ہوتے ہی پورا ملک

باب چہارم

تلوار لے لے کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ ستمبر میں مجلس وضع قوانین کی بجائے ایک "اجتماع قومی" منعقد ہوا اور جب یہ خبر آئی کہ غیر ملکی فوجیں فرانس کی حدود میں داخل ہو گئیں تو قیدیوں کا قتل عام کرا دیا گیا اور بلوائی پہلے سے بھی زیادہ با اقتدار ہو گئے۔ آسٹریا اور پروشیا کی فوج کشی کامیاب ہوتی تو بھی انقلاب کو مشکل سے روک سکتی تھی لیکن وہ سرے سے بالکل ناکام رہی۔ فرانس کے نو آموز سپاہیوں نے کیلرمین کی قیادت میں والمی پر مورچے باندھے تھے اور اتحادیوں کی سخت گولہ باری کے باوجود وہاں سے نہ ہٹے۔ یہ دیکھ کر برنزوک بہ آسانی ہمت چھوڑ بیٹھا اور دوسرے حملے کی تکلیف گوارا نہ کی مگر اس کی فوج کشی سے ملک میں شدید ہیجان پیدا ہو گیا تھا۔ اہل فرانس نے جمہوریت کا اعلان کر دیا۔ جنوری ۱۷۹۳ء میں لوئی شانزدہم پر مقدمہ قائم ہوا اور قتل کی سزا دی گئی اور چند ماہ تک قتل و خوں ریزی کا دور دورہ رہا جس میں ہزاروں آدمی کسی نہ کسی حیلے سے مروا دیے گئے جن پر شبہ تھا کہ بادشاہی فریق یا اجانب سے ساز باز رکھتے ہیں۔

انقلاب فرانس کی خبر انگلستان پہنچی تو اول اول اکثر آدمی خوش ہوئے۔ ان میں بعض تو یہ سمجھے کہ فرانس والے صرف دستوری حکومت قائم کر رہے ہیں اور اس کے قیام سے فرانس میں بھی اسی قسم کے آئین نافذ ہو جائیں گے جیسے انگلستان میں ہیں لہٰذا ان ملکوں میں پہلے سے زیادہ دوستی اور یک جہتی رہ سکے گی۔ ایک گروہ یہ سمجھ کر خوش ہوا کہ فرانس اپنے آپ کو تباہ کر رہا ہے اور آیندہ انگلستان کو اس سے کوئی خوف نہ رہے گا۔ بعض لوگ آزادی کے دل سے حامی تھے۔ وہ انقلاب فرانس کو بلند تر مقاصد کی سبیل سمجھ کر خوش ہوئے۔ باستیل کے سقوط کی اطلاع سن کر فاکس نے بے اختیار کہا کہ "یہ دنیا کی تاریخ میں کتنا عظیم الشان اور کتنا بہترین واقعہ ہے!" مگر حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی رائے بھی کلیتہً صحیح نہ تھی اور نہ ایسے پیچیدہ مسئلے کے متعلق صحیح رائے لگانا آسان تھا۔ سترھویں صدی میں انگلستان میں جو انقلاب واقع ہوا، اُس میں اور انقلاب فرانس میں بڑا فرق یہ تھا کہ فرانس کی ہلچل صحیح معنی میں ادنیٰ طبقات کی سرکشی تھی اور اس ہنگامے میں ملکی آئین و قوانین کو ثانوی حیثیت حاصل تھی۔ پھر یہ کہ

باب چہارم

فرانس کا کمزور و تباہ ہونا ایک طرف، وہ اور مضبوط و قوی ہو گیا۔ کیونکہ برنزوگ کی چڑھائی سن کر ہزاروں آدمی جوش و خروش کے ساتھ فوج میں بھرتی ہو گئے اور ان کے لشکر جرار بن جانے میں صرف اس بات کی کسر تھی کہ انھیں فوجی قواعد سکھائے جائیں اور اچھے سردار قیادت کو مل جائیں۔ اسی طرح **فاکس** اور اُس کے دوستوں کا خیال بھی اگرچہ آخر میں درست ثابت ہوا لیکن ان لوگوں نے انقلاب کی تحسین کرتے وقت اس بات کو فراموش کر دیا کہ یہ کس قدر مصائب اپنے ساتھ لایا اور اس کے داعیوں نے کیسے کیسے خوفناک جرائم کا ارتکاب کیا۔

برک کی کتاب بہرحال ایک سال تک انگلستان والے یقیناً اہل انقلاب کے موید تھے مگر پھر برک کی کتاب "انقلاب فرانس پر چند خیالات" Reflection on the French Revolution سے رائے عامہ بدلنی شروع ہوئی۔ **برک** قدیم آئین کی اوضاع سے بار بار اپنی عقیدتمندی ظاہر کر چکا تھا۔ یہ کتاب بھی انھی خیالات کے مطابق لکھی اور اس میں جتایا کہ انقلاب فرانس کی اصلی کنجی، عوام کی سرکشی ہے اور آزادی، مساوات و مواخات، سب زبانی ڈھکوسلے ہیں جن پر نئے نظام کا مبنی ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ اُس نے زمینداروں اور علمائے دین کے ساتھ جو ناانصافیاں ہوئی تھیں اُن کو نمایاں کیا۔ خاندان شاہی کی بے آبروئی کی سخت مذمت کی اور پیشین گوئی کی کہ فرانس کا نظام معاشرت کامل طور پر تباہ ہو جائے گا اور اس کی جگہ فوجی مطلق العنانی کا دَور دَورہ ہوگا۔ آخر میں اُس نے اہل وطن کو فرانس کے معاملات میں جنگی مداخلت کرنے کی دعوت دی۔ اس کتاب کے تیس ہزار نسخے چند ہی روز میں فروخت ہو گئے اور اس کا بہت گہرا اثر پڑا۔ اصل یہ ہے کہ انگریزوں کو خیالی اصول سے طبعاً اکراہ و نفرت ہوتی ہے بےانصافی سے وہ سخت متنفر ہیں۔ کسی فرماں روا خصوصاً ملکہ کے ساتھ بُرا برتاؤ سن کر ان کی حمیت جوش میں آجاتی ہے۔ پھر جب انقلاب فرانس کا قدم آگے بڑھا اور برک کی پیش گوئیاں صحیح ہوتی نظر آئیں تو بہت سے لوگ اُس کو

باب چہارم

ملہم من اللہ سمجھنے لگے اور حامیان جنگ کی ایک جماعت سرعت سے مرتب ہوگئی۔ فاکس ان خیالات کی تردید کرتا رہا۔ مگر کچھ مفید نہ ہوا۔ یہ تصریحات کہ جور و تعدی کا ارتکاب عام بلوائیوں نے کیا، مجلس قومی کو ان زیادتیوں سے کوئی واسطہ نہ تھا یا یہ کہ بعد میں ستمبر کے قتل عام اور جمہوریت کے اعلان کا سبب یہ تھا کہ بادشاہی گروہ اجانب سے ساز باز کرتا تھا اور برنزوک فوج لے کر چڑھ آیا تھا، بیکار ثابت ہوئیں۔ برک تو اس درجہ غضبناک تھا کہ کسی بحث و حجت کو سنتا ہی نہ تھا۔ حتّٰی کہ ۱۷۹۰ء میں اس نے اعلان کر دیا کہ فاکس کے ساتھ میرے دوستانہ تعلقات ختم ہوگئے۔ وہ لوگ بھی جو اس درجہ غیظ میں بھرے ہوئے نہ تھے اصلاحات کو بالکل بے وقت سمجھنے لگے۔ تاہم برک کی کتاب کے کئی جواب لکھے گئے جن میں جیمس مکین ٹوش کی کتاب "مدافعت غالیہ" Vindiciae Gallicae اور ٹامس پین کی تصنیف "حقوق انسانی" Rights of man سب سے زیادہ قابل ذکر ہیں۔ ان میں پہلی کتاب برک کے الزامات کا فلسفیانہ جواب تھی اور اس کے مخاطب تعلیم یافتہ اور مہذب لوگ تھے۔ برخلاف اس کے پین نے عوام کے جذبات کو برانگیختہ کیا تھا اور برک اور ان فرانسیسی امراء وغیرہ کو خوب صلواتیں سنائیں تھیں جن کی برک نے حمایت کی تھی۔ اس کتاب کی قبولیت کا یہ عالم ہوا کہ تھوڑے ہی دن میں پندرہ لاکھ سے کم نسخے فروخت نہ ہوئے ہوں گے اور چونکہ اس میں ایسے خیالات کی اشاعت کی گئی تھی جو ہر حکومت کے خلاف تھے، لہٰذا خود حکومت کو پریشانی لاحق ہوگئی۔ لیکن یہ بات صاف نمایاں تھی کہ جو لوگ انقلاب فرانس کی ستائش و حمایت میں حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔ اہل انگلستان اُن کے دل سے موید نہیں ہیں۔ برمنگھم میں ڈاکٹر پریسٹ لی نے جو یونی ٹے رین (اتحادی) پادری اور علمی آدمی تھا سقوط باستیل کی یادگار میں ۱۴؍ جولائی ۱۷۹۱ء کو ایک عام دعوت کا انتظام کیا تھا مگر عوام الناس اس کے مکان اور گرجاگھر کے اندر گھس پڑے اور سخت بلوا کر دیا۔ اسی طرح انقلاب فرانس کے دوسرے

باب چہارم

ہوا خواہوں کی علانیہ توہین کی گئی - ان حالات کی بنا پر مناسب تو یہ تھا کہ پین وغیرہ کی پرجوش تحریروں یا بیباکانہ تحریروں پر حکومت کوئی اعتنا نہ کرتی - لیکن ارباب حکومت کی یہ رائے نہ تھی اور اُنھوں نے پارلیمنٹ میں اور اُس کے باہر وہ سخت کارروائیاں اور دار و گیر کی کہ لوگوں کا یہ قول صحیح نظر آنے لگا کہ "اہل فرانس نے اپنی آزادی سے غلط کام لیا تھا، اس لیے اہل انگلستان اپنی آزادی سے محروم کر دیے گئے"، ۱۷۹۵ء میں فتنہ انگیز تحریروں کے خلاف ایک اشتہار شایع ہوا جس کا روئے سخن صریحاً پین کی مذکورۂ بالا کتاب (حقوق انسانی") کی طرف تھا۔ سال کے اواخر میں لوگوں میں "بدامنی اور فساد کا جوش" پھیلا ہونے کے باعث نیم مسلح فوج طلب کی گئی۔ ۱۷۹۳ء میں "غدارانہ مکاتبت" کا قانون منظور ہوا اور قانون "ہیبیس کورپس" "لزوم تحقیقات محبوس" کو معطل کر دیا گیا۔ چنانچہ ۱۸۰۱ء تک وہ معطل رہا۔ ۱۷۹۵ء میں بادشاہ اپنی پالکی گاڑی میں پارلیمنٹ کا افتتاح کرنے آتا تھا کہ عوام نے اُس پر پتھر پھینکے - اس پر مزید قیود عائد کی گئیں اور ایک قانون "افعال باغیانہ" منظور ہوا جس میں بغاوت کی تعریف وسیع کر دی گئی اگرچہ اس میں موت کی سزا نہیں رکھی گئی - ایک "مجالس باغیانہ" کا قانون نافذ ہوا جس نے حکومت کے کسی فعل کی مخالفت کرنے کی غرض سے پچاس سے زیادہ کا مجمع ہونے کو قریب قریب ناممکن بنا دیا۔ آزادی عامہ کو اس طرح روکنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ علانیہ نکتہ چینی کی بجائے لوگ چھپ چھپ کر فتنہ پردازی کرنے لگے۔ لندن کی انجمن ارباب مکاتبت نے آئرستان کی اُن انجمنوں سے تعلقات پیدا کیے جن کا مقصد برطانی حکومت کی بیخ کنی کرتا تھا - نیز فوج اور بیڑے میں بھی ان لوگوں نے فساد پھیلانے میں حصہ لیا - ان حرکتوں سے ہر قسم کی سیاسی جماعتیں بدنام ہوئیں اور ۱۷۹۹ء میں ایک قانون قریب قریب بغیر کسی اختلاف کے منظور ہو گیا جس میں انجمن ارباب مکاتبت کو صراحتاً خلاف قانون قرار دیا اور ہر ایسی انجمن میں شرکت ناجائز ٹھیرائی جس کے قواعد اور شاخیں خفیہ ہوں۔

باب چہارم

قوانین میں اس قسم کی ترمیم و اضافہ کرنے کے علاوہ حکومت کی طرف سے مروجہ قوانین سے بھی سیاسی جرائم روکنے میں جہاں تک ممکن تھا، کام لیا گیا۔ ۱۷۹۲ء میں ٹامس پین باغیانہ تحریر کا مجرم قرار پایا اور سزائے قید دی گئی حالانکہ ارسکن نے بڑی قابلیت سے وکالت کی اور اپنی بحث کو اس اصول پر مبنی کیا کہ "رائے آزاد ہے اور قانون میں صرف عمل قابل مواخذہ ہے"۔ ۱۷۹۳ء میں ٹامس موئر کو بغاوت کے جرم میں چودہ سال کی عبور دریائے شور کی سزا ملی کیونکہ اس نے پارلیمنٹ میں اصلاحات کی تبلیغ و وکالت کی تھی اور اسی طرح ایک پادری پامر اس خطا پر سات سال کے لیے کالے پانی بھیجا گیا کہ اس نے انجمن احباب آزادی ابنائے وطن کی طرف سے ایک خطبہ شایع کیا تھا۔ خاص انگلستان میں معاملات نے ایسی بدنما صورت اختیار نہیں کی کیونکہ وہاں کی جوریاں نہ سراسیمہ ہوئیں نہ متعصب حکام عدالت کی فرد قرار داد جرم سن سن کر مرعوب ہوتی تھیں۔ چند اشخاص کو تو باغیانہ افعال کی سزا ملی لیکن جب سرکار کی طرف سے ہورن ٹوک، ہارڈی اور تھیل وِل پر ارباب مکاتبت اور اطلاعات آئینی کی انجمنوں سے تعلق رکھنے کی بنا پر مقدمہ چلایا گیا تو جوریوں نے "بے گناہ" کا فیصلہ دیا اور آزادی میں ایسی طفلانہ دخل اندازیوں کا سلسلہ رُک گیا۔ اس پر بھی اہل فرانس

جدید قوانین میں رکاوٹ

کی بدعنوانیوں سے پارلیمنٹ میں اتنی پریشانی پیدا ہوگئی تھی کہ پھر اس قسم کے اصلاحی قوانین بنانے میں رکاوٹ پڑ گئی جیسے پٹ کی وزارت کے ابتدائی حصے کی یادگار ہیں۔ بلدیات و آزمائش کے قوانین منسوخ کرنے کی فاکس نے ۱۷۹۰ء میں تحریک کی تھی مگر ۱۰۵ کے مقابلے میں ۲۹۴ رایوں سے مسترد ہوئی اور پھر آیندہ تقریباً چالیس برس تک اس مسئلے کو چھیڑنے کی نوبت نہ آئی۔ گرے نے (جو بعد میں امیر گرے اور وزیر اعظم بنا) ۱۷۹۳ء میں پارلیمنٹ کی اصلاح کے لیے جو تحریک پیش کی وہ بھی ۴۱ کے مقابلے میں ۲۳۲ آرا سے مسترد کر دی گئی اور جب ۱۷۹۷ء میں دوبارہ بھی اسی طرح کی شکستہ ہوئی تو پھر یہ خیال ترک کر دیا گیا اور اس کے بعد سے وھگ فرقے پر سخت مایوسی

طاری ہوگئی۔ اس گروہ کے مبعوثوں نے پارلیمنٹ میں جانا ہی چھوڑ دیا اور ایسی اہم کارروائی بھی جیسے **ہیبیس کورپس** (لزوم تحقیقات محبوس) کا تعطل پارلیمنٹ میں پیش ہوا تو مخالف رائے دینے والوں کی تعداد ۳۹ سے زیادہ نہ تھی۔ اس تمام مدت میں صرف ایک زوردار قانون، **فاکس کا قانون ازالۂ حیثیت عرفی** منظور ہوا (۱۷۹۲ء) جسے پٹ کی تائید حاصل تھی۔ اس کی رو سے **جوریوں** کو یہ حق حاصل ہوگیا کہ نہ صرف واقعات بلکہ قانون کے متعلق بھی اپنی رائے دیں حالانکہ پہلے عدالتیں تاکید کردیا کرتی تھیں کہ جوریاں اپنی رائے کو مسئلۂ اشاعت تک محدود رکھیں اور اس بات کا فیصلہ کہ جو کچھ شایع ہوا، وہ ازالۂ حیثیت ہے یا نہیں، عدالت کرے۔

انگلستان اور فرانس

فرانس کی نسبت اہل انگلستان کی رائے جو کچھ بھی ہو اور فرانسیسی خیالات کی ہم آہنگی پر انگلستان میں خواہ کیسا ہی تشدد کیا جائے، یہ سب انگلستان کے اندر کی باتیں تھیں اور کوئی وجہ نہ تھی کہ ان کی بدولت فرانس کے ساتھ جنگ کی نوبت آجائے۔ بے شبہ **برک** مسلح مداخلت کا حامی تھا لیکن **فاکس** صاف طور پر الگ تھلگ رہنے کی رائے دیتا تھا اور اس معاملے میں پٹ کی بھی رائے یہی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ فرانس جس طرح کر سکے، اپنے گھر کا خود انتظام کرے" اور یہ اس آنجہانی کے ساتھ صریح ظلم ہے کہ اسے فرانس کی جمہوریت کے خلاف تلوار کھینچنے کا الزام دیا جائے۔ اس کامل غیر جانب داری کی روش پر وہ ۱۷۹۲ء تک قائم رہا۔ وہ ہر قسم کی جنگ اور خصوصاً فرانس کے ساتھ جنگ کرنے سے بالکل کنارہ تھا اور اس کی تمام مالی اصلاحات کی کامیابی ہی امن وصلح پر منحصر تھی۔ اس کا تجارتی معاہدہ خوب کام کر رہا تھا اور ۱۷۹۲ء میں اس نے اپنا پختہ وثوق ظاہر کیا کہ پندرہ سال تک یورپ میں جنگ کا امکان اتنا کم ہے کہ پہلے کبھی نہ تھا۔ ان سب باتوں کے باوجود حالات پر اس کا زور نہ چل سکا۔ نومبر ۱۷۹۲ء میں اہل فرانس نے ایک اعلان شایع کیا کہ جو قوم اپنے فرماں رواؤں سے بغاوت کرے،

باب چہارم

فرانس ان کی اعانت پر آمادہ ہے۔ اسی مہینے انھیں نرے ماپ کے مقام پر فتح حاصل ہوئی اور آسٹریا کے اضلاع نڈرلینڈز پر قبضے کی صورت ایسی تھی گویا فرانس مستقل الحاق کا ارادہ رکھتا ہے اور اب ہالینڈ اس کا دوسرا ہدف بننے والا ہے جس کی مدافعت ہم انگریزوں پر از روئے معاہدہ واجب تھی۔ فرانس کی یہ کارروائیاں ایسی تھیں کہ نئی جمہوریت کی بجائے بہت قدیم بادشاہی ہوئی تو بھی انگلستان کو حفاظت خود اختیاری کے لیے جنگ کرنا ناگزیر ہو جاتا۔ ان سب پر طرہ یہ ہوا کہ لوئی شانز دہم کو اہل جمہوریہ نے قتل کر دیا جو خود فاکس کے لفظوں میں ایسا فعل تھا کہ فرانس کے باہر ہر شخص نے نہایت نفرت انگیز سفاکی اور ناانصافی پر محمول کیا۔ انگلستان میں یہ خبر سن کر لوگ کانپ اُٹھے۔ ایک کے سوائے تمام ارکان پارلیمنٹ نے ماتمی لباس پہن لیا۔ بادشاہی گاڑی کو مجمع عام نے گھیر کر "فرانس سے جنگ!" کے نعرے لگائے۔ ان حالات میں پٹ کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ جنگ کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ تاہم جنگ کا واقعی اعلان پہلی فروری کو فرانس کی طرف سے ہوا اور انگلستان و ہالینڈ کے خلاف اُس نے لڑائی چھیڑ دی۔ ایسی صورت میں اگر پٹ کو اُس معاہدے کا، جو صرف چار سال پہلے ہالینڈ سے ہوا تھا، کچھ بھی پاس ہوتا تو اپنے بچاؤ کے علاوہ خود یہی معاہدہ کافی تھا کہ وہ لازماً ہالینڈ کی اعانت کرے۔ مگر پورے یورپ کے مصالح پر نظر کیجیے تو برطانیہ کا جنگ میں در آنا نہایت نقصان دہ ثابت ہوا۔ پروشیا اور آسٹریا سے فرانس کی لڑائی زیادہ طول نہ کھینچ سکتی تھی لیکن برطانیہ کی شرکت سے یہ اتنی دیر تک جاری رہی کہ فرانس بھر پر وہاں کی فوج حاوی ہو گئی اور اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں ایک فوجی مطلق العنانی کا دور دورہ ہو گیا۔

پٹ کی جنگی حکمت عملی

اگرچہ پٹ لڑائی میں بادل ناخواستہ شریک ہوا لیکن شریک ہونے کے بعد اُس نے پوری قوت سے کام کیا۔ ایسا ملک جس کی کوئی بڑی مستقل فوج نہ ہو، لامحالہ بہت کچھ

حلیفوں کی محتاج ہوگی - لہذا پٹ کی حکمت عملی یہ رہی کہ پروشیا اور آسٹریا کو مالی امداد دے کہ وہ اپنی فوجیں میدان میں رکھ سکیں۔ جنگ آرائی میں خود برطانیہ کا حصہ بہت محدود تھا البتہ پٹ کا ارادہ تھا کہ اپنے بیڑے سے فرانس کے جنگی جہازوں کو فنا، اور اُس کی نوآبادیوں پر قبضہ کرلیا جائے۔ ساحل فرانس پر چھاپے مارنے کا بھی منصوبہ بنایا گیا تھا کہ ان سے ایک طرف تو فرانس کے شاہ پسندوں کو مدد ملے اور دوسرے ان کے خوف سے فرانس کا فی سپاہی ملک کے اندر رکھنے پر مجبور رہوا اور انھیں سرحدوں پر میدان جنگ میں نہ بھیج سکے۔ مگر پٹ کو حلیف اور سپہ سالار دونوں بہت بُرے ملے۔ پروشیا اور آسٹریا والوں کو شروع میں تو کچھ روز کامیابی نصیب ہوئی لیکن پھر اجتماع قومی کی سرگرمی اور جابرانہ سعی کی بدولت فرانس میں اعلیٰ درجے کی فوجیں مرتب ہوگئیں تو دشمن اُن کا مقابلہ نہ کرسکا۔ اِدھر شاہ انگلستان کا منجھلا بیٹا، فریڈرک شہزادۂ یارک جو باپ کے اثر سے انگریزی فوج امدادی کا سپہ سالار بنا کے بھیجا گیا تھا، سراسر نااہل ثابت ہوا۔ اصل یہ ہے کہ آسٹریا اور پروشیا بے دلی سے لڑ رہے تھے اور اُن کی اصلی توجہ روس کو پولینڈ کی تسخیر میں مدد دینے پر مبذول تھی جس کے ظالمانہ حصے بخرے فریڈرک شاہ پروشیا نے ۱۷۷۲ء میں شروع کیے اور ۱۷۹۳ء میں اس تقسیم کی تکمیل ہوئی۔ انھی وجوہ سے فرانس کے دشمن اُس کے سامنے نہ ٹھیر سکے۔ لزار ہوش نے آسٹریا والوں کو شکست دی۔ برطانی لشکر بوالو دیوک میں شکست کھا کے بُری طرح ہالینڈ کی طرف پسپا ہوا اور وہاں بھی فرانسیسیوں نے ہر مقام پر مار مار کر انھیں دھکیلا۔ ولندیزی بیڑا یخ بستہ کھڑا تھا۔ آخر میں فرانسیسی رسالے نے حملہ کر کے اُسے بھی چھین لیا۔ انگریز تو ملک کو خالی کر ہی چکے تھے لہذا اب ہالینڈ کو جمہوریۂ بتاویا کے نام سے فرانس کا حلیف شمار کیا جانے لگا۔

اسی طرح انگریزوں کی یہ کوشش بھی کہ فرانس کے شاہ پسندوں کی مدد کی جائے، سرسبز نہ ہوئی۔ تولون کے لوگ اجتماع قومی کے لشکر کے

باب چہارم

مقابلے میں شہر کی مدافعت کر رہے تھے۔ ۱۷۹۳ء میں انگریزی بیڑا ان کی مدد کے لیے اس شہر کی بندرگاہ میں داخل ہو گیا لیکن یہ کوشش بھی ناکام رہی۔ یہ بندرگاہ ایک مخروطی شکل کی خلیج کے سرے پر واقع ہے۔ روایت عام کے بموجب **نپولین بوناپارٹ** نے جو اُس وقت نوجوان اور توپ خانے کا سردار تھا، سمجھایا کہ اگر ایسی جگہ ایک توپ خانہ لگا دیا جائے جہاں سے خلیج کا تنگ داخلہ زد میں ہو تو پھر انگریزوں کو چار و ناچار ہٹ جانا پڑے گا۔ اس مشورے پر عمل ہوا اور ساتھ ہی انگریزی بیڑا فرانس کے جنگی جہازوں کو بندرگاہ میں ڈبو کے، واپس ہٹ گیا اور شاہ پسندوں کو تقدیر کے حوالے کر گیا۔ ۱۷۹۵ء میں فرانسیسی پناہ گزینوں کی ایک جماعت خلیج **کوئب رون** کے ساحل پر اُتاری گئی مگر یہ کوشش بالکل مہلک ثابت ہوئی اور لزار ہوش کی فوج نے بڑھ کر ان لوگوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار۔ ایک مہم **کورسیکا** بھیجی گئی تھی کہ وہاں کے محبان وطن کو جیکوبن گروہ سے مقابلہ کرنے میں مدد دے۔ امید تھی کہ یہ جزیرہ فرانسیسیوں سے چھین لیا جائے گا مگر ۱۷۹۶ء میں اسے خالی کر دیا گیا۔

بحری معرکے

بحری معرکوں میں انگریز زیادہ اچھے رہے۔ فرانسیسیوں کو بڑی مشکل یہ پڑی کہ **بحر متوسط** پر ان کی ایک بہترین بندرگاہ **تولون** اور اسی طرح خلیج **بسکے** پر **برلیسٹ** تھی۔ رودبار انگلستان کی بندرگاہیں اُس زمانے تک چھوٹی تھیں اور ان میں بڑے جہاز نہیں سما سکتے تھے انگریزوں نے ان پر بار بار گولہ باریاں بھی کیں۔ دوسرے، انقلاب فرانس، فرانسیسی بیڑے کے حق میں سخت نقصان رساں ثابت ہوا کیونکہ اکثر بحری سردار **بریتانی** کے شاہ پسند لوگ تھے اور یہ سرکاری ملازمت سے دست بردار یا فرار ہو گئے اور چونکہ ان کی جگہ فی الفور کوئی انتظام ممکن نہ تھا اور نہ سپاہیوں کو قواعد سکھانے کی طرح اتنی جلد جہاز راں بنایا جا سکتا تھا۔ لہذا بیڑا کمزور ہو گیا اور عہد انقلاب کی لڑائیوں میں انگریزوں کو جن فرانسیسی جہازوں سے سابقہ پڑا وہ ہرگز اتنے اچھے اور کارداں نہ تھے جتنے پہلی لڑائیوں میں مقابلے کیا کرتے تھے۔ تولون کے بیڑے کی تباہی سے بحر متوسط میں فرانس کی بحری قوت کو

باب چہارم

قطعاً بہت صدمہ پہنچا۔ پھر یکم جون ۱۷۹۴ء کو لارڈ ہاؤ نے بریسٹ کے بیڑے کو سخت شکست دی جو امریکا سے فرانس آنے والے غلے کے جہازوں کی حفاظت کرنے کھلے سمندر میں آگیا تھا۔ اس جسارت کا نتیجہ یہ ہوا کہ کل چھبیس ۲۶ جنگی جہازوں میں سے سات گرفتار اور دو غرقاب ہو گئے اگرچہ غلے کے جہاز بچ کر نکل گئے۔ بہر حال ان دو ضربوں نے فرانس کو بہت روز تک سمندر میں معطل رکھا البتہ ۱۷۹۵ء میں ہسپانی اور ولندیز فرانسیسیوں سے مل گئے تو اُس وقت یہ بہت مشکوک ہو گیا کہ ہم انگریز ان کے مقابلے میں ٹھیر سکیں گے۔ ۱۷۹۷ء میں فرانسیسیوں نے ہوش کی قیادت میں آئرستان مہم بھیجنے کا منصوبہ باندھا۔ ہوش اعلےٰ درجے کا سپہ سالار تھا اور توقع تھی کہ فرانسیسیوں کے وہاں پہنچتے پر اہل آئرستان بھی بغاوت کر کے اُنھیں مدد دیں گے۔ بیڑا انگریزی جہازوں سے بچتا ہوا آیا مگر آئرستان پہنچنے سے قبل آندھی نے آدبایا اور فرانسیسی جہاز منتشر ہو گئے صرف تین جہاز خلیج بینٹری تک پہنچے تھے مگر ان کے سردار گروشی کی ہمت نہ پڑی کہ فوج ساحل پر اتارنے کی ذمہ داری لے۔ غرض اس کوشش کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ اسپین کا بیڑا کچھ زبردست نہ تھا جب یہ ملک انگریزوں کا حلیف تھا، اُس وقت نیلسن اُن کا بیڑا دیکھ چکا تھا۔ اُس کی رائے میں اسپینی جہازوں سے بھگت لینا کچھ مشکل نہ تھا۔ البتہ بڑا اندیشہ یہ تھا کہ کہیں تینوں اتحادی مل کر انگریزوں کو رود بار سے بیدخل نہ کر دیں اور اسی لیے انگریزوں کی ساری کامیابی کا انحصار اس پر تھا کہ اتحادیوں کو الگ الگ شکست دے لیں قسمت کی یاوری دیکھئے کہ یہ امید پوری ہو گئی۔

بحری معرکے ۱۴ فروری کے دن امیر البحر جروس اور سردار نیلسن صرف پندرہ جنگی جہازوں سے راس سینٹ وِن سنٹ کے سامنے اسپینی بیڑے سے جا بھڑے جس میں ستائیس جنگی جہاز تھے۔ انگریزوں نے اس خوبی سے ایک چال کی کہ ان ستائیس میں سے نو جہاز اسپینی بیڑے سے الگ ہو گئے۔ اصلی قطار پر حملہ کرنے میں نیلسن نے بہت معقول حصہ لیا اور غنیم کے چار جہاز پکڑ لیے گئے۔ باقی نے قادِس کی بندرگاہ کے اندر پناہ لی اور جنگ کے آخر تک ان کی پوری ناکہ بندی رہی۔ اسپین کے

باب چہارم

بیڑے سے تو یوں چھٹکارا ملا اور ۱۱ر اکتوبر کے دن امیر البحر ڈنکن کو ولندیزیوں پر کامل فتح حاصل ہوئی۔ یہ گیارہ ولندیزی جہاز طوفان کی حالت میں ٹیکسل سے نکل گئے اور فرانسیسی بیڑے سے برلیسٹ میں جا ملنے کے لیے جا رہے تھے جب کہ کیمپر ڈاون پر ڈنکن ۱۶ سولہ جہازوں سے مقابل ہوا۔ ولندیز اس قدر تعداد کم ہونے کے باوجود بڑی دلیری سے لڑے لیکن کثرت کے سامنے اُن کی شجاعت نہ چلی اور آٹھ جنگی جہازوں کو گنوا بیٹھے۔

بحری غدر ان نمایاں فتوحات کے باوجود ۱۷۹۷ء برطانیہ کے حق میں بہت نازک زمانہ تھا کہ سینٹ ونسنٹ اور کیمپر ڈاون کے درمیان بیڑے میں دو دفعہ غدر ہوا۔ فساد کی ابتدا اسپیٹ ہیڈ میں ہوئی جو رود بار کا سب سے بڑا بحری مستقر تھا۔ بیڑے والوں کی شکایتیں بالکل بجا تھیں۔ چارلس دوم کے زمانے سے ان کی تنخواہوں میں اضافہ نہ ہوا تھا۔ سولہ اونس کا روزانہ راتب مقرر تھا۔ اس میں سے بھی اُنھیں چودہ ہی دیے جاتے اور باقی داروغوں کے ہاتھ پڑتے تھے۔ غذا بھی اکثر بہت بُری ملتی اور بندرگاہوں میں قیام کے وقت بھی اُنھیں ترکاریاں نہ دی جاتی تھیں۔ وظیفے بہت قلیل تھے اور زخمی جہازیوں کی تنخواہ کم کر دی جاتی تھی۔ اپریل ۱۷۹۷ء میں معاملات نے انتہائی صورت اختیار کی کہ سارے بیڑے نے متفقہ طور پر اور جب تک یہ شکایتیں رفع نہ کی جائیں، سمندر میں جانے سے انکار کر دیا۔ اس ذلت آمیز خطرے کے سامنے حکومت نے بہت تلون دکھایا، حالانکہ اہل جہاز نے اپنے جہازوں میں جیسا ضبط رکھا اور حکام سے خط کتابت میں جو لب و لہجہ اختیار کیا، وہ نہایت قابل تعریف تھا۔ سرکار کی طرف سے جہازیوں کے مطالبے تو پورے ہوئے مگر کچھ اس طرح کہ اُنھیں حکومت کی صداقت کے متعلق بدگمانی ہو گئی اور یہ صرف لارڈ ہاؤ کی ہر دلعزیزی تھی کہ قابل اطمینان تصفیہ ہو گیا۔ بہت سے سردار جن سے عام جہازی ناراض تھے، علیحدہ کیے گئے اور پھر ملاحوں نے خود استدعا کی کہ برلیسٹ کے فرانسیسی بیڑے پر حملہ کیا جائے جسے

انگریزوں کی خوش قسمتی سے ان واقعات کی کوئی خبر نہ ہونے پائی اور وہ اپنے مقام ہی پر لنگر انداز رہا

دوسرا اور زیادہ مخدوش فساد بحر شمال کے بیڑے میں بمقام نور ہوا۔ یہ لوگ بھی طبعاً اپنے اسپٹ ہیڈ کے ساتھیوں کے موید تھے لیکن جب وہاں کے بیڑے والے مطمئن ہو گئے تو نور والوں نے بغاوت کا سرخ جھنڈا بلند کیا۔ ان کا سرغنہ رچرڈ پارکر تھا۔ یہ معمولی حیثیت کا بحری سپاہی تھا لیکن کچھ لکھا پڑھا اور جمہوریت کے خیالات سے سرشار تھا۔ اس کی سرگروہی میں یہاں کے جہازیوں نے چند غیر معقول مطالبات پیش کیے جنھیں امارت بحری سے فوراً مسترد کر دیا گیا۔ تب ان جہازوں نے ٹیمز کے دہانے پر ادھر سے اُدھر تک قطار باندھ لی اور تجارتی جہازوں کا راستہ روک دیا۔ غنیمت ہوا کہ ساحل کی طرف سے اُنھیں کوئی مدد نہیں ملی۔ اور جب اسپٹ ہیڈ والوں کی طرف سے بھی تائید کی امید نہ رہی تو اکثر سپاہی ہوش میں آئے اور اپنی نوکری پر حاضر ہو گئے۔ پارکر اور اُس کے دو تین ساتھیوں کو سولی دے دی گئی۔ مگر بیڑے کی عام وفاداری کا ثبوت کیمپر ڈاون میں ملا جہاں اُنھیں غدر کرنے والے جہازیوں نے بڑی جوانمردی دکھائی۔ جس زمانے میں یہ فساد ہوا، اُس وقت امیر البحر ڈنکن کو سوائے اُس کے جہاز اور دو کشتیوں کے سب نے چھوڑ دیا تھا اور اُدھر اُسے ٹکسیل میں ولندیزی بیڑے کی پاسبانی بھی کرنی تھی۔ لہٰذا اُس نے دشمن کو دھوکا دینے کے لیے کشتیوں کو سمندر میں دور تک بھیج دیا اور ساحل کے سامنے کے بیڑے سے جھنڈیاں ہلا ہلا کے جھوٹ موٹ اشارے کرتا رہا۔

مصارف جنگ بحری کامیابیوں کے باوجود پٹ خوشی سے تیار تھا کہ دیر یا صلح کی کوئی صورت نکل آئے تو جنگ ختم کر دی جائے جس کے بہت مصارف بڑھ رہے تھے۔ ۱۷۹۲ء میں ایک کرور اسی لاکھ، ۱۷۹۵ء میں پانچ اور ۹۷ء میں ساڑھے تین کرور پونڈ سالانہ خرچ ہوا

مزید برآں نو کرور پونڈ قرض لینے پڑے جن کا سود ہی سالانہ پچاس لاکھ پونڈ ہوتا تھا۔ ان کثیر اخراجات نے ملک کا سارا مالی نظام درہم برہم کردیا۔ اس خیال سے کہ کہیں یہ نوبت نہ آجائے کہ بینک انگلستان کھاتہ داروں کو روپیہ دینے سے انکار کردے پارلیمنٹ نے ۱۷۹۷ء میں ایک قانون نافذ کیا جس کی رو سے بینک کے نظما کو اجازت مل گئی کہ بحری اور بری سپاہیوں کے علاوہ باقی سب کو کاغذ کی شکل میں روپیہ ادا کرسکتے ہیں اور یہ کاغذی زر (یا بینک نوٹ) ملک بھر میں سکۂ رائج الوقت قرار دیا گیا۔ یہ قانون ہنگامی تھا لیکن اس کی وقتاً فوقتاً تجدید ہوتی رہی اور ۱۸۱۹ء سے پہلے زر نقد میں رقوم ادا ہونے کی نوبت نہ آئی۔ سکۂ زر کو روک دینے کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ اجناس کی قیمت (کاغذی نوٹ کے حساب سے) چڑھ گئی اور سونے کی ایک گنی، کاغذ کے تیس شلنگ کے برابر تک پہنچی آبادی کے تمام طبقوں کو اس سے تکلیف ہوئی اور غریبوں پر تو بہت ہی مصیبت پڑ گئی۔ کیونکہ اجناس کی شرح خواہ کسی سبب سے گراں ہو، مزدوری کی شرح اسی تیزی سے نہیں بڑھا کرتی۔ مزید برآں جنگ کے یہی سال فصلوں کی خرابی کے سال تھے اور ان دونوں اسباب کے مل جانے سے مصیبت انگیز نتائج برآمد ہوئے مثلاً غلّہ جو جنگ سے قبل شاذونادر پچاس شلنگ فی کوارٹر (= تقریباً ۱۳ سیر) سے زیادہ مہنگا ہوتا تھا، وہ ۱۷۹۵ء میں اسّی شلنگ اور ۱۸۰۱ء میں ۱۲۸ شلنگ فی کوارٹر بکنے لگا۔ اور اجناس خوردنی کی قیمتیں عام طور پر دگنی ہوگئیں۔ اس کے مقابلے میں ایک نجار کی یومیہ اجرت جو ۱۷۹۵ء میں $2\frac{1}{2}$ شلنگ تھی۔ ۱۸۰۰ء میں صرف چار پنی روزانہ اس میں اضافہ ہوا۔ ۱۷۹۵ء میں جس مزدور کو مایحتاج زندگی کے لیے پانچ شلنگ ادا کرنے پڑتے تھے۔ اب ان کی قیمت ۲۶ شلنگ سے بھی زیادہ تھی حالانکہ اس کی مزدوری صرف نو شلنگ، یعنی پوری دگنی بھی نہ ہوئی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک بھر میں افلاس پھیل گیا۔ ۱۷۹۶ء میں

افلاس

یہ بُرا رواج شروع ہوا کہ تندرست محتاجوں کو دیہات کے مقامی محصول سے اضافۂ گرانی دیا جانے لگا۔ اس کی ابتدا برکشر کے حکام عدالت نے سہ ماہی اجلاس کے موقع پر کی اور تھوڑے ہی دنوں میں دوسرے

باب چہارم

اضلاع میں بھی یہ طریقہ جاری ہوگیا۔ یہ طریقہ رحم دلی کی بنا پر شروع کیا گیا تھا لیکن اس کے نتائج بہت ہی نقصان رساں ثابت ہوئے۔ ظاہر ہے کہ اجر تو مزدوری کی شرح بڑھاتا نہ تھا اور اجناس کی قیمتیں برابر چڑھ رہی تھیں۔ پس پورے حلقے یا ذیل کے محصول میں اضافہ کیے بغیر چارہ نہ تھا۔ دوسرے چونکہ اضافہ گھر کے آدمیوں کی تعداد دیکھ کر دیا جاتا تھا، لہٰذا شادی شدہ لوگ مجردوں سے کہیں بہتر رہے۔ اس طرح دیہات کی آبادی میں مشترکہ کھاتے پر زندگی بسر کرنے والوں کی تعداد بڑھ کر کہیں سے کہیں پہنچی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی محصولات ورسوم کی شرحیں بڑھانی پڑیں اور بعض حلقوں میں تو وہ سرکاری مال گزاری سے بھی زیادہ بڑھ گئیں۔ اس ضرر انگیز طریقے کا انسداد کہیں ۱۸۳۴ء میں جاکر قانون مساکین کے وضع کرنے کے بعد ہوا۔

ہرچند پٹ چاہتا تھا کہ صلح ہو جائے لیکن جنگ ختم ہونے کے کچھ آثار نہ تھے۔ لڑائی شروع ہوئی تو پٹ اپنے تمام اہل وطن کی طرح یہ سمجھتا تھا کہ چند روز میں جنگ ختم ہو جائے گی۔ عام خیال تھا کہ انقلاب سے فرانس کی فوج کا تار و پود بکھر گیا اور ملک دوالیہ ہوگیا۔ مگر یہ دونوں اندازے غلط ثابت ہوئے۔ بے شبہ قدیم بادشاہی فوجیں عموماً منتشر ہو ہوا گئیں۔ لیکن ان کی بجائے بہت سرعت سے کہیں بہتر فوجیں مرتب ہو گئیں۔ اس کا سہرا سب سے پہلے جمہوریت پسند یعنی جیکوبن گروہ کے سر باندھنا پڑتا ہے۔

فرانس کی قوت اور جمہوریت کی ترقی

جدید سپاہ میں ترقی بالکل قابلیت کی بنا پر دی جاتی تھی اور اس میں بہت جلد اعلیٰ درجے کے سردار منصب قیادت پر فائز ہو گئے جیسے ہوش اور ماسینا جو پرانی شاہی سپاہ میں بحیثیت سپاہی کے کام کر چکے تھے یا، جیسے مورو کہ قانون کی تعلیم پائی مگر اپنے آپ میں حربی قابلیت دیکھ کر فوج میں بھرتی ہوگیا۔ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ یہ سپاہ ایسی بن گئی کہ کسی حریف سے منہ نہ پھیرتی تھی اور اس کی فتوحات نے مفتوحہ علاقوں سے اپنی ضروریات کی بہم رسانی کا سامان بھی کر دیا۔ رہی مالیات کی تباہی، تو

تجربے سے یہ خیال بھی نرا وہم ثابت ہوا۔ پرانے قرضے تو فرانس نے محض انکار کر کے چکا دیے۔ پھر امتیازات و عشر اور زراعت و تجارت پر طرح طرح کی قیود موقوف ہوئیں تو ملک میں خوشحالی کا ایک نیا دور شروع ہو گیا جس سے حکومت کو بیرونی جنگ کے معمولی مصارف اٹھانے میں مطلق دشواری نہ ہوئی۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ کامیابی بھی فرانس کا ساتھ دے رہی تھی۔ البتہ سمندر پر جمہوری فرانس کی قوت گھٹ گئی اور اس کی یہ کوشش کہ حلیفوں کی مدد سے یہ کمی پوری کرلے۔ اسے برطانیہ کے بحری سرداروں نے چلنے نہ دیا۔ حتیٰ کہ فرانس کے تمام بیرونی مقبوضات ہاتھ سے نکل گئے۔ اس کے حلیفوں کو بھی نقصان اٹھانا پڑا۔ انگریزوں نے اسپین سے ٹری نی ڈاڈ اور راس امید دلنکا کا علاقہ ولندیزوں سے چھین لیا۔ اسی طرح فرانس کے شرق الہند اور غرب الہند کے جملہ مقبوضات پر قابض ہو گئے۔

اس عرصے میں خود حکومت فرانس مختلف تغیرات کے مراحل طے کر رہی تھی۔ سنہ ۱۷۹۳ء کے موسم بہار میں ہر طرف سے فرانس پر حملہ ہوا اور آسٹریا، پروشیا، اسپین، پرتگال، پیڈمونٹ، ولندیزوں اور انگریزوں نے یکبارگی اس کے علاقے پر چڑھائی کی تو اتحادیوں کی ابتدائی فتوحات سے اہل فرانس نہایت ہراساں ہوئے اور تمام اختیارات ایک مجلس تحفظ قومی کے حوالے کر دئے گئے کہ جس طرح مناسب سمجھے بیرونی حملوں کا دفاع اور اندرونی شورشوں کا سد باب کرے اسی کا نتیجہ وہ "عہد خونیں" تھا جس کا اجمالاً اوپر ذکر آچکا ہے۔ لیکن جب فتح کا پلڑا فرانس کی طرف جھکا اور اس کے نوجوان فاتحانہ سپہ سالاروں نے اپنا ملک دشمن سے خالی کرا کے خود حریفوں کے علاقے میں پیش قدمی کی تو رائے عامہ میں بھی تغیر واقع ہوا۔ اسی سلسلے میں پہلے تو انتہا پسند جمہوری سرگروہوں میں پھوٹ پڑی اور ہیبر دان تون اور روبش پیر کا نوبت بہ نوبت سر قلم کرایا گیا۔ پھر کچھ روز بعد ایک نیا نظام مرتب ہوا جو پانچ نظما اور ایک مجلس ملکی پر مشتمل تھا۔ مجلس کے دو شعبے "جماعت بزرگاں" اور "بان صد گانی" کہلاتے تھے۔ اس نظام حکومت کے خلاف

باب چہارم

"شورش جماعات" برپا ہوئی تھی مگر اجتماع قومی نے بوناپارٹ سے کام لے کر جو اُن دنوں اتفاق سے پیرس آیا ہوا تھا، اس شورش کو فرو کر دیا۔ اکتوبر ۱۷۹۵ء میں جدید حکومت نے کام سنبھال لیا۔ اسی نظما کے دور میں، جو پہلی حکومتوں کی نسبت زیادہ دیر پا نظر آتا تھا، پٹ کو امید ہوئی تھی کہ صلح کے نامہ و پیام کامیاب ہو جائیں گے۔ اس سے پہلے وہ مغزور پناہ گزینوں کے وعدے وعید پر بھروسا کرتا رہا مگر اب اچھی طرح سمجھ گیا کہ ان کے رسوخ و اثر پر کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

صلح کے نامہ و پیام

الغرض فرانس کی نئی نظامت کو قائم ہوئے ایک سال گزر گیا تو ۱۷۹۶ء میں لارڈ مامزبری کو صلح کی گفتگو کرنے پیرس بھیجا گیا۔ لیکن اُس کی پہلی ہی شرط یہ تھی کہ بلجیم کی آزادی بحال کی جائے۔ اور اس کو نظمائے فرانس قبول کرنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ لہذا اس کی تجاویز پر کوئی اعتنا نہ ہوئی۔ جولائی ۱۷۹۷ء میں دوبارہ لیل میں گفتگو شروع ہوئی مگر مامزبری نے پھر وہی مطالبہ پیش کیا اور پھر یہ سلسلہ ٹوٹ گیا۔ قرینہ کہتا ہے کہ اگر اہل فرانس حقیقت میں صلح کرنے پر آمادہ ہوتے تو غالباً پٹ بہت کچھ دب جاتا لیکن ان دنوں حامیان جنگ پیرس میں سب پر حاوی تھے اور صلح کی گفتگو دل سے شروع ہی نہیں کی گئی تھی۔ دوسرے ۱۷۹۵ء میں پروشیا فرانس سے صلح کر چکی تھی اور ۱۷۹۶ء میں نپولین بوناپارٹ اطالیہ والی سپاہ کا سپہ سالار بن کر لومبارڈی کے مشہور محاربے میں آسٹریا والوں کو شکست دے چکا تھا۔ اسی کامیابی کے سلسلے میں اُس نے انھیں مجبور کر کے کیمپو فورمیو کا عہد نامہ لکھوا لیا (۱۷۹۷ء) اور اب چونکہ برطانیہ تنہا رہ گئی لہذا فرانسیسیوں کو اور بھی فتوحات کا تیقن ہو گیا تھا۔ اسی کے ساتھ ان سپہ سالاروں کی فتوحات نے اہل ملک کے دل میں جنگی ناموری کا وہ شوق و ولولہ بھر دیا تھا جو بجائے خود امن و صلح کی نقیض ہے۔

نپولین بوناپارٹ

اب تک فرانس کے سپہ سالار ملکی معاملات میں دخل دینے سے اس قدر بچتے رہے کہ تعجب ہوتا ہے لیکن بوناپارٹ نے یہ روش چھوڑ دی اور اطالیہ میں اپنی قوت مضبوط کرنے کے بعد

باب چہارم

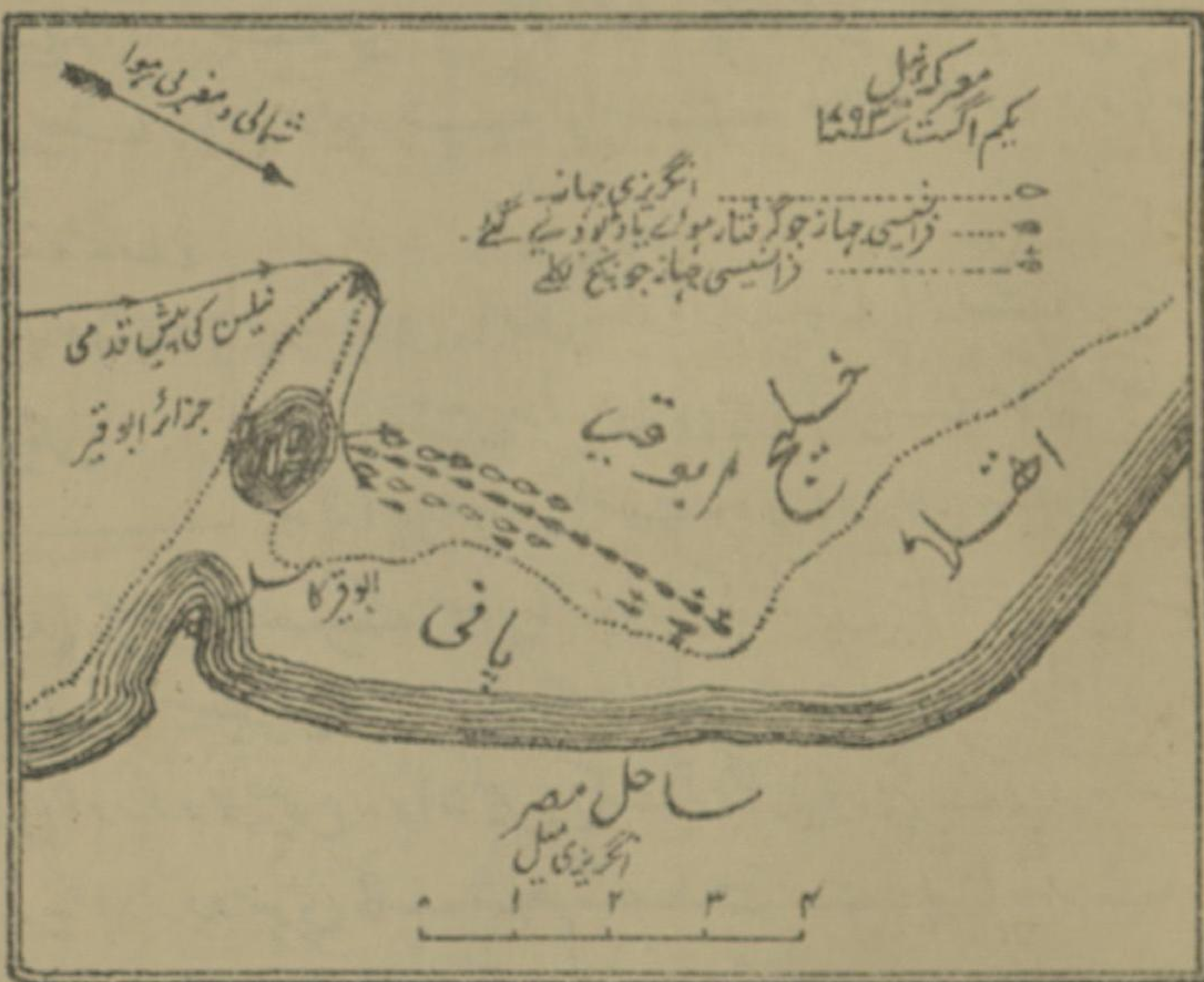
اوگیرو کو پیرس روانہ کیا اور نظما میں اپنے حسب منشا ردوبدل کرا لیا۔ غالباً اسی وقت سے وہ جنگی مطلق العنانی کے منصوبے سوچ رہا تھا لیکن فرانس کو اس تغیر کے لیے تیار نہ دیکھا تو اُس فوج کی سپہ سالاری کرنے پر آمادہ ہو گیا جسے مصر و مالٹا پر قبضہ کر لینے کی غرض سے تیار کیا گیا تھا اور عجب نہیں کہ نپولین کے تخیل میں یہ آیندہ ایک مشرقی سیاہ کا ابتدائی خاکا ہو اور اس سے ہندوستان یا یورپی ترکی پر حملہ کرنا مقصود ہو۔ اول اول تقدیر نے بھی خوب یاوری کی۔ نیلسن، تولون کی ناکہ بندی کر رہا تھا، اسے طوفان کی بدولت وہاں سے ہٹنا اور از سر نو درستی کرنے کی غرض سے سارڈینیا کی ایک بندرگاہ کا سہارا ڈھونڈھنا پڑا۔ یہ موقع دیکھ کر فرانسیسی بیڑا نکل بھاگا اور ۹ ؍ مئی کو مالٹا پہنچ گیا۔ یہ جزیرہ ۱۵۲۶ء سے سینٹ جان کے نائٹوں (یا مجاہدین صلیبی) کے ہاتھ میں تھا اور اس کے مورچے اتنے مستحکم بنائے گئے تھے کہ مہینوں مقابلہ کرتا لیکن اس کے قلعے کے پھاٹک دغابازی سے کھول دیے گئے اور چار ہی دن کے محاصرے کے بعد بوناپارٹ اندر داخل ہو گیا۔ مالٹا سے فرانس کی سپاہ جہازوں میں بیٹھ کر مصر روانہ ہوئی

نیل کا معرکہ

فرانس کے بیڑے کے نکل جانے سے نیلسن کو لڑانے کا بہترین موقع میسر آ گیا۔ یہ نامور شخص ۱۷۵۸ء میں نارفک کے ایک پادری کے گھر پیدا ہوا اور بہت عرصے تک بحری خدمت انجام دیتا رہا۔ وہ مدت سے بہترین برطانی سرداروں میں شمار ہوتا تھا مگر کسی بڑے میدان میں جوہر دکھانے کی نوبت نہ آئی تھی۔ سو یہ موقع اب میسر آیا۔ وہ محض اپنے حیرت انگیز وجدان سے سمجھ گیا کہ فرانسیسی مصر جا رہے ہیں اور اسی قیاس پر پوری رفتار سے اپنے جہاز بھی سکندریہ لے چلا۔ فرانسیسیوں سے قبل پہنچ جانے کے باعث اُسے خیال ہوا کہ وہ غلطی پر تھا لہٰذا واپس صقلیہ روانہ ہو گیا اور راستے میں رات کو فرانسیسی بیڑے کے قریب سے خبر ہوئے بغیر گزر گیا۔ اب اس نے جہازوں میں سرکار نیپلز کی مدد سے سازوسامان بھرا اور دوبارہ مصر کی راہ لی جہاں سکندریہ کی کم گہری بندرگاہ میں باربرداری کے جہازوں کا ہجوم اور خلیج ابوقیر کے گہرے پانی میں جنگی جہاز استادہ نظر آئے۔ واضح رہے کہ بحری لڑائی میں اچھے موقع محل کا عموماً

باب چہارم

کوئی فائدہ کسی فریق کو حاصل نہیں ہوتا بجز اس کے کہ ہوا یا تموج حسب مراد ہو لیکن اس مقام پر فرانس کے امیر البحر بریوی نے خلیج کے دہانے پر اپنے جہاز اس طرح کھڑے کیے تھے کہ دونوں بازو ساحل کے قریب ساحلی توپ خانے کی حفاظت میں تھے اور دشمن کا جہاز اس لیے بھی قریب پہنچنے کی جرأت نہ کرسکتا تھا کہ پایاب ریتی میں پھنس جانے کا بڑا اندیشہ تھا۔ مگر نیلسن نے کہا کہ اگر فرانسیسی جہازوں کے گھومنے کی جگہ موجود ہے تو ہمارے سفائن کے چلنے کی گنجائش بھی نکل ہی آئے گی' اور جوکھوں میں پڑنے کا ارادہ کرلیا۔ فرانسیسیوں کی طرح اس کے پاس بھی تیرہ جنگی جہاز تھے لیکن فرانسیسی جہاز عموماً کچھ بڑے اور چار جنگی کشتیاں بھی اُن کے ساتھ تھیں۔ غرض نیلسن نے



بلا تاخیر حملہ کرنے کا حکم دیا اور اُس کے جہاز ایک کے پیچھے ایک کی قطار میں فرانسیسی صف کے بائیں سرے کی طرف بڑھے۔ ان میں سے ۶ تو ساحل اور دشمن کی قطار کے درمیان بڑھے اور اندر کی طرف سے حملہ آور ہوئے اور خود نیلسن پانچ اور جہازوں کے ساتھ بیرونی رخ سے حملہ آور ہوا ایک انگریزی جہاز کنکریلی زمین پر چڑھ کر بیکار ہوگیا۔ فرانسیسی دو طرف سے

باب چہارم

زد میں آئے تو بڑی جواں مردی سے لڑے - امیر البحر بروئی مارا گیا - خود نیلسن زخمی ہوا مگر نتیجہ بالکل قطعی تھا کہ دشمن کے نو جہاز اور ایک کشتی گرفتار ہو گئی - دو جہاز اور ایک کشتی جل گئی - صرف دو جہاز اور دو کشتیاں جان سلامت لے کر فرار ہوئیں - اگر نیلسن کے ساتھ بھی جنگی کشتیاں ہوتیں تو وہ دشمن کے باربردار جہاز مل کا سکندریہ کی بندرگاہ میں گھس کر خاتمہ کر دیتا لیکن افسوس ہے کہ اُس کی کشتیاں طوفان کے باعث دور بہ گئی تھیں اور وقت پر نہ پہنچ سکیں - بہر حال اس کامیابی کو نیلسن فتح سے بڑھ کر ایک "تسخیر" کہتا تھا اور اسی سے ثابت ہوا کہ وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا بحری سردار ہے - اس لڑائی نے بحر متوسط میں فرانس کی بحری قوت کا خاتمہ کر دیا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ فرانس کی بہترین سپاہ اور بہترین سپہ سالار کو اپنے وطن سے بالکل الگ مصر میں پھنسا دیا اور یورپ کو ہمت دلائی کہ وہ دوبارہ بری لڑائی چھیڑ دیں ؎

بونا پارٹ مصر میں

بیڑے کی بربادی کے باوجود بونا پارٹ اپنے منصوبے سے باز نہیں رہا - جولائی میں اُس نے ممالکۂ مصر کو معرکۂ اہرام میں شکست دی اور ان سے اور ترکوں سے تمام اقتدار چھین کر مصر کے اصلی باشندوں کو حکمراں بنانا شروع کیا - مگر سلطان کو فرانسیسیوں کا، مصر میں جم جانا کسی طرح گوارا نہ تھا، اُس نے لڑنے کی ٹھانی اور دو فوجیں روانہ کیں، ایک تو انگریزی بیڑے کی رہنمائی میں سکندریہ، اور دوسری ملک شام کے راستے سے - بونا پارٹ نے پہلے اسی شام والی فوج پر پیش قدمی کی اور فروری ۱۷۹۹ء میں صحرا اُتر کے یافہ و عکہ کی ساحلی سڑک پر بڑھا - یافہ تو آسانی سے اُس کے ہاتھ آگیا مگر عکے میں شدید مزاحمت ہوئی اور چونکہ ساحلی راستہ اُس کے قلعوں کی زد میں تھا، اس لیے اُن کو فتح کرنا ضروری ہوا اور بونا پارٹ نے باضابطہ محاصرے کی ٹھان لی - واضح رہے کہ شہر عکہ ایک تنگ راس پر واقع اور اُس کے ایک پہلو پر خلیج عکہ اور دوسری طرف کوہ کارمل ہے - ترکوں کو قلعہ بند مقامات کی

مدافعت کرنے میں ہمیشہ امتیاز حاصل رہا ہے۔ اس موقع پر انھیں سر سڈنی اسمتھ کے دو برطانی جہازوں کی مدد بھی حاصل تھی۔ یہ جہاز ایسے موقع پہ استادہ کئے گئے تھے کہ فرانسیسی جو خندقوں کا لہریا بناتے لا رہے تھے اُن پر جزیرہ نما کے دونوں طرف سے زد پڑ سکے۔ پھر جب قلعے میں شگاف ہو گیا تو انگریز جہازی مدافعت میں حصہ لینے کی غرض سے ساحل پر اُتار دیے گئے۔ فرانسیسی حملہ آور دستے بار بار شگاف تک پہنچے مگر ہر بار پسپا کر دیے گئے۔ محاصرہ چھڑانے کے لیے ایک ترکی فوج بھی آ رہی تھی، اُسے بوناپارٹ نے جبل طابور کی لڑائی میں شکست دی۔ بایں ہمہ اُسے یہ ماننا پڑا کہ ایسے مدافعین ہیں تو عکّہ کسی طرح تسخیر نہیں ہو سکتا۔ پس محاصرہ اُٹھا کے وہ عجلت سے واپس مصر روانہ ہوا جہاں دوسری ترکی سپاہ پہنچ گئی تھی اور اُسے عین وقت پر مصر پہنچ کر بوناپارٹ نے ابوقیر کے دوسرے معرکے میں شکست دی۔ مگر سڈنی اسمتھ کی نسبت وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ "اس شخص نے مجھے نصیب سے محروم کرا دیا"۔

اس عرصے میں پٹ نے فرانس کے خلاف آسٹریا اور روس کو ملا کر دوبارہ ایک جتھا مرتب کر لیا اور اتحادیوں نے فرانسیسیوں پر اطالیہ، سوئیزرلینڈ اور ہالینڈ میں حملے کئے۔ اطالیہ میں روس و آسٹریا کا سپہ سالار نامور سوارو (Suvarov) تھا جس کی قیادت میں اتحادیوں نے پے در پے کامیابیوں کے بعد فرانسیسیوں کو جنووا میں ہٹ جانے پر مجبور کیا اور وہاں بھی انگریزوں اور روسیوں کو اول اول غلبہ نصیب ہوا لیکن آخر میں شہزادۂ یارک کی بد انتظامی کے باعث برگن (آپ زوم) کی نواح میں چند غیر فیصل معرکوں کے بعد اتحادیوں سے بہلا پھسلا کے یہ اقرار لکھوا لیا گیا کہ فرانسیسی قیدیوں کی رہائی کے عوض میں وہ ہالینڈ سے چلے جائیں گے۔ مگر اس ناکامی کا کوئی بڑا اثر جنگ پر نہیں پڑا کیونکہ اصلی ہار جیت کا میدان سوئیزرلینڈ بن گیا تھا اور قبل اس کے کہ سوارو کوہستان آلپس کو عبور کر سکے ماسینا نے روسیوں کو زیورک پر شکست دی۔ اس

باب چہارم

شکست نے اتحادیوں کی پیشقدمی روک دی اور سال ختم ہونے سے پہلے زار پال نے جتھے سے الگ ہونے کا فیصلہ اور روسی فوجوں کو واپس طلب کر لیا۔ اس طرح ۱۷۹۹ء کی معرکہ آرائی میں بھی سوائے اطالیہ کے فرانس ہی کا پلہ بھاری رہا۔

بونا پارٹ کی واپسی

ادھر بونا پارٹ نے مصر میں بعض پرانے اخباروں سے یورپ کے حالات پڑھے اور اپنے منتخب سرداروں کو لے کر سکندریہ سے جہاز میں روانہ ہو گیا۔ وہ انگریزی دریانوردوں سے بچتا بچاتا ۶ ہفتے بعد ۹ر اکتوبر ۱۷۹۹ء کے دن فرانس میں لنگر انداز ہوا اس سے دو ہی ہفتے پہلے زیورک کی فتح حاصل ہوئی تھی۔ لوگوں نے تپاک سے اُس کا استقبال کیا۔ تالے ران، فوشے اور سی ایز کی مدد سے اُس نے ایک اور انقلاب برپا کیا جس نے ساری حکومت عاملہ کو تین قنصل (consuls) کے تفویض کر دیا اور ان میں ایک قنصل خود بونا پارٹ تھا۔ یہ گویا برک کی پیشین گوئی کی تصدیق تھی کہ ایک عام پسند سپہ سالار ملک کا مالک بن گیا۔ جدید نظام حکومت اس چالاکی سے مرتب کیا گیا تھا کہ سارا اقتدار حکومت عاملہ کے ہاتھ میں آجائے۔ وضع قوانین کا کام چار جماعتوں میں تقسیم کیا گیا کہ ان میں سے ایک (مجلس مملکت) قوانین ترتیب دے۔ مجلس عدلیہ بحث مباحثہ کرے لیکن رائے نہ دے۔ جماعت مقننہ رائے دے لیکن بحث و گفتگو نہ کرے اور چوتھی جماعت اسّی ارکان کی مجلس اعیان یا "سنات" تھی جو صیغۂ راز میں اجلاس اور آئین حکومت کی تعبیر و تعیین کرتی تھی۔ مختصر یہ کہ جدید حکومت ایسی ہی مطلق العنان بن گئی جیسی کہ پہلی حکومت تھی۔ اس طرح فرانس کے لیے آزاد آئین بنانے میں تو اہل انقلاب ناکام رہے البتہ اس اعتبار سے اُنھیں کامیابی ہوئی کہ بونا پارٹ موروثی امتیازات کی بحالی کا دشمن تھا اور تھوڑے ہی دن میں اُس کے زیر نگرانی "دستور العمل نپولین" شایع ہوا تو قانونی مساوات اہل فرانس کی زندگی کا لازمی جزو بن گئی۔

مگر بونا پارٹ کو سب سے اول جنگی معاملات پر توجہ کرنی پڑی۔

باب چہارم

نظمائے فرانس پیش بینی سے جبری خدمت کا قانون نافذ کر چکے تھے لہذا سپاہیوں کی کچھ کمی نہ تھی۔ جمہوریت کے پرانے سپہ سالاروں میں سے دو مارے گئے۔ ہوش قضائے الٰہی سے فوت ہوا پیشیگرو پر لوگ بھروسا نہ کرتے تھے اور ماسینا جنووا میں قیادت کر رہا تھا پس بوناپارٹ نے مورو کو سپہ سالار بنا کے بھیجا کہ رہائن کے کنارے آسٹریوں پر حملہ کرے اور خود سینٹ برنارڈ کلاں کے درے سے گزر کر آسٹریا والوں کے عقب سے حملہ آور ہوا جو اُس وقت جنووا کا محاصرہ کر رہے تھے۔ اسے دونوں ارادوں میں کامیابی ہوئی۔ یہ اس کی غیر معمولی خوش قسمتی تھی کہ ۱۴ جون کو دیسائے، مارنیگو کی لڑائی جیت چکا تھا اگرچہ عین فتح کے وقت خود مارا گیا۔ اور ادھر مورو آہستہ آہستہ مگر کامیاب چالوں کے بعد ۳ دسمبر کے معرکۂ ہوہن لنڈن میں فتحیاب ہوا اور عساکر آسٹریا ڈینیوب کے کنارے کنارے پسپا ہونے لگے۔ جب فرانسیسی سپہ سالار (مورو) وی آنا سے ساٹھ میل کے فاصلے پر رہ گیا تو آسٹریا والے ڈرے کہ ان کے پائے تخت پر آیندہ بہار میں حملہ ہوگا اور اسی خوف سے انھوں نے معاہدۂ لیونے ویل پر دستخط کر دیے۔

اب فرانسیسیوں کے مدمقابل صرف انگریز رہ گئے اور بوناپارٹ نے سمندر پر ان کی فوقیت دیکھ کر ارادہ کیا کہ بالواسطہ ذریع سے ان پر حملہ کیا جائے۔ اسی غرض سے اس نے ۱۸۰۰ء کے "مسلح غیر جانبداری" کے اصول کا سہارا لیا۔ برطانیہ کو عموماً سمندر کا اقتدار حاصل رہا تھا اور وہ ہمیشہ سے یہ حجت کیا کرتی تھی کہ اگر غیر جانبدار ملک کا کوئی جہاز برطانیہ کے حریف ملک سے کوئی مال لائے یا اس ملک میں لے جائے تو اُسے انگریز ضبط کر سکتے ہیں۔ اس کے خلاف دلیل پیش کی جاتی تھی کہ غیر جانبدار جہاز میں جو مال ہو وہ بھی "غیر جانبدار" ہوگا اور اُسے ضبط کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ زیر نظر جنگ میں سب سے زیادہ جن غیر جانبدار ملکوں پر اس ضبطی کا اثر پڑتا تھا، وہ روس، سویڈن، ڈین مارک اور آگے چل کے، امریکا تھے۔ روس میں کیتھرائن کا جانشین زار پال ہوا (۱۷۹۶ء) جو نپولین کا پُرجوش مداح تھا اور اب نپولین کے اثرات سے اسی نے مذکورۂ بالا ممالک سے

باب چہارم

خط کتابت شروع کی کہ اپنے حقوق غیر جانبداری کی حفاظت میں متحد اور مسلح ہو جائیں جو گویا برطانیہ کے خلاف مسلح ہونا تھا؛ چونکہ روس، سویڈن اور ڈین مارک کے پاس معقول جنگی بیڑے تھے۔ لہٰذا انگریزوں نے اُن کے مل کر کام کرنے سے پہلے ضرب لگانے کی ٹھان لی سنہ ۱۸۰۱ء میں ایک بحری مہم بالٹک بھیجی گئی جس کا امیر سر ہائڈ پارک اور نیلسن نائب سالار تھا۔ ڈین مارک کا بیڑا کوپن ہاگن کے قریب سمندر کے کنارے پڑا تھا اور بڑی توپ خانوں کی حفاظت کے علاوہ اُس تک پہنچنا بھی دشوار تھا کیونکہ ساحل کے قریب جابجا ٹھیک تھے اور ترنوں کے اُٹھا لیے جانے کے باعث جہازوں کا صحیح راستہ آسانی سے معلوم نہ ہو سکتا تھا۔ تاہم نیلسن نے حملے کی از خود آمادگی ظاہر کی بعض ناگزیر حوادث کی وجہ سے پوری قوت سے حملہ ممکن نہ ہوا اور چونکہ ڈین مارک والے بڑی بہادری سے لڑے اس لیے دونوں طرف کی بہت سی جانیں ضایع ہوئیں حتیٰ کہ ۲؍ اپریل سنہ ۱۸۰۱ء کو بیڑے نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیے۔ اس کامیابی کے ساتھ روس میں زار خونیوں کا شکار رہوا (۲۳؍ مارچ) اور چونکہ نئے زار الگزنڈر نے بالکل دوسری حکمت عملی اختیار کی لہٰذا غیر جانبداری کا جتھا ٹوٹ گیا۔

جس تاریخ انگریزوں نے کوپن ہاگن پر گولہ باری کی اس کے ایک دو دن بعد ہی ایک انگریزی فوج سر رالف ابر کرومبی کی قیادت میں مصر میں اُتری اور سکندریہ کی لڑائی میں فرانسیسیوں کو شکست دی خود ابر کرومبی مارا گیا مگر اُس کے جانشین، ہچنسن نے سکندریہ اور قاہرہ کی تسخیر کی اور ستمبر میں فرانس کی باقی ماندہ فوج نے مصر خالی کر دیا اور انگریز فرانس پہنچا دیے گئے۔ اسی زمانے میں سر ڈیوڈ بیرڈ نے یہ قابل قدر خدمت انجام دی کہ انگریزوں اور ہندوستانیوں کی ایک مخلوط فوج ہندوستان سے لایا اور بحر قلزم کے کنارے پر اُتر کے ریگستان کو طے کر کے نیل تک اور کشتیوں کے ذریعے قاہرہ پہنچ گیا اگرچہ اسے آنے میں اتنی دیر ہو گئی کہ اس فوج سے کوئی کام نہیں لیا گیا؛ سنہ ۱۸۰۰ء میں مالٹا نے بھی طویل ناکہ بندی کے بعد اطاعت قبول کر لی۔

باب چہارم

صلحنامۂ امیان

اب انگریز اور فرانسیسی دونوں جنگ سے تھک گئے تھے بغیر حلیفوں کے برطانیہ خشکی پر فرانس کا کچھ نہ بگاڑ سکتی تھی اور بغیر سمندر پر اقتدار حاصل کیے، فرانس بھی برطانیہ کا کچھ نہ کر سکتا تھا۔ نظر بر ایں، فریقین، اور کسی لیے نہیں تو آیندہ جنگ کی زیادہ تیاریاں کرنے ہی کے لیے صلح کے خواہشمند ہوئے۔ چنانچہ آمیان میں گفتگو شروع ہوئی اور مارچ ۱۸۰۲ء میں صلح نامے پر دستخط ہو گئے۔ معاہدے کی اہم دفعات یہ تھیں کہ برطانیہ جمہوریۂ فرانس کو تسلیم کرے اور جن فرانسیسی مقبوضات کو فتح کیا تھا، انھیں واپس دے البتہ ٹری نی ڈاڈ جسے اہل ہسپانیہ سے اور لنکا جسے ولندیزوں سے چھینا تھا، انگریزوں کے پاس رہے۔ مالٹا پھر سینٹ جان کے نائٹوں کے حوالے کیا گیا اور زار کی نگرانی میں اُن کی از سر نو تنظیم کر دی گئی۔ اسپین اور ہالینڈ نے بھی اسی زمانے میں انگریزوں سے صلح کر لی۔

آئرستان

پٹ کی وزارت کا زمانہ صلح نامۂ امیان کی تکمیل سے قبل ختم ہو چکا تھا۔ اُس کی علٰحدگی کا سبب آئرستان کے واقعات تھے اور ضروری ہے کہ انھیں اب شروع سے بیان کیا جائے۔ روکنگھم کی وزارت نے ۱۷۸۲ء میں آئرستان کو وضع قوانین کا پورا اختیار دے دیا تھا لیکن چونکہ سوائے پروٹسٹنٹوں کے دوسرے لوگ مجلس وضع قوانین میں نہ منتخب ہو سکتے تھے نہ رائے دے سکتے تھے لہٰذا کیتھولک فرقے کا حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا حالانکہ اُن کی آبادی کم سے کم ستر فی صدی تھی۔ مزید براں عمّال کا تقرر، والی یا صوبہ دار ہی کے اختیار میں تھا جس کے معنیٰ یہ تھے کہ انتظامی قوت ہنوز اہل انگلستان کے ہاتھ میں تھی۔ مجلس میں وزرا رشوت دے کر اکثریت حاصل کرتے تھے کیونکہ اصلی اقتدار اُن حلقہ فروشوں کو حاصل تھا جو ارکان کی اکثر تعداد کو اپنے حسب منشا منتخب کرا دیتے تھے۔ ۱۷۹۲ء اور ۱۷۹۳ء میں کچھ نہ کچھ اصلاح حال ہوئی۔ پٹ کے اثر سے ایسے قوانین منظور کیے گئے کہ کیتھولکوں کی بعض بہت ہی بیجا محرومیاں دور ہوئیں اور انھیں جوری میں لینے اور انتخابات میں رائے دینے کی اجازت مل گئی۔

باب چہارم

باب چہارم

انقلاب فرانس سے آئرستان میں بہت ہیجان پیدا ہوا۔ جب سے فرانسیسی آئرستان میں آکر جیمز دوم کے لیے انگریزوں سے لڑے اور پھر آئرستانی جیش نے فرانس کے جھنڈے کے نیچے کارہائے نمایاں انجام دیے اُس وقت سے اہل آئرستان اپنے آپ کو فرانسیسی قوم کا خاص دوست سمجھنے لگے تھے۔ اب جو فرانس کے باشندوں کا اپنے ظالم حکمرانوں کے خلاف سرکشی کرنا سُنا اور معلوم ہوا کہ وہاں نیا نظام حکومت قائم ہوگیا ہے تو آئرستانیوں کے دل میں طبعاً بہت کچھ ولولے پیدا ہوگئے کیونکہ وہ خود بھی حکومت سے نالاں تھے۔ اس جگہ یہ تصریح کردینا مناسب ہوگا کہ آئرستان میں کم سے کم تین بڑے گروہ تھے۔ (۱) رومن کیتھولک (۲) اورنیجی اور (۳) متحدہ آئرستانی لیکن کیتھولک گروہ کی بھی دو شاخیں تھیں۔ ایک تو طبقۂ اعلیٰ جو پارلیمنٹ اور عدالت کے عہدوں سے اپنی محرومی پر ناخوش تھے اور دوسرے طبقۂ ادنیٰ جس کی سب سے بڑی شکایتیں یہ تھیں کہ ان کے پروٹسٹنٹ مالکان زمین بہت بھاری لگان وصول کرتے ہیں اور سرکار ان سے پروٹسٹنٹ پادریوں کے لیے عشر وصول کرتی ہے۔ دوسرا بڑا گروہ اورنیجی ولیم اورنیجی سے منسوب تھا اور کیتھولک کسانوں کی ایک انجمن مدافعین کی مخالفت میں وجود میں آیا۔ یہ لوگ کیتھولک گروہ کو کسی قسم کی بھی رعایت ملنے کے سخت مخالف تھے اگرچہ پروٹسٹنٹوں کی مزید نیابت کے لیے مجلس ملکی کی اصلاح ضرور چاہتے تھے۔ آخری گروہ متحدہ آئرستانیوں یا انقلاب پسندوں کا تھا جس کی بنیاد ۱۷۹۱ء میں تھیوڈور وُلف ٹون نے ڈالی۔ اس میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں فرقے کے اشخاص شریک تھے اور یہ انگلستان کی حکومت کی قطعی بیخ کنی اور فرانس کی حمایت میں اپنی جمہوری حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔

۱۷۹۵ء میں معاملات اور بھی مشکل نظر آنے لگے۔ دو تین سال پہلے پٹ اور ڈنڈس نے آئرستانی عمال کی رائے کے خلاف ایسے قوانین کی تائید کردی تھی جن کی رو سے کیتھولک فرقے والے جوری میں منتخب ہوسکیں۔

باب چہارم

اور مجلس ملکی کے انتخابات میں بھی رائے دیں - ذاتی طور پر یہ دونوں یہاں تک آمادہ تھے کہ کیتھولکوں کی مجلس ملکی میں انتخاب کرنے میں جو رکاوٹیں تھیں اور نیز دوسری تمام بے انصافیاں ایک دم دور کر دی جائیں - لیکن وہ خوب واقف تھے کہ ایسا کرنے سے آئرستان اور انگلستان میں کس قدر مخالفت کا ہنگامہ بپا ہوگا لہذا چاہتے تھے کہ بالفعل اس معاملے میں اقدام نہ کیا جائے -

لارڈ فٹز ولیم

سوئے اتفاق سے آئرستان کا نیا صوبہ دار لارڈ فٹز ولیم محتاط آدمی نہ تھا - وہ وھگ فرقے کا فرد تھا اور ۱۷۹۴ء میں امیر کبیر پورٹ لینڈ کے ہمراہ پٹ کی جماعت میں داخل ہوا - اُس نے وعدہ کر لیا تھا کہ برطانی وزارت کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرے گا لیکن کیتھولک فرقے سے اپنی ہمدردی کا بار بار اظہار کرتا رہا اور آئرستان پہنچ کر گریٹن کی ہمت بڑھائی کہ کیتھولکوں کی مجلس ملکی میں داخلے کے لیے باضابطہ تحریک کرے - مزید براں اُن وزیروں کو بھی جن پر پٹ کو پورا اعتماد تھا، برطرف کر دیا - تب برطانی حکومت نے لارڈ فٹز ولیم کو صرف ۲ مہینے کے بعد واپس طلب کر لیا - لیکن اس واقعے سے اہل آئرستان کے دل میں یہ خیال جم گیا کہ پٹ ہر قسم کی اصلاح کا دشمن ہے اور اس بیجا غلط فہمی کی بدولت انقلاب پسندوں کو اور تقویت پہنچ گئی -

اس قسم کے حالات تھے جبکہ انقلاب پسندوں نے اپنے کارکن وُلف ٹون کی وساطت سے فرانسیسیوں کو وہ ہوش والی مہم بھیجنے کی جرأت دلائی جس کی ناکامی کا حال ہم اوپر پڑھ چکے ہیں - لیکن اس ناکامی سے بھی انقلاب پسندوں کی ہمت پست نہیں ہوئی بلکہ وہ مزید امداد کے لیے نامہ و پیام کرتے رہے - آئرستان میں اُس وقت ان کے سرگروہ امیر کبیر لنیسٹر کا ایک چھوٹا بھائی، اور آرتھر او کونور، لارڈ لونگیوئل کا بھتیجا، اور اولیور بونڈ نامی اشخاص تھے - انھوں نے ۲۳ مئی ۱۷۹۸ء کے دن عام بغاوت کرا دینے کا انتظام کیا تھا لیکن حکومت ان کے ارادوں سے بخوبی آگاہ ہوگئی تھی - فروری ۱۷۹۸ء میں آرتھر او کونور اور کوئگ لی

باب چہارم

نام کے ایک پادری کو فرانس جاتے میں بمقام مارگیٹ گرفتار کیا گیا۔ پادری کے پاس سے نظمائے فرانس کے نام ایک مراسلہ برآمد ہوا جس میں انگلستان پر حملہ کرنے کی درخواست کی گئی تھی تاکہ وہاں سے آئرستان کی بغاوت فرو کرنے کے لیے فوج ہی مہیا نہ ہو سکے۔ غرض اس پادری کو تو سولی دے دی گئی۔ اوکونور پر بغاوت ثابت نہیں ہوئی اور آخر میں اُسے ترک وطن کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ کچھ مدت بعد تمام اہل سازش کے منصوبے افشا ہو گئے اور مئی میں بونڈ اور فِٹز جی رلڈ کو گرفتار کر لیا گیا۔ آخر الذکر نے جان پر کھیل کر مقابلہ کیا اور اسی میں جو زخم کھائے وہ بالآخر مہلک ثابت ہوئے۔ ان سرغنوں کی گرفتاری کے باوجود حسب قرار داد ۲۳ مئی کو بغاوت ہوئی لیکن صرف کیتھولک فرقے کے لوگوں نے اس میں حصہ لیا اور السٹر میں جہاں متحدہ آئرستانیوں کی سب سے زیادہ کثرت تھی۔ یہ تحریک کچھ بھی نہ چلی۔ اس کا سب سے بڑھ کر زور ویکس فرڈ میں ظاہر ہوا جہاں باغیوں کا سرغنہ جان مرفی تھا۔ اس نے وینگر ہل پر مورچے بنائے تھے اور یہاں سے سپہ سالار لیک نے ۲۳ جون کو سخت کشت و خون کے بعد انھیں دھکیل دیا۔ دو مہینے بعد جب کہ بغاوت بالکل فرو کر لی گئی، ایک فرانسیسی سپہ سالار ہمبر نو سو سپاہیوں کو لے کر کِلالا پر لنگر انداز ہوا۔ کیل بار میں اُس نے فوج بے قاعدہ کو بھگا دیا مگر لارڈ کورن والس نے باقاعدہ سپاہ سے بلیناس الو میں ان فرانسیسیوں کو گھیر لیا اور انھوں نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیے۔ اس کے بعد پھر ایک مرتبہ فرانسیسی جہازوں کا دستہ آئرستان آیا اور وولف ٹون بھی اُس کے ہمراہ تھا مگر یہ جہاز فوجوں کو ساحل پر اُتارنے نہ پائے تھے کہ برطانی جہازوں کی کثیر تعداد نے حملہ کیا اور سوائے ایک کے سب گرفتار کر لیے گئے۔ اسیروں میں ٹون بھی تھا۔ باقی باغیوں میں مرفی لڑائی میں کھیت رہا۔ اُس کے تین چار ساتھی مصلوب ہوئے۔ ٹون نے سزائے قتل پانے سے پہلے خودکشی کر لی۔ بونڈ کو سارا راز بیان کر دینے کی شرط پر معافی ملی اور آرتھر اوکونور خارج البلد کر دیا گیا۔ بغاوت فرو کرنے میں بہت کچھ تعدیاں بھی ہوئیں جن سے

اکثر کا ارتکاب پروٹسٹنٹ فوج بے قاعدہ نے کیا جو کیتھولکوں کو پشتینی دشمن سمجھتے تھے۔ چنانچہ لارڈ کورن والس کو چیرہ دست فریق کا جذبۂ انتقام حد اعتدال کے اندر رکھنے میں بہت کچھ دردسری اُٹھانی پڑی۔

پٹ کی تجاویز اس بغاوت سے پٹ کو پورا یقین ہوگیا کہ آئرستان کے مسئلے کا بہترین حل یہ ہوگا کہ دونوں ملکوں کی تشریعی مجلسیں ملا دی جائیں اور اسی کے ساتھ اہل آئرستان کو قومی مجلس ملکی ٹوٹنے سے جو نقصان ہوا اُس کی بعض اصلاحی قوانین سے تلافی کردی جائے۔ ان اصلاحات میں کیتھولکوں کے پارلیمنٹ میں داخلے کی اجازت، ان کی دوسری قیود کی تنسیخ، تکلیف دِہ محصول عشر کا استرداد اور کیتھولک پادریوں کی معاشداری، کی تجاویز شامل تھیں۔ چونکہ ان تجویزوں کے آئرستان کی ملکی مجلس میں اس وقت منظور ہوجانے کی کوئی امید نہ ہوسکتی تھی، لہٰذا پٹ نے اتحاد سے کام شروع کیا۔ اس میں سب سے بڑھ کر اُن حلقہ فروشوں کی مخالفت سے سابقہ پڑا جنھیں نئی تجویز میں اپنے مالی فوائد اور اثر دونوں کا نقصان نظر آتا تھا اسی طرح ڈبلن کے شہریوں نے مخالفت کی جنھیں خوف تھا کہ آئرستان کی ملکی مجلس ٹوٹی تو وہ کرورگیری سے محروم رہ جائیں گے۔ ان کے علاوہ قومی احساس بھی اپنی ملکی مجلس کے توڑے جانے کے خلاف کام کر رہا تھا جس طرح اسکاٹ لینڈ میں اسی احساس نے بہت کچھ کرشمے دکھائے تھے۔ مگر اس کی پٹ نے چنداں پروا نہ کی۔ اُس کی کوشش یہ تھی کہ انگلستان و آئرستان دونوں جگہ اُسے پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل ہوجائے اور چونکہ یقین رکھتا تھا کہ اس کی اصلاحی تجاویز میں دونوں ملکوں کی بھلائی مضمر ہے، لہٰذا اپنا مقصد حاصل کرنے میں کوئی کام کرنے سے نہ جھجکا۔ آئرستان کی ملکی مجلس سے کوئی بات منوانے کی صورت سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ جن کے ہاتھ میں اُس کی اکثریت تھی، اُنھیں رشوت دی جائے یا دھمکایا جائے تاکہ وہ سرکاری تجاویز کی تائید کریں۔ اسی قسم کی تدبیروں سے پٹ نے ۱۷۹۲ء اور ۹۳ء کے امدادی قوانین منظور کرائے تھے۔ اور یہ کسی سے چھپی ہوئی

باب چہارم

بات نہ تھی کہ آئرستان و برطانیہ کا اتحاد منظور کرانے میں بھی اسے ایسے ہی ذرائع اختیار کرنے پڑیں گے۔ ۱۷۹۹ء میں اتحادی قرار دادیں آئرستانی مجلس کے دارالعوام میں پیش ہوئیں مگر مسترد کر دی گئیں۔ پس پٹ نے والی آئرستان کے صدر معتمد کاسل ری کی وساطت سے آئرستانی حلقہ فروشوں کو خوب رشوتیں دیں اور اتنی بڑی تعداد کو اپنا بنا لیا کہ اُنھوں نے اپنے مبعوثین بدل کر آئندہ سال پٹ کے مجوزہ قانون کے واسطے اکثریت مہیا کر دی۔ علاوہ ازیں حلقہ فروشوں کے مالی نقصان کا بھی اس نے معاوضہ بارہ لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ یعنی فی نشست ۷½ ہزار پونڈ دینا قبول کیا۔

قانون اتحاد آئرستان

اتحاد کا قانون جو ایسے ناجائز مگر ضروری وسائل سے منظور ہوا وہ خفیف اختلاف کے ساتھ اسکاٹ لینڈ کے قانون اتحاد سے مماثل تھا۔ یعنی دونوں ملکوں کی مجالس تشریعی ملا کر ایک کر دی گئیں۔ چار اسقف جو نوبت بہ نوبت آتے تھے، اور اٹھائیس منتخب شدہ امراء برطانیہ کے دارالامراء میں اور سو آئرستانی مبعوث برطانی دارالعوام میں داخل کیے گئے۔ برطانیہ اور آئرستان کی ایسی پہلی متحدہ پارلیمنٹ کا فروری ۱۸۰۱ء میں اجلاس منعقد ہوا۔

اس کے بعد پٹ نے اُن اصلاحی تجاویز کو ہاتھ میں لیا، جو اتحاد کا تکملہ (بلکہ پٹ کے نزدیک اتحاد ان کا ایک ذریعہ اور وہی اصلی مقصد) تھیں اور انھیں وہ آئرستان کے حق میں مرہم سمجھ کر زیادہ ضروری سمجھتا تھا۔ پارلیمنٹ میں ان کے منظور ہو جانے کی کافی امید بھی تھی کیونکہ کیتھولک فرقے کے معاملے میں کچھ مدت سے برطانی پارلیمنٹ علانیہ عام اہل ملک کی نسبت زیادہ رواداری پر مائل نظر آتی تھی لیکن پٹ کو سب سے پہلی دشواری بادشاہ کی تائید حاصل کرنے میں پیش آئی۔ معلوم ہوتا ہے ۱۸۰۱ء کا اجلاس ہونے سے پہلے اُس نے اتنی دور اندیشی سے کام نہیں لیا جیسا کہ اُس کا معمول تھا اور ۲۹ر جنوری تک کیتھولک فرقے کی قیود کے متعلق اپنا مسودۂ قانون جارج کو نہیں دکھایا حالانکہ ۳ر فروری کے دن پارلیمنٹ کا اجلاس ہونے والا تھا۔ ادھر لارڈ لوخ برو جو اپنے عہدۂ امیر عدلیہ کے ساتھ پٹ کی جگہ پر بھی خود ہو جانے کی

جارج ثالث اور فرقۂ کیتھولک

امید میں تھا۔ اُس نے بادشاہ سے وزرا کی تجاویز بیان کردیں۔ جارج ثالث کو فرقۂ کیتھولک کی آزادی سے نفرت تھی اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہ اُسے واقعی اپنے بادشاہی عہد کے خلاف سمجھتا تھا۔ تخت نشینی کے حلف کے ساتھ اس سے قرار کرالیا گیا تھا کہ "پروٹسٹنٹ مذہب کو جو بروئے قانون نافذ ہوا، قائم" رکھے گا اور تمام وہ حقوق و امتیازات جو ملک کے استقفوں، دینی علما اور ان کی زیر نگرانی گرجوں کو اجتماعی یا انفرادی طور پر حاصل ہیں یا آیندہ ہوں گے، اُنھیں قائم رکھے گا۔ اب ہرچند اُس زمانے کے بہترین قانون دانوں نے سمجھایا، وہ مذکورۂ بالا اقرار کے معنی یہی لیے گیا کہ کیتھولک فرقے کے ساتھ کوئی رعایت کرنا، عہد تخت نشینی کی خلاف ورزی ہوگی۔ ڈنڈس نے اُسے یہ سمجھانے کی بھی کوشش کی کہ بادشاہ کی انتظامی اور تشریعی حیثیتیں جداگانہ ہیں مگر جارج نے جواب دیا کہ "مسٹر ڈنڈس آپ اپنی اسکوٹی مابعد الطبیعیات کو رہنے دیں" اور مجوزہ قانون کی نسبت کہا کہ اس سے بڑھ کر جیکوبینی تجویز میں نے آج تک نہیں سنی تھی۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہوئی کہ بادشاہ کے ہیجان سے اس کی پرانی دیوانگی کی علامتیں پھر نمودار ہونے لگیں۔

ان حالات میں پٹ کو بڑا اُلجھاؤ یہ پیدا ہوا کہ اگر بادشاہ کی مخالفت کے باوجود مسودۂ قانون پیش کردیا جائے تو قرینہ کہتا تھا کہ وہ دارالامرا میں نامنظور ہوجائے گا اور یہ قباحت مزید براں تھی کہ اگر اس کارروائی کے سلسلے میں بادشاہ کا مرض عود کر آیا تو اس کی بدنامی یقیناً پٹ کے حصے میں آتی۔ ادھر مسودۂ قانون کو چھوڑ دیا جائے تو تدادی کی ایک بڑی قانونی تجویز کے ضایع ہونے کے علاوہ کیتھولک فرقے سے وعدہ خلافی کا الزام اس پر عائد ہوتا کیونکہ ان لوگوں نے یہی سمجھ کر کہ قانون اتحاد کی تائید کی یا کم سے کم مخالفت نہیں کی کہ اُس کے ساتھ اصلاحی قوانین بھی نافذ کیے جائیں گے۔ اس دشواری میں وہ عہدے سے مستعفی ہوگیا اور

پٹ کا استعفی اور اے ڈنگ ٹن کی وزارت

اُس کی جگہ دارالعوام کے صدرنشین اے ڈنگ ٹن نے لی اور کیتھولکوں کے مخالفین کی نئی وزارت

باب چہارم

مرتب کی جس میں صدر اعظم الڈن تھا؛ استعفے کے ساتھ ہی پٹ کی اصلاحی تجاویز کا بھی خاتمہ ہوگیا اور کیتھولکوں کو ۱۸۲۹ء تک آزادی میسر نہ آئی۔ عشر کے محاصل ۱۸۳۹ء تک منسوخ نہیں ہوئے۔ آئرستان کا جداگانہ کلیسائی انتظام تو ۱۸۶۹ء میں توڑ دیا گیا لیکن غیر مقلد اور کیتھولک پادریوں کو سرکاری طور پر تسلیم کرنے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ اگر پٹ کی اصلاحی اور دور رس تجاویز منظور ہو جاتیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر برطانی وزراء ال پول کی اسکوٹی حکمت عملی کی تقلید کرتے چلے جاتے اور والی اور صدر معتمد انھی لوگوں کو مقرر کرتے جنھیں رعایا سے سچی ہمدردی ہوتی تو آئرستان و برطانیہ کا اتحاد؛ اہل آئرستان کے حافظے میں ایک بہتر و جدید دور کا آغاز بن جاتا۔ لیکن اب کہنا چاہیے کہ پٹ کی تجاویز کو مسخ کر دینے کا، قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ اس بات کی کوئی امید ہی نہ رہی کہ اہل آئرستان اتحاد کو خوشی سے قبول کریں گے کیونکہ اسکاٹ لینڈ و الوں کے برخلاف اُنھیں تجارت کے کھل جانے سے بھی نسبتہً بہت کم فائدہ رہا؛ (دیکھو صفحہ 718)۔

۱۸۰۳ء میں ایک تازہ فساد برپا ہوا۔ اس کی سازش ایک بیرسٹر روبرٹ ایمٹ اور ایک وظیفہ خوار فوجی سردار ٹامس رسل نے تیار کی تھی۔ ڈبلن میں برچھیوں سے مسلح بلوائیوں کی ایک بڑی بھیڑ بھی جمع ہوگئی مگر ایمٹ کے کہنے سننے کے باوجود قلعے پر بھی حملے کا اقدام نہ کرسکی البتہ عدالت کے میر مجلس، لارڈ کل وارڈن کا اُس کی بیٹی کے سامنے شرمناک خون کیا اور سپاہیوں کی آمد دیکھتے ہی بھاگ گئے؛ السٹر میں رسل کو ساتھی فراہم کرنے میں بالکل ناکامی ہوئی اور یہ ساری کوشش ہی بری طرح ناکام رہی۔ ایمٹ اور رسل دونوں پکڑے آئے اور اُنھیں سولی دی گئی۔ ان کے ساتھیوں سے رحم کا برتاؤ کیا گیا اور پھر تقریباً نصف صدی تک آئرستان میں کوئی بغاوت نہیں ہوئی۔

معاہدۂ امیان کی خلاف ورزی

امیان کی صلح ہنگامی صلح سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی اور نپولین اُسے اُس سے بڑھ کر کوئی پائدار صلح بنانے کی نیت ہی نہ رکھتا تھا۔ اور وہ فرانس کے بیڑے کو بتعجیل

باب چہارم

از سر نو تیار کرتا رہا سوئی زرلینڈ کو فرانس کے زیر اثر دوبارہ منظم کیا اور معاہدے کے خلاف پیڈمونٹ اور ایلبا کا فرانس سے الحاق کر لیا گیا۔ مزید براں اُس نے برطانیہ کے بڑے شہروں میں جو تجارتی وکیل بھیجے، اُن سے بھی انگریزوں کو شبہہ ہوا کیونکہ انھیں فرانس کے بہترین فوجی انجنیئروں میں سے منتخب کیا گیا تھا اور ان کا اصلی، اگرچہ خفیہ، کام ہی یہ تھا کہ گرد و نواح کے علاقے اور بندرگاہوں کے مقامات وغیرہ پر اپسی بات کی دیکھ بھال کریں جو حملے کے موقع پر مفید مطلب ہو۔ ان ریشہ دوانیوں کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی شور مچائے جاتا تھا کہ انگریزی اخبار میری ہتک کرتے ہیں اور کسی شکایت کا موقع نہ دینے کی غرض سے ان میں سے ایک اخبار نویس پر مقدمہ بھی چلایا گیا۔ یہ فرانس ہی کا ایک مفرور ژان ژوزف پلتیے تھا جو ایک ادنیٰ درجے کا اخبار لامبگیو شایع کرتا اور اس کی اشاعت بھی زیادہ تر اُسی جیسے مفرورین میں محدود تھی۔ اس اخبار میں وکیل اول (یعنی نپولین) اور اُس کے دربار کی نظم و نثر دونوں میں سخت ہجو کی جاتی اور اس قسم کے اشارے بھی ہوتے جن سے صریحی اُس کے قتل کرنے کا پہلو نکلتا تھا۔ مقدمے میں سرکاری مشیر قانون پرسی وَل نے استغاثے کی طرف اور جیمز میکن ٹوش نے ملزم کی جانب سے پیروی کی۔ حملے اس قدر صریحی تھے کہ پلتیے مجرم ثابت ہوا۔ لیکن مقدمے کا خرچ لوگوں نے چندہ کر کے ادا کیا اور میکن ٹوش کی تقریروں کو میڈم ڈی اسٹیل نے فرانسیسی میں ترجمہ کر کے براعظم میں شایع کیا تو اس سے بھی نپولین کو کافی نقصان پہنچا۔

تجدید جنگ

مگر اصلی مسئلہ جس پر لڑائی تازہ ہوئی۔ مالٹا کے متعلق پیدا ہوا۔ برطانیہ نے اُسے روس کی زیر حمایت، نائٹوں کے حوالے کرنے سے قطعی انکار کر دیا کہ اس صورت میں وہ عملاً فرانس کا علاقہ بن جاتا۔ بونا پارٹ نے انگریزوں کے انکار پر تعریض کی کہ یہ صلح نامۂ امیان کی صریحی خلاف ورزی ہے، تو جواب میں برطانی وزیروں نے پیڈمونٹ اور ایلبا کے الحاق کا حوالہ دیا اور چونکہ

باب چہارم

ایک فریق بھی صلح کو زیادہ دیر تک رکھنے کا متوقع نہ تھا، لہذا دونوں برابر جنگ کی طرف بڑھتے رہے - انگریزی دریانوردوں نے فرانس کے تجارتی جہازوں کو پکڑنا شروع کیا اور بونا پارٹ نے جواب میں تمام انگریز سیاح یا سوداگر جو فرانس میں ہاتھ آئے، انھیں گرفتار کرالیا - یہ جنگ جو ۱۸۰۳ء میں چھڑی اور ۱۸۱۴ء تک جاری رہی ۱۷۹۲ء والی جنگ سے نوعیت میں قطعاً مختلف تھی - پہلی جنگ اصل میں بادشاہی کی بحالی کے لیے فرانسیسی جمہوریت کے خلاف شروع ہوئی تھی مگر یہ دوسری مدافعانہ جنگ تھی اور بونا پارٹ کی ہوس جاہ کا مقابلہ منظور تھا - خصوصاً برطانیہ کے معاملے میں یہی صورت تھی کیونکہ اُسے بونا پارٹ اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتا تھا اور نہ صرف بحر متوسط میں اُس کی قوت مٹانے بلکہ اُس کی پوری سلطنت تباہ کرنے کے درپے تھا -

اے ڈنگ ٹن کی کمزوری

جنگ شروع ہوئی تو اہل ملک کی نظریں قدرتی طور پر پٹ کی طرف پھر گئیں جو ملک کا اصلی سرگروہ اور کیننگ کے الفاظ میں "طوفان جھیلنے والا ناخدا" تھا - مگر اے ڈنگ ٹن کو اس کے لیے جگہ خالی کرنے کا خیال تک نہ آیا - عہدے سے علٰحدہ ہوتے وقت پٹ کا قصد تھا کہ جس حد تک ملکی معاملات میں آیندہ حصہ لیا جائے، اُس میں نئی وزارت کی برابر مدد کی جائے جسے وہ اپنا فرض سمجھتا تھا - چنانچہ ۱۸۰۳ء تک وہ اس پر عامل رہا اور کبھی کبھی شاذ و نادر پارلیمنٹ میں آتا تو وزیروں کی تائید کرتا تھا - بادشاہ کو بھی اُس نے خانگی طور پر کہلا بھیجا کہ میں بادشاہ کی زندگی میں کیتھولکوں کا مسئلہ تازہ نہیں کروں گا - ان سب باتوں کے باوجود اے ڈنگ ٹن کا اطمینان خاطر روز بروز کم ہوتا گیا - کیننگ ہی کا یہ قول نقل کرنے کے قابل ہے کہ "جیسا کہ لندن پے ڈنگ ٹن کے حق میں تھا، ویسا ہی پٹ اے ڈنگ ٹن کے حق میں بن گیا" اور رفتہ رفتہ وہ سمجھ گیا کہ ملک کی رائے یہی ہے - اول اول اُس نے پٹ کو اپنا بنا لینے کی غرض سے یہ تجویز کی کہ پٹ کا بھائی لارڈ چیتھم وزیر اعظم بنایا جائے اور وہ خود اور پٹ شریک معتمد رہ کر کام کریں - پٹ نے یہ تجویز حقارت سے رد کر دی

باب چہارم

اور بعد میں ایک دفعہ بیان کیا کہ "مجھے یہ دریافت کرنے کا بھی شوق نہیں ہوا کہ اصل میں تجویز کیا تھی"۔ اس جھڑکی کے بعد اے ڈنگ ٹن اپنے عہدے پر اور بھی مضبوطی سے جمے رہنا چاہتا تھا لیکن ۱۸۰۴ء میں پٹ اور فاکس کے مل جانے سے اُس کے ساتھی اتنے کم رہ گئے کہ وہ مستعفی ہوگیا۔

پٹ کی دوسری وزارت

معمول کے مطابق تو پٹ اور فاکس کو وزارت بنانی چاہیے تھی اور پٹ نے جو خاکا تیار کیا اُس میں فاکس اور فٹز ولیم صدر معتمد، اور گرے (جو آگے چل کے لارڈ ہاوک اور ارل گرے بنا) معتمد جنگ تجویز کیے گئے تھے گرین ویل جو پٹ کی پہلی وزارت میں معتمد صیغۂ خارجہ تھا، صدر نشین مجلس خاص قرار پایا تھا لیکن پٹ کو محسوس ہوا کہ بادشاہ کی مرضی کے خلاف اس انتظام پر زور دینا ممکن نہیں کیونکہ اسی زمانے میں جارج پر پھر مرض کا دَورہ پڑ رہا تھا لہٰذا اُس نے فاکس پر اعتراض کیا تو پٹ فوراً دب گیا۔ اِدھر فاکس نے یہ اُلجھن دیکھی تو ازرہ ایثار اپنے دوسرے رفیقوں کو عہدہ قبول کر لینے کی صلاح دی۔ بخلاف اس کے خود پٹ کے سابق رفیق گرین ویل نے عہدہ قبول کرنے سے انکار کیا اور پٹ کے راستے میں یہاں تک رکاوٹ ڈالنے سے بھی پرہیز نہیں کیا کہ فاکس کے رفیقوں کو بھی الگ رہنے کی ترغیب دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ارباب سیاست کو متحد کرتے اور فرقہ واری خیالات کو بالائے طاق رکھ کر بیرونی دشمن کے مقابلے میں متفقہ حکومت قائم کرنے کی بجائے پٹ کو صرف اپنے گروہ کا سرگروہ بن کر وزارت مرتب کرنی پڑی اور اس سلسلے میں فرقہ بندی کے بہت سے بدنما منظاہروں کی نوبت آئی۔ اس کمزوری کے باوصف، پٹ کی وزارت میں بعض اعلیٰ درجے کے لوگ شریک تھے۔ دارالعوام میں اُس کے ممتاز مددگار کاسل ری اور کیننگ تھے۔ اُمرا میں امیر کبیر رٹ لینڈ، لارڈ ہاکس بری (جو بعد میں ارل لورپول ہوا) ڈنڈس المخاطب بہ لارڈ میل ول اور لارڈ ہیرو بی تھے۔ بایں ہمہ پٹ کی دوسری وزارت

باب چہارم

نسبتۃً کمزور تھی اور اُس کے وزیر اعظم بننے کے یہ معنی نہ تھے کہ وہ واقع میں برسر اقتدار ہو گیا تھا۔

معاملات فرانس

پٹ کو وزارت پر آئے زیادہ دن نہ گورے تھے کہ بوناپارٹ نے جو تاحیات قنصل سلطنت مقرر ہو چکا تھا، مطلق العنانی کی طرف ایک اور قدم بڑھایا۔ شاہ پسندوں کی کئی سازشیں کھل چکی تھیں۔ ان میں جارج کادووال نامی زمیندار بہت بہت پیش رہا اور اے ڈنگ ٹن کی وزارت سے بھی اُسے کچھ مدد ملی۔ بوناپارٹ کو ان امور کا پتا چل گیا۔ کادووال اور اُس کے ساتھ پرانا جمہوری سپہ سالار مورو اور پیشیگرو جس پر نظامت ہی کے دور میں بادشاہ پسندی کا شبہہ ہوا تھا، گرفتار کر لیے گئے۔ کادووال کو سزائے موت ملی۔ پیشیگرو قید میں مرا اور گمان غالب یہ ہے کہ پاسبانوں ہی نے اُس کا گلا گھونٹ دیا۔ مورو خارج البلد کر دیا گیا۔ اسی زمانے میں بوناپارٹ نے ایک فوجی دستہ ورٹم برگ کی ریاست میں بھیج کر اٹین ہائیم کے مقام میں شہزادہ کونڈی کے ایک فرزند شہزادہ دآن گیان کو اس الزام میں پکڑوا بلایا کہ یہ شہزادہ بوناپارٹ کا خون کرانے کی سازش کر رہا ہے۔ اسے بہ عجلت پیرس لے گئے اور وہاں مقدمہ کر کے گولی سے اُڑا دیا۔ یہ سارا قصہ بہت مشکوک ہے اور بوناپارٹ کے دوست اور دشمن اسے مختلف طور پر بیان کرتے ہیں۔ لیکن یہ مسلم ہے کہ اس واقعے سے یورپ بھر میں لوگ بوناپارٹ سے بیزار ہو گئے اور بہت سے خوش اعتقادوں کی نظر میں بھی اُس کے اعلیٰ خصائل کا بھرم کھل گیا۔

ان باتوں کے باوجود، خود فرانس میں اُس کی حکمت عملی کامیاب تھی۔ مکیاولی نے لکھا ہے کہ شخصی حکومت قائم کرنے کی سب سے اچھی تدبیر یہ ہے کہ لوگوں کو سازشوں کا یقین دلا دیا جائے اور دسمبر ۱۸۰۴ء میں بوناپارٹ نے جمہوری رسوم کو بھی چھوڑ کر شہنشاہ کا لقب اختیار کر لیا۔ اس نے جو بادشاہی بنائی وہ عموماً "شاہی جمہوریت" کہلاتی ہے کیونکہ

باب چہارم

اس میں بادشاہ جمہور کا مبعوث بن کر کام کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اور عامۃ الناس کی رائے پر خود مختارانہ طریقوں سے عمل کراتا ہے۔ آیندہ سے **بوناپارٹ** نے اپنا عرفی نام بھی ترک کیا اور اپنے تئیں **نپولین** کہوانے لگا۔

انگلستان پر حملے کا منصوبہ

جنگ دوبارہ شروع ہوئی تو فرانسیسیوں کا پہلا منصوبہ یہ ہوا کہ انگلستان پر فوج کشی کریں۔ اس غرض سے ایک لاکھ ۶۷ ہزار کا لشکر کثیر **بولون** میں جمع کیا گیا۔ انھیں کم سے کم وقت میں جہازوں میں سوار ہو جانے کی مشق کرائی گئی تاکہ چند گھنٹے بھی فرانس کا سمندر پر اقتدار ہو جائے تو یہ رودبار کے پار اتار دیے جائیں۔ مگر بوناپارٹ کو اس میں کامیابی نہ ہو سکی کیونکہ **برسیٹ** اور **تولون** کے بحری مستقر پر برطانی بیڑے کی ہر وقت نگرانی قائم تھی۔ تب اس نے **اسپین** سے اتحاد کے نامہ و پیام کیے اور دونوں بیڑوں کے ملا دیے جانے کی لمبی چوڑی تجویز مرتب کی۔ **تولون** کی ناکہ بندی **نیلسن** کر رہا تھا۔ وہ **سارڈینیا** میں تھا کہ ۳۰ ؍ مارچ ۱۸۰۵ء کو فرانسیسی بیڑا باہر نکلا۔ نیلسن کی کشتیوں نے اسے خبر تو پہنچائی مگر وہ سمجھا کہ فرانسیسی مشرق کی طرف جاتے ہیں اور کچھ مدت تک ان کی منزل مقصود سے بے خبر رہا۔ لیکن حقیقت میں فرانسیسی امیر البحر **ویلنئو** کھسک کر ساحل اسپین پر پہنچا اور **قادص** میں اسپینی بیڑے کے ساتھ مل کر **غرب الہند** روانہ ہو گیا۔ نیلسن، خبر ہوتے ہی تعاقب میں چلا اور جون میں دونوں بیڑے امریکی سمندروں میں پہنچ گئے۔ **نپولین** کو امید تھی کہ **نیلسن** شرق الہند یا مصر کا رخ کرے گا۔ مگر اس کے **غرب الہند** پہنچتے ہی فرانسیسی بیڑا واپس وطن روانہ ہو گیا۔ ۲۲ ؍ جولائی کو یہ اتحادی راس **فنِس ٹیر** کے سامنے تھے جہاں سر رابرٹ **کالڈر** سے جو فیرول کی بندرگاہ کی پاسبانی کر رہا تھا، سامنا ہو گیا۔ **کالڈر** کے پاس ۲۵ کے مقابلے میں صرف ۱۵ جہاز تھے مگر اس نے حملہ کر کے اتحادیوں کے دو جہاز چھین لیے۔ جنگ کے بعد فیرول کا اسپینی بیڑا بھی باہر نکل آیا اور اب یہ سب مل کر قادص چل دیے۔ اس کارروائی نے **نپولین** کا منصوبہ بالکل برباد کر دیا کیونکہ

باب چہارم

اگر ویلنیو اپنے پچیس جہازوں کے ہمراہ، اسپین جانے کی بجائے، رود بار انگلستان کا رخ کرتا، تو ممکن ہے تھوڑی ہی دیر کے لیے سمندر کا اقتدار اتحادیوں کے ہاتھ میں آجاتا۔ مگر قادص کی طرف پسپائی کے معنیٰ یہ تھے کہ اُنھوں نے ہار مان لی اور کھیل ختم ہوگیا۔ نپولین نے اس کے یہی معنیٰ لیے۔

تیسرا اتحاد

اس عرصے میں پٹ نے کوشش کی کہ نپولین کے اسپین کو ساتھ لینے کے توڑ پر آسٹریا اور روس کے ساتھ اتحاد کرلیا جائے۔ اپریل میں روس نے وعدہ کیا کہ پانچ لاکھ جوان میدان میں لے آئے گا۔ اگست میں آسٹریا بھی جتھے کی شریک ہوگئی۔ پروشیا کی محض خود غرضی نے اُسے شریک ہونے سے روکا۔ بہر حال ویلنیو کی ناکامی اور فرانس پر دشمنوں کے حملے کی تیاریاں سن کر نپولین نے بولون کا مقام چھوڑ کر آسٹریا پر فوجکشی کی۔

معرکہ ٹرے فال گر

برطانیہ پر حملہ ہونے کا خوف تو اب جاتا رہا مگر اتحادی بیڑے کو قادص میں فنا کرنا باقی تھا۔ اس کی نگرانی امیر البحر کولنگ وڈ اور کالڈر کر رہے تھے لیکن اسے برباد کرنے کا کام نیلسن کے تفویض ہوا اور وہ ۱۴ ستمبر کو اسپین روانہ ہوگیا۔ ۲۹ ستمبر کو قادص پہنچ گیا تھا۔ مگر ۲۱ اکتوبر سے پہلے اتحادیوں کو لڑائی لڑنے پر آمادہ نہ کرسکا۔ بالآخر بیڑے کا بڑا حصہ دور بھیج کر، اور خود اپنی موجودگی چھپا کر نیلسن دھوکے سے ویلنیو کو قادص کے باہر نکال لایا۔ اس کے پاس ۳۳ اور نیلسن کے کُل ۲۷ جہاز تھے۔ فرانسیسی بیڑا ایک قطار میں تھا۔ نیلسن نے روڈنی اور ڈنکن کے طریقے کا جو انھوں نے اپنے اپنے موقع پر ڈگراس اور ڈی ونٹر کے مقابلے میں برتا تھا، اتباع کیا۔ یعنی ۱۵، اور ۱۳ کی دو قطاروں میں جہاز مرتب کیے۔ اور ہر جہاز دوسرے سے ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ پھر نیلسن اور کولنگ وڈ کے زیر حکم یہ بخط مستقیم دشمن کی قطار پر اس طرح گرے کہ اس کے تین حصے ہوگئے۔ ان میں سے پچھلے حصے کے جہاز تو حصہ نہ لے سکے لیکن باقی کا برطانی جہازوں سے پورا مقابلہ ہوا اور ان کے پورے بیس جہاز ڈبوئے یا گرفتار کیے گئے۔ افسوس یہ ہے کہ خود نیلسن نے گولی سے مہلک زخم کھایا۔

باب چہارم

اس کی چمکتی ہوئی وردی ایک ممتاز نشانہ بن گئی۔ گولی فرانسیسی جہاز ری دوتابل پر سے چلی جس کے قریب ہی نیلسن کا جہاز وکٹری کھڑا تھا۔



نیلسن اپنے زمانے کے انگریز بحریوں کا ایک نمونہ تھا۔ جس طرح جرویس ایک بیرسٹر کا اور کولنگ وڈ ایک دیہاتی وکیل کا بیٹا تھا۔ اسی طرح نیلسن بھی ایک پادری کا بیٹا اور برطانی بیڑے میں گویا طبقۂ عوام کا فرد تھا۔ بارہ سال کی عمر میں ملازمت شروع کی اور اپنے کام کی ہر شاخ میں کامل مہارت حاصل کرکے، محض ذاتی قابلیت کے زور سے زینہ بہ زینہ ترقی کرتا گیا۔ یہ کہنا کہ وہ اعلیٰ درجے کا جہاز راں تھا، کافی ستائش نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں لوگوں کے صحیح منشا کو سمجھنے اور وسیع پیمانے پر کام لینے کی بھی خاص قابلیت تھی جو ایک کارفرما کے اوصاف ہوتے ہیں۔ اس جنگ کے مالہٗ وماعلیہ سے جس میں برطانیہ اس وقت مبتلا ہوئی،

باب چہارم

نیلسن سے بڑھ کر کسی کو واقفیت نہ ہوگی۔ سرکاری کام میں اپنے طریق عمل۔ نیز جس بات کا وہ دوسروں سے طالب تھا، اُس کا اصل اصول ادائے فرائض تھا اور جھنڈی سے اُس کا آخری حکم کہ "انگلستان ہر شخص سے اپنا فرض ادا کرنے کی توقع کرتا ہے" قومی کاموں میں بطور اُصول کے، ضرب المثل ہوگیا ہے۔ یہ تقدیر کی یاوری تھی کہ نیلسن اپنا کام پورا کر کے مرا۔ ٹرے فال گر کے معرکے میں اس بیڑے کا بالکل خاتمہ ہوگیا جسے نپولین نے آخری مرتبہ سمندر پر مہیا کیا تھا۔ اور اُس کے خاتمے سے برطانی مقبوضات حملے سے محفوظ ہونے کے علاوہ برطانی تاجروں کو بھی موقع مل گیا کہ کافی اطمینان کے ساتھ ہر سمندر میں آمدورفت کر سکیں۔

ہندوستان کے معاملات

معمول کے مطابق فرانس کی جنگ کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں طرح طرح کی دشواریاں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ وارن ہیسٹنگز کی علیحدگی کے بعد سب سے مشہور انگریز حاکم کارنوالس اور لارڈ مورننگ ٹن (جو آگے چل کے مارکوئیس ولزلی کہلایا) ہوئے ہیں۔ کارنوالس کا عہد زیادہ تر بنگالے کے دوامی بندوبست کے باعث مشہور ہے۔ مدت سے یہی بات مشکوک تھی کہ بنگال میں زمین کے اصلی مالک لگان وصول کرنے والے زمیندار ہیں یا وہ رعایا جو زراعت کرتی ہے۔ کارن والس کا انتظام ایک بین بین صورت تھی کہ ملکیت تو زمینداروں کی تسلیم کی گئی لیکن رعیت کو یہ حق مل گیا کہ جب تک وہ مقررہ لگان ادا کیے جائیں، اُنھیں بے دخل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس انتظام کو "دوامی بندوبست" کہتے ہیں۔

مورننگ ٹن

لارڈ مورننگ ٹن ۱۷۹۸ء میں ہندوستان آیا۔ ایک سال قبل اس کا نامور تر بھائی، آرتھر ولزلی تینتیسویں پیادہ فوج کو لے کر ہندوستان میں لنگر انداز ہوا تھا۔ یہ فوج اب دیسٹ رائی ڈنگ کی پہلی پلٹن کہلاتی ہے۔ یہ زمانہ بہت پُرخطر تھا۔ نپولین مصر میں تھا اور مصمم ارادہ رکھتا تھا کہ ہندوستان میں انگریزی تسلط کا

باب چہارم

خاتمہ کر دیا جائے۔ ادھر ہندوستان کے اکثر رؤسا جیسے ٹیپو سلطان خلف حیدر علی، نواب نظام حیدر آباد اور مرہٹہ رئیس، ہلکر و سندھیا، وغیرہ کی سرکاروں میں فرانسیسی فوجی موجود تھے اور ان کی فوجوں کو مغربی قواعد جنگ کی تعلیم دیتے تھے۔ ان میں سب سے پہلا جھگڑا ٹیپو سے ہوا جس نے انگریزوں کی سفارت کو آنے کی اجازت نہیں دی۔ اسی پر ٹیپو کے خلاف اعلان جنگ کر دیا گیا اور سپہ سالار ہیرس لشکر لے کر اس کے ملک پر بڑھا۔ ٹیپو اپنے مستحکم پائے تخت سرنگا پٹم میں ہٹ گیا اور اس کے محاصرے کا کام سر ڈیوڈ بیئرڈ کے تفویض ہوا۔ شہر یورش کر کے تسخیر کیا گیا، اسی جنگ میں ٹیپو کام آیا اور اس کا علاقہ اصلی ہندو راجہ کے سپرد کر دیا گیا جس کے بزرگوں کو حیدر علی نے حکومت سے محروم کر دیا تھا۔ پھر لارڈ ولزلی نے دیسی ریاستوں سے معاونت کے عہد ناموں کا ایک نظام تیار کیا جس کی رو سے یہ ریاستیں انگریزی کمپنی کا وکیل (= ریزی ڈنٹ) رکھنے اور دوسری ریاستوں سے عہد و پیمان کرنے میں، اسی کے مشورے پر چلنے پر رضامند ہو گئیں۔ باقی اندرونی معاملات خود انھی رئیسوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیے گئے۔ ایسے عہد نامے کرانے کی کوشش میں مرہٹہ رئیسوں کے ساتھ لڑائی چھڑ گئی جن کا وسیع علاقہ جنوبی ہند میں دکن سے لے کر گنگا کے کنارے دہلی تک پھیلا ہوا تھا[ل]۔ ان مرہٹوں کا سردار ستارا کا راجہ اور رسمی طور پر حکمراں پیشوا، یا وہ موروثی وزیر تھا جو پونا میں رہتا تھا۔ لیکن حقیقت میں ہر ایک رئیس خود مختار تھا۔ ۱۸۰۲ء میں ولزلی نے پیشوا سے عہد معاونت لے لیا۔ اس پر دو بڑے رئیس، سندھیا اور ہلکر بہت بگڑے اور لڑائی چھڑ گئی۔

لڑائی کا انتظام ولزلی نے جنرل لیک اور خود اپنے بھائی آرتھر ولزلی کے تفویض کیا۔ لیک، وینگر ہل کی لڑائی کا فاتح تھا اور آرتھر کی قابلیت کے متعلق بھی ولزلی کی رائے بہت اچھی تھی۔ آرتھر، ۱۷۶۹ء میں پیدا ہوا، ایٹن اور

ل فاضل مولف نے دہلی کو "ولب گنگا" لکھ دیا ہے۔ ہندوستان کے اکثر واقعات میں بھی صحت تاریخی کا پورا لحاظ نہیں پایا جاتا۔ مترجم۔

باب چہارم

اینگر کے فرانسیسی فوجی مدرسے میں تعلیم پائی اور سترہ سال کی عمر میں فوج میں بھرتی ہوگیا۔ اس زمانے میں فوج کی سرداریاں روپیہ بھر کر خریدی جاتی تھیں۔ بڑے بھائی لارڈ مورننگ ٹن کی مدد سے وہ ترقی پر ترقی پاتا گیا یہاں تک کہ صرف ۲۴ سال کی عمر میں تین تیسویں پلٹن کا کمیدان (یا کرنل) مقرر ہوا۔ جس وقت ہالینڈ سے شہزادۂ یارک نے پیٹھ پھیری تو آرتھر والی آئرستان کا سردار رکاب (= اے۔ڈی۔سی) تھا اور ایک نازک موقع پر وہی اپنی فوج کو لے کر دشمن کی پیشقدمی کے راستے پر ڈٹ گیا اور بھاگنے والوں کی پشت پر حملہ ہونے سے بچالیا۔ اس دلیری اور خاطر جمعی کی بدولت بڑی ناموری ہوئی اور ۱۷۹۶ء میں وہ جہاز میں ہندوستان روانہ ہوا۔ اپنی فوج کو وہ نہایت مستعدی کی حالت میں لایا، سرنگاپٹم کے محاصرے میں خوبی سے لڑا اور پھر ایک ڈاکو سردار کے گھیرنے میں، اس نے جنوبی ہندوستان میں قیامت برپا کر دی تھی، اور بھی شہرت پائی۔ وہ لشکر جسے جنرل بیئرڈ مصر لے کر گیا تھا، اس کی تنظیم بھی آرتھر ولزلی ہی نے کی تھی۔

۱۸۰۳ء میں مرہٹوں سے جنگ چھڑی تو کرنل ولزلی اس فوج کا سردار تھا جو سندھیا کے خلاف جنوب سے بڑھی۔ دوسرا لشکر جو گنگا کے کنارے بڑھا، اس کی سپہ سالاری جنرل لیک کے تفویض ہوئی۔ دونوں سپہ سالار کامیاب رہے۔ ولزلی نے اسٹی اور ارگاؤں کے معرکوں میں شاندار فتح کی بدولت مزید ناموری حاصل کی اور لیک نے کان پور سے بڑھ کر دہلی کو فتح کیا اور مغل بادشاہ کو انگریزوں کے اثر میں لے لیا۔ پھر مشرق کی طرف پلٹ کر لاسواری کی زبردست لڑائی میں مرہٹوں کو شکست دی۔ ان کامیابیوں کے جلدو میں لیک کو امارت اور آرتھر ولزلی کو "نائٹ" کا خطاب ملا۔ ۱۸۰۵ء میں ولزلی وطن گیا اور اتنا موقع پا گیا کہ پٹ سے چند بار ملاقات کی۔ پٹ نے اس کی نسبت کہا کہ "میں آج تک کسی ایسے فوجی سردار سے نہیں ملا تھا جس سے گفتگو کرنا اس درجہ تشفی بخش ہوا ہو" پٹ کی گلڈ ہال والی تقریر میں بھی آرتھر موجود تھا جس میں اس وزیر اعظم نے یہ الفاظ کہے تھے کہ "برطانیہ نے اپنی ہمت سے اپنے آپ کو بچالیا اور اپنی مثال سے یورپ کو بچائے گی۔"

باب چہارم

آسٹرلٹز کی معرکہ آرائی

لیکن گو برطانیہ کو سمندر میں ہر جگہ کامیابی ہوئی۔ پھر بھی نپولین نے دکھا دیا کہ خشکی پر اُس کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ ۲۱؍اگست ۱۸۰۵ء کو ولینیو، قادص میں داخل ہوا۔ ۲۸؍ کو بولون سے فرانس کے لشکر عظیم نے پانچ حصوں میں رہائن کی طرف کوچ کیا۔ ستمبر میں نپولین پیرس سے چلا اور ساری سپاہ کی قیادت اپنے ہاتھ میں لی۔ آسٹریا والوں نے بیوقوفی سے اپنی بالائی ڈینیوب کی سپاہ کا سپہ سالار نا اہل میک کو بنا دیا تھا۔ یہ ۱۷۹۹ء میں نیپلز کی فوجوں کا سردار تھا اور مصنوعی جنگ میں اپنی ہی فوج کو گھروا دیا تھا جس پر نیلسن کو ہنسی آئی تھی۔ اب اُس نے وہی حرکت اصلی جنگ میں کی اور ۲۰؍اکتوبر کے دن (یعنی ٹرے فال گر کے معرکے سے ایک روز قبل) تیس ہزار چیدہ سپاہیوں سمیت اُلم پر مجبوراً ہتھیار ڈال دیے۔ اس ہزیمت سے وی آنا کا راستہ کھل گیا اور یہ پایۂ تخت بغیر کسی جنگ کے فرانسیسیوں کے قبضے میں آگیا۔ پھر وہ مُراویا میں بڑھتے چلے گئے، اور شہنشاہ آسٹریا اور زار کی متحدہ سپاہ کو آسٹرلٹز کی زبردست لڑائی میں شکست دی۔ اسی شکست کا نتیجہ تھا کہ شہنشاہ فرانسس جوزف کو صلح کرنی پڑی اور روس و برطانیہ کا ساتھ چھوڑ دینا پڑا۔

پٹ کی وفات

ان مصائب کی خبر پِٹ کو اس وقت ہوئی جبکہ اُس کی صحت جواب دے چکی تھی۔ وہ پہلے بھی کبھی تندرست آدمی نہ تھا۔ مگر ۱۷۹۹ء سے بسرعت قوت گھٹنے لگی تھی۔ دوسرے اس دوسری وزارت میں اُسے پیہم مایوسیاں ہوئی تھیں۔ اسے ان لوگوں کے ساتھ نباہنی پڑتی تھی جو اُس کی مخالفت کرتے رہے تھے اور گرین ویل کی طرح بعض دیرینہ رفیق اب مخالفین کی صفوں میں نظر آتے تھے۔ پھر اُس کے پرانے دوست اور ہمصفیر ڈنڈس (= لارڈ میل ویل) پر جو حملہ ہوا، اس سے بھی پِٹ کو بہت رنج پہنچا۔ ۱۸۰۵ء کے اجلاس میں میل ویل پر الزام لگایا گیا کہ بیڑے کے خزانے کی رقوم کو جو اُس کی تحویل میں تھیں، اُس نے خانگی کاموں میں

باب چہارم

استعمال کرنے کی اجازت دی۔ ہر چند سرکار کا کوئی نقصان نہیں ہوا لیکن پٹ کے بہت اچھے دوست، جیسے ولبر فورس بھی، خیال کرتے تھے کہ اس بے ضابطگی پر ضرور کچھ کارروائی کرنی چاہیے۔ اکتوبر کے اخیر میں اُلم کی ہزیمت کی خبر آئی۔ اور گو اسی کے ساتھ ٹرے فالگر کی فتح کی اطلاع پہنچی۔ مگر نیلسن کی موت نے قوم کی خوشیوں کو خاک میں ملا دیا۔ اسی خزاں میں پٹ کی حالت بگڑنے لگی۔ وہ آخری مرتبہ جلسۂ عام میں اُس وقت آیا جب نومبر میں آمیر بلد نے دعوت دی۔ آسٹرلٹز کی خبر آئی تو وہ باتھ میں تھا۔ پھر بھی پارلیمنٹ میں شرکت کے لیے جس طرح بنا لندن پہنچا مگر تقدیر میں لکھا تھا کہ اب اپنی خطیبانہ فتوحات کے میدان میں اُترنے نہ پائے گا۔ چنانچہ عین پارلیمنٹ کے اجلاس کے دن یعنی ۲۳ / جنوری ۱۸۰۶ء کو اُس نے وفات پائی۔ اس کے اوصاف و خصائل پر رائے زنی کرتے وقت ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ اُس کی زندگی میں غیر معمولی طور پر تقدیری واقعات کی نیرنگی نظر آتی ہے۔ ۱۷۸۳ء سے ۱۷۹۲ء تک امن و سکون کی حکومت کا صرف ایک حصہ ایسا تھا، جسے غالباً خود وہ سب سے بہتر خیال کرتا تھا۔ مگر دوسرے ہنگامہ خیز واقعات کے پہلو میں اُسے اب کوئی شاید یاد بھی نہیں کرتا۔ دوسرے اہم واقعات میں، جمہوریۂ فرانس کے ساتھ لڑائی اُس کی مرضی کے خلاف شروع ہوئی اور اس کا انتظام بھی ایسا بُرا ہوا کہ سخت نکتہ چینی کا محل بن سکتا ہے۔ اُدھر آئرستان کا عقدہ سلجھانے میں اُس کی تجاویز کو اس طرح مسخ کر دیا گیا کہ جن عناصر سے پٹ کی کامیابی کی امیدیں وابستہ تھیں، وہی خارج کر دیے گئے۔ ان سب باتوں کے باوجود، اگر وہ اپنے کارناموں کے لحاظ سے بڑا نہ تھا، تو بھی اُس کے بڑے آدمی ہونے میں کوئی شک نہیں اور اُس کا خاتمہ انگلستان کی تاریخ کے نہایت الم انگیز واقعات میں داخل ہے۔

پٹ کی وفات پر جارج کو خوشی ہوتی اگر پٹ کا کوئی ساتھی وزیر پٹ کی جگہ حکومت سنبھال لیتا۔ لیکن یہ ذمہ داری لینے پر کوئی آمادہ نہ ہوا اور بادشاہ کو چار و ناچار وہی کرنا پڑا جسے دو سال پہلے تک وہ "خانہ جنگی سے بڑھ کر" ناگوار سمجھتا

بنا تا تھا۔ یعنی فاکس سے مدد لینی پڑی۔ گرین ویل وزیر اعظم ہوا اور وہ

گرین ویل کی وزارتِ "ہمہ جواہر قابل"

وزارت مرتب ہوئی جسے "ہمہ جواہر قابل" کی وزارت کہا گیا ہے۔ اس میں فاکس وزیر خارجہ، گرے (جو بعد میں لارڈ ہاؤک ہوا) وزیر بحریہ، اے ڈنگ ٹن (جو اب لارڈ سِڈ متھ ہو گیا تھا) امیر مہر شاہی بنائے گئے۔ سب سے عجیب تقرر میر مجلس عدالت لارڈ ایلن برو کا تھا کہ اسے بھی مجلس وزرا میں جگہ دی گئی۔ اس تقرر میں ایک احتمال یہ تھا کہ ممکن ہے مجلس وزرا کسی شخص پر فوجداری مقدمہ چلائے اور یہ مقدمہ خود مجلس کے ایک رکن کے روبرو پیش ہو۔ لہذا اس انتخاب پر بڑی نکتہ چینیاں ہوئیں اور گو پارلیمنٹ کے دونوں شعبوں میں یہ تقرر کثرت رائے سے منظور کر لیا گیا تاہم آیندہ کبھی اسے نظیر نہیں بنایا گیا۔

صلح کی سلسلہ جنبانی

نئے وزیروں نے سب سے اول معاملات خارجہ کی طرف توجہ کی۔ چودہ سال سے فاکس برابر بہ تاکید کہتا رہا تھا کہ فرانس کے ساتھ جنگ غیر ضروری ہے۔ اسی کے ثبوت میں اب اس نے نپولین سے صلح کی گفتگو شروع کر دی۔ مگر چند ہی روز کے تجربے سے فاکس کو معلوم ہو گیا کہ نکتہ چینوں کی صف میں کھڑے ہو کر کسی کارروائی پر اعتراض کرنا بہت آسان ہے اور خود صاحب عہدہ ہو کر اپنی رائے پر عمل کرنا دشوار چیز ہے۔ نپولین پروشیا پر حملے کرنے کی ٹھان چکا تھا۔ فاکس کے نامہ و پیام سے اُس نے فائدہ اُٹھایا اور لوگوں میں یہ خیال پیدا کر دیا کہ آیندہ فرانس کے مقابلے میں روس اکیلا رہ جائے گا۔ اُس نے برطانیہ اور روس دونوں سے مشترکہ طور پر صلح کرنے سے انکار کر دیا۔ بڑی متانت سے آمادگی ظاہر کی کہ فرانس، انگلستان کے قبضۂ راس امید کا ضامن ہو جائے گا حالانکہ اُسے خود انگریزوں نے ولندیزوں سے حاصل کیا تھا۔ اسی طرح مالٹا اور ہینو ور پر انگریزی قبضہ تسلیم کرانے کا وعدہ کیا حالانکہ مالٹا کو انگریز سینٹ جان کے نائٹوں سے چھین کر پوری طرح قابض ہو چکے تھے اور

باب چہارم

ہنوور، شاہ انگلستان کا موروثی علاقہ تھا۔ اس قسم کے وعدوں کا مطلب صریحاً یہ تھا کہ وقت ضایع کیا جائے کیونکہ **نپولین** ہر بات کا فیصلہ تلوار سے کرانا چاہتا تھا۔ حتّٰی کہ **فاکس** کو بھی یقین ہو گیا کہ عزت کے ساتھ صلح ہونی غیر ممکن ہے۔ مگر افسوس ہے یہ بات اُس وقت ذہن نشین ہوئی جبکہ اُسے

فاکس کی وفات

عمل کرنے کا وقت نہیں مل سکا۔ اُس کی صحت پہلے سے خراب ہو چکی تھی۔ نئی وزارت کے طرز عمل پر پارلیمنٹ میں جو طویل مباحثے ہوئے اُن سے اور بھی صحت پر بُرا اثر پڑا۔ موسم گرما سے اُس نے پارلیمنٹ میں آنا چھوڑ دیا اور اسی ستمبر ۱۸۰۶ء میں ملک عدم کی راہ لی۔ **فاکس** کی سیاسی قابلیت کو جانچنا آسان نہیں ہے۔ دو تھوڑے سے وقفوں کے سوا، اُس کی باقی زندگی فریق اختلاف میں گزری اور عملی طور پر خود اُس کا کوئی کام یادگار نہیں رہا۔ ایک خوش گفتار خطیب کی حیثیت سے اس کی اعلیٰ قابلیت مسلّم ہے مگر اپنے تمام اوصاف کے باوجود وطن کی تاریخ میں اُس نے اپنا کوئی خاص نقش نہیں چھوڑا۔

انسداد غلامی

فاکس کی وفات کے وقت تک **گرین ویل** کی وزارت کا سب سے بہتر کام بردہ فروشی کا انسداد تھا۔ حقیقت میں یہ **ولبر فورس** اور **کلارک سن** کی مساعی کا نتیجہ تھا ورنہ وزیروں نے کامل انسداد کا اصول کبھی تسلیم نہیں کیا۔ البتہ **فاکس** موٴید ہو گیا اور دونوں ایوانوں میں **فاکس** اور **گرین ویل** نے اپنے اپنے موقع سے انسداد کی تحریک پیش کی اور وہ منظور ہو گئی۔ دوسرے سال یعنی ۱۸۰۷ء میں اپنی تحریکوں کی بنیاد پر قانون مرتب ہو کر دونوں ایوانوں میں منظور ہوا اور اس وقت سے غلاموں کی خرید و فروخت قانوناً ناجائز قرار پائی اگرچہ صحیح معنیٰ میں غلامی کے انسداد میں تقریباً تیس برس اور صرف ہوئے۔

پارلیمنٹ کی اسی میقات میں **لارڈ میل وِل** پر مقدمہ چلا اگرچہ لوگوں نے اس میں بہت دلچسپی نہیں لی۔ رائے یہ ہوئی کہ **میل وِل** ایسا عہدہ دار ہے جس سے بمشکل کوئی کام لیا جاتا ہے اور اسی پر وہ بری کر دیا گیا۔ انگلستان میں

باب چہارم

پارلیمنٹ کی طرف سے یہ آخری مواخذہ تھا جس کے بعد اس قسم کے مقدمات کی نوبت نہیں آئی۔

نپولین کی فتوحات

فاکس کی بجائے لارڈ ہاوک (سابق گرے) وزیر خارجہ ہوا۔ اسے بھی نپولین سے معاملہ کرنے میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی بلکہ نپولین کی شاندار کامیابیوں نے اس فاتح سپہ سالار کو اور بھی یقین دلا دیا کہ جنگ میں آخرکار وہی کامیاب ہوگا۔ ۱۴ر اکتوبر کے، سےلے نا اور آؤرسٹاٹ کے معرکوں نے پروشیا کی کمر توڑ دی۔ ۱۸۰۷ء میں ہرچند ایلاؤ کی لڑائی کا نتیجہ مشکوک رہا لیکن فریڈلینڈ کی زبردست فتح سے زار مجبور ہوا کہ صلح کی درخواست کرے۔ پھر یہ کہ اُس نے خود صلح ہی نہیں کی بلکہ نپولین کے ساتھ نہایت دوستانہ اتحاد بھی کر لیا اور اسی معاہدۂ ٹلسٹ کے بعد سے برطانیہ، فرانس کے مقابلے میں تنہا رہ گئی۔

ادھر نپولین نے ایک اور تدبیر سوچی کہ اُس کے نزدیک برطانیہ کو مغلوب کرنے میں فوج کشی سے زیادہ کارگر ہو۔ اسی غرض سے برلن کے فیصلے مورخۂ ۲۱ر نومبر ۱۸۰۶ء شائع کیے جن میں اعلان تھا کہ (۱) جزائر برطانیہ محاصرے کی حالت میں ہیں۔ (۲) فرانس اور اُس کے حلیف برطانیہ سے کوئی تجارت نہیں کر سکتے۔ اور یہ کہ

تجارتی جنگ

(۳) ہر علاقے میں جس پر فرانس کے سپاہی قبضہ کریں، اہل برطانیہ کا مال ضبط اور برطانی رعایا اسیران جنگ بنالی جائے۔ پھر دسمبر ۱۸۰۷ء میں فیصلۂ میلان شایع ہوا جس میں منادی کی تھی کہ کسی ملک کا جہاز جو برطانیہ کی کسی بندرگاہ پر جائے گا، وہ گرفتار کر کے مال غنیمت بنایا جا سکے گا۔ نپولین کے پاس ان فیصلوں پر عمل کرانے کے لیے کوئی بیڑا نہ تھا، لہذا ان کے نفاذ کا کوئی قرینہ نہ پایا جاتا تھا۔ لیکن گرین ویل کی وزارت نے نتیجے کا انتظار کیے بغیر، ۷ر جنوری ۱۸۰۷ء کو مجلس شاہی کی طرف سے چند حکم نامے شایع کر دیے کہ غیر جانبدار فرانس یا اُس کے کسی حلیف کی ایک بندرگاہ سے دوسری پر تجارتی مال نہ لائیں۔ اور نومبر میں ایک تتمہ

باب چہارم

شایع کیا کہ فرانس اور اُس کے حلیفوں کی کسی بستی سے کوئی تجارت نہ کرنے پائے۔ نپولین کے یہ فیصلے اور انگریزوں کے یہ حکم نامے گویا تجارتی جنگ کا اشتہار تھے۔ انگریزی حکم ناموں میں بدلا لینے کے علاوہ یہ مصلحت بھی تھی کہ ممالک یورپ اور غیر جانبداروں کے درمیان جو کچھ تجارت ہو وہ سب برطانی بندرگاہوں کے راستے سے ہو۔ اسی پر کسی نے یہ فقرہ چست کیا تھا کہ "فرانسیسی سپاہی تو ساحلی پاسبان بنا دیے گئے ہیں کہ برطانیہ کا کوئی مال اس کی قدیم منڈیوں میں نہ آنے پائے اور برطانی جہاز فرانس کی تجارت روک کر محصول کترے ہو گئے ہیں"۔ اس طریقے میں سب سے بڑھ کر نقصان تو یورپ والوں کو رہا جو برطانیہ یا اُس کے مقبوضات کا مال استعمال کرتے تھے اور دوسرے ان غیر جانبداروں کو جو فریقین یا کسی ایک فریق جنگ کے ساتھ تجارت کرنا چاہتے تھے۔ اب جس فریق کی کارروائی کا کسی ملک پر زیادہ اثر پڑا، وہ اسی نسبت سے اُس کا دشمن ہو گیا۔ یورپ میں، انگلستان سے خرید و فروخت کرنے والے خواہشمند برلن کے فیصلوں سے بہت جلے اور غیر جانبداروں میں برطانیہ کے خلاف سب سے زیادہ ناراضی ولایات متحدۂ امریکہ میں پیدا ہوئی۔

نیا قانون فوج

انسداد غلامی کے قانون کا ذکر اوپر آچکا ہے ۱۸۰۷ء میں اس کی ترتیب و نفاذ کے علاوہ وزیروں نے ایک اور مسودۂ قانون پیش کیا جس میں کیتھولک اور غیر مقلد فرقوں پر سے بعض سختیاں دور کرنے کی تجویز تھی۔ آئرستان کی پارلیمنٹ ۱۷۹۳ء ہی میں یہ قانون وضع کر چکی تھی کہ فوج میں کیتھولک اشخاص کرنیلی کے عہدے تک ترقی کر سکتے ہیں۔ مگر انگلستان میں یہ اجازت نہ تھی۔ یہ ایسی کھلی ہوئی ناانصافی تھی کہ وزیروں کے کہنے سننے سے جارج بھی رضامند ہو گیا کہ آئرستانی قانون مذکور کی انگلستان میں توسیع کر دی جائے۔ آگے چل کر فوج کے علاوہ بحری ملازمت کے بھی سب عہدے اور کیتھولکوں کے ساتھ غیر مقلد فرقے کے لوگ بھی قانون کے دائرے میں لے لیے گئے۔ اسی صورت میں قانون کی دوسری خواندگی ہو چکی تھی کہ بادشاہ کو ان جدید دفعات سے پریشانی ہوئی اور اس نے کہا کہ

باب چہارم

میرا مطلب صرف انگلستان و آئرستان کے قوانین کو ملا دینا تھا اور مسودۂ قانون کو اسی حد تک محدود کر دینا چاہیے۔ پھر اُس نے ایک قدم اور بڑھایا اور وزیروں سے یہ عہد لینا چاہا کہ وہ آیندہ بھی کبھی یہ تجاویز پیش نہیں کریں گے۔ وزیروں نے اس سے انکار کیا تو وہ ایک دم برطرف کر دیے گئے۔

پورٹ لینڈ کی وزارت

معزول وزیروں کی بجائے امیر کبیر **پورٹ لینڈ** کی سرگروہی میں کیتھولک فرقے کے مخالفوں کی وزارت مرتب ہوئی۔ **پورٹ لینڈ** جوانی کے زمانے میں بھی وزارت مخلوط کا وزیر اعظم ہو گیا تھا مگر ۱۷۹۴ء میں وہ معتدل خیال کے وھگوں کی ایک جماعت کو جو انقلاب فرانس کی بے اعتدالیوں سے خوف زدہ ہوئے، پٹ کے گروہ میں لے آیا۔ لہٰذا اب وہ ٹوریوں میں شمار ہوتا اور اسی کے ساتھ کیتھولکوں کا مخالف بھی تھا۔ اس کی وزارت کے ممتاز افراد یہ تھے:۔ **ایلڈن** امیر عدلیہ۔ **پرسی ول**، وزیر مال۔ **کیننگ**، وزیر خارجہ۔ **ہاکس بری** (جو آگے چل کے **لارڈ لورپول** ہوا) وزیر داخلہ۔ **لارڈ کاسل ری**، وزیر جنگ و مستعمرات۔ اور دوسرے عہدہ داروں میں **سر آرتھر ولزلی**، صدر معتمد آئرستان، اور ہیکسن، معتمد خزانہ تھے۔ چونکہ خیال یہ تھا کہ نئے وزیروں نے ضرور بادشاہ سے عہد کیا ہوگا کہ وہ کبھی کیتھولک مطالبات کو تازہ نہ کریں گے لہٰذا فریق اختلاف کی طرف سے تجویزیں پیش ہوئیں کہ وزرا ہرگز کوئی ایسا عہد نہ کریں کہ وہ بادشاہ کو کس قسم کا مشورہ دیں گے۔ اور یہ کہ بادشاہ کا بغیر مشورے کے کوئی کام کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن یہ تجویزیں منظور نہ ہوئیں۔ پھر پارلیمنٹ برخاست کر دی گئی اور آیندہ انتخابات میں صاف ظاہر ہو گیا کہ رائے دہندے کیتھولک مطالبات کی مزاحمت میں بادشاہ کے ہم آہنگ ہیں۔ چنانچہ کیتھولکوں کے مخالفین بڑی کثرت سے منتخب ہوئے۔ حقیقت میں "ملک کے جذبات سراسر بادشاہ کے ساتھ تھے" اور کیتھولک فرقے کے حامی جتنے پارلیمنٹ کے اندر تھے، اس تناسب سے

باب چہارم

مُلک میں اُن کے دوست بہت کم تھے۔

فاکس اور ہاؤک کی ناکام کوششوں کے باوجود فرانس کے خلاف جنگ جاری رکھی گئی۔ ۱۸۰۶ء میں پٹ کے حکم سے ایک مہم کیلیبریا روانہ ہوئی تھی کہ وہاں کے کسانوں میں فرانس کے خلاف بغاوت کرائے۔ سرجان اسٹوارٹ اس کا سردار تھا اور اس کا فرانس کے جنرل رینیئے سے میڈا کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ اگرچہ یہ لڑائی آسٹرلٹز اور لے ناکے معرکوں کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی مگر سپاہیوں کی قابلیت کا اس سے بخوبی اندازہ ہوگیا۔ لڑائی میں قریب قریب تمام تر سنگینوں سے کام لیا گیا اور نتیجے میں انگریزوں کو کامل فتح نصیب ہوئی۔ ۱۸۰۷ء میں معلوم ہوا کہ فرانسیسی ڈین مارک کا بیڑا چھین لینے کی فکر میں ہیں۔ اس میں اٹھارہ جنگی سفائن تھے اور ہرچند ڈین مارک سے لڑائی کا کوئی حیلہ بھی انگریزوں کے پاس موجود نہ تھا، تاہم پورٹ لینڈ کی وزارت نے امیر البحر گیمبیر کے ماتحت پچیس جنگی جہاز اور لارڈ کیتھ کارٹ کی سپہ سالاری میں ۲۷ ہزار سپاہی روانہ کیے کہ ڈین مارک سے جبراً بیڑا اس شرط پر لے لیا جائے کہ جنگ کے خاتمے پر یہ سب جہاز واپس کر دیے جائیں گے۔ ڈین مارک والوں نے یہ مطالبہ منظور نہیں کیا تو سمندر اور خشکی دونوں سے کوپن ہاگن پر گولے برسائے گئے اور چار دن کے بعد جہاز اور سامان حرب برطانیہ کے حوالے کر دیا گیا۔ ہلوگولینڈ پر بھی انگریزوں نے قبضہ کرلیا۔ اُس وقت دریائے ایلب کے دہانے کی نگرانی کے لیے اور نیز شمالی جرمانیا میں چوری سے مال بھیجنے کے لیے یہ بہت عمدہ بحری مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اپنی اس مقررہ حکمت عملی کے سلسلے میں ۱۸۰۶ء میں انگریزوں نے ولندیزوں سے راس امید کی نوآبادی لے لی۔ پھر وہاں کے بحری سردار، سرہوم پوپ ہم کے مشورے سے وزرائے برطانیہ نے اسپین کی ایک بستی بیونس ایرز پر حملہ کرایا۔ اسپین برطانیہ سے برسر جنگ تھا۔ مگر یہ مہم ناکام رہی کیونکہ اس کا

باب چہارم

سپہ سالار جنرل وہائٹ لوک منتخب ہوا جو جنگ سے مطلق واقف نہ تھا اور مونٹ ویڈیو پر قبضہ کرنے کے بعد اُس نے اپنی فوج کو نیو نوس ایرز کے گلی کوچوں میں پھنسوا دیا اور آخر پورے ملک کو خالی کر دینے کا شرمناک معاہدہ کرنے پر مجبور ہوا۔ تین سال بعد ۱۸۱۰ء میں ہم نے فرانسیسیوں سے جزیرہ موریشس چھین لیا جو اُس وقت تک ہماری ہندوستان سے تجارت پر حملہ کرنے والے جہازوں کا مامن بنا ہوا تھا۔

فرانسیسی، اسپین اور پرتگال میں

مگر ان معمولی مہموں سے کہیں بڑھ کر، وہ لڑائی تھی جو براہ راست نپولین کے تجارتی قدغن کی بدولت اسپین کے جزیرہ نما میں چھڑ گئی۔ پرتگال کی بندرگاہیں برطانی جہازوں کے واسطے ابھی تک کھلی ہوئی تھیں اور نپولین کو معلوم ہوا کہ جب تک یہ صورت رہے گی، انگریزی مال کی جنوب مغربی یورپ میں درآمد بند نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ پرتگیز اسے چوری سے اسپین پہنچا دیتے اور وہاں سے وہ اسی طرح چوری چھپے فرانس میں پہنچ جاتا تھا۔ نظر بریں ۱۸۰۷ء میں نپولین نے اسپین کی شراکت میں پرتگال کو فتح کرنے کی تجویز سوچی اور اپنے ایک عزیز سپہ سالار ژیونو کو شمالی اسپین کے راستے روانہ کیا کہ پرتگال پر قبضہ کر لے۔ جس وقت ژیونو لزبن پہنچا تو پرتگال کے شاہی خاندان نے بیڑے میں پناہ لی اور اپنی نوآبادی برازیل کی طرف چل دیے۔ اس طرح نپولین کا منشا کہ پرتگیزی بیڑا بھی چھین لیا جائے پورا نہ ہو سکا البتہ پرتگال کے ساتھ مفتوحہ ملک کا سا برتاؤ کیا گیا اور فرانسیسی خانقاہوں اور فنون لطیفہ کی یادگاروں کو لوٹ کر بدنام و رسوا ہوئے۔

تھوڑے ہی دن میں یہ بھی کھل گیا کہ نپولین صرف پرتگال کی فتح پر قناعت کرنی نہیں چاہتا بلکہ ژیونو کو کمک بھیجنے کے حیلے سے اُس نے ایسا جال پھیلایا کہ برگوس، سان سباستین وغیرہ شمالی اسپین کے قلعوں پر عملاً فرانسیسیوں کا قبضہ ہو گیا۔ پھر اُس نے اسپین کے خاندان شاہی کو معزول کرانے کی ریشہ دوانی کی۔ بادشاہ چارلس چہارم اپنی بیوی کے اثر میں تھا

باب چہارم

اور خود ملکہ اپنے منہ چڑھے مصاحب گودوا کے اشارے پر چلتی تھی۔ اسی شخص نے ۱۷۹۵ء میں اسپین و فرانس میں صلح نامہ کرایا اور "شہزادۂ امن" کا خطاب پایا تھا۔ مگر ولی عہد فرڈی نینڈ (شہزادۂ استوریا) گودوا کا سخت دشمن تھا اور اسی باہمی نفاق کی بدولت نپولین کو مداخلت کا موقع ہاتھ آگیا میڈرڈ اور دوسرے ہسپانوی شہروں میں بلوے ہوئے اور انجام کار چارلس دست بردار اور فرڈی نینڈ بادشاہ بن گیا تب فرانسیسی سپاہ نے میڈرڈ پر قبضہ کرلیا اور نپولین نے چارلس اور فرڈی نینڈ دونوں کو مشورے کے لیے بائیون آنے پر آمادہ کیا۔ آخر دونوں کو ترغیب دے کر سلطنت سے دست بردار کرادیا اور اپنے بھائی جوزف بوناپارٹ کو اسپین کا بادشاہ نامزد کرکے وہاں کی ایک نام نہاد مجلس عمائد سے اُسے بادشاہ تسلیم کرالیا۔ (جون ۱۸۰۸ء)۔

جوزف ۱۸۰۶ء سے نیپلز کا بادشاہ اور اپنے آپ کو بہت عمدہ فرماں روا ثابت کرچکا تھا۔ اُس کی تخت نشینی گویا اسپین والوں کو دعوت تھی کہ جاگیرداری، پیر پادری پرستی اور بدنظمی چھوڑیں، جن میں اسپین اُن دنوں مبتلا تھا، اور انقلاب فرانس کی برکتوں سے مستفید ہوں، بایں ہمہ اکثر اہل ملک جوزف کی بادشاہی قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے کیونکہ اول تو انھیں اپنی وطنی خرابیوں کا اتنا زیادہ احساس نہ تھا دوسرے اہل اسپین وطن کی اتنی محبت رکھتے تھے کہ انھیں فرانس کی مداخلت سخت ناگوار گزری۔ نپولین کو اپنی معرکہ آرائیوں میں اب تک بادشاہوں اور باقاعدہ فوجوں سے سابقہ پڑا اور برابر یہ تجربہ ہوا تھا کہ جب کسی ملک کے مقررہ محافظ یا کارفرما مغلوب ہوگئے تو وہاں کے باشندوں نے بے چون وچرا سر اطاعت خم کردیا۔ لیکن اسپین میں پہلی مرتبہ اُسے قومی مقاومت سے سابقہ پڑا۔ برابر کی تعداد سے کھلے میدان کی لڑائی میں تو اہل اسپین کو فرانسیسیوں سے جیتنے کی کوئی امید نہ ہوسکتی تھی اور ریوسیکو کے معرکے میں ہسپانوی سپاہ کو بڑی ذلت آمیز شکست نصیب ہوئی۔ البتہ ساراگون کی بستی نے

باب چہارم

فرانسیسی محاصرین کی کوئی کوشش نہ چلنے دی اور ایک فرانسیسی سردار ڈیوپون جو اپنی کمک سے الگ ہو کر دور تک بڑھ گیا تھا، اُسے دشمن کی تعداد کثیر نے آدبایا اور مقام بیلین پر جبراً ہتھیار رکھوا لیے۔ پھر اسپین کی ساری آبادی فرانسیسی حملہ آوروں کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی اور وہ قزاقانہ جنگ شروع کی کہ جوزف جو مطلق سپاہی نہ تھا۔ میڈرڈ چھوڑ کر اپنی فوجیں وہاں ہٹا لیا جہاں بائیون کی سڑک اسپین میں داخل ہوتی ہے۔

انگریز پرتگال میں

ادھر حکومت برطانیہ نے پرتگال کو مدد دینے کا تہیہ کیا اور وہ فوج جو جنوبی امریکا کے لیے تیار کی گئی تھی، ولزلی کی سرداری میں پرتگال بھیج دی گئی۔ اُس نے خلیج موِن ڈگو میں لنگر ڈالے اور ۱۷ اگست کے دن روری سا میں ایک فرانسیسی سردار لابورد کے دستے کو شکست دی۔ پھر ولزلی نے بڑھ کر لزبن کے شمال میں ویمیرو پر مورچے بنائے اور کمک کا انتظار کرنے لگا۔ ابھی کمک جہازوں سے ساحل پرتگال پر اُتر رہی تھی کہ پوری فرانسیسی سپاہ نے خود ژیونو کی قیادت میں انگریزوں پر حملہ کیا۔ سخت لڑائی کے بعد فرانسیسی پسپا ہوئے اور چونکہ ابھی دوپہر تھی۔ لہذا ولزلی نے چاہا کہ ژیونو کو وادی ٹیگس میں دھکیل کر لزبن سے آمد و رفت کا راستہ قطع کر دے اور اُسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرے۔ مگر اس پر یکے بعد دیگرے دو بالا دست مقرر ہوئے اول، سر ہیری برارڈ اور پھر سر ہیو ڈال ریمپل اور انھوں نے ولزلی کی تجویز چھوڑ کر، ہنگامی صلح کی گفتگو کرنی منظور کر لی۔ آخر سنترا میں ایک اقرار نامے پر دستخط ہو گئے کہ فرانسیسی اپنا مال اور ہتھیار لے کر پرتگال چھوڑ دیں گے اور انگریزی جہاز انھیں فرانس پہنچائیں گے ان کے ذاتی مال املاک میں، معلوم ہوا کہ لوٹ کا مال بھی داخل تھا۔ بہر حال، جنگی اعتبار سے یہ اقرار نامہ نہایت لغو تھا۔ کیونکہ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ اگر انگریز کچھ اور مستعدی سے کام لیتے تو ژیونو کو اُن کے آگے ہتھیار ڈالے بغیر

باب چہارم

چارہ نہ رہتا۔ لیکن سیاسی اعتبار سے یہ بہت بڑا فائدہ انگریزوں کو ضرور حاصل



ہوا کہ پرتگال میں فوجیں اُتارنے اور فوجی مستقر بنانے کا موقع مل گیا۔ تاہم اہل انگلستان اس اقرار نامے پر بہت ناراض ہوئے اور جن تین سپہ سالاروں نے اس کی ترتیب میں حصہ لیا تھا، ان میں سے بجز آرتھر ولزلی کے اور کسی سے آیندہ کام نہیں لیا گیا۔

نپولین اسپین میں

اب فرانس کی سپاہ تمام جزیرہ نما کو خالی کر چکی تھی اور صرف اُس مقام پر پڑی تھی جہاں فرانس کی سڑک اسپین میں داخل

باب چہارم

ہوتی ہے۔ لیکن نومبر میں خود نپولین اسپین آیا۔ اہل اسپین کو اسپی نوسا اور تدیلا کی لڑائیوں میں شکست دی اور ۴ر دسمبر کے دن **میڈرڈ** میں داخل ہوگیا۔ **پرتگال** کی برطانی سپاہ اب **سر جان مور** کے زیر حکم سرحد عبور کر کے **سیلا مانکا** پہنچ چکی تھی۔ وہیں اہل اسپین کی شکست کا حال سنا اور یہ تسلیم کر کے کہ **نپولین** کے مقابلے میں عہدہ برا ہونا ممکن نہیں، مور نے **برگوس** پر اس طرح پیش قدمی کی گویا وہ اس کی فرانس سے آمد و رفت منقطع کرنے کی فکر میں ہے۔ مور کو امید تھی کہ اس کارروائی سے نپولین کو اپنی افواج شمال کی طرف لانی پڑیں گی اور اہل اسپین کو فرصت مل جائے گی کہ گزشتہ شکستوں کے بعد پھر سنبھل جائیں۔ چنانچہ یہی ہوا کہ اُس کا بڑھنا سُن کر فرانسیسی برگوس کی طرف سمٹنے لگے اور مور کو یہ اطلاع ہوئی تو وہ **کورنا** کی طرف پسپا ہوا جہاں **لزبن** سے اُس کی رسد کو پہنچنے کا حکم تھا۔ کچھ روز تک خود نپولین انگریزوں کا تعاقب کرتا رہا اور سردی میں استوریا کے پہاڑوں میں مارا مار پیچھے ہٹنے سے انگریزی سپاہ نے سخت تکلیفیں اُٹھائیں۔ لیکن ان کے ساحل تک پہنچنے سے قبل خود **نپولین** چلا گیا اور **سُولٹ** اور نے کو چھوڑ گیا کہ انگریزوں کا پورا قلع قمع کر ڈالیں۔ انگریز کورنا پہنچے تو رسد کہیں نہیں نظر آئی تاہم اس بستی کے مضافات میں مور پلٹ پڑا اور ۱۶ر جنوری کے دن فرانسیسیوں کو ایسی فیصلہ کن شکست دی کہ پھر انگریزوں کے جہازوں پر سوار ہو کر چل دینے میں کوئی رکاوٹ نہ پڑی۔ خود مور نے مہلک زخم کھایا تھا اور وہ انگریزی سپاہ کے سوار ہونے سے پہلے مرگیا۔

وکزلی دوبارہ پرتگال میں

اس جنگ کے دوران میں انگریز فرانسیسیوں سے کسی بڑے پیمانے پر برد آزما نہیں ہوئے پھر بھی جا بجا جم کر مسلسل کئی معرکے جیتے جن میں عموماً ساز و سامان اور تعداد کے اعتبار سے غنیم کا پلہ بھاری تھا۔ پس حکومت کی ہمت بڑھی کہ وسیع پیمانے پر جنگ کا انتظام کرے۔ چنانچہ ۱۸۰۹ء کی اپریل میں **سر آرتھر ولزلی** کو دوبارہ **پرتگال** بھیجا گیا کہ برطانی اور پرتگیزی سپاہ کی قیادت کرے۔ جب وہ پہنچا تو ملک پر شمال و شرق دو طرف سے دشمن فوج کشی کر رہا تھا۔ **سُولٹ** اوپورٹو پہنچ چکا تھا اور وکٹور

وادی ٹیگس سے خاص پائے تخت پر زد ڈال رہا تھا۔ اس کے مقابلے میں جانے سے اندیشہ تھا کہ سول انگریزوں کا سمندر سے راستہ نہ قطع کر دے، لہذا ولزلی نے سول پر حملے کا قصد کیا اور شمال کی طرف بڑھ کر ایک فوج روانہ کی کہ فرانسیسیوں کا اسپین سے رسل ورسائل کا راستہ مخدوش کر دے۔ بحالیکہ وہ خود چپکے سے اصلی لشکر کو لے کر کسی طرح خاص اپورٹو پر ندی کو عبور کر گیا۔ اس اچانک حملے سے سول کو کافی نقصان اٹھا کے شہر خالی کرنا اور اسپین سلامت پہنچنے کے عوض اپنی تمام توپوں اور گولا بارود سے ہاتھ اٹھانا پڑا۔ اس کا فیصلہ ہو گیا تو ولزلی ٹیگس کی وادی سے اسپین میں داخل ہوا۔ اہل اسپین نے امداد کے وعدے تو بہت بلیغ کیے تھے مگر کوئی کارآمد مدد نہ ملی۔ البتہ ہسپانوی سپہ سالار کیواسٹا سے مل کر تلاویرا میں مورچے بنا لیے اور وہیں وکتور و ژوردن کے ماتحت فرانسیسیوں نے اس پر حملہ کیا (۲۷ و ۲۸ جولائی) ہسپانوی فوج ناقابل تسخیر مورچوں میں تھی اس لیے لڑائی کا سارا بوجھ انگریزوں نے اٹھایا اور بہت نقصان کے ساتھ اپنے مورچوں میں قائم رہ سکے۔ تیسرے دن اطلاع پہنچی کہ سول نے اپنی فوج کو خلاف توقع سرعت سے دوبارہ مرتب کیا اور درۂ بانوس سے ڈوورو اور ٹیگس کے درمیان گھس کر انگریزوں کے عقب میں آ گیا ہے۔ تب ولزلی ٹیگس اتر کے باداجوز کے راستے پرتگال واپس چلا آیا۔ ساری معرکہ آرائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ پرتگال فرانسیسیوں سے خالی ہو گیا اور اسی کے صلے میں ولزلی کو وائی کاؤنٹ ولنگٹن کا خطاب عنایت ہوا۔

پرتگال میں مجموعی طور پر انگریز کامیاب رہے لیکن ۱۸۰۹ء میں خود وطن کے قریب سخت ناکامی نصیب ہوئی جس سے اہل ملک پر برا اثر پڑا۔ یہ وال شرن کی نامراد مہم تھی کہ نپولین کو اسپین میں الجھا دیکھ کر آسٹریا نے پانچویں مرتبہ فرانس کے خلاف اعلان جنگ کیا اور خیال کیا گیا کہ اگر ایک انگریزی فوج شیلڈٹ بھیج دی جائے تو کیا عجب کہ اینٹورپ پر قبضہ ہو سکے اور بلجیم میں فرانسیسی افواج رکی رہ جائیں جو بصورت دیگر آسٹریا کے مقابلے میں بھیجی جاتیں۔ مہم کی سرداری پٹ کے بڑے بھائی لارڈ چیتھم کے تفویض ہوئی۔ وہ بزم شوریٰ کا بہت اچھا مشیر تھا لیکن میدان جنگ کی کوئی قابلیت اس میں نہ تھی۔ بحری سپاہ سر رچرڈ اسٹریکن کی

قیادت میں تھی۔ یہ سارا کام بہت بدنظمی سے ہوا۔ بری اور بحری حکام مل کر کام نہ کر سکے۔ باب چہارم
جن نشیبی علاقوں میں معرکہ آرائی ہونے والی تھی، وہ تپ وبائی کا گھر تھے۔ آب وہوا
کی اس خرابی کا کوئی دفعیہ نہیں کیا گیا۔ سپاہ، اینٹ ورپ تک پہنچ ہی نہ سکی بلکہ
جزیرہ وال ہی کی لڑائیوں میں وقت خراب کرتی رہی۔ فلشنگ پر بے شبہ
قبضہ کر لیا گیا لیکن ہزاروں سپاہی بخار سے ضایع ہوئے۔ آخر یہ سُن کر کہ فرانسیسیوں
نے اینٹ ورپ کو حد درجہ مستحکم کر دیا ہے۔ مہم واپس وطن چلی آئی۔

اس مصیبت کا ذمہ دار جنگ و مستعمرات کا وزیر، کاسل ری تھا
جس کی نسبت وزیر خارجہ کیننگ کی مدت سے رائے یہ تھی کہ وہ اس عہدے
کی قابلیت نہیں رکھتا۔ ان کی باہمی تُوتُو مَیں مَیں سے دسمبر ۱۸۰۹ء میں باہم
جنگ آزمائی (ڈویل) کی نوبت پہنچی اور پھر دونوں وزارت سے مستعفی ہو گئے۔
پورٹ لینڈ کی وزارت کو دوسرے اسباب نے بھی کمزور کیا؛ شہزادۂ امیر کبیر
یارک سپہ سالار تھا اور اپنی اعلیٰ تنظیمی قابلیت سے اس تقرر کو حق بجانب
ثابت کر چکا تھا لیکن وہ بھی الزامات کا مورد بنا کہ اپنی داشتہ این کلارک
کے بیجا اثرات سے سرداریاں دے دیتا ہے۔ کسی خیانت وغیرہ کا الزام
تو شہزادے پر نہ تھا، تاہم اعتراضات رسواکن تھے کہ وہ بھی چار وناچار
مستعفی ہو گیا۔ اسی میقات میں لارڈ کاسل ری اور پرسی ول پر انتخابات پارلیمنٹ
میں بیجا دباؤ ڈالنے کے الزام لگائے گئے اور گو وہ اُن سے بری ہوئے
تاہم اس قضیے کی بدولت انتخابات کے طریقوں کا بہت کچھ حال منکشف ہوا
اور اصلاح پارلیمنٹ کے خیالات پھر تازہ ہو گئے۔ پورٹ لینڈ کی تندرستی
بھی ایسی نہ تھی کہ ان پے در پے مشکلات سے عہدہ برا ہو سکتا پس وہ مستعفی
ہو گیا۔ وھگوں کی وزارت کے نامہ وپیام شروع ہوئے تھے مگر گرین ول کا
بے ڈھنگا پن اور درشت زبانی دوستانہ فیصلے میں حائل تھی۔ حتی کہ وہ اور
لارڈ ہاؤک گفتگو کرنے کی غرض سے شہر بھی نہ آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پرسی ول
وزیر اعظم اور لارڈ ولزلی وزیر خارجہ مقرر ہوا کہ اپنے بھائی آرتھر کی امداد
کر سکے۔ لارڈ لِورپول (سابقہ ہاکس بری) جنگ و مستعمرات کا وزیر ہوا

باب چہارم

اور اس کی نائب وزارت رابرٹ پیل کے اور معتمدی جنگ لارڈ پامرسٹن کے تفویض ہوئی۔

سنہ ۱۸۱۰ء کے معرکے

جزیرہ نمائے اسپین کی تاریخ میں سنہ ۱۸۱۰ء بہت نازک زمانہ نظر آتا تھا۔ نپولین آسٹریا والوں کو واگرام کے زبردست معرکے میں شدید شکست دے چکا تھا اور فرصت مل گئی تھی کہ اپنے ایک بہترین سپہ سالار ماسینا کو اعلیٰ درجے کی فوج دے کر پرتگال بھیجے کہ ولنگٹن کو وہاں سے مار بھگائے۔ اسی کا مقابلہ کرنے کی غرض سے ولنگٹن نے مدافعت کی بہت تفصیلی تجویز مرتب کی۔ واضح رہے کہ ٹیگس کے دہانے پر سمندر سے مل کر ایک کھاڑی بن گئی ہے اور اس نے لزبن کی حوالی کو تین طرف سے گھیر رکھا ہے۔ خود شہر اس جزیرہ نما کے آخری سرے پر واقع ہے پس خشکی کا جو راستہ چھوٹا ہوا ہے اُس کے ایک سرے سے دوسرے تک ولنگٹن نے تین دفاعی خط تیار کیے اور برطانی توپ دار کشتیوں کی مدد سے اُسے امید تھی کہ یہ مورچے ہر طرح کے حملے جھیل جائیں گے۔ یہ مورچے خفیہ طور پر تیار ہو گئے تو اُس نے سیوداد روڈریگو اور المیدا کے قلعوں میں اپنی فوج متعین کر دی کہ شمالی سڑک کی حفاظت کریں مطلب یہ تھا کہ فرانسیسیوں کی پیشقدمی کو فصل تیار ہونے تک روکا جائے اور پھر اہل پرتگال کو مجبور کیا جائے کہ ساری پیداوار مورچوں کے اندر لے آئیں اور ملک ایسا خالی رہ جائے کہ فرانسیسی لشکر کو وہاں ٹکنا دشوار ہو جائے۔ کیونکہ وہ جس ملک پر حملہ کرتا وہیں سے اپنی رسد وصول کیا کرتا تھا۔ مذکورۂ بالا دونوں قلعوں کو فرانسیسیوں نے پہلی جولائی کو تسخیر کر لیا۔ کرافورڈ نے جانبازی دکھا کر کوآ میں اُن کی پیشقدمی کو روکنا چاہا لیکن وہ نہ رک سکے اور مونڈیگو کی وادی سے بڑھے چلے آئے۔ ولنگٹن کی ہدایات تھیں کہ ذخائر رسد کو ہٹا لیا جائے یا برباد کر دیا جائے لیکن حکومت پرتگال نے اس پر عمل کرنے میں تساہل کیا۔ تب تھوڑا سا وقت اور نکال لینے اور پرتگیزی سپاہ کی ہمت بڑھانے کے لیے اُس نے اتحادی افواج کو بوساکو کی سلامی دار پہاڑی پر صف آرا کر دیا۔ اب

باب چہارم

ماسینا مجبور تھا کہ یا تو جنگ کرے اور یا بہت پھیر کھا کر آگے بڑھے۔ اُس نے ۲۷ ستمبر کو حملہ کیا اور ہر مقام سے پسپا کر دیا گیا تب ولنگٹن اپنے سپاہیوں کو وادی کے راستے سے توریز ودراس کے مشہور مورچوں میں ہٹا لایا یہ ایسے خفیہ طور پر بنائے گئے تھے کہ مسانا صرف دو منزل پر رہ گیا تب ان کی اسے اطلاع ہوئی۔ پھر اکتوبر سے مارچ تک وہ مورچوں کے سامنے پڑا رہا کہ شاید کوئی جگہ اندر گھس جانے کی نکل آئے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر اُکتا گیا اور اتنے بڑے لشکر کے واسطے رسد فراہم کرنی بھی محال ہو گئی لہذا واپس روانہ ہوا۔ روانگی کا انتظام سب سے بڑھ کر مارشل نے نے بہت اعلیٰ درجے کا کیا تھا مگر مارچ کے اخیر تک ماسینا کے تیس ہزار آدمی کام آئے اور ہر جگہ شکست ہوئی لہذا وہ مجبور ہو کر اسپین کے علاقے میں ہٹ گیا۔ توریز ودراس کے مورچوں نے نہ صرف جنگ کی تاریخ بلکہ خود ولنگٹن کی زندگی میں ایک تغیر پیدا کر دیا۔ اُس کی غیر معمولی جنگی ذہانت کی اب تک انگلستان کیا، خود انگریزی فوج میں چنداں قدر نہ تھی لیکن اب ایسا کون ہو سکتا تھا جسے یہ حیرت انگیز قابلیت نظر نہ آئی ہو جس نے سال بھر کے اندر دشمن کے راستے میں ایسی رکاوٹ تیار کر دی کہ انگریزی سپاہ بھی ہزیمت سے بچ گئی اور جس کے سامنے فرانس کے بعض بزرگ ترین سپہ سالار چکرا گئے۔ یہ تمام کام ولنگٹن اور اُس کے صدر انجینیر فلیچر کی ذہانت و سعی کا نتیجہ تھا۔ اور اسی نسبت سے ولنگٹن کی شہرت و ناموری میں چار چاند لگ گئے۔

اب ولنگٹن نے ارادہ کیا کہ جنگ کو اسپین میں منتقل کر دے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ شمال میں روڈریگو اور المیدا اور جنوب میں باداجوز اور الواس کے قلعوں پر قبضہ ہو اور ٹیگس کے عبور کرنے میں بھی کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ ان قلعوں میں الواس کے سوا، تینوں فرانسیسیوں کے قبضے میں تھے۔ اگر ان سب کا انتظام شخص واحد کے ہاتھ میں ہوتا تو ولنگٹن کی کامیابی محال ہو جاتی لیکن اُس کی جیت اس میں تھی کہ فرانسیسی سپاہ کئی کئی سپہ سالاروں کے تحت میں تھی اور یہ لوگ اعلیٰ درجے کی قابلیت کے باوجود ایک دوسرے سے

باب چہارم

چلتے اور باہم کوئی کام مل کر نہ کرتے تھے۔ ایک اور بڑی جیت یہ تھی کہ فرانسیسی لشکر خود ملک سے رسد لینے کا عادی تھا اور اس لیے بڑی تعداد میں ایک ہی جگہ چند ہفتے سے زیادہ قیام نہ کر سکتا تھا بحالیکہ انگریزوں کو سمندر اور قابل جہاز رانی دریاؤں میں اقتدار حاصل تھا اور ان کے سپاہیوں کو انگلستان سے رسد پہنچتی تھی اور اہل ملک سے جو کچھ وہ لیتے اُس کی باقاعدہ قیمت ادا کر دیتے تھے۔

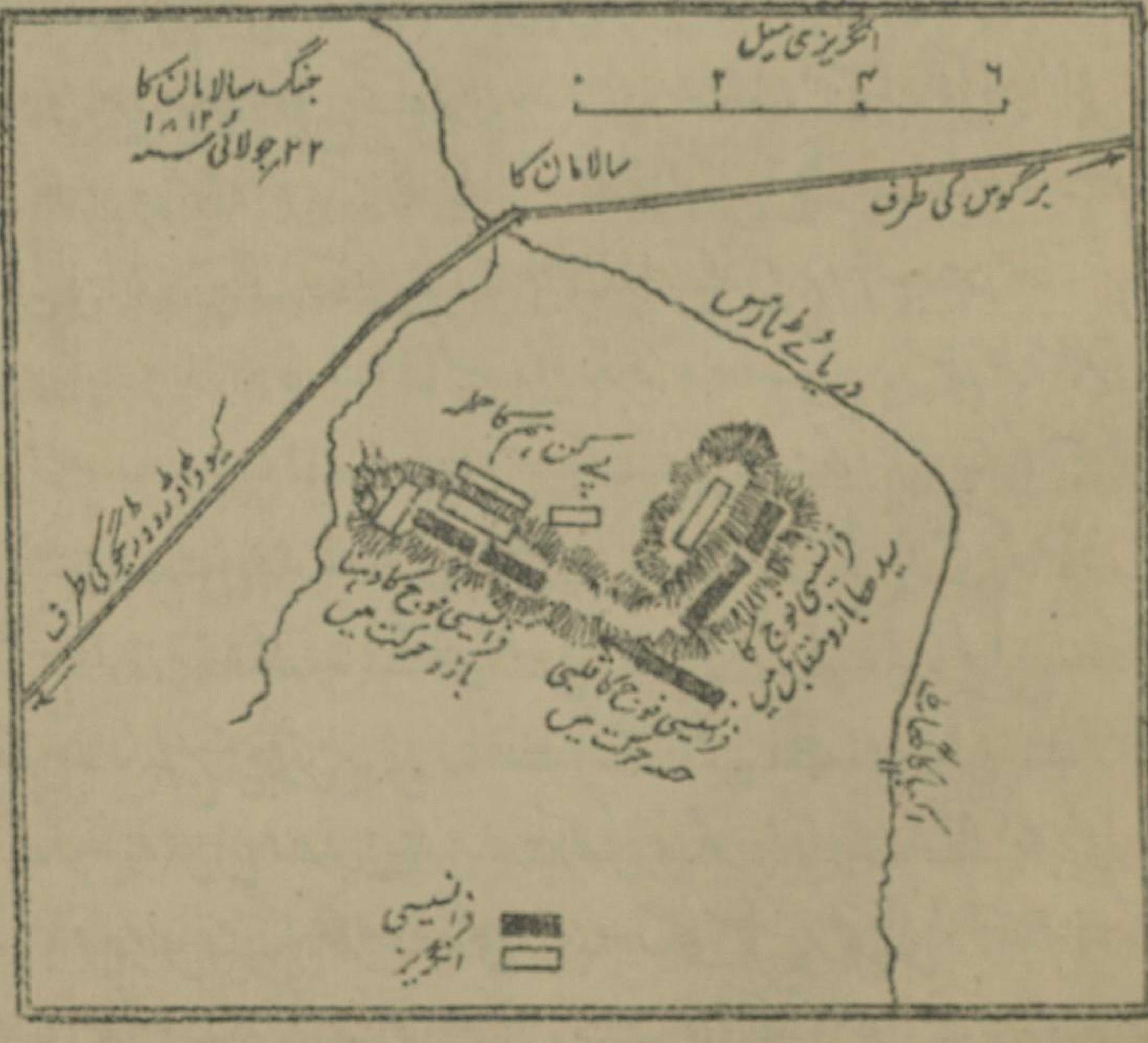
اسپین کے معرکے

پہلی فوجکشی المیدا پر ہوئی۔ معلوم تھا کہ وہاں ساز و سامان کم ہے لہذا ناکہ بندی کر لی گئی۔ محاصرہ اُٹھانے کی غرض سے ماسینا اور بسیر اپنی اپنی ساری فوج لے کر چلے اور ولنگٹن پر بمقام فیونتیز دی انورو حملہ کیا۔ اتنی غیر منفصل لڑائی اس جزیرہ نما کی ساری جنگ میں نہ ہوئی تھی۔ ولنگٹن کا محل وقوع اچھا نہ تھا اور اگر بسیر، ماسینا کی پشت پناہی کرتا تو ولنگٹن شکست کے قریب پہنچ جاتا۔ لیکن ماسینا کو مدد نہ ملی، اور ولنگٹن اپنا بچاؤ کر لینے میں کامیاب ہو گیا۔ ادھر دوران معرکہ میں المیدا کی فوج قلعہ چھوڑ کر چل دی اور چند روز کے لیے اُسے بیکار بنا دی گئی۔ سال کا باقی حصہ زیادہ تر باداجوز کے محاصرے میں گزرا۔ اتحادی محاصرین کا سردار بریس فرڈ تھا اور ان کی نگہبان فوج آلبوئرا میں تھی جہاں سول اس پر حملہ آور ہوا۔ سارے میدان کی کنجی اتحادیوں کے دائیں بازو کی ایک پہاڑی تھی جہاں سے پوری صف توپ خانے کی زد میں آجاتی تھی۔ اسپین والوں کے ہاتھ سے یہ پہاڑی نکل گئی اور اتحادی پسپا ہونے لگے تھے کہ انگریزوں نے کرنل ہارڈنگ کی قیادت میں اُسے دوبارہ لے لیا۔ یہی ہارڈنگ آیندہ ہندوستان کا وائسرائے بنا کر بھیجا گیا۔ اس پہاڑی کے لیے سب سے شدید لڑائی ہوئی۔ ۶ ہزار انگریزی پیادوں میں سے صرف اٹھارہ سو ایسے تھے جو زخم کھانے سے بچے۔ بایں ہمہ ان کی دلاوری کا فرانسیسیوں پر نقش جم گیا اور یہ کہاوت کہ انگریز کو اپنی شکست کی خبر نہیں ہوا کرتی، اس خوفناک معرکے پر جس قدر صادق آئی اور کبھی نہ آئی ہو گی۔

باب چہارم

سنہ ۱۸۱۲ء کے معرکے

سنہ ۱۸۱۲ کے آغاز میں دو بڑی کامیابیاں یادگار ہیں۔ ایک تو ۲۴ر جنوری کے دن **روڈریگو** سخت نقصان اٹھا کے تسخیر ہوا۔ نقصانات میں نیم مسلح فوج کے سردار **رَوبرٹ کرافرڈ** کا قتل بھی شامل ہے۔ پھر ۶ر اپریل کو **باداجوز** کو یورش کر کے لے لیا گیا۔ ان کامیابیوں سے اسپین کا راستہ کھل گیا اور اس کی تکمیل یوں ہوئی کہ **ہل** نے ٹیگس کا پل **القنطرہ** کے مقام پر توڑ دیا اور سرحد کے قریب تر مقام **المارز** کے پل کی درستی کر دی جس سے ولنگٹن کی شمالی اور جنوبی افواج میں رسل و رسائل کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ تب ولنگٹن **سالامانکا** اور **برگوس** کے راستے سے آگے بڑھا کہ جنوبی **اسپین** کو فرانسیسیوں سے جبراً خالی کرا لے۔ یہ کام کچھ آسان نہ تھا کیونکہ مقابلے میں **مارمون** جیسا لایق سپہ سالار تھا کہ ذرا سی بے احتیاطی بھی سخت نقصان کا سبب ہو جاتی۔ فریقین ۲۱ر جولائی تک جنگی چالیں چلتے رہے۔ غالباً مارمون کا پلہ بھاری رہا لیکن



باب چہارم

اس تاریخ کہ دونوں لشکر ایک دوسرے کے متوازی مغرب کی جانب بڑھ رہے تھے، فرانسیسی میسرے نے زیادہ تیزی سے دباؤ ڈالا۔ ولنگٹن نے پکٹن کی فوج کو سامنے سے حملہ کرنے کے لیے بھیجا اور پے کن ہم کے ماتحت پوری سپاہ سے بازو پر حملہ کرا دیا۔ فرانسیسی فوج کو کامل شکست نصیب ہوئی۔ خود مارمون زخمی ہوا اور اگر اسپین والے غفلت سے ندی کے ایک معبر کو بغیر پاسبانی کے نہ چھوڑ دیتے تو دشمن کا کوئی سپاہی زندہ بچ کر نہ جاتا۔ ولنگٹن کو توقع بھی تھی کہ اسپینی اس معبر پر جمے رہیں گے۔ غرض سالا مانکا سے ولنگٹن، میڈرڈ بڑھا چلا گیا اور پھر برگوس کا محاصرہ کیا۔ مگر اس کام کے لیے کافی سامان نہ تھا اور ادھر جنوب سے فرانسیسیوں نے ہر طرف سے مجتمع ہو کر اُسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ یہ پسپائی بھی بہت کچھ نقصانات کے بعد ممکن ہوئی۔ اس طرح گو ساری معرکہ آرائی کے آخر میں ولنگٹن وہیں آگیا جہاں سے چلا تھا، تاہم فرانسیسی بھی دوبارہ جنوبی اسپین پر قابض نہ ہو سکے۔

اسی سال وطن کے واقعات سے بھی ولنگٹن کو تقویت پہنچی۔ وہاں ایک تاجر، بلنگ ہم نامی نے حکومت کو اپنی تباہی کا ذمہ دار سمجھ کر، دار العوام کے بغلی دالان میں پرسی وَل کے گولی مار دی۔ ۱۸۱۱ء میں بادشاہ بالکل پاگل اور ناقابل علاج ہو گیا۔ اس کی جگہ ایک نئے قانون نیابت کی رو سے شہزادۂ ویلز نے لی۔ یہ قانون پٹ کے مسودہ ۱۷۸۸ء کے نہج پر مرتب ہوا تھا۔ شہزادۂ ویلز اپنی زندگی بھر، اکثر اوقات، فاکس اور فرقۂ وھگ کی دوستی کا دم بھرتا رہا تھا لیکن اس موقع پر وھگوں کی وزارت مرتب کرنے کی بجائے اُس نے لارڈ لورپول کو وزارت بنانے کی دعوت دی۔ چنانچہ اس نے کاسل رِی کو وزیر خارجہ اور سِڈ متھ کو وزیر داخلہ بنا کے نئی مجلس وزرا قائم کر لی۔ لورپول اور کاسل رِی دونوں ولنگٹن کی غیر معمولی ذہانت کے قائل تھے اور دل سے اس کی مدد کرتے رہے۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی خود بڑا آدمی نہ تھا مگر لورپول کی سلیقہ مندی سے پندرہ برس اس کی حکومت جمی رہی اور کاسل رِی کی استقامت کسی نہ کسی حد تک، نپولین کی جنگ کو کامیابی سے انجام تک پہنچانے کی ذمہ دار ہے۔ برطانیہ میں وزارت کے اس تغیر کے علاوہ ممالک یورپ کے واقعات بھی ولنگٹن کے

باب چہارم

مساعد و ممد ہوئے۔ ۱۸۱۲ء میں **نپولین** روس کی مشہور مہم لے کر گیا اور اسی میں فرانس کے قشون قاہرہ کا تار و پود بکھر گیا۔ پھر **نپولین** کو روسیوں سے جرمانیا، پروشیا اور بالآخر آسٹریا میں وہ لڑائیاں لڑنی پڑیں جن میں خود اس کا پایہ ہلکا تھا۔ انھیں لڑائیوں کو سر پر دیکھ کر اُس نے **اسپین** سے اپنے بہترین دستے واپس بلائے اور ان کی بجائے نو آموز لڑکے بھرتی کر کے بھیج دیے جس سے تعداد اور فوجی کاردانی، دونوں اعتبار سے اتحادی سپاہ کو فرانسیسیوں پر فوقیت حاصل ہو گئی۔

۱۸۱۳ء کے معرکے

پس ۱۸۱۳ء میں **ولنگٹن** نے فرانسیسیوں پر اجتماعی لشکر کشی کی۔ گرے ہیم، ڈورو کے خط پر شمال سے بڑھا۔ **ولنگٹن** کسی قدر پیچھے دبا ہوا، وسط سے سالا مانکا اور برگوس کے راستوں سے چلا اور ہل کسی قدر اور پیچھے رہ کر ٹیگس کی وادی سے آگے بڑھا۔ اس تدبیر سے فرانسیسیوں کے بازو بار بار زد میں آ گئے اور انھیں **میڈرڈ**، **برگوس** وغیرہ مقامات خالی کر دینے پڑے۔ جون میں **ولنگٹن** کی تینوں افواج نے فرانسیسیوں کو وِٹوریا پر آ لیا۔ اپنے پہلے مقام کے مطابق ہل نے بائیں سے اور **ولنگٹن** نے قلب سے حملہ کیا اور گرے ہیم چکر کھا کے ان کے میمنے کے سرے پر پہنچ گیا کہ ان کے عقب کے راستے کو روک لے۔ اس منصوبے میں پوری کامیابی ہوئی۔ فرانسیسی بری طرح شکست کھا کے بھاگے اور ایک سو ۵۲ توپوں میں سے جو میدان میں لائے تھے، صرف دو بچ سکیں۔ دس لاکھ پونڈ کی مالیت کا زر و جواہر اور بہت مال غنیمت جسے فرانسیسی یہاں لوٹ کر لے چلے تھے، اتحادیوں کے ہاتھ آیا۔

لڑائی ختم ہوتے ہی **ولنگٹن** آگے بڑھا اور **سان سیباسٹین** اور **پمپی لونا** کے قلعے محصور کر لیے جو مغربی **پرینیز** سے فرانس کے جانے والی سڑک پر واقع ہیں۔ یہ خرابی دیکھ کر **نپولین** نے **سول** سے استدعا کی کہ شکست خوردہ افواج کی دوبارہ تنظیم کرے اور اُس نے یہ دشوار کام اس خوبی سے انجام دیا کہ پھر اتحادیوں پر خود حملہ کرنے کے قابل ہو گیا۔ **پمپی لونا** کو مدد دینے کی غرض سے

پہاڑوں کے راستے بڑھنے کی کوشش میں اُس نے ولنگٹن کو متعدد معرکوں میں جو "پائی رے نیز کے معرکے" کہلاتے ہیں، قریب قریب شکست دیدی تھی۔ لیکن اس کا منصوبہ کامیاب نہ ہوا اور دونوں قلعے ولنگٹن کے ہاتھ آ گئے۔ یعنی ستمبر میں سان سباسطین کو یورش کر کے لے لیا گیا اور اس میں شدید کشت و خون ہوا۔ اور اکتوبر میں پمپی لونا والوں نے خود اطاعت قبول کر لی۔

نپولین کی شکستیں

اس عرصے میں، نپولین لُٹ زن، باؤٹ زن اور ڈریس ڈن پر تھم تھم کر غضب کی لڑائیاں لڑا لیکن آخر میں لائپ زگ کی بڑی لڑائی میں اُسے کامل شکست ہوئی اور وہ رائن اُتر کر پسپائی پر مجبور ہوا۔ اس موقع پر اسپین کی طرف سے ولنگٹن نے بھی فرانس پر ایک عام حملے میں حصہ لیا اور جنوری ۱۸۱۴ء میں بداسوآ کے راستے سے جبراً گزر کر فرانس کی سرزمین میں پڑاؤ ڈالا۔ فرانس کے اس جنوبی مغربی حصے کی مدافعت کئی ندیوں سے ہوتی ہے جن میں ادور و گارون سب سے بڑی اور شمال مغرب کی طرف بہ کر خلیج بسکے میں جا گری ہیں۔ فرانسیسی سپہ سالار سول دشمن کو انھی پر روکنا چاہتا تھا۔ ولنگٹن کا عام منصوبہ یہ تھا کہ اپنے بیمنے کو اتنا آگے بڑھا دے کہ ادیور لُو کی مثل، یہاں بھی سول دریا اور سمندر کے درمیان گھر جائے۔ اس تدبیر سے اُس نے فرانسیسیوں کو نیو، نویل اور ادور کے پار دھکیل دیا اور سول نے مشرق کی طرف ہٹتے ہٹتے، آخر میں تولوز پر شکست کھائی (۱۰ اپریل)۔ ادھر شمال سے ممالک یورپ کی اتحادی افواج محض کثرت تعداد کے زور سے نپولین کو ہٹاتی ہوئی چلی آتی تھیں اگرچہ اُس نے فن جنگ کے کمالات دکھانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ حتی کہ ۳۱ مارچ کو پیرس فتح اور نپولین حکومت سے دست کشی پر مجبور ہو گیا۔ اسی کے ساتھ جنگ ختم ہو گئی اگرچہ افسوس ہے کہ اس کی اطلاع اتنی دیر میں تولوز پہنچی کہ وہاں کی لڑائی نہ روکی جا سکی۔

اسپین کی معرکہ آرائیوں کے زمانے میں انگریز ولایات متحدہ امریکا سے بھی

باب چہارم

ولایات متحدہ سے جنگ

نہایت تکلیف دہ جنگ میں مصروف ہو گئے۔ بنائے مخاصمت یہی مجلس شاہی کے حکمنامے تھے اور گو اعلان جنگ ہونے سے قبل ان کو منسوخ کر دیا گیا، تاہم لڑائی چھیڑ دی گئی۔ ۱۸۱۲ء اور ۱۸۱۳ء میں زیادہ تر معرکے سمندر پر ہوئے اور دونوں طرف کے ایک ایک جہاز کی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ ان معرکوں میں عموماً امریکا والے غالب رہے کیونکہ ان کے جہازوں کی ساخت، اسی قسم کے انگریزی جہازوں سے بہتر تھی۔ ان میں زیادہ اور کلاں تر توپیں ہوتی تھیں اور چونکہ ان کے جہازوں کی کل تعداد کم تھی اس لیے جہازوں میں ملاح وغیرہ بھی انگریزوں کے بڑے بڑے بیڑے والوں کی نسبت زیادہ قواعد داں اور مشاق تھے۔ باوجود اس کے جہاں جہاز عملاً یکساں تھے، وہاں انگریز جیتے۔ ان میں شینن اور چساپیک جہازوں کی لڑائی، جو بوسٹن کی بندرگاہ میں یکم جون ۱۸۱۳ء کو ہوئی، خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ انگریز ملاح حریف جہاز پر چڑھ گئے اور پندرہ منٹ کے اندر اسے مسخر کر لیا۔ کناڈا کی سرحد اور بڑی جھیلوں کے کنارے بھی اچھی خاصی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ ان میں امریکا والوں کا پلہ بھاری رہا جس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ اُن کا جھیلوں کا بیڑا زیادہ اعلیٰ درجے کا تھا اور دوسرا یہ کہ ان کے مقابلے میں سر جارج پری ووسٹ جیسا ادنیٰ شخص سالار فوج تھا۔ لیکن اس پیمانے کی لڑائیوں سے کوئی بڑا نتیجہ برآمد نہ ہوا اور جب فرانس کی جنگ ختم ہوئی تو حکومت برطانیہ نے ولنگٹن کے لشکر کے چند بہترین دستے، رَوس اور سر ایڈورڈ پیکن ہیم کی قیادت میں امریکا روانہ کیے۔ ان میں سے پہلے نے امریکی حکومت کے مستقر، واشنگٹن کا رخ کیا اور چساپیک تک پہنچ کر بلیڈنز برگ میں امریکا والوں کو شکست دی۔ واشنگٹن پر قبضہ کر لیا گیا۔ وہاں کی موتمر کا ایوان موسومہ "کے پی ٹول" رئیس امریکا کا سرکاری مکان موسومہ "وہائٹ ہوس" اور دوسری سرکاری عمارتیں جلا کر خاکستر کر دی گئیں اور اس وحشیانہ حرکت کی حکومت برطانیہ ذمہ دار ہے۔ اس کے بعد فوجیں جہازوں میں

باب چہارم

چلی آئیں۔

سر ایڈورڈ پیکن ہیم کی منزل مقصود نیو اورلینز تھا۔ یہ شہر جو امریکا کی روئی اور شکر کی تجارت کا مرکز تھا، ساحل سے ۱۱۰ میل ہٹ کر مسسی سپی کے کنارے واقع ہے۔ اس تک پہنچنے کے راستے نہایت دشوار تھے اور امریکا والوں نے اپنے سالار جیکسن کے ماتحت (جو بعد میں صدر جمہوریہ ہوا) سڑکوں پر شکر کے ڈبوں اور روئی کے گٹھوں کے دمدمے بنائے تھے۔ ان کے پیچھے سے وہ بحفاظت آتشباری کرتے تھے اور جانوں کے شدید نقصان کے بعد، جن میں پیکن ہیم بھی شامل ہے، انگریزوں کو پسپا ہونا پڑا۔ اگر رسل و رسائل کی موجودہ آسانیاں ہوتیں تو یہ حملہ ہونے نہ پاتا کیونکہ اس سے ایک ہفتہ قبل برطانیہ اور ولایات متحدہ کی گان میں صلح ہو چکی تھی۔ یوں بھی اس ناشدنی جنگ سے کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ مجلس شاہی کے حکمنامے تو پہلے ہی مسترد کر دیے گئے تھے، تلاشی لینے کے مسئلے کا اس صلح میں بھی کوئی تصفیہ نہیں ہوا۔

لوئی ہیجدہم

نپولین کے دست بردار ہوتے ہی اتحادی بادشاہوں نے لوئی شانز دہم کے بھائی کو لوئی ہیجدہم کے لقب سے فرانس کا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ نپولین کی علحدگی تک بادشاہی کی بحالی پر کوئی بحث نہ ہوئی تھی۔ غالباً اسے امور خارجہ کے چالاک اور ذہین وزیر تالے ران نے سب سے اول پیش کیا۔ نپولین کی جگہ لینے والا کوئی اور نہ تھا اور مجموعی طور پر خاندان بوربون کی بحالی ہی اس عقدے کا سب سے آسان حل نظر آتی تھی۔ کیونکہ ممالک یورپ کے تاجدار جمہوریت کی تنظیم و تجدید کی نگرانی پر مشکل سے آمادہ ہو سکتے تھے۔ غرض لوئی پیرس آیا اور فرانس پھر یورپ کی بڑی بڑی بادشاہی حکومتوں میں شامل ہو گیا۔ اس میں بڑا فائدہ اسے یہ رہا کہ اسی زمانے میں جو موتمر وی آنا میں منعقد ہوئی کہ گزشتہ جنگ و جدال کے خلفشار کے بعد یورپ کے نظام کو از سر نو درست کرے، تو اس مجلس میں فرانس دوسروں کا برابر والا بن کر شریک ہوا اور اس کی آرا پر بہت کچھ اثر ڈال سکا۔

باب چہارم

موتمر وی آنا یہ موتمر تقریباً ایک سال اجلاس کرتی رہی اور وہ دشوار مسائل جو اُس کے سامنے پیش ہوئے اُن پر بہت احتیاط اور اطمینان سے غور و بحث ہوئی۔ اجمالاً موتمر نے تین اصول پیش نظر رکھے (۱) یہ کہ یورپ کی بڑی سلطنتوں کی اصلی قوت میں ایک حد تک مساوات قائم رکھی جائے۔ (۲) امن یورپ کے حق میں سب سے خطرناک ملک فرانس ہے۔ (۳) یہ کہ ان دو اصول کے مطابق ضروری تبدیلیاں کرنے اور قواعد بنانے میں، قومیت کا سوال نظرانداز کیا جاسکتا ہے۔ اسی بنا پر روس کو پولینڈ کا کلاں ترٹکڑا دیا گیا۔ آسٹریا نے نیدرلینڈز کو چھوڑ، اس کے عوض وینس کا علاقہ لیا۔ سیکسنی کا کچھ علاقہ اور رہائن کے بائیں کنارے کی وہ اراضی جو ۱۷۹۳ء یا ۱۷۹۴ء سے فرانس کے قبضے میں تھیں، انہیں پروشیا کو دے کر زیادہ قوی کردیا گیا اور وہ رہائن پر فرانس کا پہلے سے زیادہ طاقتور حریف بن گئی۔ اسی غرض سے بلجیم اور ہالینڈ کو ملاکر شہزادہ اورینج کے زیر فرمان کردیا گیا اور اسے نیدرلینڈز کا بادشاہ بنادیا۔ سارڈینیا کی ریاست کو جنوا کی جمہوریہ کا علاقہ دے کر مضبوط کیا گیا۔ فرانس کی رفاقت کرنے کی سزا میں ڈینمارک سے ناروے چھین کر آزاد کیا گیا اگرچہ اس کا بادشاہ وہی رہا جو سویڈن کا فرماں روا ہو۔ برطانیہ کو بحر متوسط میں، مالٹا اور آئی اونی جزائر کے قبضے سے اور بحر شمال میں ہلوگولینڈ دے کر قوی تر کیا گیا۔ غرب الہند میں ٹری نیڈاڈ اور ٹباگو، مشرق میں راس امید، موری شس اور لنکا اسی کے پاس رہے۔ لیکن اُسے منورکا، اسپین کے اور غرب الہند کے دوسرے جزیرے اُن کے سابقہ مالکوں کے حوالے کرنے پڑے جن سے اسی جنگ میں اُس نے چھینا تھا۔ موتمر میں برطانی وکیل، اوّل کاسل ری اور پھر امیر کبیر ولنگٹن تھا۔ اور دونوں نے برطانیہ کی بے غرضی کی خصوصیت میں فرق نہ آنے دیا اور یہ بات سب سے زیادہ فرانس کے ساتھ اُن کے دوستانہ برتاؤ سے نمایاں ہوئی۔ البتہ ایک مسئلہ یعنی انسداد بردہ فروشی کے لیے اُنھوں نے سخت کوشش کی کہ سب ملکوں سے اقرار کرالیں اور فرانس، اسپین، پرتگال

اور نیدرلینڈز سے جو اس سے اصلی تعلق رکھتے تھے، انھیں آمادہ بھی کرلیا کہ اس مکروہ تجارت کو عملاً موقوف کردیں گے۔

نپولین کی مراجعت

موتمر کی محنت اتمام کو نہ پہنچی تھی کہ مارچ ۱۸۱۵ء میں نپولین کے ایلبا سے نکل جانے اور فرانس میں اترنے کی اطلاع ملی جہاں فوج اور اس کے سابقہ رعایا کے اکثر افراد نے اسے تپاک سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس پریشان کن خبر سے جتھے کو دوبارہ بنانا ضروری ہوا کیونکہ اس طرف تو کسی کا خیال بھی نہ گیا کہ نپولین کو اتنی مہلت دی جائے کہ وہ یہ بتا سکے کہ آئندہ اسی سابقہ ہوس جاہ وقوت کے راستے پر چلے گا یا صلح پسندی کا طریقہ اختیار کرے گا۔ بخلاف اس کے موتمر نے قطعی ارادہ کرلیا کہ فرانس پر ہر طرف سے حملہ کردیا جائے اور نپولین چاہتا تھا یا نہ چاہتا تھا، مجبور ہوا کہ مقابلے میں تلوار سنبھالے۔ اب کے اس نے بلجیم پر حملہ کرکے جنگ کا آغاز کرنے کی ٹھانی۔ اس کی مدافعت انگریز، ہنووری، ولندیز اور اہل بلجیم کی مشترکہ سپاہ کے سپرد تھی جس کا سپہ سالار ولنگٹن تھا۔ یہ فوجیں شارل روا سے سمندر کے کنارے تک پھیلی ہوئی تھیں اور فوج محفوظ کا مستقر برسلز تھا، انھی کے ساتھ دوسری سپاہ پروشیا والوں کی شارل روا سے جرمن سرحد تک چھاؤنیاں ڈالے پڑی تھی اور ان کا سپہ سالار بلوشر تھا۔ ولنگٹن کی سپاہ میں ایک لاکھ ۶ ہزار سپاہی تھے۔ اگرچہ اس کی پرانی اسپین و پرتگال میں لڑی ہوئی فوجوں کے سوا، باقی بہت ادنیٰ قسم کی تھیں۔ پروشوی لشکر کی تعداد ایک لاکھ ۱۴ ہزار تھی۔ نپولین کی سپاہ میں کل ایک لاکھ ۲۴ ہزار سپاہی تھے۔ نپولین کا نقشۂ جنگ یہ تھا کہ شارل روا پر ضرب لگائے اور پھر اپنی سپاہ کا بڑا حصہ پروشیا والوں پر جھونک کر انگریزوں کو روکے رکھے۔ اس طرح اتحادی سپاہ ایک دوسرے سے الگ ہوجاتے تو پھر وہ پوری فوج سے ولنگٹن پر جا پڑتا۔ یہ منصوبہ اول اول کامیاب ہوا۔ اس کی تیاریاں اس اخفا کے ساتھ ہوئی تھیں کہ ۱۵ جون کو وہ بالکل توقع کے خلاف سرحد سے پار ہوا اور اپنے سامنے سے بلجیم اور پروشیا والوں کو

باب چہارم

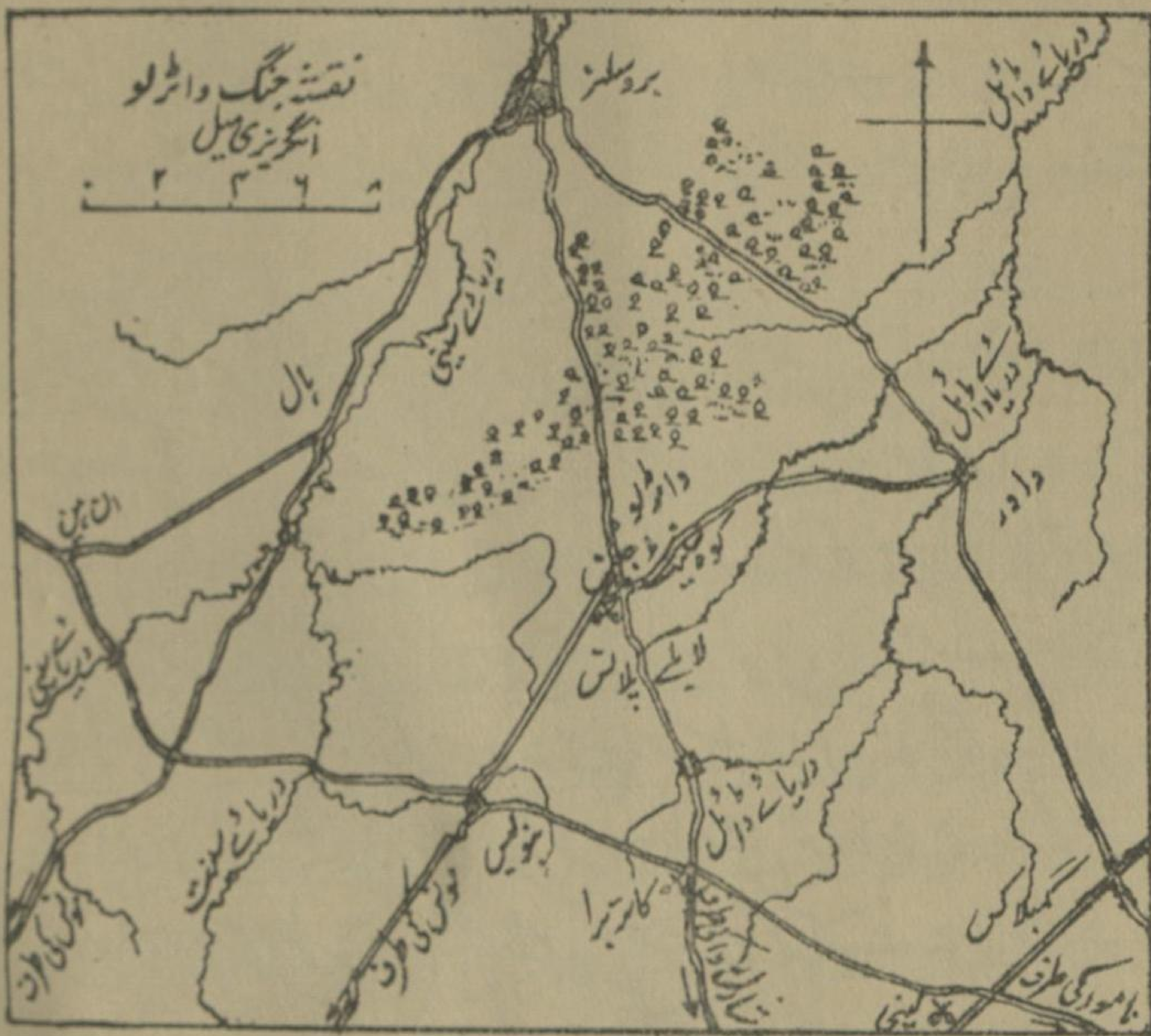
پیچھے دھکیل دیا۔ بلوشر و ولنگٹن طے کر چکے تھے کہ اگر نپولین، شارل روا کے راستے سے بڑھے تو وہ اپنے اپنے لشکر لیینی اور کاتر برا پر جمع کر لیں گے جو ایک دوسرے سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھے لیکن نپولین کی نقل و حرکت اتنی تیز ہوئی کہ ولنگٹن کی سپاہ وقت پر جمع نہ ہو سکی اور لڑائی کا سارا بار پروشیا والوں کو اُٹھانا پڑا اور حلیفوں سے کوئی مدد نہ ملی۔

لیینی اور کاتر برا کے معرکے

بہرحال، ۱۶ ویں جون کو نپولین نے اپنی دو تہائی سپاہ سے لیینی میں پروشیا والوں پر حملہ کیا۔ اور باقی ایک تہائی فوج دے کر نے کو بھیجا کہ کاتر برا کے مورچے چھین لے۔ نپولین کی تقدیر کی خرابی کہ دیرلون کا جیش متضاد احکام کی بنا پر، کسی حصے کو کارگر مدد نہ پہنچا سکا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گو پروشیا والوں کو دھکیل دیا گیا مگر وہ بالکل تباہ نہ ہوئے جیسی کہ نپولین کو توقع تھی اور اسی طرح نے عین وقت پر کمک نہ پا سکا تو ولنگٹن کے مورچوں کو فتح نہ کر سکا جہاں ہر گھنٹے فوج پر فوج چلی آ رہی تھی۔ رات کے وقت بلوشر، واوڑ کی طرف پسپا ہوا اور اُس وقت ولنگٹن تنہا رہ گیا۔ چنانچہ اگر نپولین ۱۷ ر کی صبح بہت سویرے سے کاتر برا پر پوری قوت سے حملہ کر دیتا تو انگریزوں کے حق میں بہت دردانگیز نتیجہ برآمد ہوتا۔ لیکن ولنگٹن نے بلوشر کے واوڑ پر پسپا ہونے کی خبر سنتے ہی خود بھی واٹرلو پہ ہٹنے کا حکم دے دیا جو واوڑ سے وہی نسبت رکھتا تھا جیسی کاتر برا کو لیینی سے تھی۔ اگرچہ واوڑ سے اس کا فاصلہ دس میل کا تھا۔ انگریز بہت ہی خوبی سے پسپا ہوئے اور شام ہوتے واٹرلو پر صفیں جما لیں۔ ادھر بلوشر کو موقع مل گیا کہ صبح ہی ان کی مدد کے لیے پہنچ جائے۔ ولنگٹن سے مدد کا جو وعدہ وہ کر چکا تھا، اُسے جس وفاداری سے اُس نے پورا کیا اس کی جتنی ستائش کی جائے کم ہے۔ مگر یہ سب باتیں نپولین کو معلوم نہ تھیں اور وہ سمجھ رہا تھا کہ

باب چہارم

پروشوی لشکر کا بڑا حصہ نامور میں ہٹ گیا ہے اور واوُر میں صرف



ایک حصہ باقی ہے سو اس کا بھی گروشی کو ۳۵ ہزار سپاہی دے کر وہ انتظام کر چکا تھا کہ یہ فوج ولنگٹن تک پہنچنے نہ پائے۔

میدان واٹرلو واٹرلو کی لڑائی جس میدان میں ہوئی وہ اونچا نیچا اور شارل روا سے مونس اور بروسلز آنے والی سڑکوں کے وار پار وہاں تک پھیلا ہوا ہے جس کے ذرا آگے یہ دونوں سڑکیں موضع مون سین ژان میں ایک دوسرے سے مل گئی ہیں۔ اسی موضع کی شمالی پہاڑی کے کنارے واوُر کا راستہ جاتا تھا۔ مغرب کی طرف ڈھلانوں کے پیٹے میں ہوگومون کا قصر تھا جس کے باغ وخیابان کوئی ۳۵۰ گز لمبے اور سو گز چوڑے چلے گئے تھے۔ اس کے آگے مشرق کی طرف، شارل روا کی سڑک پر لاہے سینت کا مقطعہ اور اس کی اور پاپ لوت کی کچھ عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ موقع کی خوبی یہ تھی کہ ان تینوں چوکیوں پر

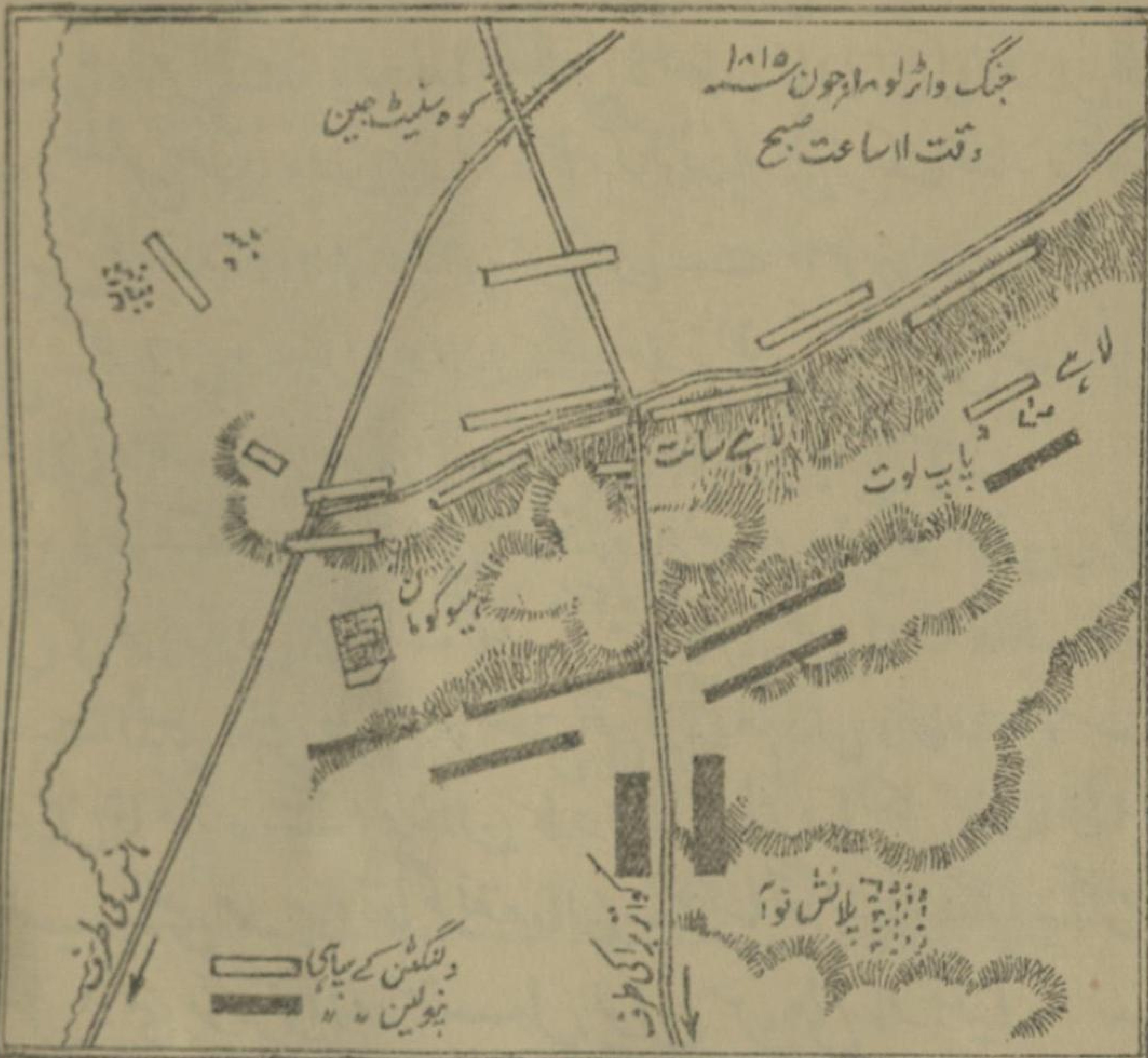
باب چہارم

ولنگٹن کے معقول دستے متعین تھے لیکن اصلی فوج پہاڑی کے عقب میں نظر سے اوجھل رکھی گئی تھی۔ سڑکوں کے باہم تقاطع سے بھی اُسے یہ فائدہ تھا کہ آسانی سے سپاہیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیج سکتا تھا۔ دوسرے فرانسیسی جس طرف تھے اُس سے زیادہ لمبا ڈھلان کا حصہ اتحادیوں کی زد میں تھا اور اس لیے ولنگٹن حملہ آوروں پر زیادہ کارگر گولہ باری کرسکتا تھا۔ ولنگٹن کے سپاہیوں کی تعداد ۶۱ ہزار تھی جن میں سے ۲۴ ہزار برطانی تھے۔ نپولین کے پاس ۷۱ ہزار جوان تھے اور فریقین کی صفیں شارل روا کے مشرق و مغرب میں کوئی ایک میل تک پھیلی ہوئی تھیں۔

دوپہر کے قریب لڑائی شروع ہوئی۔ ہوگومون پر حملہ ہوا اور اس کی عمارتوں میں آگ لگ گئی لیکن صحن اور احاطہ بند باغ کی مدافعت ایسی اچھی طرح ہوسکتی تھی کہ تمام دن اتحادی اس مورچے میں قائم رہ سکے اور ان کا دایاں بازو بالکل محفوظ رہا۔ دو بجے دائیں قلب پر بھی حملہ ہوا تھا مگر نقصان کے ساتھ پسپا کیا گیا۔ اگرچہ جنرل پکٹن زخمی ہوکر گرا اور جنرل پونسن بی مارا گیا۔ اب نپولین کو اطلاع ہوگئی کہ اس کے دائیں بازو پر کوئی فوج آرہی ہے۔ اول اول انھیں گروشی کا جیش خیال کیا گیا لیکن تھوڑی ہی دیر میں معلوم ہوگیا کہ وہ پروشیوی لشکر تھا۔ پھر ۴ بجتے بجتے ولنگٹن پر حملہ جاری رکھنے کا کام نے کے سپرد کر کے نپولین کو پروشیوں سے اپنا میمنہ بچانے پر پوری توجہ کرنی پڑی اور اس غرض کے لیے زاویۂ قائمہ کی صورت میں ازسرنو صفیں جمانی پڑیں کہ پہلا مورچہ ہاتھ سے نکلنے نہ پائے۔ مگر نپولین کے پلانش نو آجانے کے بعد نے فوج کو اچھی طرح نہ سنبھال سکا اور ۴ بجے سے ۶ بجے تک اتحادی سپاہ کے مربعوں پر نادانی سے مسلسل حملے کر کے اُس نے ساری فوج کا ناس کرا دیا۔ ۶ بجے کے قریب اتحادیوں نے لا ہے سینٹ کے مورچے جو پوری طرح مستحکم نہ کیے گئے تھے، اور گولہ باروت بھی

باب چہارم

کم رہ گیا تھا، انھیں چھوڑ دیا - اس سے فرانسیسیوں کو اتحادی سپاہ کے خاص قلب میں کیل کی طرح اندر گھسنے کا موقع مل گیا اور اسی وقت نپولین بھی یہاں آ پہنچا۔





باب چہارم

پلان نش نوا کی اس نے وہ مدافعت کی کہ یادگار رہے گی اور پروشوی لشکر کو مار کر ہٹا دیا۔ بایں ہمہ کامل فتح حاصل کرنے کا امکان نہ تھا البتہ امید تھی کہ اگر ولنگٹن کا قلب لشکر پیچھے دھکیل دیا جائے تو فرانسیسی واپس جا سکتے اور پھر جنگ جاری رکھنے کا سامان کر سکتے ہیں۔ مگر لاہے سنیت کی پیش قدمی کو جاری رکھنے کی بجائے نپولین نے پاسبان سپاہیوں کے دو دستے آگے بھیجے کہ ہوگومون اور لاہے سنیت کے درمیان اتحادی صفوں پر ضرب لگائیں۔ اس کے لئے ولنگٹن بخوبی تیار تھا کیونکہ پروشوی لشکر کے آجانے سے اسے بازو کی فوجیں سمیٹ کر وسط میں لانے میں کوئی دشواری نہ رہی تھی۔ غرض فرانسیسی حملہ بالکل ناکام رہا۔ دائیں دستے پر جنرل میٹ لینڈ نے یورش کی اور بائیں پر کول بورن کی فوج نے (جواب اوکسفورڈ شہر کی دوسری پلٹن کہلاتی ہے) یہ فوج فرانسیسی حملہ آوروں کے بازو پر آگئی تھی اور عرصے تک گولیاں چلانے کے بعد سنگینیں لے کر جا پڑی۔ ادھر تو اس حملے کی ناکامی سے ولنگٹن کی صفیں توڑنے کی امید خاک میں مل گئی اور ادھر عین اسی وقت پروشوی لشکر پھر جھپٹا اور پلانش نوا نیز شارل روا کی سڑک پر قابض ہو گیا۔ اب نپولین کی فوجیں دونوں طرف سے گھر گئیں۔ پسپائی کا راستہ باقی نہ رہا۔ توپیں اور گولہ باروت دشمن کے ہاتھ آگیا۔ مختصر یہ کہ اس کے بہت کم سپاہی تھے جنھیں اس معرکے کے بعد ہتھیار لگانے نصیب ہوئے ہوں گے۔

پیرس پہنچ کر نپولین اپنے بیٹے کے حق میں سلطنت سے دست بردار ہو گیا لیکن سب کو خیال تھا کہ خاندان بوربون کی بحالی ضروری ہے۔ چنانچہ اتحادی سنگینوں کی حمایت میں لوئی ہجدہم دوبارہ پیرس میں داخل ہوا۔ خود نپولین روش فور بھاگ آیا اور برطانیہ کے شہزادہ نائب السلطنت کے رحم و کرم کے بھروسے پر برطانی جنگی جہاز بلیرو فون پر چلا آیا۔ لیکن ایلبا سے فراری کے بعد اب دوبارہ رعایت کرنا بالکل بیجا ہوتا۔ لہذا اس معزول فرماں روا کو سنیٹ ہلینا کے صحت بخش اور خوبصورت جزیرے میں جلاوطن کر دیا گیا۔ وہاں اس کی پوری نگہبانی کی جاتی تھی اور وہ سنہ ۱۸۲۱ء میں وہیں فوت ہوا۔

باب چہارم

واٹرلو کے بعد سب کو اعتراف تھا کہ فرانس کو نپولین کے دوبارہ بادشاہ بنانے کی کچھ نہ کچھ سزا ملنی چاہیے۔ چنانچہ طے ہوا کہ فرانس کے شمالی اضلاع پانچ سال تک، امیر کبیر ولنگٹن کے ماتحت اتحادیوں کی ڈیڑھ لاکھ سپاہ کے قبضے میں رہیں اور ان کی خوراک اور تنخواہوں کا خرچ فرانس برداشت کرے۔ دو کروڑ اسی لاکھ پونڈ کا تاوان بھی عاید کیا گیا اور سرحدوں پر، خصوصاً شمال کی طرف بہت سی جزوی ترمیمیں کر دی گئیں کہ آیندہ فرانس کو حملہ کرنے کی جرأت کم ہو۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ فرانسیسیوں کو مجبور کیا گیا کہ فنونِ لطیفہ کی وہ سب یادگاریں اپنے اصلی مالکوں کے حوالے کر دیں جو نپولینی محاربات میں قریب قریب ہر یورپی پایۂ تخت سے اڑالی گئی تھیں۔ اور شاید دوسری سب شرطیں مل کر اس قدر شاق نہ تھیں جس قدر یہ شرط فرانسیسیوں کو ناگوار گزری۔

دینی اتحاد

یہ اسی زمانے کا ذکر ہے جب کہ اتحادی پیرس میں پڑاؤ ڈالے پڑے تھے کہ زار الگزنڈر کو ایک دینی اتحاد (= "ہولی الائنس") قائم کرنے کی سوجھی۔ یہ روس، پروشیا اور آسٹریا کے تاجداروں میں قائم ہوا۔ شرکائے اتحاد نے اپنا قصد ظاہر کیا کہ وہ اپنے اندرونی انتظامات اور بیرونی تعلقات میں مسیحیت کے اصول کی پیروی کریں گے۔ اور ان تین امور کے پابند رہیں گے: (۱) دین، انصاف اور امن کی خاطر ایک دوسرے کی اعانت کریں گے۔ (۲) اس بات کو یاد رکھیں گے کہ انھیں قضا و قدر کی طرف سے ایک ہی ملت مسیحی کی تین شاخوں کی حکمرانی پر مامور کیا گیا ہے۔ (۳) دوسری دول کو بھی جو ان اصول کی پابند ہو جائیں، اتحاد میں داخل کریں گے۔ لیکن ان خوشنما الفاظ کی تہ میں درحقیقت ایک جتھا قائم کرنا مقصود تھا کہ انقلاب فرانس کے خیالات کی اشاعت کو روکا جائے اور مطلق العنان بادشاہوں کو رعایا کی شورش و سرکشی سے محفوظ کر دیا جائے۔ آگے چل کے خود فرانس اس اتحاد میں شریک ہوا لیکن امیر کبیر ولنگٹن نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں برطانی پارلیمنٹ اتحاد کے مقاصد کا زیادہ صحت کے ساتھ تعین چاہے گی اور کاسل ری نے صاف کہہ دیا کہ ہم اس اتحاد سے کوئی واسطہ رکھنا نہیں چاہتے۔

باب چہارم

امن و صلح کے نئے دور پر نظر ڈالنے سے قبل مناسب ہوگا کہ یہاں ۱۸۱۶ء کے ایک اور بحری معرکے کا ذکر کر دیا جائے۔ یہ الجزیرہ یا الجزائر کی مشہور گولہ باری تھی جو لارڈ ایکس متھ کے ماتحت برطانی اور ولندیزی بیڑے نے مل کر کی الجزائر مدت سے بحری قزاقی کا مامن بنا ہوا تھا اور یہ بھی خبر تھی کہ وہاں والوں پاس بہت سے مسیحی غلام ہیں۔ اسی پر تہیہ کیا گیا کہ انھیں نجات دلائی جائے اور اگست ۱۸۱۶ء میں لارڈ ایکس متھ نے مطالبہ پیش کیا اور انکار ہونے پر شہر پر گولے برسائے۔ رات ہونے سے قبل طرفین کا کافی نقصان ہو چکا تھا اور اگر زیادہ دیر لڑائی جاری رہتی تو یہ کہنا مشکل ہے کہ جہاز والے مقابلے میں ٹھیرے رہتے۔ لیکن شہر والوں کو اس نقصان کی جو انھوں نے دشمن کو پہنچایا تھا، خبر نہ ہوئی اور جہازوں کی تیز و تند گولہ باری سے خود گھبرا کر انھوں نے صلح پر آمادگی ظاہر کی۔ کل ۱۲۱۱ قیدی رہا ہوئے۔ دوسرے اس سبق کی بدولت الجزائر کے بحری قزاق مرعوب ہو گئے یہاں تک کہ ۱۸۳۰ء میں یہ پورا ملک ہی فرانسیسیوں کے قبضے میں آگیا۔

بحری قوت اور استعمار

نپولین کے محاربات کے خاتمے پر عین مناسب ہوگا کہ ۱۸۱۵ء کی سلطنت برطانیہ کی حالت پر تنقیدی نظر ڈالی جائے انقلاب فرانس کی لڑائیاں شروع ہونے سے قبل صرف یہ بیرونی علاقے برطانیہ کے قبضے میں تھے:۔ جبل الطارق، سیرالیون اور ساحل افریقہ کی چند بستیاں۔ کناڈا، جمیکا، چند اور جزائر غرب الہند۔ ہندوستان کے چند اضلاع اور نیو ساؤتھ ویلز کی ایک چھوٹی سی بستی۔ سمندر کا اقتدار، جو ان بعید مقبوضات سے رسل و رسائل اور نیز تجارت کے لئے لازمی ہے، وہ بھی دوسری استعماری دول یعنی فرانس، اسپین اور ہولینڈ کے زبردست بیڑے ہونے کے باعث مخدوش تھا۔ مگر آئندہ جنگ میں یہ سب بیڑے تباہ ہو گئے، اور ہولینڈ و اسپین کو تو پھر کبھی کوئی قابل لحاظ بیڑا بنانا نصیب ہی نہ ہوا۔ ان بیڑوں کے ٹوٹ جانے کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ برطانیہ نے ان ملکوں کے جن مقبوضات پر چاہا، خود قبضہ کر لیا اور نیز ان سب جنگی مواقع پر جنھیں کارآمد سمجھا مضبوطی سے قدم جما لئے۔ بحر متوسط میں مالٹا پر قبضہ ہو گیا اور اگر برطانی مدبروں کو قدر ہوتی

باب چہارم

تو منورکا اور وہاں کی شاندار بندرگاہ ماہون بھی انگریزوں کے قبضے میں آجاتی۔ افریقہ میں راس امید کی نوآبادی اور موری شس ہاتھ آئے۔ ایشیا میں بڑے بڑے علاقوں پر قبضہ ہوا اور کئی لڑائیاں کامیابی سے لڑیں جن کے دوران میں (۱۷۷۸ء تا ۱۷۸۲ء کی طرح) اُسے فرانسیسی بیڑے کی موجودگی کا کوئی دغدغہ نہ ہوا۔

سیاسی فرقوں کی کشمکش

جنگ ختم ہوئی تو وزرا کو مسائل امن کی طرف توجہ کرنی پڑی پارلیمنٹ کے سیاسی فرقوں کی کشمکش جنگ کی بدولت دب گئی تھی اب وہ پھر تازہ ہو گئی۔ دارالامرا میں لورپول، الڈن، گرین ویل اور گرے نمایاں تھے امیر لورپول (وزیر اعظم) خاموش و محتاط آدمی تھا۔ اس میں فصاحت سے بڑھ کر موقع شناسی اور سیاست دانی سے زیادہ علمی قابلیت تھی لیکن کامیابی کا بڑا سبب اس کی دیانت اور دوسروں سے مشترکہ کام کرا لینے کی مہارت کو سمجھنا چاہیے۔ جارج سوم کا منظور نظر صدر اعظم لارڈ الڈن عموماً اپنے زمانے کے ٹوری خیالات کا نمونہ سمجھا جاتا تھا جن کے نزدیک ہر قسم کی اصلاح ملک کے آئین کے حق میں خطرناک اور اس لیے قابل مخالفت تھی۔ چنانچہ اس کی نسبت یہ فقرہ کہا گیا تھا کہ "کبھی کوئی تحریک خود نہیں کرتا اور ہمیشہ دوسروں کی تحریک کی مخالفت کرتا ہے"۔ وہ عمدہ قانون داں تھا مگر سیاسیات میں نہایت تنگ نظر واقع ہوا تھا۔ لارڈ گرین ویل، معاملاتِ خارجہ میں پٹ کا دست راست رہا لیکن اب تمام سیاسی فرقوں سے الگ، مغرور بے مروت سا آدمی ہو گیا تھا جو موقع شناسی سے عاری اور بہت کم اثر رکھتا تھا۔ لارڈ گرے فوکس کا جانشین اور بغیر کسی خاص ذہانت کے، وھگ فرقے کا رسمی سرگروہ مانا جاتا تھا۔

دارالعوام کے ممتاز ارکان

دارالعوام کے سب سے مشہور افراد کاسل ری کیننگ بروم، ہورنر، رومیلی، اور نوجوان ارکان میں لارڈ جان رسل اور لارڈ پامرسٹن تھے۔ ان میں روبرٹ اسٹوارٹ لارڈ کاسل ری ۱۷۶۹ء میں پیدا ہوا اور قطعاً سب سے زیادہ بااثر رکن تھا۔ بیرونی معاملات میں وہ یورپ کے سب سے بڑے تاجداروں کے پہلو بہ پہلو شریک

باب چہارم

بحث و مشاورہ رہا اور محض اپنی کردار کی خوبی اور استقامت کی بدولت غیر مصافی افراد میں سب سے بڑھ کر نپولین کے زوال کا باعث ہوا۔ نظر براین اس کی توقیر بہت کچھ بڑھ گئی اور ذاتی دیانت و حب وطن کی بنا پر بھی دارالعوام میں نہایت محترم ہو گیا۔ اگرچہ خطیب نہ تھا تاہم اُس کی تقریریں ہمیشہ غور سے سنی جاتیں کیونکہ جو کچھ کہتا، سمجھ کر کہتا تھا۔ خانگی زندگی میں وہ نہایت نیک دل اور خوش مزاج آدمی تھا۔ مگر عام پسند خیالات اسے پسند نہ تھے اور گو جن لوگوں کے ساتھ یورپ میں کام کیا، اُن کے مقابلے میں وہ یقیناً آزاد خیال تھا، تاہم انگلستان میں اسے مغرور طبقۂ امراہی کا نمونہ سمجھا جاتا تھا۔ کاسل ری کے برعکس کیننگ تھا۔ ۱۷۷۰ء میں پیدا ہوا۔ ایٹن و آکسفرڈ میں نہایت ممتاز طالب علم رہ کر اسے سیاسی دنیا میں داخل کیا گیا اور اُس نے اپنے سرپرست کی نہ صرف دارالعوام اور سرکاری ملازمت میں، بلکہ اینٹی جیکوبن نامی جریدے میں گروہِ اختلاف کی ہجویں لکھ لکھ کر بھی بہت کچھ خدمت کی۔ کاسل ری میں جن باتوں کی کمی تھی، وہ سب اس میں بدرجۂ نمایاں موجود تھیں۔ یعنی تیز طرار، فصیح البیان، بذلہ سنج تھا۔ مگر دارالعوام والوں کا خیال تھا کہ وہ جاہ طلب ابن الوقت آدمی ہے اور اس کی دل پسند تقریریں اصلیت سے خالی ہوتی ہیں۔ اس خیال کو کیننگ مدۃ العمر دور نہ کر سکا۔ مگر باہر لوگوں میں وہ زیادہ مقبول تھا کیونکہ اپنے مدمقابل کی نسبت کہیں زیادہ اصلاحی خیالات کا موید سمجھا جاتا تھا۔ حکومت کی نکتہ چینی کا کام زیادہ تر ہینری بروھم انجام دیتا تھا۔ اس عجیب سیاست داں کی نسبت مشہور تھا کہ اپنے عہد کا سب سے فاضل اور عالی دماغ مدبر ہے مگر پارلیمنٹ میں اس کی شہرت شاہی مجلس کے حکمناموں کی مخالفت کے باعث ہوئی اور ۱۸۰۸ء میں اُس نے دارالعوام کی عدالت کے سامنے بہ حیثیت وکیل ان حکمناموں کی مخالفت کی۔ اس کے بعد سے وہ سرکاری کارروائیوں کی مخالفت میں پیش پیش ہو گیا۔ بروھم کے ساتھ فرانسس ہورنر تھا جو وزارت میں کبھی نہیں آیا مگر اپنے عہد کا سب سے لائق ماہر مالیات مشہور ہو گیا اور ۱۸۱۷ء میں ۳۸ سال کی عمر میں مرا تو ملک کا بڑا نقصان ہوا۔ سر ہیمیول رومیلی، گرین ویل کی وزارت

میں مشیر قانونی تھا۔ پارلیمنٹ میں آزاد رکن بن کر داخل ہوا اور بہت جلد جلد فرقوں میں محترم مانا جانے لگا۔ اس کی خاص توجہ تعزیری قوانین کی سنگین سزائیں کم کرنے پر رہی اگرچہ دوسرے مسائل میں بھی وہ وہگوں کی طرف بہت پُروزن تقریریں کرتا تھا۔ وہگوں کا رسمی سرخیل جارج پونسن بی تھا جو ایک زمانے میں آئرستان کا صدر اعظم رہا لیکن اس فرقے کے درخشاں رہبر بروم، ہورنر اور رومیلی ہی کو سمجھنا چاہیئے؛

جنگ ختم ہونے پر جو مسائل لورپول کی وزارت کے سامنے آئے وہ ہر وزارت کے لئے کافی دشوار تھے۔ امن کو فلاح کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے لیکن اس کے برخلاف اب وہ مزید مصائب ساتھ لایا اور ملک کا کوئی پیشہ ایسا نہ رہا جس کے افراد تنگ حالی کی شکایت نہ کرتے ہوں۔ تجارت کی سرد بازاری کے بڑے بڑے سبب چھ تھے:۔ (۱) فوجی اور بحری ساز و سامان کی مانگ کا رک جانا، خصوصاً اول الذکر کا۔ (۲) ممالک یورپ میں صنعت و حرفت شروع ہو جانے اور دوسرے وہاں کے لوگوں کے مفلس ہو جانے اور قوت خریداری کے گھٹ جانے سے وہاں برطانی مال کی درآمد کم ہو گئی۔ (۳) بینک انگلستان نے نقد رقوم ادا کرنی موقوف کر دیں اور چونکہ کچھ یقین نہ تھا کہ یہ سلسلہ کب دوبارہ جاری ہوگا، لہٰذا ساہوکاری میں بڑی بے ربطی اور گڑبڑ ہو گئی (۴) دستکاری کی بجائے کلوں کا فروغ، کہ ہر چند نئے کارخانوں میں مزدوروں کی مانگ زیادہ ہو گئی تاہم وہ لوگ جو پرانے طریق پر دستکاری کے عادی تھے، ان میں اُس وقت تو بے روزگاری کی سخت مصیبت پھیل گئی (۵) جنگ کے وقت سے غلے کی تجارت میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ اور (۶) بھاری بھاری محاصل؛ ان میں سے پہلے دو کا تو ظاہر ہے کہ حکومت کوئی سدباب نہ کر سکتی تھی۔ تیسرے کے متعلق مناسب وقت کا انتظار تھا کہ جب حالات مساعد ہوں گے، یہ سبب خود بخود دور ہو جائے گا۔ چوتھے کی اصلی وجہ جہالت تھی اور تعلیم کی اشاعت اس کا علاج تھا۔ پانچویں کی نسبت ارباب سیاست سمجھتے تھے کہ نئے قوانین کے زور سے اصلاح ممکن ہے؛

فرقۂ لڈّی

واضح رہے کہ کلوں کو توڑنے کا خبط بہت پہلے یعنی سنہ ۱۸۱۱ء ہی سے پیدا ہو گیا تھا۔ جو لوگ ہاتھ سے جرابیں بنتے اور اسی کی روٹی کھاتے تھے، انھیں یہ یقین دلانا مشکل تھا کہ کلوں کی بدولت آگے چل کر پوری قوم کا فائدہ ہوگا۔ انھیں تو اس وقت سب سے پہلے اپنا نقصان نظر آتا تھا۔ چنانچہ نوٹنگ ہم شہر کے دستی بننے والوں نے انھی شکایات کو واجبی سمجھ کر باقاعدہ یہ کوشش شروع کی کہ بننے کی کلیں، جن کا رواج ہوا تھا، توڑ دی جائیں۔ ایک نیم مجنون نوجوان لڈ نے ایک مرتبہ جذبے میں آکر ایک کل توڑ دی تھی، لہٰذا اسی کے نام پر ان لوگوں نے اپنے تئیں لڈّی موسوم کیا۔ چونکہ کلوں کے توڑ دینے میں نہ زیادہ آواز ہوتی تھی نہ زیادہ وقت لگتا تھا، لہٰذا ان لوگوں کو اس حرکت سے روکنا نہایت دشوار ہو گیا تھا۔ چنانچہ کئی بار ایسا ہوا کہ چند گز کے فاصلے پر پہرہ دینے والے سپاہی کھڑے ہی رہے اور کلوں کے جو کھٹے توڑ دیے گئے۔ یا تھوڑی دیر کو قابو مل گیا اور لڈیوں نے پورے گاؤں کے جو کھٹے توڑ ڈالے۔ بننے کی کلوں پر جو اعتراض تھا، وہی ظاہر ہے کہ کھلیان کی کلوں پر ہو سکتا تھا جن سے زرعی مزدوروں کو یہ دیکھ کر دشمنی ہو گئی کہ جو کام وہ پورے جاڑوں میں کرتے تھے، وہ ان کلوں نے چند روز میں کر کے دھر دیا۔ غرض رفتہ رفتہ ہر قسم کی نئی کلوں کے رواج سے مخالفت شروع ہوئی اور سنہ ۱۸۱۵ء میں شہر و دیہات ہر جگہ "کل شکنی" ہونے لگی۔

اس قسم کی عام تحریک کے خلاف جور و جبر کچھ کام نہ دے سکتا تھا اور قرینہ کہتا ہے کہ یہ سلسلہ سب سے پہلے ولیم کوبیٹ کی سیدھی سادی دلیلوں کی بدولت کارگر طریق پر رکا۔

ولیم کوبیٹ

یہ نامی آدمی سنہ ۱۷۶۲ء میں پیدا ہوا۔ ابتدا میں اس کا پیشہ "پرندے ہنکانا" تھا اور آخر میں دارالعوام کی رکنیت تک ترقی کر گیا۔ اسے انگلستان و امریکہ دونوں جگہ کی معاشرت کا بہت کچھ تجربہ تھا۔ صاف ستھری زبان پر بڑی قدرت رکھتا تھا اور مشق و مزاولت نے اسے اور بھی ترقی دی تا آنکہ سنہ ۱۸۱۵ء میں وہ اپنے عہد کا یقیناً سب سے بہتر اخبار نویس ہو گیا۔ سنہ ۱۸۰۲ء میں اس نے "ہفتہ وار

باب چہارم

سیاسی رجسٹر" جاری کیا اور اس میں ٹوری حکومت کی شد و مد سے خبر لینی شروع کی۔ پھر یہ دیکھکر ایک شلنگ قیمت ہونے کے باعث اخبار کی اشاعت کم ہے اور عوام الناس تک بالکل نہیں پہنچتا، اس نے گھٹا کر قیمت دو آنہ (۲ پینی) کردی۔ اس نئی شکل میں اخبار نومبر ۱۸۱۶ء سے جاری ہوا۔ یہ واقعہ بڑی سیاسی اہمیت رکھتا ہے۔ کوبیٹ کا خاص موضوع یہ تھا کہ کلوں کے توڑنے سے کچھ فائدہ نہیں، پارلیمنٹ کی اصلاح ہونی چاہیے۔ مزدور پیشہ طبقوں کو جہاں تک ممکن تھا تشدد کے طریقے اختیار کرنے سے، اس نے روکا تعلیم کی ترغیب اور یہ امید دلائی کہ پارلیمنٹ کی اصلاح آیندہ فلاح و بہتری کی اصلی اساس ہے۔

زراعت

مگر کلوں کے توڑنے کے قضیے سے قطع نظر، زراعت کی حالت ملک میں بہت تشویش انگیز ہو گئی تھی۔ ۱۶۷۰ء سے ایک قانون نافذ العمل تھا کہ جب تک انگلستان کا غلہ بہت ہی گراں نہ ہو جائے اس وقت تک بیرونی غلہ ملک میں نہ آنے پائے۔ یہ تدریجی پیمانے کے اصول پر وضع کیا گیا تھا اور جب تک گیہوں ۵۳ شلنگ (فی کوارٹر) نہ پہنچ جائے اس وقت تک درآمد کی اجازت نہ تھی۔ اس حالت میں محصول ۱۶ شلنگ اور پھر اونچے نرخ پر کم ہوتا چلا گیا تھا حتیٰ کہ ۵۲ شلنگ ہونے پر کوئی محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ ۱۸۰۴ء میں کمی کی حد ۵۳ شلنگ کی بجائے ۶۶ شلنگ (فی کوارٹر) مقرر کی گئی۔ جنگ کے زمانے میں گیہوں کے نرخ میں بہت کمی بیشی ہوتی رہی۔ ۱۷۹۳ء سے قبل شاذ و نادر ہی یہ نرخ ۵۰ شلنگ سے اوپر جاتا تھا اور اس کے معنی یہ تھے کہ ملک کو بیرونی غلے کی مطلق ضرورت نہ پڑتی تھی۔ لیکن جنگ کے زمانے میں قیمتیں ایسی چڑھیں کہ ایک سو چھتیس شلنگ تک پہنچ گئیں اور اوسط نرخ ہی ایک سو بیس رہا۔ اس گرانی کا ایک سبب تو کاغذی زر کا رواج تھا۔ ایک یہ کہ فصلیں خراب ہونے کی کمی باہر کے مال سے پوری کی گئی مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ صنعتی آبادی میں بہت تیز اضافہ ہوا جس سے روٹی کی مانگ بڑھ گئی۔ اس گرانی کی بدولت وہ ادنیٰ درجے کی اراضی جن کی پیداوار سے پہلے کوئی فائدہ نہ ہوتا، اب زیر کاشت آگئیں۔

دوسرے شاملات کی اراضی کی حفاظت کا پہلے سے زیادہ اہتمام کیا جانے لگا۔ نئی کاشت میں آنے والی زمینوں کے لئے ہل چلانے والے مزدوروں کی بھی مانگ زیادہ ہوگئی؛ جب جنگ ختم ہوئی تو بیرونی پیداوار سے پھر مقابلہ شروع ہوجانے کے باعث یہ صریحی بات تھی کہ غلے کی اوسط قیمت گرجائے۔ لیکن ایسا ہونے کی صورت میں اراضی کی لگان کم ہونا، نو کاشت زمینوں کا خالی پڑا رہ جانا اور زرعی مزدوروں کا بیکار ہوجانا بھی یقینی تھا؛

غلے کے نئے قوانین

اسے روکنے کی غرض سے غلے کے قانون میں یہ ترمیم کی گئی کہ جب تک برطانی غلے کا نرخ ۶۳ شلنگ سے نہ بڑھے اس وقت تک برطانی مقبوضات سے اور جب تک اسی شلنگ فی کوارٹر نہ پہنچ جائے، اس وقت تک ممالک غیر سے غلے کی برآمد کی اجازت نہ دی جائے۔ اس قانون سے توقع تھی کہ نرخ کا اوسط اسی شلنگ کے قریب رہے گا جو قبل جنگ اور بعد جنگ کی قیمت کے بین بین اور بظاہر تاجروں اور استعمال کرنے والوں، دونوں کے لئے معقول تھا۔ نیز امید تھی کہ پھر قیمتوں میں آئے دن اتار چڑھاؤ نہ ہونے پائے گا۔ مگر بروم اور ہورنر جنھوں نے ان تجاویز کی شدید مخالفت کی، بانگ دہل کہتے تھے کہ حکومت کی یہ دونوں امیدیں باطل ثابت ہوں گی۔ اور افسوس ہے کہ انھی کا خیال صحیح نکلا۔ غلے کی قیمت چڑھ جانے کی امید پر لوگوں نے زراعت میں اتنا روپیہ لگا دیا کہ گو اول اول نرخ گراں ہوا تھا، لیکن پھر برابر گرتا چلا گیا۔ ۱۸۱۵ء میں فصل اچھی تھی، اوسط نرخ ۶۳ شلنگ تھا۔ ۱۸۱۶ء میں فصل خراب ہوئی، نرخ ۹۶ شلنگ تک بڑھا اور ممالک خارجہ سے مقابلہ شروع نہ ہوتا تو اور چڑھ جاتا لیکن اسی شلنگ قیمت ہوتے ہی بیرونی غلے کی درآمد شروع ہوئی اور پھر نرخ برابر کم ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ ۱۸۲۲ء میں ۴۵ شلنگ فی کوارٹر رہ گیا۔ یہ صورت کاشتکار اور خریدار دونوں کے حق میں مضر تھی۔ کاشتکاروں کو لگان تو پہلے پٹے کے مطابق دینا پڑتا تھا اور پیداوار کی قیمت کا کچھ ٹھیک نہ رہا تھا اور ادھر خریداروں کو بری فصل کے سال میں بہت مہنگا غلہ خریدنا پڑتا تھا حالانکہ مقابلہ بے روک ہوتا تو یہ گرانی نہ ہونے پاتی۔

باب چہارم

تجربے نے بتا دیا ہے کہ سامانِ رسد کی فراہمی جس قدر محدود و تنگ رقبے سے ہوگی، اسی قدر سال بہ سال نرخ میں کمی بیشی کا زیادہ احتمال رہے گا۔ بخلاف اس کے بیرونی مقابلے سے نرخ، اگرچہ کم رہتا ہے لیکن خاصی طرح مستقیم ضرور ہوتا ہے؛ الغرض، نئے قانونِ غلہ سے کوئی فریق بھی خوش نہ ہوا۔ زمینداروں کو من مانی لگان نہ مل سکی۔ کاشتکاروں سے لگان ادا نہ ہوا، دوالے نکلنے لگے۔ زراعتی مزدور بے روزگار ہو گئے اور بری فصل کے سال، شہر والوں کو معلوم ہوا کہ قیمتیں خواہ مخواہ بڑھائی جا رہی ہیں؛

عام بلوے

لوگوں پر ایسی بری بن رہی تھی کہ اس زمانے میں اگر حکومت کے خلاف ہنگامے نہ ہوتے، تو تعجب تھا۔ لیکن بلووں کا بہت کم اور معمولی طور پر ہونا بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ اہلِ ملک کے مزاج میں باقاعدگی آگئی تھی اور وہ حصولِ مقاصد کے لیے آئینی طریقوں پر زیادہ بھروسا کرنے لگے تھے ان بلووں کا تذکرہ کرنے میں بڑا اندیشہ یہ ہے کہ کہیں ان کی اہمیت بڑھی چڑھی نظر نہ آنے لگے۔ حالانکہ سب سے بڑا بلوہ ایلی کے قریب لٹل پورٹ میں واقع ہوا جہاں خوراک اور کام نہ ملنے سے مزدوروں میں ہیجان پیدا ہوا اور ۱۸۱۶ء میں وہ آمادۂ فساد ہو گئے۔ قبل اس کے کہ منتشر کئے جا سکیں، انھوں نے بہت کچھ مالی نقصان کیا؛ دوسرا بلوہ جس کا براہِ راست حکومت سے تعلق تھا سپا فیلڈز میں ہوا جہاں آدھے درجن اشخاص نے، جو کوئی وجاہت نہ رکھتے تھے، مٹھی بھر آدمیوں سے لندن کے قلعے پر حملہ کیا۔ ان کے سرغنوں میں تھسل وڈ بھی تھا جس کی آئندہ کیٹو اسٹریٹ کی سازش میں کافی تشہیر ہوئی۔ راستے میں بلوائیوں نے بندوق سازوں کی دکانیں لوٹ کر اسلحہ بہم پہنچا لئے مگر امیر بلد (مینشن ہوڈ) شیرف اور کوتوالی کے چھ جوانوں کو آتا دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے؛ جون ۱۸۱۷ء میں سو کے قریب جاہل آدمی ہینٹ رج (نزد ایمبر گیٹ) سے چلے کہ ناٹنگھم پر قبضہ کرلیں۔ بے شبہہ ان کو اولی ور نامی ایک سرکاری جاسوس نے اغوا کیا تھا اور یہ جھوٹی کہانیاں سنائی تھیں کہ ڈیڑھ لاکھ آدمی لندن پر

ٹوٹ پڑنے والے ہیں اور اس کے علاوہ "شمالی دل بادل" بھی جو جدھر جائے گا، صفایا کرتا چلا جائے گا۔ یہ جہلا اپنی چڑھائی کو کھیل سمجھ رہے تھے اور انھیں امید دلائی گئی تھی کہ سوا اشرفی فی کس تو ضرور ہاتھ آ جائے گی۔ ناٹنگہم سے چند میل پر ایک ناظم عدالتِ فوجداری، روس ٹن بیس فوجی سوار لیکر آ پہنچا اور انہیں دیکھتے ہی بلوائی سر پر پاؤں رکھکر بھاگے؛ ان ہنگاموں کے ساتھ ساتھ یہ تحریک بھی جس پر مطلق اعتراض نہیں ہو سکتا، عمل میں آئی کہ لینکا شہر کے بعض بے روزگار پیشہ وروں نے مل کر لندن تک جانے کا اور نائب السلطنت کے حضور میں اپنا معاملہ پیش کرنے کا تہیہ کیا۔ یہ لوگ مانچسٹر سے روانہ ہوئے۔ رات کو اوڑھنے کے لئے ہر شخص کے پاس ایک کمل تھا اور اسی لئے "کمل والے" کہلانے لگے۔ مگر ڈاربی شہر سے آگے کوئی بھی نہ پہنچ سکا؛ اسی طرح لوخ برو کے مزدوروں کی ایک ٹکڑی کوئلے کا ٹھیلا لیکر بارنیٹ تک آئی جہاں لوگ اُن سے ملے اور کوئلا خرید لیا تو یہ غریب اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

جس ادنیٰ پیمانے پر یہ فساد ہو رہے تھے، انھیں دیکھکر ایک بے پروا مشاہد یہ نتیجہ نکال سکتا تھا کہ گو لوگوں میں بہت کچھ پریشانی ہو لیکن کسی انقلاب کا اندیشہ نہیں ہے۔ مگر انقلاب فرانس کو زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا اور اسی لئے ٹوری حکومت واقعات کو صحت کے ساتھ دیکھنے سمجھنے کی عقل نہ رکھتی تھی بلکہ ذرا ذرا سی بات پر سازش و بغاوت کا شبہہ کرنے لگتی تھی اب جو ۱۸۱۷ء میں شہزادۂ نائب السلطنت پارلیمنٹ کا افتتاح کرنے آیا اور اس کی گاڑی کو بکتے جھکتے بلوائیوں نے گھیر لیا، تو سدمتھ تیار ہو گیا کہ لزوم تحقیقات محبوس کے قانون کو معطل کر دیا جائے۔ اس کی رونمائی وزیر داخلہ نے کی تھی جسے کامل یقین تھا کہ اس وقت کے خطرات سر پر تلے ہوئے ہیں۔ اس کارروائی کے بعد ہی ایک گشتی جاری کی گئی اور فوجداری حاکموں کو اختیار دیا گیا کہ جن لوگوں پر اہانت آمیز تحریریں شائع کرنے کا یقین ہو اُن کو حراست میں لے لیں۔ اس کا اصلی مقصد اُن جملہ تحریروں سے تھا جو حکومت کے خلاف لکھی جائیں۔ قانون لزوم تحقیقات معطل کرنے کی، ظاہر ہے کہ وِھگوں نے مخالفت کی مگر ان کی کچھ نہ چلی۔ البتہ

لارڈ سڈ منتھ کی اس گشتی کو خلافِ قانون ثابت کرنا کچھ دشوار نہ تھا اور آخر اُسے منسوخ کرنا پڑا۔ حکومت کو ولیم ہون کے معاملے میں بھی شکست ہوئی۔ یہ ایک کتب فروش تھا اور اس نے نماز و مناجات وغیرہ مذہبی تحریروں کے رنگ میں حکومت کی کئی ہجویں لکھیں اور شائع کی تھیں۔ حکومت نے اس کے خلاف مقدمہ چلایا اور الزام یہ لگایا کہ وہ دینِ مسیح کا استہزا کرتا ہے۔ مگر اُس نے بلا دقت ثابت کر دیا کہ اسی قسم کی تحریریں کیننگ وغیرہ بعض مشہور اشخاص نے لکھیں اور ان پر کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ پس وہ چھوڑ دیا گیا۔ اس موقع پر اگر فوکس کا قانون ازالۂ حیثیت عرفی موجود و نافذ نہ ہوتا تو جوری کو اُسے اشاعت کا مجرم قرار دینا پڑتا اور عدالت اس اشاعت کو اہانت آمیز قرار دے دیتی۔ قانونِ ہے بیس کی معطلی کے زمانے میں سیم یول بیم فورڈ کی گرفتاری عمل میں آئی جسے آگے چل کر (Rutobigraphy of Radical) کی تصنیف سے بہت شہرت حاصل ہوئی۔ مگر اس کے خلاف کچھ ثابت نہ ہوا اور ادھر مجلس خاص میں اس پر جرح ہوئی اور کاسل رے اور سڈ منتھ سے ملنے اور گفتگو کرنے کا موقع ملا تو بظاہر اسے بھی یقین ہوگیا کہ وزرا ایسے خوفناک لوگ نہیں ہیں جیسا کہ لینکا شہر میں ان کو سمجھا جاتا تھا۔

اصلاح پارلیمنٹ

اس عرصے میں پارلیمنٹ کی اصلاح کا سوال وقت کے اصلی مباحث میں شمار ہونے لگا تھا۔ پارلیمنٹ کے اندر سر فرانسس برڈیٹ نے اور باہر کوبیٹ نے اس کی شد و مد سے وکالت کی۔ مین چیسٹر، برمنگھم اور لیڈز جیسے بڑے شہر جن کو اپنا مبعوث انتخاب کرنے کا حق حاصل نہ تھا وہ پورے اہتمام سے ادھر متوجہ ہو گئے۔ خصوصاً غلے کے قوانین سے انھیں جو خصومت تھی وہ اور بھی محرک ہوئی کہ یہ ملک کی حکومت میں حصہ لینے کا چلا چلا کے مطالبہ کریں۔ چنانچہ بڑے بڑے جلسے منعقد ہوئے جن میں بعض اوقات بلوے اور فساد کی بھی نوبت آئی اور بعض جلسوں میں چند قائم مقاموں کا انتخاب بھی کیا گیا کہ ذیلی مجالس میں شرکت کریں ان انتخابات سے "اجتماع قومی" کا تخیل پیدا ہوتا تھا اور اس چیز کو انقلابِ فرانس کے واقعات نے ضعیف القلب لوگوں کے لیے ہوا بنا دیا تھا

باب چہارم

پس جب یہ علم ہوا کہ مین چسٹر کی حوالی میں بمقام سینٹ پیٹرز فیلڈ ایک جلسہ اس غرض سے منعقد ہونے والا ہے تو شہر کے حکام میں بہت چرچا ہوا کہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے ۲۶ اگست کی مقررہ تاریخ کو "اصلاح طلب" (ریڈی کلز) تمام نواح کے دیہات سے بیوی بچوں کو ساتھ لیکر جھنڈیاں لئے ہوئے نکلے اور جلوس بنا کر مین چسٹر روانہ ہوئے۔ سینٹ پیٹرز فیلڈ میں جو رقبے میں دو یا تین ایکڑ تھا انھوں نے کھلے میدان میں جلسہ کیا۔ ان کی کل تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی اور ہینری ہنٹ تقریر کرنے والا تھا۔ یہ ایک زمیندار اور مشہور مقرر تھا اور اُس کی تہی مائیگی کا اس وقت تک اُس کے متبعین کو علم نہ ہوا تھا؛ اودھر فوجداری حکام نے جن کے قبضے میں کافی فوج بھی تھی یہ احمقانہ فیصلہ کیا کہ جلسہ شروع ہونے کے بعد ہنٹ کو گرفتار کر لیا جائے۔ اس کام کے لئے این کوتوالی ("چیف کونسٹیبل") مین چسٹر کی پیادہ فوج کے چالیس جوانوں کو لئے ہوئے تقریرگاہ تک بڑھا مگر جوانوں میں کوئی ترتیب نہ تھی اس لئے وہ تھوڑی ہی دیر میں مجمع کے اندر ایک دوسرے سے الگ اور نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ فوجداری حکام دُور ایک مکان سے کھڑے دیکھ رہے تھے وہ سمجھے کہ سپاہیوں پر حملہ ہو گیا۔ لہٰذا انھوں نے رسالے کے ایک دستے کو مجمع پر جا پڑنے کا حکم دے دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتنے بڑے مجمع میں قیامت کی ہل چل برپا ہو گئی۔ سواروں نے زیادہ تر تلواروں کے رُخ سے کام لیا تھا اور صرف تین "اصلاح طلب" اور ایک کوتوالی کا جوان اور ایک فوجی پیادہ ہلاک ہوئے لیکن گرجوں بھیڑوں اور روندن میں آنے سے شاید کل سو آدمیوں کے چوٹیں آئیں۔ یہ ناشدنی ہنگامہ جو بہت دن تک "جنگ پیٹرلو" کے نام سے یاد کیا گیا، صریحاً اس کی وجہ مقامی حکام کی نااہلیت تھی۔ مگر حکومت نے یہ اور بے عقلی کی کہ مزید تفتیش کے بغیر، حکام کے طریق عمل کی تعریف اور جو کچھ ہوا تھا، اس کی تائید کر دی۔ اس غلطی سے دیہات میں سخت اشتعال پیدا ہوا اور حکومت کے متعلق لوگوں کی بُری رائے میں اور بھی پختگی آ گئی۔ ہنٹ اور دوسرے ممتاز اصلاح طلب گرفتار کئے گئے اور قانون کو تہدید اور جبر سے بدلنے کی سازش میں مختلف میعادوں کی سزائے قید پائی۔

باب چہارم

قوانینِ ستّہ مین چسٹر کے اس قضیے سے وزیر اعظم کو حیلہ مل گیا کہ قوانین کو زیادہ سخت کیا جائے۔ چنانچہ نومبر میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو چند نئے قانون وضع کئے گئے جن کو ملا کر "قوانینِ ستّہ" کہتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی اہمیت جداگانہ تھی۔ پہلے قانون سے حکام کو، گھروں کے باہر جلسے روک دینے میں سہولت حاصل ہوگئی۔ یہ قانون پانچ سال کے لئے نافذ ہوا۔ دوسرے سے "بدروئیگی" کے مقدمات جلدی طے ہونے کا انتظام ہوگیا۔ اور سیاسی شورش کرنے والوں پر یہی الزام عائد کیا جاتا تھا؛ تیسرے قانون سے لوگوں کو بلا اجازت اپنی خوشی سے فوجی قواعد کی مشق کرنے سے روک دیا گیا۔ یہ ایک واجبی بات تھی اور کسی مہذب ملک میں ایسی فوجی مشق جائز نہیں رکھی جاتی؛ چوتھا قانون ملحدانہ اور اہانت آمیز مغویانہ تحریروں کو زیادہ کارگر طور پر روکنے اور سخت سزا دینے کے لئے وضع ہوا۔ پانچویں سے فوجداری حکام کو سولہ تعلقوں میں (جہاں بہت شورش کا ہونا بیان کیا جاتا تھا) اسلحہ ضبط کر لینے کا اختیار دیا گیا۔ یہ قانون تین سال کے واسطے نافذ ہوا؛ چھٹا قانون صریحاً اخباروں کی آزادی محدود کرنے کے لئے وضع کیا گیا کیونکہ اس کی رو سے تمام اخباروں کے ناشروں پر نقد ضمانت پیشگی داخل کرنا لازمی ہوگیا تاکہ شورش انگیز یا کفر و الحاد کی تحریریں چھاپنے کی سزا میں جرمانہ ہو تو فوراً وصول کر لیا جائے۔ اس قانون سے کم استطاعت اشخاص کا اخبار جاری کرنا زیادہ دشوار ہوگیا اور خود اس کی نوعیت ایسی تھی کہ اخباروں کی کھلی ہوئی بے وقعتی ہوتی تھی؛ وھگ فرقے کی طرف سے ان سب قوانین کی سرتوڑ مخالفت ہوئی اور تیسرے قانون کے سوا باقی سب جلدی یا کچھ بعد میں منسوخ کر دیے گئے؛

مجموعۂ تعزیرات تعزیری قوانین کو نرم بنانے کے لئے سیم یول رومیلی نے جو محنت و سعی کی، اگرچہ اس کا کوئی نمایاں نتیجہ نہ نکلا تاہم چونکہ وہ ایک بہت بڑی اصلاح کی تمہید تھی اس لئے قابلِ ذکر ہے۔ واضح رہے کہ تمدن کے ایسے ابتدائی مدارج میں جس میں انگلستان نارمن فتح سے قبل تھا، تعزیری قوانین کا منشا سزا کی بجائے معاوضہ ہوا کرتا تھا۔

باب چہارم

پھر املاک کی قیمت بڑھی تو اس کی حفاظت کے واسطے بھی سخت تر قوانین بننے لگے اور چونکہ طویل مدت تک مجرموں کو قید میں رکھنا کافی زحمت و دشواری کا موجب تھا، لہٰذا ہر جرم کے واسطے سزائے موت مقرر کر دینا لوگوں کو سب سے آسان معلوم ہوا۔ اس آئین کے ماتحت صدہا اشخاص پھانسیاں پاتے تھے۔ اور گو آگے چل کر لوگوں کے اخلاقی احساس پر یہ مقاتل بہت ناگوار گزرنے لگے لیکن اسی کے ساتھ قانون کا احترام قائم کرنے کا جذبہ بھی اتنا حد سے بڑھا کہ یکے بعد دیگرے جرائم پر سزائے موت عاید کی گئی۔ چنانچہ سنہ ۱۶۶۰ء سے سنہ ۱۸۲۰ء تک دو چار نہیں، پورے ۱۶۰ نئے جرائم سزائے موت کے متوجب قرار دیے گئے۔ مگر اس افراط کی بدولت قانون کا اصلی مقصد ہی فوت ہونے لگا۔ خود ضرر رسیدہ مقدمہ چلانے سے، جوریاں مجرم گرداننے سے، اور حکام عدالت سولیاں دینے سے رہا کرنے لگے۔ حتیٰ کہ بیس میں سے ایک فیصلے پر بھی واقعی عمل نہ ہوتا تھا جس سے قانون کا انسدادی فائدہ ضائع ہونے کا اندیشہ تھا اور ان اثرات کا تو ذکر ہی کیا ہے جو ساری قوم کو سخت دل اور بے رحم بنانے میں گویا ممد تھے! بایں ہمہ سنہ ۱۸۱۰ء تک اس خرابی کو دور کرنے کی کوئی واقعی کوشش نہیں ہوئی۔ تا آنکہ سر سیمویل رومیلی نے یہ قانون منظور کرایا کہ جیب کترے سزائے موت سے مستثنیٰ کر دیے جائیں گے۔ دکانوں سے پانچ شلنگ قیمت کا مال اڑا لینا بھی سزائے موت کا مستلزم تھا۔ اور اسے کم کرنے کی تحریک دار الامرا میں آئی تو ایلڈن کی سرکردگی میں امرا نے یہ تحریک مسترد کر دی۔ یوں بھی رومیلی کی ساری عمر کی کوشش کا اور کوئی نتیجہ نہ نکلا، سوائے اس کے کہ دھوبیوں کے گھاٹوں سے کپڑے چرانا مستلزم موت جرائم کی فہرست سے خارج کر دیا گیا۔ باوجود اتنی کم کامیابی کے اتنا ضرور ہوا کہ رومیلی کی چیخ پکار سے عام طور پر لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے اور آئندہ ایک نسل کے اندر ہمارے تعزیری قوانین کو پوری طرح بدل دیا گیا۔

قوانینِ ستہ منظور ہوئے ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ جنوری سنہ ۱۸۲۰ء میں جارج سوم نے وفات پائی اور اس کا بیٹا جارج چہارم رسمی اور حقیقی طور پر ملک کا بادشاہ ہو گیا۔

باب چہارم

مشہور سنین

جمہوریہ فرانس سے جنگ .... سنہ ۱۷۹۳ تا سنہ ۱۸۰۲ء

نپولین " .... سنہ ۱۸۰۳ تا سنہ ۱۸۱۴ء

معرکۂ ٹرے فالگر .... سنہ ۱۸۰۵ء

معرکۂ واٹرلو .... سنہ ۱۸۱۵ء

باب پنجم

جارج چہارم سنہ ۱۸۲۰ء تا سنہ ۱۸۳۰ء

ولادت .... سنہ ۱۷۶۲ء
ازدواج با کیرولائن (برنزوکی) .... سنہ ۱۷۹۵ء
مشہور معاصرین :-
فرانس .... لوئی ہجدہم
چارلس دہم

جارج چہارم کا دہ سالہ مختصر عہد حکومت تاریخ انگلستان میں ایک اہم تغیر کا زمانہ ہے کہ جارج سوم کے آخری زمانے میں فرقۂ ٹوری کو جو غلبۂ کامل حاصل تھا، وہ اسی دس سال میں ٹوٹا اور آیندہ (ولیم چہارم کے) عہد میں وہگ حکمت عملی کے فروغ کا راستہ صاف ہوگیا۔

نئے بادشاہ کے زمانے کا سب سے پہلا واقعہ ایک سازش کا انکشاف تھا جو ایسی واقعی اور اتنی خطرناک تھی کہ گذشتہ عہد حکومت میں ایسی کوئی سازش معرض ظہور

باب پنجم

میں نہ آئی تھی۔ یہ "کیٹو اسٹریٹ" کی سازش تھی جسے تھسِل وُڈ نے پکایا۔ وہ پہلے فوج میں سردار تھا اور اسپا فیلڈ کے ہنگاموں میں بھی شریک رہا لیکن عدالت سے بری کر دیا گیا تھا اس نئی سازش میں کوئی درجن بھر بیباک آدمی بھی اُس کے شریک کار بن گئے تھے۔ اگرچہ ان میں سے کوئی بھی صاحبِ وجاہت واثر نہ تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ وزرا کے کھانا کھاتے وقت، امیر ہیرو بی کے مکان میں داخل ہو کر ان سب کو قتل کر دیا جائے۔ سڈمتھ اور کاسل ری کے کٹے ہوئے سر عوام الناس کو دکھائے جائیں۔ قلعۂ لندن پر جبراً قبضہ اور سپاہیوں کو مغلوب کر لیا جائے اور ایک عارضی حکومت بنالی جائے؛ یہ سارا منصوبہ جس قدر شقاوت پر مبنی تھا، اسی قدر احمقانہ بھی تھا۔ خوش قسمتی سے حکام کو ایک شخص ایڈورڈز کے ذریعے پہلے سے اطلاع مل گئی۔ یہ بھی شبہ کرتے ہیں کہ ایڈورڈز ان بدبخت لوگوں کو جن کے پکڑوانے کی فکر میں تھا، خود اغواہی کرتا رہا تھا۔ بہرحال مقررہ دن، ۲۲ فروری تک اہلِ سازش سے مطلق تعرض نہیں کیا گیا اور عین اس وقت جب کہ وہ کیٹو اسٹریٹ کے ایک اصطبل میں گھاس کی مچان پر چڑھے ہوئے ہتیار لگا رہے تھے، کوتوالی والے ان پر دوڑ لے گئے۔ یہ بازار اینج ویر سڑک کے آگے واقع ہے؛ مگر گرفتار کرنے میں ایسی بدسلیقگی سے کام لیا گیا کہ ایک کوتوالی کا عہدہ دار مارا گیا اور خود تھسِل وُڈ نکل بھاگا۔ بارے دوسرے دن گرفتار ہو کر آیا اور عدالت سے جرمِ بغاوت کی، چار ساتھیوں سمیت، انتہائی سزا پائی؛ حکومتِ وقت کے جو لوگ سخت مخالف تھے وہ بھی ایسی احمقانہ اور سفاکانہ سازش سے نہایت ناخوش ہوئے۔ ادھر حُسنِ اتفاق سے اصلاحِ پارلیمنٹ کا ایک خیال ایسا سامنے آگیا کہ وھگ اور اصلاح طلب، دونوں فریق اس میں متحد ہو گئے۔ اس اتحاد سے وھگوں میں تو حرارت پیدا ہوئی اور طالبانِ اصلاح کا جوش ذرا دھیما ہو کر بین بین صورت نکل آئی؛ ادھر تجارت کی کساد بازاری کے وہ خاص اسباب جو جنگ کا نتیجہ تھے، دور ہوئے اور تجارت سرعت کے ساتھ از سرِ نو ترقی کرنے لگی تو اہلِ حرفہ اور مزدوروں کی کم سے کم ایک حد تک پریشانیاں بھی رفع ہو گئیں؛

جارج چہارم کے تعلقات زناشوی	جارج کے نائب السلطنت کی بجائے خطاب بادشاہی

باب پنجم

اختیار کرنے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی ازدواجی زندگی کے حالات بہت ناگوار طریق پر طشت ازبام ہو گئے۔ سنہ ۱۷۸۵ء میں جارج نے ایک کیتھولک بی بی مسز فٹزہربرٹ سے عقد کرلیا تھا۔ اس شادی کے خلافِ قانون ہونے کی وجہ صرف یہ تھی کہ قانون ازدواج خاندانِ شاہی مجریہ سنہ ۱۷۷۲ء کے مطابق اسے اپنے باپ سے شادی کی اجازت لینی چاہئے تھی جو اُس نے نہیں لی۔ اب اگر مذکورۂ بالا شادی جائز تسلیم کرلی جاتی تو پھر مسودۂ قانونِ حقوق مجریہ سنہ ۱۶۸۹ء کی رو سے یہ شہزادہ وراثتِ بادشاہی سے محروم ہو جاتا۔ شادی کے وقت اس پر بے حساب قرضے کا بوجھ تھا اور اس میں زیادہ تر روپیہ تاش کے جوے میں لیا گیا تھا۔ مجبور ہو کر پارلیمنٹ سے یہ قرضہ ادا کرنے کی درخواست کی تو اس نے فوکس کو اجازت دے دی کہ مذکورۂ بالا شادی سے انکار کر دے اور ادھر مسز فٹزہربرٹ کے سامنے بہت حیرت ظاہر کی کہ فوکس نے ایسا کیوں کیا؟ ان حرکتوں سے شہزادے کی راست بازی پر سخت حرف آگیا۔ بایں ہمہ فوکس اور بعض وِگ اکابر نے جائز رکھا کہ لوگ انھیں شہزادے کا دوست کہتے رہیں۔ بہر حال پہلی دفعہ کے قرضے تو ادا ہو گئے لیکن زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ اس نے تازہ قرضے لے لئے اور سنہ ۱۷۹۵ء میں وہ اتنا ہی پریشان ہو گیا جتنا کہ پہلے تھا۔ اس حالت میں باپ نے تجویز کی کہ اگر وہ باقاعدہ شادی کر لے تو اُس کے قرضے دوبارہ ادا کر دئے جائیں گے۔ اس تجویز کو شہزادے نے بادلِ ناخواستہ قبول کیا اور باپ کو اختیار دیا کہ جہاں مناسب سمجھے نسبت قرار دے دے۔ شادی کے لئے امیر برنزوِک اور جارج سوم کی بہن کی نوجوان بیٹی کیرولائن چُنی گئی۔ شہزادے نے اسے پہلی مرتبہ شادی سے صرف تین روز قبل دیکھا۔ الغرض سنہ ۱۷۹۵ء میں شادی ہو گئی اور ایک بیٹی، شارلٹ بھی پیدا ہوئی لیکن شہزادہ تین ماہ کے بعد ہی دُلھن کو چھوڑ کر پھر مسز فٹزہربرٹ کے پاس چلا گیا۔ شوہر کا ایسا ظالمانہ برتاؤ ہر بیوی کو شاق گزرتا۔ بدنصیبی سے کیرولائن کی جبلت بھی ایسی نہ تھی کہ اپنا غصہ ضبط و متانت سے برداشت کر لیتی۔ ان کی تربیت بُری اور تعلیم ادنیٰ درجے کی ہوئی اور معلوم ہوتا ہے مزاج میں بہت ہی بھچھورا پن تھا۔ وہ بلیک ہیتھ میں رہتی تھی اور تھوڑے ہی دن میں اس کی حویلی کے متعلق سرگوشیاں

باب پنجم

ہونے لگیں۔ حتی کہ ۱۸۰۶ء میں خود شہزادے اور اس کے بھائیوں کے اصرار سے حکومت نے "نازک تحقیقات" کے نام سے شہزادی کے طرز عمل کی خفیہ تفتیش بھی کرائی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شرمناک افعال کے الزام سے بالکل بری ثابت ہوئی۔ اور آیندہ کئی سال تک اس بارے میں کوئی چرچا نہیں سنا گیا لیکن ۱۸۱۴ء میں کیرولائن باہر گئی اور تھوڑے ہی دن میں یہ افواہ انگلستان پہنچی کہ آزادی سے فائدہ اٹھا کر وہ بے محابا عیش اڑانے لگی ہے۔

شارلٹ اور وکٹوریہ

اس عرصے میں اس کی بیٹی شارلٹ بڑی ہوتی جاتی تھی۔ آٹھ سال کی عمر سے وہ اپنی ماں کی نگرانی میں بہت کم چھوڑی جاتی تھی اور ۱۸۱۴ء سے تو کبھی اپنی ماں سے ملنے ہی نہ پاتی تھی۔ اس کی تعلیم کا بے حد اہتمام کیا گیا تھا۔ اس کے نتائج بھی نہایت اطمینان بخش ہوئے اور قوم یہ سنکر خدا کا شکر کرتی تھی کہ ان کی آیندہ فرماں روا کس قدر نیک، نڈر اور خوش طبع ہے۔ ۱۸۱۶ء میں اس کی شادی لیوپولڈ شہزادۂ سیکس کوبرگ کے ساتھ کی گئی جو موزوں ترین شوہر بننے کی قابلیت رکھتا تھا۔ یہ سب باتیں حسب دلخواہ ہو رہی تھیں کہ نومبر ۱۸۱۷ء میں شارلٹ کے ایک مردہ بچہ پیدا ہوا اور اسی میں وہ خود فوت ہو گئی۔ اس حادثے نے ملک بھر کو سخت پریشان و ملول کر دیا۔ بادشاہ کی دوسری اولاد میں منجھلا بیٹا شہزادۂ یارک متاہل مگر لاولد تھا۔ شہزادگان کلیرنس، کینٹ اور کیمبرج کی شادی نہ ہوئی تھی۔ کمبرلینڈ کی شادی ہوئی اور بچے بھی تھے لیکن ملک میں وہ بہت ہی نامقبول تھا۔ تب تینوں شہزادوں نے جلدی شادیاں کر لیں۔ کلیرنس کے ہاں ایک بیٹی بھی پیدا ہوئی مگر فوراً ہی مر گئی اور اس طرح تخت کی آیندہ وراثت شہزادۂ کینٹ کی بیٹی وکٹوریا کے حصے میں آگئی جو بتاریخ ۲۴ مئی ۱۸۱۹ء پیدا ہوئی اور اپنے چچا جارج اور ولیم کے بعد وارثِ سلطنت بن گئی۔

جارج چہارم نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے وزیروں سے استدعا کی کہ کیرولائن کو طلاق دلوا دیں حالانکہ خود اس کی زندگی کے شرمناک واقعات سب پر ظاہر تھے۔ وزرا نے ملکہ سے خط کتابت کی کہ وہ انگلستان کے باہر ہی رہے

باب پنجم

اور ادھر نئے بادشاہ سے وعدہ کر لیا کہ اگر کیرولائن ملک میں آئی تو باضابطہ طلاق دلوا دیں گے۔ بہت ممکن تھا کہ ان کی کوشش کامیاب ہو جاتی اور ملکہ انگلستان واپس نہ آتی لیکن کلیسا کے خطبوں سے اس کا نام اڑا دیا گیا اور یہ انگلستان کے ہر کلیسائی حلقے میں گویا اس کے مجرم ہونے کا اعلان تھا! اسے وہ برداشت نہ کر سکی اور سارے نامہ و پیام بالائے طاق رکھ کر جون میں انگلستان آ پہنچی۔ امرا تو الگ رہے لیکن عوام اور متوسط طبقوں نے اس کا تپاک سے استقبال کیا۔ اب وزیروں کو مجبوراً اپنا وعدہ پورا کرنا پڑا۔ ایک کیننگ نے اپنے عہدے سے البتہ استعفا دے دیا ورنہ حکومت کی طرف سے "تاوان و سزا بحد طلاق نامہ" کا مسودۂ قانون دارالامرا میں پیش ہوا۔ پھر جس طرح ملکہ کی معاشرت کی تمام جزئیات پر علانیہ بحث مباحثہ اور اطالوی گواہوں کے بیانات ہوئے ان سے ساری قوم کی سخت فضیحت و رسوائی ہوئی۔ شہادتیں اخباروں میں طبع ہوتی تھیں اور ہر طبقے کے لوگ روزانہ ان کا چرچا کرتے تھے۔ مگر یہ بیانات طلاق کا فیصلہ صادر کرنے کے لئے کافی نہ تھے اور ملکہ کے قانونی پیرو کار بروام اور ڈین من نے جرح میں ان بیانات کی بری طرح تکذیب کی۔ قانون کی دوسری خواندگی ۲۸ اور تیسری صرف ۹ رائے کی اکثریت سے منظور ہوئی۔ پس وزیروں کو نظر آ گیا کہ دارالعوام میں یہ مسودہ منظور نہیں ہو سکیگا، لہذا یہ خیال ترک کر دیا گیا۔ لیکن جب تک قانون بننے کا امکان تھا اس وقت تک تو عام طور پر لوگ ملکہ کے دل سے طرفدار تھے البتہ جب قانون وضع کرنے کا خیال چھوڑ دیا گیا، تو پھر عام رائے اس کے خلاف ہو گئی کیونکہ شہادتیں اگرچہ ناکافی تھیں، تاہم ملکہ کی نیکنامی پر ان سے ضرور حرف آ گیا اور اس کے طرفداروں کی تعداد بھی بہت جلد کم ہونے لگی۔ طرہ یہ ہوا کہ کمال بے عقلی سے اس نے نومبر میں اپنے شوہر کے ساتھ اپنی تاج پوشی کا مطالبہ کیا۔ ظاہر ہے کہ اسے مسترد کر دیا گیا اور وہ کلیسائے ویسٹ منسٹر کے دروازے پر پہنچی تو اسے داخل ہونے سے روک دیا گیا۔ اس تکلیف دہ واقعے کے بعد وہ رنج و غصے میں بھری ہوئی واپس گئی تو اسی ہیجان کی بدولت بخار چڑھ آیا اور وہ جان سے گزر گئی۔ اس کی موت سے ایک بڑا خطرہ دور ہو گیا ورنہ "تاوان و سزا" کے مسودۂ قانون سے خود بادشاہی

باب پنجم

ایسی معرضِ خطر میں پڑ جاتی کہ شاید پہلے کبھی نہ پڑی تھی۔

آثارِ فلاح و ترقی

جس وقت کیٹو اسٹریٹ کی سازش اور ملکہ کے مقدمے کا ہیجان فرو ہوگیا، تو اس بات کے اندازے کا موقع ملا کہ انقلاب فرانس نے ہر قسم کی اصلاحات کو جیسا ہوّا بنا دیا تھا، وہ صورت اب باقی نہیں رہی اور ملک میں تازہ فلاح و ترقی کے آثار نمایاں ہوئے؛ سنہ ۱۸۲۰ء میں بروم نے قومی تعلیم کی تجویز پیش کی۔ ہورنر کی وفات کے بعد سے فریق اختلاف میں سب سے ممتاز شخصیت بروم ہی کی ہوگئی تھی۔ دوسرے مسئلۂ تعلیم پر اس سے بہتر واقفیت بہت کم لوگوں کو حاصل ہوگی۔ اگرچہ اس کا خاندان ویسٹ مورلینڈ کا تھا مگر وہ اڈنبرو میں پیدا ہوا کیونکہ اس کے باپ نے اسی شہر میں رابرٹ سن (مورخ) کی بھتیجی سے شادی کر لی تھی۔ بروم کی تعلیم اسی شہر کے مدرسے اور جامعہ میں ہوئی اور وہ اسکاٹ لینڈ کے عمدہ تعلیمی نظام سے خوب واقف ہوگیا۔ ہورنر بھی اسی مدرسے کا تعلیم یافتہ تھا۔ چنانچہ سنہ ۱۸۰۲ء میں وہ اور جیفرے، بروم اور سڈنی اسمتھ مل کر "اڈنبرو ریویو" جاری کر چکے تھے۔ اس رسالے نے فرقۂ وگ کے خیالات شائع کرنے میں وہ کچھ کیا کہ کیننگ کو اس کا اثر زائل کرنے کی غرض سے رسالہ "کوارٹرلی" نکالنا پڑا۔ بروم اسکاٹ لینڈ کے دیہاتی مدارس کا طریقہ انگلستان میں رائج کرنا چاہتا تھا مگر چونکہ اس کی تجویز تھی کہ ان مدرسوں کے تمام استاد سرکاری کلیسا کے افراد ہونے چاہئیں، لہٰذا غیر مقلد فرقوں میں اس کی تائید نہ ہوئی اور انھی کی مخالفت سے یہ تجویز برباد ہوگئی۔ البتہ چند سال بعد بروم نے وہ تحریک شروع کی جو "جامعۂ لندن" کی تاسیس پر منتج ہوئی اور یہ اس کا مستقل فائدہ بخش کارنامہ تھا۔ کیونکہ اس جامعہ کا ملک کی اعلیٰ تعلیم پر برابر بہت کچھ اثر پڑتا رہا ہے؛ اسی سلسلے میں وہ حرفتی جماعت خانے بھی قابلِ ذکر ہیں جو اہلِ حرفہ کی دماغی اور اخلاقی اصلاح کی غرض سے بطور انجمن گاہوں (کلبوں) کے قائم کئے گئے۔ اس تجویز کو سب سے اول ڈاکٹر برک بیک نے عملی جامہ پہنایا مگر بروم بھی اس میں بہت کچھ دلچسپی لیتا رہا۔ اسی طرح "انجمن اشاعت علومِ مفیدہ" بھی انھی دنوں قائم ہوئی جس کا مقصد یہ تھا کہ علوم و فنون کی عمدہ اور ارزاں کتابیں کم استطاعت ناظرین تک پہنچائے۔

باب پنجم

بائرن اور شیلی

جن دنوں عملی آدمی اس قسم کے کاموں میں مصروف تھے بائرن اور شیلی جیسے شعرا آزادی اور زندگی کے نئے خیالات سے اہلِ ذوق میں ولولہ پیدا کر رہے تھے اور برنز کے نقشِ قدم پر چل کر ورڈس ورتھ اور کول رج، شعر میں ایک نئی قوت، واقعیت اور صداقت کا جذبہ پھونک رہے تھے جو اٹھارھویں صدی کے ادبیات عالیہ کے دور میں کہیں نظر نہیں آتا۔

۱۸۲۱ء میں سر جیمس میکن ٹوش کی کوشش سے قانون فوجداری میں وہ ترمیم ہوئی جو رومیلی ساری عمر نہ کرا سکا تھا۔ یعنی دکانوں سے پانچ شلنگ قیمت کے سامان کی چوری سنگین جرائم کی فہرست سے خارج کر دی گئی۔ اس کے بعد اگرچہ اصلاح کی رفتار سست رہی تاہم رومیلی اور میکن ٹوش کے مقاصد کے مؤیدین برابر بڑھتے رہے اور ۱۸۳۷ء میں ایک مجلس تحقیقات قوانین فوجداری کی سفارش پر بہت سی رعائتیں کر دی گئیں۔ اس کی اور بھی توسیع ۱۸۴۵ء میں ہوئی جب کہ یہ قانون وضع ہوا کہ موت کی سزا، صرف قتل، اقدام قتل اور بغاوت تک محدود کر دی جائے اور آخر میں اقدام قتل کو بھی اس فہرست سے ہٹا دیا گیا۔ ان ترمیمات کے اثر کا اندازہ اس وقت بخوبی ہوتا ہے جب کہ ہم یہ حساب لگائیں کہ ۱۸۱۰ء سے ۱۸۴۵ء تک کم سے کم چودہ سو اشخاص کو انھی جرائم کی سزا میں موت کی سزا ملی، جو اس سال کے بعد سے سنگین جرائم کی فہرست سے خارج کئے گئے تھے۔

اصلاح پارلیمنٹ

اصلاح پارلیمنٹ کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہا۔ اس معاملے میں بروام کی زبان بند رہی کیونکہ وہ خود ایسے ہی حلقوں کا مبعوث رہا تھا جہاں نامزدگی کر دی جاتی تھی البتہ امیر کبیر بیڈفورڈ کے ایک چھوٹے بیٹے لارڈ جان رسل نے جو بلا کا محنتی شخص تھا، اس مسئلے کو اٹھایا۔ ۱۸۲۱ء میں کارنول کا حلقہ گریمپاؤنڈ کو رشوت کی گرم بازاری کی بنا پر حق رائے دہی سے محروم کر دیا گیا اور اس وقت سوال پیدا ہوا کہ وہاں کے مبعوثین کس حلقے میں داخل کئے جائیں۔ دار العوام نے فیصلہ کیا کہ لیڈز کو یہ حق ملے اور یہ فیصلہ اسی اصول پر ہوا تھا کہ نامزدگی کے حلقوں کو رفتہ رفتہ محروم اور ان کی بجائے

بڑے شہروں کو انتخاب کا حق دیا جائے۔ مگر دارالامرا نے مذکورۂ بالا فیصلے کی یہ ترمیم کی کہ وہ مبعوث یارک کے پورے تعلقے میں تقسیم کر دیے اور اس منزل میں دارالعوام بھی اس ترمیم پر رضامند ہو گیا؛

کیتھولک فرقے کی مساوات و آزادی کی تحریک بھی کچھ آگے بڑھی۔ چند سال سے یہ کارروائی زیادہ تر گریٹن کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے سنہ ۱۸۱۳ء، سنہ ۱۸۱۶ء اور سنہ ۱۸۱۹ء میں تجاویز بھی پیش کیں لیکن قلیل اکثریت سے شکست ہوتی رہی۔ خود وزرا میں باہم اختلاف تھا۔ البتہ کاسل رے کیتھولکوں کی طرفداری میں برابر ثابت قدم رہا اور کیننگ سے بھی پیہم مدد ملتی رہی۔ بہر حال، ان کی تائید ملک میں بڑھتی جاتی تھی اور سنہ ۱۸۲۱ء میں پلنکٹ نے ان کی سختیاں اور قیود دُور کرنے کی تجویز پیش کی تو دارالعوام میں خاصی اکثریت سے کامیاب ہو گیا۔ البتہ اُمرا نے یہ مسودۂ قانون مسترد کر دیا؛

وزرا کا ردّ و بدل

مذکورۂ بالا تحریکات تمام تر فریق اختلاف کی رہینِ منت تھیں۔ مگر پارلیمنٹ اور ملک میں خیالات اس قدر نمایاں طور پر بدلتے جاتے تھے کہ وزارت نے زیادہ ہر دلعزیز اشخاص کو حکومت میں لے کر اپنی مضبوطی کرنی ضروری سمجھی۔ سنہ ۱۸۲۲ء میں گرین ویل کے گروہ سے اتحاد ہو گیا اور گو خود گرین ویل وزارت کا کام سنبھالنے پر آمادہ نہ ہوا لیکن اس کے کئی پیرو جن کا سرگروہ خود اس کا بھتیجا، امیر کبیر بکنگ ہم تھا، حکومت میں شریک ہو گئے۔ اسی زمانے میں کیتھولک فرقے کا دوست، مارکوئس ولزلی آئرستان کا صوبہ دار مقرر ہوا۔ ان سب سے بڑھ کر ایک تبدیلی یہ واقع ہوئی کہ سڈمتھ، یہ سمجھ کر کہ اب سازشوں کی تفتیش و جستجو کا کام ختم ہو چکا ہے، عہدے سے دستکش ہو گیا اور اس کی بجائے رابرٹ پیل مقرر ہوا۔ یہ شخص لنکاشر کے ایک کارخانہ دار کا بیٹا، اور ہیرو اور کرائسٹ چرچ کا تعلیم یافتہ تھا۔ آکسفرڈ میں وہ دو دو مضمونوں میں اوّل رہا اور پارلیمنٹ میں داخل ہوا تو اس کے باپ نے کہا کہ "بیٹا اگر تم وزیر اعظم نہ ہوئے تو میں ایک اٹھنی دے کر تمھیں الگ کر دوں گا۔" پیل پکا ٹوری تو تھا لیکن خود اہلِ حرفہ میں پلا بڑھا اور ان کی روز افزوں آبادی کے

خیالات سے پوری ہمدردی رکھتا تھا۔ وزیر داخلہ رہنے کے زمانے میں اس کا سب سے یادگار کام یہ ہے کہ لندن کی کوتوالی کی جمعیت کی تنظیم کی اور اس جمعیت کو آج تک عوام الناس چڑانے کے لئے چند ناموں سے یاد کرتے ہیں جو پیل ہی کے پہلے یا دوسرے نام پر رکھ دئے تھے۔

کاسل ری کی وفات

ان تبدیلیوں سے لورپول کی وزارت کا رنگ بہت کچھ بدل گیا۔ لیکن سب سے بڑا تغیر کاسل ری کی خودکشی سے واقع ہوا۔ یہ خودکشی اس نے ۱۸۲۲ء میں ترپن سال کی عمر میں کی۔ ایک سال قبل وہ اپنے باپ کی جگہ مارکوئیس لنڈن ڈری ہوا تھا اور عام لوگوں کی نظر میں برائے ٹوری جذبات کا سراپا مرقع تھا۔ ہرچند ذاتی میل جول میں وہ بہت نیک دل اور خوش مزاج آدمی تھا لیکن باہر لوگوں میں ہر قسم کے نئے خیالات کا بے درد مخالف نظر آتا تھا اور بے احتیاطی سے بعض تقریریں کر کے اس نے اپنی شہرت بگاڑ لی تھی۔ بے شبہ نام نہاد جمہوری یا عام پسند تحریکوں کو وہ ذرا بھی پسند نہ کرتا تھا لیکن اسی کے ساتھ "بادشاہوں کے اتحادِ مقدس" کی بے اعتدالیوں کو بھی یقیناً اس نے روکا۔ تنگ خیال اشخاص اکثر نہایت پختہ مزاج اور راست باز ہوا کرتے ہیں، کاسل ری کا بھی شمار انھی میں ہے اور نپولین کے ساتھ جد و جہد میں کامیابی پانے کے لئے جیسی استقامت اور مضبوط ارادے کی ضرورت تھی، وہ ان سے متصف تھا اور اس موقع پر نہایت عمدہ وزیر خارجہ ثابت ہوا۔ لیکن امن و صلح کے زمانے میں جب وسعت خیال اور زیادہ احتیاط و سلیقہ مندی کی ضرورت تھی، اس وقت کاسل ری اتنا کامیاب نہ رہ سکا۔ وطنی معاملات میں، بجز کیتھولک فرقے کی آزادی کے، وہ یقیناً رجعت پسند تھا اور اس کی موت سے غالباً راہِ ترقی کی ایک رکاوٹ دور ہو گئی۔ آخر میں اس کا دماغ بے کار ہو گیا اور اس نے خودکشی کر لی جس پر نہایت بدتہذیبی سے خوشیاں منائی گئیں اگرچہ یہ بھی اس امر کی دلیل تھی کہ عوام الناس جس نظامِ تمدن کا کاسل ری کو نمونہ سمجھتے تھے، وہ کس درجہ نامقبول تھا؛

متوفی وزیر کی بجائے کیننگ وزیر خارجہ ہوا۔ اس نے ۱۸۱۲ء میں

باب پنجم

طے کیا تھا کہ اگر وزیر اعظم نہ بنایا گیا تو پھر دوسرا کوئی عہدہ قبول نہ کرے گا۔ لیکن بعد میں کاسل ری کی شہرت کے آگے خود ماند ہو کر رہ گیا تھا لہٰذا لزبن میں کچھ مدت سفیر رہنے کے بعد ۱۸۱۶ء میں نظارتِ ہند کی صدارت قبول کر کے وزارت میں شامل ہو گیا۔ ۱۸۲۰ء تک اس کی توجہ ہندوستان کے معاملات تک محدود رہی لیکن اس سال "تاوان و سزا" کے مسودۂ قانون کی مخالفت کی بنا پر عہدے سے مستعفی ہو گیا۔ پھر وہ گورنر جنرل بنکر ہندوستان جانے کی فکر میں تھا، اور مجلس نظمائے اسے منتخب بھی کر لیا تھا کہ اتنے میں اپنے حریف کے مرنے کی خبر سنی اور وہ سب ارادے بدل دیئے۔ لورپول نے بلا تاخیر وزارتِ خارجہ اور دار العوام کی سرگروہی پیش کی اور کیننگ نے دونوں عہدے قبول کر لئے۔

اتحادِ مقدس

کیننگ نازک موقع پر وزیر ہوا کیونکہ ملوک یورپ کا اتحادِ مقدس جو پہلے محض برائے نام چیز سمجھا جاتا تھا، اس کے اصول پر عمل کرنے کا انھی دنوں ایک موقع یہ نکل آیا کہ اسپین میں بغاوت برپا ہو گئی۔ جوزف بوناپارٹ کے اخراج پر فرڈی نینڈ ہشتم واپس آیا تو ۱۸۱۲ء کا آئین حکومت منسوخ اور مجلس طبقات شکست کر دی گئی۔ استبداد کا دوبارہ یہ دَور دَورہ دیکھ کر اسپین والے بھی چین بجبیں ہوئے بغیر نہ رہے۔ ۱۸۲۰ء میں بغاوت برپا ہوئی، ۱۸۱۲ء کا آئین بحال ہوا اور بادشاہ کو بھی منظوری دینی پڑی۔ اس واقعے پر غور کرنے کی غرض سے ورونا میں ایک موتمر کا انعقاد اور برطانیہ کی طرف سے ولنگٹن وکیل نامزد ہوا۔ عین اس انعقاد کے وقت کاسل ری کی جگہ کیننگ وزارت خارجہ کی کرسی پر فائز ہوا اور گو اس نے متوفی وزیر کی تحریری ہدایات میں کوئی کمی بیشی نہ کی تھی لیکن ولنگٹن کی طرف سے مزید ہدایات کی درخواست ہوئی تو کیننگ نے صاف طور پر یہ اصول مقرر کر دیا کہ اسپین والوں پر دباؤ ڈالنے میں انگلستان مطلق شرکت نہ کرے گا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو یقین ہے کہ اتحاد مقدس کا پورا دباؤ اہل اسپین پر ڈالا جاتا کیونکہ زار کی تجویز تھی کہ روسی فوجیں رائن کے کنارے پر بھیجدی جائیں۔ ایسی متفقہ کارروائی کو کیننگ کی روش نے روک دیا۔ البتہ جب فرانس کی سپاہ اسپین پر حملہ آور ہوئی اور فرڈی نینڈ کو بحال کر کے

باب پنجم

آئین حکومت کو پھر منسوخ کیا گیا، تو کیننگ کو خاموش رہنا پڑا۔ برطانیہ کے واسطے یہ غیر جانب داری کچھ قابلِ اعزاز شے نہ تھی لیکن کیننگ نے عذر پیش کیا کہ اس طرزِ عمل سے عام جنگ کی نوبت نہ آنے پائی اور معاملہ فرانس و اسپین تک محدود ہو گیا۔ مزید برآں اسپین والوں نے اپنی آزادی کی حمایت میں کوئی خاص ایثار ظاہر نہیں کیا اور اس لئے ان کی بغاوت کو صحیح معنی میں قومی کہنا درست نہ تھا۔ رسمی طور پر کیننگ کا یہ فعل اپنے پیش رو کی اس کارروائی کے مماثل تھا کہ اُس نے سنہ ۱۸۲۱ء میں اسٹریہ کی نیپلز میں مداخلت جائز رکھی۔ بایں ہمہ ان دونوں کے اصول میں اس قدر فرق تھا کہ تمام یورپ میں لوگ محسوس کرنے لگے کہ کیننگ کی حکمت عملی اتحادِ مقدس کے کارگر قیام کے حق میں سراسر مہلک ہے۔

اسپین کی امریکی مستعمرات کے مسئلے میں بھی کیننگ کا طرزِ عمل خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ ان نوآبادیوں نے شاہِ جوزف کی بادشاہی کو کبھی تسلیم نہیں کیا اور چونکہ اس کے ہاتھ میں بحری قوت نہ تھی اس لئے وہ ان کو مجبور بھی نہ کر سکا۔ پس **جوزف** کے چند روزہ عہد میں یہ علاقے بالکل خود مختار رہے اور **فرڈی نینڈ** بحال ہوا تو اس وقت بھی اپنی خود مختاری چھوڑنے پر خوشی سے تیار نہ تھے۔ انھیں فرڈی نینڈ کی حکومت قبول کرنے پر مجبور کیا گیا تو بھی موقع ملتے ہی وہاں والوں نے بغاوت کر دی۔ بغاوت کے سُورما ایک تو مستعمرات کی آزادی کا اصلی بانی، مرانڈا، دوسرے بولی ور، اور انگریز امیر البحر کاکرن تھے۔ سنہ ۱۸۲۲ء تک عملاً سب علاقے خود مختار ہو گئے اور کیننگ نے اس کو بہت کچھ اہمیت دی۔ اس کی رائے میں اسپین کی نوآبادیوں کا اُس کے قبضے سے نکل جانا گویا فرانس کی مداخلت کا نعم البدل تھا۔ چنانچہ اُس نے بیان کیا کہ "اسپین پر نظر ڈالی، تو میں نے قصد کر لیا کہ اگر اسپین پر فرانس کا قبضہ ہو جائے۔ تو پھر میں اُسے وہ اسپین نہ رہنے دوں گا جیسا کہ "جزائر الہند" کے ساتھ وہ ہمارے اجداد کے ذہن میں تھا۔ میں پرانی دنیا کا توازن درست کرنے کی غرض سے میں نئی دنیا کو معرضِ وجود میں لے آیا۔"

پھر اسی حکمت عملی کے تحت برطانیہ نے اسپینی مستعمرات کی خود مختاری تسلیم کر لی اور اسپین استعماری سلطنت کی بجائے صرف یورپ کی ایک طاقت رہ گیا۔

باب پنجم

"اتحادِ مقدس" سے تبرّی اور نئی امریکی جمہوریتوں کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ کیننگ نے اہلِ یونان سے دلی ہمدردی کا ثبوت دیا۔ جو حصول آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ یوں بھی جن اربابِ سیاست نے یونانی ادبیات کی تعلیم پائی تھی انھیں یونانیوں کی ترکی سے بغاوت میں گمنام امریکی آبادکاروں کی بغاوت کی نسبت کہیں زیادہ دلچسپی تھی اور بہت سے انگریز یونانی باغیوں کے معاملات میں خاص ذوق رکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ (اسلامی سلطنت ہونے کے باعث) ترکی "اتحادِ مقدس" میں شریک نہ تھی اور اپنی باغی رعایا کے مقابلے میں کوئی امداد طلب نہ کر سکتی تھی۔ بلکہ اتحاد کا رکن رکین، یعنی روس، ہر اعتبار سے یونان کی کامیابی کا آرزومند تھا جس سے استنبول کی طرف خود روسی اقدام میں سہولت ہو جانے کی امید تھی۔ روس کی اسی دراز دستی کے خوف نے معاملے کو پیچیدہ بنا دیا اور مغربی طاقتیں الگ رہیں۔ ترک اپنے آپ جس طرح ہوا بغاوت فرو کرنے میں مصروف رہے اور سات برس تک یونانی باغی مقابلے میں جمے رہے۔

جس وقت کیننگ برطانیہ کے معاملات خارجہ میں ایک نئی روح پھونک رہا تھا، اسی زمانے میں اس کے دوست ہسکسن نے وطن کی تجارت و مصنوعات میں خاصا انقلاب پیدا کر دیا۔ یہ اسٹیفرڈشر کے ایک کم استطاعت زمیندار کا بیٹا تھا اور ۱۷۷۰ء میں پیدا ہوا۔ ۱۷۹۰ء میں پیرس کی برطانی سفارت کا معتمد مقرر ہوا اور بعد میں پٹ کے قانون اجانب کو اس اخلاق اور خوش اسلوبی سے نافذ کیا کہ اس کی بہت شہرت ہوئی۔ لیکن اس کی آئندہ ترقی سست رہی اور ۱۸۱۲ء کے بعد کیننگ کی دوستی بھی اس کے آگے بڑھنے میں حائل ہو گئی۔ ۱۸۲۲ء میں کیننگ وزیر خارجہ ہوا تو ہسکسن کو نظارت تجارت کا صدر نشین بنوا دیا اور اگلے سال لورپول کی طرف سے کیننگ کی بجائے وہی مبعوث منتخب ہوا۔ سیاسی خیالات میں وہ ٹوری تھا لیکن تجارت کے متعلق ہر معاملے میں اس کی نگاہ وسیع اور خیالات میں آزادی تھی۔ مجلس نظارت کی صدارت پر آئے ہوئے زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ اس کے اثر سے حکومت نے زیادہ آزادانہ روش اختیار کر لی۔ اس تعریف میں جان روبسن بھی حصہ دار ہے جو ۱۸۲۳ء میں وین سٹارٹ

باب پنجم

کی جگہ وزیر مالیہ مقرر ہوا اور محاصل کی کمی بیشی کے متعلق جس کے بغیر ہس کسن کی نئی تجویزیں نہ چل سکتی تھیں، نہایت دوستانہ طریق پر ہس کسن کے ساتھ کام کرتا رہا۔ آگے چل کر روبنسن کو لارڈ گوڈرچ کا خطاب ملا۔

غرض انھوں نے پہلا کام تو یہ کیا کہ ریشم اور اون کے محصول گھٹا دیے اور بیرونی شہتیر کے زرِ درآمد میں کمی کر دی کہ جہاز سازوں کو بنانے میں کفایت ہو اور مالکانِ جہاز کرایہ بھاڑا کم کر سکیں۔ ساتھ ہی قوانین جہاز رانی میں بہت کچھ ترمیم کرائی۔ یہ قوانین کروم ویل کے عہد میں وضع ہوئے اور چارلس دوم کے زمانے میں ان کی تجدید ہوئی تھی۔ ان کی وجہ سے بجز انگریزی جہازوں کے انگلستان میں یورپ کے باہر کا مال، دوسرے جہازوں میں نہ آ سکتا تھا البتہ یورپ کا مال اسی ملک کے جہاز لا سکتے تھے، جہاں کا مال ہو۔ سنہ ۱۷۸۲ء تک امریکی نوآبادیاں اس قانون سے مستثنیٰ تھیں کیونکہ وہ برطانی علاقہ تھیں لیکن سنہ مذکور کے بعد سے وہ بھی غیر ممالک میں داخل ہو گئیں اور ان کے جہاز بھی مال لانے سے روک دیے گئے۔ اسی لئے وہاں کا مال بھرت کے طور پر آتا اور امریکہ والوں کو دونوں طرف کا کرایہ بھرنا پڑتا تھا۔ ان قوانین کا قدرتی طور پر باہر والوں نے بدلہ لیا کہ اکثر ملکوں نے انگریزی جہازوں کا اپنی بندرگاہوں میں آنا موقوف کر دیا۔ انگریزوں کی خواہش تھی کہ ولایاتِ متحدہ اور جنوبی امریکہ کی جمہوری ریاستوں سے بڑے پیمانے پر تجارت کریں مگر مذکورۂ بالا قوانین سدِّ راہ تھے۔ پس ہس کسن نے انھیں بھی وہی مرتبہ دلوا دیا جو ممالکِ یورپ کو حاصل تھا۔ اس پر بہت شور مچا کہ برطانی جہاز رانی کو سخت نقصان پہنچے گا لیکن تجربے سے ثابت ہوا کہ نئے دَور میں جہاز سازی کی صنعت کو خوب ترقی ہوئی اور برطانی جہازوں کی تعداد سرعت سے بڑھنے لگی۔

ایک اور قابلِ ذکر قانون اسپٹ فیلڈ کے ریشم بافوں کے لئے وضع ہوا۔ لندن میں ریشم کی اس صنعت کی فرانس کے ہیوگونو اشخاص نے ابتدا کی تھی جو جیمز ثانی کے زمانے میں اپنے وطن سے فرار ہو کر انگلستان چلے آئے تھے۔ انھیں شروع سے خاص خاص ضوابط کا پابند رکھا گیا اور وقتاً فوقتاً حکامِ فوجداری ریشم بننے والوں کی اجرت مقرر کرتے رہتے تھے۔ ادھر ملک کے دوسرے اضلاع خاص کر چیشر اور

باب پنجم

اسٹیفرڈشر میں بھی جابہ جا ریشم تیار ہونے لگا اور وہاں ان پر کسی قسم کی قیود عائد نہیں ہوئیں۔ اس سے اسپیٹ فیلڈ (لندن) کا ریشم گراں تر اور نسبتۂ کم فروخت ہونے لگا اور لندن کے ریشم بافوں نے اپنی قیود کے خلاف شور مچایا چنانچہ پارلیمنٹ کے ایک نئے قانون کی رو سے یہ قیود دُور کر دی گئیں ؛

مزدوروں کی حالت میں ایک اور تبدیلی یہ ہوئی کہ ان پر ملک میں آنے جانے کی جو قیود تھیں، وہ سب منسوخ کر دی گئیں۔ واضح رہے کہ یہ قیود چارلس دوم کے وقت اور قانونِ بندوبست کے سلسلے میں پیدا ہوئی تھیں اور ان کا اصلی مقصد یہ تھا کہ حلقے کے نگران کار آسانی سے ایسے نو واردوں کو وہاں سے اٹھا سکیں جن کی نسبت احتمال ہو کہ حلقے پر ان کا بار پڑ جائے گا؛ ایک اور اہم تغیر ۱۸۲۴ء و ۱۸۲۵ء میں اجیر و آجر کے معاملے میں ہوا۔ اصل میں ۱۸۰۰ء میں ایک قانون نافذ ہوا تھا کہ پھیری والوں اور کاریگروں نے اجرت کے اضافے، کام کے گھنٹے یا محنت کم کرنے یا کام میں اور کسی قسم کی ردّ و بدل کے لئے باہمی جو اقرار کئے ہوں، وہ سب قانوناً کالعدم سمجھے جائیں گے۔ اب ۱۸۲۴ء تک اسی کے مطابق عمل درآمد ہوتا رہا۔ سنہ مذکور میں پارلیمنٹ کی ایک ذیلی جماعت کی سفارش پر یہ سب ضوابط منسوخ کر دیئے گئے تھے مگر بعد میں غور کے بعد یہ منسوخی بھی بہت عام اور بیجا نظر آئی اور ۱۸۲۵ء میں ایک اور قانون وضع کیا گیا کہ جائز و ناجائز قول و اقرار کی تصریح کر دی جائے۔ چنانچہ کام لینے والے اور کام کرنے والے کے درمیان اوقات یا اُجرت کے متعلق جو کچھ اقرار ہو، وہ جائز قرار دیا گیا اور خود مزدوروں یا کاریگروں کا مل کر آجروں پر زبردستی دباؤ ڈالنا، ناجائز قرار پایا ؛

ہسکسن کے مجوزہ قوانین کی مخالفت کم ہونے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ جس زمانے میں یہ پیش ہوئے اس وقت تجارت اور صنعت و حرفت بڑی ترقی پر تھیں۔

تجارتی پریشانی

اس گرم بازاری کی بدولت لوگوں نے اناپ شناپ روپیہ لگانا شروع کیا اور جنوبی امریکہ کی تجارت میں خصوصیت کے ساتھ طرح طرح کی قسمت آزمائیاں کیں جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ تجارت کو نقصان پہنچا۔ بہت سی ساہوکارہ کوٹھیاں اور شرکتیں دوالیہ ہو گئیں۔

باب پنجم

اکثر کاریگر بے روزگار رہ گئے۔ صلح کے بعد چند سال تک جس قسم کی ہل چل رہی تھی، وہی نقشہ پھر نظر آنے لگا۔ شہروں اور دیہات میں بہت سی کلیں توڑی گئیں کیونکہ دستکاروں میں ان کے رواج سے بدگمانی چلی جاتی تھی اور مصیبت کے وقت سب ان خرابیوں کا سبب انھی کلوں کی ایجاد کو قرار دیتے تھے۔

کیتھولک فرقے کی آزادی۔

اس عرصے میں کیتھولک فرقے کا مسئلہ بھی ہمیشہ سے بڑھ کر توجہ کا مرکز بننے لگا تھا۔ اس کا کسی حد تک سبب یہ تھا کہ آئرستانی اخبار نویس برابر اس مسئلے کو نمایاں کئے جاتے تھے کیونکہ آئرستان میں فی الواقع حالت اچھی نہ تھی۔ اس ملک میں ایمٹ کی بغاوت کے بعد سے کوئی شورش تو برپا نہیں ہوئی لیکن مالگزاری اور عشر کے خلاف جد و جہد میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اسی کے ساتھ کیتھولک فرقے اور اورینج مینوں کا باہمی عناد کم ہونا درکنار شاید کچھ بڑھ ہی لیا تھا۔ بارے ۱۸۲۳ء میں ایک انجمن فرقۂ کیتھولک کی بنیاد پڑی جس سے حالات میں نمایاں تغیر رونما ہوا۔ قریب قریب ہر جگہ کے کیتھولک اس انجمن میں شریک ہو گئے اور پادریوں نے اس کے لئے چندے وصول کئے۔ اس نئی تحریک کا سرگروہ ایک آئرستانی وکیل ڈے نیل او کونیل تھا۔ اس میں خطابت کے ایسے قدرتی اوصاف موجود تھے کہ منبر پر سے اپنے ہموطنوں کے جذبات کا رُخ جدھر چاہتا، اُدھر پھیر سکتا تھا۔ غرض، نئی انجمن کے تیار ہونے کا ملک کی حالت پر بڑا اثر پڑا۔ انجمن کی طرف سے جو لوگوں کو کیتھولکوں کی بیجا قیود پر بار بار متوجہ کیا گیا، اس کا بالواسطہ اثر یہ ہوا کہ اس فرقے پر آئے دن جو شرمناک زیادتیاں ہوتی رہتی تھیں، وہ از خود رک گئیں۔ انجمن کی قوت بڑھتے دیکھ کر حکومت کے بھی خواہی نخواہی کان کھڑے ہوئے کیونکہ اس کے شرکا سے جو حلف لیا جاتا تھا، اس میں خانہ جنگی کی بو تھی۔ چنانچہ شرکت کے وقت ہی جو عہد کیا جاتا اس کے الفاظ یہ تھے:۔ اورینج مین گروہ سے "جو ہمارے فطری دشمن ہیں، نفرت کی قسم۔ اور انجمن فرقۂ کیتھولک پر "جو ہمارے طبعی اور پرجوش دوست ہیں، اعتماد کی قسم، ہم ہر قسم کی خفیہ اور خلاف قانون جماعت بندی اور ہنگامہ و فساد سے مجتنب رہیں گے،

باب پنجم

آخر ۱۸۲۵ء میں یہ انجمن حکماً توڑ دی گئی۔ بایں ہمہ کیتھولک مسئلہ سب سے نمایاں ہو کر وقت کا سب سے اہم مسئلہ ضرور بن گیا۔ کیتھولک فرقے کے مؤیدین یہ دکھانا چاہتے تھے کہ گو وہ انجمن کے مخالف ہوں، لیکن اپنے وعدے کے سچے ہیں۔ چنانچہ سر فرانسس برڈٹ نے ایک مسودۂ قانون پیش کیا جس میں نہ صرف کیتھولک فرقے کی قیود منسوخ کرنے، بلکہ کیتھولک پادریوں کو سرکاری وظائف و انعامات دینے کی تحریک تھی دارالعوام میں اس کی منظوری آسانی سے حاصل ہو گئی لیکن دارالامرا نے اسے مسترد کر دیا۔ اسی بحث کے دوران میں شہزادۂ یارک نے یہ الفاظ کہے کہ ''جس حیثیت میں بھی رہوں گا، اس قانون کی مخالفت کروں گا''۔ اس قول نے پوری بحث کو تاریخی طور پر یادگار بنا دیا اور کیتھولکوں کے حامیوں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ ممکن ہو تو شہزادۂ موصوف کے تخت نشین ہونے سے قبل اس مسودے کو منظور کرا دیں۔ چنانچہ انھوں نے اور زیادہ کوشش شروع کی اور انجمن فرقۂ کیتھولک کو قریب قریب پہلی کی شکل ایک دوسری شکل میں قائم کر لیا۔

لورپول کا استعفا کیننگ کی وفات۔

ان واقعات سے خواہی نخواہی مجلس وزارت میں دشواریاں پیدا ہوئیں۔ لورپول کی وزارت میں کیتھولک مسئلہ برابر غیر طے شدہ سمجھا جاتا رہا۔ لیکن اب جو اس بحث کی اہمیت بڑھی تو وزارت میں بھی دو متضاد خیال کے لوگ ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے۔ ایک گروہ کے سرخیل کیننگ اور ہسکسن تھے، دوسرے کے لارڈ ایلڈن اور ڈیوک ولنگٹن۔ پھر اسی پر منحصر نہیں بلکہ حقیقت میں سوائے پارلیمنٹ کی اصلاح کے جس کی مخالفت میں جملہ وزیر متفق الرائے تھے، باقی مشکل سے کوئی مسئلہ ایسا ہو گا جس میں ان کا اتفاق رائے ہو۔ ولنگٹن کو کیننگ کی بیرونی حکمت عملی سے بدگمانی تھی اور کیننگ اور ہسکسن دونوں سے لجنۂ امرا کے وزیر نفرت کرتے تھے۔ صورت حال یہ تھی کہ یکایک لارڈ لورپول بیمار ہوا اور اسے استعفا دینا پڑا۔ بادشاہ اس کی جگہ کسی امیر کو وزیر اعظم بنانا چاہتا تھا جس کے ماتحت باقی سب وزیر کام کر سکیں۔ یہ ممکن نہ ہوا اور کچھ تامل کے بعد آخر کیننگ صدر امیر خزانہ مقرر کیا گیا۔ اس پر ولنگٹن، ایلڈن،

باب پنجم

پیل اور تین دوسرے ارکان وزارت جو کیتھولک دعاوی کے مخالف تھے مستعفی ہو گئے اور کیننگ نے ان کی جگہ حامیان کیتھولک مقرر کر دیے۔ ہسکسن نظارت تجارت کا بدستور صدر نشین اور پامرسٹن معتمد جنگ رہا۔ روبنسن اب لارڈ گوڈرچ ہو گیا تھا' اسے جنگ و مستعمرات کی وزارت ملی۔ اس طرح ٹوری وزارت کی ایسی قلب ماہیت ہو گئی کہ سوائے اصلاح پارلیمنٹ کے مسئلے کے اور ہر اعتبار سے وہ ایک اصلاح پسند (لبرل) حکومت بن گئی اور اسی حد تک خود برَوم اس کا مؤید ہو گیا۔ مگر ارل گرے' اور لارڈ جان رسل مخالف رہے اور واقع میں بھی وہ کوئی دیرپا وزارت نہیں نظر آتی تھی۔ بہر حال' اتنی امید ضرور تھی کہ زیادہ مدت گزرنے سے قبل اس میں ممتاز وہگ شامل ہو جائیں گے اور ان کے واسطے عہدے بھی خالی رکھے گئے تھے کہ اتنے میں کیننگ کے مرنے سے یہ وزارت ہی یک بہ یک ختم ہو گئی (۱۸۲۷ء)۔

یونانی

کیننگ اپنی وزارت کے اس قلیل زمانے میں بھی زیادہ تر یونان کے معاملات پر متوجہ رہا۔ اہل یونان اور ترکوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو ان کی باہمی جنگ و جدل کا بظاہر کبھی خاتمہ نہ ہوتا کیونکہ کوئی فریق بھی دوسرے پر قطعی غلبہ نہ پا سکتا تھا۔ لیکن سنہ ۱۸۲۴ء میں مصر کے خراج گزار حاکم' محمد علی پاشا کا قدم درمیان آیا تو یونانیوں کی خیر نظر نہ آتی تھی۔ یونانیوں کے اصلی مامن جمع الجزائر کے جزیرے تھے ترکوں کے پاس بیڑا نہ ہونے سے' وہاں وہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے۔ مگر مصری بیڑے کے سامنے یہ جزیرے ذرا نہ ٹھیر سکتے تھے اور یکے بعد دیگرے سب فتح ہو گئے۔ ایتھنز بھی مسخّر ہو گیا اور سوائے کورنتھ اور ناپولی کے کوئی مقام یونانیوں کے ہاتھ میں نہ رہا۔ ان کی تسخیر بھی چند روز کی بات تھی۔ مگر دول یورپ کو محسوس ہوا کہ سات سال کی جدوجہد کے بعد یونانی کچھ بہتر صلہ پانے کے مستحق ہو گئے ہیں۔ چنانچہ کیننگ نے برطانیہ' روس اور فرانس کے درمیان اتحاد ثلاثہ قائم کر کے' باب عالی سے مطالبہ کیا کہ یونان کو بھی وہی مرتبہ دیا جائے جو سرویہ' اور والاشیہ کو حاصل تھا۔ یعنی یہ کہ وہ باب عالی کی بادشاہی تسلیم کرے

باب پنجم

اور اندرونی معاملات میں خود مختار ہو۔ غو۔ کے لئے سلطان کو مہلت دی گئی تھی گر ابھی کچھ طے ہونے نہ پایا تھا کہ مصری بیڑے کے پاس بڑی کمک پہنچ گئی۔ انگریزی بیڑے کا امیر البحر سر ایڈورڈ کوڈ رنگ ٹن نے ملکی جہازوں کو جانے دیا کہ وہ نوارینو کی بندرگاہ میں مصری اور ترکی بیڑے سے جاملیں اور اس کے بعد روسی و فرانسیسی بیڑے کی شرکت سے پورے مصری او رترکی بیڑے کی ناکہ بندی کرلی۔ فریقین کے جہاز اتنے قریب تھے کہ ان میں لڑائی چھڑ گئی اور چار گھنٹے کی گولہ باری میں تمام ترکی اور مصری جہاز غرقاب کردیے گئے (۲۰ اکتوبر ۱۸۲۷ء) بیڑے کی اسی تباہی کے ساتھ اگر انگریز اور اتحادی استنبول کے سامنے پہنچ جاتے تو غالباً ترک یونانی مطالبات مان لیتے اور لڑائی کا خاتمہ ہو جاتا لیکن انگریز وزرا ہی کی کوئی رائے قائم نہ ہوئی تھی اور یہ عمدہ موقع ہاتھ سے نکل گیا۔

کیننگ کا جانشین اس کا دوست لارڈ گوڈرچ ہوا۔ مگر کیننگ صدر امیر خزانہ اور اسی کے ساتھ وزیر مالیہ بھی تھا اور گوڈرچ دارالامرا کا رکن ہونے کے باعث وزیر مالیہ مقرر نہ ہو سکتا تھا لہذا یہ عہدہ ایک ٹوری، ہیریز نامی کو ملا۔ اس سے آیندہ مینفاث میں ذیلی مجلسِ مال کے صدرنشین نامزد کرنے میں دشواری پیش آئی۔ ہیریز یہ کام خود انجام دینا چاہتا تھا اور ہسکسن کی خواہش تھی کہ صدارت وھگ فرقے کے رسمی سرگروہ لارڈ آل تھورپ کو دی جائے۔ اسی جھگڑے میں دونوں مستعفی ہو گئے اور گوڈرچ کو کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑی تو خود بھی استعفا دے دیا کیننگی وزارت کی اس کامل تباہی کے بعد بادشاہ کو موقع ملا کہ امیر کبیر ولنگٹن کو وزارت عظمیٰ کی دعوت دے اور اس نے یہ عہدہ قبول کرکے ایک مخلوط وزارت مرتب کی جس میں ہسکسن گوڈرچ پامرسٹن وغیرہ کیننگ کے ساتھی، بعض شدید ٹوری جو خود ولنگٹن کے پیرو تھے اور پیل شریک تھے۔

لہ۔ نوارینو میں ترکی اور مصری بیڑے کو بغیر اعلان جنگ دھوکے سے اور یک بہ یک حملہ کرکے غرقاب کیا گیا تھا۔ مگر فاضل مصنف نے انگلستان کی یہ تاریخ انگریز طلبا کے واسطے لکھی ہے اور بظاہر بیرونی واقعات کے لکھنے میں تاریخی صحت و تحقیق کا چنداں لحاظ رکھنا ضروری نہیں سمجھا۔ مترجم۔

ولنگٹن کی وزارت

حکومت کی تبدیلی کا پہلا اثر یہ ظاہر ہوا کہ مشرق میں کیننگ کا کیا دھرا سب اکارت ہوگیا۔ اس کی شروع سے حکمت عملی یہ رہی تھی کہ روس کو بطور خود دراز دستی کرنے سے باز رکھے اور جہاں تک ہو سکے آمادہ کرے کہ وہ دوسری طاقتوں کے ساتھ مل کر کام کرے۔ نوارینو کی لڑائی سے اتحادیوں کا فائدہ نہ اٹھانا گویا کیننگ کا سارا منصوبہ برباد کرنا تھا۔ کم سے کم انگریز تو اس فتح سے کچھ نہ کچھ خفیف ہی ہوئے اور ولنگٹن نے اسے "واقعہ نامرضیہ" کے نام سے یاد کیا۔ اتحادیوں کی یہ سست کاری دیکھ کر روسی بہت ناخوش ہوئے اور ۱۸۲۸ء میں ترکی پر حملہ کر کے عہدنامہ ادرنہ لکھنے پر اسے مجبور کیا جس کے ایک فقرے میں یونان کی آزادی تسلیم کرنے کی شرط درج تھی۔ آگے چل کر دوسری سلطنتوں نے بھی اس کی توثیق کر دی اور بویریہ کا شہزادہ اوٹو یونان کا پہلا بادشاہ منتخب ہوا۔

قانونِ آزمائش و بلدیات کی تنسیخ

۱۸۲۸ء کا میقات زیادہ تر آزمائش اور بلدیات کے قانون کی تنسیخ کے باعث یادگار رہے گا۔ یہ سرکاری تحریک نہ تھی بلکہ جان رسل کی طرف سے پیش ہوئی۔ واضح رہے کہ ایک قانونِ تاوان کئی سال قبل وضع ہو چکا تھا کہ جو لوگ ان دو مذکورہ قوانین کی خلاف ورزی کریں انھیں کچھ ہرجانہ لیکر معاف کر دیا جائے۔ لہٰذا عملاً یہ قانون پہلے ہی بیکار ہو چکے تھے اور اسی لئے اب تنسیخ کی تحریک پر کوئی خاص مخالفت نہیں ہوئی۔ تاہم ولنگٹن کئی سال تک کیننگ کی تائید میں اس تحریک کی مخالفت کرتا رہا تھا وہ بہت منغض ہوا اور اس قضیے کی بدولت وزارت کے بعض روشن خیال افراد سے اس کی ان بن ہوگئی۔ پھر مئی ۱۸۲۸ء میں پن رین اور ریٹ فرڈ کے انتخابی حلقے توڑنے کے متعلق پیل اور ہس کسن کا اختلاف ہوا تو یہ نزاع بروئے کار آگئی۔ ہس کسن کی طرف سے مشروط استعفا پیش ہوا۔ ولنگٹن نے موقع غنیمت جانکر اسے بادشاہ کے پاس بھیجدیا۔ اسی استعفا کے سلسلے میں پامرسٹن وغیرہ کیننگ کے دوسرے ساتھی دوبارہ مستعفی ہو گئے۔ ان کی جگہ ولنگٹن کے

قدامت پسند دوست مقرر ہوئے اور حکومت کا کام خیر و خوبی سے چلنے لگا تھا کہ یکایک کیتھولک فرقے کا مسئلہ پھر اس شکل میں سامنے آیا کہ فوری توجہ ادھر منعطف کرنی پڑی ؟

حلقۂ کلیئر کا انتخاب

نظارت تجارت کا نیا صدر نشین ویزی فٹز جی رلڈ، حلقۂ کلیئر کا قدامت پسند مبعوث تھا۔ سرکاری عہدہ قبول کرنے کی وجہ سے اس کا دوبارہ انتخاب ضروری ہوا۔ وہ کیتھولک مطالبات کا مؤید تھا۔ بایں ہم انجمن فرقۂ کیتھولک[1] نے اس کے مقابلے میں اپنی طرف سے خود اوکونیل کو منتخب کرنے کا قصد کیا۔ واضح ہو کہ کسی کیتھولک کے انتخاب میں قانوناً کوئی نقص نہ تھا کیونکہ یہ بات خود منتخب ہونے والے پر منحصر تھی کہ وہ پارلیمنٹ میں شرکت کے وقت مقررہ حلف لے یا نہ لے۔ چنانچہ ۴۰ شلنگ مالگزاری والے زمینداروں نے اوکونیل کو کامیاب کرادیا اور ساتھ ہی گویا مقام جنگ ویسٹ منسٹر میں منتقل ہوگیا۔ پھر یہ ایک مبعوث کا معاملہ نہ تھا بلکہ انجمن بڑھ بڑھ کر دعویٰ کرتی تھی کہ آیندہ انتخابات میں کم سے کم ساٹھ کیتھولک اشخاص کو منتخب کراوے گی۔ ایک اور بات یہ ثابت ہوئی کہ حقیقت میں یہ انجمن اہل آئرستان پر اتنا کامل اثر رکھتی ہے کہ ان کی بد عادتیں تک چھڑا سکتی ہے۔ چنانچہ کلیئر کے انتخاب میں سوائے اوکونیل کے کوچبان کے، جو پروٹسٹنٹ مذہب کا آدمی تھا اور کوئی شخص مخمور نک نہ تھا۔ حتیٰ کہ حکام عدالت تک قیدیوں کے نہ ہونے سے حیران ہوگئے۔ بالفاظ دیگر، ملک میں ایک نئی جماعت حکومت سے بھی زیادہ با اقتدار مرتب ہوگئی تھی اور ولنگٹن کو یقین ہوگیا کہ اوکونیل کا راستہ روکا گیا تو خانہ جنگی کے بغیر کام نہ چلے گا۔ اب ولنگٹن کے نزدیک صورت یہ تھی کہ یا تو کیتھولک فرقے کو پوری آزادی دی جائے اور یا خانہ جنگی کی تیاری کی جائے اور معاملے کے

[1] یہ انجمن جس قانون کی رو سے توڑی گئی، اس کی میعاد منقضی ہونے کے بعد پھر اس نے اپنا قدیم نام اختیار کر لیا تھا ؟

باب پنجم

اس حد پر پہنچتے ہی اس نے بلا تاخیر اپنی رائے قائم کرلی۔ وہ جنگی آدمی تھا اور اس کا بڑا وصف ہی یہ تھا کہ ٹھیک ضرورت کے وقت لڑنے یا پسپا ہونے کے لئے بالکل تیار رہتا تھا۔ غیر مصافی معاملات میں بھی اس کا یہ وصف موجود رہا کہ جب تک کسی بات کی حمایت ہو سکی' لڑا اور جب دیکھا کہ مقابلہ ممکن نہیں' تو پہلی صورت کی پروا کئے بغیر' پیچھے ہٹ گیا؛ الغرض' اس نے طے کر لیا کہ کیتھولک دعاوی کا مقابلہ فائدے کی بجائے نقصان زیادہ پہنچائے گا پس ہتیار ڈال دیے اور مجلس وزارت کو بھی اپنا ہمرائے بنا لیا۔ اس طرح رائے بدلنے سے' سب سے بڑھ کر دشواری پیل کو پیش آئی جو جامعۂ آکسفرڈ کی طرف سے کیتھولک مطالبات کے مخالف کی حیثیت سے منتخب ہوا تھا۔ اس نے استعفا دینا اپنا فرض سمجھا اور دوبارہ انتخاب کے لئے استادہ ہوا مگر انگلیس سے شکست کھا کر ویسٹ بری میں گوشہ نشین ہو گیا۔

کیتھولک فرقے کی آزادی

بادشاہ سے معاملہ کرنے میں بھی کچھ دروسری پیش آئی لیکن جارج چہارم اپنے باپ سے بالکل مخالف مزاج کا آدمی تھا اور ولنگٹن کو اس کے اصول وعقائد کی کچھ زیادہ پروا نہ تھی۔ دوسرے کیتھولک فرقے کی ایسے مخالفت کرنے والے جو نئی وزارت بنا لیتے' موجود نہ تھے لہذا وزیروں کے استعفا دینے کی دھمکی سے وہ بہت جلد ہوش میں آگیا اور نئے قانون کی تحریک کرتے وقت پیل کو تمہیداً یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ بادشاہ سلامت بھی یہ تجویز منظور فرما چکے ہیں۔ اس اہتمام سے یہ تجویز پیش ہوئی تو دارالعوام میں ہر بار بڑی اکثریت سے منظور کر لی گئی اور دارالامرا میں بھی' ایلڈن کی جد وجہد کے باوجود ولنگٹن کے اثر سے یہ مسودۂ قانون منظور ہو گیا۔ اس کے پہلے اور بعد میں دو جدید قانون اور وضع ہوئے۔ ایک میں انجمن فرقۂ کیتھولک کو دوبارہ ناجائز قرار دیا گیا وہ قانون کی زد میں آنے سے پیشتر' خود ہی برخاست ہو گئی۔ دوسرے قانون سے ۴۰ شلنگ مالگزاری والے زمیندار حق رائے دہی سے محروم کئے گئے اور دس پونڈ مالگزاری والوں تک اس حق کو محدود کر دیا گیا۔ ان قیود کے خلاف شورش کے زمانے میں اوکونیل بار بار کہتا تھا کہ ان کے دور کر دیے جانے سے آئرستان میں شورش و ناراضی تماماً فرو ہو جائے گی

لیکن مذکورۂ بالا قانون مشکل سے منظور ہوا ہوگا کہ اس نے پھر ہنگامہ شروع کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ جب تک آئرستان کو برطانیہ سے علیحدہ نہ کیا جائے گا، مجھے چین نہ آئے گا۔

جس زمانے میں پارلیمنٹ کی اصلاح کا مسئلہ سرعت سے منظر عام پر آرہا تھا اور ادھر آئرستان میں کیتھولک آزادی کے متعلق شورش ہو رہی تھی، جارج چہارم کی وفات سے ایک نیا کارفرما میدان میں داخل ہوا جب کہ سیاسی مطلع پہلے ہی کچھ کم مکدر نہ تھا۔ رہا جارج چہارم سو اس کی نسبت کوئی کلمۂ خیر کہنا مشکل ہے۔ جوانی میں وہ وہگ فرقے کا دوست بنتا تھا، بڑھاپے میں قدامت پسندوں کی طرف جھک گیا تھا۔ مگر کسی فریق میں بھی نہ اس کی عزت تھی نہ اس کی صداقت کا اعتبار تھا۔ اسی لیے جب مرا تو ناخلف فرزند، نامعتبر دوست، ناخداترس شوہر ہونے کی ایسی شہرت یادگار چھوڑی کہ اس سے بدتر خیال میں نہیں آسکتی۔ اس کی وفات ۲۶ جون ۱۸۳۰ء کے دن واقع ہوئی۔

مشہور واقعات

لنڈن ڈری کی وفات	۱۸۲۲ء
کیننگ کی وزارت	۱۸۲۷ء
معرکۂ نوارینو	۱۸۲۷ء
قانونِ آزمائش	
اور ,, بلدیات کی تنسیخ	۱۸۲۸ء
کیتھولک فرقے کی قیود کی تنسیخ	۱۸۲۹ء

باب ششم

ولیم چہارم سنہ ۱۸۳۰ء تا سنہ ۱۸۳۷ء

ولادت .... سنہ ۱۷۶۵ء
ازدواج (با ایڈی لیڈ) .... سنہ ۱۸۱۸ء
مشہور ہمعصر بادشاہ .... لوئی فلپ (شاہِ فرانس)

نئے بادشاہ نے بحری تعلیم پائی تھی اور شہزادۂ یارک کی وفات واقع سنہ ۱۸۲۷ء تک اُسے تخت نشین ہونے کی کچھ زیادہ امید نہ تھی۔ سمندر پر رہنے کے زمانے میں اس کی عادات میں ایسی بے تکلفی اور خوش مزاجی آگئی تھی جو درباری آداب و قواعد سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ بادشاہ ہونے کے بعد بھی وہ بازار میں کسی دوست کو دیکھ کر شاہی سواری ٹھیرا لیتا کہ دوست کو اُس کے گھر پہنچا دے۔ اگرچہ اس میں اُسے خود سامنے کے رخ (گھوڑوں کی طرف پُشت کر کے) ہی کیوں نہ بیٹھنا پڑے۔ سیاسی معاملات میں وہ پارلیمنٹ کی اصلاح کا موید اور ہر دلعزیزی حاصل کرنے کا نہایت خواہش مند تھا اور لوگوں کو یقین تھا کہ وہ امیر کبیر ولنگٹن سے نفرت رکھتا ہے۔

اسی لئے طالبانِ اصلاح کو شاہی تائید سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کی توقع تھی۔ ۱۸۱۸ء میں سکس مینین جن کی امیرزادی ایڈیلیڈ سے شادی ہوئی اور دو بیٹیاں بھی پیدا ہوئیں مگر دونوں صغر سن میں فوت ہو گئیں۔ اِس طرح ولیم کے بعد تخت کی وارث وکٹوریہ بن گئی جو بادشاہ کے بعد کے بھائی شہزادہ کینٹ کی بیٹی تھی۔ ولیم کو تخت نشیں ہوئے زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ

انقلاب جولائی

فرانس میں ایک تازہ انقلاب ہونے کی خبر سے تمام یورپ چونک پڑا۔ لوئی ہجدہم نے ۱۸۲۴ء میں وفات پائی۔ چارلس دہم جو عہدِ انقلاب میں کاؤنٹ دارتوا کہلاتا تھا، اس کا جانشین ہوا۔ اس کی خو خصلت اپنے بھائی سے اسی قدر مختلف تھی جس قدر چارلس ثانی اور جیمز ثانی کے مزاجوں میں فرق تھا۔ اختیارِ مطلق کی خواہش ہر ایک میں موجود تھی۔ مگر لوئی ہجدہم اور چارلس ثانی تو اپنی رعایا کو برگشتہ کئے بغیر اس مقصد میں بہت کچھ کامیاب ہو گئے بخلاف اس کے جیمز اور چارلس دہم دونوں اپنی بادشاہی کھو بیٹھے اور خاندانِ شاہی کا ایک چھوٹا فرد دونوں کا وارث ہو گیا یعنی انگلستان میں ولیم ثالث اور فرانس میں لوئی فلپ۔ فرانس کے اس جدید انقلاب کے حالات سے انگلستان میں لوگوں کو اتنی دلچسپی اور جوش و خروش ہوا جس کا اب اندازہ کرنا بھی دشوار ہے۔ یہ بھی قرینِ قیاس ہے کہ اگر ان دنوں جارج چہارم کی حکومت ہوتی جس سے عام ناراضی پھیلی ہوئی تھی تو انگلستان میں بھی لوگ اسے نکال باہر کرنے کی دل سے کوشش کرتے۔ حالاتِ موجودہ میں نئے بادشاہ کی ہر دلعزیزی نے تختِ شاہی کو تو حملوں سے بچا لیا مگر وزرا محفوظ نہ رہے۔ چارلس دہم کے نامقبول وزیر شہزادہ پولی نیاک اور امیر کبیر ولنگٹن میں نکتہ چینیوں نے مشابہت دکھانی شروع کی۔ یہ انصاف کے خلاف تھی لیکن ملک پر اس کا اثر پڑے بغیر نہ رہا اور نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد ہی جو عام انتخابات ہوئے ان میں وزرا کے مخالفین کو تقویت پہنچی۔ فرانس کے انقلاب کے ساتھ بلجیم میں بھی شورش برپا ہوئی۔ آسٹریہ کے پرانے اضلاع کے کیتھولک، موتمرِ ویانا کے اس فیصلے سے جس نے انھیں ولندیز پروٹسٹنٹوں کے ساتھ ملا دیا تھا، سخت ناخوش تھے۔ انھیں

فرانس کی نئی حکومت سے مدد ملنے کی توقع تھی لہذا ہتھیار سنبھال کے اٹھ کھڑے ہوئے ولندیزی فوجوں کو ملک سے نکال دیا اور اینٹ ورپ کا محاصرہ کر لیا۔ آخر فرانس کی مدد سے یہ شہر فتح ہو گیا اور یہ علاقہ بلجیم کی نئی بادشاہی بنا دیا گیا۔ شہزادی شارلٹ (متوفیہ) کا شوہر شہزادہ لیوپولڈ اول بلجیم کا پہلا بادشاہ منتخب ہوا اور نئی مملکت کی صیانت و خود مختاری کی تمام بڑی طاقتیں ضامن ہوئیں۔

لورپول اور مانچسٹر کی ریل

پارلیمنٹ کا افتتاح ہونے سے قبل لورپول اور مانچسٹر کے درمیان ریل کی پٹڑی تیار ہوئی جو دنیا کی تاریخ کا یادگار واقعہ ہے۔ اس کا بانی جارج اسٹیفن سن، ڈرہم کی معدن زغال کا ایک کاریگر تھا جس نے کمال ذہانت سے معلوم کیا کہ اگر پرانی ٹریم کی پٹڑی پر ٹھیلے کھینچنے کے لئے دخانی انجن سے کام لیا جائے تو رفتار زیادہ تیز ہو سکتی ہے۔ اس خیال کو سب سے اول اسٹوک ٹن کے قریب عملی جامہ پہنایا گیا اور بڑے ٹھیلے پر پالکی گاڑی بھی پہیے نکال کر رکھ دی گئی۔ اس میں لوگ سوار ہوئے اور اس طرح دنیا کی پہلی مسافر گاڑی چلائی گئی۔ اس منصوبے میں اتنی کامیابی ہوئی کہ ایک تجارتی شرکت تیار ہو گئی کہ مین چسٹر اور لورپول کے درمیان نئی پٹڑیاں بچھائے۔ ان دونوں شہروں میں اتنی تجارت ہوتی تھی کہ مدت سے سڑک اور دریا سے آمد و رفت کے وسائل ناکافی رہ گئے تھے۔ ریل بچھانے کا کام خود اسٹیفن سن کی نگرانی میں ہوا اور ستمبر ۱۸۳۰ء میں نئی ریل جاری ہو گئی۔ اس کو اتنی اہم قومی تقریب سمجھا گیا تھا کہ امیر کبیر ولنگٹن اور دوسرے ارباب سیاسی کو افتتاح کے وقت دعوت دی گئی۔ انھی میں ہسکسن بھی آیا تھا۔ راستے میں ایک جگہ ریل ٹھہری اور وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ نیچے اترا تو ایک دوست نے اس کے اور ولنگٹن کے درمیان کشیدگی دور کرنے کا یہ موقع غنیمت سمجھا اور دونوں کی ملاقات کرا دی۔ چنانچہ دونوں بہت اخلاق اور تپاک سے ملے لیکن اسی وقت ایک انجن یکایک ادھر سے گزرا۔ ہسکسن کی ٹانگ میں لنگ تھا اور وہ آسانی سے چل پھر بھی نہ سکتا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ اپنی جگہ جا کر بیٹھ سکے۔ انجن سے ٹکر کھا کے گرا اور ٹانگ نیچے آ گئی۔ صحت پہلے سے

اتنی خراب تھی کہ ٹانگ کاٹنے میں مصلحت نہ نظر آئی اور وہ اسی رات مر گیا۔

ریلوں کے اجرا سے جو سیاسی اور تجارتی فوائد حاصل ہوئے۔ انھیں چند سطروں میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ شاید یہ کہنا سب سے بہتر شاعرانہ انداز ہوگا کہ "انجن کی آہنی چھاتی کی ایک ہی آواز پر شہر اچھل اچھل کر صدہا میل قریب تر آگئے"۔ خواہ تجارتی اعتبار سے دیکھا جائے کہ ریلوں نے مال کے لانے لے جانے میں اور اس مقدار میں جس کا پہلے تصور بھی نہ ہوسکتا تھا، دنیا کا کتنا وقت بچایا۔ خواہ علوم کی اشاعت و ترویج اور سیاسی فوائد کے لحاظ سے دیکھا جائے کہ ریلوں کی بدولت کتنی دور دور کی منتشر قومیں ایک دوسرے سے متصل ہوگئیں، بہر حال اس کے اثرات حیرت انگیز نظر آئیں گے۔ پھر ریل کے انجن نے خشکی پر جو کام کیا، وہی دخانی جہاز نے سمندر میں انجام دیا۔ بہت دن پہلے یعنی ۱۷۸۹ء ہی میں اسکاٹ لینڈ میں یہ کوشش کی گئی تھی کہ کشتی کو دخان سے چلایا جائے مگر سب سے پہلی کارآمد دخانی کشتیاں کلرمنٹ اور کومیٹ تھیں ان میں سے پہلی کو ایک امریکی فلٹن نامی نے ۱۸۰۷ء میں تیار کیا اور دوسری گلاسگو کے کاریگر ہینری بل نے ۱۸۰۸ء میں بنائی۔ غرض آمد و رفت کے ان نئے وسائل سے اقوام کی تاریخ اور سیاسی زندگی کی ترقی کا ایک نیا دور شروع ہوگیا۔ اور ان میں بھی سب سے بڑھ کر فائدہ برطانیہ کو پہنچا جس کی بحری نوآبادیاں دنیا کے ہر خطے میں پھیلتی چلی جاتی تھیں۔

ولنگٹن کی معزولی

پارلیمنٹ کا افتتاح ہوا تو بروہم نے اصلاح پارلیمنٹ کے لئے خود اپنی تجاویز پیش کیں۔ یہ اس مرتبہ یارک شہر سے مبعوث منتخب ہوا اور بڑی ناموری پائی تھی۔ مگر اس کی تجاویز بحث میں آنے نہ پائی تھیں کہ ولنگٹن کی وزارت کا خاتمہ ہوگیا۔ اس زمانے میں یہ وزارت حد سے زیادہ نامقبول ہوگئی تھی۔ فرانس کی نئی حکومت سے ولنگٹن کا برتاؤ بالکل واجبی رہا اور بلجیم کے معاملات میں بھی اس نے کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ لیکن پارلیمنٹ کے افتتاح کے موقع پر بادشاہ سے اس قسم کے الفاظ کہوائے گئے جن سے مذکورۂ بالا واقعات کی تحقیر مترشح تھی۔ دوسرے،

بادشاہ کو گلڈ ہال کی دعوت میں جانے سے روکا کہ کہیں لوگ مخالفانہ مظاہرہ نہ کریں۔ اس کا مشورہ حد سے زیادہ اور بیجا احتیاط پر مبنی تھا مگر اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کسی ہنگامے یا انقلاب سے خوف زدہ ہے۔ وہگ فرقہ پہلے ہی ولنگٹن کو اصلاحات کا مخالف سمجھ کر اس کا دشمن تھا۔ پرانے قدامت پسند بھی کیتھولک فرقے کے معاملے میں اس کی تبدیلی رائے کے باعث اُسے مرتد سمجھنے لگے تھے۔ انھی وجوہ سے اس کے عزل میں کچھ دیر نہ نظر آتی تھی۔ لیکن وہ معاملہ جس پر یہ تغیر عمل میں آیا کچھ بہت سنگین نہ تھا۔ شرح اس کی یہ ہے کہ سر ہینری پارنیل نے عہدہ داران شاہی کے دفتر کی تنقیح کے لئے دارالعوام میں ایک ذیلی مجلس کے تقرر کی تحریک پیش کی۔ حکومت نے مخالفت کی اور ۲۹ آرا سے شکست کھائی۔ اس کے خلاف رائے دینے والوں میں وہگ اور برگشتہ قدامت پسند شامل تھے۔ یہ کوئی بہت اہم چیز نہ تھی مگر معلوم ہوتا ہے امیر کبیر ولنگٹن کو خیال ہو گیا کہ فرقہ وہگ نے یہ قضیہ چھیڑا ہے تو میں آیندہ بادشاہ کو رضامند نہیں رکھ سکتا۔ اسی بنا پر اس نے مصلحت یہ سمجھی کہ اپنا استعفا پیش کر دے۔ لیکن اصلاحات کے متعلق اس کی رائے کسی سے چھپی ہوئی نہ تھی۔ دارالامرا کی ایک بحث کے دوران میں وہ علانیہ یہ کہہ چکا تھا کہ آج تک کوئی ایسی تجویز میرے مطالعے میں نہیں آئی نہ میں نے سنی جس سے مجھے پورا یقین ہو جاتا کہ وہ نیابت کے موجودہ طریق کو بہتر بنا دے گی یا ملک کے حق میں موزوں تر ثابت ہو گی۔ اس غیر دانشمندانہ بیان کا اثر یہ ہوا کہ سارا ملک اصلاح کی تجاویز پر متوجہ ہو گیا۔ اور اسی لئے جب بادشاہ نے ولنگٹن کی جگہ وزارت مرتب کرنے کی غرض سے ارل گرے کو طلب کیا تو سب کو معلوم ہو گیا کہ اب سب سے بڑا مسئلہ یہی (یعنی پارلیمنٹ کی اصلاح) معرض بحث میں آئے گا۔

گرے کی وزارت

گرے ہر لحاظ سے نئی وزارت کا نہایت موزوں سرگروہ تھا۔ ۱۷۶۴ء میں پیدا ہوا اور اصلاح پارلیمنٹ کا سب سے پرانا حامی تھا۔ اس نے اصلاحات کے واسطے اُس وقت جدوجہد شروع کی جب کہ ایسا کرنے سے ارباب سیاست تحقیر و دشنام کا نشانہ بن جاتے اور کسی حد تک ان کی گرفتاری کا بھی اندیشہ ہوتا تھا۔ مزید برآں جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ

باب ششم

اس قسم کی اصلاحیں لازمی طور پر انقلاب و بغاوت سے تعلق رکھتی ہیں، وہ بھی گرے کی نسبت ایسا وہم نہ کر سکتے تھے کیونکہ وہ صاحب وجاہت اور نہایت عمدہ سیرت کا آدمی تھا۔ بہت وسیع اراضی اس کی جاگیر میں داخل تھیں۔ اخلاق و آداب درباری تھے۔ بازاری تقریریوں کی کوئی ادا چھو کر نہ نکلی تھی اور سب کو معلوم تھا کہ اس کا اصلاح کی حمایت کرنا دلی یقین پر مبنی ہے۔ اس کا وزیر مال امیر اسپنسر کا بڑا بیٹا لارڈ آل تھورپ تھا اور اپنے سرگروہ کی مثل اس کا بھی سب سے بڑا وصف، ذاتی خصائل تھے۔ وہ مالیات کا ماہر نہ تھا اور مقرر بھی بہت برا تھا لیکن اس کی سچائی اور خلوص مسلّم تھے اور اس کی تقریریں ہمیشہ توجہ سے سنی جاتی تھیں۔ بروھم صدر اعظم بنایا گیا اور بادشاہ کے ساتھ معاملہ کرنے میں بھی وہ اور گرے ساتھ ساتھ کام کرتے تھے۔ حکومت کے دوسرے ممتاز ارکان یہ تھے: پامرسٹن، وزیر خارجہ، ملبرن (سابقہ لیمب) وزیر داخلہ اور لارڈ گوڈرچ، وزیر مستعمرات؛ مجلس وزارت کے باہر بڑے عہدہ داروں میں جان رسل، بخشی فوج۔ ایڈورڈ اسٹینلی (جو آگے چل کر امیرِ ڈاربی ہوا) والی آئرستان کا صدر معتمد۔ قابلِ ذکر ہیں؛

اب جب کہ وقت کا سب سے اہم مبحث، پارلیمنٹ کی اصلاحات ہو گئی تھیں، ملک میں ان کے موافق و مخالف دو فریق ہو گئے۔ مخالفت کرنے والے آئین حاضرہ کی قدامت، ان کا مدت تک قومی معاملات کو کامیابی سے چلاتے رہنا ایک سے ایک اعلیٰ افراد کا اس میں حصہ لینا، دلیل میں پیش کرتے تھے اور نئے آئین پر جس کی کوئی آزمائش نہیں ہوئی، انھیں اعتراض تھا۔ وہ اس بات پر خصوصیت سے زور دیتے تھے کہ نامزدگی ہی کے حلقوں سے دونوں پٹ، برگ، کیننگ، ہس کس، بروھم وغیرہ نامی گرامی لوگ پارلیمنٹ میں داخل ہوئے۔ اور پوچھتے تھے کہ وہ ان بڑے حلقوں کی طرف سے کیونکر منتخب ہو سکتے تھے جنھوں نے عرصۂ دراز کے بعد ان کی قدر پہچانی؛ اس کے برخلاف حامیانِ اصلاح کا قول تھا کہ پرانا آئین کامیاب نہیں ہوا۔ اور اگر وہ "زیادہ سے زیادہ تعداد کی زیادہ سے زیادہ مسرت"[1]

[1] یہ جملہ انتہا پسند فلسفی جرمی بن تھم نے زبان زدِ عوام کرا دیا تھا۔

کا موجب ہوتا، تو ادنیٰ طبقے والے اس قدر جہالت میں مبتلا نہ رہتے۔ حامیانِ اصلاحِ آئینِ حاضرہ کو اِس بنا پر بھی فرسودہ اور ناکارہ بتاتے تھے کہ اس طریقے کی رو سے جنوبی انگلستان سے مبعوثین کی سب سے بڑی تعداد منتخب ہوتی تھی حالانکہ نئے کارخانوں کی بدولت وسطی اور شمالی اضلاعِ لندن کے بعد سب سے زیادہ آباد ہو گئے تھے۔ رٹ سینا کے ضلعے سے اتنے مبعوث منتخب ہوتے جتنے مڈلسکس اور لینکا شیر سے آتے تھے' یا گیٹن اور اولڈ سیرم جیسے ویران مقامات سے دو دو آدمیوں کا انتخاب حالانکہ لیڈز' مین چسٹر اور برمنگھم جیسے شہروں کو ایک مبعوث بھیجنے کا بھی حق نہ تھا' بہت ہی انوکھی بات تھی' یہ دلیلیں یقیناً عام اہلِ ملک پر بڑا اثر کرتی تھیں اور نئی وزارت کی اصلی قوت یہی تھی کہ پارلیمنٹ کے ایوان کے باہر اس کی تائید کرنے والے بے شمار تھے۔

پہلی تجاویزِ اصلاح

مارچ میں لارڈ جان رسل نے اصلاحات کا مسودہ دار العوام میں پیش کیا۔ یہ جدید اصول تناسب پر مبنی تھا کہ وہ حلقے جن کی آبادی دو ہزار سے کم تھی' آیندہ کوئی مبعوث منتخب نہ کریں اور جن میں چار ہزار سے کم آدمی تھے' وہ ایک ایک مبعوث کم منتخب کیا کریں۔ اس طرح جو نشستیں بچتیں انھیں لندن اور دوسرے اضلاع اور شہروں میں' جہاں سے کوئی مبعوث منتخب نہ ہوتا تھا' تقسیم کرنا منظور تھا۔ تمام حلقوں کے لئے موجودہ بے اصولی کی بجائے یکساں اصول رائے دہی وضع کئے تھے! چنانچہ شہروں میں دس پاؤنڈ کرایہ دینے والے اور اضلاع میں' چالیس شلنگ والے معافی داروں کے سوا' دس پاؤنڈ مالیت کے دوامی پٹہ داروں اور اکیس سال یا زیادہ کے پچاس پاؤنڈ کے پٹہ داروں کو رائے کا حق دیا گیا تھا۔ جملہ رائے دہندوں کے نام ایک فہرست میں درج کرنے کی تجویز تھی تاکہ صرف کسی کا نام لکھا ہونا' حقِ رائے دہی کے ثبوت میں کافی ہو۔ رائے شماری کے لئے پہلے کوئی وقت مقرر نہ تھا اور بعض دفعہ ہفتوں یہ سلسلہ جاری رہتا تھا۔ نئی تجاویز میں اس طریقے کی بجائے یہ قاعدہ تھا کہ آیندہ سے بڑی بستیوں میں رائے شماری ایک دن اور دیہات میں دو دن کے اندر ہو جانی چاہئے۔ یہ اس مسودۂ قانون کا خلاصہ ہے

باب ششم

جسے جان رسل نے پیش کیا اور پیش کرتے وقت اپنی شہرت اور موقع کی اہمیت کے مناسب نہایت عمدہ تقریر کی۔ مگر قدامت پسند فرقے نے پوری قوت سے مخالفت کی اور دوسری خواندگی صرف ایک رائے کی اکثریت سے منظور ہونے کے بعد ذیلی مجلس میں حکومت کو ایک بار شکست ہوئی۔ یعنی تجویز تو یہ تھی کہ ۶۵۸ کی بجائے ارکان کی کل تعداد ۵۹۶ کر دی جائے لیکن جنرل گیس کوئن نے ترمیم پیش کی کہ انگلستان اور ویلز کے مبعوثین کی تعداد میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور آٹھ رائے کی اکثریت سے حکومت کے خلاف یہ ترمیم منظور ہو گئی۔ پھر تین دن کے بعد دارالعوام نے منظوری رقوم کی ذیلی مجلس میں جانے سے انکار کر دیا جس کے معنی یہ تھے کہ وہ حکومت حاضرہ کے لئے کوئی روپیہ دینا نہیں چاہتا؛

اس حالت میں وزرا مجبور ہوئے کہ یا تو استعفا دے دیں اور یا پارلیمنٹ کو فسخ کرا کے از سر نو انتخابات کرائیں۔ انھوں نے یہی دوسرا طریقہ اختیار کیا اور بادشاہ کو اس عجلت سے کام کرنے پر آمادہ کر لیا کہ لارڈ وہارن کلِف کی مجوزہ عرضی، جو فسخ پارلیمنٹ کو روکنے کی غرض سے تیار ہوئی بادشاہ کے سامنے پیش ہی نہ ہو سکی۔ پارلیمنٹ کی اس برطرفی پر عوام الناس بہت خوش تھے بادشاہ کی گاڑی ویسٹ منسٹر کو جا رہی تھی اس وقت عوام کے اژدہام سے یہ آوازیں بلند ہوئیں کہ حضور ان بدمعاشوں کو نکال باہر کریں۔ شہر میں اسی خوشی میں چراغاں کیا گیا اور خود امیر بلدیہ اس تحریک میں سرگرم رہی کی۔ جن لوگوں نے حصہ نہیں لیا ان کے مکانوں پر پتھر برسے اور کھڑکیاں توڑ دی گئیں اور انھی میں امیر کبیر ولنگٹن بھی شامل تھا۔ سارے ملک میں جدید انتخابات سے لوگ نہایت خوش ہوئے اور بادشاہ اور وزرا کی حمایت کا جوش بے حد ترقی کر گیا۔ اسی جوش و خروش کے دوران میں انتخابات ہوئے اور طالبانِ اصلاح کی بن آئی۔ اضلاع اور بڑے شہروں میں ہر جگہ وہی کامیاب ہوئے۔ سو کے قریب مخالفین اصلاحات ناکام رہے اور ان کے ممتاز افراد کو انھی حلقوں کی پناہ لینی پڑی جن کے منسوخ کئے جانے کی تجویز پیش ہوئی تھی؛

دوسرا مسودہ اور امرا کی مخالفت	حامیانِ اصلاح ہر جگہ یہی ہنگامہ

باب ششم

بلند کرتے رہے تھے کہ مجوزہ قانون اصلاحات کو تمام وکمال منظور کیا جائے اور کوئی دوسرا کام ہی نہ ہو۔ چنانچہ نئی پارلیمنٹ کا افتتاح ہوا تو چند خفیف ترمیمات کے ساتھ وہی مسودہ دوبارہ پیش کیا گیا۔ دوسری خواندگی ۱۳۶ آرائے کی بیشی سے منظور ہوئی لیکن تحقیقاتی مجلس کی منزل میں فقرے فقرے پر کشمکش ہوئی اور ایک ایک ناکارہ حلقے کی قسمت کا فیصلہ باقاعدہ مباحثے اور رائے شماری کے بعد ہو سکا۔ اِن معرکوں میں پیل وینتھ ریل اور کروکر پرانے حلقوں کی مدافعت میں پیش پیش تھے اور حملہ آوروں میں لارڈ جان رسل اور ٹامس ببنگٹن (بعد میں چلکر لارڈ) میکالے کو سرغنہ سمجھنا چاہیئے آخر یہ کام انجام کو پہنچا اور تیسری خواندگی ۲۳۶ کے مقابلے میں ۳۴۵ آرا سے منظور ہوگئی۔ مگر دارالامرا میں اس کا حشر کچھ اور ہوا۔ وہاں ایسے لوگ تو کم تھے جو ولنگٹن کی طرح اصلاحات کی ضرورت سے بالکل ہی انکار کرنے کی جرأت رکھتے ہوں لیکن مجوزہ اصلاحات کو عموماً اعتدال سے بڑھا ہوا جانتے تھے چنانچہ امیر گرے اور صدر امیر عدلیہ کی انتہائی کدوکاوش کے باوجود یہ مسودہ وہاں دوسری خواندگی کے موقع پر ۱۵۸ کے مقابلے میں ۱۹۹ آرا سے مسترد کر دیا گیا؛

دارالامرا کے مسودے کو نامنظور کرنے کی خبر سے ملک میں بڑا ہیجان پیدا ہوا۔ امرا پر بازاروں میں عوام نے یورشیں کیں اور اسقف جو اصلاحات کی مخالفت میں متفق اللسان تھے اُن پر جب کبھی باہر نکلے، سخت گالیوں کی بوچھار ہوئی۔ برمنگھم میں گھنٹوں کے اندر کپڑے ٹھونس دیے گئے۔ ناٹنگھم میں بلوائیوں نے ہنگامہ کیا اور بالا حصار کو آگ لگا دی جو نہایت ہی نامقبول امیر یعنی امیر کیبر نیوکاسل کی ملکیت تھا۔ برسٹل میں (سر چارلس) وینتھ ریل عدالت کا اجلاس کرنے کی غرض سے آیا تو لوگوں نے اس پر ایسی یورش کی کہ وہ چپراسی کا بھیس بدل کر بھاگا۔ مگر بلوائیوں نے شکار کے ہاتھ سے نکل جانے پر غصّے کی جھانجھ میں سپاہیوں کی بھی پروا نہ کی اور اسقف کی حویلی، جاگیردار کے مکان، اور قید خانوں میں آگ لگا دی۔ قیدیوں کو آزاد کر دیا اور تین روز تک ہر قسم کی بدعتیں کرتے رہے۔ عوام الناس کے جوش کے اِن ابالوں سے بھی بڑھ کر

باب ششم

قوی تر چیز وہ سیاسی انجمنیں تھیں جو تمام ملک میں "بادشاہ اور اس کے وزیروں کو حلقۂ شرو شوں سے بچانے" کی غرض سے قائم کی گئیں۔ برمنگھم ہی کی ایک انجمن میں ڈیڑھ لاکھ آدمی شریک ہوئے جن میں تمام عزت دار شہری شامل تھے۔ اور یہ سب تیار تھے کہ اگر حکومت کو ان کی ذاتی مدد کی ضرورت محسوس ہو تو لنڈن پر چڑھ دوڑیں۔ اسی طرح اور شہروں میں بھی جماعتیں مرتب ہوئیں اور اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا تھا کہ اصلاحات نافذ کرنے کی کوشش میں وزیروں کو اہل ملک کی پوری تائید حاصل تھی۔

تیسرا مسودۂ اصلاحات

اس تائید سے قوی دل ہو کر وزیروں نے بلا تاخیر مسودۂ اصلاحات کو دارالعوام میں پیش کیا اور دو تہائی آرا سے منظور کرا کے امرا کے پاس بھیجدیا۔ امرا میں اس وقت مخالفین کے دو گروہ تھے۔ ایک تو وہ جن کا سرخیل امیر کبیر ولنگٹن تھا اور یہ لوگ ہر قسم کی اصلاح کے خلاف تھے۔ دوسرا گروہ وھارن کلف اور ہیروبی کا پیرو تھا۔ انھیں "مونگاف" یا "مذبذبین" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہ دوسری خواندگی منظور کرنے کے بعد تحقیقاتی منزل میں بہت کچھ ترمیمات کرا دینے کے خواستگار تھے۔ غرض مخالفین میں نااتفاقی پیدا ہوگئی اور ادھر یہ بھی مشہور ہوا کہ بادشاہ اتنی تعداد میں نئے امیر بنا دینے پر آمادہ ہے کہ مسودے کے حامیوں کی اکثریت ہو جائے۔ پس دوسری خواندگی و رائے کی بیشی سے منظور ہوگئی لیکن جب مسودہ ذیلی مجلس کے سامنے آیا تو حکومت کے علی الرغم یہ قرارداد کر دی گئی کہ حقوق رائے دہی کی دفعات کو پہلے طے کیا جائے گا۔ ظاہرا یہ ترمیم کچھ زیادہ اہم نہ تھی لیکن حقیقت میں یہ بات کہ آیندہ مسودے کی کارروائی حکومت کے ہاتھ میں ہوگی یا فریق اختلاف کے قبضے میں آجائے گی، اسی قرارداد کے کامیاب ہونے پر منحصر ہوگئی اور حکومت نے اسے مسودۂ اصلاحات کے حق میں بہت ناسازگار سمجھا اور اس کا علاج سوائے اس کے کچھ نظر نہ آیا کہ بادشاہ بہت سے نئے امرا بنا دے۔ گر ولیم دوسری خواندگی منظور کرانے کی غرض سے تو ایسا کرنے پر تیار تھا، اب آمادہ نہ ہوا بلکہ انقلاب کے آثار دیکھ کر جس سے لوگ اسے برابر ڈراتے رہتے تھے خود مسودۂ اصلاح کا قریب قریب مخالف ہوگیا۔

باب ششم

گرے کا استعفیٰ اور باز طلبی۔

تب امیر گرے نے وزارت سے استعفیٰ پیش کیا اور بادشاہ نے ولنگٹن کو وزارت مرتب کرنے کی دعوت دی۔ اس خبر کے شائع ہوتے ہی سارے ملک میں ہیجان برپا ہو گیا۔ شہر لندن میں ہر طرف یہ اشتہار چسپاں نظر آئے کہ "اپنا روپیہ (واپس) لو اور ڈیوک کو روکو"۔ مین چسٹر وغیرہ بعض شہروں میں لوگوں نے فی الواقع بنکوں سے بڑی بڑی رقوم واپس لے لیں۔ امیر فٹز ولیم کے بڑے بیٹے لارڈ ملٹن نے ایک محصل سے کہا کہ محصول لینے پھر آنا۔ اور یہ نہایت پُر معنی بات تھی۔ حقیقت میں اگر ولنگٹن وزارت مرتب کر لیتا تو کوئی شک نہیں کہ لوگ لندن پر یورش کرتے۔ فوجی سردار قیادت کے لئے معیں ہو گئے تھے اور غالباً پھر اصلاحات کی نوعیت کچھ اور ہی ہوتی۔ لیکن اس کارروائی کا موقع آنے نہ پایا۔ ولنگٹن اپنا پہلا فرض یہ سمجھتا تھا کہ اپنے فرمانروا کی ہر حالت میں خدمت و اعانت کرے اور چاہتا تھا کہ اسے جبراً نئے اُمرا بنانے کی ذلت نہ اٹھانی پڑے لہٰذا بادشاہ کے حکم سے نئی وزارت بنانے پر تیار ہو گیا لیکن ساتھ دینے کے لئے کوئی آدمی اُسے نہ ملا۔ پیل نے تو اس قضیے میں پڑنے سے قطعی انکار کر دیا اور پرانے قدامت پسندوں کے ترجمان سر انگلس نے بھی اعانت سے پہلو تہی کی۔ ولنگٹن کو شُدنی چیز کے آگے سر جھکانا اور بادشاہ کو مشورہ دینا پڑا کہ پھر امیر گرے کو طلب کرے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بادشاہ کی استدعا پر اُس نے مسودۂ اصلاحات کی مخالفت سے خود بھی ہاتھ اٹھا لیا اور اتنی تعداد میں دوسرے امیروں کو بھی اپنا متبع بنا لیا کہ پھر اس مسودے کے مختلف مدارج طے کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی اور جون ۱۸۳۲ء میں یہ مسودہ دارالامرا میں ۲۲ کے مقابل ۱۰۶ آرا سے منظور ہو گیا۔

قانون اصلاحات اور اُس کے نتائج

یہ مسودہ جو اب منظور و نافذ ہوا جان رسل کے سابقہ مسودے سے کچھ بہت مختلف نہ تھا۔ اس کی رو سے چھوٹے حلقوں کی ایک سو تینتالیس نشستیں توڑ دی گئیں اور ان میں ۶۵ تو اضلاع کے حصوں میں آئیں اور باقی بڑے شہروں نیز لندن کے چند جدید حلقوں میں تقسیم کر دی گئیں۔ برمنگھم وغیرہ بیس شہروں کو دو دو اور

باب ششم

۲۱ شہروں کو ایک ایک مبعوث بھیجنے کا حق ملا جن کو پہلے ایسا کوئی حق حاصل نہ تھا۔ حقوق رائے دہی سابقہ تجویز کے مطابق رکھے گئے۔ البتہ امیر شینڈوس نے یہ شرط دارالعوام میں اور اضافہ کرادی کہ جو کاشتکار ۵۰ پاؤنڈ سالانہ مالگزاری کی اراضی کاشت کرتے ہوں، انھیں بھی رائے کا حق دیا جائے؛ اسکاٹ لینڈ اور آئرستان کے لئے بھی اسی قسم کے قوانین وضع ہوئے۔ اسکاٹ لینڈ میں انگلستان سے بھی زیادہ ایسی اصلاحات کی ضرورت تھی۔ کیونکہ وہاں تعلقوں میں بھی رائے دہی کا حق نہایت قلیل تعداد کے قبضے میں آگیا تھا اور شہروں میں صرف انتخابی بلدیات کو یہ امتیاز میسر تھا۔ کل ملک میں چار ہزار رائے دہندے تھے۔ آرجائل تہر میں ان کا شمار ڈیڑھ سو اور اڈن برا، اور گلاسگو جیسے شہروں میں صرف تینتیس تینتیس رہ گیا تھا۔ قانون اصلاحات کی بدولت اسکاٹ لینڈ کے مبعوثین کی تعداد بھی ۴۵ سے بڑھ کر ۵۳ ہوگئی اور حق رائے دہی بھی دس پاؤنڈ قیمت کے مالکانِ زمین، نیز بعض قسم کے پٹہ داروں کو مل گیا اور شہروں میں دس پاؤنڈ کرایہ دینے والے اس کے مستحق قرار پائے۔

آئرستان میں برطانیہ سے اتحاد کے وقت ہی اکثر ناقص حلقے توڑ دیے گئے تھے۔ لہٰذا وہاں اس قسم کا کوئی تغیر نہیں ہوا۔ البتہ حق رائے دہی بلدیات کی بجائے، دس پاؤنڈ والے مکان داروں کو حاصل ہوگیا؛

قانونِ اصلاحات کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ملک میں حقوق رائے دہی کی شرطیں ہر جگہ یکساں ہوگئیں۔ ورنہ اس سے پہلے ہر حلقے میں جداگانہ قواعد تھے۔ پرسٹن میں ہر مالکِ مکان رائے دے سکتا تھا۔ بعض جگہ صرف بلدیات کے ارکان اور بعض جگہ وہ جو کلیسائی حلقے کے رسوم وجوب ادا کرتے تھے، یہ حق رکھتے تھے؛ نئی تجاویز میں ایک بڑی خوبی ان کی سادگی تھی۔ لیکن سقم یہ تھا کہ اس نے شہروں کے اندرونی حالات میں کوئی فرق ملحوظ نہیں رکھا تھا جس سے ممکن تھا کہ جو لوگ منتخب ہوں، وہ پوری طرح قومی معاشرت کے مختلف مدارج و مراتب کا نمونہ نہ ہوں اور دارالعوام ملک کا ایسا صحیح مرقع پیش نہ کر سکے جیسا کہ سابق میں تھا؛ ایک اور نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی اقتدار جنوبی اور مشرقی انگلستان سے شمالی اور مغربی

باب ششم

اضلاع میں منتقل ہوگیا۔ چنانچہ ہل سے برسٹل تک اگر خط کھینچا جاتا تو لنڈن کے علاقے کو چھوڑکر، باقی تمام پرانے حلقے جواب توڑے گئے، اس خط کے جنوب اور شرق ہی میں واقع تھے۔ تیسرا نتیجہ یہ ہوا کہ تعلقوں میں کاشتکار اور شہروں میں چھوٹے دکاندار کثرت سے رائے دہندہ ہو گئے اور انھی کے خیالات سے رائے عامہ کی رہنمائی ہونے لگی۔ اسی لئے وہ زمانہ جس میں اب ہم داخل ہوتے ہیں، طبقۂ متوسط کے اقتدار کا زمانہ ہے جس طرح اس سے پہلے جو دور گزرا وہ طبقۂ امرا کی حکومت کا دور تھا۔ یہ فرق اور بھی نمایاں ہو جاتا لیکن ابھی تک دیہات میں بڑے زمینداروں کے خاندان موجود اور بہت کچھ اثر رکھتے تھے۔

نئی پارلیمنٹ

اصلاح یافتہ پارلیمنٹ کا انعقاد ہوا تو قدامت پسندوں کی کل تعداد ۱۷۲ پائی گئی۔ نئے حلقوں میں ہر جگہ وگوں کو غلبہ ہوا تھا ان کے ۴۸۶ مبعوث منتخب ہوئے۔ اس پارلیمنٹ کی ترکیب کے متعلق لوگوں کو بے حد دلچسپی تھی اور گو پہلے کی نسبت تجارت پیشہ طبقے کے بہت سے اشخاص بھی آملے تھے لیکن یہ نئے مبعوث بھی خیالات کے اعتبار سے سابقہ ارکان سے کچھ بہت زیادہ مختلف نہیں پائے گئے۔ بعض انتخابات خاص طور پر دلچسپ ہوئے۔ ولیم کوبٹ حلقۂ اولڈہم سے کامیاب ہوا مگر ہنیری ہنٹ، پریسٹن میں رہ گیا کیونکہ اس کے اکثر اصلاح طلب احباب حق رائے سے محروم ہو گئے تھے۔ بعض حلقوں کی آبادی اتنی تو ضرور تھی کہ وہ انتخاب کے حق سے محروم ہونے نہ پائے لیکن عملاً ہر اعتبار سے وہ قدیم "جیبی" ہی کی مثل تھے۔ جیسے نیوارک جہاں محض امیر کبیر نیوکاسل کے اثر سے الورٹ گلیڈ اسٹون منتخب ہوگیا جو لورپول کے ایک سوداگر کا بیٹا تھا۔ ۱۸۰۹ء میں پیدا ہوا اور اسی زمانے میں آکسفرڈ کی تعلیم نمایاں امتیاز کے ساتھ ختم کرکے نکلا تھا۔

اصلاح یافتہ پارلیمنٹ میں شروع سے وضع قوانین کا کام بڑی شد و مد سے ہوا۔ سب سے پہلی اصلاح تو غلامی کی آفت کا انسداد تھا کہ ہر چند ۱۸۰۷ء میں بردہ فروشی موقوف کردی گئی تھی لیکن جزائر غرب الہند اور اسی براعظم کی نواحی

باب ششم

بستیوں میں گھروں اور کھیتوں میں غلاموں سے برابر کام لیا جاتا تھا۔ ان تمام نوآبادیوں میں معاشرت اور تجارت کی بنا ہی غلامی کے آئین پر تھی اور اس کا قطعی انسداد نہایت دشوار معاملہ نظر آتا تھا مگر ان دنوں انگلستان کے طبقۂ متوسط پر ولبر فورس، کلارک سن اور (مشہور مصنف میکالے کے باپ) زے کری میکالے کی تعلیم و تلقین کا اتنا گہرا اثر تھا کہ وہ کسی دشواری کا عذر سننے پر تیار نہ تھے چنانچہ ایک قانون وضع کیا گیا جس میں (۱) انسدادِ غلامی کے علاوہ حکم دیا گیا کہ (۲) گھر کے باہر کام کرنے والے غلام آئندہ سات سال تک بطور کار آموز اپنے مالکوں کے پاس رہیں گے اور گھریلو غلام صرف پانچ سال تک۔ (۳) دو کرور پاؤنڈ کی رقم منظور کی گئی کہ غلاموں کے مالکوں کو بطور تاوان سرکار کی طرف سے دے دی جائے۔ آگے چل کر کار آموزی کی مدّت گھٹا کر چار سال کر دی گئی۔ اسی کے ساتھ طے ہوا تھا کہ آزاد مزدوروں کی مدد سے جو نیشکر بوئی جائے اس پر سرکاری محصول غلاموں کی بوئی ہوئی نیشکر کی نسبت کم کر دیا جائے لیکن اس رعایت پر کبھی عمل نہیں ہوا۔

قومی تعلیم

وطن میں وزیروں نے ایک بڑا کام یہ کیا کہ تعلیم کے واسطے بیس ہزار پاؤنڈ منظور کئے۔ اٹھارویں صدی کے اخیر تک غریب غربا کی جو کچھ تعلیم ہوتی وہ قدیم اوقاف کے نحوی مدارس یا اُستانیوں کے مکتبوں میں ہوتی اور اُشہر و دیہات کے اکثر مزدور پیشہ تعلیم سے بالکل محروم رہتے تھے۔ اسی کی تدارک کے لئے رابرٹ رئیکیس نے ۱۷۸۲ء میں پہلا "اتوار کا مدرسہ" قائم کیا تھا لیکن صحیح معنی میں قومی تعلیم کا نظام مرتب کرنے کا خیال حقیقت میں سب سے اول اینڈرو بیل اور جوزف لینکاسٹر کو آیا۔ شروع سے اہل کلیسا اور غیر مقلدوں کی رقابت نے اس کام میں رکاوٹ ڈالی اور دو الگ الگ انجمنیں تیار ہوئیں۔ ایک تو "نیشنل سوسائٹی" جس میں اہل کلیسا شامل تھے اور بیل کے خیالات کے مطابق کام کرتی تھی اور دوسری "مدارس برطانی و بیرونی کی انجمن" جس کے غیر مقلد افراد لینکاسٹر کے اصول کے مطابق تعلیم کی اشاعت کرنی چاہتے تھے۔

باب ششم

۱۸۰۷ء میں وہٹ برِیڈ کی طرف سے ہر کلیسائی حلقے میں مدرسہ بنانے کی تجویز پیش ہوئی تھی مگر یہ یوں ہی رہ گئی۔ البتہ ۱۸۱۶ء میں بروم حسبِ عادت پوری ستعدی سے اس طرف متوجہ اور کوشاں ہوا تو ایک تحقیقاتی جماعت بھی قائم کی گئی کہ لنڈن میں تعلیمی حالات کی تحقیق کرے اور ۱۸۲۰ء میں قومی تعلیم کی تجاویز بھی بروم نے پیش کیں مگر جس مذہبی عناد و رقابت کی بدولت وہٹ برِیڈ کی تجویز غارت ہوئی تھی، اسی نے بروم کی تجاویز کو برباد کیا۔ بظاہر یہ دشواریاں ناقابلِ علاج نظر آتی تھیں لیکن ۱۸۳۳ء میں وزیروں کو حسد و مخالفت پیدا کئے بغیر تعلیم کی اشاعت میں مدد دینے کی ایک تدبیر یہ سوجھی کہ بیس ہزار پاؤنڈ مدارس کی عمارتوں کے لئے منظور کئے اور مذکورہ بالا دو انجمنوں کے علاوہ، اسکاٹ لینڈ میں ہر حلقے کے پادری اور اس کی کچہری کی درخواست پر انھیں رقوم امدادی کی صورت میں دینا قرار پایا۔ یہ رقم تعلیم جیسے اہم مقصد کے لئے کچھ زیادہ نہ تھی لیکن چونکہ یہی اس عظیم الشان تعلیمی نظام کا بیج تھا جس میں اب ۶۵ لاکھ پاؤنڈ سالانہ قومی روپیہ صرف ہوتا ہے، لہذا ۱۸۳۳ء کی یہ منظوری خاص اہمیت رکھتی ہے۔

نیا قانون کارخانہ جات

ایک اور بہت ہی ضروری قانون کارخانوں میں کام کرنے کے متعلق وضع ہوا۔ آرک رائٹ، ہار گریوز اور کرومپٹن نے کاتنے کے لئے اور ہوروکس اور کارٹ رائٹ نے بُننے کے واسطے جو نئی نئی کلیں ایجاد کی تھیں، ان کی بدولت نئے کارخانوں کا وسیع سلسلہ ملک میں پھیل گیا تھا اور اسی سلسلے میں اہلِ حکومت اور محبانِ بنی نوع کے سامنے بھی نئے نئے مسائل پیدا ہو گئے تھے۔ بہت سے کام اتنے سادہ اور سہل تھے کہ تعداد کثیر میں کم عمر لڑکوں سے کام لیا جانے لگا تھا اور کارخانہ داروں یا بچوں کے والدین کی طماعی کے باعث اتنی محنت لی جاتی کہ ان کی صحت برباد اور تعلیم کا مطلق موقع نہ رہتا تھا۔ یہ بچے قرب و جوار کے باشندوں کی اولاد ہوتے اور اکثر دور دور سے بھی لائے جاتے اور کارخانہ داروں کی کوٹھریوں یا جھونپڑوں میں اُن کو رکھا جاتا تھا۔

باب ششم

پہلے اسی قسم کے بچوں کی تکلیفیں دیکھ کر پارلیمنٹ متوجہ ہوئی اور ۱۸۰۲ء میں سر روبرٹ پیل (کلاں) کی تجویز سے جو خود بھی بڑا کارخانہ دار تھا ان بچوں کے فائدے کے لئے ایک قانون منظور ہوا۔ اس میں بہت سے حفظان صحت اور انسانی ہمدردی کے ضوابط تھے۔ رات کو بچوں سے محنت لینا قریب قریب ممنوع اور یومیہ مقدار بارہ گھنٹے تک محدود کر دی گئی تھی۔ نوشت وخواند اور حساب کی تعلیم لازمی قرار دی تھی اور عدالتِ علاقہ کی جانب سے دو ناظر مقرر ہوتے تھے کہ قانون کے مطابق کارخانوں میں عمل کرائیں؛ تھوڑے ہی دن بعد معلوم ہو گیا کہ اپنے گھروں پر جو بچے رہتے اور کارخانوں میں کام کرتے ہیں، وہ بھی قانونی حفاظت کے ایسے ہی محتاج ہیں، جیسے باہر کے لائے ہوئے بچے۔ پس ۱۸۱۹ء میں صرف روئی کی گرنیوں کے لئے ایک قانون وضع ہوا کہ نو سال سے کم عمر بچوں سے کوئی کام نہ لیا جائے اور نو سے سولہ برس تک کے لڑکے بارہ گھنٹے روز سے زیادہ کام نہ کریں؛ تیسرا قانون کارخانہ ۱۸۳۳ء میں نافذ ہوا اور اس نے پہلے قانون کو دوسرے پارچہ بافی کے کارخانوں تک وسیع کر دیا اور نو سے تیرہ برس کے بچوں اور تیرہ سے اٹھارہ سال تک کے لڑکوں میں بھی تفریق کر دی کہ آخر الذکر بارہ گھنٹے اور دوسرے بچے نو گھنٹے سے زیادہ کام نہ کریں اور بچوں کو دو گھنٹے روز مدرسے میں تعلیم دلائی جائے۔ یہی بچے "نیم وقتی" کہلانے لگے؛

جدید قانون مساکین

تعلیمی رقم کی منظوری اور جدید قانونِ کارخانہ سے ایک نیا نظام معاشرت قائم کرنا منظور تھا۔ مگر جدید قانونِ مساکین صرف پرانے طریقے کو جس میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں، درست کرنا چاہتا تھا۔ ۱۶۰۱ء میں سب قوانین کو ملا کر نیا قانون مرتب ہوا۔ اس کے بعد سے اُس میں تبدیلیاں بھی ہوتی رہیں۔ مثلاً غریب بچوں کو کام سکھانا اور تندرست اشخاص کو کام پر لگانا نیز اندھے، لنگڑے یا ضعیف لوگوں کو مدد دینا، سابقہ قانون کی رو سے نگرانِ کلیسا کا فرض قرار دیا گیا تھا۔ ۱۶۹۷ء میں جان کیری کی تحریک سے ایک خاص قانون منظور ہوا کہ برسٹل میں (سب سے پہلا) محتاج خانہ تعمیر کیا جائے اور تندرست مساکین

کو اس میں جا کر کام کرنے پر مجبور کیا جائے۔ یہ تدبیر ایسی کامیاب ہوئی کہ جا بہ جا
اس کی تقلید کی گئی اور ۱۷۲۳ء میں پارلیمنٹ نے حکم نافذ کر دیا کہ جو مساکین ان
محتاج خانوں میں جانے سے انکار کریں، انھیں کلیسائی حلقوں سے کسی مدد کا
استحقاق نہ ہوگا۔ اٹھارویں صدی کے زمانۂ فراغ و آسودگی میں یہ "شرائط محتاج خانہ"
اچھی طرح کام دیتی رہیں لیکن ۱۷۹۵ء میں جنگ سے جو افلاس و بے زری
پھیلی تو یہ قاعدے بھی نہ چل سکے اور نیوبری (برک شر) کے قریب ایک مقام
اسپین ہم لینڈ کے فوجداری حکام نے یہ صورت نکالی کہ تندرست مردوں اور
ان کے بال بچوں کو روٹی کی قیمت کے مطابق امداد دی جائے۔ مثلاً اگر ایک گیلن
روٹی کی قیمت ایک شلنگ ہو تو تنہا مرد کو ۳ شلنگ، ایک مرد اور اس کی بیوی
کو ۴½ شلنگ ساتھ ہر بچے کے لیے، ڈیڑھ شلنگ اور مجموعی طور پر کل
۱۵ شلنگ دیے جاتے تھے۔ ۱۷۹۶ء میں اس شکل کو پارلیمنٹ نے منظور کر لیا اور
قریب قریب ہر جگہ اسی کے مطابق عمل ہونے لگا۔ مگر نتیجہ نہایت تباہ کن نکلا کہ
مزدوری بڑھنے کی بجائے، زمینداروں نے طرح طرح سے سرکاری محاصل پر
خرچ ڈالنا شروع کیا۔ ایک راست باز مزدور کی، جسے محتاج نہ ہونے کا زعم تھا،
روز بروز اس محتاج سے آمدنی کم ہوتی چلی گئی، جسے حلقے سے وظیفہ ملتا تھا۔ غریب
محصول گزار خود مفلس ہوتے ہوتے محتاجی کے کنارے جا لگے۔ محتاجوں نے
محتاجوں میں شادی بیاہ کیے اور جتنے بچے زیادہ ہوتے اتنا ہی زیادہ وظیفہ
پانے لگے۔ بعض حلقوں میں محتاجوں کا محصول مالگزاری سے بڑھ گیا اور زمینیں
بلا کاشت چھوڑ دی گئیں۔ ۱۸۱۷ء میں ثابت ہوا کہ ملک کی ایک کروڑ دس لاکھ
آبادی میں محتاجوں کے وظائف کی رقم اسی لاکھ پاؤنڈ ہو گئی ہے۔ اس
خرابی کی کوئی نہایت کارگر اصلاح لازمی تھی لیکن ایسی اصلاح پر عمل کرنے
کے لیے ہمت درکار تھی۔ تاہم ایرل گرے کی وزارت نے ایک زوردار تحقیقاتی
جماعت مقرر کی جس کی تحقیقات سے ظاہر ہوا کہ حالت توقع سے بھی بڑھ کر
خراب ہے۔ اسی جماعت کی تحریک سے ایک نیا قانون مساکین مرتب اور
پارلیمنٹ میں منظور ہوا (۱۸۳۴ء) اس کی سب سے اہم دفعات کا منشا یہ تھا کہ

سوائے باضابطہ محتاج خانوں کے، اور تمام تندرست اشخاص کے وظیفے موقوف کئے جائیں۔ اس ضابطے سے گویا پرانی شرطوں کی تجدید ہوگئی اور اس کے ساتھ آوارہ گردوں، حلقے کے کارآموزوں اور محتاج خانوں کے بچوں کے لئے بھی بہتر و مفید قاعدے مرتّب کئے گئے۔ زمانۂ سابق میں خرابی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ہر حلقے یا حلقوں کی پنچایت من مانے قاعدے بنا لیتی تھی مگر اب قانون مساکین کے مطابق عملدرآمد کی غرض سے ایک سرکاری محکمہ "نظارتِ قانون مساکین" کے نام سے قائم ہوا۔ ان جدید ضوابط کا ملک پر بہت ہی اچھا اثر پڑا اگرچہ پرانی خرابیوں کے آثار مٹنے میں کافی زمانہ ضرور لگا۔

آئرستان

انگلستان میں ان اصلاحات کے ساتھ ساتھ وزیروں کو آئرستان کے معاملات پر کافی توجہ کرنی پڑی۔ وہاں شکایت کا ایک بڑا سبب کلیسا کا اسقفی انتظام تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آئرستان کے اصلی باشندوں میں اصلاحِ کلیسا کی تحریک نے کبھی قرار واقعی رواج ہی نہ پایا اور اسٹیفرڈ کے وقت سے پروٹسٹنٹ کلیسا کی حالت فضیحت و رسوائی کا موجب بن گئی تھی۔ مگر قدیم آئرستانی کلیسا کی جملہ املاک اسی کے ہاتھ میں تھیں اور ایسے حلقوں میں بھی جہاں مشکل سے کوئی پروٹسٹنٹ فرقے کا آدمی ہوگا، عشر پروٹسٹنٹ متولی ہی کو ادا کیا جاتا تھا۔ لیکن گذشتہ چند سال سے عشر کی وصولی تقریباً محال ہوگئی تھی اور ہرچند حکومت کی ساری دیوانی اور فوجی قوت محصلوں کی تائید پر تھی، پھر بھی جو رقم وصول ہوتی، وصولی کے مصارف بھی اس سے پورے نہ ہوتے تھے۔ ملک میں جرائم کی تعداد بھی خوف انگیز تھی۔ سنہ ۱۸۳۲ء میں پورے نو ہزار جرائم کا ارتکاب ہوا جن میں دو سو چالیس قتل تھے۔ اسی پر حکومت نے ایک سخت قانون وضع کیا اور والیٔ آئرستان کو اختیار دیا کہ جن اضلاع میں اعلان کر دیا گیا ہو وہاں سیاسی جلسے جبراً روک دے اور سیاسی جرائم کی تحقیقات کے لئے مقام عدالت بھی بدل دے۔ مغرب کے بعد سے طلوع آفتاب تک گھروں سے باہر نکلنا قابلِ سزا قرار دیا گیا اور حبیس کورپس (لازم تحقیقات محبوس) قانون عملاً معطل ہوگیا۔ اسی کے ساتھ پروٹسٹنٹ اسقفی انتظام

باب ششم

کی درستی عمل میں آئی۔ صدر اسقفوں کی تعداد گھٹا کر چار سے دو اور اسقفوں کی بائیس کی بجائے بارہ کر دی گئی۔ اس تخفیف سے جو رقم بچی تھی اس کی نسبت وزیروں میں اختلاف تھا ورنہ آئرستانی کلیسا کی اور بھی اصلاحات ہوتیں۔ مگر وزارت کا زیادہ آزاد خیال طبقہ تو اس رقم کو عام رفاہی کاموں میں لگانے کا خواہاں تھا، اور کلیسا کے نام نہاد خیر خواہ اسے خالص کلیسائی اغراض کے لئے مخصوص کر دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ اسی قضیے کی بنا پر امیر کیبر رچ منڈ، امیر رپن (سابقہ لارڈ گوڈرچ) ایڈورڈ اسٹین لی اور سر جیمس گریہم نے وزارت سے علحدگی اختیار کر لی۔ لیکن ان کے عہدے جلد پر ہو گئے اور وزرا نے ایک جماعت خاص مقرر کر دی کہ کلیسائے آئرستان کے پورے مسئلے کی تحقیقات کرے۔

ملبرن کی وزارت

مگر ان مشکلات سے عہدہ برا ہوئے دیر نہ ہوئی تھی کہ حکومت کو ایک اور دشواری کا سامنا ہوا۔ ۱۸۳۴ء میں آئرستانی قانون جرائم کی تجدید ہونی تھی اور وزیروں میں سیاسی مجالس کے متعلق ضوابط کو دوبارہ نافذ کرنے کے بارے میں اختلاف تھا۔ امیر گرے ان کی تجدید چاہتا تھا۔ لارڈ آل تھورپ خلاف تھا۔ آئرستان کے معتمد لٹل ٹن نے کمال بے وقوفی سے او کونیل سے کہدیا کہ اس قانون کی تجدید نہ ہوگی اور جب وزرا نے امیر گرے کے اثر سے اس کی تجدید کا فیصلہ کیا تو او کونیل نے علانیہ کہا کہ مجھے فریب دیا گیا۔ آل تھورپ نے استعفا دینے پر اصرار کیا۔ اس پر گرے کو جو عہدے کی دردسری سے پہلے ہی پریشان تھا، خود بھی مستعفی ہونے کا موقع مل گیا۔ تب ملبرن وزیر اعظم ہوا اور آل تھورپ با دلِ ناخواستہ عہدے پر بحال رہا اور قانون جرائم کو ذرا نرم کر دیا گیا کہ او کونیل کی رائے سے فی الجملہ مطابق ہو جائے؛ ولیم لیمب المقلب بہ "وائی کاؤنٹ ملبرن" کے وزیر اعظم مقرر ہونے پر لوگوں کو خاصا تعجب ہوا۔ کیننگ کے پیرو ہونے کی حیثیت سے اس نے اصلاحات کے متعلق کوئی خاص جوش و خروش نہیں دکھایا تھا۔ ذاتی طور پر بھی وہ متانت و استقامت

باب ششم

سے عاری تھا۔ مختلف عہدوں کا کام جو اسے ملے، خصوصاً وزارت داخلہ کی خدمت، اُس نے پوری قابلیت سے انجام دی اور ایسی احتیاط سے کام کیا کہ عام طور پر وہ ایسا محتاط و جفاکش نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بایں ہمہ اصلاح طلب فرقے کی رہ نمائی اتنی دشوار تھی، کہ بہت کم لوگ اسے **ملبرن** کے قابو کا کام سمجھتے تھے اور غالباً اس کے وزیر اعظم ہونے سے وزارت کی شہرت پر حرف آگیا۔

سیاسی فرقوں کی حالت

ملبرن کے تقرر کو اُس اہم تغیر کے بیان کرنے کے لئے بہت مناسب زمانہ قرار دے سکتے ہیں، جو ملک کے سیاسی حالات میں پیدا ہو رہا تھا۔ قانونِ اصلاحات کے نافذ ہونے کے وقت سے قدرتی طور پر لوگوں کے خیالات میں رجعت رونما ہوئی جس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ خود مسودۂ قانون کی خامیوں کی صرف معمولی ضرورتیں قانون سے پوری ہوئیں۔ دوسرے انتہا پسند فرقہ اس قانون کو آیندہ آئینی بہت سے تغیرات کی تمہید بنانا چاہتا تھا اس کے انتہائی مطالبات پورے نہ ہو سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طالبان اصلاح کے دو فرقے بن گئے۔ نئے فرقوں کے لئے نئے ناموں کی ضرورت لاحق ہوئی اور آیندہ سے **وہگ** کی بجائے یہ فرقہ آزاد خیال (لبرل) اور انتہا پسند (ریڈی کل) کی دو جماعتوں میں منقسم ہوگیا۔ ان میں سے پہلا فرقہ قانون اصلاحات کو کم سے کم سر دست، بالکل کافی اور قطعی سمجھتا اور چاہتا تھا کہ اب وہ سیاسی اور عمرانی اصلاحات کی جائیں جو سنہ ۱۸۳۲ء سے پارلیمنٹ کے سامنے تھیں۔ لیکن انتہا پسند چاہتے تھے کہ حقوق رائے دہی کو بڑھایا جائے اور اس قسم کی تبدیلیاں کی جائیں، جن کے لئے اس سیاسی گروہ کے اکثر افراد تیار نہ تھے۔ قدامت پسندوں میں بھی اسی قسم کا تغیر ہو رہا تھا کہ **روبرٹ پیل** جیسے اشخاص جو طبقۂ متوسط کے خیالات سے آگاہی رکھتے تھے، سمجھ گئے تھے کہ اگر اصلاحات کی نری مخالفت کی جاتی رہی جو **ٹوری** فرقے کا اب تک طریقِ عمل رہا تھا، تو قدامت پسندوں کی جدید حلقوں میں ہرگز تائید نہ ہوگی۔ پس وہ جدید اصلاحات کے ساتھ ہوگیا اور آئینِ حاضرہ کی حدود کے اندر سمجھ بوجھ کر قدم بہ قدم ترقی کرنے کی حمایت کرنے لگا۔ اسی روش کے واسطے

ایک نئے نام کی ضرورت پڑی اور پیل اور اس کے ہم خیال اپنے آپ کو قدامت پسند (کنزرویٹو) کہنے لگے تاکہ ان میں اور لارڈ ایلڈن کی قسم کے پرانے ٹوریوں میں امتیاز رہے۔ اس کا نتیجہ قدامت پسندوں کے حق میں صریحاً مفید ہوا۔ وہ انتخابات میں زیادہ رائیں حاصل کرنے لگے خصوصاً ان تعلقوں میں جہاں شینڈوس کی ترمیم کی بدولت کاشتکاروں کو حق رائے حاصل ہوا اور زمیندار خاندانوں کا پھر اثر قائم ہوگیا تھا؛

ان حالات نے خود بادشاہ کے خیالات پر بڑا اثر ڈالا جس کی وہگ فرقے سے دوستی یقیناً رو بزوال تھی۔ جون میں موقع پاکر اس نے آئرستانی اسقفوں سے نہایت صاف اور قطعی الفاظ میں ظاہر کیا کہ وہ ان کے کلیسا اور پروٹسٹنٹ مذہب کی حمایت اپنا فرض سمجھتا تھا۔ یہ اعلان وہگ فرقے کے لئے صریحاً مضر تھا۔ پھر نومبر ۱۸۳۴ء میں اس نے آئین کے بالکل خلاف یہ کارروائی کی کہ ملبرن اور اس کے ساتھیوں کو برطرف کر دیا حالانکہ معمولاً جو اسباب برطرفی کے ہوا کرتے ہیں وہ سب مفقود تھے۔ وزیروں کو نہ تو پارلیمنٹ میں کوئی شکست ہوئی نہ کسی خاص معاملے میں بادشاہ سے اختلاف ہوا۔ آپس میں بھی وہ کامل اتفاق رکھتے تھے۔ مگر بادشاہ کو قدامت پسندوں کی جانب ملک کا میلان دیکھکر یہ جسارت ہوئی۔ اس میلان کو وہ جس قدر قوی سمجھتا تھا حقیقت میں یہ بات نہ تھی لیکن جوں ہی امیر اسپین سر کی وفات سے آل تھورپ کو دارالامرا میں بھیجنا پڑا اور وہ وزارت مالیہ سے الگ ہوا، اسی وقت بادشاہ نے وہگوں سے پیچھا چھڑانے کا موقع پاکر سب وزیروں کو یک بہ یک برطرف کر کے امیر کبیر ولنگٹن کو طلب کیا کہ وزارت مرتب کرے۔ ولنگٹن نے مشورہ دیا کہ یہ خدمت پیل کے سپرد کی جائے لیکن چونکہ وہ اس وقت روما میں تھا، لہذا اس کی واپسی تک ولنگٹن نے تین وزارتوں کی خدمت اپنے ذمے لے لی۔ ظاہر ہے کہ وہ محض معمولی دفتری کام انجام دیتا تھا اور اسی لئے نکتہ چینیوں کا یہ شور کہ ولنگٹن سارے اختیارات پر قبضہ جمانا چاہتا ہے، محض لغو تھا چنانچہ

وزارت کے ردوبدل

باب ششم

پیل کے انگلستان آتے ہی حسب معمول وزارت مرتب ہوئی۔ پیل صدر امیر خزانہ و وزیر مالیہ ہوا۔ سینڈھرسٹ، امیر عدلیہ اور ولنگٹن، وزیر خارجہ مقرر ہوئے۔ حکومت کے ثانوی افراد میں گلیڈ اسٹون بھی شامل اور امارت خزانہ کا ایک رکن اور پھر سررشتۂ مستعمرات کا شریک معتمد بنایا گیا جس کا وزیر لارڈ ابرڈین تھا۔

پیل کی حکمت عملی

پارلیمنٹ میں آنے سے پہلے پیل نے (جدید انتخابات کے ذریعے) ملک سے استمداد کی اور ٹیم ورتھ کے رائے دہندوں سے خطاب کرتے وقت نئے قدامت پسند فرقے کی حکمت عملی کی صراحت کرنی مناسب سمجھی۔ اس نے لکھا کہ "ہمارا مقصد یہ ہے کہ امن امان قائم رہے۔ ممالک خارجہ سے جو معاہدے ہوئے ہیں ان کی اصلی وجہ کا تجسس کئے بغیر، انھیں سچائی کے ساتھ پورا کیا جائے۔ ملک کی ساکھ برقرار رکھی جائے۔ سخت کفایت شعاری سے کام لیا جائے اور اہل زراعت و صنعت یا تاجر، ہر طبقے کے اغراض و فوائد کا بلا رعایت منصفانہ لحاظ رکھا جائے"۔ انتخاب کے نتائج سے یہ تو صاف ثابت ہو گیا کہ لوگوں کا قدامت پسندوں کی جانب میلان بڑھ گیا اور بہ نسبت سابق اُن کے مبعوثوں کی تعداد ایک سو سے بھی زیادہ بڑھ گئی لیکن ۳۸۰ آزاد خیالوں کے مقابل وہ پھر بھی ۳،۲ رہے گویا پیل کے ساتھیوں کی تعداد دارالعوام میں فریق مقابل سے ۱۰۰ کم تھی۔ لہذا بہت جلد اس کی مشکلات بڑھنے لگیں۔ ولنگٹن نے کاسل ری کے بھائی کو جو اب امیر لنڈن ڈری ہو گیا تھا، سنیٹ پیٹرزبرگ میں سفیر مقرر کر کے اور بھی نقصان پہنچایا کیونکہ گو وہ سفارت کا کام بہت خوبی سے کر چکا تھا لیکن دارالامرا میں اُس نے پول قوم کی نسبت کہا کہ وہ زار کی باغی رعایا ہیں۔ چونکہ اکثر انگریزوں کو پولوں سے دلی ہمدردی تھی، لہذا لنڈن ڈری کے تقرر پر غیظ و غضب کا ہنگامہ برپا ہوا۔ پارلیمنٹ میں بھی پیل اور ولنگٹن کی بری طرح خبر لی جاتی مگر لنڈن ڈری کی بلند حوصلگی نے انھیں اس بے توقیری سے بچا لیا کیونکہ اس نے خود ہی عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پیل کے ساتھ بھی قریب قریب ایسا ہی معاملہ ہوا کہ ہرچند بعض اصلاحی تجاویز پیش کیں،

باب ششم

کچھ فائدہ نہ ہوا۔ مخالفین انھیں فرقۂ وہگ کی نقالی کہہ کر ہنسی اڑاتے تھے اور بار بار حکومت کو شکست ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ جان رسل کی یہ تحریک کہ آئرستانی کلیسا کا بچا ہوا روپیہ عام اخلاقی اور مذہبی اغراض میں خرچ کیا جائے، حکومت کے علی الرغم منظور ہو گئی تو اس وقت پیل کو چار ماہ کی وزارت کے بعد استعفیٰ دینا پڑا۔

اب ولیم کو بہ اکراہ تمام پھر وہگوں کو طلب کرنا پڑا اور دوبارہ ملبرن وزیر اعظم مقرر ہوا۔ وزارت میں طرف دو تبدیلیاں قابل ذکر ہوئیں کہ اول تو آل تھورپ کی بجائے اسپرنگ رائس وزیر مالیہ بنایا گیا اور دوسرے مُہر شاہی ایک جماعت کے تفویض کر دی گئی۔ یہ گویا بروم کے سخت ضرب لگی۔ اصل میں اس کی قابلیت میں کسی کو شک نہ تھا لیکن اس کی بدمزاجی محل نہ شناسی اور سب سے بڑھ کر خود بینی ساتھیوں کے لئے ناقابل برداشت تھیں اور ملبرن نے یہ موقع غنیمت جان کر اسے الگ کر دیا۔ ایک سال بعد سر چارلس پیپس (آزاد خیال فرقے کا) امیر عدلیہ مقرر اور لارڈ کوٹین ہیم ملقب ہوا۔

بلدی اصلاحات

لارڈ ملبرن کی دوسری وزارت کا بڑا کام قانون اصلاحِ بلدیات کا نفاذ ہے۔ ان بلدیات کی حالت پارلیمنٹ کے پرانے حلقوں سے کچھ بہت بہتر نہ تھی۔ طرہ یہ کہ عموماً ہر بلدیہ اپنی خالی نشستوں پر خود ہی اراکین کو نامزد کر لیتی اور اس کے ارکان حین حیات اپنی جگہ پر قائم رہتے۔ یہی بلدیہ لوگوں کو شہری حقوق دیتی اور اس میں اکثر زرستانی کا بھی دخل ہوتا۔ مجلس کی کاروائیاں صیغۂ راز میں رکھی جاتی تھیں۔ ان حالات میں ہر طرف رشوت اور خرد برد کا بازار گرم ہونا ایک لازمی بات تھی۔ ۱۸۳۳ء میں ایک تحقیقاتی جماعت مقرر ہوئی کہ تمام مسئلے پر تفصیلی نظر ڈالے۔ اس نے جو کیفیت پیش کی اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اکثر صورتوں میں بلدیات محض اپنے ارکان کے فائدے کے واسطے قائم ہیں اور باقی باشندوں کو ان مقامی حکام پر نہ کوئی اعتماد ہے نہ اس انتظام کی کوئی وقعت رہ گئی ہے۔ نظر بر ایں ارادہ کر لیا گیا کہ حکومت بلدی کو ہمیشہ کے لئے جمہوری بنیادوں پر

باب ششم

قائم کیا جائے۔ ہر شہر کے محلّے یا حلقے بنائے گئے اور ہر محلّے کے باشندوں کو مجلس بلدیہ کے ایک یا زیادہ ارکان کے انتخاب کا حق دیا گیا۔ مقامی عمّال کے تقرر کا آخری اختیار اسی مجلس بلدیہ کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ تمام تجارتی امتیازات توڑ دیے گئے اور ارکان کے فوجداری اختیارات سلب کر لیے گئے۔ دارالعوام سے یہ قانون اسی صورت میں منظور ہوا تھا لیکن امرا نے ایک دفعہ بڑھا دی اور بعد میں دارالعوام نے بھی اسے قبول کر لیا کہ اہل بلدیہ چھ سال کے واسطے شہر کے فوجداری حکام (آلڈرمین) کا انتخاب کریں اور عہدے کے زمانے میں انھیں وہی حقوق و امتیازات حاصل ہوں جو منتخب شدہ ارکان کے ہوتے ہیں۔ مگر اس قاعدے نے بلدیات کی اکثریت کو مزید قوّت پہنچا دی اور رائے عامہ کا بلدیہ کی حکمت عملی پر اثر پڑنا اور بھی دشوار ہو گیا۔ تاہم جدید قانون سے شہری زندگی میں بڑا انقلاب واقع ہوا۔ نظم و نسق کو بہتر بنا دینے کے علاوہ، اس قانون نے مقامی حکومت کا فن سکھانے میں معلّم کا سا کام دیا اور آیندہ اضلاع و دیہات میں بھی اسی طریقے کے رواج کا راستہ تیار کر دیا۔ انھی دنوں خیال تھا کہ شہر لندن کی قدیم بلدیہ کے واسطے ایک جداگانہ قانون وضع کیا جائے گا لیکن کسی وجہ سے یہ ارادہ ملتوی کر دیا گیا اور لندن کا بلدیہ ابھی تک اپنی سابقہ حالت پر قائم ہے۔

دوسرے سال وزارت نے ایک اور قانون وضع کیا جس سے اہل کلیسا اور غیر مقلد فرقوں کی ایک پرانی بنائے مخاصمت دور ہو گئی۔ اب تک پادری اور متولی اپنا عُشر، جنس کی صورت میں وصول کیا کرتے تھے۔ مثلاً اناج کے ہر دسویں گٹھے کو اٹھا کر اپنے ذخیرے میں ڈلوا دیتے اور اس عمل سے کاشتکاروں خصوصاً غیر مقلدوں کو سخت آزار پہنچتا تھا۔ پس ایک قانون "تحویل عُشر" وضع ہوا جس سے عُشر جنس کی بجائے لگان کی صورت میں

قانون تحویل عُشر

ادا ہونے لگا اس کی تشخیص سات گذشتہ سال کے نرخِ غلّہ کی اوسط کے مطابق قرار دی جاتی اور کھیت کے رقبے پر رقم مقرر ہو جاتی تھی۔ ایسا ہی قانون آئرستان

باب ششم

کے واسطے وضع ہوا تھا مگر اُمرا نے ایک فقرہ منظور نہیں کیا جس میں (عُشر کی) زائد مالگزاری کو عام اغراض کے واسطے خرچ کرنے کی اجازت تھی۔ اور اسی اختلاف پر پورا قانون ہی چھوڑ دیا گیا؛

اخبارات کا محصول

۱۸۳۶ء کے دونئے قانونوں سے لوگوں کی سیاسی تعلیم پر بہت اثر پڑا۔ ۱۷۱۲ء میں ہارلے کی وزارت نے ہر اخبار پر فی ورق ایک پینی اور فی اشتہار ایک شلنگ محصول لگایا تھا اور یہ اب تک سرکاری آمدنی کی ایک معقول مد تھا۔ لارڈ نارتھ نے اس میں اضافہ کیا اور پِٹ نے جنگ کی ضروریات کے لحاظ سے اور بڑھایا۔ حتیٰ کہ ۱۸۱۶ء میں ہر ورق پر ۴ پینی اور ہر اشتہار کے ۳½ شلنگ لئے جانے لگے۔ ۱۸۲۶ء میں تھوڑی سی تخفیف ہوئی اور ۱۸۳۳ء میں آل تھورپ نے اشتہاروں کا محصول گھٹا کر ۱۸ پینی کر دیا۔ لیکن خبروں پر حسب سابق ۴ پینی فی ورق کی شرح قائم رہی تا آنکہ اسپرنگ رائس نے ۱۸۳۶ء میں اسے پھر ایک پینی کر دیا۔ یہ تخفیف اخباروں کی ترقی کے دور نو کا آغاز ثابت ہوئی۔ سرکاری محاصل شروع میں کم رہ گئے تھے لیکن پھر اخباروں کی اشاعت میں اتنی تیز ترقی ہوئی کہ ۱۸۵۱ء میں سرکاری آمدنی پرانی شرح کے محاصل کے برابر ہو گئی۔ اس کا سبب پرانے اخباروں کی کثرت اشاعت ہی نہ تھا بلکہ یہ بھی کہ صدہا نئے اخبار، خصوصاً روزنامے، جاری ہو گئے اور اسی نسبت سے سیاسی امور کے متعلق معلومات اور دلچسپی میں اضافہ ہوتا گیا؛

فہرست آرا

دوسرا قابلِ ذکر واقعہ یہ ہے کہ پارلیمنٹ کی طرف سے ارکان کی (ہر معاملے میں) فہرست آرا خود شائع ہونے لگی۔ اس سے قبل، اخبار والے سن سنا کر، بغیر پارلیمنٹ کی اجازت کے، یہ فہرست چھاپ دیتے تھے اور پارلیمنٹ والوں کو اصرار تھا کہ ان کی ذاتی رائے کسی کو معلوم نہ ہونی چاہئے۔ لیکن تجربے سے ظاہر ہوا کہ عملاً باہر والوں کو پتا چل ہی جاتا تھا کہ کس نے کدھر رائے دی پس بہتر یہی معلوم ہوا کہ سرکاری

طور پر یہ فہرست شائع کر دی جائے اور اس کی اجازت دے دی گئی۔ اس سے ہر مبعوث کے حلقے والوں کو یقینی طور پر یہ خبر ہو جاتی تھی کہ اس نے کدھر رائے دی اور دوسرے یہ بھی پتا چل جاتا تھا کہ اس نے کن امور میں حصّہ لیا۔ جس سے مبعوثین کی حاضر باشی کی بھی نہایت عمدہ نگرانی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ وہ اپنے فرائض بہ نسبت سابق کے زیادہ اچھی طرح انجام دینے لگے۔

سنہ ۱۸۳۷ء میں کوئی قابلِ ذکر قانون پارلیمنٹ میں منظور نہیں ہوا اور جون میں یہ میقات ہی بوڑھے بادشاہ کی وفات سے یک بہ یک ختم ہو گئی اور نئے انتخاب کی ضرورت پڑی۔ برطانیہ میں متوفی بادشاہ کی وارث اس کی بھتیجی وکٹوریا (بنت شہزادہ کینٹ) ہوئی لیکن ہنوور میں وراثت نرینہ کا اصول جاری تھا لہٰذا شہزادہ کینٹ کا دوسرا بھائی شہزادہ کمبرلینڈ وہاں مسند نشین حکومت ہوا۔ اور ان حکومتوں کی علٰحدگی پر اہلِ انگلستان کو کوئی تاسف بھی نہیں ہوا۔

مشہور واقعات و سنین

قانون اصلاحات کا نفاذ	سنہ ۱۸۳۲ء
انسداد غلامی	سنہ ۱۸۳۳ء
کلیسائے آئرستان کی اصلاح	سنہ ۱۸۳۳ء
نیا قانون مساکین	سنہ ۱۸۳۴ء
قانون بلدیات	سنہ ۱۸۳۵ء
ولیم چہارم کی وفات	سنہ ۱۸۳۷ء

باب ہفتم

وکٹوریا حصۂ اول ۱۸۳۷ء تا ۱۸۶۵ء

ولادت ۱۸۱۹ء؛ ازدواج با البرٹ (امیر سیکس کوبرگ) ۱۸۴۰ء

معاصرین؛ فرانس .... لوئی فلپی

جمہوریت

نپولین سوم

روس .... نکولس اول

الیگزنڈر دوم

پروشیا .... فریڈرک ولیم سوم و چہارم

سارڈینیا (اطالیہ)۔ ...... وکٹر امان ویل دوم

نئی ملکہ شاہ ولیم کی وفات سے کچھ ہی پہلے قانونی طور پر سن رشد کو پہنچی اور لوگوں کو اس سے بہت کم واقفیت تھی۔ اس کی ماں (ڈچس آف کینٹ) نے عاقبت اندیشی سے، جہاں تک ممکن ہوا اسے چچا کے دربار کی صحبتوں سے الگ رکھا تھا جو ایک نوجوان لڑکی کے لئے کچھ مناسب نہ تھیں۔ مگر قصر کینزنگٹن کی

ملکہ کی تعلیم

چار دیواری کے اندر کسی تعلیم و تربیت میں جو بیٹی کے آیندہ منصب عالی پر پہنچنے میں کام آسکتی تھی اس کے بہم پہنچانے میں ڈچس آف کینٹ کمی نہ کرتی تھی۔ اس کے دل و دماغ دونوں کے بنانے میں پورا اہتمام کیا گیا تھا۔ اسے خود اعتمادی، باقاعدگی اور کفایت شعاری کی تعلیم دی گئی تھی اور جب اس کے بادشاہی کے اعلیٰ فرائض ادا کرنے کا وقت آیا تو ہر شخص جسے سابقہ پڑا اس کے کام کا طریقہ دیکھکر متحیر رہ گیا۔ ابتدا سے وہ تہیہ کیے ہوئے تھی کہ آئینی فرماں روا کی طرح حکومت کرے گی اور سیاسی فرقوں میں اپنے آپ کو کوئی امتیاز یا رو رعایت ملحوظ نہ رکھیگی۔

یہ بادشاہی طرز عمل میں ایک نمایاں تغیر تھا۔ جارج ثالث اپنے وزیروں کو خود نامزد کرنے کا دعوے دار تھا اور اس کے دونوں جانشین اپنا میلان مشکل سے مخفی رکھ سکے تھے۔ وکٹوریا وارث تاج ہوئی تو ولنگٹن نے پیشین گوئی کی کہ اب قدامت پسندوں کا خاتمہ ہو جائے گا کیونکہ مجھے غیر رسمی گفتگو اور اپیل کو آداب نہیں آتے" لیکن تجربے سے ظاہر ہوا کہ نئی فرماں روا پر ایسی معمولی باتوں کا مطلق اثر نہ تھا اور اپنے عہد میں صرف دار العوام کے منشا پر وزارت و اقتدار کو منحصر رکھنا چاہتی تھی۔ ان عمدہ خیالات کی کچھ نہ کچھ داد ملبرن کو بھی دادلمنی چاہیئے کیونکہ نوجوان ملکہ کو آئینی حکومت کے اصول اور طریق اسی نے سکھائے تھے۔

ملکہ کی تاجپوشی ٢٨ جون ١٨٣٨ء کے دن ہوئی۔

ملکہ کا شوہر

١٠ فروری ١٨٤٠ء کو وہ اپنے پھپیرے بھائی ایلبرٹ (امیرزادہ ڈیکس کوبرگ) سے بیاہی گئی۔ یہ شادی جذبۂ محبت پر مبنی تھی۔ ایلبرٹ خوبصورت، اعلیٰ سیرت کا نوجوان اور فنون و موسیقی اور ادبیات کا بہت دلدادہ تھا۔ وہ بہت اچھا شوہر ثابت ہوا اور اپنی بیوی کو فرائض بادشاہی کے ادا کرنے میں نیز اُن لوگوں کی جن میں آکے رہا تھا، اخلاقی اور دماغی فلاح و بہتری میں جیتے جی (یعنی ١٨٦١ء تک) ہر طرح کی مدد دیتا رہا۔

کناڈا کی حالت

ریاست ہنوور کے تاج برطانیہ سے جدا ہونے پر تو انگلستان کے ہر طبقے میں اطمینان اور خوشی ہوئی تھی

لیکن ملکہ کی تخت نشینی کے ساتھ ہنوور سے کہیں بڑھکر نقصان کا ایک اندیشہ یہ پیدا ہوا کہ کناڈا میں سخت دل برداشتگی نظر آئی۔ ۱۷۷۴ء میں لارڈ نارتھ کی وزارت نے فرانسیسی کیتھولکوں کو ان کے قوانین اور مذہب میں آزادی دلوادی تھی مگر اس کے بعد سے انگریزوں اور اسکوٹوں کی تعداد کثیر اس نو آبادی میں جا کر بسی اور ولایات امریکہ کی آزادی کا اعلان ہوا تو بہت سے وفادار انگریز بھی وہ علاقہ چھوڑ چھوڑ کر کناڈا چلے آئے۔ یہ لوگ پرانے فرانسیسی آبادکاروں سے بالکل مختلف تھے اور انہی جدید حالات کو دیکھکر پٹ نے ۱۷۹۱ء میں قانون کناڈا منظور کرایا جس کی رو سے یہ ملک بالائی اور زیرین کناڈا کے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ زیرین کناڈا دریائے سینٹ لارنس کے نشیبی حصے کی وادی تھا۔ اس میں مونٹ ریال اور کیوبیک کے شہر تھے اور زیادہ آبادی فرانسیسی آبادکاروں کی تھی۔ بالائی کناڈا بڑی جھیلوں کے کنارے کا علاقہ اور خالص برطانی آبادی سے آباد تھا۔ سیاسی اعتبار سے یہ تقسیم بری تھی کیونکہ اس سے برطانی اور فرانسیسی آبادکاروں کا باہم گھل مل جانا غیر ممکن ہو گیا اور اسی بنیاد پر قانون مذکور کی فاکس نے مذمت کی۔ تجارتی اعتبار سے بھی اس میں خرابی تھی کہ بالائی کناڈا کی ساری پیداوار سمندر تک زیرین کناڈا ہی کے راستے سے پہنچ سکتی تھی۔ ان سب باتوں کے علاوہ ہر نو آبادی میں حاکم اعلیٰ اور اس کی مجلس عاملہ اور مجلس وضع قوانین میں جسے وہیں کے باشندے منتخب کرتے تھے، آئے دن پیچیدگیاں واقع ہوتی تھیں۔ ان وجوہ سے زیرین اور بالائی دونوں علاقوں کے لوگ بغاوت پر تیار تھے اور وکٹوریا تخت نشین ہوئی تو وہاں کے بہت سے گرجوں کے نمازی خطبے میں اس کا نام سن کر اُٹھ اُٹھ کر چل دیے جس سے ان کی ناراضی ظاہر ہو۔ تھوڑے ہی دن گزرے ہوں گے کہ زیرین کناڈا میں فرانسیسی الاصل پاپی نو کی سرکردگی میں اور بالائی کناڈا میں میکنزی کے زیر قیادت مسلح بغاوت شروع ہوئی۔ پہلے علاقے میں سر جان کولبورن نے فوج باقاعدہ کی مدد سے اور دوسری جگہ سر ہیڈ نے محض مقامی نظم جمعیت سے یہ فساد فرو کر دیا۔ اور اس میں زیادہ دشواری نہیں پیش آئی لیکن ہر فریق کو

یہ صاف نظر آگیا کہ کناڈا کے نظم و نسق میں اساسی تبدیلی ضروری ہے۔ چنانچہ

لارڈ ڈرہم کا انتظام

نوآبادی کی اصلاح کے لئے (ملبرن کی وزارت نے) امیر ڈرہم کو روانہ کیا۔ وہ آئینی اصول کا پرجوش حامی تھا اور گرے پر بہت کچھ اثر رکھنے کے بعد ملبرن کی وزارت سے اسی بنا پر الگ ہوا کہ یہ حکومت پوری ستعدی نہیں رکھتی۔

شروع میں اسے کناڈا میں کامل اختیارات دیدیے گئے تھے اور اس نے ان سے پوری طرح کام بھی لیا۔ فاکس کی رائے کے بموجب اس نے ۱۷۹۱ء کے قانون مسترد کر کے کناڈا کے دونوں حصوں کو ایک بنا دیا اور مقامی حکومت دینے کے علاوہ وزرا کو مجلس وضع قوانین کے سامنے جواب دہ بنانے کی تجویز مرتب کی۔ ان تجاویز کو قبول کر لیا گیا اور اب تک کناڈا خاص کا دستوری آئین انھی پر مبنی ہے۔ دوسرے شمالی امریکہ کی تمام برطانی نوآبادیوں کے اتحاد کا راستہ بھی ڈرہم نے تیار کیا جس پر کچھ مدت بعد عملدرآمد ہوا۔ لیکن بغاوت کے قیدیوں کے ساتھ اس کا برتاؤ ایسا تھا کہ دارالعوام میں فریق اختلاف کو اور دارالامرا میں ڈرہم کے ذاتی مخالفوں کو اس پر حملہ کرنے کا موقع ہاتھ آگیا۔ اگر یہ قیدی زیریں کناڈا کی کسی عدالت میں پیش ہوتے تو کوئی معمولی جوری انھیں یقیناً رہا کرا دیتی۔ ان میں سے بعض خود اقبال جرم کر چکے تھے لیکن ڈرہم کا یہ فعل بالکل خلافِ آئین تھا کہ اس نے انھیں برمڈا میں جلاوطن کیا اور فیصلہ سنا دیا کہ اگر وہ کناڈا واپس آئیں تو موت کی سزا دی جائیگی اس فیصلے کا خلافِ قانون ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ برمڈا میں لارڈ ڈرہم کو کوئی اختیار حاصل نہ تھا اور گو نوآبادی والوں نے اسے قبول کر لیا لیکن برطانی پارلیمنٹ میں شدید حملے ہوئے۔ خصوصاً بروم نے اس موقع پر دوسری وزارت (۱۸۳۶ء) میں اپنے امیر عدلیہ نہ بنائے جانے کا ملبرن سے انتقام لیا اور ملبرن اتنا کمزور تھا کہ اپنے صوبہ دار کا ساتھ چھوڑ بیٹھا اور جلاوطنی کا حکمنامہ منسوخ کر دیا۔

ظاہر ہے کہ اس پر لارڈ ڈرہم مستعفی ہوگیا۔ حکومت کے ارکان اس کی مراجعت پر بھی کچھ تپاک سے نہیں ملے البتہ آزاد خیال فرقے کے گروہ کثیر کے دوستانہ خیرمقدم

سے اس بے مہری کی تلافی ہوگئی۔ پھر بھی ناکامی کے اثر سے اس کی صحت کو نقصان پہنچا اور ہر چند وہ اتنے روز تک جیتا رہا کہ کناڈا کے متعلق اس کی تجاویز منظور کر لی گئیں اور یقین ہوگیا کہ ان پر عمل کیا جائے گا لیکن صحت جواب دے چکی تھی اور ۱۸۴۰ء میں صرف ۴۸ برس کی عمر میں وہ فوت ہوگیا۔

ملبرن کی کمزوری

ڈرہم کے معاملے میں حکومت نے جو کمزوری دکھائی وہ ملبرن کے پورے عہدِ وزارت کی خصوصیت ہے۔ اس کے چند اسباب تھے۔ اوّل تو ملکہ کی تخت نشینی پر جو انتخاب ہوا، اس میں انگلستان کی کئی نشستیں وزارت کے حامیوں کے ہاتھ سے نکل گئیں حتیٰ کہ اگر ان کا طرفدار اوکونیل آئرستان میں جگہ جگہ کامیابیاں نہ پاتا تو وزرا کی اکثریت قائم نہ رہ سکتی تھی۔ لیکن خود یہی امر کہ وزارت آئرستان کے مبعوثوں کی وجہ سے برسرِ اقتدار ہے، انگلستان میں ملبرن کے لئے بہت مضر ثابت ہوا۔ دوسرا سبب خود اس وزیر کی خصلت تھی کہ وہ کسی قسم کی بھی اصلاح کی چنداں پروا نہ کرتا تھا اور ملک میں یہ خیال پھیلتا جاتا تھا کہ اس کے زمانے میں قدامت پسندوں سے بڑھکر کسی ترقی کی توقع رکھنی فضول ہے۔ اصلاح کے پرجوش حامیوں کے واسطے یہ حالت بہت صبر آزما تھی اور اس سے ملک میں شورش پیدا ہونے لگی۔ شورش کے مقصد دو تھے۔ اور اسی لئے دو قسم کے اشخاص اس میں پیش پیش تھے۔ ایک تو کارخانہ دار، جو قانونِ غلہ کو منسوخ کرانا چاہتے تھے اور دوسرے انتہا پسند جنھیں دستورِ حکومت کی اصلاح کی خواہش تھی۔ واضح رہے کہ ۱۸۳۲ء کی تجاویزِ اصلاح کو قدامت پسند فرقہ جس نے یہ مسودہ منظور کرایا، اصلاحات کی، کم سے کم ہر دست، انتہا سمجھتا تھا اور خود جان رسل نے اسی قسم کا خیال ظاہر کیا تھا۔ لیکن انتہا پسندوں کی دانست میں یہ اصلاحات محض قسطِ اوّل اور مزید آئینی تغیرات کی تمہید تھیں پیشہ وروں کے طبقوں میں خصوصاً یہی خیالات پھیلے ہوئے تھے کیونکہ دس پاؤنڈ کے مالکانِ مکان اور چھوٹے دکانداروں کو تو رائے کا حق دیا گیا اور یہ پیشہ ور محروم رہ گئے تھے۔ خاص کر پرسٹن وغیرہ مقامات میں جہاں اہلِ حرفہ کو پہلے

باب ہشتم

یہ حق حاصل تھا اور نئے قواعد کی رو سے زائل ہوگیا، اُن میں بڑی ناراضی پائی جاتی تھی۔ غرض مزید تغیرات کا جوش پیدا ہوا اور اس تحریک کے سرگروہوں نے اپنے مقاصد کو ذیل کے مطالبات میں قلم بند کیا:۔ (۱) رائے کا عام حق، اس اصول پر کہ ہر بالغ مرد یہ حق رکھتا ہے۔ (۲) مخفی رائے دہی تاکہ رائے دینے والے پر کوئی بیجا دباؤ نہ ڈالا جاسکے۔ (۳) پارلیمنٹ کی سالانہ میقات تاکہ مبعوثین انتخاب کرنے والوں کی مرضی کے خلاف کام کرنے نہ پائیں۔ (۴) مبعوثین کو رقمی معاوضہ کہ اگر غیر مستطیع لوگ منتخب ہوں تو وہ اپنا کام چھوڑ کر پارلیمنٹ میں کام کرسکیں۔ (۵) مالی شرائط کی منسوخی جن کی وجہ سے کوئی شخص معقول ملکیت کے بغیر منتخب نہ ہوسکتا تھا[1] اور (۶) انتخابی حلقوں کی یکسانی تاکہ ہر شخص کی رائے کی قدر و قیمت تا امکان یکساں ہوجائے۔ ان مطالبات کو عام طور پر "منشور جمہور" کہتے تھے۔ او کونیل بھی اس کا حامی ہوگیا اور یہ الفاظ کہے کہ "یہ تمہارا منشور ہے۔ اس کے لئے برابر لڑے جاؤ اور اس سے کم پر ہرگز رضامند نہ ہونا۔"

"منشوری" فرقے

ان مطالبات کے حامی منشوری کہلائے۔ ان کی بھی دو قسمیں تھیں ایک تو اخلاقی قوت کے وکیل تھے اور دوسرے زبردستی کرنے کے۔ یعنی ضرورت ہو تو جبر و تشدد سے کام لینا جائز سمجھتے تھے۔ پہلے گروہ کا سرگروہ فیرگس او کونور تھا جس کی طبعی فصاحت اور مستعدی مسلم تھی اور باہر والوں کی نظر میں وہ بہت محترم سرگروہ سمجھا جانے لگا تھا۔ ایک غیر مقلد پادری اسٹیفن، اور ہنری ہتھرنگٹن ہنری ونسنٹ اور لوویٹ بھی اسی گروہ میں پیش پیش تھے۔ آخر الذکر تینوں مزدور پیشہ آدمی تھے۔ یہ لوگ جلسوں اور اخباروں کے ذریعے اپنے خیالات کی اشاعت کرتے اور ان کا خاص اخبار "دی نور درن اسٹار" خود او کونور کی ملکیت میں تھا۔ تشدد پسند منشوریوں میں اس کے بہت ہی جاہل پیرو داخل تھے اور ان کے سرگروہ بھی انھیں اپنے مقصد کے حق میں خطرناک سمجھتے تھے۔

[1] اس قاعدے پر درحقیقت ایک مدت سے لوگ ٹالے بالے بتا دیتے تھے۔ ۱۲

باب ہفتم

انھوں نے صرف ایک بار سرکشی بھی کی مگر بالکل ناکام رہے۔ یہ فساد جنوبی ویلز کے معدنی علاقے کے مرکز نیوپورٹ میں برپا ہوا اور ایک سابقہ حاکم فوجداری مسٹر فروسٹ اس کا سرغنہ تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ کان کن تین جماعتوں میں شہر پر چڑھائی کریں۔ ایوانِ بلدیہ پر قبضہ کر لیا جائے اور برمنگھم کی ڈاک گاڑی روک دی جائے جس کا رکنا عام سرکشی کا اشارہ قرار پایا تھا۔ مگر تجویز پر بری طرح عمل ہوا۔ نیوپورٹ کے میر بلد (مسٹر فلپس) نے ایوان بلدیہ کی جم کر مدافعت کی اور اہلِ فساد بالکل ناکام رہے۔ فروسٹ وغیرہ سرغنوں کو گرفتار کر کے عبور دریائے شور کی سزا دی گئی اور اس سے تشدد پسند منشوریوں کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ البتہ دوسری قسم کی تحریک سالہا سال تک جاری رہی اور جن لوگوں کو رائے کا حق حاصل نہ تھا، ان میں بڑا جوش پیدا کر دیا۔

قانون غلہ

قانونِ غلہ کی مخالفت کا مرکز مین چسٹر تھا۔ سنہ ۱۸۲۶ء و سنہ ۳۶ کے درمیان ان قوانین پر کوئی توجہ نہیں ہوئی لیکن سنہ ۳۶ میں تجارت کی کساد بازاری سے لوگوں کو خیال ہوا کہ روٹی کی قیمت مصنوعی وجوہ سے بڑھا دی گئی ہے۔ ساتھ ہی لندن میں اناج کے قوانین کی مخالفت کرنے کی غرض سے ایک انجمن قائم کی گئی۔ یہ تحریک بہت جلد لنکا شہر میں منتقل ہوئی جہاں بہت سختی کا زمانہ گذر رہا تھا۔ یہاں اس کی سرگرہی رچرڈ کوب ڈن نے اپنے ہاتھ میں لی جو اس وقت تک صرف کپڑا چھاپنے میں شہرت رکھتا تھا۔ مگر تھوڑے ہی دن میں ثابت ہوا کہ وہ اس سے کچھ زیادہ قابلیتیں رکھتا ہے۔ کاروبار کے سلسلے میں وہ ممالک یورپ و ایشیا، بلکہ کناڈا اور ولایات متحدہ امریکہ کی بھی سیاحت کر چکا تھا اور جہاں گیا وہاں کے سیاسی اور معاشری حالات سے آگہی حاصل کرنے میں غضب کی ذہانت دکھائی۔ اپنی معلومات کی بنا پر اس نے اپنے سیاسی نظریات قائم اور ان کی براہین مرتب کیں اور قوانین غلہ کی مخالفت شروع کی تو ایسی سیاسی اور اقتصادی واقفیت سے کام لیا اور اس کثرت سے نظائر پیش کیں کہ تقریر و تحریر دونوں میں وہ اس تحریک کے ممتاز حامیوں میں شمار ہونے لگا۔

اس لئے اور بھی کہ اس کا طرز بیان بہت ہی سلیس اور پراثر تھا۔ کوب ڈن کا
خاص ساتھی ایک روک ڈیل کا کارخانہ دار اور مجلس احباب کا رکن
جان برائٹ تھا جو کوب ڈن کی مثل اقتصادی مسائل سے واقفیت تو
نہ رکھتا تھا لیکن اسے انگریزی زبان پر حیرت انگیز قدرت حاصل تھی اور سامعین
کے دلوں کو متاثر کرنے کی ایسی قابلیت رکھتا تھا کہ برسوں تک ملک میں
بڑے سیاسی اثر کا مالک رہا۔ بایں ہمہ کوب ڈن ۱۸۴۱ء سے قبل پارلیمنٹ
تک نہ پہنچ سکا اور جان برائٹ بھی ۱۸۴۳ء میں مبعوث منتخب ہوا۔ اس وقت
تک ملبرن کے عہد اقتدار میں قوانین غلہ کی مخالفت چارلس ولئیرز کے ہاتھ میں
رہی اور وہی ہر سال ان قوانین کو منسوخ کرنے کی تحریک پارلیمنٹ میں پیش کرتا رہتا تھا
اور جس نسبت سے کوب ڈن اور برائٹ کی تحریک پارلیمنٹ کے باہر وسعت پذیر
ہوئی اسی نسبت سے ولئیرز کی رائے زیادہ باوقعت ہوتی گئی ٭

ان قوانین کی مخالفت اور ادھر منشوریوں کی شورش کے زمانے میں
حکومت پر اور بھی زوردار حملے ہوئے اور دوستوں نے حمایت کرنے میں
سرد مہری سے کام لیا تو ملبرن کی وزارت اور بھی کمزور ہو گئی۔ آخر مسودۂ قانون
جمیکا سے معاملہ اور بھی نازک ہو گیا۔ غلامی کے انسداد کے وقت سے جزائر
غرب الہند کا انتظام بہت دشوار ہوتا جاتا تھا۔ سب سے بڑھکر دشواری جمیکا
کے متعلق پیش آئی جہاں مجلس وضع قوانین اور ایک دستوری حکومت کی
صورت قائم تھی۔ وہاں کے فرنگی مالکانِ باغات اپنے آزاد شدہ غلاموں کو
اپنے مساوی مرتبہ دینے پر خوشی سے تیار نہ تھے اور نئے قوانین کی اصلی غرض
کو جہاں تک ہو سکے پورا نہ ہونے دینا چاہتے تھے۔ حاکم جزیرہ اور اس کی جماعت عاملہ
قوانین کے نافذ کرنے میں کوشاں تھی مگر مجلس وضع قوانین باغات والوں
کا ساتھ دیتی تھی۔ ملبرن کی وزارت کو اس دشواری کا حل یہی نظر آیا کہ پانچ سال
کے لئے جمیکا کے آئین کو معطل کر دیا جائے اور قانون کی صورت میں یہ تجویز
پارلیمنٹ کے سامنے پیش کی گئی۔ ایک آزاد خیال وزارت کے لئے کسی خود اختیار
نوآبادی کے آئینی حقوق کا معطل کرنا صریحاً مورد طعن و ملامت بنتا تھا۔ قدامت پسند

باب ہفتم

اور انتہا پسند دونوں فرقوں کی طرف سے حکومت پر حملے ہوئے اور دوسری خواندگی صرف پانچ آرا کی اکثریت سے منظور ہو سکی؛ تب ملبرن نے استعفیٰ داخل کر دیا اور روبرٹ پیل نے جدید وزارت بنانے کی کوشش کی مگر اسے خلاف توقع ایک عجیب دشواری کا سامنا ہوا۔ اصل میں ایک زمانے سے معمول ہو گیا تھا کہ خاص بادشاہ کے محلسرا کے عہدہ دار وہ لوگ مقرر کئے جاتے جو وزرا کے ہم خیال ہوں اور جب ایک وزارت مستعفی ہوتی تو یہ لوگ بھی استعفیٰ دے دیتے تھے۔ بادشاہوں (= ذکور) کے معاملے میں یہ طریقہ بلا دقت چلتا رہا لیکن ایک نو عمر ملکہ کے ساتھ اس میں دشواری پیش آئی کیونکہ وہ طبعاً اپنا خاندانی حلقہ درہم برہم کرنا نہ چاہتی تھی۔ ملبرن نے محلسرا کے اعتماد کے عہدوں پر ایسی بی بیاں مقرر کی تھیں جو اس کی وزارت سے خاص تعلق رکھتی تھیں۔ جیسے والی آئرستان کی بیوی، بیگم نارمن بی یا اپنے صدر معتمد لارڈ مورپتھ کی بہن وغیرہا، جو خلوت و جلوت میں ملکہ کے پاس رہتی تھیں۔ چونکہ روبرٹ پیل حکومت کی آئرستانی حکمت عملی کو بدلنے کا خواہاں تھا، لہٰذا اسے یہ بات کسی طرح مناسب نظر نہ آئی کہ انھیں ہر وقت ملکہ کے کان بھرنے کا موقع حاصل ہو۔ مگر پیل میں یہ سلیقہ نہ تھا کہ اپنا اصلی منشا ملکہ کے گوش گزار کر دیتا اور اسی لئے ملکہ کو اپنے محلسرا میں سب کو بدلنا پسند نہ آیا تو پیل نے وزارت قبول کرنے کی گفتگو موقوف کر دی اور پھر لارڈ ملبرن ہی وزیر اعظم ہو گیا۔ لیکن چونکہ اب لوگ طعنہ دیتے تھے کہ وہ خوابگاہ شاہی کی عورتوں کے دامنوں کی آڑ لیکر وزارت پر فائز ہوا ہے لہٰذا اس کے گروہ کو کوئی مزید تقویت حاصل نہ ہوئی بلکہ اس کی وزارت کے باقی ماندہ دو سال میں آزاد خیال فرقہ اور بھی کمزور ہو گیا۔

چین کی پہلی جنگ

تاہم ملبرن کے اس آخری عہد میں چند اہم واقعات رونما ہوئے۔ ان میں پہلا چین کی جنگ ہے جس میں ہندوستان کے تاجران افیون اور چین کے انگریز ناظر کپتان الیٹ کی کوشش سے برطانی وزرا شرمناک طریقے پر الجھ گئے اور محض اس لئے لڑائی چھیڑی گئی کہ چینیوں کو مجبور کیا جائے کہ اپنی بندرگاہوں میں افیون کو بلا روک ٹوک آنے دیں۔

باب ہفتم

چونکہ چینی حکّام افیون کا استعمال طبّی اور اخلاقی اصول پر روکنا چاہتے تھے اس لئے انگریز حکّام کا وہاں جبراً افیون بھیجنا سراسر بیجا تھا۔ برطانی وزارت کی طرف سے یہ مناسب اعلان بھی کر دیا گیا تھا کہ "ملکہ کی حکومت برطانی رعایا کو کسی ملک کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے میں جہاں وہ تجارت کرتے ہوں، مدد دینے کے لئے کوئی مداخلت نہیں کر سکتی" مگر افسوس ہے کہ انگلستان اور چین کے بعید فاصلے کی بناپر وزراان عمدہ اصول پر عمل نہ کر سکے اور جب ایک دفعہ جنگ چھڑی تو پھر اسے جاری رکھنے کے سوا اور کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا۔ چینیوں کو آسانی سے شکست دے کر برطانی حکومت کے مطالبات منوا لئے گئے جن میں سب سے اہم یہ تھے کہ جزیرۂ **ہونگ کانگ** کو دائماً انگریزوں کے حوالے کر دیا جائے۔ انگریز تاجروں کو پانچ بندرگاہوں میں افیون لانے کی اجازت دی جائے اور ہنیتا لیس ۴۲ لاکھ پاؤنڈ نقصان جان و مال کا تاوان ادا کیا جائے۔

ایک پینی کا ٹکٹ

حکومت کا اس سے کہیں زیادہ لائقِ تحسین کام یہ تھا کہ رولینڈہل کی ایک پینی کے ٹکٹ کی تجویز منظور کی؛ واضح رہے کہ پٹ کے زمانے سے اب تک ڈاک کی تقسیم میں بہت کچھ ترقی ہوئی تھی پھر بھی اس کی حالت ملک کی ضروریات کے مطابق نہ تھی۔ لنڈن سے ریڈنگ تک خط بھیجنے کا خرچ سات پینی، برائٹن تک ۸۔ اور ابرڈین تک کوئی سوا شلنگ، پڑتا تھا۔ یہ خرچ مکتوب الیہ کو ادا کرنا ہوتا تھا۔ چونکہ خطوط بھیجنے کے مصارف جو ڈاک خانہ برداشت کرتا، دراصل بہت کم تھے؛ لہذا یہ گویا خط کتابت کرنے والوں سے مفت کا ڈنڈ لیا جاتا تھا۔ اور بہت سے لوگ ڈاک خانے کی بجائے خانگی ذرائع سے خط بھیجتے یا مختلف تدبیروں سے چوری چھپے ڈاک والوں سے کام لیتے تھے۔ رولینڈہل نے بتایا کہ فاصلے کی وجہ سے خط پہنچانے میں خرچ کچھ زیادہ نہیں ہوتا اور تجویز کی کہ سب جگہ کے لئے ایک پینی کی یکساں شرح مقرر کی جائے اور یہ ٹکٹ کی صورت میں پیشگی وصول کر لیا کرے۔ پارلیمنٹ کی ایک ذیلی مجلس میں اس تجویز پر غور کیا گیا۔ ڈاک خانے کے عہدہ دار اس اندیشے سے کہ خطوں کی تعداد بڑھنے سے ان کا کام بہت بڑھ جائے گا،

باب ہفتم

اور بعض اہل الرائے اس خیال سے سرکار کو محصول کی کمی سے خسارہ رہے گا، اعتراض کرتے رہے لیکن ۱۸۳۹ء میں حکومت نے یہ تجویز اختیار کر لی اور تجربے سے دونوں اعتراض غلط ثابت ہوئے۔ ڈاک خانے نے پوری طرح سے کام کو سنبھال لیا۔ اور سرکاری آمدنی تھوڑے دن تک کم رہنے کے بعد بہت جلد اصلی حالت پر آ گئی۔ اسی کے ساتھ خطوں میں بے حساب بیشی ہونے سے ظاہر ہو گیا کہ یہ تبدیلی ملک کے حق میں کیسی نعمت تھی۔ خصوصاً کاروباری لوگوں کو جو اپنے سامان کا اشتہار دینا چاہتے تھے، اور ارباب سیاست کو جو اپنے خیالات کی اشاعت کرنی چاہتے تھے، بے حد نفع ہوا۔ اور رسل و رسائل کی نئی سہولت سے قوانین غلہ کے خلاف یا دوسری سیاسی تحریکوں کو بڑی بھاری تقویت پہنچی۔

قومی تعلیم

۱۸۳۹ء میں ملبرن کی وزارت نے تعلیمی رقم کے انتظام میں ایک اہم تبدیلی کی۔ سال مذکور تک بیس ہزار پاؤنڈ سالانہ کی امداد جو ۱۸۳۲ء سے جاری ہوئی، خزانے کے زیر نگرانی تقسیم کی جاتی تھی۔ لیکن اب حکومت نے اسے بڑھا کر تیس ہزار پاؤنڈ کر دیا اور چار ارکان، ایک صدر اور ایک نائب صدر کا علحدہ سررشتۂ تعلیمات قائم کیا۔ اس جماعت کا نائب صدر کارگزار رکن کی حیثیت سے عملاً وزیر تعلیمات ہوتا تھا اور اسی نے امدادی مدارس کے معائنے کا طریقہ رائج کیا اور اس طرح ابتدائی تعلیم کے موجودہ نظام کی بنیاد ڈالی۔ اس سررشتے کے قیام کی پیل، لارڈ اسٹینلی اور گلیڈ اسٹون نے زور شور سے مخالفت کی۔ گلیڈ اسٹون سے اس وقت تک سخت، کٹّے قدامت پسندوں کی امیدیں وابستہ تھیں۔ بخلاف ان کے اوکونیل نے مذکورۂ بالا تجویز کی حمایت کی۔

مستعمرات

برطانیہ کی مستعمرات کی ترقی اس سلطنت کا بہت ہی اہم باب ہے اسی لئے افسوس ہوتا ہے کہ ان کی تاریخ قابل ذکر واقعات سے خالی ہے۔ یہ ترقی بیشتر انفرادی کوشش کا نتیجہ تھی جس کا حکومت کی طرف سے وقتاً فوقتاً صلہ ملتا رہا لیکن پیش نظر زمانے میں خاص طور پر ان علاقوں کے بسانے کا بہت کچھ کام ہوا جو ہمارے قبضے میں

آ گئے تھے۔ ۱۸۳۶ء میں جنوبی آسٹریلیا کو پہلی دفعہ آباد کیا گیا اور اس کے صدر مقام کا نام شاہ ولیم چہارم کی ملکہ کے نام پر ایڈلیڈ قرار پایا۔ دوسرے سال ولندیز آبادکاروں نے راس امید سے شمال کی طرف بڑھکر نتال آباد کیا اور اول اول خود مختار رہے لیکن ۱۸۴۳ء میں اسے انگریزوں کے ماتحت لے لیا گیا۔ ۱۸۳۹ء میں انگریزوں نے عدن پر قبضہ کیا جو بحر قلزم کے دہانے پر وہی مرتبہ رکھتا ہے جیساکہ جبل الطارق بحر متوسط کے سرے پر۔ اسی سال نیوزی لینڈ میں پہلی دفعہ مستقل نوآبادی بسائی گئی ٭

ملبرن کی دوسری وزارت میں سب سے بڑا قانون آئرستان کی اصلاح بلدیات کا قانون تھا۔ اس کے متعلق دارالعوام و اُمرا میں چھ سال تک تنازعہ رہا اور آخر ایک بین بین صورت تجویز ہوئی۔ اس کی رو سے ۵۸ بلدیات توڑی اور دس از سر نو مرتب کی گئیں۔ اس زمانے میں پارلیمنٹ کو ایک خاص کشمکش اپنے اس حق کے واسطے کرنی پڑی کہ اپنی کارروائیاں جس طرح مناسب سمجھے طبع کرے۔ اصل میں اسٹوک ڈیل کے کارخانے والوں نے پارلیمنٹ کے چھاپے خانے والوں (ہینسرڈ کمپنی) پر عدالت شاہی میں ازالۂ حیثیت عرفی کا دعویٰ کیا اور عدالت نے اسے منظور کر لیا۔ پارلیمنٹ نے اپنے چھاپہ خانے کی حمایت کی۔ آخر طویل مقدمے کے بعد عدالت کو دبنا پڑا۔ پھر پارلیمنٹ سے ایک نیا قانون وضع ہوا کہ آیندہ اس قسم کے مقدمات کی نوبت نہ آسکے۔ اس مقدمے کی تہ میں ایک اہم اصول مضمر تھا کیونکہ پارلیمنٹی کاغذات کی طبع و اشاعت سے وہاں کے مباحثوں کے متعلق لوگوں کو واقعات کا صحیح علم ہوتا تھا اور رائے عامہ کی تعلیم و رہنمائی میں بڑی مدد ملتی تھی۔ چنانچہ رابرٹ پیل نے اس کی بہت خوبی سے صراحت کی اور بردہ فروشی کے متعلق جو شہادتیں فراہم کی گئی تھیں، ان کی اشاعت کی نظیر پیش کی اور کہا کہ "کیا آپ کے خیال میں ہم غلامی کی مصیبتیں اور خرابیاں شائع نہ کرتے تو اس تجارت کا انسداد ممکن ہوتا؟"

نیا انتخاب اور پیل کی وزارت	اسٹوک ڈیل کے مسئلے میں پارلیمنٹ

کے دونوں گروہ متفق تھے لیکن آزاد خیال گروہ کی قوت برابر کم ہوتی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ ۱۸۴۱ء میں سر رابرٹ پیل نے براہِ راست حکومت کی نسبت عدم اعتماد کی تحریک، ۳۱۱ کے مقابلے میں ۳۱۲ آرا سے منظور کرائی جس پر ملبرن کے مشورے سے ملکہ نے پارلیمنٹ برخاست کی اور نئے انتخاب کا حکم دیا۔ اس کا نتیجہ قدامت پسندوں کے حسب دلخواہ نکلا کہ ۲۸۶ آزاد خیالوں کے مقابلے میں ان کی تعداد ۳۶۷ یعنی ۸۱ کی اکثریت بن منتخب ہوئی۔ اس کامیابی کا سبب، قانون اصلاحات سے عام رجعت کا اثر اور دوسرے خصوصیت کے ساتھ، رابرٹ پیل کی مالی معاملات میں شہرت تھی۔ انتخاب کے نتائج ظاہر ہوئے تو ملبرن مستعفی ہو کر سیاسی میدان ہی سے ہٹ گیا اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے لگا۔ اسی کے ساتھ وہ دَور بھی ختم ہوا جس کا کارنامہ ۱۸۳۲ء میں قانون اصلاحات تھا۔ اور بھی بہت سے مفید قوانین وضع ہوئے لیکن اصلاحات کا جوش وخروش سرد ہو گیا اور جیسا کہ قاعدہ ہے، ایک مدت تک سرگرمی سے کام ہونے کے بعد اب طبعی رجعت و سستی کا ظہور ہوا۔

سر رابرٹ پیل نے اپنی وزارت دو گروہوں سے مرتب کی۔ ایک تو پرانا ٹوری گروہ اور دوسرے اُن آزاد خیالوں سے جو لارڈ گرے سے آئرستانی اصلاح کلیسا کے مسئلے میں خلاف ہو گئے تھے۔ امیر کبیر ولنگٹن کو بغیر کسی عہدے کے وزارت میں شریک کیا گیا اور دارالامرا میں جماعت وزرا کی سرگروہی وہی کرتا تھا۔ لارڈ ایبرڈین وزیر خارجہ، اسٹینلی وزیر مستعمرات اور مسٹر جیمس گریہم، وزیر داخلہ مقرر ہوئے۔ دوسرے درجے کے وزیروں میں سب سے ممتاز گلیڈ اسٹون تھا جو نظارت تجارت کا، پہلے نائب صدر اور پھر صدر نشین بنایا گیا۔ وہ مجلس وزارت کا رکن تھا مگر پیل اپنے اقتدار و شہرت کا مدار جس مالی اصلاح پر رکھنا چاہتا تھا اُس حکمت عملی میں اُسے سب سے زیادہ گلیڈ اسٹون ہی سے مدد ملنے کی امید تھی۔ اس حکمت عملی کا لب لباب یہ تھا کہ بلاواسطہ محصول کی بجائے بالواسطہ محصول سے کام لیا جائے۔ ۱۸۴۲ء میں اس نے بہت سی چیزوں کا محصول درآمد کم کر دیا اور کچھ ۶ حصے کے نئے محصول آمدنی (انکم ٹیکس)

عاید کیا۔ اسی طرح ۱۸۴۵ء میں پھر اس محصول کی تین سال کے لیے تجدید کی اور پوری ۴۳۰ اشیا کا محصول درآمد منسوخ کر دیا۔ یہ گویا آزادیا "بے قید تجارت" (فری ٹریڈ) کی ابتدا تھی۔ لیکن انتخابات کے موقع پر قدامت پسند اپنے مقاصد میں قوانین غلہ کو بحال رکھنے کا ارادہ کر چکے تھے اور اسی بنا پر زراعتی کام کرنے والوں سے رائیں ملی تھیں۔ بایں ہمہ پیل نے اس محصول کی تشخیص میں تدریجی شرح کا قاعدہ بنا کر، تبدیلی کی۔ اس کی رو سے برطانی غلہ ۵۱ شلنگ فی ربع ہو تو بیرونی غلہ ۲۰ شلنگ کے محصول پر درآمد ہو سکتا تھا۔ پھر یہ شرح بتدریج کم ہوتی جاتی تھی۔ چنانچہ برطانی غلے کا نرخ ۷۳ شلنگ ہو جانے کی صورت میں محصول درآمد صرف ایک شلنگ رہ جاتا تھا۔ اس قاعدے سے غلے کی منڈی میں سٹے کا بڑا زور ہو گیا اور دیسی غلے کی قیمت مصنوعی ذرائع سے بڑھا بڑھا کر درآمدہ غلے کا محصول کم کیا جانے لگا۔ دوسری طرف یہ تبدیلی کوب ڈن اور برائٹ کو مطمئن نہ کر سکی جو تجارتِ آزاد کے لیے پہلے سے زیادہ گرمجوشی کے ساتھ شور مچاتے رہے۔

ہندوستان

۱۸۴۲ء میں ملک کی توجہ زیادہ تر ہندوستان کی جانب منعطف رہی جہاں ایسٹ انڈیا کمپنی کی امیر کابل دوست محمد خاں سے جنگ چھڑ گئی تھی۔ ۱۸۰۳ء کی جنگ مرہٹہ کے بعد سے کمپنی کے مقبوضات سرعت سے بڑھتے رہے اور ۱۸۱۸ء میں پنڈاروں کی سرکوبی کے بعد وسط ہند کے علاقے براہِ راست کمپنی کے زیر نگین لے لئے گئے تھے۔ یہ پنڈارے مسلح قزاقوں کا وہ گروہِ کثیر تھا جو سلطنت مغلیہ کے علاقوں میں لوٹ مار مچاتا رہتا تھا۔ ۱۸۱۷ء میں مرہٹوں کے برائے نام رئیس، یعنی پونا کے پیشوا سے جھگڑا ہوا۔ ایک سال تک پیشوا جنگلوں میں مقابلہ کرتا رہا مگر جب کبھی کمپنی کی فوج پر حملہ کیا، اسے شکست ہوئی۔ بالآخر اس کو ہتھیار ڈالنے پڑے اور کمپنی نے اسے کانپور کے قریب بٹھور میں مقیم کرا دیا جہاں ۱۸۵۳ء میں اس نے وفات پائی۔ ۱۸۱۹ء میں جزیرہ سنگاپور کا جہاں سے آبنائے ملایا زد میں ہے، الحاق کیا گیا۔ ۱۸۲۴ء میں پہلی جنگ برما ہوئی اور بطور نتیجہ جنوبی برما

باب ہفتم

ہاتھ آئی۔ شمالی برما اور وہاں کا پائے تخت آوا یا مانڈلے آزاد چھوڑ دیے گئے۔
۱۸۲۶ء میں ایک غاصب نے بھرت پور کے شیر خوار راجہ کے اتالیق کو مار کر قلعے پر قبضہ کر لیا۔ یہ ہندوستان کے مستحکم ترین قلعوں میں تھا اور انگریز حکام اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے تھے۔ اب ایک لشکر جرار اس قلعے پر بھیجا گیا۔ ولنگٹن کی سوار فوج کا ایک بہترین سردار لارڈ کومبر میر اس کا سر لشکر تھا۔ پھر باقاعدہ محاصرے کے بعد قلعہ تسخیر کر کے اسی شیر خوار بچے کو دوبارہ گدی پر بٹھا دیا گیا۔
۱۸۳۳ء میں کمپنی کے منشور کی مدت منقضی ہوئی اور اس کی تجدید کی درخواست پر پارلیمنٹ میں کئی اہم تبدیلیاں کر دی گئیں۔ پٹ کے زمانے کے مقابلے میں اب کمپنی اتنے وسیع علاقوں پر قابض تھی کہ اسے پہلے سے زیادہ ہندوستان کا حکمراں کہنا بجا تھا۔ ادھر کمپنی کے مخصوص تجارتی امتیازات سے انگریزوں کی مشرقی تجارت کے بڑھنے میں رکاوٹ محسوس ہوتی تھی۔ نظر برایں اب تک جو اجارہ کمپنی کو حاصل تھا، وہ منسوخ کر دیا گیا اور کمپنی کے فرائض بھی صرف ملک کے نظم و نسق تک محدود ہو گئے۔ گورنر جنرل اور اس کی مجلس عاملہ کو زیادہ باقاعدہ بنانے کی غرض سے حکومت برطانیہ کی طرف سے ایک قانون داں آدمی مستقل طور پر مجلس مذکور کا رکن مقرر کیا جانے لگا اور پہلی مرتبہ اس خدمت کے لئے مکالے چنا گیا جس نے قانون اصلاحات کی بحث میں بہت کچھ ناموری پائی تھی۔

اس عرصے میں کمپنی کی حدود بڑھتے بڑھتے سندھ و پنجاب اور ان سے بھی آگے، افغانستان کی حکومت سے جا بھڑی تھیں۔ یہ ملک ہندوکش کے پار، دریا[1] کی بالائی وادی میں واقع ہے اور کابل، قندھار، غزنی اور ہرات اس کے بڑے شہر ہیں۔ ۱۸۳۰ء میں اس کے بڑے حصے پر دوست محمد خاں اور اس کے بھائیوں کی حکومت تھی جنھوں نے سابق امیر شاہ شجاع کو نکال باہر کیا تھا۔ شاہ شجاع انگریزوں کی پناہ میں آ گیا اور بنگانے میں

[1] فاضل مولف نے دریا کا نام نہیں لکھا۔ بظاہر Indus مراد ہے۔ مترجم۔

مقیم تھا۔ اس اثنا میں روسیوں کا وسط ایشیا میں اقدام دیکھ کر کمپنی خوف زدہ ہوئی اور بڑا اندیشہ یہ پیدا ہو گیا کہ کہیں دوست محمد خاں ان سے مل کر پہاڑ کے بڑے دروں کے راستے جو اس کے ملک میں تھے انھیں ہندوستان میں نہ پہنچا دے۔ یہ خوف ایرانیوں کے ہرات کا محاصرہ کرنے سے اور بڑھ گیا کیونکہ اس محاصرے کو انگریز سمجھے کہ روسیوں کی شہ سے کیا جا رہا ہے۔ اس وقت ہرات میں شاہ شجاع کا ایک رشتہ دار حاکم تھا اور اسے دشمن کے ہاتھ پڑنے سے ایک انگریز سردار ایلڈرڈ پوٹنگر کی بہادری اور کاردانی نے بچایا۔ دوست محمد خاں کے دربار میں ان دنوں الیکزنڈر برنس انگریزی سفیر تھا اور وہ دوست محمد خاں کو انگریزوں کا دوستدار سمجھتا تھا۔ مگر گزشتہ ۱۸۳۸ء میں ایک روسی سفیر کابل آیا تو امیر کو اسے خارج کر دینے کی ہمت نہ ہوئی۔ اسی بنا پر برنس کی رائے کے

جنگ افغانستان

خلاف، گورنر جنرل نے دوست محمد سے جنگ کا اعلان کر دیا اور انگریزی سپاہ نے قندھار، غزنی اور کابل فتح کر لئے۔ دوست محمد خاں نے اطاعت قبول کی اور شاہ شجاع کو پھر امیر بنا دیا گیا۔ مگر تھوڑے ہی دن میں معلوم ہو گیا کہ اس امیر سے



باب ہفتم

ملک بھر میں لوگوں کو نفرت تھی۔ انھوں نے بغاوت کر کے برنس کو جسے افغانی بڑا غدار سمجھتے تھے، مار ڈالا اور انگریزی سپاہ محصور کرلی گئی۔ یہ جنرل الفنسٹن اور نئے ناظرِ افغانستان (کمشنر) سر ولیم میک ناٹن کے ماتحت تھی۔ فوجی انتظامات کی خرابی سے خود رسد خانوں پر دشمن کا قبضہ ہوگیا اور بجائے اس کے کہ انگریزی سپاہ جان جوکھوں میں ڈال کر بھی لڑتی بھڑتی محاصرے سے نکلنے کی کوشش کرتی، وہ دوست محمد خاں کے بیٹے محمد اکبر خاں سے ایک ذلت آمیز صلح کرنے پر آمادہ ہوگئی۔ محمد اکبر افغانی باغیوں کا سرگروہ بن گیا تھا۔ اسی سے صلح کی گفتگو کے دوران میں محمد اکبر خاں نے میک ناٹن سے کہا کہ "تو ہی ہمارا ملک لینے آیا ہے" اور اسے جان سے مار ڈالا۔ جنرل الفنسٹن بوڑھا، بیمار اور کام سنبھالنے کے قابل نہ تھا۔ وہ ان شرطوں پر رضامند ہوگیا کہ انگریزی سپاہ جس میں زیادہ تر ہندوستانی سپاہی تھے سرحد تک اکبر خاں کی حفاظت میں بھیجدی جائے۔ دوست محمد خاں کو امارتِ کابل پر دوبارہ متمکن کیا جائے اور بہت سے انگریز سردار بطور یرغمال افغانیوں کے حوالے کر دیے جائیں۔ مگر اس شرمناک معاہدے پر بھی عملدرآمد نہیں ہوا۔ یعنی جنوری ۱۸۴۲ء میں انگریزی سپاہ کابل خرد کے درے سے گذری تو اس پر پہاڑی قبائل نے حملہ کر دیا اور شدید نقصانات اٹھانے کے بعد وہ درے سے باہر نکلی تو محمد اکبر خاں نے شادی شدہ فرنگنوں اور ان کے شوہروں کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ باقی ماندہ سپاہی آگے بڑھے تھے کہ جگدلک درے کے خونخوار پٹھانوں سے مٹ بھیڑ ہوئی۔ انھوں نے انگریزی سپاہ کو کامل طور پر تباہ کر دیا۔ صرف ایک فرنگی ڈاکٹر برائی ڈن زندہ بچ کر جلال آباد پہنچا۔ جہاں جنرل سیل درۂ خیبر کے سرے پر ابھی تک جما ہوا تھا۔ انگریزوں کو ملک خالی کیے ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ شاہ شجاع مار ڈالا گیا۔ انگریزوں کی سپاہ کو ایسی ذلت آمیز ہزیمت ہندوستان میں کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ اس سے ہماری سطوت کو شدید صدمہ پہنچا اور اگر جنگی برتری کو بحال کرنے کی فوری کوشش نہ کی جاتی تو ہندوستان میں غالباً عام بغاوت برپا ہو جاتی۔ غنیمت ہے کہ جنرل ناٹ، قندھار میں اپنی جگہ قائم رہا اور سیل نے جلال آباد پر سب حملے روک لیے۔ اس طرح افغانستان کے دو راستے

باب ہفتم

انگریزوں کے ہاتھ میں رہے اور پھر جنرل پولک جلال آباد سے ناٹ قندھار کی طرف سے بڑھ کر کابل پہنچے۔ اس شہر کو تسخیر کر کے بالاحصار میں آگ لگا دی جو برنس اور میکناٹن کے قتل کا انتقام تھا۔ پولک کی فتح کے ساتھ گورنر جنرل، لارڈ ایلن برو کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ انگریز کسی قوم پر ان کے خلاف مرضی کسی کو جبراً بادشاہ نہیں بنائیں گے۔ اس کے بعد ظاہر ہے کہ دوست محمد کی بادشاہی تسلیم کرنی پڑی۔ بہ الفاظ دیگر جنگ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا گیا اور اسی برنس کے قول پر پورا عمل درآمد کیا گیا کہ کمپنی کی صحیح حکمت عملی یہ ہونی چاہئے کہ دوست محمد سے دوستانہ تعلقات رکھے جائیں؛

سندھ اور پنجاب

افغانستان کی جنگ کی بدولت امیرانِ سندھ سے بھی جھگڑا ہو گیا۔ انہی کے علاقے سے ہماری فوجیں اجازت لیکر افغانستان گئی تھیں۔ انگریزوں کی ہزیمتوں سے ان کی جسارت بڑھی کہ اپنے عہد نامے توڑ دیے اور ۱۸۴۳ء میں لڑائی چھڑ گئی۔ انگریز سپہ سالار سر چارلس نیپیر نے میانی اور حیدر آباد کے سخت معرکوں میں امیرانِ سندھ کی قوت توڑ دی اور پھر سندھ احاطہ بمبئی میں داخل کر لیا گیا؛

سندھ میں امن امان مشکل سے قائم ہونے پایا تھا کہ پانچ ندیوں کی سرزمین پنجاب میں فساد پیدا ہوا۔ اس خطے میں جہلم، چناب، راوی، ستلج اور وسط سندھ کے طاس شامل ہیں اور یہ اس وقت سکھوں کے ہاتھ میں تھا۔ "سکھ" کے معنی چیلے کے ہیں۔ اسے ایک مذہبی سرگروہ (گرو) نانک صاحب کے پیرووں نے اختیار کیا اور ان میں ہندو مسلمان دونوں قوموں کے افراد شریک تھے۔ انیسویں صدی کے اوائل میں سکھوں کو ایک اعلیٰ درجے کا حکمران رنجیت سنگھ مل گیا جس نے سارے پنجاب پر قبضہ کیا اور سکھ خالصہ اور خدائی فوج کے زور سے یہ قبضہ قائم رکھا۔ زندگی بھر رنجیت سنگھ نے انگریزوں سے بہت اچھے تعلقات رکھے لیکن ۱۸۳۹ء میں اس کے فوت ہوتے ہی ملک میں سخت ابتری پھیل گئی اور اس کی ساٹھ ہزار فوج کو بالکل کوئی سنبھالنے والا نہ رہا۔ آخر وہ ہندوستان (خاص) پر حملہ آور ہوئی اور انگریزوں سے ٹکرا کے مدکی اور فیروز شہر کی لڑائیوں میں

باب ہشتم

ستلج پار دھکیل دی گئی۔ دوسری بار سکھوں نے پھر چڑھائی کی مگر علی وال اور سبراؤن کی خوفناک لڑائی میں پھر انھیں شکست ہوئی۔ رنجیت سنگھ کی بیوہ کو اپنے بیٹے دلیپ سنگھ کی طرف سے حکمراں بنایا گیا تھا مگر یہ انتظام قطعی ناکام رہا۔ ۱۸۴۸ء میں سکھ سپاہ پھر میدان میں اُتر آئی اور چلیان والا کی لڑائی میں لارڈ گاف کی انگریزی فوج پر قریب غالب آگئی تھی مگر آخر میں گجرات پر شکست کھا کر فرار ہوگئی۔ اس کے بعد پنجاب کا کمپنی کے مقبوضات میں الحاق کر لیا گیا اور اس کا نظم و نسق انگریز عہدہ داروں کے تفویض ہوا جن میں سر ہینری اور جان لارنس سب سے ممتاز تھے؛

آئرستان کی شورش

پیل کے بر سر اقتدار آتے ہی اُسے آئرستان کی شورش سے سابقہ پڑا۔ اس کا آغاز اوکونیل نے قانون آزادی فرقہ کیتھولک کے منظور ہوتے ہی کر دیا تھا۔ ۱۸۴۳ء میں شورش اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ اوکونیل گویا سیاسی شورش کے لئے بنا تھا۔ اسے اپنے ہموطنوں کے جذبات کو ہیجان میں لانا خوب آتا تھا اور اس نے اپنا مطمح نظر ہی یہ بنایا تھا کہ آئرستان سے "سیکسن" یعنی انگریز کے تعلق کے خلاف عداوت پیدا کی جائے۔ اس کا یہ فعل نہایت نقصان رساں تھا کیونکہ گذشتہ سنین میں اہل آئرستان کا یہ نسلی تعصب فرو ہوتا جاتا تھا۔ لیکن برطانیہ اور آئرستان کے ملکی اتحاد کے خلاف ہنگامہ کرنے میں اوکونیل کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور یہی اس کا قریبی مقصد تھا۔ آئرستان میں جا بجا عظیم الشان جلسے منعقد ہوئے اور آخر میں اوکونیل نے اعلان کیا کہ ۱۸۴۳ء قلع اتحاد کا سال ہوگا۔ اس کا معمول تھا کہ تارا وغیرہ بڑے بڑے تاریخی مقامات پر جلسے کیا کرتا تھا اور اسی قسم کا ایک جلسہ اکتوبر ۱۸۴۳ء میں اس نے کلون تارف میں قرار دیا۔ عین جلسے کے روز حکومت نے اسے روک دیا۔ اب اوکونیل کے سامنے یا تو حکم کی تعمیل تھی یا مسلح مقابلہ مجبوراً وہ دب گیا اور ایک اعلان شائع کیا کہ جلسہ موقوف کر دیا جائے۔ اس کے پیرو سخت حیران ہوئے۔ ان میں سے اکثر یہ سمجھتے تھے کہ اوکونیل بغاوت کی تیاریاں کر رہا ہے اور جب انھیں معلوم ہوا کہ وہ حکومت سے لڑنا نہیں چاہتا تو زیادہ تعداد ایسی تھی کہ بیزار ہو کر اس سے الگ ہوگئی اور یہ تحریک جس قدر زیادہ زور پکڑ گئی تھی اب

اتنی ہی کمزور ہوگئی اوکونیل کا اثر خاک میں مل گیا اور غالباً یہ حکومت کی غلطی تھی کہ اس پر بغاوت کا مقدمہ قائم کیا اور ایک جوری نے جس میں سب پروٹسٹنٹ ارکان تھے۔ اسے مجرم قرار دیا۔ یہ سزا دوبارہ اس کا اثر بحال کرنے کے لئے کافی ہوتی مگر بے قاعدگی کے عذر پر مرافعہ ہوا اور خوش قسمتی سے ایوانِ اعلیٰ کے اُمرائے مذکورہ بالا فیصلہ ۱۸۴۴ء میں مسترد کر دیا۔ اب اوکونیل کو معلوم ہو گیا کہ اُس کا دور ختم ہو چکا ہے۔ اس کی صحت بگڑ گئی اور ۱۸۴۷ء میں وہ اطالیہ میں مر گیا۔

مے نوتھ کی امداد

اوکونیل کی وفات سے پہلے پیل نے آئرستان کے کیتھولک فرقے کو رام کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔ ۱۷۹۵ء تک وہاں کے پادری سینٹ اومر (فرانس) کی خانقاہ میں جا کر دینی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ انقلاب فرانس کے دوران میں یہ خانقاہ توڑ دی گئی تو آئرستان میں ایک اسی قسم کی درس گاہ بن گئی جسے ۱۷۹۵ء سے حکومت تھوڑی سی امداد دیتی تھی۔ اب ۱۸۴۵ء میں پیل نے اس امداد میں اضافے کی تحریک کی اور میکالے نے پوری قوت سے تائید کی۔ اس کارروائی کی وجہ سے گلیڈاسٹون عہدے سے مستعفی ہو گیا اور نہ صرف مے نوتھ کی رقمی امداد کی مخالفت کی بلکہ کلیسا اور حکومت کے تعلقات پر ایک مستقل کتاب لکھ کر اس قسم کی تمام امدادی رقوم سے اختلاف کیا۔ حکومت کے عہدے پر رہنے کی صورت میں اسے اندیشہ تھا کہ لوگ الزام دیں گے کہ عہدے کی خاطر اپنی رائے بدل دی لہٰذا مستعفی ہو گیا اور غیر سرکاری مبعوث کی حیثیت سے حکومت کی تائید کرتا رہا۔

اسکاٹ لینڈ کا آزاد کلیسا۔

۱۸۴۳ء میں اسکاٹ لینڈ کی دینی زندگی میں ایک تغیر واقع ہوا۔ ۱۷۱۲ء برطانی پارلیمنٹ نے وہاں کے پادریوں کے علی الرغم، دنیا دار مربیوں کے قدیم حقوق تسلیم کر لئے تھے اور وہی نماز خوانوں کا تقرر کرتے جس سے اہل حلقہ کو اختلاف تھا اور وہ اُن کے اس حق کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ ۱۸۴۳ء میں آوخ ٹرارڈر کے حلقے میں ایسا نماز خواں مقرر ہوا جسے لوگ مطلق پسند نہ کرتے تھے مگر گرجا کا مکان رہنے کے لئے اسی کے حوالے کر دیا گیا۔ اسی طرح اسٹرتھ بوگی کے حلقے میں ایسا پادری

باب ہفتم

بھیجا گیا جس نے دیوانی عدالت سے یہ حق حاصل کیا تھا کہ اُسے امتحاناً مقرر کر دیا جائے تو اس وقت بہت سے پادری اور متقندی سرکاری کلیسا سے الگ ہو گئے اور ٹامس شالمرز کی سرگروہی میں انھوں نے "اسکاٹ لینڈ کے آزاد پریس بی ٹری کلیسا" کی بنیاد ڈالی۔ آٹھ سال بعد یکشنبہ ۱۸۵۱ء کے روز صبح کی نماز کے وقت مردم شماری ہوئی تو ۵۰۷،۲۲،۲ اشخاص سرکاری گرجوں میں اور ۲۰۸۴۴۲،۵۲، آزاد فرقے کے گرجوں میں پائے گئے؛

انھی دنوں انگلستان میں ایک مذہبی تحریک نے جوش پکڑا۔ یہ آکسفرڈ کے ایک مختصر حلقے کی طرف سے شروع ہوئی اور زیادہ تر اوریل کالج کے لوگ اس میں شریک تھے۔ کی بل، نیومن، اور پیوزی اس کے سرخیل تھے۔ اسی لیے اسے عام طور پر "تحریک آکسفرڈ" کہتے ہیں۔ اس کی ابتدا ۱۸۳۳ء سے قرار دی جاتی ہے اسی سال کی بل نے آکسفرڈ کی پنچایتی عدالت کے سامنے آئرستان کی مجلس تحقیقات کلیسا کی کارروائی کے متعلق وعظ کہا تھا؛ ان لوگوں کا عام مقصد یہ تھا کہ لوگوں میں روحانی زندگی کی تحریک کریں۔ کلیسائے انگلستان اور ادر قدیم مذہب میں سلسل خصوصیت سے یاد دلائیں اور آزاد خیال فرقے کی تردید کریں جو ان کے نزدیک کلیسا کو بڑھکر محض ملک کا ایک محکمہ سمجھنے میں حد سے بڑھ گیا تھا۔ ان لوگوں کے اکثر خاص خاص عقائد "رسائلِ وقت" کے ایک سلسلے میں شائع ہوئے اور نیومن کو جو سینٹ میری کے جامعی گرجا کا نائب تھا، اپنے مواعظ کی بدولت طلبہ میں بڑا اثر حاصل ہو گیا۔ لیکن وہ بہ تدریج کلیسائے انگلستان کے اصول سے زیادہ دور ہوتا گیا اور آخر ۱۸۴۵ء میں رومن کیتھولک فرقے میں داخل ہو گیا۔ بہت لوگوں نے اس کی تقلید کی تاہم پیوزی اور کی بل کلیسائے انگلستان میں شامل رہے اور انھوں نے جو تحریک کی تھی اس کا زمانہ حال کے بہت سے پادری اور عوام دونوں کے عقائد و اعمال پر بہت کچھ اثر پڑا؛

قوانین غلہ کی مخالفت

۱۸۴۱ء اور ۱۸۴۵ء کے درمیان قوانین غلہ کی مخالفت میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی۔ پارلیمنٹ کے باہر اس کا اچھا خاصا زور تھا اور ۱۸۴۳ء میں کوب ڈن اور برائٹ نے کووِنٹ گارڈن تھیٹر میں مسلسل جلسے شروع کیے؛

باب ہفتم

جن سے کافی دلچسپی پیدا ہوئی۔ لیکن پارلیمنٹ کے اندر ابھی تک مخالفت کمزور تھی اور ولیرز کی سال بہ سال تحریک کا ساتھ دینے والے معدودے چند ارکان ہوتے تھے۔ کسی کو ملک کی اقتصادی حکمت عملی میں قریبی تغیر کی امید نہ تھی۔ یہ سچ ہے کہ ۱۸۴۲ء میں پیل نے بیان کیا تھا کہ میں سب سے سستی منڈی میں خریدنے سب سے مہنگی منڈی میں مال بیچنے کا حامی ہوں لیکن اسی کے ساتھ اُس نے غلّے اور شکر کو مستثنیٰ کر دیا تھا۔ ملک کی عام رائے کا انحصار بہت کچھ فصل کی حالت پر تھا۔ پیل کی وزارت میں ابتدائی کئی سال تک فصلیں برابر اچھی رہیں اور بیرونی غلّے کی درآمد کا مسئلہ کسی خاص توجہ کے قابل ہی نہیں سمجھا گیا۔ مگر ۱۸۴۵ء میں یہ حالت بدل گئی فصلیں اتنی خراب ہوئیں کہ مدّت سے کبھی نہ ہوئی تھیں۔ انگلستان میں بھی صورتِ حال تشویش انگیز تھی مگر آئرستان میں اور بھی بدتر ہو گئی۔ وہاں آبادی کے گروہ کثیر کا مدار محض آلو پر تھا اور مسلسل بارش سے یہ فصل تباہ ہوئی تو کسانوں کو دوسرا کوئی سہارا نہ رہا۔ سخت قحط کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اس مصیبت کو آتا دیکھکر پیل نے اس کا کچھ نہ کچھ تدارک کرنا چاہا اور تجویز کی کہ مجلس بروئے حکمنامہ بعض بندرگاہوں کو بے روک درآمد کے لئے کھول دے۔ ساتھ ہی یہ بھی جتا دیا کہ جو بندرگاہیں کھولی جائیں گی، انھیں دوبارہ بند کرنا بہت دشوار ہوگا۔ اس کی ولنگٹن اور لارڈ اسٹینلی تائید پر آمادہ نہ ہوئے اور تجویز ترک کر دی گئی۔

ابھی تک آزاد خیال فرقے کے افراد بھی قدامت پسندوں سے کچھ زیادہ بے قید غلّے کی تجارت کے حامی نہ تھے۔ لارڈ ملبرن نے تو ایک بار علانیہ کہا تھا کہ نہایت مجنونانہ باتوں میں، جو آج تک میں نے سُنی ہیں، سب سے مجنونانہ قوانین غلّہ کی منسوخی کی تجویز ہے۔" جان رسل اس درجہ تنگ خیال نہ تھا مگر اُس کی آزاد خیالی بھی صرف یہاں تک تھی کہ فی کوارٹر ۸ شلنگ کا محصول معین کر دیا جائے۔ البتہ جب یہ معلوم ہوا کہ مجلس وزرا آئرستان کی بندرگاہیں نہیں کھولیگی تو اس نے اڈن بروے

مکتوب اڈن برو

وہ مشہور خط لکھا جو "مکتوب اڈن برو" کہلاتا ہے اور اعلان کر دیا کہ وہ غلّے کے معاملے میں آزاد تجارت کے اصول کا قائل ہو گیا ہے۔ اور اپنے پارلیمنٹی رائے دہندوں کو ترغیب دی کہ

وہ بھی تحریر، تقریر یا مکابرے کے ذریعے حکومت کو اسی طرف لے چلنے کی سعی کریں؛ اس خط کا اور ادھر قحط کامل کا یہ اثر ہوا کہ پیل کو بھی مجلس وزارت میں یہی تحریک کرتے بن پڑی کہ قوانین غلہ کی تنسیخ کے لئے فوراً پارلیمنٹ منعقد کی جائے۔ اس روش کی ونلنگٹن بھی تائید میں تھا مگر لارڈ اسٹینلی نے ساتھ دینے سے انکار کیا اور پیل سمجھا کہ اس کے اثرات کے خلاف تحریک کا کامیاب ہونا مشکل ہوگا، لہذا مستعفی ہوگیا اور ملکہ نے جان رسل سے وزارت مرتب کرنے کی استدعا کی کیونکہ اس خط کی بدولت آزاد خیال فرقے میں وہ بے قید تجارت کے حامیوں کا سرگروہ ہوگیا تھا۔ جان رسل وزارت بنانے پر آمادہ ہوا لیکن غیر معمولی دشواریاں پیش آئیں۔ سابق وزیر اعظم، امیر گرے کا بیٹا، گرے محض اس وجہ سے وزارت میں عہدہ قبول کرنے سے انکار کرتا تھا کہ وزارت میں پامرسٹن کو وزیر خارجہ بنانا چاہتا تھا۔ اسی طرح وہ مُصر تھا کہ رسل، وزارت میں کوبڈن کو بھی جگہ دی جائے اور یہ دونوں شرطیں لارڈ جان رسل کو کسی طرح منظور نہ تھیں۔ غرض وہ وزارت مرتب کرنے میں ناکام رہا اور پھر پیل سے استعفیٰ واپس لینے کی درخواست ہوئی۔ چنانچہ وہ تیار ہوگیا اور صرف اسٹینلی نے مدد دینے سے انکار کیا لہذا اسٹینلی کی جگہ گلیڈ اسٹون کو دی گئی۔ جنوری ۱۸۴۶ء میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا اور پیل نے

قوانین غلہ کی تنسیخ

بلا تاخیر اپنی تحریک پیش کی جو آخر میں خود اس کے مُتبعین، فرقۂ آزاد خیال اور آزاد تجارت کے حامیوں کی تائید سے منظور ہوگئی۔ اس جدید قانون کی رو سے قرار پایا کہ غلے کا محصول آیندہ تین سال میں سُرعت سے اتنا کم کر دیا جائے کہ صرف مصارف اندراج، یعنی ایک شلنگ فی ربع رہ جائے؛ قانون کے نفاذ کا فوری اثر یہ ہوا کہ غلے کی قیمت کم ہوگئی۔ اگر اس کی تلافی دوسرے اسباب سے نہ ہو جاتی تو کچھ شک نہیں کہ مالگزاری کی شرح بھی گر جاتی اور پٹہ دار کاشتکاروں کا دوالا نکلتا۔ ساتھ ہی بہت سی اراضی غیر مزروعہ رہ جاتی اور زرعی مزدوروں کا روزگار مارا جاتا۔ لیکن اس زمانے میں یہ نقصانات جن کا اندیشہ تھا، رونما نہیں ہوئے کیونکہ غلے کا نرخ جب کم ہوا تو اسی کے ساتھ صنعت و حرفت کو حیرت انگیز فروغ

باب ہفتم

حاصل ہوا۔ شہروں کی آبادی میں بہت تیز ترقی ہوئی اور ان وجوہ سے گوشت، دودھ، اور نیز گھاس کی مانگ بھی بڑھ گئی جو ان دنوں بیرونی ممالک سے نہیں آسکتے تھے۔ تاہم یہ بات یقینی تھی کہ جس وقت امریکہ کا غلہ مقدار کثیر میں پہنچنے لگے گا تو برطانی پیداوار مقابلے میں شکست کھائے گی اور آخر کار زراعت کو نقصان پہنچے گا۔ ۱۸۷۰ء اور ۱۸۸۰ء کے درمیان یہ صورت پیدا بھی ہوئی کہ امریکی سبزہ زاروں میں زراعت شروع ہوئی اور ریلوں کے جدید نظام کی بدولت بے حساب مقدار میں غلہ منڈیوں تک پہنچنے لگا تو برطانیہ میں اس قدر جلد اتنا گر گیا کہ گیہوں کی کاشت میں کوئی نفع ہی نہ رہا اور اب جبکہ گیہوں ۲۰ شلنگ فی ربع فروخت ہوتا ہے، برطانیہ کے اہل بست وکشاد سخت مشکل میں ہیں کہ زراعت کی حالت کو کس طرح درست رکھا جائے۔

ڈزرائیلی

جن لوگوں کی فلاح وبہبود زراعت سے وابستہ تھی، وہ قوانینِ غلہ کی تنسیخ پر پیل کو کبھی معاف نہیں کر سکتے تھے اور ادھر ان دیہاتی شرفا کا ایک زبردست وکیل میدان میں اتر آیا۔ یہ بنجمن ڈزرائیلی تھا جو خود جاگیرداروں کے طبقے سے نہ تھا بلکہ ایک یہودی النسل، علمی کام کرنے والے باپ کا بیٹا تھا اور خود بھی اول اول اپنے زوردار افسانوں کی وجہ سے مشہور ہوا۔ ۱۸۰۴ء میں پیدا، اور بہ حیثیت قدامت پسند ۱۸۳۷ء میں پارلیمنٹ کا مبعوث منتخب ہوا۔ مگر ۱۸۴۶ء تک کچھ بہت کامیابی نہ پائی بلکہ اس کی پہلی تقریر تو قہقہوں میں ہی دب گئی۔ البتہ جب پیل نے قوانین غلہ کو منسوخ کرنے کا قصد ظاہر کیا، تو ڈزرائیلی زمینداروں کا حامی بنکر سامنے آیا اور بہت جلد پارلیمنٹ میں ممتاز ہوگیا۔ نئی ترکیبوں اور جملوں کے بنانے میں اسے پہلے ہی مسلمہ قدرت حاصل تھی۔ پیل کی سرکردگی میں قدامت پسندوں کی نسبت یہ فقرہ اسی کا ہے کہ "انھوں نے آزاد خیالوں کو غسل کرتے میں جا پکڑا اور ان کے کپڑے لے بھاگے"۔ پیل کی حکومت کو اس نے "منظم دوروئی" اور خود پیل کو "اعلیٰ درجے کی معمولی" (Sublime medioerity) خطاب دیا تھا۔ کیتھولکوں کی آزادی کے بعد یہ دوسری کارروائی تھی جسے قدامت پسند پیل کی غداری سمجھتے تھے

باب ہفتم

اور اسی پر وزیر اعظم کی خبر لینے کے لئے ڈِزرائیلی نے اپنی پوری ذہانت صرف کی شروع میں وہ اتنا با اثر نہ تھا کہ تامینِ تجارت کے حامیوں کا رسمی سرگروہ بنا لیا جاتا یہ منصب لارڈ جارج بین ٹنک کو دیا گیا جو امیر کبیر پورٹ لینڈ کا بیٹا، اپنے مرتبے اور اوصاف کے اعتبار سے محترم اور ساتھ والوں کی تنظیم کرنے میں کافی قابلیت رکھتا تھا لیکن ۱۸۴۸ء میں بین ٹنک نے وفات پائی تو ڈزرائیلی اپنی جماعت کا نہ صرف اصلی بلکہ باضابطہ بھی سرگروہ بن گیا۔

آئرستان کا قحط

ادھر آلو کی فصل نہ ہونے کے باعث آئرستان کی حالت بہت اندیشہ ناک ہو گئی۔ ان لوگوں کو جن کا گزارہ ہی آلو کی پیداوار پر تھا، غلّے کی قیمت کم ہو جانے سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ہزاروں کی تعداد میں کسان مرنے لگے۔ مصائب کے اس طوفان کو روکنے کی ساری سرکاری اور غیر سرکاری کوششیں ناکافی نظر آتی تھیں۔ ایسی حالت میں یہ توقع نہ کی جا سکتی تھی کہ پریشاں حال مخلوق میں جرائم کا اضافہ نہ ہوگا اور اسی کے تدارک کی غرض سے پیل نے ایک قانون اسلحہ کی تجویز کی۔ آئرستانی مبعوثین طبعاً اس کے مخالف تھے بہت سے انگریز آزاد خیالوں نے بھی ان کی تائید کی۔ "حامیانِ تامین" نے دیکھا کہ اگر وہ بھی مجوزہ قانون کے خلاف رائے دیں تو پیل کو شکست ہو جائے گی۔ گویا انتقام لینے کا اچھا موقع ہاتھ آیا اور انھوں نے اس کو نہ جانے دیا۔ پیل کو ۳، رائے سے شکست ہوئی اور وہ بلا تاخیر مستعفی ہو گیا۔

رسل کی وزارت

لارڈ جان رسل اس کا جانشین ہوا اور اس نے پامرسٹن کو وزیر خارجہ بنایا۔ امیر گرے بھی اب وزیر جنگ و مستعمرات بننے پر آمادہ ہو گیا۔ امیر کلے رنڈن نظارت تجارت کا صدر نشین اور مکالے فوج کا تنخشی مقرر ہوا۔ ملکی معاملات میں حکومت کی توجہ آئرستان پر منعطف رہی جہاں اموات اور ترکِ وطن کی بدولت آبادی آدھی رہی جاتی تھی۔ قحط زدوں کی امداد کے لیے ایک کرور پاؤنڈ کی رقم پارلیمنٹ سے منظور ہوئی مگر یہ مطلق کافی نہ تھی۔ ۱۸۴۶ء اور ۱۸۵۰ء کے درمیان تقریباً

باب ہشتم

بیس لاکھ آدمی کم ہو گئے۔ بدامنی کا سدّباب کرنے کی غرض سے رسل کی وزارت کو بھی اسی قسم کا قانون اسلحہ پیش کرنا پڑا جیسا پیل نے تجویز کیا اور اِن لوگوں نے مخالفت کی تھی۔ مگر خود پیل نے کمال شرافت سے وزارت کا ساتھ دیا اور کہا کہ سابقہ وزارت کی بہترین تلافی یہی ہوگی کہ موجودہ حکومت کو یہ قانون نافذ کرنے میں مدد دی جائے" چنانچہ پیل کی تائید سے یہ قانون منظور ہو گیا۔

قحط کی وجہ سے آئرستان کے اکثر زمینداروں کے افلاس کا حال بھی ظاہر ہوا کہ دلی ہمدردی کے باوجود اس مصیبت میں اپنے کسانوں کی کوئی دستگیری نہ کر سکے اور یوں بھی سرمایہ نہ ہونے کے باعث زراعت کو ترقی دینے کا کبھی بھی کوئی انتظام نہ کر سکتے تھے۔ ان کی اراضی اس طرح سے ورثے میں، وقف اور بھاری بھاری قرضوں میں زیر بار تھیں کہ پارلیمنٹ کی مدد کے بغیر نجات کی کوئی صورت دکھائی نہ دیتی تھی۔ پس جدید قانون کے ذریعے ایک "زیر بار جاگیروں کا سررشتہ" قائم کیا گیا کہ غیر مستطیع زمینداروں کی جماعت کو اراضی کے فروخت کرنے میں مدد دے جس سے وہ اپنے قرضے وغیرہ ادا کر سکیں اور دوسرے ایسے زمینداروں کو میدان میں لائے جو روپیہ اور شوق بھی زیادہ رکھتے ہوں۔ اس سررشتے کی وساطت سے آئرستان کی صدہا جاگیریں انگریزوں اور اسکوٹوں کی ملکیت میں منتقل ہو گئیں اور ان کو اکثر صورتوں میں یہ ترغیب دلائی گئی کہ ان اراضی کے لگان کم ہیں اور انھیں آسانی سے بڑھایا جا سکتا ہے۔

۱۸۴۷ء میں مزدوری کے اوقات میں اور تخفیف کی گئی۔ یعنی نئے قانونِ فیلڈن کی رو سے اٹھارہ سال سے کم عمر کے مزدوروں کے واسطے دس گھنٹے یومیہ اور شنبے کے دن نو گھنٹے کام معین ہوا۔ چونکہ بڑی عمر کے لوگ بغیر لڑکوں کی مدد کے کام جاری نہیں رکھ سکتے تھے لہذا اس قانون سے اُن کے کام کے اوقات کی بھی تحدید ہو گئی اور عملاً روزانہ دس گھنٹے کام کا تعین ہو گیا۔ کوبڈن اور برائٹ اور وہ لوگ بھی جو بعد "جماعت منچسٹر" کہلائے اس قانون کے خلاف تھے لیکن "تامینیوں" نے اس کی تائید کی۔

انقلابات کا سنہ

۱۸۴۸ء مسلسل انقلابات کی وجہ سے جو براعظم یورپ میں ہوئے یادگار سال ہے۔ ان کا آغاز فروری میں فرانس سے

ہوا جہاں لوئی فلیپ معزول اور فرار ہو کر برطانیہ میں پناہ گزیں ہوا۔ اس کا پورا تسلط فرانس پر کبھی بھی نہ ہوا تھا اور اسی لئے انقلاب کے پہلے جھونکے سے قصر بادشاہی گر پڑا اور جمہوریت نے اس کی جگہ لی۔ پھر یہ تحریک جرمانیہ میں پھیلی۔ وہاں اس کی دو صورتیں ہو گئیں۔ ایک تو یہ کہ الگ الگ ریاستوں کے باشندوں نے دستوری حکومت کا مطالبہ کیا۔ اور دوسرے تمام جرمانیہ کو قومیت کی بنا پر متحد کرنے کی کوشش شروع ہوئی۔ ان میں سے پہلی تحریک کسی حد تک کامیاب ہوئی مگر دوسری کا وقت نہیں آیا تھا فریڈرک ولیم چہارم شاہ پروشیا کے سامنے تاج شہنشاہی پیش کیا گیا تو اس نے عذر کیا کہ ریاستیں متفق نہیں ہیں۔ آسٹریا میں قومی تحریک نے ایک اور پیرایہ اختیار کیا۔ یعنی کوسوت کی سرکردگی میں ہنگری والوں نے بغاوت کی۔ جان توڑ کر لڑے اور یورپ کی ہمدردی ان کے شامل حال رہی لیکن ۱۸۴۹ء میں روسی آ کودے اور بغاوت کا قلع قمع کر دیا گیا۔ کوسوت وغیرہ ہنگری کے سرگروہ بھاگ کر ترکی پہنچے اور پھر انگلستان کے راستے امریکہ چلے گئے۔

اطالیہ میں ماتزینی (Mazzini) بہت دن سے جمہوریت کے قیام اور آسٹریا والوں کے اخراج کی تلقین کر رہا تھا۔ اب اس نے عوام میں بغاوت کرا دی اور سارڈینیا کا بادشاہ چارلس ایلبرٹ اہل آسٹریا کے خلاف لشکر لیکر لومبارڈی میں جا گھسا۔ مگر آخر میں دونوں کو شکست نصیب ہوئی۔ یعنی راڈزکی نے سارڈینیا والوں کی نووارا کے میدان میں سرکوبی کی ماتزینی نے چندروز کے لئے روما میں جمہوری حکومت قائم کر لی تھی، فرانس کی جمہوری فوج ہی نے اس کا قلع قمع اور دوبارہ پاپا کا اقتدار بحال کر دیا۔

اخبار "یونائٹیڈ آئرش مین"

انگلستان میں ان واقعات سے بہت کچھ ہمدردی پیدا ہوئی مگر وہاں خود پیچیدگیاں پیش آ رہی تھیں۔ ایک طرف تو آئرستان میں بغاوت ہوئی اور دوسرے لندن میں "منشوریوں" نے مظاہرہ کیا۔ ۱۸۴۳ء میں اوکونیل کا اثر زایل ہوا، تو چند پرجوش نوجوان "تنسیخ اتحاد" کی تحریک کے سرگروہ ہوئے۔ ان میں جان مچل، ٹامس فرانسس میگر اور چارلس گیون ڈفی نیز ایک سن رسیدہ پارلیمنٹ کا مبعوث، اسمتھ اوبرائن سب سے بڑھ کر قابل ذکر ہیں۔

باب ہفتم

ان کے ہاتھ میں یہ تحریک صاف صاف آزادیٔ آئرستان کی تحریک بن گئی۔ مچل اخبار "یونائیٹیڈ آئرش مین" کا مدیر تھا اور اس اخبار کو اُس نے او کونیل کے اخبار "نیشن" کی اعتدال پسندی دیکھکر جاری کیا تھا" اس کے ذریعے وہ عمداً اپنے ہموطنوں کو بغاوت و سرکشی پر اُکسانے کی کوشش اور ہر ہفتے برطانی سپاہیوں پر حملہ کرنے کی بہترین صورتیں بیان کیا کرتا تھا۔ اس کا تدارُک کرنے کی غرض سے حکومت نے ایک نیا قانون وضع کیا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ فتنۂ بغاوت کے نام سے ایسی تقریر و تحریر بھی جس کا مدعا حکومت کے خلاف فساد بپا کرانا ہو، جرم قرار پائے۔ چنانچہ اسی قانون کی رو سے مچل کا جُرم ثابت ہوا اور عبور دریائے شور کی سزا ملی اسے امید تھی کہ لوگ اسے چھڑانے کی سعی کریں گے مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ اور زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ او برائن، اور میگر ایک باغیانہ تحریک میں مبتلا ہو گئے۔ یہ دونوں پہلے گرفتار ہوئے لیکن رہا کر دیے گئے تھے اور اب بھی اپنی خوشی سے شریک ہونے کی بجائے بہت کچھ بلا ارادہ اس ہنگامے میں گھسیٹ آئے۔ یہ کوئی بہت سنگین فساد نہ تھا۔ اور اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ پولس نے بیلن گاری کے ایک بنگلے میں بھاگ کر پناہ لی تو بلوائیوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ پھر او برائن، اور میگر کے ساتھی منتشر ہو گئے تو ان دونوں کو چُھپ چُھپاتے گرفتار کر لیا گیا۔ عدالت سے موت کی سزا تجویز ہوئی مگر اسے عبور دریائے شور سے بدل دیا گیا۔ آخر میں او برائن کو آئرستان واپس آنے کی اجازت مل گئی۔ میگر، تسمانیا سے فرار ہو کر ولایات متحدۂ امریکہ پہنچ گیا۔ بہر حال اس شورش سے نوجوان آئرستانیوں کی تحریک کا ناقابلِ عمل ہونا ظاہر ہو گیا اور کچھ عرصے کے لئے معلوم ہوتا تھا کہ بغاوت کا جوش آئرستان میں سرد ہو گیا۔

انگلستان میں "منشوریوں" کی تحریک اس سے بھی کم اہم ثابت ہوئی حکومت کو الٹ دینے میں پیرس والوں کی کامیابی سنکر ان لندن والوں کو بھی ہمت ہوئی اور انھوں نے ۱۰ اپریل ۱۸۴۸ء کے دن اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کا تہیہ کیا۔ وہ اس بات کو بالکل بھولے ہوئے تھے کہ لوئی فلیپ کی حکومت کمزور تھی اور اس کے برخلاف، حفظِ امن و قانون کی کوشش میں، اہلِ ملک کی تعدادِ کثیر کی تائید

برطانی وزارت کے شاملِ حال تھی۔ بہر نوع منشوریوں نے زبردست جلسہ کر کے ایک عظیم الشان محضر لیکر ویسٹ منسٹر تک جلوس لانے کا فیصلہ کیا اور اعلان کیا کہ ڈھائی لاکھ اشخاص شریک ہوں گے اور محضر پر ۵۰ لاکھ سے زیادہ دستخط ثبت ہوں گے۔ اس جلسۂ عظیم کے دن کا متوسط طبقے والوں کو بہت خوف ہوا لیکن حکومت پوری طرح تیار تھی۔ امیر کبیر ولنگٹن نے بہ حیثیت سپہ سالارِ افواج، ڈاک خانہ، قلعۂ لنڈن سرکاری بینک اور دوسری بڑی عمارات پر فوجی پہرہ لگا دیا۔ پلوں کے دونوں سروں پر سپاہی متعین کر دیے گئے جو منظرِ عام پر نہ تھے مگر حکم کے ساتھ کام کرنے پر بالکل تیار تھے۔ ایک بڑی تعداد یعنی ایک لاکھ ستر ہزار خاص برقنداز دل سے اس موقع کے لئے عہد و پیمان لے لیا گیا تھا۔ یہ تیاریاں دیکھیں اور نیز یقین ہوا کہ بیجا جوش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بلا وجہ اور بے حساب جانیں ضائع ہوں گی تو فیرگس اوکونور نے منشوریوں کو مشورہ دیا کہ جلوس لیکر نہ جائیں۔ اوکونل کے مشورے کا جو نتیجہ ہوا تھا وہی اب ہوا کہ ساری تحریک ہی سرد ہو کر رہ گئی۔ جلسے میں پچیس ہزار سے زیادہ آدمی شریک نہ تھے اور اس تعداد میں بھی تماشائی شامل ہیں۔ کوئی جلوس بھی مرتب نہیں کیا گیا اور محضرِ عظیم جس وقت پیش ہوا تو اس کے بانیوں کو اُلٹا موردِ لعن و تضحیک بننا پڑا۔ کیونکہ تحقیق سے پورے بیس لاکھ دستخط بھی نہ نکلے اور معلوم ہوا کہ ورق کے ورق ایک ہی شخص کے لکھے ہوئے دستخطوں سے بھرے ہوئے ہیں اور ان میں ایسے صریح جعلی نام جیسے ملکہ، شہزادۂ ایلبرٹ، ولنگٹن وغیرہ درج کر دیے گئے ہیں۔ اور ایسے فرضی ناموں کا تو ذکر ہی کیا ہے جیسے پنچ، ڈیوی جونز وغیرہ؛ مگر اس تضحیک و رسوائی سے بھی منشوری تحریک کا خاتمہ نہ ہوتا اگر دوسرے اسباب بھی کام نہ کر رہے ہوتے۔ اصل یہ ہے کہ جدید اصلاحات کے بعد جو قوانین وضع ہوئے وہ اپنا اثر کئے بغیر نہ رہے تھے۔ نئے قانونِ مساکین کے خلاف ناراضی پیدا ہوئی مگر وہ بھی دبتی جاتی تھی۔ اصلاح پارلیمنٹ کی تجویزیں خود ذمہ دار اربابِ سیاست نے اپنے ہاتھ میں لے لی تھیں اور قوانینِ غلہ کی منسوخی سے مزدور پیشہ طبقوں کی آسودگی میں نمایاں اضافہ ہوگیا تھا۔

مستعمرات کی مقامی آزادی	۱۸۴۰ء میں کناڈا کو نظم و نسق کے اندرونی

باب ہفتم

اختیارات دیے گئے تھے ۱۸۴۲ء میں ان کی توسیع آسٹریلیا کی نوآبادیوں تک کردی گئی اس طریقے کا منشا یہ تھا کہ وطنِ اصلی اور نوآبادی میں سیاسی اختیارات باہم تقسیم کرلئے جائیں۔ مقامی معاملات جیسے کرور گیری جمعیت ملکی اور مالگذاری کا انتظام نوآبادی کے حوالے کیا گیا لیکن معاملات خارجہ برطانیہ کے ہاتھ میں رہے اور اسی نے خالص اپنے خرچ سے پوری شہنشاہی کے لئے بیڑا اور بری فوج مہیا کی اور نوآبادیوں کو اس میں مالی حصہ لینے کا پابند نہیں کیا۔ نوآبادیوں میں حکومت کا نظام وطنِ اصلی کی شکل قائم ہوا اور ہر نوآبادی کا والی جسے ملکہ مقرر کرتی تھی، وہاں عملاً وہی حیثیت رکھتا تھا جو آئینی حکمرانوں کی ہوتی ہے۔ یعنی وہ اپنے وزیروں کی رائے سے کام کرتا تھا اور یہ وزیر نوآبادی کی منتخبہ مجلس کے سامنے جواب دہ ہوتے تھے۔ مجلس کے بھی دو شعبے رکھے گئے۔ والی کو بادشاہ کی طرح یہ اختیار تھا کہ مجلس وضع قوانین جو تجویز منظور کرے، اس کی منظوری نہ دے، غرض عملی اعتبار سے ہر نوآبادی اپنے گھر کا خود انتظام کرتی اور وطن اصلی کی طرف سے بہت کم کبھی کوئی دخل دیا جاتا تھا۔ مگر اس طریقے میں بے اصولی کے دو سبب تھے۔ ایک تو یہ کہ نوآبادیوں کا صلح وجنگ اور بیرونی معاملات میں کوئی حصہ نہ تھا حالانکہ ان کی برائی بھلائی بھی اسی طرح اِن فیصلوں سے وابستہ تھی جس طرح برطانیہ کے باشندوں کی۔ دوسرے یہ کہ گو نوآبادیوں میں پوری شہنشاہی کی دولت اور آبادی روزافزوں تعداد میں کھچ کھچ کر چلی آتی تھی بایں ہمہ وہ اس کی جنگی اور بحری مدافعت میں کوئی حصہ نہ لیتے یا بہت ہی کم حصہ لیتے تھے۔

قوانین جہازرانی کی تنسیخ

اسی سال پارلیمنٹ نے جہازرانی کے قانون منسوخ کردیے اور آیندہ سلطنت برطانیہ کے تجارت کرنے والے جہازوں یا جہازرانوں کو کوئی رکاوٹ نہ رہی۔

۱۸۵۱ء کی نمائش

آزاد تجارت کے حامی غلے اور جہازرانی کے قوانین کی تنسیخ کا اصلی مقصد یہ سمجھتے تھے کہ تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز کیا جائے جس میں تامین وتقیید کی بجائے مختلف ممالک کا مال بے تکلف ایک دوسرے کے معاوضے میں لیا جا سکے

اور سیاسی رقابت و دشمنی کی بجائے مصنوعات اور دستکاریوں میں دوستانہ مسابقت جاری ہو۔ اس خیال کا ایک اور ظہور اس طرح ہوا کہ ۱۸۵۱ء میں ایک بین الاقوامی نمائش کی گئی جو آیندہ ایسی نمائشوں کے طویل سلسلے کی ابتدا تھی شہزادہ البرٹ اس کے صدر نشین تھے اور نمائش کے لئے ہائیڈ پارک میں شیشے اور لوہے کی عمارت جوزف پیکسٹن نے تیار کرائی تھی جو اب سڈنہم میں منتقل کر دی گئی ہے۔ اس میں دنیا کی تمام متمدن قوموں نے اپنی مختلف مصنوعات وغیرہ بھیجیں اور لاکھوں آدمیوں نے نمائش کی سیر کی۔ مگر امن و صلح کا نیا دور شروع ہونے کی بجائے، قریب قریب عین یہی زمانہ ہے جب کہ محارباتِ انقلاب فرانس کے بعد جو امن کا دور گزرا تھا، اس کا خاتمہ ہوگیا۔ عالمگیر فوائد کے اعتبار سے دیکھئے تو بے شبہ اس نمائش سے ترقی کی تحریک پیدا ہوئی اور پس ماندہ قوموں نے زیادہ ترقی یافتہ ہمسایوں کے طور طریق سے آگہی حاصل کی خصوصاً یورپ کے ملکوں کو برطانی کارخانہ داروں کے تجارتی اصول دکھائے۔ لیکن برطانی فوائد کا خیال کیا جائے تو ان بیرونی منڈیوں میں جہاں برطانی مال چھایا ہوا تھا، وہاں اس نمائش کی بدولت آیندہ انگریزوں کے رقیب و حریف پیدا ہو گئے۔ تاہم ۱۸۵۱ء تک برطانی مصنوعات کی فوقیت ایسی صریحی تھی کہ باہر والوں کے مقابلے کی چنداں پروا بھی نہ کی گئی۔ دوسرے بے قید تجارت کے حامیوں کا پختہ اعتقاد تو یہ تھا کہ چند ہی سال میں تمام متمدن دنیا اُن کے اصول پر عمل کرنے لگے گی۔ اگرچہ آگے چل کر یہ امید باطل ثابت ہوئی ۔

۱۸۴۸ء اور ۱۸۵۲ء کے درمیان تین ممتاز قومی اکابر بنٹنک، پیل اور ولنگٹن داغ مفارقت دے گئے۔ ان میں لارڈ جارج بنٹنک ۱۸۴۸ء میں فوت ہوا۔ وہ دار العوام میں تامین طلب گروہ کا ایک کھرا سرگروہ تھا اگرچہ اس میں کوئی خاص لیاقت نہ تھی۔ چونکہ لارڈ اسٹینلی کئی سال پہلے سے دار الامرا میں چلا گیا تھا۔ اس لئے اب دار العوام کے مذکورۂ بالا گروہ کا مسلّمہ رہنما ڈزرائیلی ہوگیا؛ دوسری قابل ذکر وفات امیر کبیر ولنگٹن کی تھی۔ گو اس میں سیاسی اہمیت نہ تھی

باب ہفتم

اور اسی لئے دستمبر ۱۸۵۲ء میں یہ واقعہ خاموشی سے گزر گیا۔ ڈلنگٹن کی سیاسی زندگی اتنی کامیاب نہ تھی جتنی کہ اس کی جنگی زندگی۔ بلکہ ملکی خدمات کے سلسلے میں وہ بہت نامقبول ہو گیا۔ البتہ یہ امر اس کی سیاسی دوراندیشی پر دال ہے کہ اس نے صاف صاف اندازہ کر لیا کہ سیاسی اقتدار کا مرکز منتقل دارالعوام میں ہٹ آیا ہے اور اسی لئے جب کبھی اس ایوان میں ملک کے جذبات کی صاف صاف ترجمانی کر دی جائے اور دارالامرا کو اس سے اختلاف ہو، تو ایسے موقع پر (ونگٹن کے نزدیک) امرا کو واجب تھا کہ وہ دب جائیں؛

پیل

اسی زمانے میں سر رابرٹ پیل نے وفات پائی۔ (۱۸۵۰ء) اس کے مرنے سے برطانی سیاسیات میں ایک جگہ ایسی خالی ہوئی جو بعد میں معمور نہ ہو سکی۔ وہ ایک وقت سب سے ممتاز مرتبے کا اہل نظر آتا تھا۔ لارڈ جان رسل کی وزارت کچھ بہت ہر دلعزیز نہ ثابت ہوئی۔ اور تامین طلب گروہ کے لوگ بجائے خود اتنے طاقتور نہ تھے نہ انھیں اپنی حکمت عملی پر اتنا اعتماد تھا کہ ملک کی حمایت حاصل کر لیتے۔ برخلاف ان کے رابرٹ پیل کو ذاتی اوصاف اور تجربے کے علاوہ بڑی قوت یہ حاصل تھی کہ لائق اشخاص کی ایک جماعت اس سے وابستہ ہو گئی تھی اور "پیلی گروہ" کہلاتی تھی۔ اس میں دارالعوام کے کل چالیس مبعوث اور یہ ممتاز افراد شامل تھے: لارڈ ابرڈین۔ سر جیمس گریہم سڈنی ہربرٹ۔ ایڈورڈ کارڈویل اور ولیم ایورٹ گلیڈسٹون۔ یہ جماعت مل کر کام کرنے کی صورت میں جدھر جاتی معاملات کا رخ بدل سکتی تھی۔ اور اس کے افراد کے خیالات بھی ہر مضمون پر لازماً توجہ سے سنے جاتے تھے۔ باریک بین مبصروں کی رائے تھی کہ ایسی قوی جماعت کے ساتھ ایک نہ ایک سیاسی فرقے کو اتحاد کرنا ضروری ہوگا۔ مکالے نے جہاں آزاد خیالوں کے اصول میں خرابی کا رونا رویا ہے، وہاں صاف لکھ دیا کہ اب اقتدار و حکومت انھی نسریہ "پیلیوں" کے قبضے میں منتقل ہو جائے گی۔ یہ صورت تھی جب کہ پیل ۶۲ سال کی عمر میں گھوڑے سے گر کر مر گیا (۱۰ جولائی ۱۸۵۰ء) لیکن اپنے سرگروہ سے محروم رہ جانے کے باوجود اس کے متبعین آپس میں متحد رہے؛

باب ہفتم

پارلیمنٹی اصلاحات

پیل، بین ٹنک اور ولنگٹن کی موتیں تاریخ برطانیہ کے ایک نمایاں دَور کو ختم کرتی ہیں اور یہ وہ دَور ہے جس میں قانونِ اصلاحات مجریہ ۱۸۳۲ء کے بلاواسطہ اثرات ظہور میں آئے۔ اور ۱۸۵۵ء سے جو دَور شروع ہوا اس کی دلچسپی کے اسباب ہی دوسرے تھے۔ ملک کے آئندہ بست سالہ واقعات میں اگر کوئی وجہ اتحاد شئے تھی تو وہ جدید اصلاحات کی تحریک ہے۔ واضح رہے کہ ۱۸۳۲ء کا فیصلہ نمایاں طور پر مصنوعی تھا۔ رائے دینے اور نہ دینے والوں میں جو تفریق کی گئی، خواہ شہر کے ہوں یا دیہات کے، وہ تفریق کسی اصول پر مبنی نہ تھی۔ لہٰذا تعلیم اور سیاسی خیالات پھیلے تو اس تفریق پر بھی اعتراض شروع ہوئے۔ مگر اصلاحی تحریک کا تازہ ہونا، جان رسل وغیرہ ایسے عمائد کو پسند نہ تھا جن کے خیال میں حقوق رائے دہی کا جو فیصلہ کیا گیا وہ اُن کے وقت تک کے لئے ناقابلِ تغیر تھا۔ اسی لئے یہ تحریک اوّل اوّل نشوریوں کے ہاتھ میں رہی۔ البتہ ۱۸۵۰ء میں آزاد خیال فرقے کے ایک مسلمہ فرد کی طرف سے یہ سلسلہ چھیڑا گیا۔ یعنی لوک کنگ نے تحریک پیش کی کہ دیہات اور شہروں کے حلقوں کو متحد کر دیا جائے اور وزارت کے علی الرغم ۵۲ کے مقابلے میں ۱۰۲ آرا کی اکثریت سے اسے منظور کرا لیا۔ اس پر لارڈ جان رسل مستعفی ہو گیا۔ لارڈ ڈاربی کو وزارت بنانے کی دعوت دی گئی تھی مگر پیلیوں اور آزاد خیالوں کے مقابلے میں اُسے دارالعوام میں اپنی جماعت اتنی قوی نظر نہ آئی کہ وزارت مرتب کرنا مناسب ہوتا اور اس کے انکار پر پھر جان رسل کو کہن کے عہدے پر بحال رکھا گیا۔ لیکن اس کی قوت بہت کم ہو گئی تھی اور ۱۸۵۲ء میں اُسے دوبارہ مستعفی ہونا پڑا۔

لارڈ پامرسٹن

استعفی کا سبب لارڈ پامرسٹن کی کارروائی ہوئی۔ یہ شخص گرے اور ملبرن کے زمانے میں وزیر خارجہ رہا اور رسل کی وزارت میں بھی اسی عہدے پر برقرار تھا۔ مگر اتنے طویل تجربے کے باوجود آزاد خیال فرقے کے بہت سے افراد اسے خار پہلو سمجھتے تھے۔ اوّل تو غیر قوموں کے جذبات کا لحاظ کئے بغیر وہ برطانی حقوق کے منوانے میں

باب ہفتم

اکڑ فوں دکھاتا تھا جسے کوبڈن، برائٹ اور خود گلیڈاسٹون جیسے لوگ نہایت ناپسند کرتے تھے کیونکہ ان کا نقطۂ نظر محض انگریزی ہونے کی بجائے ہمہ ملکی تھا۔ دوسرے پامرسٹن اپنی ذات کے متعلق وہ مفرط اعتقاد تھا کہ بطور خود ایسا کام کر بیٹھتا کہ ساتھی وزیروں کو اپنی مرضی کے خلاف اس کا پابند ہونا پڑتا اور اس سے وہ بہت جھنجلاتے تھے۔ اسی عادت کے طفیل دربار شاہی میں اسے ناپسند کیا جاتا تھا اور ملکہ اور شہزادۂ ایلبرٹ بارہا ناخوش ہوتے تھے کہ وزیر خارجہ کوئی ایسی روش اختیار کر لیتا، جس پر غور کرنے یا منظوری دینے کی انھیں مہلت بھی نہ ملتی اور جو ہو گیا اسے واپس لیتے بھی نہ بن پڑتی تھی۔ یہ باتیں کشاکش پیدا کرتیں بایں ہمہ پامرسٹن دارالعوام اور اپنے ہموطنوں کو خوب سمجھتا تھا اور اس لئے اہل دربار یا وزراکی پروا کئے بغیر اپنا کام کئے جاتا تھا۔

اس کی حکمت عملی پر پہلا باقاعدہ حملہ ڈون پے سی فیکو کے مقدمے میں ہوا (سنہ ۱۸۴۹ء) جو اُن دنوں بہت مشہور ہو گیا تھا۔ اس شخص کی قومیت مشتبہ تھی لیکن وہ یقیناً انگریزی رعایا تھا۔ اس کا مال ایتھنز کے ایک بلوے میں تاراج ہو گیا تو پامرسٹن نے پوری مستعدی سے اس کی حمایت کی۔ توپ دار کشتیاں ایتھنز روانہ کی گئیں اور گولہ باری کی دھمکی دے کر یونانی حکومت سے تاوان وصول کیا گیا۔ اس زبردستی پر الیسی ناراضی پھیلی کہ معاملہ چھیڑنے کی غرض سے روبک نے پامرسٹن کے فعل کی تحسین کے لئے دارالعوام میں باقاعدہ قرار داد پیش کی۔ اس کی کوبڈن، برائٹ، گلیڈاسٹون اور ڈزرائیلی نے مخالفت کی مگر پامرسٹن نے بڑی ہوشیاری سے صفائی پیش کی اور کہا کہ میرا منشا یہ تھا کہ برطانیہ کی ادنیٰ سے ادنیٰ رعایا قدیم اہل روما کی مثل محفوظ و مصئون ہو جو فخریہ "کوس رومانوس سوم" یعنی میں روما کا شہری ہوں" کا نعرہ لگا کے اپنے آپ کو اُس قدیم دنیا کا ممتاز شہری ثابت کرتے تھے۔ پامرسٹن حاضرین کی نبض پہچانتا تھا اور اس نے وہی الاپ الاپی جس کا سامعین پر اثر پڑنا یقینی تھا چنانچہ تحسین کی تجویز ۲۶۴ کے مقابلے میں ۳۱۰ رایوں سے منظور ہو گئی۔ وزیر خارجہ کو دوسری طرف سنہ ۱۸۵۰ء میں ملکہ کے معاملے میں دشواری پیش آئی۔ پامرسٹن کے طریق عمل سے وہ اتنی چڑ گئی تھی کہ

باب ہفتم

آخر کار اُس نے ایک مراسلہ لکھا کہ آیندہ حسب ذیل امور کی پابندی کی جائے:۔ (۱) پامرسٹن صاف طور پر بیان کر دیا کرے کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے تاکہ ملکہ کو منظوری دیتے وقت کوئی احتمال و شک نہ رہے۔ (۲) منظوری ملنے کے بعد اُس تجویز میں محض خودرائی سے وزیر خارجہ کوئی کمی بیشی یا تبدیلی نہ کرے (۳) سرکاری مراسلات کا مسودہ پہلے سے بھیج دیا جایا کرے تاکہ ملکہ کو ان کے مضمون سے بخوبی واقف ہونے کا کافی وقت مل جایا کرے۔"

پامرسٹن کو ان احکام کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہ تھا مگر ۱۸۵۲ء میں اس کی شتاب کاری سے تازہ دقت پیدا ہوگئی۔ ۱۸۴۸ء میں نپولین اعظم کا بھتیجا لوئی نپولین بوناپارٹ جمہوریۂ فرانس کا صدرنشین منتخب ہوا۔ اس کے انگلستان میں پناہ گزین ہونے کے زمانے میں پامرسٹن کو اس سے ملنے کا بارہا موقع ملا اور وہ آپس میں دوست تھے۔ ۱۸۵۱ء میں اس نے فرانس پر مالکانہ قبضہ جمانے کا منصوبہ باندھا اور ۲؍ دسمبر کے ایک یکبارگی حملے میں ممتاز جمہوری سرگروہوں کو پکڑ کے قید کر دیا اور پیرس کے بازاروں میں صدہا اشخاص کو نشانۂ بندوق بنا کر مخالفین کے دلوں میں دہشت پیدا کر دی۔ ان لوگوں میں جن پر بندوق چلی بہت کم نے مقابلہ کیا، غرض اس طرح جمہوری نظام کو عملاً توڑ کر شخصی بادشاہی کی بنیاد ڈالی اور اس پر جو باریک پردہ پڑا ہوا تھا وہ بھی ۱۸۵۲ء میں خطاب شہنشاہ کے اختیار کرنے سے چاک ہوگیا۔ پیرس کے قتل عام کے بعد جان رسل اور دوسرے وزرا کو نہایت فکر تھا کہ کوئی ایسی بات نہ کی جائے جس سے یہ ظاہر ہو کہ انگریز نپولین کے اس فعل کو پسند کرتے ہیں۔ بایں ہمہ پامرسٹن ایسا غیر محتاط تھا کہ فرانسیسی سفیر سے اپنا یہ ذاتی خیال ظاہر کر دیا کہ نپولین کو ایسا کرنے کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ یہ رائے اگرچہ بالکل غیر سرکاری تھی، مگر ظاہر ہے کہ فوراً پیرس پہنچی اور ساری دنیا میں شائع ہوگئی۔ انگریز وزیروں کو سخت غصّہ آیا اور پامرسٹن سے استعفیٰ مانگا گیا تو اسے عہدہ چھوڑتے ہی بن پڑی۔ مگر وہ ذرا بھی نادم نہ تھا اور یقین رکھتا تھا کہ میرے ہموطن مجھے دوبارہ بحال کر دیں گے۔

پامرسٹن کو جان رسل سے بدلا لینے کا موقع بھی جلد ہاتھ آگیا۔ بوناپارٹ

کے خاندان کے ایک فرد کا فرانس میں دوبارہ بادشاہی قائم کرنا نسل رو دبار پار کے لوگوں کو بہت کچھ پریشانی ہوئی۔ عام طور پر خیال تھا کہ اہل فرانس کے خیالات وطنی معاملات سے ہٹانے کے لئے اور کچھ اس غرض سے کہ ۱۸۱۴ء اور ۱۸۱۵ء کے واقعات سے فرانس کی جنگی ناموری پر جو دھبہ لگا ہے دھویا جائے اور اہل وطن کے جذبۂ کشور کشائی کی تشفی کی جائے، نیا بادشاہ خواہی نخواہی جنگجوئی کی روش اختیار کرے گا۔ اور اس صورت میں قیاس کہتا تھا کہ پروشیا، روس اور برطانیہ ہی اس کے نشانۂ عداوت ہوں گے۔ پس محض حفظ ماتقدم کے طور پر انگریزی حکومت نے شہری فوج یا جمعیت ملکی کو از سر نو مرتب کرنے کا فیصلہ کیا جو چالیس برس سے جمع نہ ہوئی تھی۔ رسل نے مسودۂ قانون کی صورت میں یہ تجویز پیش کرتے وقت اسے مقامی جمعیت کے نام سے یاد کیا۔ پامرسٹن کو موقع مل گیا اور اس نے "مقامی" کی بجائے "قومی" کا لفظ تجویز کیا اور یہ ترمیم ۱۲۵ کے مقابلے میں ۱۳۶ آرا سے منظور ہوگئی۔ رسل خود صراحت کر چکا تھا کہ اس فوج سے ملکی یا قومی اغراض کے لئے کام لیا جا سکے گا اس لئے بات کچھ بھی نہ تھی لیکن وزرا اسے عدم اعتماد کا اظہار سمجھے اور فروری ۱۸۵۲ء میں مستعفی ہو گئے۔

ڈاربی کی پہلی وزارت

وزارت کو شکست دینے کے باوجود پامرسٹن کی اتنی قوت نہ تھی کہ خود وزارت مرتب کر سکتا۔ چنانچہ ملکہ نے لارڈ ڈاربی کو طلب کیا اور وہ تامینی گروہ کی وزارت بنانے پر آمادہ ہوگیا۔ وہ خود وزیر اعظم، لارڈ مامسبری وزیر اور ڈاربی کا بڑا بیٹا لارڈ اسٹینلی نائب وزیر خارجہ ہوئے۔ وزارت مالیہ اور دار العوام کی سرگروہی ڈزرائیلی کے تفویض ہوئی۔ دوسرے شرکا میں اور کوئی ممتاز شخص نہ تھا۔ بہر حال انھی اصول پر جو پہلے تجویز ہوئے تھے جمعیت کا قانون منظور کرانے کے بعد پارلیمنٹ برخاست کر دی گئی۔ نئے انتخابات سے ظاہر ہوا کہ ملک میں قدامت پسندوں کا اثر بڑھتا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے مبعوثین ۲۹۹۔ آزاد خیال ۳۱۵ اور ۴۰ پیلی گروہ کے لوگ منتخب ہوئے۔ ان حالات میں طبعاً یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا قدامت پسند گروہ انھی تامینی خیالات پر جمارہے گا جن کی ڈاربی اور ڈزرائیلی تبلیغ کرتے

باب ہفتم

رہے تھے۔ اس کی آزمائش کے لئے بے قید تجارت کے اصول کی حمایت میں چند قرار دادیں پیش کی گئیں اور ان میں سے ایک، جسے پامرسٹن نے مرتب کیا تھا، بالآخر ۳۲۵ کے مقابلے میں ۴۶۸ آرا سے منظور ہوئی۔ تب قدامت پسند اور آزاد خیال دونوں نے تسلیم کیا کہ پیل کا اصول عمل ہی قوم کا پسندیدہ اصول ہے اور اس وقت سے آج (یعنی تالیف کتاب کے وقت) تک تامینِ تجارت دونوں فرقوں کے نزدیک عملی سیاسیات سے خارج سمجھی جانے لگی[ا]۔ آزادی تجارت کی حمایت میں جو قرارداد منظور ہوئی اس نے تامین کی طرف مراجعت کو ناممکن کر دیا تھا، لہٰذا حکومت کو موازنہ بناتے وقت، اہل زراعت کے لئے کوئی فائدہ رساں کارروائی کرنے میں بڑی دقت پیش آئی حالانکہ پچھلے چھ سال سے قدامت پسند فرقے کے مقرر اسی موضوع پر جادو بیانی دکھاتے رہے تھے۔ بایں ہمہ ڈزرائیلی نے بڑی چالاکی سے ایک ایسی صورت نکالی کہ بظاہر تو آزادی تجارت کے اصول سے تجاوز نہیں ہوا لیکن محاصل میں اس قسم کا ردّوبدل کر دیا گیا کہ شہری نقصان میں اور مزارعین فائدے میں رہے۔ اس تجویز کو لوگوں نے سمجھتے ہی سخت مخالفت شروع کی اس کا سرگروہ گلیڈسٹون تھا اور ڈزرائیلی سے ایسی ذاتی پرخاش ہو گئی کہ ڈزرائیلی کے جیتے جی اس میں کمی نہ آئی۔ ڈزرائیلی اپنے مجوزہ موازنے کی حمایت میں خوب لڑا اور طعن و ملامت ہر قسم کے ہتیاروں سے کام لیتا رہا۔ اسی سلسلے میں اُس نے ایک دفعہ کہا کہ مجھ پر ایک مخلوط گروہ نے حملہ کیا ہے اور انگلستان مخلوطیوں کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ بایں ہمہ پارلیمنٹ میں اسے ۲۸۶ کے مقابلے میں ۳۰۵ آرا سے شکست ہوئی اور اسی کے ساتھ ڈاربی مستعفی ہو گیا۔

[ا] ۔ یہ کتاب ۱۹۲۵ء میں طبع ہوئی، ۱۹۲۴ء کے انتخابات میں جب کنزرویٹو فریق کی جانب سے یہ مسئلہ قوم کے سامنے پیش کیا گیا تو تامینی اصول کے متبعین کو شکست فاش ہوئی اور انگلستان کی پہلی اشتراکی حکومت وجود میں آئی، لیکن ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۰ء تک جو کنزرویٹو حکومت پھر برسراقتدار رہی اس نے تامینی اصول پر ایک حد تک عمل کیا اور ۱۹۳۱ء کے بعد آج تک "قومی حکومت" کے تحت اس اصول پر کامل عمل ہو رہا ہے۔

باب ہفتم

ابرڈین کی وزارت اب آزاد خیال اور پیلی فرقے کی ایک مخلوط وزارت قائم ہوئی۔ لارڈ ابرڈین جو پیلی جماعت کا فرد اور پیل کی وزارت میں وزیر خارجہ رہ چکا تھا، وزیر اعظم مقرر ہوا اور گلیڈ اسٹون کو وزیر مالیہ بنا کر اپنے ساتھ لایا۔ گلیڈ اسٹون کے پرانے مربی کا فرزند نیو کاسل وزیر مستعمرات، سڈنی ہربرٹ وزیر جنگ اور سر جیمس گریہم صدر امیر بحر یہ مقرر ہوا۔ آزاد خیالوں میں جان رسل وزیر خارجہ اور پامرسٹن وزیر داخلہ بنائے گئے۔ لارڈ گرین ویل اور امیر کبیر آرجائل کے لئے بھی جگہیں نکال لی گئیں۔ لارڈ پامرسٹن کے متعلق کچھ دقت پیش آئی تھی کیونکہ پیلی اور آزاد خیال کوئی بھی اس کی وزارت خارجہ کے کام سے خوش نہیں تھا لیکن اس دشواری کو اس نے اپنی خوش طبعی سے وزارت داخلہ مانگ کر خود دور کر دیا اور کہا کہ "آدمی کے لئے اپنے ہموطنوں سے باخبر ہونا بھی کچھ برا نہیں ہے"۔ ڈزرائیلی کے موازنے پر سب سے غضب ناک حملہ گلیڈ اسٹون کا ہوا تھا لہذا لوگ مشتاق تھے کہ خود وہ کیسا موازنہ بناتا ہے۔ اور جب موازنہ پیش ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ بلا محصول درآمد میں اور ایک قدم آگے بڑھانا چاہتا ہے۔ چنانچہ صابون کا محصول بالکل اڑا دیا اور ۱۳۳ دوسری اشیائے برآمد کی کروڑگیری میں تخفیف کر دی۔ اس غرض کو پورا کرنے کے لئے اس نے محصول آمدنی (انکم ٹیکس) کو ۷ پنی فی پاؤنڈ رہنے دیا مگر تجویز کی کہ نئے محاصل کی آمدنی بڑھنے کے ساتھ ساتھ اسے گھٹایا جائے یہاں تک کہ ۱۸۶۰ء میں بالکل موقوف کر دیا جائے۔ ضمناً اس نے محصول آمدنی کا مصارف جنگ کے واسطے مفید ہونا بھی ثابت کیا۔ ان اصول میں کوئی بات نئی نہ تھی بلکہ یہ سب پٹ، ہسکس اور پیل کے اصول تھے مگر گلیڈ اسٹون نے مالی حسابات کے خشک مضمون کو فصاحت کے رنگ سے ایسا رنگا کہ لوگ اس کا موازنہ پڑھ کر دنگ رہ گئے اور آیندہ سے وہ مالیات کا قابل ترین ماہر مانا جانے لگا۔

مسئلۂ شرقیہ گلیڈ اسٹون نے زمانۂ جنگ میں محصول آمدنی یا انکم ٹیکس کے فوائد ضمناً بیان تو کئے تھے مگر حقیقت میں اس کی ساری مالی تجاویز قیام امن پر مبنی تھیں اور اسی کی آیندہ امید پر یہ تجویزیں مرتب کی گئی تھیں لیکن کس قدر مضحکہ انگیز بات ہے کہ عین اسی زمانے میں

مجوزہ اور اس کے ساتھی وزراروس کے خلاف بہ تدریج جنگ کے میدان کی طرف بھی بڑھ رہے تھے، جیسا کہ اکثر ہوتا ہے اِس جنگ کے حالات پڑھتے وقت بھی ضروری ہے کہ جنگ کے بنیادی اسباب اور اُن خاص وجوہ میں فرق کیا جائے جن کے طفیل فی الواقع جنگ چھڑی؛ اب جنگ کا اصلی سبب تو یہ سمجھنا چاہیے کہ مغربی دول یہ فیصلہ کر چکی تھیں کہ روس کو استنبول میں اتنا اقتدار حاصل نہ کرنے دیں کہ بالآخر ترکی کی آزادی ہی حرفِ غلط ہو کے رہ جائے مگر لاطینی اور یونانی کلیسا کے قضیے اور معاہدۂ کُشُک کنارجی کی بعض دفعات میں اختلاف رائے، جنگ کی فوری وجوہ بن گئیں۔ کلیسائی جھگڑا یروشلم میں کنیسۂ روح القدس وغیرہ مقدس مقامات کے حقوق کی نسبت تھا اور گویا دریوں کی نزاع بجائے خود کچھ وقعت نہ رکھتی تھی مگر چونکہ لاطینی مذہب کے تحفظ و حمایت کا شہنشاہ فرانس کو، اور یونانی کلیسا کی خاص محافظت کا زارِ روس کو دعویٰ تھا، لہٰذا یہ مذہبی اختلافات بہت اہم شے بن گئے۔ البتہ معاہدۂ کُشُک کنارجی کے متعلق جو نزاع ہوئی، وہ زیادہ قابلِ لحاظ تھی۔ یہ معاہدہ بہت پہلے یا ۱۷۷۴ء میں ہوا تھا اور اس میں ترکوں نے روسیوں سے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ دینِ مسیحی اور اس کے معابد کی برابر حفاظت کی جاتی رہے گی۔ اسی شرط کی بنا پر زار دعویٰ کرتا تھا کہ سلطنت عثمانیہ کی ساری مسیحی رعایا میرے ظلِ حمایت میں ہے اور سلطان کا اپنی مسیحی رعایا سے جو طرزِ عمل ہو میں اس کی نسبت باز پرس کر سکتا ہوں؛ گلیڈ اسٹون نے بھی پہلے اس رائے کو تسلیم کر لیا تھا مگر یورپ کی عام رائے زار کے اس دعوے کی سراسر مخالف تھی کیونکہ اس کے معنی یہ تھے کہ سلطنت عثمانیہ کی ایک کرور چالیس لاکھ یونانی آبادی جو کلیسائے یونان کی پیرو تھی آیندہ سے زار کو اپنا ولی نعمت سمجھے اور سلطان کی اطاعت محض رسمی باقی رہ جائے۔ روسی دعویٰ اس لئے اور بھی پُرمعنی ہو گیا تھا کہ زار نکولاس کے نزدیک سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ قریب آلگا تھا اور وہ اس سلطنت کو ہمیشہ "مردِ بیمار" کے نام سے یاد کرتا تھا۔ پس اکثر اربابِ سیاست خیال کرتے تھے کہ روس کا مسیحیوں کو اپنی حمایت میں لینے کا مطلب یہ ہے کہ جب ترکی سلطنت کے حصے بخرے ہوں تو سب سے بڑا حصہ خود لینے کی ایک بنی بنائی دلیل اس کے ہاتھ آجائے۔

باب ہفتم

روس سے مراسلت

سنہ ۱۸۵۲ء میں معاملہ بہت نازک ہوگیا۔ اور دو سال تک یورپ کے سیاسی شاطر تحریری جنگ میں ایک دوسرے سے گتھے رہے۔ مختلف سلطنتوں کی اغراض بھی الگ الگ تھیں۔ برطانیہ کا صریحی فائدہ اس میں تھا کہ ترکی کی حیانت قائم رہے۔ فرانسیسی بادشاہ کو اصل جھگڑے کی چنداں پروانہ تھی مگر برطانیہ کے حلیف بنے رہنے کا بہت خیال تھا اور خود اپنی بادشاہی کو مضبوط کرنے کی غرض سے ایسی جنگ میں شریک ہونا عین مصلحت سمجھتا تھا جو ملک میں عام طور سے مقبول تھی۔ آسٹریا کی دوسری سلطنتوں سے کہیں زیادہ براہِ راست مصلحت یہ تھی کہ روسیوں کو ترکی علاقہ لینے سے باز رکھا جائے اور ظاہر ہے کہ اس کام میں فرانس و برطانیہ کی شرکت اس کے عین مفید مطلب تھی۔ بہرحال معاملے کا سارا انحصار برطانی وزیروں کے فیصلے پر آٹھہرا تھا اور اگر انھیں خود اپنے ارادوں کی خبر ہوتی یا زار کو یقین دلا سکتے کہ وہ جو زبان سے کہتے ہیں حقیقت میں وہی ان کا دلی منشا بھی ہے تو غالباً جنگ کی نوبت نہ آتی۔ کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ زار اپنا دعویٰ منوانے کے لیے جنگ کی جوکھوں میں پڑنے کا قصد نہیں رکھتا تھا۔ مگر ہوا یہ کہ برطانی وزرا ہم آہنگی کے ساتھ کام نہ کر سکے۔ ابرڈین کی دانست میں جنگ ناممکن تھی اور اس لیے وہ زار سے دوستانہ برتاؤ کیے جاتا تھا۔ گلیڈ اسٹون معاہدے کی تعبیر میں روسیوں سے متفق تھا اور جنگ بھی کسی طرح پسند نہ تھی جس سے اس کے مالی موازنے کے مجوزہ انتظامات کا درہم برہم ہونا یقینی تھا۔ بخلاف اس کے پامرسٹن زوردار کارروائی کا حامی اور اپنے ساتھیوں کو جہاں تک ممکن ہو ذمہ داری لینے پر آمادہ کرنے کی فکر میں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وزرا کی آرا میں سخت اختلاف وانتشار پیدا ہوگیا۔ کوئی یک رنگ روش نہ اختیار کی گئی نہ اس پر استقلال سے عمل ہوا اور قبل اس کے کہ اہلِ ملک حالات کی نازکی کا اندازہ کرنے پائیں جنگ ناگزیر ہوگئی۔ جولائی سنہ ۱۸۵۳ء میں روسیوں نے اپنی (مذہبی) سیادت منوانے کی مادی ضمانت میں ڈینیوب کی ریاستوں پر قبضہ کر لیا۔ اکتوبر میں ترکی نے اعلان جنگ کیا۔ نومبر میں روسیوں نے اسنوف پر ترکی بیڑا غرقاب کر کے بحر اسود پر اقتدار اور استنبول پر حملہ کرنے کی قوت حاصل کر لی۔ دسمبر میں فرانس و برطانیہ کے بیڑے

بحر اسود میں داخل ہوئے اور مارچ سنہ ۱۸۵۴ء میں آسٹریا کی شرکت کا انتظار کئے بغیر ابھی دونوں نے روس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

معرکہ آرائیاں

برطانی اور فرانسیسی فوجوں کے ڈین یوب پہنچنے سے قبل، ترکوں نے تن تنہا روسی پیش قدمی کو روک دیا تھا۔ پس رائے قرار پائی کہ ان کے بیڑوں کی مسلمہ فوقیت سے فائدہ اٹھایا جائے اور روس کے بحری ذخائر پر حملہ کیا جائے۔ اس غرض سے دو بحری مہمیں تیار کی گئیں۔ ایک تو امیر البحر سر چارلس نے پیر کی قیادت میں کرونس ٹاٹ بھیجی گئی جو بحیرۂ بالٹک میں پورس منتھ کی ٹکر کا بحری مستقر تھا اور دوسری کریمیا کے شہر سیباستوپل کے خلاف جسے بحر اسود میں یہی مرتبہ حاصل تھا۔ اس دوسری مہم کا سردار لارڈ ریگ لن تھا اس کا پہلا خطاب لارڈ فٹز روے سمرسٹ تھا اور اسی نام سے وہ ولنگٹن کا فوجی معتمد رہا اور واٹرلو میں اس کا ایک ہاتھ بھی ضائع ہوا۔ وہ نہایت موقع شناس اور غیر ملک کے حلیفوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کے نہایت موزوں آدمی تھا مگر اتنی بڑی خدمت کو خاطر خواہ انجام دینے کی اس میں اہلیت یا قوت نہ تھی؛ بہرحال انگریزوں کی پہلی مہم تو کچھ نہ بنا سکی کیونکہ کرونس ٹاٹ کے جنگی مورچے جنگی جہازوں کے قابو میں نہ آئے۔ لیکن کریمیا کی مہم بہت اہم ثابت ہوئی۔ برطانی حکومت کو شروع میں اس کی مشکلات کا اندازہ نہ تھا وہ سمجھتی تھی کہ چونکہ اتحادی بیڑا بحر اسود پر چھایا ہوا ہے اس لئے بری فوج کو کریمیا میں اتارنا اور سیباستوپل کو برباد کر کے جنوبی روس کے تکلیف دہ جاڑوں سے پہلے واپس آجانا کچھ بھی دشوار نہ ہوگا۔ اور حقیقت میں یہ صورت ممکن بھی تھی بشرطیکہ پامرسٹن نے جس وقت اس کی تجویز کی اسی وقت یعنی جون میں اس پر عمل ہوتا جب کہ سیباستوپل میں جنگی مورچے تقریباً بالکل نہ تھے اور ساری کریمیا میں چالیس ہزار سے زیادہ سپاہی نہ تھے لیکن ستمبر میں صورتِ حالات بالکل دوسری ہو گئی ڈین یوب سے جو روسی سپاہ (ترکوں کے مقابل سے) پسپا ہوئی؛ اسی سے زار کریمیا کو سپاہیوں سے معمور کر سکتا تھا۔ بایں ہمہ ترکی کی فرانسیسی اور برطانی فوج کے سپہ سالاروں (ریگ لن اور سینٹ آرنو) کو احکام پہنچ گئے کہ جہاز سے کریمیا روانہ ہو جائیں؛ چنانچہ ۲۵ ہزار برطانی اور

باب ہفتم

۳۵ ہزار فرانسیسی سپاہی کریمیا میں بہ مقام یوپاتوریا اتارے گئے۔ یہ جگہ رودِ الما سے چند میل اوپر سباستوپل سے کوئی بیس میل دور واقع تھی۔ اسی ندی کے عقب میں

معرکۂ الما

پہاڑیوں کے سلسلے پر ۴۵ ہزار روسیوں کے مورچے اتنے مضبوط موجود تھے کہ انھیں عملاً ناقابلِ تسخیر سمجھنا چاہیئے۔ ۲۰ ستمبر کے دن اتحادیوں نے ان پر حملہ کیا۔ میمنے پر فرانسیسی اور میسرے پر انگریز تھے۔ لڑائی میں دونوں طرف سے کچھ بہت ہنرمندی ظاہر نہیں ہوئی۔ فوجی نقل و حرکت یا ترتیب میں کسی فن دانی سے کام نہیں لیا گیا البتہ اتحادی سردار اور سپاہی شکاری کتوں کی طرح سیدھے لپکے چلے گئے اور سخت نقصان اٹھا کر پہاڑیوں کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد اگر وہ دشمن کے تعاقب میں بڑھ جاتے تو گمان غالب یہ ہے کہ اسی جھپٹے میں سباستوپل تسخیر ہو جاتا جہاں ایسا اچانک حملہ



نقشۂ معرکۂ الما

مشرق میں معرکہ آرائیاں ۱۸۵۴ء تا ۱۸۵۶ء

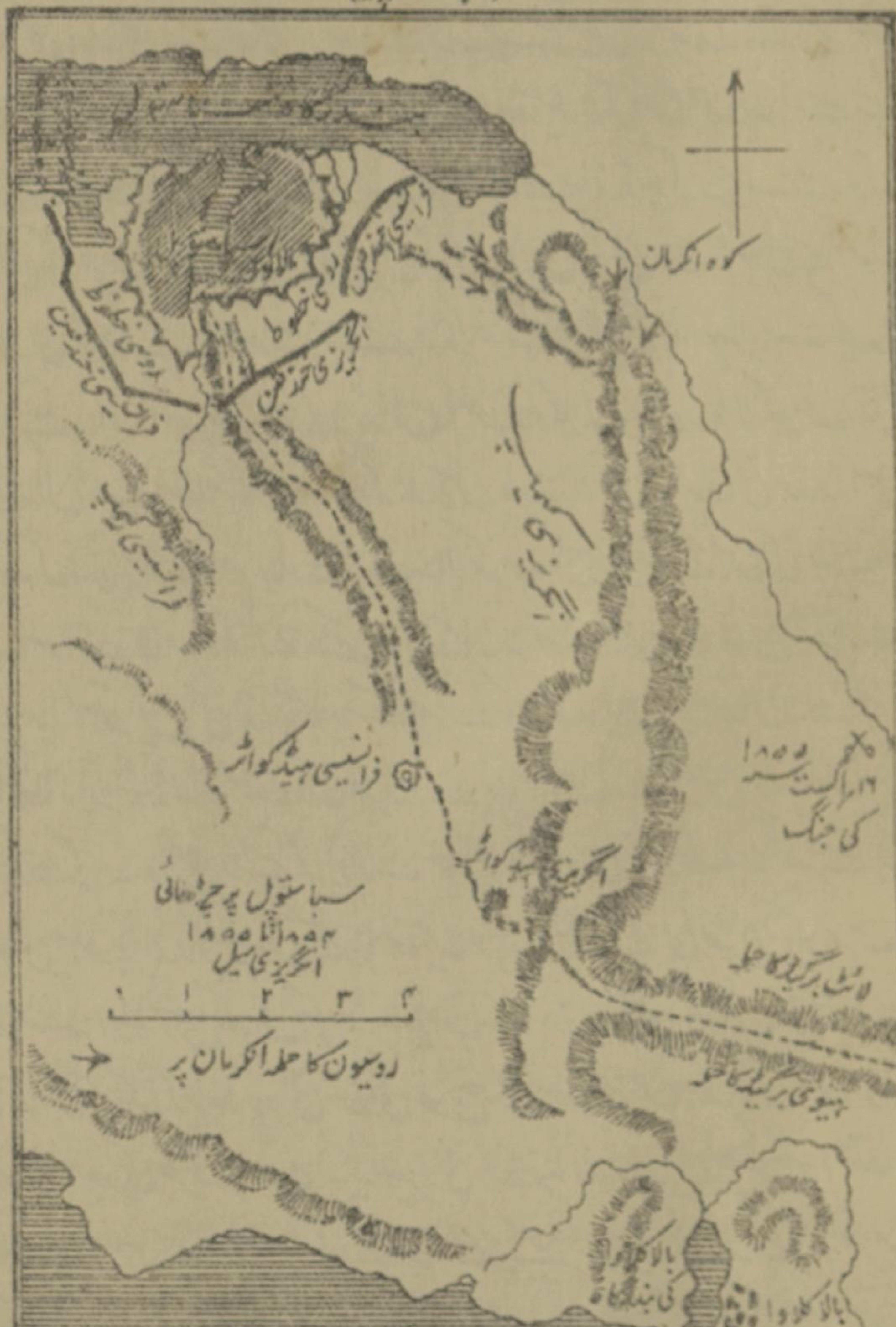
روکنے کی کوئی تیاری نہیں کی گئی تھی۔ مگر اتحادیوں کی رسد رسانی اور نقل و حرکت کا انتظام اتنا ناقص تھا کہ روسی صاف بچ کر بھی نکل گئے اور مدافعت کی تیاریاں کرنے کے لئے چند روز کی مہلت بھی انھیں مل گئی۔ چنانچہ جب تک اتحادی پھر حرکت کریں روسی فوجیں ایسے موقعوں پر آ چکی تھیں کہ خود نقصان اٹھائے بغیر محاصرین کو پریشان کرتی رہیں اور نیز سباستوپل کو ایسا درست کر لیا تھا کہ خوب جم کر مدافعت ہو سکے؛

سباستوپل کا محاصرہ

شہر سباستوپل سمندر کی کوئی چار میل لمبی کھاڑی پر

باب ہفتم

محاصرۂ سباستوپل



حملے کے اختتام کا نقشہ

جانب جنوب واقع ہے اور اُن دِنوں اس میں زیادہ تر جہازوں کی گودیاں، حربی مخزن اور فوجی بارکیں بنی ہوئی تھیں اور سرکاری ملازمین یا ان کے متعلقین کے علاوہ دوسری آبادی بہت کم تھی۔ عمارات سنگ بستہ تھیں۔ سمندر کے رُخ مضبوط دمدمے بنے ہوئے تھے۔ روسی بیڑا اتحادیوں کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا لہٰذا اسے بندرگاہ کے اندر ہٹا لائے تھے اور کھاڑی کے دہانے پر پُرانے جہاز ڈبو کر راستہ روک دیا تھا۔ خشکی کی طرف ایک مہندس جنرل ٹوڈل بین نامی نے دھسوں کا نقشہ تیار کیا اور جہازی توپوں سے مورچے بنائے۔ مدافعت کی خوبی کا سہرا بہت کچھ اسی شخص کے سر ہے۔ ان مورچوں میں ریڈان (خورد و کلاں) اور مالاکوف قابل ذکر ہیں۔ بہر حال، ایسے مقام کا محاصرہ کرنا سہل بات نہ تھی۔ برطانی وزرا اس حملے کو محض ایک گرمائی مہم کا کام جانتے تھے حالانکہ وہ ایسی مہم کے بس کی چیز نہ تھا۔ بہر حال، اب سوائے محاصرہ کرنے کے چارہ کار نہ تھا۔ اتحادی فوج آلما سے روانہ ہوئی اور سباستوپل کی بندرگاہ کے سرے کی بلند یوں پر جہاں سے شہر سامنے نظر آتا تھا، پڑاؤ ڈالا۔ سمندر کی طرف سے جہازوں نے سنگین دمدموں پر گولاباری کی تیاری کی۔ واضح رہے کہ پورے شہر کو اتحادی آخر تک نہ گھیر سکے بلکہ بندرگاہ کا شمالی پہلو برابر روسیوں کے ہاتھ میں رہا۔ دوسرے محاصرین کو صرف محاصرہ کرنا نہ تھا بلکہ شہزادہ منشی کوف کی بیرونی سپاہ کا مقابلہ بھی درپیش تھا لہٰذا اس کو دو خطوں پر آراستہ کیا گیا کہ اندرونی خط کی فوج محاصرے میں مصروف ہو اور بیرونی قطار کا رُخ باہر کی طرف رہے۔ یہ بیرونی خط زیادہ دور میں پھیلا ہوا تھا۔ بایں ہمہ اگر اتحادی (۲۶ ستمبر کو) شہر کے سامنے پہنچتے ہی یورش کرتے تو قریب بہ یقین ہے کہ شہر فتح ہو جاتا۔ لیکن سپہ سالاروں نے فیصلہ کیا کہ قلعہ شکن توپوں کے پہنچنے کا انتظار کیا جائے۔ ان کے پہنچنے اور ٹھیک قائم کرنے میں تین ہفتے لگے اور اس مدت میں روسیوں نے اپنے استحکامات کو اور بھی مضبوط کر لیا۔ بارے ۱۷ اکتوبر کو آتش باری شروع ہوئی۔ پوری مستعدی سے کام لیا گیا لیکن یہ گولاباری کچھ بہت کارگر نہ ہوئی۔ معمولی محاصروں میں گولاباری اکثر غیر مصافی آبادی کو دہشت زدہ بنا کر اپنا کام کر جاتی ہے سباستوپل میں یہ صورت بھی نہ ہو سکتی تھی کیونکہ وہاں سوائے

باب ہفتم

سپاہیوں اور جہازیوں کے دوسری آبادی کا تقریباً وجود نہ تھا اور یہ دیکھکر کہ دشمن کی توپیں کچھ زیادہ نہ بگاڑ سکیں، خوفزدہ ہونے کی بجائے سپاہیوں کے حوصلے اور بڑھ گئے غرض ایک ہفتے تک آگ برسانے کے بعد اتحادیوں کو فیصلہ کرنا پڑا کہ یورش کرنا فضول ہوگا، باقاعدہ محاصرہ ہی کیا جائے۔

معرکۂ بالاکلاوا

یہ بات سمجھ میں آئے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ محاصرین کو منشی کوف کے پے در پے حملوں سے سابقہ پڑا۔ ان میں پہلا حملہ معرکۂ بالاکلاوا پر منتج ہوا جو اتحادی سپاہ کے سرے پر واقع تھا۔ اس پر روسی رسالے کچھ غیر مسلسل سے حملے کر رہے تھے اور برطانی، فرانسیسی، اور ترک فوجیں مدافعت پر مامور تھیں۔ روسی حملے کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا مگر لڑائی کے تین واقعے انگریزی سپاہ کو ہمیشہ فخر کے ساتھ یاد رہیں گے۔ ایک تو یہ کہ خاص بالاکلاوا کے قریب سر کولن کیمبل کے دستے پر روسی رسالے نے حملہ کیا (یہ دستہ اس وقت "۹۳ ہائی لینڈرز" کہلاتا تھا اور اب "آرجائل و سدرلینڈ کی دوسری پلٹن" موسوم ہے) اور برطانی سپاہیوں نے مربع بنانے کی بھی تکلیف نہ اٹھائی بلکہ اسی طرح سیدھی صف سے ایک باڑ چلا کر دشمن کو پسپا کر دیا؛ دوسرا کارنامہ وہ یورش تھی جو جنرل اسکارلیٹ کی سرداری میں زرہ پوش رسالے (ہوی بریگیڈ) نے کی جس میں کل تین سو سوار تھے اور حملہ روسیوں کے ٹھیرے ہوئے سواروں پر ہوا جن کی تعداد دو اور تین ہزار کے درمیان تھی۔ انگریز سوار دشمن کی صفوں کو کاٹتے ہوئے قریب قریب دوسری طرف نکل گئے۔ حسن اتفاق سے دوسرے دستے بھی کمک پر پہنچ گئے اور روسیوں کی ساری سوار فوج بے ترتیب ہو کر میدان سے بھاگ کھڑی ہوئی؛ مگر یہ شاندار جنگی کارنامہ بھی نیم مسلح رسالے (لائٹ کیولری) کے افسانہ نما حملے کے آگے ماند ہو گیا۔ یہ حملہ غلط فہمی کی وجہ سے ہوا تھا۔ لارڈ ریگ لن میدان سے الگ بلندیوں پر کھڑا دیکھ رہا تھا کہ روسی سات انگریزی توپیں چھین کر لیے جاتے ہیں۔ یہ توپیں ترکوں کو مستعار دی گئی تھیں اور وہ کھو بیٹھے تھے۔ تب اس نے سوار فوج کے سالار لارڈ لوکن کو حکم دیا کہ ان توپوں کو واپس لینے کی کوشش کرے۔ لوکن نیچے میدان میں تھا اور ریگ لن کی طرح

سارے میدان کو نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس نے گویا طبعاً، دریافت کیا کہ "کونسی توپیں ؟"
پیام کے ساتھ سردارِ رکاب نولن آیا تھا۔ اُس نے فقط اتنا کہا اور غالباً زور
دے کر کہا کہ "دشمن سامنے ہے اور وہیں تمھاری توپیں ہیں" لوکن سمجھا کہ اس سے
انگریزی توپیں نہیں بلکہ روسی توپ خانہ مُراد ہے اور اس نے نیم مسلح رسالے کے سردار
لارڈ کارڈی گن کو اسی توپ خانے پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ رسالے میں کل ۶۷۳ سوار
تھے اور گو اس حکم کو ماننا صریحاً موت کے مُنہ میں جانا تھا، تاہم اس کی بے چون وچرا
تعمیل ہوئی۔ روسی توپیں ایک دو میل لمبی وادی کے دوسرے سرے پر تھیں بایں ہمہ
لارڈ کارڈی گن اور اس کے بہادر سوار اسی اطمینان کے ساتھ جیسے مشقی قواعد میں
بڑھتے ہیں، وادی میں گھوڑا بڑھائے ہوئے چلے۔ تھوڑی دیر تو روسی ان کی جرأت
دیکھ کر سکتے میں رہ گئے، لیکن پھر کوئی ایک سو توپوں سے ان جانبازوں پر آتش باری
ہونے لگی۔ بایں ہمہ یہ رسالہ روسی توپ خانے تک پہنچا بلکہ آگے تک نکل گیا اگرچہ
ان کی یہ سعی محض لاحاصل تھی اور شدید نقصان اٹھانے کے بعد جو زندہ رہے تھے وہ
جس طرح بن پڑا واپس روانہ ہوئے۔ اس اقدام اور پسپائی میں ۲۴۷ آدمی مارے
گئے یا مجروح ہوئے اور گھوڑوں کی تعداد جو ہلاک یا زخمی ہوئے اور بھی زیادہ
تھی۔ اور اگر فرانسیسی توپ خانہ نہایت قادر اندازی سے روسیوں کی ایک پہلو
کی توپوں کو خاموش نہ کر دیتا تو انگریزوں کا نقصان اور بھی زیادہ ہوتا۔ ایک
فرانسیسی نے جو بلندیوں سے کھڑا یہ تماشا دیکھ رہا تھا، کہا "یہ کارنامہ شاندار ہے
مگر اسے جنگ نہیں کہتے۔" اور جنگی اعتبار سے فی الواقع یہ اوّل درجے کی حماقت کی
بات تھی۔ البتہ بے چون وچرا فرض ادا کرنے کی ایسی مثال تھی جو ہمیشہ یاد رہے گی
اور اس لحاظ سے اسے محض قابلِ تاسف نہیں کہہ سکتے۔ دوسرے یہ واقعہ برطانی فوج
کی ایسی لائقِ ناز میراث ہے کہ اس کی مباہات میں کبھی کمی نہیں آئے گی۔

چند ہی روز گزرے تھے کہ پیادوں کو بھی ناموری میں حصہ لینے کا موقع ملا۔
۵ نومبر کے دن روسیوں نے اتحادی سپاہ کے ایک سرے پر یورش کرنی چاہی۔

معرکۂ انکرمان

یہ انکرمان کی بلندیاں تھیں جہاں تمام تر برطانی فوج مقیم تھی۔
ان کا منصوبہ یہ تھا کہ سباستوپل کی فوج بھی قلعوں سے

نکل کر اتحادیوں کے دوسرے سرے پر حملہ کرے اور باہر سے منشی کوف کا لشکر ایک بازو سے جاگرے۔ یہ حملہ بہت سویرے ہوا جب کہ ڈھلانوں پر کہر چھائی ہوئی تھی۔ معمول کے مطابق طلائے والوں کو ہٹ کر کسی مورچے پر جمع ہو جانا چاہیے تھا جہاں سے حملہ روکنا آسان ہوتا۔ مگر کچھ تو کہر کی تاریکی کے باعث اور کچھ برطانی فوج کے ہٹنے میں پس و پیش کی وجہ سے لڑائی انھی بیرونی چوکیوں کی مدافعت میں ہونے لگی اور خود لشکر سے طلائے والوں کو کمک بھیجی جانے لگی۔ یہ طریقہ جنگ کے تمام اصول کے خلاف اور نہایت مخدوش تھا۔ کیونکہ کسی مقام سے بھی روسی اندر داخل ہو جاتے تو ساری مدافعت برباد ہو جاتی۔ مگر انگریزوں کی خوش قسمتی تھی کہ کہر ان کے کام آئی اور روسیوں کو اصل حالت کا ٹھیک پتا نہ چل سکا۔ ادھر وہ ایسی مستعدی اور جانبازی سے لڑے جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ پھر بھی شدید نقصان اٹھانا پڑا اور اگر فرانسیسی سپاہ کافی تعداد میں ان منتشر انگریزی دستوں کی مدد کے لیے نہ آجاتی تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس طریقِ جنگ سے روسی دل بادل کو شکست دینا کیونکر ممکن تھا۔ بہرحال فتح نے اتحادیوں کا ساتھ دیا۔ فرانسیسی زور شور سے تعاقب کرنے پر آمادہ نہ ہوئے ورنہ روسی شکست کامل ہزیمت بن جاتی۔

انکرمان کی لڑائی کے بعد روسیوں نے کچھ مدت تک کھلے میدان میں کوئی معرکہ آرائی نہ کی لیکن ان کے سکوت سے اتحادیوں کو کچھ آرام نہ ملا۔ طویل محاصرے کی ضرورت پیش آئی تو اتحادیوں کو کریمیا میں سرمائی قیام کا انتظام کرنا پڑا اور جنگ کی پوری نوعیت ہی بدل گئی۔ وہ قیام کے واسطے بالکل تیار ہو کر نہ آئے تھے۔

محاصرین کی تکالیف

لڑائی اور علالت کے نقصانات سے انگریزی سپاہ کی تعداد سولہ ہزار رہ گئی اور اس کمی کی وجہ سے منفرداً ہر سپاہی پر کام کا بار اس کی قوت سے زیادہ بڑھ گیا۔ کمکی افواج کے پہنچنے میں دیر لگی۔ بالاکلاوا سے برطانی خیمہ گاہ دس میل اور راستہ بہت خراب تھا اس سے رسد پہنچنے میں بڑی دقت ہوتی تھی۔ ۱۴ نومبر کے خوفناک طوفان میں دو جہاز بالاکلاوا کی گودی میں غرقاب ہو گئے۔ ایک میں گرم کپڑے اور دوسرے میں گولا بارود کا ذخیرہ تھا۔ سردی بھی غیر معمولی بڑی

باب ہفتم

اور سپاہیوں کو اپنے تئیں گرم رکھنا مشکل ہوگیا کہ پڑاؤ تو بلندی پر تیز ہوا کی آماج گاہ تھا اور خندقوں میں سیل کے باعث دانت سے دانت بجتے تھے۔ ان مشکلات سے کسی حکومت کا بھی عہدہ برآ ہونا دشوار تھا۔ ابرڈین کی وزارت بھی اسے نہ سنبھال سکی۔ چالیس برس تک برابر امن رہنے سے بظاہر برطانیہ کے محکمۂ وزارت کی کارکردگی میں فرق آگیا تھا۔ جنگ کا انتظام کرنے میں ایسی ایسی حماقتیں سرزد ہوئیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ ایک پورا چالان بائیں پیر کے جوتوں کا بھیج دیا گیا کیونکہ وزیروں کی طرف سے ذخائر کی دیکھ بھال کا کوئی انتظام نہ ہوا تھا۔ ہسپتالوں کے نگران تو مقرر ہوئے مگر کسی نے یہ نہ دیکھا کہ وہ اس کام کی اہلیت بھی رکھتے ہیں۔ ادویہ کثرت سے بھیجی گئی تھیں مگر سرکاری طور پر ان سے کام لینے کے احکام نہیں دیے گئے جس سے بہت لوگ دوا نہ ملنے کے باعث فوت ہوگئے۔ سپاہیوں کو کھانا پکانے کا ضروری سامان نہیں دیا گیا اور آخری بات یہ کہ باربرداری کے لئے گھوڑے اور خچر تو روانہ کئے گئے لیکن برطانی خزانے سے گھاس کا انتظام کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ ان سب کوتاہیوں پر طرہ یہ ہوا کہ خود فوج کے سپاہی یا سرداروں نے مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کا کوئی سلیقہ نہ دکھایا اور نتیجہ یہ ہوا کہ سپاہ کی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی۔ فرانسیسیوں کا حال بھی انگریزوں سے کچھ بہتر نہ تھا مگر چونکہ اُن کی تعداد زیادہ تھی اس لئے وہاں ایک ایک سپاہی پر کام کا اتنا بار نہ پڑتا تھا۔ دوسرے یہ بھی یقینی ہے کہ فرانس کے سپاہیوں نے مشکلات کے باوجود آرام سے رہنے کی صورت نکال لینے میں برطانیوں سے بڑھکر سلیقہ دکھایا۔

"ٹائمز" کے خطوط اور تبدیلی وزارت

دوسرے معرکوں میں بھی بے شبہ انگریزی لشکر کو اسی قسم کی مصیبتیں پیش آئی ہوں گی۔ لیکن پہلے زمانے میں فوج کی اصلی حالت کا وطن میں حکام کے سوائے دوسرے اشخاص کو بہت کم علم ہوتا تھا۔ بہ خلاف اس کے کریمیا کی جنگ میں اخباروں کے خصوصی نامہ نگار، خصوصاً اخبار ٹائمز کا ڈاکٹر رسل، اہلِ انگلستان کو تمام واقعات کی خبریں بھیجتے رہتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ مذکورۂ بالا خرابیوں کی اطلاع سنکر حکومت کے خلاف غیظ و غضب کا طوفان برپا ہوگیا۔

پارلیمنٹ میں اس کی ترجمانی روبک نے اپنے ذمّے لی اور دار العوام میں یہ قرارداد منظور کرائی کہ جنگ کے انتظامات کی تحقیق کی غرض سے ایک جماعت ماہرین مقرر کی جائے۔ یہ گویا حکومت سے عدمِ اعتماد کا اظہار تھا۔ ابرڈین فوراً مستعفی ہوگیا اور پامرسٹن نے اس کی جگہ لی؎

حقیقت میں ملک کو ایک مضبوط کارفرما کی ضرورت تھی ابرڈین پر سے اس کا اعتماد اٹھ گیا تھا۔ اور پامرسٹن سے وہ حسن اعتقاد رکھتا تھا چنانچہ اس کے سپرد حکومت مقرر ہوتے ہی لوگ مطمئن ہوگئے۔ تاہم دار العوام کو تحقیقاتی مجلس مقرر کرنے پر اصرار تھا اور گلیڈ اسٹون وغیرہ پیلی گروہ کے افراد جو شروع میں پامرسٹن کے ساتھ رہے تھے' انھوں نے دستکش ہو جانے کا فیصلہ کیا۔ مجلس تحقیقات سے بہت فائدہ ہوا اور اس کی کیفیت (رپورٹ) ہر زمانے کی برطانی حکومتوں کے لئے ایک سبق ہونی چاہیے۔ اس کے نتائجِ تحقیقات سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ جن بدنظمیوں کی شکایت تھی' ان کے ذمہ دار اس قدر افراد نہ تھے جس قدر کہ وہ طریقۂ عمل جس کی وجہ سے زمانۂ امن میں جنگ کرنے کی کل کو فرسودہ و بوسیدہ ہو جانے دیا گیا اور نیز یہ احمقانہ طریقہ کہ ہر بات کی ذمہ داری کو ٹکڑے کر کر کے اتنے اشخاص پر تقسیم کر دیا گیا کہ کسی غفلت یا خطا کا شخص واحد کو قصور دار قرار دینا ہی محال ہوگیا تھا؎

مگر مجلس تحقیقات کی کیفیت پیش ہونے کا انتظار کئے بغیر نئی وزارت نے بگڑے ہوئے حالات کو سدھارنے کی سعی کی۔ ابرڈین کی علاحدگی سے بھی پہلے سِڈنی ہربرٹ نے فلورنس نائٹ انگیل کو استنبول جانے پر آمادہ کیا کہ جنگی ہسپتالوں میں تیمارداری کے متعلق اصلاح کی صورت بتائے۔ امیر کبیر نیوکاسل نے مجلس وزارت میں تجویز پیش کی کہ بالاکلاوا سے لشکرگاہ تک رسد لانے کے لئے ریل کی پٹری بچھا دی جائے۔ نائٹ انگیل کے مراسلات سے پامرسٹن کو معلوم ہوا کہ کیا کیا تدبیریں اختیار کرنی مناسب ہوں گی۔ اور ان پر عمل کرنے میں اس قدر مستعدی سے کام لیا گیا کہ زخمیوں کی اموات کی تعداد جو ابرڈین کے زمانے میں پچاس فیصدی تھی' بہت کچھ گھٹ گئی۔ بالاکلاوا سے لشکرگاہ تک ریل بھی جس کی

باب ہفتم

صریحی ضرورت کا وزرا کو پہلے ہی احساس ہونا چاہیے تھا، نئی وزارت نے بلا تاخیر بنوا دی۔ اب ہر طرف عمدہ انتظام اور مستعدی نظر آتی تھی اور گرمیاں آنے سے پہلے کریمیا کی انگریزی سپاہ پھر ویسی ہی کارگزار ہو گئی جیسی شروع میں تھی اگرچہ اس کی تعداد اتنی کم تھی کہ آیندہ تمام جنگی کارروائیوں میں فرانسیسیوں کا حصہ خواہی نخواہی زیادہ رہا اور انھوں نے برطانی سپاہ سے خندقوں کا شمالی مشرقی سرا، نیز مالاکوف اور ریڈان (خمد) پر حملہ کرنے کا کام بھی اپنے ذمے لے لیا؛

اُدھر، موسم کی شدت سے روسیوں کا حال اتحادیوں سے بھی بدتر تھا۔ کریمیا روس کے دارالحکومت سے بعید فاصلے پر، اور ریلوں کا مطلق انتظام نہ ہونے سے سارا جنگی سامان اور کمک صدہا میل کی سڑکیں طے کر کے پہنچتی تھی۔ اس میں بہت کچھ نقصان اٹھانا پڑتا اور خود کریمیا میں اتنے نقصانات نہ ہوئے تھے جتنے اس کوشش میں روسیوں کو اٹھانے پڑے اور ان کی قوت کمزور ہوئی۔ ان حالات میں صلح کی امیدیں پیدا ہوئیں اور مارچ ۱۸۵۵ء میں زار نکولاس کے مرنے اور آسٹریا کے بیچ میں پڑنے سے ان امیدوں کو تقویت پہنچی۔ لیکن شرائطِ صلح طے نہ ہو سکیں اور سردیاں ختم ہوتے ہی پھر جنگ چھڑ گئی۔ اسی موسم بہار میں سارڈینیا والے بھی اتحادیوں کے شریک ہو گئے اور جنرل مارمورا کے ماتحت ایک فوج روانہ کی۔ ان کے آنے اور نیز فرانس کی کثیرالتعداد اور برطانیہ کی تھوڑی سی کمک پہنچنے سے اتحادی بیرونی حملے سے نسبتاً محفوظ ہو گئے اور انھوں نے پوری قوت سے محاصرے کے مورچے بڑھانے شروع کیے۔ پھر بھی جون سے پہلے کوئی باقاعدہ یورش نہ ہو سکی اور ہوئی تو اس میں کامیابی نہ ہوئی کیونکہ ٹوڈل بین کی مستعدی سے روسی مورچے اتنے مضبوط کر لیے گئے تھے کہ ایک چوکی فتح ہوئی تو اس کے عقب میں ظاہر ہوا کہ تازہ استحکامات کا مزید سلسلہ موجود ہے، چنانچہ ۱۸ویں جون کے اقدام میں اتحادی بالکل پسپا کر دیے گئے۔ چند روز بعد لارڈ ریگ لین کا انتقال ہو گیا اور برطانی سپاہ کی قیادت جنرل سمپ سن کے حصے میں آئی؛

اب دوسری طرف سے راستے تیار کیے گئے کہ اتنے میں روس کی بیرونی سپاہ نے حملہ کیا۔ اس حملے کا بار تمام تر فرانس و سارڈینیا والوں پر پڑا اور انھی نے اس

باب سیزدہم

سقوط سباسٹوپل

معرکے میں جسے ٹھرنایا سے منسوب کرتے ہیں۔ روسیوں کو شکست دی۔ یہ روس کی امدادی سپاہ کی آخری کوشش تھی۔ ۸ ستمبر کے دن فرانسیسیوں نے بہ سالار میک موہن کے ماتحت مالاکوف وریڈان (خرد) کو یورش کرکے چھین لیا۔ اور اگرچہ ریڈان (کلاں) کو شدید نقصان اٹھانے کے بعد انگریز فتح کرکے پھر وہاں نہ تھم سکے تاہم اسی رات روسیوں نے اسے خود خالی کردیا۔ ان مورچوں کا ہاتھ سے نکلنا تھا کہ دوسرے مورچوں پر بھی دشمن کا قائم رہنا غیر ممکن ہوگیا۔ چنانچہ اسی رات ہر کارآمد شئے کو برباد کرنے کے بعد سباسٹوپل کے بہادر مدافعین بندرگاہ کے دوسری طرف چلے گئے اور فاتحین کے لئے سیاہ دیواروں کے سوا اور کوئی مالِ غنیمت نہ چھوڑا۔

صلح

سباسٹوپل کی تسخیر سے میدان کی لڑائیاں ختم ہوگئیں اتحادیوں کی دسترس میں اور کوئی مقام ایسا نہ تھا کہ روسیوں پر وہاں حملہ کرسکتے۔ لہذا جنگ کا باقی زمانہ صرف معمولی بحری تاختوں میں گزرا جنھیں کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ البتہ ایک قابلِ ذکر واقعہ قارص کی فتح ہے جسے ارمینیا میں روسیوں نے چھین لیا۔ اس موقع پر جو سخت مدافعت ہوئی اس کا سہرا بھی جنرل ولیمس، ڈاکٹر سینڈوِد اور کرنل لیک نامی تین انگریزوں ہی کے سر ہے جن کے ساتھ ہونے سے قلعے کی ترکی فوج کا دل بڑھا اور اس نے کمال شجاعت سے مقابلہ کیا[1]۔

غرض اب سب فریق صلح کے خواہش مند تھے اور پیرس میں ایک موتمر منعقد ہوئی جس میں طے پایا کہ (۱) بحر اسود غیر مصافی سمندر شمار ہوگا اور سوائے نگہبانی کے چند چھوٹے جہازوں کے اس میں بڑے جنگی جہاز بالکل نہ رکھے جائیں گے۔

[1] فاضل مولف نے ترکوں کی بہادری کا سہرا بھی اپنے ہموطنوں کے سر باندھا ہے۔ لیکن ترک سپاہیوں کی ضرب المثل شجاعت کے متعلق اس قسم کا نظریہ غالباً انگلستان کے سوا اور کہیں باور نہ کیا جائیگا۔ مترجم۔

(۲) روس سباستوپل میں دوبارہ جنگی مورچے نہ بنائے گا۔ (۳) ڈین یوب کی اندرونی طور پر آزاد ریاستوں پر ترکی کی سیادت قائم رہے گی (۴) ڈین یوب کی جہازرانی آزاد ہوگی۔ اور (۵) ترک اس سلطانی فرمان پر جس نے انھی دنوں مسیحی رعایا کو خاص خاص حقوق عنایت کئے تھے، عمل کریں گے۔ یہ شرطیں صرف معمولی طور پر قابلِ اطمینان تھیں، مگر بظاہر ان سے بہتر شرطیں میسر نہ آسکتی تھیں، بجز اس کے کہ برطانیہ اور ترک اپنے آپ جنگ جاری رکھنے پر تیار ہوتے۔ روس کی نظر میں صلحنامۂ پیرس کی سب سے دشکن شرط بحر اسود کا غیر مصافی بنایا جانا تھی اور ۱۸۷۰ء میں جب فرانس جرمانیہ سے مصروف جنگ اور برطانیہ میں گلیڈ اسٹون وزیر اعظم تھا، روسیوں نے موقع دیکھکر اعلان کر دیا کہ ہم اس شرط کے آیندہ پابند نہ ہوں گے۔ برطانی وزرا نے بھی اسے چپ چپاتے تسلیم کرلیا اور صرف اتنی شرط لگائی کہ روس باضابطہ کسی یورپ کی موتمر سے اجازت حاصل کرلے۔ اس کے بعد سے سباستوپل کو ازسر نو بنا کر مستحکم کر لیا گیا اور بحر اسود میں روسیوں کا وہ بیڑا تیار ہوا جو دنیا کے سب سے مضبوط اور بڑے بیڑوں میں شمار ہوتا ہے[1]۔ مجموعی طور پر دیکھیے تو جنگ کریمیا سے دو بڑے مقصد حاصل ہوئے۔ ایک تو یہ کہ روس ایک کافی مدت کے لیے اتنا کمزور ہوگیا کہ ترک کا جب چاہے خاتمہ کرنے کی دھمکی نہ دے سکتا تھا۔ دوسرے ترکوں کو کافی مہلت مل گئی جس میں وہ چاہتے تو اپنا گھر درست کرسکتے اور ان انتظامی خرابیوں کو دور کر سکتے تھے جن سے روس کو مداخلت کا بہانہ ملتا تھا۔ ۱۸۵۶ء میں اکثر اشخاص، خصوصاً پامرسٹن اور لارڈ اسٹریٹ فرڈ ڈی ریڈ کلف (جو استنبول میں سفیر تھا) یہی سمجھتے تھے کہ ترک اس مہلت سے بخوبی فائدہ اٹھائیں گے لیکن بعد کے تجربے سے اچھی طرح ظاہر ہوگیا کہ اس قسم کی ساری توقعات محض فضول تھیں۔

چین کی دوسری جنگ

روس کی جنگ ختم ہوئے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا

[1] یعنی تالیف کتاب کے وقت تک جب کہ روس کی شہنشاہی قوت اور شہنشاہی حکمت علی قایم تھی ۱۹۱۷ء میں انقلاب روس سے ان حالات میں بہت کچھ تغیر و تبدل واقع ہوا۔ (مترجم)

باب ہفتم

کہ انگریز چین سے اُلجھ پڑے۔ اس جھگڑے میں سارا قصور انگریزوں ہی کا تھا۔ اُس قسم کا جسے "لرچا" کہتے ہیں، ایک چینی جہاز موسوم بہ "ایرو" خود چینیوں کی ملاحی اور ملکیت میں بغیر کسی اجازت کے برطانی جھنڈا لگائے ہوئے تھا۔ چین کی بحری پولس ایک ملاح کو بحری قزاقی کے سلسلے میں گرفتار کرنے کی غرض سے اس جہاز پر چڑھ آئی جس کا اسے پورا حق حاصل تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ایک زمانے میں یہ جہاز برطانی جھنڈا اڑانے کا اجازت نامہ رکھتا تھا لیکن گرفتاری کے وقت، اجازت کی مدت ختم ہوچکی تھی اور اس کی تجدید نہیں ہوئی تھی۔ بایں ہمہ ہونگ کانگ کے انگریز قنصل نے اسے برطانیہ کی توہین پر محمول کیا اور چین میں برطانی قائم مقام، مسٹر جان باورنگ کو اپنی تائید پر آمادہ کرلیا۔ چینی حکومت خواہ مخواہ اپنے حقوق پر اڑی رہی اور یہ جھگڑا ایک دفعہ شروع ہوا تو دوسری بحثیں بھی چھڑ گئیں اور اسی ضد بحث کی بدولت اعلان جنگ کی نوبت پہنچی۔ ۱۸۵۷ء کی گرمیوں میں برطانیہ سے فوج بھیجی گئی کہ چین پر حملہ کرے لیکن اسے اور بھی زیادہ ضروری کام میں لگانا پڑا اور چین کے خلاف جنگی کارروائی ۱۸۵۸ء تک ملتوی ہوگئی۔ اس جنگ کے علاوہ ایران سے بھی ہمارا جھگڑا ہوا اور سر جیمس آؤٹ رم اور جنرل ہے وے لوک ۱۸۵۷ء میں ایران پر فوجی مہم لیکر گئے۔ چینی جہاز ایرو کے قضیے سے مخالفین کو حکومت پر حملہ کرنے کا عمدہ موقع میسر آیا۔ چنانچہ پیلیوں کی طرف سے گلیڈ اسٹون اور قدامت پرستوں کی طرف سے ڈزرائیلی نے اور منچسٹری گروہ کی طرف سے کوب ڈن، برائٹ وغیرہ نمایندوں نے حکومت کی سخت مذمت کی اور پامرسٹن کی ان زوردار کارروائیوں کو جو اُس نے برطانی حقوق کی پاسداری میں کی تھیں، نہایت ناپسندیدہ ٹھیرایا۔ مخالفوں کا یہ جتھا بہت قوی تھا۔ پامرسٹن نے اپنی حکمت عملی کی حمایت میں مخالفین کی خبر لینے میں کچھ کمی نہیں کی، پھر بھی اسے ۲۴۷ کے مقابلے میں ۲۶۳ آرا سے شکست ہوئی مگر وزارت سے مستعفی ہونے کی بجائے اُس نے ملک سے آخری فیصلہ چاہا اور مخالفت کے خاص اسباب کو چھوڑ کر صرف یہ استدعا کی کہ آیا اہل وطن اُس پر بھروسا رکھتے ہیں یا نہیں؟ جواب قطعی طور پر

باب ہفتم

اثبات میں ملا۔ کوبؔ ڈنؔ برائٹؔ اور ملنر گبسن اپنی رکنیتیں کھو بیٹھے اور نئی پارلیمنٹ میں پامرسٹن کا اقتدار ایک مدت تک بالکل مسلم رہا۔ (انگریزوں کے حق میں) بہتر ہی ہوا کہ ان دنوں ایک مضبوط شخص برسر اقتدار تھا کیونکہ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان میں فوجی غدر بپا ہوا اور سلطنت برطانیہ پر ایسا صعب وقت آپڑا کہ نپولینی محاربات کے وقت سے کبھی نہ آیا تھا۔

غدر ہندوستان کا

اس فساد کے اسباب بہت ہی مختلف تھے اور عمومی اسباب میں اور اُن میں جنھوں نے محض بارود میں چنگاری کا کام دیا، امتیاز کرنا کچھ آسان نہیں ہے۔ واضح رہے کہ ہماری ہندوستان پر حکومت ایک فوجی قبضے کی نوعیت کی تھی اور یہ قبضہ برطانی اور ہندی سپاہیوں کی مخلوط سپاہ کے بل پر قائم تھا۔ غدر کی فوری وجہ انھی ہندی سپاہیوں کی ناراضی تھی اور یہ امر بھی کہ گوروں کی نسبت ان کی تعداد کی بڑی اکثریت کامیابی کا یقین دلاتی تھی، غدر کرنے میں ممد ہوا۔ ان کی خاص شکایت اسلحہ کی تبدیلی سے پیدا ہوئی کہ جب روس کی جنگ میں ثابت ہوگیا کہ صاف نالی کی پرانی بندوقوں سے پیچ کٹی ہوئی رائفلیں بہتر ہوتی ہیں اور یہی نئی قسم کی بندوقیں ہندوستانی سپاہیوں کو دی جانے لگیں تو کسی نے یہ جھوٹی خبر اڑا دی کہ نئی بندوقوں کی گولیوں میں جو چکنائی دی جاتی ہے وہ گائے اور سور کی چربی سے بنائی گئی ہے۔ چونکہ ہندو گائے کو مقدس جانتے ہیں اور مسلمان سور کو نجس مانتے ہیں لہذا خبر تراشنے والے نے پوری ذہانت سے کام لیا کہ دونوں قوم کے سپاہیوں میں تشویش اور غصہ پیدا ہو جائے۔ لیکن اگر لوگوں کی اندیشہ مندی کے زیادہ گہرے اسباب موجود نہ ہوتے تو یہ ہنگامہ بھی خطرناک صورت اختیار کیے بغیر رفع دفع ہو جاتا جیسا کہ چند بار پہلے ہندوستانی فوج کے غدر و سرکشی کا انجام ہوا تھا۔ مگر ہوا یہ کہ بغاوت کا مسالا ایک مدت سے جمع اور آگ لینے کے لیے تیار تھا چکنائی والے کارتوسوں نے صرف ان باغیانہ جذبات کی آگ کو پتی دکھا دی۔

اہلِ ہند میں شورش و تشویش کے قوی ترین اسباب میں سے ایک سبب لارڈ ڈلہوزی کی حکمت عملی کو سمجھنا چاہئے جو ۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۶ء تک ہندوستان کا

گورنر جنرل رہا۔ یہ انگریز امیر نہایت مستعد حاکم تھا اور سچائی سے یقین رکھتا تھا کہ ہندوستان کے حق میں برطانی تسلط موجب خیر ہے۔

عام اسباب ناراضی

پس وہ تلا ہوا تھا کہ جب موقع ملے برطانی علاقے میں توسیع کی جائے۔ ۱۸۴۹ء میں اس نے سکھوں کی آزادی کا خاتمہ کر دیا (دیکھو صفحہ ۹۶۷) ستارا، ناگپور اور جھانسی کے مرہٹہ رئیس لاولد فوت ہوئے تو یہ ریاستیں بھی اُس نے نوبت بہ نوبت ضبط کر لیں۔ اور ۱۸۵۶ء میں اودھ کی وسیع شاہی مملکت کا الحاق کر لیا۔ اہل یورپ کے روبرو ان الحاقات کا جواز پیش کرنا آسانی سے ممکن تھا کیونکہ ان میں سے ہر ایک ریاست خاص کر اودھ کی حکومت میں بلا کی بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن دیسی آبادی نے اس کارروائی کو بالکل دوسری نظر سے دیکھا خصوصاً اُن رئیسوں کے عزیز واقربا متوسل سپاہیوں اور مصاحبوں وغیرہ نے جن کا تغیرِ حکومت سے سراسر نقصان ہوا۔ ادھر ریل تار وغیرہ مغربی تمدن کے لوازم ملک میں مروج ہوئے۔ مسیحی داعیوں نے نیک نیتی مگر بعض اوقات بدتمیزی سے اپنے دین کی اشاعت شروع کی اور ان سب واقعات سے لوگوں میں یہ خیال پھیل گیا کہ ہندوستان کی بالکل کایا پلٹ ہونے والی ہے اور یہ انقلاب اُس تمدن و معاشرت کو سلامت نہ چھوڑے گا جس کے ہندوستان کے کثیر باشندے مالی اغراض یا قلبی جذبات کے باعث مانوس و گرویدہ تھے۔ مزید براں ایک پیشین گوئی بھی ملک میں گشت لگا رہی تھی کہ کمپنی کی حکومت پلاسی کی لڑائی سے سو برس تک قائم رہے گی اور ۱۸۵۷ء میں اس کا بالکل خاتمہ ہو جائے گا۔ روس کی جنگ سے بھی لوگ سمجھتے تھے کہ برطانیہ کی طاقت میں زوال آ گیا ہے اور وہ کسی عام بغاوت کو فرو کرنے کے قابل کافی فوج نہیں رکھتی۔ ان سب اسباب نے مل کر لوگوں میں سخت بے اطمینانی کی کیفیت پیدا کر دی اور یہ خیالات سب سے بڑھ کر "بنگال آرمی" (= سپاہ شمال مشرق) کے برہمن سپاہیوں میں پھیلے جن میں سے اکثر اودھ سے بھرتی کئے گئے تھے۔ اس سپاہ کی ناقابل اطمینان حالت کا تیز نظر مبصر کئی سال سے اندازہ کر چکے تھے اور انھوں نے حکام کو جتا دیا تھا کہ اس فوج میں فرنگی سرداروں کی تعداد کا تناسب

ہندوستانی سپاہیوں کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔ سپاہیوں میں خاندان اور برادری کے تعصبات قوی ہیں اور فرنگیوں کو ان جذبات کی بالکل خبر نہیں ہے۔ مگر ان باتوں پر کسی نے کان نہ دھرا' اور ۱۸۵۷ء کے موسم بہار میں جب فساد پر فساد برپا ہوا' تو اس وقت بھی حکام کو بہت دیر میں اس خطرے کا صحیح اندازہ ہوا جس سے اُن کو سابقہ پڑ رہا تھا؛

پہلے اِدھر اُدھر غیر مسلسل سے فساد ہوتے رہے۔ پھر آخر کار میرٹھ کی فوجیں بگڑ گئیں اور اپنے اسلحہ سمیت دہلی روانہ ہو گئیں۔ یہاں پہنچ کر انھوں نے خاندان مغلیہ کی آخری یادگار بوڑھے بادشاہ (بہادر شاہ) کو تخت پر بٹھایا اور اپنے غدر کو ایک قومی بغاوت کا پیرایہ دینا چاہا۔ یہ خبر آگ کی طرح پھیلی اور چند ہی روز میں دوآب کے ہر مستقر میں فوجی فساد برپا ہو گیا۔ بغاوت کے مرکز دہلی کانپور اور لکھنؤ تھے۔ دہلی میں بوڑھے بادشاہ کی موجودگی سے باغیوں کو گویا ایک سر دھرا مل گیا جس کے تحت میں جمع ہو سکیں۔ کانپور میں بٹھور کے رئیس اور آخری پیشوا کا لے پالک بغاوت کا سرغنہ بن گیا (دیکھو صفحہ ۹۶۴) کیونکہ لارڈ ڈلہوزی نے اس کا وظیفہ جاری رکھنے سے انکار کیا اور اُس وقت سے وہ سخت ناراض تھا۔ لکھنؤ کا معزول شاہِ اودھ تو کلکتے میں قید تھا مگر انگریزوں کے خلاف لڑانے کے لئے بہت سے بگڑے ہوئے امیر موجود تھے۔ ان مقامات میں سے دہلی میں انگریزوں کو باغیوں نے بالکل مغلوب کر لیا۔ مگر کانپور میں سر ہیو ویلر اور لکھنؤ میں سر ہنری لارنس کی سرکردگی میں انگریز مقابلہ کرتے رہے۔ کانپور کی مدافعت میں سخت بدانتظامی سے کام لیا گیا اور کثیر التعداد دشمن کے مقابلے میں انتہائی جانبازی سے لڑنے کے باوجود وہاں کی فوج کو ہتیار ڈال دینے پڑے۔ اسی موقع پر نانا صاحب نے یہ شرمناک حرکت کی کہ تمام انگریز مرد' عورت اور بچوں کا قتلِ عام کرایا اور صرف تین شخص سلامت نکل سکے جنھوں نے یہ سب قصہ بیان کیا۔ بخلاف اس کے لکھنؤ میں لارنس نے اور اس کی وفات کے بعد جنرل انگلیس نے نہایت خوبی سے مدافعت کی؛

بغاوت کی صورتِ حال بھی انگریزوں کے حق میں بُری نہ تھی۔ گنگا کی وادی

زیرین میں کلکتے سے بنارس تک انگریزوں کا تسلط کچھ روز کے لیے کبھی زائل نہ ہوا۔ نیپال کے گورکھے وفادار رہے۔ پنجاب کے سکھوں کو اسی زمانے میں مغلوب کیا گیا تھا باوجود اس کے وہ کثیر تعداد میں باغیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے انگریزی فوج میں بھرتی ہوئے جو ہنری اور جون لارنس کی خوبی انتظام کی بہترین شہادت تھی۔ گوالیار میں راجہ سندھیا اور اندور میں ہلکر اپنی فوجوں کو قابو میں نہ رکھ سکے لیکن خود انگریزوں کے ساتھ رہے۔ غرض اس طرح باغیوں کے ہر طرف وفادار علاقوں کا حلقہ کھنچ گیا اور انگریزی حکومت کو بنگال، مدراس، بمبئی یا پنجاب سے فوجیں لانے میں کوئی دقت نہ پیش آئی۔ البتہ بڑی دشواری یہ تھی کہ گورے سپاہی اتنی تعداد میں فراہم نہ ہو سکتے تھے کہ چھاؤنیوں کی حفاظت بھی کریں اور پیش قدمی کے لئے ان کا لشکر بھی مرتب کر لیا جائے۔ خوش قسمتی سے ایران کی مہم اسی زمانے میں ختم ہوئی اور آؤٹ رم اور ہے وے لوک کلکتے واپس روانہ ہو چکے تھے۔ ادھر راس امید کی نوآبادی کے والی، سر جارج گرے نے قومی جذبے اور بڑی ہمت سے کام لیا کہ جو فوج چین کی جنگ کے لئے جا رہی تھی اسے اپنی ذمہ داری پر چین کی بجائے ہندوستان جانے کا حکم دیا۔ انگلستان سے سر کولن کیمبل کو، جو بعد میں لارڈ کلائیڈ ہوا، فوج کی اعلیٰ سپہ سالاری کے لئے ہندوستان بھیجا گیا، مگر اس کے پہنچنے سے قبل ہی بغاوت کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔ لارڈ کیننگ ہندوستان کا گورنر جنرل اور سابق وزیر اعظم (کیننگ) کا بیٹا تھا۔ اس میں اتنی فراست تھی کہ سمجھ گیا کہ بغاوت کا اصلی مرکز دہلی ہے اور اس کی تسخیر پر پوری قوت صرف کر دی۔ حسن اتفاق سے پنجاب میں اتنی توپیں موجود تھیں کہ محاصرے کا حلقہ تیار کیا جا سکے چنانچہ پنجاب ہی کو مرکز جنگ بنا کے شمال مشرق کی طرف سے دہلی پر حملہ کیا گیا۔ محاصرے میں بڑی طوالت و تکلیف ہوئی اور آخر مئی سے وسط ستمبر تک جاری رہا۔ بعض اوقات خود انگریزوں پر بہت سختیاں گزریں مگر غنیمت ہے کہ وہ کسی وقت بھی محاصرہ چھوڑنے پر مجبور نہ ہوئے۔ اور بالآخر محاصرہ کامیاب ہوا۔ یہ کامیابی زیادہ تر جون نکلسن کی محنت و مستعدی کا ثمرہ تھی جسے جون لارنس نے پنجاب سے بھیجا تھا۔ شہر پناہ میں شگاف پڑ گئے اور ہر چند یورش میں نکلسن

باب ہفتم

خود مارا گیا، تاہم شہر فتح ہو گیا اور دہلی کا بوڑھا بادشاہ جو برائے نام بغاوت کا سرغنہ تھا، قیدیوں میں شامل تھا۔ اس کی جان نہیں لی گئی لیکن اس کے بیٹوں کو ہڈسن رسالے کے سردار ہڈسن نے بلا تاخیر بندوق کا نشانہ بنایا۔[1]

لکھنؤ کی انگریزی فوج کی مخلصی۔

جس وقت انگریزوں کی بڑی فوج دہلی کے محاصرے میں مصروف تھی۔ جنرل ہے وے لوک جنوبی بنگالے سے فوج لیکر چلا اور لڑتا بھڑتا کانپور پہنچ گیا۔ نانا صاحب کو شکست ہوئی مگر انگریزوں کو مزید کمک کا انتظار کرنا پڑا۔ ستمبر میں وہ اور آؤٹ رم پھر بڑھے اور لکھنؤ میں داخل ہو گئے جہاں کی انگریزی فوج ۸۷ دن سے بلا یار و مددگار باغیوں کا مقابلہ کرتی رہی تھی۔ مگر ہے وے لوک بھی اتنی جمعیت نہ رکھتا تھا کہ محصور فوج کو باہر نکال لائے اور اسی لئے اس کی مخلصی کہیں نومبر میں ہو سکی جب سر کولن انگلستان سے کمک لیکر ہندوستان آیا اور لڑکر لکھنؤ میں داخل ہوا اور وہاں کی پوری فوج کو سلامت نکال لایا۔ پھر بھی اسے ہٹ کر کانپور میں پناہ لینی پڑی۔ کیونکہ گو لکھنؤ میں دوبارہ داخلے سے باغیوں کی قوت اتنی کمزور ہو گئی تھی کہ زیادہ نقصان نہ پہنچا سکتے تھے، تاہم ان کو ایک ایک کر کے مغلوب کرنا ابھی باقی تھا۔ یہ کام ۱۸۵۸ء میں ہوا۔ گورکھوں کی مدد سے سپہ سالار کولن نے مارچ میں پھر لکھنؤ کو مسخر کیا۔ جنوب میں سر ہیو روز[2] بمبئی سے نربدا کے خطے پر بڑھا۔ تانتیا توپی اور جھانسی کی رانی پر فاتحانہ پیش قدمی کی اور گوالیار کی بغاوت کو فرو کیا۔ انگریزوں کی ان کامیابیوں سے بغاوت کی ہمہ گیری اور تسلسل ٹوٹ گیا۔ کچھ مدت تک اکیلے دکیلے باغی سردار مقابلہ کرتے رہے مگر سال کے ختم ہوتے ہوتے انگریزی تسلط علاً از سر نو قائم ہو گیا۔

برطانی کامیابی کے اسباب

غدر کی ناکامی کے خاص اسباب حسب ذیل سمجھے جا سکتے ہیں۔ (۱) یہ پیشہ ور سپاہیوں کی سرکشی تھی اور ہندوستان کے عام باشندے کثرت کے ساتھ اس میں شریک نہ تھے۔

[2] ۔ یہ سردار آگے چل کر لارڈ اسٹریتھ نیرن ہوا۔

باب ہفتم

(۲) بغاوت احاطۂ بنگالہ (یا شمالی علاقوں) تک محدود رہی اور مدراس و بمبئی کے صوبوں سے فوجیں اسے فرو کرنے کے لئے بھیجنے کا موقع مل گیا۔ (۳) سکھ اور گورکھے انگریزوں کے وفادار رہے (۴) اتفاق سے وہ انگریزی فوج پہنچ سکی جسے چین بھیجا گیا تھا۔ اور سب سے آخری مگر کافی قوی سبب یہ کہ اس تمام مصیبت انگیز زمانے میں ساری فرنگی آبادی اور فوج نے غیر معمولی بہادری اور فداکاری کا ثبوت دیا؛ اس فتنے کے فرو ہونے کے بعد سے دیسی سپاہ کے انتظام میں پہلے سے بڑھکر احتیاط کی جانے لگی۔ گورے سپاہیوں کا تناسب بڑھا دیا گیا اور توپ خانے کی خدمت قریب قریب کلیۃً فرنگی سپاہیوں سے مخصوص ہوگئی۔ بغاوت کو ایسٹ انڈیا کمپنی ہی نے فرو کیا تھا پھر بھی عام طور پر لوگ محسوس کرتے تھے کہ ہندوستان کو براہِ راست شاہ انگلستان کے تحت میں لینے کا وقت آگیا ہے۔ چنانچہ ۱۸۵۸ء میں ایک قانون منظور ہوا جس کی رو سے ہندوستان کا نظم و نسق ایک شاہی معتمد یا وزیر ہند کے ہاتھ میں آگیا۔ اس کا مستقر لندن تھا اور اسے تجربہ کار ہندوستان کے عہدہ داروں کی ایک مجلس اور خود ہندوستان میں وہاں کا گورنر جنرل اور نائب شاہ (وائسرائے) مدد دیتے تھے؛ وزیر ہند ہمیشہ برطانیہ کی مجلسِ وزرا کا رکن ہوتا ہے اور پارلیمنٹ کے روبرو ہندوستان کے نظم و نسق کا جواب دہ ہے؛

اورسینی

۱۸۵۷ء کے انتخابات میں پامرسٹن کو بڑا غلبہ حاصل ہوا تھا لیکن ایک ہی سال بعد مختلف سیاسی جماعتوں نے مل کر اسے شکست دی۔ یہ صورت اورسینی کے واقعے کی بدولت پیش آئی۔ اورسینی اطالیہ کا باشندہ اور انگلستان کے اعلیٰ طبقے میں بخوبی روشناس تھا۔ اس نے ۱۸۵۸ء میں شہنشاہ فرانس کو (جب کہ وہ سرودگاہ میں جاتا ہو) قتل کرنے کا منصوبہ کیا۔ اس سازش میں شہنشاہ کو تو کوئی صدمہ نہ پہنچا لیکن اورسینی کا بم پھٹا تو دس آدمی مر گئے اور ۱۵۶ زخمی ہوئے۔ اس شیطانی جرم سے ہلچل سا پڑ گیا۔ یہ یقینی بات تھی کہ بم کی ساخت اور اورسینی کی ساری تیاریاں انگلستان میں ہوئی تھیں لہٰذا طبعاً سوال پیدا ہوا کہ سیاسی پناہ گزینوں کو کس حد تک

باب بست‌وپنجم

آزادی حاصل ہے کہ حکام یورپ کی جان لینے کے منصوبے انگلستان میں بیٹھ کر مرتب کریں۔ اس پر پامرسٹن نے ایک مسودۂ قانونِ سازشِ قتل پیش کیا کہ اس قسم کی سازشوں کو برطانی عدالتوں میں قابل سزا جرم قرار دیا جائے۔ خود اس مجوزہ قانون میں کوئی بات قابل اعتراض نہ تھی مگر اس دوران میں فرانس کے بعض فوجی سردار ڈینگیں مار رہے تھے کہ اب ہم اپنے شہنشاہ کے حکم سے "خونیوں کے نشیمن" (یعنی انگلستان) میں جا گھسیں گے، پارلیمنٹ کے اکثر ارکان کو بھی خیال ہو گیا تھا کہ اس معاملے میں پامرسٹن شہنشاہ فرانس کی ضرورت سے زیادہ رضاجوئی میں لگا ہوا ہے۔ اسی بنا پر دل برداشتہ وہگ، مینچسٹری گروہ، پیلی اور قدامت پسند اس کے خلاف متحد ہو گئے اور اسی عجیب جتھے کی بدولت وہ ۱۹ رایوں سے ہار گیا۔ اسی شکست کے ساتھ اُس نے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا؛

ڈربی کی دوسری وزارت

اس کی جگہ ڈربی وزیراعظم اور ڈزرائیلی وزیرمالیہ ہوا۔ لارڈ ڈربی نے گلیڈاسٹون کو بھی شریک ہونے کے لئے کہا تھا۔ یہ صاحب ابھی پورے "آزاد خیال" نہ ہوئے تھے۔ وزارت میں آنے پر تو راضی نہ ہوئے البتہ یونانی مجمع الجزائر کی نظارت (کمشنری) قبول کر لی۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ اہل جزائر برطانیہ سے تعلق چھوڑ کر یونان کی مملکت میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ گلیڈاسٹون خود ان خیالات کا پورا موید اور اب اسی نے ان باشندوں کو مدد دی کہ یہ خواہش حکومت برطانیہ کے روبرو پیش کریں چنانچہ ۱۸۶۵ء میں برطانی سیادت کا جو عہدنامۂ وی آنا کی رو سے قائم ہوئی تھی، خاتمہ ہوا اور یہ جزیرے یونانی بادشاہی کا جزو بن گئے؛

مجوزہ اصلاحات اور پامرسٹن کی وزارت

ڈربی کی وزارت شروع سے ایک مسودۂ اصلاحات کی ترتیب میں مصروف رہی۔ اس میں تجویز تھی کہ شہر و دیہات کا حق رائے دہی ملا دیا جائے اور دس پاؤنڈ کا ہر مالکِ مکان رائے دے سکے۔ ان کے علاوہ یونیورسٹی کے سندیافتہ، ڈاکٹر، وکیل اور ہر شخص جس کے دس پاؤنڈ قومی قرضے کے سرمایے

باب ہفتم

میں یا ساٹھ پاؤنڈ ڈاک خانے میں جمع ہوں رائے کا حق دار ہو۔ مگر انھی مزید شرطوں کی بدولت یہ مسودہ ڈوبا۔ برائٹ نے انھیں "خیالی حقوق" سے تعبیر کیا اور دوسری خواندگی پر حکومت نے ۲۹۱ کے مقابلے میں ۳۳۰ رایوں سے شکست کھائی۔ وزیروں نے ملک سے استعانت کی مگر نئی پارلیمنٹ میں بھی شاہی سپاس نامے میں ترمیم پیش ہوئی تو وزرا ۳۱۰ کے مقابلے میں ۳۲۳ رایوں سے ہار گئے۔ اس طرح پامرسٹن دوبارہ وزیر اعظم اور اب کے لارڈ جان رسل وزیر خارجہ ہوا۔ مگر نئی وزارت کی تشکیل میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر چیز گلیڈسٹون کا لبرل بنکر شریک وزارت ہوتا ہے جو وزیر مالیہ مقرر ہوا اور چونکہ مالیات کا بہترین ماہر سمجھا جاتا تھا لہٰذا اس سے نئی حکومت کو بہت قوت پہنچی۔ پامرسٹن نے شعبۂ تجارت کی صدارت کوب ڈن کو دینی چاہی تھی مگر اس نے قبول نہ کیا البتہ فرانس کے ساتھ تجارتی عہدنامے کی شرطیں مرتب کرنے پر خوشی سے آمادہ ہو گیا۔ یہ عہدنامہ پٹ کے ۱۷۸۶ء والے مشہور معاہدے کے اصول پر مرتب ہوا، جو اس قرارداد پر مبنی تھا کہ فریقین ایک دوسرے کے مال پر محاصل درآمد کو گھٹا دیں۔ عملاً یہ بے قید تجارت کی طرف ایک اور قدم بڑھانا تھا۔ لارڈ ڈربی کی اصلاحات کی کوشش نے نئی وزارت پر واجب کر دیا تھا کہ وہ بھی اصلاحات پیش کریں مگر آزاد خیال فرقے کے سرخیل ادھر متوجہ نہ ہوئے اور نہ رائے عامہ کی طرف سے کوئی زوردار تحریک و تائید پائی، لہٰذا وزیروں نے یہ خیال ترک کر دیا، اور پھر حکومت کی طرف سے ایسی تحریک کئی سال کے بعد جا کر پیش ہوئی۔ ۱۸۶۰ء میں کاغذ کے محصول پر ایک دلچسپ کشمکش ہوئی۔ اخباروں کا محصول ۱۸۵۵ء میں موقوف کر دیا گیا تھا مگر جن کاغذوں پر یہ چھپتے تھے ان پر ابھی تک بہت بھاری محصول لیا جاتا تھا۔ ۱۸۶۰ء میں گلیڈسٹون نے وزیر مالیہ کی حیثیت سے اسے موقوف کرنا چاہا۔ اس کی تجویز دارالعوام میں منظور ہوئی مگر دارالامرا میں مسترد کر دی گئی۔ اس پر کافی ہنگامہ ہوا کیونکہ ظاہری شکل میں نہیں تو حقیقت میں یہ ایک مالی تجویز تھی۔ (اور امرا کو اس میں دخل دینا نہ چاہیے تھا)۔ بہرحال اگلے سال اس منسوخی کو سالانہ موازنے کا جزو بنا کر پیش کیا گیا اور اس چالاکی سے امرا کی

باب نہم

منظوری حاصل کی گئی کیونکہ مواز نے کو مسترد کرنے سے ساری حکومت میں انتشار پیدا ہو جاتا۔ غرض اس تدبیر سے اس محصول کی منسوخی بلا دقت منظور ہو گئی ؛

ممالک خارجہ ہر چند وطنی معاملات میں لارڈ پامرسٹن کا عہد وزارت قابلِ ذکر واہم واقعات سے خالی ہے لیکن ممالک خارجہ میں انہی دنوں بہت سے جوش انگیز واقعات رونما ہوئے۔

۱۸۴۹ء سے اطالیہ کا قدم قومی اتحاد کی جانب اٹھ رہا تھا۔ دو نامور آدمی اپنے اپنے طور پر اس کے لئے جدوجہد میں مصروف تھے۔ ایک تو کاوور (Cavour) جو وکٹر امان ویل شاہ سارڈینیا کا مدار المہام تھا اور دوسرے ایک آزاد رو شخص ماتزینی جو بزور تحریر اطالیہ میں جمہوری صورت کی ایک متحدہ سلطنت کے قیام کی تبلیغ کر رہا تھا۔ کاوور نے روس کی جنگ میں شریک ہو کر یورپ کی نظروں میں سارڈینیا کی وقعت بڑھا دی اور ۱۸۵۹ء میں سیووا اور نیس دے کر لوئی نپولین کو آمادہ کر لیا کہ آسٹریا کے خلاف جنگ میں مدد دے۔ اہلِ آسٹریا کو مونٹے بیلو، ماجنتا اور سول فیری نو میں تین شکستیں ہوئیں اور لومبارڈی کا علاقہ اس کے صدر مقام میلان سمیت، سارڈینیا والوں کے حوالے کرنا پڑا۔ اسی کے ساتھ ٹسکنی اور پارما کی ریاستوں نے سارڈینیا سے اتحاد کا اعلان کیا اور سلطنت اطالیہ کی بنیاد پڑ گئی جس کا پایۂ تخت فلورنس تھا۔ ۱۸۶۰ء میں گیریبالڈی نے صقلیہ اور نیپلز میں شورش برپا کرا دی۔ یہ شخص جنوبی امریکہ کی لڑائیوں میں ناموری پا چکا تھا اور ۱۸۴۹ء میں ماتزینی کا روما میں شریک و رفیق رہا تھا۔ نیپلز کے بوربون بادشاہ فرڈی نینڈ ثانی کو معزول کرنے میں بھی اسے کامیابی ہوئی اور ان دونوں علاقوں کی حکومت وکٹر امانویل کے سامنے پیش کی گئی۔ اس نے قبول کر لیا تو مارچ ۱۸۶۱ء میں ایک اطالوی مجلس نے وکٹر امان ویل کے شاہ اطالیہ ہونے کا باضابطہ اعلان کر دیا۔ ابھی تک روما پاپا کے تحت میں اور وینس آسٹریا کے قبضے میں ہونے کے باعث باقی اطالیہ سے الگ تھے تاہم صدیوں سے جو اطالیہ محض ایک

"جغرافی لفظ" رہ گیا تھا وہ اب ایک بڑی سلطنت بن کر یورپ کی دول میں داخل ہوگیا۔ اپنی زندگی کا یہ مقصد حاصل کرنے کے دو مہینے بعد کاوور نے وفات پائی۔

۱۸۶۱ء میں ولایات متحدہ امریکہ کی شمالی اور جنوبی ریاستوں میں جنگ چھڑ گئی۔ بہت دن سے یہ لڑائی شدنی نظر آتی تھی۔ جنوبی ریاستوں میں غلاموں کی بہتات تھی اور شمالی میں انسداد غلامی کے حامی زور پکڑتے جاتے تھے

امریکہ کی خانہ جنگی

جس سے جنوبی ریاستیں پہلے ہی فکر مند تھیں کہ ایبراہم لنکن رئیس جمہوریہ منتخب ہوا۔ وہ انسداد غلامی کا بڑا حامی تھا۔ اور اسی انتخاب پر جنوبی ریاستوں نے اعلان کیا کہ ہم اتحاد سے علحدہ ہونا چاہتے ہیں۔ اہل جنوب ہمیشہ سے مرکزی حکومت کی مداخلت کے مقابلے میں ریاستوں کے انفرادی حقوق پر زور دیتے تھے اسی عقیدے کا جزو تھا کہ ان کی دانست میں ہر ریاست اگر اپنے مقامی اداروں کو فی الواقع خطرے میں دیکھے، تو وفاقیہ سے علحدہ ہوسکتی تھی، اسی بنا پر، دونوں کارولینا، جارجیا، ورجینیا اور سات دوسری ریاستوں نے جفرسن ڈیوس کی صدارت میں علحدہ عہد یا مرتب کیا۔ مگر شمالیوں نے اس کارروائی کو ناجائز قرار دیا اور جنوبیوں نے چارلس ٹن کے قریب قلعۂ سومٹر کو جبراً لینا چاہا جو ریاست کا نہیں بلکہ مرکزی حکومت کی ملک تھا، تو اسی پر خانہ جنگی چھڑ گئی۔ اس کشمکش نے برطانیہ کو بھی کافی دشواری میں پھنسا دیا۔ شمالیوں نے پہلی ہی کارروائی یہ کی تھی کہ جنوبی بندرگاہوں کی ناکہ بندی کرلی اور روئی کی برآمد روک دی جس پر لنکا شر کی معاش کا انحصار تھا۔ اس قدغن سے انگلستان میں روئی کا سخت قحط پڑ گیا۔ اب اگر برطانیہ جنوبیوں سے مل جاتی تو ہفتے بھر میں ناکہ بندی کا خاتمہ ہو جاتا اسی لئے مداخلت کی بار بار بڑی طمع پیدا ہوتی تھی۔ دوسرے انگلستان کے طبقۂ اعلیٰ میں بہت سے لوگ جنوبی ریاستوں کے طرفدار تھے۔ حتیٰ کہ گلیڈ اسٹون نے نیو کاسل میں تقریر کرتے وقت پورے وزن و منزلت کے ساتھ جو مجلس وزرا کے ایک رکن اعظم کو حاصل ہوتی ہے، یہ الفاظ کہے کہ "جفرسن ڈیوس نے ایک تازہ قوم خلق کی ہے"، بایں ہمہ

باب ہفتم

لنکاشہر کے کارخانے والے فیصلہ کر چکے تھے کہ ہمیں کتنی ہی تکلیف ومصیبت اٹھانی پڑے ہم روئی خریدنے کی خاطر غلامی کی تائید ہرگز نہ کریں گے اور ان کی اسی بے نفسی کی بدولت حکومت انگلستان اپنی روش پر مستقیم رہی۔ اس غیر جانب داری کے باوجود، حکومت کی غفلت سے ایک دریانورد جہاز ''الاباما'' برکن ہیڈ میں تیار ہو کر سمندر میں ڈالا گیا اور مجموعۂ ریاست ہائے جنوبی کا جنگی جہاز بنکر امریکہ پہنچا۔ وہاں اُس نے شمالیوں کے جہازوں کو بہت کچھ نقصان پہنچایا تاآنکہ اُن کے جنگی جہازوں نے اس کو غرقاب کر دیا۔ اس جہاز کی تاختوں سے طبعاً برطانیہ کے خلاف بہت ناراضی پیدا ہوئی اور جنگ ختم ہونے کے سالہا سال بعد یعنی ۱۸۷۲ء میں گلیڈاسٹون نے مجبور ہو کر یہ معاملہ ثالثی کے سپرد کیا اور انجام کار پامرسٹن کی حکومت کے تغافل اور جہاز سازوں کی حرکت کا تیس لاکھ پاؤنڈ تاوان، ولایاتِ متحدہ امریکہ کے حوالے کرنا پڑا۔ امریکی جنگ میں بالآخر اپنی دولت اور بیڑے کے زور سے شمالی، جنوبیوں پر غالب آگئے کیونکہ بیڑے نے سمندر پر ان کا اقتدار قائم کر دیا تو وہ جنوبیوں کی ساری تجارت مسدود کرنے اور ساحل کو جنگ آرائی کا مستقر بنانے کے قابل ہو گئے۔ اور رئیسِ جمہوریہ لنکن کی استقامت اور جنرل گرانٹ کی جنگی مہارت نے ان امکانات سے پورا فائدہ اٹھایا۔ جنگ ہی کے دوران میں ولایات متحدہ کی موتمر نے جنوبی ریاستوں کے غلاموں کی آزادی کا اعلان کر دیا تھا اور ان سب ولایات کے حبشی اسی وقت سے قانوناً وہی حقوق رکھتے ہیں جو وہاں کے دوسرے ملکی باشندوں کو حاصل ہیں[1]۔ بعض ریاستوں میں انھی کی تعداد زیادہ ہے اور ان کے فرنگی اقوام سے تعلقات کا پیچیدہ مسئلہ آئندہ پیش آنے والا ہے جسے ولایاتِ متحدہ والوں کو حل کرنا پڑے گا۔

لارڈ پامرسٹن کی اسی آخری وزارت کے زمانے میں ممالک جرمانیہ بھی

---

[1] گو عملاً روزمرہ کی زندگی میں تقریباً ہر شعبے میں فرنگی اور حبشیوں میں بیحد اور تقریباً ظالمانہ فرق کیا جاتا ہے۔

قومی اتحاد سے صریحاً قریب تر ہوتے نظر آئے۔ محاربات نپولین ہی سے متحدہ جرمانیہ کے تخیّل کو قوی تحریک پہنچی تھی کیونکہ ایک تو انھی لڑائیوں میں ان کی کئی کئی ریاستوں کو مل کر کام کرنے کی عادت ہوئی۔ دوسرے جنگِ آزادی سے حبِّ وطن کے جذبات مشتعل ہوئے اور تیسرا سبب یہ ہوا کہ یہ خیال لوگوں کے دلوں میں نقش ہوگیا کہ جب تک ممالکِ جرمانیہ میں اتحاد نہ ہوگا، اس وقت تک فرانس کی مداخلت کا برابر خطرہ رہے گا۔ غرض یہ کہ ۱۸۱۴ء ہی سے جرمانیہ کے بہترین اہل الرّائے اور نیز نہایت مستعد اور عالی دماغ افراد کی روز افزوں تعداد دل سے خواستگار ہوگئی کہ چھوٹی چھوٹی اور اکثر اوقات ایک دوسرے کی حریف ریاستوں میں منتشر ہونے کی بجائے تمام جرمن قوم ایک ہی سیاسی کل کا جزو بن جائے۔ گر چھوٹی ریاستوں میں اتحادِ مقدّس کی استبدادی رُوح چھائی ہوئی تھی اور وہ اس تحریک سے شدید تعارض رکھتی تھی۔ حتیٰ کہ جرمن اتحاد کے آزاد وکیلوں کو جور و تعدّی کے قریب قریب وہی مصائب اٹھانے پڑے جو ماتزینی کے متبعین پر اطالیہ میں گزرے تھے۔ بایں ہمہ ۱۸۳۴ء میں اتحادِ گروڑگیری (Zollverein) کے قیام سے اتحاد جرمانیہ کا آغاز ہوگیا۔ اور ۱۸۴۸ء کے انقلاب انگیز سال نے اس تحریک کو مزید قوت پہنچائی کہ اسی موقع پر شاہ پروشیا کو "شہنشاہ جرمانیہ" کا خطاب قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔ لیکن جب تک آسٹریا قوی تر ریاست تھی، اُس وقت تک اِس خیال کا عمل میں آنا دشوار تھا دوسرے فرانس کو بھی ایسے تغیر کا حسد ہوتا تھا جو جرمانیہ کو زیادہ طاقتور بنا دے۔ البتہ اب آسٹریا کا رقیب پروشیا کی صورت میں تیار ہوگیا تھا۔ فریڈرک ثانی کی وفات کے بعد پروشیا کے بادشاہوں کی ذاتی کمزوریوں سے یہ ملک تیز ترقی کرنے سے رُکا رہا لیکن ۱۸۶۱ء میں ولیم اوّل اپنے بھائی کا جانشین ہوا۔ وہ صحیح معنی میں پختہ مزاج بادشاہ تھا اور اس نے تخت نشین ہوتے ہی بسمارک کو اپنا مشیرِ خاص منتخب کیا جس نے بلا کی مستعدی اور غضب کی استقامت پائی تھی۔ یہ دونوں نامور شخص سمجھ گئے کہ اتحادِ جرمانیہ کا راستہ ہی یہ ہے کہ ریاستِ پروشیا کو اولیت کا

باب ہشتم

رتبہ حاصل ہوجائے اور انھوں نے جم کر اس مقصد کے لئے کام کیا۔ خود بادشاہ کمال شغف کے ساتھ فوج کی درستی میں مصروف ہوگیا۔ وہ یورپ کا پہلا تھا جس نے اپنے سپاہیوں کو "ڈہن گز" (بریچ لوڈنگ) بندوقوں سے مسلح کیا اور پوری سعی کی کہ پروشوی سپاہ جس طرح سائنس کے جدید آلات وادوات سے آراستہ ہو اسی طرح فنِ حرب سے متعلق بھی اس کی معلومات سب سے بہتر اور تازہ تر رہے۔ اس کام میں ایک اعلیٰ درجے کے سپہ سالار کاونٹ فان مولٹکے اس کا دستِ راست تھا۔ اور اُدھر بسمارک سیاسی جوڑ توڑ اور چھوٹی ریاستوں کو اس بات کا خوگر بنانے میں مصروف تھا کہ وہ آسٹریا کی بجائے پروشیا کو جرمن آرا کا رہنما سمجھنے لگیں۔ ولیم، بسمارک اور مولٹکے کی ان مساعی کا نتیجہ ۱۸۶۴ء میں نظر آیا جب کہ پروشیا، آسٹریا کی رفیق بن کر میدان میں آئی کہ ہولسٹائن اور شلیزوگ کی چھوٹی ریاستوں پر جرمانیہ کے حقوق منوائے جائیں۔ یہ دونوں مدت سے ڈین مارک کے قبضے میں تھیں اور گو اس نزاع میں ڈین مارک بالکل حق پر نہ تھا تاہم مقابلے میں اس کا استقلال دیکھکر انگلستان میں بڑا جوش پیدا ہوا۔ اس لئے اور بھی کہ شہزادۂ ویلز کی ایک ہی سال پہلے شاہ ڈین مارک کی بیٹی شہزادی الگزنڈرا سے شادی ہوئی تھی۔ مگر انگریزوں کو لڑائی میں دخل دینے کی کوئی جائز وجہ نہ تھی۔ بہرکیف اس جنگ سے باریک بین مبصروں کو معلوم ہوگیا کہ پروشیا کی فوج میں کس قدر اصلاح و ترقی ہوگئی ہے اور جب ۱۸۶۶ء میں آسٹریا، بویریا، ہنوور نیز دوسری جرمن ریاستوں نے پروشیا پر حملہ کیا تو پروشیا والوں نے اپنی نئی بندوقوں اور جدید طریقِ جنگ سے ایک طرف تو بہادر آسٹریا والوں کو نیچا دکھایا جن کے لڑانے والے نسبتہً نااہل تھے اور اس معرکہ آرائی کا خاتمہ سادووایا کونگ گراٹز کی لڑائی پر ہوا۔ اور دوسری طرف ہنوور و بویریا کو شکست دی۔ جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ریاست ہائے جرمانیہ کے ایک نئے مجموعے کی سیادت بلا اختلاف پروشیا کو مل گئی اور اس جتھے سے آسٹریا کو خارج کردیا گیا۔ پروشیا کی جنگی مستعدی کی یہ کیفیت تھی کہ فرانس کے بادشاہ کو بھی دخل دینے کی

جنگ آسٹریا و پروشیا

جرأت نہ ہوئی کہ ابھی اس کے سپاہی جدید "دہن گر" بندوقوں سے آراستہ نہ تھے۔ مگر پروشیا سے جنگ کے دوران میں اہل اطالیہ نے آسٹریا والوں پر حملہ کیا۔ اور ہرچند آسٹریا کو معرکۂ کسٹوتزا میں فتح حاصل ہوئی تاہم پروشیا کے مقابلے میں ایسی سخت شکستیں کھائی تھیں کہ انھیں وینشیا کا علاقہ عملاً شاہِ اطالیہ کے حوالے کر دینا پڑا تاکہ اس کے معاوضے میں اطالیہ جنگ سے الگ ہو جائے۔

ملطوعین

یورپ کی ان لڑائیوں سے انگلستان میں کافی فکر و تشویش پیدا ہوئی۔ سب جانتے تھے کہ انگریزوں کی فوج یورپ کی بڑی طاقتوں کے زبردست لشکروں کے مقابلے میں بہت قلیل التعداد ہے۔ پس بعض محبانِ وطن نے فوج باقاعدہ و جمعیت ملکی کی تقویت کی غرض سے فوج ملطوعین میں اضافے کی تحریک شروع کی کہ اپنے معمولی کاروبار ترک کئے بغیر یہ (Volunteer) سپاہی فوجی قواعد و ضوابط کی پوری تعلیم پائیں اور جنگی اسلحہ سے باقاعدہ آراستہ کر دیے جائیں کہ اگر انگلستان پر کوئی حملہ ہو تو فوج زائد کی حیثیت سے کام دے سکیں۔ یہ تحریک نہایت مقبول ہوئی۔ پیشہ ور سپاہی اول اول ذرا چیں بجبیں ہوئے تھے لیکن رفتہ رفتہ نئی جمعیت کی ضرورت کو وسیع تر حلقوں میں تسلیم کیا جانے لگا۔ اور آگے چل کر ملطوعین کے دستے ہمارے دفاعی نظام کا بہت ضروری جزو اور شہر و قصبات کے نوجوانوں کی جسمانی و اخلاقی تربیت کا نہایت مفید ذریعہ سمجھے جانے لگے۔

سنہ ۱۸۶۵ء میں عام انتخابات ہوئے۔ ان میں کوئی خاص جوش پیدا نہیں ہوا اور ان کا سب سے قابلِ ذکر واقعہ یہ تھا کہ گلیڈ اسٹون کو جامعۂ اکسفرڈ میں شکست ہوئی اور وہ جنوبی لینکا شر کی طرف سے منتخب ہوا۔ اس کو گلیڈ اسٹون کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز سمجھا جاتا ہے۔ یعنی یہاں اس کی سیاسی سوانح عمری کا پہلا حصہ ختم ہوا جس میں وہ ان اغراض و مقاصد کا جو مذہب سے منسوب کئے جاتے تھے اور سوائے آزاد تجارت کے معاملے کے باقی تمام مسائل میں قدامت پسندوں کا پختہ حامی سمجھا جاتا تھا۔ یہ کل تینتیس ۳۳ سال کا زمانہ ہے

باب ہفتم

جس میں سے ۲۰ برس وہ قدامت پسند یا پیلی گروہ میں شریک رہا۔ باقی چھ سال پامرسٹن کی رفاقت میں گزرے۔ لیکن اوکس فرڈ میں اس کی شکست اور ایک عامی حلقے سے انتخاب، قطعی طور پر اس کے دوسرے دور زندگی کا سرآغاز ہے جس میں آیندہ بیس برس تک وہ متحدہ آزاد خیال گروہ کا مسلّمہ سرگروہ رہا۔

پامرسٹن کی وفات

اکتوبر ۱۸۶۵ء میں پامرسٹن نے وفات پائی۔ اس سے کچھ پہلے کوبڈن، سر جارج کورن وال لوئس، سر جیمس گریہم لارڈ ہربرٹ ریس لی (سابقہ سڈنی ہربرٹ) بھی فوت ہو چکے تھے لہذا سیاسی اکھاڑے میں نئے پہلوانوں کے لئے جگہ نکل آئی اور پہلے سے زیادہ گھما گھمی کا دور شروع ہوا۔ پامرسٹن کی وفات گویا اُس عہد کا خاتمہ ہے جس کا سرا رابرٹ پیل کی پہلی وزارت سے ۱۸۴۱ء سے آغاز ہوا تھا۔ اس عہد میں بہت سے مفید قوانین وضع ہوئے اور ہماری قومی زندگی میں بہت بڑا تغیر واقع ہوا۔ وطن میں ریل اور دخانی جہازوں کے وسیع نظام کی تیاری، ایک آنے کے ٹکٹ اور تار برقی کا رواج، ہر قسم کی تعلیم کی ترقی اور سستے اخباروں کی افزائش سے عقل و فکر آرائی کا، جس سے رائے عامہ بنتی ہے، میدان زیادہ وسیع ہو گیا۔ وطن کے باہر یہی زمانہ ہے جس میں ہماری ہندوستان کی شہنشاہی کی تکمیل ہوئی۔ دُور کی نوآبادیوں کو حکومتِ خود اختیاری دی گئی جس سے شہنشاہی کے نظم و نسق میں وہ شاگردوں کی بجائے برطانیہ کی رفیق و ہم صفیر ہو گئیں۔ اسی کے ساتھ وسائل آمد و رفت کی آسانیوں سے انقطاع و علیحدگی کا میلان جو فاصلوں سے پیدا ہوتا ہے، کم ہو گیا اور اس کی بجائے مشترکہ اغراض و مقاصد کے احساس کو قوت پہنچی جو سلطنت کے اتحاد قائم رکھنے کے لئے ضروری تھے۔

مشہور سنین

ایک آنہ ٹکٹ کا اختیار کیا جانا ۱۸۳۹ء

باب ہفتم

کلیسائے اسکوٹی سے مشہور علحدگی	۱۸۴۳ء
قوانین غلہ کی منسوخی	۱۸۴۶ء
الحاقِ پنجاب	۱۸۴۹ء
مستعمرات آسٹریلیا کی مقامی آزادی	۱۸۵۰ء
جنگ روس	سنہ ۱۸۵۴ تا سنہ ۱۸۵۶ء
غدر ہندوستان	۱۸۵۷ء
شوہر ملکہ کی وفات	۱۸۶۱ء

باب ہشتم

وکٹوریا حصۂ دوم سنہ ۱۸۶۵ تا سنہ ۱۹۰۱ع

مشہور معاصرین: فرانس .... نپولین تا سنہ ۱۸۷۰

جمہوریۂ فرانس

جرمانیہ .... ولیم شاہ پروشیا

شہنشاہ جرمانیہ: سنہ ۱۸۷۱ع

فریڈرک و ولیم ثانی

اطالیہ .... وکٹر امان ویل و

ہمبرٹ؛

لارڈ پامرسٹن کی وفات پر صدر امارت خزانہ امیر (لارڈ جان) رسل کے تفویض ہوئی۔ اُس نے وزارت میں کوئی خاص ردّ و بدل نہ کیا مگر فورسٹر اور گوشن کے لیئے وزارت میں جگہیں نکالیں جو آیندہ ملک کی تاریخ میں کافی حصّہ لیتے رہے۔ اودھر گلیڈاسٹون دارالعوام میں فرقۂ آزاد خیال کی متین رائے کا مسلّمہ سرگروہ بنکر داخل ہوا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ ایک نئے دور کی ابتدا ہے؛

باب ہشتم

قضیۂ جمیکا

کچھ مدت تک وزیروں کی توجہ جمیکا کے قضیے پر منعطف رہی۔ اس کی بنا یہ تھی کہ وہاں کے انگریز حکام نے، آئر نام والی جمیکا کے زیر حکم حبشیوں کے ایک بلوے میں لوگوں کو غیر معمولی طور پر سخت سزائیں دیں اور جواز قانونی کی مطلق پروانہ کی تھی۔ اس پر انگلستان میں لے دے ہوئی۔ وزیر مستعمرات نے آئر کو فوراً معطل کر دیا مگر ایک غیر سرکاری جماعت کی کوشش کہ اس پر قتل عمد کا الزام ثابت کیا جائے، کامیاب نہ ہوئی اور آخر میں اس مقدمے کا خرچ بھی جو آئر نے برداشت کیا تھا، گلیڈ اسٹون کی وزارت میں حکومت نے ادا کیا۔

مسودۂ اصلاحات

لارڈ پامرسٹن پارلیمنٹ کی اصلاح کا پرجوش حامی نہ تھا اور جب تک وہ زندہ رہا اس وقت تک حکومت نے اس معاملے کو غیر سرکاری مبعوثین ہی کی تحریک وسعی پر چھوڑے رکھا۔ لیکن ۱۸۶۵ء کے انتخابات سے ظاہر ہوا کہ بہت سے لوگ حق رائے دہی کی توسیع چاہتے ہیں۔ اور ۱۸۶۶ء میں اصلاح کی سرکاری تجاویز کا مسودہ گلیڈ اسٹون نے پیش کیا۔ اس میں دیہات کے حق رائے دہی کو ۱۴ پاؤنڈ اور شہروں میں ۷ پاؤنڈ کی مالیت تجویز کیا تھا مگر چونکہ یہ ایک معتدل صورت تھی اور کسی خاص اصول پر مبنی نہ تھی، لہٰذا کوئی فریق بھی اس سے خوش نہ ہوا۔ جان برائٹ اور انتہا پسند تو اس لئے ناخوش تھے کہ اس میں کافی وسعت نہ تھی اور قدامت پسند او معتدل آزاد خیال سمجھتے تھے کہ اس میں نامناسب رعایت کی گئی ہے۔ آزاد خیالوں کی طرف سے رابرٹ لو نے مخالفت کی جو پامرسٹن کے زمانے میں مجلس وزرا کا نائب صدر تھا۔ قلیل التعداد مگر لائق لوگوں کی جماعت اس کے ساتھ ہو گئی تھی، جنھیں برائٹ نے ایک بار ان بددل افراد سے مشابہت دی جو حضرت داؤد کے آس پاس غار ادولام میں جمع ہو گئے تھے۔ اسی لئے لوگ یہ رفیق ادولامی کہلانے لگے تھے۔ ان کی تعداد تیس کے قریب تھی اور جب مذکورۂ بالا مسودۂ اصلاحات ذیلی مجلس میں آیا، تو اسی گروہ کے ایک فرد لارڈ ڈنکیلن نے تحریک کی کہ مالیت کی تشخیص محاصل کی بنا پر کی جائے نہ کہ مالک کی آمدنی پر،

باب ہشتم

تو وزرا کو شکست ہوئی اور یہ مسودہ رہ گیا۔

یہ جون ۱۸۶۶ء کا ذکر ہے اس کے بعد جب حکومت مستعفی ہوئی اور لارڈ ڈربی دوسری دفعہ وزیر اعظم ہوا تو ڈزرائیلی وزیر مالیہ اور دار العوام کا سرگروہ بنایا گیا۔ ابھی تک اصلاحات کا کوئی خاص جوش نہیں نظر آتا تھا لیکن اسی خزاں میں دو واقعات ایسے پیش آئے جن سے اصلاحات کو بڑی تحریک پہنچ گئی۔ ان میں سے ایک تو وہ مظاہرہ تھا جو ہائڈ پارک میں اصلاحات کی وکالت کے لئے کیا گیا اور بلوے پر ختم ہوا جس میں باغ کا کٹہرہ کئی سو گز تک ٹوٹ گیا۔ دوسرا واقعہ گلیڈ اسٹون کی ایک تقریر تھی جس میں اُس نے یہ پُر معنی سوال کیا کہ کیا وہ (یعنی رائے نہ دینے والے) ہمارے بھائی بند نہیں ہیں؟ یہ جملہ سارے ملک میں آناً فاناً پھیل گیا اور بے شبہہ اسی سے لوگوں کی رائے پر بڑا اثر پڑا۔ غرض، ۱۸۶۶ء میں پارلیمینٹ منعقد ہوئی تو بہت لوگ دل سے چاہتے تھے کہ اس مسئلے کا جلد سے جلد تصفیہ ہونا واجب ہے۔ خود ڈزرائیلی اصلاحات میں بہت دُور تک جانے کا فیصلہ کر چکا تھا اور بقولِ خود "اپنے گروہ کو بھی اس کوشش کے لئے سکھا پڑھا رہا تھا"۔ چنانچہ کچھ روز تامل کے بعد اس نے ایک مسودۂ قانون پیش کیا جس میں سابقہ وزارت کی نسبت ایک قدم آگے بڑھایا اور مالیت کی شرط کم کر کے علی الترتیب دس پاؤنڈ و چھ پاؤنڈ قرار دی۔ وزرا سابق سے ڈزرائیلی کے ہمراہ نہیں ہوئے بلکہ لارڈ کرین بورن (جو آگے چل کے امیر سالسبری ملقب ہوا) اور لارڈ کرناروَن اُس کی تجاویز قبول کرنے کی بجائے اپنے عہدوں سے مستعفی ہو گئے۔ بایں ہمہ ڈزرائیلی بات پر قائم رہا اور یہ دیکھ کر کہ ان تجاویز سے بھی لوگ مطمئن نہیں ہوئے، اس نے طے کیا کہ لوگوں کی ذہن دوزی" ہمیشہ کے لئے کر دی جائے اور شہروں میں ہر صاحب خانہ اور دیہات میں ۱۲ پاؤنڈ مالیت والوں کو حق رائے دیدیا جائے۔ اب آزاد خیال بھی حکومت کی تجاویز سے اختلاف نہ کر سکتے تھے لہذا یہ مسودۂ قانون بڑی بڑی اکثریتوں سے دار العوام میں منظور ہوا۔ دار الامرا میں لارڈ ڈربی نے اسے "اندھیرے میں چھلانگ مارنے" سے تعبیر کیا تھا مگر اس کے متبعین نے اُسے

باب ہشتم

قبول کرنے میں کچھ بہت تامل و تذبذب نہیں دکھایا۔ اس کی منظوری کے بعد "تقسیم نشست" کا قانون پیش ہوا جس میں ۱۸۳۲ء کی نظیر کے مطابق گیارہ نشستیں خارج کر دی گئیں اور دس ہزار سے کم آبادی والی ۳۰ نشستوں کو صرف ایک مبعوث دیا گیا۔ اس طرح بڑے شہروں اور زیادہ آباد تعلقوں کو مزید نشستیں مل گئیں؛

جس وقت اہل برطانیہ کی توجہ پارلیمنٹ کی اصلاح پر معطوف تھی ایک نیا قانون اور منظور ہوا جس کے آیندہ بہت کچھ اثرات پڑنے والے تھے۔ یہ "قانون وفاقیۂ کناڈا" موسوم ہے اور اس لیے شمالی امریکہ کی منتشر برطانی مستعمرات کو موقع دیا کہ وہ کناڈا کے نام سے ایک وفاقی حکومت کے ماتحت شیرازہ بند ہو جائیں جس کے معنی یہ تھے کہ گو وہاں کی ہر ریاست اندرونی معاملات میں اپنی مجلس وضع قوانین کے ماتحت ہو گی لیکن جن معاملات میں تمام مستعمرات کے اغراض و فوائد کا مشترکہ تعلق ہے ان کو اٹاوا میں ایک مجلس سرانجام کرے گی اور وزرا اسی کے روبرو جواب دہ ہوں گے؛ کناڈا خاص میں نیو برنزوِک، نووا اسکوشیا اور برطانی کولمبیا شامل تھے۔ کچھ روز بعد نووا اسکوشیا کے ساتھ خلیج ہڈسن کا علاقہ بھی جسے اب مانی ٹوبا کہنے لگے ہیں، ملا دیا گیا۔ اس تغیر عظیم سے کناڈا کی حالت پر بڑا اثر پڑا۔ متضاد اغراض و حقوق پر غور کرنے اور وسعت نظر سے کام لینے کی ضرورت نے اس ملک میں صوبہ داری جذبے کو بالکل مٹا دیا اور اسی تھوڑی مدت میں سر جان میک ڈونلڈ آنجہانی جیسے مدبر پیدا کیے جو کسی قوم میں بھی ہوتے اس کے لئے باعث ناز ہوتے۔ ورنہ اپنے اپنے صوبے کی پاسداری کا جذبہ یہ خطرناک میلان رکھتا تھا کہ چھوٹے اور دور دست علاقے کے باشندے اپنی مقامی اور ادنیٰ اغراض کو سارے ملک کے وسیع تر فوائد و اغراض پر ترجیح دینے لگیں گے؛ غرض کناڈا میں یہ شیرازہ بندی کامیاب ہوئی تو شہنشاہی کے دوسرے علاقے بھی اسی قسم کی کارروائی پر راغب ہوئے چنانچہ (تالیف کتاب کے وقت) آسٹریلیا کی نوآبادیوں میں اسی قسم کی تنظیم حکومت کی تجویزیں زیر غور ہیں اور وہ وقت دور نہیں ہے جب کہ جنوبی افریقہ کی نوآبادیاں بھی اسی کی تقلید کریں گی اور یہ پوری شہنشاہی کے حق میں نہایت نفع بخش ہوگا؛

باب ہشتم

یہ بھی اکثر ہوتا ہے کہ زیادہ اہم واقعات پر کافی توجہ نہیں کی جاتی۔ چنانچہ وفاقیۂ کناڈا کے قانون سے لوگوں کو وہ دلچسپی نہ ہوئی جو تھیوڈور شاہِ حبشہ کی چھوٹی سی جنگ سے پیدا ہوئی جس میں لارڈ ڈربی کی وزارت کو باولِ ناخواستہ اُلجھنا پڑا تھا کیونکہ اس نے چند مسیحی داعیوں اور سیاحوں کو اپنے پایۂ تخت مگدالا میں قید کر دیا تھا۔ اسی پر برطانی اور ہندوستانی سپاہیوں کا ایک لشکر سر رابرٹ نے پیئر کی قیادت میں بھیجا گیا اور دشوار گزار سفر طے کرنے کے بعد تھیوڈور کی فوج کو شکست ہوئی۔ مگدالا کو یورش کر کے لے لیا گیا۔ تھیوڈور نے اپنے ہاتھ سے اپنی جان لی اور ایک رشتہ دار جان اس کا جانشین ہوا۔ برطانی سپاہ تھیوڈور کے اکلوتے بیٹے الامایو کو اپنے ساتھ لے گئی اور وہ اپنی وفات (۱۸۷۹ء) تک انگلستان ہی میں رہا۔

فینی گروہ

اس عرصے میں آئرستان کی حالت پھر قابلِ توجہ ہو چلی تھی ۱۸۴۸ء کی بغاوت ناکام رہ جانے کے بعد چند سال تک سازش کا بازار ٹھنڈا رہا لیکن ۱۸۵۹ء میں روسا اور اسٹیفن نے فی نکس کلب کی بنیاد ڈالی اور یہی فینی اصول اور گروہ کی تمہید بن گئی۔ خود یہ لفظ (فینی) آئرستان کے ایک قدیم بادشاہ کے خدام کے نام سے لیا گیا تھا۔ شروع میں اس تحریک کو کچھ وقعت حاصل نہ تھی اور گو روسا پر مقدمہ قائم ہوا اور جرم ثابت ہوا تاہم اُسے رہا کر دیا گیا۔ لیکن امریکہ کی خانہ جنگی ختم ہوئی تو یہ تحریک خطرناک ہو گئی۔ اہلِ آئرستان امریکہ میں دونوں طرف سے لڑ کر نام پا چکے تھے اور جب وہاں کی فوجیں موقوف کی گئیں تو فینی سرگروہوں کو امید ہوئی کہ ان امریکی آئرستانی سپاہیوں سے برطانی حکومت کے خلاف کام لیا جا سکے گا۔ ۱۸۶۵ء و ۱۸۶۶ء میں اس بات کا کافی اندیشہ ہو گیا تھا لیکن ۱۸۶۷ء کے موسمِ بہار میں بغاوت کی ضعیف سی کوشش سے ظاہر ہو گیا کہ آئرستان میں باغیوں کو کتنی کم قوت حاصل ہے۔ پھر بھی سازشوں کا سلسلہ جاری رہا اور اسی سال دسمبر میں بعض فینیوں نے

لہ۔ آگے چل کر اسے "لارڈ نے پیر اوف مگدالا" کا لقب ملا۔

اپنے ایک محبوس رفیق کو چھڑانے کی خاطر کلرکن ویل کے محبس کی دیوار بارود سے اُڑا دی اور اسی کے اُڑنے سے پورے بارہ آدمیوں کی جان گئی۔ اسی واقعے کو گلیڈ اسٹون نے "گرجا کے گجر" سے یاد کیا جو لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اور قصد کر لیا کہ خود آئرستان کا مسئلہ اٹھایا جائے۔

اہل آئرستان کی پہلی شکایت جس پر وہ توجہ دلانا چاہتا تھا، وہاں کی کلیسا کی حالت تھی۔ اس کی ۱۸۳۳ء میں اصلاح ہوئی لیکن کیتھولک فرقے بجائے خاص کر ان کے پادریوں میں وہ ویسا ہی غیر مقبول رہا اور وہ اس کے وجود کو یہی سمجھتے رہے کہ گویا یہ حکومت کی طرف سے ہمارے دین و ملت کو ذلیل کرنے کی غرض سے قائم ہے۔ پٹ نے اس شکایت پر غور کیا تھا اور اس کا خیال تھا کہ سب فرقوں کے لئے ساتھ ساتھ اوقاف دینے کا انتظام کیا جائے جس سے کیتھولک پادریوں کے کام کی قدرشناسی کے علاوہ یہ فائدہ بھی متصور تھا کہ اکثریت کے مذہبی پیشوا اقلیت کے علما کو مالا مال دیکھ کر حسد نہ کریں۔ کیونکہ یہ جذبہ ذلیل بھی قدرتی ضرور تھا، مگر گلیڈ اسٹون نے ایک اور ہی تجویز سوچی تھی اور وہ یہ کہ آئرستان میں پروٹسٹنٹوں کے استقفی نظام کو توڑ دیا جائے اور پروٹسٹنٹوں کو اوقاف کا جو بڑا حصہ مل گیا ہے، اس سے محروم کر دیا جائے۔ اسی طرح وہ پرس بی ٹری فرقے کی قدیم شاہی امداد یا انعام جو ولیم ثالث کے زمانے سے انھیں حاصل تھا اور نیز کیتھولکوں کی درس گاہ مے نوتھ کی سرکاری امداد موقوف کر دینا چاہتا تھا پٹ کے بعد اکثر آزاد خیال اور نیز غیر مقلد اشخاص کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ سرکاری روپے سے کسی گرجا یا مذہب کو قائم رکھنا نامناسب ہے۔ گلیڈ اسٹون کی تجویز اس رائے کے موافق تھی اور اسی لئے آزاد خیال فرقے نے اسے قبول کر لیا۔ اور ۱۸۶۹ء میں گلیڈ اسٹون نے حکومت کی مخالفت کے باوجود یہ قرارداد منظور کرالی کہ آئرستان کا مذہبی نظام موقوف کر دیا جائے۔ لارڈ ڈاربی علالت کی وجہ سے مجبوراً مستعفی ہو چکا تھا اور اس کی جگہ فروری ۱۸۶۸ء میں ڈزرائیلی وزیر اعظم مقرر ہوا تھا، اس نے مذکورہ قرارداد کی بنا پر فوراً استعفیٰ داخل کر دیا مگر اسے کہہ سنکر آئندہ عام انتخابات اور لوگوں کی صحیح رائے معلوم ہونے

تک روک لیا گیا۔

گلیڈاسٹون کی پہلی وزارت

۱۸۶۸ء کے انتخابات میں اصلی مقابلہ کلیسائے آئرستان ہی کے مسئلے پر ہوا۔ اس میں آزاد خیالوں کو نمایاں فتح حاصل ہوئی کہ ۲۶۵ قدامت پسندوں کے مقابلے میں اُن کے ۳۹۳ منتخب ہوئے۔ ڈزرائیلی بلاتاخیر مستعفی ہوگیا۔

اس کی بجائے **گلیڈاسٹون** صدر امیر خزانہ اور وزیر اعظم بنا اور ساتھ کے لئے رفیق بھی نہایت لائق جمع ہو گئے۔ ان میں **گرین ویل** وزیر خارجہ، **رابرٹ لو** وزیر مال، **جان برائٹ** صدر نشین مجلس تجارت اور **کارڈویل** جو گلیڈاسٹون کی طرح پہلے قدامت پسند اور پیلی گروہ میں شامل تھا، وزیر جنگ مقرر ہوا۔ **فورسٹر** مجلس وزرا کا نائب صدر اور عملاً وزیر تعلیمات تھا۔ **گوشن** شعبۂ قانونِ مساکین کا صدر نشین اور بعد میں صدر امیر بحریہ مقرر ہوا۔ اسی طرح دوسرے وزرا تھے۔

۱۸۶۹ء میں پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو حکومت کی طرف سے بلاتاخیر کلیسائے آئرستان کی موقوفی کا مسودہ پیش ہوا جو گلیڈاسٹون کی تجاویز پر مبنی تھا۔ اس قانون کی رو سے آئرستان کا کلیسا آزاد اُسقفی کلیسا ہوگیا اور وہاں کے اسقفوں کی سرکاری حیثیت باقی نہ رہی نہ وہ آئندہ دارالامرا کے رکن رہے۔ گرجاؤں کے تمام ساز و سامان اور غیر سرکاری اوقاف جو ۱۶۶۰ء کے بعد سے انھیں دیے گئے تھے، انھی کے قبضے میں چھوڑ دیے گئے۔ تنخواہ دار علما اور پادریوں کو معاوضہ دینے کے بعد قرار پایا کہ جو سرمایہ بچے، اسے حکومت وقت حسبِ صوابدید آفات ارضی و سماوی سے نجات دلانے میں صرف کرتی رہے۔ دارالعوام میں اس قانون کی منظوری میں کوئی دشواری پیش نہ آئی تھی۔ امرا میں سخت مقابلہ ہوا لیکن بالآخر دوسری خواندگی ۱۴۶ کے مقابلے میں ۱۷۹ آرا سے منظور ہوگئی اور قانون نافذ کر دیا گیا۔

مسئلۂ اراضی

۱۸۷۰ء کا زیادہ زمانہ آئرستان کی ایک اور شکایت دور کرنے میں بسر ہوا۔ یہ اراضی کا مسئلہ تھا اور بہت سے باریک بین مبصروں کے نزدیک اہلِ آئرستان کے دل میں

باب ششم

اس کا خیال ان کلیسائی معاملات سے بھی زیادہ تھا جن پر گلیڈ اسٹون نے سب سے پہلے توجہ کی۔ اس پیچیدہ اور تکلیف دہ مسئلے کو سمجھنے کے لئے دو ضروری امور کا ذہن نشین رکھنا ناگزیر ہے۔ ایک تو یہ کہ قدیم زمانے سے آئرستان کا عام دستور یہ تھا کہ مزروعہ اراضی میں مکانات، کھیت کی باڑیں اور بدررو بنانے کا کام کاشتکاروں کے ذمے ہوتا تھا کہ وہ اپنی محنت یا خرچ سے یہ انتظام کریں۔ انگلستان میں جیسا کہ ہم پہلے پڑھ چکے ہیں۔ (صفحہ ۲۶۰) کاشتکار کو یہ سب چیزیں بنی بنائی ملتی تھیں۔ آئرستان میں صرف زمین اپنی قدرتی حالت میں مل جاتی اور یہ سب کام خود اسے بعد میں کرنے پڑتے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انگلستان میں زراعت منجملہ اور پیشوں کے ایک پیشہ تھی۔ بخلاف اس کے آئرستان کے بڑے حصے میں لوگوں کا سوائے اس کے اور کوئی پیشہ ہی نہ تھا اور ان میں قبضۂ زمین کی آرزو ایسی موروثی اور قوی ہو گئی تھی کہ انگلستان میں اس کی مشکل سے مثال ملے گی اگرچہ ویلز کے بعض زرعی اقطاع میں بھی یہ جذبہ کسی حد تک موجود ہے۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ آئرستانی کسان انگریزوں یا اسکوٹوں کی نسبت زمین کا اتنا مالیہ دینے پر جلد آمادہ ہو جاتا جو حقیقت میں اس کی قدرت سے باہر ہوتا تھا۔ آئرستانی کاشتکار کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ عموماً اپنی زندگی ہی میں کھیت کے حصے اولاد میں بانٹ دیتا جس سے اراضی کے اتنے چھوٹے ٹکڑے ہو جاتے کہ ایک ایک حصے سے پورے خاندان کی اچھی طرح بسر بردنہ ہو سکتی تھی؛ بہرحال جب تک پرانے زمیندار مالک رہے جو اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود کاشتکاروں کے حال سے واقف اور دکھ درد میں ان کے شریک تھے، اس وقت تک مزارعینِ آئرستان کی یہ خصوصیات چنداں قابلِ اعتنا نہ ہوئی تھیں لیکن جب سے قانون اراضی زیر بار کا نفاذ ہوا۔ (دیکھو صفحہ ۹۷۲) اور بہت سے پرانے زمیندار بے دخل ہوئے، تو ان کی بجائے وہ لوگ مالکانِ زمین ہو گئے جو انگلستان کے اصولِ زراعت و مالگزاری کے عادی تھے اور اکثر صورتوں میں اراضی کے خریدار ہی اس بنا پر ہوئے تھے کہ ان سے کہا گیا تھا کہ حالیہ لگان کم ہے اور اسے آسانی سے بڑھانا ممکن ہو گا۔ ان نئے زمینداروں کی خوبیاں اور عیوب دونوں سے پیچیدگی پیدا ہوئی۔ انھوں نے زراعت کا معیار

بلند کرنا چاہا اور بہتر طریق کاشت کاری کو رواج دینا چاہا تو بھی مقامی کاشتکار ناراض ہوئے اور جب انھوں نے لگان بڑھانے کی کوشش کی کہ وہ زمین کی تجارتی قیمت کے مطابق ہو جائے، اور پچھلے کاشتکاروں کو بزورِ عدالت بے دخل کرایا تو بعض اوقات کسان جان لینے پر تیار ہو گئے۔ البتہ السٹر کا علاقہ ایسا تھا جہاں صنعتی کارخانے موجود تھے اور انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کی نسل کے کاشتکار بھی آباد تھے جو محنتی، کفایت شعار اور آزادی پسند لوگ تھے اور انھی وجوہ سے یہاں ایک بہتری کی صورت یہ نکل آئی تھی کہ ایک حق کاشتکاری کو رواجاً تسلیم کیا جاتا تھا۔ یعنی اگر کاشتکار کھیت کو ترقی دے یا اس میں روپیہ لگائے تو اس کا یہ حق مانا جاتا اور کھیت چھوڑنے کی صورت میں اس کو معاوضہ ملتا تھا۔ لیکن رواج ہونے کے باوجود اس حق کو قانون تسلیم نہ کرتا تھا اور سنہ ۱۸۵۲ء میں شرمن کرافورڈ نے اسے قانونی شکل دینے کی کوشش بھی کی تو ناکام رہا۔ سنہ ۱۸۶۰ء میں پامرسٹن کی وزارت نے بالکل برعکس کارروائی کی کہ آئرستان اور انگلستان کے طریقوں کو مخلوط کر دینا چاہا۔ خود پامرسٹن کہتا تھا کہ میرے نزدیک کاشتکار کا یہ حق، زمیندار کی حق تلفی ہے چنانچہ زمیندار و کاشتکار کے واسطے ایک قانون وضع کیا گیا جو مروجہ قانون یا رواج کی بجائے محض معاہدے کے اصول پر مبنی تھا۔ مگر اہلِ آئرستان کے حق میں یہ اور بھی بدتر صورت تھی۔ چنانچہ سنہ ۱۸۷۰ء میں گلیڈ اسٹون کی حکومت نے اسے منسوخ کیا اور دوسرا قانون بنایا جس میں السٹر کی کاشتکاری نیز دوسرے رواجی حقوق کو تسلیم کر لیا گیا تھا۔ جھگڑے فساد سے نقصان کا بھی کسان کو معاوضہ ملنا تجویز ہوا تھا بشرطیکہ یہ جھگڑا لگان سے انکار کرنے کے سلسلے میں نہ پیدا ہوا ہو۔ اور پٹے کی میعاد ختم ہونے پر کاشتکار نے جو کچھ مستقل ترقی دی ہو، اس کے معاوضے کا بھی حقدار ہوتا تھا۔ برائٹ کی رائے یہ تھی کہ آئرستان کے زرعی مسئلے کا اصلی حل یہ ہے کہ خود کاشت زمینداروں کی جماعت پیدا کی جائے۔ وزرا نے اس کی بھی رعایت ملحوظ رکھی اور قانون میں ایک دفعہ یہ بڑھا دی کہ جو کاشتکار اپنے زمینداروں کی مرضی سے کھیت خود خریدنا چاہیں حکومت ان کو تقاوی یا قرض روپیہ دے سکے گی۔ مگر گلیڈ اسٹون کے اس قانون کا نقص یہ تھا کہ کاشتکار کے کھیت کو

ترقی دینے پر، اگر زمیندار لگان اتنا بڑھا دے کہ کاشتکار ادا نہ کر سکے اور بے دخل کر دیا جائے تو اس خرابی کو روکنے کا قانون میں کوئی انتظام نہ تھا۔ حالانکہ ایسی بے دخلی کی صورت میں کاشتکار اپنے حق معاوضہ سے محروم رکھا گیا تھا۔ اسی نقص کے باعث قانون مذکور کا فائدہ کم ہوتا گیا اور گلیڈاسٹون نے جو وثوق کے ساتھ یقین دلایا تھا کہ یہ اور کلیسا کا قانون دونوں مل کر آئرستان کی بے اطمینانی رفع کر دیں گے، وہ غلط ثابت ہوا۔

قانون تعلیم ابتدائی مجریہ سنہ ۱۸۷۰ء

جس زمانے میں گلیڈاسٹون آئرستان کے لئے یہ قانون منظور کرا رہا تھا، انھی دنوں فورسٹر نے ابتدائی تعلیم کا قانون پارلیمنٹ سے منظور کرایا۔ اس قانون کے جس قدر فوائد بیان کئے جائیں کم ہیں کیونکہ اسی سے ابتدائی تعلیم کے قومی نظام کی بنیاد پڑی۔ تعلیم کے لئے سرکاری رقم اول سنہ ۱۸۳۳ء میں منظور ہوئی تھی۔ اسی وقت سے یہ بات برابر آشکارا ہوتی گئی کہ تعلیم کی حسب دلخواہ اشاعت کرنی منظور ہے تو سرکاری مدارس قائم کئے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ خصوصاً زیادہ آباد علاقوں میں ایسا انتظام ناگزیر نظر آیا۔ مگر اس خیال کی بڑی مخالفت ہوئی جس میں ایک تو منکرین کلیسا نے حصہ لیا کیونکہ انھیں اندیشہ تھا کہ ان سرکاری مدرسوں سے کسی نہ کسی پیرائے میں اہل مذہب کی تائید کا کام لیا جائے گا۔ دوسرے وہ لوگ مخالف تھے جن کی دانست میں تعلیم کا اہتمام کرنا حکومت کے فرائض سے خارج تھا۔ بایں ہمہ تعلیمی ماہرین برابر کام کرتے رہے۔ سنہ ۱۸۳۳ء سے سنہ ۳۹ء تک سرکاری رقم کا خرچ کرنا، حکام خزانہ کے ہاتھ میں تھا مگر اسی سال (سنہ ۱۸۳۹ء) سے یہ مجلس شاہی کی ایک ذیلی مجلس کے حوالے کر دیا گیا اور مجلس کا نائب صدر اس ذیلی مجلس کا صدر مقرر ہوا۔ اسی کے ساتھ قرار پایا کہ یہ رقم حسب سابق نئے مدارس کے قیام میں بھی خرچ کی جائے اور مناسب ہو تو پرانے مدرسوں میں بھی اس سے مدد دی جائے بشرطیکہ یہ مدرسے سرکاری نگرانی قبول کر لیں۔ سنہ ۱۸۴۶ء کی ایک روئداد میں امداد کی تین قسمیں قرار دی گئی ہیں:-

(۱) تعلیم المعلمین کے مدارس کے لئے۔

باب ہشتم

(۲) نئے مدارس کی عمارات کے لیے۔
(۳) مدارس سابقہ کی سالانہ امداد کے لیے۔

جن مدرسوں کو امداد ملتی وہ عموماً اساتذہ کی تنخواہوں کی صورت میں ملتی تھی مگر تجربے سے ثابت ہوا کہ یہ طریقہ اتنا مفید نہیں جتنا کہ خرچ طلب ہے۔ سنہ ۱۸۳۹ء میں امداد کی رقم تیس ہزار پاؤنڈ تھی۔ سنہ ۱۸۵۹-۶۰ء میں دس لاکھ سے اوپر ہو گئی مگر اسی سال سرکاری تحقیقات سے ظاہر ہوا کہ پڑھائی کی حالت اکثر ناقص ہوتی ہے۔ اسی بنا پر سنہ ۱۸۶۲ء میں نائب صدر مجلس روبرٹ لو نے تعلیم کے جدید ضوابط جاری کیے اور اسی کے ساتھ یہ اصول رائج کیا کہ سالانہ سرکاری امتحانات میں طلبہ کی کامیابی دیکھ کر سرکاری امداد دی جایا کرے اور اس طریقے کا "نتائج پر ادائی" نام رکھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر سال جو اضافہ ہوتا تھا، اس میں کمی آگئی اور سنہ ۱۸۷۰ء تک یہ امداد بڑھ کر صرف بارہ لاکھ پچیس ہزار ہوئی۔

قانون تعلیم ابتدائی مجریہ سنہ ۱۸۷۰ء

فورسٹر کی تجویز یہ تھی کہ جو ضلع چاہے اسے ایک مجلس مدارس منتخب کرنے کی اجازت دی جائے اور اس مجلس کو خود اپنے زیر انتظام مدارس قائم کرنے یا سابقہ مدارس کی امداد کرنے کی غرض سے رسوم کی وصولی اور خرچ کا اختیار دیا جائے۔ کاوپر ٹمپل کی تحریک سے یہ دفعہ بڑھا دی گئی کہ ان مجلسی مدارس میں کسی خاص مذہبی فرقے کا کلمہ اور ارکانِ دین یاد نہیں کرائے جائیں گے۔ اہلِ انکار کی رعایت رکھنے کے لیے یہ قاعدہ بھی وضع ہوا کہ جن امدادی مدارس میں دینی تعلیم دی جاتی ہے اس کا وقت شروع یا آخر میں مقرر کر دیا جائے اور جن بچوں کے والدین یہ تعلیم دلانی نہ چاہیں، ان بچوں کی کسی قسم کی حق تلفی جائز نہ رکھی جائے۔ مگر اہلِ انکار کا ایک گروہ سرکاری مدارس سے ہر قسم کی مذہبی تعلیم کو خارج کرانا چاہتا تھا۔ ان کی حزب برمنگھم نے مذکورۂ بالا مسودۂ قانون کے ایک ایک فقرے کی سخت مخالفت کی لیکن مجموعی طور پر لوگوں نے اسے اچھی نظر سے دیکھا اور ایک مشکل مسئلے کا قابل اطمینان حل سمجھا۔ اسی زمانے میں گوشن نے ایک اور قانون پیش اور سنہ ۱۸۷۱ء میں منظور کرایا جس نے اوکسفرڈ اور کیمبرج کی جامعات کی مذہبی شرائط

باب ششم

منسوخ کیں اور کیتھولک اور اہل انکار سب کے داخلے کی اجازت مل گئی۔
۱۸۳۲ء کی طرح، اب بھی حق رائے دہی کی توسیع سے اصلاحات کا جوش ترقی کر گیا تھا جس کا مختلف پیرایوں میں ظہور ہوا۔ ۱۸۷۰ء میں اکثر دیوانی ملازمتوں کی شرط صرف امتحانِ مسابقہ میں کامیابی کو قرار دیا گیا۔ ۱۸۷۲ء میں "رائے اندازی" کا قانون وضع ہوا کہ رائے دینے والے لالچ یا خوف کے بغیر اپنی رائے کاغذ پر بلا دستخط دے سکیں اور زبانی رائے دینے یا اعلان کی ضرورت نہ رہے جیسا کہ پہلے معمول تھا۔ یہ منشوریوں کا مطالبہ تھا اور دار العوام نے کئی بار اسے نافذ کرنا چاہا مگر دار الامرا نے مسترد کر دیا تھا۔ منشوریوں کا ایک اور مطالبہ ۱۸۵۸ء میں منظور ہو چکا تھا کہ مبعوثین کے لئے ملکیت کی جو شرط تھی، وہ منسوخ کر دی گئی۔

فوجی اصلاحات

جنگ کریمیا کے وقت سے یہ خیال قوی ہوتا جاتا تھا کہ روپیہ بھر کر سرداری کی خدمات خریدنے کا طریقہ برا ہے۔ اس رواج کے بموجب کوئی لفٹنٹ جو سابق الخدمت ہونے کے لحاظ سے کپتانی کا مستحق ہو جائے، معقول رقم ادا کئے بغیر یہ ترقی نہ پا سکتا تھا۔ یہ رقم اس حد تک معین تھی کہ کم سے کم اِس قدر ادا کرنی ہو گی لیکن مختلف لشکروں میں اور بھی زیادہ لی جاتی تھی۔ اس طریق سے کم استطاعت اشخاص کا فوج میں بھرتی ہونا یا ترقی کرنا دشوار ہو گیا تھا بجالیکہ زردار سردار آسانی سے رقم بھی بھر دیتے تھے اور روپیہ دے کے تبادلہ کرا لینے کے رواج کی بدولت بہت جلد ترقیاں بھی حاصل کر سکتے تھے۔ مثال کے طور پر ولنگٹن صرف ۲۲ برس کی عمر میں کرنیل ہو گیا اور سر کولن کیمبل ۲۳ برس کی نمایاں خدمت کے بعد اس رتبے تک پہنچ سکا تھا؛ پھر بھی اس طریقے کے بہت سے حامی تھے اور ان کی بڑی دلیل یہ تھی کہ گو اصولاً یہ طریقہ برا نظر آتا ہو عملاً ایسا برا نہیں رہا، لہذا اب اس کو بدل کر ایک ناآزمودہ طریقہ اختیار کرنا احتیاط کے خلاف ہو گا۔ اس مخالفت کے باوجود کارڈویل نے ۱۸۷۱ء میں ایک مسودۂ قانون پیش کیا جس کا ایک جزو مذکورہ طریقے کی تنسیخ بھی تھی۔ دار العوام کی منظوری کے باوجود اُمرا نے اس جزو کو نامنظور کر دیا جس پر گلیڈاسٹون نے ملکہ کو صلاح دی کہ وہ اس شاہی حکم کی تنسیخ کر دے جس کی

رو سے سرداریاں خریدنا جائز ہوا تھا۔ ملکہ نے اس کے مطابق عمل کیا۔ تب امرا ابھی مذکورہ بالا قانون کو ماننے پر آمادہ ہو گئے جس میں ان سرداروں کے معاوضے کی تجویز بھی موجود تھی جن کو جدید قانون سے نقصان پہنچتا تھا۔ یہ اصلاح فوج کی عام اصلاحات کا جن کا گلیڈاسٹون کی وزارت میں نفاذ ہوا، محض ایک حصہ تھی۔ ۱۸۷۰ء میں فوجی بھرتی کا بھی ایک قانون وضع ہوا تھا جس کی رو سے ۱۲ برس کی مدت ملازمت کی بجائے یہ وعدہ لیا جانے لگا کہ فوجی ملازم صرف ۶ سال واقعی فوجی خدمت انجام دے گا اور اسی قدر اور زمانے تک فوج محفوظ میں رہے گا۔ اسی سال مجلس خاص کے ایک حکم نے سپہ سالار افواج کو وزیر جنگ کے ماتحت قرار دیا۔ ورنہ پہلے سپہ سالار کا محکمہ "ہورس گارڈز" کے نام سے علیحدہ حکم احکام جاری کرتا اور وزارت جنگ سے علیحدہ احکام جاری ہوتے اور اس دوعملی سے بعض اوقات بڑی خرابیاں پڑتی تھیں، لہٰذا اب اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔ ۱۸۷۱ء میں نیم مسلح اور مطوّعہ فوج کی نگرانی دوبارہ فرماں روائے وقت کی تحویل میں آگئی اور اضلاع کے جداگانہ سپہ سالاروں کے عہدے توڑ دیے گئے۔ اسی اصلاح سے فوج باقاعدہ و بے قاعدہ کو علاقہ واری اصول پر مرتب کرنا ممکن ہوا اور پھر مختلف افواج انھی علاقوں کے نام سے موسوم کر دی گئیں۔ جیسے ڈورسٹ شر، مشرقی اسٹفرڈ شر (کی فوج) اور ہر علاقے کی نظم جمعیت اور مطوّعین اسی فوج کے پیادہ و سوار دستے بنا دیے گئے۔ اس ترکیب جدید میں بہت سے فوائد تھے لیکن ان کے مقابلے میں ایک نقصان کی بات یہ تھی کہ فوجوں کے پرانے (عددی) نشان ترک کر دیے گئے حالانکہ انھی نشانوں سے ان فوجوں نے سابقہ میدانوں میں بہادری کی داد دی تھی اور اب ان کے اڑا دیے جانے سے نہ صرف سپاہیوں کو بلکہ عام اہل ملک کو بھی بہت افسوس ہوا۔ بہر حال، سرداری کی خرید کا انسداد، مدت ملازمت میں تخفیف اور علاقہ واری فوج بندی کا آغاز، یہ سب ایسی تبدیلیاں تھیں، جن سے کارڈویل کی وزارتِ جنگ کا زمانہ برطانی سپاہ کی تاریخ میں بہت معرکے کا زمانہ بن گیا ہے۔

گلیڈاسٹون کی وزارت میں ایک اہم عدالتی اصلاح بھی عمل میں آئی۔ قدیم عدالت شاہی سے اب بتدریج مالگزاری، فصل خصومات، شاہی کچہری اور عدالت صدر،

کی چار عدالتیں بن گئی تھیں اور ان میں اتنی سخت اور باریکی سے تقسیم کر دی گئی تھی، کہ حکام عدالت، وکلا اور اہل مقدمہ کو اکثر بڑی زحمت کا سامنا ہوتا۔ نظر بر ایں اب ان سب کو ملا کر ایک عدالت عالیہ کے چار شعبے قرار دیا گیا اور اس نئی عدالت کے واسطے عمارات کا ایک سلسلہ بھی نیا تیار ہوا جسے نئی عدالتیں کہتے تھے۔ یہ ٹیمپل بار کے باہر لنکن اِن اور ٹیمپل کے درمیان تعمیر ہوئیں اور تمام دیوانی عدالتوں کے اس طرح یکجا ہو جانے سے ہر شخص کو بہت سہولت ہونے لگی ؛

آئرستان کا تعلیمی مسئلہ

کلیسا اور اراضی کے مسائل کے بعد آئرستان میں سب سے دشوار مسئلہ اعلیٰ تعلیم کا تھا۔ کیتھولک فرقے کے پادری اپنے طلبہ کے ان جامعات و کلیات میں پڑھنے کے ہمیشہ سے سخت مخالف تھے جہاں دینی علوم میں پروٹسٹنٹ عقائد داخل نصاب تھے۔ اور یا جن کے نصاب سے دینی تعلیم کو بالکل خارج کر دیا گیا تھا۔ ان کی اصلی خواہش یہ تھی کہ کیتھولک فرقے کی ایسی جامعہ بنائی جائے جس کے نصاب میں قطعی طور پر کیتھولک اصول کی دینی تعلیم بھی داخل ہو۔ آئرستان کے اکثر کیتھولک اس خیال کے ہمنوا تھے کیونکہ ایسی اعلیٰ تعلیم کا آئرستان میں کوئی انتظام نہ تھا۔ ڈبلن کا کالج خالص پروٹسٹنٹ تھا۔ مے نوتھ میں صرف مذہبی علما تیار کئے جاتے تھے اور اس کی سرکاری امداد بھی انھی دنوں بند کر دی گئی تھی۔ سنہ ۱۸۴۵ء میں پیل نے امتحاناً بیلفاسٹ، کارک اور گالوے میں "ملکہ کے کالج" کے ناموں سے کلیات بنائے جن میں صرف دنیاوی تعلیم دی جاتی تھی۔ افسوس ہے کہ انھیں بنتے ہی "لا مذہب کلیات" کہہ کے بدنام کیا گیا اور یہ کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ غرض اب سنہ ۱۸۷۳ء میں گلیڈاسٹون نے اپنی مجوزہ تدبیر پیش کی کہ آئرستان میں ایک قومی جامعہ بنائی جائے جس میں الہیات، اخلاق اور تاریخ کی تعلیم بالکل نہ ہو۔ اس تجویز سے کوئی بھی خوش نہ ہوا۔ کیتھولک فرقے کا منشا یہ نہ تھا اور پروٹسٹنٹ بھی ایسی جامعہ کا بننا سنکر بہت ہنسے جس میں اخلاق، الہیات اور تاریخ نہ پڑھائی جائے۔ چنانچہ مسودۂ قانون کی دوسری خواندگی تین رائے کی اکثریت سے نامنظور کر دی گئی۔ گلیڈاسٹون مستعفی ہو گیا مگر ڈزرائیلی کو

پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل نہ تھی اس نے وزارت بنانے سے انکار کیا۔ اور وزارت میں کچھ ردّ و بدل کے بعد گلیڈ اسٹون ہی برسراقتدار رہا، مگر عام انتخاب کو زیادہ عرصے تک ملتوی نہ رکھا جا سکتا تھا۔

گلیڈ اسٹون کی شکست

گذشتہ انتخابات کے بعد سے گلیڈ اسٹون کی وزارت ۲۳ نشستوں کے مقابلوں میں شکست کھا چکی تھی۔ ملک کے سامنے جس قدر مجوّزہ قوانین تھے ان سب کو اس نے پیش یا نافذ کرا دیا تھا۔ چنانچہ وزرا کی صف پر ایک مرتبہ ڈزرائیلی نے "بجھے ہوئے آتش فشاں پہاڑوں" کی پھبتی کہی تھی۔ غرض جنوری ۱۸۷۴ء میں پارلیمنٹ برخاست ہوئی۔ گلیڈ اسٹون نے جدید انتخاب کے اعلان میں یہ بیان شائع کیا کہ اگر اس بار بھی وہی برسراقتدار رہا تو (انکم ٹیکس) موقوف کرا دے گا۔ لیکن معلوم یہ ہوا کہ پچھلے پانچ سال کے پے در پے جدید قوانین سے ملک اکتا گیا تھا۔ شدید غیر مقلد، تعلیمی مسئلے میں حکومت کے دب کر معاملہ کرنے سے بہت ناراض تھے۔ انھوں نے تائید و حمایت کی کوئی خاص زحمت نہ اٹھائی اور ادھر وہ گروہ جسے ڈزرائیلی نے "مظلوم حق دار" موسوم کیا تھا، شدّ و مد سے قدامت پسندوں کے ساتھ ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ڈزرائیلی نئی پارلیمنٹ میں تین سو پچاس متبعین کے ہمراہ داخل ہوا اور گلیڈ اسٹون بلا تاخیر مستعفی ہو گیا۔ ڈزرائیلی نے اس کی جائے لی اور نئی وزارت میں لارڈ ڈاربی وزیر خارجہ لارڈ سالسبری وزیر ہند اور نارتھ کوٹ وزیر مالیہ مقرر ہوئے۔

جنگ فرانس و جرمانیہ

گلیڈ اسٹون کی وزارت میں چند اہم واقعات براعظم یورپ میں پیش آئے۔ ۱۸۶۶ء میں فرانسیسیوں کے بادشاہ نے اپنی سپاہ کو جدید شیس پو (دہن گز) بندوقوں سے مسلّح کیا۔ ان کی مار پروشیا کی تیلی نالی کی بندوقوں سے زیادہ دُور کی تھی لہٰذا بادشاہ موصوف کو یقین تھا کہ اب پروشیا کا مقابلہ ہو سکتا ہے اور یہ کہ اس کے حملے سے جرمن ریاستوں کی وہ شیرازہ بندی فوراً ٹوٹ جائے گی جس کی صدر پروشیا بن گئی ہے۔ ادھر بسمارک بھی نپولین ثالث سے کچھ کم جنگ کا خواہش مند نہ تھا اور ثابت ہوا کہ یہ خیال بیجا نہ تھا کیونکہ تمام جرمن ریاستیں

باب ہشتم

جن میں بویریا وغیرہ وہ بھی شامل ہیں جو ۱۸۶۶ء میں پروشیا کے خلاف لڑی تھیں، اب اس کی وفادار رہیں اور نپولین کو معلوم ہوگیا کہ اسے پروشیا سے نہیں بلکہ (بہ استثنائے آسٹریا) پوری جرمن قوم سے لڑنا پڑے گا۔ آسٹریا بھی غیر جانب دار رہی۔ بس پروشیا پر چڑھ دوڑنے کی بجائے نپولین کو اپنا ہی ملک بچانا پڑ گیا اور اس میں بھی وہ ناکام رہا۔ بادشاہی حکومت رشوت و تخویف کی بنیادوں پر قائم تھی اور ثابت ہوا کہ اس نے فرانس کی جنگی قوت کا اندر ہی اندر ستیاناس کر دیا تھا۔ اُدھر جرمن سپاہ کو شاہ ولیم اور مولٹکے جیسے اعلیٰ درجے کے سپہ سالار ملے۔ انھوں نے فتح پہ فتح حاصل کی اور بالآخر شہنشاہ فرانس کو سیڈان میں ہتھیار ڈال دینے پڑے۔ اس پر اہل فرانس نے جمہوری حکومت کا اعلان کیا مگر اس سے جرمن سیلاب بڑھنے سے نہ رکا۔ میٹز تسخیر ہوگیا پیرس محصور اور چار ماہ سے کچھ زیادہ مدت کے بعد اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہوا۔ ایسی زبردست فتح جس میں آسٹریا کے باہر تمام جرمن قوم نے صدیوں کے بعد پہلی مرتبہ متحد ہو کر جنگ کی تھی، اس اتحاد قومی کی تکمیل کا بہترین موقع تھی جو بتدریج معرضِ وجود میں آیا تھا۔ چنانچہ دوسرے روسا کی درخواست پر شاہ ولیم نے شہنشاہِ جرمانیہ کا لقب اختیار کیا اور جرمن شیرازہ بندی "شہنشاہی جرمانیہ" کی شکل میں تبدیل ہوگئی۔ اسی کے ساتھ فرانس کو مجبور کیا گیا کہ الساس و لورین کے قدیم جرمن اضلاع[1] واپس دے اور بیس کروڑ اشرفی کا تاوانِ جنگ ادا کرے۔

جنگ کے دوران میں اطالیہ والوں نے فرانس کو کمزور پا کر شہر رومہ پر قبضہ کر لیا اور آیندہ سے وہی متحدہ اطالیہ کا پایۂ تخت قرار پایا۔ پاپا کی دنیوی حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا، جرمانیہ کی طرح اطالیہ کا اتحاد بھی زمانۂ جدید کی تاریخ یورپ میں یقیناً دو سب سے اہم واقعات ہیں کہ ان سے برّاعظم کی سیاسیات کا رنگ بالکل بدل گیا۔ جنگ کے زمانے میں بلجیم کی حفاظت، جس کی ۱۸۳۹ء میں ضمانت کی گئی تھی، سخت خطرے میں نظر آتی تھی لیکن گلیڈسٹون کی وزارت نے شدومد سے یقین دلایا کہ

[1] ان اضلاع کو جرمن کہنا غلط ہے۔

برطانیہ اس میں خلل نہ آنے دے گی اور متخاصمین سے باقاعدہ اعلان کرالیا کہ وہ اس ملک کی غیر جانب داری میں کوئی فتور نہ آنے دیں گے۔ البتہ روسیوں نے بحرا سود کی غیر مصافی نوعیت کو بدلنے کا اعلان کیا تو گلیڈ اسٹون اس کو نہ روک سکا! (دیکھو صفحہ ۵۹۱)۔

بین الاقوامی سکہ

جنگ ہی کے سلسلے میں ایک مالی تغیر پیدا اور آیندہ اہم نتائج پر منتج ہوا۔ قرن ہائے دراز سے متمدن دنیا کی تجارت سونے چاندی سے ہوتی رہی تھی۔ بعض قومیں اپنا معیار چاندی کو، بعض سونے کو اور بعض دونوں کو قرار دیتی تھیں۔ مثلاً برطانیہ میں سونے کا معیار ۱۸۱۶ء سے قائم تھا اور چاندی کے سکے محض قانونی قیمت رکھتے تھے۔ فرانس میں ۱۸۰۳ء سے دونوں دھاتیں معیاری تھیں اور جرمانیہ میں چاندی کا رواج تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ چاندی اور سونے دونوں کی قوت خرید میں عملاً ایک توازن رہتا تھا۔ ۱۸۷۲ء میں جرمنوں نے فرانس کے زرتاوان سے فائدہ اٹھا کر سونے کا سکہ جاری اور سونے کو اپنا معیار زر قرار دیا۔ ۱۸۷۳ء سے فرانس نے بھی چاندی سونے دونوں کی بے روک ٹکسیک چھوڑ کر صرف سونے کا سکہ ڈھالنا شروع کیا۔ ان حالات نے سونے کی مانگ کو بڑھایا اور چاندی کی مانگ گر گئی۔ اب سونے کے معاوضے میں مال یا جنس کی مقدار بھی زیادہ دی جانے لگی جس کے معنی یہ ہوئے کہ اشیا کا نرخ کم ہو گیا۔ جن لوگوں کی آمدنیاں معین تھیں یا جنھیں سونے کے سکے میں سود ملتا تھا' ان کے لئے تو یہ ارزانی بہت اچھی رہی مگر کارخانہ داروں کو سخت پریشانی ہوئی کیونکہ جن ملکوں میں چاندی کا چلن تھا' وہاں انھیں اپنے مال کی (چاندی میں) قیمت بڑھانی پڑی تاکہ وطن کے اندر سونا لینے میں جو زیادہ چاندی دینی پڑتی تھی' اس کی تلافی ہو جائے۔ دوسرا سبب یہ کہ ہندوستان وغیرہ جن ملکوں میں چاندی کا رواج تھا' وہاں کے تاجر ملکی پیداوار کو اب سونے کے حساب سے زیادہ ارزاں فروخت کر سکتے تھے اور اس لئے ان کا مال خود انگلستان یا دوسرے ملکوں میں برطانی اشیا سے زیادہ سستا بک سکتا تھا۔ اس دشواری میں اور بھی اضافہ اس لئے ہو گیا کہ انہی دنوں آسٹریلیا اور امریکہ میں چند بڑی بڑی چاندی کی کانیں نکل آئیں اور ظاہر ہے کہ اس نے چاندی کو اور بھی سستا کر دیا۔ غرض سونے کے مقابلے میں چاندی کی

یہ ارزانی سخت پیچیدہ معاملہ بن گئی اس کا ہندوستان، چین، جاپان اور ممالک یورپ کے تجارتی تعلقات پر بہت اثر پڑنے لگا اور اس مسئلے کو حل کرنا بھی زمانۂ حاضرہ کے سب سے ضروری مسائل میں داخل ہو گیا۔

ڈزرائیلی کی دوسری وزارت

گلیڈاسٹون کی پنج سالہ وزارت میں قوم کا جوشِ اصلاحات گویا خرچ ہو چکا تھا اور ڈزرائیلی کے زمانے میں ملکی قوانین کا کچھ زیادہ کام نہ ہوا۔ ۱۸۷۵ء میں ایک قانون مساکنِ اہلِ حرفہ منظور ہوا۔ خود اس قانون سے حالات میں کوئی بڑا تغیر نہیں ہوا مگر زمانۂ حاضرہ کے وضعِ قوانین میں اہلِ حرفہ کی معاشرت کی اصلاح کو نمایاں دخل نظر آتا ہے اور چونکہ قانونِ مذکور اسی قسم کے سلسلۂ قوانین کی ابتدا تھا لہٰذا اسے خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسے ۱۸۷۱ء اور ۱۸۷۶ء کے قوانین سے ملا کر دیکھنا چاہیئے جن کی بدولت اُس پرانے قانون کی کامل تنسیخ عمل میں آئی جس نے اہلِ حرفہ کی جماعت بندی کو بطور خود خلافِ قانون قرار دے رکھا تھا۔ ۱۸۷۵ء میں زمیندار اور کاشتکار کے تعلقات کی اصلاح کی غرض سے ایک اور قابلِ ذکر کارروائی یہ کی گئی کہ یہ امر انہی دونوں کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا کہ اگر وہ جدید ضابطے کی پابندی گوارا کریں تو کاشتکار کو آیندہ یہ حق حاصل ہو کہ زمین چھوڑتے وقت اُن ترقیوں کا بھی معاوضہ حاصل کرے جن کا فائدہ آیندہ ظاہر ہونے والا ہو۔ یہ قاعدہ وقتی اور اختیاری تھا لیکن آیندہ تبدیلیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

مسئلۂ شرقیہ

اس عہد میں دلچسپی کا اصلی مرکز معاملاتِ خارجہ بنے رہے۔ ۱۸۷۵ء میں یورپی ترکی کے صوبۂ ہرزیگووینیا کی مسیحی رعایا نے بغاوت کی۔ اس سے تمام سلطنت عثمانیہ میں ہیجان برپا ہو گیا اور صاف نظر آنے لگا کہ اگر ترکوں نے اصلاحات کے مطالبوں کو جو عیسائی پیش کر رہے تھے، جلد قبول نہ کر لیا تو ہر جگہ فساد ہو جائے گا اور سرویا، رومانیا، جبل اسود کے آزادی یافتہ علاقے بلکہ شاید خود روس، باغیوں کی پشت پناہی کرے گا۔ برطانیہ کے لئے مشکل یہ تھی کہ ترکی پر روسیوں کو

باب ہشتم

آزادی دیے بغیر دباؤ ڈالنا ممکن نہ تھا اور روسیوں کو آزادی عمل دینے میں اندیشہ تھا کہ کہیں سلطنت ترکی کا بالکل خاتمہ اور استنبول میں روسیوں کا تسلط نہ ہوجائے۔ برخلاف اس کے روسیوں کو روکے رکھنے کے معنی یہ تھے کہ گویا ترکوں کی ناقص حکومت سے بظاہر چشم پوشی اور رعایت کی جارہی ہے۔ اوّل اوّل بہترین صورت یہ نظر آتی تھی کہ تمام بڑی طاقتیں مل کر ترکوں سے جبراً اصلاحات کرائیں۔ مگر ۱۸۷۶ء میں جب ان طاقتوں کی طرف سے موعودہ اصلاحات پر زور دینے کے لیے وہ تحریر جسے یادداشت برلن کہتے ہیں ترکی کو پیش کی گئی تو ڈزرائیلی نے تائید سے انکار کیا اور اس طرح برطانیہ کی آزادی عمل محفوظ رہی۔ قریب قریب انھی دنوں ترکوں کی اس وحشیانہ سفاکی سے جو بلغاریہ کے مسیحی باغیوں کی سرکوبی میں انھوں نے دکھائی تھی، غیظ و غضب کی ایک لہر سارے یورپ میں دوڑ گئی[1] اس سے ایک تو روسیوں کو آزادانہ کوئی کارروائی کرنے سے باز رکھنا اور بھی مشکل ہوگیا اور دوسرے خود کوئی مصالحانہ کارروائی میں بھی ترکوں کی بیجا پاسداری کے الزام کا اندیشہ قوی نظر آنے لگا۔ غالباً سب سے بہتر تدبیر یہ ہوتی کہ ایک مسلح جمعیت استنبول میں اتار دی جاتی کہ روسیوں کے متوقع حملے سے پہلے ترکوں کو اصلاحات پر مجبور کرے۔ لیکن اس کی بجائے ڈزرائیلی نے اسی مشترکہ کارروائی کی تجویز پر رجوع کیا جسے پہلے مسترد کرچکا تھا اور استنبول میں ایک مجلس مشاورۃ منعقد ہوئی کہ ترکوں سے اصلاحات کا تقاضا کرے۔ سلطان بھی بظاہر ان تجاویز کو مان گیا اور اپنی رعایا کے واسطے مجلسی دستور بھی عطا کردیا لیکن حقیقت میں وہ ان میں سے کسی چیز پر عمل کرنا نہ چاہتا تھا۔

گلیڈاسٹون کی شورش۔ مشرقی نصاریٰ کے معاملے سے گلیڈاسٹون کو ہمیشہ سے بہت دلچسپی رہی تھی۔ ان کی حمایت کے اس موقع نے اسے ڈزرائیلی کی وزارت کے خلاف میدان میں لا کھڑا کیا

[1] تعجب یہ ہے کہ فاضل مؤلف نے اس سفاکی یا وحشت کا آیندہ کوئی ذکر کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا ہے جو چین یا سوڈان میں یورپ کے انھی مہذبوں کی طرف سے ظہور میں آئی۔ مترجم۔

حالانکہ ایک سال سے کچھ ہی زیادہ زمانہ گزرا تھا جب کہ وہ سیاسیات سے کنارہ کش اور آزاد خیال فرقے کی سرگروہی سے علیحدہ ہونے کا قصد ظاہر کر چکا تھا۔ مگر ستمبر ۱۸۷۶ء میں پھر پیش پیش ہو گیا اور بلیک ہیتھ کے ایک بہت بڑے جلسے میں اس نے اپنی پوری طاقت لسانی ترکوں کی مذمت میں خرچ کر دی اور ترکی کے مسیحی صوبوں کو اندرونی آزادی دلوانے کی وکالت کی۔ اس سے قبل گلیڈ اسٹون کا اثر بیشتر پارلیمنٹ کے اندر کام میں آتا تھا مگر اب وہ عوام کے خطیب کی حیثیت سے میدان میں آیا اور لوگوں کو غالباً پہلی دفعہ اندازہ ہوا کہ اس کی شخصیت اور جادو بیانی اپنے ہم وطنوں کے گروہ کثیر پر کس قدر غیر معمولی اثر رکھتی ہے ؛

ادھر زیادہ تر روس کے فوجی سرداروں کی رفاقت و پشت پناہی سے سرویا اور جبل اسود والوں نے ترکی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا (جون ۱۸۷۶ء) جس سے ڈزرائیلی کی مشکلات اور بڑھ گئیں۔ لیکن ترک اعلیٰ درجے کے سپاہی ہوتے ہیں۔ انھیں باغیوں کو کھلے میدان میں شکست دینے میں کوئی دقت نہ ہوئی مگر ان کی فتوحات سے روسیوں کو اور بھی غصہ آیا اور زار پر زور ڈالا گیا کہ ترکوں کے خلاف مذہبی جنگ شروع کرے۔ چنانچہ روسی سپاہ تیار کر کے ترکوں سے درخواست کی گئی کہ باغیوں سے لڑائی روک دی جائے۔ ترکوں نے اسے مان لیا اور اسی مہلت میں استنبول کی مجلس مشاورت ہوئی۔ چونکہ مجلس سے کوئی فائدہ مترتب نہ ہوا، لہذا اپریل ۱۸۷۷ء میں روسی لشکروں نے پرتھ کو عبور کیا اور رومانیا سے گزر کر ترکی پر

جنگ روس و ترکی

حملہ آور ہوئے۔ کچھ مدت تک ترکوں نے روسی پیش قدمی کو خصوصاً پلونا کے دمدموں پر، روک لیا لیکن دسمبر میں پلونا کی تسخیر کے ساتھ روسی بلقان میں پھیل گئے اور خود استنبول خطرے میں پڑ گیا۔ ڈزرائیلی نے (جواب لارڈ بیکنس فیلڈ ہو گیا تھا) اسے بہت ضروری سمجھا اور برطانی بیڑا استنبول بھیج دیا اگرچہ خود اس کے دو وزیر (ڈربی اور کارنارون) مستعفی ہو گئے اور گلیڈ اسٹون برابر چیخ پکار مچاتا رہا۔ ساتھ ہی برطانیہ کی فوج محفوظ طلب کی گئی اور ایک ہندوستانی فوج مالٹا بلا لی گئی۔ اس اثنا میں روسی ترکوں سے جبراً سین سٹی فانو کے معاہدے پر

باب ہشتم

دستخط کرا چکے تھے جن کی اہم شرطیں یہ تھیں کہ بلغاریا کو اندرونی آزادی دے کر بحیرۂ ایجین پر بھی کچھ علاقہ دیا جائے اور خود روسیوں کو ایشیائی ترکی کا ایک بڑا ٹکڑا حوالے کیا جائے۔ بیکنس فیلڈ پہلی شرط کے معنی یہ سمجھتا تھا کہ بلغاریا کو جو عملاً روسیوں کا صوبہ ہوگی استنبول اور یورپی ترکی کے بیچ میں ایک سدراہ کے طور پر قائم کر دینا منظور ہے اور اسے وہ گوارا نہ کر سکتا تھا۔ لہذا پارلیمنٹ میں فریق اختلاف کے احتجاج اور باہر گلیڈسٹون کی شورش کے باوجود وہ جنگی تیاریاں کئے گیا اور روسیوں کو بھی جب معلوم ہوا کہ برطانیہ واقع میں لڑنے پر تیار ہے تو وہ مذکورہ عہدنامے کو ممالک یورپ کی ایک موتمر میں پیش کرنے پر رضامند ہو گئے لیکن موتمر میں آنے سے قبل ہی وہ برطانیہ سے اقرار کر چکے تھے کہ "بلغاریا کبیر" کا خیال چھوڑ دیں گے اور اس کی بجائے علاقۂ مذکور کے دو حصے بنا دیے جائیں گے جن میں سے ایک بالکل اور دوسرا جزءً سلطان کی حکومت سے آزاد ہوگا۔ سرویا اور رومانیا بالکل خودمختار کر دیے جائیں گے۔ روس کو قارص اور باطوم مل جائے گا گو وہ باطوم کی قلعہ بندی نہ کر سکے گا۔ ترکی بلاتاخیر وہ اصلاحات نافذ کر دے گی جس سے ارمینیا کی حکومت درست ہو جائے۔ چنانچہ صلح نامۂ برلن کا لب لباب بھی یہی دفعات تھیں اور اس صلح نامے کو طے کرنے کی غرض سے خود لارڈ بیکنس فیلڈ اور سالسبری برلن گئے اور مرتب ہونے کے بعد واپس آئے تو اسے بیکنس فیلڈ نے "عزت کی صلح" کے نام سے پیش کیا۔ حقیقت میں اس معاہدے نے بڑا کام کیا کہ یورپی ترکی کے سب سے بڑے مسیحی علاقوں کو آزادی دلوائی اور ساتھ ہی روس کو استنبول پر متصرف ہو جانے سے روک دیا۔ صلح نامے کی بعد کی تاریخ نے فریقین کی بہت سی امیدوں اور اندیشوں کو باطل ثابت کیا۔ آزاد صوبے روس کے اس قدر حلقہ بگوش نہ نکلے جتنی زار کو توقع اور بیکنس فیلڈ کو خوف تھا۔ اور ۱۸۸۵ء میں بلغاریا کے دونوں حصے برطانیہ کی عین رضامندی سے عملاً متحد ہو گئے۔ باطوم کو روسیوں نے قلعہ بند کر لیا اور ترکوں نے اب تک (یعنی تالیف کتاب کے وقت تک) ارمینیا میں موعودہ اصلاحات نافذ نہیں کیں۔

قبرس پر انگریزوں کا قبضہ

برلن کی موتمر منعقد ہونے سے کچھ ہی پہلے

انگریزوں نے ترکی سے ایک عہدنامہ کرلیا کہ انھیں قبرس پر قبضے اور انتظام کی اجازت ہوگی اور اس کے عوض میں وہ باب عالی کے ایشیائی مقبوضات کی سلامتی کے ضامن ہوں گے۔

بیکنس فیلڈ کی حکومت نے روس کی یورپ میں پیش قدمی روکی تو اس کی طرف سے قدرتی طور پر اس کا جواب ایشیا میں ملا جہاں روسیوں کو فرماں روائے

افغانستان

افغانستان سے دوستانہ تعلقات بڑھا کر ہندوستان کی انگریزی سلطنت پر زد ڈالنا کچھ دشوار نہ تھا۔ چنانچہ ۱۸۷۸ء کی گرمیوں میں امیر کو روسی سفیر کے باریاب کرنے پر آمادہ کرلیا گیا۔ اس خبر سے ہندوستان میں یہ افواہ پھیل جانی یقینی تھی کہ روس و کابل میں اتحاد ہوگیا۔ نظر بر ایں بیکنس فیلڈ کے وائسرائے (لارڈ لٹن) کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ امیر برطانی سفارت کو بھی باریاب کرے۔ مگر یہ سفارت سرحد پر روک دی گئی اور حکومت ہندوستان نے فوراً افغانستان پر فوج کشی کا حکم دے دیا۔ لڑائی میں کچھ زحمت پیش نہ آئی۔ امیر کابل بھاگ گیا اور تھوڑے دن بعد وفات پائی۔ تب انگریزوں نے یعقوب خاں کو امیر بنایا اور عہدنامہ گندمک کرکے اس سے اقرار لیا کہ ساٹھ ہزار پاؤنڈ سالانہ لینے کے عوض میں وہ انگریز سفیر کو کابل میں رہنے کی اجازت دے گا اور قرم پشین اور سیبی کی وادیاں جن کا رخ وادی سندھ کی طرف کھلتا تھا، انگریزوں کے حوالے کردے گا۔ افسوس ہے کہ اس مرتبہ بھی افغانیوں نے برطانی قائم مقام کے مقرر کیے جانے کی تجویز سے وہی شدید عداوت دکھائی جیسی ۱۸۴۱ء میں دکھا چکے تھے اور ستمبر ۱۸۷۹ء میں برطانی سفیر سر لوئی کیوگ ناری ایک عام بلوے میں جان سے مارا گیا۔ تب دوبارہ فوج کشی عمل میں آئی اور جیسا کہ آگے آتا ہے شہر کابل کی تسخیر کے بعد یعقوب خاں کو ہندوستان میں نظربند کردیا گیا۔

جنوبی افریقہ

افغانستان کی لڑائیوں کے ساتھ ساتھ ہم جنوبی افریقہ میں بھی جنگ و جدال میں مصروف تھے۔ جب سے راس امید پر قبضہ ہوا اس وقت سے پرانے ولندیز آبادکاروں اور دیسی باشندوں سے برابر ہمارے جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔ ولندیز آبادکار یا بوئر

باب ہشتم

برطانی آبادکاروں کے طور طریق پسند نہ کرتے تھے اور اس بات سے بھی بگڑتے تھے کہ حکومت اُن کے دیسی نوکروں کے معاملات میں تعرض کرتی تھی۔ اسی بنا پر ۱۸۳۶ء میں ولندیزوں کا ایک گروہ راس کی نوآبادی چھوڑ کر شمال کے علاقے نٹال میں بس گیا تھا مگر یہاں بھی وہ زیادہ دن آزاد نہ رہنے پائے اور ۱۸۴۲ء میں انگریزوں کے ماتحت کر لیے گئے۔ انگریزوں کے روزافزوں تعداد میں آنے کی بھی انھیں سخت خلش تھی لہذا ایک اور بوئر گروہ نے ترک وطن کر کے "اورینج فری اسٹیٹ" کا علاقہ آباد کیا۔ ۱۸۴۸ء میں انگریزوں نے اس کا بھی الحاق کر لیا تھا مگر پھر یہ سوچ کر کہ ایک ریاست کو بالکل ولندیزوں ہی کے اختیار میں چھوڑ دینا بہتر ہوگا، وہاں سے برطانی تسلط اٹھا لیا گیا (۱۸۵۳ء)۔ بر ایں ہمہ ۱۸۶۱ء میں بوئروں کی ایک اور جماعت دیسی علاقے میں اور آگے تک چلی گئی اور ٹرانس وال کی نوآبادی بسائی اور یہ بھی ۱۸۷۶ء تک خودمختار رہی۔ لیکن کسی فرنگی نوآبادی کے اس طرح پھیلنے کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اگر وہاں کے دیسی باشندوں میں مزاحمت کی کچھ بھی طاقت ہے تو جنگ و جدل کی نوبت آئے۔ چنانچہ ۱۸۳۵ء اور ۱۸۵۳ء میں قوم کافر سے لڑائیاں ہوئیں اور بہ مشکل اُن کو مغلوب کیا گیا۔ ۱۸۷۶ء میں اس سے بھی زبردست خطرہ انگریزوں اور ولندیزوں دونوں کو یہ لاحق ہوا کہ زولو قوم نے فروغ حاصل کیا۔ یہ جنگ جو قوم غالباً افریقہ کی سب قوموں سے فائق تھی اور انھیں ایک شخص چکا اور اس کے بیٹے سیت وایو نے ایسے جنگی اصول پر منظم کیا تھا کہ ان کے سب ہمسائے خوف زدہ ہو گئے۔ اسی کا اثر تھا کہ ۱۸۷۶ء میں بہت سے ٹرانسوال کے بوئر از خود برطانی اقتدار میں آنے پر آمادہ تھے۔ یہ بھی یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ اگر سیت وایو کو دیسی ریاستوں سے لڑنے اور انھی کو زیر کرنے دیا جاتا تو وہ اس صورت میں فرنگیوں سے خود کوئی چھیڑ بھی کرتا، لیکن انگریز صدر ناظم سر بارٹل فریر کا خیال دوسرا تھا اور ۱۸۷۹ء میں مصمم ارادہ کر لیا گیا کہ سیت وایو پر حملہ کر کے اس کی جنگی سطوت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ حملے کا انتظام بہت ناقص ہوا اور انگریزوں کو اسن ڈھل وانا میں سخت ہزیمت نصیب ہوئی اگرچہ ایک چوکی (Rorake's Drift) پر مٹھی بھر سپاہی پوری زولو سپاہ کے مقابلے میں ڈٹے رہے اور اس دلاوری نے

انگریزوں کی ذلت کی فی الجملہ تلافی کر دی۔ پھر بڑا بھاری لشکر تیار کر کے سیت والیو کو آلنڈی میں شکست اور بالآخر قید کر لیا گیا۔ اور زولو قوم کی قوت قطعی طور پر توڑ دی گئی۔ زولوؤں کا خطرہ دور ہوتے دیر نہ ہوئی تھی کہ ٹرانسوال کے بوئروں نے پھر خود مختار ہونا چاہا اور گلیڈاسٹون وغیرہ آزاد خیال فرقے کے بعض افراد نے بھی ان کے دعاوی کو جائز سمجھا۔

گلیڈاسٹون کی دوسری وزارت

خاص برطانیہ میں بیکنس فیلڈ کے آخری سنین حکومت صناعت و زراعت دونوں اعتبار سے سخت کساد بازاری کے سال تھے۔ اس کے بہت سے اسباب تھے جن کا اثر ابھی تک پورا ظاہر نہیں ہوا ہے۔ ان میں سب سے اہم یہ ہیں: (۱) غلہ، اون وغیرہ خام اشیا میں نو آبادیوں اور ممالک خارجہ کا تجارتی مقابلہ، جس کی تیز ترقی سے برطانی پیداواروں کی قیمت اس قدر کم ہو گئی کہ کوب ڈن وغیرہ بے قید تجارت کے سربرآوردہ حامیوں کے خیال میں بھی نہ ہو گی۔ (۲) ممالک خارجہ کی صنعتی ترقی کہ برطانیہ کے سوا ہر ملک اپنی صنعتوں کی حفاظت میں بیرونی درآمد کو روکتا تھا اور جب اپنی صنعت کو کافی فروغ ہو جاتا تو گھر کی ضرورتیں پوری کرنے کے دوسری منڈیوں میں انگریزوں سے مقابلہ کرتا تھا۔ (۳) سکے کے انتظام میں وہ خلل جو ۱۸۷۳ء سے شروع ہوا اور جاپان جیسے چاندی استعمال کرنے والے تجارتی حریف ہر جگہ بہت فائدے میں رہے۔

بہر حال، تجارت کی اسی پستی اور بیکنس فیلڈ کی خارجہ حکمت عملی کی بعض قابل گرفت کمزوریوں پر گلیڈاسٹون کو حکومت پر اعتراض کا موقع ملا اور اسکاٹ لینڈ کی اُن تقریروں میں، جو "مڈلوتھین کی گشت" کہلاتی ہیں، اس نے ان اسقام کو بیان کرنے میں حیرت انگیز مستعدی اور پوری فصاحت صرف کر دی چنانچہ ۱۸۸۰ء کے عام انتخاب میں وہ ہر جگہ کامیاب ہوا اور ۲۴۳ قدامت پسند، ۶۰ آئرستانی آزادی کے حامیوں کے مقابلے میں ۳۴۹ آزاد خیال منتخب ہوئے۔ گلیڈاسٹون دوبارہ وزیر اعظم۔ گرین ویل، وزیر خارجہ۔ ہارکورٹ، وزیر داخلہ۔ ہارٹنگٹن، وزیر ہند۔ جون برائٹ امارت لنکاسٹر کا صدر المہام اور فورسٹر آئرستان کا صدر معتمد بنائے گئے۔ جوزف چیمبرلین برمنگھم کی بلدی حکومت

کے عمدہ انتظامات کے سلسلے میں بڑی شہرت پا چکا تھا۔ وہ شعبۂ تجارت کا صدر بنایا گیا۔ مگر گلیڈسٹون نے سب سے پہلے معاملاتِ خارجہ پر اپنی توجہ مبذول کی۔

ترکی

اس کا منشا یہ تھا کہ جہاں تک ہو سکے بیکنس فیلڈ کی حکمت عملی کو الٹ دے۔ ترکوں نے اپنی عداوت کا ثبوت اُس سے یہ دیا کہ یورپ کی بڑی طاقتوں کو ترغیب دے کر فوجی دباؤ ڈالا اور ڈلسینیکو کو جبل اسود والوں کے حوالے کرایا۔ یونان کو بھی کچھ علاقہ دلوایا کہ ان کی سرحد پہلے سے بہتر ہو جائے۔ لیکن صلح نامہ برلن میں آرمینیا کے لیے جن اصلاحات کی شرط لکھوائی گئی تھی، ان پر اس نے کوئی زور نہیں دیا۔ افغانستان کے معاملات میں دخل دینے سے وہ باز رہنے کا قصد رکھتا تھا مگر افغانیوں کی سرگرمی کے باعث جنگی کارروائیاں زیادہ عرصے تک جاری رہیں۔ ایک برطانی لشکر کو میوند پر شکست ہوئی بارے جنرل روبرٹس کی کابل سے قندھار پر یلغار اور پیرپائمال پر فتح سے ہماری جنگی سطوت دوبارہ قائم ہو گئی اور آخرکار عبدالرحمن خاں کو افغانستان کا بلا شرکت فرماں روا تسلیم کر لیا اور قندھار حوالے کر دیا گیا۔ اس کے بعد انگریز ملک کو خالی کر کے چلے آئے اور اس وقت سے افغانی حکومت کے ساتھ بہترین تعلقات رکھتے ہیں۔

ٹرنسوال

اس عرصے میں جنوبی افریقہ میں جنگ چھڑ گئی۔ بوئروں کو یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ گلیڈسٹون نے وزیر اعظم ہو کر بھی انھیں فوراً آزادی نہیں دی اور وہ بغاوت پر تیار ہو گئے۔ باغیوں نے نٹال کی نوآبادی پر حملہ کیا۔ انگریزی فوج انھیں اپنے مقامات سے ہٹانے میں ناکام و ناکافی ثابت ہوئی۔ اور بے قاعدہ جنگ میں جو عملی قابلیت بوئروں نے دکھائی اس کے مقابلے میں انگریزی سپاہیوں کو بہت بے ڈھنگے پن سے لڑایا گیا۔ جابہ جا زک کھانے کے بعد انگریز سپہ سالار سر جارج کولی مارا گیا اور انگریزی فوج کا ایک دستہ مجوبا ہل کے مقام پر کاٹ ڈالا گیا۔ اب گلیڈسٹون کو بھی اچھی طرح یقین آگیا کہ بوئر حق پر ہیں اور ہر چند ایک زبردست لشکر مہیا کر لیا گیا تھا، تاہم اس نے ان کا آزادی کا مطالبہ مان لیا اور ٹرنسوال پر صرف

برائے نام سیادت قائم رکھی ؛

آئرستان

دارالعوام میں آئرستان کی حکومتِ خود اختیاری کے ساتھ حامیوں کے مبعوث منتخب ہو جانے سے اس ملک کی تاریخ میں ایک نیا باب شروع ہوا۔ گلیڈاسٹون کی سابقہ اصلاحات کے باوجود وہاں بہت کچھ ناراضی موجود تھی۔ اس نے دو پیرائے اختیار کئے۔ اوّل تو آئرستانی قومیت کا وہ جذبہ پھر تازہ ہوا جس نے آئرستان و برطانیہ کے مجلسی اتحاد کو ہمیشہ بُرا سمجھا تھا۔ دوسرے مزارعین کو شکایتیں پیدا ہوئیں ان کی تہ میں اصلی سبب وہی تھا کہ سونے کی قیمت میں زرعی اجناس کا نرخ گر گیا۔ اسی سے انگلستان میں تجارت کو نقصان پہنچا اور کاشتکاروں کو لگان ادا کرنا زیادہ دشوار ہونے لگا۔ اس سے بے دخلیوں کی نوبت پہنچی۔ اور چونکہ گلیڈاسٹون کے قانون مجریہ ۱۸۸۱ء میں صراحۃً اُن کاشتکاروں کو معاوضے سے محروم کر دیا گیا تھا جو لگان ادا نہ کرنے کے سلسلے میں ہنگامہ کریں۔ لہٰذا بڑی مصیبت پیش آئی۔ چونکہ کثرت سے بے دخلیاں ہوئی تھیں اس لئے حسب معمول آئرستان میں کاشتکار مشتعل ہو کر جرائم کا ارتکاب کرنے لگے ؛

وطنیت کی شورش تازہ ہوئی تو اس نے حکومت خود اختیاری یا ویس راج (= ہوم رُول) کے مطالبے کی صورت اختیار کی جس کا منشا یہ تھا کہ آئرستان کے اندرونی معاملات طے کرنے کی غرض سے خود آئرستان میں ایک ماتحت پارلیمنٹ قائم کر دی جائے لیکن وسیع تر مسائل سلطنت برطانی پارلیمنٹ میں طے ہوا کریں۔ وطنیت کے جذبات کے علاوہ، جن کا اس صدی میں تمام یورپ کی سیاسیات میں بہت بڑا حصہ رہا، مذکورۂ بالا مطالبہ پیدا ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لوگ حکومت کی اس درجہ مرکزیت سے تنگ دل تھے جیسا کہ بڑی اور پھیلی ہوئی سلطنتوں میں ہمیشہ ہوا کرتا ہے۔ مگر خود انگلستان والوں کو ویس راج منظور کرنا محال نظر آتا تھا جس کی وجوہ حسب ذیل تھیں: (۱) اگر آئرستان میں ایسی مقامی حکومت قائم ہوئی تو یہ آئندہ کامل آزادی کے مطالبے کا پیش خیمہ ہوگی۔ (۲) جب تک انگلستان کے نظام حکومت میں کامل تغیر نہ کر دیا جائے۔ اس وقت تک ایسی مقامی حکومت

کی تشکیل جس میں برطانیہ اور آئرستان دونوں کے حقوق پوری طرح محفوظ رہیں ممکن نہیں۔ اور (۳) آئرستان کی آبادی کا حصۂ کثیر ایسی تبدیلی کے بالکل خلاف ہے۔ سالہا سال تک یہ اعتراض برطانیہ کے جملہ سیاسی فریقوں کی نظر میں ناقابلِ جواب سمجھے جاتے تھے۔

انجمن حکومت ملکی جو بعد میں "ہوم رول لیگ" کہلائی سنہ ۱۸۷۰ء میں قائم ہوئی تھی۔ سنہ ۱۸۷۴ء کے انتخابات میں اس نے ۵۹ مبعوث دارالعوام کے لئے منتخب کرا دیے۔ پہلے آئزک بٹ اور پھر شا ان کا سرگروہ تھا مگر ان دنوں اس تحریک کو جس نظر سے دیکھا جاتا تھا اس کا ان واقعات سے بخوبی اندازہ ہوگا کہ سنہ ۱۸۷۶ء میں بٹ نے اسے پارلیمنٹ میں پیش کیا تو ۶۱ کے مقابلے میں ۲۹۱ آرا سے۔ اور سنہ ۱۸۸۰ء میں شا نے پیش کیا تو ۶۷ کے مقابلے میں ۴۱۷ آرا سے تحریک نامنظور کر دی گئی۔ البتہ سنہ ۱۸۷۷ء میں طالبان خود اختیاری کے ایک نوجوان فرد سی ایس پارنیل نے اس سلسلے میں ایک نئی تدبیر یہ ایجاد کی کہ بجائے رفاقت کے "رکاوٹ ڈالنے" کا طریقہ اختیار کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ پارلیمنٹ کو کام کرنا اتنا دشوار کر دیا جائے کہ آزاد خیال یا قدامت پسند کوئی نہ کوئی فرقہ مجبوراً "خود اختیاریوں" سے مصالحت کرے اور اس طرح ان کے شرائط قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اس طریقے کا سدباب کرنے کی غرض سے مباحثے کے سخت سخت قواعد و ضوابط بنائے گئے بایں ہمہ یہ لوگ اپنی روش پر قائم رہے۔ اس نے انھیں انگلستان میں سخت قابلِ نفرت بنا دیا مگر خود اپنے ملک میں ان کی ہر دلعزیزی اور وقعت یقینی بڑھ گئی۔

اب تک اس تحریک کی کمزوری یہ تھی کہ اس کا اثر صرف شہروں میں تھا اور مزارعین کچھ زیادہ تائید نہ کرتے تھے۔ مگر سنہ ۱۸۷۹ء میں مائیکل ڈے وٹ نے اس کی اصلاح کا راستہ نکالا۔ وہ دیس راجیوں (ہوم رولرز) میں شامل، گو پارلیمنٹ کا مبعوث نہ تھا۔ آئرستان میں ان دنوں بڑی پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ اجناس کا نرخ برابر گرتا گیا جس سے لگان ادا کرنا دشوار تر ہو گیا اور ادھر آلو کی فصل بعض مقامات پر خراب ہو گئی اور چند اضلاع قحط کے سر پڑ گئے ڈے وٹ نے یہی موقع غنیمت سمجھ کر ایک "مجلس اراضی" قائم کی جس کا بڑا مقصد تو لگان کم کرانا تھا، لیکن اسی میں حکومت خود اختیاری کا مطالبہ بھی شامل کر کے اس نے

باب ہشتم

دونوں تحریکوں کو اتنا قوی کر دیا کہ وہ بطور خود نہ ہو سکتی تھیں۔ اس جد وجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۸۵ء کے انتخاب میں آئرستان سے ساٹھ مبعوث ایسے منتخب ہوئے جو صراحۃً پارنیل اور بگر کی تائید کا عہد و پیمان کر چکے تھے اور تلے ہوئے تھے کہ زرعی اصلاح اور حکومتِ خود اختیاری کے لئے ایک سازنہ زور دیں گے۔ آئرستانی معاملات کی یہ نئی شکل اس قدر قابل لحاظ تھی کہ ہیکنس فیلڈ نے انتخاب عام کے خطبے میں اس کو خاص طور سے جتایا اور گلیڈ اسٹون کو بھی معلوم ہو گیا کہ وزارت کو سب سے پہلے اسی ملک کے معاملات پر توجہ کرنی پڑے گی۔ اسی لئے اس نے آئرستان کا صدر معتمد فورسٹر کو مقرر کیا جو انگلستان کے اول درجے کے رجال سیاسی میں داخل تھا۔ اہلِ آئرستان سے اس کی یہ سفارش بھی کی گئی کہ وہ اپنی نوجوانی کے زمانے میں آئرستان کے قحط ۱۸۴۶ء کے زمانے میں قحط زدگان کی امداد کا کام کر چکا ہے۔

گلیڈ اسٹون کی آئرستانی حکمت عملی

کاشتکاروں کی شورش کی جڑ پر ضرب لگانے کی غرض سے حکومت نے گلیڈ اسٹون کے سابقہ قانون کی وہ دفعہ دو سال کے لئے معطل کرنے کی تحریک کی جس میں عدم ادائے مال کی بنا پر بے دخلی کی جاتی اور کاشتکار ہنگامہ کر بیٹا تو معاوضے سے محروم ہو جاتے تھے۔ لیکن دارالامرا میں یہ تحریک مسترد کر دی گئی۔ گلیڈ اسٹون اس تحریک کو قیامِ امن کے واسطے ضروری سمجھتا تھا بایں ہمہ اس کی منظوری پر اصرار کرنے کی بجائے وہ دارالامرا کی جھڑکی پر چپ ہو رہا اور چونکہ آئرستان کی شورش بڑھتی جاتی اور طرح طرح کی بدعنوانیاں ہو رہی تھیں، لہذا پارنیل وغیرہ بہت سے افراد پر بدامنی پھیلانے کا مقدمہ قائم ہوا۔ جوری کو اختلاف تھا اس لئے یہ لوگ سزا سے بچ گئے اور ان کی ہردلعزیزی بھی ملک میں اور بڑھ گئی۔

۱۸۸۱ء میں پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو ایک تازہ کارروائی کی گئی۔ گلیڈ اسٹون ۱۸۸۰ء میں ذرا تعلی سے کہہ چکا تھا کہ ہم قیامِ امن کے قانون کی تجدید نہیں کریں گے جو آئرستان کے (انگریزی) حکام کو مزید اختیارات دینے کی

غرض سے پچھلی پارلیمنٹ نے وضع کیا تھا۔ لیکن اب اسی نے حفظِ جان و مال کا ایک مسودۂ قانون پیش کیا جس کی رو سے ہے بیس کورس عملاً بیکار ہو جاتا تھا اور صدر معتمد کو اختیار دیا گیا تھا کہ جس شخص کی آزادی کو ملک کے امن کے واسطے مخدوش سمجھے اسے بلا عدالتی تحقیقات کے گرفتار و محبوس کرلے۔ ساتھ ہی ایک قانون اراضی نافذ کیا گیا کہ ایک آئرستان میں ایک خاص عدالت اراضی قائم کی جائے اور کاشتکار کی درخواست پر وہ کھیت کی مالگزاری خود مقرر کرے۔ لیکن عدالت جو لگان تجویز کرتی وہ اس قانون کی رو سے پندرہ سال تک نہ بدل سکتا تھا اور چونکہ اجناس کے نرخ برابر گر رہے تھے' اور مذکورۂ بالا تعین میں کسی تدریج و فرق کی گنجائش نہ رکھی گئی تھی' لہذا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ خود عدالت کے مقرر کئے ہوئے لگان سے ناراضی پیدا ہو۔ دوسرے اس قانون سے پرانے پٹہ دار فائدہ نہ اٹھا سکتے تھے حالانکہ ان کا لگان اس وقت مقرر ہوا جب اجناس کی قیمتیں گراں تھیں اور حقیقت میں سالانہ یا نئے کاشتکاروں کی نسبت زیادہ تکلیف انھی لوگوں کو تھی۔ اب دیس راجیوں کو اور موقع ملا کہ اپنے تازہ دیہاتی رفیقوں میں ہیجان پیدا کریں اور انھوں نے گلیڈاسٹون کے نئے قانون کی خوب دھجیاں اڑائیں۔ اس پر گلیڈاسٹون نے ان لوگوں کی سخت مذمت کی کہ یہ گروہ "قتل و غارت گری کے راستے سلطنت کے ٹکڑے کر دینے کے درپے ہے" اور یہ بھی سنا دیا کہ "تہذیب" کے انسدادی ذرائع ختم نہیں ہو گئے ہیں۔ پھر نئے قانون سے کام لیکر پارنیل' ڈلن اور دوسرے دیس راجیوں کو کل مین ہیم کے قید خانے میں ڈال دیا۔ جواب میں دیس راجیوں نے ایک اعلان شائع کیا کہ مالگزاری دینا بالکل بند کر دیا جائے۔ تب مجلس اراضی خلاف قانون اور مجرمانہ جماعت قرار دی گئی۔ مگر ۱۸۸۲ء میں گلیڈاسٹون نے پھر اپنا طریق عمل بدل دیا اور فورسٹر کی مخالفت کے باوجود پارنیل کو رہا کر دیا۔ یہ ٹھہرا گویا مقرر تھی کہ دیس راجی آئندہ فرقۂ آزاد خیال کی تجاویز کے موافق رائے دیا کریں گے۔ یہی قرارداد آگے چل کر معاہدۂ کل مین ہیم کہلائی۔ فورسٹر نے اس کو سراسر ناجائز قرار دیا اور حکومت سے علحدہ ہو کر سخت الفاظ میں پارنیل کو جرائم اور تشدد کا اصلی بانی ٹھیرایا۔ فورسٹر کے استعفیٰ

باب ہشتم

دیئے پر لارڈ اسپنسر آئرستان کا والی اور لارڈ کےون ڈش صدر معتمد بنائے گئے اور سب کو معلوم تھا کہ وہ مصالحانہ روش اختیار کریں گے۔ لیکن ڈبلن پہنچے، کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ خونیوں کی ایک ٹکڑی نے جو اپنے آپ کو "ان ون سی بلز" ناقابل شکست (invincibles) کہتے تھے، کے ون ڈش کو مار ڈالا۔ اس پر وہ ہیجان پیدا ہوا کہ گلیڈاسٹون کو دوبارہ جبر و تشدد کا طریقہ اختیار کرنا اور "قانون انسدادِ جرائم" منظور کرانا پڑا۔ اس کی سب سے اہم دفعات وہ تھیں جن میں حکومت کو جرائم کی خفیہ تحقیقات اور خاص خاص جوریوں کے سامنے قیدیوں پر مقدمہ چلانے کی آسانیاں دی گئی تھیں۔ ظاہر ہے کہ آئرستان کے دیس راجیوں نے اس کی شدید مخالفت کی اور جب تک دارالعوام کے جدید ضوابط کی رو سے ان کے پچیس آدمی خارج نہیں کیے گئے، اس وقت تک انھوں نے قانون منظور نہ ہونے دیا۔ اسی کے ساتھ ایک قانون بقایا وضع ہوا اور ان لوگوں کو تقاوی دی گئی جو گذشتہ تکلیف و پریشانی کے زمانے میں مالگزاری نہیں ادا کر سکے تھے۔ کے ون ڈش کی جگہ ٹریویلین صدر معتمد مقرر ہوا اور اس کے اور اسپنسر کے زمانے میں آئرستان کی حالت رو بہ اصلاح ہوتی چلی گئی جس کا ایک سبب تو قانون اراضی کا نفاذ تھا اور دوسرا یہ کہ جدید قانون جرائم سے بڑی مستعدی کے ساتھ کام لیا گیا۔ بایں ہمہ دیس راجیوں نے اپنی جدوجہد سے پارلیمنٹ کے اندر یا باہر ہاتھ نہیں اٹھایا۔

آئرستان کے قضیوں میں مصروف رہنے کے باوجود گلیڈاسٹون کی وزارت نے انگلستان و اسکاٹ لینڈ کے لئے بھی بعض قابلِ ذکر قوانین وضع کرنے کی فرصت نکال لی۔ ۱۸۸۰ء؁ ایک قانون کی رو سے کاشتکاروں کو اپنے کھیتوں کی زمین میں خرگوش وغیرہ کے شکار کرنے کی قطعی اجازت دی گئی۔ ۱۸۸۳ء؁ کے قانونِ "املاک زرعی" سے پٹہ داروں کو پٹے کی میعاد ختم ہونے پر خاص خاص کاموں کے معاوضے کا حقدار تسلیم کیا گیا، جن سے زمین کی قدر و قیمت بڑھ گئی ہو۔ چیمبرلین کا پیش کردہ مسودۂ قانون بھی جس میں دیوالے کے متعلق پہلے سے بہتر ضوابط تھے، منظور ہو گیا۔ کشیدہ شرابوں کے محصول کی بجائے

صرف جو کی شراب پر آبکاری لگائی گئی - غیر مقلد مسیحیوں کی سہولت کے لئے قانونِ تدفین وضع ہوا۔ فرائضِ آجران کے نام سے جو ضوابط بنائے گئے ان میں مزدوروں کے خاص خاص حادثات سے نقصان کا ذمہ دار آجروں کو قرار دیا گیا۔ سپاہ کی علاقہ واری تنظیم میں بھی کچھ اور ترقی ہوئی؛

چوتھا سیاسی فرقہ گلیڈ اسٹون کی وزارت کے ابتدائی حصے میں قدامت پسند گروہ کے سبھی سرگروہوں نے مخالفت میں کوئی خاص سرگرمی نہیں دکھائی کیونکہ ۱۸۸۰ء کی سخت شکست سے یہ لوگ بددل ہو گئے تھے۔ البتہ لارڈ رینڈولف چرچل اور اس کے حلیف، بالفور گورسٹ اور سر ہینری ڈرمنڈ وولف یہ کام انجام دیتے رہے۔ ان کی مستعدی اور اپنے سیاسی گروہ سے استغنا دیکھکر لوگوں نے ان کا نام "فرقۂ چہارم" رکھ دیا؛

معاملاتِ مصر مجلس قوانین کی یہ سب گھتھیاں قضیۂ آئرستان کے ہیجان ہی سے ماند پڑ گئی تھیں کہ اب ایک سخت پیچیدگی مصر کے متعلق پیدا ہوئی۔ اس کے اسباب گلیڈ اسٹون کے عہدِ وزارت سے پہلے وجود میں آچکے تھے۔ ۱۸۶۹ء میں نہر سویز کے بن جانے سے انگریزوں کا مصر سے تعلق بہت قوی ہو گیا کیونکہ یہ ملک گویا ہندوستان کے قریب ترین راستے کی کنجی تھا۔ نہر کی تیاری زیادہ تر فرانسیسی سرمایے سے ہوئی تھی مگر ۱۸۷۵ء میں بکینس فیلڈ نے خدیو مصر سے بہت سے حصے خرید کر نہر کے انتظامات میں با اثر شرکت کا حق حاصل کر لیا۔ یوں بھی حکومت مصر یورپ، خاص کر فرانس و انگلستان کے ساہوکاروں سے بڑی بڑی رقمیں قرض لے چکی تھی اور ان کے سود کی ادائی کی ایک بڑی اور مقتدر جماعت کو فکر لاحق تھی۔ مزید براں، مصر میں تجارت کی آسانیاں دیکھکر بہت سے فرنگی سوداگر وہاں جا بسے تھے اور ان کے لئے فرنگی حکومتوں نے مصری اور ترکی حکومتوں سے بروئے معاہدہ وہ رعایتیں حاصل کر لی تھیں جو "امتیازات" کے نام سے موسوم ہوئیں۔ ان میں بعض بہت قدیم یعنی سولھویں صدی عیسوی میں لکھوائی گئی تھیں۔ غرض ان اغراض و حقوق کی بدولت انگریزوں اور فرانسیسیوں کو مصر میں بہت کچھ درخور حاصل ہو گیا اور انھوں نے خدیو مصر،

توفیق سے یہ قول و قرار بھی کر لیا کہ جب تک وہ ان فرنگی قوموں کی صلاح سے کام کرے گا اس وقت تک یہ بھی اسے معزول نہ ہونے دیں گے۔ اجانب کا یہ دخل در معقولات بہت سے مصری خصوصاً عہدہ داروں کو نہایت ناگوار تھا اور وہ توفیق کے انگریزوں اور فرانسیسیوں کو بار بار فوجی اور دیوانی عہدے دینے میں بھی اپنی حق تلفی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مصری سردار عربی پاشا نے بغاوت کی تیاری کی اور ان قلعوں پر قبضہ کر لیا جن کی سکندریہ کی بندرگاہ پر زد پڑتی تھی۔ اس بغاوت سے خدیو توفیق کی حکومت معرض خطر میں آگئی اور خود سکندریہ میں بلوے اور کشت و خون ہونے لگے۔ لہذا برطانی حکومت نے فرانسیسیوں سے مل کر مداخلت کرنے کی استدعا کی۔ مگر انھوں نے انکار کر دیا تو انگریزی بیڑے کو سکندریہ کے قلعوں پر گولہ باری کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ کام اچھی طرح سر انجام ہوا لیکن شہر میں کوئی فوج نہیں اتاری گئی تھی اس واسطے قلعوں سے جو لوگ بھاگے انھوں نے شہر میں آگ لگا دی اور جان و مال کا بہت کچھ نقصان ہوا۔ نظر بریں گلیڈاسٹون کی حکومت کو فوج بھیجنی ضروری معلوم ہوئی۔ اور ستمبر ۱۸۸۲ء میں جنرل ولزلی کے برطانی لشکر نے عربی پاشا کو طل الکبیر پر کامل شکست دے کر پھر توفیق کی حکومت کو بحال کر دیا۔ ان واقعات سے مصر میں عملاً برطانیہ کی سیادت قائم ہو گئی اور گو گلیڈاسٹون کم سے کم مداخلت کرنی چاہتا تھا لیکن اس حکمت عملی پر چلنا بہت مشکل ہو گیا۔ کچھ مدت سے بالائی وادی نیل میں ایک متعصب مذہبی سردار کا ظہور ہوا جو اپنے آپ کو مہدی کہتا تھا اور اپنے مریدوں کی فوج بنا کر مصر کی فتح کی فکر میں تھا۔

مہدی سوڈانی

نیل کا بالائی علاقہ یعنی ملک سوڈان (جس کا صدر مقام خرطوم تھا) بہت زمانے سے حکومت مصر کے زیر نگین تھا اگرچہ خود مصر کے اندر گذشتہ ہل چل سے مصریوں کے سوڈانی اقتدار میں بھی خلل واقع ہوا۔ اور انگریزوں کے قاہرہ میں قدم جمے ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ مہدی کے مصری چھاؤنیوں اور خرطوم پر قبضے کی تیاریوں کی خبر پہنچی۔ گلیڈاسٹون کا نظریہ یہ تھا کہ مصریوں کی سوڈانی کارروائیوں سے برطانی حکومت کو کچھ سروکار نہیں

چنانچہ حکومتِ مصر نے سراسر ناکافی فوج ہکس پاشا کی قیادت میں سوڈان بھیجی تو انگریزوں کی طرف سے کوئی اعتراض نہ ہوا۔ یہ فوج، جیسا کہ اندیشہ تھا، مہدویوں کے ہاتھ سے فنا کے گھاٹ اتار دی گئی اور اب وہ مسرت کے جوش میں پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ آگے بڑھے۔ اس نئے خطرے سے "عدم مداخلت" کا نظریہ شکستہ ہو گیا۔ مہدی کی طرف سے مصریوں کو حکم پہنچا کہ سوڈان خالی کر دیں تب جنوری ۱۸۸۴ء میں انگریزی حکومت نے جنرل گورڈن کو سوڈان روانہ کیا جو چین میں بہت کچھ کارنامے دکھا چکا تھا اور مصری حکومت کی ملازمت میں بھی سوڈان میں رہا تھا۔ اس کو حکم تھا کہ مصری افواج اور حکام کی واپسی کا انتظام کرے۔ اسے کوئی فوج نہ دی گئی نہ آیندہ بھیجنے کی امید دلائی گئی۔ بایں ہمہ ایک عجیب تلون یہ دکھایا گیا کہ ایک دوسرے سپہ سالار کو لشکر دے کر سواکیم بھیج دیا گیا کہ بحر قلزم کے ساحل کی مصری چوکیوں کو لڑ کر دشمن کے پنجے سے چھڑا لے۔ مگر یہ لشکر بھی نہایت ناکافی تھا اور مہدویوں نے اس کا قیمہ قیمہ کر دیا۔ ادھر مہدی کے لشکر خرطوم کے چاروں طرف منڈلانے لگے اور گورڈن کو مجبور کیا کہ یا تو مصر کی مقامی افواج و عمال کو خونخوار دشمن کے پنجے میں چھوڑ دے اور یا خود بھی قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرے۔ جیسی کہ امید تھی، گورڈن نے آخری صورت کو ترجیح دی۔ اب گلیڈ اسٹون کو ایک اور لشکر سپہ سالار گراہم کی قیادت میں سواکیم کی طرف روانہ کرنا پڑا لیکن وہ گورڈن کو مدد نہ دینے کی تجویز پر قائم رہا اور پارلیمنٹ میں بیان کیا کہ یہ سردار "گھبرا جا رہا ہے مگر ابھی تک بالکل محصور نہیں ہو گیا ہے"۔ فروری اور مارچ میں گراہم کی سپاہ نے لڑ بھڑ کر سواکیم کا علاقہ صاف کر لیا اور تجویز ہوئی کہ ریگستان کے پار گورڈن کو کمک بھیجی جائے۔ برطانی حکومت اُس وقت بھی رکی اور جب تک رائے عامہ کا سخت تقاضا نہ ہوا کہ گورڈن کو حوالۂ تقدیر نہ کیا جائے، اس وقت تک امداد پر آمادہ نہ ہوئی۔ آخر کہیں اگست میں نیل کے راستے ایک لشکر خرطوم روانہ کیا گیا مگر ہر اول کی فوج بہت کچھ نقصان اٹھا کر جنوری میں بالائی نیل تک پہنچی تو معلوم ہوا کہ وقت گزر گیا۔ یعنی ان کے خرطوم کے سامنے پہنچنے سے

باب ہشتم

دو روز قبل وہ شہر فتح اور گورڈن مارا جا چکا تھا۔ تب جنگی کارروائی ملتوی کر کے انگریزی لشکروں کو واپس ہٹا لیا گیا اور وہ صرف مصر کی سرحد یعنی وادی حلفہ اور سواکیم کی حفاظت کرنے لگے۔

سرحد افغانستان کا قضیہ۔

انگریزوں کو مصر کی طرف اُلجھا ہوا دیکھ کر روسیوں نے ایشیا میں اپنے آپ کو مضبوط کرنے کا موقع پایا۔ وہ ۱۸۸۴ء میں دشتِ (ترکستان) کو اتر کر مرو کے سبزہ زار پر قابض ہو گئے جہاں سے افغانستان پر لشکر کشی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ روسی سپاہی افغانستان کی سرحد پر نمودار ہوئے اور حدود کا ٹھیک ٹھیک تعین کرنا ضروری ہو گیا۔ چنانچہ روس و برطانیہ کی مشترکہ جماعت اس غرض کے لیے مقرر ہوئی لیکن چونکہ روسیوں کا اصول بظاہر یہ تھا کہ جس مقام پر جا یا قبضہ کر لیا اور پھر کہہ دیا کہ یہ ہماری سرحد میں ہے لہٰذا بار بار مناقشے کی نوبت آئی اور جب روسیوں نے پنج دہ کے افغانی دستے پر حملہ کیا تو لڑائی سر پر تل گئی۔ بارے انگریزوں کے قریب قریب ہر معاملے میں دب جانے سے یہ قضیہ طے ہو گیا اور جو حدود مقرر ہوئی تھیں ان کی حفاظت کا انگریزوں نے ذمہ لیکر امیر افغانستان کو مطمئن کیا۔

پارلیمنٹ کی اصلاح

کچھ روز سے پارلیمنٹ کی مزید اصلاحات کا خیال پیدا ہو رہا تھا۔ ۱۸۷۰ء سے اب تک تعلیم کا رواج اتنا بڑھ چکا تھا کہ زرعی مزدوروں کو حق رائے دینے میں سب سے بڑی دشواری دور ہو گئی تھی۔ چنانچہ ۱۸۸۴ء میں وزرا کی طرف سے تحریک ہوئی کہ حلقوں کے ہر گھر والے کو یہ حق دے دیا جائے۔ انگلستان اور اسکاٹ لینڈ میں اس اصول پر عمل کرنے کی دونوں سیاسی گروہ تائید کرتے تھے۔ آئرستان کے متعلق بہت اختلاف تھا۔ آخر یہی فیصلہ ہوا کہ وہاں بھی اسی اصول پر عمل کیا جائے۔ نئے قانون رائے دہی کا تکملہ ایک مسودۂ قانون سے کرنا مقصود تھا جس میں نشستوں کی نئی تقسیم کی تجویز تھی۔ وزرا اس کو آیندہ سال (۱۸۸۵ء میں) پیش کرنا چاہتے تھے مگر دار الامرا میں حجت ہوئی کہ اگر رائے دہی کی جدید توسیع کے ساتھ پرانے حلقوں سے انتخاب ہوا، تو طرح طرح کی بے ربطیاں نمایاں ہونگی۔

چنانچہ امرا نے یہ قرارداد منظور کی کہ جب تک جدید نشستوں کی تجاویز سامنے نہ ہوں، قانون رائے دہی کا فیصلہ ملتوی کر دیا جائے۔ اس پر ملک میں خوب ہنگامہ ہوا۔ امرا کی موافقت اور مخالفت میں بہت سے جلسے منعقد کیے گئے اور ہر چند اسی جاڑے میں دارالعوام کا اجلاس ہوا تھا کہ قانون جدید کو نافذ کر دیا جائے، لیکن گلیڈاسٹون نے امرا کی رائے قبول کر لی۔ نشستوں کی تقسیم جدید دونوں سیاسی فرقوں کے سرگروہوں کے مشورے سے مرتب کی گئی۔ ۱۸۸۴ء کے اخیر میں قانون رائے دہی اور ۱۸۸۵ء کے اوائل میں نشستوں کی جدید تقسیم کا قانون منظور ہو گیا۔

اسی میقات میں گلیڈاسٹون کو شکست ہوئی۔ لارڈ اسپنسر کے آئرستان میں محکم انتظام اور گلیڈاسٹون کی دیس راج سے قطعی مخالفت نے وہاں کے قومیت پسندوں کو اس قدر ناراض کیا کہ وہ ۱۸۸۵ء میں تل گئے کہ مناسب موقع ملتے ہی اپنی رائیں اس امید میں قدامت پسند فرقے کی طرف منتقل کر دیں گے کہ گلیڈاسٹون اور آزاد خیال فرقے سے جن تجویزوں کے ماننے کی کوئی توقع نہیں رہی تھی، شاید قدامت پسند انھیں قبول کر لیں۔ انگلستان کی سیاسی گروہ بندی کا اصول ایسا ہے کہ کوئی گروہ اپنے حریف سے زیادہ رائیں حاصل کر کے حکومت پا لینے میں شدت سے مزاحمت نہیں کرتا۔ لہذا جس وقت گلیڈاسٹون نے یہ کہا کہ آئرستان کے قانون جرائم کی اہم دفعات دوبارہ نافذ کی جائیں گی، دیس راجیوں کو جلایا تو وہ قدامت پسندوں کے ساتھ ہو گئے اور مجوزہ موازنے میں شراب وخبازے کے زائد محاصل کے خلاف رائے دے کر گلیڈاسٹون سے بدلا لیا۔ یعنی اسے گیارہ رائے کی اکثریت سے شکست دلوائی اور وہ فوراً مستعفی ہو گیا۔

سالسبری کی پہلی وزارت

(قدامت پسندوں کا سرگروہ) لارڈ سالسبری، گلیڈاسٹون کا جانشین ہوا اور ہر چند اس نے دیس راج کے لیے کوئی کارروائی نہیں کی تاہم قانون جرائم کو نظر انداز کر دیا اور ایک بڑی رقم بطور تقاوی دینی منظور کی کہ آئرستانی مزارعین اپنے کھیت وغیرہ خرید سکیں۔ اس کے عوض میں اسی سال نومبر کے عام انتخاب میں دیس راجیوں نے اپنے ہم وطنوں کو جو برطانیہ میں رہتے تھے،

حکم دیا کہ قدامت پسند امیدواروں کو رائے دیں۔ مطلب یہ تھا کہ آزاد خیال اور قدامت پسند گروہوں میں ایسا توازن قائم ہو جائے کہ آئرستانی ارکان کی شرکت کے بغیر کسی کو اکثریت نہ حاصل ہو سکے۔ اس کے برخلاف گلیڈ اسٹون رائے دینے والوں سے التجا کرتا تھا کہ اُسے اتنی اکثریت دیں کہ وہ آئرستانی شرکت سے بالکل مستغنی ہو جائے مگر شہروں میں آئرستان والوں کی رائے کے اثر سے پہلے کی نسبت زیادہ قدامت پسند منتخب ہوئے اگرچہ مزدوروں میں جن کو پہلی دفعہ رائے کا حق حاصل ہوا تھا آزاد خیالوں کو زیادہ رائیں ملیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۳۳۵ آزاد خیال اور ۲۴۹ قدامت پسند ارکان منتخب ہوئے۔ آئرستان میں حق رائے دہی کے سہل تر ہو جانے سے دیس راجیوں کو جیسی کہ امید تھی بہت فائدہ پہنچا اور ان کے ۸۶ آدمی منتخب ہوئے۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ چونکہ قدامت پسند اور دیس راجی مل کر آزاد خیالوں کے بالکل برابر رائیں رکھتے ہیں، لہٰذا حکومت کی کنجی دیس راجیوں کے ہاتھ میں ہے۔

گلیڈ اسٹون دیس راج کو قبول کر لیتا ہے۔

انتخاب کے نتائج بمشکل شائع ہوئے تھے کہ یہ افواہ سن کر سارا ملک اچھل پڑا کہ خود گلیڈ اسٹون دیس راجیوں سے مل گیا۔ آزاد خیال فرقے کے ممتاز افراد اور نیز اخباروں نے بگڑ بگڑ کر اس خبر کی تردید کی لیکن زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ یہ صحیح ثابت ہوئی۔ ادھر نئی پارلیمنٹ کا انعقاد ہوا تو سالسبری کی حکومت کی طرف سے آئرستان کی "حزب الوطنی" کو خلاف قانون قرار دینے کا ارادہ ظاہر کیا گیا جو وہاں کی "مجلس اراضی" کی جانشین بن گئی تھی۔ وزارت کی پریشانی کا سبب یہ تھا کہ آئرستان میں جرائم کی تعداد روز افزوں تھی۔ لیکن دیس راجی اپنے تازہ حلیفوں کا یہ قصد سن کر بہت بگڑے اور گلیڈ اسٹون کے تبدیل عقائد کی خبر سے بھی انھیں بڑی مسرت ہوئی تھی لہٰذا ملکہ کی افتتاحی تقریر پر انھوں نے وزارت کے خلاف رائے دی اور حکومت کو ایک معمولی ترمیم پر ۲۵۲ کے مقابلے میں ۳۳۱ آرا سے شکست ہوئی۔ اس موقع پر چند آزاد خیال مبعوث ایسے بھی تھے جنھوں نے محض گلیڈ اسٹون کی تبدیلی رائے کے شبہے پر سالسبری کی وزارت کے خلاف رائے دینے سے احتراز کیا۔

سالسبری کی علیحدگی کے بعد بھی کچھ روز تک قطعی طور پر علم نہ تھا کہ گلیڈ اسٹون

باب ہشتم

واقع میں کیا کرنا چاہتا ہے۔ تاہم گوشن اور لارڈ ہارٹنگ ٹن جنھوں نے شبہے کی بنا پر رائے نہ دی تھی، وزارت میں داخل نہ کیے گئے البتہ چیمبرلین اس امید پر شریک وزارت ہوا کہ شاید گلیڈ اسٹون کی ذہانت ان دشواریوں سے جن کا بظاہر کوئی حل نہ تھا، عہدہ برآ ہو جائے۔ واضح رہے کہ خود چیمبرلین شروع سے پورا اتحاد پسند رہا تھا۔ اس کے علاوہ نئی وزارت میں قابلِ ذکر اشخاص یہ تھے:۔ لارڈ ہرشیل۔ لارڈ روزبری۔ سر ولیم ہارکورٹ۔ لارڈ اسپنسر۔ ٹریولین اور جان مورلے۔ مورلے آزاد خیالوں کے اس قلیل التعداد گروہ میں تھا جو گذشتہ انتخابات میں ویس راج دینے کے حامی رہے تھے۔ اب اسی کو آئرستان کا صدر معتمد مقرر کیا گیا۔ ویس راج کو اصولاً تسلیم کرنے کے بعد گلیڈ اسٹون کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک تو یہ کہ خود آئرستان کے قوم پرستوں سے اپنا مسودہ پیش کرنے کی درخواست کی جائے تاکہ ٹھیک ٹھیک معلوم ہو جائے کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور کس طرح اس پر عمل درآمد کی تجویز کرتے ہیں۔ دوسری صورت یہ تھی کہ یہ تجاویز خود مرتّب کی جائیں۔ اور اسی دوسری صورت کو اس نے اختیار کیا؛ بایں ہمہ جب یہ تجویز تفصیلی طور پر مجلس وزارت کے روبرو آئی تو چیمبرلین وغیرہ کئی وزیروں نے استعفیٰ بھیجدیا۔ آزاد خیال گروہ میں اسی سے مستقل طور پر تفریق ہو گئی۔ اکثریت نے ویس راج قبول کرنے میں گلیڈ اسٹون

آزاد خیال گروہ کی تفریق

کا ساتھ دیا ایک معقول تعداد ان لوگوں کی تھی جو لارڈ ہارٹنگ ٹن، جان برائٹ، گوشن، چیمبرلین وغیرہم کی سرگروہی میں پرانے مسلک پر قائم رہے کہ آئرستان و برطانیہ میں وضع قوانین کے اتحاد میں خلل نہ ڈالا جائے البتہ گلیڈ اسٹون کی وزارت نے جن اصلاحی قوانین کی بنیاد ڈالی تھی، اس روش پر برابر عمل ہوتا رہے تاکہ اہلِ آئرستان کی جائز شکایتیں دور ہو جائیں اور پھر بہت ممکن ہے کہ وہ اسکاٹ لینڈ کی طرح اتحاد کو خوشی سے قبول کرلیں؛ اسی بنا پر یہ قلیل التعداد گروہ آیندہ "آزاد خیال اتحادی" کہلایا تاکہ گلیڈ اسٹون کے متبعین میں اور ان میں امتیاز رہے۔

ویس راج کا پہلا قانون

ہر شخص جانتا تھا کہ ویس راج کی تجاویز مرتب کرنے میں سب سے بڑی وقت یہ پیش آئے گی کہ آیا اہلِ آئرستان کو

باب ہشتم

برطانی پارلیمنٹ میں نشست کا حق دیا جائے یا نہیں، سب کو بڑی فکر تھی کہ دیکھیے گلیڈ اسٹون اس مسئلے کو کس طرح حل کرتا ہے۔ اس کی تجاویز پیش ہوئیں تو معلوم ہوا کہ وہ ڈبلن میں ایک مجلس وضع قوانین قائم کرنا چاہتا ہے جس کا صرف آئرستان کے معاملات سے تعلق ہو۔ اس مجلس کے دو شعبے تجویز کیے گئے تھے۔ ایک وہ جس میں مالکانِ مکان کے مبعوث ہوں اور دوسرے میں ایسے سرمایہ داروں کے جو کم سے کم ۲۵ پاؤنڈ مالگزاری ادا کرتے ہوں۔ مجلس کو کسی مذہبی جمعیت کے قیام یا دینی قیود بڑھانے کا اختیار نہ تھا۔ اسے پولس کے جوان بھرتی کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ رہی برطانی پارلیمنٹ کی نیابت، اس میں گلیڈ اسٹون کی تجویز تھی کہ اہل آئرستان اپنے حصے کا روپیہ تو ادا کریں لیکن شاہی پارلیمنٹ میں اُن کو نشست کا حق حاصل نہ ہو۔ یہ مسودۂ قانون پیش کرتے وقت گلیڈ اسٹون نے برطانی قوم سے پرزور التجا کی کہ وہ آئرستان کی جماعت کثیر کی درخواست قبول کریں۔ اور اپنی تجاویز کی نسبت یقین ظاہر کیا کہ ان سے دونوں ملکوں کے تعلقات خوشگوار ہوئے بغیر نہ رہیں گے۔ چند روز بعد اس نے خرید اراضی کی ایک تجویز بھی پیش کی جس کا منشا یہ تھا کہ لارڈ ایش بورن کے قانون کے مطابق حکومت آئرستان کو تقاوی کی غرض سے ۵ کرور پاؤنڈ بطور قرض دیے جائیں۔ لیکن اس کی سعی و التجا کے باوجود خود وہ لوگ بھی جو اصولاً دیس راج کے حامی تھے گلیڈ اسٹون کے مجوزہ قانون کی سخت نکتہ چینی کرتے تھے۔ سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ آئرستان کے ارکان کو شاہی پارلیمنٹ سے الگ رکھنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ملک از خود برطانیہ سے علٰحدہ ہو جائے گا اور دوسرے اِس آئینی اصول کی خلاف ورزی ہوگی کہ جو لوگ محصول ادا کریں ان کو سرکاری مصارف کے معاملے میں رائے کا حق ملنا چاہیے۔ انتہا پسند فرقہ دو دو شعبوں کے قیام کے خلاف تھا۔ پروٹسٹنٹ اور دیس راج کے مخالفین چلاتے تھے کہ ہمارے حقوق کی کافی حفاظت نہیں کی گئی۔ دیس راجی مختلف قیود و شرائط کو غیر ضروری اور آئرستانی اکثریت کی اہانت کا موجب سمجھتے تھے۔ خرید اراضی کی جدید تجاویز کی بھی شدید نکتہ چینی کی گئی۔ خصوصاً اس بنا پر کہ اس رقم کثیر کی ادائی کا قابل اطمینان انتظام نہیں بنایا گیا تھا۔ مخالفت کا یہ ہنگامہ دیکھ کر گلیڈ اسٹون کو ماننا پڑا کہ اگر اس کا مسودۂ قانون

اصولاً قبول کر لیا جائے تو مجلس ذیلی میں وہ اس میں بہت کچھ ردّ و بدل کر دے گا۔ بریں ہمہ یہ مسودۂ قانون دوسری خواندگی پر ۳۱۱ کے مقابلے میں ۳۴۱ آرا سے نامنظور ہوا۔ ۹۳ آزاد خیال بھی اسی اکثریت میں شامل تھے؛ اس پر گلیڈ اسٹون نے ملک سے فیصلہ چاہا اور ایک پرجوش اعلان شائع کیا کہ میرے مخالفین فرقہ پرست یا ان کے دست نگر لوگ ہیں اور میرے رفیق وطن کے جذبۂ حق شناسی کی حمایت کر رہے ہیں؛ بخلاف اس کے سالسبری نے یہ کہکر لوگوں کو اپنی طرفداری پر آمادہ کیا کہ "آئرستان کو حکومت کی ضرورت ہے۔ حکومت بھی ایسی جو کسی سے نہ دبے اور نہ اس میں تبدیلی واقع ہو۔ اس حکومت کو محض ویسٹ منسٹر میں شور مچاکر آئرستان والے مرعوب نہ کر سکیں اور نہ حکومت کے گروہ کی رائے بدلنے سے اس کے مزاج اور ارادوں میں تغیر آئے۔" آزاد خیال اتحادی دیس راج کے اصولی مسئلے میں تو قدامت پسندوں کے ہمنوا تھے لیکن زور دیتے تھے کہ اہل آئرستان کی شکایات دُور کرنے کا کام برابر جاری رہے۔ غرض انتخابات کے وقت عام ہیجان پھیلا ہوا تھا۔ نتیجے میں گلیڈ اسٹون کو شکست ہوئی اور اس کے ساتھی آزاد خیال صرف ۱۹۱ منتخب ہوئے۔ اتحادیوں کی تعداد ۷۸، آئرستان کے دیس راجیوں کی ۸۵ اور ان کے مقابلے میں قدامت پسندوں کی تعداد ۳۱۶ تھی۔

سالسبری کی دوسری وزارت

اب گلیڈ اسٹون کو مستعفی ہونا پڑا۔ شروع میں مخلوط وزارت قائم کیے جانے کی بھی بات چیت رہی جس میں قدامت پسندوں کے ساتھ اتحادی بھی شامل ہوں لیکن آخر میں خالص قدامت پسندوں ہی کی وزارت مرتب ہوئی جس کا وزیر اعظم سالسبری اور وزیر مالیہ اور دارالعوام کا سرگروہ لارڈ رنڈولف چرچل تھا لیکن یہ انتظام زیادہ عرصے تک نہ چل سکا۔ سال ختم ہونے سے پہلے چرچل یہ دیکھکر کہ بری اور بحری فوجی مصارف کی تخفیف میں اس کی رائے نہیں چلنے پائی، عہدے سے الگ ہو گیا۔ اس کی جگہ گوشن مقرر ہوا جو گلیڈ اسٹون کے بعد اپنے زمانے کا سب سے بڑا ماہر مالیات سمجھا جاتا تھا اور خود گلیڈ اسٹون کی وزارت (۱۸۶۸ء تا ۱۸۷۴ء) میں بھی شریک رہا تھا۔ حق رائے دہی

کو سہل تر بنانے کے متعلق وہ گلیڈ اسٹون کے خلاف تھا اس لئے گذشتہ وزارت میں نہیں لیا گیا، اسی کے ساتھ بالفور کو آئرستان کے صدر معتمد کی خدمت دی گئی۔

نئی وزارت کو طبعی طور پر سب سے زیادہ آئرستان کے معاملے پر توجہ کرنی پڑی۔ دیس راج کے حامیوں کو شکست ہوئی تو اہل آئرستان کے رنج و مایوسی کی وجہ سے ان پر حکومت کرنا اور بھی دشوار ہو گیا۔ وطن پرست سرگروہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم موجودہ اتحاد کی حالت میں نظم و نسق کا قائم رہنا غیر ممکن بنا دیں گے؛ سب سے بڑھ کر یہ کہ گلیڈ اسٹون کا یہ قانون (مجریہ ۱۸۸۱ء) کہ لگان کی تشخیص سرکاری طور پر کی جائے، اپنے بُرے اثرات دکھانے لگا۔ یہ سرکاری یا عدالتی تشخیص پیداوار کی مقدار دیکھ کر روپے کی صورت میں کی جاتی تھی۔ اور اس کے معنی یہ تھے کہ اگر پیداوار یا مویشی کی قیمت اگلے سال تک گھٹ کر آدھی رہ جائے تو کاشتکار کو دگنی پیداوار دینی پڑے۔ چونکہ اجناس کے نرخ برابر گھٹ رہے تھے اس لئے کاشتکاروں پر ان تشخیص کی ہوئی رقوم کا بار برابر بڑھتا گیا۔ جو لگان دو سال پہلے معقول معلوم ہوتا تھا، اب سراسر ناواجب ہو گیا اور جو پٹہ دار اس جدید قانون سے مستثنیٰ کر دیے گئے تھے ان کو بھی قدیم شرح کے مطابق روپیہ ادا کرنا مصیبت ہو گیا۔ انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ گلیڈ اسٹون کی غلطی کی اصلاح کر دی جائے لیکن پارنیل نے ۱۸۸۵ء سے قبل کی شرح کم کرنے کی تجویز پیش کی تو وہ ۲۰۲ کے مقابلے میں ۲۹۷ آراء سے نامنظور کر دی گئی۔ اس کے جواب میں دیس راجیوں نے "طریق جنگ" کی یہ نئی صورت نکالی کہ کاشتکاروں سے جو رقم وہ ادا کر سکتے تھے، اسے زمینداروں کو دینے کی بجائے خود وصول کرتے اور اس سرمائے سے مالکانِ زمین کے خلاف جنگ و جدل جاری رکھتے تھے۔ اس کشاکش نے زمینداروں اور کسانوں میں سخت عداوت پیدا کر دی۔ ایک طرف دھڑا دھڑ بے دخلیاں کرائی جاتیں اور دوسری طرف سے طرح طرح کے جرائم کا ارتکاب ہوتا۔ مصالحت کے تمام قرائن مٹ گئے، اُدھر حکومت کو ملک کی ایسی خراب حالت دیکھ کر اس بات کا حیلہ مل گیا کہ حکومت بلدی کے موعودہ قانون کو ملتوی کر دے جس پر آزاد خیال وحدت پسند برابر زور دیتے رہے تھے اور ۱۸۸۶ء میں حکومت نے بھی وعدہ کیا تھا کہ اگلے سال اسے پارلیمنٹ میں پیش کر دیا جائے گا۔ اس کی بجائے

وزرا نے قانونِ جرائم کا مسودہ پیش کیا۔ اس قسم کے پہلے قوانین چند سال کے لئے وضع ہوتے تھے اور وزرا کو یہ موقع بھی مل جاتا تھا کہ آئرستان والوں کی رائیں خرید نے کے لیۓ ان کی تجدید نہ کریں چنانچہ دونوں سیاسی گروہ اس ترغیب کا شکار ہوچکے تھے۔ مگر اب کے تجویز کی گئی کہ قانون دائمی ہو البتہ اس کا کسی ضلع میں نفاذ، والی آئرستان کے اعلان پر مبنی کر دیا جائے۔ اس کی خاص خاص دفعات وہ تھیں جن میں جوری کی مدد سے فیصلہ کرنے کو غیر ضروری قرار دیا تھا کیونکہ تجربے سے ثابت ہوا کہ اس طریق میں تاخیر کے علاوہ کسی بات کا یقین بھی نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا انتظامی عمالِ فوجداری کو خاص خاص جرائم کا بطور خود سرسری فیصلہ کرنے کی اجازت دی گئی تھی مخفی تحقیقات اور بے لاگ جوری مہیا کرنے کی غرض سے تبدیلِ مقام بھی جائز کر دیا گیا تھا۔ ان تجاویز کی دیسی راجیوں اور گلیڈ اسٹون کے ساتھیوں نے مخالفت کی اور اس مخالفت نے اتنا طول کھینچا کہ مباحثے کا ایک وقت معین کرنا پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مجوزہ قانون کی ۲۰ دفعات میں سے چودہ۱۴ بغیر کسی مباحثے کے منظور ہوگئیں۔

اسی مینفات میں آئرستان کی اراضی کا ایک اور قانون بھی نافذ کیا گیا۔ اگرچہ تھوڑے ہی دن پہلے پارنیل کی تجاویز رد کر دی گئی تھیں مگر حکومت کو یقین ہوگیا کہ گلیڈ اسٹون کے قانون کی فوری ترمیم ضروری ہے۔ چنانچہ اول تو پٹہ دار جو ۱۸۸۱ء میں ہر قسم کی رعایت سے محروم رہے تھے، وحدت پسندوں کے اصرار سے قانون کے احاطے میں داخل کر لیے گئے۔ دوسرے ۱۸۸۶ء سے پہلے کی عدالتی شرح کی موجودہ نرخوں کے مطابق ترمیم کرائی گئی۔ اسی کے ساتھ کاشتکاروں کے زمین خریدنے میں مزید آسانیاں بہم پہنچائی گئیں۔ اس قانون سے نہایت عمدہ نتائج برآمد ہوئے اور اگر بقایا کی وصولی کا بھی پوری مستعدی سے انتظام کر دیا جاتا تو اور بھی فائدہ ہوتا۔ اجناس کی ارزانی اور کاشتکاروں کی سرکشی سے یہ بقایا بہت بڑھ گئے تھے اور نئے قانون نے بھی اس خرابی کا کوئی علاج نہیں کیا۔ ادھر بہت سے کاشتکار جو بے دخل ہوچکے تھے، پچھلا لگان ادا کرنے پر تیار یا اس کی استطاعت نہ رکھتے تھے۔ غرض جدید قانون جو صلح کا پیام لایا تھا، وہ بھی ملک میں امن و آشتی قائم نہ کر سکا اور برطانی صدر معتمد (بالفور) اور آئرستانی عمائدین میں سخت مخالفت پیدا ہوگئی۔ ان میں سے اکثر افراد پر شورش و سازش کے

باب ہشتم

مقدمات قائم ہوئے اور مقامی عدالتوں نے انھیں قید کی سزائیں دیں؛ ۱۸۸۱ء میں، ایش بورن کے قانون کے اصول پر ایک کروڑ پاؤنڈ کی مزید رقم تقاوی کے لئے منظور ہوئی۔ اگلے سال آئرستان کی صفائی اور پانی خارج کرنے کے واسطے روپیہ دیا گیا اور تجارت کی سہولت کے لئے ہلکی ریلیں تیار کرائی گئیں۔ اسی ۱۸۸۷ء میں اخبار ٹائمز میں چند قلمی خطوط کے عکس چھپے جو پارنیل وغیرہ آئرستانی اکابر کے معلوم ہوتے تھے۔ ان میں لارڈ کے ونڈیش کے قتل پر اظہار پسندیدگی اور فورسٹر کے قتل کی ترغیب دی گئی تھی۔ تب دیس راجی فرقے کے مجرمین سے تعلقات کی پوری تحقیقات کے لئے

پارنیل کمیشن

پارلیمنٹ نے ایک خاص جماعت مقرر کی۔ دیس راجی اس کے سخت مخالف رہے اور آخر میں یہی ثابت ہوا کہ وہ خطوط جعلی تھے اور گو وطن پرستوں کے وسیع نظام کے بعض افراد جرم و بدعنوانی کرنے والوں سے میل رکھتے تھے، مگر پارلیمنٹ کے سرگروہ تمام الزامات سے بری نکلے۔ البتہ ۱۸۹۰ء کے اواخر میں اوشیا کے مقدمۂ طلاق میں پارنیل کے ذاتی چال چلن کے جو راز کھلے، ان سے خود آئرستانی جماعت میں تفرقہ ہو گئی اور وطن پرستوں کی تعداد کثیر نے آئندہ پارنیل کی قیادت میں کام کرنے سے انکار کر دیا اور گلیڈ اسٹون نے بھی ان لوگوں کو شہ دی۔ پھر بھی ایک قلیل مگر سرگرم جماعت اس کے ساتھ رہی اور ان دونوں گروہوں کے آپس ہی میں اس قدر جھگڑا ہوا کہ دیس راج کے مقاصد کو سخت نقصان پہنچا۔ ادھر بالفور کی حکومت میں آئرستان کی حالت مسلمہ طور پر بہتر ہو گئی، خواہ اس کا سبب کچھ ہی قرار دیا جائے۔ مگر اب بھی برطانی وزارت بلدی حکومت کا مسئلہ طے کرنے پر آمادہ نہ ہوئی تا آنکہ ۱۸۹۲ء میں محدود سے اختیارات کی مجالس ضلع بنانے کی تجویز پارلیمنٹ میں پیش ہوئی۔ اسے بھی قدامت پسند خصوصاً السٹر والے پسند نہ کرتے تھے اور ادھر وطن پرستوں نے اس کی تحقیر اور گلیڈ اسٹونیوں نے سخت نکتہ چینی کی لہٰذا یہ تجاویز واپس لے لی گئیں؛

برطانی قوانین

آئرستان کو چھوڑ کر، خود برطانیہ کے واسطے سالسبری کی وزارت میں بہت سے نئے قوانین وضع ہوئے اور اتحادیوں کی شرکت کے باعث ان کی نوعیت بھی یقیناً آزاد خیالی کا پہلو

لیے ہوئے تھی۔ چنانچہ ۱۸۸۱ء میں تفویض اراضی کا قانون مرتب ہوا کہ سرکاری طور پر زمین خرید کر مستحقین کو دی جا سکے۔ کوئلے کی کانوں اور تجارتی نشانوں کے قانون وضع ہوئے۔ ۱۸۸۸ء میں گوشن نے ایک ایسی صورت تجویز کی کہ قومی قرضے کی شرح سود تین فیصدی کی بجائے پونے تین اور پھر ۲½ فیصدی رہ گئی اور اس سے بہت کچھ بچت ہوئی۔ ۱۸۸۹ء میں یہ خیالات پھیل گئے تھے کہ بیڑے پر ملک اتنا روپیہ خرچ نہیں کر رہا ہے جتنا کہ اس کی سلطنت اور تجارت کی وسعت کے لئے خرچ ہونا چاہیے۔ لہٰذا دو کروڑ پندرہ لاکھ پاؤنڈ کی منظوری دی گئی کہ ستر نئے جنگی جہاز بنائے جائیں۔ ۱۸۹۰ء میں تعلیمات کا جدید دستور العمل شائع ہوا اور نتائج امتحان پر سرکاری امداد کی کمی بیشی کا طریقہ ترک کر کے مدرسے کی عام حالت کو اس کا معیار قرار دیا گیا۔ ۱۸۹۱ء میں انگلستان و ویلز میں چند شرطوں کے ساتھ ابتدائی تعلیم کو مفت کر دیا گیا۔ ۱۸۸۸ء میں سب سیاسی فرقوں کے اتفاق رائے سے یہ اہم قانون نافذ ہوا کہ اضلاع میں بھی انتخابی اصول پر بلدی حکومت قائم کی جائے یہ قانون ۱۸۳۵ء کے قانون بلدیات کے اصول پر مرتب ہوا، اور اس میں مجالس ضلع کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنے "آلڈرمن" بھی منتخب کر دیں (دیکھو صفحہ ۹۵۱) ۱۸۹۰ء میں وہ رقم جو شراب کے محصول سے وصول اور اجازت ناموں کو منسوخ کرنے کی غرض سے مخصوص کی گئی تھی، انھی مجالس ضلع اور بلدیات کے حوالے کر دی گئی کہ وہ چاہیں تو اسے صنعتی اور وسطانی تعلیم میں صرف کریں۔

مستعمرات

سالسبری کے عہد وزارت کا ایک اور یادگار واقعہ یہ ہے کہ تمام نوآبادیوں کی ایک مجلس مشاورت لندن میں منعقد ہوئی کہ مشترکہ اغراض کے مسائل پر غور و بحث کی جائے۔ یہ حقیقت میں اس تغیر عظیم کا نتیجہ تھی جو اہل وطن کے نوآبادیوں کے متعلق خیالات میں پیدا ہوا تھا۔ جس وقت آسٹریلیا کو حکومت خود اختیاری کا حق ملا تو بہت سے برطانی مدبر توقع رکھتے تھے کہ اس کا نتیجہ کامل خود مختاری ہوگا اور جب نوآبادیاں ایسا اعلان کرنے کا وقت مناسب سمجھیں تو وطن مادری کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ حتی کہ اس منشا کے مطابق ایک مسودۂ قانون بھی مرتب کر لیا گیا تھا اگرچہ پارلیمنٹ میں

باب پنجم

پیش نہیں ہوا۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ خیالات بدلتے گئے۔ جس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ آمد و رفت کی آسانی سے نوآبادیوں کے ساتھ ہماری تجارت میں اور خود نوآبادیوں کی باہمی تجارت میں بے اندازہ ترقی ہوئی۔ دوسرے ممالک متحدہ امریکہ اور ممالک یورپ میں آئین تجارت کا اصول اختیار کر لیا گیا تھا اور تیسرا سبب یہ کہ اب شہنشاہی برطانیہ کے دنیا کی بہتری خصوصاً قیام امن کا واسطہ بن جانے کا بلند خیال دلوں میں پیدا ہو رہا تھا۔ نوآبادیوں کی قدر و قیمت اور اس سے بھی بڑھ کر تمام شہنشاہی کی مجموعی قدر و قیمت کا بہتر اندازہ کیا جانے لگا تھا اور سیاست شناسوں کی ایک تازہ جماعت تیار ہو گئی تھی جو قومی اتحاد کو بڑی چیز سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ شہنشاہی کی صیانت و سلامتی میں مطلق فرق نہ آئے۔ ان لوگوں میں فارسٹر' انگلستان میں۔ سر جان میک ڈونلڈ کناڈا میں۔ اور ہینری پارکس آسٹریلیا میں خاص طور پر ممتاز تھے۔ فارسٹر نے اپنے خیالات کی اشاعت میں بڑی سرگرمی سے کام لیا اور ۱۸۸۶ء میں وہ مرا تو لارڈ روزبری نے اس کی جگہ لی۔ ان مساعی کو پروفیسر جان سیلی کی معرکہ آرا کتاب (the Expansion of England) سے بڑی تقویت پہنچی۔ ۱۸۸۵ء میں نیو ساؤتھ ویلز کی نوآبادی نے ایک امدادی فوج سواکین بھیجی۔ کناڈا کے ملاح نیل کی مہم پر انگریزوں کے ساتھ لگائے گئے۔ ۱۸۸۶ء میں ہندوستان اور نوآبادیوں کی ایک نمائش منعقد ہوئی جو بطور خود ان مقبوضات کی قدر و قیمت کا سبق تھی۔ ۱۸۸۷ء میں ملکہ وکٹوریا کے پنجاہ سالہ عہد کی سلطنت کے ہر حصے میں دلی گرم جوشی سے خوشیاں منائی گئیں اور یہ سب اسباب مذکورۂ بالا تحریک کی تقویت کا موجب تھے۔ اسی پنجاہ سالہ جشن کے موقع سے وزیر مستعمرات اسٹین ہوپ نے فائدہ اٹھایا اور پہلی بین المستعمرات مجلس مشاورۃ منعقد کی۔ اس کا دوسرا جلسہ کناڈا کے صدر مقام اوٹاوا میں (۱۸۹۴ء میں) منعقد ہوا۔

۱۸۸۹ء میں برطانی شرکت جنوبی افریقہ کو منشور شاہی ملا ہوا جو افریقہ کے معاملات میں بہت نتیجہ خیز کارروائی تھی۔ ملکہ وکٹوریا کی تخت نشینی تک ہمیں افریقہ کے اندرونی علاقوں اور زیمبزی، کانگو بلکہ خود نیل کے بالائی حصوں کا قریب قریب کوئی علم نہ تھا۔ لیکن چند عالی حوصلہ

باب ہشتم

انگریزوں کی کوشش سے رفتہ رفتہ تمام اندرونی علاقوں کی کیفیت آئینہ ہوگئی اور ان کا اکثر حصّہ بسانے کے قابل ثابت ہوا تو مختلف مقامات میں انگریزوں جرمنوں اور بلجیم والوں کی آبادیاں بس گئیں۔ جنوبی افریقہ کی شرکت بھی ایک نامور انگریز سیسل رہوڈس کی رہین منت تھی جو کیپ کالونی کا مدارالمہام بھی ہوگیا تھا۔ اس کی مستعدی نے اپنی زندگی ہی میں کمپنی کو اندر دُور تک پہنچادیا اور راس امید سے لیکر ٹانگانیکا جھیل کے کناروں تک انگریزوں کا نفوذ ہوگیا۔ دوسری طرف مشرقی افریقہ کی کمپنی نے زنجبار سے بڑھنا شروع کیا اور برٹن، اسپیک اور گرانٹ کے دریافت کردہ علاقوں پر قبضہ کرلیا اس کے مقبوضات وکٹوریا نیانزا تک وسیع ہوگئے اور ریل کے بن جانے سے امید ہے کہ برطانی محنت و سعی ان بیش بہا علاقوں میں تجارت و آبادکاری کے وسائل بہم پہنچالیگی؛

معاملات خارجہ

سالسبری کے زمانے میں معاملات خارجہ میں بہت خاموشی رہی۔ جرمانیا، آسٹریا اور اطالیا میں اقدامی اور دفاعی اتحاد ہوجانے سے قیام امن کو بظاہر فائدہ پہنچا۔ بلغاریا اور سرویا کے ساتھ جو لڑائی چھڑی، غنیمت ہے کہ اسے ممالک یورپ تک پھیل جانے سے روک لیا گیا۔ باقی ہندوستان اور مستعمرات میں کامل امن کا دور دورہ رہا۔ برطانیہ مصر پر ابھی تک قابض تھی اور وہاں کے نظام حکومت کی غیر معمولی پیچیدگیوں کے باوجود، انگریز عہدہ داروں نے مصر کی فوج، مالیات، عدالت اور ملک کی فلاح و بہبود کے جو کام انجام دیے، وہ ان کے ہموطنوں کی نظر میں باعث ناز ہوگئے ہیں؛

دیسی راجی فرقے میں پھوٹ پڑگئی۔ دوسرے آئرستانی کسانوں کی حالت اب بہتر بنادی گئی تھی۔ یوں بھی سالسبری کے بہت سے نئے قوانین ملک میں مقبول عام تھے، لہذا آزاد خیال فرقے کو اپنی آیندہ کامیابی کے لئے نئی تدبیر سوچنی پڑی

لہ۔ ان میں زیمبزی کے لئے، لونگ اسٹون۔ وادی نیل کے لئے، برٹن، اسپیک، گرانٹ اور بیکر۔ اور کانگو کے لئے اسٹینلی کی سعی ہمیشہ یادگار رہے گی؛

باب ہشتم

گلیڈ اسٹون کو یقین تھا کہ "چڑھتی موج کا رُخ میرے ساتھ ہے" لیکن بعض قابل ترین ساتھی کہتے تھے کہ محض "دیس راج" کا نعرہ ملک کو ہمنوا بنانے کے لئے ہرگز کافی نہ ہوگا۔ غرض ایک اور اعلان تیار کیا گیا جو "نیو کاسل کا نظام العمل" کہلاتا ہے اور اس میں گلیڈ اسٹونی گروہ کے تمام منصوبے قلم بند کیے گئے۔ اس میں آئرستان کے لئے دیس راج، لندن کی مجلس ضلع کے لئے مزید اختیارات، ہر ضلعے اور کلیسائی حلقے میں انتخابی مجلسوں کا قیام، ویلز کے اسقفی نظام کا توڑا جانا، دارالامرا کی درستی یا شکستگی، ارکان پارلیمنٹ کا معاوضہ، فی کس ایک رائے وغیرہ بہت سی تجویزیں درج تھیں۔ آئندہ انتخابات (۱۸۹۲ء) میں ان سب تجاویز کو عمل میں لانے پر زور دیا گیا۔ اتحادی آئرستان کے ساتھ مجلسی اتحاد اور سالسبری کی داخلی اور خارجی حکمت عملی کی کامیابی پر زور دیتے تھے لیکن آخر میں گلیڈ اسٹون کو چالیس ارکان کی اکثریت حاصل ہو گئی۔ جس میں پارنیل کے ساتھی اور مخالف دونوں شامل تھے۔ قدامت پسند ارکان کی تعداد ۲۶۹ اور اتحادیوں کی ۴۶ تھی۔ پارلیمنٹ کا انعقاد ہوا تو ایس کوئتھ نے حکومت پر عدم اعتماد کی تحریک پیش کی اور ۳۱۰ کے مقابلے میں ۳۵۰ آرا سے منظور کرالی۔ سالسبری مستعفی ہو گیا اور گلیڈ اسٹون دوبارہ وزیر اعظم ہوا۔ اس مرتبہ لارڈ روز بری وزیر خارجہ، ایس کوئتھ وزیر داخلہ، مسٹر ولیم ہارکورٹ وزیر مالیہ اور جان مورلے آئرستان کا صدر معتمد مقرر ہوئے۔

دیس راج اور دوسرے قوانین

آئرستان میں دیس راج کی تجاویز بہت جلد پیش کر دی گئیں۔ ان میں اور ۱۸۸۶ء کے مسودے میں بڑا فرق صرف یہ تھا کہ آئرستان کے مبعوثین کو برطانی پارلیمنٹ سے خارج کرنے کی بجائے، شریک ہونے کی اجازت دی گئی تھی مگر وہ صرف عام شہنشاہی معاملات میں رائے دے سکتے تھے۔ یہ تجویز سن کر خود گلیڈ اسٹون کے متبعین میں بہت اختلاف پیدا ہوا کیونکہ اوّل تو اس طریقے سے پارلیمنٹ کے کاموں میں بڑی بے ربطی واقع ہوتی دوسرے اسی قسم کی ایک تجویز کی ۱۸۸۶ء میں لارڈ روز بری سخت مذمت کر چکا تھا۔ آخر گلیڈ اسٹون کو اپنی رائے بدلنی اور یہ تجویز قبول کرنی پڑی کہ آئرستان کے ۸۰ مبعوث برطانی پارلیمنٹ میں شریک ہوں

اور نہ صرف بیرونی۔ بلکہ خود اسکاٹ لینڈ اور انگلستان کے معاملات میں اسی طرح حصہ لیں جیسے برطانیہ کے دوسرے مبعوث۔ یہ تجویز ۳۰۰ کے مقابلے میں ۳۴۷ آرا سے داخل قانون کی گئی اور پھر پورے بیاسی دن کی بحث مباحثے کے بعد مسودۂ قانون دارالعوام میں منظور ہوا۔ لیکن دارالامرا میں دوسری خواندگی کے موقع پر اسے ۴۱ کے مقابلے میں ۴۱۹ آرا سے مسترد کر دیا گیا۔

اب حکومت کے سامنے دو راستے تھے کہ یا تو پارلیمنٹ کو برخاست کردیں جیسا کہ لارڈ گرے نے ۱۸۳۱ء میں کیا تھا اور یا نیوکاسل پروگرام کی دوسری تجاویز کو بروئے کار لائیں۔ یہی صورت انھوں نے پسند کی اور انھی سردیوں میں مجالسِ حلقہ کا قانون منظور کرایا جو دیہاتی علاقوں میں بہت پسند کیا گیا تھا۔ اس کی رو سے بڑے حلقوں میں مجالسِ حلقہ اور چھوٹے حلقوں میں پنچایتیں قائم ہوئیں۔ مجالس تعلقہ اور مجالس حلقہ کے بیچ میں ہر پرگنے یا ذیل میں بھی مجلسیں بنا دی گئیں جس سے مقامی حکومت کی از سر نو تشکیل اور قانون اصلاحات مجریہ ۱۸۳۲ء، قانون بلدیات ۱۸۳۵ء اور قانون قیام مجالس تعلقہ ۱۸۸۸ء کی تکمیل ہوگئی۔ یہ حقیقت میں برطانیہ کی دیہاتی زندگی میں ایک انقلاب انگیز تبدیلی تھی اور اس کے اچھے اور برے دونوں قسم کے اثرات کے ظہور میں ابھی ایک مدت درکار ہے۔

اس قانون کے علاوہ حکومت آجروں کی ذمہ داریوں کا ایک قانون نافذ کرنا چاہتی تھی مگر دارالامرا کی طرف سے اس میں ایک دفعہ کا اضافہ تجویز کیا گیا جس سے مزدوروں کے ہر گروہ کو خود اپنی "انجمن بیمہ" قائم کرنے کی اجازت مل جاتی بشرطیکہ محکمۂ تجارت اس کی توثیق کردے۔ اس دفعہ کو حکومت نے قبول نہ کیا اور یہ مسودۂ قانون ہی ترک کر دیا۔ تجارتِ شراب کا ایک قانون بھی پیش ہوا تھا کہ عام آرا سے کسی محدود رقبے میں شراب نوشی کا قطعی انسداد کیا جاسکے۔ مگر اس کی دوسری خواندگی نہ ہوئی۔ اور ۱۸۹۴ء کے موسم بہار میں خود گلیڈ اسٹون مستعفی ہوگیا۔ اس کی عمر پچاسی برس کی ہوگئی تھی اور ۱۸۳۲ء سے اب تک برابر پارلیمنٹ کا رکن رہا تھا۔ اب اس نے سیاسیات سے کنارہ کشی کا فیصلہ کیا

باب ہشتم

اور روزبری نے اس کی جگہ لی۔ دوسرے وزرا قریب قریب سب وہی رہے جو پہلے تھے۔ یوں بھی حکومت کی حکمت عملی وہی رہی کہ فی الوقت ولیس راج کو چھوڑکر صرف برطانیہ کے مسائل پر توجہ اور جدید قوانین وضع کئے جاتے رہے۔ اس سال کا بڑا کارنامہ ولیم ہارکورٹ کا پیش کردہ موازنہ تھا جس میں آمدنی کے تدریجی محصول کے عوض ایں رسوم موتی کو بہت کچھ بڑھا دیا گیا۔ ۱۸۹۵ء میں حکومت کی طرف سے دو قابل ذکر تجاویز پیش ہوئیں جن میں ایک تو ویلز کے اسقفی نظام کو موقوف کرنے کے متعلق تھی اور دوسری انسداد شراب نوشی کے متعلق۔ ساتھ ہی اعلان کیا گیا کہ ایک قرارداد پیش کی جائے گی کہ دارالامرا کو دارالعوام کے منظور کردہ قوانین کے مسترد کرنے کا حق کس قدر نامناسب ہے۔ مگر اس تمام زمانے میں حکومت کی اکثریت برابر کم ہوتی جاتی تھی۔ پارنیل کے نو رفیق اسی وقت سے حکومت کے خلاف رائے دے رہے تھے جب سے ولیس راج کا مسئلہ معرض التوا میں پڑا۔ ضمنی انتخابات میں بھی کئی نشستیں ہاتھ سے نکل گئیں حتیٰ کہ جون ۱۸۹۵ء میں ان کی اکثریت کا اوسط صرف دس رہ گیا۔ چنانچہ ایک موقع پر فوج کے انتظامات کے متعلق ان کی تجویز سات کی اکثریت سے نامنظور ہوئی اور وزرا نے فوراً استعفیٰ داخل کر دیا۔

سالبری کی وزارت

روزبری کی بجائے سالبری وزیراعظم مقرر ہوا۔ اس وزارت میں قدامت پسندوں کے علاوہ آزاد خیال وحدت پسند افراد بھی شامل تھے۔ وزارت خارجہ کا عہدہ خود سالبری کے پاس رہا۔ بلیفر صدر امیر خزانہ اور دارالعوام کا سرگروہ مقرر ہوا۔ امیر کبیر ڈیون شر (سابقہ لارڈ ہارٹنگ ٹن) صدر امیر مجلس گوشن، صدر امیر بحریات، چیمبرلین، وزیر مستعمرات۔ اور ہنری جیمس (جسے اب لارڈ جیمس اوف ہیریفرڈ کا خطاب مل گیا تھا) امارت لینکاسٹر کا صدر المہام بنایا گیا۔ سیاسی فریقین کی تعداد قریب قریب مساوی تھی اور کارگر نظم و نسق کے لئے جدید انتخاب ضروری تھا لہٰذا وزارت نے ملک سے فیصلہ چاہنے کا اعلان کیا۔

نئے انتخابات میں گلیڈ اسٹونی فرقے نے رائے دہندوں سے درخواست کی کہ اُسے آئرستان میں دیس راج اور "نیو کاسل پروگرام" کی دوسری اصلاحات نافذ کرنے کا موقع دیا جائے۔ دوسری طرف اتحادیوں کے مقاصد وہ تھے جو بیلفر نے مینچسٹر کے رائے دہندوں کے نام اپنے خطبے میں بیان کئے۔ مزدوروں کی سکونت کا بہتر انتظام۔ معافی کی اراضی کا اضافہ۔ بوڑھے مساکین کی امداد و دستگیری۔ کاشت کو ترقی دینے کے بعد کاشتکاروں کے حقوق کی حفاظت۔ مدارس مطوّعہ کا قیام و بقا۔ برطانی مصنوعات کے واسطے نئی منڈیوں کا انتظام وغیرہ اصلاحات ان مقاصد میں شامل تھیں۔ اسی گروہ کو اکثریت حاصل ہوئی یعنی ۷۱ آزاد خیال اتحادی اور ۳۴۰ قدامت پسند منتخب ہوئے۔ برطانی دیس راجی ۱۷۷، پارنیلی ۱۲، اور پارنیل کے مخالفین دیس راجی ۷۰ کامیاب ہوئے۔ پوری نوے نشستیں جو پہلے گلیڈ اسٹونی فرقے کے قبضے میں تھیں، اتحادی یا قدامت پسندوں کے ہاتھ آئیں۔ ہارنے والے آزاد خیالوں میں مورلے ہارکورٹ اور دو اور وزیر بھی تھے۔ غرض سالسبری کو ۱۵۲ کی وہ اکثریت حاصل ہوئی جو ۱۸۳۲ء کی پارلیمنٹ کے وقت سے کسی وزارت کو میسر نہ آئی تھی۔

جو مقاصد بیلفر نے بیان کئے تھے، حقیقت میں ان سے کہیں زیادہ مسائل حکومت کو طے کرنے تھے۔ ان میں ایسے اہم اور ہمہ گیر سوال بھی تھے کہ شہنشاہی برطانیہ کی آیندہ تنظیم کس طرح کی جائے، جو روزبری کے الفاظ میں "فلاح کا اتنا بڑا دنیاوی وسیلہ بن گئی تھی کہ اس سے بزرگ تر وسیلہ نوعِ انسان کے علم میں نہ آیا تھا"۔ ایک اور اہم مسئلہ یہ تھا کہ ۱۸۷۳ء کے تغیرات سے تجارت میں جو بے ربطی پیدا ہوئی، اسے کیونکر دُور کیا جائے۔ ملکی معاملات میں، ایسی حکومت خود اختیاری کا مسئلہ بھی شامل تھا جس میں آئرستان و برطانیہ دونوں کے فائدے کی صورت ہو۔ تعلیمات عامہ۔ کلیسا اور مملکت کا تعلق۔ آجر و اجیر کے باہمی تعلقات کے پیچیدہ مسائل۔ معاشرت کی تنظیم کا وہ طریقہ جو عوام کی مادی اور اخلاقی سود بہبود کا بہترین ذریعہ ثابت ہو اور اسی طرح کے بہت سے مہمات اور حکومت کے سامنے تھے۔ نئی پارلیمنٹ کا اگست ۱۸۹۵ء میں اجلاس ہوا اور پھر ۵ ستمبر تک

ملتوی کر دی گئی۔ مگر انہی چند روز میں کئی ایسے واقعات رونما ہوئے کہ نئی وزارت کو ان پر فوری توجہ مبذول کرنی پڑی۔ یہ چترال (شمالی مغربی ہندوستان) اور اشانتی کے قضیے تھے اور اسی طرح سال ختم ہونے سے قبل وینی زویلا اور جنوبی افریقہ کی گتھیوں کو سلجھانا پڑا۔

چترال و اشانتی

ان میں سب سے پہلے سالسبری کی وزارت کو ہندوستان کے معاملات سے سابقہ پڑا جہاں شمالی مغربی سرحد پر کئی سال امن رہنے کے بعد ۱۸۹۵ء میں چترال میں خانہ جنگی پھوٹ پڑی اور انگریزی فوج روانہ کی گئی۔ اگست میں سالسبری نے اعلان کیا کہ چترال پر انگریزی فوجیں مستقل قبضہ کر لیں گی۔

ایسی ہی کامیابی مغربی افریقہ کی مہم میں ہوئی۔ چیمبرلین کے وزیر مستعمرات ہوتے ہی ظاہر ہو گیا کہ برطانیہ اپنی نوآبادیوں کو زیادہ مضبوطی کے ساتھ رہنے سے وابستہ رکھنے کے درپے ہے۔ ۱۸۹۵ء تک وزارت مستعمرات کے طریقوں کو "جامد" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا مگر یہ "روایات" چیمبرلین نے آتے ہی کوڑے کی طرح صاف کر دیں اور آیندہ سے یہ محکمہ حکومت کا سب سے زیادہ کارکن جزو سمجھا جانے لگا۔ مغربی افریقہ کے شاہی مقبوضات پر پورا قبضہ جمانے کی غرض سے ۹۵ء کے جاڑوں میں ریاست اشانتی پر فوج کشی کی گئی اور بتاریخ ۱۰ ؍ جنوری ۱۸۹۶ء اس کا صدر مقام کماسی فتح کر کے، وہاں کے بادشاہ پریم پیا کو معزول کر دیا گیا۔

۱۸۹۵ء کے ختم ہونے سے قبل جنوبی افریقہ میں کئی اہم واقعات رونما ہوئے اور ادھر جنوبی امریکہ میں گی آنا اور وینی زویلا کی سرحد کے متعلق کئی بار ایسا معلوم ہوا کہ برطانیہ کی امریکہ سے جنگ ہوا چاہتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رئیس جمہوریہ کلیولینڈ نے ۱۷ ؍ دسمبر کو مجلس ولایات امریکہ میں بیان کیا کہ برطانیہ اصول منرو کی خلاف ورزی کر رہی ہے اور اس غیر معمولی کارروائی سے یہ مسئلہ جو آخر کار برطانیہ کے دعاوی کے مطابق فیصل ہوا، کافی مخدوش بن گیا۔ اس بیان سے تجارتی دنیا میں کھلبلی پڑ گئی تھی جو صرف سالسبری کے سکون اور مستقل مزاجی سے دفع ہوئی۔ پھر جب ولایات متحدہ کی طرف سے ماہرین حدود مقرر ہوئے

اور تمام معاملات کی تنقیح ہو چکی تو یہ مقدمہ ثالثی میں پیش ہوا جن میں دو پنچ انگریز، دو امریکی اور سر پنچ ایک روسی قانون داں، پروفیسر ڈی مارٹنز تھا۔ ثالثی کا اجلاس جون ۱۸۹۹ء میں بمقام پیرس ہوا اور اس نے اکتوبر میں برطانیہ کے دعاوی کے موافق فیصلہ صادر کر دیا۔

جنوبی افریقہ

جس زمانے میں برطانیہ اور امریکہ والے وینی زویلا کے قضیئے میں الجھے ہوئے تھے۔ جنوبی افریقہ کے واقعات نے بھی سالسبری کی وزارت کو کافی فکرمند کر دیا۔ ۱۸۹۴ء میں جنوبی افریقہ کی تاریخ کا نہایت اہم واقعہ یہ سمجھا گیا ہے کہ برطانیہ نے سوازی لینڈ اور سمندر کے درمیان کے علاقے پر قبضہ کر لیا اور ٹرانسوال کے رئیس جمہوریہ، کروگر کو اپنی ریاست کے لئے کوئی بندرگاہ حاصل کرنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ یہ الحاق گلیڈ اسٹون کی وزارت کے وقت میں ہوا جب کہ لارڈ رپن وزیر مستعمرات تھا اور نیز اسی زمانے میں جب کہ پہاڑی علاقے کی غیر بوئر آبادی طرح طرح کی شکایتیں پیش کر کے شور مچا رہی تھی کہ ان کا تدارک کیا جائے؛ لارڈ رپن نے اکتوبر ۱۸۹۴ء میں کروگر سے یوٹ لینڈ کے باشندوں کے متعلق تقاضا بھی کیا کہ ان کی سیاسی حالت کو بہتر بنانے پر توجہ کی جائے اور رپن کے جانشین، چیمبرلین نے بھی یہ کوشش جاری رکھی۔ ۱۸۹۵ء میں پرتگالی بندرگاہ ڈلاگوا اور پری ٹوریا کے درمیان ریل جاری ہوئی تو بوئروں کا تسلط اور بھی قوی ہو گیا مگر اس سے تبھی یوٹ لینڈ کے ستر ہزار باشندوں میں مخالفت کا جوش بڑھا اور وہ تل گئے کہ بوئر سرمایہ داروں کی خصوصی حکومت کا جو ترقی اور حسن انتظام سے عاری تھی خاتمہ کر دیا جائے۔

وینی زویلا کی پیچیدگی کی وجہ سے کچھ روز تو ٹرانسوال کی طرف توجہ نہ ہو سکی لیکن یکم جنوری ۱۸۹۶ء کو لندن میں یہ خبر سن کر لوگ چونک پڑے کہ رھوڈیشیا کا مشہور ناظم، ڈاکٹر جیمسن برطانی سپاہ کے کئی وظیفہ یاب سرداروں اور کئی سو سواروں کو لیکر میف کنگ سے ۲۹ دسمبر کے دن روانہ ہوا اور ٹرانسوال کی حدود میں داخل ہو گیا۔ اس مہم کا مقصد یہ تھا کہ جوہانس برگ میں یوٹ لینڈ

باب ہشتم

والوں سے جاملے اور کروگر کو ان کے مطالبات تسلیم کرنے پر مجبور کرے۔ کیپ کالونی کا مدار المہام سیسل رھوڈس ڈاکٹر جیمیس کی تیاریوں سے پوری طرح باخبر تھا اور اپنے خاص خاص رفیقوں سمیت گذشتہ گرمیوں ہی میں یہ باور کرچکا تھا کہ کروگر ٹرانسوال میں ممالک غیر سے بھی دخل دلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ چونکہ رھوڈس جنوبی افریقہ کی تمام ریاستوں اور صوبوں کو برطانی پرچم کے ماتحت متحد کرنے کا آرزو مند تھا، لہٰذا اس نے اپنے بھائی کرنل فرینک رھوڈس کو بھی جوہانس برگ میں فوج کی قیادت کرنے کی غرض سے بھیج دیا کہ مذکورہ بالا مشاجرہ عمل میں آجائے۔

جیمیس کی یورش

مگر قبل اس کے کہ جوہانس برگ میں تیاری مکمل ہو، ڈاکٹر جیمیس کی بے صبری نے سارا کام خراب کر دیا کہ اصلاحات چاہنے والے زرکنے کی تاکید ہی کرتے رہ گئے اور وہ دوڑ پڑا۔ دوسری جنوری (۱۸۹۶ء) کے دن وہ کروگرز ڈورپ پہنچ گیا تھا مگر جوہانس برگ کی طرف سے کوئی کمک نہ آئی اور جنرل کرونجی کی قیادت میں دو ہزار کے قریب بوئروں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ کوئی پچیس آدمی مارے گئے تھے کہ جیمیس کی مختصر جمعیت نے مجبور ہو کر ہتیار ڈال دیے۔ ایک عرصے تک تشویش و تذبذب رہا اور اس دوران میں صدر ناظم سر ہرکیولیس روبن سن پری ٹوریا بھی آیا۔ اور بالآخر یہ چھاپا مارنے والے انگلستان بھیجدیے گئے اور ڈاکٹر جیمیس اور پانچ فوجی سرداروں کو قید کی سزا ملی۔ اُدھر جوہانس برگ کی "جماعت اصلاح" پر سخت جرمانہ کیا گیا اور حکومت ٹرانس وال نے سلطنت برطانیہ کے حکام سے مطالبہ کیا کہ مالی نقصانات اور نیز اخلاقی اور دماغی تکلیف کا تاوان برطانیہ ادا کرے۔

سیسل رھوڈس، جنوری (۱۸۹۶ء) کو کیپ کالونی کی مدار المہامی سے مستعفی ہو گیا تھا۔ وہ ایک مجلس تفتیش کے روبرو پیش ہوا جس میں سر ہنری کیمپ بل بینرمین وغیرہ چار اشخاص شامل تھے۔ اہل تفتیش نے رھوڈس اور دوسرے اشخاص کے اظہار لیے اور ۱۹۰۱ء میں اس کے طرز عمل کو قابل ملامت قرار دیا۔ حقیقت میں یورش کے نتائج بہت ناگوار برآمد ہوئے۔

قیصر جرمانیا (ولیم) نے ۳ جنوری کے دن کروگر کے نام مبارک باد کا تار بھیجا اور اس پر انگریزوں نے ایک تیز رو بیڑا مجتمع کرلیا اور ان واقعات سے برطانیہ اور جرمانیا کے تعلقات میں ایسی کشیدگی پیدا ہوئی کہ بہت روز تک صفائی نہ ہوسکی؛ دوسرے خود بوئروں کو کامل یقین رہا کہ انگریزی حکومت کے بعض افراد اس یورش کی تیاریوں سے بخوبی آگاہ تھے اور چاہتے تھے کہ وہ کامیاب ہو، اسی بناپر بوئروں نے بھی آیندہ حملوں کے سدباب کی غرض سے فوجی تیاریاں شروع کیں اور ان کا مقصد یہ تھا کہ آگے چل کر ان کی حکومت بالکل خود مختار ہوجائے؛

ارمنی مقاتل

۱۸۹۶ء میں ایشیائے کوچک میں ارمنوں کے بار بار قتل عام ہوئے جن کا سلسلہ درحقیقت اضلاع ساسون سے ۱۸۹۴ء میں شروع ہوا تھا۔ ۱۸۹۶ء میں تخمینہ کیا گیا کہ اسی ہزار (ارمن) مارے گئے۔ ۱۸۹۵ء ہی میں برطانیہ، فرانس اور روس نے باب عالی سے احتجاج کیا تھا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اگست ۱۸۹۶ء میں چند ارمنوں نے استنبول کے عثمانی بینک پر قبضہ کرلیا تو پھر ان کے قتل عام کی نوبت آئی جس میں کہا جاتا ہے کہ تقریباً چار ہزار ارمن اسی شہر کے اندر مارے گئے۔ چونکہ روسی زبردستی کرنے اور ارمینیا میں ایک اور بلغاریا تیار کرنے پر آمادہ نہ تھے، پس دوسری دول بھی کوئی کارروائی نہ کرسکیں اور سالسبری نے قدامت پسندوں کی جانب سے، نیز روزبری آزاد خیال فرقے کی طرف سے تنہا مداخلت کی روش کی تائید کرنے سے انکار کردیا؛

لیکن روزبری نے اپنے سیاسی گروہ کے اکثر افراد کو ہمنوا نہ پایا تو اس کی قیادت سے استعفیٰ دے دیا اور لارڈ اسپینسر آزاد خیال گروہ کا سرگروہ ہوگیا۔ کہیں ۱۸۹۹ء میں جاکر ارمینیا کو کچھ سیاسی اصلاحات نصیب ہوئیں؛

جن دنوں ایشیائے کوچک اور استنبول میں یہ ہنگامے ہورہے تھے، جزیرہ کریٹ میں بھی بڑا جوش خروش پیدا ہوا۔ ۱۸۹۶ء میں ترکی حکومت سے بغاوت برپا ہوگئی اور اس سے طرح طرح کے برے نتیجے نکلے۔ یونان والوں نے کریٹ کے باغیوں کی حمایت کی اور ۱۸۹۷ء کی اپریل و مئی میں ترکوں سے جنگ چھڑ گئی۔

باب ہشتم

یونانیوں کو کامل شکست نصیب ہوئی۔ یورپ کی سلطنتوں نے فوجی دستے بھیج کر کریٹ پر قبضہ کر لیا تھا مگر امن قائم رکھنے میں بہت دشواریاں پیش آئیں۔ شہر کانڈیا میں مسلمانوں نے انگریزی فوج پر حملہ کر دیا۔ تب برطانیہ کی طرف سے سلطان کو جنگ کا پیام دیا گیا۔ اکتوبر ۱۸۹۸ء میں ترکی فوج جزیرے سے واپس بلالی گئی اور دسمبر میں یونان کا شہزادہ جارج، دول یورپ کی طرف سے کریٹ کا صدر ناظم مقرر ہو گیا ؎

اس عرصے میں انگلستان کے لوگ زیادہ تر خانگی اور ستعمراتی مسائل میں لگے رہے جو ملکہ کی شصت سالہ سالگرہ کے سلسلے میں نمایاں ہو گئے تھے۔ ۲۰ جون ۱۸۹۷ء کو ملکہ وکٹوریا کی بادشاہی کے ساٹھ برس پورے ہوئے اور بتاریخ ۲۲ جون سینٹ پال کے کلیسا میں نماز شکرانہ ادا کی گئی۔ جشن سالگرہ کے موقع پر خود اختیار نوآبادیوں کے وزرائے عظمیٰ کو بھی لندن میں مدعو اور برطانیہ کے ساتھ ان کے رشتۂ مودت کو زیادہ مضبوط کیا گیا۔ ایک جلسۂ مشاورۃ میں شہنشاہی کی اندرونی تجارت اور جنگی مدافعت کے مسئلوں پر بحث ہوئی۔ کیپ کالونی کی طرف سے ایک جنگی جہاز نذر دیا گیا۔ اور وہ تجاویز بھی پیش ہوئیں جو اس صدی کے ابتدائی سنین میں محاصلِ ترجیحی کے لئے درپیچ پیکار کا پیش خیمہ تھیں ؎

۱۸۹۸ء

داخلی اور خارجی سیاسیات میں ۱۸۹۸ء کا سال یادگار ہے کہ اسی برس، مئی میں گلیڈاسٹون اور ۳۱ جولائی کے دن بسمارک نے وفات پائی۔ ان دونوں کی سوانح ایک دوسرے سے بہت کچھ مختلف ہیں، مگر ان دونوں نے اپنے اپنے ملک کی تاریخ میں گہرا نقش ڈالا۔ یہ دونوں مرنے سے قبل سیاسیات سے کنارہ کش ہو گئے تھے مگر اتنے دن زندہ رہے کہ ان کی حکمت عملی کے خاص خاص اجزا، ان کے جانشینوں نے یا ترک کر دیئے اور یا بالکل مخالف راستہ اختیار کیا۔ گلیڈاسٹون کی تدفین ۲۸ مئی کے روز ویسٹ منسٹر ابی میں ہوئی ؎

اپریل ۱۸۹۸ء میں چین سے جزیرہ وی ہی وی کا پٹہ مل جانے کا اعلان ہوا۔ اسی مہینے اسپین اور ولایات متحدۂ امریکہ میں جنگ چھڑ گئی جس کا ظاہری سبب

کیوبا میں اسپین کی بدانتظامی تھا۔ اسپین کو ہر موقع پر شکست ہوئی اور کیوبا اور فلپائن کے جزیروں کو فاتحین کے حوالے کرنا پڑا اگر وہاں کی قزاقانہ لڑائیوں کی بدولت یہ علاقے آسانی سے قابو میں نہ آئے۔ اس جنگ میں یورپ کی بڑی سلطنتیں نمایاں طور پر اسپین کی حامی تھیں اور اگر لارڈ سالسبری اپنی رائے پر مستقل نہ رہتا تو ممکن تھا کہ امریکہ کے خلاف دول یورپ کا جتھا تیار ہو جاتا۔

مشرق اقصیٰ

اس عرصے میں چین میں چند بڑے بڑے واقعات پیش آئے۔ ۱۸۹۴ء میں ریاست کوریا کے بارے میں اس کی جاپان سے لڑائی چھڑی اور جاپانیوں نے ایک بحری اور ایک بری معرکہ جیت کر چینیوں کو کوریا سے نکال دیا اور نومبر میں وہاں کے مستحکم بحری مستقر پورٹ آرتھر پر قابض ہو گئے۔ دوسرے سال جاپانیوں نے وی ہی وی کے بحری مرکز اور جنگی مخزن پر بھی قبضہ کر لیا اور چین نے صلح کی استدعا کی۔ جاپان کا مطالبہ تھا کہ فارموسا اور جزیرہ نمائے لیوٹنگ (جس میں پورٹ آرتھر بھی شامل ہے) نیز نقد کثیر بطور تاوان دیا جائے لیکن روس جرمانیا اور فرانس نے بیچ میں پڑ کر اسے جزیرہ نمائے مذکور کی بجائے زر نقد میں اضافہ کر دینے پر بادل ناخواستہ آمادہ کیا۔ اس کے تین برس بعد خود یورپ کی سلطنتیں بے بس چین کی تکابوٹی کرنے پر جھپٹ پڑیں اور معلوم ہوتا تھا کہ اس پر بھی وہی گزرے گی جو انیسویں صدی میں پولینڈ پر گزری تھی۔ چنانچہ منچوریا پر روسیوں نے سیاسی اور تجارتی اثر قائم کیا اور طے ہو گیا کہ وہ اپنی سائبریا کی ریل کا سلسلہ پورٹ آرتھر اور پھر پیکنگ تک وسیع کریں گے اور پورٹ آرتھر کے ساتھ ٹالیان وان کا پٹہ بھی انھوں نے حاصل کر لیا۔ فرانس نے اپنی ٹانکین کی سرحد درست کرنے کے سلسلے میں کوانچو وان کی بندرگاہ بھی لے لی جرمانیا نے کیوچو کی بندرگاہ کا مدت دراز کے لئے پٹہ لکھوا لیا اور برطانیہ نے چین میں آزادی تجارت پر زور دینے کے علاوہ ہانگ کانگ کے سامنے کا کچھ علاقہ اور نیز جزیرہ وی ہی وی کا قبضہ حاصل کیا اور یہ بھی اصرار کیا کہ وادی ینگ سی پر مستقلاً اہل چین ہی متصرف رہیں۔

اس میں شبہہ نہیں کہ مشرق میں جاپان و برطانیہ دونوں نقصان میں رہے۔ جاپان کو تو پورٹ آرتھر سے ہاتوں ہاتوں میں الگ کر کے، روسی مالک بن بیٹھے اور انگریزوں کو محسوس ہوا کہ وہ کوئی مزاحمت نہیں کر سکتے۔ اس بندرگاہ کے قدرتی محل وقوع کو روسی قلعوں نے اور بھی مستحکم کر دیا اور معلوم ہوتا تھا کہ آیندہ اسے کوئی تسخیر نہ کر سکے گا نیز یہ کہ امروز فردا میں نہ صرف منچوریا بلکہ کوریا بھی پوری طرح روس کی مٹھی میں آجائے گی؛

سوڈان کی بازیابی

مشرق اقصیٰ میں برطانیہ کے کم و بیش نقصان میں رہنے کے باوجود، مصر و سوڈان میں اس کے سیاہی اور سپہ سالاروں کی قابلیت کی بدولت اس کا ستارہ عروج پر رہا۔ ۱۸۸۳ء سے انگریز منتظمین کے طفیل (جن میں لارڈ کرومر سب سے ممتاز ہے) داورسی کا عمدہ انتظام ہوا۔ مالیات کی حالت درست، اور تجارت و زراعت میں ایسی توسیع ہوئی کہ مصر کا حال کچھ سے کچھ ہوگیا۔ فلاحین کا بار بہت کچھ ہلکا اور ان کی حیثیت کہیں بہتر بن گئی، مگر گورڈن کے قاہرہ پہنچنے کے وقت ہی مصری اقتدار کا سوڈان میں خاتمہ ہوا اور اس کی جنوبی سرحد، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے وادی حلفہ قرار دی گئی۔ سوڈان بھر میں صرف سواکین پر مصری قبضہ باقی رہ گیا اور گورڈن کی سفارت کے سوا، آیندہ پندرہ سال تک سوڈان مہدی اور اس کے جانشین خلیفہ عبداللہ کی جابرانہ حکومت کے حوالے رہا۔ حتیٰ کہ مارچ ۱۸۹۶ء میں ونگولا کی تسخیر سے وہ معرکہ آرائی شروع ہوئی جس کا خاتمہ ام درمن کی فتح پر ہوا جب کہ لارڈ کچنر نے ۲ ستمبر ۱۸۹۸ء کو خلیفہ کے لشکر کا قلع قمع کر دیا اور سوڈان کو ظلم و بدامنی سے نجات دی؛

خرطوم کی تسخیر کے بعد کچنر، جنرل اسمتھ ڈورین کے ساتھ نیل کے کنارے کنارے جنوب میں بڑھا اور فشودہ کے مقام پر میجر مارشان کی فرانسیسی جمعیت سے ملاقی ہوا۔ برطانیہ اور فرانس گذشتہ جون میں مغربی افریقہ میں اپنی اپنی حدود کے متعلق ایک اقرار نامہ لکھ چکے تھے پس فرانس کے فشودہ پر فوج بھیجنے سے بہت پیچیدگیاں پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ معاملہ

اس قدر نازک ہوگیا کہ اکتوبر ۱۸۹۸ء میں ان سلطنتوں کے درمیان جنگ کا امکان تھا۔ آخر ایک اضطراب انگیز وقفے کے بعد فرانسیسیوں نے وادی نیل میں ہمارا مرتبہ تسلیم کرلیا اور جنگ کی نوبت نہ آنے پائی۔ پھر ۲۲ مارچ ۱۸۹۹ء کے دن ایک عہدنامے پر دستخط ہوگئے جس کی رو سے فرانس نے سوڈانی علاقے میں اپنے دعاوی سے بالکل ہاتھ اٹھالیا؛ اسی سال نومبر میں خلیفہ عبداللہ مارا گیا۔ کچھ مدت بعد خرطوم اور آگے ڈیڑھ سو میل جنوب تک ریل بنالی گئی اور یقین ہے کہ آیندہ سوڈان مصر کا بیش قیمت مقبوضہ ثابت ہوگا۔[1]

جنگ جنوبی افریقہ

جیمسن کی یورش کے وقت ہی جنوبی افریقہ میں ہیجان پھیلی ہوئی تھی۔ انگلستان نے بظاہر دب کر یوئٹ لینڈ والوں کی پشت پناہی سے ہاتھ اٹھالیا تو بوئروں کی ہمت بڑھ گئی اور وہ غیر بوئر باشندوں کے ساتھ اور بھی سختیاں کرنے لگے جن سے یہ پردیسی آبادی پہلے سے زیادہ بددل ہوگئی۔ فروری ۱۸۹۷ء میں سر الفریڈ ملنر صدر ناظم مقرر ہوا اور کوشش کی کہ ٹرانس وال کی حکومت یوئٹ لینڈ والوں کی کچھ بھلائی کا سامان کرے مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ ۱۸۹۹ء میں اس کی اور کروگر کی بلوم فونٹین میں ملاقات بھی بے سود رہی تو معاملہ اور بھی نازک ہوگیا۔ بعد میں رسل و رسائل ہوتے رہے جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بوئر خود مختاری حاصل کرنے کی فکر میں تھے۔ ان کے متکبرانہ دعاوی کا اصلی سبب یہ تھا کہ وہ جانتے تھے کہ جنوبی افریقہ کی انگریزی فوج قلیل ہے اور وہ خود جنگ کے لئے پوری طرح تیار اور جدید ترین توپوں سے مسلح ہوچکے ہیں۔

کیپ کالونی میں بھی لوگ بوئروں کے دعاوی کے حامی تھے اور اورینج فری اسٹیٹ کی حکومت، جس کا صدر نشین اسٹین تھا، اعلان جنگ ہوتے ہی ٹرانس وال کے ساتھ ہوگئی۔ جنگ کا آغاز ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو ہوا اور جیسا کہ لارڈ ولزلی وغیرہ مبصرین کا خیال تھا، برطانیہ کو کافی مشکل پیش آئی۔ سال ختم ہوتے ہوتے انگریزوں کو سخت شکستیں نصیب ہوئیں۔ سر جارج وہائٹ،

[1] - دیکھو صفحہ ۱۰۲۸۔

شہر لیڈی اسمتھ میں اور رھوڈس کمبرلی میں محصور ہو گئے۔ ۱۰ دسمبر کے دن لارڈ میتھوان کو جو بوئروں سے بیل منٹ وغیرہ کے تین معرکے جیت چکا تھا، میگرس فونٹین پر سخت شکست کھا کر پسپا ہونا پڑا۔ اسی دن جنرل گیٹ ایکر کو اسٹورمبرگ میں ہزیمت نصیب ہوئی اور ۱۵ دسمبر کے دن سپہ سالار بلر نے لیڈی اسمتھ کو چھڑانے کی کوشش میں کولنسو پر شکست کھائی۔

ان شکستوں کی خبر سے برطانی قوم کو جوش آیا۔ لارڈ رابرٹس سپہ سالار اعلیٰ اور کچنر اس کا نائب اول مقرر کیا گیا۔ ملکی سپاہ بھیجی گئی۔ بہت سے مطوعین بھرتی ہوئے۔ کناڈا، نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا کی فوجوں نے دلی شوق سے خدمات پیش کیں اور ایک نئی شاہی فوج "امپریل یومین ری" مرتب کی گئی۔ غرض اندازہ کیا گیا ہے کہ ۱۹۰۰ء میں حکومت برطانیہ نے ڈھائی لاکھ سپاہی جنوبی افریقہ میں فراہم کر دیے۔ رابرٹس اور کچنر جنوری کے آغاز ہی میں پہنچ گئے تھے۔ اس وقت نٹال کی حالت خاص طور پر مخدوش تھی۔ وہائٹ لیڈی اسمتھ میں بہ مشکل قدم جمائے ہوئے تھا اور بلر کی کوشش کہ اسے محاصرے سے نجات دلائے اس وقت تک کامیاب نہ ہو سکی تھی۔ ۲۳ جنوری کو اس سپہ سالار نے اسپیون کوپ میں اور پھر ۵ فروری کو وال کرانز میں شکستیں کھائیں۔

لیکن ان ناکامیوں کے بعد سے معاملات کی صورت بہتر ہونے لگی۔ رابرٹس ۱۱ فروری کے دن کیپ ٹاؤن سے روانہ ہوا۔ ۱۵ ویں تاریخ رسالے کے لائق سردار فرینچ نے کمبرلی کو محاصرے سے چھڑا لیا۔ اور ۲۷ ویں کو کرونجی نے پارڈی برگ کے مقام پر کچنر کی اطاعت قبول کر لی۔ اس تیز اقدام سے نٹال کا دباؤ کم ہو گیا۔ بلر نے ۲۷ فروری کے دن پائی ٹرہل کے معرکے میں دھوم کی فتح پائی اور لیڈی اسمتھ کو چھڑا لیا۔ ادھر رابرٹس نے بڑھ کر بلوم فونٹین پر قبضہ کیا (۱۳ مارچ) اور ۲۸ مئی تک پوری ریاست اورینج کا سلطنت برطانیہ میں الحاق کر لیا۔

جنرل باڈن پاول بڑی بہادری سے میف کنگ میں قلعہ بند ہو کر لڑ رہا تھا۔ مئی میں اسے محاصرے سے نجات ملی اور ۵ ویں جون کو رابرٹس پریٹوریا

میں داخل ہوگیا۔ ایک ہفتے بعد ڈائی مندیل کی لڑائی انگریزوں کی فتح پر منتج ہوئی اور یکم ستمبر کے دن پورے ٹرانس وال کے الحاق کا اعلان کردیا گیا۔ رابرٹس اپنی دانست میں جنگ کو ختم کر کے نومبر میں واپس انگلستان چلا آیا اور سپہ سالاری کی خدمت کچنر کے تفویض کردی۔ ستمبر میں پارلیمنٹ برخواست ہوئی مگر ملک مصمم ارادہ رکھتا تھا کہ جنگ کی کامیابی میں کوئی کسر نہ رہے لہذا قدامت پسندوں کو پھر بڑی اکثریت حاصل ہوئی اور سالسبری ہی اپنے عہدے پر (۱۹۰۲ء تک) برقرار رہا۔

لیکن رابرٹس کی واپسی کے ساتھ ہی ٹرانس وال میں ایک طویل اور پریشان کن قزاقانہ جنگ شروع ہوگئی تھی جس میں کچنر اور انگریز سپاہیوں کو اپنی ساری سعی و قابلیت صرف کرنی پڑی۔ اور یکم جون ۱۹۰۲ء سے پہلے حریف سپہ سالار قابو میں نہ آسکے۔ آخر ان بوئر سرداروں یعنی بوتھا، ڈی ویٹ اور ڈی لارے کو معلوم ہوگیا کہ جنگ جاری رکھنا بیکار ہے اور انھوں نے صلحنامۂ وری نگنگ پر دستخط کردیے جس کی رو سے ٹرانس وال اور اورینج فری اسٹیٹ قطعی طور پر شہنشاہی برطانیہ میں شامل کر لیے گئے۔

یکم جنوری ۱۹۰۱ء کو آسٹریلیا کی دولت عامہ کی تشکیل ہوئی یعنی وہاں کی ۶ نو آبادیاں ایک ہی وفاقی حکومت کا جزو بن گئیں اور اسی کی ریاستوں کے نام سے موسوم ہوئیں۔ بہ الفاظ دیگر، آسٹریلیا کا پورا براعظم اب ایک واحد قوم کا ملک بن گیا اور اس اہم تغیر کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ وطن اصلی اور آسٹریلیا کے لوگ ایک دوسرے سے اور زیادہ مربوط ہوگئے۔

ملکہ کی وفات

جنوبی افریقہ کی جنگ ختم نہ ہونے پائی تھی کہ ملکۂ وکٹوریا نے وفات پائی۔ ۱۹۰۰ء میں وہ خود ڈبلن آئی تھی کہ جنوبی افریقہ کی جنگ میں آئرستانی سپاہیوں نے جو بہادری دکھائی اس کی قدردانی کا اظہار کرے۔ وہ تاریخ ۲۲ جنوری ۱۹۰۱ء اوزبرن میں فوت ہوئی۔ ۱۸۳۷ء میں تخت نشین ہوکر وہ اپنے ممالک پر "بے مثل فراست" سے حکومت کرتی رہی اس وصف کے ساتھ حب وطن کا جذبہ بھی بدرجۂ اتم موجود تھا۔

اور انھی اوصاف نے اسے دنیا بھر کے انگریزوں میں محبوب بنا دیا اور وہ ہمیشہ آئینی بادشاہی کا بہترین نمونہ سمجھی جائے گی ؛

مشہور سنین و واقعات

شہروں میں خانہ بخانہ حق رائے دہندگی	سنہ ۱۸۶۷ء
آئرستانی کلیسا کے سرکاری انتظام کا خاتمہ	سنہ ۱۸۶۹
قانون تعلیم ابتدائی	سنہ ۱۸۷۰
مخفی رائے دہی کا طریقہ	سنہ ۱۸۷۲
عہدنامۂ برلن	سنہ ۱۸۷۸
آئرستان کا دوسرا قانون اراضی	سنہ ۱۸۸۱
قبضۂ مصر	سنہ ۱۸۸۲
دیہات میں خانہ بخانہ حق رائے	سنہ ۱۸۸۵
دیس راج کے پہلے مسودۂ قانون کی نامنظوری	سنہ ۱۸۸۶
نوآبادیوں کی پہلی مجلس مشاورۃ	سنہ ۱۸۸۷
دیس راج کے دوسرے قانون کا استرداد	سنہ ۱۸۹۳
مجالس دیہات اور حلقوں کی پنچایتیں	۱۸۹۳و۹۴
لارڈ سالسبری کی تیسری وزارت	سنہ ۱۸۹۵
چترال اور اشانتی کی لڑائیاں	"
ڈاکٹر جیمس کی یورش	سنہ ۹۵و۹۶
جنگ ترکی و یونان	سنہ ۱۸۹۷
روسیوں کا پورٹ آرتھر اور انگریزوں کا وی ہئی وی پر قبضہ ..	سنہ ۱۸۹۸
معرکۂ ام درمن اور قضیۂ فشودہ	سنہ ۱۸۹۸
جنگ جنوبی افریقہ	سنہ ۱۸۹۹
وفات ملکۂ وکٹوریا .... ۲۲ جنوری	سنہ ۱۹۰۱ء

باب نہم

ایڈورڈ ہفتم ۱۹۰۱ء تا ۱۹۱۰ء

مشہور معاصرین۔

فرانس .... جمہوریہ
روس .... نکولاس ثانی
جرمانیہ .... ولیم ثانی
اطالیہ .... امان ویل ثالث
جاپان .... مت سکیتو

ایڈورڈ ہفتم تخت نشین ہوا تو ملک اس وقت بھی بوئروں کی جنگ میں اُلجھا ہوا تھا۔ لیکن یکم جون ۱۹۰۲ء کو یہ جنگ ختم ہوگئی اور کچھ روز آرام لینے کے بعد جنوبی افریقہ اپنی تاریخ کے نئے دَور میں داخل ہوا۔ ادھر اس لڑائی کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ وطن مادری اور آزاد نوآبادیوں میں یگانگی کے جذبات اور تعلقات قوی تر ہوگئے اور اسی لیے اب (یعنی تالیف کتاب کے وقت) شہنشاہی برطانیہ اس درجہ مضبوط ہے کہ پہلے کبھی نہ تھی۔

سالسبری کی وفات ۱۹۰۲ء میں سالسبری سیاسیات کے عملی میدان

باب نہم

سے کنارہ کش ہوا اور بیلفر نے اس کی جگہ لی۔ ۱۹۰۳ء میں سالسبری نے وفات پائی۔ انیسویں صدی کے آخری تیس برس میں وہ برطانی سیاسیات میں نمایاں حصہ لیتا رہا۔ گلیڈ اسٹون کو زیادہ تر مسائلِ داخلی میں انہماک رہتا تھا مگر سالسبری معاملاتِ خارجہ سے بہت گہری واقفیت رکھتا تھا۔ ۱۸۷۸ء میں وہ لارڈ بیکنس فیلڈ کے ہمراہ برلن گیا اور بیکنس فیلڈ کی وفات کے بعد قدامت پسند گروہ کا سرگروہ ہوا۔ انگلستان کی سیاسیات پر نگرانی رکھنے والا اس قابلیت کا مدبّر شاید ہی کوئی دوسرا ہوا ہوگا۔ اس کی تاریخی معلومات کافی وسیع تھیں اور خطابت کی طرح ادبی قابلیت بھی ایسی تھی کہ وہ عام اہلِ سیاست سے کہیں بلند و برتر رتبہ رکھتا تھا۔ اس نے برطانیہ کی مختلف مشکلات میں رہ نمائی کی اور دولِ خارجہ سے معاملہ کرنے میں اور اپنے وطن کا وقار قائم کرنے اور قائم رکھنے میں کمال ہنرمندی سے کام لیا۔

مشرقِ اقصیٰ

شاہ ایڈورڈ ہفتم کی تخت نشینی کو زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ دور رس اہمیت کے کئی واقعات پیش آئے جو آیندہ شہنشاہی برطانیہ کی فلاح و بہبود پر بڑا بھاری اثر ڈال سکتے ہیں۔ ایک طرف تو چین میں اندرونی بدامنی کے باعث جاپان کو فرصت مل گئی کہ اپنی پوری قوت روس کے مقابلے میں صرف کرے اور اس سے روس کے بادشاہوں کی قوت کو کافی صدمہ پہنچا۔ اور دوسری طرف، انھی دنوں جب کہ بعض یورپی سلطنتیں چین میں مزید رقبے بنانے کے درپے تھیں، پائے تخت پیکن میں بغاوت ہو گئی۔ سابقہ وزیرِ با اقتدار، لی ہون چان نامی معزول ہوا اور بیوہ ملکہ نے شہنشاہ) چین کی یہ کوشش کہ مغربی اصول پر اصلاحات نافذ کی جائیں، چلنے نہ دی۔ حامی اصلاح گروہ کے زوال اور شہنشاہ کے عملاً نظربند کر لیے جانے سے ملک میں بہت بددلی پھیلی اور جابجا فتنہ و فساد برپا ہوئے۔ اپریل ۱۹۰۰ء میں خود پیکن اور دوسرے مقامات میں بلوے، اور فرنگیوں اور عیسائیوں کا قتلِ عام ہوا؛ جرمن سفیر پیکن میں مارا گیا۔ اور دوسرے فرنگی سفیر بھی اپنے اپنے سفارت خانوں میں سختی سے گھیر لیے گئے۔ یورپ کی سلطنتوں اور نیز جاپان و امریکہ نے فوراً فوجی دستے روانہ کیے۔ ٹینٹ سن پر جولائی میں قبضہ کر کے اگست میں مشترکہ افواج

باب نہم

پیکن پہنچ گئیں۔ چینی حکومت یقین دلاتی تھی کہ سارے فساد کا باعث "بوکسرز" ہیں جن کی جماعت اجانب کو چین سے نکال دینے ہی کے لئے وجود میں آئی تھی۔ دول خارجہ نے بالاتفاق مطالبہ کیا کہ چینی حکومت ان عہدہ داروں کو جو گذشتہ فساد کے بانی تھے، سزا اور نقصانات کا تاوان ادا کرے۔ چین کے شاہ و وزیر پیکن سے باہر چلے گئے تھے۔ ممالک غیر کی فوج ستمبر ۱۹۰۱ء سے پہلے پیکن سے نہ گئی۔ جنوری ۱۹۰۲ء میں بادشاہ بھی پائے تخت میں واپس آیا۔ اسی سال انگلستان و جاپان کا مفاہمت نامہ ہوا جس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ روس منچوریا پر مستقل قبضہ کرنے کی چین سے منظوری لینے کی کوشش میں تھا۔ لیکن مذکورہ بالا عہد و پیمان کی بدولت چین اور کوریا کی آزادی مسلم ہو گئی ہے۔

زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ جاپانیوں نے ۱۸۹۸ء میں پورٹ آرتھر کے ہاتھ سے نکل جانے کا بخوبی بدلا لیا۔ ۱۹۰۴ء میں جاپان و روس کی جنگ چھڑ گئی اور شدید جد و جہد کے بعد بر و بحر دونوں پر جاپان فتحیاب ہوا۔ پورٹ آرتھر واپس لے لیا گیا۔ کوریا پر جاپان کی گرفت دوبارہ مضبوط ہو گئی اور روس کا سارا بیڑا برباد کر دیا گیا۔ مشرق اقصیٰ کے توازن سیاسی میں انقلاب ہو گیا اور ۱۹۰۵ء میں جاپان و انگلستان میں معاہدۂ اتحاد کر لیا گیا۔ اس عہد نامے سے جاپان اور برطانیہ دونوں جگہ لوگ خوش ہوئے۔ لارڈ لینس ڈاؤن نے بیان کیا کہ اس کا مقصد "امن" ہے۔ محض اسے تکمیل کو پہنچانے کی غرض سے بلیفر کا ۱۹۰۵ء میں برسر اقتدار رہنا بجا تھا۔ مشرق اقصیٰ کی تشکیل جدید کا عمل ہنوز جاری ہے اور اس میں یورپ کی دوسری سلطنتوں کی نسبت برطانیہ کا تعلق سب سے زیادہ ہے۔ بتاریخ ۲۸ ستمبر مراکش کی بابت جرمانیہ اور فرانس کا مفاہمت نامہ بھی شائع ہوا۔ مگر اس سال کی آخری سہ ماہی میں وزارت کی قوت کم ہوتی گئی۔ چیمبرلین کی علحدگی اور محاصل تجارت کی وکالت کرنے سے قدامت پسند گروہ کو ایسا صدمہ پہنچا کہ پھر وہ پنپ نہ سکا۔ صاف ظاہر ہو گیا کہ بلیفر اور چیمبرلین میں سخت اختلاف رائے ہے اور اس صورت میں بلیفر کے لیے یہی راستہ رہ گیا تھا کہ وزارت سے استعفا داخل کر دے۔

کیمپبل بینرمن کی وزارت	۴ دسمبر کو بلیفر وزارت سے کنارہ کش ہوا

باب ہم

تو کیمپ بل بینرمن نے نئی وزارت مرتب کی۔ اس میں یہ لوگ شامل تھے:۔ سر رابرٹ ریڈ وزیر عدلیہ۔ اور ارل کرو۔ لارڈ رپن۔ سر ایڈورڈ گرے۔ جان مورلے۔ لائڈ جارج۔ ایس کو یتھ وغیرہم۔ وزارت کی اس تشکیل کو عامتہً پسند کیا گیا اور آیندہ انتخابات میں آزاد خیال فرقے کی کامیابی یقینی سمجھی جانے لگی؛

عام انتخاب جنوری، فروری ۱۹۰۶ء میں ہوا اور آزاد خیالوں کو بڑی بھاری اکثریت حاصل ہوئی۔ اس گروہ میں فرقۂ مزدور اور قوم پرست بھی شامل تھے اور ان کے مبعوثین کی مجموعی تعداد ۳۷۷ تھی۔ بخلاف اس کے قدامت پسند اور اتحادی صرف ۱۵۷ تھے۔ یہ ہزیمت بلفور و چیمبرلین کی مصالحت کا باعث ہوئی اور آیندہ سے اس سیاسی گروہ نے محاصل تجارت کی اصلاح کو اپنا دستور العمل قرار دے لیا؛

نئی حکومت پہلے سال بہت سے جدید اور مفید قوانین وضع کرنے میں مصروف رہی۔ لیکن بیرونی مسائل میں طرح طرح کی پریشانیاں پیش آئیں۔ مشاورۂ الجزائر میں، جسے مراکش کے حالات پر غور کرنے کی غرض سے طلب کیا گیا تھا، انگریزوں نے فرانس کا ساتھ دیا جس سے فرانس و برطانیہ کی مودت قوی تر ہوگئی اور جرمانیہ میں برطانیہ سے مخالفت پیدا ہوئی۔ فرانس و مصر کی حدود کے متعلق اس فرقے کو فرانس سے اختلاف تھا مگر یہ قضیہ بھی قابلِ اطمینان طریق پر طے ہوگیا۔ جنوبی افریقہ کے بارے میں حکومت نے اعلان کیا کہ وہ برطانی سیادت قائم رکھنا چاہتی ہے لیکن خود وہاں کے برطانی اور بوئر باشندوں کی مدد سے ایسا کرے گی؛

حکومت کی نئی تعلیمی تجاویز میں دارالامرا والوں نے غور و بحث کے بعد چند ترمیمیں منظور کی تھیں۔ دارالعوام نے ان کو مسترد کر دیا، لہٰذا یہ مسودۂ قانون ہی ترک کر دیا گیا اور پھر فروری ۱۹۰۷ء تک پارلیمنٹ ملتوی ہوگئی؛ اس سال میں وزارت کی قوت اور بڑھی ایڈورڈ گرے، مورلے وغیرہ نے سب فرقوں میں اپنا اعتبار قائم کر لیا۔ ہالڈین نے سپاہ کی تنظیم جدید شروع کی اور ستمبر میں ایسٹر کمیٹی کی سفارشوں کے مطابق نظارت عامہ کے نئے محکمے کی بنیاد ڈالی؛

سنہ ۱۹۰۷ء میں پارلیمنٹ فروری سے اگست تک اجلاس کرتی رہی۔ مباحث میں اکثر اوقات تحدید کی نوبت آئی اور اسی لئے اکھٹے مسودات قانون منظور ہوئے۔ لارڈ مورلے کی سیاست دانی کے متعلق جو اعلیٰ رائے تھی وہ اس کی وزارت ہند کے کارناموں سے صحیح ثابت ہوئی اسی طرح ایڈورڈ گرے کی وزارت خارجہ کے کام کرنے کا طریقہ سب کی نظر میں مستحسن قرار پایا۔ متوفیہ بیوی کی بہن کا قانون تو منظور ہو گیا لیکن برل کے مجوزہ قوانین متعلقۂ آئرستان اسکاٹ لینڈ کے چھوٹے زمینداروں کے مسودۂ قانون کی طرح دارالامرا میں مسترد کر دیے گئے۔ ملکی اور محفوظ فوج کے بارے میں جو تجویزیں پیش ہوئیں وہ بصورت قانون نافذ کر دی گئیں لیکن حکومت کی بحری حکمت عملی پر بہت کچھ نکتہ چینیاں ہوئیں۔ سال کے ابتدائی مہینوں میں نوآبادیوں کا جلسہ منعقد ہوا مگر وزارت نے ترجیحی محاصل کی تجویز پر غور کرنے سے قطعی انکار کر دیا؛

تجارت کے اعتبار سے سنہ ۱۹۰۷ء کو پورے دور کا سال نصف النہار کہا جاتا ہے جس کے بعد سے زوال شروع ہوا اور آیندہ تین سال تک جاری رہا؛

سنہ ۱۹۰۸ء

سنہ ۱۹۰۸ء میں حکومت کو مختلف دشواریوں کا سامنا رہا۔ ۱۵ جنوری کی لینکاسٹر والی تقریر میں ایسکوتھ نے آیندہ سنین کی کساد بازاری کی پیشین گوئی کر دی تھی پھر اس نے اور ایڈورڈ گرے نے یہ بھی جتا دیا کہ برطانی بیڑے میں اضافہ لازمی ہے اور اس کے معنی یہ تھے کہ مصارف میں بہت کچھ بیشی کرنی پڑے گی۔ دوسری سلطنتیں اپنے بیڑے بڑھا رہی تھیں اور ہر چند کسی متوقعہ جتھے کے مقابلے میں ہمارا بیڑا فی الوقت کافی تھا لیکن ان وزیروں کی رائے تھی کہ اگر ممالک خارجہ اپنی تجاویز کے مطابق عمل کریں تو ہم پر بھی لازم ہے کہ بیڑا بڑھایا جائے؛

زنانہ حقوق رائے کی شورش بھی اس سال پھیلتی رہی مگر وزرا یا اپنے حامیوں کی طرف سے اسے کوئی خاص مدد نہ ملی اور اکتوبر میں اس تحریک کی سرغنہ عورتیں جنھوں نے دارالعوام پر یورش کی تھی حراست میں لے لی گئیں۔ آئرستان میں کاشتکاری جرائم اور بدامنی پر فریق اختلاف نے سخت نکتہ چینی کی مگر وہاں کا صدر معتمد

باب نہم

برل اس کے تدارک کی کسی قابلِ اطمینان تدبیر کا وعدہ نہ کر سکا ؀

اپریل کے آغاز ہی میں بیز من عہدے سے دستکش ہوا اور تھوڑے ہی دن بعد وفات پائی۔ اس پر وزارت کی از سر نو ترتیب کی گئی۔ ایس کوئیتھ وزیر اعظم اور

ایس کوئیتھ کی وزارت

صدر امیر خزانہ لائڈ جارج، وزیر مالیہ۔ میک کینا صدر امیر بحریہ ارل کرو، وزیر مستعمرات۔ ونسٹن چرچل، صدر محکمۂ تجارت اور رن سی مین، صدر سر رشتۂ تعلیمات مقرر ہوئے۔ اسی سال (۱۹۰۸ء) کے اوائل میں صدر اسقف کنٹربری نے اپنی اسقفی کے لوگوں کو بتایا کہ "ملت انگریزیہ" کی جو مشاورۃ آیندہ ہونے والی ہے وہ کس قدر اہمیت رکھتی ہے۔ تعلیم معاشرت اور دین کے وہ وسیع مسائل جن سے کلیسا کو آیندہ سابقہ پڑنے والا ہے اس میں زیر بحث آئیں گے اور کلیسائے انگلستان کے پیروؤں کو ان کی نوعیت کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا، چنانچہ جون میں یہ مجلس مشاورۃ لندن میں منعقد ہوئی اور اس کے ختم ہونے پر تین لاکھ تینتیس ہزار پاؤنڈ کی رقم کثیر نذر نیاز کی غرض سے مختلف حلقوں کی طرف سے اس مجلس میں پیش کی گئی ؀

۲۸ جون کو، طویل مباحثے کے بعد، وظائف پیرانہ سالی کا مجوزہ قانون دار الامرا میں منظور ہو کر نفاذ پذیر ہوا اگرچہ لارڈ روز بری نے اس پر قابل غور نکتہ چینی کی تھی۔ اس قانون سے ستر سال کی عمر کا ہر مرد یا عورت، جو حکام متعلقہ کو یقین دلا دے کہ گذشتہ بیس سال تک برابر برطانی رعایا اور ساکن برطانیہ رہا یا رہی اور اس کی سالانہ آمدنی $31\frac{1}{2}$ پاؤنڈ سے زیادہ نہ تھی، تو وہ شخص وظیفۂ پیرانہ سالی کا مستحق ہو جائے گا۔ ان وظائف کے سالانہ خرچ کا تخمینہ پچھتر لاکھ پاؤنڈ کیا گیا تھا۔

اسی مہینے ترکی میں دستور جدید کا اعلان ہوا اور وہ نہ صرف قابل عمل بلکہ مجموعی طور پر اطمینان بخش ثابت ہوا۔ اگست میں شاہ ایڈورڈ، قیصر جرمانیہ سے مارین باڈ میں اور شہنشاہ آسٹریا سے اِشل میں ملاقی ہوئے۔ اسی سال اکتوبر کے آغاز میں آسٹریا نے بوسینا اور ہرزی گووینا کا اپنی سلطنت میں الحاق کیا تو سارے یورپ میں ہیجان پھیل گیا اور کچھ روز تک معلوم ہوتا تھا کہ سرویا لڑ پڑے گی لیکن اس کا کوئی یاور و مددگار نہ تھا اور اسے مجبوراً الحاق کو تسلیم کرنا پڑا۔ خصوصاً اس لئے کہ

روس نے کان تک نہ ہلایا اور جرمانیہ آسٹریا کی موید ہوگئی ؛

۲۹ نومبر کو "مسودۂ قانون اجازت نامہ" تین روز کے مباحثے کے بعد دارالامرا میں (۲۷۲ بمقابلہ ۹۶) مسترد کیا گیا جس سے آزاد خیال بہت بگڑے۔ رن سی من کا مجوزہ قانون تعلیم بھی دوسری دفعہ دارالعوام میں پیش ہونے کے بعد طول طویل بحث کے بعد، ۴ دسمبر کو خود وزیر اعظم نے ترک کروایا۔ بہر حال، اس میقات کے ختم ہونے سے قانون معادن، (ہشت ساعتی) قانون بندرگاہِ لندن اور قانون وظائف پیرانہ سالی نافذ ہوئے جو کچھ کم کام نہ تھا۔ اگرچہ ان میں سے بعض کی خوبیوں کا ابھی تک امتحان نہیں ہوا ہے۔ شراب فروشی کو محدود کرنے کی غرض سے "مسودۂ قانون اجازت نامہ" میں جو تجویزیں پیش کی گئی تھیں، دارالعوام میں ان کے نامنظور کئے جانے سے شراب نوشی کے مخالف بہت ناخوش ہوئے اور اس واقعے نے بھی ان کی اور انتہا پسند گروہ کی دارالامرا سے عداوت اور بڑھا دی ؛

۱۹۰۹ء

۱۶ فروری سنہ ۱۹۰۹ء کو پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو بادشاہ کی تقریر میں لوگوں کو خبردار کر دیا گیا کہ بیڑے میں اضافے کی غرض سے بہت بھاری مصارف اٹھانے پڑیں گے۔ ۲۹ اپریل کو لائڈ جارج نے موازنہ پیش کیا جس کے آگے اس میقات کے اور سب کام ماند ہوگئے۔ ۲۲ جون سے پہلے یہ موازنہ ذیلی مجلس تک نہ پہنچ سکا اور وہاں بھی چالیس دن بحث میں صرف ہوئے۔ نومبر میں بہت دلچسپ مباحثے کے بعد دارالامرا نے فیصلہ کیا کہ اسے سارے ملک کی رائے لئے بغیر منظور نہ کیا جائے ؛

دوسرے مسائل جو اس بار زیر بحث آئے، ان میں جنوبی افریقہ کا مسئلہ تھا۔ جس کے مختلف اقطاع کے اتحاد کی تجویز پیش اور شاہی منظوری سے بصورت قانون نافذ ہوگئی (۲۰ ستمبر) لارڈ مورلے نے ہندوستان کی مجالس وضع قوانین میں توسیع کا اہم قانون مرتب اور نافذ کرایا۔ مارچ میں نیوزی لینڈ کی حکومت نے ایک اول درجے کا جنگی جہاز نذر کیا جسے قبول کر لیا گیا اور جون میں آسٹریلیا کی طرف سے اسی قسم کا ہدیہ پیش ہوا ؛

مجموعی طور پر اہل ملک بیڑے کے متعلق وزرا کے بیانات سے کچھ مطمئن نہ تھے اور ان کے عدم اطمینان کا سنہ ۱۹۱۰ء کے انتخابات میں ظہور ہوا۔ بری فوج اور سلطنت کے بری مسائل پر بھی وزرا تقریریں کرتے رہے۔ اتنا سب پر ظاہر تھا کہ جرمانیہ کی جہاز سازی کی سرگرمی کے باعث جنگی جہازوں میں اضافہ ضروری ہے۔ اور کسی اہم مسئلے پر اس مبنفات میں بحث نہ ہوئی۔ ویلز میں اسقفی انتظام کی موقوفی کے لیے قانون پیش ہوا مگر واپس لے لیا گیا۔ اراضی آئرستان کا ایک قانون منظور ہوا اور "لیبر ایکس چینج" قائم کرنے کا مجوزہ قانون دونوں ایوانوں میں بلا دقت کامیاب ہو گیا؛ بایں ہمہ اصلی توجہ مجوزہ موازنے ہی پر مبذول رہی اور اس کو منظور کرنے کے لیے پارلیمنٹ کا قریب قریب پورے سال مسلسل اجلاس ہوتا رہا یہاں تک کہ وہ نئے انتخابات کے لیے برخاست ہو گئی ؛؛

انتخابات سنہ ۱۹۱۰ء

عام انتخاب جنوری سنہ ۱۹۱۰ء میں ہوا۔ وزارت کے حامی دار الامراء کی مخالفت کو اپنی عام تائید کا قوی سبب سمجھتے تھے مگر معلوم ہوا کہ انگلستان کے حلقوں میں اس مخالفت کا کوئی اثر نہیں یا ہے تو بہت کم ہے۔ اصلاح محاصل کے لیے دیہات میں بہت لوگوں نے رائے دی لیکن مینچسٹر اور وسطی اضلاع کے اکثر بڑے شہروں میں لوگ سلطنت کے اقتصادی نظام میں، مزید غور و فکر کے بغیر، کسی تغیر کی رائے دینے پر آمادہ نہ تھے۔ البتہ یہ صاف ثابت ہو گیا کہ سمندر پر برطانی سیادت قائم رکھنے کے عزم بالجزم میں سارا ملک متفق الرائے ہے ؛؛

نتائج انتخاب سے ظاہر ہوا کہ آزاد خیالوں کی ۳۳۶ کی سابقہ اکثریت گھٹ کر ۱۱۰ رہ گئی اور اس میں بھی ۷۰ قوم پرست اور ۴۰ مزدور فرقے کے مبعوث شامل تھے۔ چنانچہ اجلاس شروع ہوتے ہی صاف نظر آ گیا کہ قدامت پسندوں اور آزاد خیالوں میں، توازن رکھنا آئرستانی قوم پرستوں کے ہاتھ میں ہے جن کا سرگروہ ایڈمنڈ تھا۔ چونکہ دار الامراء میں قدامت پسندوں کی اکثریت کو بے کار و بے اثر بنائے بغیر آئرستان کے دیس راج کی کوئی تجویز نہ چل سکتی تھی، لہذا وزارت نے طے کر لیا کہ اہل آئرستان کی تائید کرے اور ان کی مدد سے

دارالامرا کے ترکیبی آئین مرتب ہوں اور عام نوعیت پر پوری قوت سے حملہ کیا جائے۔ گرمی میں پارلیمنٹ ایک ماہ کے واسطے ملتوی ہو گئی کیونکہ بادشاہ جو بیمار پڑ گیا ہوا تھا، اپریل کے اخیر میں واپس آیا اور چند روز علیل رہ کر قصر بکنگہم میں وفات پائی۔ (۶ مئی ۱۹۱۰ء)

ایڈورڈ ہفتم کی وفات

نو سال کی قلیل مدت حکمرانی میں ایڈورڈ ہفتم نے ثابت کر دیا کہ وہ سلطنت برطانیہ کے سب سے لائق و ہر دلعزیز بادشاہوں میں شمار ہونے کا مستحق ہے۔ ممالک خارجہ کے سیاسی حالات سے وہ بہت گہری واقفیت رکھتا تھا۔ رعایا کے ہر طبقے میں اس کی ہر دلعزیزی اور اثر مسلم تھا اور اس کی موت سے برطانیہ اپنے ایک بزرگ ترین فرماں روا سے محروم ہو گیا۔ شاہ ایڈورڈ کی پس ماندہ اولاد میں صرف ایک فرزند جارج پنجم (ولادت ۱۸۶۵ء) باقی تھے اور وہی وارث تخت ہوئے۔ ان کی ملکہ ٹیک کی شہزادی میری ہے اور اسی کے بطن سے ایک بیٹی اور پانچ بیٹے ہیں۔ جن میں ولی عہد (شہزادہ ایڈورڈ) ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوا۔

۱۹۱۰ء اور پھر ۱۹۱۱ء میں جو عام انتخابات ہوئے ان میں کامیابی وزرا کو حاصل ہوئی اگرچہ ان کی اکثریت گھٹ گئی۔ اس دوسری کامیابی کے بعد دارالامرا اپنے اختیارات کم کر دیے جانے پر رضامند ہو گیا۔ ۱۹۱۲ء میں ایسکوتھ نے جسے اہل آئرستان کی مدد سے اکثریت حاصل ہوئی تھی، ان کے لیے دیس راج کا ایک مسودۂ قانون پیش اور بالآخر منظور کرا لیا۔ اس پر شمالی آئرستان میں السٹر کے پروٹسٹنٹ سخت ناراض ہوئے پہلے ان کو دارالامرا سے اپنی پشت پناہی کی امید رہی تھی لیکن اب انھوں نے بطور خود مزاحمت کی تیاریاں شروع کیں۔ ادھر ملک کے باہر جرمانیہ کی جیرہ دستیاں بڑھتی جاتی تھیں اور ایک سے زیادہ مرتبہ جنگ کی نوبت پہنچ گئی۔ چنانچہ ۱۹۱۴ء کی گرمیوں میں آئرستان کا جدید قانون نافذ ہونے سے قبل اور عین اس زمانے میں جب کہ وہاں خانہ جنگی کے آثار نمایاں تھے، براعظم یورپ ہی میں جنگ کا طوفان آ گیا۔ آسٹریا کے ولی عہد سلطنت کو سرویا کے ایک خونی نے قتل کیا تو آسٹریا کی طرف سے تلافی کی اتنی سخت شرطیں پیش ہوئیں کہ

باب نہم

روس نے احتجاج کیا۔ برطانیہ صلح و آشتی کرا دینے کی رائگاں کوشش کرتی رہی۔ جرمانیہ اور آسٹریا لڑائی کا تہیہ کئے ہوئے تھے اور آخر چند روز میں لڑائی چھڑ گئی۔ جرمانیہ نے بلجیم کے راستے فرانس پر حملہ کیا حالانکہ وہ فرانس، روس و برطانیہ کے ساتھ بلجیم کی غیر جانب داری کا عہد و پیمان کر چکی تھی۔ اب (اس کی خلاف ورزی پر) برطانیہ نے بھی جرمانیہ کے خلاف اگست ۱۹۱۴ء میں اعلان جنگ کر دیا۔ ساتھ ہی سب اندرونی اختلافات کو بالائے طاق رکھکر تمام شہنشاہی برطانیہ شخص واحد کی طرح اٹھ کھڑی ہوئی کہ انصاف و صداقت، اور خود اپنی سلامتی کی خاطر جنگ کرے۔

مشہور سنین

شاہ ایڈورڈ ہفتم کی تخت نشینی	۱۹۰۱ء
پیکن کا تخلیہ فرنگی افواج سے	۱۹۰۱ء
صلحنامۂ ویری نگنگ (جنوبی افریقہ)	۱۹۰۲ء
جنگ روس و جاپان	۱۹۰۴ء
معاہدۂ برطانیہ و جاپان	۱۹۰۵ء
آزاد خیال فرقے کی وزارت	۱۹۰۶ء
مستعمراتی مشاورۃ لندن میں	۱۹۰۷ء
موازنۂ آمد و خرچ کا دارالامرا سے مسترد ہونا	۱۹۰۹ء
انتخابات عام اور شاہ ایڈورڈ کی وفات	۱۹۱۰ء
شاہ جارج پنجم کی تخت نشینی	۱۹۱۰ء
دارالامرا کے اختیارات میں تخفیف	۱۹۱۱ء
آئرستان کے دیس راج کا قانون منظور، نفاذ ملتوی	۱۹۱۴ء
یورپ کی جنگ عظیم کا آغاز	۱۹۱۴ء

تمت

صحت نامہ

تاریخ انگلستان حصۂ دوم (ضمیمہ)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۶	۲۵	جذبات نفساتی	جذبات نفسانی	۸۸	۳	سخت دداشت	سخت و درشت
۱۶	۱۴	ہلوک	ملوک	〃	۱۹	بیٹاں	بیٹیاں
۱۹	۵	بڑا	پیڑا	۹۲	۲۱	طرف تر	طرفہ تر
۳۲	۲	انگلتا	انگلستان	۱۱۰	۱	چاربیس	چالیس
۳۷	۴	مہلت	مہلت	۱۱۳	۶	اسکوئی	اسکوتی
۴۸ و ۵۰	پیشانی کتاب	حصۂ دو	حصۂ دوم	۱۳۵	۲۲	شتر قد بری	شتروزبری
				۱۵۱	۱۴	حسن و فبح	حسن و قبح
۶۲	۴	آیندہ سند	آیندہ سنہ	۱۵۶	۱۱	بیپوری ٹن	بیوری ٹن
〃	۹	وسلط ہوجائیں	مسلط ہوجائیں	۱۶۲	۹	مبعوب	مبعوث
۷۴	۳	والادت	ولادت	۱۸۶	۱۸	نسوخی	منسوخی
۷۷	۱۷	دانواتیں	دلواتیں	۱۸۷	۲	حصہ اول	جزو اول
۷۹	۲۲	معمولی یہ	معمول بہ	۱۹۲	۸	الینٹ	الیئٹ
۸۴	۱۴	پیدا ہوای	پیدا ہوئی	۲۱۶	۱۲	بسایں	بسائیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۲۴۵	۱۴	طینخوں	طینچوں	۴۹۲	۱۳	برتھ	پرتھ
۲۶۶	۷	اسکوئی	اسکوتی	؍؍	۲۱	فورشس ٹر	فورس ٹر
۳۰۵	۶	معاشوز	معاشوں	۵۴۶	۱۵	قلعہ اوسس	قلعۂ اوگسٹس
۳۰۶	۲ و ۳	سُرعت کے کے	سُرعت کے	۵۸۱	۲۰	یگانکت	یگانگت
۳۱۶	۲	ناماعد ہوا	نامساعد ہوا	۶۰۵	۲۲	دہنے لگے	دینے لگے
۳۲۹	۷	دستور تھ۔	دستور تھا۔	۷۱۵	۶	تھ	تھا
۳۹۶	۱۰	نفاد	نفاذ	۷۴۰	۲۲	باغ وخیایان	باغ وخیابان
۴۲۲	۲۴	کرنی پڑنی	کرنی پڑتی	۸۷۹	۴	کئیں	گئیں
۴۲۷	۲۴	نہ رہے۔ ی	نہ رہے۔ اسی	۸۹۶	۱۲	قارص	قادص
۴۳۶	۶	کپمبیل	کیمپبیل	۹۱۹	محاذی جدول	باب ہشم	باب ہشتم
۴۵۹	۵	وضع فوائین	وضع قوانین				